بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذکرہ فدائے ملتؒ

جانشین شیخ الاسلامؒ، فدائے ملت، امیر الہند
حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند
کی حیات وخدمات پر پیش کیے گئے مقالات ومضامین کا گرانقدر مجموعہ

بموقع: فدائے ملت سیمینار
۴-۵؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق: ۲۳-۲۴؍اپریل ۲۰۰۷ء

حسب الحکم:
امیر الہند حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصورپوری صدر جمعیۃ علماء ہند

باہتمام:
حضرت مولانا سیّد محمود اسعد صاحب مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

ترتیب وتہذیب:
محمد سلمان منصورپوری
مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر
جمعیۃ علماء ہند، ۱- بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی-۲

تفصیلات

نام کتاب : تذکرۂ فدائے ملتؒ (مجموعۂ مقالات فدائے ملت سیمینار)
ناشر : جمعیۃ علماء ہند، ۱- بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی
حسب الحکم : امیر الہند حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصور پوری صدر جمعیۃ علماء ہند
باہتمام : حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند
ترتیب وتہذیب : محمد سلمان منصور پوری (کنوینر فدائے ملت سیمینار)
سنہ اشاعت : جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق مئی ۲۰۱۲ء
صفحات : ۱۰۹۶
قیمت : چار سو روپے (Rs. 400/-)

ملنے کا پتہ
الجمعیۃ بک ڈپو، گلی قاسم جان، دہلی

گذرے ہوئے لوگوں کی
اچھائیوں کی یاد

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ.

(ابوداؤد شریف: ٤٩٠٠، ترمذی شریف: ١٠١٩)

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:
''اپنے مرحومین کی خوبیوں کا ذکر کرو اور ان کی برائیوں کے تذکرہ سے رک جاؤ''۔

---

(۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

إِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ وَلَا تَقَعُوْا فِيْهِ.

(أبوداؤد شرف: ٤٨٩٩، ترمذی شریف: ٣٨٩٥)

ترجمہ:

ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ
آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جب تمہارا بھائی انتقال کر جائے
تو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور اس کی بے عزتی نہ کرو''۔

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

عرضِ مرتب

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

مؤرخہ ۶؍فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو جانشین شیخ الاسلام، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند کی وفات ہوئی، اور ۲۱؍جولائی ۲۰۰۶ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے یہ طے کیا کہ حضرت فدائے ملتؒ کی حیات وخدمات پر ایک باوقار سیمینار کا انعقاد کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، جناب مولانا رشید الوحیدی صاحب، اوراس راقم الحروف کے نام شامل تھے، احقر کی طرف سے معذرت کے باوجود گرامی قدر اراکین عاملہ نے باصرار سیمینار کمیٹی کے ''کنوینر'' کے طور پر احقر کا نام طے کیا۔

چناں چہ بتوفیق خداوندی کام شروع ہوا، اولاً سیمینار کے ممکنہ موضوعات پر ایک وقیع فہرست تیار کی گئی، جسے ملک کے منتخب اصحابِ قلم اور حضرت فدائے ملتؒ سے تعلق رکھنے والے چنندہ حضرات کی خدمت میں ایک وضاحتی خط کے ساتھ بھیج دیا گیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اکثر حضرات نے بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اور سیمینار کے انعقاد کے فیصلے پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، اور بتدریج حضرت فدائے ملتؒ کی خدمات وحالات پر بہت عمدہ اور کارآمد مضامین جمع ہوگئے، تا آں کہ ۲۳-۲۴؍اپریل ۲۰۰۷ء میں دہلی کے عالی شان ''وگیان بھون'' کے تاریخی ہال میں اس بین الاقوامی سیمینار کا کامیاب انعقاد عمل میں آیا، جس میں نہ صرف ملک وبیرون ملک کے معزز مہمانوں نے عقیدت واحترام کے ساتھ شرکت فرمائی؛ بلکہ اربابِ حکومت بشمول عزت مآب وزیر اعظم حکومت ہند بنفس نفیس شریک ہوئے، اور حضرت فدائے ملتؒ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

اس سیمینار میں کل ۸۹؍مقالے جمع ہوئے؛ لیکن وقت کی قلت کے باعث سب مقالات کی سماعت نہ ہوسکی؛ بلکہ صرف مقالات کی تلخیص سیمینار کی چھ نشستوں میں پیش کی گئی۔

ارادہ تھا کہ جلد ہی ان مقالات کو شائع کیا جائے؛ لیکن عوارض درعوارض پیش آتے گئے، بالآخر طے ہوا کہ جمعیۃ علماء ہند کے ۳۱ رویں اجلاسِ عام (۱۸-۱۹ رمئی ۲۰۱۲ء) کے موقع پر اس کی اشاعت عمل میں لائی جائے، اسی تجویز کی تعمیل کے طور پر یہ مجموعہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

سیمینار میں مقالات کے علاوہ جن مہمانوں نے زبانی طور پر اظہار خیال کیا تھا، ان کی قیمتی باتوں کو ریکارڈ میں لانا تھا، اس کے لیے جناب مولانا محمد محسن اعظم قاسمی آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند نے بڑی محنت کی اور سیمینار کی ٹیپ شدہ CD سے پروگرام کا ایک ایک لفظ کاغذ پر نقل کردیا، اب اس مفصل رپورٹ کو نوک پلک درست کرکے قابلِ اشاعت بنایا گیا ہے، جسے اس کتاب کے پہلے باب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات مختلف موضوعات پر مشتمل تھے، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ انھیں بلاترتیب شائع کرنے کے بجائے اجمالی عنوان کے تحت لاکر فی الجملہ مرتب انداز میں شائع کیا جائے، چناں چہ اس مقصد سے مختلف ابواب قائم کرکے مقالات ومضامین کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عام طور پر شخصیات پر لکھے جانے والے مضامین میں کسی نہ کسی حد تک تکرار ضرور ہوتا ہے، بریں بنا یہ مجموعہ مقالات بھی اس تکرار سے خالی نہیں ہے؛ لیکن چوں کہ ہر مقالہ نگار نے اپنے اپنے انداز سے حضرت موصوفؒ کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے، اس لیے بہت سی جگہ تکرار کو گوارا کرلیا گیا ہے۔

اخیر میں ایک باب حضرت فدائے ملتؒ کے دورِ نظامت وصدارت میں جمعیۃ علماء ہند کی سرگرمیوں سے متعلق قائم کیا گیا ہے، اس میں سال بسال کی اہم سرگرمیوں اور واقعات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نیز سیمینار کے بارے میں اخبارات میں جو خبریں اور رپورٹیں آئیں، ان کا بھی ایک منتخب حصہ اس مجموعہ کا جزو بناکر شائع کیا جارہا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہر مقالہ نگار یا مقرر نے حضرت فدائے ملتؒ کے بارے میں یا ضمناً کسی اور موضوع کے بارے میں اس سیمینار میں جو رائے ظاہر کی ہے، وہ اس کی ذاتی رائے سمجھی جانی چاہئے، ضروری نہیں ہے کہ وہ جمعیۃ علماء ہند کی پالیسی سے یا اس کے موقف سے

پوری طرح ہم آہنگ ہو، اس لیے اس وضاحت کو سامنے رکھ کر ہی کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

اخیر میں ہم جانشین فدائے ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کے مشکور ہیں کہ ان کی خاص توجہ سے اس وقت یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے۔

اسی طرح جناب بھائی محمد ناصر صاحب مالک فرید بک ڈپو دہلی کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انہوں نے بہت تندہی کے ساتھ بہت جلد اور بروقت طباعت کا نظم کیا۔

نیز جناب محمد حمران صاحب اعظمی نے بہت محنت سے تمام مضامین کی کمپوزنگ کی اور مضامین کو خوب صورت انداز میں سیٹ کیا، اس پر وہ بھی بہت شکریہ کے مستحق ہیں۔

عزیزم مولوی عبد الملک رسول پوری اور عزیزم مولوی سید ابوبکر صدیق منصور پوری سلمہما نے مضامین کی تصحیح میں حصہ لیا، اس خدمت پر وہ بھی عند اللہ ماجور ہوں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ تمام ہی معاونین کو بے حد جدائے خیر سے نوازیں، اور اس کاوش کو امت کے لیے خیر کا ذریعہ بنائیں، آمین۔

کمپیوٹر کتابت میں بالخصوص پروف ریڈنگ اور تصحیح کا مرحلہ بہت اہم ہوتا ہے، ان مضامین میں تصحیح کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے، پھر بھی غلطیاں رہ جانے کا امکان ہے، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ وہ دورانِ مطالعہ کوئی غلطی پائیں تو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

والسلام

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۱/۶/۱۴۳۳ھ، مطابق ۲/۵/۲۰۱۲ء بروز بدھ

○○

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

دعائیہ کلمات

از: امیرالہند حضرت مولانا **قاری سید محمد عثمان صاحب** منصورپوری مدظلہ العالی صدر جمعیۃ علماء ہند

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند اپنے دور کے ایک عظیم المرتبت انسان تھے، انہوں نے اپنے جلیل القدر والدِ ماجد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا حق کامل طور پر ادا کیا، اور ان کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے آں موصوف کو ملت کے لئے دھڑکتا ہوا دل عطا کیا تھا۔ جرأت و بسالت اور دینی وملی غیرت وحمیت مثالی تھی، آپ کی پوری زندگی جہد وعمل سے عبارت تھی، ایمانی بصیرت میں بھی آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ گذشتہ نصف صدی میں قدم قدم پر ملتِ اسلامیہ ہند آپ کی بیدار مغز قیادت سے رہنمائی حاصل کرتی رہی۔

بالخصوص ملتِ اسلامیہ کی دو عظیم امانتوں: جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کی ترقی اور تحفظ میں آپ کا پرعزم کردار تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

ضرورت ہے کہ ایسی ممتاز اور مثالی شخصیت کی حیات اور کارناموں کے نقوش یکجا کر کے محفوظ کردئے جائیں؛ تاکہ آنے والی نسلیں ان سے استفادہ کر کے اپنے لئے راہِ عمل متعین کرسکیں۔ اسی مقصد سے جمعیۃ علماء ہند نے ۲۰۰۷ء میں عظیم الشان ''فدائے ملت سیمینار'' کا انعقاد کیا تھا، اس مناسبت سے حضرت فدائے ملتؒ کی حیات وخدمات پر بہت سے اہم مضامین جمع ہوگئے تھے۔

اب بحمدہٖ تعالیٰ انہی جمع شدہ مقالات ومضامین کی کتابی شکل میں اشاعت ہورہی ہے؛ تاکہ یہ سارا ذخیرہ محفوظ ہوجائے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت فدائے ملتؒ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اوران کی چھوڑی ہوئی امانتوں کی غیب سے حفاظت فرمائیں اوران کے اخلاف کوان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

والسلام
محمد عثمان عفی عنہ
(صدر جمعیۃ علماء ہند)

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

پیغام

جانشینِ فدائے ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی مدظلہ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد!

ہمارے حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال خوبیوں سے نوازا تھا، ملک وملت کے لئے آپ کی ہر دم فکر مندی؛ بلکہ دردمندی بے نظیر تھی۔

حضرت کی زندگی میں تین عنصر بہت نمایاں تھے:

(۱) اتباعِ سنت سے منور روحانیت: چناں چہ آپ کا سلسلۂ سلوک وتصوف بدعات سے پوری طرح پاک اور سنت کے نور سے روشن تھا، اور آپ اپنے متوسلین اور خلفاء کو بالخصوص اتباعِ سنت کی تاکید کرتے تھے۔

(۲) قومی اتحاد: چناں چہ آپ نے کبھی اس ملک میں فرقہ واریت کی حمایت نہیں کی، آپ جس طرح ہندو فرقہ واریت کے خلاف تھے، اسی طرح مسلم فرقہ واریت کو بھی سم قاتل سمجھتے تھے۔

(۳) پر امن بقائے باہم: آپ کا نظریہ تھا کہ اس ملک میں؛ بلکہ پورے عالم میں اپنے اپنے نظریہ پر رہ کر بھی امن کو قائم رکھا جا سکتا ہے، اور اس کے لئے آپ دل وجان سے کوشاں تھے۔

''جمعیۃ علماء ہند'' سے آپ کو والہانہ تعلق تھا، آزاد ہندوستان میں اس عظیم جماعت کے استحکام میں آپ نے اپنی پوری صلاحیتیں صرف فرمائیں اور بڑے پر آشوب اور ناموافق ماحول میں بے مثال ہمت واستقامت کی بدولت جماعت کو پروان چڑھایا، اور اس کے دائرہ کو بے انتہاء وسعت عطا کی، اور اعتماد وقبولیت کے بامِ عروج تک پہنچادیا۔

حضرت کی وفات کے بعد ۲۰۰۷ء میں جمعیۃ علماء ہند نے عظیم الشان اور تاریخی ''فدائے ملت سیمینار'' کا انعقاد کیا تھا، جس میں ملک و بیرونِ ملک کی مؤقر شخصیات نے شرکت فرما کر حضرتؒ کے بارے میں زبانی وتحریری تأثرات پیش کئے تھے۔ مضامین کا یہ عظیم ذخیرہ ابھی تک مسودہ کی شکل میں محفوظ تھا۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے اس کی اشاعت ہو رہی ہے، احقر سبھی مقالہ نگار حضرات کا بے حد مشکور ہے کہ انہوں نے بہت محنت سے اپنے تأثرات قلم بند کئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

سبھی قارئین سے احقر کی گذارش ہے کہ وہ حضرت فدائے ملتؒ کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کے لئے آگے آئیں، اور قوم وملت کی خدمت کو اپنا فرض اولیں سمجھیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

محمود اسعد مدنی غفرلہ
ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

فہرست مضامین

فدائے ملّت سیمینار
آنکھوں دیکھا حال

خصوصیات و کمالات

افکار و نظریات

تاثرات و مشاہدات

خراجِ عقیدت

روشن خدمات

متفرقات

جمعیۃ علماء ہند

حضرت فدائے ملت کے دورِ نظامت وصدارت میں

فدائے ملّت سیمینار

اخبارات کی زبانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فدائے ملت سیمینار

آنکھوں دیکھا حال

ضبطِ و تحریر
محمد محسن اعظم قاسمی
خادم جمعیۃ علماء ہند

پہلی نشست

دوشنبہ ۴ ار ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۳ ر اپریل ۲۰۰۷ء — **بوقت ۹ تا ۱۲ بجے صبح**
زیر صدارت: جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد ارشد صاحب مدنی* زید مجدہم

تلاوت

جناب مولانا و مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری نے اپنی تلاوت کے ذریعہ پروگرام کا آغاز کیا۔

اِنَّ اللّٰہَ الَّذِیْنَ قَالُوْ رَبّنَا اللّٰہ .... (القرآن)

(تلاوت کے بعد آیات کا ترجمہ پیش کیا گیا): ”بلا شبہ جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد قبروں سے اُٹھنے کے وقت اللہ کے فرشتے اُترتے ہیں جو تسکین و تسلی دیتے اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں۔ کہتے ہیں: اب تم کو ڈرنے گھبرانے کا کوئی موقع نہیں رہا، دُنیائے فانی کے سب فکر و غم ختم ہوئے اور کسی آنے والی آفت کا اندیشہ بھی نہیں رہا، اب ابدی طور پر ہر قسم کی جسمانی اور روحانی خوشی اور عیش تمھارے ہی لیے ہے، اور جنت کے جو وعدے انبیائے کرامؑ کی زبانی کیے گئے تھے وہ اب تم سے ایفاء کیے جانے والے ہیں، اور فرشتے ہمت بندھاتے ہوئے اُن سے کہتے ہیں کہ ہم دُنیا میں بھی تمھارے رفیق رہے اور آخرت میں بھی رفیق رہیں گے کہ تمھاری شفاعت یا اکرام و اعزاز کا انتظام کریں گے اور تمھارے لیے وہاں ہے جو جی تمھارا چاہے اور جو طلب کرو گے سب کچھ ملے گا، یہ سب مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک کام کیا اور کہا کہ میں حکم بردار ہوں۔ اور یاد رکھئے نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، برائی کے جواب میں وہ کہو جو اس سے بہتر ہے، اس طرزِ عمل کے نتیجے میں تم دیکھ لوگے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا اور گو وہ دل سے دوست نہ بنیں تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں گہرے اور گرم جوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا، اور یہ بات انھیں کو ملتی ہے جو صبر اختیار کرتے ہیں اور بری بات

* سیمینار کے انعقاد کے وقت حضرت مولانا موصوف جمعیۃ علماء ہند کی صدارت پر فائز تھے۔

برداشت کرکے بھلائی سے جواب دیتے ہیں۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے یہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے۔''

نعت

اس کے بعد جناب قاری شمس الحق صاحب (اودگیر مہاراشٹر) نے درج ذیل نعت پیش کی:

وہ حبیبِ ربِّ انام ہے — وہ جہاں کی فصلِ بہار ہے
جسے لوگ کہتے ہیں مصطفیٰﷺ — وہی سب کے دل کا قرار ہے
وہی زیبِ کون ومکاں بھی ہے — وہی کائنات کی جاں بھی ہے
ہے اسی کے نام کا معجزہ — کہ کلی کلی پہ نکھار ہے
وہی شاہِ اہلِ حرم بھی ہے — وہی تاجدارِ عجم بھی ہے
وہ کہ عفو جس کا طریق ہے — وہ کہ رحم جس کا شعار ہے
تیرا ذکر ارض و فلک میں ہے — تیرا ذکر اِنس و ملک میں ہے

جو تیرے خیال میں غرق ہے
اُسے بے پئے بھی خمار ہے

تعارفی خطاب

بعد ازاں حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب نے سیمینار کے کنویز مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری سے درخواست کی کہ وہ ''فدائے ملت سیمینار'' کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالیں۔ چنانچہ مفتی صاحب موصوف نے درج ذیل تعارفی تقریر کی۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہٖ الکریم، اما بعد! اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. ''وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ.'' صدق اللہ مولانا العلی العظیم.

حضرت صدرِ محترم، مہمانانِ عالی مقام، حاضرینِ گرامی قدر!

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی حیات ونظریات اور کارناموں کے عنوان پر منعقد ہونے والے اس بین الاقوامی عظیم سیمینار میں ہم اپنے تمام رفقاء

کی طرف سے آپ سبھی حضرات کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

حضرت فدائے ملتؒ کی ذات صرف ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک عظیم تحریک اور فکری رہنمائی کا قابلِ تقلید عنوان ہے اور یہ بین الاقوامی سیمینار، اس میں جہاں آپ کی پیدائش سے لے کر وفات تک مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی اور آپ سے وابستہ حالات، واقعات اور سربستہ یادوں کا حتی الامکان احاطہ کیا جائے گا، وہیں اس سیمینار کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ حضرت کے ان افکار ونظریات کو اُجاگر کیا جائے کہ جو نہ صرف اس ملک کے لیے بلکہ تمام عالم کے لیے اور انسانیت کے لیے اور ملی اور قومی یکجہتی، رواداری اخوت اور انصاف کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت فدائے ملّتؒ اگرچہ ایک قائد کے طور پر معروف ومشہور تھے اور ان کی زندگی کا بیشتر حصّہ دعوت الی اللہ، اصلاح معاشرہ اور اصلاح امت میں گزرا۔ اور انھوں نے اپنی جوانی کا بیشتر زمانہ اس ملک کے گاؤں دیہاتوں کی خاک چھاننے میں صرف کیا۔ اور ایسی ایسی جگہوں پر آپ دعوت الی اللہ کا مشن لے کر تشریف لے گئے کہ آج وسائل اور اسباب کے بہتات کے باوجود لوگوں کے لیے وہاں پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ بے شک آپ کی زندگی کا یہ ایک روشن پہلو ہے کہ آپ نے امت کے اس طبقے کی طرف توجہ کی جہاں تک عام لوگوں کی رسائی نہیں ہو پاتی، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کا اجر جزیل اپنے شانِ عالی کے مطابق عطا فرمائے، آمین!

اس مذہبی قیادت کے ساتھ ساتھ آپ نے جو فکر اور نظریہ اس ملک کے مسلمانوں کے لیے اور تمام عالم کے مسلمانوں کے لیے پیش کیا ہے وہی سب سے اہم چیز ہے، جس کو اس سیمینار کے ذریعہ سے ہمیں اُجاگر کرنا ہے۔

حضرت فدائے ملّتؒ سیاست میں شریک تھے اور بھرپور انداز میں شریک تھے۔ لیکن آپ نے سیاست کو ذاتی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ بلکہ آپ اسے ملی خدمت کا ایک اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔ حضرت مولانا علی میاںؒ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ جس طرح ایک عام آدمی اللہ کے دربار میں رات میں تہجد میں اُٹھ کر ثواب کا طالب ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ یقیناً اسے عطا فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے خلوصِ نیّت کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ جب سیاسی اسٹیج پر سیاسی قائدین کے درمیان تشریف رکھتے تھے تو آپ بھی اسی ثواب کی طلب لے کر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ جو بات حضرت مولانا علی میاںؒ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے لیے لکھی ہے بعینہ یہی بات حضرت فدائے ملّتؒ پر بھی صادق آتی ہے۔ چنانچہ آپ نے مروّجہ سیاست میں شرکت کے باوجود اپنے عالمانہ وقار پر کبھی آنچ نہ آنے دی اور ان تمام تر

مصروفیتوں کے باوجود وہ اللہ کا بندہ جب نماز کا وقت آجاتا اور اللہ کے دربار میں نیاز مندی کے ساتھ وہ حاضر ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہیں۔ ایسی مصروفیت رکھنے والی شخصیت کی طرف سے ایسی اطمینان والی نماز کی ادائیگی نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔

آپ سمجھتے تھے کہ اس ملک کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ان کی جان اور مال اور عقیدے کے تحفظ کا ہے، اور اس کے لیے جو راستہ آسان ہو سہل ہو اور مناسب ہو جسے دیگر قومیں بھی برداشت کرسکیں اسی کو پیش کرنا چاہیے۔ اسی لیے آپ نے کبھی بھی قوم کے منفی جذبات سے کھلواڑ کر کے اپنی قیادت چمکانے کی کوشش نہیں کی بلکہ لعن طعن برداشت کیے مگر جس بات کو قوم و ملت کے لیے حق سمجھتے تھے اُسے کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔

کانگریس پارٹی سے آپ کا مضبوط تعلّق تھا، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ اس کے ذریعہ سے کوئی دنیاوی منفعت حاصل ہو، بلکہ اس لیے تاکہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں اور انسانیت کی بھلائی کے کام کیے جاسکیں اسی لیے آپ کے کردار کا اثر تھا کہ آپ نے حکومت میں رہنے کے باوجود، رکنِ پارلیمان رہنے کے باوجود پوری قوت کے ساتھ جب ملک وقوم کا مسئلہ آیا تو اپنی پارٹی کے خلاف جس انداز میں برملا نکیر کی ہے اس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اور آپ کی پارلیمانی تقاریر جو اُردو میں پہلے شائع ہوچکی تھیں اور اب جس کا ہمارے عزت مآب وزیر اعظم کے ذریعہ انگریزی ایڈیشن کا بھی اجرا ہونے والا ہے۔ یہ آپ کی حق گوئی کی ایک روشن مثال ہے۔ آپ کا یہ ماننا تھا یہ پورا ملک ایک کشتی کے مانند ہے اور اس میں رہنے والا ہر شہری ہندو ہو، مسلمان ہو، عیسائی ہو، سکھ ہو سب اسی کشتی کے سوار ہیں اور کشتی چلانے کے لیے توازن برقرار رکھنا ضروری ہے اگر توازن برقرار نہ رہے تو کشتی کو ڈوبنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

اسی لیے جمعیۃ علماء ہند نے آزادی سے پہلے آزاد ہندوستان کی جو تصویر پیش کی تھی وہ ’’مدنی فارمولے‘‘ کے نام سے مشہور ہے جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس ملک کے پارلیمنٹری نظام میں پینتالیس سیٹیں مسلم، پینتالیس سیٹیں ہندو اور دس سیٹیں دیگر اقلیات کے لیے خاص کی جائیں، یہ وہ ریزرویشن کا مطالبہ تھا جو سب سے پہلے جمعیۃ علماء نے پیش کیا، لیکن وہ نہیں مانا گیا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پچاس سال گزرتے گزرتے اس ملک میں مسلمانوں کی حیثیت سماجی اور سیاسی اعتبار سے انتہائی گراوٹ پر آگئی، حضرت فدائے ملتؒ نے اسے محسوس کر کے دوبارہ ریزرویشن کی تحریک چلائی اور اکیس لاکھ دستخطوں کے ساتھ صدر جمہوریہ کو عرض داشت پیش کی، پھر آپ کی اس تحریک کا اثر یہ ہوا کہ وہ معاملہ جسے لوگ زبانوں پر لاتے ہوئے گھبراتے تھے آج ہر پارٹی کے منشور

کے اندر اُسے ایک اہم حیثیت حاصل ہے۔ یہ حضرت مولانا کی بصیرت کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ آزاد ہندوستان میں لٹے پٹے مظلوم اور بے سہارا فساد زدہ مسلمانوں کی تسلّی اور بازآبادکاری کے سلسلے میں حضرت فدائے ملتؒ کی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، جس طرح تقسیم ملک کے موقع پر مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ نے دہلی کے فسادات میں بڑی بہادری اور جرأت کی تاریخ رقم کی تھی، اسی طرح اس قائدِ جمعیۃ نے کلکتہ راوڑکیلا، جمشید پور وغیرہ کے فسادات میں بے خوف وخطر میدانِ خدمت میں اتر کر شجاعت و بہادری اور جرأت وحمیت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ قوم بجا طور پر انھیں ''فدائے ملت'' کا لقب دینے پر مجبور ہوئی۔ اور آپ نے اس لقب کا ایسا بھرم رکھا کہ اس کے بعد جب بھی اور جہاں بھی ملک میں فسادات ہوئے کسی انسان کا خون بہا، کسی مظلوم کی نکسیر پھوٹی تو یہ بندۂ خدا تڑپ اُٹھا اور کتنی ہی مرتبہ یہ صورت پیش آئی کہ آپ جان کی پرواہ کیے بغیر فساد زدہ علاقوں میں سب سے پہلے ایسے وقت پہنچے جب خون کی ہولی جاری تھی اور متاثرہ علاقوں سے آگ کے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ آپ نے تڑپتی لاشوں کو اُٹھانے میں، زخمیوں کو امداد پہنچانے میں اور بے سہاروں کو سہارا دینے میں اپنے پورے وسائل صرف کر دیے۔

آج ہماری نگاہیں اپنے اس قائد کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ دنیا کے ضابطے کے مطابق، اللہ کے دستور کے مطابق آج آپ کی شخصیت ہمارے درمیان نہیں ہے، لیکن آپ کے چھوڑے ہوئے روشن نقوش اور آثار ہمارے لیے رہنمائی کا کام انجام دیتے رہیں گے، یہی نظریہ، یہی فکر ہمارے لیے اس ملک میں سربلندی کے ساتھ جینے اور امن وامان کی بقاء کے لیے لازم اور ضروری ہے۔ اس لیے ہمارا یہ سیمینار اسی پیغام کو عام کرنے کے لیے منعقد ہوا اور یہ ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس سیمینار میں تمام عالم کے لوگوں کی نمائندگی ہو رہی ہے۔ برطانیہ سے ایک بڑا وفد آیا ہے، پاکستان سے پچیس ممبرانِ پارلیمان کا وفد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی قیادت میں حاضر ہوا ہے، اس طرح بنگلہ دیش سے مؤقر وفد، ساؤتھ افریقہ سے حضرت مولانا ایوب کاچھوی زید مجدہم کی قیادت میں ایک مؤقر وفد نے یہاں تشریف بخشی ہے، ہم ان سبھی حضرات کا تہہِ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور استقبال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو کامیاب کرے اور ہمارے پاس ابھی تک پچھتّر سے زائد مقالات موصول ہو چکے ترتیب کے ساتھ ان کو آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس محنت کو کاوش کو ہمارے جمع ہونے کو قبول فرمائے۔

نیز ہمارے عزت مآب وزیر اعظم جناب منموہن سنگھ تشریف لا چکے ہیں ہم ان کا بھی تہہِ دل سے استقبال کرتے ہیں، ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مصروف ترین وقت

میں ہمارے اس سیمینار کے لیے وقت نکالا اور یہ ان کی حضرت مولانا مرحوم سے عقیدت احترام اور نیاز مندی کی ایک دلیل ہے۔ ہم سبھی حاضرین ان کی خدمت میں شکریہ پیش کرتے ہیں۔ استقبال پیش کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ ان کی رہنمائی میں یہ ملک امن وسلامتی کے ساتھ ترقی کے راہ پر گامزن رہے گا۔

پراثر نظم

اس کے بعد مشہور شاعر جناب ماجد دیوبندی نے اپنی مخصوص آواز میں فدائے ملت سیمینار سے متعلق درج ذیل نظم پڑھ کر ایک سماں باندھ دیا۔

امیر الہند کی نسبت سے ہم محفل سجائے ہیں
وزیر اعظمِ ہندوستاں تشریف لائے ہیں

وہ جس کی شخصیت مینارۂ انوار جیسی تھی
کہ شیخ الہند کے مانند خوش اطوار جیسی تھی
کہ ہر ایک بات اس کی حق کے اِک اظہار جیسی تھی
انھیں کے دم سے ایماں والے دنیا بھر میں چھائے ہیں

محبت اور اخوت دوستو ایمان تھا جس کا
کسی کا دل نہ توڑو یہ سدا فرمان تھا جس کا
سبھی کو ساتھ لے کر چلنے پر اعلان تھا جس کا
یہی پیغام اب محمود مدنی لے کے آئے ہیں

جہاں جانا ہے یہ پیغام دنیا کو سنانا ہے
سدا ایمان پر چلنا ہے اور سب کو چلانا ہے
وطن سے پیار کرنا ہے وطن پر جاں لٹانا ہے
سبق ہم کو بزرگوں نے یہی ماجدؔ سکھائے ہیں

کلماتِ صدارت

بعد ازاں مفتی محمد سلمان منصور پوری نے صدر اجلاس حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی مدظلہ' سے کلماتِ صدارت پیش کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت موصوف نے ڈائس پر تشریف لا کر درج ذیل خطاب فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا ومولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

جس ذاتِ گرامی کے نام نامی سے یہ سیمینار ہورہا ہے وہ جمعیۃ علماء ہند اوراس کے اکابر کے روشن روایتوں کا امین تھا، یہ اہلِ علم کو معلوم ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کا قیام نومبر ۱۹۱۹ء کوعمل میں آیا تھا تاہم اس کی تاریخ بہت ماضی میں پھیلی ہوئی ہے،شاہ ولی اللہؒ خصوصاً ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جہادِ آزادی کی تاریخ وابستہ ہے،آج سے دوسوسال پہلے ۱۸۰۳ء میں جب شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتویٰ دیا کہ اب یہ ملک دارالحرب اور غلام ہوچکا ہے۔اس کی آزادی کے لیے جہاد فرض ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے یہ فتویٰ دے کراور جنگِ آزادی کے لیے جنگ کو جہاد بتا کر، جوایک مذہبی اصطلاح ہے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ یہ ہمارا کوئی سیاسی عمل نہیں ہے بلکہ اب ہم اس ملک کی آزادی کے لیے قربانی دینے کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں جس کو جہاد کہا جاتا ہے۔اس اعلان کے بعد حریت پسند علماء اورعوام انگریزوں کے خلاف آزادیٔ وطن کے لیے متحرک ہوگئے،اوراس تحریک میں برادرانِ وطن کو بھی شامل رکھا، یہ تحریک مسلمانوں کی تحریک نہیں بنی، ہم دیکھتے ہیں کہ تحریکِ آزادی کے مختلف مراحل ہیں چاہے وہ تحریک سیّد احمد شہیدؒ کی ۱۸۰۳ء سے لے کر ۱۸۳۱ء تک ہو جب انھوں نے بالاکوٹ کے میدان میں اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا، یا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو، یا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا دور ہو یا حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی کی جدوجہد کا دور ہو یا حضرت فدائے ملّتؒ مولانا سیّد اسعد مدنی کا دورتحریک وعمل ہو، ہر دور میں اکابر جمعیۃ علماء ہند نے پوری کوشش کی کہ کسی بھی جدوجہد میں فرقہ واریت اور علاحدگی پسندی کا رجحان شامل نہ ہونے پائے۔

سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک فرقہ وارانہ جذبے سے پاک غیرملکی طاقتوں اورظالم وجابر عناصر کو ملک کے اقتدار سے بے دخل کر کے ایک صالح اور پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کی ایک انتہائی جان دارکوشش تھی،اس لیے انھوں نے ایک طاقتور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے برادرانِ وطن کو بھی اس کے خلافِ جدوجہد میں شرکت کی دعوت دی اس سلسلے میں حضرت سیّد صاحبؒ کے متعدد خطوط جو انھوں نے ۱۸۳۱ء سے لے کر ۱۸۳۴ء تک یعنی آزادیٔ وطن کے لیے جان دیتے ہوئے آخری وقت تک ان کے متعدد خطوط برادرانِ وطن کے بااقتدار افراد کے نام مکاتب سیّد احمد شہیدؒ میں موجود ہیں، ان افراد میں راجہ ہندوراؤ جن کے نام کےاوپر آج بھی دہلی کے اندر بابا ہندوراؤ

موجود ہے اور مہاراجہ گوالیار کا بھی شمار ہوتا ہے جہاں وہ تشریف لے گئے ہیں اور وہاں کم وبیش دو ہفتے قیام کیا ہے اور یہاں راجہ نے آزادیٔ وطن کے لیے ان کو ہتھیار بھی پیش کیے ہیں اور اس جہاد کے لیے مالی تعاون بھی دیا ہے۔ خط میں لکھا گیا ہے:

''جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی سمندر پار کے رہنے والے دنیا جہاں کے تاج داراور یہ سودہ بیچنے والے سلطنت کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ بڑے بڑے اہلِ حکومت کی حکومت اور ان کی عزت وحرمت کو انھوں نے خاک میں ملا دیا ہے جو حکومت و سیاست کے مردِ میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اس لیے مجبوراً چند غریب بے سروسامان کمرِ ہمت باندھ کر کھڑے ہوئے گئے ہیں۔''

اس بات کا بھی ذکر ملتا ہے کہ حضرت سیّد صاحب کے توپچی کا نام راجہ رام تھا، یہ بڑی تاریخی اور انقلابی تحریک تھی اگر یہ اپنے مطلوبہ مقاصد کے مطابق کامیاب ہوجاتی تو اس کے حیرت انگیز اثرات ملک پر مرتب ہوتے، غیروں کی چال بازیوں اور اپنوں کی بے وفائی سے حضرت سیّد احمد اور ان کے بہت سے رفقاء جن میں حضرت مولانا سیّد اسمٰعیل شہید دہلویؒ بھی تھے ۱۹۳۱ء میں آزادیٔ وطن کے لیے بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہوگئے۔ یہ ایک افسوس کی بات ہے کہ جس مسجد سے ۱۸۰۳ء میں یعنی سب سے پہلے آزادیٔ وطن کے لیے آواز اٹھی تھی اور جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بعد ان کی تین پشتوں تک آزادیٔ وطن کی جدوجہد کا مرکز بنا ہوا تھا آج انگریزوں نے جو اس کے نام ونشان کو مٹایا تھا آج تک ان کا نام ونشان ابھی دنیا نہیں جانتی۔

اس کے بعد ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی جس میں حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی حافظ ضامن شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہم نے غیر ملکی اقتدار کے خلاف جہادِ آزادی بلند کیا، ان کا مظفرنگر کے شاملی میدان میں انگریزوں سے زبردست معرکہ ہوا، اس ۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی میں بھی غیر مسلموں کو شریک کیا گیا، اس سلسلے میں شاہ ملک کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے، گجرولہ، باغ پت کے قریب انھیں قتل کردیا گیا اور ان کے قتل کا سبب علاقے ہی کے لوگ بنے، اگر ویسا نہ ہوتا تو ملک کا نقشہ کچھ اور بنتا، انگریز کمانڈر انچیف کہا کرتا تھا کہ اگر شاہ ملک دہلی پہنچ جاتا تو دہلی کو بچانا ہمارے لیے مشکل ہوتا۔ اس مسلح جدوجہد میں اگر چہ کامیابی نہیں ہوئی تاہم اس تحریک کے علمبرداروں نے محاذ بدل کر مدارس کے نظام کو ملک میں فروغ دینے پر توجہ دی اس لیے کہ اب مسئلہ یہ تھا کہ دو جہادوں کے اندر مجاہدین ختم کردیے گئے تھے اب تیسرے محاذ کو کھولنے کے لیے مجاہدین میسر نہیں تھے جن کے اوپر

مسلمان اور عالم ہونے کی علامت چہرے کے رو پر نظر آئی تھی ان کو قتل کر دینے کا حکم تھا اور ہزاروں افراد کو دلّی، سنبھل مرادآباد امروہہ، مظفر نگر اور سہارنپور اور میرٹھ کے اندر قتل کیا گیا ہے اب مسئلہ تھا کہ کوئی ایسی فیکٹری بنائی جائے جہاں مجاہدین کو پیدا کیا جائے اور ان کو جہاد کا فکر دیا جائے چنانچہ ۱۸۶۷ء کے اندر دارالعلوم دیو بند کا قیام ہوا، جس میں تحریک آزادی کے لیے ایسے بڑے بڑے مجاہدین پیدا ہوئے جن کی جدو جہد آزادی کے پائندہ نقوش تاریخ حریت کے اوراق پر ثبت ہیں، دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نے ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے دور میں بھی آزادئ وطن کے لیے مشترکہ جدوجہد کی راہ اپنائی ۱۸۸۴ء میں جب کانگریس کا قیام عمل میں آیا تو علماء دیو بند کی اہم ترین شخصیت حضرت امام ربّانی مولانا رشید احمد گنگوہی سے دریافت کیا گیا کہ کیا غیر مسلموں کے ساتھ شرکت جائز ہے یا نہیں؟ ایک جماعت قومی کانگریس کے نام سے قائم ہوئی ہے اس میں شامل ہونا مسلمانوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ حضرت گنگوہیؒ نے اس کے سلسلے میں فتویٰ دیا اور یہ فرمایا کہ اگر خرید وفروخت، تجارت میں، بیع وشراء میں ہندو مسلم کا ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونا جائز ہے تو اسی طرح دیگر معاملات میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ شرکت جائز ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کے اس فتوے کی تائید میں سینکڑوں علماء کرام نے بھی اس پر دستخط کیے اور فتویٰ دیا، یہ فتویٰ کانگریس کے اس دور کے اندر ''نصرۃ الابرار'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمائے کرام کے نزدیک ملک کی آزادی اور اس کا وسیع تر مفاد تھا، یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے اگر چہ مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کا فتویٰ دیا، لیکن وہ بذات خود اس میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت گنگوہیؒ اور دیگر علماء کرام ملک کی آزادی میں انتہا پسند تھے اور مکمل آزادئ وطن سے کم کسی چیز پر وہ راضی نہیں تھے اور کانگریس کا قیام ملک کی آزادی کے لیے ابتداءً نہیں ہوا تھا بلکہ حکومت اور ہندوستانی عوام کے درمیان ملکی اور قومی مسائل کو لے کر محض رابطے کے لیے وہ قائم ہوئی تھی، ۱۸۸۵ء میں کانگریس نے اپنے پہلے اجلاس میں جو تجویز پاس کی ہے اس میں کانگریس کے قیام کے مقصد کو اس طرح واضح کیا گیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

> ''ایسے حالات کی اصلاح وترمیم کرانا جو ہندوستان کے لیے مضرت رساں اور غیر منصفانہ ہوں اور اس طرح ہندوستان اور انگلستان کے درمیان اتحاد اور یگانگت کو استوار کرانا ہے۔''

ظاہر ہے کہ علماء کرام جو ملک کی آزادی کے معاملہ میں سخت موقف رکھتے تھے اور آزادی

وطن کے لیے دو جہادوں کے اندر پچاسوں ہزار مجاہدین کے خون سے ہندوستان کی زمین کے رنگ چکے تھے وہ کیسے کانگریس میں اس تجویز کے ساتھ شریک ہو سکتے تھے۔ مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کا حکم اس دباؤ کو بنانے کے لیے تھا کہ کانگریس کو اپنے ان نظریات کا حامل بنایا جائے جن نظریات کے وہ خود حامل تھے، ہم تحریکِ آزادی کے ہر دور میں دیکھتے ہیں کہ ہمارے علماء کرام نے پوری کوشش کی کہ تحریک میں فرقہ واریت کا دخل نہ ہونے پائے اس سلسلے کی اہم اور نمایاں تحریک، تحریک شیخ الہند ہے اس میں شروع سے آخر تک متحدہ جدوجہد کا سلسلہ ملتا ہے۔ افغانستان کی جلاوطن حکومت کا صدر راجہ مہندر پرتاپ سنگھ کو بنایا گیا، مالٹا کی اسیری سے رہائی کے بعد ہندوستان واپسی پر حضرت شیخ الہند نے گاندھی جی کو متحدہ مشترکہ لیڈر بنایا، یہی وہ زمانہ ہے کہ کچھ ہی پہلے نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا تھا، علماء کرام کی طویل جدوجہد آزادی کے تجربے نے یہ ثابت کر دیا تھا، کہ مسلح جدوجہد نتیجہ خیز نہیں ہو رہی ہے۔ گاندھی جی کو متحدہ لیڈر بنانے کا مطلب نئے طریقۂ کار کو اپنانا تھا کہ عدم تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے اور اپنے ہم وطنوں کے اشتراک وتعاون سے ملک کی آزادی کی راہ ہموار کی جائے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیۃ علماء کے اجلاس عام میں ۱۹۲۰ء میں اپنے وفات سے صرف بارہ دن پہلے اپنے اس خطبہ میں کہا کہ:

> ’’شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم ہندو کو کسی نہ کسی طریقے سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید بنا دیا ہے میں ان دونوں قوموں کے اتحاد واتفاق کو بہت ہی مفید اور نتیجہ خیز سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کے لیے میرے دل میں بہت قدر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر صورتِ حال اس کے مخالف ہوگی تو ہندوستان کی آزادی کو ہمیشہ کے لیے ناممکن بنا دے گی۔ اس لیے ہندوستان کی آزادی کے لیے یہ دونوں طبقے بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں اگر صلح وآشتی کے ساتھ رہیں گے تو سمجھ میرے نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر واستبداد سے شکست دی جا سکے گی۔‘‘

ملک کے مشترکہ مفاد میں متحدہ جدوجہد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے ۱۹۳۷ء کے اندر کی، جس کے اندر یہ بتایا کہ قومیں ملکوں سے الگ مذہبوں سے الگ نہیں ہوتیں، جب اس

پر اعتراض ہوا اور ڈاکٹر اقبال جیسے شخص نے اعتراض کیا، تو حضرت شیخ الاسلامؒ نے متحدہ قومیت اور اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بتایا گیا کہ قومیں مذہب سے نہیں بلکہ قومیں وطن سے بنتی ہیں۔ آج کے سیمینار میں ہم نے ماضی کا حوالہ اس لیے دیا کہ یہ حقیقت ہمارے سامنے رہے کہ جمعیۃ علماء نے ملک میں بارہا مایوس کن حالات پیدا ہونے کے باوجود متحدہ قومیت اور ہندو مسلم اتحاد کے مقصد سے خود کو کبھی الگ نہیں کیا، حضرت فدائے ملّت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر کی جاری روایتوں کے امین اور محافظ اور داعی تھے آزادیٔ وطن کے بعد ملک میں حالات بدلے اور بے شمار فسادات ہوئے اور لاکھوں مسلمان اور مسلمانوں کی کھربوں کی جائداد تباہ و برباد ہوئیں ان حالات کے اندر قوم کو ان حالات نے جذباتی بنا دیا، لیکن یہ حالات اس چیز کے متقاضی تھے کہ جمعیۃ علماء کی تاریخ بھی اپنے اکابر کی تاریخ سے بدل جاتی، لیکن حضرت مولانا کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جماعت کو اپنی اس ڈگر سے جو اکابر کی بنائی ہوئی ڈگر تھی جس کے اندر ہندو مسلم اور اقلیت اور اکثریت بلکہ تمام طبقات کا اشتراک تھا اور ان کو ساتھ لے کر چلنا تھا جو جمعیۃ علماء ہند کو ان حالات نے بالکل بھٹکنے نہیں دیا اور آج تک جمعیۃ علماء ہند اسی سلسلے کے اوپر اور اسی روایت کے اوپر قائم ہے۔ میں آخر میں جمعیۃ علماء ہند کے تمام خدّام کی طرف سے حکومت کے لیڈران بالخصوص اپنے محترم وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن جی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس موقع پر ہماری دعوت قبول فرما کر کے اپنی دیرینہ روایت کو قائم رکھا ہے، اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو محمود العاقبت فرماتے! اور جمعیۃ علماء کو اپنی اسی ڈگر کے اوپر جو اکابر کی ڈگر ہے اس پر قائم رکھے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

صدرِ محترم کے مبسوط خطاب کے بعد حضرت فدائے ملتؒ کی پارلیمانی تقریروں کے انگریزی ایڈیشن کا اجرا محترم وزیر اعظم ہند جناب منموہن سنگھ صاحب کے ذریعہ کیا گیا۔ کتاب کے مترجم جناب انور حسین صاحب نے کتاب کے دو نسخے وزیر اعظم کو پیش کیے۔

وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ کی تقریر

تقریب اجرا کے بعد حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی نے وزیر اعظم سے خطاب کی درخواست کی۔ چنانچہ وزیر اعظم موصوف نے درج ذیل تقریر فرمائی:

ہمارے معزز مہمان مولانا فضل الرحمٰن صاحب، میرے کیبنٹس (Cabinets) کے ساتھی

شیوراج پاٹل جی، شری ارشد مدنی جی مولانا محمود مدنی جی معزز خواتین اور حضرات!

مجھے مولانا سیّد اسعد مدنی کی پارلیمنٹ (Parliamentory) میں کی گئی تقریروں کے اس مجموعے کا اجراء کرتے ہوئے بے حد خوشی ہو رہی ہے، مولانا ہماری جدوجہد آزادی، اور ملی جلی تہذیب کے ایک شاندار نمائندہ تھے۔ وہ ایک سچّے مسلمان کے ساتھ ساتھ جدید سیکولر اور ترقی پسند نظریات بھی رکھتے تھے، اپنی ذاتی زندگی اور عوامی شخصیت کی حیثیت سے ان کی تمام سرگرمیوں میں جدوجہد آزادی اور الگ الگ مذہبوں پر چلنے والے ہمارے لوگوں سے وراثت میں ملی ہوئی اقدار کی جھلک ملتی تھی، مولانا صاحب سب کو ساتھ لے کر چلنے اور سیکولرازم کے حامل تھے۔ اور انھوں نے اپنی ساری زندگی ہماری مشترکہ روایات اور کلچر کے تحفظ کے لیے وقف کردی تھی۔ راجیہ سبھا میں جو تقریریں انھوں نے کیں اُن سے ان کے جدید طرزِ فکر اور وطن سے ان کی محبت اور قوم پرستانہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا سیّد اسعد مدنی ایک راشٹر نرماتا تھے (He was a great nation builder)۔ مارچ ۱۹۹۴ء میں انھوں نے راجیہ سبھا میں اپنی الوداعی تقریر میں کہا تھا کہ ''میری دلی خواہش ہے کہ میں ہندوستان کو ایک ترقی یافتہ ملک کی شکل میں دیکھوں۔'' ترقی یافتہ ملک کے طور پر ان کی دور اندیشی تھی کہ وہ ہندوستان کو گراسٹ موسٹ پروڈٹ اور اقتصادی ترقیوں کے پیمانے سے بھی آگے کے مقام پر دیکھنا چاہتے تھے، مولانا کے ذہن میں ایک ایسے بھارت، ایک ایسے ملک کا تصور تھا جہاں سماج کے تمام طبقوں کو برابر سے آزادی، بھائی چارہ، سماجی اور اقتصادی سہولتیں حاصل ہوں، ان کی نظر میں ترقی یافتہ ہندوستان، ایک ایسا ہندوستان ہونا چاہیے تھا جس میں اقلیتیں اور سماج کے تمام کمزور طبقات اور خواتین کو برابری کا درجہ حاصل ہو، اور سب کے لیے برابری کے مواقع بھی دستیاب ہو۔

اس کتاب کی ابتدا میں ہماری ملی جلی تہذیب کی حفاظت کی جدوجہد میں مولانا کی کامیابی کا ذکر ہے انھوں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ ترقی اور خوش حالی کا انحصار ہماری ملی جلی تہذیب اور رواداری اور کھلے پن پر ہے۔ سب کے لیے باوقار زندگی، امن اور ہمارے سماج کے تمام طبقات کے لیے خوش حالی کی ہماری جستجو میں اُن کے اِن الفاظ کی آج بھی بڑی اہمیت ہے جس میں انھوں نے سماج کے ہر طبقے کے لیے ترقی کے مساویانہ (Equal Opportunities) پر زور دیا تھا، مذہبی اقلیتوں کے لیے بھی وہ برابری کی حمایت کرتے تھے یہی دوراندیشی اور اندازِ فکر ہے جس نے ہماری قومی پہچان بنائی ہے اور تعمیر ملک کے کام میں اِسے آج بھی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آج جبکہ دو ہزار بیس ۲۰۲۰ء تک ہندوستان کو ایک ترقی یافتہ ملک بنانے کی باتیں بہت زور وشور

سے کی جارہی ہیں ہمیں مولانا مدنی صاحب کے الفاظ کے مطلب پر نظر رکھنا چاہیے۔
اس کتاب کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں عورت مرد کی برابری پر زور دیا گیا ہے۔ کتنی اچھی بات ہے کہ جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۳۵ءاور ۱۹۳۶ء کے درمیان مسلم خواتین کو باپ کی جائداد میں حصّہ دلانے کی بات اٹھائی تھی اور یہ حق اُنھیں دلانے میں کامیابی بھی حاصل کی تھی، تاہم ان حقوق کا دائرہ اس وقت محدود ہوگیا جب جناح صاحب نے جنگلات اور زرعی جائداد کو اس بل کے دائرے سے باہر رکھنے کے لیے ترمیم کی تجویز پیش کی تھی، یہ مولانا مدنی صاحب ہی تھے جو باپ کی جائداد میں مسلم خواتین کو حقوق دلانے کے حامی تھے، تاہم انھیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اس کے بعد بھی انھیں امید رہی کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب باپ کی جائداد میں بیٹیوں کا بھی باقاعدہ حق تسلیم کیا جائے گا۔ یہی وہ ترقی پسندانہ خیالات ہیں جس سے ان کی شخصیت اور اندازِ فکر کی ترجمانی ہوتی تھی۔

مولانا مدنی ایک بہت بڑے قوم پرست کے طور پر سیکولرازم کے بہت بڑے حامل تھے انھوں نے جمعیۃ علماء ہند کی رہنمائی کی اور اسے سیکولرازم اور نئی اقدار کے راستے پر چلنا سکھایا، انھوں نے مذہبی انتہا پسندی، کٹرپن اور دہشت گردی کے خلاف چلائے جانے والی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اقلیتی برادریوں کو انصاف دلانے کے سلسلے میں ان کی تجویزیں روشن بصیرت کا نتیجہ تھیں، ہمارے ملک میں مسلمانوں کی اصلی، سماجی اور اقتصادی حالت کو سمجھنے کے لیے وہ ڈاکٹر گوپال سنگھ رپورٹ پر باقاعدہ بحث کرانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اقلیتوں کے پچھڑے پن کو ختم کرنے کے لیے ایک علاحدہ وزارت کی بھی مانگ کی تھی، سچّر کمیٹی رپورٹ اور وزارت اقلیتی امور کے ذریعہ ہم ان مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں، جنھیں مولانا نے اپنی زندگی میں اُٹھایا تھا، جن چیزوں پہ وہ بات کرتے تھے اور حکومت اس وقت جو قدم اُٹھا رہی ہے وہ برابری، انصاف اور صاف ستھرے طریقۂ کار طور پر زور دیتے ہیں ہمارے عوام کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لیے مذہب کا استعمال اور اس کے ذریعہ چناوی فائدہ حاصل کرنے کا طریقہ، ہمارے دور کی یہ بہت بڑی لعنت ہے یہ ایک خطرناک طریقہ ہے جس کی روک تھام ضروری ہے، مولانا مدنی صاحب کا سوج بوجھ سے بھرا یہ مشورہ کہ ہمیں مذہب کے نام پر مذہبی نفرت اور دشمنی کو بڑھاوا دینے سے گریز کرنا چاہیے ان کی روشن خیالی کی دلیل تھی، میں انور حسین صاحب اور سعید سہروردی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں جنھوں نے مولانا مدنی صاحب کی تقریروں کا اُردو سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے یہ پارلیمنٹری تقریروں کے ادب میں ایک بہت بڑا اضافہ ہے۔ یہ کتاب اپنے طور پر ہماری

پارلیمنٹرین ڈیموکریسی کو مضبوط کرنے کی ہماری کوششوں کو سہارا دے گی اور انسانیت اور سیکولرازم اقدار کو عام کرے گی۔ یہ بات ایک بہت اچھی کوشش ہے اور مولانا مرحوم کی بصیرت کو ایک طرح کی خراجِ عقیدت بھی ہے۔

مولانا سیّد محمود اسعد مدنی

جناب وزیر اعظم ہند کی تقریر کے بعد ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی نے یہ تاثرات پیش کیے:

بدین مصطفیٰ دیوانہ بودی
فدائے ملتِ جاناں نہ بودی

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ، ملتِ اسلامیہ کے اس عظیم قائد، بے بدل مجاہد اور قافلہ عزیمت کے سالار کا نام ہے جس نے اپنے سرمایۂ حیات کو خدمتِ قوم ووطن کی راہ میں نچھاور کر دیا، جس کی زندگی کا لمحہ لمحہ قوم وملّت کے لیے وقف رہا جس کے ایثار و کردار اور بے پناہ قربانیوں نے مسلمانوں کو عزت وسر بلندی کے ساتھ رہنے کا حوصلہ دیا، جس کی جرأت واستقامت کے سامنے طوفان وحوادث کی تلاطم خیز موجیں سرنگوں ہوگئیں، جس کے ہمتِ مردانہ اور عزم ہمالہ نے فرقہ پرستی کے اُمنڈتے ہوئے سیلاب پر باندھ کا کام کیا، جس کی ذات حضرت شیخ الہندؒ کے فکر وعمل، شیخ الاسلامؒ کے جہد وعزیمت، امام الہندؒ کے تدبر وفراست اور مجاہد ملّتؒ کے مجاہدانہ عزائم کا سنگم تھی، جس کی زندگی جہد مسلسل اور سعی پیہم کی صحیح تعبیر تھی، جس کو فطرت نے دلِ دردمند اور جگر پرسوز سے نوازا تھا، جس کی ذات ہمدردی وغمگساری، مظلوموں کی دادرسی اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا مجسم پیکر تھی، اس سرفروش مجاہد اور غمگسار کی راتیں بارگاہِ خداوندی میں الحاح وزاری، مناجات وسرگوشی، اوراد ووظائف اور عبادت وریاضت میں بسر ہوتی تھیں۔ اور دن اسلام اور مسلمانوں کی صلاح وفلاح، توانائی وسر بلندی نیز ملک وملت کی خیر خواہی میں ہمہ تن مصروف نظر آتا تھا، ملک وملت کا یہ عظیم معمار اپنے عظیم باپ اور مرشد شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی دکھلائی ہوئی راہ ایمان ویقین اور اشاعتِ دین کے ساتھ وطنِ عزیز سے عشق، آزادی سے محبت اور انسانوں کی خدمت پر زندگی بھر گامزن رہا، آپ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے دینی ودنیوی فلاح وترقی کے لیے جہدِ مسلسل اور دوڑ دُھوپ کرتے رہے اسی کے ساتھ فرقہ پرستی کی مخالفت، قومی یکجہتی کے فروغ، جمہوریت وسیکولرزام کی بقا

واستحکام، امن وقانون کی بالا دستی اور ملک وملّت کی تعمیر وترقی کے لیے ہمہ تن مصروفِ جہاد رہے۔

آج وہ ہمارے بیچ میں نہیں ہیں۔ سب سے پہلے میں جمعیۃ علماء کے اپنے ان بزرگوں اور سرپرستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ سفر کی صعوبتیں موسم کی تکلیفیں برداشت کرکے اس حقیر سی دعوت پر یہاں تشریف لائے۔ پھر ان مہانوں جو حضرتؒ سے محبت وعقیدت اور تعلّق کی بنیاد پر ملک سے باہر سے تشریف لائے، خاص طور سے میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد جناب اکرم خان دُرّانی صاحب، ہمارے دونوں بڑے بھائی یہاں تشریف رکھتے ہیں جناب ڈاکٹر سیّد احمد حبیب صاحب اور جناب سیّد احمد اسعد صاحب یہ دونوں حضرات مدینہ منورہ سے تشریف لائے، پھر میں اپنے اس ملک کے وزیر داخلہ جناب شیوراج پاٹل صاحب جنھوں نے یہاں تشریف لاکر رونق بخشی، اور آخر میں ہمارے ملک کے وزیر اعظم جناب ڈاکٹر منموہن سنگھ صاحب۔

شخصیتوں کے سامنے ان کی تعریف کرنا کچھ اچھی بات نہیں ہوتی لیکن کچھ سچائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا اظہار اگر نہ کیا جائے تو بات بنتی نہیں، جب میں نے جمعیۃ میں قدم رکھا تب سے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہمارا تعلق ہے اور ان کی طبیعت کا جو انکسار ہے وہ میں نے کسی سیاست داں میں نہیں دیکھا، میں ایمانداری سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے یہ وزیر اعظم ہونے سے پہلے تھے ویسے ہی وزیر اعظم بننے کے بعد بھی ہیں بلکہ شاید کچھ اضافہ ہی ہوا ہوگا کمی نہیں ہوئی انکساری میں سچائی میں جس بات کو سچ سمجھیں گے تو سیاسی طور پر نفع ہو یا نقصان اس سے بے پرواہ ہوکر یہ شخصیت اپنے راستے کو متعین کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے، یہ وہ شخصیت ہے جنھوں نے پابندی لگائی کہ ہندوستان کے اخباروں میں روزانہ میرے فوٹو نہیں چھپنے چاہئیں وزیر اعظم ہونے کے بعد، یہ صوفی قسم کے آدمی ہیں، اور میں یہ کہتا ہوں اللہ نے ان کو دنیا میں بھی عزت عطا فرمائی اور ہم سب لوگ دُعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو آخرت کی بھی بہتری عطا فرمائے اور اور ہم لوگوں کے ساتھ ہمارا ان کا حشر ہو آخرت میں، انشاء اللہ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ ان کو ایمان کی دولت سے نوازے)

بہرحال وزیر اعظم صاحب کا میں صمیم قلب سے شکر گزار ہوں کہ ایک بہت مختصر سی دعوت سنتے ہی کہ ہاں مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کے اوپر ہو رہا ہے میں ضرور آؤں گا۔ آپ اپنے وعدے کے مطابق تشریف لائے۔

ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہندوستان کے اس ۲۰۲۰ء کے ویژن کو جس کو اب سے چند سال پہلے ہندوستان نے اپنے لیے فکس کیا ہے حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ چالیس پینتالیس

سال پہلے ہی اس ویژن کو اس خواب کو، اپنی آنکھوں میں سجائے رہے اور ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ ڈاکٹر منموہن سنگھ صاحب کے ہاتھ سے مظلوموں کو انصاف بھی ملے گا انشاء اللہ، اور ہم اس خواب کو پورا کرنے کے راستے پر قابلِ قدر کارنامہ انجام دیں گے اور قابلِ قدر انداز میں آگے بڑھ سکیں گے انشاء اللہ، یہ ملک اور صرف ملک نہیں بلکہ اس خطّے کو، ہماری ضرورت اس وقت صرف اس ملک کے بارے میں سوچنے کی نہیں ہے بلکہ اس خطے کے بارے میں سوچنے کی ہے، روشن خیال قیادت جو آج ہندوستان کو ملی ہے، بہت سی چیزوں پر ہمارا ان کا اختلاف بھی ہوسکتا ہے لیکن ہمیں یقین ہے کہ یہ خطہ بھی انشاء اللہ اسی طرف گامزن ہوگا جس چیز کا خواب ہمارے مجاہدینِ آزادی نے اپنی آنکھوں میں سجایا تھا، انھیں الفاظ کے ساتھ میں ایک بار پھر وزیر اعظم صاحب کا وزیر داخلہ صاحب کا اور آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کے بعد برطانیہ سے آئے ہوئے معزز مہمان اور ایسوسی ایشن آف مسلم اسکولس کے چیئر مین جناب ڈاکٹر محمد حسین مقدم نے اپنا مقالہ انگریزی میں پیش کیا جس میں بہت اچھے انداز میں حضرت فدائے ملتؒ کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور بالخصوص برطانیہ میں حضرتؒ کی خدمات کا ذکر کیا۔

پروگرام کو آگے بڑھاتے ہوئے مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب نے مرکزی وزیر داخلہ جناب شیوراج پاٹل کو خطاب کی دعوت دی۔ موصوف نے درج ذیل خطاب فرمایا:

خطاب: جناب شیوراج پاٹل صاحب وزیر داخلہ حکومت ہند

جناب سیّد ارشد مدنی صاحب، جناب مولانا محمود مدنی صاحب، جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب، جناب ڈاکٹر ایم ایچ مقدم صاحب، اور یہاں پر آئے ہوئے سارے بھائی!

یہ جلسہ ہم جناب مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب کی یاد میں منا رہے ہیں، سب سے پہلے ہم ان کی مقدس ذات کو سلام کرنا چاہیں گے۔

آج کی اس دنیا میں دو قسم کی طاقتیں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں: ایک طاقت وہ ہے جو توڑنے کا خیال کرتی ہے اور ایک طاقت وہ ہے جو جوڑنے کا خیال کرتی ہے۔ کبھی کبھی توڑنے والی طاقتیں بہت مضبوط ہوجاتی ہیں اور کبھی کبھی جوڑنے والی طاقتیں مضبوط ہوجاتی ہیں۔ جب توڑنے والی طاقتیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں تو امن میں خلل پیدا ہوجاتا ہے، اور جب جوڑنے والی طاقتیں مضبوط ہوجاتی ہیں تو امن پیدا ہوجاتا ہے۔

جناب مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب نے جو کچھ بھی کیا جو کچھ بھی کہا اور جس پرکار (حیثیت) سے

انھوں نے اپنی زندگی جی، اس کو دیکھنے پر ہمیں ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے انسان کو انسان سے جوڑنے کی کوشش ہمیشہ کے لیے کی اور انسان کو اللہ سے بھی جوڑنے کی کوشش ہمیشہ انھوں نے کی۔ ان کی جو شخصیت تھی اس میں ایک سب سے اہمیت رکھنے والا کیریکٹر اگر ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے تو وہ ایک کیریکٹر ہے۔ دوسری چیز ان کی زندگی سے ہم کو سیکھنے کو ملی ہے وہ یہ ہے کہ تعلیم کو اہمیت دی جائے، تعلیم کا مطلب صرف کمائی کے لیے جو ضرورت ہے اس تعلیم کا نہیں ہے، اگر صحیح طریقے سے زندگی جینے کے لیے جس تعلیم کی ضرورت ہے اس سے وہ اس کا مطلب ہے، تعلیم کا مطلب ہے اندھیرے سے اُجالے میں جانا، اور ساری زندگی انھوں نے اس کام میں بتائی، اسکول کالجز بنا کر اتنا ہی نہیں راجیہ سبھا میں آ کر جو اپنی باتیں انھوں نے کہیں اس کے پیچھے بھی وہی مطلب تھا ایسا میں مانتا ہوں۔

آج کی اس دنیا میں کچھ لوگ بول رہے ہیں کچھ لوگ لکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ہم کو کہ کلیش آف سویلائزیشن (Clash of Civilisation) ہوگا۔ نظر آ رہا ہے ہورائزن (Horison) پر اب یہ کلیش آف سویلائزیشن کی جو بات ہے وہ ایسی بات ہے کہ جس کی وجہ سے اس دنیا میں امن کبھی قائم نہیں ہوسکتا، اور انسان کبھی سکھ چین سے نہیں رہ سکتا، سویلائزیشن کا مطلب ہے سمجھ داری بڑھانا، امن بڑھانا، اپنا پن بڑھانا ایک دوسروں کو ساتھ میں لانا، ایک دوسروں کا بٹوارہ کرنا نہیں، مگر یہ بات کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کچھ لوگ لکھ کر ہم کو یہ بتا رہے ہیں۔ مگر آج خوش قسمتی کی بات ہے کہ دنیا میں بہت سارے لوگ ہیں جو اس تھیوری کو کبھی مانتے نہیں، وہ کہتے ہیں کہ کلیش آف سویلائزیشن ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، گہرائی میں جا کر انت میں جا کر اس سویلائزیشن اس ریلیجن (Religion) کی گہرائی میں جا کر انت میں جا کر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک ہے انسان کی بھوک ایک جیسی ہے، انسان کا درد ایک جیسا ہے، انسان کی موت ایک جیسی ہے، تو پھر ایسے ہونے پر کلیش کیوں ہونا چاہیے؟

جو زندگی کی آدھی بات مانتے ہیں سمجھتے ہیں جو صرف اپنا ہی سوچتے ہیں دوسروں کا نہیں سوچتے ہیں، جو طاقتوں کا اُپیوگ (استعمال) دوسروں کی بھلائی کے لیے نہیں مگر اپنی بھلائی کے لیے کرنا چاہتے ہیں، ان کی وجہ سے شاید کلیش ہوسکتا ہے ورنہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو بھی دھرم ہو جو بھی ریلیجن ہو میں سمجھتا ہوں کہ ایکتا میں وشواش کرتا ہے، اور ان میں ایکتا اگر ہے تو وہ ان ایکتا میں بھی ایکتا ہی کو دیکھتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ جیسا کہ کسی باغیچے میں الگ الگ رنگ کے الگ الگ پرکار (طرح) کے پھول ہوتے ہیں ویسا ہی ہمارا اوپری جیون انیکتا سے بھرا ہوا ہوسکتا ہے، مگر انت میں ایکتا ہی ہے یہ جو سمجھتا ہے وہی زندگی کو صحیح ڈھنگ سے سمجھتا ہے ایسا میں مانتا ہوں، اور جنھوں نے

بھی دھرم کو صحیح معنی میں سمجھا ہے انھوں نے توڑنے کی بات کبھی نہیں کی ہے، انھوں نے ہمیشہ جوڑنے کی بات کی ہے اور وہی مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب نے ہم کو بتائی ہے ایسا میں مانتا ہوں۔

اگر ان کو صحیح ڈھنگ سے یاد کرنا ہے، ان کی شخصیت صحیح ڈھنگ سے ہمارے سامنے رکھنا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کے بتائے ہوئے اصولوں کو یاد رکھنا پڑے گا اور اس راستے سے چلنا پڑے گا۔

جناب ہمارے پردھان منتری جی کے کہنے کے بعد ان کی تقریر کے بعد مجھے اب زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے ہمارے ساتھی مولانا محمود مدنی صاحب نے کہا کہ مجھے بھی کچھ کہنا چاہیے تو ان کا اور آپ سب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میں کہنے کے لیے یہاں پر کھڑا ہو گیا، اور ایک چیز میں کہنا چاہوں گا کچھ اپنی اور سے، شخصی اور سے، کچھ سرکار کی اور سے، اور کچھ آپ سب کی اور سے ہمارے دیش کی اور سے، وہ ہے جو باہر سے آئے ہوئے مہمان میں خاص طور سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب ان کا میں یہاں پر سواگت (استقبال) کرنا چاہوں گا، ان کو یہاں پر خوش آمدید کہنا چاہوں گا، اس سے زیادہ نہ کہتے ہوئے میں آپ سے اجازت لینا چاہوں گا، اور مجھے دوسرے کام کے لیے جانا ہے تو جلدی سے جانا پڑے گا اس لیے میں معافی مانگتے ہوئے اس تقریر کو یہاں ختم کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ۔

خطباتِ فدائے ملت اور خصوصی نمبرات کا اجراء

وزیر داخلہ موصوف کی تقریر کے بعد مفتی محمد سلمان منصور پوری نے پروگرام کی نظامت کرتے ہوئے کہا:

اس سیمینار کا ایک اہم فائدہ جو سامنے آیا وہ یہ ہے کہ حضرت فدائے ملّتؒ کی شخصیت پر علمی اور تحریری مواد اچھا خاصا جمع ہو گیا اور اس سلسلے میں ایک اہم کاوش حضرتؒ کے کانفرنسوں وغیرہ کے جو ۱۳۴ اہم خطبات ہیں، انھیں "خطباتِ فدائے ملت" کے نام سے یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے، میں اس کے اجراء کے لیے اس کے مرتب جناب مولانا معز الدین احمد صاحب کو آواز دے رہا ہوں کہ وہ تشریف لائیں اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی خدمت میں پیش کر کے اس کا اجراء فرمائیں۔

- جمعیۃ علماء ہند کے ترجمان، ہفتہ روزہ الجمعیۃ نے بھی حضرت فدائے ملّتؒ کی حیات و خدمات پر ایک نمبر شائع کیا ہے میں اس کے مرتب جناب مولانا محمد سالم صاحب جامعی سے درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لائیں اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم

دیوبند کی خدمت میں پیش کر کے اس کا اجراء فرمائیں۔

- ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مراد آباد نے بھی ایک ضخیم فدائے ملت نمبر شائع کیا ہے، میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے مہتمم حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب سے درخواست کروں گا کہ اس وقیع نمبر کو صدر محترم حضرت مولانا سیّد ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کر کے اس کا اجرا فرمائیں۔
- حضرت کی پارلیمانی تقریریں جو ''صدائے حق'' کے نام سے پہلے چھپ چکی ہیں اب اس کا نیا ایڈیشن اور اچھے انداز میں شائع ہوا ہے، اس کے مرتب جناب مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی سے درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لائیں اور حضرت مولانا ایوب صاحب کا چھوی کی خدمت میں پیش کر کے اس کا اجرا کریں۔

خطاب: حضرت مولانا محمد خان صاحب شیرانی پاکستان

بعد ازاں پاکستان سے تشریف لائے ہوئے معزز مہمان جناب مولانا محمد خان شیرانی ممبر پارلیمنٹ نے درج ذیل وقیع خطاب کیا۔ (خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا):

محترم صدر، معزز میزبانِ گرامی، حاضرین مجلس!

جس پروگرام میں ہمیں شرکت کی دعوت دی گئی ہے وہ ایک ایسا بنیادی فکر ونظر ہے کہ جو ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابِ الٰہی کی ہدایات کے مطابق تواتر سے ورثے میں ملا ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہمارے ہندوستان کے وزیر داخلہ صاحب نے فرمایا کہ جب ہر ایک اپنی سوچے گا تو تضادات اور تصادم ہوں گے، اور جب ہم انسانیت کے لیے بھلائی کی سوچ رکھیں گے جیسے ہمارے اسلاف واکابر کا طریقۂ کار اور اس کے دعوت کا بنیادی محور اور ستون چلا آ رہا ہے، تو پھر وحدت کے ساتھ انسانیت کے لیے پیش رفت بھی ہوگی، اور وہ یہ کہ جیسا کہ اللہ جل جلالہٗ فرماتے ہیں، **تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ!** ایک مشترک نقطہ جو تمام مذاہب وادیان کے درمیان ہے وہ اللہ کی وحدانیت کا ہے۔ چاہے آپ ہندوؤں کے وید کو مدِنظر رکھیں، چاہے سکھوں کے گرنتھ کو آپ مدِنظر رکھیں، چاہے اِک آتش پرستوں کے اُوستا اور اُستان پت کو آپ مدنظر رکھیں چاہے کوئی بھی صحیفہ بائبل، توریت یا انجیل یا دنیا جہاں کی بنیادی اور مقدس کتابوں کو آپ اگر مدنظر رکھیں گے تو اس میں اللہ کی وحدانیت اور وحی کا اقرار، رسالت کا اقرار اور بعثت بعد الموت کے اعتراف وملائک کے وجود پر تمام ادیان ومذاہب کے درمیان اشتراک ہے۔

دنیا جہاں میں کوئی ایسا مذہب نہیں جو ناحق قتل کو جائز قرار دیتا ہو، چوری کو جائز قرار دیتا ہو، شراب نوشی کو جائز قرار دیتا ہو، زنا کو جائز قرار دیتا ہو، جھوٹ کو جائز قرار دیتا ہو، اور چغلی کو جائز قرار دیتا ہو غیبت کو جائز قرار دیتا ہو، ڈاکے کو جائز قرار دیتا ہو۔ خود آپ یہاں کے ہندوؤں کی کتابوں کو دیکھیں کوئی شراب کا جواز نہیں، آپ عیسائیوں کی کتابوں کو دیکھیں آپ سکھوں کی کتابوں کو دیکھیں جتنے بھی مذاہب دنیا جہاں میں ہیں کسی بھی مذہب میں شراب کا جواز نہیں ہے۔ البتہ حکمرانوں نے اپنی ضرورت اور حاجت کے لیے جواز کی راہ نکالی ہے۔

لٰہذا ہمارے اکابر حضرات چاہے حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ ہوں، چاہے حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ ہوں، ان کی دعوت کا بنیادی اور محوری نقطہ انسانیت اور وحدت پیدا کرنا ہے اور ان مشترک نقاط پر انسانیت کو اکٹھا کرنا ہے کہ جو تمام ادیان و مذاہب کے درمیان مشترک ہیں، بڑے افسوس سے یہ کہا جاتا ہے کہ آج دنیا کی بعض جابر قوتیں امتِ مسلمہ پر دہشت گردی کا یا نفرت پھیلانے کا یا دنیا کی امن کو تہہ و بالا کرنے کا الزام لگاتی ہیں، لیکن اگر دیکھا جائے تو ہمارے عقیدے میں، انسانیت کی رہنمائی کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام تشریف لائے، عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام ان میں سے ایک دو ہیں، اور ہم ان کو برحق نبی مانتے ہیں، تو رات کو ہم برحق اللہ سے منزل کتاب مانتے ہیں۔ انجیل کو ہم برحق کتاب مانتے ہیں، لیکن یہی قوتیں ہمارے نبی کو برحق نبی اور ہماری کتاب کو اللہ سے منزل کتاب نہیں سمجھتے۔ تو پھر یہ امن عالم ہمارے تسلیم سے خراب ہوتا ہے یا ان کے انکار سے خراب ہوتا ہے؟ پھر داعیِ امن ہمیں کہنا چاہیے یا وہ ہیں؟ ہم تمام دنیا کے ادیان کو ایک بات کی دعوت دیتے ہیں کہ جس اللہ کو تم مانتے ہو، آیئے اسی ایک اللہ پر باہم اتفاق رکھیں تعظیم، اور اطاعت اُسی ایک اللہ کی ہو، بے شک آپ اپنی شریعت کے مطابق کریں اور ہمیں شریعت کے مطابق کرنے دیں، لیکن افسوس سے کہا جاتا ہے کہ تمام ادیان کے پیروکار نہ تو اپنی شریعت پر خود عمل کرتے ہیں، نہ ہمیں اپنی شریعت پر عمل کرنے دیتے ہیں، تو کیا امنِ عالم کو ہماری دعوت نے خراب کیا؟ یا ان کی بغاوت نے خراب کیا؟

اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق مذہب ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور ہم دنیا جہاں کے تمام ادیان و مذہب، تمام اقوام عالم کا یہ اقوام متحدہ کے منشور کے تابع دیا ہوا حق الف سے یا تک تسلیم کرتے ہیں، کہ اگر ان کے شرائع نے، ان کے مذاہب نے ان کو اخلاق سکھائے ہیں تو وہ اپنائیں اور اگر نظام دیا ہے تو وہ چلائیں، یہ ایک اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے حکومت نہیں کی، موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی زندگی میں حکومت نہیں کی ہے، ان کی رحلت کے تین ساڑھے تین سو سال بعد

ان کی امت میں حکومت آئی، لیکن ہمارے بارے میں کیا کہے گا کہ جہاں مکہ مکرمہ میں اخلاق سکھاتے ہیں وہاں مدینہ منورہ میں نظام حکومت چلا کے اس کے اصول بتاتے ہیں اور شریعت عدالت کا قانون قرار دیتے ہیں، لہٰذا دنیا کو اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جب ہم اقوام متحدہ کے چارٹر کے تابع تمام ادیان و اقوام کے حق کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہمیں کہا یہ جارہا ہے کہ آپ اپنی شریعت کے اخلاق کو تو اپنائیں، لیکن نظام کی جانب قدم نہ بڑھائیں۔ تو کیا امن عالم ہمارے اس تسلیم نے خراب کیا؟ یا جو دنیا آدھا شریعت اور اقوام متحدہ کے چارٹر کے ذریعہ دیا ہوا آدھا حق ہم سے غصب کرتے ہیں، امن عالم کو اس غصب نے خراب کیا ہے؟ معقولیت اس غصب میں ہوتی تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن اس غصب میں معقولیت بھی نہیں ہے۔

جب کسی اسٹیٹ کے افراد یا کسی جامعہ کے اشخاص اقوام متحدہ کے دیے ہوئے اس حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنی شخصی زندگی کو اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق استوار کریں گے تو پھر ان سے کہا یہ جاتا ہے کہ اپنے آپ کو ایک سیکولر جامہ میں فٹ کریں، جبکہ سیکولر جامہ کی بنیاد مذہب کے انکار پر ہوتا ہے۔ اب مذہبی لوگوں کے درمیان جو رابطے کا ذریعہ ہوتا ہے وہ تو مذہب ہے، لیکن مذہب کا انکار اس جامہ کے لیے رابطے کا ذریعہ کیسے بنے گا؟ تو اس میں سے تین خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور ہوگی، یا تو یہ سیکولر جامہ اپنے اشخاص کو اپنے مذہب کو سے منحرف کروائے گا، تو یہ جامہ ظالم ہوا کہ اقوام متحدہ کا دیا ہوا حق چھین لیا، یا پھر یہ اشخاص اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے اس سیکولر جامہ سے ٹکر ماریں گے تو تصادم امن کہاں ہوگا، یا پھر اپنے دل میں نفرت کرتے ہوئے بظاہر منافقت کریں تو وہاں پر اعتماد کہاں رہے گا؟

لہٰذا دنیائے عالم کو اس پر غور کرنا چاہیے اور ہمارے اسلاف و اکابر کی تعلیمات کو گہری نظر سے دیکھنا چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو کوئی لشکر کشی نہیں تھی، کوئی فوجی افسر نہیں تھا، مدینہ منورہ کے وفود گئے، آپؐ کی بصیرت اور کردار کی پاکی پر اعتماد کرتے ہوئے آپؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کر دی اور مدینہ آنے کی دعوت دی، اور ان کی دعوت کے نتیجے میں تشریف لائے اور جب تشکیل اسٹیٹ مدینہ منورہ میں ہوا تو وہاں یہ کوئی قوت استعمال نہیں ہوئی، کسی قسم کی دولت سے کام نہیں لیا گیا، کسی قسم کی منافقت وہاں پر نہیں کی گئی بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت، آپؐ کے کردار کی صفائی پر مدینہ کے باشندوں نے اعتماد کیا اور آپؐ کو اپنی رہبری حوالے کی تو جو حصولِ اقتدار کا مرحلہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قوت سے نہیں دولت سے نہیں منافقت سے نہیں بلکہ صفائی کردار اور بصیرت سے حاصل کیا۔

ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو اپنی خلافت کے دفاع کے لیے بھی قوت استعمال نہیں کی، لہٰذا ہمارے اکابر کا ہمیشہ کے لیے انسانیت میں وحدت پیدا کرنا، مشترکات پر باہمی اتفاق رکھنا، اختلافی مسائل پر مذاکرات کو جاری رکھنا، اور ایک کشتی کے سوار سمجھ کر اس کشتی کی حفاظت اپنا سیاسی اور ایمانی فریضہ سمجھنا یہ ہمارے اکابر کی تعلیمات ہیں اور یہی اسعد مدنی صاحب اور حسین احمد مدنی صاحب اور ہمارے دیگر اسلاف کا بنیادی فلسفۂ دعوت تھا، ہمیں بھی ان کے فلسفے کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

روزنامہ ''ہندوستان ایکسپریس'' دہلی نے سیمینار کے موقع پر ایک خصوصی نمبر شائع کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب خالد انور صاحب نے یہ شمارہ مہمان محترم جناب محمد اکرم درّانی وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد کی خدمت میں پیش کر کے اس کا اجرا کرایا۔

اس کے بعد حضرت مولانا سیّد محمود مدنی صاحب نے ڈاکٹر جے. کے. جین صاحب چیئر مین جین گروپ اور جین ٹی وی سے اظہارِ خیال کی درخواست کی۔ چنانچہ موصوف نے درج ذیل کلمات کہے:

جناب ڈاکٹر جے، کے، جین صاحب

آج کے اس سیمینار کے صدر مولانا ارشد مدنی صاحب، پاکستان اور دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے ہمارے مہمان لوگ، جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب ان کے ساتھی اور سبھی جناب مہمان!

میں اس سیمینار کے سامنے تین سوال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا پہلا سوال ہے کہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو یاد کرنے کی آج ضرورت کیا ہے؟ میرا دوسرا سوال ہے کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا تھا یا ہند کا مسلمان تقسیم ہوا تھا؟ اسی سوال میں ایک دوسرا سوال بھی چھپا ہوا ہے کہ آج ہند کی جمہوریت میں پاکستان، اور بنگلہ دیش کے مسلمان بھی شامل ہوتے تو اس ملک کی سرکار میں مسلمانوں کی کیا حیثیت ہوتی؟ میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں کیا ہند آزاد ہو گیا تھا وہ آزادی تھی یا محض ایک بہلاوا تھا؟ مجھے یہ سوال پوچھنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ آزادی کا وعدہ تھا کہ سبھی کے ساتھ انصاف ہوگا جسٹس (Justice) سوشل، پولٹیکل اکیونامک (Social Political and Economic) مجھے لگتا ہے کہ کیا کیول ۱۹۴۷ء میں ہوا وہ ایک ٹرانسفر آف پاور (Transfer of Power) تھا؟ ستّا پریورتن (تبدیلیٔ حکومت) تھا؟ یا وہ آزادی تھی تو پھر ہم لوگوں

کے ساتھ انصاف کیوں نہیں ہوا؟ کیا ہماری دُردَشا (ناگفتہ بہ حالت) آج جو ہے اس لیے ہمیں سچر کمیٹی کی رپورٹ کی ضرورت تھی؟ کیا ہمیں اپنی حالت کا پتہ نہیں ہے؟ یہ ہماری حالت یعنی ہماری آزادی کون اُڑا کے لے گیا؟ اور آخری سوال میں یہ بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سیمینار میں سوچنا چاہیے کہ آخر ہم کیا کرسکتے ہیں؟ میں زیادہ آپ کا وقت نہیں لینا چاہتا، خالی ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت کے ساتھ مجھے انیک (کئی) جگہ جانے کا موقع ملا ان کی باتیں سننے کا، وہ ہمارا ساتھ چھوڑنے سے پہلے اکثر ایک بات پوچھا کرتے تھے اور ان کا سوال تھا کہ مسلمانوں طے کرو کہ عزّت کی زندگی جینا چاہتے ہو یا ذلت کی زندگی؟ اس لیے مولانا چاہتے تھے کہ یہاں ہم سب دیش واسیوں کو مل کر انصاف کے لیے لڑائی لڑنی چاہیے، جس میں اقلیت بھی ہو، مسلمان تو ہو ہی، مسلمان کے ساتھ دوسری اقلیت بھی ہو، آدی باسی ہو، دلت ہو، کسان ہو مزدور ہوا ور چھوٹا بیوپاری اور کاریگر ہو، جس دن ان سب لوگوں کے ساتھ انصاف ہوگا اس دن آزادی ہوگی۔

حضرت زندگی پھر اس دیش کی آزادی کے لیے لڑے، اس قوم کی بہتری کے لیے لڑے، ان کی حساب سے قوم الگ نہیں تھی، ملک الگ نہیں تھا، میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے ان کو خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہتا ہوں اور دُعا مانگتا ہوں کہ یہ سیمینار کامیاب ہو، اور ہم ڈھونڈ سکیں ان راستوں کو جن پر حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ اس دیش کو اس قوم کو اور ہم سب کو لے جانا چاہتے تھے۔ مجھے اتنی بات کہنے کا موقع ملا، اس کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔

اس کے بعد حضرت مولانا محمود مدنی صاحب نے جناب ڈاکٹر رشید الوحیدی صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنے تاثرات کا اظہار کریں۔

جناب ڈاکٹر رشید الوحیدی صاحب

؎ یہ نکہتِ گل میاں محمود تیری مہربانی ہے۔

میں اپنے مقالے کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں اپنا مقالہ جو دیا ہے۔ عنوان ہے ’’زندگی ہو تو ایسی ہو‘‘ حضرتؒ پر مختلف مقالوں میں مختلف جہات سے لکھا گیا ہے۔ میں نے آپ کی عادات اور طبیعت کی روشنی میں آپ کی سیرت پر واقعات کی مدد سے اپنا مضمون تحریر کیا ہے! حضرت کی عادتیں، حضرت کی طبیعت، یہ میرا موضوع ہے اصل میں یہ واضح کردوں کہ ان واقعات میں یا تو خود میں شریک رہا ہوں یا قریب سے دیکھا ہے۔ شروع میں آپ کے اخلاص اپنے بزرگوں اسلاف اور اکابر سے والہانہ تعلق کا اس میں ذکر ہے، اور اس سے متعلق واقعات ہیں۔ آگے زندگی میں

جدوجہد آپ کی سادگی، بے پناہ جفاکشی، زندگی میں نظم وضبط، ملک میں فسادات اور اس کا تدارک اس کے لیے سعی، ملت کی فکر، اصلاح کے لیے شب و روز کوشش، امت کی روحانی، اخلاقی، سماجی اصلاح اور اس کے لیے بے چینی، عملی جدوجہد، دینی مدارس کی حفاظت اور اشاعت وغیرہ وغیرہ، یہ امور کسی نہ کسی واقعات کے ساتھ جوڑ کر کے اپنے مقالے میں پیش کیے ہیں، فقط یہ اس کی تلخیص ہے اب اگر مقدر سے مقالہ چھپ گیا تو وہ بھی پڑھ لیجیے گا۔

السید احمد اسعد المدنی

اس کے بعد فضیلۃ الشیخ السیّد احمد اسعد المدنی حفظہ اللہ نے اپنا مختصر مقالہ عربی میں پیش کیا۔

حضرت مفتی سلمان صاحب نے موصوف کے مقالہ کا اُردو میں خلاصہ کرتے ہوئے کہا:

بھائی احمد صاحب حضرت فدائے ملّتؒ کے سب سے بڑے صاجزادے ہیں اور مدینہ منورہ میں مقیم ہیں اور وہاں مدرسہ علومِ شرعیہ کے شعبہ محاسبی کے سربراہ ہیں۔

موصوف نے اپنے والد محترمؒ کے لیے اپنے جذبات اور اپنے احساسات اس عربی مقالے میں آپ کے سامنے پیش فرمائے اور انھوں نے ان یادوں کو اُجاگر کیا جو حضرتؒ کے ساتھ وابستہ رہیں اور اس بات کو بہت اہمیت کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت جب تشریف لے جاتے تو میرے غریب خانے کو اپنی قیام گاہ بنانے تھے یہ میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے، اسی طرح اگرچہ ہمارا اور ان کا ایک جگہ رہنا نہیں ہوا لیکن آپ ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی ہماری ہر ضرورت کا خیال فرماتے تھے اور بار بار فون کر کے پوچھا کرتے تھے، ہماری مزاج پرسی کرتے اور ہمارے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ اور پھر فرمایا کہ آپ کی زندگی اس آیتِ قرآنی کا مظہر تھی ''ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة'' کہ اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیجیے حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ اس کو آپ نے مشعلِ راہ پوری زندگی بنائے رکھا اور آپ نے مسلمانوں کی خدمت کے لیے ساری دنیا کے اسفار فرمائے اور آپ مسلمانوں کے دکھ درد میں ایسے شریک تھے کہ بعض مرتبہ رات کے آدھے حصّے میں بھی اگر کوئی فون آ گیا کہ ہندوستان کے کسی خطے میں کوئی حادثہ پیش آ گیا مسلمانوں کے ساتھ تو آپ فوراً پابہ رکاب ہوجاتے تھے یہ آپ کے دل میں امت کی کڑھن اور فکر کی بات تھی اس طرح کی چند چیزیں موصوف نے پیش فرمائیں۔

ہم بہت مشکور رہیں کہ انھوں نے اپنے ان احساسات کو ہمارے سامنے پیش کیا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے:

الدکتور السید احمد حبیب المدنی

اس کے بعد حضرت فدائے ملت کے چچازاد بھتیجے، مدینہ منورہ کی باوقار شخصیت جناب ڈاکٹر سیّد احمد حبیب مدظلہم نے درج ذیل کلمات ارشاد فرمائے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ و السلام علی المبعوث رحمۃ للعالمین سیّدنا و نبینا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین.

فضیلۃ الشیخ فضل الرحمن، فضیلۃ الشیخ عمنا ارشد حسین احمد المدنی، فضیلۃ السیّد محمود اسعد، حضرات السادۃ الحضور!

لیسرّنی أن أقف بین یدیکم و لقد فاجأنی أخی السیّد محمود بدعوۃٍ للوقوف بین یدیکم و أنا افتقر إلی معرفۃ بالغۃ الاردیۃ لکنی انقل لکم مشاعری و شکری و دعواتی بحضور ھذہ المناسبۃ السعیدۃ. والحقیقۃ لیس لدیّ ما أضیفہ علی ماسمعتُ من رئیس الوزراء لجمھوریۃ الھند و لوزراء ولأصحاب الفضیلۃ العلماء علی إختلاف مستویاتھم و ماتفضّل بہ عمّنا السید ارشد و اخینا السیّد محمود عن عمّنا السیّد اسعد حسین احمد المدنی.

فبعد أن اُقدّم الشکر لکم جمیعاً علی إتاحۃ الفرصۃ لی لأن اقف امامکم و اتقدم لکم بالشکر علی دعوۃ لھٰذہٖ المناسبۃ والتی اسرّنی جدّاً أن أکون بینکم فی ھذا الیوم السعید أتوجّہ إلی اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ أن یرحمَ عمنا السیّد اسعد و أن یجعل ماقدّمہ من أعمالٍ خیریۃ سواءً فی داخل الھند او فی خارج الھند فی میزان حسنات یوم لاینفع مال ولابنون وأتقدمُ مرّۃ اخریٰ بالدعاء لہ لأننی یعنی عرفتہ کرجلٍ متفرّر إلی الوصول إلی اللہ سبحانہ و تعالیٰ والعمل من اجل الاعمال الخیریۃ فی أیّ مکان یدعی الیھا راجیا إلی سبحانہ و تعالیٰ أن یتغمّدہ فی رحمتہ ویجعل الخیر فی خلفائہ سواءً فی الھند و فی المدینۃ المنورّۃ.

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

یہ حضرت کے چچا زاد بھائی حضرت مولانا سیّد حبیب محمود المدنیؒ تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف حضرت سیّد حبیب صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ حضرت کا بڑا تعلق ان سے رہا،

اورتشریف آوری کے موقع پر وہاں قیام اوران حضرات کا اکرام ایک بے نظیر اور مثالی تھا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیرعطافرمائے۔اورہرطرح کی عافیت سے نوازے۔

موصوف نے بھی حضرت کے لیے دعائے خیر کی اورانھوں نے جو خدمات قوم وملت کے لیے اس ملک میں یا تمام عالم میں کی ہیں اللہ تعالیٰ اس کا انھیں اجر جزیل عطا فرمائے، ان خواہشات کا اظہار کیا۔

ہمارے ایک دوسرے معزز مہمان جو سعودی عرب سے تشریف لائے ہیں اوراسی خاندان کے ایک فرد ہیں سیّدحسین الوحیدی جو حضرت سیّد فریدالوحیدیؒ کے صاجزادے ہیں، میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے تاثرات پیش کریں۔

مولانا سیّدمحمود مدنی نے اسی دوران مزید تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ حسین بھائی اسیر مالٹا حضرت مولانا وحیداحمدصاحب کے پوتے ہیں۔

حسین بھائی کی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت بارہا حج میں تشریف لے گئے میں نے دیکھا ہے حضرت کو حج کے نظام سے باہر نکالنے کے لیے یہ ایئرپورٹ پر ساری ساری رات یہ چکّر لگاتے رہے ہیں۔حضرتؒ سے ان کا بہت ہی خاص اور گہرا تعلّق تھا۔تشریف لائیے۔

السیدحسین احمدالوحیدی (جدہ)

السلام علیکم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا و نبینا محمد ﷺ

میرے معزز بزرگ حضرات:

میں جمعیۃ علماء ہند کا شکرگزار ہوں کہ اس عظیم موقعہ پر مجھے یاد رکھا اور مجھے اپنے دادا مرحوم سیّد اسعد مدنیؒ کے بارے میں کچھ بولنے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت فدائے ملّتؒ کی خدمت کا موقع مجھے وہاں ہرسال ملتا تھا اور میں سارا سال اس موقع کے انتظار میں گزارتا تھا کہ کب دادا کا ٹیلی فون آئے اور میں ان کی خدمت کے لیے تیار ہوجاؤں، میں اپنے دادا سیّد ارشد صاحب کا شکرگزار ہوں اور بھائی سیّدمحمود صاحب کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے مجھے یہ موقع دیا کہ میں اس سیمینار میں شرکت کروں اور زیادہ نہ کچھ کہتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتاہوں۔**والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ‘**

دوسری نشست

دوشنبہ ۱۴ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۳/اپریل ۲۰۰۷ء — بوقت ۱۲ تا ۲ بجے دوپہر
زیر صدارت: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

جناب قاری آفتاب صاحب استاد تجوید دارالعلوم دیوبند نے اپنی تلاوت سے دوسری نشست کا آغاز کیا۔

تعزیتی نظم

جناب قاری احمد عبداللہ صاحب نے درج ذیل تعزیتی نظم پیش کی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوداع اے قافلہ سالارِ عرفاں الوداع
الوداع اے اسعدِ جانِ گلستان الوداع

سونا سونا سا لگے ہے یہ چمن تیرے بغیر — ہوگئی بے نور دل کی انجمن تیرے بغیر
کم نہیں ہوتی ہے اب دل کی چبھن تیرے بغیر — ہوگیا تاریک آنکھوں میں وطن تیرے بغیر
تجھ کو قدرت نے بنایا تھا قیادت کا امام — ایٹمی دنیا میں اسلامی سیاست کا امام
بہرِ دشمن تھا تنِ تنہا شجاعت کا امام — کوہِ استقلال کی طرحِ جلالت کا امام

اے دلِ جمعیۃ شمعِ گلستاں الوداع
الوداع اے اسعدِ جانِ گلستان الوداع

آج ہے اخلاف کی محمود اسعد پر نظر — ارشد مدنی سے بھی حاصل ہے فیضان اثر
جوہر محمودیت محمود میں ہو جلوہ گر — یہ وہی جوہر ہے اسعد پر رہا جس کا اثر

چل بسا تو دے کے پیغامِ رسولاں الوداع
الوداع اے اسعدِ جانِ گلستان الوداع

باغِ جنت کی ہوائیں لحد میں آتی رہے — پیار سے پھر تھپ تھپا کر لوریاں دیتی رہے

نگہبانی اس طرح گھر کی سدا کرتی رہے　　　اور فضائیں آسماں سے نور برساتی رہے

لحد میں سویا ہے لے کے قلب سوزاں الوداع

الوداع اے اسعدِ جانِ گلستان الوداع

اس کے بعد جناب ڈاکٹر رضی احمد کمال صاحب نے اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا۔

معزز مہمان حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اپنی پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود تشریف لائے اور مقالہ پیش فرمایا۔

حضرت مفتی محمد سلمان صاحب نے حضرت الاستاد مولانا ریاست علی بجنوری کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

حضرت فدائے ملّتؒ کی جو بنیادی فکر تھی، اس کا تعلق متحدہ قومیت کے نظریہ کے ساتھ تھا، ہمارے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ حضرت الاستاذ حضرت مولانا ریاست علی بجنوری دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے، اور ہم حضرت سے درخواست کرتے ہیں کہ حضرت تشریف لا کر اُسے پیش فرمائیں:

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری

الحمد اللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہٖ الذی اصطفیٰ! امابعد!

صدر محترم معزز حاضرین!

متحدہ قومیت ایک سیاسی نظریہ ہی نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں تمام برادریوں کے اتحادِ فکر و عمل کے ساتھ تمام لوگوں کے لیے امن و امان کے بقا، جان و مال کے تحفظ، دعوت و تبلیغ کے لیے ماحول کی سازگاری اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے بنیادی اہمیت رکھنے والا نظریہ ہے۔ اس نظریے پر ماضی میں کچھ بحث بھی ہوئی ہے اور اس میں علاّمہ اقبال مرحوم کی ایک غلط فہمی کی بنیاد پر کچھ تلخ طریقہ بھی اختیار کیا، میں نے اس مضمون میں کچھ اشارات بھی کیے تھے اور اس کی اپنے اکابر کی روشنی میں وضاحت بھی کی ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی زبان میں اور ان کی عبارت میں اس کو سمونے کی کوشش کی۔

ہوا یہ کہ مجھے مقالہ کیا لکھنا تھا، عزیزم محمود سلمہٗ نے مجھ سے یہ بات کہی کہ آپ کو اس موضوع پر لکھنا چاہیے میں نے وعدہ کیا اور میں نے تھوڑا بہت لکھا، مگر میں نے متحدہ قومیت پر زیادہ گفتگو کے بجائے حضرت اقدس فدائے ملّت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے ذات سے متعلق ''فدائے ملتؒ

کے سیاسی کردار میں متحدہ قومیت کی اہمیت''، اس موضوع کو سمیٹ لیا، اور پھر میں نے ابتداً تو بحث کی ہے متحدہ قومیت پر ان بزرگوں کی کچھ سطریں دے کر اور اس کے بعد یہ بتلایا کہ آزادی سے پہلے تو اس نظریہ کی معنویت ہندوستان کی آزادی کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی اور آزادی کے بعد بھی جمعیۃ علماء ہند کی فکر میں اور اکابر جمعیۃ کے فکر میں ملک کی تعمیر و ترقی اور مسلمانوں کے بقا و تحفظ اور ایک پر امن ماحول کے بقا کے لیے اس نظریے کی اہمیت باقی ہے، قرآن کریم میں بھی اس کی رہنمائی ملتی ہے ہدایت 'قل یا ایھا الکفرون ''میں جو مضمون دیا گیا ہے کہتے ہیں کہ وہ منسوخ ہے لیکن منسوخ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر حالات اسی طرح کے پیش آجائیں جس طرح مکی زندگی میں تھے تو ہمیں ''لا اعبد ماتعبدون'' وغیرہ پر عمل کرنا ہے اس لیے اُس کے منسوخ ہونے کے باوجود بھی اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

پھر میں نے حضرت مولاناؒ کے جو بہت طویل زندگی کے کارنامے ہیں ان کو چند عنوانات میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے، مثلاً جمعیۃ علماء ہند کی تجاویز میں متحدہ قومیت کی اہمیت، چند تجاویز اس سلسلے میں دی ہیں اور وہ بعض نمبرات میں بھی چھپی ہوئی ہیں اور وہ تاریخی طور پر محفوظ ہیں پھر میں نے حضرت مولانا جو متعدد مواقع پر کانفرنس کیا کرتے تھے اور اس کانفرنس میں متحدہ قومیت کے نظریے کو اُبھار کر پیش کرتے تھے اور یہ ذہن دیتے تھے کہ متحدہ قومیت یہ مسلمانوں کی مجبوری نہیں ہے، مسلمان کسی بھی جگہ اپنے آپ کو مجبور نہیں سمجھتا، بلکہ مسلمان ملک کی تعمیر و ترقی میں حصّہ دار بننے کے لیے اور ملک میں بقائے باہم کے لیے، اور ایک نعمت ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہے، اس نعمت کو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ابنائے وطن کے سامنے جس کا نام ہے اسلام اور وہ نعمت تمام برادرانِ وطن کے لیے، جیسے ابھی عزیزم محمود سلّمہٗ نے ڈاکٹر منموہن سنگھ کے بارے میں بات کہی اور بڑی خوبصورت بات کہی، انھوں نے یہ بات کہی کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آخرت میں بھی ہم ان کے ساتھ رہیں، منشا ان کا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو وہ حقائق سمجھنے کی توفیق دے جس کی بنیاد پر ہمارا اور ان کا وہاں بھی ساتھ ہو سکے۔ تو یہ ہماری مجبوری نہیں ہے بلکہ ملک کی تعمیر کے لیے بھی ضروری ہے اور جو نعمت ہمارے پاس ہے اس کو پیش کرنے کے لیے متحدہ قومیت کی بہت اہمیت ہے۔

پھر میں نے جو مذہبی اجتماعات میں حضرت مولاناؒ بیان کیا کرتے تھے اس کو لیا اور اس میں بھی یہی بات واضح کی ہے مولانا کی تقریروں کو سامنے رکھ کر حضرت مولانا کا ذہن ہندوستان میں امن و امان کے قیام کے لیے اس لیے بھی ہے کہ امن و امان کے بغیر ہم اپنی دعوت کو مثبت انداز میں سازگار ماحول میں پیش نہیں کر سکتے، ضد کا ماحول، فرقہ واریت کا ماحول ایک دوسرے سے

اختلاف کا ماحول، یہ اچھی دعوت کو اور اچھی تبلیغ کو پیش کرنے کا موقع فراہم نہیں کرتا، ضد کے ماحول میں یہ ہوتا ہے کہ لوگ سنجیدگی سے مسائل پر غور کرنا چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے حضرت مولانا کی کوشش یہ تھی کہ متحدہ قومیت کے اس نظریے کے مطابق ہندوستان کی تعمیر وترقی ہو، پھر میں نے خطبات صدارت کا بھی حوالہ دیا ہے اگر چہ وہ خطبات صدارت میرے سامنے نہیں تھے، اور میرے عزیز مولانا معزالدین نے ان کو مرتب کر کے شائع بھی کردیا ہے، اس میں بے حد اقتباسات بھی ملیں گے تو یہ میرے مقالے کا خلاصہ تھا اور میں اس کو اگر پورا پڑھتا ہوں تو میرے خیال میں آپ حضرات بھی بددلی محسوس کرسکتے ہیں۔

اور خلاصے کے اندر یہ بات آ گئی اور یہ سلیقہ سکھلایا مجھے صبح میرے دوست مولانا رشید الوحیدی نے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح صورتِ حال پر عمل کرنے کی توفیق دے، حضرت مولانا کے درجات بلند کرے اور ان کے نقوش عمل کی پیروی کی ہمیں توفیق عطا فرمائے، ہمارا باہمی اتفاق و اتحاد بھی قائم رہے اور برادرانِ وطن کے ساتھ ہمارے معاملات اتنے استوار رہیں کہ ہم ان کو اس نعمت میں شریک کرسکیں جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو دی ہے۔

و آخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

بعد ازاں حضرت مولانا سیّد محمود مدنی صاحب نے اجلاس کے صدر محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام سے درخواست کی کہ وہ تشریف لا کر کلماتِ صدارت سے نوازیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب پاکستان

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبۃ ومن تبعھم باحسان اِلی یوم عظیم، امابعد. فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وما محمدٌ اِلاَّ رسول قدخلت من قبلہ الرسلُ افان مات اوقتِلَ انقلبتم علٰی اعقابکم وَمنْ ینقلب علی قبیہ فلن یَضُرّ اللّٰہ شیئاً وسیجزی اللّٰہ الشاکرین. صدق اللّٰہ العظیم۔

گرامی قدر صدر جمعیۃ علما ہند حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب، برادرِ مکرم حضرت مولانا سیّد محمود مدنی صاحب، اکابر علماء کرام، بزرگانِ ملّت دوستو اور بھائیو!

آج ایسے موقع پر جب جمعیۃ علماء ہند اپنے مرحوم پیشوا حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی قدس اللہ

سرہٗ العزیز و **جعلہ اسعد الدارین** کی زندگی پر اور آپ کی دینی اور ملی خدمات پر اس انتہائی باوقار سیمینار کا انعقاد کر رہی ہے تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ہمیں اس میں شرکت کی سعادت سے نوازا ہے، ایسے اجتماعات کا انعقاد اور پھر اس اجتماع میں حضرت مرحوم کے حوالے سے مختلف ضخیم کتابوں کی رونمائی ہوئی یہی وہ طریقے ہیں جن سے اپنے اکابرین کو اپنے اسلاف کو اور اپنی تاریخ کو زندہ رکھا جاتا ہے، جہاں میرے لیے اس مقدس عنوان کے حوالہ سے اس اجتماع کی اہمیت ہے وہاں میں دل کی گہرائیوں سے جمعیۃ علماء ہند کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنے اسلاف ان کی خدمات اور اپنی تاریخ کو زندہ رکھنے کا ایک بہترین سلیقہ ہمیں عطا کیا۔

حضرات گرامی! میں نے جس خانوادے میں آنکھ کھولی ہے اس خانوادے کے ماحول میں حضرت شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت السید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی عقیدت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ایک اولاد کی حیثیت سے میں نے اپنے والد گرامی حضرت مفتی محمود صاحبؒ سے جس تعلق اور جس عقیدت کا شعور حاصل کیا جہاں میں آج اپنے لیے اس کو ایک بہت بڑی متاع سمجھتا ہوں جسے میں اپنے لیے ایک انتہائی قیمتی سمجھتا ہوں جسے میں اپنے لیے سعادتِ دارین کا سبب اور ذریعہ سمجھتا ہوں وہاں میری یہ بھی خواہش ہوگی کہ میں اس تعلّق وعقیدت کو اپنی اگلی نسلوں تک بھی منتقل کر دوں۔

جمعیۃ علماء اسلام آج بھی پاکستان میں اس پروگرام کی حامل ہے اس تاریخ کی امین ہے جسے آج یہاں اس اجتماع میں ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بھارت کی سرکار ہو یا بھارتی جنتا، مولانا اسعد مدنیؒ کی زندگی آپ کی زندگی کے مقاصد واہداف اور ان مقاصد واہداف کے لیے آپ کے ستھرے اور اُجلے کردار سے واقف ہے ہی لیکن دنیا کے کونے کونے میں ہندوستان سے باہر بھی، حق، انسانی حق اور مظلوم انسانیت کے حق میں آپ کی گونجتی گرجتی آواز نے انسانی سوسائٹی میں جہاں بیداری پیدا کی۔ ہر کان اس سے بہرہ ور ہوا، ہر دماغ کو اس سے جلا ملی اور ہر دل کو سیدھی راہ کی سمت عطا ہوئی، ایسی جلیل القدر شخصیت جن کی تمام زندگی صرف ہندوستان کے لوگوں کے لیے نہیں، صرف اُمتِ مسلمہ کے لیے نہیں، بلکہ اس کی تمام زندگی اور اس کا پورا کردار تمام انسانیت کی رہبری کے لیے عام ہو جاتا ہے ایسی شخصیات دنیا سے جانے کے بعد بھی ہمارے رہنمائی کرتی رہتی ہیں اور آج بھی ہم اسے اپنا ایک رہبر اور اپنا ایک رہنما تصور کرتے ہیں۔ ربّ العالمین آپ کی حیات طیبہ کو بھی قبول فرمائے اور اپنی حیات طیبہ میں آپ نے جو کچھ اپنے عقیدے، اپنے مسلک، اپنے مشرب، اپنے نظریے اپنے مقصد اور ہدف کے لیے کیا رب العالمین

اس کے بدلے آپ کو کروٹ کروٹ رحمتوں سے نوازے اور آخرت میں آپ کے لیے ہمیشہ رضا کا سبب بنائے۔ آمین!

بزرگانِ محترم! جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا اسعد مدنی کی زندگی ایک شخص کی زندگی نہیں تھی یہ زندگی ایک کتاب تھی، یہ زندگی ایک تاریخ تھی اور اپنے اسلاف کی جہد مسلسل کا ایک تسلسل تھا، لیکن قانونِ قدرت ہے دنیا میں جو بھی آیا چند دن گزار کر چلا ہی گیا، کوئی یہاں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا، لیکن بڑے لوگ، نامور لوگ اور ایک مقصد سے وابستہ لوگ، جب دنیا سے جاتے ہیں تو اپنا مشن چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ آج یہاں جتنے لوگ تشریف فرماں ہیں اپنے ان کابرین کے مشن کے وارث ہیں، ان کے امین ہیں اور یہ عہد و پیمان آج ہم نے یہاں کرنا ہے، ان اکابرین نے ہمیں جانے والوں کے لیے ماتم وسینہ کوبی کا درس نہیں دیا، رونے دھونے کا درس نہیں دیا، اس مکتبِ فکر کا طرّہ امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنے حلقہ کو اس مشن کو اس سے بڑھ کر جذبے اور عزم کے ساتھ آگے بڑھانے کا درس دیا ہے۔

ہم نے آج اس حوالے سے سوچنا ہوگا، ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ قرآن وسنت کا علم جو ان اکابر نے بلند کیا تھا، اب اسے آنے والی نسلوں تک کس طرح ہم بلند رکھیں گے، جس دین حق کا پھریرا انھوں نے لہرایا تھا ہم نے اس پھریرے کو کس طرح لہرائے رکھنا ہے؟ اُسے کس طرح ہم نے مداومت دینی ہے؟ یہ سب سے بڑا سوال ہے ہمارے سامنے؟ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے، بارہا اس کا ذکر مجھ سے پہلے ہوا کہ حضرت نے صرف امت کی وحدت کی بات نہیں کی بلکہ انسانیت کی وحدت کی بات کی، منقسم ہندوستان کے بعد یہاں ہندوستان میں رہنے والے ہر مذہب و نسل سے وابستہ لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی مہم چلائی اور زندگی کے آخری لمحات میں تو جیسے آپ کو جنون ہو گیا تھا، مجھے پیغام بھیجا کہ ہندوستان پاکستان کے تعلقات میں بہتری لانے کے لیے ہمارا ایک وفد پاکستان آنا چاہتا ہے، جو ہندوستان کے عوام کی طرف سے پاکستان کے عوام کو خیر سگالی کا پیغام دینا چاہتا ہے، حکومتوں کی سطح پر تو بات چیت ہوتی رہتی ہے وہ ایک اپنی سطح ہے، لیکن پبلک کی سطح پر رابطوں کا ایک نظام ہونا چاہیے تاکہ حکومتوں کو متوجہ کیا جاسکے، بہتر تعلقات کی طرف ان کو متوجہ کیا جاسکے۔ لیکن تین ساڑھے تین سال قبل پاک وہند کے تعلقات ایسے نہ تھے جس کی وجہ سے پاکستان آنے کا ان کا سفر ممکن ہو، ہم چونکہ پارلیمنٹ کے ممبر تھے اور اس حوالے سے ہمارے لیے یہاں آنا آسان تھا، ہم نے کہا کہ خیر سگالی کی بات ہے تو دونوں طرف سے ہوسکتی ہے چنانچہ ہم لوگ یہاں آئے، ایک مختصر سا وفد لے کر آئے اور پاکستان کی عوام کی طرف

سے ہم نے ہندوستان کے عوام کو خیر سگالی کا پیغام پہنچایا، آج دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ فضل الرحمٰن نے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کی بہتری کا آغاز کیا میں آج اس اسٹیج سے اس بات کو واضح کردینا چاہتا ہوں کہ آغاز فضل الرحمٰن نے نہیں کیا تھا اس کا آغاز مرحوم سیّد اسعد مدنی نے کیا تھا، اور جس وقت ہم لوگ یہاں آئے تھے اس وقت دونوں ممالک کے ہائی کمیشن کام نہیں کررہے تھے، جزوی طور پر اسٹینو گرافی کی حدتک زیادہ سے زیادہ، زمینی راستے بند تھے نہ کوئی بس نہ کوئی ریل، فضائی راستے بند تھے دونوں ممالک کے درمیان فضائی راستے بند تھے دونوں کی فضائیں ایک دوسرے کے لیے بند تھیں، لیکن آج کچھ چھوٹی موٹی نشستیں جو اس وقت ہوئی تھیں رب العالمین نے اُسے ایسی قبولیت عطا کی کہ آج اسلام آباد اور نئی دہلی میں، ہندوستان اور پاکستان کے ہائی کمیشن فل (Full Fleege) کام کررہے ہیں اور آج ہمارے ہائی کمیشنر صاحب یہاں اس تقریب میں بذات خود موجود ہیں۔ آج بس کے راستے کھلے ہیں، ریل کے راستے کھلے ہیں اور ایک راستہ تھا اب شاید دو یا تین راستے کھل گئے ہیں۔ کشمیر کی طرف سے بھی اور راجستھان کی طرف سے بھی، فضائیں کھل گئی ہیں جہازوں کا آنا جانا ہوگیا ہے اور ہم بہتر طور پر تعلقات کو آگے بڑھانے میں الحمداللہ کامیاب ہوئے ہیں اور ان کوششوں میں جو ہمارا حصّہ ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ان کوششوں پر فخر کرنا چاہیے اس پر خوشی ہمیں حاصل ہونی چاہیے۔

لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی عرض کردینا چاہتا ہوں کہ آج کے دور میں جب پورا کرۂ ارض ایک گلوبل وِلیج (Global Village) بن گیا ہے ایسے وقت میں ہمیں خطے کی مشکلات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا، اور جیسا کہ محترم وزیر اعظم ہند نے اور بعض دوسرے خطبات میں بلکہ پہلے جلسے کے صدر صاحب اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر نے بھی خطے کی صورتِ حال کی اہمیت پر زور دیا ہمیں آج کے حالات میں یقیناً سوچنا ہوگا کہ آج ایک مشترکہ بین الاقوامی ایجنڈا ہے اور جس میں تین باتوں کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ (۱) اقوام کی آزادی (۲) جمہوریت (۳) اور انسانی حقوق، ایسی صورتِ حال میں ہمیں اس بات پر نظر رکھنی ہوگی کہ کیا قوموں کی آزادی، ترقی پذیر اور پس ماندہ دنیا کی اور پس ماندہ اقوام کی آزادی، کیا وہ خطرے میں تو نہیں؟ کیا ان کی آزادی کا مستقبل تاریک تو نہیں؟ اور کیا آمریت عالمی قوتوں کی پشت پناہی میں جمہوریت کی نفی کا سبب تو نہیں بن رہا ہے؟ اور کیا دنیا پر کرۂ ارض کی پوری انسانیت پر خوف کی سیاست مسلط کرکے انسانی حقوق اور اس کے تحفظ کے لیے عالمی سطح پر کیے گئے معاہدات کی اہمیت ختم تو نہیں ہورہی ہے؟ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ گوانتانا موبے سے لے کر دنیا بھر کی ریاستی عقوبت خانوں تک انسانی حقوق کا کیا حشر ہورہا ہے؟

یہ ایک فرد کا مسئلہ نہیں ہے یہ ایک جماعت کا مسئلہ نہیں ہے یہ ایک ملک کا مسئلہ نہیں ہے، یہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے جس پر اقوام عالم کو سوچنا ہے ہمیں اپنی مشکلات کو بھی سامنے رکھنا ہے اور میں آج نئی دہلی میں کھڑے ہوکر یہ بات عرض کرنا چاہوں گا کہ ہم پر مختلف جہتوں سے دباؤ ہے، ایران اور ہند کے درمیان گیس پائپ لائن کا معاہدہ ہے، اگر پاکستان اس معاہدے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں رکاوٹیں ڈالنے سے انکار کررہا ہے تو ظاہر ہے کہ پاکستان کچھ دباؤ کا شکار ہوگا، اگر پاکستان عراق میں فوجی بھیجنے سے انکار کررہا ہے تو پاکستان پر کچھ دباؤ تو پڑے گا، اگر پاکستان گوادر کی بندرگاہ پر چین کو سرمایہ کاری کے مواقع مہیا کرتا ہے تو پھر جنوبی ایشیا کے تجارتی راستوں پر عالمی قوتوں کے قبضہ کا عزم ہمارے اوپر دباؤ کا سبب تو بنتا ہے ایسی صورت حال میں ہمیں اس کو ایک ملک کا مسئلہ نہیں سمجھنا چاہیے ایسی صورت حال میں ہمیں اس کو پورے خطے اور پورے ریجن (Region) کا مسئلہ سمجھنا چاہیے اور ایسی صورتِ حال میں ہمیں ہند سرکار سے یہ توقع رکھنے کا حق ہے کہ خطے پر عالمی دباؤ کے خاتمے یا کم ازکم اس کے اضافے کو روکنے کے لیے کردار ادا ہونا چاہیے اس کے لیے ہمیں اپنے باہمی تنازعات کو حل کرنے کی طرف بڑھنا ہوگا ہمیں اپنی مشکلات میں کمی کرنی ہوگی ہمیں مسئلہ کشمیر کے حل کی طرف جانا ہوگا اور اس میں ظاہر ہے، چائنا ہو، ہند ہو، ایران ہو ان سب کو سوچنا ہوگا کہ افغانستان کا مدعا صرف افغانیوں کی مشکل نہیں، وہ اس پورے خطّے کے لیے آنے والے وقت میں مشکل کا سبب بن سکتا ہے، وسط ایشیا کے معدنی ذخائر پر ہے نظر دنیا کی، عرب کے تیل پر نظر ہے دنیا کی، جنوبی ایشیا کی تجارتی راستوں پر نظر ہے دنیا کی، اگر ہمیں اس خطّے کے مفادات کو اس خطّے کے عوام کے لیے استعمال کرنا ہے اگر ہم نے اس خطّے کے مفادات پر اپنا کنٹرول برقرار رکھنا ہے تو پھر اس کے لیے مشترکہ سوچ، مشترکہ حکمت عملی کی ضرورت پڑے گی، اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ایک عوام کا حصّہ ہیں ہم تو پبلک کا حصّہ ہیں اور ایک پبلک کے نمائندہ کی حیثیت سے ہم تو صرف متوجہ کرسکتے ہیں حکمرانوں کو اور سرکار کو اس طرف متوجہ کرنے کے لیے سوچنا ہوگا، لہٰذا مولانا اسعد مدنیؒ نے خطہ کی صحیح صورتِ حال کا ادراک کرتے ہوئے جس طرح ہماری سوچ تبدیل کی تھی اور اس پر ہم نے جو کام شروع کیا تھا آج ان کی یاد میں منعقد اس اجتماع میں، میں اپنی اس آواز کا اس مطالبے کا اس جدوجہد کے اعادے کا بھی اعلان کرتا ہوں، اور میری کوشش ہوگی اور ہم سب کی یہ کوشش ہوگی کہ آنے والے مستقبل میں آنے والے لوگوں کو امن ملے۔

بہرحال ہمیں یہ اجتماع اپنے اکابر واسلاف کے مشن کو آگے بڑھانے کی ترغیب دے رہا ہے، مولانا مرحوم جہاں حضرت شیخ الہند کی نیابت کے ایک عظیم منصب پر فائز تھے وہاں وہ پوری

دنیامیں دارالعلوم کی علمی خدمات کے ترجمان بھی تھے اور جب حضرت شیخ الہند کا ذکر آئے گا جن کی ذات منبع ہے جہاں سے جمعیۃ علماء ہند بھی پھوٹتا ہے اور جہاں سے دارالعلوم دیوبند بھی پھوٹتا ہے ان دونوں کے درمیان مناسبت ہے تو دیوبندیت ہے اور اگر ان دونوں کے درمیان مناسبت ٹوٹ جاتی ہے تو پھر دیوبندیت کا تصور ختم ہو جاتا ہے، دیوبندیت کسی فرقے اور تنگ نظر ملک کا نام نہیں ہے، دیوبندیت ایک اسلام کی ہمہ گیر اور عالمگیر تحریک کا نام ہے جو پوری انسانیت کو دائرہ اسلام کی طرف بلاتا ہے ہمیں اس تحریک کو آگے بڑھانا ہے اور اسی روح کے ساتھ آگے بڑھانا ہے جس روح کے ساتھ ہمارے اکابر نے ہمارے حوالے کیا ہے اور جسے تنگ نظری اور فرقہ واریت کی بھینٹ نہیں چڑھنے دینا ہے رب العالمین اس کاروان کو اسی عزم کے ساتھ اسی آب وتاب کے ساتھ اسی ولولے اور اسی جذبے کے ساتھ اپنے مقصد کی طرف رواں دواں رکھے اور ترقیوں اور قبولیت سے نوازے۔ **و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.**

- حضرت مولانا سیّد محمود مدنی صاحب نے مولانا فضل الرحمٰن کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے بڑے خوبصورت انداز میں اس کی ضرورت اور اہمیت اور حضرتؒ کی وہ عظیم خدمت جو اس خطے کے لیے حضرت نے کی تھی کا ذکر فرمایا، بڑی تفصیل ہے ان میں بڑے واقعات ہیں، یہ موقع نہیں ہے، لیکن اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ حضرتؒ کی اس وقت کی کوشش نے اس خطّے میں ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کی تھی اور آج کے زمانے میں اس کوشش کو اور منظّم پیمانے پر کرنے کی ضرورت ہے، جیسے اس وقت ضرورت تھی اس سے زیادہ ضرورت اس وقت ہے، یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ایسے نازک وقت میں جب اس کام کو اور بڑھایا جا سکتا تھا وہ ہمارے بیچ میں نہیں رہے، میں مولانا کا شکریہ ادا کروں گا تشریف آوری پر بھی اور اس ارادے اور عزم پر بھی اور یہ یقین دلاؤں گا کہ جمعیۃ علماء کے خدام ضرورت پڑے تو ان ظالم اور دنیا کی ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک اور قوم کو غلام بنانے کی سازش کرنے والی طاقتوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اس خطّے کو جوڑنے میں اگر انشاء اللہ جمعیۃ علماء کے خدام کو خون دینے کی بھی ضرورت پڑی تو انشاء اللہ خون پیش کیا جائے گا۔

ہمارے بیچ میں ایک اور شخصیت موجود ہے، جس نے بہت سے مواقع پر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے ساتھ کام بھی کیا ہے اسٹیج میں شرکت بھی کی ہے۔ پارلیمنٹ بھی ساتھ رہے ہیں اجلاسوں میں بھی بیٹھے ہیں۔ ان کے خیالات کو سنا ہے اتفاق بھی کیا ہے اختلاف بھی کیا ہے وہ ہیں ہمارے محترم جناب سیتا رام یچوری صاحب جو سی، پی، آئی، ایم کے لیڈر ہیں اور میرے بزرگ ہیں۔ میں دعوت دوں گا کہ تشریف لائیں۔

جناب سیتارام یچوری صاحب

جناب مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب، مفتی سلمان منصور پوری صاحب، ہمارے عزیز مولانا مدنی صاحب جن کے ساتھ راجیہ سبھا میں بھی مل کر کام کرنے کا موقع ملا ہے اور منچ پر بیٹھے ہوئے بہت سارے عزیز اور بزرگ اور بزرگو اور بھائیو!

دراصل ہم یہاں پر حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحبؒ کی یاد میں ان کی کنٹری بیوشن (Contribution) کے ان کی زندگی کا اس کے بارے میں سیکھنے کے لیے اور آپ سب کو سننے کے لیے آئے ہیں، تقریر دینے کے لیے نہیں، لیکن ایسے موقع پر جب ہمیں بلایا گیا تو نہ کرنے کی بھی ہمّت نہیں، لیکن آج کی جو سیاسی فضا ہے ہمارے ملک کے اندر اس کے اندر ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے خیالات ان کے کام کی زیادہ ضرورت آج ہمارے بیچ میں ہے اور افسوس یہ ہے کہ وہ ہیں نہیں، لیکن وہ ایسی شخصیت تھے اور رہیں گے جو ایک بہت بڑے آدمی نے کہا تھا کہ وہ ایسے شخصیتوں میں سے ہیں مر کر بھی مرتے نہیں، ان کے خیالات آج بھی ہم سب کو اور اس ملک اور اس ملک کے عوام کو آج بھی ہمیں گائڈ کرنے کے لیے یاد رکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ ہمیں ان کے ساتھ دو تین مرتبہ مل کر کام کرنے کا موقع ملا، ہمارے جو بزرگ نیتا رہے ہیں سرجیت صاحب یا جیوتی باسو صاحب ان کے ساتھ بہت کافی ان کے خیالوں کی چرچے ہوتے تھے لیکن ایک ہی بات ہے جو کہ میں خود بھی متاثر ہوا ہوں ان کے خیالوں سے جس کو میں آپ کے بیچ رکھنا چاہوں گا کہ جو حقیقت ہے اپنے ملک کی وہ سمجھنے کی ضرورت ہے، میری پیدائش ہوئی ہے مدراس کے جنرل ہوسپٹل میں، میری مدر ہے تیلگو۔ آندھرا پردیش سے تعلیم ہوئی ہے میری پوری تعلیم حیدرآباد دکن میں، لیکن اس کے بعد تعلیم ہوئی ہے دلّی میں، اور پھر پوری پولٹیکل لائف میری جڑ گئی تھی ادھر سے، پارلیمنٹ میں چن کر آیا ہوں کلکتے سے، جب آپ کہیں گے کہ میں کہاں سے ہوں؟ کون ہوں؟ میں کہاں سے نکل کر آیا ہوں؟ تو ایک ہی لفظ ہے ایک ہی چیز ہے ہندوستانی ہوں ایک بھارت واسی ہوں اور کچھ نہیں، اور یہی ہے حقیقت ہم سب کے سامنے اور یہی بات اسعد مدنی صاحبؒ سے ہم نے جو سیکھا ہے کہ جو بھی الگ الگ ندی الگ الگ راستوں سے ایک ہی مہاں ساگر میں جا کر ڈوبتے ہیں، اسی طرح ہر انسان الگ الگ راستے سے اپنا راستہ پکڑ کر ایک ہی منزل پر پہنچتا ہے اور اگر اس منزل تک پہنچنے کے لیے کوئی اگر کسی کو کوئی کٹھنائی یا کوئی دقت پیدا کرتا ہے اس دقت کو مٹانا وہی انسانیت کا فرض ہے، اور اُسی فرض کو ہم نے سیّد اسعد مدنی صاحبؒ سے

سیکھا، اور یہی انسانیت کی قدر کرتے ہوئے آج کے دن جب بالکل صحیح باتیں یہاں پر سننے کو آ رہی ہیں اور دنیا کا ہی نقشہ بالکل بدلنے کی پوری کوشش ہو رہی ہے، کبھی مذہب کے نام پر حملہ ہوتا ہے، کبھی مذہب کو استعمال کر کے جہاد کی بات کی جاتی ہے۔ اور آج ایسے لوگ ہیں دنیا کے اندر جو نہیں چاہتے ہیں ہمارے جیسے لوگوں کے ملک کی ترقی ہو، اور ہمیں ایک قسم سے ایک آرتھک غلامی کی زنجیروں سے باندھنے کی پھر سے کوشش ہو رہی ہے اب ان کے خلاف لڑنا ہے اور اس لڑائی میں مدنی صاحب کے ساتھ مطلب اگر خون بہانا ہی ہے تو ہم بھی تیار ہیں خون بہانے کے لیے، اور اس کے ساتھ مل کر ہم چلیں گے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ہی ملک میں ایسی بھی شخصیت ہے جو آج کے دن سچر کمیٹی کی رپورٹ آئی جو شک تھا پہلے وہ یقین کے رُوپ میں بدلا، اور یہ نئی نئی باتیں جو زمین کے ساتھ جڑیں ہیں ان سب کو اس کی حقیقت پتہ ہی تھا لیکن اب آفشیلی رپورٹ میں ظاہر ہوئی اب ان کے لیے اگر کچھ قدم اٹھانے کی بات آتی ہے تو فرقہ پرست طاقتیں کھڑی ہو جاتی ہیں اس کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ آپ اپیزمنٹ (Appeasement) کر رہے ہو آپ تشٹی کرن کر رہے ہو، ہم نے بھائی سیدھا ان سے کہا کہ ایک انسان اگر دو ٹانگوں کے اوپر چلتا ہے اگر ایک ٹانگ کمزور ہوتی ہے تو وہ چل نہیں سکتا وہ لنگڑتا ہی جائے گا اگر اس ملک کو آگے چلنا ہے اگر کوئی ایک ٹانگ کمزور رہے تو ہماری پوری کی پوری اٹینشن (Attention) وہی ہونی چاہیے کہ اس ٹانگ کی مرمت کرے اس کو ٹھیک کرے تا کہ ملک دوڑتا رہے آگے، اگر اس کو دوڑانا ہے تو بنا آپ کے آج یہ جو کمزوری ہے مسلم قوم کے پرتی اس کو دُور کیے بنا بھارت آگے نہیں بڑھ سکتا اور آج ہم اگر سچر کمیٹی کی رکمنڈیشنز (Recommendations) کو لاگو کروانے کی بات کرتے ہیں تو اس کے اندر اور کوئی ارادہ نہیں ہے صرف ایک ہی ہے ہم چاہتے ہیں اپنے ملک کی ترقی اور یہ ترقی سنبھو نہیں ہے امپوسیبل (Imposible) ہے جب تک کسی ایک قوم کے لوگوں کو آپ جو ہے ان کو ڈپرائیو (Deprive) کر کے رکھیں گے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ ہندوستان یا بھارت آگے بڑھ سکتا ہے، تو آج ہمارے ملک کے اندر ۵۴ فیصدی جتنا ہماری آبادی کی ۵۴ فیصدی ۲۵ سال کی عمر سے کم ہے ہم سب مل کر اگر ان کو تعلیم دیں ان کو نوکری دیں اور ان کی حفاظت کریں، ہیلتھ (Health) کے حساب سے تو ان کے کاندھوں پر ہی ایک دن بھارت کا نرمان ہوگا اور اس نئے بھارت کا نرمان کے لیے اور وہ میں سمجھتا ہوں مولانا سیّد اسعد مدنی صاحبؒ کی یہی ان کی خواہش بھی رہی ہے پوری زندگی اکثر مل کر کئی سارے باتوں پر چرچا ہوتی تھی اس کے بارے میں بھی چرچا ہوتی تھی کہ موڈرن ایجوکیشن (Modren Education) کس طرح لیا جانا چاہیے ہمیں ہم سب

لوگوں کے لیے،اس کے بارے میں بھی چرچا ہوتی تھی کہ جب کبھی نیچرل ڈیزاسٹرس (Natural Desasters) ہوئے ، یا کوئی ایسی باتیں ہوئیں تو جمعیۃ علماء ہند کا جو سب سے بڑی ہم مانتے ہیں کہ انسانیت کے لیے جو اسپیشل یہ رہی کہ ہر نیچرل ڈیزاسٹر کے سمے پر ہم نے دیکھا کہ بنا فرق کیے ہوئے کون ہے، کس کو فائدہ مل رہا ہے وہ انسانیت کے آدھار پر وہ میدان میں کود پڑتے تھے اور اس طریقے کا جو وہ کام کرتے تھے ایک سوشل سروس (Social Service) کا ایک قوم کی ترقی کا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ملک کی ترقی کا ، یہ ہم سمجھتے ہیں بڑی گریٹ کوالٹی (Great Quality) ہے اسعد مدنی صاحب کا جس سے ہم لوگ بھی پر بھاوِت (متاثر) ہوئے ہیں اور اسی لیے ہم یہاں آئے ہیں کہ آپ کو جمعیۃ علماء ہند کو اور یہ بھائی محمود مدنی صاحب کو یہ کہنے آئے ہیں کہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کی اثر ان کے کنٹری بیوشن (Contribution) وہ سیمت (محدود) نہیں ہے کسی ایک قوم تک وہ ہمارے جیسے لوگوں کے لیے اور پورے ہندوستان کے لیے یہ ایک نئی جنریشن (Generation) جو آئی ہے وہ سب کے لیے ایک سمبل (Sembol) کے رُوپ میں ہے اور وہ سمبل کہ جو بھی کنٹری بیوشن رہی ہے اس کو آگے بڑھانا آج ہماری اس جنریشن کا فرض بنتا ہے،اور ایسی بات کو دہرانے آئے ہیں پھر ہم مل کر ہی آگے بڑھ سکتے ہیں بنا مل کر نہ یہ ملک بڑھے گا آگے، نہ آپ نہ ہم، اب ہم سب کو مل کر بہت ساری چیزیں ہیں ایجنڈے کے اندر بڑی اچھی فضا آج تیار ہو رہی ہے پاکستان اور ہمارے ملک کے بیچ میں،عوام کے بیچ میں،اس فضا کو اور مضبوطی سے آگے لے جانے کی ضرورت ہے اور ان سب چیزوں کے لیے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ملک کے اندر جمہوریت کو مضبوط کرنا ہے،اور ہندوستان میں ہند میں جمہوریت کا مطلب ہے بنا سیکولر ازم کے جمہوریت زندہ نہیں رہ سکتی، اپنے ہندوستان کے اندر، تو ہر سمے جب ڈیموکریسی کی بات ہم کرتے ہیں تو ہندوستان کے اندر سیکولر ڈیموکریسی بن جاتا ہے بنا سیکولر ڈیموکریسی کے ہندوستان میں ڈیموکریسی زندگی نہیں رہ سکتا ہے، تو آج پھر ان اصولوں کو اور مضبوطی کے ساتھ اپنے سیاسی میدان میں اس کو اور مضبوطی کے ساتھ اس کی جو بنیاد ڈالی گئی تھی اس کو اور مضبوطی کے ساتھ آگے لے جانا یہ ہم سمجھتے ہیں یہ ہمارا فرض ہے، لیکن ہم آپ کو یہی یقین دلانے آئے ہیں کہ اس ملک کے اندر سیکولر لوگ ہیں سیکولر طاقتیں ہیں جو آج بھی ، میں اپنی پارٹی کی طرف سے آپ کو یہ بات کہوں کہ جن کا بھی جو بھی ادھیکار ہے رائے ہے جو بھی اس کا حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے اور جو بھی اس ادھیکار کے اوپر اس کو ہائی لائٹ کرنے کے لیے جو بھی قدم اُٹھائیں وہ بھی فوراً اٹھائیں تا کہ ان سب کی حفاظت کی جائے اور اس کے لیے میں آپ کو یہ یقین دلاؤں کہ

ہم سب مل کر ملک کے اندر ایک ایسا فضا تیار کریں کہ سیکولر ڈیموکریسی کو مضبوط کریں اور اس کے لیے ہم آپ سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تیار ہیں کوئی بھی سکریفائز (Secrifiece) کرنے کے لیے ہندوستان کے اندر سیکولر ڈیموکریسی کو کبھی ختم ہونے نہیں دیں گے اور یہ ہمارا وعدہ آپ سب کے لیے ہے اور یہی ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کے لیے شردھانجلی ہے اور جیسا کہ میں پہلے کہہ رہا تھا ان کا خیال رکھیں گے وہ خیال ان کے اور ان کا کنٹری بیوشن کبھی ختم نہیں ہوسکتی ہے اور اس کو زندہ رکھنے کا کام آپ ہی نہیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کریں گے اور یہ موقع آپ نے ہمیں دیا اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ سے اجازت چاہتا ہوں آداب۔

- پھر حضرت مولانا سیّد محمود مدنی نے پروگرام آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

بہت بہت شکریہ پچوری جی آپ کی تشریف آوری کا! اور ان خیالات کا، اب ہمارے بیچ میں ہندوستان ٹائمز کے پولیٹیکل ایڈیٹر جناب منوج جوشی صاحب موجود ہیں، یہ دانشور بھی ہیں فکر رکھتے ہیں اسی چیز کی جس کی فکر حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحبؒ رکھتے تھے جس کا اظہار مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے فرمایا، جس کو آگے ہمیں بڑھانا ہے، تو میں منوج جوشی صاحب سے درخواست کروں گا کہ تشریف لائیں اور اپنی بات کہیں۔

جناب منوج جوشی (ایڈیٹر ہندوستان ٹائمز)

مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب، محمود مدنی صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب!

میں تو مولانا کے بیچ میں ایک ہرفن مولیٰ ہوں اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب یا سیتا رام پچوری صاحب کو تو بھاشن دینے کی بہت کافی عادت ہے، میں جیسا کہ میں نے کہا کہ ہرفن مولیٰ ہوں سکھاتا ہوں، تو میرا بھاشن جو ہے وہ ذرا کمزور ہے، پر جتنا بھی بول سکوں گا وہ آپ کو بولوں گا۔'' میری خوش قسمتی یہ نہیں تھی کہ میں مولانا اسعد مدنی صاحب کو جانتا تھا پر میرا کنکشن جو رہا وہ تب ہوا جبکہ مولانا محمود مدنی نے مجھے ایک کتاب دی مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کمپوزٹ نیشنل ازم (Composit Nationalism) کی تو میں نے اس کو کافی غور سے پڑھا، تب پھر مجھے تھوڑا بہت جمعیۃ علماء ہند کا، دیوبند کا یہ جو سلسلہ جو چلا ہے مجھے سمجھ میں آیا کہ جب میں مولانا سیّد اسعد مدنی کے بارے میں سوچتا ہوں یا کہتا ہوں تو میں ایک سلسلے کی بات کرتا ہوں کہ واقعی ایک سلسلہ ہے ایک ٹریڈیشن (Tradition) ہے اور جیسا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ پوری دنیا میں چھایا ہوا ہے پھیلا ہوا ہے، آج کون ہے جو کہ دیوبند کا نام نہیں جانتا ہے، جیسا کہ فضل الرحمٰن

صاحب نے کہا کہ کافی کچھ لوگ ایسے ہیں جو بدنام کرنا چاہتے ہیں، تو جہاں تک ہندوستان کی بات ہے تو ہندوستان کے لوگ تو دیو بند کا جو سلسلہ ہے اس کی پوری عزت کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس سلسلے کے پیچھے کیا تھا؟ کیا اس کا اتہاس رہا ہے، اور ایک بہت بڑا اتہاس رہا ہے، کیونکہ جو کچھ بھی دیو بند کے سلسلے نے کیا وہ بہت ہی بڑی بات یہ تھی کہ ہندوستان کے تقسیم کے بعد قوم کو ایک قسم کی لیڈر شپ دی مولانا صاحب نے کیونکہ یہاں پہ سوال یہ اٹھتا تھا کہ باقی علاقوں میں جیسا کہ پاکستان جو تقسیم ہوا تھا تو پاکستان میں مسلمانوں کی میجرٹی تھی تو وہاں پر کوئی ایسی پروبلم نہیں تھی، پر ہندوستان میں یہ سمجھنا کہ جو یہاں مسلمان رہ گئے تھے کہ کیسے یہ جو ہے وطن کے ساتھ ان کا جوڑ ہوگا اور یہاں میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں جو دیو بند کا سلسلہ تھا جنھوں نے یہ بہت ہی صاف طور پر یہ سامنے رکھا کہ ایک انسان جہاں اس کا گھر ہوتا ہے وطن ہوتا ہے وطن یہ طے کرتا ہے کہ اس کا دیش کون سا ہے اور یہ جتنی بھی ڈبیٹ ہیں جو پہلے سے چلی آ رہی ہے آج بھی ہم دیکھتے ہیں خاص کر ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اُتر پردیش میں چناؤ آ رہا ہے اب وہ زمانہ چلا گیا، جبکہ لوگ سوچتے تھے کہ مسلمان جو ہے وہ ووٹ بینک ہے کسی کا، اس کا کام کچھ اور نہیں ہے کہ کبھی تو جا کے چپ چاپ ووٹ دینا ہے پھر بھی ترقی ہوئی ہے اس کے بعد بھی جیسا کہ سیتارام یچوری صاحب نے کہا کہ ابھی بھی ایک سوال مسلمان کے سامنے عزت اور حفاظت کا ہے۔ عزت اور حفاظت، حفاظت کے کئی مسئلے ہیں اس پر میں زیادہ بحث نہیں کروں گا کیونکہ سبھی لوگ یہ جانتے ہیں کہ کون سے یہ مسئلے ہیں بہت ہی اِمپورٹینٹ (Important) ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ پر جہاں تک عزت کا سوال ہے اس پر کچھ تقریر ہوئی ہے سچّر رپورٹ کی اور سے، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے سمجھنا بہت ضروری ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ دیش میں ویسے ہی ایک ڈِبیٹ ہو رہی ہے ادر بیک وارڈ کاسٹ (Other Backword Cast) کے ریزرویشن کے بارے میں۔ اب سچر رپورٹ سامنے آئی ہے اور سچّر رپورٹ نے کافی اپنے جتنے بھی اس میں آنکڑے لے کے یہ صاف رکھا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سوشل اکونومک (Social Economic) حالت جو ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ وہ ضرور جو ہمارے دلت بھائی بہت ہیں ان سے اچھی ہے پر جہاں تک کہ ہمارے اور بیک وارڈ کاسٹ ہیں وہ سب پچھڑی ہے یہ مطلب سچر کمیٹی کی رپورٹ کا جو ہے موٹا جو ہے فائنڈنگس ہے، اب سوال جیسا سیتارام یچوری جی نے کہا کہ اگر اس دیش میں بھارت میں جو انسان ہیں اگر ایک لنگڑا کے چل رہا ہے ایک اس کا جو انگ ہے وہ ٹھیک نہیں چل رہا ہے تو یہ ہم سب لوگوں کا فرض ہے کہ ہم اس کے بارے میں کچھ کریں، سوال یہ آتا ہے کہ کیا کیا جائے؟ کیونکہ

جہاں تک کہ ریزرویشن کا مسئلہ ہے اس میں اب کافی لوگ جہاں تک کہ دلتوں کے ریزرویشن کا مسئلہ ہے وہاں تک کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ اس کا ایک ایسا اتہاس رہا ہے ملک میں کہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے، کیونکہ دلتوں کی جو حالت رہی ہے اس ملک میں اور یہ آج سے نہیں صدیوں سے رہی ہے تو اس لیے اس پہ کوئی اعتراض نہیں کرتا ہے اگر ریزرویشن سامنے ہو یا اور کوئی بھی کنڈیشنز ہوں پر جہاں تک کہ او بی سی ریزرویشن کی بات آتی ہے وہاں تک ضرور اعتراض کرر ہے ہیں، کچھ لوگ اعتراض کرر ہے ہیں، اس لیے نہیں کہ پچھڑے ہوئے لوگوں کو مدد ملنی چاہیے، پر اس لیے کہ کیا واقعی میں جس طرح سے ریزرویشن جو ہے وہ واقعی میں کسی قسم کی مدد ہے اس سے واقعی میں ایک قوم آگے بڑھ سکتا ہے کہ نہیں بڑھ سکتا ہے رہی کیا کہ ہم ڈیپنڈنسی (Dependency) سنڈروم (Syndrome) بنا دیتے ہیں کہ جو آدمی ہر سے امداد کے بغیر آگے بڑھ ہی نہیں سکتا ہے، یہ بھی سوال جو ہے اس کے بارے میں سوچنا چاہیے، حالانکہ کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جہاں تک کہ سچّر کمیٹی کا معاملہ ہے کہ ضرور جہاں تک کہ سرکار کی جو اسٹیٹ کی جو سروسیز ہیں وہاں ضرور مسلمان پچھڑا ہے باقی جو سوشل ڈپری ویشن (Social Depriv ation) ہیں اس کو ناپنا بڑا مشکل ہوتا ہے کہ کس طرح سے آپ کے خلاف ڈسکریمی نیشن (Discramination) ہورہا ہے یہ ناپنا بڑا مشکل ہوتا ہے، پر جہاں تک کہ اسٹیٹ سروسیز ہیں وہاں تک آپ کے پاس آنکڑے بڑا صاف آتے ہیں کہ صاحب اتنے پرسنٹیج مسلمان فوج میں ہیں، اتنے پولیس میں ہیں۔ اتنے پبلک سروس میں ہیں اتنے اسٹیٹ سول سروس میں ہیں وہ آنکڑے بڑے صاف ہیں، اور وہ آنکڑے یہی دکھارہے ہیں کہ مسلمانوں کی خلاف بہت کلیر ڈسکریمی نیشن (Discramination) ہے، پر اب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ جہاں تک کہ سچّر کمیٹی ہے انھوں نے یہ کہا ہے کہ یہ جو گروپس (Groups) ہیں ان کو او. بی سی لیول پہ ریزرویشن یا ان کو مدد ملنی چاہیے، پر سوال یہ اٹھتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ اسی مسئلہ پہ ایک کاؤنٹر (Counter) جو اس کے خلاف ہیں اور وہ اس کے خلاف نہیں جن کی پالٹکس جو ہے مسلمانوں کے خلاف ہے تو اگر یہ ریزرویشن کا معاملہ آتا ہے تو ان کے ہاتھ بھی مضبوط ہونے کو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک پروپیگنڈہ کرتے ہیں اس کے لیے۔ تو یہ سوچنا ہے کہ کیا واقعی میں جو قدم اٹھائے جائیں گے یا اٹھائے جانے چاہیے اس میں کس کو کتنی مدد مل سکتی ہے، کتنی مدد مسلم کمیونٹی (Community) خود اپنے کو کرسکتی ہے، یہ بھی ایک بہت مہت پن بات ہے بہت امپورٹنیٹ (Important) بات ہے کیونکہ اکثر جہاں تک کہ مدد کا سوال آتا ہے۔

ایک سیلف اسٹیم (Self Steam) کا جو مسئلہ کہ آدمی کو خود یہ محسوس ہونا چاہیے کہ مجھ میں کچھ ہے اور یہ ڈپری ویشن (Deprivation) میں اگر آپ کو کچھ حد تک باہر سے امداد جو ہے مدد جو ہے اس کا فرق پڑتا ہے تو سب سے زیادہ مدد آپ اپنے کو خود سے کر سکتے ہیں، کیا آپ کتنی محنت کر رہے ہیں، آپ کتنی کوشش خود کمیونٹی کی اور اسے کر رہے ہیں اور جہاں تک کہ فیگرز ہیں سچر کمیٹی کے جو آنکڑے ہیں وہ بھی یہ دکھاتے ہیں کہ جو مسلمانوں کا سوشل اکونومکس (Social Economic Status) ہیں وہ سب اسٹیٹوں میں یکساں نہیں ہے کچھ اسٹیٹ میں زیادہ اچھا ہے، تو جنرل اسٹیٹس خاص کر ہمارے بیماروں کو ہمارے بیمارو جسے ہم اسٹیٹس کہتے ہیں۔ بہار، اتر پردیش مدھیہ پردیش یہ جو اسٹیٹس ہیں یہاں پہ پچھڑا پن کچھ زیادہ ہے۔

جہاں تک کہ سوال آتا ہے مسلمان کہ جن کے خلاف زیادہ ڈسکریمنیشن ہیں کچھ لوگ، کچھ کمیونٹیز (Communities) ایسی ہیں جن کو کہ دلت میں سے مانا جاتا ہے مسلمانوں میں سے بھی، جب ۱۹۵۰ء میں سرکار نے دلتوں کے لیے ریزرویشن کا کام کیا تھا تو اس سمے سوچا تھا کہ یہ ریزرویشن کیول ہندو دلتوں کے لیے رکھا جائے گا، انھوں نے یہ نہیں مانا کہ اور بھی قوم ہیں، وہاں بھی دلت ہیں۔

حضرت مولانا سیّد ارشد صاحب مدنی

- منوج جوشی صاحب کی تقریر پر حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

جس مسلمان نے پشاور سے لے کر اور چاٹ گام تک ملک کی آزادی کے لیے ہر جگہ چپے چپے پر اپنے خون کو دیا ہے، اس سرزمین کو رنگا ہے اپنے خون سے، ملک کی آزادی کے بعد اس مسلمان کو اقتصادی اور سیاسی میدان سے دھکے دے کر باہر کیا گیا ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے ہم جب اس کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، اس لیے نہیں کہ ہم دلت ہیں، ہم دلت نہیں ہیں، ہمیں شکوہ یہ ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد جو سیکولر دستور دیا گیا ہے، جس کے اندر اس ملک کا ہر رہنے والا برابر کا شریک ہے۔ اس سیکولر دستور کو ہم نے بنوایا ہے۔ اور اس ملک کو آزاد کرانے کے لیے برادرانِ وطن سے آگے بڑھ کر قربانی ہم نے دی ہے۔

ملک کا دستور بننے کے بعد ایک پلان بنا کر کے ہم کو میدان سے باہر دھکیلا گیا ہے، ہم مطالبہ یہ کر رہے ہیں کہ سیکولر دستور ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کو جو رتبہ ملنا چاہیے، ہم اس رتبے کے حقدار ہیں اور ہم اس کے لیے جہدِ مسلسل کر رہے ہیں۔ وہ اس اعتبار سے کہ وہ مسلمان

ہیں اسی لیے نکالا گیا ہے جو فرقہ پرست ذہنیت ہے وہ مسلمان کو مسلمان کی بنیاد پر نکال رہی ہے، فساد ہوتے ہیں یہ دیکھ کر نہیں کہ کون دلت ہے کون سرمایہ دار ہے جو سرمایہ دار ہے اس کو تو خاص طریقے پرد کانوں کو آگ لگا یا جاتا ہے، سامانوں کو لوٹا جاتا ہے، عزت سے بے عزت کیا جاتا ہے، جو غریب ہے اسی لیے جو اقتصادی اعتبار سے شہر کمزور ہے وہاں فساد نہیں ہوتا، فسادی یہ جانتے ہیں کہ ہمیں کس جگہ چوٹ مارنی ہے وہ وہاں چوٹ مارتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب میدان سے نکالا گیا ہے مسلمان ہونے کی بنیاد پر ریزرویشن مسلمان ہونے کی بنیاد پر ملتا تاکہ حقوق محفوظ رہتے۔

لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اگر دستور اس سلسلے میں رکاوٹ بن رہا ہے، مطالبہ تو یہ ہونا چاہیے کہ جو دستور کسی جگہ مظلوم کو حق نہیں دیتا ہے جینے کا، اس شق کو تبدیل کرنا چاہیے، لیکن مان لیجیے کہ ابھی اس کی صورتِ حال نہیں ہے تو ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ آپ ان حالات کے اندر بھی ایک کٹیگری، ایک لائن کھینچ دیجیے، کہ جس کی آمدنی اس سے اوپر ہے چونکہ وہ اپنی زندگی کے مشاکل کو خود حل کرسکتا ہے ہم اس کو ریزرویشن نہیں دیں گے، اس سے نیچے جو ہیں ان کو تو ریزرویشن دیجیے، اس لیے کہ بغیر ریزرویشن کے مسئلہ کا حل نہیں ہے، یہ جمعیۃ علماء کا ایک کردار ہے اور جمعیۃ علماء الحمد للہ اس کے لیے برابر کوشش کررہی ہے، میں اپنے دوست محترم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یہ توقع رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس آواز میں جیسی جان پڑی ہے، حضرت فدائے ملتؒ نے سب سے پہلے اس آواز کو اٹھایا تھا اور لوگ اس وقت یہ کہتے تھے کہ مولانا کیا کررہے ہیں آپ آگ لگ جائے گی انھوں نے اٹھایا اور یہاں تک پہنچایا کہ آج صوبائی گورنمنٹیں اپنے منیوفیسٹیو (Manif estiv e) کے اندر ریزرویشن کے مسئلہ کو بہت اہم سمجھتے ہیں، انشاء اللہ ہم قدم بقدم آگے ہیں اور اللہ چاہے گا تو ہم اس مسئلہ کو حل کریں گے۔

- اس کے بعد جناب حسیب صدیقی صاحب منیجر مسلم فنڈ دیوبند نے اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا۔
- بعدازاں حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی صاحب سے مقالہ پیش کرنے کی درخواست کی گئی۔

حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر محترم حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب، اور عزیز محترم مولانا محمود مدنی صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور تمام سامعین!

میرے مقالے کا عنوان ہے تحفظِ شہریت، مختصر پیش کرنا ہے چونکہ پانچ سے دس منٹ کا

وقت ہے۔لیکن اس سے پہلے ایک بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ شہریت کا مسئلہ اس انداز سے اس ملک کے اندر اٹھایا گیا،اس کا ایک مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو جتنا زیادہ ممکن ہوسکے ان کو ہراسمینٹ کیا جائے اور غیر ملکی قراردے کر نہ صرف ان کوشہریت سے محروم کیا جائے بلکہ بنیادی طور پر ووٹ کے حق سے محروم کیا جائے، کیونکہ ایک کوشش یہ شروع ہوئی تھی کہ مسلمانوں میں ووٹر کافی ہورہے ہیں اور پھر جیسا آپ دیکھتے ہیں اس ملک میں کہ بھائی پیدائش مسلمانوں کے یہاں زیادہ ہورہی ہے، پروپیگنڈہ ہوتا ہے اور جب دیکھتے ہیں کہ اب کچھ نہیں ہوتا ہے تو خود فتویٰ جاری کرتے ہیں کہ صاحب اٹھارہ بچے پیدا کرو پھروہ اپنے آپ کو حکم دیتے ہیں تو یہ ایک سلسلہ ہے، تو مسلمانوں کو ووٹ سے محروم کرنے کی ایک لمبی سازش کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ یہ مسئلہ اس لیے مشکل تھا کہ اس کے لیے اگر کوئی آواز اٹھائے تو یہ کہا جاتا تھا کہ یہ غیر ملکیوں کی حمایت کررہا ہے، اوراس کے لیے آگے بڑھ رہا ہے، اس کے لیے یہ الزام فوراً عائد کیا جاتا تھا تو بہت سے لوگ تھے جواس مسئلہ میں کھڑے ہونے کو تیار نہیں تھے۔

میں نے بہت قریب سے دیکھا حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحبؒ بیشک ان کے مجاہدانہ کردار کا اب تک ذکر ہورہا ہے اس کا تو ایک لمبا سلسلہ ہے، انشاءاللہ کل تک ذکر ہوتا رہے گا اور قیامت تک انشاءاللہ اس کا ذکر جاری رہے گا، انھوں نے اس موقع پر کسی چیز کی رعایت نہیں کی پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہوئے اور مجھے وہ لمحہ یاد ہے کہ جب اس مسئلے کے سلسلہ میں تشریف لے گئے آسام میں بھی اس وقت کوئی کھڑے ہونے کو تیار نہیں تھا، یہاں سے ڈاکٹر گوپال سنگھ، جن کے کمیشن کے نام سے آج بہت متعارف ہے ان کو لیا، اور ایک ایم پی تھیں سُبھد را جوشی ان کو لیا، یہ دونوں کو لے کر پہنچے کوئی اس وقت ساتھ دینے والا نہیں تھا اکیلے پہنچے اور وہاں کوئی لینے والا نہیں، جب وہاں اُترے ہیں وہاں جہاں پہنچے ہیں تو مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم تنِ تنہا ایک گاڑی لے کر صرف موجود تھے، ایسے حالات میں مولانا نے اس کام کو شروع کیا اور ماشاء اللہ کہیں پر کوئی کمی نہیں آئی اور صرف آسام نہیں بلکہ ہندوستان میں جہاں جہاں بھی یہ مسئلہ پیدا ہوا ہر جگہ پوری قوت کے ساتھ اس کا دفاع کیا، اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے، اندازہ کیا میں نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک چیز جس سے میں بہت متاثر ہوں مولانا سے وہ یہ کہ جب مشکلیں زیادہ پڑتی تھیں تو ان کی ہمّت میں زیادہ اضافہ ہوتا تھا، یہ میں نے تقریباً بائیس سال مجھ کو ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، مجھے دو چیزوں نے ان کے متاثر کیا ایک تو یہ کہ بڑی سے بڑی مشکل کے اندر بجائے اس کے کہ ان کی ہمّت میں کچھ کمی آئے اور ہمّت بڑھتی تھی، دوسرا یہ کہ کسی بھی مقصد کو

پانے کے لیے جو کچھ بھی کھونا ہو اس کی وہ پرواہ نہیں کرتے تھے وہ ہر چیز کھونے کو تیار رہتے تھے اسی لیے اس مقالہ کے خلاصہ کو پڑھنے سے پہلے میں آج اپنے دل کی گہرائیوں سے ان کو خراجِ عقیدت کے طور پر یہ پیش کرتا ہوں کہ:

پھونک کر اپنے آشیانے کو
روشنی بخش دی زمانے کو

میں یہی ان کے لیے آج اس مجمع میں خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہوں۔ (پھر مقالہ پیش کیا)

مولانا عبدالحمید نعمانی

جناب مولانا عبدالحمید صاحب نعمانی نے اپنے مقالے کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

وقت اور موقع بہت نازک ہے، دیکھئے شخص مر سکتا ہے مگر شخصیت نہیں مرتی ہے، جس کے کارنامے اور کردار و عمل زندہ ہو اُسے موت نہیں مار سکتی ہے، جس کی زندگی میں رہنمائی ہو روشنی ہو اور وہ روشنی ہمارے ساتھ ساتھ چلے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں، فدائے ملّتؒ کے تعلق سے بہت سی باتیں کہی جائے گی اور کہی گئی ہیں، وہ شش جہات نہیں بلکہ ہشت جہات تھے اور ان کی ہر جہت ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہماری پوری تصویر جو ہے نظر آتی ہے، وہ ریزرویشن کے تعلّق سے اور پس ماندہ طبقات اور محنت کش برادریوں کو ترقی کے عام دھارے میں لانے کے لیے ان کے اندر جو بے چینی اور بے قراری پائی جاتی تھی وہ کسی اور لیڈر یا رہنما میں ایسی نظر نہیں آتی ہے، ریزرویشن کے تعلق سے میرا سو صفحے کا کتابچہ موجود ہے، اور یہ الگ ہے اس سے۔ اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ فدائے ملّتؒ کا سماجی شعور بہت ہی گہرا اور پختہ تھا، وہ جانتے تھے کہ اگر سماج میں نابرابری ہوگی اور عدم توازن ہوگا تو ملک اور سماج آگے نہیں بڑھ سکے گا ترقی نہیں کرے گا، کسی بھی ملک کے لیے جہاں ریزرویشن کا انتظام ہو پراؤدھان ہو تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ملک ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں زمرے میں شامل ہو گیا ہے، ریزرویشن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کے ساتھ امتیاز برتا جا رہا ہے بھید بھاؤ ہو رہا ہے، ابھی منوج جوشی صاحب کہہ رہے تھے ریزرویشن کے تعلق سے وہ حقیقت نہیں ہے۔ فدائے ملّتؒ نے کئی بار اپنے بیانات میں کہا ہے اور باقاعدہ پارلیمانی تقاریر کا مجموعہ اس میں بھی آپ دیکھیں گے، وہ کہتے تھے کہ اگر آئین کے مطابق کام ہو، سب کے ساتھ انصاف ہو اور برابری ہو تو ریزرویشن کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ریزرویشن جو پسماندہ طبقات کے لیے اور محنت کش برادریوں کے لیے

اور جو مسلمان زندگی کے تمام شعبوں میں انتہائی امتیاز اور پسماندگی کے جو ہیں شکار ہو چکے ہیں، وہ برسوں سے اس بات کو کہتے رہے۔ اب سچر کمیٹی نے سرکاری مہر ثبت کر دی ہے وہ جو برسوں سے کہتے رہے وہ حقیقت ہے، خطباتِ صدارت وہ مجموعے کی شکل میں آچکے ہیں وہ ساری باتیں موجود ہیں۔ وہ الگ الگ کیٹگریوں میں درجات میں بانٹتے تھے، وہ اس کے خلاف نہیں تھے کہ پسماندہ طبقات کو یا جو دلت ہیں ان کو ریز رویشن نہیں ملنا چاہیے وہ کہتے تھے کہ انصاف کے تقاضے جہاں بھی پورے ہو جائیں اور برابری ہو تو پھر چاہے جسے بھی یہ فائدہ ہو، اور بالائی طبقات چاہے وہ کسی میں ہوں چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلموں میں ہو ان کو ریز رویشن پانے والے کے زمرے سے الگ کر دیا جائے، لیکن یہ ہے کہ جو لوگ واقعی زندگی کے دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ سماج کا توازن بگڑ چکا ہے صرف چند گھرانے، بیس پچیس فیصد ملک کے اسّی فیصد وسائل پر قبضہ کر لیں اور کچھ لوگ ایسے آجائیں جو اچھے لوگوں کو اور سماج اور ملک کی اکثریت کو جو ملک کے وسائل ہیں ان سے دور رکھے وہ اس کو برداشت کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھے، اور اس کو انھوں نے بہت پہلے سے محسوس کر لیا تھا۔

یہ تو اب آپ دیکھیں گے کہ ۱۹۷۰ء کی ان کی تقریریں پارلیمانی وہاں سے الگ سلسلہ چلا ہے اور متناسب نمائندگی کا کہ مسلمانوں کو ان کے تناسب کے حساب سے ریز رویشن ملنا چاہیے، یہ مطالبہ سب سے پہلے حضرت شیخ الاسلامؒ نے کیا تھا، لیکن یہ ہے کہ اس وقت حالات اس طرح کے نہیں تھے جو بعد میں بنے ہیں، وہ بہت ساری چیزیں اس حوالے سے حضرت نے کہیں کہ تمام مسلمانوں کے لیے ان کو یا تو انتہائی بیک ورڈ قرار دے کر ریز رویشن دیا جائے یا وہ لوگ جو دلت ہیں یا جو اقتصادی سماجی، تعلیمی طور پر جو پسماندہ ہیں ان کو بھی ریز رویشن ملنا چاہیے، یا جو کمپٹیشن ہے کرناٹک اور کیرالا وغیرہ کے پیٹرن پہ اس حساب سے ریز رویشن ملنا چاہیے۔ ایک دور وہ آیا کہ صدارتی آرڈیننس پیراگراف تین کے اندر عیسائی دلت کو اور مسلم دلت کو جو اقتصادی طور پر سماجی طور پر پسماندہ ہے نکال دیا گیا۔ حضرت اس کو بہت محسوس کرتے تھے، اور انھوں نے ملک وملت بچاؤ تحریک جو کہ ۲۰۰۲ء میں اکتوبر میں چلائی گئی تھی اس میں باقاعدہ اس مطالبہ کو شامل کیا۔ اس دفعہ میں ترمیم ہو اور انھیں بھی شامل کیا جائے یا اس میں جو مذہبی پابندی لگی ہوئی ہے وہ ختم ہونا چاہیے تو مختلف حوالوں سے انھوں نے کہا ہے اور گر اس پر لکھا جائے تو کئی سو صفحات اس پر لکھے جاسکتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ مسلمانوں میں احساس محرومی بہت بڑھ رہا ہے، اگر اس کو ختم کرنے کی کوشش نہیں ہوئی تو ملک کا نقصان ہوگا، کیونکہ سماج محروم یا تو مایوس ہو کر عام ترقی اور

زندگی کے دوڑ سے کنارہ کش ہوجائے گا یا عام شاہراہ سے ہٹ کر دوسرے راستے پر چلا جائے گا اور مستفید طبقہ کے خلاف ذہن وفکر بنے گا نتیجے میں باہمی کشمکش پیدا ہوگی اور جو توانائی ملک کی ترقی اوراس کو بنانے سنوارنے میں صرف ہونی چاہیے وہ سماجی تصادم میں ضائع ہوگی اورظاہر ہے کہ یہ ملک کا نقصان ہے، ہم نے حضرت فدائے ملّت کو بہت قریب سے دیکھا ہے،مختلف مسائل کے تعلق سے ریزرویشن کے مسئلے پران کی رہنمائی میں بیشتر چیزیں راقم نےتحریر کی ہیں، وہ کہتے تھے کہ عام طور پر ریزرویشن کواقتصادی مسائل کا حل سمجھا جاتا ہے،لیکن حضرتؒ کہتے تھے کہ یہ صرف اقتصادی مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ اگر ذہنی طور پر اورنظریاتی طور پر اقتصادی طور پر کوئی قوم اگر، کوئی اکائی اور کوئی طبقہ اگر ٹوٹ جائے تو پھر مایوسی جب پیدا ہوگی تو وہ حالات جو ہمارا ایک نشانہ ہوتا ہے ملک کی ترقی کے لیے وہ ہم حاصل نہیں کر پائیں گے تو بہت ساری چیزوں کو وہ عام مسلمانوں کو پھر عام مسلمانوں میں جو بالائی طبقات ہیں ان کو الگ کر کے وہ چاہتے تھے کہ جو ملک کے وسائل ہیں سب میں حصّہ ہونا چاہیے، عام طور پر ریزرویشن کو اقتصادی حل سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت فدائے ملّتؒ کے نزدیک اس کے اسباب بہت گہرے ہیں، وہ تو بہت کھل کر کہتے تھے کہ ریزرویشن کے حوالے سے ملک میں حالات نہیں ہیں غیر مسلم دلتوں کے لیے تو اب جو دلتوں کو مختلف مواقع ملیں گے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں جوان کو مقام دیا جائے گا اور وہ آگے بڑھیں گے تو جو جگہ خالی ہوگی ان جگہوں کو بھرنے کے لیے آدمی چاہیے،تو یہی وہ کہتے تھے کہ یہ کوشش یہ ہورہی ہے کہ مسلمان، مسلمانوں کو اس لیے پیچھے رکھا جاتا ہے ان کے ساتھ جو ہے امتیاز اور بھید بھاؤ کا سلوک کیا جاتا ہے اب جگہ خالی ہورہی ہے اور ڈاکٹر امبیڈکر نے جو تحریک چلائی تھی اس کی بنیاد پر جو دلتوں میں بیداری آئی ہے تو وہ آگے بڑھ رہے ہیں سیاسیات میں بھی اور اقتصادیات اور نوکریوں میں بھی تو جگہ جو خالی ہورہی ہے تو یہ بڑا مسئلہ ہے کہ اگر وہاں دلتوں اور اچھوتوں کی جگہ مسلمانوں کو لانے کی کوشش ہورہی ہے تو یہ بہت دوررَس نظر سے مسئلہ کو دیکھتے تھے اور انھوں نے جو پہلے کوشش کی اور تحریک چلائی ملک گیر سطح پر اکیس لاکھ بائیس ہزار پانچ سو (۲۱۲۲۵۰۰) دستخط حاصل ہوئے اور ۸؍مارچ ۱۹۹۹ء کو انھوں نے جو پیش کیا اس کے بعد مسلسل وہ کوششیں کرتے رہے اور اس کے بعد مجلسِ عاملہ کی جو میٹنگیں ہوئی ہیں آج بھی آپ دیکھیں گے کہ تمام میٹنگوں میں نمبر ایک پر جو ایجنڈا ہوتا تھا وہ ریزرویشن سے متعلق ہوتا تھا تو آپ یہ دیکھیں گے کہ وہ دو چیزوں سے جو ہے جوڑ کے دیکھتے تھے ایک تو یہ کہ تمام ہندوستانیوں کے ساتھ جن میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ انصاف ہونا چاہیے اور جو ہے برابری ہو، تاکہ سماج کا توازن صحیح رہے اور ملک ترقی کی سمت میں

آ گے بڑھ سکے اور اگر یہ نہ ہو تو لوگوں میں ایک بات اور کہہ کے میں اپنی بات ختم کروں گا۔

عام طور پر یہاں اپنے سماج میں جو مسلم سماج بھی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ریزرویشن کے تعلّق سے اونچے طبقے، اشراف یا غیر اشراف کی بات شروع کر دیتے ہیں لیکن حضرت اس کے خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ جن طبقوں کو بھی فائدہ ملے گا تو وہ اوپر آ کے عام دھارے میں شامل ہوں گے اس سے سماج خوبصورت ہو گا تو وہ اس بات کو یہ نہیں کہتے تھے کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کیا جائے وہ اس کے خلاف تھے، اسی لیے آپ یہ دیکھیں گے، ایک دن مجھے بلایا اور کہا کہ کچھ لوگ اس بحث کو جاری کر کے کیوں بات کو خراب کرنا چاہتے ہیں، اگر کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دفعہ ۳۴۱ میں ترمیم ہو اور یہ کچھ محنت کش اور ہمارے یہاں سماجی طور پر جو پسماندہ برادریاں ہیں وہ بھی شامل ہو جائیں ترقی میں تو اس میں کیا حرج ہے؟ تو وہ اس کے تقسیم کے بھی بالکل خلاف تھے وہ چاہتے تھے کہ کسی بھی طریقے سے انصاف ملنا چاہیے اور برابری ملنا چاہیے اور وہ اس کے خلاف تھے کہ نفرت کی بنیاد پر یا برادری واد کی بنیاد پر یا اوچ نیچ کی بنیاد پر مسئلہ کو دوسرا رُخ دیا جائے تو حضرتؒ کے تعلق سے یہ ایک اہم موضوع ہے اس کا تعلق سیاسی نمائندگی سے بھی اور تعلیم میں جگہ بنانے سے بھی ہے اور اقتصادی خوش حالی سے بھی ہے، مختلف حوالوں سے وہ بات آئے گی تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت کی جو اس سلسلے میں کوششیں ہوئی ہیں اور جو تحریکیں چلی ہیں تو ہمیں راستہ ملے گا۔ روشنی ملے گی اور انشاء اللہ جمعیۃ علماء کا سفر اسی روشنی میں آگے بڑھے گا بڑھتا رہے گا اور بڑھتا چلا جائے گا۔ **وما علینا الا البلاغ**۔

مولانا سیّد محمود مدنی

- اس کے بعد حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب نے بات آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

آج کا یہ سیمینار تعداد کے لحاظ سے تو یہ پندرہ سولوگ ہیں لیکن اصل میں یہاں پر بلامبالغہ یہ کہا جائے کہ ہزاروں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ نمائندگان ہیں، رہنما ہیں، لیڈران حضرات ہیں، اور ریزرویشن کا معاملہ ہے تو مولانا عبدالحمید صاحب نے کافی تفصیل سے بتایا، میں اس سلسلے میں ایک ہی بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ تین الگ الگ اس کے پہلو ہیں۔

(۱) ایک پہلو وہ ہے جس کو صدرِ محترم دامت برکاتہم نے فرمایا کہ مسلمان کو من حیث القوم چونکہ بے عزت کیا گیا، حق سے محروم کیا گیا، اور اس کو پسماندہ بنایا گیا سازش کے تحت جیسا کہ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ دلتوں والے کام کے لیے افراد کی ضرورت ہے لہٰذا وہ تو اب اوپر اُٹھ جائیں

گے ان کی جگہ پر ان مسلمانوں کو بٹھا دو، تو اس لیے یہ مطالبہ بنیادی ہے کہ مسلمانوں کو اس حیثیت سے کہ وہ مسلمان ہیں پسماندہ قرار دیا جائے اور ان کو ریزرویشن دیا جائے۔

(۲) دوسرا پہلو ہے وہ جو جوشی صاحب کہہ رہے تھے، جو ہمارے دستور کے اوپر بحث ہے، اس پہلے والے معاملہ میں ہوسکتا ہے ہمیں دستور میں ترمیم کروانی پڑے اور لمبی لڑائی لڑنی پڑے، یہ جو دوسرا والا معاملہ ہے یہ ایک آرڈیننس کے ذریعہ سے غیر دستوری کام ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہمارے ہندوستان کے دستور نے یہ کہا ہے واضح طور پر ۱۵ میں ۲۶ میں ۲۹ میں ۳۰ میں کئی دفعات میں یہ مذکور ہے کہ مذہب کی بنیاد پر کسی کے ساتھ کوئی امتیاز، بھید بھاؤ نہیں کیا جائے گا تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ وہاں یہ ہوا کہ اس آرڈیننس میں یہ شرط لگا دی گئی کہ فلاں فلاں پیشہ ور برادریاں شیڈول کاشٹ ہوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ہندو ہو یعنی اگر مسلمان ہیں یا عیسائی ہیں یا اس زمانے میں بدھسٹ اور سکھ بھی شامل تھے تو ان کو یہ سہولت نہیں ملے گی اس کو ان میں شامل نہیں کیا جائے گا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دستور تو کہتا ہے کہ مذہب کی بنیاد پر کسی کو کوئی چیز نہیں ملے گی اور یہاں آپ مذہب کی بنیاد پر چیز دے رہے ہیں تو دستور کی جو دفعات ہیں بنیادی دستوری دفعات ہیں ان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، ہمیں ایک مناسب جدوجہد کے ذریعے سے دستور کی اس تضاد کو، دستور کی اس تضاد کو نہیں بلکہ دستور سے ٹکرانے والے اس آرڈیننس کو ختم کروانا ہے تو اس سے ہماری اس بنیادی مطالبے میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

(۳) اور تیسرا ایک اور معاملہ ہے جس کو اس وقت بھی جمعیۃ علماء نے اٹھایا ہوا ہے اور جمعیۃ علماء کے اجلاس ہائے عام میں اس سلسلے میں تجاویز پہلے سے بھی منظور ہیں کہ جن لوگوں کو ریزرویشن ملا ہوا ہے پہلے سے کچھ برادریوں کو او بی سی پسماندہ طبقات کے کیٹیگری میں یعنی شیڈول کاشٹ میں نہیں بلکہ شیڈول ٹرائب میں اور او ٹی بی سی میں شیڈول کاشٹ، شیڈول ٹرائب میں نہیں بلکہ او بی سی میں، جن لوگوں کو، مسلمانوں کو، جن برادریوں کو شامل کیا گیا ہے وہاں پر حق سے محروم ہو جاتے ہیں اس لیے ان کا ایک کوٹہ الگ سے سب کوٹہ متعین کیا جائے، تو یہ تین الگ الگ چیزیں ہیں، ان میں کہیں سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے اور یہ آسان ہے انشاء اللہ اس کے لیے لڑائی جاری رہے گی جو جمعیۃ علماء کی اور حضرتؒ کی شروع کی ہوئی لڑائی ہے۔

(دعا پر دوسری نشست کا اختتام ہوا)

تیسری نشست

دوشنبہ ۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۳؍اپریل ۲۰۰۷ء — بعد نماز مغرب
زیر صدارت حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلہ دیشی

- جناب قاری شفیق الرحمٰن صاحب نے اپنی تلاوت کے ذریعہ مجلس کا آغاز فرمایا۔
- جناب قاری اسحاق صاحب نے اپنا منظوم کلام پیش کیا بعنوانِ ''بیادگار فدائے ملّت''
- اس کے بعد حضرت مولانا عتیق احمد بستوی دامت برکاتہم، استاذِ فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے حضرت فدائے ملتؒ کی جد وجہد پر مقالہ پیش فرمایا۔ (دیکھئے سلسلۂ مقالات)
- بعدازاں حضرت مولانا مستقیم احسن صاحب اعظمی (بمبئی) نے اپنے مقالہ کی تلخیص پیش فرمائی۔
- اس کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری نے کمیونسٹ پارٹی کے لیڈر جناب اے بی وردھن صاحب کو خطاب کی دعوت دی۔ موصوف نے درج ذیل تقریر فرمائی:

اے بی وردھن صاحب

صدر صاحب! فضل الرحمٰن صاحب، پاکستان سے آئے ہوئے بزرگ رہنما اور حضرات!

آپ نے مجھے اس جلسہ عام میں آنے کا موقع دیا دو شبد کہنے کا موقع دیا اس کے لیے میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، شاید ان حضرات کے لیے جو یہاں موجود ہیں۔ میں نیا ہوں، لیکن بڑا پرانا سیاسی، اور سیاست میں کام کرنے والا ایک کاریہ کرتا رہا ہوں، اس حیثیت سے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحبؒ سے ملنے کا، بات چیت کرنے کا، مشورہ کرنے کا، موقع مجھے کافی ملا ہے، اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ انھیں فدائے ملت کہہ رہے ہیں وہ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔

پارٹی میری دوسری ہے، لیکن تب بھی جو کچھ میں نے دیکھا (دو تین بات میں آپ کے سامنے صرف ذکر کرنا چاہتا ہوں) مجھے تاریخ معلوم ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جنگ آزادی میں جمعیۃ علماء ہند نے جو رول ادا کیا وہ کسی سے کم نہیں۔ ان کی بھومیکا ان کا رول بہت صحیح رہا، اس ملک کی آزادی کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے بہت کوشش کی پوری طاقت لگائی اور اس ملک کو ہندو اور

مسلمانوں کو ان کے اتحاد کے لیے پُرزور کوشش کی ہے، اس ملک میں انگریزوں نے جیسا کہ ابھی کچھ دیر پہلے ذکر کیا گیا کہ سمندر کے نیچے بھی اگر دو مچھلیاں آپس میں لڑ رہی ہوں تو سمجھ لیجیے کہ انگریز لڑا رہے ہیں، تو حقیقت یہ ہے کہ یہاں لڑانے کی کوشش کی گئی اور آخرکار اس کا یہ انجام ہوا کہ تقسیم کیا گیا ملک کا، پھر وہ بات ابھی تاریخی ہو چکی ہے، ہم آپس میں پڑوسی کی طرح ہندوستان اور پاکستان ایک ساتھ اپنے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، مولانا صاحب نے اور میں اس بات کے بارے میں پوری طرح سے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جس نے فرقہ پرستی کا دنگا فساد کرانے کی کوشش اس ملک میں کی گئی کچھ لوگوں کی طرف سے جس کا میں اب یہاں پر ذکر نہیں کرنا چاہتا وہ سب میں مولانا صاحب اور ان کی رہنمائی میں جمعیۃ علماء ہند اس نے ہمیشہ اس ملک کے اندر اس طرح کے فسادات کو روکنے کی کوشش کی ایکتا کی اور اتحاد کی انھوں نے پُرزور کوشش کی ۔ مجھے ایک بات یاد آ رہی ہے، وہ نہیں رہے، لیکن ان کے بعد بھی یہ جو جمعیۃ علماء ہند ہے اپنی ذمہ داری پوری طرح سے نبھا رہی ہے، ہماری سمجھ میں سب سے بڑا خطرہ آج اگر دنیا کو ہے امن کو ہے ملکوں کی آزادی کا ہے تو وہ خطرہ امریکی سامراجیوں کا ہے، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، سب کو دکھ رہا ہے، طرح طرح کی باتیں کہی جا رہی ہیں، Clash of Civilisation کی بات کہی جا رہی ہے اور Clash of Civilisation کی آڑ میں کچھ لوگ ایسا سمجھ رہے ہیں کہ مانو بارھویں صدی کا جو کروسیڈ (Crusade) ہے ایک بار وہ پھر دنیا میں چھیڑنا چاہتے ہیں، بھول گئے وہ کہ جس وقت انھوں نے کروسیڈ کیا تھا تو ایک صلاح الدین بھی پیدا ہوا تھا، اور اگر ایسا ہی پھر کبھی ہوا تو کئی صلاح الدین پیدا ہوں گے، یہ مجھے یقین ہے، پوری طرح سے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن بن کر اگر کوئی ہے، مسلم قوموں پر اگر بُری نظر لگا کر کوئی ہے تو وہ انگریزی سامراجی ہیں اس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ میری آنکھوں کے سامنے آج بھی وہ نظارہ پیش ہے کہ جو رام لیلا میدان میں اتنی بڑی میٹنگ اس سے پہلے شاید کبھی نہیں ہوئی جو جمعیۃ علماء ہند نے بلائی تھی، عراق پر حملے کے خلاف، اور عراق پر جب حملہ ہوا تو یہاں پر کچھ لوگوں کی آوازیں اٹھی تھی کہ ہندوستان سے فوج بھیجا جائے امریکیوں کی مدد کرنے کے لیے ایک ایسی بات چل پڑی، یہاں تک کہ فوجی ٹکڑی بھی طے ہو گئی ۔ اس کا کمانڈر کون ہوگا وہ بھی طے ہو گیا تو میدان میں ہم سبھوں کو اُترنا پڑا کہ یہ کبھی نہ ہو، عراق سے ہماری دوستی رہی ہے ہمیشہ ایران سے ہماری دوستی رہی، ہزاروں سال پرانی تہذیب (Civilisation) اس کا وہ ایک مرکز رہا ہے، ان سب باتوں کو دُہرانے کی کیا ضرورت ہے یہاں پر آپ سب لوگ اس سے پوری طرح واقف ہیں، اس لیے ہم کہنا چاہتے تھے

کہ ہم سے تو کوئی دشمنی ان کی ہے نہیں اور امریکی سامراجیوں کے دلال بن کر کے ہم کیوں جائیں گے ان کے یہاں لڑنے کے لیے، تو سب سے بڑی میٹنگ جمعیۃ علماء ہند ہی نے بلائی تھی، اور مجھے یاد ہے اور میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس میٹنگ میں کچھ کہنے کا موقع ملا، کچھ دن پہلے انڈین ایکسپریس کو انٹرویو دیتے وقت شیکھر گپتا کو محمود مدنی صاحب نے اس کا ذکر کیا، میں ان کا اس کے بارے میں شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، آج بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ ذمہ داری آپ پر ہے، آپ کے کاندھوں پر اور میں آپ کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ آپ جیسے لڑیں گے، آپ جو آواز اٹھائیں گے آپ کی آواز کے ساتھ ہماری بھی آواز اُٹھے گی، آپ کے کندھے سے ہم کندھا ملائیں گے شانہ بشانہ ہم سب اس لڑائی کو لڑیں گے، مذہبی معاملوں میں مجھے کہنے کا کوئی حق ہے نہیں میں مذہبی معاملوں میں دخل بھی دینا نہیں چاہتا۔ آپ جیسے بزرگوں کے سامنے، عالموں کے سامنے اس کا میں کیا ذکر کروں آپ ان باتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں، میں صرف یہ کہتا ہوں کہ جہاں تک سیاسی معاملے ہیں اور لڑنے کا سوال ہے سامراجی طاقت سے دنیا میں امن وامان کے لیے ملکوں کی آزادی کے لیے ان کے ساتھ بھائی چارگی کے لیے ہندو مسلم یکتا کے لیے فرقہ پرست طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تو ان سب میں ہم ایک ساتھ رہیں گے اتنا میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں۔

وہ ایک وقت تھا کہ جب میری پارٹی کا اور جمعیۃ علماء ہند کا بڑا نزدیک کا تعلق تھا، ہمارے ایک پارلیمنٹ کے ممبر تھے مولانا اسحاق سنبھلی، شاید کچھ لوگوں کو ان کی یاد آتی ہوگی، کم سے کم یہاں جو سفید داڑھی والے لوگ ہیں وہ تو ان کو ضرور یاد کرتے ہی ہوں گے، مولانا اسحاق سنبھلی امروہہ سے دوبار چن کر کے گئے۔ وہ کمیونسٹ پارٹی کے پارلیمنٹ کے ممبر تھے وہ وہاں جہاں جمعیۃ علماء ہند کا مرکز ہے دفتر ہے، وہ وہیں پر رہتے تھے، ایک طرح سے یوں کہیے کہ ہمارا ایک Ambassador آپ کے بیچ میں وہ تھا اور آپ کے Ambassador کے روپ میں ہمارے بیچ وہ آ کر کام کرتے تھے اس طرح کا ایک ناطہ رشتہ تھا، آگے بھی اس طرح کا ناطہ رشتہ رہے گا صرف کسی ایک شخص کے بوتے پر نہیں ہم سب کے بوتے پر، یہی میں کہہ کر کے میں آپ سے چھٹی لینا چاہتا ہوں۔ آداب۔

- اس کے بعد جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب مدیر ماہنامہ ''ترجمانِ دیوبند'' نے اپنا مقالہ بعنوان ''مسلک دیوبند کے تحفظ وارتقا میں حضرت فدائے ملّتؒ کا کردار'' پیش کیا۔
- اس کے بعد حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے

اپنا مقالہ بعنوان ''عالم اسلام کی عظیم شخصیت'' پیش کیا۔

- بعدازاں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند نے اپنا مقالہ بعنوان ''حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کی عظمت کی چند نقوش'' پیش فرمایا۔
- بعدازاں حضرت مولانا سیّد محمد شاہد صاحب امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے اپنا مقالہ بعنوان ''حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنیؒ کی روحانی تربیت و رفعت میں حضرت شیخ کا مقام و کردار'' پیش فرمایا۔
- اس کے بعد حضرت مولانا سیّد محمود مدنی صاحب نے محترم پریہ رنجن داس منشی وزیر اطلاعات حکومت ہند کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

ہمارے بیچ میں اس وقت ہندوستان کے وزیر اطلاعات و نشریات جناب پریہ رنجن داس منشی صاحب موجود ہیں۔ یہ حضرتؒ کے بڑے پرانے ساتھیوں میں سے ہیں اور انھوں نے حضرتؒ کے ساتھ مسلمانوں کے ملتِ اسلامیہ کے اقلیتوں کے اور مظلوموں کے بہت سارے معاملات میں حصہ لیا ہے۔ موصوف تشریف لائے ہیں اور اس سیمینار میں بھی ان کا تعاون رہا ہے۔ میں درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لائیں اور (انھوں نے حضرتؒ کے اوپر ایک دستاویزی ڈاکیومینٹری بھی تیار کروائی ہے، اور اس میں بھی بڑے اچھے انداز میں حضرت کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے) میں درخواست کروں گا کہ داس منشی صاحب تشریف لائیں اور ہم لوگوں کو اپنے کلمات سے نوازیں:

جناب پریارنجن داس منشی (وزیر اطلاعات حکومت ہند)

آج کے اس سیمینار کے جو صدارت میں بیٹھے ہیں، ہمارے منچ پہ سارے دیش سے آئے ہیں۔ ان سب کو اور جمعیۃ علماء ہند کے سبھی بزرگوں کو میں آداب پیش کر رہا ہوں، جو لوگ میرے ساتھی ہیں ان کو بھی میں نمسکار آداب کرتا ہوں۔ ایسے تو کافی سمے تک میں لیٹ ہو چکا ہوں، کیونکہ ۲۶ر تاریخ کو لوک سبھا کی سیشن بلانا ہے دو دن باقی ہیں۔ کچھ ایسے مسئلے آ گئے ہیں، جس کو آج بارہ بجے کے اندر ہم کو پردھان منتری کو رپورٹ دینا ہے، اس لیے میں بدیش منتری اور گرہ منتری کے ساتھ بہت کاریہ کرم میں بیزی تھا۔ اس لیے میں صحیح سمے پر پہنچ نہیں پایا۔ اس لیے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔

میں جب پیدا ہوا تھا، مجھے اتنا تو معلوم نہیں، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ بھیانک دنگے کی ایک رات تھی، اور اس سمے دیش میں آزادی نہیں آئی تھی، لیکن میرے پریواروں کی جو حفاظت کی

اس رات کو، میری ممّی سے میرے ابّا جان سے میں نے سنا کہ ایک مسلم پریوار نے ہمارے پریوار کی حفاظت کی، کیونکہ ہمارے پریوار کی انھوں نے حفاظت کی اور ہماری سات روز تک دیکھ بھال کی جس کے نتیجے میں اس کی بھی جان چلی گئی اس کہانی سے گزر کر میں دھیرے دھیرے بڑا ہوا، اور اس دیش کے لوگوں کے ساتھ میں نے ذمہ داری نبھانے کے لیے قدم سے قدم بڑھایا، میں نے مہاتما جی کو تو دیکھا نہیں کیونکہ جب ان کی موت ہوئی تو میں تین سال کا بچہ تھا لیکن ضرور مجھے کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ ملنے کا موقع ملا جو میرا جیون میں میرے وچاروں میں ایک نئی نئی کتاب چھوڑ کر گئے۔ ان میں سے ایک مولانا اسعد مدنی صاحب ہیں۔ آسام کے طوفان کے سمے ایک بار نہیں بار بار ان کے وچار ان کی سوچ ان کی دور اندازتک دیش کی یکتا کے بارے میں سمجھنا اور اور سمجھ داری سے ان کی سجھاؤ میرے کو بار بار ملا، اس کے بعد بھی دلّی میں گوہاٹی میں ان کو بہت قریب ہو کے دیکھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بلالیا، لیکن اس کا پیغام ہم کو چھوڑ کر گئے اور وہ پیغام راج نیتک بھاؤنا (سیاسی مفادات) سے اُٹھ کر اگر ہم لوگ عمل کر سکیں، تو ان کو صحیح سلام ہم لوگ پیش کریں گے ان کی تین چیزیں مجھے بہت پسند آئیں، ایک جو صحیح ہے اس کو کہنے کے لیے کہ خوشامدی کے راستے پر وہ نہیں چلتے تھے، چاہے آسام کے لیے ہو، یا بنگلہ دیش کے لیے ہو یا گجرات کے لیے ہو، جن کو کچھ لوگوں نے غلط سمجھا، وہ کسی کا پولیٹیکل ہتھیار بننا نہیں چاہتے تھے، بلکہ پولیٹیکل ہتھیاروں کو صحیح صلاح دیتے ہیں کہ کیسے ان کی شان بڑھے گی، کس راستے میں چلنے سے، وہ کسی کا ہتھیار کبھی نہیں بنے، مجھے ایک اور چیز بڑا پسند ہوا، قانون کو سدھارنا ہے وہ صلاح ضرور دیتے ہیں لیکن قانون کے رکھشا کرنے میں، رول اور لاء (Rule and Law) کی قدر کرنے میں ان میں جو ہمت میں نے دیکھا، بھڑکاؤ کرنے کی راج نیتک سے الگ ہو کر، کسی کو چند دنوں کے لیے خوش کرنے کے راج نیتک کو چھوڑ کر، ایک لمبی ڈرشٹی کون (وسیع نظریہ) سے سوچتے تھے کہ قوم کو، عوام کو خاص طور سے ان کے ساتھ مسلم کے رشتے کو لے کر ان کو ڈرسٹی کون (نظریہ) میں کبھی کوئی چھوٹا پن نہیں دیکھا، ایک بڑا چیز ہے صرف انڈیا کے لیے نہیں، پورے میڈل ایسٹ (Middle East) پورے سب کونٹی نینٹ (Sub-Continant) میں جو راج نیتک چلتا ہے، اس میں کوئی بھی ایک لوگ کوئی کچھ کہہ دے تو سورن ٹیوی والے اس کو دکھائیں گے اور اس کو لے کر کنٹروورسی (Controvercy) ہوگا، اس کا پکچر چھپتا رہے گا بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں، مگر مولانا اسعد مدنی صاحب اس قسم کے پروفائل (Profile) بنانے کے لیے کبھی نہیں سوچا، ان کی سوچ اتنی لمبی تھی کہ مولانا اسعد مدنی کیا کہتے ہیں اس کے اوپر کنٹروورسی (Controvercy) ہو اس راستے پر نہیں

چلتے، کیا کہنا چاہیے، چاہے وہ کسی کو برا لگے یا اچھا لگے وہ عین موقع پر کہتے تھے، اپنے فائدہ کے لیے نہیں، اپنے کوئی اضافہ کے لیے نہیں بلکہ ملک کے لیے، میں تو اتنا ہی کہوں گا، میں نے ڈکیومینٹری پر کہا ہے، مہاتما گاندھی کے بارے میں ہم لوگ سب کچھ کہتے ہیں، مگر مولانا اسعد مدنی صاحب سے میں جتنی بار ملا، مجھ کو لگتا تھا کہ گاندھی جی کی آتما ان میں سمٹ گئے ہیں۔ میں ان کو صرف ایک سماج کی ایک جماعت کے مکھیا کی رُوپ سے کبھی نہیں دیکھا، میں ان کو دیکھتا تھا اور آج بھی دیکھ رہا ہوں اور جب میں اندھیرا میں ڈوب جاتا ہوں، راستہ نہیں نکلتا ہے، تو ان کو یاد کرتا ہوں تو مجھے راستہ ملتا ہے، میں نے مولانا محمود مدنی صاحب سے بھی ایسا ہی کہا کہ میں نے کبھی ان سے راج نیتک کی بات نہیں کی، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی نئی پیڑھی جو ہے، خاص طور سے ہر قوم کے لوگ چاہے کرسچن ہو چاہے مسلم ہو، یا ہندو ہو، ان کے بارے میں جتنا سوچیں اتنا ہی دیش کے سنودھان، دیش کے اگلا بھوشیہ مضبوط ہو، ان کو الگ کر کے کوئی سوچنے کی کوشش کرے تو ہم لوگ غلطی اپنائیں گے۔ آئی ایم ڈی ٹی کا مسئلہ پارلیمنٹ کے اندر کوئی بیروکریسی (Beaurocracy) کا مسئلہ نہیں تھا۔ آئی ایم ڈی ٹی کی سوچ اسعد مدنی صاحب کی ایسی بڑی ایک دین ہے جو کہ آج بھی ہمارے نیشنل اینتھم (National Anthem) میں جو گیت ہم گاتے ہیں:

جن گن من ادھینا یک جے ہے، بھارت بھاگیہ وِدھاتا

پنجاب، سندھ، گجرات، مراٹھا، دراوڑ اُتکل بنگ

یہ جو گاتے ہیں اس کے اندر اسعد مدنی صاحب کی سوچ آئی ایم ڈی ٹی کی سمجھ اگر صحیح راستے پر نہیں آتی تو آج یہ گیت گانا مشکل ہوتا۔ ہندوستان میں اور جس دن آئی ایم ڈی ٹی کو عدالت کے اونچے دروازہ سے اس کے اوپر باہر ہوا، میرے سامنے جج صاحب کا پکچر تو نہیں آیا، میرے سامنے پارلیمنٹ کی بحث کی بات بھی نہیں آئی، میرے سامنے اسعد مدنی صاحب کو میں نے روتے دیکھا، مجھے ایسا لگتا تھا اس لیے ان کے یوگدان (تعاون) آسام کو انٹی گریشن (Intigration) کے بارے میں، ان کی یوگدان قوم کے ساتھ سرکار کے حصہ کے مسئلہ میں اور گجرات کے سمے اتنا شانت ہو کر کہ ہم لوگ تڑپ رہے تھے کہ یہ کریں گے وہ کریں گے، کوئی سمجھتے تھے کہ اس کو گرا دو، اس کو اُٹھا دو، لیکن جو دورات میں نے ان کے ساتھ چرچہ کیا کیونکہ ورودھی پکش (حزب مخالف) کی ساری ذمہ داری سونیا جی نے ہم کو دیا تھا، ہماری پارٹی کو گجرات جاکے، گجرات جانے کے پہلے اور گجرات آنے کے پہلے، ان کا ہر خیال ان کی ہر سوچ مجھے طاقت اور ہمت دیا، اُتنا ہی نہیں، مجھے اتنا ضرور سندیس (پیغام) دیا کہ راجنیتک کے لیے فائدہ مت اُٹھاؤ۔ ان کی لمبی سوچ کے ساتھ چلو۔ کیونکہ

جو آج گجرات میں ہو رہا ہے وہ کل مہاراشٹر میں بھی ہوسکتا ہے، یہ درشٹی کون مجھے بہت پسند آیا، اور اس قدم کو لے کر میں نے چلنے کی کوشش کی، آج آپ لوگ یہاں جمع ہیں، آپ کی سنستھا ان وچاروں کی درشٹی کرے اور خاص طور سے نئی پیڑھی کے اندر وہ وچار اور تازہ سے تازہ پکڑ لے، یہی میری پرارتھنا ہے۔ اسی لیے میں یہاں پہنچا ہوں، میں نہیں چاہتا ہوں کہ راجنیتک پارٹیوں کو ان کی ساری جو دیش کے لیے دین ہے وہ چھوٹا ہو جائے ان کو آگے رکھئے اوپر رکھئے، باقی پارٹی اپنا فیصلہ سنائے کوئی بات نہیں۔ اسعد مدنی صاحب کو کوئی پارٹی کے دروازے کے اندر گھیر کر ہم دیکھنا نہیں چاہتے ہیں۔ وہ بھارت کی آزاد انڈیا کی فری انڈیا کی ایسے ایک نیک انسان تھے ایسے ایک نیتا تھے، ایسے ایک چیتن وِت (فکرمند) آدمی تھے جس کی آواز، جس کا پیغام ہمارے دیش کو اگلے اتیہاس بنانے میں مدد دے گا، اس کو کسی پارٹی کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہتے ہیں، اتنا ہی کہتے میں اسعد مدنی صاحب کے سامنے ان کی آتما کی قدر کرتے ہوئے ان کی ساری پرتشٹھا (عظمت) کے سامنے اپنا سر جھکا تا ہوں اور آپ لوگوں کو دوبارہ میرا اسلام پیش کرتا ہوں۔ جے ہند!

- موصوف کی تقریر پر حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب نے فرمایا:

داس منشی صاحب صرف یہیں نہیں بول رہے ہیں بلکہ جب گجرات میں نسل کشی ہوئی تھی، تو ان کی جو پارلیمنٹ کی تقریر ہے، وہ اگر اُٹھا کر دیکھی جائے، بے مثال ظلم کے خلاف ایسا بولے ہیں کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ظلم کے مخالفوں میں یہ آدمی پارلیمانی تاریخ میں سرفہرست لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ خاص طور سے اگر آپ گجرات کے معاملے کو دیکھیں گے، اس وقت یہ پارلیمانی امور کے وزیر بھی ہیں جس کا ذکر کر رہے تھے کہ دو دن کے بعد پارلیمنٹ کا سیشن شروع ہونے والا ہے اور مختلف طرح کی مصروفیات بھی ہیں۔

- میں اب درخواست کروں گا حضرت مولانا سیّد اسجد مدنی صاحب دامت برکاتہم سے، چچا سے کہ وہ آئیں اور اپنے تاثرات پیش فرمائیں۔ تشریف لائیں، آجایئے! (موصوف نے معذرت کرلی)
- اچھا اب حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب دامت برکاتہم سے درخواست ہے کہ وہ تشریف لائیں اور مختصر ترین وقت میں اپنے مقالے کا خلاصہ پیش فرمائیں۔
- چنانچہ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نے اپنا مقالہ دیکھ کر پڑھا ہے۔
- اس کے بعد معروف محقق اور صاحبِ قلم حضرت مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی نے اپنا مقالہ بعنوان ''شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور مولانا سیّد اسعد مدنیؒ'' پیش کیا۔
- اس کے بعد حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب مئوائمہ الہ آباد نے اپنا مقالہ پڑھ کر

سنایا۔

- بعد ازاں حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب نے صدر اجلاس کو دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

وقت بہت ہوگیا ہے، اس اجلاس کے صدرِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم، جو رئیس ہیں مرکز الفکر الاسلامی بنگلہ دیش کے اور صرف ایک ہی نہیں بلکہ بہت ساری انجمنوں کے سرپرست ہیں بزرگ ہیں، بے شمار اعذار اور تکلیفوں اور دقتوں کے باوجود حضرت مفتی صاحب سیمینار میں تشریف لائیں ہیں، ہم صمیم قلب سے حضرت کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور استقبال کرتے ہیں۔ اور حضرت سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے کلماتِ صدارت سے اس مجلس کو نوازیں گے۔

- اس کے بعد حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلہ دیشی نے اپنا مقالہ دیکھ کر پڑھا ہے۔
- صدر اجلاس کے مقالہ کے بعد حضرت مولانا سیّد ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی دعا پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔

چوتھی نشست

سہ شنبہ، ۱۵؍ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴؍ اپریل ۲۰۰۷ء— بوقت ۳۰: ۸ تا ۳۰: ۱۱ بجے
زیر صدارت حضرت مولانا محمد ایوب کاچھوی صاحب، ناظم جمعیۃ علماء جنوبی افریقہ

• تلاوت ونعت کے بعد جناب ڈاکٹر رشید الوحیدی نے ایک نعت پڑھ کر سنائی اور نعت سے قبل درج ذیل کلمات کہے:

حضرات! بڑی خوش نصیبی ہے کہ میری اور اس وقت جذبات بھی بہت زیادہ مجروح ہیں۔ حضرت فدائے ملتؒ اکثر حکم فرمایا کرتے تھے کہ کانفرنس یا سیمینار میں تجھے کچھ پڑھنا ہے۔ جب تک میں اس قابل رہا یعنی جوان رہا، بڑی لے سے پڑھا کرتا تھا۔ حضرت خوش ہوتے تھے، پھر بڑھاپا آ گیا اور آواز بھی نہیں رہی، لیکن تعمیل حکم کرتا رہا۔ اس وقت میرے لڑکے کی ذمہ داری تھی کہ حاضر ہوتا اور کچھ پیش کرتا مگر بیچارا وہ بیمار ہے۔ میں نے مولانا محمود مدنی صاحب سے عرض کیا کہ وہ روایت میں نبھانا چاہتا ہوں۔ ازراہِ کرم انھوں نے اجازت دے دی۔ میں ایک نعت پیش کروں گا۔ یہ اپنے وقت کے ادیب اور مجاہد حضرت شیخ الاسلامؒ، مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری کے عاشق، پاکستان اور ہندوستان کے مشہور مجاہد جناب شورش کاشمیری کی ایک نعت ہے۔ بڑا منفرد طرز ہے۔ بڑا عجیب مضمون ہے۔ پڑھنے والا بیچارہ کمزور ہے لیکن آپ اس کے مضمون سے لطف اندوز ہوں۔

(درمیان میں مولانا ارشد مدنی صاحب تعارف کراتے ہوئے فرمایا):

• یہ بھائی رشید الوحیدی ہیں، میرے جو سب سے بڑے تائے تھے، حضرتؒ کے سب سے بڑے بھائی سیّد صدیق علیہ الرحمہ، جن کا انتقال مدینہ منورہ کے اندر ہوا تھا، ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ سیّد وحید احمد صاحب جن کی پرورش اور گویا پوری زندگی اور تعلیم وتعلّم حضرت نے کی ہے۔ وہ اس لیے حضرت کے ساتھ ساتھ سائے کی طرح رہے کہ وہ مالٹا میں بھی حضرت کے ساتھ ساتھ رہے، پھر اس کے بعد ہندوستان آئے اور حضرت سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ حضرت نے مجھے سنایا کہ ایسا تھا کہ وہ ملازمت کے لیے گیا اور میرے پاس پچاس روپے کا منی آرڈر کر کے بھیجا اور کہا اس منی آرڈر میں کہ میرے پاس کوئی مکان نہیں ہے، میں پیسے بھیج رہا ہوں، اس کا مکان بنوا دیجئے گا پچاس روپے میں۔

حضرتؒ کو اتنا تعلق تھا کہ زمین خریدی اور اپنا مکان بنانے سے پہلے حضرتؒ نے ان کو مکان بنا کر دیا اور یہ ان کے منجھلے صاحبزادے ہیں۔ بڑے بھائی فرید الوحیدی تھے۔ وہ حضرت فدائے ملتؒ کے ہم عمر تھے۔ سارا بچپن ان کے ساتھ گزرا، یہ ان کے چھوٹے بھائی ہیں، یہ اس وقت اس کو پیش کریں گے۔

نعت شریف

ہم پر ہو تیری رحمت جم جم — صلی اللہ علیہ وسلم
تیرے ثنا خواں عالم عالم
تیری رسالت عالم عالم — تیری جلالت پرچم پرچم
تیری نبوت خاتم خاتم — ہم پر ہو تیری رحمت جم جم
دیکھ تیری امت کی نبضیں — ڈوب چکی ہیں ڈوب رہی ہیں
دھیرے دھیرے مدھم مدھم — صلی اللہ علیہ وسلم
ہم پر ہو تیری رحمت جم جم
دیکھ صدف سے موتی ٹپکے — دیکھ حیا کے ساگر چھلکے
سب کی آنکھیں پرنم پرنم — صلی اللہ علیہ وسلم
ہم ہیں تیرے نام کے لیوا — اے دھرتی کے پانی دیوا
یہ دھرتی ہے برہم برہم — صلی اللہ علیہ وسلم
اے آقا اے سب کے آقا — ارض و سماء ہیں زخمی زخمی
ان زخموں پر مرہم مرہم — صلی اللہ علیہ وسلم

اب اس میں اس موقع پر ابھی ایک تضمین میری بھی گوارا فرما لیجیے:

اب تو فدائے ملت بھی ہم محروموں کو چھوڑ گئے ہیں
ہوگئے اب ہم دردِ مجسم، صلی اللہ علیہ وسلم

- نعت کے بعد پاکستان سے تشریف لائے ہوئے معزز مہمان جناب ڈاکٹر خالد محمود سومرو نے ذیل کا بیان فرمایا:

جناب ڈاکٹر خالد محمود سومرو صاحب (پاکستان)

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:

ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے یا یوں کہ ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر

پیار کرتے ہیں۔ محبت کا لفظ ''حبہ'' سے بنا ہے۔ حبہ دانے کو کہتے ہیں۔ جس طرح مناسب زمین ملنے پر مناسب ماحول میں دانے سے درخت بنتا ہے، پودا بنتا ہے، جو پھل پھول دیتا ہے۔ اس طرح سمجھ لیں کہ ابتدائی محبت کا بیج تو ہر دل میں ڈال دیا گیا ہے۔ **کل مولود یولد علی الفطرہ**۔ پھر اگر اس کو مناسب ماحول ملے تو وہ پھل دے گا، پھولے گا اور یہ بندہ اللہ کا ولی بنے گا۔

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اللہ والے تھے، مردِ مومن تھے، مردِ حق آگاہ تھے۔ میں نے بارہا برطانیہ میں مختلف پروگراموں میں ان کی زیارت بھی کی، ان کے بیانات بھی سنے۔ ایک آدھ مرتبہ سعودی عرب میں اور ایک آدھ مرتبہ یہاں ان کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ میں نے اپنے بڑوں سے اللہ والوں کی جو نشانیاں سنی ہیں، وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اللہ والوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کا ایمان کامل ہو اور ان کا عمل صالح ہو۔ یہ دونوں چیزیں حضرت میں موجود تھیں۔ ان کا عقیدہ صحیح عقیدہ تھا۔ وہ شرک و بدعات سے کوسوں دُور تھے، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ شرک، توحید کی حزبِ اختلاف ہے اور بدعت، سنت کی حزبِ اختلاف ہے۔ مشرک، اللہ کا باغی ہے، اور بدعتی، اللہ کے رسول کا باغی ہے۔ وہ موحد تھے اور ان معنوں میں کہ:

موحد تو دریائے ریزی زرست | تو شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و حراسش نباشد زکس | این است بنیاد توحید و بس

ایمانِ کامل اور اعمالِ صالحہ یہ دونوں چیزیں حضرت میں بدرجہ اتم موجود تھیں اور اعمالِ صالحہ میں دو چیزیں جو بہت ضروری ہوا کرتی ہیں، ایک صدقِ مقال اور ایک رزقِ حلال، ان چیزوں کے سوا گزارا نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَکَلَ طیبّاً و عَمِلَ بالسنّة و اَمِنَ الناس بَوائقه دخل الجنّة. حضرتؒ اس حدیث کے صحیح مصداق تھے۔ وہ ذاکر تھے، ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے۔ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے **أَلا بذِکر اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ القلوب** اور یہ آپ سب جانتے ہیں کہ:

دُنیا سے، نہ دولت سے، نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ملتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

اور وہ شب زندہ دار تھے، رات کو رونے والے تھے۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ **فرسانٌ بالنهار رهبان بالليل** رات کو وہ مصلوں پر رہتے تھے اور دن میں گھوڑوں پر سواری کیا کرتے تھے۔ حضرت دن کو سفر کیا کرتے تھے، لوگوں کے دُکھ درد بانٹتے تھے اور رات اللہ کے حضور روتے تھے۔ ان کو شعائر اللہ سے

محبت تھی۔ یہ بھی اللہ والوں کی ایک بہت اہم نشانی ہے۔ بیت اللہ: یہ شعائر اللہ، کلام اللہ: یہ شعائر اللہ، رسول اللہ یہ شعائر اللہ، اور اللہ والے خود بھی شعائر اللہ میں ہیں اور اللہ والوں کے جس چیز سے قدم جڑ جائیں، نسبت ہو جائے وہ چیز بھی شعائر اللہ میں سے بن جاتی ہے۔ **اِنّ الصفا و المروة من شعائر الله**. وہ پہاڑیاں تھیں مگر بی بی ہاجرہ صابرہ کے قدم لگ گئے تو یہ پہاڑیاں بھی شعائر اللہ میں سے بن گئیں۔ خدا پرستی کے ساتھ ساتھ انسان دوستی بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور **التعظیم لأمر اللّٰه والشفقة علی خلق اللّٰه**. یہ چیزیں اگر کوئی دیکھنا چاہتا تھا تو حضرت اس کے مجسم تھے کیونکہ فرمایا گیا کہ **الخلق عیال الله**. وہ اللہ پر بھروسہ کرنے والے تھے۔ **ومن یتوکل علی اللّٰه فهو حسبه**. عجز وانکساری کوئی سیکھنا چاہتا تو ان کے پاس آجاتا۔ کبر ونخوت سے وہ کوسوں دور تھے، اور وہ ہمیشہ موت کے مشتاق ہوتے تھے۔ کیونکہ **تحفة المومن الموت، الموت یوصل الحبیب الی الحبیب**. اور وہ یہی پیغام دیتے تھے:

خود کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے، تیری ہستی کا رنگ وبو نہ رہے
ہو میں اتنا کمال پیدا کر، کہ بجز ہو کے ہو نہ رہے

اور وہ جس مقام پر پہنچے تھے اس مقام کا تقاضہ بھی یہ تھا کہ وہ ہم سے کہنا چاہتے تھے کہ:

تو خاک میں مل اور آگ میں جل
جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دِلوں کے عنصر پر
بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

اور وہ اس مقام پر پہنچے تھے کہ شاید انہی لوگوں کے لیے کہا گیا ہے کہ **الذین اذا رؤا ذکر الله** اس کے لازمی اثرات تھے:

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

یہ درجے آسانی سے نہیں ملا کرتے۔ بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ کبھی آپ کُرتے سے پوچھیں، قمیص سے پوچھیں کہ کسی کے سینے سے لگنے کے لیے اس نے کتنے مراحل طے کیے ہیں؟ وہ آپ کو بتائیں گے، وہ کرتہ آپ کو کیا بتائے گا؟ چھریاں چلیں، قینچیاں چلیں، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے، اس میں سوئیاں چبھوئی گئیں، دھویا گیا، اس پر ڈنڈے پڑے، اس کو صاف کیا گیا اور گرم استری اس کے اوپر گھمائی گئی تب جا کر یہ قمیص کسی کے سینے سے لگنے کے قابل ہوتی ہے، اور کبھی مہندی سے

پوچھیں کہ کسی کے ہاتھ پر لگنے کے لیے اس نے کتنے مرحلے طے کیے ہیں۔ جس نے بھی کہا بڑا خوب کہا کہ: یہ مہندی کٹی کچلی گئی، بھیگی پیسی گئی، روندی گئی مہندی، جب اتنے دُکھ سہے تو یار کے ہاتھ پر لگی مہندی۔ اور وہ لذت آشنائی کا مقام حاصل کر چکے تھے:

عجب چیز ہے لذت آشنائی — تو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

پر جب وہ اس مقام قرب کو پہنچے تو یوں نظر آئے:

عشق والے مدام چلتے ہیں — صبح چلتے ہیں شام چلتے ہیں
جیسے پیچھے غلام چلتے ہیں — ساتھ چلتی ہے ان کے یوں دُنیا

وہ ہم سے کہتے تھے کہ:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

اور انھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی، الزامات برداشت کیے، لیکن وہ دیکھ چکے تھے کہ ہماری کامیابی جب ممکن ہوگی جب ہم متحد ہوں گے اور پھوٹ کے نقصانات ان کے سامنے تھے، تو وہ اکثر یہی کہا کرتے تھے کہ:

اے پھوٹ تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا اس کو مٹا کے چھوڑا

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت اقدس کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے!

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

- اس کے بعد جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے جنرل سیکریٹری جناب مولانا عبدالغفور حیدری صاحب نے بیان فرمایا۔

مولانا عبدالغفور حیدری صاحب (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْن. قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: العلماء ورثۃ الانبیاء. صدق اللہ رسولہ النبی الکریم.

صدر ذی وقار، صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب مدظلہ العالی، برادر محترم ومکرم حضرت مولانا محمود مدنی صاحب، میرے اکابر علمائے کرام!

آج کا یہ باوقار اور عظیم الشان سیمینار فدائے ملت، جانشینِ شیخ الاسلام مرحوم حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی یاد میں منعقد کیا جارہا ہے۔ وقت کی قلّت کے باعث میں شاید بات کو زیادہ آگے نہ بڑھا سکوں۔

خاندانِ ولی اللّٰہی اور خاندانِ مدنی — ہندوستان کے آپ علمائے کرام مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ جن حالات میں، جن مشکلات میں ہمارے ان اکابرین نے امت کی اصلاح اور انسانیت کی بہتری کے لیے تحریکیں چلائیں اور اگر آج بھی مسلمان ہندوستان میں کسی درجہ بہتر زندگی گزار رہے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ان اکابر ہی کی جہدِ مسلسل کا نتیجہ ہے۔ میں نے دو خاندانوں کا نام لیا، آپ ایسا محسوس نہ فرمائیں کہ گویا جو کچھ ہندوستان میں ہوتا رہا، باقی کسی کا اس میں حصہ نہیں، بلکہ کس کس کا نام لوں اور کہاں تک لوں۔

ہندوستان کی آزادی میں اور جدوجہد میں جن مجاہدین کا خون شامل ہے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ جب عالمی استعمار انگریز سامراج نے برصغیر پر قبضہ کیا تو پھر اس نے ایک ایک کرکے علماء کو شہید کیا۔ چوراہوں پر لٹکایا، اور باقی کے لیے ان کی لاشوں کو عبرت کے نشان بنانے کے لیے کئی دنوں تک وہ چوراہوں پر لٹکتے رہے، درختوں پر لٹکتے رہے۔ یہ سارے مجاہدین، یہ سارے غازی، یہ اس قافلے کے اراکین تھے۔ بہر حال میں اختصار کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ فدائے ملتؒ نے جو مشن شروع کیا تھا، انھیں یہ مشن بھی اسلاف سے ملا، اس مشن کو ہم سب نے جاری رکھنا ہے۔

میرے عزیز دوستو! آج مسلمانوں کو دہشت گرد کہا جارہا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اس اصطلاح میں مسلم غیر مسلم سب شامل ہیں۔ صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ آخر یہ کیا وجہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کوئی غلط کام کرتا ہے تو اسے اس غلط کام کو اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کو اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر کوئی غیر مسلم اس طرح کا کام کرے تو اس کے اس کردار کو اس کے مذہب سے نہیں جوڑا جاتا۔ مثلاً امریکی صدر بش، میں سمجھتا ہوں کہ وہ انسانیت کا قاتل ہے لیکن ہم نے کبھی اس کے اس کردار کو عیسائیت سے تعبیر نہیں کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے تعبیر نہیں کیا کہ جو بش کر رہا ہے، امریکہ کر رہا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ہے یا اسرائیل جو کر رہا ہے فلسطین کے ساتھ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ہے، یا جہاں کہیں بھی کوئی فرد کوئی مملکت ظلم و زیادتی کرتا ہے کسی فرد سے تو اس کے کردار کو، اس کے مذہب، اس کے تعلیمات سے تعبیر نہیں کیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی مسلمان کوئی غلط کام کرتا ہے جو کہ اسلام اور شریعت کی نظر میں بھی غلط ہے اس کو اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے، پھر اس کو جواز بنا کر مسلمانوں کا قتل عام کیا

جاتا ہے تو اس بات کو ہمیں بھی سمجھنا ہے اور دُنیا کو بھی سمجھنا ہے کہ اگر مسلمان کوئی غلط کام کرتا ہے تو اس کو ہم بھی کنڈم کرتے ہیں، لیکن اس کے اس کردار کو آپ اسلامی تعلیمات سے تعبیر نہ کریں۔ اب دُنیا میں آج کل خود کش حملے ہو رہے ہیں، اور زیادہ تر اس چیز کی نسبت بھی مسلمانوں کی طرف کی جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ خود کش حملے جائز ہیں یا ناجائز؟ صحیح ہے یا غلط ہے؟ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں دُنیا کے مقتدر قوتوں سے کہ ایک نوجوان اس حد تک کیوں مجبور ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی مار ڈالتا ہے اور اپنے دشمن کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے؟ وہ اٹھارہ سال، بیس سال کا، پچیس سال کا جوان، وہ یہ فیصلہ کیوں کرتا ہے کہ وہ اپنی جان کو اللہ کے حوالہ کرتا ہے، اپنی جان کو مار ڈالتا ہے، اس کی وجوہات کیا ہیں؟ اس پر نہ بش نے سوچا نہ دُنیا کی اور کسی طاقت نے سوچا کہ ایک آدمی اس حد تک مجبور کیوں ہوتا ہے یا یہ اقدام کسی ناانصافی کا نتیجہ تو نہیں ہے؟ کسی جبر اور ظلم کا نتیجہ تو نہیں ہے؟ تو اس لیے ہمیں اس بات کو بھی دُنیا کو بتانا ہے کہ اگر عالم میں امن چاہتے ہو تو انصاف کے پیمانے سب کے لیے یکساں ہونے چاہئیں۔ مظلوم کے لیے الگ ہوں، اقلیت کے لیے الگ ہوں، اور اکثریت کے لیے الگ ہوں تو پھر میں بتانا چاہوں گا، تو پھر دُنیا میں امن قائم نہیں ہوگا، اور اگر دُنیا میں طاقت اور اکثریت کے بوتے پر امن قائم ہوتا تو افغانستان امن کا گہوارہ بن چکا ہوتا، عراق امن کا گہوارہ بن چکا ہوتا، فلسطین میں امن قائم ہو چکا ہوتا، لیکن طاقت امن کی علامت نہیں ہے۔ امن کی علامت عدل ہے، امن کی عدامت انصاف ہے اور اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے۔ اسلام آشتی اور محبت کا دین ہے، اخوت اور بھائی چارے کا دین ہے۔ اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنا اسلام کو خود کش حملوں سے جوڑنا، کسی مسلم کے غلط کردار سے جوڑنا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسلام کے ساتھ ناانصافی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فدائے ملتؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

مولانا محمد رفیق بڑودوی (گجرات)

اس کے بعد مولانا رفیق بڑودوی صاحب گجرات نے درج ذیل خطاب فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ صاحب کے کارناموں کو سن کر بڑے حضور کی یاد آتی ہے۔ دو تین اشعار پڑھ دوں اور حضرت کی ایک بات کہہ کر اجازت لوں گا۔

لہو میں دردِ نبی کا جسم اطہر یاد آتا ہے
تڑپ جاتا ہوں جب طائف کا منظر یاد آتا ہے
مسلماں رات دن سرگرم ہیں محلوں کی خواہش میں
کسے سرکار دوعالم کا گھر اب یاد آتا ہے

فدائے ملت ہم کو یہ کہہ کر گئے ہیں کہ، دھیان سے سن لیں:

مسلمانوں کو نیند آتی ہے اب ڈنلپ کے گدّوں پر
رسول اللہ کا اب کس کو بستر یاد آتا ہے
مسلمانوں کی کثرت پر بڑی حیرت سی ہوتی ہے
مجھے جب تین سو تیرہ کا لشکر یاد آتا ہے
سکوں دیتا نہیں کوئی تصور باغِ جنت کا
مجھے منصور جب شہرِ مدینہ یاد آتا ہے

بھائیو! حضرت فدائے ملتؒ کی زندگی پر صدرِ محترم جناب مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب نے بڑی عجیب بات کہی کہ ان کا پیغام یہی تھا کہ ہم سب ایک ہوں:

منتشر قوم بہت جلد فنا ہوتی ہے
اور متحد قوم کے بازو میں بقا ہوتی ہے

اور ہمارے وزیر اعظم اس ملک کے جو کہہ کر کے گئے ہیں اس کا بہت بڑا اثر میں لے کر جاتا ہوں اور گجرات میں کہوں گا، جہاں جہاں میرے بیانات اور پروگرام ہوں گے، ابھی بھی میں گجرات کے دو پروگرام کینسل کر کے آیا ہوں، اس سیمینار میں حاضری میرے لیے بلکہ امت کے ہر فرد کے لیے ضروری سمجھا۔

وزیر اعظم نے یہی کہا کہ فدائے ملتؒ انسان کو انسانوں سے ملانے کے لیے آئے تھے اور پھر انسان کو اللہ سے ملانے کے لیے آئے تھے، بس میں یہی کہوں گا حضرتؒ کی شان میں:

مرنا بھلا ہے اس کا جو اپنے لیے جئے؟
جیتا ہے وہی شخص جو مرے غیر کے لیے

اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو ہم سب کے لیے خیر کا ذریعہ بنائے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

- بعد ازاں ڈاکٹر مسعود اعظمی صاحب (امیر الہند اوّل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

محدث اعظمؒ کے نواسے) نے مقالہ پیش کیا۔

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب

مجھے اس بات کا بہت احساس اور تجربہ بھی ہے کہ ہمارے مقالہ نگار حضرات جو بڑی محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ مقالہ مرتب فرماتے ہیں، اور پیش کرنے کے لیے پورا وقت نہیں مل پاتا، لیکن انشاء اللہ جلد ہی یہ سارے مقالات مجموعہ کی شکل میں شائع کیے جائیں گے اور شائقین اس سے مستفید ہوں گے۔

اور اصل مقصد سیمینار کا یہی ہوتا ہے کہ اس شخصیت کے اوپر لوگوں کے تاثرات، یادداشتیں جو کسی ایک آدمی کے لیے جمع کرنا مشکل ہوتے ہیں، مختلف زاویوں سے، مختلف انداز سے اس بہانے جمع ہوجاتی ہیں۔ تو ہم سب مقالہ نگار حضرات کے نہایت دل کی گہرائیوں سے مشکور ہیں کہ انھوں نے بڑی محنت اور جدوجہد کے ساتھ مقالے مرتب کیے۔ اب تک ہمارے پاس نوّے مقالے حضرت کی خدمات پر جس میں تو بعض بہت ہی وقیع ہیں اور بہت محنت سے لکھے گئے ہیں، ہم سب ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں، لیکن پھر بھی درخواست یہی ہے کہ اپنے مقالہ کے نچوڑ اور خلاصہ کو اپنے الفاظ میں بیان فرمائیں، اس لیے کہ وقت بہت کم ہے اور بہت سے حضرات ہمارے ابھی باقی ہیں۔

میں درخواست کررہا ہوں حضرت مولانا مفتی رحمت اللہ صاحب، مہتمم جامعہ رحیمیہ بانڈی پورہ، کشمیر۔ تشریف لائیں اور تلخیص پیش فرمائیں۔ (موصوف نے اپنے مقالہ کی تلخیص پیش فرمائی)

مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب

میں نے کل یہ عرض کیا تھا کہ ہمارے حضرتؒ کا ایک پہلو یہ تھا کہ انھوں نے ہمیشہ ظلم کے خلاف لڑائی لڑی اور پچھلے چند سالوں میں ہندوستان کے کمزور پسماندہ اور طویل عرصہ سے مظالم کے شکار رہے مختلف اقوام کو جوڑنے کے لیے کافی کوشش کی۔ آندھرا پردیش میں، یوپی میں، مختلف جگہوں پر ایک ساتھ کھان پان کا پروگرام کیا، ایک پلیٹ میں ایک ساتھ کھایا کرتے تھے۔ ہمارے بیچ میں شکاگو سے آئے ہوئے ڈاکٹر راہل دیپانکر صاحب موجود ہیں جو بہت اچھے ڈاکٹر بھی ہیں۔ میں شکاگو گیا تھا تو انھوں نے وہاں بڑا زوردار پروگرام کیا تھا۔ یہ President (صدر) ہیں انڈین بدھسٹ ایسوسی ایشن، یو.ایس.اے (USA) کے اور یہاں بھی کئی تنظیمیں چلا رہے

ہیں۔سوشل ورکر بھی ہیں۔دلتوں کے لیےاور مائناریٹیز رائٹس کے لیے تقریباً تیس پینتیس سالوں سے کام کر رہے ہیں۔تو میں ڈاکٹر راہل دیپانکر صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ تشریف لائیں اور دس منٹ میں اپنی بات پوری کریں۔

ڈاکٹر راہل دیپانکر

آج کی سبھا کے صدر مولانا مدنی صاحب، اس دیش کے مہان منشّیہ (عظیم انسانوں) پچھڑے اور کمزور لوگوں کو آگے اُٹھانے والے سوشل ریفارم اور ہمارے ایکشن فیلوشکا گو، چودھری اجیت سنگھ جی، سبھا کے کنوینر جناب مولانا منصور پوری، میرے دوست اور گائڈ مولانا محمود مدنی صاحب، تمام مہمان بھائیو!

میں صحیح جگہ ہوں مگر میرے پاس کہنے کو ایسا کچھ نہیں ہے، جو یہاں کہا جاچکا ہے اس میں کچھ جوڑسکوں، لیکن اتنا میں ضرور کہنا چاہتا ہوں۔شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ میں اپنے آپ کو بہت بھاگیہ شالی (خوش قسمت) اور لکی اپنے آپ کو سمجھ رہا ہوں کہ آپ کے ساتھ بیٹھنے کا موقع مل رہا ہے۔آپ سے سیکھنے کو مل رہا ہے، سیکھ مل رہی ہے، جب مولانا مدنی صاحب نے بولا کہ آپ کو شکاگو سے ضرور آنا ہے، مجھے اتنا نہیں معلوم تھا کہ مجھے اتنا دھن، اتنا گیان آپ کے ساتھ بیٹھ کر ملے گا، میں اس کے لیے بہت بہت شکرگزار ہوں اور آپ کا آبھاری ہوں۔میں نے پڑھا ہے اور پڑھنے سے سے زیادہ محسوس کیا ہے اور جیا بھی ہے اس راست کی زندگی کو۔بہت سوچنے کے بعد میں نے یہ طے کیا کہ ہوسکتا ہے کہ میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے، جو میری زندگی ہے، میری ہستی ہے اس میں ان تمام لوگوں کا حصہ ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی خدمتِ خلق میں تیاگ دی۔چاہے بابا صاحب امبیڈکر ہوں، چاہے چودھری چرن سنگھ ہوں، یا ہمارے حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ، تو میرا ایک فرض بنتا ہے کہ میں کم سے کم ایسی ہستی کو نمن کرنے ضرور جاؤں، اس کے ساتھ میری ایک بہت بڑی جگیاسا (تجسّس) کیوریاسٹی تھی کہ ایسی ہستیاں بنتی کیسے ہیں۔کچھ چیزوں کا خیال آیا۔ایک بہت بڑی بات اس ہندوستان میں ہوتی ہے جو اس سوال کے جواب میں انھوں نے کہا۔ I tell you it is easy۔

یہ بہت آسان ہے بالکل اکیلے میں میڈیٹیٹ کرے، دُنیا سے الگ ہوجائے، سنیاس لے لے، یہ بھی بہت آسان ہے کہ کتابیں پڑھ پڑھ کے نالج اور گیان کا گھمنڈ دِکھائے۔یہ اور بھی آسان ہے کہ یونیورسٹی میں بیٹھ کر صرف میڈیٹیٹ کرے اور لکچرشپ کی چیئر میں بیٹھے۔لیکن مجھ

سے یہ پوچھو کہ مشکل کیا ہے؟

یہ بہت مشکل ہے کہ اپنے آپ کو آلمائٹی (اللہ) کے سامنے سرینڈر کرنا اور مائٹی (مخلوق) کے ساتھ صاف زندگی جینے کے ساتھ ساتھ، ڈیووشن سے خدمتِ خلق کرے یہ مشکل ہے۔ اور جوش وخروش سے اس سماج جنتا کے بیچ میں جا کے جدوجہد کرے، جنگ میں بیچ میں کود ے یہ مشکل ہے۔ یہ شبد اس ہستی کے ہیں جس کو کہا جاتا ہے شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی صاحبؒ۔

اب مجھے کل سے آج تک سنتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہستی جو ہمیں مولانا اسعد مدنی صاحبؒ میں دِکھائی دیتی ہے وہ کہاں سے آئی۔ ان لفظوں سے مجھے پتہ چلا کہ وہ ہستی وہ زندگی جس کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں، لائف اینڈ کنٹری بیوشن، ان میں کوئی علاحدہ پن نہیں ہے۔ زندگی جینا اور کنٹری بیوشن ایک ہی چیز ہے۔ ایسے سنت کوئی دوہری زندگی نہیں بتاتے۔ چاہے ٹیچر کی حیثیت سے دارالعلوم میں یا بیالیس سال کی سیوا جمعیۃ علماء ہند کی، یا پھر پارلیمنٹرین کی حیثیت سے زندگی جی تو مائنارٹیز رائٹس کے لیے، ان کی آزادی کے لیے، ان کی شان کے لیے، ان کی عزت کے لیے، پیس کے لیے اور یہی نہیں، تمام ورلڈ کے پلیٹ فارم میں جا کے ٹیریزم چاہے کیسا بھی ہو اس کے خلاف انھوں نے آواز اُٹھائی۔ انٹرنیشنل پلیٹ فارم سے بولا، یہ جو اسٹیٹ ٹیریزم ہے ایک غلط آدمی، غلط کردار کا آدمی غلط کام کرتا ہے، بہت نقصان کرسکتا ہے، لیکن جب اسٹیٹ ٹیریزم شروع ہوتا ہے تو وہ کتنا نقصان کرسکتا ہے، اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ چاہے اسٹیٹ ٹیریزم اسرائیل سے آرہا ہو چاہے امریکہ سے آرہا ہو چاہے افغانستان میں ہو چاہے گجرات میں ہو، دہاڑ کے بولا امریکہ کو۔ یہ اسٹیٹ ٹیریزم بند کرو۔ یہ آواز حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی ہے۔ یہ وہ ہستی ہیں جنھوں نے محمود مدنی جیسی ہستی پیدا کی ہے، جو ہندوستان سے ہی نہیں پورے ورلڈ سے وہی آواز آگے اُٹھاتے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ کیوں لگے ہیں۔

بھائیو! بزرگو! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ہستی نے کچھ کانسپٹ (Concept) پیدا کیے تھے۔ انسان کو انسان سے ملاتے ہوئے انسان کو اللہ سے ملاتے ہوئے کچھ Concept کچھ آدرش پیدا کیے تھے، جن کو ملّت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انھوں نے ایک اور Concept پیدا کیا تھا، وہ ملت ہے لیکن ملت کے ساتھ ساتھ ایک قوم کی بھی ضرورت ہے اور انھوں نے فرق پیدا کیا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ ملت ایک ہی فیتھ (Faith) لوگوں کی ہو لیکن قوم میں ایک سے زیادہ تمام فیتھ کے لوگوں کے لیے جگہ ہوگی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی گیانی نے ان کی بات نہ مانی ہو، ہوسکتا ہے کہ یہ آرگومنٹ کہیں کتابوں میں لکھا ہو لیکن اس ملک کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس ملک نے، اس ملک کی جنتا نے،

اس ملک کے تمام فیتھ کے لوگوں نے یہ بات مانی ہے۔ اور بھائیو! میں یہاں کھڑے ہوکر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ میں ملت میں شامل نہ ہوں مگر میں اس قوم میں شامل ہوں اور اس قوم کے ساتھ جدو جہد میں لگا ہوں۔ مہمانو! نیتا گن! یہاں بہت سے ٹاپکس (Topics) پر بات ہوئی۔ ریزرویشن کی بات ہوئی ہے، میں آپ کے سامنے جیتا جاگتا ایگزامپل ہوں کہ ریزرویشن سے کچھ لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے اور جو ویکل سیکشن ہیں ان کو تھوڑا ریلیف بھی ملتا ہے لیکن بھائیو! اگر میرے دل کی بات پوچھو تو ریزرویشن کی ضرورت کہاں سے آئی؟ اس بات کو سوچتے سوچتے شرم آتی ہے۔ اس دیش کو شرم آنی چاہیے۔ یہاں ریزرویشن کی ضرورت ہو، اس سماج کو شرم آنی چاہیے جہاں یہ کچھ لوگوں کے ریزرویشن مانگنے کو منظور کیا جاتا ہے۔ آپ کو ریزرویشن ملے ضروری ہے، حق بھی ہے، لیکن میری خواہش دوسری ہے۔ مجھے تو دُنیا کی برادروڈ (اخوت) چاہیے۔ مجھے تو قوم چاہیے، مجھے تو عزت چاہیے، مجھے ایمان چاہیے۔ آپ میرا لے لیجیے اور آپ کے پاس جو کچھ ہے مجھے دے دیجیے۔

بھائیو! بڑی ہستیوں کی ایک یاد میں باتیں کرنے سے کام نہیں چلتا ہے۔ ہمارے اوپر بڑے بڑے اوبلی گیشن ہیں، فرض ہے، ہمارا فیوچر ہے، کیونکہ تمام ہستیوں میں، تمام قوموں میں میں یہ مانتا ہوں کہ ہندوستانی اسلام اور اس کے فولوور کے خاص لیڈر شپ موجود ہیں یہاں پر وہ کیوں؟ یہ قوم وہ ہے جس کو یاد ہے کہ انھوں نے شاسن کیا تھا۔ یہ وہ قوم ہے جس کو یاد ہے کہ غلامی میں بھی اور لوگوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے، یہ وہ قوم ہے جس کو یاد ہے کہ غلامی سے آزادی لینے کے لیے جس نے خون بہائے ہیں، یہ وہ قوم ہے جس نے آزادی پانے کے بعد بھی پچھڑا پن بھی دیکھا ہے، بھید بھاؤ بھی دیکھا ہے، آپریشن بھی دیکھا اور اسٹیٹ ٹیریزم بھی دیکھا ہے۔

بھائیو! اس قوم کو بنانے کے لیے ہمارے دل میں خاص لگن ہے، مجھے معلوم ہے کہ میرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ کیا ہوا ہے، کسی بھی اسٹیٹ میں کسی بھی ضلع میں جب کبھی رائٹس ہوئے ہیں، پولیس نے کس طرح کا برتاؤ کیا ہے، آرمی نے کس طرح کا ویوہار کیا ہے، میں یہ کیسے جانتا ہوں۔ بھائیو! سن لیجیے۔ آپ کو ساٹھ سال کا تجربہ ہے، اس بات کو پہچاننے کے لیے ہمارے پاس تین ہزار سال کی ٹریننگ ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ ان درد کی گلیوں میں کیسے رہا جاتا ہے اور وہاں سے آزادی کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے اور حضرتؒ جیسے لوگ جو ہمارے سامنے دعویٰ پیش کرکے کیے ہیں ہم کو یہ وعدہ لینا پڑے گا، ہم کو قسم کھانے پڑی گی کہ اس جدوجہد میں، اس سنگھرش میں، اس قوم کے آگے بڑھائیں، بڑا بنائیں گے، اور ان آدرشوں کو پورا کریں گے۔ میں اپنی بات اسی کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ! جے ہند، جے بھارت!

مولانا محمود مدنی صاحب

یہ تھے ڈاکٹر راہل دیپانکر صاحب۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا صرف چوبیس گھنٹہ کے نوٹس پر انھوں نے شکاگو کے تمام مسلم تنظیموں اور ذمہ دارلوگوں کو جمع کیا تھا اور بہت بڑا پروگرام کرایا تھا۔ گجرات کے موقع کے بعد میں نے ان کے ساتھ کئی موقعوں پر کام کیا ہے۔شکرگزار ہیں، یہاں تشریف لائے اتنا لمبا سفر کرکے۔

اب میں دعوت دوں گا کسانوں کے رہنما، کسانوں،مزدوروں،غریبوں کی آواز بلند کرنے والے اور میرا تعلق جس پارٹی سے اس کے قائد بھی یہی ہیں۔ان سے درخواست کروں گا کہ تشریف لائیں اور دس منٹ میں اپنی بات پوری فرمائیں۔

جناب چودھری اجیت سنگھ صاحب

السلام علیکم

مولانا ارشد مدنی صاحب، میرے چھوٹے بھائی محمود مدنی، جمعیۃ علماء ہند کے عہدہ داران اور معزز مہمان! آج مولانا اسعد مدنی کے دیش سماج کے پرتیک ان کے مہان پر آیوجت (منعقدہ) انٹرنیشنل سیمینار میں شرکت کرنے حضرات کو میں مبارکباد دیتا ہوں۔ مولانا اسعد مدنیؒ نے ہمیشہ دیش میں بھائی چارہ قائم رکھنے کے لیے کام کیا۔ مولانا اسعد مدنی ایک سچے دیش بھگت اور بھارتی مسلمان کے سچے پروکتا (ترجمان)، جمعیۃ علماء ہند کے مہان نیتا،تتھا دارالعلوم کے پیٹرن تھے۔

(مقالہ دیکھ کر پڑھا ہے،مقالہ زیرنظر کتاب میں ہے)

- **مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب**:

میں درخواست کروں گا مولانا یحییٰ نعمانی صاحب سے جو مولانا منظور نعمانیؒ کے نواسے بھی ہیں،تشریف لائیں۔

مولانا یحییٰ نعمانی صاحب (لکھنؤ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس مختصر سے وقت میں مقالہ کی کیا گنجائش ہوگی۔ چند باتیں خلاصہ کے طور پر عرض کی جارہی ہیں۔اس دورافتادہ اور اور کم علم کے لیے تو حضرت کی شخصیت براہِ راست مشاہدہ کی اور براہِ

راست استفادہ کی توفیق نہیں مل سکی۔ چند باتیں جو اپنے اکابر، اس زرّیں سلسلہ کے علماء اور اکابر کے مشترکہ ورثہ ہیں۔ان کو ذرا یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں میں بھی اگر اور سبق کے طور پر وہ ہم لوگوں کے دِلوں میں بیٹھ جائیں تو ان شاء اللہ وہ ایک بہترین راہِ عمل بھی ہے۔اس آزاد ہندوستان میں اس ملت کے لیے،اور ان شاء اللہ اس دُنیا کے بعد والی زندگی یعنی آخرت کے لیے بہترین سرمایہ ہوگی۔

سب سے پہلی چیز جو اس پورے ورثہ کی سب سے مرکزی چیز تھی ، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ،حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ،حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ،حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور اس سلسلے سے گزرتے ہوئے ،اس سلسلے کے سارے علماء اور مدارس کی جو روح اور اس کی اسپرٹ ہے اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ سایہ کو تادیر برقرار رکھے۔حضرت صدرِ محترم دامت برکاتہم نے جس کی طرف توجہ بھی دلائی ، وہ چیز تھی اس ملت کے اپنے تشخص اور اس کی ایمانیات کا سو فیصد تحفظ۔ڈھنگ بدلتا رہا،تحریک کی شکلیں بدلتی رہیں،طریقۂ کار بھی بدلتا رہا مگر اس سلسلے نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے دَور سے جس تباہی کے منظر کو پہلے سے دیکھ لیا تھا اور حضرت شاہ صاحب نے جس کی پیش بینی کردی تھی گویا کہ تفہیمات میں بھی اور بدور بازغہ میں بھی ، اس وقت سے ایک فیصلہ کیا گیا تھا۔دراصل جمعیۃ علماء ہند اس کا قالب اور اس کا مظہر ہے۔وہ فیصلہ تھا اس امت کا،اس ملک کے اور اپنی ایمانیات اپنے تشخص اپنی تہذیب،اپنی مسلم زندگی گزارنے کے طریقے عزت کے ساتھ باقی رہنے کا۔ یہ فیصلہ وہ اصل میراث ہے جو اس پورے سلسلے سے ہمیں ملتی ہے۔حضرت فدائے ملتؒ اللہ تعالیٰ ان کو خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے ،آمین! ان کی قبر کو نور سے بھرے،ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے چھوڑے ہوئے ورثہ کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے ،اور اس کی اصل جو روح اخذ کرنے کی ہے اور یہ جو سیمینار ہے اگر اس روح کو پوری ملت میں پھیلانے میں کامیاب ہوجائے تو ہندوستان کی تاریخ کا کامیاب ترین سیمینار کہلانے کا مستحق ہوگا۔اسلامیت اور ایمانیت کے ساتھ آزاد ہندوستان میں،بقاء اور تحفظ کی جدوجہد۔

دوسری چیز جو خاص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے دور سے جو بہت نمایاں ہوکر سامنے آنی شروع ہوئی ہے حضرت سیّد احمد شہید کے یہاں رونما ہوئی اور اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند اور حضرت شیخ الہند کے یہاں بالکل نکھر کے سامنے آ گئی ہے۔وہ یہ چیز ہے کہ ہندوستان ہمارا ملک ہے، ہم اس کو برباد نہیں ہونے دیں گے۔ہم اقلیت اور اکثریت کے مسئلہ پر غور بعد میں کرتے ہیں پہلے اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اگر اکثریت نے کوئی ایسی غلط راہ اپنائی ہوئی ہے جو اس ملک

کے لیےنقصاندہ ہےتو تنِ تنہا جمعیۃ ،تنِ تنہا دارالعلوم ،تنِ تنہااس ورثہ کی حامل یہ جماعت اس ملک کو برباد ہونے سے بچانے کے لیےاپنی سب کچھ بازی لگادے گی۔ وہ یہاں کی ایک نہایت ذمہ دار ایک نہایت ہمدرد اور یہاں کی انسانیت کی سچی خیرخواہ جماعت ہے، اس پر اصرار اور اس کا اظہارآزاد ہندوستان میں اس کی بہت اہمیت بڑھ گئی تھی۔ میرے اشاروں پرغور وفکر فرمایئے گا، بہت اہمیت بڑھ گئی تھی اور یہ جمعیۃ کا وہ خاص سبق ہے جواللہ تعالیٰ نے اس کواپنی خاص توفیق کے تحت اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اس کواس کارنامہ کے انجام دینے کی توفیق بخشی۔اس کارنامہ کے بارے میں میں نے حضرت مولانا سیّدابوالحسن علی میاں ندویؒ اورحضرت مولانا محمد منظورنعمانیؒ کو بار باران کی زبانوں سے یہ تذکرہ سنا کہ آزادہندوستان کے بعدجس خاص کارنامے کےضرورت تھی حضرت مولانا سیّدابوالحسن علی میاں ندویؒ نے تواس کولکھا بھی ہے غالبًا دوتین جگہوں پر،ان میں سے ایک جگہ شاید مجھے یادبھی آتاہے کہ'پرانے چراغ' میں کہ آزادہندوستان کے بعدجس چیز میں بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت تھی وہ یہ کہ اس ہندوستان کےمسلمان اس ملک کی خیرخواہی کو اوراس ملک کوتباہی کےگڑھےمیں جاگرنے سے بچانے کواپنافرض سمجھیں اورمیں بالکل ایمانداری کے ساتھ پوری ایمانداری اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ گواہی دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ سلسلۂ دارالعلوم نے،علماء کے سامنے اورولی اللّٰہی مزاج اورمنہاج کے حامل سلسلے نے اس ذمہ داری میں کوئی کوتاہی نہیں برتی ہے۔

اس ورثہ کی ایک بہت اہم چیز جس کوہمیں سینے سے لگانا ہے اور پلکوں میں سجانا ہے وہ یہ احساس ہے کہ ہندوستان کےاسلامی مدارس ہمارے وجودکی بیک بون(Back Bone)اورریڑھ کی ہڈی ہیں۔ ہندوستان کے اسلامی مدارس ہمارے وجود کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ان کاتحفظ،ان کا فروغ داخلی اورخارجی فتنوں سے ان کی حفاظت اوراُس مزاج ومنہاج کی حفاظت اس ذوق کی حفاظت جوہمیں حضرت شیخ الہندؒ سے حضرت شیخ الاسلامؒ سے اور ان سب سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے ان سلسلوں کو ملا ہے،اس ذوق ومنہاج کی حفاظت کی جائےتبھی اس ملک کی خیر ہے۔تبھی ہندوستان کی ملت اسلامیہ بحیثیت خیرامت اپنی ذمہ داریوں کواداکرنے کی واحدشکل ہےمدارس کی فکر، مدارس کےفروغ کی کوشش، یہ اس سلسلے کا خاص منہاج ہے اوراللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جمعیۃ کوبڑی خاص توفیق بخشی ہے۔حضرتؒ کی شخصیت پرغورکرتے ہوئےکل سے میرے دل میں ایک تمناتھی،یہاں پرایک مصرعہ لکھاہواہوناچاہیے:

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کانگہباں ہے

سرمایۂ ملت کی نگہبانی اس شخصیت کا سب سے خاص امتیاز تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخصیت کو جو وزن، جو طاقت بخشی تھی، وہ اس میں بے نظیر تھا۔ یعنی بالکل صفائی کے ساتھ، یہاں تمام اہل علم کا طبقہ بیٹھا ہوا ہے، بالکل صفائی کے ساتھ یہ اعتراف کیا جاسکتا ہے کہ حضرت سے اختلاف رکھنے والوں کی بھی ایک جماعت تھی مگر کوئی منصف مزاج اس سے اختلاف نہیں کرسکتا کہ ہندوستان کا ایک بہت بڑا سرمایہ اس شخصیت کا وزن تھا۔ اس شخص کا غیر معمولی وزن اس کی جاذبیت اور اس کی پھیلی ہوئی تاثیر کا حلقہ، یہ بہت بڑی میراث تھی، بہت بڑی قوت کا سرچشمہ تھی، بہت بڑی طاقت، بڑے خیر کا سرچشمہ تھی۔ اللہ تعالیٰ اس خیر کو باقی رکھے۔ **اَللّٰھُمَّ لَاتحرمنا خیرہ لاتَفْتِنا بعدہ**

آخری چیز۔ سچی بات ہے میرے لیے بڑی بات اور بہت چھوٹا منہ ہے لیکن ہمارے اکابر نے مسلسل اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سیمینار کے خلاصہ کے طور پر آج ہم کو رخصت ہونا ہے۔ سیمینار کے خلاصہ کے طور پر ایک چیز اور چلی جائے، حضرت کی چھوڑی ہوئی ایک تعلیم اور ایک اُسوہ۔ بڑی نازک ذمہ داریاں ہیں ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ کے رہنما ہونے کی حیثیت سے علماء کی اور اس ثقیل بوجھ کو اُٹھانے کے لیے بڑے مضبوط کاندھے چاہئیں۔ اس سلسلے کے بزرگوں کا ایک خاص اُسوہ یہ ہے کہ اس بوجھ کو اُٹھانے کے لیے سورہ مزمل کی تعلیم کی ضرورت ہے:

یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ......اِلٰی......اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً۔

یہ جو ثقیل بوجھ ہے، یہ جو قولِ ثقیل کی امانت ہے، اس کی تعلیم کو اگلی نسلوں تک پہنچانا ہے اور اس ورثہ کو آگے بڑھانا ہے۔ اس کے لیے کمر مضبوط چاہیے، اس کے لیے حوصلہ چاہیے، اس کے لیے تعلق باللہ چاہیے، اس کے لیے توکل اور استقامت چاہیے۔

کل پہلی نشست میں جو آیتیں تلاوت کی گئیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ......اِلی...... وَلَکُمْ فِیْھَا مَاتَدَّعُوْنَ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان آیات کی تشریح میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **تَتَنَزّل علیھم الملائکۃ** علماء کا مجمع ہے، تفصیل وتشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے **تتنزّل علیھم الملائکۃ** کو آخرت پر اور قبلِ موت پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اہلِ سکینت اور اہلِ تمکین علماء جانتے ہیں کہ اسی دُنیا میں نزولِ ملائکہ کا واقعہ ہے۔ یہ سب برکتیں، یہ سب حوصلہ، اتنی بڑی ذمہ داری، اس قدر سنگین مراحل سے گزرنے کا حوصلہ میرے بزرگوں میں سچ کہتا ہوں جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ بات بڑی ہے منہ چھوٹا ہے، مگر اس

کے بغیر کچھ حاصل ہونے والانہیں۔ ہمارے اکابر، ہمارے علماء کی اصل میراث یہی ہے۔ان دو پہلوؤں کو کہ خاک کے آغوش میں تسبیح ومناجات کا ذوق بھی برقرار رہےاوروسعتِ افلاک میں تسبیح مسلسل کی وسعتیں اور اُمنگیں بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس ذوق کو باقی رکھنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، اور میں آپ سے عرض کروں کہ ہندوستان کے اس سلسلے کے علاوہ یہ ذوق زیادہ باقی کہیں ملتانہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھےاورآپ کوسب کوتوفیق عطافرمائے۔

- اس کے بعد مولانا مفتی محمد راشد اعظمی صاحب نے اپنا مقالہ بعنوان ''فدائے ملت کا ذوقِ عبادت'' پیش فرمایا۔
- بعدازاں حضرت مولانا مفتی عبداللہ معروفی استاذ دارالعلوم دیوبند نے مسلکِ دیوبند کے تحفظ کے سلسلہ میں حضرت فدائے ملت کی خدمات پر اپنامقالہ پیش فرمایا۔
- اس کے بعد مولانا مفتی محمد اشفاق صاحب اعظمی نے اپنا مختصر مقالہ پیش کیا۔
- اس کے بعد جناب عارف عزیز صاحب بھوپال نے اپنا مقالہ بعنوان ''سیاست حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کا ایک مقدس مشن تھی'' پیش کیا۔
- اس کے بعد مولانا ابوبکر غازی پوری نے اپنا مقالہ بعنوان ''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا'' پیش کیا۔
- اس کے بعد مفتی محمد عفان منصورپوری استاد مدرسہ شاہی نے اپنا مقالہ بعنوان ''حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ والدین اوراساتذہ کی آغوشِ تربیت میں'' پیش کیا۔
- بعدازاں حضرت مولانا شوکت علی بستوی کل ہند ناظم عمومی رابطہ مدراس اسلامیہ دیوبند نے اپنامقالہ پڑھ کرسنایا۔

مولانااشہدرشیدی صاحب

- اس کے بعد حضرت مولانااشہدرشیدی صاحب مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد سے درخواست کی گئی۔موصوف نے اپنے مقالہ کا آغاز اس تمہید سے کیا:

آج سے تقریباً ڈیڑھ دو ماہ پہلے کی بات ہے کہ فدائے ملت سیمینار کے کنویز مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری کا مکتوب میرے پاس پہنچا کہ حضرت کے سلسلہ میں کوئی مقالہ تیارکیا جائے۔اس مکتوب کی بناپر میں نے قلم اُٹھایا اور لکھنے کی تیاری کی،لیکن حضرت کی زندگی پر جب میں نے نظر ڈالی تو میں فیصلہ کرنے سے قاصر رہا کہ زندگی کے کون سے پہلو کواُجاگر کیا جائے۔ملّی

خدمات کا ذکر کیا جائے یا سیاسی جد وجہد کا ذکر کیا جائے۔ ملکی خدمات کا اندازہ کیا جائے یا آپ کے حسن معاملہ کو واضح کیا جائے؟ آپ کی زندگی کے اخلاقی پہلو کو اُجاگر کیا جائے یا اپنے چھوٹوں کے ساتھ آپ کے مشفقانہ رویوں کا ذکر کیا جائے؟ میں اتنا مبہوت ہوگیا کہ قلم رکھ کر کے کاغذ لپیٹ کر سوچنے لگا کہ حضرت کی ایسی جامع شخصیت ہے کہ کسی ایک پہلو کو متعین کر کے لکھنا مجھ جیسے کم فہم آدمی کی قدرت سے باہر ہے۔ کچھ دن گزرے، دوسرا خط پہنچا اور پھر اس خط نے مجھے ایک راہ دِکھائی اور میں نے یہ سوچا کہ یہ شخص جس کے بارے میں مقالہ لکھنے کے لیے خطوط میں اصرار کیا جارہا ہے، اس کی زندگی کے مختلف میدان ہیں اور ہر میدان میں اس نے عظیم الشان کارنامے انجام دیے ہیں۔ مجھے یہ کھوج لگانی چاہیے کہ اس کے دل میں یہ کون سا جذبہ تھا جو اس میدان میں اس کو لاکر کھڑا کر رہا ہے۔ وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اس کو مسجد کے منبر ومحراب تک بھی پہنچایا اور ایوانِ سیاست میں بھی لا کھڑا کیا، وہ کون سا جذبہ ہے جو اس کو ملّی خدمات کے میدان میں بھی سب سے آگے بڑھنے پر مجبور کرتا ہے؟ میں نے جب بہت غور وخوض کیا تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ علاوہ خوفِ خدا اور خدمت خلق کے اور کوئی جذبہ اس شخص کے اندر موجود نہ تھا۔ خوفِ خدا در حقیقت ایک ایسی کلیدی نعمت ہے کہ جس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو جائے گا وہ ہر برائی سے بچنے کی کوشش کرے گا، ہر نیک کام کے انجام دینے کا داعیہ اس کے دل میں بیدار ہو جائے گا۔

میرے دوستو! حضرتؒ کی زندگی کے بہت سے پہلو اُجاگر کیے جارہے ہیں۔ میں نے صرف اسی پہلو کو پکڑا ہے کہ آپ کی صرف سیاسی شخصیت، آپ کی صرف سماجی شخصیت اور آپ کے اور دیگر کارناموں کی بنیاد اصل میں آپ کا وہ دینی مزاج اور دینی سوچ تھی جو آپ کو ان خدمات کے ادا کرنے پر آمادہ کرتی تھی۔ میں آپ کو اپنے اس مقام کی چند چیزیں سناتا ہوں۔ (آگے آپ نے مقالے کے کچھ گوشے پڑھ کر سنائے)

حاجی محمد ہارون صاحب (بھوپال)

اس کے بعد حاجی ہارون صاحب، بھوپال نے فرمایا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. نحمد و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب! ہندوستان کے وزیر خارجہ جناب مکھرجی صاحب، صوبہ مدھیہ پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکریٹری محترم دِگ وجے سنگھ صاحب!

جیسا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے، میں زیادہ نہ عرض کرتے ہوئے صرف میری گفتگو کا یہ عنوان ہے کہ روشن دماغ اور ملت کے درد رکھنے والے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ تقریباً ۳۵ سال ان کی سرپرستی ہمیں حاصل رہی اور حضرت نے ہر ہر موقع پر خاص طریقہ سے تربیت فرمائی، جہاں حضرت کی دینی تعلیم اور دینی مدارس سے لگاؤ تھا، وہیں حضرت عصری تعلیم جو دینی تعلیم کے ماحول میں دی جائے اس کے لیے بھی فکرمند رہتے تھے۔ میں دو چار باتیں مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا میں حضرت نے اسکول، کالج، یونانی کالج، میڈیکل کالج قائم کروانے کے لیے جدوجہد کی۔ بھوپال و مدھیہ پردیش سے بھی حضرت کا خصوصی تعلق رہا اور جب جب مدھیہ پردیش میں کوئی آفت آئی، فرقہ وارانہ فسادات ہوئے یا اور کوئی تکلیفیں ہوئیں، حضرت نے بہت توجہ فرمائی۔ بھوپال گیس حادثہ ہوا، حضرتؒ فوری طور پر بھوپال تشریف لائے اور وہاں کے متاثر انسانوں کی مدد فرمائی۔ اسی طرح ۱۹۹۲ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر حضرتؒ تشریف لائے اور وہاں کی بھارتیہ جنتا پارٹی حکومت کو کالعدم کرنے کی تحریک چلائی۔

اب میں ایک اعلان یہ کرنا چاہتا ہوں کہ مدھیہ پردیش میں ہمارے دِگ وجے سنگھ صاحب اور سریش پچوری موجود ہیں، حضرت کے نام سے ایک بڑا تعلیمی ادارہ قائم کریں۔ میری خواہش ہے کہ کم از کم مولانا اسعد مدنی یونیورسٹی قائم ہو۔ اگر آپ حضرات سرپرستی فرمائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ کام ہم وہاں کرلیں گے۔ شکریہ!

مفتی محمد افتخار صاحب (بنگلور)

اس کے بعد محمد مفتی افتخار صاحب، صدر جمعیۃ علماء کرناٹک نے اپنے خطاب میں فرمایا:

صوبۂ کرناٹک سے میں حاضر ہوا ہوں، علم و عمل و عمر میں بہت چھوٹا ہوں، حضرت کے نام و شخصیت سے طالب علمی کے زمانہ سے ہی واقف تھا، لیکن ملاقات کی کبھی ہمت نہیں ہوئی۔ دُور ہی دور سے دیکھا کرتا تھا، پڑھائی کے بعد جب بنگلور واپس آیا، اور وہاں جمعیۃ علماء سے وابستہ ہوا، تب حضرت کئی بار بنگلور تشریف لائے، ہمت کر کے ایک دو بار مل لیا ورنہ دُور ہی سے دیکھتا رہا۔

سال گذشتہ جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے آٹھواں فقہی سیمینار بنگلور میں ہوا۔ اس موقع پر حضرت تین روز بنگلور تشریف فرما رہے۔ اس وقت ذرا قریب جانے کا موقع ملا۔ تنہائی میں گفتگو کا بھی موقع میسر آیا۔ حضرت نے صوبہ جمعیۃ کے ذریعہ جو کام ہو رہے ہیں اس کی بہت تعریف کی اور سر پر ہاتھ بھی رکھا، اور فرمایا کہ کام اسی انداز سے آپ کرتے رہیں۔ ایک چیز جو میں نے دیکھی وہ

یہ کہ جب بھی ہاتھ بڑھا کر آگے ملنے کے لیے پہنچا انھوں نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ الحمدللہ اس وقت صوبہ میں جمعیۃ کا بہت اچھا کام ہورہا ہے۔ بس آخر میں یہی دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں حوصلہ عطا فرمائے۔

سریش پچوری (کانگریس رہنما)

عزت مآب مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب، قابلِ احترام مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، میرے اپنے بھائی، عزیز ساتھی، ممبر آف پارلیمنٹ مولانا محمود مدنی صاحب، ہمارے بزرگ رہنما اور نئے پرنب مکھرجی صاحب، قدآور کانگریسی رہنما دِگ وجے سنگھ صاحب و دیگر حضرات Respectable!

میرا اپنا ایسا ماننا ہے کہ مولانا اسعد مدنی صاحب کی زندگی اور خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو یہاں سیمینار بلایا گیا ہے، آج کے حالات کے تناظر میں یہ قابلِ تعریف ہے، اور موزوں قدم ہے۔ موزوں قدم میں اس لیے عرض کررہا ہوں کہ جب ہم ان حالات پر غور کریں، جب ہمارا ملک غلام تھا، اور جب آزادی کی لڑائی لڑی جارہی تھی، اس دوران جمعیۃ علماء ہند نے کن تکالیف کا سامنا کرتے ہوئے نہ صرف ہندوستان کی فضا میں امن و بھائی چارہ کو برقرار رکھا بلکہ انگریزوں کی سیاست ''پھوٹ کرواور راج کرو'' (Divide and Rule) کو مکمل طریقہ سے ناکام کردیا۔ جمعیۃ علماء ہند کی آزادی کے لیے دی گئی قربانیاں ایک اہم باب ہے، آزادی کے بعد فرقہ واریت کے خلاف جمعیۃ کی محنت، اقلیتوں کے حقوق کی بازیابی کے جدوجہد اور فسادزدگان کے لیے جمعیۃ کا نمایاں رول وہ ایسے اہم ابواب ہیں، جن کے مدنظر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ پر یہ سیمینار ایک اچھا قدم ہے۔

جہاں تک مولانا اسعد مدنیؒ کی شخصیت (Personality) کا ذکر ہے، انھوں نے تعلیم کے چھیتر (Domain) میں اور عام آدمی کی زندگی کو بہتر بنانے کے نظریہ سے اور خاص طور سے ملک میں امن، بھائی چارہ کا ماحول بنا رہنے کی کوشش میں جو اقدامات کیے تھے، ان پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے پارلیمانی خطاب (Parliamentary Speeches)، ان کا مطالعہ ہمارے لیے مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔

یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے چھوٹی سی عمر میں ان کے ساتھ پارلیمنٹ میں رہنے کا موقع ملا ہے۔ تین ٹرم یعنی کل اٹھارہ سال تک وہ پارلیمنٹ کے ممبر رہے اور جب بھی کبھی دلدوز حادثات رونما ہوئے، ان پر جب انھوں نے پارلیمنٹ میں روشنی ڈالی تو اپنے آپ میں وہ ایک

دستاویز بن کر رہ گیا۔ اور ہم سب نے اس کی روشنی میں بہت کچھ سیکھا۔

مولانا اسعد مدنی صاحب ہندوستان کی قومی شخصیت کے روپ میں پہچانے جاتے ہی رہیں گے ساتھ ہی گنگا جمنی تہذیب کے لحاظ کے طور پر ہمیشہ یاد کیے جائیں گے اور ایک اہم ہندوستانی کے روپ میں ان کو یاد کریں جو بلا اختلاف محبِّ وطن تھا، خاص طور سے جب ہندوستان میں ایسے حالات پیدا ہوئے جب بابری مسجد کی شہادت ہوئی تھی، جب گجرات میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور فرقہ پرست طاقتوں نے سر اُٹھایا، اُس وقت ایک ذمہ داری کے ساتھ جس ڈھنگ سے انھوں نے اپنا کردار ادا کیا وہ ہمارے رہنمائی کا سبب ہے۔

ہمارے بھائی محمود مدنی نے میرے ڈیپارٹمنٹ کا ذکر کیا یعنی Ministry of Personnel کا۔ جب جب بھی (میں آپ کے مابین کھڑا ہوں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میرا تجربہ رہا ہے، میں Defence Production Minister رہا، اُس وقت لطیف صاحب Air Chief رہے۔ اقلیت کو کوئی ذمہ داری دی گئی ہے، اُس نے بخوبی نبھائی ہے، اور یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ جب ملک کی آزادی کے واقعات بیان کیے جارہے ہیں، تو چندر شیکھر اور بھگت سنگھ کے نام بھی آتے ہیں اور اشفاق اللہ خان کا نام بھی آتا ہے۔ آزادی کے بعد عبدالحمید اور دیگر جانبازوں کا رول بھی اقلیت کا رول رہا ہے۔ اور جب ہم نے ہندوستان میں تین اقلیت کے صدور جمہوریہ دیے اور اٹھارہ گورنرز دیے اور تین چیف منسٹر بھی اقلیت کے ہوئے، اور تین نائب صدور جمہوریہ اقلیت کے ہوئے اور جب ہم ان کی کارکردگی پر غور کرتے ہیں تو بات صاف ہوجاتی ہے کہ اقلیت کے ان جانبازوں نے بہت ہی عمدہ خدمات انجام دی ہیں اور ملک کا نام روشن کیا ہے۔

میں سچر کمیٹی رپورٹ کا مطالعہ کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ آئی ایس میں اقلیت کی نمائندگی تیس فیصد ہے۔ اٹھارہ فیصد انڈین فارن سروس کا ہے، اور صرف چار فیصد انڈین پولیس سروس کا ہے۔ ۴ء۵ فیصد انڈین ریلوے سروس کا ہے۔

اس تناظر میں ہمیں اس پر ضرور زور دینا چاہیے کہ اقلیتوں کی بھرتی ہر جگہ بھاری تعداد میں ہونی چاہیے۔ وہ کمیٹیاں جو اہم حضرات کے انتخابات کے لیے بنتی ہیں ان پر زور ڈالا جائے کہ وہ اقلیتوں کے امیدواروں پر خصوصی توجہ دیں۔ لیکن سچر کمیٹی کی رپورٹ میں جو اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں وہ درحقیقت پیداوار اقلیتوں کے درمیان (National Literacy Rate) میں کمی کا، ساتھ ہی اقلیت کے جو انڈر گریجویٹ ہیں (UG) وہ شمار کے مطابق ۲۵ طلباء پر صرف ایک ہے اور پوسٹ گریجویٹ میں (PG) میں ۵۰ طلباء پر ایک ہے۔ اور جب ہم غیر روزگاری (Unemployment)

فیگر (Figure) دیکھتے ہیں تو وہ شمار بھی سب سے اقلیتوں کے معاملہ میں ہے۔ جب سچر کمیٹی رپورٹ پارلیمنٹ پیش کی گئی، اس رپورٹ کے بارہ ابواب 23/11/06 کو پیش کیے گئے۔ اور بحث کے درمیان یہ بات طے ہوئی کہ حکومت میں بھی اقلیتوں کی بہتر نمائندگی ہونی چاہیے۔ ایک Equal Opportunity Committee بنے جو محروم طبقات کے مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو، جو مدارس ہیں ان کا لنک ہائر ایجوکیشن سے ہونا چاہیے تاکہ مدارس کے طلباء Competitive Exams کے لیے کوالیفائی کر سکیں۔

وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ اور یو پی اے چیئر پرسن محترمہ سونیا گاندھی کی سخت ہدایت ہے کہ سچر کمیٹی کی سفارشات پر ضرور عمل ہو اور اقلیتوں کے فلاح و بہبود کے ہر طرح کی کوشش کی جائے۔

ساتھ ہی ہمیں یہ یقین ہے کہ اس سیمینار میں جو بھی آپ کی ہدایات ہوں گی، میں یو پی اے حکومت کی طرف سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اسے سنجیدگی سے لیں گے، جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ کر کے ہم اپنے فرض کی ادائیگی کریں گے۔ یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ میں سیاست کی بات کروں، مگر یہ موقع ایسا ضرور ہے کہ ہم آج کے دن فیصلہ کریں کہ ہندوستان میں ہماری ذمہ داری ہے، اسے ہم پورا کریں۔ آپ سب لوگوں نے مجھے موقع دیا، اس کے لیے آپ کا شکریہ، جے ہند!

سریش پچوری کی تقریر پر مولانا محمود مدنی (جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند) کا ردِّ عمل

بہت بہت شکریہ پچوری صاحب۔ یہ موقع تو نہیں ہے، مگر ایک بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان مدرسوں کو چلاتے ہیں اور انشاء اللہ چلاتے رہیں گے۔ حکومت کو یقیناً بہت سے شعبوں میں مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے، اس لیے نہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں کی بات کر رہے ہیں بلکہ اس لیے کہ مسلمانوں کی ترقی کے بغیر اس ملک کی ترقی ممکن نہیں۔ مولانا اسعد مدنیؒ کے صرف پارلیمنٹری خطابات کو آپ اُٹھا کر دیکھیں گے تو آپ کو بار بار یہ بات نظر آئے گی کہ انھوں نے اپنی ہر بات کا جو بنیادی نقطہ بتایا ہے وہ یہ ملک ہے، تو میں مدرسہ کے بارے میں آپ سے عرض کروں گا کہ حکومت کو لوگ گمراہ کر رہے ہیں، اور ایک کوئی جسٹس صاحب لا کر بٹھائے گئے ہیں جو غلط طریقہ سے رپورٹ دے کر کچھ قانون بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے مدرسے تو گورنمنٹ کے کسی بورڈ میں جانا کسی قیمت پر منظور نہیں کریں گے۔ اور ہم آدھی روٹی کھائیں گے لیکن مدرسوں کو حکومت کی مدد کے بغیر چلاتے آئے ہیں اور چلاتے رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

(حاضرین کی طرف سے پر جوش تائید)

محترم دِگ وجے سنگھ

(سابق وزیراعلیٰ مدھیہ پردیش و جنرل سکریٹری آل انڈیا کانگریس پارٹی)

محترم مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب، پرم سمّانیہ شری پرنب مکھرجی صاحب، پرم سمّانیہ مولانا سلمان منصور پوری صاحب، پرم سمّانیہ سریش پچوری جی، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، ہمارے بھائی مولانا محمود مدنی صاحب اور سبھی اورنیئے حضرات!

مجھے اس بات کا فخر ہے مولانا اسعد مدنی جی کے جیون پر آج جو چرچا ہو رہی ہے، اس سیمینار میں مجھے بولنے کا موقع ملا۔ اس دیش کے اتیہاس میں جمعیۃ علماء کا بہت بڑا رول رہا ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جس نے کبھی ہندو مسلمانوں کو الگ نظر سے نہیں دیکھا۔ یہ وہ جماعت ہے جس نے اس وقت بھی جب برٹش حکومت نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان Two Nation Theory اور Divide And Rule کی پالیسی پر الگ کرنا چاہا تو مولانا اسعد مدنی کے والد صاحب کی صدارت میں اس بات کا وِرودھ (مخالفت) کیا اور One Nation Theory کو اپنایا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں جب ایک طرف وہ لوگ تھے جو الگ ملک کی بات کرتے تھے، ایسے ماحول میں مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ نہیں یہ ملک ہمارا ہے، ہمیں الگ سے کوئی ملک نہیں چاہیے، اس کے لیے بہت ہی اہم لیڈرشپ کی خوبی چاہیے تھے، جو ہمیں اس خاندان میں دیکھنے کو ملی، اور جماعت میں دیکھنے کو ملی ہے۔ آج اس ماحول کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے جب جمعیۃ علماء نے بڑی بہادری کے ساتھ ایک قومی نظریہ کی حمایت کی تھی۔ آزادی کے بعد ملک تقسیم ہوا، بے شمار فسادات ہوئے، فرقہ پرستی نے اپنا پاؤں خوب پھیلایا، ملک کی آزادی کے وقت یہ سوچ تھی کہ ملک میں ہندو، مسلمان سُکھ چین سے رہیں گے مگر کچھ عناصر نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ ان لوگوں نے ہر روز نئی نئی باتیں لا کر ہمیشہ تقسیم وتفریق پر اپنی طاقت صرف کی۔ ایسے ماحول میں مولانا سیّد اسعد مدنی نے اپنے والد صاحب اور جماعت کا جو اتیہاس (تاریخ) تھا، اس پر چلتے ہوئے انھوں نے ہمیشہ جوڑنے والی بات کی، کبھی توڑنے والی بات نہیں کی، جس سے ہمارے ملک میں ہندو مسلم ایکتا مضبوط ہوئی۔ آزادی سے لے کر آج تک جو سچر کمیٹی اور اس سے قبل گوپال سنگھ کمیٹی وغیرہ نے جو مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا ہے، لیکن کمیٹیاں کوئی نئی بات نہیں بتا رہی ہیں بلکہ وہی بات بتا رہی ہیں جو ہم کو پہلے سے معلوم تھی، لیکن جب تک ہم اس کو پولیٹیکل وِل کے ساتھ کام نہیں کریں گے، ان سفارشات پر عمل نہیں کریں گے۔ تو یہ کھائی بڑھتی چلی جائے گی، اور یہی سب سے بڑا خطرہ

آج اس دیش کے لیے ہے۔ اگر کھائی بڑھتی چلی گئی تو وہ لوگ جو ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک نہیں دیکھنا چاہتے وہ آگے بڑھ کر اپنے مشن کو کامیاب بنا سکتے ہیں، اس لیے ہماری حکومت اس بات پر سنجیدہ ہے کہ اس بڑھتی ہوئی کھائی کو کیسے پاٹا جائے؟

اس وقت یہاں محترم پرنب مکھرجی ہمارے درمیان ہیں۔ ہمیں کوئی نہ کوئی جلد ہی فیصلہ کرنا چاہیے اور اس میں کوئی دستور میں تبدیلی کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بات آپ سمجھ لیجیے کہ جب تک خصوصی طور سے ریزرویشن کی بات نہیں کی جائے گی تب تک یہ کھائی آسانی سے نہیں پٹ پائے گی۔ شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب کو ہم لوگ پچھلے ستاون سالوں سے ریزرویشن دے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی آج تک پوری کی پوری سیٹیں ہم لوگ نہیں بھر پائے ہیں۔ اس لیے جو دیری ہو چکی وہ ہو چکی، لیکن اب کوئی دیری نہیں ہونی چاہیے۔ یہی ہماری یوپی اے سرکار کے منتری جی سے گزارش ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ جس پرکار سے سونیا جی چنتت (فکرمند) ہیں کہ جب تک سماجک اشانتی (سماجی اضطراب) ختم نہیں ہوگی ملک ترقی نہیں کرسکتا ہے۔ کیونکہ جب نوجوان بے روزگار ہوں گے، اور ان کے پیٹ میں بھوک ہوگی تو صرف بھاشن سے یا اپنی بات کہنے سے ان کی سمجھ میں بات نہیں آئے گی، کیونکہ آج کا مسئلہ روزی روٹی کا ہے اور یہ سارے لوگوں کا مسئلہ ہے، چاہے ہندو ہوں یا مسلمان۔ ہم مولانا اسعد مدنی کی زندگی کے بارے میں بات کر رہے ہیں، انھوں نے اپنی طاقت کے مطابق بہت کچھ کیا۔ ہندو مسلم ایکتا کے لیے انھوں نے پارلیمنٹ میں، پارلیمنٹ کے باہر سڑکوں پر اور قصبوں میں جا کر جو وہ کر سکتے تھے کیا۔ آج محمود مدنی اور ارشد مدنی کے سامنے بلکہ جمعیۃ علماء ہند کے سامنے ایک بہت بڑا چیلنج ہے کہ کیسے ہم لوگ ترقی کے بڑھتے ہوئے دَور میں کھائی کو پاٹ کر امید کی روشنی جگائیں؟

میرا ہمیشہ یہ کہنا رہا ہے کہ اس ملک میں سب سے زیادہ جوابدہی ہم لوگوں کی ہے، اس ملک کی اکثریت کی ہے کہ وہ مسلمان بھائیوں کی حفاظت کریں۔ آج کیا وجہ ہے کہ فسادات کے وقت خاموش بیٹھ جاتے ہیں؟ ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ مہاتما گاندھی، گنی شنکر وِدّیارتھی جی کو جو فسادات کے وقت گھروں سے باہر نکل کر آئے تھے اور فسادیوں کے ساتھ کھلے سڑک پر آ کر مقابلہ کرتے تھے۔ جب تک ہندو اس بات کو نہیں سمجھیں گے اور ہندو آگے آ کر ہمارے مسلمان بھائیوں کی حفاظت کے لیے گلی کوچے اور محلے میں آ کر مقابلہ دنگائیوں سے نہیں کریں گے تب تک فرقہ واریت سے ہم فاتحانہ مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔

گجرات میں اگر ہمارے ہندو بھائی باہر سڑک پر آ کر دنگائیوں کو روکتے تو کیا احمد آباد میں

ایسا سانحہ پیش آتا؟ ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں بلکہ میں یہ بات دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مدھیہ پردیش میں ہم لوگوں نے بابری مسجد شہادت کے بعد جو فسادات ہوئے، ہم لوگوں نے یعنی ہندوؤں نے اور مسلمانوں نے مل کر حالانکہ حکومت ان لوگوں کی تھی جو فسادات کرواتے ہیں، لیکن ہم نے آگے بڑھ کر حفاظت کا کام کیا، جس کی بدولت ان کے منصوبے پورے نہیں ہو پائے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ جو اپنے آپ کو سیکولر کہتا ہے، اگر وہ زمینی طور پر سیکولر نہیں ہوگا اور سڑک پر آکر اقلیت کی حفاظت کے لیے متحد نہیں ہوگا تب تک سیکولرزم کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ اس لیے مجھے وشواس ہے اور آپ سب کو یقین دلاتے ہیں کہ ہر طرح سے یو پی اے کی سرکار آپ کی بھلائی کے لیے کام کر رہی ہے اور جلد ہی سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق جو بھی فیصلہ ہوگا، وہ آپ کے من کے موافق ہوگا، جہاں تک باقی مسئلے ہیں ان کے بارے میں ہماری آپ سے گفتگو ہوتی رہتی ہے، آپ لوگوں نے ہمیں مدعو کیا، ہم مولانا اسعد مدنیؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں جنھوں نے اپنے مدتِ صدارت میں وہ سب کر دِکھلایا جو ایک ہندوستانی کو ملک کے لیے کرنا چاہیے اس لیے ہم ان کو کبھی نہیں بھلا پائیں گے۔ شکریہ!

جناب پرنب مکھرجی (وزیر خارجہ ہند)

My distinguished friend! I was admitted in a hospital and doctor has recommended me to not attend any function, but I had a good acquaintance with Maulana Asad Madani for more then three decades. We was in Parliament together, we shared many perceptions and I have no doubt to tell you that at a particular point of time, Congress was in a great difficulty after the defeat of 1977, even when Indiraji was defeated, at that point of time, we received the support from Maulana Asad Madani. Therefore, I thought that when the Seminar is being organised to evaluate the contributions of late Maulana and Jamiat Ulama-i-Hind, the great organisation both Madani Sahab and his distinguished father, who were President of this organisation for very long period of time, they laid a very basic foundation of the Muslim politics in this country. As Digvijay Singh was telling you that at one point of time a concept was built - two nation theory - that a nation would be made on the basis of religion then this

great organisation under the inspiring leadership, fought against this concept. It brought the concept of multi-cultural, multi-nationalismsin one nation, in one land, in one territory. It was appear that It was just theoretical proposition. But at that point of time, remember in the thirties of the last century, when all intellectual giants, all important leaders, all important social activists, they joint Muslim League amended the division of the century, Jamiat got up and stood and said 'No'. Its our home land. Its our mother land, we have equal share, we have equal rights, like our majority compatriots. Such boldness requires great conviction, I solute you, because you belong to that great organisation, which offered this cause of unity, unity in diversity. I am not going to the details of the out come of the Seminar Problems. Social, economic, political backgrounds, recommendation of the committee. All these things well evaluates the contributions of the persons like Maulana Asad Madani, and those of this great organisation in the nation building. I do feel and entirely agree with my friend Digwijay Sing and he not be at the preached and practiced it, I recall at that point of time, I was also in the government of India, Digvijay Sing Ji was the President of Madhya Pradesh Congress Committee, not Chief Minister then, but he recognised immediately that to fight communication to fight the forces of disruption, division, hatred, one will have to act, one will have to take courage in both lands to beat evil hands, fortunately, under his leadership in that province, we soon communal peace and amity maintained, not by issuing press statement not by appearing on that television screens but by action on the street protection of the every individual is the responsibility of the state, but its equally either the responsibility of the both community as a whole and there comes the sense of unity.

Therefore, throughout his life, Maulana Asad Madani fought for this noble cause in the fundamental principal, we equal rights, and equal responsibility to this country. This concept of territorial nationalism within the multi-culturalism is

a great contribution of this great organisation. My friend Mr. Suresh Pachauri while presenting his observations, pointed out some of the Sachhar Committee Reports and other recommendations, the Government is going to act on it. I would like to look forward to the recommendations of this Seminar. Your conclusion and observation, because your organisation is rooted in the culture, tradition, history and ethos of this country. You feel the pulse of the people, you know how to address the problems, how to go at the root of the issues of this great organisation are of great significance to all of us. Thank you for giving me this opportunity. I wish you all success.

- جناب کمال احمد فاروقی صاحب، چیئرمین اقلیتی کمیشن دہلی نے جناب پرنب مکھرجی وزیر خارجہ کے انگریزی خطاب کا اُردو میں خلاصہ پیش کیا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

ہمارے عزت مآب پرنب دادا نے انگریزی میں جو تقریر کی اس کے کچھ اقتباسات اس طرح ہیں:

آپ نے اپنی تقریر کے شروع میں یہ فرمایا کہ ابھی آپ حال ہی میں زبردست حادثہ سے دوچار ہوئے تھے اور ڈاکٹروں نے آپ کو کسی پبلک کانفرنس میں شریک ہونے سے منع کر دیا تھا، لیکن حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سے تیس سالہ تعلقات کی بنیاد پر وہ شریک ہونے پر مجبور ہوئے۔ انھوں نے فرمایا کہ مولانا اسعد مدنیؒ نے کانگریس کی اس وقت حمایت کی تھی جبکہ کانگریس پریشانیوں کے دَلدل میں پھنس چکی تھی، اس لیے میرا یہاں آنا بہت ضروری تھا۔ اور میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت کو آج میری طرف سے خراجِ عقیدت پیش کیا جائے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جمعیۃ علماء ہند نے مختلف مذاہب، تہذیب وثقافت کے ساتھ مل کر ملکی یکجہتی کے لیے جو کام کیا ہے، آج کے دَور میں اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس وقت جبکہ مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے، اُس وقت ملکی یکجہتی کے لیے کام کرنا اور ٹو نیشن تھیوری (Two Nation Thoery) کے خلاف بات کرنا آپ کی ہی جماعت کا ورثہ ہے۔ اس لیے آپ کی جماعت کو اور لیڈران کو خصوصی طور سے مولانا اسعد مدنی کو سلام کرتا ہوں کہ اس مشکل وقت سے لے کر آج تک آپ اپنے متعین کردہ راہ پر گامزن رہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمیں اس جماعت سے جو تعاون ملتا رہا ہے وہ قابلِ مبارکباد ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ملکی سالمیت اور فرقہ پرستی سے لڑنے کے لیے ہمیں ہمت پیدا کرنی ہوگی۔ اس دوران انھوں نے بھائی دِگ وجے سنگھ کا بھی ذکر کیا کیونکہ آپ دونوں بہت قریبی تعلقات رکھتے تھے اور دِگ وجے سنگھ صاحب نے صرف بیانات سے کام نہیں لیا، بلکہ جو حضرت کا وطیرہ رہا ہے، آپ نے اسی طرح سے گراؤنڈ میں جاکر لوگوں کے درمیان جاکر قومیت پرستی کی بات کی۔ اور یہ اسی جماعت کا ورثہ ہے۔ ہمیں اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے یہ باتیں سیکھنے کا موقع ملا ہے۔ آپ نے آخر میں یہ فرمایا کہ گوکہ سچر کمیٹی وغیرہ کی رپورٹ کے تعلق سے مباحثہ جاری ہے، لیکن آپ کی جماعت کا آج کے دن بھی آپ کی ریکمنڈیشن (سفارش) کی ملک کے موجودہ حکومت کے نزدیک کافی اہمیت ہے اور ہمیں آپ کی سفارشات کا انتظار رہے گا۔ آپ نے شکریہ ادا کیا کہ آپ کو یہ موقع ملا۔

- بعدازاں حضرت مولانا مفتی محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد نے اپنا مقالہ پیش فرمایا:
- اس کے بعد حضرت مولانا عبدالعلی فاروقی صاحب مہتمم جامعہ فاروقیہ کاکوری و مدیر ماہنامہ ’البدر‘ نے اپنا مقالہ بعنوان ’’حضرت فدائے ملتؒ کے امتیازی اوصاف‘‘ پیش کیا۔
- بعدازاں مولانا عزیز الحسن صاحب غازی پوری نے آسام کے بارے میں حضرت فدائے ملت کی خدمات پر اپنے مقالہ کی تلخیص پیش کی۔
- پھر مولانا مفتی اشتیاق صاحب استاد مدرسہ نورالعلوم بہرائچ نے اپنا مقالہ بعنوان ’’فدائے ملت کی زرّیں خدمات صدارتِ یوپی کے اسٹیج سے‘‘ پیش کیا۔
- بعدازاں مولانا مفتی جمیل احمد نذیری، مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی نے اپنا مقالہ بعنوان ’’حضرت فدائے ملت اور فتنۂ غیر مقلدیت کا تعاقب تحفظ سنت کانفرنس کے حوالے سے‘‘ پیش کیا۔
- بعدازاں صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم کا وقیع مقالہ موصوف کے حکم سے حضرت مولانا عبداللہ معروفی استاد دارالعلوم دیوبند نے پڑھ کر سنایا۔

- **مولانا محمود مدنی:**

چوتھی نشست کے اختتام کے لیے صدر اجلاس مولانا ایوب کاچھوی سے درخواست ہے کہ وہ تشریف لائیں اور مختصر سی دعا فرمادیں۔

حضرت مولانا محمد ایوب کا چھوی (جنوبی افریقہ)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

محترم علمائے کرام! جس مقصد کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں، حضرت فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جو زندگی گزاری ہے اور جو راستہ ہمیں بتایا ہے اور جو جدوجہد انھوں نے امت مسلمہ کے لیے کی ہے وہ ہمارے لیے ایک راہِ عمل ہے اور واقعی اگر اس سیمینار میں ہم یہ طے کرلیں کہ جو راستہ حضرتؒ نے اختیار کیا اور اپنی پوری زندگی اس ملت کے لیے کھپا دی، ہم اسی راستہ پر چلیں گے انشاء اللہ، تو یہ ہمارے لیے کارِ خیر اور مسلمانانِ ہند کے لیے ایک بہت بڑا راستہ ہوگا، لیکن اگر ہم اپنے اپنے خیالات کو سامنے لے کر ایک دوسرے کے ساتھ تصادم کا راستہ اختیار کریں گے تو پھر نہ صرف ہماری بربادی بلکہ ہمارے بھائی بہنوں کی بھی بربادی ہوگی۔ ان چند الفاظ کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ جو راستہ رسول اکرمؐ نے ہمیں بتلایا ہے اس پر ہم عمل پیرا ہوں اور آخرت کی فکر کریں۔ بہر حال ہم سب کو ایک دن وہاں پہنچنا ہے اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

پانچویں نشست

سہ شنبہ، ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴ اپریل ۲۰۰۷ء — بوقت ۱۲:۳۰ تا ۱:۳۰ بجے دوپہر
زیرصدارت: حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

- یہ نشست مختصر رہی جس میں پہلا مقالہ جناب منصور آغا (مشہور صحافی) نے پیش کیا۔
- اس کے بعد حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب مہتمم جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل نے اپنا مقالہ بعنوان ''دارالعلوم ثانی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات اور فدائے ملت کی خدمات'' پیش فرمایا۔
- اب اس کے بعد اس نشست کے صدر محترم امیرالہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی طرف سے صدارتی خطبہ پیش کیا گیا جسے حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا انوارالرحمٰن صاحب نے پڑھ کر سنایا۔

السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله ربّ العالمين والصلوٰة و السلام على رسوله

محمد و علیٰ آله و صحبه اجمعين، اما بعد

امیرالہند فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات پر جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام فدائے ملت سیمینار کے انعقاد پر بندہ صمیم قلب سے مبارکباد اور جذباتِ تہنیت پیش کرتا ہے۔ اس طرح کے اجتماعات کا خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کثیرالجہات شخصیت کی زندگی کے اہم گوشے اور ان کی مختلف النوع خدمات کے زرّیں نقوش سامنے آجاتے ہیں اور محفوظ ہوتے ہیں اور آنے والی نسلوں کے لیے ان کے نقوش کے قدم کی پیروی اور ان کے شمع کردار سے روشنی حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

حضرت مولاناؒ نے سال گزشتہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو ایسا محسوس ہوا کہ کاروانِ ولی اللّٰہی کا آخری قافلہ سالار رخصت ہوگیا۔ اللہ جل شانہ ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

اللہ جل شانہ نے انھیں جن خصائل حمیدہ سے آراستہ کیا تھا انھوں نے ان خصائل کو دین کی سربلندی کے لیے استعمال فرمایا اور اپنی زندگی کو ملک وقوم کی خدمت کے لیے وقف فرما دیا۔ موصوف کو مبدءِ فیاض نے خاندانی عظمتوں کے ساتھ خلوص وللّٰہیت، صدق ودیانت، صبرواستقامت، ذہانت وذکاوت، حق گوئی وشجاعت، روحانیت وعزیمت، تدبر، اصابتِ رائے اور قائدانہ کردار کے لیے ہرطرح کی صلاحیت سے نوازا تھا۔ ان صلاحیتوں سے انھوں نے ملک وملت کی تعمیر کا کام لیا، مسلمانانِ ہند کی دینی قیادت فرمائی، ان کے جان ومال کے تحفظ، ان کے بنیادی حقوق کی بازیابی، اسلامی اوقاف کی نگہبانی، مدارسِ اسلامیہ کی پاسبانی، مسلم معاشرہ کی اصلاح، فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف جدوجہد، مظلومین کی امداد واعانت، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، فرقِ باطلہ کی تردید اور مسلکِ حق کی اشاعت وتبلیغ کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے تاریخ میں انھیں آبِ زر سے لکھا جائے گا۔ دارالعلوم کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے ان کی مساعیِ جمیلہ سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں کہ وہ ہر موقع پر دارالعلوم دیوبند کے لیے سینہ سپر رہے۔ انھوں نے ہر مشکل اور نازک موقع پر خدامِ دارالعلوم کی مدد فرمائی اور اپنی بالغ نظری اور اصابتِ رائے سے ہمیشہ مستفید فرماتے رہے اور بندہ کے ساتھ ان کا خصوصی معاملہ یہ تھا کہ وہ میرے اختلافِ رائے کو ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت فرماتے تھے۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ کسی مسئلہ میں ان کی ایک رائے قائم ہوئی اور انھوں نے اپنی رائے کو نہایت اہمیت کے ساتھ ظاہر فرمایا، لیکن بندہ نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ ایسے تمام مواقع پر مجھے نہ موصوف کی طبیعت پر گرانی کا احساس ہوا اور نہ کوئی حرفِ شکایت ان کی زبان پر آیا۔ اسی طرح ان کی ہمت اور اولوالعزمی کے سلسلہ میں بندہ کے نزدیک یہ بات نہایت قابلِ قدر تھی کہ وہ دارالعلوم نیز دیگر ملّی اور جمیعتی تمام کاموں کے لیے انتھک جدوجہد کرتے رہے اور اس سلسلہ میں اپنی صحت کی پرواہ بھی نہیں فرماتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں کی جانے والی ناصحانہ باتوں کا جواب یہ تھا کہ ہمیں تقدیر پر توکل کرنا چاہیے اور فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کو راہ نہ دینی چاہیے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ان کی خدمات کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ آنے والی نسلوں کو ان کے نقوشِ قدم کی قدردانی اور پیروی کا سلیقہ عطا فرمائے۔ سیمینار کو مقاصدِ عالیہ میں کامیابی عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے نوازے، آمین! والحمد للہ ربّ العالمین۔

حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم نے اس نشست کے اختتام پر دعا کرائی۔

آخری نشست

سہ شنبہ، ۵ا/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴/اپریل ۲۰۰۷ء — بوقت ۳:۳۰ تا ۶ بجے شام
زیرِصدارت: حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم

- مفتی محمد عفان منصور پوری صاحب نے سورہ یٰسین کی چند آیتیں تلاوت فرما کر اس نشست کا آغاز فرمایا۔

تعزیتی نظم

مولوی احمد عبداللہ صاحب نے مولانا امام علی دانش لکھیم پوری کی تحریر فرمودہ درج ذیل نظم سنائی:

قافلہ سالارِ امت آہ رخصت ہوگیا — رہبرِ علماء امت آہ رخصت ہوگیا
اس کی رحلت پر سبھی اہلِ وطن غمگین ہیں — پاسبانِ ملک و ملت آہ رخصت ہوگیا
سونا سونا ہے حسین احمد کا روحانی چمن — مرشدِ راہِ طریقت آہ رخصت ہوگیا
فکر شیخ الہند محمود الحسن کا پاسبان — جاں نثارِ قاسمیت آہ رخصت ہوگیا
حق پرستی اور حق گوئی رہا جس کا شعار — وہ نگہبانِ صداقت آہ رخصت ہوگیا
برکفِ جامِ شریعت برکفِ سندانِ عشق — واقفِ دینی سیاست آہ رخصت ہوگیا
ہر طرف دینی مدارس پر اُداسی چھا گئی — جس کو تھی فکرِ حفاظت آہ رخصت ہوگیا
اپنے بیگانے سبھی پر جو کرم کرتا رہا — سب پر تھی جس کی عنایت آہ رخصت ہوگیا
یادگارِ قاسم و امداد و محمود و رشید — نازشِ اسلافِ امت آہ رخصت ہوگیا
فتنۂ لامذہبیت پر لگائی جس نے روک — وہ امیرِ اہلِ سنت آہ رخصت ہوگیا
پارہ پارہ ہوگیا دجل و فریبِ قادیاں — حامئ ختمِ نبوت آہ رخصت ہوگیا
سب سمجھتے تھے کہ حق گو شیر زندہ ہے ابھی — جس سے لرزاں تھی حکومت آہ رخصت ہوگیا
جس کے اخلاقِ کریمانہ پہ شاہد ہیں سبھی — وہ فدائے ملک و ملت آہ رخصت ہوگیا
نورِ تقویٰ جس کے چہرے پر تھا ہر دَم جلوہ گر — جلوہ گاہِ نورِ سنت آہ رخصت ہوگیا
حالِ دل کس کو سنائیں کون دے گا مشورہ — جس سے ملتی تھی ہدایت آہ رخصت ہوگیا

رہبری جس کی تھی دانش کے لیے آبِ حیات　　　وہ سراپا خیر و برکت آہ رخصت ہو گیا

قافلہ سالارِ امت آہ رخصت ہو گیا

رہبرِ علمائے امت آہ رخصت ہو گیا

آہ رخصت ہو گیا وہ آہ رخصت ہو گیا

- سب سے پہلے بنگلہ دیش سے تشریف لانے والے معزز مہمان حضرت مولانا مفتی نوراللہ صاحب دامت برکاتہم خلیفہ حضرت فدائے ملتؒ نے بیان فرمایا۔

مولانا مفتی نوراللہ صاحب (برہمن باریہ، بنگلہ دیش)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. الحمد للّٰہ ربّ العالمین، و الصلوۃ والسلام علی سیّد المرسلین و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

معزز ومحترم حضرتِ صدر محترم دامت برکاتہم اور دیگر اساتذۂ دارالعلوم، مختلف ملک سے آئے ہوئے مہمانانِ کرام، عزیز بھائی سیّد محمود مدنی!

میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ کے سامنے اُردو میں کچھ تقریر کروں، بھائی کا حکم ہوا، اس لیے کھڑا ہو گیا۔ ۱۳۷۱ھ سے حضرت فدائے ملت قدس اللہ سرہ العزیز سے تعارف ہے۔ آنکھوں نے جو دیکھا، دل نے جو سوچا اس کو پیش کرنے کے لیے نہ میرے پاس زبان ہے کہ میں بولوں اور نہ میرے پاس قلم ہے کہ میں لکھ کر کے دوں، صرف اتنی بات آپ کے سامنے عرض کرنی ہے۔ تقریباً ساٹھ سال قبل حضرت قطب العالمؒ کو اللہ تعالیٰ نے دِکھایا تھا دارالعلوم کی فضا میں۔ ان میں سے سردی گرمی دور قریب جتنے سفر ہوتے تھے تمام سفروں میں میں نے حضرت فدائے ملتؒ کو اپنے ابا جان کے ساتھ ہوتے ہوئے دیکھا۔ صرف ایک دن کا واقعہ سنا کر کے میں رخصت لیتا ہوں۔ ہماری عادت تھی، یہ دہرادون ایکسپریس یا رات کی کوئی گاڑی میں تشریف لاتے۔ ہم انتظار کرتے تھے کبھی اسٹیشن تک پہنچ جاتے تھے۔ اسی طریقہ سے سردی کا موسم تھا، بھائی سلیم صاحب تمام مہمانوں کو کھانا کھلا کر کے وہ بھی انتظار کر رہے تھے۔ حضرت قطب العالمؒ اور حضرت فدائے ملت قدس اللہ سرہ العزیز دونوں تشریف لائے۔ حضرت قطب العالمؒ گھر تشریف لے گئے، واپس آئے، پوچھتے ہیں حضرت فدائے ملتؒ سے بھائی کوئی مہمان نہیں آیا؟ کوئی مہمان نہیں؟ یہ کہہ کر پھر اندر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر آئے بھائی کوئی بھی مہمان نہیں آیا؟ ایسے تین مرتبہ آئے اور پوچھتے رہے کہ کوئی بھی مہمان نہیں آیا اور یہ فدائے ملت قدس اللہ سرہ العزیز سردی کا موسم ہے، چادر اوڑھ

کر بالکل اسی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔ ابّا جان کے ساتھ کھانا کھائیں گے، اکیلے تو نہیں کھاسکتے۔ ہم نے اس خاندان میں اکیلے کھاتے ہوئے کبھی دیکھا نہیں، تو چوتھی مرتبہ آئے، آ کر کے کہنے لگے بھائی کوئی بھی مہمان نہیں آیا؟ سلیم بھائی نے کہا کہ حضرت تمام مہمان کھانا کھا کر آرام کر رہے ،تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا لڑکا گم ہوگیا، کوئی بڑا صدمہ پہنچا۔ ایسی حالت میں کہنے لگے بھائی اسعد تو ہی آ جا ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ اکیلے کیسے کھانا کھایا جائے گا، یہ کانوں نے سنا، آنکھوں نے دیکھا۔ باقی درسگاہوں کا منظر، مہمان خانوں کا منظر، ذاکرین کا منظر، یہ بیان کرنے کا نہ میرے پاس اتنا علم ہے نہ اتنی قابلیت ہے۔ ایک واقعہ ہمارے بنگلہ دیش میں تبلیغی ذمہ دار بھائی تھے حضرت مولانا علی اکبر صاحبؒ، انھوں نے خود مجھ سے کہا اس زمانہ میں مواجہ شریف میں بھیڑ بھی ہوتی تھی۔ عصر کے بعد دونوں حضرت فدائے ملت قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت شیخ الحدیثؒ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ قطب الاقطاب دونوں مواجہہ شریف سے تھوڑی دور بیٹھے بیٹھے مراقبہ کررہے تھے، ان کے پیچھے حضرت مولانا علی اکبر صاحب بھی تھے۔ مولانا علی اکبر صاحب پیچھے بیٹھے ہیں۔ اچانک مواجہہ شریف خالی ہوگیا۔ اتنے میں حضرت قطب الاقطاب شیخ الحدیث صاحبؒ اُٹھ کر کے حضرت فدائے ملتؒ کو ایسے پکڑا آؤ بھائی اسعد! سرکارِ دوعالم کی خدمت میں حاضری دیں۔ یہ کہہ کر مواجہہ شریف کے سامنے آگے بڑھے اور دونوں ایک دوسرے کو پکڑ کر کے رونے لگے۔ حضرت مولانا علی اکبر صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا بھائی دوست قلندر کیا کیا مانگ رہے ہیں، کیا کیا مانگ رہے ہیں مجھے تو معلوم نہیں لیکن یہ حالات میں نے دیکھے ہیں۔ بس بھائی حضرت فدائے ملت کے ساتھ بنگلہ دیش کے سفر میں اللہ تعالیٰ نے بہت مرتبہ ساتھ رہنے کا موقع دیا تھا۔ ان کے ساتھ سفر میں جانا گویا کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا۔ ہمارے لیے ایسی مصیبت تھی لیکن وہ چہرہ نہ پھیرے کبھی نہیں دیکھا، ابھی ابھی ایک سال وفات سے پہلے ڈھاکہ سے بری سال، بری سال سے مکتا، مکتا سے پھر برہمن باریہ، ہیلی کاپٹر سے گئے۔ اللہ کے بندہ نے صبح سے لے کر شام تک ایک چائے بھی نہیں پی۔ ایک بسکٹ بھی نہیں کھایا۔ میں نے مجبور کر کے برہمن باریہ میں سلیم گنج میں جب تشریف لے گئے تھے تو ایک پیالی چائے زبردستی، حضرت ایک پیالی چائے تو پی لیجیے۔ ایسا مجاہدہ ان کے مجاہدہ کا لفظ تو میں کہہ سکتا ہوں۔ مجاہدہ کیا چیز ہے جس نے نہیں دیکھا وہ کچھ نہیں سمجھے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مجاہدے کو قبول کرے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق دے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مراتب کو بلند کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

• بعدازاں حضرت مولانا سیّد محمود اسعد صاحب مدنی نے آخری نشست کے صدرِ محترم حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہٗ سے خطاب کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت موصوف نے درج ذیل خطاب فرمایا:

حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصور پوری کا خطاب

الحمد لله ربّ العالمين والصلوٰة والسلام على سيّد المرسلين محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعين، امابعد۔

فقد قال النبی صلی الله عليه وسلم ان اللّٰه يرفع بهذا الكتاب أقواماً و يضع به آخرين. او كما قال عليه الصلوٰة و السلام.

حضرت صدرِ محترم صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی دامت برکاتہم اور ناظم عمومی عزیز مکرم جناب مولانا سیّد محمود صاحب مدنی زیدمجدہ، اور پاکستان، بنگلہ دیش، ساؤتھ افریقہ اور انگلینڈ وغیرہ سے تشریف لائے ہوئے مہمانانِ کرام، ملک کے مختلف علاقوں سے جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داران اور دوسرے حضرات!

فدائے ملت امیر الہند مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کے سوانح حیات، ان کی خدمات، ان کے کارنامے اس سلسلہ میں آپ نے کل سے آج تک بہت کچھ سنا ہے لیکن بہت کچھ باقی ہے جو اختصاراً آیا ہے، مقالات بھی مختصر ہی ہیں۔ ان کو بھی مطول نہیں کہہ سکتے، ان کی بھی تفصیل کی ضرورت ہے۔ آخر کتنا بیان کریں، کہاں تک بیان کریں اور ایسے موقعوں پر کیا کرنا چاہیے، میں سوچتا رہا اور میرے ذہن میں حضرت عائشہؓ کا وہ ارشاد آ گیا۔ مشہور ہے سیرت کی کتابوں میں نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ کیا تھے؟ اخلاق، خلق کی جمع ہے۔ آپ حضرات اہلِ علم ہیں۔ خلق کسے کہتے ہیں، اس کو عربی میں تعبیر کرتے ہیں: **ملكة راسخة في النفس تصدر عنها الافعال بسهولة.** کسی چیز کا کوئی ملکہ مہارت ذہنوں میں طبیعت میں رچ اور بس جائے جس کی بنیاد پر اعمال بڑی آسانی کے ساتھ انجام دیے جاتے رہیں کوئی تکلف کرنا نہ پڑے۔ یہ تعریف ملا علی قاریؒ نے خُلُق کی درج فرمائی ہے۔ کسی کو کسی موقع پر سلام کر لینا، تواضع اختیار کر لینا، اتفاق سے چائے پلا دینا، مہمان نوازی کر لینا، ہمارے یہاں اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ کبھی ایسا کر لینا اتفاق سے اس کا نام اخلاق نہیں ہے، مسلسل ہر وقت ہر موقع پر اُسی طرح کا طرزِ عمل رہے بلا کسی فرق کے اسی کا نام ہے ملکہ، اسی

کا نام ہے مہارت۔تو آقائے نامدار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے:اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم. اس کے بارے میں سوال ہورہا ہے۔حضرت عائشہؓ سے کیا بیان کریں،وہ کہاں سے کہاں تک بیان کریں،رات اوردن کے ساتھ رہنے والی انھوں نے بڑا مختصر جواب دیا: کان خلقه القرآن. بھائی کہاں تک بیان کروں گی پورا قرآن کریم تمھارے پاس ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کریم خلق عظیم دیکھنا ہے تو قرآن کریم پڑھتے جاؤ۔گویا سب سے مستند سیرت کی کتاب قرآن ہے،تو یہ ارشاد ہے جو میرے ذہن میں آیا حضرت عائشہؓ کا تو میں نے بھی یہی سوچا کہ فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ کی کیا کیا بات بیان کی جائے اور کہاں تک بیان کی جائے: کان خلقه القرآن. جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے اپنے کو فنا کرچکا ہو اس کے لیے یہ جملہ بالکل زیب اور مناسب ہے اور جس کو بھی آقائے نامدار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ربط اور تعلق ہوگا وہ قرآن کریم ہی کو اپنا مشعلِ راہ بنائے گا۔اسی کے مطابق زندگی بنائے گا،اس کی وجہ سے اس کو رفعتیں نصیب ہوتی ہیں۔جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک کہ اس کتاب کی وجہ سے باری تعالیٰ لوگوں کو بلندیوں کے انتہائی درجات پر پہنچاتا ہے اور کچھ لوگ وہ ہیں جو قرآن کریم سے صرفِ نظر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو پست کردیتا ہے۔ہماری اور آپ کی بڑی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے کہ ہمیں ایسے قائد،ایسے مرشد،ایسے رہنما،ایسے استاد حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ کی شکل میں ملے جو ان اللّٰہ یرفع بھٰذا الکتاب اقواماً کے مصداق ہیں۔اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں اور یہی وہ چیز ہے کہ قرآن کریم کو مشعلِ راہ بنانا اور قرآن کریم سے ربط پیدا کرنا جن اکابر کے سلسلہ سے ہم جڑے ہوئے ہیں اور جن کا نام نامی بار بار زبانوں پر آتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور اسی ولی اللّٰہی نسبت سے ہمارا سارا علمی سلسلہ قائم ہے۔ان میں ایک بڑی شخصیت حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ کی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ مالٹا کی جیل میں تین ساڑھے تین سال گزار کر تشریف لائے ہیں تو تین ساڑھے تین سال کے عرصہ میں تنہائیوں میں حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ نے بار بار اس بات پر غور کیا کہ ساری دُنیا میں مسلمانوں کو ذلت وخواری نکبت سے کیوں واسطہ پڑرہا ہے؟ کیا بات ہے آخر؟ جہاں دیکھو ذلت،رسوائی۔اس طرح کے حالات کیا وجہ ہے آخر؟ خود لکھا ہے ترجمہ شیخ الہند کے مقدمہ میں حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ نے کہ بار بار سوچنے کے بعد اللہ نے ہمارے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس کی دو وجہ ہیں: ساری دُنیا میں مسلمانوں کو ذلت اور رسوائی کیوں نصیب ہورہی ہے فرمایا کہ اس کی دو وجہیں ہیں۔اللہ نے ہمارے دل میں یہ بات

ڈالی۔ ایک تو یہ کہ امت مسلمہ قرآن کریم سے دُور ہوگئی اور دوسری بات یہ کہ مسلمانوں میں باہمی اختلاف ہے۔نفسانی اختلاف اور جب واپس تشریف لائے ہیں اور دارالعلوم دیوبند میں بیان فرمایا ہے تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس کے راوی ہیں کہ حضرت نے اس بات کو نقل فرمایا اور اس عزم کا اظہار فرمایا کہ میں یہ ارادہ کرکے آیا ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا قرآن کریم کو لفظاً و معناً عام کروں گا اور مسلمانوں کے اختلافات ختم کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ جو ذلت و رسوائی کے اسباب ہیں وہ ختم ہوں، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ زیادہ دن باحیات نہیں رہ سکے۔ اللہ نے ان کو بلالیا لیکن ان کے صحیح جانشین اور خادم خاص مالٹا تک خدمت میں رہنے والے ان کے سامنے وہ مشن تھا حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے اس مشن کو اپنا کر جوگاؤں گاؤں بستی بستی مسجد مسجد مدرسوں کی مکاتب کی تحریک چلائی ہے اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ یہ اسی مشن کا ثمرہ ہےاور یہ صرف لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے نہیں تھا کہ بس سنو اور اس بات کو تم کرو، ہم کچھ نہیں کریں گے۔ خود حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کے ذہن میں قرآن کریم کی جو عظمت اور قرآن کریم کی جو اہمیت تھی یہ بھی آپ کو تاریخ سے معلوم ہے کہ حضرت جب پہلے سال پہنچے ہیں مالٹا تو حافظ نہیں تھے۔ چند مہینوں میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ رمضان سے ڈھائی مہینے پہلے حفظ کیا ہے اور پھر شوال سے صفر تک حفظ کیا ہے۔ اس عرصہ میں پورا قرآن کریم حفظ کیا ہے حضرت نے اور وہاں سے تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے اپنے گھر ہی سے کام شروع کیا۔ یہ نہیں کہ لوگوں کو ہدایت کرو، خوب قرآن کریم پڑھا کرو۔ سب سے پہلے اپنے گھر سے بڑے صاحبزادہ فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ قرآن کریم ان کو پڑھایا سب سے پہلے تعلیم حفظ بھی کرانا چاہتے تھے۔ آپا جی مدظلہا فرمایا کرتی ہیں کہ اُن کے کان میں بہنے کی تکلیف تھی۔ صاحبزادہ محترم حضرت مولانا اسعد صاحب کے بارے میں فرماتی ہیں کہ ان کے کان میں اس وقت بچپن میں بہنے کی تکلیف تھی جس کی وجہ سے حفظ نہیں کر سکے لیکن حضرت کی پوری خواہش تھی اس کے بعد دوسرے صاحبزادہ حضرت مولانا سیّد ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت کم عمر کے اندر حفظ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت قاری اصغر صاحب ان کے استاذ تھے اور حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ نے پہلی محراب بھی ان کی سن لی۔ اب یہ سلسلہ جو حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ نے شروع کیا اپنے استاد حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ کے مشن کے مطابق الحمدللہ وہ سلسلہ جاری ہے اور اس وقت تک میں نام بنام ان کا تذکرہ کروں اس کی ضرورت نہیں۔ صاحبزادے تو سب کے سب حضرت شیخ الاسلامؒ کے حافظ ہیں۔ صاحبزادوں

کے صاحبزادے بھی الحمدللہ حافظ ہیں۔ صاحبزادیاں بھی حافظ ہورہی ہیں۔ اب تک جو مجموعی تعداد ہے ان سب کی اس خانوادۂ مدنی میں تقریباً ۳۲ مرد حافظ ہیں مکمل الحمدللہ اور چار بچیاں یعنی جو شادی شدہ ہوچکی ہیں بچیاں اب نہیں ہیں بیٹیاں ہیں صاحبزادیاں ہیں الحمدللہ سب حافظ ہیں اور سب کا قرآن کریم پڑھنے کا اہتمام رمضان المبارک میں خاص طریقے پرایسے بھی اور رمضان المبارک میں خاص طریقے پر یہ اہتمام جاری ہے۔ حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ کو قرآن کریم سے کیا ربط اور تعلق تھا جب انھوں نے اپنے مرشد اپنے استاذ اپنے شیخ کو دیکھا کہ قرآن کریم کے ساتھ ان کا یہ شغف ہے تو کیا وہ اس سے الگ ہوسکتے تھے، کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ کو قرآن کریم سے جو ربط اور تعلق تھا وہ آپ کے سامنے ہے۔ غیر رمضان میں ان کے کیا معمولات، کس وقت میں کیا، آئے دن ان کی مصروفیات اس میں چلتے پھرتے وہ قرآن کریم پڑھتے ہوں کون دیکھے گا، کون سنے گا لیکن رمضان المبارک کے معمولات سامنے آتے تھے، اپنے استاذ اپنے شیخ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جہاں بھی قیامِ رمضان کیا ان ہی معمولات کے ساتھ متوسلین کے ساتھ اپنے متعلقین کے ساتھ اور قرآن کریم کے ساتھ رمضان المبارک کا اکثر حصہ جو کھانے پینے کے تھوڑے بہت آرام کے اوقات ہیں ان کو چھوڑ کر خود حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ صبح کو فجر کے بعد آرام کرنے کے بعد جب اُٹھتے تھے دس گیارہ بجے کے قریب تو کوئی تھوڑی بہت ڈاک دیکھ لی اور پھر مسلسل تلاوت ہوتی رہتی تھی ظہر کی نماز تک۔ ظہر کی نماز کے بعد جو متعلقین ہوتے تھے متوسلین اپنے احوال ذکر کرکے سبق لیا کرتے تھے پھر تلاوت کا سلسلہ جاری۔ عصر سے لے کر مغرب تک مسلسل دور سننا پھر مغرب کے بعد کچھ مہمانوں سے فارغ ہوکر تھوڑا سا آرام کر کے پھر تراویح اور بڑے اطمینان کے ساتھ تراویح دو ڈھائی گھنٹے کی تراویح میں مسلسل قرآن کریم سننا اور پھر اس کے بعد ذکر کی مجلس میں شریک ہوکر پھر ایک دو گھنٹے آرام کرتے، پھر تین تین چار چار حفاظ سے تہجد کے نوافل میں قرآن کریم سننا۔ یہ مسلسل معمول تھا ہر رمضان میں کسی ایک رمضان کی بات نہیں ہے۔ یہ بغیر قرآن کریم سے تعلق اور ربط کے ممکن نہیں ہے۔

اور قرآن کریم سے ربط اور تعلق کے بارے میں ہمارے مشائخ صوفیاء کہتے ہیں کہ ذکر و اذکار، اوراد و وظائف ان سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے یقیناً اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں ہے لیکن سب سے زیادہ تقرب الی اللہ کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے قرآن کریم کی تلاوت۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: التقربُ الی اللہ تعالیٰ منوط بتلاوۃ القرآن اور افضل عبادۃ

اُمتی تلاوۃ القرآن یہ سب کلمات اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور خود قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی تذکرہ آ رہا ہے حکم دیا جا رہا ہے :اتل ما اوحی الیک من الکتاب یہ حکم کیوں آیا ہے۔ قاضی بیضاویؒ نے سب سے پہلی وجہ لکھی ہے:تقرباً الی اللہ تعالیٰ و تحفّظاً لالفاظہ و استکشافاً لمعانیہٖ. تین وجہ لکھی ہیں لیکن سب سے پہلی وجہ ہے تقرّباً الیٰ اللہ. اسی لیے نفسِ تلاوت قرآن کریم کی یہ تقرب الیٰ اللہ کا سبب اور ذریعہ ہے۔قرآن کریم سمجھ رہا ہو یا نہ سمجھ رہا ہو اس موضوع پر حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ بڑی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔تقریباً جب بھی کہیں مدرسہ کا جلسہ ہو قرآن کریم کے بارے میں گفتگو ہوتی تھی یہ بات ضرور فرماتے تھے کہ قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنا اس پر موقوف نہیں ہے۔اللہ سے قرب اور ثواب ہے۔ایک طبقہ یہ کہتا پھرتا ہے۔ فرماتے تھے کہ بغیر فہم کے قرآن کریم کی آیت سے بھی یہ بات ثابت ہو رہی ہے اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کا مشہور خواب ہے جس کو علامہ شعرانی نے الطبقات الکبریٰ میں نقل فرمایا ہے کہ انھوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اور یہ پوچھ لیا کہ آپ سے قریب ہونے کا بہتر سے بہتر ذریعہ کیا ہے؟ فرمایا کلام اللہ، اللہ کا کلام پڑھو۔ یہ بھی پوچھ لیا کہ بفھم او بلافھم سمجھ کر پڑھیں گے تو تقرب ہوگا آپ سے بلافہم بھی؟ فرمایا جیسے بھی فہم اور بلافہم! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے جو کام دیا گیا ہے یتلو علیھم آیاتہٖ سب سے پہلے یہ آیا تعلیم کتاب تعلیم حکمت تذکرہ سیر، یہ بعد کی چیزیں ہیں۔نفسِ تلاوت قرآن کریم کہ یہ تقرب الیٰ اللہ کا ذریعہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فہم حاصل نہیں کرنی چاہیے۔قرآن کریم کے معانی کا استفہام ہونا چاہیے۔قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔عربی زبان سیکھنی چاہیے۔ترجمہ سے قرآن کریم کو سمجھنا چاہیے کیونکہ جب قرآن کریم سے ربط ہوتا ہے تو تالی اور قاری سے دُنیا میں اس ربط کے دو فائدے سامنے آتے ہیں۔ایک تو یہ کہ کثرتِ تلاوت کی توفیق ہوتی ہے۔اگر دل سے واقعتاً قرآن کریم پڑھتا ہے جو قرآن کریم پڑھنے کے آداب ہیں تو پھر قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی بار بار توفیق ہوتی ہے۔بڑا جی لگتا ہے اس میں اور دوسرا فائدہ اس کا دُنیا میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔یہ دنیا کے دو فائدے ہیں حضرات مشائخ نے لکھے ہیں اور آخرت کا فائدہ کیا ہے؟ آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ قرآن کریم شفیع بنے گا، سفارش کرے گا، حدیث شریف میں صاف موجود ہے، ترمذی میں روایت ہے کہ صاحبِ قرآن آئے گا باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا۔قرآن کریم بھی موجود ہوگا جو قرآن کریم آج بولتا نہیں وہاں بولے گا۔ ہمارا اعتقاد و یقین ہے باری تعالیٰ سے کہے گا، عرض کرے گا یا ربّی حُلّہ' ۔حضرت! انھیں جوڑا پہنا

دیجیے یہ ہمارے پڑھنے والے تھے۔ ہم پر عمل کرنے والے تھے۔ چونکہ صاحبِ قرآن کی تعریف یہی ہے: **الذی یُلازمُه' بالتلاوة والعمل** جو اس کی تلاوت بھی کرتا ہے اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ ہے صاحبِ قرآن، تو قرآن اس کے بارے میں کہے گا **حُلّه'** انھیں جوڑا پہنا دیجیے۔ باری تعالیٰ اس کے سر پر عزت کا ایک تاج رکھ دیں گے۔ بس تاج ہی تاج ہوگا، تو قرآن کریم پھر کہے گا **یا ربّی حُلّه'** انھیں کچھ اور کپڑے پہنا دیجیے۔ **فیلبَسُ حُلّة الکرامة** کرامت کا اعزاز کا جوڑا اس کو پہنایا جائے گا، پھر آخر میں کہے گا: **یا ربّی اِرضِ عنه** حضرت ان سے خوش ہو جائیے آپ، **فیرضی عنه** باری تعالیٰ اس سے خوش ہو جائے گا، اس کے بعد اس سے کہا جائے گا: **اقرأ و ارتقِ** قرآن کریم پڑھتے جاؤ اور اوپر چڑھتے جاؤ۔ **ویُزادُ بکل آیة حسنة**، ایک ایک آیت کے بدلہ میں اس کو ایک "حسنہ" اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا، یہ آخرت کا مقصد پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

ہم حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ مبارکہ میں بھی دیکھتے ہیں، کثرتِ تلاوت اور عمل بالقرآن، اور آخرت میں بھی اس کی امید کیا یقین رکھنا چاہیے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق اور پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ارشاد کی روشنی میں میں جائزہ لینا چاہیے۔ حضرت فدائے ملتؒ کی عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت تو قرآن کریم کی بے شمار میرے سامنے ہیں اور میں نے اپنے مقالہ میں لکھی ہیں۔ اور ایک تو بڑی جامع آیت سامنے آ گئی، وہ سورۂ فرقان میں جو عباد الرحمٰن کی صفات بیان کی گئی ہیں بارہ رحمان کے بندے، ہمارے فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ، رحمان کے خاص بندے تھے، ان کی صفاتِ عبدیت آپ کے سامنے آ چکی ہیں، ان کی بارہ صفات: **الذین یمشون علی الارض هونا و اذا خاطب هم الجاهلون قالوا سلاماً والذین یبیتون لربّهم سجداً و قیاماً** آخر تک پڑھتے چلے جائیے۔ **ربّنا هب لنا من ازواجنا و ذُرّیاتنا قُرة اعیُن واجعلنا للمتقین اماما**. یقیناً ہمارے فدائے ملتؒ یہ دُعا بھی کیا کرتے تھے: **ربّنا هب لنا من ازواجنا و ذُرّیاتنا قرة اعین**. اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی الحمدللہ اور **واجعلنا للمتقین اماما**.

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے ترجمہ فرمایا ہے۔ ہمیں متقیوں کا افسر بنا دیجیے، امام کا ترجمہ حضرت تھانوی نے کیا افسر کا الحمدللہ، یہ دُعائیں قبول ہیں اور کیا ملے گا ان صفات پر۔ **اولائک یُجزونَ الغرفة بما صبروا ویلقّون فیها تحیّه و سلاماً خالدین فیها حَسُنت مستقرّاً و مقاماً**. اس طرح کی آیات کی روشنی میں میں نے جائزہ لیا ہے اور اپنے مقالہ میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم سے گہرا ربط اور تعلق عطا فرمائے اور

حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ کے مطابق اس سے لفظی اور معنوی اور عملی اعتبار سے قرب ہم کو نصیب ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب

یہ تھے ہمارے اس اجلاس کے صدرِ محترم حضرت مولانا قاری عثمان صاحب دامت برکاتہم۔ مجھے اس پر یہ یاد آیا کہ ہمارے حضرتؒ کا قرآن سے شغف ایسا تھا کہ وہ حافظِ قرآن نہیں تھے، لیکن ہم لوگ کبھی گھر میں قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے اور غلط پڑھ رہے ہوں تو ٹوک دیا کرتے تھے۔ اتنی کثرت سے تلاوت کرتے تھے کہ غلط پڑھنے پر انھیں یہ احساس ہوجاتا تھا کہ یہ غلط پڑھ رہا ہے۔

(اس کے بعد حضرت مولانا سیّد سیّد محمود مدنی صاحب نے جناب سیف الدین سوز صاحب کو دعوت دیتے ہوئے یہ تعارفی کلمات فرمائے):

ہمارے بیچ میں آبی وسائل کے وزیر ہیں جناب سیف الدین سوز صاحب تشریف فرما ہیں۔ ہمارے حضرتؒ کی ایک عادتِ شریفہ یہ تھی کہ وہ جب پارلیمنٹ کا سیشن ہوا کرتا تھا تو شروع میں بھی اور بیچ میں بھی مسلم ایم پیز کو پارٹی لائن سے اوپر اٹھ کر جمع کیا کرتے تھے کرنٹ ایشوز پر، تو میں نے اپنے بچپن میں جب میں بالکل چھوٹا بچہ تھا جب سے دیکھا کہ لوگ جمع ہوتے تھے، کھانا کھاتے تھے لیکن اس سے پہلے مسلمانوں کے مسائل پر اور ملک کے مسائل پر بحث ہوتی تھی اور وہ بحث بغیر سوز صاحب کے نہیں ہوتی تھی۔ سوز صاحب اس میں ضرور موجود ہوتے تھے اور جو میمورنڈم بنتے تھے یا کچھ لیٹر بنایا جانا ہوتا تھا اس کی ڈرافٹنگ اکثر سوز صاحب ہی کیا کرتے تھے، تو یہ موقع ہے سوز صاحب یہاں تشریف لائے ہیں۔ ہم ان کو خوش آمدید کہتے ہیں اور یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ تشریف لائیں اور حضرتؒ کے بارے میں کچھ کلمات جو اُن کا تجربہ رہا ہے، کس طرح انھوں نے کام کیا ہے، انھوں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ وفد گیا وزیراعظم سے ملنے کے لیے مولانا اسعد مدنیؒ تو اسی پارٹی کے ممبر ہوتے تھے، دوسری پارٹی کے حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے ممبران ساتھ ہوتے تھے، وہ لوگ وزیراعظم کے سامنے اس طرح ڈٹ کر بے باکی سے نہیں کرتے تھے جس طرح اپنی پارٹی کے وزیراعظم سے مولانا اسعد مدنی صاحبؒ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ان سب چیزوں کے گواہ ہیں ہمارے پروفیسر سیف الدین سوز صاحب۔ میں درخواست کروں گا کہ تشریف لائیں اور اپنے تجربات کو بیان فرمائیں۔

جناب سیف الدین سوز صاحب

عالی جناب مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب صدرِ جلسہ، مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب، جناب مفتی محمد سلمان صاحب، مولانا محمود مدنی صاحب، جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب، علمائے کرام!

آپ کے سامنے آنے میں مجھے بڑی دقت تھی کیونکہ یہاں تو زانوئے ادب تہ کرکے آنا تھا وہ تو میں آیا مگر دقت یہ تھی کہ آپ کے سامنے کیسے اپنے خیالات کا اظہار کروں؟ تو ایک طرح سے مجھے لگتا ہے کہ یہ آفتاب کو چراغ دِکھانے کے برابر معاملہ ہے اور دقت یہ تھی کہ مولانا محمود مدنی صاحب نے دعوت دی یہاں آنے کے لیے اور مجبوری یہ تھی کہ اس وقت جب میں آپ کے سامنے ہوں میں وزیرِ اعظم کے ساتھ جو میٹنگ ہے کشمیر پر راؤنڈ ٹیبل ہو رہا ہے تو اس میں سے یہ لمحات یہاں آپ کی معیت میں گزارنے کے لیے آیا ہوں، اس میں شک نہیں کہ عشاء کے بعد جو طعام کی مجلس ان کے یہاں ہوئی اور میں طعام کا خاص طور پر ذکر کر رہا ہوں، میں محمود صاحب سے کہتا رہتا ہوں میرے عزیز ہیں، مرتبے اور عہدے کے لحاظ سے بزرگ ہیں اور یہ مرتبہ ان کو جائز ہے، آپ روشنی کے مینار ہیں، یہ تو بھیڑ نہیں ہے، آپ میں سے ہر شخصیت ایک انجمن ہے، تو عزیز ہونے کی صورت میں اور تجربہ سے کہتا ہوں کہ اور چیزوں کے علاوہ آپ کا دسترخوان بھی جاری رہنا چاہیے الحمدللہ وہ انھوں نے جاری رکھا اور مولانا ارشد مدنی صاحب اس میں شامل ہیں۔ آپ سارے حضرات اس میں شامل ہیں، تو ان کے یہاں جمع ہوجانا اور قلم اُٹھانا اور کچھ انگریزی میں لکھنا پھر ان سے تصحیح کرانا اور گفتگو بڑی لمبی ہوتی رہی اور اس کا ملت کو وقت وقت پر فائدہ رہا اور یہ سلسلہ تو جاری حکومت ہند کے ساتھ حق ہونے تک رہا اور ایسی تربیت میں ان کے برادرِ اصغر اور اُن کے جو فرزندان ہیں تو ان کو تربیت ہوئی ملت کے معاملات پر سوچنے کی اور غور و فکر کے بعد پھر میمورنڈم تیار کرنا پھر حکومت وقت سے پرائم منسٹر سے اور دوسرے لوگوں سے اظہارِ خیال کرنا اور میں نے دیکھا کہ دل میں ایک بڑی تڑپ تھی اور کئی معاملات تھے ابھی سب سے آخر میں جو اُن کے ساتھ معاملہ تھا گفتگو کرنے کا میرے غریب خانہ پر اور مجھے وہ لمحہ یاد آتا ہے تو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے گھر تشریف لائے، محمود صاحب بھی اور حکومت وقت کے بہت بڑے منسٹر صاحب وہاں تھے، میں ایم پی ہوا کرتا تھا اور بڑی زبردست گفتگو ہوئی دوٹوک، چاہے ریزرویشن کا مسئلہ ہے چاہے اسلامیانِ ہند کا، جو تشخص ہے اس کو ریکگنائز کرنے کی اس کو تسلیم کرنے کی بات ہو تو مولانا نے بے خوفی سے اپنا اظہارِ خیال کیا اور یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت، مجھے بڑی خوشی ہے کہ جناب

محترم احمد پٹیل صاحب بھی تشریف لائے ہیں، ان کا بھی زبردست مولانا کے ساتھ کافی گہرا تعلق تھا، تو سریش پچوری صاحب بھی تشریف لائے ہیں۔ یہ بڑی مبارک بات ہے کیونکہ اس کانفرنس سے وابستہ ہونا ان کا میں ایک نیک فال سمجھتا ہوں۔

تو مولانا نے ہر موقع پر یہ کوشش کی کہ وہ نہ صرف جمعیۃ علماء ہند کی ترجمانی کریں کیونکہ ان کو احساس ہوگیا تھا اور یہ بات محمود صاحب کو اور ان کے جو ساتھی ہیں ان کو خوب سمجھ میں آ گئی ہے، وہ ہر اجلاس میں ان کے یہاں جو اجلاس ہوتا تھا وہ جمعیۃ علماء ہند ہی کی ترجمانی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مسلمانانِ ہند کی ترجمانی کرتے تھے اور اکثر ہر پارٹی کے لوگ جمع ہوتے تھے، گویا اس لحاظ سے ان کا پلیٹ فارم آپ کا پلیٹ فارم جو ہے وہ مسلمانانِ ہند کا ترجمان رہا ہے اور وہ دعوت دیتے تھے ہمیشہ کہ آپ اپنی پارٹی کے دائرہ میں رہ کر اظہارِ خیال کیجیے، لیکن جہاں ہمارا کنسنسس ہوگا، اور وہ اجتماعیت کے بہت قائل تھے، تو ہم کوئی چیز جو آپ کو قبول نہ ہو، تو ہم کنسنسس جس پر ہم سب کا اتفاق ہوگا تو اسی حد تک ہم میمورنڈم ترتیب دے سکتے ہیں، اور اس طرح سے آخری دَم تک جب تک وہ اپولو ہسپتال میں داخل ہوگئے، اور جب تک ان میں قوت تھی بولنے کی اور معاملات پر توجہ دینے کی وہ ہمیشہ قائل رہے کہ وہ جمعیۃ علماء ہند کی ترجمانی کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند کی ترجمانی کریں۔ گویا جو دوسری جماعتیں ہیں ان کو کوئی اس میں ملال نہ ہو، کسی طرح کی دوری نہ ہو، یہ ان کا بہت ہی زبردست کام تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ لیاقت بخشی تھی کہ وہ اس میں بہت صبر و تحمل کے ساتھ کام لے کر جو دوسرے زاویہ ہائے نگاہ تھے ان کو بھی سمیٹ لیتے تھے۔ یہ ایک زبردست قوت تھی ان میں، دوسری بات جس سے آپ سارے لوگ واقف ہیں، ایک دفعہ میں نے ایک گستاخی یہ کی کہ میں نے جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین کو یاد کرتے ہوئے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی بات چھیڑی طالب علم کی حیثیت سے کہ انھوں نے اس ملک کو کیا دیا، وہ ہمارے مجاہدینِ آزادی میں بہت بڑے سالار تھے اور ایک موقع پر علامہ اقبال کو تھوڑی سی غلط فہمی ہوگئی اور ان کو ان سے معافی مانگنا پڑی یہ بھی تاریخ ہے۔ خیر مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ایسی جوت جگائی اس ملک میں جس پر مسلمان فخر کرسکتا ہے۔ احمد علی جناح صاحب نے جو دوقومی نظریہ پیش کیا معذرت چاہتا ہوں اگر اس مجمع میں کسی کو اس میں ذرا سا بھی اختلاف ہوگا۔ میں جمعیۃ علماء ہند کی بات کرر ہا ہوں اور مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اس پر آشوب دَور میں جب جذبات کی رواروی تھی، جب مسلمان خود جذبات کی رو میں بہہ گیا تھا، جب کلمۂ حق کہنا بہت مشکل تھا اُس وقت دیوبند سے جو آواز اُٹھی اور قرآن حکیم کے حوالے سے اُٹھی کہ کائنات کا رب، سارے عالم انسانیت کا رب، اور ساری

انسانیت ایک قوم ہے چہ جائیکہ بھارت کے رہنے والے ہندوستان کے رہنے والے ایک قوم ہیں اور سیاسی معنی میں سیاسی منظرنامہ میں جمعیۃ علماء ہند نے دیوبند کے مرکز سے دوقومی نظریہ کی تردید کی۔ آج جمعیۃ علماء ہند اور اس سے وابستہ لوگوں کا سر بلند رہنا چاہیے کہ آپ وہ ہیں جنھوں نے یہ جوت جگائی جب جذبات کی روانی تھی اُس وقت آپ نے پورے ہندوستان کو یاد دلایا کہ ہم ہندوستانی کی حیثیت سے ایک قوم ہیں، بیشک ہم کو مسلمان ہونے پر فخر ہے اور وہ رہے گا جس طرح ہندو کو بھی فخر ہے ہندو ہونے میں لیکن بحیثیت انسان جو جدائی سیاست ہم کو کرنا چاہتی ہے وہ جمعیۃ علماء ہند کو قبول نہیں تھی، اس لیے اس زمانہ میں محمد علی جناح صاحب سے اختلاف ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے لیے جمعیۃ علماء ہند اور خصوصاً حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں کچھ گوشوں میں غلط فہمی ہوگئی، لیکن دھیرے دھیرے جیسے قرآن میں کہا گیا ہے: **جاءَ الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً۔** دھیرے دھیرے یہ حق سب پر روشن ہوگیا کہ ہم اس ملک میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سبھی فرقوں کے لوگ ایک بڑی قوم کی حیثیت میں ہندوستانی قوم کی حیثیت میں رہ سکتے ہیں اور اپنا تشخص منوا سکتے ہیں اور اپنے مذہب کی حفاظت کر سکتے ہیں اور ہندوستان کا جو آئین بنا اس میں اور لوگوں کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کے نظریات کی بھی ترجمانی ہوئی ہے اور ایک موقع پر جب میں نے ذکر کیا تو مولانا اسعد مدنی صاحب، میں نے دیکھا وہ فرطِ مسرت سے انھوں نے مجھے گلے لگایا گویا آپ کو اس کا علم ہے تو میں نے ان کو بتایا کہ میں ایک معمولی طالب علم ہوں لیکن مجھے فخر ہے کہ دیوبند جو ہے اس کو عام معنی میں سیکولر سیاست کہتے ہیں، میں سیکولر سیاست کو، اس وقت موقع نہیں ہے ان تشریحات میں جانے کا۔ قرآن کریم میں جو **لکم دینکم و لی دین** ہے اور مولانا سیّد یوسف علی صاحب نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا:

Unto you your religion and faith unto me my faith

اور خصوصاً مدینہ کی ریاست کے بارے میں جو ذکر آیا ہے کتابوں میں ایسی خوبصورت ریاست State جس میں نصرانی ہیں، جس میں یہود ہیں، جس میں مسلمان ہیں، جس میں اسلام کا پرچار ہے، مگر مدینہ کی ریاست میں کوئی فساد نہیں ہے اور مائیکل ہارٹ (Michel Hart) نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ٹری بیوٹ (Tribute) پیش کیا ہے اس میں مدینہ کی ریاست کا خاص ذکر ہے کہ جس میں امن وامان تھا، بھائی چارگی تھی، کوئی جھگڑا نہیں تھا اور **لکم دینکم و لی دین** کی پوری تصویر تھی مدینہ کی ریاست میں اور عام معنی میں تشریحات میں جائے بغیر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جمعیۃ علماء ہند نے **لکم دینکم و لی دین** کی تفسیر بہترین تفسیر پیش کی ہے اور مولانا حسین احمد

مدنیؒ نے اس ملک کی سالمیت کے لیے اور ہندو، مسلم، سکھ اتحاد کے لیے اور ایسے آئین کے نفاذ کے لیے جو سارے انسانوں کو برابری دیتا ہے اس کے لیے انھوں نے جدوجہد کی اور ایک اصول طے کیا اور اُسی کے ترجمان مولانا اسعد مدنی صاحبؒ تھے اور ان کے بارے میں جتنا کہا جائے کم ہے۔ آپ نے فدائے ملت ان کو کہا میں اس کی تائید نہ صرف تائید کرتا ہوں بلکہ مسرت کا اظہار کرتا ہوں کہ آج کے دن آپ نے ان کو یاد کیا اور یہاں علماء حضرات نے ان پر جو تقاریر کی ہوں گی میں محمود صاحب سے درخواست کروں گا ان کا ترجمہ بھی ہونا چاہیے تاکہ ہندی میں، انگریزی میں وہ ہم تک پہنچے لیکن اُردو میں جو پروسیڈنگ (Proceeding) کریں گے ان کو پارلیمنٹ کے سبھی ممبران کو دے دیجیے، ہم کو بھی مہربانی کر کے ایک کاپی دے دیجیے۔ ایک اور بات کہنے کے بعد میں اسی پر اختتام کروں گا۔ اور سب سے بڑی جو خوبی میں نے ان میں دیکھی وہ یہ کہ وہ بہت ہی بے باک تھے، وہ لگتے تھے کہ ان کا جو ایکسٹینشن (Extention) تھا باہر لباس کا، گفتار کا بہت ہی انکساری میں بہت ہی عاجز میں تو اس کو انگریزی میں کہتے ہیں ڈگنی فائڈ ہیوملٹی (Dignified Humality) ۔ بڑے معزز، بڑے محترم، ہر بات کو تول کے بولنے والے، لیکن انکساری کا لباس تھا ان کا، پھر دیکھا میں نے جب وہ وفد میں جاتے اور مجھے یاد ہے کہ اندرا جی کے پاس ایک وقت پہنچے، میں بھی دس لوگوں میں شامل تھا اور وہی ترجمان تھے، وہی صدر تھے ڈیلی گیشن کے اور انھوں نے جس بے باکی سے کلام کیا اس کی مثال مجھے تب سے اب تک نہیں ملی، بہت بے باکی سے وہ کانگریس سے وابستہ تھے اور میں نے دیکھا دونوں لیڈر آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور اندرا جی نے یہ لفظ کہا ان کو: مولانا مجھے آپ کی ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ اب کچھ مہلت دے دیجیے تاکہ میں یہ جو آپ نے اشارات دیے ہیں یہ جو آپ نے باتیں بتائیں ہیں تاکہ اس راہ پر میں چلوں گی اور اور نشانِ منزل کو دیکھوں گی اور جو منزل آپ طے کرنا چاہتے ہیں بڑی بے باکی سے انھوں نے کہا۔ کیا غلط ہے کیا صحیح ہے، میں نے دیکھا کہ اندرا جی کو کافی فہم تھا اس بات کا کہ دیوبند اسکول نے کتنی قربانی کی ہے اور ان کو یہ بھی علم تھا کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ صاحب کس درجے کے فعال اور برگزیدہ شخصیت تھی اس ملک میں اور مولانا اسعد مدنی نے کتنا کنٹری بیوٹ (Contribute) کیا تھا تو مجھے شروع میں جب وہ تقریر کرنے لگے حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب مجھے دل میں کھٹکا ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ وزیر اعظم اندرا جی ان سے ناراض ہو جائے لیکن میں نے چند لمحوں کے بعد دیکھا کہ وزیر اعظم اندرا جی ان کے دل میں جو پریشانی تھی دماغ میں ان کو سمجھ رہی ہیں اور ان کے جذبے کی قدر کر رہی ہیں اور ان کو یہ بھی کہا کہ ایک دعوت دے دی کہ وہ پھر سے ان سے ملاقات

کریں اور میمورنڈم لیتے ہوئے انھوں نے کہا مولانا میں اب بات سمجھ چکی ہوں مجھے کچھ مہلت دے دیجیے تاکہ ان باتوں پر میں غور وخوض کر کے آپ کو پھر تشریف لانے کے لیے دعوت دے دوں تو وہ ہوا اور یہ جو کچھ حاصل ہوتا تھا وہ سب لوگوں کے سامنے رکھتے تھے تو یہ جو کہا کرتے ہیں عام طور پر مرنے والے کبھی نہیں آتے مرنے والوں کی یاد آتی ہے اور آج بڑی خوشگوار یاد ہے۔ آپ نے فدائے ملت کے طور پر اُن کو یاد کیا ہے۔آپ کو مبارک ہو جمعیۃ علماء ہند کو مبارک ہو، مولانا مدنی صاحب کو مبارک ہو، قائد صدر کو مبارک ہو، پوری جمعیۃ علماء ہند کو مبارک ہو کہ آپ نے مناسب الفاظ میں مناسب موقع پر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو یاد کیا ہے۔مبارکباد بہت شکریہ!

● **حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب**:

پروفیسر سیف الدین سوز صاحب اپنے تجربات بیان کررہے تھے۔ ہمارے بیچ میں جمعیۃ علماء آسام کے جنرل سکریٹری حافظ بشیر احمد صاحب موجود ہیں، ان سے درخواست کروں گا کہ وہ آئیں اور کچھ کلمات فرمائیں، حافظ بشیر صاحب۔

حافظ بشیر احمد صاحب

صدرِ محترم اور جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری محترم حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی اور علمائے کرام، مہمانانِ کرام!

آج کے فدائے ملت سیمینار کے موقع پر خصوصاً اسی بات کو کہنے کے لیے مجبور ہیں کہ حضرتؒ نے آسام میں اور خصوصاً آسام کے مسلمانوں کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں، یہ آسام کے مسلمان بھی بھلا نہیں سکتے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء کے بیچ میں کوئی انڈیا پاکستانی نکالنے کی جو سازش ہوئی تھی اس وقت اور تقریباً پانچ لاکھ مسلمانوں کو وہاں سے نکالا گیا جس وقت آسام کے کوئی بھی مسلمان اس بات کو کہنے کے لیے بھی ہمت ان کے سینے میں نہیں تھے کہ یہ غیر قانونی طور پر ہندوستانی شہری کو نکالا جارہا ہے۔ حضرتؒ اس وقت آسام پہنچے اور دھوبڑی میں مائک لے کے لوگوں کو بلاتے تھے کہ تم نکل کے آؤ ہم تمھارے ساتھ ہیں اور اسی نعرہ کو لے کر انھوں نے دھوبڑی سے آسام کے بالکل مشرقی ضلع تنسکیا (Tinsukya) تک پہنچے اور کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر اس وقت کے منسٹر فخر الدین علی احمد جو بعد میں صدر ہند بھی بنے ان سے بات کی پھر اس بات کو یہاں دلّی میں اُٹھایا۔ اس کے بعد یہ معاملہ کچھ نارمل پہ آ گئے تھے پھر آئی ایم ڈی ٹی ایس کا مسئلہ ہو جو بار بار یہاں یہ بات آئی ہے۔ آسام ایک سیلاب زدہ صوبہ ہے۔ حضرتؒ نے جو خدمات انھوں نے آسام کے

لوگوں کے لیے اور خصوصاً وہاں کے مسلمانوں کے لیے جو انھوں نے انجام دی ہیں یہ آسام کے مسلمان کبھی بھول نہیں سکتے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ابھی بھی جمعیۃ علماء آسام بہت مضبوط ہے۔ ہر مرحلہ اور ہر موقع پہ آسام کی جمعیۃ علماء، حضرتؒ کی راہ جو انھوں نے ہم لوگوں کو دِکھایا، اور جو راستہ اُنھوں نے ہم لوگوں کو دیا اسی راستہ پر ہم لوگ ابھی تک وہاں کے فارنر (Foreigner) ایشو ہو یا اکسٹریمیزم ایشو ہو یا بنگلہ دیشی کا ایشو ہو اور وہاں کے سیلاب یا اور دوسرے جو مسائل ہیں وہاں کی شہریت کے ہم ابھی تک حضرتؒ کے جو راستہ ہم لوگوں کو دِکھایا انھوں نے جو مشورہ ہم لوگوں کو دیا تھا اسی پر ہم چل رہے ہیں اور آئندہ ہمیں اُمید اور یقین ہے کہ حضرتؒ کی یہ رہبری ہمارے لیے سب سے بڑا اپنی شہریت کو اور اپنی عزت ایمان کی حفاظت کے لیے اس ملک میں بہت بڑا سامان اور ہمارے لیے رہبری ہوگی۔ بس اخیر میں حضرتؒ کی مغفرت اور ان کی رہبری آسام اور پورے ہندوستان والوں کے لیے آئندہ دن کے لیے ہم لوگوں کی روشن راہ ہو، اسی پر میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔

مولانا متین الحق اُسامہ صاحب کانپوری (نائب صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وقت اس وقت کچھ کہنے کا نہیں، بہت کچھ کہا گیا۔ حضرتؒ کا شہر کانپور سے بہت خاص تعلق رہا۔ کانپور میں بہت سے پروگرام فرقِ باطلہ کے خلاف ہوئے۔ بعض مقالات میں اس کا ذکر بھی آیا۔ میں ایک ہی منٹ میں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلاؤں گا جو حضرتؒ کے مشن کا حصہ تھا اور صبح کی نشست میں ایک مقالہ میں اس کا ذکر آیا۔

حضرتؒ جہاں بہت سی خوبیوں کے مالک تھے وہاں انسانی مساوات اور سماجی مساوات کے صرف نظریاتی اعتبار سے نہیں عملی اعتبار سے اس کے داعی تھے۔ نظریہ بنالینا آسان ہے لیکن اس نظریہ پر عمل کر کے دِکھلانا ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ذات پات اور سماجی ناانصافی کی ایک طویل تاریخ ہے وہ طبقہ جن کو سماج سے بالکل اچھوت کردیا گیا اور ان کو دلت بنا کر کے ان کے حقوق ختم کردیے گئے حضرت نے ایک آواز لگائی کہ زبان کے اعتبار سے، سیاسی اعتبار سے، مذہبی اعتبار سے سب یہ کہتے ہیں کہ سارے انسان برابر ہیں لیکن جب معاملہ آتا ہے ساتھ بیٹھنے کا، ساتھ تعلقات کا، کھانے پینے کا تو وہاں پر امتحان ہوتا ہے کہ کیا دل میں بھی یہ مساوات ہے یا نہیں؟ دلت مسلم کھان پان کا ایک خاص پروگرام حضرت نے کرایا کہ جن کو اچھوت سمجھا گیا ان

کے ساتھ مل کر ایک ساتھ کھانا کھائیں، بلکہ ایک ساتھ نہیں ایک برتن میں کھانا کھائیں۔ کانپور میں اس مرتبہ دلت مسلم پر پروگرام ہوا، اور مجھے آج تک یاد ہے وہاں کا طبقہ آج تک یاد کرتا ہے۔ علی الاعلان وہاں کے بعض لیڈران نے بڑے بڑے جلسوں میں کہا کہ ہمارے حق کی بات سب نے کی، قانون ہمارے لیے بنادیا لیکن ایسا رشی منی جس نے ایک پلیٹ میں کھانا لے کر اور اسی نے اس سے کھایا ہو اور ہمارا بھی ہاتھ اُسی میں پڑا ہو ایک پلیٹ میں کھایا ہو ایسا عملی ثبوت آج تک ہم کو کسی نے نہیں دیا۔ تو اس لیے جہاں مساوات کی بات ہے حضرتؒ کی زندگی کا یہ ایک اہم پہلو ہے کہ سارے انسان اگر برابر ہیں ہمارے، ہم اہل علم یہاں موجود ہیں، یہاں سے حضرتؒ کے اس اہم پہلو کو لے کر اُٹھیں کہ ہم بھی مساوات زبانی نہیں علمی نہیں خالی لکھنے میں نہیں عمل کے اعتبار سے ہم سارے طبقات کو برابری کا درجہ دے کر خصوصاً جس طبقات کو بالکل پسماندہ کیا گیا ان کو اپنے ساتھ بیٹھا کر نہیں ایک ساتھ کھلا کر یہ تاثر دیں کہ سارے انسان برابر ہیں۔ اس میں کوئی اُونچ نیچ نہیں۔ یہ حضرت کی تبلیغ کا اور مساوات کی عملی زندگی کا ایک اہم نمونہ ہے۔ کانپور میں ہم ان کو کر کے دیکھا، لکھنؤ میں دیگر علاقوں میں۔ اللہ پاک حضرتؒ کے سارے کمالات کے ساتھ ساتھ اس اہم مشن کو بھی زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ السلام علیکم!

حضرت مولانا حیات اللہ صاحب قاسمی (صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب صدرِ محترم، حضرات علمائے کرام!

کل سے حضرت کے اوصافِ حمیدہ کردار واخلاق پر مقالات علماء کے بیانات سن رہے ہیں۔ حضرت مولانا اُسامہ صاحب نے دلت کھان پان کا تذکرہ کیا۔ انسان کو پہچانا جاتا ہے کسی معاملہ سے یا سفر میں ساتھ ہونے سے۔ حضرتؒ کا ساتھ سفر میں رہا ہے، لوگ بڑے بڑے اجتماعات میں جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھول جاتے ہیں۔ حضرتؒ جتنے افراد ہوتے تھے جب کھانے یا ناشتہ کی محفل ہوتی تھی تو حضرت ایک ایک کو بلاتے تھے۔ اس دسترخوان پر جب سب آجاتے تھے حتیٰ کہ حضرت کا ڈرائیور اگر وہ مسلمان ہے تو اپنے ساتھ بیٹھاتے تھے اور اگر غیر مسلم ہے تو اس سے پوچھتے تھے کہ تمھارے کھانے کا بندوبست الگ سے کیا جائے یا جو ہم کھانا کھا رہے ہیں یہ کھا لوگے۔ اگر حضرت کے ساتھ کھانے پر آمادگی ظاہر کرتا تھا تو اس کو بھی اسی دسترخوان پر بیٹھا کر کھلاتے تھے ورنہ منتظمین سے کہتے تھے اس کے کھانے کا الگ سے انتظام کرو۔ بہت چھوٹی سی بات معلوم ہوتی

ہے لیکن ہے بہت بڑی۔

آج کے لیڈرانِ قوم سرمایہ دار، وہ فنکشنوں میں جاتے ہیں، جلسوں میں جاتے ہیں، تقریبات میں جاتے ہیں، اپنے ڈرائیوروں کو بھول جاتے ہیں، میرے محترم دوستو، بزرگو! اللہ کے اس بندے نے اللہ کی مخلوق کا ہر جگہ خیال رکھا ہے۔ اللہ ہمیں اور آپ کو بھی حضرت کے اس نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

● اسی درمیان اس آخری نشست کی مہمانِ خصوصی محترمہ سونیا گاندھی چیئرپرسن یو پی اے وصدر آل انڈیا کانگریس پارٹی اسٹیج پر رونق افروز ہوئیں تو ان کی آمد پر حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب نے درج ذیل خطاب کیا:

مولانا سیّد محمود اسعد مدنی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحبؒ کی خدمات، ان کے نظریات اور ان کی زندگی کے کارناموں پر بحث کرنے کے لیے گفتگو کرنے کے لیے اپنی معلومات پیش کرنے کے لیے یہ دوروزہ سیمینار جس کا یہ فائنل سیشن ہے کنکلوڈ (Conclude) ہو رہا ہے یہ سیمینار، اس میں میں یو پی اے کی چیئرپرسن محترمہ سونیا گاندھی صاحبہ کا استقبال کرتا ہوں اور اس کا تعلق جونہرو خاندان کے ساتھ یا یوں کہیں کہ آزادی کی لڑائی کے بعد، جدوجہد آزادی میں جمعیۃ علماء اور انڈین نیشنل کانگریس کا رہا ہے اس تعلق کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ آپ اس میں شرکت کرتیں حصہ لیتیں۔ آج مولانا اسعد مدنی صاحبؒ ہمارے بیچ میں نہیں ہیں جبکہ ہندوستان کو، ہماری جماعت کو، اور پوری دُنیا کو آج ان کی، ان کے آئیڈیالوجی کی جتنی ضرورت ہے شاید دُنیا کو ہندوستان اور ہماری دُنیا کو کبھی نہیں رہی ہوگی۔ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ دُنیا ہے اور دُنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک وہ لوگ ہیں جو توڑنے کی بات کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو نفرت کی بات کرتے ہیں، وہ لوگ ہیں جو دشمنی کی بات کرتے ہیں، وہ لوگ ہیں جو ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں یا ظلم کرتے ہیں، وہ لوگ ہیں جو کمزوروں کی کمزوری کا فائدہ اُٹھانے کی سوچتے ہیں، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو امن کی بات کرتے ہیں، انصاف کی بات کرتے ہیں، مظلوموں کے حق کی بات کرتے ہیں، جو کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانے کی نہیں بلکہ ان کو اُوپر اُٹھانے کی بات کرتے ہیں۔

مولانا اسعد مدنیؒ ان روایتوں کے پاسبان اور امین تھے جن روایتوں نے انسانوں کو

انسانیت کا درس دیا اس کے امین تھے، قومی اتحاد، کمیونل ہارمنی (Communal Harmoney) اور اسلام کا جو کنسیپٹ آف پیس (Concept of Peace) ہے اس کنسیپٹ آف پیس کو انھوں نے پوری زندگی اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا اور اس سے کبھی کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔

میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آزاد ہندوستان میں کوئی موقع ایسا نہیں ملے گا جب مولانا اسعد مدنیؒ نے کبھی شوٹرمی نیفٹ کے لیے کوئی ایک قدم اُٹھایا ہو اور انھوں نے کبھی کسی طرح کے فائدے کے لیے وقتی فائدے کے لیے کسی چیز سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ اپنے ان اصولوں سے ایک اِنچ نہیں ہٹے۔ اگر مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کی آئیڈیالوجی (Idealogy) کو ہندوستان نے ہندوستانیوں نے اور مسلمانوں نے اپنے سینے سے نہیں لگایا تو نہ ہندوستان نہ ہندوستانی اور نہ مسلمان کبھی اپنے اس وِژن کو جو ۲۰۲۰ء کا ہندوستانیوں نے سجایا ہے اس کو کبھی پورا نہیں کرسکیں گے۔

کل مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے بہت اچھی بات کہی کہ اگر ظالموں سے مقابلہ کرنا ہے تو ہمیں اس خطے کو جوڑنا ہوگا اور یہی وہ کردار ہے جو مولانا اسعد مدنی صاحبؒ نے چھوڑا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بہت ہائی پروفائل (High Profile) ہوتے ہیں، دُنیا اُن کو سمجھتی ہے ان کو جانتی ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو گراؤنڈ (Ground) پر خدمتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اس دُنیا سے اور دُنیا ان کی حقیقت کو پہچان نہیں پاتی۔ مولانا اسعد مدنی صاحبؒ بھی انھیں لوگوں میں سے تھے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ اگر مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کی آئیڈیالوجی اور نظریات کو ہم لوگوں نے عام نہیں کیا، اگر اُسے سینے سے نہیں لگایا، اگر ہم نے اس پر چلنے کا عزم نہیں کیا، تو ہم پچھڑ جائیں گے، ہندوستان پچھڑ جائے گا۔ اور یہ آئیڈیالوجی ان کو وراثت میں ملی تھی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سے۔ دیوبند میں پڑھے اور دیوبند کا شیخ الحدیث، مفسر قرآن اور اس نے ایک پلان تیار کیا۔ ذرا غور سے سنئے گا میری بات کو، انھوں نے ایک پلان تیار کیا اس شخصیت نے اور اس کے لیے انھوں نے طے کیے اپنے پانچ چھ شاگرد، وہ بھی سب علماء اور جس جگہ اس پلان کو ایگزیکیوٹ (Execute) کرنا تھا جا کر کے افغانستان وہ سرزمین بھی ننانوے فیصد سے زیادہ مسلمانوں کی سرزمین تھی، پلاننگ کرنے والے مسلمان ایگزیکیوشن (Executrion) کرنے کے لیے جارہے ہیں، وہ بھی مسلمان، جس خطے میں کیا جارہا ہے وہ بھی مسلمانوں کا خطہ تو پھر اس پلاننگ کا ہیڈ، اس پلاننگ کا انچارج کون ہونا چاہیے؟ وہ گورنمنٹ ایگزائلڈ (Government Exiled) کے جو جلاوطن حکومت بنائی گئی تھی۔

تو یہ تاریخ ہے، ہسٹری (History) ہے کہ اس پہلی حکومت کا، جلاوطن حکومت کا سربراہ،

صدر، پریسیڈنٹ (President) جو بنایا گیا وہ مشہور ہے کہ راجہ مہندر پرتاپ کو بنایا گیا، محنت انھوں نے کی، پلاننگ انھوں نے کی، جان کی قربانیاں انھوں نے دی، جیل انھوں نے کھائی، اپنے علاقے میں رہنے اپنے لوگوں کی جگہ پر سرکار قائم کی، لیکن راجہ مہندر پرتاپ کو صدر بنایا اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ جو اس سرکار کے وزیر خارجہ تھے فورین منسٹر (Foreign Minister) تھے ان کے جو سیکریٹری ہوا کرتے تھے راجہ اجیت سنگھ صاحب وہ شہید بھگت سنگھ کے چچا تھے۔ ہندوستان ہماری تاریخ لکھنے والوں نے آزادی کی تاریخ مرتب کرنے والوں نے یاد رکھا تو راجہ اجیت سنگھ صاحب کو یاد رکھا اور مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کو بھلا دیا۔

میرے بھائیو! بزرگو! محترم حضرات!

آج ہمارے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ اس تاریخ اور اس سلسلے کو باقی رکھنے کے لیے یاد کرنے کے لیے، محترمہ سونیا گاندھی صاحبہ ہمارے بیچ میں موجود ہیں، اور انھوں نے قربانی کی ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو شاید آج کے موقع پرست سیاست دانوں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ یہ ملک کی وزیر اعظم بھی ہوسکتی تھیں۔ اسی لیے ہمیں یقین ہے کہ اس ملک کے لوگوں کو انصاف ملے گا، آج اس پورے برّ صغیر سے بہت سارے معزز اور محترم حضرات یہاں موجود ہیں، ہمارے اس اجلاس، اس سیمینار میں جمعیۃ علماء سری لنکا کا ڈیلی گیشن موجود ہے، جمعیۃ علماء نیپال سے لوگ آئے ہیں، بنگلہ دیش سے علماء کا ایک مؤقر وفد آیا ہے اور پاکستان سے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام اور لیڈر آف اپوزیشن (Leader of Opposition) پاکستان اپنے محترم رفقاء کے ساتھ یہاں تشریف فرما ہیں۔ سعودی عرب سے، امریکہ سے، انگلینڈ سے، ایسوسی ایشن آف مسلم اسکول آف برٹین کے چیئرمین ڈاکٹر محمد حسین مقدم آئے ہیں، میں ان سب کی آمد کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور محترمہ سونیا گاندھی صاحبہ کو اس اُمید اور یقین کے ساتھ، امید ہی نہیں بلکہ یقین کے ساتھ دعوت دینا چاہتا ہوں کہ آج کا یہ اجتماع یہ پیغام دے گا، یہ میسیج دے گا کہ اس دُنیا کو آج مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کی ضرورت ہے، وہ نہیں ہیں تو ہمیں ان کا آئیڈیالوجی، ان کا نظریہ، جو لوگوں کو ملانے کا نظریہ ہے، جو غریبوں کے ساتھ جڑنے کا نظریہ ہے، جو انسانوں کو توڑنے کا نہیں بلکہ جوڑنے کا نظریہ ہے، جو انصاف کا نظریہ ہے، اس نظریہ، اس آئیڈیالوجی کو ہم سب لوگ اس عزم کے ساتھ رخصت ہوں گے کہ اپنے سینے سے لگائیں گے اور اس کارواں کو آگے بڑھائیں گے۔ میں اس یقین کے ساتھ محترمہ سونیا گاندھی صاحبہ کو دعوت دوں گا کہ وہ تشریف لائیں اور اپنے کلمات سے نوازیں۔

محترمہ سونیا گاندھی صاحبہ

(چیئرپرسن یوپی اے وصدر آل انڈیا کانگریس پارٹی)

مولانا قاری عثمان صاحب، مولانا ارشد مدنی صاحب، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب، جناب اکرم خان دُرّانی، مولانا محمودا سعد مدنی جی، خواتین اور حضرات!

مجھے آپ کے بیچ آ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ یہاں بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے مولانا اسعد مدنی صاحب کو قریب سے جانا تھا۔ مولانا صاحب سچ مچ ایک عظیم الشان شخصیت تھی، ان کی شخصیت کے کئی پہلو تھے اور ہر پہلو اثر دار تھا۔ وہ دارالعلوم کے جانے مانے عالم اور استاذ تھے۔ اچھے پارلیمنٹیرین اور سماج کے پرکھ نیتا تھے۔ یہ سیمینار مولانا صاحب کی وفات پانے کی رسم ادائیگی بھر نہیں ہے۔ میری سمجھ سے تو یہ موقع ہے مولانا صاحب کی زندگی کے اصولوں کو پھر سے یاد کرنے کا، ان کے کاموں پر غور کرنے کا اور ان پر پھر سے ایک بار زور دینے کا، میری سمجھ سے یہ بہت ہی ضروری ہے، کیونکہ جس طرح کی چنوتیوں سے مولانا صاحب زندگی بھر جھوجھتے رہے ایسی چنوتیاں آج تک ہمارے سامنے بنی ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے اور بھی جوش وخروش سے ان چنوتیوں کا مقابلہ کرنے کا۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں جمعیۃ علماء ہند کی بھومیکا (کردار) بہت اہم رہی ہے۔ جمعیۃ نے سمبندھت راشٹریتا (متحدہ قومیت) کی جس سوچ کو اپنایا اس میں ہمارے سماج کی بھویدیتھا (ہمہ جہتی) جھلکتی تھی، سمبندھت راشٹریتا کی اسی سوچ کی وجہ سے سماج کے ہر طبقہ کو جنگ آزادی میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ اسی سوچ نے ہمارے سمویدھان کو جنم دیا، اسی سوچ نے اقلیتوں کے حقوق اور تمام ناگرکوں کے ادھیکاروں کے وچار کو ممکن بنایا۔

مولانا اسعد مدنی کا جیون اور ان کے کام اس بات کے ثبوت ہیں کہ دھارمک یا مذہب پرست ہونے کا مطلب سامپردایک (فرقہ وارانہ) ہونا نہیں ہے۔ پرمپرا کا سمّان کرنے کا مطلب کٹرپنتھی ہونا نہیں ہے۔ مولانا صاحب نے اور اُن کے پہلے جنھوں نے جمعیۃ کی اگوائی کی ان لوگوں نے ثابت کر دیا کہ دیش بھکتی پر کسی ایک رنگ کا ایک ادھیکار نہیں ہوتا۔ سچی دیش بھکتی میں اونچے اور نیچے کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ انھوں نے مولانا حسین احمد مدنی کے ان الفاظ کو ثابت کر دِکھایا کہ ہمارے مذہبی اور تہذیبی فرق قوم کی زندگی میں ہماری حصے داری میں کہیں آڑے نہیں آتے۔ اپنے سارو جنک جیون (اجتماعی زندگی) میں مولانا مدنی ہندوستان کے مسلمانوں کے

حالات کے بارے میں تاعمر فکر مند رہے ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں سنسد میں بولتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ سامپردایک معاملوں پر ہمارے یہاں بہترین قانون موجود ہے لیکن وہ ٹھیک سے لاگو نہیں کیے جاتے۔ حالیہ برسوں کے تجربوں سے اس بات کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ ہم ایک پُری پکو راشٹر ہیں، اپنی کمزوریوں کو پہچاننے کی ہمت ہے، انھیں دور کرنے کی ہمت ہمارے پاس ہے۔ یہ ہمت یہ حکمت ہمیں اپنانی ہے کیونکہ قانون کے معاملے ہر ناگرک سمان (شہری حقوق) ہیں اور ہر ایک کو جان و مال اور وقار کی حفاظت کا یکساں حق حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ وکاس میں بھی ہر ناگرک کی حصہ داری ہونی چاہیے۔ اپنا وکاس کرنے کا اوسر سب کو سمان روپ سے ملنا چاہیے۔ اسی بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے یوپی اے سرکار نے ڈاکٹر منموہن جی کے نرتو (قیادت) میں مسلم سمودائے (مسلم فرقہ) کی ساماجک، آرتھک اور شکشا سمبندھی استھتی کی جانچ کرنے کے لیے اور حالات میں سدھار کے اُپائے سجھانے کے لیے ایک اُچیہ اَستریہ سمیتی (اعلیٰ سطحی کمیٹی) بنائی تھی اور اس سمیتی کی رپورٹ پر وچار کیا گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ سرکار بہت جلد ہی سبھی اُچت کارروائی کا اعلان کرے گی۔

ایک بات میں بہت صاف اور پرزور ڈھنگ سے کہنا چاہتی ہوں۔ اقلیتوں کی حالت سدھارنے کے معاملے میں ہم کو نہ کچھ چھپانا ہے نہ کسی سے ڈرنا ہے۔ اگر ہمارے سماج کے کچھ لوگ پچھڑ گئے ہیں تو ان کو آگے بڑھانا ہمارا فرض ہے۔ سرکار ہر حال میں اس فرض کو نبھائے گی تاکہ ہر بھارت واسی (ہندوستانی) قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھے اور کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ اَتیت (ماضی) کی کمیاں دور کرتے ہوئے ورتمان (زمانۂ حال) کو سدھارتے ہوئے ہمیں بھوشیہ (مستقبل) کی اُور بھی دیکھنا ہے۔ اکیسویں صدی کی دُنیا میں ارتھ وِوستھائیں (معاشی وسائل) ایک دوسرے کے قریب آرہی ہیں۔ تہذیبی پربھاؤ پرانی حدیں توڑ رہے ہیں۔ اب کوئی اپنے آپ میں محدود ٹاپو بنا نہیں رہ سکتا۔ پرانے پوروگرہوں کو لگاتار دُہرایا نہیں جاسکتا۔ اس وقت دُنیا بھر کی نوجوان پیڑھی ایک دوسرے سے سونواد (مذاکرات) کرنے اور سیکھنے کے لیے بے حد اُتسک (پرجوش) ہے۔ اسی لیے آنے والی دُنیا سنواد کی مانی دائے لوگھ کی دُنیا ہونے جارہی ہے۔ قوموں، تہذیبوں، مذہبوں کے بیچ سنواد کی دُنیا ہونے جارہی ہے۔ اس دُنیا کی تعمیر میں ہندوستان کا یوگدان بہت ہی اہم بلکہ انوکھا ہونے جارہا ہے۔ اس کی وجہ ہے وِودھتا میں ایکتا (اختلاف کے باوجود اتحاد) کا ہمارا اتیہاسک انوبھو (تاریخی تجربہ)۔ اپنی پارمپرک بہومولتا کو اور مضبوط بنا کر ہم دُنیا کے سامنے ایک مثال قائم کرسکتے ہیں۔ مذہبی راشٹریتک کی سوچ کو خارج کرنے میں جمعیۃ علماء ہند نے اتیہاس میں مہان پرن بھومیکا (عظیم ذمہ داری) نبھائی ہے۔ مذہبی راشٹریتا کے

بجائے جمعیۃ نے سمنوت راشٹریتا (مذہبی آزادی) کے وِچار کو اپنایا، اسی راشٹریتا کے وچار کو اپنایا جس میں ذات، دھرم کی وِرودھابھاس کی بنا پر ہندوستان کے لیے گنجائش تھی کہ وہ ملک کی آزادی، ترقی اور بہبودی کے لیے کاندھے سے کاندھا ملا کر لڑے۔ آج ایک بار پھر سے اسی بھاؤنا کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس بھاؤنا کے دو آدھار ہیں، سبھی ناگرکوں (شہریوں) کی سچی سمانتا اور ظاہر یا دبے چھپے بھید بھاؤ کا خاتمہ، سچی راشٹریتا، سچے راشٹر واد کی اس بھاؤنا کا بنیادی عقیدہ ہے ہماری وِودھتا اور اس عقیدے کو بنائے رکھنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے سیکولرزم (Secularism)۔ میں جمعیۃ اور صحیح سوچ والے سبھی راج نیتک سموہوں سے اپیل کرتی ہوں کہ اس عقیدے کو بنائے رکھیں۔ آخر میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے آج مجھے اپنے بیچ بلایا اور مولانا اسعد مدنی صاحب کی خدمات اور کردار کے بارے میں چند الفاظ کہنے کا موقع دیا ہے۔ جے ہند!

- **حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب:**

یہ جو بات ہے کہ ڈائیلاگ کا زمانہ ہے اور ڈائیلاگ ہی مسائل کا حل ہے اور ہندوستان کا بہت بڑا کردار ہوگا۔ ۱۸۵۷ء کی جہادِ آزادی کو اگر آپ یاد کریں تو وہ میرٹھ سے سفر شروع ہوتا تھا اور سارے ملک میں لوگوں نے قربانیاں دی تھیں۔ اس کے ڈیڑھ سو سال پورے ہو رہے ہیں۔ آج موقع ہے کہ یہ پورا برِّ صغیر اس یاد کو اس موقع کو استعمال کرے لوگوں کو جوڑنے میں۔ یہ موقع ہے اور اس میں اگر ہماری حکومتیں، ہندوستان کی حکومت اور پڑوسی ملکوں کی حکومتیں اس پر تیار ہوں اور عوام ایک دوسرے سے مل کر وہ لوگ جن کے پیچھے تاریخ ہے سلسلہ ہے، وہ ۱۸۵۷ء کے اس آندولن کو، اس آزادی کے جہاد کو، ان قربانیوں کی اس تاریخ کو سب اکٹھے ہو کر ملیں اور منائیں، یہ کام اگر ہو جائے تو یقیناً اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہندوستان کا، اس دیش کا ہمارے بہت بڑا الگ کردار اس ڈائیلاگ کے پروسیس (Process) میں ہونے والا ہے اور پھر ہمارا یہ خطہ یہ ریجن (Region) یہ ہندوستان ساری دُنیا کی رہنمائی کرے گا ہمارا دیش اس دُنیا کی رہنمائی کرے گا۔ تو بہت شکر گزار ہوں میں کہ وہ تشریف لائیں اور اپنے ان خیالات کا اظہار اس انداز میں کیا۔ یقین ہے ہمیں اس بات کا کہ لوگوں کو انصاف ملے گا۔ اور یہ ایسی صورت میں ہو سکتی جب سب لوگ برابر کی ترقی کریں اور آپ یونائیٹڈ پروگریسو (Unitd Perograssive Alaince) کی چیئرپرسن ہیں اور آپ کے پیچھے بھی قربانیوں کی ایک تاریخ ہے اور آپ نے بھی قربانی دی ہے اور ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ آپ کے ہاتھ سے ملک میں بسنے والے لوگوں کو انصاف ملے گا اور ہمارا ملک ترقی کرے گا، خوشحال بنے گا اور ہم لوگ اکٹھے ہوں گے اس خطے میں بھی اس ریجن میں بھی آپ کی

قیادت میں کچھ ایسے اینی شیٹو (Anitiat iv e) لیے جائیں گے جن کے نتیجے میں یہ پرانی کڑواہٹیں اور جو معاملات چل رہے ہیں ان معاملات کو سدھارا جا سکے گا، نمٹایا جا سکے گا۔

ایک بات انھوں نے یاددہانی کرادی ہے تو وہ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ مدرسے ہم لوگوں کی اساس ہیں، ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں اور ہندوستان کے مسلمان اس کو اپنا پیٹ کاٹ کر ایک روٹی کے بجائے آدھی روٹی کھا کر کے گزارہ کرلیں گے، اپنے مدرسوں کو چلائیں گے لیکن ہم کسی سرکار کی ہمیں اس معاملہ میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مدد کرنی ہے تو ہمارے کالجز قائم کیے جائیں، ہماری یونیورسٹیاں بنائی جائیں، ہمارے لیے وہ تعلیمی ادارے بنائے جائیں جن کی ہماری قوم کی میجوریٹی (Major ity) کی ضرورت ہے۔ اب میں سیمینار کے کنوینر مفتی محمد سلمان منصور پوری سے درخواست کروں گا کہ وہ ''کلماتِ تشکر'' پیش کریں۔

کلماتِ تشکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں اس سیمینار کے کنوینر ہونے کی حیثیت سے محترمہ سونیا گاندھی صدر انڈین نیشنل کانگریس اور متحدہ ترقی پسند محاذ کی چیئر مین ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے حضرت فدائے ملتؒ سے تعلق اور ان کے انڈین نیشنل کانگریس سے طویل عرصے تک تعلق کی بنیاد پر اس سیمینار میں شرکت کی، ہم سب اس پر مشکور ہیں۔

حضرت فدائے ملتؒ ایک سچے آدمی تھی اور انھوں نے کانگریس میں رہ کر کانگریس کی ہمدردی میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہمدردی اس کا نام نہیں ہے کہ جو قیادت کہہ دے سو فیصد اس پر آمنا اور صدقنا کہہ دیا جائے بلکہ سچا ہمدرد وہی ہو سکتا ہے جو اگر کسی غلط نظریہ کی طرف جماعت جارہی ہو، اس کو وہاں سے ہٹا کر صحیح راستے پر لگانے کی کوشش کرے۔ ہمارے حضرت فدائے ملتؒ پوری زندگی اس اصول کے اوپر مضبوطی سے جمے رہے۔ اس وقت محترمہ تشریف رکھتی ہیں، میں ان سے یہ درخواست کروں گا کہ ہماری قوم کی اور تمام محبانِ وطن کی یہ دلی خواہش ہے کہ یہ کانگریس پھر سے وہی کانگریس بن جائے گا جو گاندھی جی، جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد کے نظریات کی پوری طرح حامل ہو۔ اسی دلّی کے اندر جب تقسیم ہند کے موقع پر خون کی ہولی نہیں رُک رہی تھی حضرت مجاہد ملتؒ، جواہر لال نہرو اور گاندھی جی کے پاس جا کر خبر دیتے تھے کہ یہ حالت ہے یہ صورتِ حال ہے، یہ خون کی ہولی رُکی تو کس طرح رُکی۔ گاندھی جی نے یہ اعلان کردیا کہ میں اس

وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ دلّی کی حالت کو بدلا نہ جائے اور سچا کانگریسی وہی ہے چاہے ہندو ہو یا مسلمان یا سکھ ہو یا عیسائی جو اس ملک کے اندر امن وامان کی بقاء کے لیے اپنی جان کی بازی لگادے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کانگریس انہی اصولوں کے اوپر پھر آگے بڑھے۔ قوم کی خدمت کرے، انصاف دلائے، ہم بہت سن چکے، ہمارے کان یہ سنتے سنتے عاجز آ گئے کہ ''ہم دیکھ رہے ہیں''، ''ہم نے دیکھا ہے''، ''ہم دیکھتے رہیں گے۔'' اب ہم منتظر ہیں اس آواز کے کہ ''ہم نے کیا ہے''، ''ہم کر رہے ہیں''، ''ہم کرتے رہیں گے۔'' ان ہی جذبات کے ساتھ میں صدر کانگریس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے شرف بخشا، اللہ تعالیٰ ہمارے اس اجتماع کو قبول فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین

اختتامی خطاب

- اس کے بعد حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب نے درج ذیل اختتامی خطاب فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

والصلوۃ والسلام علی سیّدنا و مولانا محمداً و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

مسلمان اس ملک میں کسی خاص اسٹیٹ (Stat e) میں بسنے والا نہیں ہے، بلکہ مسلمان اس ملک کے چپّے چپّے میں زندگی بسر کرتا ہے اور کرتا چلا آ رہا ہے۔ مسلمان کی کٹھنائیاں، مشکلات کسی ایک صوبے سے، اسٹیٹ سے لگی ہوئی نہیں ہے بلکہ پورے ملک کا مسئلہ ہے۔

ہمارے مسائل کا حل اور ہمارے کشٹوں اور پریشانیوں کو دور کرنا ہمارا ماننا یہ ہے، جمعیۃ علماء کا ماننا یہ ہے کہ ایک زمانہ سے ایسی ہی پارٹیاں کر سکتی ہیں، جن پارٹیوں کا دائرہ کسی ایک اسٹیٹ تک نہیں ہے بلکہ وہ دائرہ پورے ملک کے اندر بچھا ہوا ہے۔ اس طرح کی پارٹیاں کل تین ہیں ملک کے اندر یا بی جے پی ہے یا کمیونسٹ پارٹی ہے یا کانگریس ہے۔ مسلمان نہ بی جے پی میں جا سکتا ہے کہ اس کی بنیاد مسلم دشمنی ہے، نہ کمیونسٹ بن سکتا ہے، کمیونزم کی پہلی اینٹ مذہب دشمنی ہے۔ اگر مسلمان کسی پارٹی کے اندر جا سکتا ہے، رہ سکتا ہے، سکھی رہ سکتا ہے تو وہ صرف کانگریس ہے۔ لیکن کانگریس سے بھول ہوئی ہے، غلطیاں ہوئی ہیں، مسلمان کانگریس کا ووٹ تھا، اس لیے کہ ملک کی آزادی سے پہلے مسلمان نے چپے چپے پر آزادیٔ وطن کے لیے ڈیڑھ سو سال تک اپنا خون دیا ہے، لیکن آزادیٔ وطن کے بعد فسادات کا، دنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور اس ملک کا کوئی شہر نہیں

بچا جہاں نالیوں میں مسلمان کا خون نہ بہا ہو اور اربوں اور کھربوں کی جائیداد راکھ کا ڈھیر نہ بن گئی ہو۔ مسلمان کی اقتصادی اعتبار سے کمر ٹوٹی نہ ہو، یہ وہ اسباب ہیں کہ جو مسلمان ۱۸۸۴ء جس دن کانگریس بنی ہے اس دن سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کانگریس کے ساتھ رہا، ان حالات کا مقابلہ نہیں کر سکا اور اس کا سمبندھ کانگریس سے ٹوٹ گیا۔

ہم یہ کہتے ہیں اپنے عقل سے سوچتے ہیں کہ ہمارے مسائل کا حل اسٹیٹ لیول کی پارٹیاں نہیں کر سکتیں، لیکن ہم ان حالات میں اگر کانگریس اپنے راستے کو صحیح نہیں کرتی تو ہمارے پاس منہ کیا ہے کہ ہم کس مسئلہ کو لے کر مسلمان کے پاس جائیں کہ کانگریس کو ووٹ دو، اس لیے یہ بنیادی چیز ہے کہ کانگریس کو ایک عقیدے کے طریقے کے اوپر، اس ملک کو لے کر چلنا چاہیے۔ میں یہ بات کہتا ہوں کہ اس وقت کی موجودہ لیڈر شپ کانگریس کی میں سمجھتا ہوں نیک نیتی کے ساتھ اقلیتوں اور بالخصوص مسلم مسائل کا حل کرنا چاہتی ہے اس لیے میں دلیل دیتا ہوں سچر کمیٹی کی رپورٹ کوئی نئی رپورٹ نہیں ہے۔ ۱۹۸۳ء کے اندر ڈاکٹر گوپال سنگھ کی رپورٹ یہی رپورٹ تھی۔ ۱۹۹۹ء کے اندر پروفیسر ایس وردراجن کی رپورٹ یہی رپورٹ تھی۔ آج سچر کمیٹی کی رپورٹ وہی رپورٹ ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے لیکن ۱۹۸۳ کی رپورٹ ۱۹۹۹ء کی رپورٹیں آئیں اور اس زمانہ کی گورنمنٹ نے ان رپورٹوں کو ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا، نہ دُنیا جانتی ہے نہ وہ رپورٹیں آؤٹ ہوئی ہیں۔ میں کانگریس کی اس وقت کی لیڈر شپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے اپنے اختیار سے اس رپورٹ کو میز کے اوپر رکھ دیا۔ پارلیمنٹ کے میز پر رکھ دیا اور رکھنے کی وجہ سے وہ اب جواب دہ ہو گئے کہ انھیں کچھ کرنا ہے، نہیں تو ان سے پوچھا جائے گا پارلیمنٹ کے اندر کہ انھوں نے کیا کیا؟

میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس لیڈر شپ کی نیک نیتی ہے اور وہ کچھ دینا چاہتے ہیں اور میں مبارکباد دیتا ہوں محترمہ سونیا جی کو کہ انھوں نے آپ کے سامنے وعدہ کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سچا وعدہ ہے اور یقینی وعدہ ہے کہ آنے والے سیشن کے اندر وہ لٹے پٹے مسلمان کو، کمر ٹوٹی ہوئی ہے مسلمان کی، اقتصادی، سیاسی، تعلیمی میدان سے اُس کو نکال کر دیوار سے لگا دیا گیا، یقیناً وہ کچھ دیں گی اور گورنمنٹ اس سلسلہ میں اپنی کانگریس کی پرانی روایات کو پھر دوبارہ زندہ کریں گی۔ میں بحیثیت جمعیۃ علماء کے ایک خادم ہونے کی حیثیت سے، پریسیڈنٹ ہونے کی حیثیت سے ان کی تشریف آوری پر شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہمارے اس اجتماع کو محمود العاقبت فرمائے، ہمارے اس اجتماع کو قبول فرمائے، شر و رفتن سے محفوظ فرمائے اور خدا پارٹی کو کانگریس کی یہ توفیق دے کہ وہ اپنے پرانے اصولوں کے اوپر چل کر اس ملک کو ترقی کے راستے کے اوپر لگائے۔ حضرت

مولانا کو اللہ کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے اور ہم پسماندگان کی اللہ نگہبانی فرمائے۔

حضرت مفتی سلمان صاحب منصور پوری

اب یہ نشست اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ اور میں بہت ہی ندامت کے ساتھ، کہہ لیجیے شرمندگی کے ساتھ کہ ہمارے بہت سے مقالہ نگار حضرات جنھوں نے بڑی محنت سے مقالے لکھے اور یہاں تشریف لائے، مگر ان کے مقالے پڑھے نہیں جاسکے، یا جو حضرات تشریف نہ لاسکے میں ان کے نام یہاں بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت صدرِ محترم دعا فرمائیں گے۔

(۱) حضرت مولانا بایزید صاحب محمود افریقی (۲) حضرت مولانا عمید الزماں صاحب کیرانوی (۳) حضرت مولانا مفتی ابوجندل صاحب قاسمی (۴) مولانا مفتی محمد اسجد صاحب ناظم جمعیۃ علماء گجرات (۵) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صدر جمعیۃ علماء گجرات (۶) مفتی جاوید اقبال صاحب کشن گنج (۷) مولانا مفتی ریاست علی صاحب ہاپوڑ (۸) مولانا شاہ عالم صاحب (۹) مولانا سعید احمد صاحب منی پور (۱۰) مولانا حکیم الدین قاسمی (۱۱) مولانا مفتی نذیر احمد صاحب کشمیری (۱۲) مولانا نیاز احمد صاحب فاروقی (۱۳) اور حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی (۱۴) ڈاکٹر ہاشم صاحب قدوائی (۱۵) حضرت مولانا سیّد اسجد صاحب مدنی (۱۶) حضرت مولانا مفتی ظفرالدین صاحب مفتاحی (۱۷) حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب رحمانی (۱۸) حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری (۱۹) حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل الامینی (۲۰) حضرت مولانا افضال الحق صاحب جوہر القاسمی (۲۱) جناب ڈاکٹر سعید الوحیدی (۲۲) علامہ خالد محمود برطانیہ۔ اور بہت سے حضرات کے مقالے جو پڑھے نہیں جاسکے ہم سب ان سب کے مشکور ہیں۔ آپ کی تشریف آوری پر بھی شکریہ پیش کرتے ہیں۔ اور اب درخواست کرتے ہیں کہ حضرت صدرِ محترم دعاء فرمادیں۔

صدر محترم حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے پرسوز دعا فرمائی۔

اور اس طرح یہ یادگار ''فدائے ملتؒ سیمینار'' بخیر وخوبی اختتام کو پہنچا۔

فالحمد کله لله

○○

خصوصیات وکمالات

□ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت بھائی صاحبؒ کی خصوصیات

حضرت فدائے ملتؒ۔ خدا ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور مقام قرب کے درجات عالیہ سے ہم کنار کرے۔ میرے برادر کبیر ہی نہیں بلکہ حضرت ابا جی کی وفات حسرت آیات کے بعد وہی بلاشرکت غیرے میرے اور پورے خاندان وعائلہ کے مربی عظیم تھے، اس وقت اگرچہ وہ عسرت اور تنگی میں تھے مگر اس تنگی کا احساس گھر کے کسی فرد کو نہیں ہونے دیا، اور حضرت ابا جی قدس سرہ کی حیات میں خانگی امور کا جو معیار تھا اسے بحالہ قائم رکھا، اور ہم تمام بھائی بہنوں کو اس طرح سے فارغ البال رکھا کہ ہمیں اپنی یتیمی کا احساس دور دور تک نہیں ہوا، یہ ان کی انتہائی سیر چشمی اور حضرت ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قلبی وابستگی کی روشن دلیل ہے۔

حضرت ابا جی کے متوسلین ان کے ارادتمندوں اور خلفاء کے ساتھ اپنے تعلقات کو ہمیشہ استوار رکھنے کی کوشش کرتے تھے، اگرچہ بعض حضرات کی جانب سے بے اعتنائیاں بھی دیکھیں لیکن حضرت کے تعلق کے پاس ولحاظ میں ان بے اعتنائیوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔

حضرت کے اخلاق وعادات اور روزمرہ کے کاموں میں بھی اتباع وپیروی کی پوری سعی کرتے تھے غرضیکہ انہوں نے اپنے آپ کو حضرت کی زندگی میں فنا کر دیا تھا، گھر میں اگر کبھی کوئی کام ایسا ہو گیا جو حضرت کی زندگی میں نہیں ہوا تھا تو اس پر انہیں سخت اذیت ہوتی تھی اور سخت لہجے میں اس پر نکیر فرماتے تھے، زندگی کے آخر لمحات تک ان کے اس طرز عمل میں سر مو فرق نہیں آیا، ان کی یہی ایک صفت ان کی عظمت ورفعت اور عند اللہ مقبولیت کے لیے کافی تھی لیکن اس کے علاوہ انھوں نے قوم ملت کی بے لوث خدمت کی اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت واستحکام کے لیے انتھک محنت ومشقت کی اور ستائش وصلہ سے بے پرواہ ہو کر اسلامی معاشرہ کو پروان چڑھانے کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا یہ چند اوصاف اپنی جگہ اس قدر اہم اور ہمہ گیر ہیں کہ اپنے اور پرائے سب اس سے مستفید ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انہیں ہر طرح کے اسباب راحت وآسائش میسر فرمائے

تھے مگر قوم وملت کی صلاح وفلاح کے لیے انہوں نے کبھی بھی ان اسباب کی جانب توجہ نہیں کی اور ہمیشہ محنت ومشقت کی زندگی کو ترجیح دیا، وہ اس بڑھاپے اور عوارض وامراض کی کثرت کے زمانے میں بھی اسقدر مجاہدہ فرماتے تھے کہ اچھے اچھے جوانوں کا اس کے تصور سے پتہ پانی ہوجاتا ہے، خدمت خلق کا یہ حوصلۂ فراواں اور اس راہ میں یہ بے مثال مجاہدہ وریاضت تعلق مع اللہ کے بغیر بس کی بات نہیں درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے غایت درجہ تعلق نے انہیں خلق خدا کی خدمت میں بے چین ومضطرب بنا رکھا تھا اور سارے راحت وآرام کو تج کر ملک کے گوشے گوشے میں مظلوموں کی فریادرسی کے لیے اللہ سے ان کے رشتے کو قائم اور مضبوط کرنے کے لیے پھرتے رہتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحت نے بالآخر جواب دیدیا اور مختلف النوع امراض نے گھیر لیا لیکن اس حالت میں بھی وہ اپنی ذات سے بے نیاز امکانی حد تک اپنے جہد وعمل کے سلسلے کو جاری رکھے ہوئے تھے، یہ چند سطور اپنے راست تعلق ومشاہدہ کی باتیں ہیں جو سینے سے کاغذ پر قلم برداشتہ آئیں۔

ذیل کے چند واقعات جو اس وقت ذہن میں آگئے ہیں حضرت بھائی صاحب نور اللہ مرقدہ کے عزائم کی بلندی حوصلے کی وسعت اور ریاضت ومجاہدہ کا پتہ دیتے ہیں۔

انمول نصائح، اور اقدار کی رعایت:

۱۹۶۳ء میں اس فقیر کو بڑی بہن (والدہ مولوی اخلد سلّمہٗ) کے ساتھ حج کے لیے ہوائی جہاز سے بھائی صاحب نے بھیجا اور مجھ کو رخصت کرنے کے لیے بمبئی تشریف لائے (اس وقت حج کا سفر ممبئی سے ہی ہوتا تھا) اور تنہائی میں مجھ سے فرمایا کہ جب اباجی نے ۱۹۴۹ء میں مجھ کو مدینہ منورہ سال بھر کے لیے ممبئی سے روانہ کیا تھا تو خود رخصت کرنے ممبئی تشریف لائے تھے، اور مجھ کو وہاں قیام کے سلسلہ میں نصیحتیں فرمائی تھیں، فرمایا تھا کہ :

(۱) محمود (اپنے چچا) کو میرے قائم مقام اور انکے بیٹے حبیب کو ہمیشہ اپنا بڑا بھائی سمجھنا۔

(۲) وہاں کا رواج ہے کہ بڑوں کا ہاتھ اور پیشانی کو چوما جاتا ہے، وہ ہاتھ تو چومنے نہیں دیتے لیکن پیشانی ضرور چومنا، بڑوں کی پیشانی کو نہ چومنے کو بڑا معیوب سمجھتے ہیں۔

(۳) ہمارا وہاں مکان ہے، تم کبھی زبان پر ایسا کوئی حرف بھی نہ لانا جس سے یہ ظاہر ہوسکے کہ تمہارے حاشیہ خیال میں بھی اس کی طلب ہے، حضرت بھائی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں تمکو بھی یہ تین نصیحتیں کرتا ہوں، باقی اپنے اوقات زیادہ سے زیادہ حرم محترم میں گزارنا۔

روضۂ اطہر کے زیر سایہ ذکر وشغل کی سعادت

حضرت اباجی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا موصوف کو ۱۹۴۹ء میں ذکر وشغل کے لیے مدینہ منورہ بھیجا

تھااور فرمایا تھا کہ ذکر کی برکتیں اور فوائد آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب کی وجہ سے جتنی وہاں ہیں کہیں اور نہیں ہیں، چنانچہ حضرت والا نے وہاں کی برکتوں کو خوب خوب حاصل کیا، اس وقت حرم مدنی کے امور حضرت چچا صاحب مرحوم سے متعلق تھے، انہوں نے اپنے خصوصی اختیار سے بھائی صاحب کے لیے رات میں حرم کے اندر قیام کا بندوبست کر دیا اس طرح رمضان کے علاوہ بھی ذکر و شغل کے لیے رات دن روضۂ اطہر کے قریب رہ کر اپنے وظائف پورے کرنے کے مواقع میسر آئے۔

صلہ رحمی کی نادر مثال

ان کی زندگی میں اپنے قریبی عزیز و اقارب کیساتھ صلہ رحمی کا جذبہ حد درجہ پایا جاتا تھا، میں نہیں سمجھتا کہ ہندوستان میں کوئی قریبی عزیز ایسا ہو جس پر انہوں نے تا حد امکان پریشان کن حالات میں حسن سلوک نہ کیا ہو اور بالخصوص اپنے بہن بھائیوں کیساتھ محبت اور حسن سلوک کا جو معاملہ انہوں نے کیا ہے اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے تشریف لیے گئے تو تین بیٹے چار بیٹیاں ایک بیوہ چھوڑ کر چلے گئے، بڑی بیٹی اور بھائی صاحب شادی شدہ تھے باقی سب غیر شادی شدہ، اور میرے علاوہ سب نابالغ تھے ہم سب بھائی بہنوں کے ساتھ بھائی صاحب نے آخر وقت تک وہ معاملہ کیا کہ جو مشفق باپ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے سب بہنوں کی خانگی تعلیم کا انتظام رائج شکل میں کرتے رہے اور باعزت مناسب رشتے جیسے میسر آئے بلا تاخیر شادیاں کر دیں اور بلا مبالغہ اسی طرح شادیاں کی جس طرح اپنی بچیوں کی شادیاں بعد میں انجام دیں اور آخر عمر تک وقتاً فوقتاً لینا دینا باپ ہی کی طرح کرتے رہے۔

اسجد سلّمہٗ کی عمر ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد کم وبیش چودہ ماہ کی تھی اس کے ساتھ بچپن میں ہی ایسا شفقت کا معاملہ تھا کہ وہ ابا جی کے وصال کے کچھ روز بعد انہی کو ابا کہنے لگا تھا جس کو بعد میں چھڑایا گیا، اور اس فقیر کے ساتھ تو ان کا شفیقانہ معاملہ بلا مبالغہ اپنی اولاد کے مقابلہ میں زیادہ محبت و شفقت کا تھا، جب والد محترم دنیا سے تشریف لے گئے تو راقم الحروف کافیہ اور قدوری پڑھ رہا تھا میری تعلیم و تربیت کو گویا کہ انہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین اور مقصد بنا لیا اور بسا اوقات اس کا اظہار بھی کیا کرتے تھے صرف میری خاطر عربی زبان و ادب کی تعلیم کے لیے حضرت مولانا وحید الزماں صاحبؒ کو دہلی سے دیوبند لائے، مولانا اس وقت دہلی میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مرحوم کے ساتھ کام کرتے تھے، حضرت مولانا وحید الزماں صاحب نے کم وبیش تین سال تک تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اس وقت مولانا نے ''دار الفکر'' کی بنیاد

ڈالی تھی جہاں کچھ دیگر طلبہ بھی مختلف اوقات میں آ کر حضرت مولانا سے استفادہ کیا کرتے تھے، اعزاء واقرباء بالخصوص حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کے ساتھ یہی بے مثال حسنِ سلوک مجھے ایک واقعہ سے وابستہ نظر آتا ہے۔

بچپن میں ہم نے ایک انجمن بنائی تھی جس کا نام ''تہذیب الاخلاق'' تھا راقم الحروف اس کا مستقل صدر رہتا تھا، سالانہ جلسہ کے وقت چندہ بھی ہوتا تھا اور ہم بڑے بڑے اساتذہ سے چندہ لیتے تھے، حضرت شیخ الادب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے رعب اور ہیبت والے آدمی سے بھی چندہ لینا اس فقیر کو یاد ہے اور سالانہ جلسہ میں جتنا اہتمام ہماری انجمن کا ہوتا تھا کسی اور انجمن کا نہیں ہوتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ مرضِ وصال میں تھے اور غالباً وصال سے ایک روز پیشتر ہی کی بات ہے بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو عشاء کا وضو کرا رہے تھے حضرت بستر پر تشریف فرما تھے سامنے بستر پر ہی پلاسٹک کا ٹپ رکھا ہوا تھا اور بھائی صاحب مرحوم کے ہاتھ میں لوٹا تھا والدہ محترمہ مدظلہا بھی پاس ہی کھڑی تھیں، میں نے ابا جی سے کہا کہ ابا جی میں بابو سے (ہم سب بھائی بہن بھائی صاحب مرحوم کو بابو ہی کہتے تھے) انجمن کے لیے چندہ مانگ رہا ہوں یہ دیتے ہی نہیں، یہ سنتے ہی حضرت ابا جی وضو کرتے کرتے رک گئے اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ بھائی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''یہ تیرے چھوٹے ہیں تو ان کو نہیں دیگا تو اور کون دیگا'' بھائی صاحب مرحوم نے فوراً داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور مجھ کو پیسے دے دیے، مجھے یقین ہے کہ ان کی زندگی کی یہ تصویر جو میں نے آپ کے سامنے پیش کی وہ اسی واقعہ کا نتیجہ تھی جس نے ان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔

مجھ کو بچپن سے شکار کا شوق تھا، غالباً ۱۹۶۰ء میں مولانا محمود احمد گل اور حاجی بدرالدین صاحب کے ساتھ ضلع مظفر نگر میں ہنڈن ندی پر مرغابی کے شکار کا پروگرام بنایا گیا، دن بھر شکار کرتے رہے واپسی میں رات ہوگئی اور کم وبیش رات کے دس بج گئے، جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا حضرت بھائی صاحب کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب دیوبند میں ایک بھی ٹیکسی نہیں تھی، خدا جانے کیسے کیسے انہوں نے اس وقت کار کا انتظام کیا اور مجھ کو تلاش کرنے کے لیے نکلنے کا پروگرام بنایا، جب میں دیوبند پہنچا تو گاڑی کھڑی تھی حضرت بھائی صاحب بیٹھنے جارہے تھے مولانا سلطان صاحب اور مفتی شفیع صاحب وغیرہ مرحومین سب گھر پر جمع تھے۔

بالکل اسی طرح کا ایک واقعہ دھوبڑی آسام میں رمضان میں قیام کے دوران ہوا تھا اور جب میں مغرب بعد پہنچا تو گاڑی کھڑی تھی اور بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ٹارچ لینے کے لیے قیام گاہ پر تشریف لے گئے تھے رمضان کا زمانہ تھا لیکن پریشانی میں نہ کھانا تناول فرمایا اور نہ آرام ہی کیا۔

سلوک واحسان میں آپ کا مقام ومرتبہ

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے حضرت بھائی صاحب مرحوم کو سلوک واحسان سیکھنے پر لگادیا تھا چنانچہ ۱۹۴۹ء میں مدینہ منورہ اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا، اباجی رحمۃ اللہ علیہ سلوک کے منتہی لوگوں میں سے کسی کسی کو لوہاری ضلع مظفر نگر میں حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کے معتکف میں چلہ گذارنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، بھائی صاحب مرحوم کو بھی بھیجا اور کچھ روز رہے لیکن اسی زمانہ میں اباجی رحمۃ اللہ علیہ پر داہنی طرف فالج کا اثر ہوگیا تو دامانی صاحب کو بھیج کر بلوالیا، میرے خیال میں ۵۳-۱۹۵۴ء کا واقعہ ہے، بھائی صاحب مرحوم کی جوانی کا زمانہ تھا بہت خدمت کی اور جس طرح سے کسی اچھے حکیم کا علاج ممکن ہوسکتا تھا اس کو اختیار کیا، الحمدللہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بالکل شفایاب ہوگئے تھے اور آخر تک مرض کا کوئی اثر ہاتھ کے کام کرنے میں یا تحریر میں محسوس نہیں ہوتا تھا۔

پاس انفاس پر مداومت

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ ہر وقت چلتے پھرتے سوتے جاگتے ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اور جو لوگ ذکر وشغل سے وابستہ رہتے تھے وہ اس کا ادراک خوب خوب کیا کرتے تھے ابھی چند سال پہلے ماسٹر سلیمان صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر ایک مختصر رسالہ ہندی زبان میں تحریر کیا تھا جس کو سہارنپور کے ایک پبلشر نے چھاپا اور سرورق پر حضرت رحمۃ اللہ کی تصویر بھی چھاپی، جاننے والے دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت مدنی ذکر پاس انفاس میں مشغول ہیں اور اس وقت تصویر لے لی گئی، حضرت بھائی صاحب مرحوم کو بالخصوص پاس انفاس سے بڑا شغف تھا اکثر وبیشتر گھر میں جب بیٹھے رہتے تھے یا اخبار وغیرہ دیکھتے رہتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ پاس انفاس میں مشغول ہیں۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی خدمت کا حق ادا کیا ہے کوشش کرتے تھے کہ حضرت کے ساتھ سفر میں رہیں تاکہ خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے، جوانی کی عمر کی بدن میں پھرتی تھی اس لیے ہمہ وقت خدمت کے لیے تیار رہتے تھے، جب حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ دیوبند میں رہتے تھے تو روز کا معمول رہتا تھا کہ دوپہر کو کھانے کے بعد قیلولہ کے وقت آکر بدن دباتے تھے تا آنکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سو جاتے تب بھائی صاحب کھانا کھایا کرتے تھے۔ حضرت اباجیؒ کے وصال والے دن بھی آپ بدن دبا کر آئے تھے۔

بہر حال باتیں بہت ہیں، اس وقت جو ذہن میں آئیں تحریر کردیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام سے نوازیں اور آپ کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل فرمائے۔ آمین

عزم واستقلال کا کوہ گراں

حضرت بھائی صاحبؒ کی زندگی کی ایک بڑی اہم، بڑی قابل قدر اور بہت انوکھی خصوصیت تھی کہ خدا نے ان کو عزم وہمت اور حوصلہ کا پہاڑ بنایا تھا، جب انہوں نے ارادہ کرلیا تو کوئی طاقت ان کو اس ارادے سے ہٹا نہیں سکتی تھی، خوب سوچ سمجھ کر کسی موقف کو اختیار کرتے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالتے اور اس کے بعد اس پر جم جاتے تھے اور جمتے تھے تو پہاڑ کی طرح جمتے تھے، لوگ بڑے دلائل کو پیش کرتے تھے لیکن مولانا ہر ایک کی دلیل کو توڑ دیتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

ملک وملت بچاؤ تحریک

۱۹۷۹ء کے اندر ملک کی آزادی کے بعد لٹے پٹے فسادات کی وجہ سے تباہ حال مسلمانوں کی طرف سے جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے آپ نے ایک آواز اٹھائی کہ ہم فسادات کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے، ہندوستان میں ملک کی تقسیم کے بعد اقلیت اور ایسی اقلیت جو ہزاروں فسادات میں کچل دی گئی ہو حوصلہ پست کردیا گیا ہو، کیا وہ اس حیثیت میں ہوگی کہ فرقہ پرست طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر یہ کہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم کرو ورنہ ہم سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے، جیل بھریں گے، کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی، مجھے خوب یاد ہے کہ قاضی عدیل عباسی اور دیگر لوگوں نے آپ کو خطوط بھیجے، ٹیلی فون کا تو اس وقت رواج نہیں تھا کہ مولانا یہ کیا کررہے ہیں، ملک کے تقسیم ہوجانے کے بعد اب آپ مسلمانوں کو خودکشی پر مجبور کررہے ہیں؟ کیا مسلمان اس حیثیت میں ہے کہ وہ جیل بھرو تحریک چلائے؟ مولانا نے جواب دیا ''یا تو عزت کے ساتھ قوم زندہ رہے گی یا پھر ذلت کی زندگی سے قوم کا مرجانا بہتر ہے'' اور اس رائے پر مولانا پہاڑ کی طرح جم گئے، کسی قائد کی انتہائی دوربینی اور خصوصیت یہ ہے کہ وقت کو دیکھ کر فیصلہ کرے اور فیصلہ مضبوطی کے ساتھ کرے، اور اس پر جم جائے کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی کہ حالات کیا چل رہے ہیں اور کیا ہورہا ہے؟ مگر چوں کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عطا فرمائی تھی اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم پر اور وہ پلیٹ فارم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا اور ان کے شیخ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے شاگرد حضرت شیخ الاسلامؒ کا تھا، آپ اس پلیٹ فارم پر تھے، پورے ہندوستان سے لوگ آپ کا ساتھ دیتے تھے، یہ خدا کی نصرت ہے کہ ہم جیل میں تھے اور جیل میں ہم لوگوں نے خبر سنی کہ مرارجی کی گورنمنٹ گرگئی یعنی پچیس دن پہلے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا وہ گورنمنٹ گرگئی۔ میں نے کہا کہ کسی قائد کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ وقت کی نزاکت کو دیکھ کر کہ کشتی کدھر جارہی ہے انتہائی دانائی کے

ساتھ فیصلہ کرے اور پھر اس پر جم جائے، ایسا بار ہا ہوا کہ سارے سیاسی لوگ ایک طرف، اور حضرت کی رائے ایک طرف، بعد میں بات سمجھ میں آئی کہ اس سے بہترین کوئی وقت نہیں ہوسکتا تھا اور اس سے بہترین کوئی تحریک نہیں ہوسکتی تھی، اللہ نے اس کے اندر کامیابی دی، قوم کا معیار بڑھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی آزادی کے وقت مسلمان کھڑا ہوا تھا ایسے دوراہے پر جہاں اس ملک میں مسلمان کے وجود کا مسئلہ تھا، ہم نے تیس سال سے جو سفر کیا اور جد وجہد کی ہم اب وجود کے مسئلہ سے نکل گئے، اب تو ہمارے وجود کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ اب تو ہمارے مطالبات ہیں کہ ہمارا حق دو، جمعیۃ علماء کی اس تحریک نے مسلمان کے معیار کو بلند کر دیا۔ ہم اس ملک کے اندر اتنا لٹنے کے بعد، اتنا پٹنے کے بعد، فسادات میں پسنے کے بعد، ہمارے وجود کا یہ ثبوت ہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم کرو ورنہ ہم تحریک چلائیں گے، جیل بھریں گے، یہ حضرت مولانا کی دین ہے اور ان کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے۔ مرار جی حکومت گئی اس کے بعد اندرا جی آئیں، پھر وہ بھی چلی گئیں، پھر اس طرح کانگریس کا دور رہا اور نرسمہا راؤ آ گئے نرسمہا راؤ کا دور بھی اس ملک کے لیے کانگریس کے لیے بڑا بد بخت دور تھا۔

اکیس لاکھ دستخط والی تحریک

حضرت نے یہ بات ورکنگ کمیٹی کے دوران کہی کہ ملک میں اندرا جی کے قتل پر سکھ مخالف فساد ہوا، مرنے والوں کو پانچ پانچ لاکھ معاوضہ دیا گیا۔ مسلمانوں کی اول تو رپورٹ نہیں لکھی جاتی، جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ مرنے والوں میں ہے یا نہیں، پچاس مرتے ہیں ان میں سے دس بیس کی رپورٹ درج ہوتی ہے تو بہت احسان کیا، مرنے والے کو دو لاکھ روپئے دے دیے، تو حضرت فرماتے تھے کہ جس طرح فساد میں مرنے والے سکھوں کو معاوضہ دیا گیا ہے وہی معاوضہ فساد میں مرنے والے مسلمانوں کو دیا جائے، اور دوسری بات یہ کہتے تھے کہ چونکہ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو منصوبہ بنا کر سیاسی میدان میں، معاشی میدان میں، ہر میدان میں پیچھے کیا گیا ہے، اس لیے آبادی کے حساب سے انہیں ریزرویشن ملنا چاہئے۔ جب جب ورکنگ کمیٹی ہوتی تھی اسے مدلل اور مبرہن کرتے رہتے تھے، آخر کار یہ بات آئی کہ ایک تحریک چلائی جائے اور پرامن تحریک ہو کہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ دستخطوں کے ساتھ میمورنڈم وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ کو پیش کیا جائے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ ملک اس بدبختی کے دور سے نکلا اور نرسمہا راؤ کی گورنمنٹ چلی گئی، اور بھاجپائی گورنمنٹ آ گئی، اگر ابتدا میں جہاں سے سفر شروع ہوا اس وقت بھاجپا کی گورنمنٹ ہوتی، تو ہوسکتا ہے کہ مولانا کے اندر یہ جوش پیدا نہ ہوتا لیکن جوش ان میں یہ تھا

کہ کانگریس کی گورنمنٹ ہے اور مسلمان تباہ ہورہا ہے، جن کے شانہ بشانہ چل کر ہم نے ملک کی آزادی کے لیے قربانیاں دیں ہیں، ان کے وقت میں اگر ایسا ہورہا ہے تو کیوں ہورہا ہے؟ لیکن مولانا فرماتے تھے ہمیں اس سے کیا لینا دینا؟ ہمارے مطالبات ہیں، ہم اس ملک کے رہنے والے ہیں اور ہمارے یہ حقوق دستوری ہیں، اقتدار کی کرسی پر کوئی بھی بیٹھے، ہمیں اس سے کیا لینا دینا؟ ہمیں اپنے حقوق کے لیے لڑتے رہنا ہے کوئی بھی کرسی اقتدار پر آ کر بیٹھے، چنانچہ مولانا نے تحریک چلائی ہمیں کوئی تجربہ نہیں تھا ملک کی آزادی کے بعد مسلمانوں کی طرف سے کسی ملی مسئلہ پر یہ پہلی تحریک تھی کہ دستخطی مہم چلاؤ، چنانچہ آپ کو حیرت ہوگی کہ مولانا نے ایک وقت کا تعین کر دیا اور جتنے یونٹ تھے ملک کے، سب کو متحرک کر دیا اور تقریباً پانچ مہینے میں اکیس لاکھ دستخط کرائے، اور ہر طرف سے مطالبہ تھا کہ دو مہینے کی اور مہلت دیدیجئے، اگر مہلت دے دیتے تو یہ دستخط پچاس لاکھ ہوجاتے، ان دستخطوں کے ساتھ جا کر میمورنڈم صدر جمہوریہ کو پیش کیا، میں کہتا ہوں کہ کچھ بھی ہوا کامیابی یا ناکامی تو خدا کی طرف سے ہے، ہم لوگ دنیا میں رہتے ہیں یہ دارالاسباب ہے، یہاں رہ کر ہم نے اسباب کو اختیار کیا، ہوسکتا ہے دنیا یہ کہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس میں سو فیصد کامیابی ہے۔ جمعیۃ علماء نے سب سے پہلے رزرویشن کے مسئلہ کو اٹھایا تھا، ۱۹۹۹ء کا قصہ ہے آج پورے پانچ سال ہوئے ہیں اس مطالبہ نے اتنی قوت اختیار کی ہے کہ آج ہر پارٹی، بھاجپا اور کمیونسٹوں کے علاوہ، ملک کی ہر سیاسی پارٹی، چاہے وہ علاقائی ہو اور چاہے وہ مرکزی ہو، مسلمانوں کے ریزرویشن کی بات کرتی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کیرالا کے اندر ریزرویشن گورمنٹ نے دیا، کرناٹک میں گورنمنٹ نے ریزرویشن دیا، حیدرآباد کے اندر ریزرویشن گورنمنٹ نے دیا، لیکن چونکہ فرقہ پرست حکومت نے عدلیہ کے اندر فرقہ پرست افراد کو بیٹھا دیا ہے، اس لیے کورٹ کے اندر آ کر اس کو کالعدم قرار دے دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مہاراشٹر کے اندر بات طے ہوچکی تھی اور چند دنوں کے بعد اعلان ہونے والا تھا یہ مولانا کی دین ہے، حضرت نے مطالبات کو اتنا بڑھایا اور دلائل کو اس انداز سے رکھا کہ جو بھی گورنمنٹ آئے گی وہ یہی کہے گی کہ ہم رزرویشن دیں گے۔

بھرپور احتجاج

ورکنگ کمیٹی میں بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی تقسیم کے بعد میرا یہ جی چاہتا ہے کہ مسلمان کوئی احتجاج ایسا کریں کہ رام لیلا گراونڈ کو بھر دیں، اس لیے کہ تال کٹورہ اسٹیڈیم میں سال میں دوتین پروگرام ہوجاتے تھے، فرماتے تھے کہ رام لیلا گراونڈ کو بھر دیں، مگر دس لاکھ آدمیوں کو جمع

کرنا بڑا مشکل کام تھا، مولانا مستقل تگ ودو میں لگے رہتے تھے، اتفاق کی بات کہ کالابل پاس ہورہا تھا، ورکنگ کمیٹی میں بات چلی کچھ لوگ کہتے تھے ٹھیک ہے آگے بڑھیں، اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ نہیں، آپ نے فرمایا! آج اسلام کے نام پر خدمت کا موقع ہے، آپ نے تقسیم کے بعد سے جتنی خدمت کی ہے صحیح اسلام کی خدمت کی ہے، لیکن اس موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے، آپ نے آج تک جتنی خدمت کی ہے وہ مسلمان کے واسطے سے کی ہے، فساد زدگان کی مدد کی، مظلومین کی مدد کی، یہ براہ راست اسلام کی خدمت ہے، کیوں کہ براہ راست اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، اگر آپ آج بیٹھ گئے تو قوم آپ کو کبھی چھوڑے گی نہیں، اور آج ایسا ہے کہ آپ یوں نہ کہیں کہ رام لیلا میدان کو بھردو بلکہ آپ یوں کہیں کہ مجھے ایسی جماعت چاہئے جو اسلام کے نام پر رام لیلا میدان میں سر کٹوادے، تو بھی لوگ آپ کے ساتھ آجائیں گے، چنانچہ مولانا نے اس موقع کو جانے نہیں دیا، اور اس سلسلے میں سب سے پہلا اجلاس اس کالے بل کے خلاف جمعیۃ علماء اور دیگر پارٹیوں کو ملاکر ضلع سہارنپور میں کیا تقریباً دولاکھ آدمی جمع ہوگئے، اور ہمت بڑھی لکھنؤ میں اجلاس کیا، لکھنو کی تاریخ میں کوئی اجتماع ایسا نہیں ہوا تھا، سڑکیں جام ہوگئیں۔

6-5 لاکھ آدمی جمع ہوگئے اور ہمت بڑھ گئی کہ کرسکتے ہیں، حضرت نے رات ودن ایک کردیا، جہاں تک پہنچ سکتے تھے پہنچے، اور اپنے مدعا کو رکھا کہ یہ ایسا وقت ہے کہ اس ملک میں اسلام کو زندگی ملے گی تو مسلمان زندہ رہے گا، ورنہ نہیں رہے گا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ دس لاکھ نہیں، میں کہتا ہوں کہ جتنے رام لیلا گراونڈ کے اندر تھے اس سے کہیں زیادہ باہر تھے اور اب تو ہر سال ایک مرتبہ رام لیلا گراونڈ کو بھردیتے تھے، اور ایسا نہیں کہ کرائے کے ٹٹو لاکر رکھ دیے گئے ہوں، مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بوڑھے آدمی کو ایک نامہ نگار نے پکڑلیا جس کے بدن پر کپڑے بھی درست نہیں تھے، اس نے پوچھا ملاجی کتنے پیسے مل گئے جو چلے آئے؟ بولا جیب سے ٹکٹ نکال کر کہ 36 روپیہ کا ٹکٹ لے کر آیا ہوں نامہ نگار منہ پھیر کر چلا گیا، اور کسی تنظیم اور پارٹی کے پاس ایسا آدمی نہیں ہے جس کی آواز پر اتنے آدمی چلے آئیں

سیکولر سیاسی محاذ

میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت کی دیرینہ خواہش تھی کہ مسلمان اس ملک کے سیاسی اقتدار میں شریک ہوجائیں انہوں نے اس کے لیے تحریک شروع کی، ہریجن اور مسلم اتحاد، کھان پان کے پروگرام ہوئے، دہلی میں، پٹنہ میں، کرناٹک میں، حیدرآباد میں پروگرام ہوئے اور چاہتے تھے کہ تنہا مسلمان کی نہیں بلکہ دوسری اقلیتوں کو ملاکر ایسا پلیٹ فارم بن جائے جو پارلیمنٹ اور دیگر سیاسی امور

میں دخیل ہو جائے، حکومت بنے تو ان کے اشتراک کے ساتھ بنے، کسی کے سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی، لیکن حضرت مولانا کی کوشش تھی پہلے کوشش کرتے رہے کہ حیدرآباد سے اس کی شروعات کی جائے، نہیں ہوسکی، تو پچھلے سال طے کردیا کہ آسام سے اس کی شروعات کی جائے، ابھی چند مہینہ پہلے کی بات ہے کہ آپ جمعیۃ علماء آسام کے ایک جلسہ میں تشریف فرما تھے، اس میں چیف منسٹر بھی موجود تھا، تو آپ نے مسلمانوں کے مسائل رکھے، جب چیف منسٹر کی باری آئی تو اس نے صفائی دینے کی کوشش کی تو آپ نے اس سے مائک چھین لیا اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور کہا کہ اگر کام نہیں ہوا تو ہم تمہارے خلاف تحریک شروع کریں گے، ہم تم کو چھ ماہ کی مہلت دیتے ہیں، گورنر اور چیف منسٹر کے سامنے یہ بات کہی کہ اگر کام نہیں ہوا تو ہم تمہیں کرسی اقتدار سے ہٹادیں گے، چیف منسٹر کا چہرہ سرخ ہوگیا، کس قدر جرأت کی بات ہے؟ کیا کوئی اس طرح کہہ سکتا ہے؟ حضرت مولانا کہہ کر چلے آئے، چھ ماہ تک کام نہیں ہوا تو مجھے بھیجا کہ تم جاؤ اور جاکر اعلان کرو کہ ہم پارٹی بناتے ہیں، چنانچہ جمعیۃ علماء نے دیگر اقلیتوں کو جمع کیا اور ایک اجلاس کیا اور حضرت نے مجھے بھیجا، میں گیا اور میں نے اعلان کیا کہ ہم پارٹی بناتے ہیں، اور وہ پارٹی چل رہی ہے کام کررہی ہے، اگر حضرت زندہ ہوتے تو رات و دن ایک کردیتے۔ مولانا کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان سیاسی اقتدار کے بنانے اور بگاڑنے کے مالک ہوجائیں، یہ مولانا کی ذات تھی ایسا آدمی جس کی بیک وقت نظر ہر طرف ہو اور چومکھی لڑائی لڑ رہا ہو، ایسا آدمی ہونا مشکل ہے، کسی پارٹی کے پاس ایسا آدمی نہیں ہے، آج نہیں ہے اللہ کل پیدا کردے، ان کا نعم البدل پیدا فرمائے، اور ان کو کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے۔ آمین۔ (مدرسہ شاہی مرادآباد کے تعزیتی جلسہ میں تقریر سے ماخوذ)

○○

❑ مولانا مفتی محمد ظفیرالدین مفتاحیؒ
مفتی دارالعلوم دیوبند

خاندانِ شیخ الاسلامؒ کا آفتاب عالم تاب

دنیا جانتی ہے، کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ہندوستان کی آزادی کے ہیرو تھے اور اپنے وقت میں حضرت تھانویؒ کے بعد پورے عالم کے عموماً اور مسلمانانِ ہند کے خصوصاً مرشد کامل اور مصلح اعظم تھے۔ آپ کی پہلی اولاد میں آپ کے فرزندار جمند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی۔ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، باپ کو بیٹے سے جو تعلّق خاطر رہا ہے اس سے کوئی انسان غافل نہیں، شیخ الاسلام نے ان کی پرورش و پرداخت میں جو محنت کی ہوگی، اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، پھر مولانا اسعد کی ''والدہ'' بھی گزر گئیں، تو اس وقت حضرت کی توجہ اپنے لختِ جگر پر اور زیادہ بڑھ گئی ہوگی، مختصر یہ کہ پرورش اور تربیت پر گہری نظر اور خاص توجہ رہی، دعائیں تو کرتے ہی رہے ہوں گے، کہ اللہ تعالیٰ میرے بچے کو ایک ممتاز حیثیت عطا فرمائے''

اس طرح مولانا اسعد ایک بڑے باپ کے بڑے ''فرزند'' تیار ہوئے اور رب العالمین نے انھیں اپنی بہت ساری نعمتوں سے سرفراز فرمایا، اور پھر اپنے والد محترم کے نائب بنے اور ایسے ایسے کام انجام دیے، کہ جن کی مثال نہیں ہے، والد محترم کے بعد جب گھر کے مالک ہوئے تو گھر کی تمام حاجات سامنے آگئیں اور دیکھا کہ والد کوئی خاص جائیداد چھوڑ کر نہیں گئے، ادھر چھوٹے چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ ریکھ سر پر آگئی، کیونکہ اب یہی سب سے بڑے تھے اور ساتھ میں والدہ ماجدہ تھیں۔ مولانا اسعد کا یہ کمال تھا، کہ ان کی تعلیم و تربیت پر بھر پور توجہ دی، سبھوں کو خاص استاذ مقرر کر کے پڑھایا لکھایا، ان کو شہر ''دیوبند'' کے ماحول سے الگ تھلگ رکھا، شہر کے ماحول میں جانے نہیں دیا، تاکہ وہ اس ماحول سے متاثر نہ ہونے پائیں، گھر میں جو مالی کمزوری تھی اس کو دور کرنے کی بھر پور جدوجہد کی، اپنے بھائی بہنوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جو کچھ کر سکتے تھے انھوں نے کیا، اور اپنے گھر کا ماحول بھی شہر سے الگ بنایا، لباس تمام بچوں کا ایسا رکھا جو والد بزرگوار چاہتے تھے، جو دیکھتا پہلی نظر میں پہچان جاتا کہ یہ ''شیخ الاسلام'' کی اولاد ہیں۔

الغرض! شیخ الاسلام قدس سرہٗ جب تک زندہ رہے خود بھی ان پر نظر رکھی اور اساتذۂ کرام بھی ان کی تعلیم میں کافی محنت کرتے تھے، اس سلسلے میں کوئی نرمی نہیں تھی، سبھوں کو پہلے قرآن پاک حفظ کرایا اور عمدہ حافظ بنایا اور شیخ الاسلام کی وفات کے بعد مولانا اسعد صاحب قدس سرہٗ نے پورے گھرانے کی عظیم ذمے داری اپنے کندھوں پر لے لی اور احساس فرض شناسی کے ساتھ پورے خاندان کو اس درجہ خوش حال بنا دیا کہ کسی نے آج تک ان کے ہاں غربت نہیں دیکھی، یہ درست ہے کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں شیخ کے شاگرد اور متوسلین پھیلے ہوئے تھے، جو اپنی جانوں کو بھی آپ پر نچھاور کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ان متوسلین و مسترشدین اور تلامذہ نے مولانا کو بڑا حوصلہ دیا اور ان کے حوالے سے ان کے اندر طاقت و قوت اور جرأت و ہمّت پیدا ہوئی، اور اس طرح وہ اپنی بے باک قوت و بسالت کی بنیاد پر پورے ایشیا میں چھاتے چلے گئے اور پوری ملتِ اسلامیہ کو بے پناہ فائدہ پہنچایا، ان میں کوئی کمی پیدا ہونے نہیں دی، اسی وجہ سے بڑھے اور بڑھتے چلے گئے، پھیلے اور پھیلتے چلے گئے، ان کی پوری کتاب زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ رب العزت نے انھیں بڑا حوصلہ دیا تھا، جس سے انھوں نے کام لیا، کسی منزل پر ہمّت نہیں ہاری، بلکہ زمانے سے ہمہ وقت لڑتے بھڑتے چلے گئے۔

اور پھر ایک وقت آیا، کہ پورے برصغیر میں مولانا اسعد مدنی علیہ الرحمہ کا نام اور کام دونوں پھیلتا گیا اور ہر ایک شخص نے دینی و ملّی، سیاسی و سماجی اور معاشرتی و اقتصادی، بلکہ کہیے کہ ہر میدان میں ان کا تعاون لینا ضروری محسوس کیا۔ مختصر یہ کہ مولانا اسعد مدنی حضرت شیخ الاسلام کے نائب کی حیثیت سے ہندو پاک اور بنگلہ دیش میں کافی مقبول ہوئے اور کام بھی آپ کا ہر جگہ نمایاں رہا اور اپنی خدمات کی وجہ سے پوری ملتِ اسلامیہ میں متعارف ہوئے۔

ادھر ”جمعیۃ علمائے ہند“ سے بھی برابر وابستہ رہے اور اس عظیم پلیٹ فارم سے بھی کام کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حوصلہ و جرأت کے ساتھ دُور اندیشی کی دولت سے بھی نوازا تھا، کسی مقام پر پہنچ کر تھکان کا احساس نہیں کرتے تھے۔ جمعیۃ کے اندر کام کا میدان بہت وسیع تھا، آپ نے اپنے زمانے میں اس سیاسی اور علمی ادارہ کو بہت بڑھایا، اس کے لیے ”مسجد عبد النبی“ کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اس کے آس پاس کی زمین حاصل کرنے کی جدوجہد کی، اس میں اللہ نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی، پہلے جن کا تصور نہیں تھا وہ حقیقت بن کر سامنے آئی، آج جب کوئی مسجد عبد النبی اور اس کے اِردگرد کو دیکھتا ہے، تو وہ حیرت زدہ ہو جاتا ہے، کہ اس پورے حلقے پر کس طرح مولانا نے قبضہ کیا اور کیسی بلڈنگیں بنا کر کھڑی کر دی، گویا یہ ایک قلعہ ہے، جہاں دینی و سیاسی

اعتبار سے منصوبہ بند حکمتِ عملی تیار ہوتی ہے اور جن کے سائے میں رہ کر ایک مسلمان سکون و اطمینان کی سانس لیتا ہے۔

حضرت مولانا اسعد علیہ الرحمہ نے اپنی خداداد سیاسی بصیرت، دوراندیشی اور حکمت سے جمعیۃ کے نظام کو اس قدر مضبوط اور مستحکم بنایا کہ آج کہیں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ حضرت مولانا کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمود مدنی نے سیاسی طور پر کامیابی حاصل کی، وہ راجیہ سبھا کے ممبر ہیں اور مسلمانوں کے مسائل حل کرنے میں دن رات منہمک ہیں، کبھی چین وسکون سے بیٹھے نظر نہیں آتے ہمیشہ پورے ملک میں دوڑتے رہتے ہیں۔

اور پھر ادھر بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی برابر قائم ہے، لوگ آ آ کر مرید ہورہے ہیں اور خاندان شیخ الاسلام سے فیض حاصل کررہے ہیں، یہ سب مولانا اسعد کی محنتوں کا ہی ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔

مولانا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے، کہ انھوں نے گھر کو بہتر حال میں رکھا، کسی کو کوئی شکایت نہیں رہی، سب بھائیوں کے گھر بنوائے، ان کو کام پر لگایا اور ان کے لیے ذریعۂ آمدنی کا راستہ کھول گئے، اس طرح مالی کمزوری جو شیخ الاسلام کے بعد تھی وہ باقی نہیں رہی، سبھوں کو خوش حال بنا دیا، ہر ایک کے بال بچوں کی دیکھ ریکھ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، آج گھر کے سارے نوجوان پڑھے لکھے اور حافظ قرآن ہیں، سارے لوگ اپنے رہن سہن اور بود وباش میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں ماشاء اللہ! کوئی بھائی، کوئی بھتیجا اور کوئی لڑکا نہ بے راہ ہوا اور نہ آپس میں کبھی ٹکراؤ کی نوبت آئی، میرے نزدیک ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے، کہ پورے گھرانے میں اتحاد و یکجہتی اور اخوت و بھائی چارگی کا جذبہ برقرار رکھا، کبھی بھی کسی طرح کا کوئی خلفشار ہونے نہیں دیا، آج تک ایک فرد بھی ایسا نہیں ملا، جس نے مولانا کی بے توجہی کا گلہ وشکوہ کیا ہو۔

بارہا دیکھا گیا، کہ جب بھی کسی نے مولانا سے بیعت وارادت کا تعلّق جوڑنا چاہا، تو انھیں بلا کسی تردد کے حلقہ بگوش ارادت کرلیا اور مجاہدہ وریاضت کے بعد خلعت خلافت سے سرفراز کرکے پورے ملک میں ممتاز بنا دیا، البتہ سیاسی تربیت اپنے فرزند ارجمند محمود مدنی کی کی، پورے ملک میں اپنے ساتھ انھیں لیے پھرتے اور جو لوگ سربرآوردہ کہے جاتے ہیں، ان سے ملاقات کراتے۔

مولانا کی زندگی میں وہ ایم، پی نہیں ہوسکے، لیکن والد محترم کی وفات کے بعد ان کو جو کچھ بننا چاہیے تھا، اللہ تعالیٰ نے بنا دیا، بہت سے لوگ جن کو توقع نہیں تھی وہ متحیر ہوگئے اور رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

دارالعلوم دیوبند میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا ارشد صاحب کو ناظم تعلیمات بنوایا، جس کی ان کے اندر صلاحیت بھی تھی، اور اس عہدہ پر فائز ہو کر اپنے فرائض کو بہ حسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، تمام طلبۂ دارالعلوم ان کے کنٹرول میں ہیں اور ان کی صلاحیت واستعداد اور قابلیت کے سبھی قائل ہیں۔

میرے خیال میں مولانا نے بھائی کے لیے دارالعلوم دیوبند کو پسند کیا، تاکہ وہ یہاں رہ کر والد محترم (شیخ الاسلام) کی یاد قائم رکھیں اور ان کی خدمات جلیلہ کو کوئی فراموش نہ کرے، اگر خاندان کا کوئی فرد اس منصب پر نہیں ہوتا، تو یہ بہت بڑی کمی کہی جاتی۔

مولانا ارشد صاحب جمعیۃ علمائے ہند کے صدر بن گئے اور آج وہ پورے ملک کا دورہ کر رہے ہیں اور جمعیۃ کے نام پر مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کر رہے ہے، جرأت وہمّت اور حوصلہ وبلند پروازی کی صفت خاندانی ہے، بولنے اور بیان کرنے میں کوئی جھنجھلاہٹ محسوس نہیں کرتے، جس طرح مولانا علیہ الرحمہ علم وعمل میں بے مثال تھے اسی طرح ان کے بعد والے بھی بے نظیر ہیں، بھائی صدر جمعیۃ اور لڑکا ناظم عمومی ہیں یہ دونوں منصب ان دونوں کے مناسب اور لائق ہیں۔ دراصل یہ سب شیخ الاسلام کی قربانیوں کا نتیجہ ہے، اگر مولانا اسعدؒ اپنے والد بزرگوار کی جگہ پر کھڑے نہیں ہوتے، تو یہ بات غالباً سامنے نہیں آتی۔

مولانا اسعد نے اپنے دور میں ''امیر شریعت فی الہند'' کے عہدہ کو زندہ کیا، یہ مولانا کی دوراندیشی کی بات تھی کہ انھوں نے اس عہدے کے لیے، ہندوستان کے ایک بڑے عالم، صاحب فکر ونظر محدث جلیل حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ کا انتخاب فرمایا اور اِس کے لیے انھیں راضی بھی کر لیا، اور بہ ذات خود مولانا قدس سرہٗ کے نائب ہوئے، پھر ان کے بعد امیر الہند بنائے گئے اور بہ حیثیت امیر الہند پورے برصغیر میں پسند کیے گئے۔

حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کی دُور اندیشی کام آئی، مخالف کچھ سے کچھ کہتے رہے، مگر اس کی پرواہ نہیں کی، اور یہ حقیقت ہے، کہ کام اسی جرأت وحوصلہ سے ہوتا ہے، کوئی اور ہوتے تو اس کام کو نہیں کر سکتے تھے، یہ صرف مولانا ہی کی ذات تھی، کہ جنھوں نے بہ حسن وخوبی اس کام کو انجام دیا، امیر الہند منتخب ہونے کے بعد اس حیثیت سے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور لوگ ان کے دست پر بیعت کرتے رہے، اس طرح مسلمانوں میں اجتماعیت کی شان پیدا ہوئی اور پوری ملت وحدت کے جادۂ استوار پر گامزن ہوگئی۔ اس طرح مولانا اسعد نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا، یہ الگ بات ہے کہ انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مولانا اسعد بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے، چونکہ ان کے والد محترم شیخ الاسلام کو پورا برصغیر مانتا تھا اور سبھی ان کی قدر ومنزلت کا قائل تھا، اس لیے جو لوگ ان کے ہم نوا تھے وہ مولانا اسعد کے کاموں کی بھی آگے بڑھ کر تائید کرتے تھے، سیاسی اختلاف سے انکار نہیں، سیاسی طور پر اختلاف ہوتا تھا، لیکن مولانا اس کی وجہ سے گھبراتے نہیں تھے، اور اس کی بنیاد پر آپ کے جوش عمل میں کوئی کمی نہیں آتی تھی، عالموں میں اس درجہ باحوصلہ اور جری دیکھنے میں نہیں آیا۔

دین وسیاست کے حسین سنگم اور علم وعمل کے پیکر مجسم نے ۶ رفروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ بہ وقت شام اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیا اور ہم سے جدا ہو ہمیشہ کے لیے جوار رحمت میں آسودۂ خواب ہو گئے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

○○

□ مولانا عبدالعلی فاروقی
مہتمم دارالعلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ

حضرت فدائے ملتؒ کے امتیازی اوصاف

نہ اس کی تحقیق ہے، نہ تحقیق کی ضرورت کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی کو فدائے ملت کا خطاب کب اور کن لوگوں نے دیا؟ لیکن اس حقیقت سے شاید ہی کوئی انکار کرے کہ مولانا مرحوم کی سرگرم، ہر دم رواں ، اور ان تھک شخصیت کے لیے فدائے ملت کا خطاب اس قدر موزوں تھا کہ اس کے علاوہ دوسرا خطاب ان کے لیے، اور ان کے ہوتے ہوئے یہ خطاب کسی دوسرے کے لیے، خطاب ہوسکتا تھا مگر ''شخصیت کا آئینہ''نہیں ہوسکتا تھا۔

بات آگے بڑھانے سے پہلے یہ وضاحت ہوجانا بھی مناسب ہے کہ راقم الحروف کا شمار کبھی بھی حضرت فدائے ملت کے ان عقیدت مندوں میں نہیں ہوا کہ اس کی شہادت کو اندھی تقلید سے تعبیر کیا جاسکے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے مقالہ کے لیے راقم الحروف نے ''حضرت فدائے ملت کے امتیازی اوصاف'' کا عنوان بہت سوچ سمجھ کر اسی لیے اختیار کیا کہ ''لہو لگا کے شہیدوں میں داخل ہونے'' کے بجائے کچھ ایسے حقائق کو نمایاں کیا جائے جنھیں ''کرامات شیخ'' کے خانہ میں ڈال کر نظر انداز نہ کیا جاسکے اور جن کے اعتراف پر نہ صرف یہ کہ سب ہی اپنے کو مجبور پائیں بلکہ جنھیں اپنانے کی تمنائیں دلوں میں مچلنے لگیں؟

جہاں تک حضرت فدائے ملتؒ کے ''بڑے باپ'' کے بڑے بیٹے ہونے کا معاملہ ہے تو اسے عطائے خداوندی سے تعبیر کیا جائے گا، اور کہا جاسکتا ہے کہ اس میں بیٹے کی اپنی کسی لیاقت یا کمائی کا دخل نہیں ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ اہل نظر اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ ہیں کہ بیٹے کے لیے باپ کی وراثت خصوصاً ''عظمتوں کی وراثت'' کی حفاظت، تلوار کی دھار پر چلنے جیسا آزمائشی عمل ہے جس میں اک ذراسی بے لحاظی اور لغزش بیٹے کو زندہ در گور کردینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

ذکر جب عظمت و بڑائی کا آگیا ہے تو والد ماجد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب فاروقیؒ کے اس ''تجزیہ'' کو پیش کردینے کا بھی جی چاہتا ہے جو ہم خردوں کی تربیت اور ذہن سازی کے لیے

کرتے ہوئے وہ فرماتے، کہ ’’بڑائی دوطرح سے حاصل ہوتی ہے، ایک تو وہ جسے عربی کے اس مقولہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کَبَّرَکُمْ مَوْتُ الْکُبَرَاءِ (بڑوں کی موت نے تم کو بڑا بنا دیا) دوسری وہ جو بڑوں کی موجودگی وسرپرستی میں، اوران کی مرضی وایماء سے حاصل ہوتی ہے، پہلی والی بڑائی واقعتاً کوئی بڑائی نہیں ہے کہ میدان خالی ہوجانے اور بڑے بیٹے ہونے کی وجہ سے تم گھر کے بڑے بن جاؤ، اورتمہارے چھوٹوں کے پاس تم کواپنا بڑا تسلیم کر لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو، یہ مجبوری کی بات ہے، جب کہ ممکن یہ بھی ہے کہ تمھارے خردوں میں سے کوئی ایک یا چند، اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے حقیقی طور پرتم سے بڑے ہوں، لیکن ان سب کی مجبوری یہ ہے کہ عمر کے اعتبار سے بڑے بیٹے تم ہی ہو، اس لیے وہ تم کو گھر کا بڑا تسلیم کرنے پر مجبور ہیں؟ اصل بڑائی تو وہ ہے کہ جو دوسری والی ہے کہ بڑوں کی موجودگی میں اوران کی رضامندی کے ساتھ بڑائی حاصل ہوجائے، اورتمہاری صلاحیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے تمہارے بڑے خود ہی تم کو بڑا بنا کر پیش کردیں‘‘، اس تجزیہ کی روشنی میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی بڑائی سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے، اور اسے ان کے من جملہ ’’امتیازی اوصاف‘‘ قرار دیا جائے گا، کہ انہیں درج بالا دونوں طرح کی بڑائی حاصل ہوئی، اور پھر انہوں نے ان دونوں بڑائیوں کے لاج رکھنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

فدائے ملتؒ کی مختلف الجہات خدمات سے تشکیل پانے والی شخصیت کو جو جامع عنوان دیا جاسکتا ہے وہ ’’قائد ورہنما‘‘ ہے اوران کے ہماری اس فانی دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد جس ’’خلا‘‘ کا ذکران کے موافقوں، مخالفوں، اور دوستوں و دشمنوں سب کی طرف سے بے ساختہ اور بلا تصنع کیا جارہا ہے، اس کا تعلق بھی اسی ایک عنوان سے ہے، ایسا نہیں کہ فدائے ملتؒ کی حیات میں مسلمانوں کے وہ اکیلے دینی وملی قائد رہے ہوں، اوران کی وفات کے بعد کسی قائد یا ’’قیادت‘‘ کے دعویدار‘‘ کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے ’’خلا‘‘ پیدا ہوگیا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فدائے ملتؒ کے وہ کچھ امتیازی اوصاف تھے جن کی ذریعہ وہ قائد کی بھیڑ میں بھی ایک ممتاز قائد رہے، اور اب ان کی وفات کے بعد ان صفات کی جامع شخصیت کواپنے درمیان نہ پانے کی وجہ سے سب ہی کوایک خلا محسوس ہورہا ہے۔ حضرت فدائے ملتؒ کے ان امتیازی اوصاف کو درج ذیل عنوانات اور وضاحتوں کے ساتھ یاد کیا جاسکتا ہے۔

(۱) قائدانہ صلاحیت:

کسی تنظیم، تحریک یا پھر وراثت ہی کے ذریعہ قیادت حاصل ہوجانا تو آسان ہے اور شخصیت کے احترام، نیز ماحول کی سازگاری کی وجہ سے اس قیادت کو قبول کیا جانا بھی ممکن ہے، لیکن قائد کے

لیے منصب قیادت پر فائز ہونے کے بعد ''پر اعتماد اور موثر'' ہونا ضروری ہے، یہ وہ ناگزیر ''قائدانہ صلاحیت'' ہے جس کے بغیر کوئی قائد نہ اپنی قیادت کو تسلیم کرا سکتا ہے، نہ ہی اس کے اقدامات لائق اعتماد ہو سکتے ہیں، اس ''قائدانہ صلاحیت'' سے محروم قائد نہ صرف یہ کہ خود عزم و حوصلہ کے حامل نہیں ہوتے؛ بلکہ متاثر و منفعل ہو کر اپنے اوپر اعتماد کرنے والوں کی بھی حوصلہ شکنی کر کے انہیں مایوس کرتے ہیں حقیقی قائد نہ خود سر ہوتا ہے نہ ہی خود فراموش؛ بلکہ وہ خود آگاہ ہو کر مشاورت کی برکتوں پر بھی یقین رکھتا ہے، لیکن چونکہ وہ مشاورت اور مداہنت کے فرق کو جانتا ہے اس لیے اس کے اقدامات اور فیصلوں میں ''عزم'' کی دولت شامل ہوتی ہے، جس کے نتیجہ میں نہ وہ اپنے فیصلے بار بار بدلتا ہے، نہ ہی دوسروں کے لیے اس کے فیصلے تبدیل کرانا آسان ہوتا ہے یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے حضرت حق جل مجدہ نے اپنے صاحب عزیمت نبی، قائد اکبر حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کر کے یوں فرمایا۔ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (ال عمران ۱۵۹)

فدائے ملتؒ کے امتیازی اوصاف میں سب سے نمایاں اور سب سے اہم وصف یہی قائدانہ صلاحیت تھا جس نے ان کی قیادت پر کبھی ''سوالیہ نشان'' نہیں لگنے دیا بھلے ہی ان کے اقدامات اور قائدانہ فیصلوں سے اختلاف کیا گیا ہو لیکن ان کے بدترین ناقد نے بھی کبھی ان کی قیادت کو نہ شک کی نگاہ سے دیکھا، نہ ہی ان کی قیادت کو مشیروں و مقربوں کے ہاتھوں کا کھلونا قرار دیا ہے۔

(۲) محبوب بھی مطعون بھی:

راقم الحروف نے اپنی کم و بیش چالیس سالہ شعوری مدت عمر میں بہت سے قائدین کو دور و نزدیک سے دیکھا، موقع ملنے پر برتا، اور اپنی بساط بھر سمجھنے کی بھر پور کوشش کی، کسی سے دل لگا تو کسی سے دل ہٹا، پھر کسی کی محبوبیت کے سکے چلتے دیکھا تو کسی کو مطعون ہی مطعون ہوتے دیکھا، لیکن فدائے ملتؒ جیسی محبوبیت و مطعونیت کا اجتماع کسی دوسرے قائد میں نہیں پایا، ان کی ایک آواز پر لاکھوں کی بھیڑ اکٹھا ہو جانا، اور ان کی ایک اپیل پر لاکھوں کا سرمایہ فراہم ہو جانا، تو ان کے لیے ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے ایک خاص ہنگامی موقع پر راقم الحروف سے ایک دیدہ ور عالم دین نے بڑی حسرت کے ساتھ کہا تھا کہ مولانا اسعد مدنیؒ کو ایسے مخلص فداکار میسر ہیں کہ اگر وہ اشارہ کر دیں تو اپنی جان اور اپنے مال کی پرواہ کیے بغیر ان کے یہ فداکار گلے پر چھری پھیر دیں گے اور یہ نہیں سوچیں گے کہ خود کا کیا مقام ہے؟ جب کہ ان کو ایسے دو مخلص افراد بھی میسر نہیں ہیں جو ان کی عزت پر اپنی چاہتوں کو بھی قربان کر سکیں یعنی ایک طرف مخلص فداکاروں کی بھیڑ ہے، دوسری

طرف خود غرض مفاد پرستوں کا ساتھ، پھر بھلا دونوں کا مقابلہ ہی کیا؟

اور یہ منظر تو حضرت فدائے ملتؒ کے متعدد اقدامات وتحریکات کے موقع پر سب کی نگاہوں کے سامنے آتا رہا کہ ایک طرف پوری شد ومد کے ساتھ ان پر نقد وطعن ہو رہا ہے، دوسری طرف ان کی تائید وحمایت کرنے والوں کی ہوڑ لگی ہے، کہا جاسکتا ہے کہ ایسا تو ہر قائد ورہنما کے ساتھ ہوتا ہے کہ نہ سب ان کے موافق ہوتے ہیں اور نہ سب ہی مخالف؟ لیکن فدائے ملتؒ کا امتیازی وصف حامیوں کی حمایت اور مخالفوں کی مخالفت سے نہیں؛ بلکہ اس وقت ابھر کر سامنے آتا رہا، جب ان کے ''باشعور ناقدین'' اور فکری ونظری مخالفین بھی، اپنی فکر ونظر پر قائم رہتے ہوئے اور اپنی ''سمت قبلہ'' میں تبدیلی کیے بغیر بھی یہ کہتے نظر آئے، کہ اگر اس جگہ مولانا اسعد مدنیؒ ہوتے تو یوں ہوتا اور یوں نہ ہوتا''، یعنی اپنے مقتدیٰ وپیشوا کے مقابلہ میں مولانا اسعد مدنی پر طعن کرنے والے بھی جب یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس موقع پر ان کا مطلوب موقف اختیار کرکے اس کا برملا اظہار کرنے والی شخصیت مولانا اسعد مدنی ہی کی ہوسکتی ہے، تو گویا اس حد تک ہی سہی، وہ بھی فدائے ملت مولانا اسعد مدنی کو اپنا محبوب بنانے پر آمادہ یا مجبور ہوگئے اور بس یہی تھا فدائے ملتؒ کا وہ امتیازی وصف جسے راقم الحروف نے ''محبوب بھی مطعون بھی'' کے عنوان سے تعبیر کیا۔

(۳) مردم شناسی و مردم سازی:

فدائے ملت کی قائدانہ زندگی کا ایک اہم اور نمایاں وصف، افراد کار کی شناخت کی صلاحیت تھا، اس حقیقت سے سب ہی آگاہ ہیں کہ تحریکی واجتماعی کاموں میں ''افراد کار'' کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کہ بہت سے باصلاحیت افراد اپنے قائد کی کم نگاہی ودل تنگی کی وجہ سے ضائع ہوجاتے ہیں، انہیں ضائع ہونے سے بچانے اور ان کی صلاحیتوں سے نفع حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ان کا قائد ان کی صلاحیتوں کی شناخت بھی رکھتا ہو، اور ان صلاحیتوں کو مناسب انداز میں استعمال کرنے کا سلیقہ بھی رکھتا ہو فدائے ملتؒ کے اندر ''جوہر شناسی'' کی یہ صفت بدرجۂ اتم موجود تھی، جس کے لیے ان کی قائدانہ زندگی کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے نہ جانے کہاں کہاں سے ہیروں اور جواہرات کو جمع کرکے ملت کو ان کی صلاحیتوں سے فیض یاب ہونے کے مواقع عطا کیے، ان میں وہ بھی ہیں جو باصلاحیت ہو کر بھی گمنام تھے، اور وہ بھی ہیں جو نام ور تو تھے لیکن اپنی ان خداداد صلاحیتوں کے حوالہ سے نہیں جن کی شناخت فدائے ملت نے کی تھی، پھر اتنا ہی نہیں؛ بلکہ فدائے ملت کا ایک امتیازی وصف وہ ''مردم سازی'' بھی تھا، جو ارباب کمال میں بھی کسی کسی کو ہی حاصل ہو پاتا ہے، یہ وہ عمل کیمیا ہے جس کے ذریعہ مٹی کو سونا، اور پتھر کو

ہیرا بنایا جاتا ہے، اور ایسے لوگوں کی یقیناً ایک بڑی تعداد ہے جو حضرت فدائے ملت سے وابستہ ہونے سے پہلے کوئی شناخت نہیں رکھتے تھے، اور آج وہ نہ صرف ایک شناخت کے حامل، بلکہ ایک اعتبار واعتماد کے مالک ہیں۔

ضروری نہیں کہ وہ شخصیات جنہیں فدائے ملت نے پہچان کر ان کی صلاحیتوں کو کارگر بنایا، یا وہ شخصیات جن کے ''مس خام'' کو فدائے ملت نے کندن بنایا، اپنے سلسلے میں اپنے محسن ومربی کی ریاضتوں کا اعتراف بھی کریں، یہاں تو ان مولانا اسعد مدنی کی ملی خدمات کے حوالے سے ایک امتیازی وصف کا ذکر مقصود ہے جنہیں فدائے ملت کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۴) صلابت و شدت پسندی:

فدائے ملتؒ کے امتیازی اوصاف میں ایک وصف ''صلابت وشدت پسندی'' بھی تھا، وہ دینی، مسلکی، ملی، اور سیاسی مسائل میں بہت سوچ سمجھ کر اور اپنے ملحوظات کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کرتے تھے، اور پھر جو رائے قائم کر لیتے اس پر شدت کے ساتھ عمل کرتے، ایسا شاید ہی کبھی ہوا ہو کہ انھیں اپنی رائے سے ہٹایا جاسکا ہو، جب کہ ایسا بہت مرتبہ ہوا کہ انہوں نے اپنے زور استدلال، صلابت فکر، اور شخصیت کے وزن کے ذریعہ بڑے بڑوں کو اپنا ہم رائے بنالیا، وہ دارالعلوم دیوبند کے نامور فاضل تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے فرزند وجانشین تھے، اور مسلک دارالعلوم کے طاقتور ترجمان تھے، اسی کے ساتھ وہ مسلمانان ہند کی سب سے بڑی اور سب سے قدیم علمائے حق کی وراثت اور تاریخ ساز جماعت ''جمعیۃ علماء ہند'' کے سربراہ اور اس کی فکر وعمل کے محور تھے، پھر وہ ایک سیاسی رہنما ہونے کے ناطے اپنی کچھ مخصوص ترجیحات، اثر ونفوذ اور طاقت واقتدار کے بھی مالک تھے، ان تینوں میدانوں میں ان کا اپنا سوچا سمجھا اور منتخب کردہ دائرۂ فکر وعمل تھا جس پر وہ تادم آخر پوری شدت کے ساتھ قائم رہے، اور کسی ایک میدان کے سود وزیاں کا اندیشہ کر کے دوسرے میدان کے سلسلے میں قائم کردہ رائے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں کی۔

ایسا نہیں کہ ان کی ہر ہر رائے سے ہمیشہ ان ''اپنوں'' کو بھی اتفاق رہا ہو؟ لیکن ان کی رائے پر اثر انداز ہوئے بغیر ان کی قوت عمل کو مضمحل یا کمزور کر دینے کی کسی میں سکت نہ تھی، وہ اختلاف رائے کرنے والے کو مجبور نہیں کرتے تھے، مگر اپنی رائے کے خلاف عمل کرنے یا بے عمل ہو جانے کو کبھی گوارہ نہیں کرتے تھے، اس وصف کی وضاحت کے لیے صرف ایک مثال کو پیش کر دینا ہی کافی ہوگا کہ جب فدائے ملت نے ''تحفظ سنت کانفرنس'' کے انعقاد کا فیصلہ کیا، تو انھیں ملی اتحاد، جماعتی مزاج، سیاسی مفاد، اور ملکی حالات جیسے کئی مصلحت آمیز عنوانات کے حوالوں سے روکنے کی کوششیں

کی گئیں، لیکن ان تمام مصالح پر ان کی وہ دینی غیرت غالب آ کر رہی جو دارالعلوم دیوبند اور حنفی مسلک کی نسبتوں سے انھیں ودیعت کی گئی تھی، اور پھر ہوا یہی کہ انہوں نے شدت کے ساتھ اپنی رائے اور فیصلے میں تبدیلی سے انکار کرتے ہوئے پوری آب وتاب کے ساتھ مذکورہ کانفرنس منعقد کی۔

بات بالکل سامنے کی ہے کہ ان کی اپنی اس رائے اور اقدام کو ان کے دینی و مسلکی نقطۂ نظر سے کتنا ہی موزوں اور مبنی برحق قرار دیا جائے لیکن اسے ناموزوں قرار دینے والے بھی دلائل سے عاری تو نہ تھے، مگر یہی تھی وہ ''صلابت و شدت پسندی'' جسے راقم الحروف نے ان کے امتیازی اوصاف میں شمار کیا ہے۔

(۵) جرأت و بے باکی :

فدائے ملتؒ کے امتیازی اوصاف میں ایک وصف جرأت و بے باکی بھی تھا، انہوں نے راجیہ سبھا کے ممبر کی حیثیت سے ایوان کے اندر مسلمانانِ ہند کے مسائل بڑی جرات کے ساتھ پیش کیے، وہ سیاسی طور پر کانگریس کے ایک سینئر رکن تھے، اور راجیہ سبھا میں اسی جماعت کی نمائندگی کرتے تھے، اس کے باوجود متعدد مواقع پر انہوں نے جماعتی وفاداری سے اوپر اٹھ کر فرقہ وارانہ فسادات، مسلم یونیورسٹی ایکٹ، لا اینڈ آرڈر کی صورت حال، آسامی مسلمانوں کی شہریت، تعلیم و نصاب تعلیم، بابری مسجد، مسلم اوقاف، آئی ایم ڈی ٹی ایکٹ، اور جائیداد میں خواتین کا حصہ، جیسے مسلم مسائل کو پوری جرأت وقوت کے ساتھ اٹھایا، اور بسا اوقات انہوں نے اپنی ہی جماعت کانگریس کی حکومت اور اس کی پالیسیوں پر کھل کر اور بلا رعایت تنقید کی، ان کی سیاسی زندگی میں ایسے مواقع بھی آئے کہ جرأت مندانہ اظہار خیال کی وجہ سے ان کی جماعتی وابستگی شک کے دائرہ میں آئی اور انہیں معتوب بھی ہونا پڑا، لیکن انہوں نے ملی مسائل کا سودا کرنا کبھی گوارہ نہیں کیا، یہ صحیح ہے کہ حکمراں جماعت کانگریس کی بعض مسلم دشمن پالیسیوں اور اقدامات کی وجہ سے خصوصاً بابری مسجد کی ترقی سے لے کر اس کی شہادت تک پورے مسئلہ میں کانگریس کے مایوس کن کردار کی وجہ سے اس قابل احترام اور قد آور شخصیت کی کانگریس سے ناقابل شکست وابستگی کو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حلقہ ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا تھا، تاہم اس حقیقت سے مجال انکار نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے بعض مواقع مثلاً مرادآباد اور بھاگلپور کے مسلم کش فسادات کے موقع پر، اپنی جرات و بے باکی اور شخصی وجاہت کے بل پر کانگریسی حکمرانوں سے مسلمانوں کے حق میں وہ اقدامات اور فیصلے کرائے جو ان کے کانگریس میں شامل و داخل ہونے کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مدنی کا کانگریس سے ناقابل شکست وابستگی کا سیاسی فیصلہ بھی ان کا ایک سوچا

سمجھا فیصلہ تھا، جس سے اختلاف تو ممکن ہے لیکن اس کی وجہ سے ان کی ملت سے وفاداری، اور جرأت و بے باکی کسی درجہ میں متاثر نہیں ہوئی، اور ان کے معاندین کی طرف سے ان پر ایسا کوئی الزام لگایا جانا بے ثبوت تہمت کے زمرہ میں آتا ہے۔

ایک قائد کی حیثیت سے فدائے ملت کی جرأت و بے باکی نے بہت سے مواقع پر مسلمانانِ ہند کو حوصلہ عطا کیا، خصوصاً اس ملک کے لیے ناسور بن جانے والے فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر عموماً دیگر مسلم قائدین سے پہلے فدائے ملت کا متاثرین کے درمیان پہنچ کر نہ صرف ان کی دادرسی کرنا، بلکہ پولیس وانتظامیہ کے افسران، اور متعلقہ حکومتی ذمہ داران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کی غفلتوں و کوتاہیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے انھیں مثبت اقدامات پر مجبور کرنے کی کوششوں نے نہ جانے کتنے مواقع پر ستم رسیدہ مسلمانوں کو بکھرنے اور ٹوٹنے سے بچایا، اور ان کی جرات مندانہ مساعی نے مظلوموں و مقہوروں کو تنکا تنکا جمع کر کے نئے سرے سے آشیانہ تعمیر کرنے اور نئی امیدوں کے ساتھ زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کیا۔

(۶) دینی مدارس اور علماء سے ربط:

فدائے ملتؒ مولانا اسعد مدنی کے اس امتیازی وصف سے شاید کوئی انکار نہ کرے، کہ انہیں دینی مدارس اور علماء کرام سے خصوصی ربط تھا، وہ نہ صرف قیام مدارس میں بھرپور دلچسپی لیتے ان کی سرپرستی کرتے، اور ان کی مشکلات کو حل کرنے میں اپنا بھرپور تعاون عطا کرتے؛ بلکہ اپنے اندرون و بیرون ملک کے کثیر اسفار کے باوجود ارباب مدارس کی طلب پر مدرسوں کے جلسوں میں شرکت کے لیے وقت نکالتے، اور اپنی علالت اور روز افزوں ضعف ونقاہت کے باوجود دور ودراز کے علاقوں میں واقع مدارس میں پہنچ کر اہل مدارس کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کی ضروریات اور مسائل کی طرف توجہ کرتے، اور اپنے دینی، سیاسی، ومعاشرتی وزن سے مدارس کو فراخ دلانہ طور پر فیض یاب کرتے، اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اپنے مصارف سفر سے وہ کبھی مدارس کو زیر بار نہیں کرتے تھے، دینی مدارس سے ان کا یہ خصوصی ربط وتعلق اس لیے تھا کہ ایک دور اندیش قائد اور ایک دین پسند مسلمان کی حیثیت سے وہ اس حقیقت سے بہ خوبی آگاہ تھے کہ دینی مدارس نہ صرف اسلام کے قلعے ہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنی زبان وادب کے ساتھ زندگی گذارنے کی آخری پناہ گاہیں ہیں، یوں تو تمام مسلم قائدین، خصوصاً علمائے کرام، مدارس دینیہ کی اس خصوصی اہمیت (اور اسی اہمیت کی وجہ سے مسلم دشمن حلقوں کی طرف سے مدارس دینیہ کے خلاف رچی جانے والی سازشوں) سے آگاہ ہیں، اور اس کی آگاہی کے پیش نظر مدارس اور

علمائے کرام سے اپنا رشتہ بنانا سب ہی ضروری سمجھتے ہیں، تاہم فدائے ملتؒ کا مدارس اور علماء مدارس سے جو والہانہ ربط ورشتہ تھا، اور ان کی طلب کا انھیں جس درجہ احساس تھا وہ ان کا امتیازی وصف تھا، اور اس وصف میں ان کے معاصرین میں سے اگر کسی کو ان کا شریک وسہیم قرار دیا جاسکتا ہے، تو وہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کی ذات گرامی تھی، وہ بھی اس فرق کے ساتھ کہ حضرت قاری صاحبؒ کا دائرہ عمل اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے محدود تھا، جب کہ فدائے ملتؒ کا دائرہ عمل اپنی جماعتی، سیاسی، اور عوامی ذمہ داریوں کے احساس کی وجہ سے وسیع تھا، اسی لیے انہوں نے دینی مدارس اور علماء کو اپنی سرگرمیوں کے ایجنڈے میں اولین مقام عطا کر رکھا تھا، اور یہ یقیناً اسی کا اثر تھا کہ انہوں نے جب بھی کوئی تحریک شروع کی تو ذمہ داران دینی مدارس اور علمائے کرام ان کی ایک آواز پر ان کی ہر تحریک میں شامل ہونے اور ہر قربانی پیش کرنے کے لیے پروانہ وار جمع ہوجاتے تھے، چنانچہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ کو اپنی کسی احتجاجی تحریک، اجتماع یا جلسہ کے لیے دوسروں کی طرح بھیڑ اکٹھا کرنے کے لیے کوشش نہیں کرنا پڑتی تھی، کیوں کہ علمائے کرام وارباب مدارس کی پشت پناہی ان کی کامیابی کے لیے کافی ضمانت ہوا کرتی تھی۔

آخر میں یہ وضاحت کردینا بھی ضروری ہے کہ راقم الحروف نے فدائے ملتؒ کے درج بالا جن ''امتیازی اوصاف'' کا ذکر کیا ہے، ان کے ذریعہ نہ کسی دوسرے قائد کی خدمات کا انکار مقصود ہے نہ ہی یہ دعویٰ ہے کہ ان اوصاف میں سے کوئی وصف کسی دوسرے قائد میں موجود نہیں ہے، بلکہ مقصود صرف فدائے ملت کی جامعیت کا اظہار ہے کہ ایسے اوصاف جلیلہ کی جامع شخصیت ہماری اس زمین پر روز روز پیدا نہیں ہوتیں اور ہمارے درمیان سے کسی ایسی امتیازی اوصاف کی حامل شخصیت کا اٹھ جانا ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی کی اس کے سوا دوسری کوئی صورت نہیں، کہ فدائے ملت سے عقیدت اور وابستگی کا اظہار کرنے والے ان کی اس میراث کو اپنانے کی کوشش کریں، یہی ہوگا ان کو سچا نذرانۂ عقیدت، اور ان کی خدمات کا حقیقی اعتراف!

حق تعالیٰ حضرت فدائے ملتؒ کو ان کی مخلصانہ خدمات کا اجر جزیل عطا فرمائے اور ان کے اخلاف کو ان جیسا عزم وحوصلہ عطا فرمائے کیوں کہ:

جگر میں درد، کلیجے میں چوٹ، دل میں تپش
یہ چند باتیں ضروری ہیں عاشقی کے لیے

○○

□ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب
ناظم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ، میرٹھ (یوپی)

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی حیات طیبہ کے چند نقوش

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امّا بعد!

پہلی زیارت:

بندہ کی عمر چھ، سات سال کی تھی، سردھنہ میں کوئی جلسہ ہو رہا تھا، ہمارے یہاں زین پور اور جسر سلطان نگر وغیرہ سے بس بھر کر لوگ جلسہ میں شرکت کے لیے آئے تھے، بعض بچے بھی بس میں سوار ہو گئے، ان بچوں میں بندہ بھی تھا، جلسہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی تقریر کیسٹ کے ذریعہ سنائی گئی تھی جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اس کے قریب حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا وصال ہوا تھا، اور غالباً حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ اس جلسہ میں شرکت فرمانے والے تھے، مگر انتقال کی وجہ سے شرکت نہیں فرما سکے، اس لیے کیسٹ کے ذریعہ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی تقریر حاضرین کو سنائی گئی۔

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے اس جلسہ میں شرکت فرمائی، اسی موقع پر بندہ کو سب سے اوّل زیارت نصیب ہوئی، حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا، جس نے باپ کو نہ دیکھا ہو وہ بیٹے کو دیکھ لے، جس نے استاذ کو نہ دیکھا ہو وہ شاگرد کو دیکھ لے جس نے شیخ کو نہ دیکھا ہو وہ مرید کو دیکھ لے۔

حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ اسٹیج پر تشریف فرما ہوئے اور جلسہ والوں نے حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی شان میں نظم پڑھنے کے لیے کسی کو کھڑا کیا، اس نے نظم شروع کی اور حضرت مولانا قدس سرہٗ کا چہرہ متغیر ہونا شروع ہوا، اور پھر زبانی اس کو منع کیا، اس پر وہ نہیں رُکا، پھر سختی سے اس کو منع کیا، پھر بھی نہیں رُکا، حضرت مولانا قدس سرہٗ بہت غصّہ کی حالت میں کھڑے ہوئے اور بہت زور سے پڑھنے والے کی کمر پر دھول رسید کیا، جس کی آواز مجمع نے سنی، مجمع کے دلوں میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی عظمت بیٹھ گئی کہ ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں، جن کو اپنی تعریف سننا گوارہ نہیں

ہوتا، بلکہ اپنی تعریف سننے سے اس قدر نا گواری ہوتی ہے، کہ جس کو برداشت نہیں کر سکتے، اور یہ زمانہ حضرت مولانا قدس سرہٗ کا ابتدائی زمانہ تھا، بعد کے مجاہدات سے کتنی ترقی ہوئی ہوگی، اس سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور ظاہر ہے یہ مقام حاصل ہونا کوئی معمولی نہیں کمال اخلاص، کمال تواضع وعبدیت کے بغیر یہ چیز ممکن نہیں۔

محبوبیت و مقبولیت:

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا قدس سرہٗ کو محبوبیت ومقبولیت خاصہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، حضرت والا قدس سرہٗ کی ایک ایک ادا سے محبوبیت ومقبولیت کی شان ظاہر ہوتی تھی، بندہ نے اپنے بچپن سے حضرت والا قدس سرہٗ کو جب بھی دیکھا اس کو خوب محسوس کیا جبکہ بندہ کا حضرت والا قدس سرہٗ سے نہ کوئی تعارف تھا، نہ کسی طرح کا تعلق مگر اپنے بچپن میں جب بھی زیارت ہوئی بے انتہا کشش حضرت والا قدس سرہٗ کی ذات میں محسوس ہوئی جس کی وجہ سے اپنے بچپن ہی سے بندہ کو یقین تھا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا قدس سرہٗ کو اپنی محبوبیت ومقبولیت کا عظیم مقام نصیب فرمایا ہے۔

حسن صوت:

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا قدس سرہٗ کو دیگر اوصاف وکمالات کے ساتھ حسن صوت کی صفت سے بھی کمال درجہ نوازا تھا، متعدد مرتبہ حضرت والا قدس سرہٗ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی سعادت میسر آئی ایسی دلکش آواز اور دلفریب لہجہ کہ سننے والا گویا مسحور ہو جاتا تھا اور دل چاہتا تھا حضرت والا قدس سرہٗ پڑھتے چلے جائیں اور میں سنتا چلا جاؤں۔

اتباع سنت:

ہر ہر چیز میں اتباع سنت حضرت والا قدس سرہٗ کا خاص مزاج تھا، خلاف سنت کوئی چیز گوارہ نہیں تھی۔

نماز میں اہتمام سنت:

نماز کے اندر اتباع سنت کا بہت اہتمام تھا، ہر رکن سنت کے مطابق ادا ہو اس کی کوشش ہوتی تھی۔

قرأت مسنون کا اہتمام:

ایک دفعہ دار العلوم حسینیہ تاؤلی ضلع مظفر نگر (یو پی) تشریف آوری ہوئی، جمعہ کی شب میں قیام فرمایا صبح فجر کی نماز میں نماز فجر کی امامت کے لیے کوئی طالب علم آگے بڑھا، حضرت نے فرمایا نماز وہ پڑھائے جو سنت کے مطابق قرأت کرے، امام صاحب مصلے سے پیچھے ہٹ گئے اور بھی کسی کی ہمّت آگے بڑھنے کی نہ ہوئی۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب بستوی مہاجر مدنی قدس سرہٗ اس وقت تک تاؤلی میں مقیم تھے،

مدینہ طیبہ ہجرت نہیں فرمائی تھی، ان کو بلایا گیا اور انھوں نے امامت فرمائی۔

نماز میں اذکار مسنونہ کا اہتمام:

دارالعلوم حسینہ تاؤلی ہی میں ایک مرتبہ تشریف آوری کے موقع پر امام صاحب نے نماز میں رکوع سجدہ کی تسبیح میں غالباً تین تین مرتبہ پر اکتفاء کیا، نماز کے بعد حضرت والا قدس سرہٗ نے امام صاحب سے فرمایا رکوع، سجدہ میں تین تین مرتبہ تسبیح پر اکتفاء کرنا سنت کا ادنیٰ درجہ ہے کمال درجہ پانچ سات، نو مرتبہ ہے، اہل علم حضرات کو کمال سنت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ (روایت حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ استاذ دارالعلوم حسینہ تاؤلی)

سفر میں نماز باجماعت بلکہ تکبیر اولیٰ کا اہتمام:

حضرت مولانا قدس سرہٗ کی زندگی کا اکثر حصّہ سفر میں گزرا، مگر دورانِ سفر نماز باجماعت بلکہ تکبیر اولیٰ کا اہتمام فرماتے تھے۔

تکبیر اولیٰ فوت ہونے پر ناراضگی:

ایک مرتبہ ''جامعہ محمودیہ میرٹھ'' تشریف آوری ہوئی نماز کا وقت ہوچکا تھا، کسی طالب علم سے کہا مسجد میں امام صاحب سے کہیں ایک دومنٹ کا انتظار کرلیں، طالب علم مسجد پہنچا تو تکبیر ہوچکی تھی، اور امام اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ چکا تھا، حضرت والا قدس سرہٗ وضو سے فارغ ہوکر مسجد تشریف لے گئے، تو نماز شروع ہوچکی تھی، اور تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی، بلکہ ایک آدھ رکعت بھی نکل گئی، حضرت مولانا قدس سرہٗ کو اس کا اتنا صدمہ ہوا کہ نماز کے بعد اساتذہ، طلباء نے مصافحہ کرنا چاہا سب کو جھڑک دیا اور فرمایا تم سے دومنٹ کا انتظار نہیں ہوسکا، چائے کے لیے اصرار کیا، چائے کو بھی انکار کردیا، اور اسی ناراضگی کی حالت میں فوراً واپس تشریف لے گئے، اور ایک مدت تک اس کا اثر رہا۔

نماز تہجد کا اہتمام:

سفر، حضر میں کبھی حضرت والا قدس سرہٗ کی نماز تہجد فوت نہیں ہوتی تھی، کیسا ہی طول طویل سفر ہو سفر میں کیسی ہی بے آرامی ہو، تکان ہو، مسلسل اسفار کی وجہ سے کئی روز سوئے ہوئے ہوگئے ہوں مگر کیا مجال کہ نماز تہجد فوت ہوجائے۔

نماز میں محویت:

نماز کے اندر حضرت والا قدس سرہٗ کو ایسی محویت ہوتی تھی کہ اس کی مثال بمشکل ہی مل سکے گی، بالکل دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے تھے، کیسے ہی مشاغل ہوں، ناشتہ، کھانا تیار ہے، دستر خوان بچھا ہوا ہے، سفر میں جانا ہے گاڑی دروازہ پر کھڑی ہے، کوئی اور تقاضہ ہے مگر نماز کا وقت ہوگیا، تو فوراً نماز میں مشغول ہوگئے اور اتنے اطمینان سے نماز ادا فرماتے کہ ایسا معلوم ہوتا کہ اس

وقت شاید کوئی کام بھی حضرت کونہیں ہے ہر کام سے فارغ ہیں، اور نماز میں کمال اطمینان سے معلوم ہوتا کہ شاید یہ آخری نماز ہے، اور اگر حضرت والاقدس سرہٗ کو معلوم ہوجا تا کہ آپ کی زندگی کی یہ آخری نماز ہے تو شاید اس سے زیادہ عمدہ اور کمال اطمینان سے نماز ادا نہیں فرما سکتے تھے، جس کمال اطمینان سے وہ ہر نماز ادا فرماتے تھے، اور دیکھنے والوں کی آنکھوں میں ''قُـرَّةُ عَيۡـنِیۡ فِی الصَّلٰوةِ'' کی عملی تفسیر کا نقشہ گھوم جاتا تھا۔

حضرت والاقدس سرہٗ کی نماز کو دیکھ کر کوئی شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

ایک تبصرہ:

ہمارے یہاں میرٹھ میں ایک صاحب نے عجیب تبصرہ کیا، کہ حضرت مولانا قدس سرہٗ کی ہر چیز میں جلدی دیکھی، ناشتہ جلدی جلدی، کھانا جلدی جلدی، اسی طرح ہر کام جلدی جلدی مگر نماز اور بیعت بہت اطمینان سے دیکھی مگر نماز پڑھتے تو اتنے اطمینان سے پڑھتے کہ شاید حضرت کو نماز کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں، اسی طرح طالبین کی درخواست پر جب بیعت فرماتے تو اتنے اطمینان سے بیعت فرماتے اور انتہائی اطمینان سے وظائف اور معمولات تلقین فرماتے، کہ شاید اس وقت حضرت کو اور کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔

کام کی دُھن:

حضرت والا قدس سرہٗ کی پوری زندگی انتہائی مصروف اور مشغول زندگی تھی، گویا کام سے حضرت والا کو سکون ملتا تھا، اور بغیر کام کے آپ زندگی گزار ہی نہیں سکتے تھے، حتیٰ کہ سخت سے سخت بیماری کی حالت میں بھی آپ کام میں مشغول رہنا پسند فرماتے تھے، ایک دفعہ حضرت والا قدس سرہٗ کا ایکسیڈنٹ ہوا، اور میرٹھ کے ایک ہسپتال میں زیرِ علاج رہے، غالبًا پیر کی ہڈّی ٹوٹ گئی تھی، پیر پر پلاسٹر چڑھا کر ہڈی جوڑنے کے لیے پیر سے وزن بندھا ہوا تھا، اور حضرت والا قدس سرہٗ سخت تکلیف کی حالت میں تھے، مگر اس سخت تکلیف کی حالت میں بھی حضرت والاقدس سرہٗ برابر مشغول تھے، آنے والوں کو مشورہ سے نواز رہے ہیں، ہسپتال ہی میں حضرت والا قدس سرہٗ کی قیام گاہ پر جمعیۃ علماء کی مجلس مشورہ ہورہی ہے اور حضرت والا قدس سرہٗ انتہائی غور سے پوری کارروائی سماعت فرمارہے ہیں، اور مشورہ عنایت فرمارہے ہیں۔

اسی طرح جمعیۃ علماء کے دوسرے اہم کام بھی وہیں انجام دیے جارہے ہیں معلوم ہوتا تھا کہ جمعیۃ علماء کا دفتر یہیں ہسپتال ہی میں منتقل ہوگیا ہے۔

انتھائی علالت کی حالت میں ضیافت کا اھتمام:

باوجود یہ کہ حضرت والاقدس سرہٗ سخت بیماری اور بے چینی کی حالت میں تھے اور اہل میرٹھ

عیادت کے لیے آنے والے مہمانوں کی ضیافت کا انتہائی فراخ دلی کے ساتھ انتظام فرمارہے تھے،مگر اس کے باوجود حضرت والا قدس سرہٗ کو مہمانوں کی بڑی فکر تھی اور اپنی طرف سے بھی خصوصی اہتمام تھا کہ کوئی آنے والا خالی نہ جائے، یعنی کوئی بھوکا، پیاسا نہ رہے۔

انتہائی علالت میں دوسروں کی فکر:

ایک دفعہ جبکہ حضرت والا قدس سرہٗ انتہائی علیل تھے اور دفتر الجمعیۃ دہلی میں قیام فرما تھے بندہ برائے عیادت حاضر ہوا، دورانِ ملاقات ارشاد فرمایا ’’میں رات کو بھی کسی وقت فون بند نہیں کرتا اور فون خود ہی اُٹھاتا ہوں، معلوم نہیں کس کو کیا ضرورت ہے۔‘‘

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت والا قدس سرہٗ کے اندر دوسروں کی راحت رسانی کا جذبہ کس درجہ رکھا ہوا تھا، کہ دوسروں کی راحت رسانی کے خیال سے اپنے آرام اپنی راحت کی کوئی فکر نہیں تھی، بالخصوص سخت علالت کی حالت میں جبکہ تندرستوں کو بھی سونے کے وقت فون بند کرنا پڑتا ہے اور پھر حضرت والا قدس سرہٗ کے دنیا بھر سے کتنے فون آتے ہوں گے اور حضرت والا قدس سرہٗ کو کتنی مشقت ہوتی ہوگی یقیناً یہ جذبہ اور یہ عمل خاصان خدا ہی کا حصہ ہو سکتا ہے اور بس۔

اصلاح امت کی فکر:

اصلاح امت کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی، اسی کے لیے شب و روز سفر میں رہتے تھے، اور سفر ہی میں حضرت والا قدس سرہٗ کو آرام ملتا تھا حتی کہ سفر حضرت والا قدس سرہٗ کی عادت مستمرہ بن گئی تھی کہ اگر کچھ روز کے لیے سفر ملتوی ہو جاتا تو طبیعت ناساز ہو جاتی اور سفر شروع ہو جاتا تو طبیعت بحال ہو جاتی، سخت بیماری ہوتی معالجوں کی طرف سے سفر کی سخت پابندی ہوتی مگر جہاں ذرا طبیعت سنبھلی فوراً سفر شروع ہو جاتا بعض دفعہ معلوم ہوتا کہ حضرت ہسپتال میں ہیں اور چند روز بعد معلوم ہوتا کہ حضرت والا قدس سرہٗ تو بیرون ملک سفر میں تشریف لے گئے ہیں۔

تربیت اولاد کی فکر:

حضرت والا قدس سرہٗ ملک اور بیرون ملک اسفار کے دوران اپنے مواعظ میں بیانات میں تربیت اولاد کی طرف خاص توجہ دلاتے، بعض معتمد حضرات نے بتایا کہ لندن، افریقہ، کے اسفار میں وہاں رہنے اور بسنے والے مسلمانوں کو اپنی اولاد کے دین وایمان کی حفاظت کی طرف خاص توجہ دلاتے اور ڈنکے کی چوٹ فرماتے کہ اپنی اولاد کے دین وایمان کی حفاظت فرض ہے، اور فرماتے کہ میں مفتی تو نہیں ہوں کہ فتویٰ دوں باقی میرے نزدیک اپنے بچوں کے دین وایمان کی حفاظت فرض ہے، اگر ان ملکوں میں رہ کر اپنی اولاد کے دین وایمان کی حفاظت نہیں کر سکتے تو یہاں رہنا حرام ہے، یہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے۔

اسلامی اسکولوں کا قیام:

حضرت والا قدس سرہٗ کے ان ہی بیانات کی وجہ سے باہر ملکوں میں پچاسوں بلکہ سینکڑوں اسلامی اسکول قائم ہوگئے، کہ ان سب کا اجر وثواب بھی انشاء اللہ حضرت والا قدس سرہٗ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔

عزم محکم:

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا قدس سرہٗ کو عزم محکم کی دولت عطا فرمائی تھی، جب کسی چیز کا ارادہ فرمالیتے تو کوئی قوت آپ کو اپنے ارادہ سے روک نہیں سکتی تھی، اور اس سلسلہ میں آپ ظاہری اسباب کی بھی پرواہ نہیں فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ سٹھلہ مدرسہ میں تشریف لائے شب میں قیام فرمایا فجر بعد حضرت والا قدس سرہٗ کی واپسی ہوئی، حافظ اکرام الٰہی صاحب قدس سرہٗ نے حضرت سے بندہ کو اپنے ہمراہ کار میں موانہ تک لے جانے کی درخواست کی اس وقت تک اس ناکارہ کا حضرت والا قدس سرہٗ سے کوئی خاص تعارف نہیں تھا، حضرت نے منظور فرمالیا، اور یہ ناکارہ سٹھلہ سے موانہ تک حضرت والا قدس سرہٗ کے ہمراہ آیا، اتفاق کہ موانہ پہنچ کر کار کچھ خراب ہوگئی، ڈرائیور نے کار کی خرابی کا ذکر کیا، حضرت والا قدس سرہٗ گاڑی سے تیزی سے اُترے اور ڈرائیور سے فرمایا ٹھیک کراکر لے آنا میں آگے جارہا ہوں اور گاڑی کے ٹھیک ہونے کا انتظار کیے بغیر تیزی سے چل دیے، بندہ بھی حضرت والا قدس سرہٗ سے سلام مصافحہ کرکے بس اڈّہ سے بس میں سوار ہوکر میرٹھ آیا، خدا کو ہی معلوم ہے کہ کار ٹھیک ہونے میں کتنا وقت لگا، اور کار کب اور کہاں حضرت والا قدس سرہٗ تک پہنچی اور کب اور کتنی دیر بعد حضرت کار میں سوار ہوئے، اسی طرح حضرت والا قدس سرہٗ جب کسی چیز کا ارادہ فرمالیتے مثلاً کوئی کانفرنس کرنی ہے، کوئی اجلاس کرنا ہے، کوئی تحریک چلانی ہے، اور اس کا پختہ ارادہ فرمالیتے تو کیسے بھی حالات ہوتے کوئی پرواہ نہ کرتے، اور اس کے لیے انتھک کوشش فرماتے اور وہ چیز ہوکر رہتی۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا کو اپنی ذات عالی پر وہ توکل اور اعتماد کی کیفیت عطا فرمائی تھی کہ بڑی سے بڑی مخالفتوں کی آپ پرواہ نہ فرماتے اور سخت سے سخت حالات میں آپ کوہِ وقار اور کوہ استقلال بنے کھڑے رہے، کتنی مرتبہ جمعیۃ علماء کے بڑے بڑے ستون گر گئے، اور کتنے اہم کارکن جمعیۃ سے الگ ہوگئے، لوگوں کا خیال تھا کہ جمعیۃ علماء کمزور ہوجائے گی اور حضرت والاؒ ان اہم کارکنوں کو واپس لینے پر مجبور ہوجائیں گے، مگر اسی لمحہ لوگوں نے دیکھا کہ حضرت والا قدس سرہٗ نے آگے کی طرف اپنا سفر جاری رکھا، اور جمعیۃ اپنے تمام شعبوں کے ساتھ رواں دواں ہے، اور حضرت والا قدس سرہٗ نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا کس نے کہاں ساتھ چھوڑ کون کہاں ہے کس حال

میں کیا کرر ہا ہے، نہ کسی کا کبھی کوئی تذکرہ نہ اپنے ارادوں میں کمزوری، اسی رفتار بلکہ برق رفتاری کے ساتھ بڑھتے چلے جارہے ہیں۔

ترقی کا راز (ارشاد فقیہ الامت):

میرے حضرت فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا تھا، حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب (قدس سرہٗ) کی ترقی کا راز یہ ہے کہ وہ اپنے کسی مخالف سے انتقام نہیں لیتے، اس کے پیچھے نہیں پڑتے اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ (اوکما قال)

دارالعلوم سے عشق کا تعلّق:

حضرت والا قدس سرہٗ کو یوں تو تمام دینی اداروں سے تعلّق تھا اوران کی ترقی کے لیے ہر خدمت کے لیے تیار رہتے تھے مگر دارالعلوم دیو بند سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، دارالعلوم کی ہر ادنیٰ خدمت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔

دارالعلوم کے لیے چندہ:

دارالعلوم کے لیے چندہ کی ضرورت ہوتی تو اسی مستعدی اور جوانمردی کے ساتھ چندہ بھی فرماتے، اجلاس صد سالہ کے موقع پر اجلاس صد سالہ کے لیے طوفانی دورے فرما کر لاکھوں کی تعداد میں چندہ فرما کر دارالعلوم کے خزانہ میں جمع فرمایا۔

دارالعلوم کی ترقیات میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی قربانی:

دارالعلوم کی مسجد رشید کی خوشنما تعمیر ہو یا دیگر تعمیری طویل، سلسلہ صد سالہ کے بعد تعمیرات کے عظیم سلسلہ میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی قربانیوں کو بڑا دخل ہے، ملک اور بیرون ملک میں اہل خیر حضرات کو اپنے اسفار کے دوران دارالعلوم کی طرف متوجہ فرمانا اور تعاون کی ترغیب دینا تعاون پر آمادہ کرنا حضرت والا قدس سرہٗ کا عظیم کارنامہ ہے۔

فرق باطلہ کی تردید:

دارالعلوم میں فرق باطلہ کی تردید کے لیے جو شعبہ جات قائم ہوئے وہ حضرت والا قدس سرہٗ کے ایماء اور توجہ دلانے پر ہی قائم ہوئے، اس سلسلہ میں جو خدمات انجام پارہی ہیں وہ بھی انشاء اللہ حضرت مولانا قدس سرہٗ کے نامۂ اعمال میں شامل ہوں گیں۔

اصلاح معاشرہ ہفتہ:

دارالعلوم کے اساتذہ اصلاح معاشرہ کے لیے اسفار فرماتے ہیں بالخصوص اس کے لیے سال بھر میں ایک ہفتہ مقرر کرکے ملک کے طول وعرض میں سفر فرماتے ہیں یہ سلسلہ بھی غالباً حضرت والا قدس سرہٗ کے ایماء پر ہی جاری ہوا، اس کا اجر بھی انشاءاللہ حضرت والا قدس سرہٗ کے

نامہ اعمال میں شامل ہوگا۔

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ:

ملک کے طول وعرض میں بیشمار پھیلے ہوئے مدارس اسلامیہ میں رابطہ مدارس اسلامیہ کا سلسلہ بھی حضرت والا قدس سرہٗ کے ایماء پر ہی قائم ہوا، اس طرح کے اور بہت سے شعبے حضرت والا قدس سرہٗ کے ایماء پر قائم ہوئے،ان سب کا اجر بھی انشاء اللہ حضرت والا قدس سرہٗ کے نامہ اعمال میں شامل ہوگا۔

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ کی دارالعلوم میں تشریف آوری:

مفتی اعظم فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ کی دارالعلوم دیوبند میں تشریف آوری میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی مساعی کو خاص دخل ہے، چنانچہ دارالعلوم کی شوریٰ کے تجویز پاس کرنے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے تشریف آوری کی درخواست کرنے کے باوجود حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے جامع العلوم کانپور اور اہل علاقہ کی ضرورت کے پیشِ نظر دارالعلوم میں تشریف لانے سے معذرت فرمادی تھی، اس کے بعد پھر دارالعلوم کی شوریٰ نے تجویز پاس کی کہ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت مفتی صاحبؒ کے نام حضرت شیخ الحدیثؒ سے حکم نامہ لکھوایا جائے تاکہ اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کو کوئی عذر ہی نہ رہے۔

چنانچہ اس تجویز کو لے کر خود حضرت مولانا قدس سرہٗ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں سہارنپور حاضر ہوئے،اور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے نام حکم نامہ لکھوا کر کانپور بھیجا۔

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے حکم کے بعد حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو کوئی عذر ہی نہیں ہوسکتا تھا،اس لیے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ جامع العلوم کانپور سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، اس طرح دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی تشریف آوری کے بڑی محرک حضرت والا قدس سرہٗ کی ہی ذات گرامی ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے جو حکم نامہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے نام تحریر فرمایا اس کی نقل پیشِ خدمت ہے۔

حکم نامہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ بنام حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ:

مکرم محترم مولانا الحاج مفتی محمود صاحب مدفیوضکم، بعد سلام مسنون! کل حضرت مہتمم

صاحب دارالعلوم کا ایک والا نامہ آیا تھا جس کے جواب میں بندہ ایک خط آپ کی خدمت میں بہ سلسلہ تشریف آوری دارالعلوم دیوبند لکھ چکا ہے، اسی وقت ایک بجے دو پہر کے مولانا اسعد صاحب اور جناب مولانا حمیدالدین صاحبؒ تشریف لائے اور مولانا حمیدالدین صاحبؒ نے آپ کا وہ گرامی نامہ بھی سنایا جو آپ نے ان کے خط کے جواب میں ان کولکھا ہے کہ اس کی صرف اجازت کافی نہیں بلکہ وہ مجھے وہاں آنے کا حکم دے اس لیے یہ ناکارہ دوبارہ لکھتا ہے کہ اگرچہ حکم دینا اس ناکارہ کی طبیعت کے بالکل خلاف ہے اور میں اپنے گھر کے لوگوں کو بھی کاندھلہ یا نظام الدین کی آمد ورفت میں حکم نہیں دیا کرتا بلکہ مشورہ ہی دیا کرتا ہوں لیکن جناب کی تشریف آوری اگر لفظ حکم ہی پر موقوف ہے تو میں دارالعلوم کے مفاد کے پیشِ نظر اپنی عادت کے خلاف حکم بھی لکھے دیتا ہوں، اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ فقط والسلام

زکریا عفی عنہ

سہارنپور ۲۳/صفر ۱۳۸۵ھ

دارالعلوم میں قضیہ نامرضیہ پیش آنے کے بعد حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ مظاہر علوم سہارنپور منتقل ہو گئے، اور مستقل قیام مظاہر علوم میں ہو گیا، تو حضرت مولانا قدس سرہٗ نے ہی دارالعلوم کی شوریٰ میں اس مسئلہ کو رکھا اور شوریٰ سے تجویز پاس کرائی کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ ہفتہ میں دو دن یا کم از کم ایک دن دارالعلوم کے لیے تجویز فرما دیں تا کہ دارالعلوم کے اساتذہ وطلباء حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے مستفید ہو سکیں۔ دارالعلوم کی شوریٰ کی تجویز کو بہت اہتمام کے ساتھ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیجا، جس کو حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے منظور فرما لیا، اور حسبِ تجویز حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سہارنپور سے دیوبند تشریف لائے اور دو دن یا ایک دن قیام فرما کر واپس تشریف لے جاتے۔

مظاہر علوم میں قضیہ نامرضیہ کے بعد دارالعلوم میں قیام:

اس کے بعد جب مظاہر علوم میں قضیہ نامرضیہ پیش آیا تو حضرت مولانا قدس سرہٗ کی تحریک پر ہی دارالعلوم کی شوریٰ نے تجویز پاس کی کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے درخواست کی جائے کہ مستقبل قیام دارالعلوم میں بحیثیت مفتی اعظم فرمائیں اور نسائی شریف سبق بھی حضرت والا قدس سرہٗ کے لیے تجویز کیا گیا، جس کو حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے منظور فرمایا اور دارالعلوم میں مستقل قیام اختیار فرما کر طلباء دارالعلوم کو مستفید ہونے کا موقع مرحمت فرمایا۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا مکتوب گرامی بنام حضرت مولانا سعید احمد بزرگ صاحبؒ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ (حیات محمود جلد اوّل، ص ۳۸۷) نیز مکتوب فقیہ الامت بنام

حضرت مفتی احمد خانپوری زید مجدہم ملا حظہ ہو حضرت فقیہ الامت قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

اقتباس جواب حضرت فقیہ الامت قدس سرہ ٗ:

جس روز یہاں پہنچا اسی روز شوریٰ کا اجلاس تھا، بعد عشاء ارکان شوریٰ چھتہ مسجد تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم نے تجویز پاس کی ہے کہ تیرا قیام مستقلاً دارالعلوم میں رہے گا، میں نے عرض کیا میرا حافظہ ضعیف، میرا ناظرہ ضعیف، میرا دماغ ضعیف نہ زیادہ کتاب دیکھ سکتا ہوں نہ زیادہ بول سکتا ہوں، ایسی حالت میں میرا یہاں کیا کام ہوگا، مجھے معاف کردیا جائے، جواب ملا کہ ہم کو نہ حافظہ کی ضرورت ہے نہ ناظرہ کی بس تجھے یہاں رہنا ہے، دارالافتاء کی سرپرستی اور رہنمائی تیرے ذمّہ ہے میں اکیلا اور وہ جماعت نتیجہ ظاہر ہے کہ میں کچھ نہ کرسکا، نیز اس جماعت میں متکلم حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی صاحب (قدس سرہٗ) تھے:

آشیاں سے ہم تو تھے اُڑنے کو پر تولے ہوئے
کیا کہیں صیاد آ پہنچا قفس کھولے ہوئے

یہ شعر پوری طرح صادق آ گیا، نیز یہ وعدہ فرمایا کہ جب سہارنپور کے حالات درست ہوجائیں گے تو تجھے وہاں جانے کی اجازت دے دیں گے ان حالات میں ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' میں قیام کی حاضری کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے اور عدم حاضری کے لیے کیا معذرت کی جائے۔فقط والسلام

املاہٗ العبد محمود غفرلہٗ

چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند ٢٦/٣/١٤٠٦ھ:

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ حضرت والا قدس سرہٗ دارالعلوم کی ہر نوع کی ترقی کے لیے کس طرح کوشاں رہتے تھے، اس کا اجر بھی حضرت والا قدس سرہٗ کے نامۂ اعمال میں شامل ہوگا۔انشاءاللہ۔

فقیہ الامت حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ٗ کی نظر میں
حضرت فدائے ملت قدس سرہ ٗ کا مقام:

فقیہ الامت حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی نظر میں حضرت فدائے ملت قدس سرہٗ کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ جمعہ کے روز جب مزار قاسمی پر فاتحہ کے لیے تشریف لے جاتے تو واپسی پر حضرت فدائے ملت قدس سرہٗ کے دولت کدہ پر ضرور تشریف لے جاتے اور انتہائی عظمت ومحبت کا طرفین سے مظاہرہ ہوتا۔

چھتہ مسجد میں نماز جمعہ:

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا قدس سرہٗ چھتہ مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمائیں گے، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے صف اوّل میں حضرت مولانا

قدس سرہٗ کے لیے مصلیٰ بچھایا اور اس پر کسی طالب علم کو بٹھایا تاکہ حضرت مولانا قدس سرہٗ کے تشریف لانے پر وہ مصلیٰ خالی کردے، اور خود حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ مسجد کے صحن میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کی تشریف آوری کے انتظار میں کھڑے رہے اور قریب میں ٹہلتے رہے۔

جب حضرت مولانا قدس سرہٗ تشریف لائے خود آگے بڑھ کر انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ ملاقات فرمائی اور خود مصلے پر لے کر گئے۔

دفتر الجمعیۃ دھلی میں حضرت مفتی صاحبؒ کی تشریف آوری:

فقیہ الامت حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ جب بھی دہلی تشریف لے جاتے اور وقت میں کچھ بھی گنجائش ہوتی تو جس طرح اہتمام کے ساتھ مرکز تبلیغ نظام الدین تشریف لے جاتے اسی طرح دفتر الجمعیۃ بھی ضرور تشریف لے جاتے۔

ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ دفتر الجمعیۃ تشریف لے گئے، حضرت مولانا قدس سرہٗ وہاں تشریف فرما نہیں تھے، دفتر والوں نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے لیے حضرت مولانا قدس سرہٗ کا خاص کمرہ جس میں حضرت مولانا قدس سرہٗ کا بستر ابچھا ہوا تھا، اور حضرت مولانا قدس سرہٗ اسی میں قیام فرماتے تھے کھول دیا، اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو کمرہ میں لے کر گئے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے اس کمرہ میں (تعظیماً) قیام فرمانے سے معذرت فرمائی کہ یہ تو حضرت بھائی صاحب کا کمرہ ہے، دفتر والوں نے جب انتہائی اصرار فرمایا تب وہاں قیام فرمایا۔

حضرت فدائے ملت قدس سرہٗ کے دل میں
حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی عظمت:

حضرت مولانا قدس سرہٗ کے دل میں بھی حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی انتہائی عظمت تھی جیسا کہ اوپر گزرا، اسی طرح حضرت مولانا قدس سرہٗ جب کسی طویل سفر پر تشریف لے جاتے تو چھتہ مسجد حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں ملاقات کے لیے تشریف لاتے کہ فلاں جگہ سفر میں جانا ہے ملاقات اور دُعا کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

وقت کی قدر:

حضرت مولانا قدس سرہٗ کے یہاں وقت کی انتہائی قدر تھی، وقت ضائع کرنا پسند نہیں تھا، اس لیے کسی جلسہ وغیرہ میں تشریف لے جاتے جو وقت تجویز ہوتا اس کی پابندی فرماتے اور کھانے، ناشتہ وغیرہ میں وقت زیادہ ضائع کرنا انتہائی ناپسند فرماتے ایک دفعہ میرٹھ شہر کسی جلسہ میں تشریف لائے منتظمین نے چائے کا اصرار کیا، اور چائے میں تاخیر ہوئی ناگواری کے ساتھ فرمایا چائے کی عادت نہیں، دوا سمجھ کر پی لیتا ہوں۔

موقع سے فائدہ اٹھانا:

حضرت والا قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے موقع شناسی کا خوب ملکہ عطا فرمایا تھا، موقع کو پہچانتے بھی خوب تھے، اوراس سے بروقت فائدہ بھی اُٹھاتے تھے، قوم وملت کے فائدہ کا کوئی بھی موقع ہوتا، حضرت والا قدس سرہٗ اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، حضرت والا قدس سرہٗ کی زندگی میں بہت سی اس کی مثالیں مل جائیں گی۔

حکمت و مصلحت:

حکمت ومصلحت اندیشی سے بھی اللہ تعالیٰ نے خوب نوازا تھا، جس سے حضرت والا قدس سرہٗ خوب فائدہ اُٹھاتے تھے۔

ایک دفعہ غالبًا کانگریس کی حمایت کی وجہ سے کچھ مخالفت کا سلسلہ چلا ہوا تھا، سونی پت جلسہ عام میں حضرت والا قدس سرہٗ نے شرکت فرمائی تھی، بندہ بھی وہاں موجود تھا، بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت والاقدس سرہٗ سے یہ سوال کریں گے یہ سوال کریں گے، لوگ اس کے منتظر تھے کہ کچھ موقع ملے اور سوالات کا سلسلہ شروع کریں، مگر حضرت والا قدس سرہٗ جیسے ہی پہنچے فوراً سیدھے مسجد تشریف لے گئے اور نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فراغت پر سیدھے اسٹیج پر تشریف لے گئے بیان فرمایا، بیان سے فارغ ہوتے ہی سیدھے گاڑی پر تشریف لے گئے اور کار میں سوار ہوکر فوراً واپسی ہوگئی، نہ چائے نہ ناشتہ، نہ کھانا، نہ مزید کسی کو گفتگو کا موقع ہی دیا۔

سوالات کے جوابات: گو حضرت والا قدس سرہٗ سوالات کے جوابات کے عادی تھے، بیان کے دوران بھی کوئی سوال کرتا حضرت والا انتہائی سنجیدگی سے جوابات عنایت فرماتے تھے، اور سوالات سے کبھی ناگواری نہیں ہوتی تھی۔

بیان میں عجیب کشش:

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا قدس سرہٗ کے بیان میں عجیب کشش رکھی تھی، بعض دفعہ خطبہ سنتے ہی لوگ مسحور ہوجاتے تھے، بیان کے دوران کوئی اُٹھنے کا نام نہ لیتا تھا۔

اجلاس صد سالہ میں بیان:

دارالعلوم کے اجلاسِ صد سالہ کی کئی نشستیں ہوچکی تھیں لیکن حضرت مولاناؒ کا بیان نہیں ہوا تھا، بہت سے لوگوں نے ہنگامہ کیا کہ حضرت مولانا کا بیان ہونا چاہیے، حضرت مولانا قدس سرہٗ کے بیان کا اعلان ہوا، اور حضرت والا قدس سرہٗ نے خطبہ پڑھ کر بیان شروع فرمایا، جس نے جہاں سے آواز سنی فوراً پلٹ آیا، اور پورا مجمع پر سکون ہوگیا، مجمع پر محویت طاری تھی، اور بہت سے لوگوں کو کہتے سنا گیا کہ حاضری کا مقصد حاصل ہوگیا، بعض کو کہتے سنا گیا اگر حضرت مولانا قدس سرہٗ

کا بیان نہ ہوتا پورا اجلاس بے مزہ ہوتا۔

اجلاس پر گریہ طاری:

دارالعلوم کے خلفشار کے بعد دہلی میں جمعیۃ کا اجلاس تھا، حضرت والا قدس سرہٗ نے خطبہ پڑھا خطبہ میں ہی آواز بھرا آئی اور خود حضرت پر گریہ طاری ہوگیا، جس کی وجہ سے پورے اجلاس ہی پر گریہ طاری تھا، اور سب کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

زندہ یا مردہ باد دونوں برابر:

حضرت والا قدس سرہٗ جو کچھ کرتے اللہ تعالیٰ کی رضاء خوشنودی پیش نظر ہوتی تھی، نہ کسی کی تعریف کی پرواتھی نہ کسی کی تنقید کی، ایک دفعہ کسی اجلاس میں حضرت والا قدس سرہٗ کا بیان شروع ہوا، لوگوں نے زندہ باد کے نعرے شروع کیے، حضرت نے لوگوں کو خاموش کرتے ہوئے فرمایا میرے نزدیک زندہ باد مردہ باد دونوں برابر ہیں۔

ھر کام للّٰہ فی اللّٰہ:

ایک دفعہ ہندوستان بھر میں کانگریس کی مخالفت کی لہر جاری تھی اور مسلمانوں کی اکثریت کانگریس کے خلاف تھی، حضرت مولانا قدس سرہٗ کانگریس کی حمایت فرمارہے تھے، اور کانگریس اور اندرا گاندھی کی حمایت میں سہارنپور گرفتاری بھی دی تھی، جس کی وجہ سے بہت لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہورہے تھے، بندہ کے دل میں بھی اس کا خاص اثر تھا۔

اسی موقع پر بندہ نے خواب دیکھا کسی مکان میں سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب قدس سرہٗ دونوں حضرات بھی موجود ہیں، کہ سامنے دروازہ سے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی قدس سرہٗ تشریف لائے حضرت مولانا قدس سرہٗ کے کپڑوں پر پیروں پر کچھ غبار لگا ہوا ہے، ان تینوں حضرات میں سے کوئی ایک صاحب متعین طور پر اس وقت ذہن میں نہیں رہا، کھڑے ہوئے اور حضرت مولانا قدس سرہٗ کے پیروں اور کپڑوں کو اپنے رومال سے صاف کیا، اس کے بعد آنکھ کھل گئی، بندہ نے اس خواب کا تذکرہ اپنے حضرت، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے کیا، حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا حضرت مولانا کا ہر عمل للہ فی اللہ ہے، اس خواب اور تعبیر سے دل میں جو غبار تھا صاف ہوگیا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک. ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا و مولانا وحبیبنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم.

○○

مفتی محمد راشد اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند

حضرت فدائے ملّتؒ کا ذوقِ عبادت

صاحب تفسیر مدارک عبادت کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ''**هی أقصى غاية الخضوع و التذلل**۔'' یعنی انتہائی درجہ عاجزی، فروتنی اور خودسپردگی کا نام عبادت ہے جس بندے میں عبادت کی یہ کیفیت جس قدر زیادہ ہوتی ہے وہ اپنے معبود برحق سے اسی قدر زیادہ قریب ہوتا جاتا ہے، یہ شانِ عجز و نیاز فرائض میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے اس لیے قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ وہی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے ''**قد افلح المؤمنون الذين هم فی صلوتهم خاشعون**''۔ آخرت کی مکمل کامیابی انھیں مومنین کا حصّہ ہے جو اپنی نمازوں میں خشوع رکھنے والے ہیں۔

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ ''**خاشعون**'' کا معنی بتلاتے ہیں ''**هم المخبتون إذلاء**'' وہ لوگ جو اللہ کے سامنے اپنے کو انتہائی حقیر، ذلیل سمجھ کر آتے ہیں، عمر بن دینارؒ فرماتے ہیں ''**هوالسكون وحسن الهيئة**'' سکون واطمینان اور نمازی کی ہیئت کی عمدگی کا نام خشوع ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نمازوں کے قیام کی کیفیت روایتوں میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے ''**كانه عود**'' وہ اس طرح قیام فرماتے تھے کہ گویا لکڑی کھڑی کردی گئی ہے۔ عمر بن دینار کے اس قول میں خشوع کے دو حصّے بتلائے گئے ہیں۔ ایک سکون جس کا تعلّق دل سے ہے، دوسرا صورتِ ظاہری کا حسن جو اسی سکون قلب کا نتیجہ ہے اور یہ بات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک سے اخذ کی گئی ہے ''**عن أبي هريرة ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم رائ رجلاً يعبث فی الصلوٰة فقال لوخشع قلب هذالخشعت خوارحه.**'' (نوادرالاصول بحوالہ تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز میں کھیلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: اگر اس کے دل میں خضوع ہوتا تو اس کے جوارح میں یہ بات نہ پائی جاتی۔ حدیث قدسی ہے ''**وما تقرب عبدی إلی عبدی بشئی احبّ الی مما افترضت علیه**'' (بخاری بحوالہ مشکوۃ شریف

ج۱،ص۷ ۱۹) میری محبوب چیزوں میں فرائض سے بڑھ کر میرا بندہ اور کسی چیز کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل نہیں کرتا ہے۔

جس طرح فرائض کا درجہ تمام عبادات سے بڑھ کر ہے اور وہ قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اسی طرح وہ سنن ومستحبات اور آداب جو فرائض کے اندر ادا کیے جاتے ہیں ان سنن ومستحبات سے بدرجہا افضل اور موثر ہیں جو فرائض کے ماسوی میں ہوتے ہیں، حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فرائض کے ادا کرتے وقت سنتوں میں سے کسی سنت، اور مستحبات میں سے کسی مستحب کی رعایت کرنا یہی حکم رکھتا ہے۔'' (ترجمہ ارشاد مجدد الف ثانی ص۲۶)

تمام فرائض میں سب سے اہم رتبہ نماز کا ہے ارشاد نبوی ''**أقرب مايكون العبد من الرب في الصلوة**'' سب سے زیادہ قرب جو بندے کو اللہ کے ساتھ ہوتا ہے وہ نماز میں ہوتا ہے۔ حضرت فدائے ملّت رحمہ اللہ کے خصوصی امتیازات میں نمازوں کا حد درجہ اہتمام تھا، سفر وحضر، صحت وبیماری ہر موقع پر ان کی نمازوں میں سکون واطمینان، خشوع وخضوع کی ایک عجیب شان ہوتی تھی۔ ان کی مصروفیات چاہے جس قدر بھی ہوں نماز اتنے اطمینان کے ساتھ ادا کرتے تھے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس نماز کے بعد انھیں کوئی اور مصروفیت نہیں ہے۔

اس قدر ہجوم کار اور کثرتِ اسفار کے باوجود نماز وجماعت کے اہتمام میں وہ اپنے دور میں منفرد تھے۔ جس کے دوست، دشمن سب معترف ہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ ان کی یہ استقامت ان کی بہت بڑی کرامت تھی، اگر وہ مسجد میں نہ ہوتے تو یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ دیوبند میں موجود نہیں ہیں۔

زندگی کے آخری سالوں میں جب بہت سارے اعذار انھیں دامن گیر ہوگئے تھے۔ اگر کم از کم آدھ گھنٹہ قبل نماز کی تیاری نہ شروع کرتے تو جماعت ملنی مشکل تھی۔ لیکن کیا مجال کہ ان حالات میں بھی کبھی جماعت فوت ہوجائے، ناچیز نے یہ بارہا دیکھا کہ مجلس چل رہی ہے کسی اہم مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے لیکن جونہی اذان کی آواز کانوں میں آئی گفتگو بیچ ہی میں بند کردی اور مسجد کے لیے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے، موسم کتنا ہی ناخوشگوار ہو، صحت نامساعد ہو، اعذار شباب پر ہوں لیکن دیکھیے تو مسجد کی اگلی صف میں موجود ہیں ان کی زندگی کا تقریباً یہ لازمہ سا ہوگیا تھا، سفر سے رات کے دو ڈھائی بجے منزل پر پہنچتے اور صبح پورے نشاط وانبساط کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے، ان کی عزیمت کی یہ کیفیت بعض دفعہ ہم جیسے کوتاہ ہمتوں کے اندر بھی حرارت پیدا کرتی تھی، اسفار میں بھی وہ نماز یا جماعت کا اہتمام بلیغ فرماتے تھے، ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ جہازوں اور ٹرینوں میں گزرا بلکہ بقول حیات اللہ انصاری مرحوم لگتا ہے کہ ملک بھر میں ٹرینوں کی

لائنیں جناب مولانا اسعد مدنیؒ صاحب ہی کے لیے بنائی گئی ہیں،لیکن جب بھی وہ ٹرین پر بیٹھتے ہر سہولت سے پہلے یہ دیکھتے کہ نماز باجماعت ادا کرنے کی جگہ کدھر ہے۔ رفیقِ سفر سے فرماتے: مناسب جگہ دیکھ لیجیے۔ ایسا لگتا تھا کہ نمازوں کی محبت ان کی رگوں میں سرایت کرگئی ہے۔ایک دفعہ حضرت کی عیادت کے سلسلہ میں ہم چندلوگوں کا دہلی کا سفر تھا، راستہ میں ایک جگہ نماز کے لیے اُترے جماعت ہوچکی تھی، رفقاء نے اپنی اپنی نمازیں پڑھ لیں، ایک بزرگ عالم نے فرمایا کہ اگر حضرت مولانا ہوتے تو کتنی بھی عجلت ہوتی نماز باجماعت ہی ادا کرتے۔

ذوق وشوق کی یہ کیفیات صرف کتابیں پڑھ لینے، یامسائل وفضائل یاد کرلینے سے نہیں پیدا ہوتیں، بلکہ یہ کسی عبد کامل کی صحبت اور رنگت سے حاصل کی جاتی ہیں۔ ”رأيتمو ني أصلي“ مجھ کو جیسا پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو میں جناب رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی راز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت مولانا نے یہ رنگ اپنے والد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا، جن کے صاحبزادہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ان کے سب سے بڑے خادم اور ان کی اداؤں کے سب سے بڑے امین، محرم اسرار اور صحیح معنوں میں جانشین تھے عارف شیرازیؒ نے خوب فرمایا:

درسفالیں کاسئہ رنداں بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمت جامِ جہاں بیں کردہ اند

انھوں نے اپنے عظیم باپؒ کی ایک ایک ادا کو بڑے غور سے دیکھا تھا اور انھیں اپنی زندگی میں لانے کی بھرپور سعی فرمائی تھی، انھیں اپنے والد محترم سے وابستہ ہر چیز بڑی عزیز تھی جس کے نتیجہ میں وہ ”الولد سر لابیہ“ کے عکس جمیل تھے۔حضرت شیخ الاسلامؒ کے انتقال کے معا بعد ہی ارباب بصیرت یہ کہنے لگے تھے:

اے گل بتو خُرسندم تو بوئے کسے داری

تہجد کا اہتمام:

گریہ نیم شبی اور آہ سحر گاہی میں بھی وہ اپنے اکابر واسلاف کے نمونہ تھے، نماز تہجد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صلحاء امت کا شیوۂ خاص رہی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **عليكم بقيام الليل فانه داب الصالحين قبلكم وهو قربة إلى ربكم مكفرةٌ للسيات و منهاة عن الإثم.** (ترمذی)

تم رات کے قیام کو اپنے لیے لازم کرلو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ رہا ہے اور اس سے تمھارے رب کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ گناہوں سے روکتی ہے۔اس نماز سے قرب الٰہی کا وہ روحانی مقام حاصل ہوتا ہے جس کے بعد عشق الٰہی میں تن من وارنا نہایت آسان ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا کے لمحاتِ حیات لذتِ آہ سحر سے بھرپور آشنا تھے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ لمبے لمبے پر مشقت اسفار سے رات کے دو ڈھائی بجے تشریف لاتے اور صبح صادق سے پہلے بیدار ہوکر محوِ عرض و نیاز ہوجاتے، شاعر نے خوب کہا ہے:

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر

ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہوجانا

ایک دفعہ رات کو بنگلور سے مدراس بذریعہ کار سفر تھا، بندہ بھی رفیقِ سفر تھا روڈ انتہائی مصروف، سفر پر مشقت تھا، تمام رفقاء بہت تھک گئے تھے، رات کے آخری حصّہ میں مدراس پہنچے صبح صادق طلوع ہونے میں شاید گھنٹہ دو گھنٹہ باقی رہا ہو، کسی قدر لیٹنے کے بعد تہجد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے فرمانے لگے تعب بھی بہت ہے اور بخار بھی ہے لیکن بے اُٹھے رہا نہ گیا۔ غرض تعب، بخار، کم خوابی کوئی بھی چیز مانع نہ بن سکی۔ سچ کہا ہے:

غمِ دنیا غمِ عقبیٰ غمِ حسنیٰ غمِ موت

کوئی غم بھی تو حریفِ غمِ جاناں نہ ہوا

انھیں محبوب ومقبول حضرات کی شان میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ”اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے بہت محبت فرماتا ہے، ان میں سے ایک وہ شخص کہ ”**قدم ساروا لیلتهم حتی إذا کان النوم احب الیهم مما بعده به فوضعوا رؤسهم فقال یتملقنی ویتلوا اٰیاتی.** (مشکوۃ، باب فضل الصدقۃ) شخص جو کچھ لوگوں کے ساتھ تمام رات چلا پھر جب ان کی نیند ہر اس چیز سے پیاری اور محبوب ہوگئی جو اس کے برابر ہوسکتی تھی تو انھوں نے اپنا سر اپنی خوابگاہوں پر رکھ لیا، پھر وہ آدمی علی حدہ کھڑے ہوکر میری خوشامد اور میری آیات کی تلاوت میں لگ گیا۔ شاعر نے سچ کہا ہے:

رات تو رات ہے بس مردِ خوش اوقات کی رات

گریۂ شوق کی اور ذوقِ مناجات کی رات

گریۂ غم ہے کہ ساون کی جھری تا دمِ صبح

کوئی موسم ہو یہاں رہتی ہے برسات کی رات

حضرت فدائے ملت کا قیام رمضان:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔**من قام رمضان ......یمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه وماتأخر.**"(مسلم بحوالہ مشکوۃ شریف)

جو شخص رمضان المبارک میں ایمان واحتساب کے ساتھ قیام کرتا ہے اس کے اگلے، پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ علیہ رمضان المبارک آتے ہی تمام اسفار و دیگر مصروفیات یکلخت ترک فرما کر حقوقِ رمضان المبارک کی ادائیگی میں منہمک ہوجاتے تھے، تمام سنن ومستحبات اور آداب کی رعایت کرتے ہوئے بڑے اطمینان کے ساتھ تراویح پڑھتے ،ایک یا سوا پارہ پورے ڈھائی گھنٹہ میں مکمل ہوتا تھا، اچھے اچھے صحت مندوں اور جوانوں کی ہمّت جواب دے دیتی،لیکن یہ جواں ہمّت ضعیف خود بھی اور دوسروں کو بھی سرگرم عمل رکھتا۔تراویح کے اندر عموماً لوگ قرآن کریم پڑھنے میں بھی جلدی کرتے ہیں اور رکوع اور سجدوں کو بھی باطمینان ادانہیں کرتے۔

لیکن حضرت کے یہاں ان میں سے کسی میں بھی جلدی اور تخفیف گوارانہیں تھی، ابھی آخری رمضان المبارک میں حضرت کی طبیعت کافی علیل تھی ، دل کا دورہ بھی پڑ گیا تھا بسلسلۂ علاج دلی تشریف لے گئے، رات کو مسجد عبدالنبی میں قیام رہا، تراویح ترک کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، مخلصین نے حضرتؒ کی شدید علالت کے پیشِ نظر امام صاحب سے کہہ دیا: آج قرآنِ کریم پڑھنے میں کچھ تخفیف کردیں۔حضرت رحمہ اللہ علیہ نے امام صاحب کی اس تخفیف کو پسند نہیں کیا اور نکیر فرمائی۔تراویح کے بعد گھنٹہ سوا گھنٹہ مجلس ذکر منعقد ہوئی پھر معمولی سی راحت کے بعد تہجد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے جس کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا کہ بعجلتِ تمام سحری کھائی جاسکے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ دائمہ کی اتباع میں رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کا معمول تھا۔اخیر عشرہ آتے ہی اس حدیث پاک کا منظر نگاہوں کے سامنے آجاتا تھا۔"**عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت كان رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم إذا دخل العشر شد ميزره، وأحيىٰ ليله، وايقظ أهله.** (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوۃ)

ترجمہ: جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آجاتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حد درجہ مجاہدہ فرماتے ،رات کو زندہ رکھتے اور متعلقین کو بھی بیدار رکھتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی حیاتِ پاک کے ان تابندہ نقوش کو دلیلِ راہ بنانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

○○

□ مفتی حبیب الرحمٰن الٰہ آبادی
ناظم مدرسہ انوار العلوم مئو ائمہ، الٰہ آباد

خدمتِ خلق اور بندگی رب کے اعلیٰ نمونہ تھے
حضرت امیر الھند قدس سرہ

امیر الہند فدائے ملت جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی قدس سرہٗ جیسی عبقری شخصیت کے تعلق سے مجھ جیسے علم وعمل سے بے بضاعت کے لیے ان کی شان عالی کے مناسب لکھنا ذرّۂ بے مقدار کا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔

درحقیقت حضرت قدس سرہٗ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی خدمات ساری امت میں اظہرمن الشّمس ہیں، صحیح معنوں میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب اور وارث تھے۔

- آپ کو کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ آپ عظیم مفکر عظیم مجاہد اور اسلام کے مذہبی رہنما، ملک وملت کے فکرمند، محبِّ وطن ملت سے بے پناہ محبت اور ملت کا درد رکھنے والے تھے
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ آپ ذی علم وعصری شعور وآگہی کے علاوہ گہری اور وسیع ملی سیاسی بصیرتوں والے تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ آپ علم وعمل کے حسیں آئینہ دار، شیخ الہندؒ کے افکار وخیالات کے امین، اور شیخ الہندؒ کے سچے جانشین اور اسلاف کی وراثت کے امین تھے، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیو ہاروی کے بعد دوسرے ملی رہنما تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ ملّی مسائل کو پوری امت کے ساتھ ایوانِ حکومت میں ارباب اقتدار تک پہنچانے میں مرعوب نہیں ہوتے تھے، ببانگ دہل اپنی آواز کو بلند کرنے والے تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے، کہ فرقہ واریت کے دہکتے شعلوں میں بے خوف وخطر کود پڑتے تھے، چاہے گجرات کا حالیہ فساد ہو چاہے جبل پور، ساگر، راوڑ کیلا، بھاگل پور، کلکتہ، میرٹھ اور رانچی وغیرہ کا فساد ہو۔ تڑپتی لاشوں کو اُٹھاتے، زخمیوں کو دلاسہ دیتے، سوگواروں کی پشت پناہی کرتے اسی کے ساتھ پوری جرأت وحمیت سے حکومت کو للکارتے تھے، اسی طرح قدرتی

آ فات کے متاثرین کی باز آبادکاری میں تاریخی مثالی کردار ادا کرتے تھے۔

- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ وہ بہترین انسان تھے، ملک میں امن وامان کے قیام، قومی یکجہتی قائم رکھنے اور سیکولر روایات واقدار کی حفاظت کے لیے آخری دم تک محنت کرنے والے تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے سچے وفادار، مدارس عربیہ کی ضروریات اور حسن انتظام کے قابل اعتماد مشیر ومعاون تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ کانگریس کے سرپرست اور کانگریس کے سیکولر اقدار کے محافظ تھے، حق گوئی میں اکابر کی روایات پر عامل تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور معاشی پسماندگی پر غور کرنے والے تھے، نظام مسلم فنڈ کے بانی تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ مسلمانوں کی دینی ودنیوی ترقی، جان ومال کے تحفظ، دستوری حقوق کی بازیابی، اسلامی اوقاف کی نگہبانی، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، مسئلہ آسام، مسائل شہریت، مساجد ومقابر کا تحفظ، مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی، تحفظ شریعت، تحفظ سنت، اقتدار میں حصہ داری، مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی، قومی اتحاد اور سیکولرزم کے استحکام، امن وقانون کی بالادستی کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔
- کوئی امیر الہند کو ان کے تعمیری اصلاحی پروگراموں اور ملک وملت کی گراں مایہ خدمات کی وجہ سے یاد کرتا ہے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ فرقِ باطلہ کے لیے ہمیشہ سیف برہنہ تھے، احقاق حق اور ابطال باطل میں ذرّہ برابر رأفت برداشت نہیں کرتے تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ وہ سچے مذہبی انسان اور زبردست محبت وطن تھے۔ کسی ایک قوم و فرقہ کے لیڈر نہیں تھے بلکہ ملک کی طاقت تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ ملک سے نفرت اور فرقہ پرستی کے مٹانے والے ہندو مسلم ایکتا کے علم بردار تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ افراد سازی اور افراد کی صلاحیتوں کی جان کاری اور ان کا بہترین استعمال کرنے والے تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ مسلک ومشرب کے نگہبان وپاسبان تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ سادگی، جفاکشی، مہمان نوازی میں ان کا کوئی ثانی نہیں، سخی بلکہ

ابر سخا تھے۔

- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ دین میں رخصت پر عزیمت کو ترجیح دیتے تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ اختلاف واتفاق میں اصولوں کو اہمیت دیتے تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ ایمانی فراست اور سیاسی بصیرت اور زبردست قومی، ملّی اور سماجی شعور ان کا طرۂ امتیاز تھا۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں ملّی قیادت کے اہم ستون تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ اسلام، ذات نبویؐ اور قوم وملت کے تعلق سے کوئی توہین برداشت نہیں کرتے تھے اس کا تعاقب کرتے تا آنکہ گستاخ زبان وقلم سے تائب نہ ہوجائے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ وقت اور ایفاء عہد کے پکے تھے۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ ان کی زندگی جہد مسلسل اور سعی پیہم کا عملی نمونہ تھی۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ حضرتؒ کی بیدار مغزی، اولوالعزمی، فکری بالیدگی، عزم کی پختگی، ارادہ کی مضبوطی، حالات سے باخبری اور قوم وملت کی صحیح نباضی سے ان کی شخصیت بااعتماد بن گئی تھی۔
- کوئی اس لیے یاد کرتا ہے کہ وہ ملک وملت کے مسئلے کو ہندومسلم مسئلہ نہیں بناتے تھے، بلکہ انصاف وبے انصافی، حق وناحق کے تناظر میں دیکھتے تھے، بابری مسجد کے مسئلے کو بھی ہندومسلم مسئلہ کے بجائے فرقہ پرستوں کی سازش کا نتیجہ اور انصاف وسچائی کا مسئلہ بتاتے تھے:

وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے

- بندہ ناچیز مذکورہ تمام خصوصیات وخدمات کے اعتراف کے ساتھ اس لیے بھی یاد کرتا ہے کہ حضرت امیر الہند خدمتِ خلق اور بندگیٔ رب کے اعلیٰ نمونہ تھے، **رھبان باللیل و فرسان بالنھار** کے عملی پیکر تھے:

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

- بندہ اس لیے یاد کرتا ہے کہ امیر الہندؒ عبادت وریاضت میں جنیدؒ وشبلیؒ اور اصلاح وتجدید میں ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ تھے، خدمتِ خلق میں عمر بن عبدالعزیزؒ تھے، پیری کو فخریہ چیز نہیں مانتے۔ فرماتے پیر کا کام تو بھنگی کا کام ہے کہ قلب کی غلاظت کو صاف کرتا ہے، تزکیہ کرتا ہے۔

- بندہ اس لیے بھی یاد کرتا ہے کہ امیر الہندؒ جہاں توجہ الیٰ الحق جل وعلا کی وجہ سے عبادت و ریاضت، شب بیداری، ذکر وشغل ومراقبات کے لیے خلوتوں کا سکون تلاش کرتے، وہیں خلق خدا پر کامل نظر رہتی تھی، انسانوں کے دکھ درد میں کام آتے **من ینفع الناس** پر عامل تھے۔
- بندہ اس لیے بھی یاد کرتا ہے کہ امیر الہندؒ اخلاص، استقامت، اتباعِ سنت، ایفائے عہد، استغناء، اُمید ورجا، اُنس وشوق، زہد وقناعت، حلم وسخاوت، مدارات، مہمان نوازی، سادگی، سلامۃ الصدر، عزم واستقلال، عفو ودرگزر، صلہ رحمی، رضاء رب، صبر وشکر، تفویض وتوکل، تواضع، تقوی، خوف وخشیت الٰہی، خوداری، وغیرہ اخلاص حسنہ، کریمہ بلکہ عظیمہ کے پیکر تھے۔
- بندہ اس لیے بھی یاد کرتا ہے کہ امیر الہند عجب وغرور، کبر وکینہ، بغض وحسد، حبِ جاہ و مال، انتقام، بخل، بدگمانی، تحقیر مسلم بلکہ تحقیر انسان، وعدہ خلافی، حرص وطمع، غیض وغضب، مدح سرائی، ریا ونفاق، عصبیت، شہرت پسندی، ظلم وغیرہ اخلاق سیہ قبیحہ رذیلہ سے پاک تھے۔
- بندہ اس لیے بھی یاد کرتا ہے کہ امیر الہندؒ میں اخلاق حسنہ سے تحلیہ اور اخلاق سیئہ کے تخلیہ اور **تخلقوا باخلاق اللّٰہ** کے پیکر بننے کہ وجہ سے معیت الٰہیہ یعنی عبدیت کاملہ نسبت حضوری سے مشرف تھے۔ قرب ورضا کی دولت سے مسرور حال ومقام پر فائز تھے، جو والد محترم حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی سرپرستی میں رہ کر منازل سلوک طے فرمائے تھے، خلیفۃ الخلفاء سے سرفراز فرمایا گیا۔ ملک وبیرون ملک میں لاکھوں کی تعداد میں آپ کے مریدین ہیں سینکڑوں کی تعداد میں خلافت سے سرفراز ہو چکے ہیں جو اپنی اپنی جگہ آفتاب وماہتاب کا درجہ رکھتے ہیں۔

ماہ رمضان میں مسجد رشید دارالعلوم دیوبند آپ کے شیدائیوں سے کھچا کھچ بھری رہتی تھی معرفت کا جام پی کر عشق الٰہی میں مست رہتے ہیں۔

فنا کے بعد بھی زندہ ہے شانِ رہبری تیری
ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

○○

افکار ونظریات

□ حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان منصور پوری
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت فدائے ملتؒ کا قرآن کریم سے شغف وتعلق

فدائے ملّت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے حیات مقدسہ کا ایک اہم گوشہ حضرت اقدس کا قرآن کریم سے والہانہ ربط وتعلق بھی ہے، جو درحقیقت آپ کے والد ماجد شیخ الاسلام قطب العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی روحانی علمی وراثت ہے۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کو قرآن کریم سے کیسا تعلق تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ آپ نے مالٹا کی اسارت کے پہلے سال ہی چند ماہ میں قرآن کریم مکمل حفظ فرمالیا تھا چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ مالٹا پہنچ کر چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ میں خرچ ہوگئے اس کے بعد نصف جمادی الاولیٰ سے نصف شعبان تک پندرہ پارے یاد ہوگئے۔

رمضان شریف کے بعد پھر یاد کرنا شروع کیا مگر اس مدت میں مدینہ منورہ کے واقعات والد مرحوم کی خبر وحشت اثر، اور جملہ کنبہ والوں کے رنجیدہ واقعات نے بہت تشویش پیدا کی تاہم فضل خداوندی سے ماہِ صفر تک پورا قرآن ختم ہوگیا۔ (اسیر مالٹا: ۱۲۱)

بچپن میں قرآن کریم یاد کرنا آسان ہوتا ہے مگر حضرت اقدس شیخ الاسلامؒ نے بڑی عمر میں چند ماہ کے اندر قرآن کریم حفظ کرلیا اور وہ بھی صدمات کے رنج وغم کے ماحول میں یہ قرآن کریم سے گہرے ربط وتعلق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

محترمہ آپا جی مدظلہا (والدۂ محترمہ مولانا سیّد ارشد مدنی) فرمایا کرتی ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ (بڑے صاحبزادہ) اسعد میاں کو حفظ کرانا چاہتے تھے۔ جناب قاری اصغر علی صاحبؒ کے پاس پڑھتے تھے مگر بچپن میں اسعد میاں کے کان بہنے کی تکلیف رہتی تھی۔ اس وجہ سے حفظ نہیں کرسکے البتہ دوسرے صاحبزادے ارشد سلمہ کو قاری صاحب مرحوم نے حفظ کرایا اور ان کی پہلی محراب سلہٹ کے قیام رمضان میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے سن بھی لی حضرت شیخ الاسلامؒ

کی وفات کے بعد بھائی بہنوں کی کفالت وتعلیم وتربیت کی ذمہ داری حضرت فدائے ملتؒ کے کندھوں پر آئی تو چھوٹے صاحبزادے اسجد میاں سلمہٗ کو قرآن کریم حفظ کرایا اسی طرح بہنوں کو قرآن کریم کی تعلیم دلانے کا اہتمام فرمایا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی دُعا وتوجہ کا اثر ہے کہ پورے خانوادۂ مدنی میں بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے ہوتا ہے بحمد للہ تمام لڑکے حافظ ہیں اور لڑکیوں میں بھی حفظ کرنے کا رجحان ہے۔چنانچہ حضرت فدائے ملّتؒ کے چاروں بیٹے حافظ ہیں۔

حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی کے چھ بیٹے ہیں اور سب حافظ ہیں۔اور ایک بیٹی بھی حافظ ہے۔

جناب مولانا اسجد مدنی کے ایک بیٹا ہے، وہ حافظ ہے اور ایک بیٹی حافظہ ہے۔

صاحبزادی سیّدہ ریحانہ مرحومہ مدنی (زوجہ حضرت مولانا سیّد رشید الدین حمیدی صاحبؒ) کے دو بیٹے حافظ ہیں۔

صاحبزادی سیّدہ عمرانہ مدنی (زوجہ محمد عثمان) کے دو بیٹے ہیں اور دونوں حافظ ہیں اور ایک بیٹی حافظہ ہے۔

سیّدہ صفوانہ مدنی (زوجہ مولانا سیّد محمد نعیم صاحب) کے چار بیٹے ہیں اور چاروں حافظ ہیں۔

اور ان سب کے تعلیم قرآن وحفظ قرآن کا آغاز واختتام عموماً فدائے ملت قدس سرہٗ کی دعاؤں کے ساتھ ہوا اسی کا اثر ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے پوتوں، نواسوں اور پوتیوں اور نواسیوں کی نسل میں بھی بفضلہٖ تعالیٰ تعلیم قرآن وحفظ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔

چنانچہ مولوی محمود مدنی بن مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کا ایک بیٹا ہے اور حافظ ہوگیا ہے اور مولوی مسعود مدنی بن مولانا سیّد اسعد مدنی کے دو بیٹے حافظ ہوگئے ہیں۔مولوی ازہد مدنی بن مولانا ارشد مدنی کا ایک بیٹا ہے اور حافظ ہوگیا ہے۔

عزیزہ سعدیہ بنت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ (زوجہ مولانا انوار الرحمٰن صاحب) کے دو بیٹے ہیں اور دونوں حافظ ہیں۔

عزیزہ حسانہ بنت مولانا سیّد ارشد مدنی (زوجہ مولانا محمد عبید ندوی) کے دو بیٹے حافظ ہیں۔

عزیزہ ولیہ بنت مولانا سیّد ارشد مدنی (زوجہ مفتی سیّد محمد سلمان صاحب) کا ایک بیٹا حافظ ہوگیا ہے۔اور بیٹی حافظ ہے۔بقیہ دو بیٹے حفظ کررہے ہیں۔علاوہ ازیں حضرت فدائے ملت کے تینوں بہنوئی حافظ ہیں، نیز حضرتؒ کے داماد بھتیجیوں اور بھانجی کے شوہر بھی حافظ ہیں۔اس طرح بحمد اللہ اس وقت خانوادۂ مدنی میں ۳۵؍مرد اور چار عورتیں حفظ قرآن کی دولت سے سرفراز ہیں۔

اور یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ سب کے سب قرآن کریم کو حسن صوت کے ساتھ قواعد تجوید کی مکمل رعایت کرتے ہوئے پڑھتے ہیں۔اور ہر سال پابندی سے تراویح ونوافل میں قرآن کریم مساجد میں یا گھروں پر سناتے ہیں۔ اور رمضان المبارک کے اوقات کو تلاوت اور دُور سے معمور رکھتے ہیں۔**فللّٰه الحمد و المنة۔**

خانوادۂ مدنی کے بزرگوں اور سرپرستوں کو قرآن کریم سے یہ والہانہ تعلق آقائے نامدار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی وجہ سے قائم ہوا جن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی عظمت واہمیت کو واضح فرمایا ہے جس کی وجہ سے صاحبِ قرآن کو انتہائی عظمتیں نصیب ہوتی ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث پاک میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **تبرک بالقرآن فانه کلام اللّٰه وخرج منه.** قرآن سے برکت حاصل کرو کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کے اندر سے نکل کر آیا ہے۔تو قرآن کریم ایک اہم تبرک ہے۔دنیا میں بہت سی چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہیں، آسمان، زمین، چاند، سورج، پانی غلّہ وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے تبرکات ہیں، لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کے اندر سے نکل نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اس کے حکم سے پردۂ عدم سے وجود میں آئی ہیں، مگر قرآن کریم کا یہ امتیاز ہے کہ وہ اللہ کے اندر سے نکل کر آنے والا ہے اللہ تعالیٰ کا ایک اہم تبرک ہے۔اس لیے جو شخص قرآن کریم (کلامِ الٰہی) سے تعلق قائم کرے گا اللہ تعالیٰ کے باطن سے تعلق قائم کرنے والا ہوگا۔اور یہ تعلق وقرب معنیٰ کے سمجھنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ بلافہم بھی تلاوت موجب قرب ہے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: **افضل عبادة امتی تلاوة القرآن** (احیاء العلوم) کہ میری امت کی سب سے افضل عبادت تلاوت ہے حضرت امام احمدؒ نے خواب میں باری تعالیٰ کی زیارت کی تو عرض کیا کہ یارب جن چیزوں سے مقربین نے آپ کا قرب حاصل کیا ان میں سب سے افضل کیا چیز ہے ارشاد فرمایا کہ اے احمد میرا کلام ہے۔امام احمدؒ نے کہا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے فرمایا کہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے۔
(طبقات کبریٰ لشعرانی:۲/۱۶۸)

قاضی بیضاویؒ نے **اتل ما اوحی الیک من الکتاب** کے ذیل میں تلاوت کا حکم فرمانے کی پہلی وجہ یہی تحریر فرمائی۔**تقرباً الی اللّٰه لقراءته.** نفس تلاوت خود مامور بہا ہے اور عبادت ہے نماز کی طرح، تو جس طرح نماز بلافہم معنیٰ کے صحیح اور موجب قرب ہے اس طرح قرأت بلافہم معنیٰ موجب قرب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: **مراتب القرب الی اللّٰہ سبحانہ منوط بتلاوۃ القرآن.** (تفسیر مظہری: ۱۸۳/۲/۷ء) قرب الی اللہ کے تمام مراتب تلاوت قرآن ہی سے مربوط و وابستہ ہیں۔

امام نوویؒ التبیان میں تحریر فرماتے ہیں:

واعلم ان المذھب الصحیح المختار الذی علیہ من یعتمد من العلماء اَنّ قراء ۃ القرآن افضل من التسبیح والتھلیل وغیرھما من الاذکار فقد تظاھرت الادلۃ علی ذٰلک.

ترجمہ: جان لو کہ مذہب صحیح اور مختار جس پر علماء اعتماد کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ قرأت قرآن تسبیح، تہلیل اور اس کے علاوہ جملہ اذکار سے افضل ہے، اور اس پر دلائل بکثرت وارد ہیں جو ایک دوسرے کو قوت پہنچا رہے ہیں۔

رہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ **افضل الذکر لاالٰہ الا اللّٰہ** تو وہ تلاوتِ کلام اللہ کے علاوہ دیگر اذکار کے مقابلہ میں فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا تلاوتِ کلام اللہ کی فضیلت حقیقی اور کلمہ طیبہ کی فضیلت اضافی مانی جائے گی۔

قرآن کریم سے ربط اور شغف و محبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کو بھی صاحبِ قرآن سے ربط اور تعلق قائم ہو جاتا ہے جس کا اثر دنیا میں کثرت تلاوت اور عمل بالقرآن کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور آخرت میں شفاعت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یجئی صاحب القرآن یوم القیامۃ فیقول یارب حُلَّہ فیلبس تاج الکرامۃ ثم یقول یارب زدہ فیلبس حلۃ الکرامہ ثم یقول یارب ارض عنہ فیرضی عنہ فیقال لہ اقرأ وارق ویزاد بکل آیۃ حسنہ. ھٰذا حدیث صحیح. (ترمذی ۱۱۸/۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والا قیامت کے دن آئے گا تو قرآن یوں کہے گا اے پروردگار عالم اس کو جوڑا پہنا دیجیے۔ پس اس کو عزّت کا تاج پہنا دیا جائے گا پھر کہے گا پروردگار اور زیادہ پہنا دیجیے پس اس کو عزّت کا جوڑا پہنا دیا جائے گا۔ پھر کہے گا کہ اے پروردگار اس سے خوش ہو جایئے پس اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے۔ پھر اس سے کہا جائے گا قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک نیکی بڑھتی جائے گی۔

صاحبِ قرآن سے کون مراد ہے، اس کو ملا علی قاریؒ صاحب مرقاۃ نے واضح فرمایا:

صاحب القرآن من یلازمه بالتلاوة والعمل لا من یقرأه و هو یلعنه. (مرقاۃ:۲/۵۸۹)

صاحبِ قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو اس کی تلاوت کرتا ہو اور اس پر عامل ہو نہ کہ وہ شخص جو قرآن کو اس طرح پڑھتا ہو کہ خود قرآن اس پر لعنت کرتا ہو۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں حدیث شریف نقل کی ہے کہ: **اهل القرآن اهل اللّٰه و خاصته.**

اہل قرآن اہل اللہ ہیں اور اس کے خاص بندے ہیں۔

ان احادیث مبارکہ کی ہدایات وبشارت کے پیشِ نظر حضرت فدائے ملّتؒ غیر رمضان میں اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے تلاوت قرآن کریم کے لیے جتنا وقت بھی پاتے ہوں گے کرتے ہوں گے لیکن رمضان مبارک کے شروع ہوتے ہی حضرت والد ماجد شیخ الاسلامؒ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تمام مصروفیات کو روک کر زیادہ سے زیادہ وقت قرآن کریم کی تلاوہ کرنے اور تراویح ونوافل میں سننے میں صرف فرماتے تھے قیام رمضان دیوبند میں کیا ہو یا کسی اور جگہ شیخ الاسلامؒ کے معمولات کے مطابق اپنے متوسلین کے ساتھ گزارتے، اور سالکین کے مقررہ اوراد ووظائف وذکر واذکار کی تعلیم کے علاوہ اکثر وقت قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور سننے میں گزرتا تھا۔ چنانچہ عصر کے بعد تراویح کے پارے کا دور پابندی سے سننا اور مغرب کے بعد کچھ آرام کر کے تقریباً دو گھنٹے کی تراویح میں قرآن کریم پورے اطمینان سے سننا بعد تراویح ذکر کی مجلس کے بعد ایک دو گھنٹے کے وقفہ سے تہجد کی نوافل میں تین تین حفاظ کا ایک ایک پارہ سننا اور صبح دس بجے اُٹھ کر تلاوت کرنا اور بعد ظہر تلاوت کرنا، تقریباً یہی معمول ساتھ میں قیام کرنے والوں کا ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے قلوب کی صفائی جلد ہو جاتی تھی۔ کیونکہ ذکر اللہ کی پابندی کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت جی لگا کر کرنے سے قلب مصفی ومجلی ہو جاتا ہے بلکہ بہ نسبت اوراذکار کے تلاوہ کلام اللہ سے قلب کی صفائی جلد ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان هٰذا القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا اصابه الماء قيل وماجلاء ها. قال كثرة ذكر الموت و تلاوة القرآن. (مشکوۃ شریف:۱/۱۸۹، بحوالہ بیہقی)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ دریافت کیا گیا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صفائی کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن کی تلاوت کرنا۔

اسی جلاء قلب کے مقصد سے قیام رمضان میں متوسلین جمع ہوا کرتے تھے خداوند کریم حضرت فدائے ملّت نوراللہ مرقدہٗ کے فیوض باطنہ سے ہم سب کو مستفیض فرماتا رہے، اوران کے سلسلہ کوقائم ودائم رکھے۔ آمین!

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ قرآن کریم سے ربط وتعلق کے دنیا میں دواثر نمایاں ہوتے ہیں، ایک کثرت تلاوت کی توفیق، دوسرے احکام قرآنی پر عمل۔ حضرت فدائے ملّتؒ کی کثرت تلاوت کا حال مختصراً آچکاہے، جہاں تک عمل کا معاملہ ہےتو وہ اس سے واضح ہے کہ حضرت فدائے ملتؒ نوراللہ مرقدہٗ کوقرآن کریم کی آیات اور ان کے مضامین کا استحضار رہتا تھا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر مشتمل آیات کو پڑھ کرسامعین کواللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے، اکثر و بیشتر درج ذیل آیت کریمہ پڑھا کرتے تھے:

الم ترو ان اللّٰہ سخر لکم مافی السمٰوات ومافی الارض و اسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ. (لقمان)

کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کوتمھارے کام میں لگا رکھاہے، اور جوکچھ زمین میں ہیں اوراس نے تم پراپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری کررکھی ہیں۔

علم تذکیر بآلاء اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق قرآن کریم کے پانچ علوم میں سے ایک ہے جوواعظ ومذکر کی ذمہ داری ہے، باری تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنے اور یاددلانے کا مقصد منعم حقیقی کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا ہے، جس کا حکم قرآن کریم میں بار بار دیا گیا ہے، حق تعالیٰ نے حضرت اقدس فدائے ملتؒ کو اطاعت کے جذبہ سے قرآن کریم پر عمل کرنے کی جو عظیم توفیق عطا فرمائی وہ حضرتؒ کی حیات مقدسہ سے پوری طرح عیاں ہے، عبادات ہوں یا معاملات، اخلاق ہو یا معاشرت، ہر شعبہ میں قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق حضرتؒ عمل پیرا رہے، اسی ربط وتعلق کا نتیجہ ہے کہ قرآن کریم کی سورۂ فرقان میں مخصوص عبادالرحمٰن کی جو بارہ صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ایک ایک کرکے وہ تمام صفات حضرت فدائے ملّتؒ کی زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ ارشاد باری ہے:

عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا و اذا خاطبھم الجاھلون قالو سلماً، والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاماً، والذین یقولون ربنا اصرف عنا

عذاب جهنم، ان عذابها كان غراماً، انها سائت مستقراً ومقاماً، والذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذٰلك قواماً. والذين لايدعون مع اللّٰه الٰها اٰخر ولايقتلون النفس التى حرم اللّٰه الا بالحق ولايزنون ومن يفعل ذٰلك يلق اثاماً، يضاعف له العذاب يوم القيٰمة ويخلد فيه مهاناً، الا من تاب و اٰمن و عمل عملاً صالحاً فاؤلٰئك يبدل اللّٰه سيئاتهم حسنٰت وكان اللّٰه غفوراً رحيماً، و من تاب وعمل صالحاً فانه يتوب الى اللّٰه متاباً.

(ترجمہ از: حضرت تھانویؒ) اور (حضرت) رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اور جب جہلاء ان سے (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں، اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھئے، کیونکہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بے شک وہ جہنم کا برا ٹھکانا اور برا مقام ہے، (یہ تو ان کی حالت اطاعات بدنیہ میں ہے) اور اطاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں، اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے، ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص ایسے کام کرے گا، تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا، کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا، اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہو کر رہے گا، مگر جو (شرک و معاصی) سے توبہ کرے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، اور جو شخص (معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔

اولذين لايشهدون الزور واذا مروا باللغو مروا كراماً، والذين اذا ذكروا بايٰت ربهم لم يخروا عليها صما وعمياناً، والذين يقولون ربنا هب لنا من ازواجنا و ذريٰتنا قرة اعين واجعلنا للمتقين اماما.

اور بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے، اور اگر (اتفاقاً) بے ہودہ مشغولوں کے پاس کو ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں، اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ کے احکام

کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہوکر نہیں گرتے، اور وہ ایسے ہی کہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما، اور ہم کو متقیوں کا افسر بنا دے۔

اولٰئک یجزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیها تحیة وسلٰماً، خالدین فیها حسنت مستقراً و مقاماً. (الفرقان)

ایسے لوگوں کو (بہشت میں رہنے کو) بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کے (دین اطاقت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (بہشت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقا کی دُعا اور سلام ملے گا، اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔

حضرت فدائے ملتؒ نے مسلمانوں کے معاشرہ میں پھیلے ہوئے منکرات وفواحش کے انسداد کی طرف ۱۹۹۱ء میں خصوصی توجہ فرمائی اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اصلاح معاشرہ کے نام سے ایک عظیم تحریک شروع فرمائی جس کو تمام مسلم تنظیموں نے آگے چل کر اپنے پروگرام کا جزو بنالیا، وہ بھی اصل میں قرآن کریم پر عمل کرنے کا جذبہ تھا اور حضرت فدائے ملت کے پیشِ نظر یقیناً وہ آیاتِ کریمہ تھیں جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہم کام کی طرف امت مسلمہ کو توجہ دلائی گئی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر وتؤمنون باللّٰه الخ. (آل عمران)

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگ کے لیے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور میری بری باتوں سے روکتے ہو۔

یٰبنی اقم الصلوٰة وامر بالمعروف وانه عن المنکر واصبر علیٰ ما اصابک. (لقمان)

بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر۔

اسی طرح صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے افراد اور جماعتوں کے خلاف حضرت فدائے ملّتؒ نے سخت اور نمایاں موقف اختیار فرما کر جو عملی جدوجہد فرمائی اور ان کے تعاقب کے لیے مختلف سطح پر جماعتیں تیار فرمادیں وہ بھی درحقیقت قرآن کریم کی ان آیات پر عمل کرنے کی شکل جو علم المخاصمہ کو بیان کررہی ہیں، اور جن میں اس وقت کے فرق ضالہ یہود ونصاریٰ، کفار ومشرکین اور

منافقین کے ہفوات کونقل کر کے ان کا بھرپور جواب دیا گیا ہے۔

علم المخاصمہ بھی بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے قرآن کریم کے علوم خمسہ میں سے ہے۔

ملک میں امن وامان اور عدل وانصاف کا ماحول قائم کر کے طرح طرح کے ظلم اور ناانصافیوں سے ملک کے باشندوں کونجات دلانا جوحضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ کی زندگی کا مشن رہا وہ بھی عین حکم قرآنی کے مطابق تھا، ارشاد ربانی ہے:

ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتائ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاَء والمنکر والبغی، یعظکم لعلکم تذکرون.

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں، اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کواس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

○○

❑ حضرت مولانا ریاست علی بجنوری
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند و نائب صدر جمعیۃ علماء ہند

فدائے ملت کے سیاسی کردار میں متحدہ قومیت کی اہمیت

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی وفات پر ایک سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے، اس دوران، ان کی شخصیت پر مختلف انداز سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے، اور اب جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام اس سیمینار کے ذریعہ اس محترم شخصیت پر اجتماعی غور وفکر اور اس کے مختلف گوشوں پر اظہارِ خیال کا موقع فراہم کیا گیا ہے، مجھے جمعیۃ علماء ہند سے لے کر دارالعلوم دیوبند تک مختلف حیثیتوں میں ان سے طویل عرصہ نیاز حاصل رہا ہے، شاید اسی لیے منتظمین سیمینار نے مجھے اس بزم میں شرکت کی دعوت دی اور یہ بھی انہی کی ہدایت ہے کہ میں فدائے ملّت کے سیاسی کردار میں متحدہ قومیت کے موضوع پر کچھ لکھوں۔

حقیقت یہ ہے کہ متحدہ قومیت کا نظریہ حضرت مولانا مرحوم کو اپنے والد گرامی مرتبت، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے ورثہ میں ملا تھا، اور یہ امر واقعہ ہے کہ فکر و نظر کے بہت سے گوشے ایسے ہیں جن میں وہ اپنے والد گرامی کے جانشین اور سچے وارث تھے اور ان گوشوں میں ان کو ''باپ کا علم از بر'' تھا اور اسی لیے وہ بجا طور پر ''قابل میراث پدر'' قرار پائے۔ اس طرح متحدہ قومیت کا نظریہ ان کے فکر ونظر کا ایک فطری جز تھا اور معاصر ملی و سیاسی قیادت میں وہ اس فکر کے سب سے بڑے اور کامیاب علمبردار تھے۔

متحدہ قومیت کی حقیقت:

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اختصار کے ساتھ متحدہ قومیت کا مفہوم واضح کردیا جائے، اس لیے کہ ایک طویل زمانے تک یہ نظریہ مستقل مناقشے اور مباحثے کا موضوع رہا ہے اور ایک مخصوص طبقہ کی جانب سے اس کے بارے میں غلط فہمی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی آڑ میں ہمارے اکابر کو مطعون کرنے کا سلسلہ رہا ہے، اس لیے نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نظریہ درحقیقت ہندوستان جیسے ممالک میں باعزت اور محفوظ زندگی گذارنے اور اللہ کی رضاء

پر قائم رہنے کے لیے ضرورت کے تحت اختیار کیا جانے والا ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس کے لیے اسوۂ نبوی علی صاحبہا الاسلام الصلوۃ والسلام میں واضح رہنمائی موجود ہے، اس کے لیے اس نظریہ کے داعی اکابر میں نمایاں شخصیت حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی تحریر سامی کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمایا جائے:

''ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے جس کی بنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ میں ڈالی تھی، یعنی ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور متحدۃ الوطن ہونے کے ایک قوم ہوجائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے، جنگ کرکے اپنے حقوق حاصل کریں اور اس ظالم اور بے رحم قوت کو نکال کر غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھوڑ ڈالیں، ہر ایک دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے بلکہ تمام ہندوستان کی بسنے والی قومیں اپنے مذہبی اعتقادات، اخلاق، اعمال میں آزاد رہیں اپنے مذہبی رسم و رواج مذہبی اعمال و اخلاق آزادی کے ساتھ عمل میں لائیں اور جہاں تک ان کا مذہب اجازت دیتا ہو امن و امان قائم رکھتے ہوئے اپنے دین کی نشر و اشاعت بھی کرتے رہیں اپنے اپنے پرسنل لا اور کلچر (تہذیب) کو محفوظ رکھیں نہ کوئی اقلیت دوسری اقلیتوں سے ان امور میں دست و گریباں ہو اور نہ اکثریت اس کی جدوجہد کرے کہ وہ اقلیتوں کو اپنے اندر ہضم کرلے۔'' (متحدہ قومیت اور اسلام ص: ۳۸)

تحریر بالا کے سیاق وسباق میں حضرت قدس سرہٗ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے اس معاہدہ کا تذکرہ فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد وہاں کے یہودیوں اور غیر مسلم گروہوں سے فرمایا تھا، اور اسی معاہدہ یا میثاق مدینہ سے استشہاد کرتے ہوئے فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے اپنے خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء منعقدہ پشاور میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ اس قسم کے اتحاد کا جواز ثابت کیا تھا، اس معاہدے کی ایک شق میں صراحت موجود ہے کہ ''یہ تمام معاہد جماعتیں دوسری غیر مسلم معاہد جماعتوں کے مقابلے میں ایک جماعت اور ایک قوم شمار ہوں گی۔ (متحدہ قومیت اور اسلام ص: ۳۱)

آزادی سے پہلے اس نظریہ کی ضرورت:

متحدہ قومیت کا یہ نظریہ جس کی ابھی تشریح کی گئی، آزادی سے پہلے کے سیاسی حالات میں بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس وقت اس کی ضرورت اور معنویت سمجھنے کے لیے مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی تحریر کے حسبِ ذیل اجزاء توجہ کے لائق ہیں جن سے متحدہ قومیت کی

حقیقت اور معنویت واضح ہونے کے ساتھ غلط فہمی کا ازالہ بھی ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

''میں سیاسی مسلک میں اگر چہ حضرت مصنّف رسالہ متحدہ قومیت اور اسلام'' کا ہمنوا ہوں تاہم اس بحث کو متحدہ قومیت کے نام سے زیر بحث لانے کا شروع سے اس لیے مؤید نہیں ہوں کہ اس مرکب لفظ کی آڑ میں مخالف خیال حضرات بآسانی اس رائے کے مؤیدین کے خلاف عام مسلمانوں کو دھوکہ دیتے اور زیادہ سے زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نظریہ کے حامی مسلمانوں کی امتیازی خصوصیات مٹا کر اور ہندوستان میں یوروپین نظریہ کے مطابق ایک مستقل قوم بنا کر ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم کر دینا اور ملی امتیازات کو فنا کر دینا چاہتے ہیں، حالانکہ پناہ بخدا اس تصور کا شائبہ بھی ایک لمحہ کے لیے کسی مسلمان کے دل میں نہیں گذر سکتا اور نہ اس دفاعی قومیت کے نظریہ سے یہ سب کچھ لازم آتا ہے بلکہ بلاشبہ اس کے ذریعہ سے اسلامی اعمال کے اختیار کرنے میں اور زیادہ وسعت پیدا ہونے کی صورت نکلتی ہے۔''

چند سطور کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

بہرحال مسئلہ زیر بحث کی حقیقت یہ ہے کہ اسلام روحانیت کے ساتھ ساتھ حکومت کو بھی مذہب کا ایک اہم جز قرار دیتا ہے اور یہ جز ہندوستان کے اندر صحیح معنی میں تقریباً ڈیڑھ صدی سے ہاتھ سے نکل چکا ہے، اس حالت میں اسلام ہم پر کیا فرض عائد کرتا ہے جہاد بالسیف؟ ہجرت؟ موجودہ غلامی پر قناعت؟ یا کوئی ایسی راہ جو اصل مقصد سے قریب کر دے یا کم از کم موجودہ حالت سے بہتر اور مفید ہو؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب اہلِ علم پر فرض ہے۔

اسلامی ادلہ، قرآن عزیز، احادیث رسول اور اجماع امت اس تعلیم سے پُر ہیں کہ افراد و آحاد کی مجبوریوں سے قطع نظر کسی اسلامی جماعت کو جو ہزاروں لاکھوں نہیں کروڑوں نفوس پر مشتمل ہو غیر اسلامی اقتدار کی غلام پر قانع ہونا ہرگز جائز نہیں ہے اسی طرح حالات و واقعات کے اعتبار سے نہ اس قدر عظیم الشان آبادی کو ہجرت کا حکم دیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بھی اسلامی حکم ہے کہ جہاں مسلمانوں کی ثقافت، آثار اسلامی اوقاف مساجد اور اسلامی ضروریات کے تمام نقوش موجود ہوں ان کو تباہ و برباد چھوڑ کر ایک بڑے ملک کی زبردست آبادی وہاں سے ہجرت کر جائے یہ کسی طرح جائز و درست نہیں، اور جہاد بالسیف کے لیے نہ تو مناسب حالات ہیں اور نہ بصورت حال موجودہ زندگی میں پیدا کیے جاسکتے ہیں، یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ہر مسلمان ادنی توجہ سے معلوم کرسکتا ہے کہ یہ قدرت فی الحال نہ ہم میں موجود ہے اور نہ غلامی کی موجودہ حالت میں اس کے وجود پذیر ہونے کی کسی حالت میں بھی توقع ہے تو اب اسلام العیاذ باللہ ہم کو ان مجبوریوں میں چھوڑ کر تاریکی میں رکھتا ہے یا ان حالات میں بھی کوئی روشنی دیتا ہے، اس کے لیے چند علماء اور مفکرین اسلام نے

اسلامی احکام کی روشنی ہی میں ایک راہ طے کی اور مسلمانوں کی عملی راہ نمائی فرمائی، یہ وہ نامور ہستیاں ہیں جن کی زندگیاں اسلامی گفتار ہی نہیں بلکہ اسلامی کردار کی بھی روشن مثالیں ہیں اور جنھوں نے عملی طور پر بھی ہندوستان میں اسلامی حکومت کا غلبہ قائم کرنے کی سعی کی ہے، ان میں سے شیخ الہند مولانا محمود حسن نوراللہ مرقدہٗ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا حسین احمد صاحب کے اسماء گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

وہ راہ یہ ہے کہ اوّل ہندوستان کی موجودہ حالت میں انقلاب برپا کرنا ضروری ہے، اور وہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مختلف اقوام ہند اجنبی طاقت کے مقابلے میں یہ طے نہ کرلیں کہ وہ اپنے مذہبی اور دوسرے تمام خصوصی امتیازات میں جدا جدا قوم ہوتے ہوئے ملکی انتظام و انصرام میں ایک قوم یعنی ہندوستانی سمجھے جائیں گے تاکہ متفقہ سعی کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو اور ہم اصل مقصد کے حصول میں جو ابتدائی رکاوٹ پا رہے ہیں وہ آہستہ آہستہ دور ہوکر ہم کو مقصد سے قریب کردے یا کم از کم موجودہ حالت سے زیادہ ہم احکام اسلام کے اختیار ہی میں آزاد ہوجائیں۔ (متحدہ قومیت اور اسلام: ۶۲،۶۳)

آزادی کے بعد اس نظریہ کی معنویت:

اوپر متحدہ قومیت کے مفہوم کی جو وضاحت اکابر کی تحریرات کی روشنی میں سامنے آئی ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آزادی کے بعد کے حالات میں بھی اس نظریہ کی ضرورت واہمیت اور معنویت پوری طرح باقی ہے، خاص طور پر اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ ملک کی آزادی کے ساتھ ہی چونکہ تقسیم بھی عمل میں آئی تھی اس لیے ہندوستان کی فرقہ پرست طاقتیں اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ میں مصروف ہوگئیں اور ان کو تقسیم وطن کا ذمہ دار قرار دے کر ان کے جان و مال اور عزت وآبرو کے لیے خطرات پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئیں، ایسے ماحول میں متحدہ قومیت یا قومی اتحاد ہی ایک ایسا ذریعہ تھا جس سے کام لے کر مسلمانوں کے باعزت اور محفوظ حال و مستقبل کے لیے کوشش کی جاسکتی تھی۔

جمعیۃ علماء ہند کے مقاصد کے پیشِ نظر اس کی اہمیت:

یہی وجہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے اغراض و مقاصد میں بھی ہم نمایاں طور پر اس چیز کو پاتے ہیں اور آزادی کے بعد بھی جمعیۃ علماء نے اس کی اہمیت برقرار رکھی ہے، جمعیۃ کے بنیادی اغراض و مقاصد میں یہ فقرہ قابل توجہ ہے: ''اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انڈین یونین کے مختلف فرقوں کے درمیان میل جول پیدا کرنا اور اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔''

معلوم ہوتا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس کے وقت بھی اکابر کے ذہن میں یہ موضوع مستحضر تھا اور وہ اس کو اپنے مقاصد میں شامل کرکے اس پر کاربند رہنا ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنیؒ کی مساعی میں اس کی رعایت:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ متحدہ قومیت یا دوسرے لفظوں میں قومی اتحاد کا نظریہ، حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کے فکروذوق کا ایک لازمی حصّہ تھا، جسے انھوں نے اپنے اکابر سے حاصل ہونے والی تربیت کے ایک جز کے طور پر قبول کیا تھا، اور سب سے پہلے ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں فرمایا تھا:

"کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید بنادیا ہے، اور میں ان دونوں کے اتفاق واجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائدنے کی ہے اور کررہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لیے ناممکن بنادے گی۔ اس لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملاکر تینوں اگر صلح وآشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقتور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر واستبداد سے شکست دے سکے گی۔" (شرکت کانگریس کا جواز ص:۴)

حضرت شیخ الہند کے بعد آنے والے تمام قائدین نے اسی نقطۂ نظر کو ملک وملّت کے مفید اور درست قرار دیتے ہوئے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کی نصف صدی سے زائد طویل سیاسی وملی جدوجہد میں اس کے خدوخال نمایاں نظر آتے ہیں، ہم سب سے پہلے جمعیۃ علماء کی مجالس میں منظور ہونے والی تجاویز پر نظر ڈالتے ہیں۔

مجالس جمعیۃ علماء کی تجاویز:

جمعیۃ علماء ہند، حضرت مجاہد ملّتؒ کے بعد سے بشکل نظامت عمومی اور حضرت اقدس مولانا سیّد فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے بعد سے بطور صدارت، حضرت مولانا اسعد صاحب قدس سرہٗ کے زیر قیادت رہی ہے اس طویل عرصہ میں جمعیۃ علماء کی مختلف مجالس میں سیکڑوں قرار دار یں منظور ہوئیں جن کے اہم اقتباسات کا خلاصہ ہفت روزہ الجمعیۃ فرقہ واریت مخالف کنونشن نمبر میں ص:۹۴ تا ص:۱۰۴، موجود ہے، ان میں سے ذیل کی قید تجاویز میں متحدہ قومیت یا قومی اتحاد کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

"مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ تبادلہ آبادی کی جو آواز بعض

حلقوں کی طرف سے بلند کی جارہی ہے وہ سراسر غلط ہے، تبادلۂ آبادی مسئلہ کا حل نہیں، مجلس عاملہ نے واضح کیا کہ سیکولرزم اور جمہوریت اقلیت کی نہیں بلکہ ملک کی ضرورت ہے۔'' (مجلس عاملہ ۷/۸/مارچ ۱۹۶۴ء)

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کو جمشید پور میں ہونے والے فسادات پر انتہائی تشویش ہے، اور اس صورتِ حال کو ملک وقوم کے لیے خطرناک علامت سمجھتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تمام سیکولر طاقتیں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور ملک میں سیکولرزم اور جمہوریت کی بقاء کے لیے کوئی محاذ بنائیں۔'' (مجلس عاملہ ۱۶ مئی ۱۹۷۹ء)

''مجلس عاملہ یقین کرتی ہے کہ اسی طرح کے سخت اقدامات (جیسے سکھ مخالف فسادات کے بعد کیے گئے) ہندو مسلم فسادات کے موقع پر بھی کیے جائیں گے، اور اس میں کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جائے گا، جمعیۃ علماء ہند یقین دلاتی ہے کہ وہ ملک کے استحکام، سالمیت اور تعمیر وترقی کے لیے ہمیشہ تعاون کرتی رہے گی۔'' (مجلس عاملہ ۱۷/۱۸/نومبر ۱۹۸۴ء)

''مجلس منتظمہ کو یہ بھی احساس ہے کہ اکثریتی طبقہ میں انصاف پسند، سیکولر ذہن اور قانون کا احترام کرنے والوں کی کمی نہیں ہے، ضرورت ہے کہ وہ ہندوستان کی عظیم سیکولر روایات، قومی اتحاد ویکجہتی کی حفاظت، نفرت اور ظلم کے خلاف سینہ سپر ہوکر میدان میں آئیں اور ملک دشمن فاشسٹ وکمیونل اور علیحدگی پسند طاقتوں کو ناکام بنائیں تاکہ ہندوستان ایک جمہوری سیکولر اور متحد ملک رہے اور دنیا میں عظیم اور ترقی یافتہ بن سکے۔'' (مجلس منتظمہ ۹/اپریل ۱۹۸۸ء)

یہ اور اس قسم کی بے شمار قراردادیں ہیں جو متحدہ قومیت کے سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند اور اس کے قائد حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کے کردار کو واضح کرتی ہیں۔ لیکن ہمارے سامنے اس موضوع کو واضح کرنے کے لیے اس سے بھی بڑا شاہد، ان کانفرنسوں کی شکل میں موجود ہے جو مولاناؒ مختلف اوقات میں منعقد فرماتے رہے۔

کانفرنسیں:

یہ کانفرنسیں، متحدہ قومیت کے سلسلے میں مولاناؒ کی مساعی جمیلہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں، اس میں سب سے پہلے ۱۹۶۴ء میں منعقد ہونے والا قومی جمہوری کنونشن ہے جو مولاناؒ کے دور نظامت کا سب سے پہلا کنونشن تھا اور جس میں اس وقت کے وزیر اعظم لال بہادر شاستری سمیت تمام بڑے سیاسی لیڈران نے شرکت کی تھی، اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں جمہوریت کنونشن پٹنہ، ۱۹۹۱ء

میں فرقہ واریت مخالف کنونشن (نئی دہلی) ۱۹۹۳ء میں قومی اتحاد کانفرنس (نئی دہلی) نمایاں ہیں۔
(تجویز کا متن ص:۳۹، فرقہ واریت مخالف کنونشن)

ان کانفرنسوں کے علاوہ جمعیۃ علماء کے متعدد اجلاس عام جو بمبئی دہلی یا دوسرے مقامات پر منعقد ہوئے ان سب میں مولاناؒ کی یہ فکر کھل کر سامنے آتی رہی، اور اسی کے ساتھ مولاناؒ کی اس واضح سوچ اور مثبت نظریہ پر ہندوستان کے تمام زعماء کا اعتماد بھی نمایاں ہوا، اور مولاناؒ کی یہ خصوصیت بھی واضح ہوتی رہی کہ وہ اپنی معتبر شناخت اور طاقتور شخصیت کے ذریعہ ہندوستان کی مختلف الخیال پارٹیوں اور ایک دوسرے کی مخالف طاقتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

پارلیمنٹ کی تقریریں:

قومی اتحاد یا متحدہ قومیت کے موضوع پر بات کرتے ہوئے پارلیمنٹ میں مولاناؒ کی تقریروں کا ذکرنا گزیر ہے، پارلیمنٹ میں انھوں نے مختلف مسائل پر جو تقریریں کی ہیں اور جن کے ریکارڈ اب منظرِ عام پر آچکے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے پارلیمنٹ میں بے خوفی و بے باکی کے ساتھ ہر موقع پر قوم وملّت کی ترجمانی کی ہے، اور مسلمانوں کی کامیاب نمائندگی کے ساتھ ساتھ متحدہ قومیت یا قومی اتحاد کی حفاظت کے لیے ہمیشہ آواز بلند کی۔

اسی طرح مسلم مخالف فسادات کے موقع پر میدان میں عملی سرگرمیوں کے علاوہ پارلیمنٹ میں اپنی خطیبانہ صلاحیت اور اپنی شخصیت کے پورے وزن کا استعمال، فسادات کی روک تھام کے لیے کیا۔ مسلم پرسنل لا کی حفاظت، مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی اور بابری مسجد کے تحفّظ کے لیے مسلسل آواز اُٹھاتے رہے۔ اور ان تمام مسلم مسائل کو پیش کرتے ہوئے حکومت اور برسرِ اقتدار طبقہ کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ ان معاملات میں مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت، صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے یہ ہندوستان کی ضرورت ہے اور ملک وقوم کے اتحاد و یکجہتی کو برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر ہے، اس طرح وہ پارلیمنٹ میں ہمیشہ قومی اتحاد اور سیکولرزم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اپنا اہم کردار ادا کرتے رہے۔

کانگریس میں شرکت:

مولاناؒ کی کانگریس میں شرکت اور سیاسی میدان میں اس کی حمایت بھی دراصل ان کے اسی ذہن کا ایک حصّہ تھی جو ان کو متحدہ قومیت کے سلسلے میں حاصل ہوئی تھی، اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کا اتحاد اور اس میں مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ اس پر موقوف ہے کہ اس ملک کا سیکولر کردار محفوظ رہے اور ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں میں اپنے اصول اور دستور کی روشنی میں

کانگریس، اس معیار سے سب سے زیادہ قریب ہے۔

مولاناؒ کے اسی ذہن کا نتیجہ ہے کہ جب بھی انھوں نے محسوس کیا کہ کانگریس اپنے اصولوں سے ہٹ رہی ہے یا اس کا طرزِ عمل قومی اتحاد ویکجہتی کے لیے نقصان دِہ ثابت ہورہا ہے تو انھوں نے اس کے خلاف آواز اُٹھانے کو اپنا فرض سمجھا۔ ان کی پارلیمنٹ کی تقریریں اس حقیقت پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

خطبات صدارت:

خطباتِ صدارت کسی بھی قائد کے افکار ونظریات کو معلوم کرنے اور سمجھنے کا معتبر ذریعہ ہیں حضرت مولانا نے اپنی زندگی میں سینکڑوں اجتماعات کی صدارت کی، اوران میں کبھی زبانی خطبہ پر اکتفاء کیا گیا، اور کبھی تحریری کی صورت میں خطبۂ صدارت پیش کیا، معلوم ہوا ہے کہ مولانا معزالدین زیدمجدہم نے ان خطبات صدارت کو جمع کرلیا ہے، میرے پاس ان خطبات کا متن نہیں ہے اس لیے اقتباس پیش نہیں کیا جاسکتا، لیکن یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا نے جگہ جگہ متحدہ قومیت کے نظریہ کی اہمیت بیان کی ہے، اور نہ صرف یہ کہ اس کو مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے، بلکہ ملک کی تعمیر وترقی، اور دیگر اقوام کے امن وامان کے لیے اس کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

مذہبی اجتماعات:

مذہبی اجتماعات میں وعظ ونصیحت اور مسلمانوں کو صراط مستقیم کی دعوت ان کی زندگی کا اصل موضوع تھا لیکن ان اجتماعات میں مذہبی موضوعات پر اظہارِ خیال کے ساتھ حضرت مولانا ہندوستانی اقوام کے اتحاد پر زور دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہندوستانی اقوام کا اتحاد ماحول کو سازگار بناتا ہے اور اسلام کی جونعمت ہمارے پاس ہے اور جو آخرت میں تمام انسانوں کی فلاح کی ضمانت ہے اس کو پیش کرنا آسان ہوجاتا ہے، جبکہ فرقہ واریت میں دوری بڑھتی ہے اور ضد کا ماحول پیدا ہوتا ہے، جو کسی موضوع پر سنجیدگی سے غور وفکر کی راہوں کو مسدود کردیتا ہے، نیز یہ کہ فرقہ وارانہ اتحاد کے بغیر ملک کی ترقی کا تصور ایک سنہرے خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کی سیاسی جدوجہد میں متحدہ قومیت کے نظریہ کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے، تاہم مجھے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ میری یہ تحریر اس موضوع پر حضرت مولانا کی خدمات کا صرف اجمالی تذکرہ ہے، اُمید ہے کہ اہلِ قلم مستقبل میں اس کی تفصیلات کو جمع کریں گے۔

وآخر دعوانا اَن الحمد للّٰہ رب العالمین

○○

□ مولانا سید محمود اسعد مدنی
ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

ہمارے حضرتؒ کے افکارونظریات
اور جماعتی طریقۂ کار پر ایک نظر

ہمارے حضرتؒ بچوں کی تربیت کے معاملہ میں بہت سخت تھے اور تربیت کے سوال کو لے کر ان کے یہاں کوئی رو رعایت نہیں تھی، حالاں کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ بہت نرم ہوتے تھے، لیکن تربیت کے بارے میں بہت سخت اور اصول سے ایک انچ ہٹنے والے نہیں تھے، اگرچہ بچوں کے کھانے، پینے، کپڑے، علاج ومعالجہ کی بڑی فکر رکھتے تھے کہ صحت ٹھیک رہنی چاہئے وغیرہ، لیکن چوں کہ آپ کے اسفار بہت ہوتے تھے، اور زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزرتا تھا، اور گھر میں مہمانوں کی طرح آتے تھے، اس لیے ہماری تربیت کے لیے ہمیں پھوپھا جان (حضرت قاری محمد عثمان صاحب) کے حوالے کیا تھا، حفظ بھی ہم نے انہی کے پاس کیا، وہ اس وقت امروہہ رہتے تھے، پھر جب وہ دیوبند آ گئے تو ہم بھی دیوبند آ گئے، تب گھر میں رہنے کا موقع ملا، ورنہ بچپن سے تو ہم گھر سے الگ رہے، تو ہمیں تو گھر میں رہنے کا موقع مل گیا، لیکن انہیں موقع نہیں مل سکا۔

قرآن کریم سے حد درجہ شغف

ہمارے حضرتؒ کو قرآنِ کریم سے بے حد شغف تھا وہ اگرچہ حافظ نہیں تھے، ناظرہ خواں تھے، لیکن قرآن اتنی کثرت سے تلاوت فرماتے تھے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اگر کوئی آدمی قرآنِ کریم سنا رہا ہے، یا حفظ پڑھ رہا ہے، اور پڑھنے والے نے غلط پڑھا اور وہ بیٹھے ہیں، ان کے سامنے قرآن نہیں ہے، تو فوراً ٹوک دیتے کہ ''دیکھو''، یہ ان کے قرآنِ کریم سے حد درجہ تعلق کی علامت تھی کہ حافظ نہ ہونے کے باوجود، دوسرے کی غلطی پر وہ آگاہ ہوجایا کرتے تھے۔

اہلِ خاندان میں، اپنے بچوں میں، یا اہلِ خاندان میں سے کسی کا حفظِ قرآن مکمل ہوتا، تو اس سے زیادہ خوشی کا دن ان کے لیے کوئی نہیں ہوا کرتا تھا۔ اپنے بچپن کا قصہ مجھے یاد ہے کہ حضرت نے ہماری والدہ مرحومہ سے کہا کہ اس سال محمود کا ہم قرآن نوافل میں سنیں گے، اور وہ

تہجد کے وقت کے نوافل اور اس میں بھی سب سے پہلا، دوسرا نمبر آدھی رات میں ہمارا لگے گا۔ ہمارے یہاں رمضان میں معمول ہے کہ ۴/۵ حافظ نوافل میں کھڑے ہو کر قرآنِ کریم سناتے ہیں، وہ گرمیوں کی راتیں تھیں تو رات میں ایک بجے سے سلسلہ شروع ہو جاتا تھا، اب چوں کہ ہم سب سے چھوٹے تھے، ہمارا نمبر شروع میں لگنا ہے، تو میں نے منع کر دیا کہ میں تو نہیں سناؤں گا، والدہ مرحومہ کو منع کر کے میں سو گیا، گرمیوں کا زمانہ تھا باہر صحن میں ہم سو رہے تھے، حضرتؒ تشریف لائے، اور ہمیں اٹھایا کہ ''محمود اٹھو تمہیں نوافل کے لیے جانا ہے''، تو میں نے ان سے انکار نہیں کیا اور اٹھ کر وضو کر کے چلا گیا، تو اس کا ان کی طبیعت پر اتنا اچھا اثر تھا کہ بار بار ذکر کرتے تھے کہ دیکھو! مجھے تو اس نے بالکل نہیں منع کیا، دیکھو وہ تو چلا گیا، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ جیسے ماں کو منع کیا ویسے مجھے بھی منع کرے گا، تو میرے سنانے پر بڑی خوشی ہوئی تھی، اس سال جب میں نے نوافل میں قرآن پورا کیا تو مجھے روپئے بھی دیے۔

اسی طرح ابھی پچھلے سال میرے بیٹے ''حسین'' کا حفظِ قرآنِ کریم پورا ہوا تو اس موقع پر میں نے سب رشتہ داروں اعزہ، دوست واحباب کی دعوت کی، تو خود حضرتؒ نے اپنی کوشش سے لوگوں کی لسٹ بنوانے میں بھی تعاون کیا، فلاں کو بھی بلالو، فلاں کو بھی بلالو، اور پھر جب اس کا حفظ پورا ہو رہا تھا تو ظہر سے پہلے مجھے بلایا اور فرمایا کہ اس کے سر پر پگڑی نہیں باندھو گے؟ اپنی الماری کھلوائی، اس میں سے میں نے ایک سفید رومال نکال کر دیا، فرمایا نہیں اور نکالو، تو کچھ اور نکالے، لیکن سمجھ میں نہیں آیا، تو مجھ سے کہا اور نکالو، تو اس میں سے ایک سنہرے رنگ کے کام کی پگڑی نکلی، کہا ''ہاں یہ اچھی ہے''۔ اور ختم کے بعد اسے اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر باندھا اور جب دعاء کر رہے تھے تو بہت رو کے بڑی رقت اور گریہ کے ساتھ دعاء کرائی، حضرتؒ کے لیے ان کے خاندان کا اپنے بچوں میں یا خاندان کے بچوں میں کسی کا حفظ قرآنِ کریم مکمل ہونا، یہ سب سے بڑی مسرت اور خوشی کی چیز تھی اور اس سے زیادہ قیمتی چیز ان کے لیے کچھ نہیں تھی۔

مجھے بچپن میں یاد ہے کہ ہم لوگ یاد نہیں کر پاتے تھے تو پٹائی ہوتی تھی، تو نانی مرحومہ نے ایک موقع پر یہ کہا کہ: ''یہ بیمار رہتا ہے (مجھے بچپن میں پولیو ہو گیا تھا اس کا علاج چلتا تھا) اس کا حفظ چھڑوا دیا جائے''، تو فرمایا کہ: ''حفظ شروع ہو گیا ہے، اب یہ تو پورا ہو گا انشاء اللہ''۔ تو نانی مرحومہ نے تھوڑی اور حجت کی اور کہا کہ بچہ مر جائے گا، کہا کہ: ''ہاں ٹھیک ہے حفظ پورا نہ ہو بیچ میں چھوڑ دے، اس سے اچھا ہے کہ مر جائے، لیکن اب پڑھ رہا ہے تو اسے پورا ہی کرے''، اور آج قرآن کریم مجھے جو بھی یاد ہے اس میں ہمارے حضرتؒ کا بہت بڑا دخل ہے کہ ہمیشہ رمضان میں

شروعات اس طرح کی کہ عصر کے بعد کا جو دور ہوتا ہے رمضان کے مہینہ میں چوں کہ اسی ایک مہینہ میں وہ گھر میں رہتے تھے، تو اس عصر کے بعد والے دور میں خود بیٹھتے تھے، قرآن کھول کر سامنے رکھتے تھے، اور دور ہوتا تھا، اس طرح سے کہ ربع اول پہلے میں پڑھتا تھا، پھر نصف اول ''چھوٹے بابو'' (حضرت مولانا ارشد صاحب) یا حضرت قاری عثمان صاحب پڑھتے تھے۔ اور الحمد للہ اس خاکسار کو یہ سعادت حاصل ہے کہ بیس سال سے زائد جب سے میں حافظ ہوا ہوں، میں نے تراویح شروع کی، پہلی تراویح تو عورتوں کو پڑھائی تھی اور مولانا اسعد صاحب دیوریاوی سامع ہوتے تھے، اس سے اگلے سال سے میں نے تراویح میں حضرتؒ کو قرآن سنانا شروع کیا، پھر بیچ میں دو سال ایسے گئے جو میں تراویح میں قرآن نہیں سنا سکا، اگر وہ بھی سنا دیتا تو یہ چوبیس سال ہو جاتے، بائیس سال اللہ کے کرم سے حضرتؒ کو تراویح میں قرآن سناتا رہا اور نوافل میں بھی سنایا، نوافل کا بھی ایسا ہی ہے کہ ایک آدھ سال بیچ میں چھوٹا ہے، مگر انتقال والے سال ہم تراویح میں قرآنِ کریم ان کو نہیں سنا سکے، اس وجہ سے کہ کشمیر کا زلزلہ آیا اور ہم ریلیف کے کام کے لیے وہاں چلے گئے تھے۔

قرآنِ کریم کے ساتھ ان کا جو والہانہ تعلق اور جذبہ تھا وہ میں نے دیکھا ہے کہ فجر سے پہلے تہجد اور اخیر عمر میں خاص طور سے تہجد سے فارغ ہو کر نماز کے وقت تک بیٹھے ہوئے قرآنِ کریم تلاوت کرتے رہتے تھے اور رمضان میں ان کے معمولات میں عموماً یومیہ دس پارہ تو وہ پڑھتے ہی تھے، اور اخیر عشرہ میں اور زیادہ ہوتا تھا، اس کی تعداد کا کبھی اظہار نہیں ہونے دیتے تھے، کوئی پوچھتا بھی تھا تو بس ہنس کے ٹال دیتے تھے۔

دینی تعلیم پر توجہ

دینی تعلیم سے متعلق حضرتؒ کا رویہ یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کو، اپنے خانوادے کے لوگوں کو تو دینی تعلیم ہی میں دیکھنا چاہتے تھے اور یہ لازمی سی بات ہے کیوں کہ عام دین دار آدمی بھی اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہتا ہے اور وہ تو مقتدائے قوم تھے، تو ظاہر سی بات ہے کہ دینی تعلیم ان کا خاص مرکز توجہ تھا، یا یوں کہیں کہ دینی تعلیم ان کے خاص مشن میں داخل تھا، البتہ آپ مدارس کے معیار کی طرف سے فکر مند رہتے تھے اور ایک ہی علاقہ میں بہت زیادہ مدارس قائم ہو جائیں اور کچھ علاقوں میں بالکل نہ ہوں، اس کی طرف بھی بہت فکر رہتی تھی، اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں ضرورت ہو وہیں مدارس قائم ہونے چاہئیں، یہ نہ ہو کہ ایک علاقہ میں تو دس کلومیٹر کے اندر بیس مدرسے ہوں اور اب اکیسواں بھی قائم کیا جائے، اور کچھ علاقے ایسے ہوں جہاں

دو دو سو کلو میٹر تک کوئی سلیقہ کی درسگاہ نہ ہو، تو دینی تعلیم تو ان کا مشن تھا، ہمیشہ وہ دینی تعلیم سے ہی وابستہ رہے، اور بچوں کے بارے میں بھی یہی تھا کہ ہم لوگوں کی دینی تعلیم ہی پر زیادہ زور دیتے تھے۔

مدارس ومکاتب میں پرائمری تعلیم پر زور

مدارس ومکاتب کے بارے میں بکثرت یہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی ہر مدرسہ کے ساتھ ایک پرائمری اسکول ہونا چاہئے اور آخر میں مکاتب کے بارے میں مشورے سے یہ بات فرمانے لگے تھے کہ ہر مکتب کے ساتھ ایک ٹیچر جوڑ دیا جائے؛ تاکہ بچہ اس ٹیچر سے پرائمری درجہ کی تعلیم حاصل کرلے، اور ایمان کی قدر کے ساتھ بقدر ضرورت عصری علوم کی واقفیت اس کے اندر پیدا ہو جائے اور بنیادی دینی عقائد ومسائل سے وہ واقف ہو جائے، پھر اس کی مرضی ہے چاہے وہ اعلیٰ مذہبی تعلیم کے لیے بڑے مدرسوں میں چلا جائے یا وہ عصری تعلیم کے لیے اسکول وکالج میں چلا جائے، یعنی ان بچوں کو اس قابل کر دیا جائے کہ وہ کہیں بھی جائیں تو ناکام نہ ہوں، اگر وہ بڑے مدارس میں جارہیں تب تو ٹھیک ہی ہے کوئی مسئلہ ہی نہیں، لیکن اگر وہ عصری تعلیمی اداروں میں بھی جائیں تو وہ اپنے مذہب، دین وایمان، ایمان کے جزئیات اور بنیادی ارکان سے واقف ہوں؛ تاکہ ان کا دین باقی رہ سکے۔ دینی تعلیم اور مدارس کی اہمیت اور ان کی ضرورت آپ کے دل میں اس قدر راسخ تھی کہ کوئی آدمی اگر مدارس کے بارے میں کوئی ناگوار بات کہہ دیتا تو بالکل چراغ پا ہو جاتے تھے، یہ چیز ان کے لیے قطعاً قابلِ برداشت نہیں تھی کہ اپنا کوئی آدمی مدارس کے بارے ایسا سوچ بھی لے کہ مدرسوں کی ضرورت نہیں ہے۔

مدارس کے انتظام کا جہاں تک سوال ہے تو اس بارے میں وہ بالکل دوٹوک تھے کہ سرکار سے کوئی مدد نہیں لینی چاہئے، حالاں کہ اپنے تعلق والے ایسے لوگ جنہوں نے مدرسوں میں سرکار سے ایڈ لے رکھی ہے، وہ ضد کرتے تھے، اصرار کرتے تھے، تو ایسے مدرسوں میں ان کی دل جوئی کے لیے کبھی کبھی چلے بھی جایا کرتے تھے، لیکن یہ ان کی پختہ رائے تھی کہ اگر مدارس سرکاری انتظام میں چلے جائیں یا سرکار کی مدد لینے لگیں، تو ان سے روحانیت اور کام کرنے کا جذبہ، کام کرنے والوں کے دل سے نکل جاتا ہے، اخلاص وللّٰہیت ختم ہو جاتی ہے، اور یہ خطرہ بہر حال ہر وقت اس میں موجود رہتا ہے کہ سرکار اس میں دخل دے، تو اس لیے وہ اس بارے میں بالکل دوٹوک تھے کہ یہ عوامی چیز ہے اور عوامی تعاون ہی سے اسے چلنا چاہئے۔

جمعیۃ علماء کی قیادت اور آپ کا طریقۂ کار

جمعیۃ علماء بزرگوں کی بڑی مقدس جماعت ہے اور حضرتؒ نے اس جماعت کی ترقی میں

بے مثال قربانیاں دی ہیں ،اور یوں سمجھئے کہ زندگی کھپادی، اور حضرتؒ کی برکتیں جماعتی پلیٹ فارم سے ہر جگہ نظر آتی ہیں ،اس میں وہ ابتدائی دور جس میں جماعت کوانہوں نے اپنے ہاتھ میں لیا،تو اس دور میں بہت ساری بڑی بڑی شخصیات تھیں، جو جماعت کواپنے طرز پر چلانا چاہتی تھیں، حضرتؒ کی اس جماعت میں اثر اندازی یا دخل کے بعد اس وقت حضرتؒ نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ وہ زمانہ ہمارا دیکھا ہوا نہیں ہے، لیکن اپنی دانست کی چند باتیں یہاں خاص طور سے ذکر کرنا چاہوں گا۔

حضرتؒ نے جمعیۃ علماء کی یہ خصوصیت سب سے زیادہ ظاہر کی کہ وہ مسلمانوں کی فکری رہنمائی کرے، آپ نے اس خصوصیت پر سب سے زیادہ زور دیا، مثلاً بابری مسجد کا معاملہ ہوا،تو مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بننے کا اس سے اچھا موقع کوئی نہیں تھا اور کچھ لوگ بن بھی گئے، ہندوستان کے مسلمان قائدین میں صرف مولانا اسعد مدنیؒ ایسے قائد تھے، جنہوں نے اپنے ذاتی نفع ونقصان سے بے پرواہ ہوکر ملت کی صحیح رہنمائی کر کے حق قیادت ادا کیا، جب لوگ جوش میں تھے اور ہندوستان کے مسلمانوں کے بڑے بڑے قائد بن گئے تھے، اس وقت حضرتؒ خاموش تھے،اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ:''یہ لڑائی سڑکوں پر نہیں؛ بلکہ عدالت میں لڑی جانی چاہئے''،اور یہ بڑی بصیرت کی بات ہے۔اسی زمانہ کی بات ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے، وہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا، خانجہاں پور میں میرے پھوپھا مولانا سید محمد نعیم صاحب حضرتؒ ان کے گھر کے لیے فجر کی نماز سے پہلے دیو بند سے روانہ ہوئے ،اور فجر کی نماز انہوں نے وہاں پڑھی، اوران کے یہاں (ہماری پھوپھی) ہیں وہاں ناشتہ کیا، مولانا سید محمد نعیم صاحب کے بڑے بھائی سید محمد انیس صاحب پردھان تھے وہ بھی ناشتہ پر موجود تھے اور وہ حضرتؒ سے قدرے بے تکلف تھے،اس وقت بابری مسجد کا معاملہ گرم تھا،تو انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ بھائی صاحب (سید انیس صاحب حضرتؒ کو بھائی صاحب کہا کرتے تھے) جمعیۃ علماء ملک کے مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت ہے اور ہر معاملہ میں اس نے اتنا قائدانہ کردار ادا کیا ہے، لیکن آپ کو خدا جانے کیا ہوگیا ہے آپ اس وقت خاموش بیٹھے ہیں؟ یہ وقت ہے آگے بڑھئے مسلمانوں کی قیادت کیجیے۔ ہمارے حضرتؒ نہایت صبر وسکون کے ساتھ ان کی کڑوی کسیلی سب سنتے رہے، بابری مسجد تحریک کے قائدین کی تعریف سن کر بھی خاموش رہے۔ چہرے پر کوئی بل نہیں، آرام سے ناشتہ فرماتے رہے، جب ان کی بات ختم ہوگئی تو پوچھا، انیس صاحب آپ کی بات پوری ہوگئی، انہوں نے کہا کہ جی بس، میرے پاس کہنے کو اور کیا رہ گیا، میں نے تو سب کچھ کہہ ہی دیا۔فرمایا:''تو سن لیجیے زیادہ دن نہیں چند سال کے

اندر آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کا ناقابل تلافی نقصان کررہے ہیں، ہاں ان کو تو فائدہ ہوجائے گا، لیکن ملتِ اسلامیہ ہند کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا‘‘، اور یہ کہہ کر کے پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئے اور کچھ جملہ نہیں فرمایا، تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بابری مسجد کے قضیہ کو سڑک پر لانے والے لوگ ہی دراصل بابری مسجد کے قاتلوں کی صف میں سرفہرست رکھے جائیں گے، جب بھی کوئی ایمان دار منصف، تاریخ لکھنے والا تاریخ کو لکھے گا، تو اس کا تجزیہ یہی ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت کی نظر میں سب سے بنیادی چیز مسلمانوں کی فکری رہنمائی ہی تھی۔

اسی (فکری رہنمائی) کے تحت میں عرض کروں گا کہ ایک موقع ایسا آیا کہ ساری دنیا میں اسلام کو ایک دہشت گرد مذہب کہنے کا پروپیگنڈہ اشدت سے جاری تھا، ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ میں سوچتا ہوں کہ کچھ چھوٹے چھوٹے کتابچے لکھے جانے چاہئیں کہ اسلام کا تصور امن کیا ہے؟ اسلام نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے؟ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟ اور پھر حضرت نبی کریمؐ نے فتح مکہ کے بعد اپنے دشمنوں کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اس طرح کے مختلف عنوان پر ۳/۴/۵ کتابچہ لکھے جانے چاہئیں۔ ہماری سمجھ میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں آئی اور ہم نے کہا کہ جی حضرت! چوں کہ آپ حکم کررہے ہیں ہم لکھوالیں گے، لیکن چوں کہ لکھنا میرے بس کی بات نہیں ہے، ہم نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، کچھ دنوں کے بعد پھر حضرتؒ نے یہی فرمایا، تو میں نے کہا کہ میں نے فلاں فلاں سے تو کہہ دیا ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ انہوں نے کیا جواب دیا؟ میں نے کہا کہ وہ حضرات فرمارہے ہیں کہ کر رہے ہیں، کہا ٹھیک ہے۔ اب جب کچھ دن اور گزر گئے پھر پوچھا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو ابھی کچھ بھی نہیں ہوا ہے، فرمایا کس کس سے کہا ہے؟ میں نے کہا مفتی سلمان صاحب، مولانا عبدالحمید نعمانی، مفتی شبیر احمد صاحب۔ بس مولانا عبدالحمید نعمانی صاحب کو بلالیا اور بہت سختی سے کہا کہ ابھی بیٹھ کر لکھو، ابھی اسی وقت، ان کو موضوع دیا گیا تھا ’’اسلام کا تصور امن‘‘ کا، چناں چہ کتابچہ لکھوایا اور پھر کہا کہ اس کی ہندی بھی کرواؤ اور اس کی انگلش بھی کرواؤ اور اس کو چھپواؤ، اس کو پورے ملک میں تقسیم ہونا چاہئے، اس کو ہم لوگوں کو مشن بنانا چاہئے، اور پھر اس کے بعد اسی طرح سے مفتی سلمان صاحب کو فون کیا اور سختی کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ بھی لکھئے، تو الحمدللہ تین کتابچے تینوں حضرات نے لکھے، اور وہ شائع ہوئے اور مختلف موقعوں پر حضرتؒ نے انہیں تقسیم کروایا۔ آج کے زمانہ میں ان کے دل میں بڑی اہمیت تھی کہ کس طرح دہشت گردی کے حوالہ

سے اسلام کے دشمن اسلام کی شبیہ کو بگاڑ دینا چاہتے ہیں، ہمارے حضرتؒ کو اس بات پر پوری طرح شرح صدر تھا کہ جو لوگ معصوم اور بے قصور لوگوں کو مار رہے ہیں وہ کبھی بھی اسلام کے دوست نہیں ہوسکتے، اور ان لوگوں کے ہاتھ اسلام کو یرغمال بننے نہیں دیا جانا چاہئے، نہ اسلام کو نہ ملتِ اسلامیہ کو؛ بلکہ اپنے اس فرض کو کہ اسلام کا جو اصلی چہرہ ہے وہ تو ہے امن کا، شانتی کا، اس چہرے کو بگاڑ نے کی کسی کو اجازت نہیں ہونی چاہئے، اگر کوئی لڑائی کہیں لڑی جارہی ہے تو اس لڑائی کو اسی حد تک محدود رکھنا چاہئے جس حد تک اور جن ایشوز پر وہ لڑائی لڑی جاسکے۔

ایک دن حضرتؒ صبح صبح فجر سے قبل سردیوں کا زمانہ تھا پریاگ راج (ٹرین) سے کانپور سے تشریف لارہے تھے، میں حضرتؒ کو لینے کے لیے اسٹیشن گیا ہوا تھا، وہاں سے واپسی میں ایک بات تو یہ ہوئی کہ حضرتؒ نے دیکھا کہ راستہ میں لوگ سبزیاں بیچ رہے ہیں، میں نے حضرتؒ سے کہا کہ یہ تو ان کا ساری رات کا کام ہوگیا، کہا کہ: ''دیکھو دنیا کو، ایک خوانچہ لے کے آدمی آیا ہے اور چند روپیوں کے لیے وہ اس وقت میں اٹھتا ہے اور مسلمان اللہ کو راضی کرنے کے لیے نماز کے لیے بھی نہیں اٹھتے''۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ جب رام لیلا گراؤنڈ کے سامنے سے گزرے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ میری ایک خواہش ہے کہ ایک مرتبہ جمعیۃ کا اجلاس اس میدان میں ہو، میں نے بے ساختہ حضرتؒ سے کہا کہ حضرت آپ دعا فرمائیے انشاء اللہ ہم لوگ محنت کریں گے اور اجلاس ہوگا۔

سیاہ بل کے خلاف زبردست اجلاس

کچھ ہی دن کے بعد یوپی میں عبادت گاہوں سے متعلق قانون بن گیا اور اس قانون کے لیے ورکنگ کمیٹی فوراً بلائی گئی، ہم نے یہ کہا کہ اس ورکنگ کمیٹی میں اہم اہم مدارس کے ذمہ داروں کو بحیثیت مدعوئین خصوصی بلایا جائے، (یہ میں نے حضرت کو مشورہ دیا حضرت نے اسے منظور فرمالیا) اور وہ ایک بڑی میٹنگ کی شکل ہوگئی، میٹنگ میں اگرچہ کئی لوگ اس معاملہ کو ہلکے انداز میں لینا چاہتے تھے، لیکن میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت یہ معاملہ بہت نازک ہے، اور یہ موقع ہے کہ ملتِ اسلامیہ کو اس موقع پر بیدار کیا جائے، جگایا جائے، جوڑا جائے، اکٹھا کیا جائے، آپ میری یہ درخواست منظور فرمالیں اور ہمیں اجازت دیں کہ ہم اس موضوع پر عملی اقدام کریں، فرمایا کہ کیا عملی اقدام؟ ہم نے کہا کہ ہم صوبہ بھر میں اجلاس کریں اور لکھنؤ میں بھی اجلاس کریں گے، کہا کہ ٹھیک ہے جیسا مناسب سمجھو، پھر ظہر کے بعد بحث ہوکر کے یہ فیصلہ ہوگیا کہ پورے صوبہ میں اس تحریک کو چلایا جائے گا، چناں چہ حسبِ تجویز پورے صوبہ اتر پردیش میں جگہ جگہ مختلف اضلاع میں ۶۳/اجلاس ہوئے، اور ۶۴/واں اجلاس لکھنؤ میں ہوا، قدیم لکھنؤ کے رہنے

والے بزرگ لوگ کہتے ہیں کہ آزادی کے بعد سے آزاد ہندوستان کی تاریخ میں لکھنؤ میں مسلمانوں کا ایسا اجتماع نہیں دیکھا گیا، تاحد نگاہ انسان ہی انسان تھے، لکھنؤ کی سڑکیں لوگوں سے ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھیں، الحمدللہ یہ حضرتؒ کی برکت تھی، لکھنؤ کا یہ اجلاس بہت شاندار اور کامیاب رہا۔ واضح رہے کہ اس وقت یوپی کے وزیر شہری ترقیات لال جی ٹنڈن نے یہ اعلان کیا تھا کہ یہ معاملہ دہشت گردی سے جڑا ہوا ہے، اور جو لوگ اس پر لڑ رہے ہیں وہ دہشت گردوں کے مددگار ہیں، اور ہم کسی قیمت پر اس قانون کو واپس نہیں لیں گے، اور بدقسمتی سے یہ قانون جب اسمبلی سے منظور ہوا تو بجائے اس کی مخالفت کرنے کے اس وقت کی سماج وادی پارٹی جو مین اپوزیشن تھی، اس نے بس واک آؤٹ کرلیا تو وہاں سے بھی پاس کرالیا، انہوں نے کونسل سے بھی پاس کرالیا، اور گورنر کو بھیج دیا تھا۔

لکھنؤ کے اجلاس کے اگلے دن ٹھاکر امر سنگھ جنرل سیکریٹری سماج وادی پارٹی کا بیان آیا کہ: ''مولانا اسعد مدنی کانگریسی ہیں اور کانگریس کی اتنی صوبوں میں سرکار ہے اور وہاں یہ قانون پہلے سے بنا ہوا ہے، لہٰذا ان کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اس قانون کی مخالفت کریں، اگر ان کو کرنا ہے تو پہلے کانگریس کے صوبوں میں کریں اور مغربی بنگال میں کریں'۔ ان کے اس بیان دینے کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ راجستھان، مدھیہ پردیش اور مغربی بنگال، تین صوبوں میں بھی یہ قانون ۱۹/۲۰ر کے فرق سے بنا ہوا ہے، یہ سب بیان بازی کے بعد میں نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ حضرت اجازت دیجئے، اب ہم دہلی میں پروگرام کریں، حضرتؒ نے فرمایا ٹھیک ہے، کہاں کروگے؟ میں نے کہا رام لیلا گراؤنڈ میں کریں گے، فرمایا بہت مشکل ہوگا، گرمی بہت شدید ہے، ہم نے کہا کہ آپ دعاء فرمائیے، چوں کہ ۵/ مارچ کو لکھنؤ میں اجلاس ہوا تھا، اس کے بعد یہ ہماری گفتگو ہوئی تھی، ۲۰/۲۵/ مارچ میں، تو حضرتؒ فرمارہے تھے کب کروگے؟ ہم نے کہا کہ ہم انشاء اللہ مئی میں کریں گے، دیکھتے ہیں کونسی تاریخیں خالی ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ بہت مشکل ہوگا، تو میں نے کہا کہ آپ دعاء فرمائیے، باقی کام ہمارے اوپر چھوڑ دیجئے، اللہ کروائے گا، اب فیصلہ ہوگیا اور ہم نے اس کے اوپر کام شروع کردیا، اور جمعیۃ علماء ہند نے آزادی کے بعد اتنا بڑا مجمع راجدھانی دہلی میں جمع کیا، شام کا وقت تھا، مئی کا مہینہ تھا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کے کرم سے سب ہوا تھا، اس کی رحمت دیکھئے کہ ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں، ظہر کے وقت سے موسم بالکل بدل گیا، ایسا شاندار موسم مئی کے مہینہ میں کبھی تصور نہیں کیا جاسکتا تھا، حتی کہ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں کو باقاعدہ ٹھنڈ کا احساس ہورہا تھا، خدا کی اس قدرت کا سارے زمانہ نے مشاہدہ کیا کہ اللہ

نے اپنے دین کے لیے کام کرنے والے لوگوں پر ایسی کرم فرمائی کی اور اس طرح سے رحم فرمایا کہ ہم لوگ کبھی بھی اس کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتے ،اس کے بعد حضرتؒ کی حیات میں ہم نے رام لیلا میدان میں تین اور اجلاس کیے،اس طرح یہ چار ہوئے ۔

اور پانچویں اجلاس کا حضرتؒ کی حیات میں ہی فیصلہ کیا تھا ہم نے اسپتال ہی میں کہا تھا کہ بش ہندوستان آرہا ہے،تو اس کی آمد پر لوگوں کو سانپ سونگھ جائے ، یہ مناسب نہیں ہے، ہمارا یہ ملی ،دینی ، مذہبی، سیاسی اور ملکی فریضہ ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا وہ ظالم و جابر حکمراں جب یہاں آرہا ہےتو صرف ریٹ کارپیٹ ویلکم سرکار بھلے ہی کرلے ،لیکن عوام کا سیلاب ہونا چاہئے جو اس کی آمد کی مخالفت میں کھڑا ہو،تو دلی میں چند سمجھ دار مسلم اور غیر مسلم دوستوں کے مشورے سے یہ فیصلہ لے لیا، کیوں کہ کچھ ملی تنظیمیں آپس میں مشورے کر رہی تھیں، جمعیۃ علماء نے اپنی عادت کے مطابق ان سے سبقت لی، ہم نے دودن میں مشورہ کرکے اور پریس کانفرنس کرکے اعلان کردیا، ڈاکٹر جے کے جین کو ساتھ لے لیا؛ تا کہ فرقہ پرستی اور فرقہ واریت کی بو نہ آئے ،حضرتؒ کے طریقہ کے مطابق کہ وہ اس طرح کے معاملات میں غیر مسلموں کو بھی ساتھ میں لیا کرتے تھے،اب اس کے بعد جب ہم نے ورکنگ کمیٹی بلائی کیوں کہ یہ تو فیصلہ ہم نے جلد بازی میں اس لیے لےلیا تھا کہ ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ یہ جمعیۃ علماء کی پالیسی اور عادت کے مطابق ہے۔دوسری بات یہ کہ اگر دیر سے کریں گے تو دوسرے لوگ اس کا اعلان کردیں گے،اس کے بعد ہمارے لیے اعلان کرنا اور کام کرنا ذرا دشوار ہو جائے گا،لوگ کہیں گے ہماری مخالفت میں آ گئے تو ہم نے اعلان کر دیا اور پھر اعلان کرنے کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی بلائی ،حضرتؒ اسپتال میں کومہ میں تھے،تو ورکنگ کمیٹی میں بعض ممبران نے اس پر بہت سخت اعتراض کیا کہ یہ فیصلہ تم نے کیسے کرلیا؟ اور یہ فیصلہ غلط ہے۔میں نے کہا کہ دنیا کا سب سے بڑا ظالم اور دہشت گرد حکمراں ہندوستان آرہا ہے، یہ فیصلہ کس طرح سے غلط ہے؟ اور اگر غلط ہے تو ورکنگ کمیٹی منع کردے ہم اس کو کینسل کردیں گے،کہا اب تو اعلان ہو چکا ہے الغرض پھر بحث وغیرہ ہوئی اور ورکنگ کمیٹی کی اکثریت پروگرام کے حق میں رہی،تو الحمد للہ وہ اجلاس ہوا، بش آرہا تھا ۲۸ رفروری کی شام کو اور ہم نے بھی یہ فیصلہ کیا تھا کہ پہلی مارچ کی صبح کو اجلاس ہوگا ،اگر چہ حضرتؒ کا وصال ۶ رفروری کو ہو گیا تھا، بہت سے دوستوں نے کہا تھا کہ اسے مؤخر کردینا چاہئے ہم نے کہا نہیں، یہ مؤخر نہیں ہوگا اور یہ اپنے وقت پر ہوگا، الحمد للہ وہ اجلاس بھی بے مثال اور ریکارڈ توڑ ہوا۔اسی طرح سے حضرتؒ کی قیادت میں ریزرویشن کے لیے تحریک چلائی، ریزرویشن کے مطالبہ کے لیے ذہن سازی کرنا،اور پھر اس کے

بعد دستخطی مہم میں لگنا، پھر اس کے بعد پورے ملک میں ریزرویشن کی حمایت میں اجتماعات کرنا، اور پھر اس کے بعد ملک وملت بچاؤ تحریک چلانا، اور پھر اس کے بعد سچر کمیٹی بنوانا، یہ سب حضرتؒ کا کردار ہے، جس میں حضرتؒ نے ہم کو حکم دے کر ان چیزوں کو کروایا۔

حضرتؒ کا کام لینے کا طریقہ

حضرتؒ کی عادتِ شریفہ تھی کہ وہ جس سے کام لینا چاہتے تھے، اس پر جب تک اعتماد نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک کام نہیں لیتے تھے، اور جب اعتماد کر لیا تو کام سپرد کر دیتے تھے، اور اعتماد کرنے کے بعد جب کام سپرد کر دیا تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، صرف رزلٹ کو دیکھتے تھے، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو آدمی ذمہ دار ہوتا تھا وہ صرف کہنے کے لیے ناظم یا ناظم عمومی نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ عملی طور پر اس کو مکمل اختیارات بھی حضرتؒ اپنی طرف سے عنایت فرما دیتے تھے، کہ ٹھیک ہے اصولی طور پر تمہیں یہ کام کرنا ہے۔ اب اس کو کرنا کیسے ہے؟ اس کو کیسا ڈیزائن کیا جائے گا؟ اس کو کس طرح مرتب کیا جائے گا؟ کن کن تاریخوں میں کیا جائے گا؟ کس انداز سے کیا جائے گا؟ کون کون لوگ آئیں گے؟ کون کون لوگ بولیں گے؟ یہ اس آدمی پر چھوڑ دیتے تھے، اپنی طرف سے اگر وہ کوئی مشورہ کرے تو مشورہ دے دیتے تھے یا کوئی خاص بات سمجھ میں آئی تو بتا دیا کرتے تھے کہ اس کو اس طرح نہیں اس طرح کر لو، یا کام غلط ہو رہا ہو تو اس پر ٹوک دیتے تھے، اور یہی کام کرنے کا اصول اور طریقہ ہے، کوئی بزنس ہو کوئی ملک ہو جو آدمی مالک ہوتا ہے، کمپنی کا چیئرمین ہوتا ہے، صدر ہوتا ہے، وہ اپنی کمپنی میں مختلف قسم کے منیجر اور سیکریٹریز کو منتخب کرتا ہے اور ان کو کام دے دیتا ہے کہ تمہارا یہ کام ہے، کن افراد سے کراؤ گے کس ترتیب سے کراؤ گے؟ اس ترتیب میں زیادہ خرچ ہوگا، دوسری ترتیب میں کم خرچ ہوگا، اس کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے، جو ترتیب بنانی ہے وہ اس کو بنانی ہے، جو نظم ہے، اس میں اگر کمپنی کا مالک روز دخل دینے لگے اور منیجر کے ماتحتوں کو روزانہ یا کبھی کبھی ڈائریکٹ حکم دینے لگے، تو وہ چھوٹے جو منیجر کے ماتحت ملازمین ہیں وہ اس منیجر کی بات ماننا چھوڑ دیتے ہیں، وہ منیجر فیل ہو جاتا ہے، تو منیجمنٹ اور انتظام کا یہ اصول ہے کہ جس سے کام لینا ہے اس کو اس سے صرف رزلٹ چاہیے، حضرتؒ اس اصول پر پوری سختی سے عمل کرتے تھے، جہاں تک میں نے دیکھا اور برتا ہے یہی حضرتؒ کا طریقہ تھا اور میرے نزدیک کام لینے کا اور کام کروانے کا یہی صحیح طریقہ ہے، اس کے علاوہ کسی طریقہ سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ اسی بنا پر حضرتؒ نے ہم کو اصول کے دائرے میں کام کرنے کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔

جمعیۃ کے تعمیری پروگرام سے حضرت کو دلچسپی

تعمیری پروگراموں میں حضرتؒ کو میں نے جو اپنے زمانے میں دیکھا ہے وہ ایک تو فساد زدگان کی باز آباد کاری میں بہت حضرتؒ کو دلچسپی تھی اور فساد زدگان کے سلسلے میں حضرتؒ بہت جذباتی ہوا کرتے تھے، ہر فیصلہ ہر چیز ہر خرچ ان کی طرف سے وہ ہمیشہ ہر طاقت لگانے کو تیار رہتے تھے۔ اسی طرح غیر سودی قرض مسلم فنڈ والا نظام، اس پر بھی حضرتؒ کی بہت توجہ تھی۔

نیز حضرتؒ کا ایک خواب تھا کہ ایسا انگلش میڈیم اسکول بنایا جائے، مال دار لوگوں کے بچوں کے لیے جس میں اس معیار کا انتظام ہو جس معیار کا انتظام عیسائیوں کے اسکولوں میں ہوتا ہے، اور تعلیم بھی وہی ہو اور تربیت اور ماحول اسلامی ہو، اور میں نے ۲۵/۲۰ سالوں میں دیکھا کہ حضرتؒ کئی مرتبہ اس غرض سے دہرہ دون بھی تشریف لے گئے، میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرتؒ آپ کا یہ خواب ہے؟ بڑی سرد آہ بھر کے کہنے لگے کہ میرا ایک خواب ہے، بڑی خواہش ہے کہ مسلمانوں کا ایک ایسا اسکول ہو، ادارہ ہو، جہاں اسلامی ماحول میں عصری معیاری تعلیم کا نظم ہو، بس اللہ کو کیا منظور ہے ہم تو کوشش کر کے تھک کے بیٹھ گئے، کوئی ساتھ نہیں دیتا، میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ دعاء فرمائیے، مجھے اجازت دیجئے، میں کوشش کروں گا، فرمایا: ہاں تم بھی کرلو ہم تو کوشش کر کے تھک کے بیٹھ گئے، اس خاکسار نے کوشش شروع کی اور الحمد للہ حضرتؒ کی حیات ہی میں ۲۰/ ایکڑ زمین تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپئے مالیت کی دہرہ دون میں حاصل کی، اور حضرتؒ کے ایک مرید ہیں ڈاکٹر محمد حسین مقدم (برطانیہ)، انہی کے سرمایہ سے یہ پوری زمین حاصل ہوئی، میری خوش نصیبی ہے کہ پروگرام نہ ہونے کے باوجود بھی ایک مرتبہ حضرتؒ کو ہم لوگ وہاں لے گئے اور لیجا کر کے ہم نے سنگ بنیاد خاموشی سے حضرتؒ کے دست مبارک سے رکھوادی، اور اس دن جو حضرتؒ کے چہرۂ انور پر میں نے خوشی و مسرت دیکھی، میں نے اپنی زندگی میں ایک اور موقع پر دیکھی تھی بس، دو ہی موقع پر میں نے حضرتؒ کو اس طرح خوش دیکھا جس طرح اس دن دیکھا تھا، چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

مسلمانوں کی زبوں حالی کیسے دور ہو؟

اس بارے حضرتؒ کا موقف یہ تھا کہ مسلمان اپنے اعمال کو سدھار لیں، قرآن اور سنتِ رسول کو مضبوطی سے پکڑ لیں، اللہ کا تقویٰ اختیار کریں، خوف اور خشیت اختیار کریں، سیئات اور منکرات کو چھوڑ دیں، معروفات اور نیکیوں پر عمل کرنا شروع کردیں، قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتے اور ان کی ذلت عزت میں بدل سکتی ہے۔ فرمایا کرتے تھے، جب مسلمان تعداد میں قلیل تھے، مال و دولت نہیں تھی، غریب تھے، بہت تعلیم یافتہ نہیں تھے، جاہل تھے، تو اللہ نے عزت

عطاء فرمائی ۔اور جب کہ آج مسلمان کی جتنی تعداد ہے، اسلام کی پوری تاریخ میں مسلمانوں کی اتنی تعداد کبھی نہیں رہی اور جتنی مال و دولت آج ہے، مسلمانوں کے پاس اتنی مال و دولت بھی کبھی نہیں رہی، جتنا بے عزت مسلمان آج کے زمانہ میں ہے، اتنا بے عزت بھی مسلمان کبھی نہیں رہا، یہ حضرتؒ کا فرمان ہے وہ میرے ذہن سے کبھی ایک منٹ کے لیے بھی بالکل نہیں اوجھل ہوتا، بار بار فرماتے تھے کہ مسلمانوں اگر تمہیں عزت حاصل کرنی ہے تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

حضرتؒ کے ۹۰ رفیصد پروگرام اصلاحی ہوا کرتے تھے، لیکن انہیں پروگرام سے اور اصلاحی اور تعلیمی تعلق والے لوگوں کے حلقہ سے انہوں نے کو جماعت اس طرح لڑی میں پرو دیا تھا کہ وہی افراد جماعت کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں، جو حضرتؒ سے اصلاحی اور دینی مدارس سے وابستہ حضرات تھے، حضرتؒ ظاہر میں تو سب سے زیادہ سفر اصلاحی فرمایا کرتے تھے، لیکن وہی جماعتی بھی ہوتا تھا اور حضرتؒ سیاسی پروگرام بھی کچھ کیا کرتے تھے، ان کی تعداد ظاہراً بہت مختصر ہوتی تھی، لیکن وہ بھی جماعتی اور اصلاحی سب ایک دوسرے سے جڑے ہوتے تھے۔

بیعت کے بارے میں حضرت کا معمول

حضرتؒ کے یہاں دو طبقے تھے، اگر وہ علاقہ غریب اور کمزور لوگوں کا ہے، دور دراز کا ہے، بے پڑھے لکھے لوگ ہیں، جہالت ہے یا بدعت سے متأثر علاقہ ہے تو سب سے زیادہ دلچسپی بیعت وارشاد میں ہوتی تھی، آپ ان لوگوں کو اس لڑی میں جوڑ لینا چاہتے تھے، حتی کہ میں نے کئی موقعوں پر یہ بھی دیکھا ہے کہ حضرتؒ نے خود توجہ دلائی اور اس کے برعکس اگر کوئی بڑا عالم آجاتا تھا تو اسے آسانی سے بیعت نہیں فرماتے تھے، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ بنگلہ دیش میں مولانا فریدالدین مسعود صاحب جو وہاں کے معروف اور بڑے علماء میں سے ہیں، حضرتؒ سے بیعت ہونا چاہتے تھے اور حضرتؒ ٹال جاتے تھے، کئی دن گزر گئے اور حضرت نے انہیں بیعت نہیں کیا، تب انہوں نے مجھ سے کہا تو میں نے ان سے کہا، کہ اب آپ کے پاس ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے کہ جب حضرتؒ عوام کے بڑے مجمع کو بیعت کر رہے ہوں، تو آپ چپ چاپ اس میں جا کر بیٹھ جائیے گا اور اس کپڑے کو پکڑ لیجیے، بس آپ بیعت ہو جائیں گے، پھر پرچہ لکھ کر آپ حضرتؒ سے سبق لے لیجیے گا، تو انہیں اسی طرح کرنا پڑا، حضرتؒ نے انہیں ظاہر میں جانتے بوجھتے ہوئے ان کی درخواست کو منظور نہیں کیا، بڑے مجمع میں جا کر بس وہ بیٹھ گئے، اسی طرح سے کوئی علاقہ ایسا ہوتا تھا، جہاں علماء خوب ہیں، کسی دوسرے مشائخ کے وابستگان کی بڑی تعداد ہے وہاں حضرتؒ بیعت وارشاد کو نظر انداز فرماتے تھے اور فرماتے تھے مفتی محمود الحسن صاحبؒ سے بیعت ہو جائیے گا، یا حضرت مولانا ابرار الحق صاحبؒ تشریف

لائیں، ان سے بیعت ہو جائیے گا؛ البتہ خطاب تو بہر حال ہر جگہ ہوتا تھا، اور حضرتؒ کے خطاب میں کہیں خاص موضوع کسی نے متعین کردیا کہ آپ کو جمعیۃ کے بارے میں بولنا ہے، یا سیاست کے بارے میں بولنا ہے، یا تاریخ پر بولنا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ حضرتؒ کا قریب قریب ایک پٹینٹ بیان ہوتا تھا، اس میں ۱۹/۲۰ر کا فرق ہوتا، جس میں وہ اللہ کی اطاعت، انسان بنانے کے فضائل اور ایمان ویقین کی باتیں مؤثر انداز میں بیان کیا کرتے تھے۔

ایک خصوصیت

حضرتؒ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے ایشوز پر دوٹوک بولا کرتے تھے، لیکن جب مسلمانوں کے بیچ میں بات کرتے تو مسلمانوں کی کمزوریوں پر سختی سے نکیر کرتے تھے اور حکمرانوں کے خلاف بہت سخت باتیں مسلمانوں کے بیچ نہیں بولتے تھے؛ بلکہ اکثر ایسا ہوا کرتا تھا کہ خود مسلمانوں کو مطعون کیا کرتے تھے کہ تم یہ کرتے ہو، تم یہ کرتے ہو، تم نے ڈھیلا مارا، تم نے پتھر مارا، فساد کے موقع پر اس طرح کی باتیں ان سے کیا کرتے تھے، جس کی جو غلطی نظر آ گئی، اس کو ٹوک دیا کرتے تھے۔ اور جب حکمرانوں کے بیچ میں جایا کرتے تھے، (وزیراعظم، وزیرداخلہ) تو ان سے اس سے بھی زیادہ سخت بات کیا کرتے تھے، لیکن اس گفتگو کو عوام کے درمیان نہیں کیا کرتے تھے، ورنہ آج کل کے قائدین کا تو یہ حال ہے کہ عوام کے بیچ تو حکمرانوں کے خلاف بہت سخت بولتے ہیں اور جب حکمرانوں کے سامنے جاتے ہیں، تو ان کے پیر چھوتے ہیں، ان کی خوشامدیں کرتے ہیں، ان کی تعریفیں کرتے ہیں، لن ترانیاں گاتے ہیں، ان سے فائدے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہمارے حضرتؒ بالکل برعکس تھے، مسلمانوں میں جاتے تو ان کی غلطیوں پر متنبہ فرماتے اور حکمرانوں کے بیچ میں جاتے تھے تو حکمرانوں پر نکیر فرماتے تھے۔

حتی کہ موجودہ وزیراعظم منموہن سنگھ سے جب ملنے جانے لگے تو میں نے (حضرت کی سابقہ عادت کو جانتے ہوئے) حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت یہ وزیراعظم سیاسی آدمی نہیں غیر سیاسی آدمی ہے، اور آپ سے محبت کرتا ہے، آپ جس طرح کی گفتگو ان کے وزیراعظم ہونے سے پہلے ان سے کیا کرتے تھے، ویسی ہی کیجیے گا، ویسی گفتگو مت کیجیے گا جیسی گفتگو آپ ماضی کے وزراءاعظم سے کرتے چلے آئے ہیں، کم سے کم پہلی ملاقات میں ان کو سخت بات نہ کہیں؛ بلکہ ان کو کام کرنے کی طرف میٹھے انداز میں توجہ دلائیے، جب وہ آپ کا اور ملت کا کام نہ کریں، تو ایک دو سال کے بعد آپ کو ان سے سخت بات کرنی ہے تو کیجیے گا، اگر اس مرحلے میں آپ ان سے سخت بات کریں گے، تو غیر سیاسی آدمی ہونے کی وجہ سے اسے برداشت نہیں کرسکیں گے، اور آپ سے

تعلقات ابتدائی مرحلے میں خراب ہوجائیں گے، حضرتؒ کی کرم فرمائی ذرہ نوازی تھی کہ انہوں نے میری اس درخواست کو منظور فرمایا، بہت مناسب انداز میں ان سے گفتگو کی اور اسی گفتگو میں سچر کمیٹی کے لیے ان کو راضی کرلیا۔

نئی سیاسی پارٹیوں کے بارے میں حضرت کا نظریہ

حضرتؒ ابتدا میں تو اس کے مخالف تھے کہ نئی سیاسی پارٹی بنائی جائے؛ بلکہ آپ کا نظریہ تھا کہ مسلمان ایسی سیاسی پارٹیوں میں رہیں جو سیکولر ہیں، لیکن اخیر میں سیاست دانوں کی تنگ نظری، کرپشن، بے ایمانی، بددیانتی جھوٹ اور فریب سے تنگ آکر حضرتؒ یہ فرمانے لگے تھے کہ بھائی اب کوئی ایسی سیکولر پولیٹکل پارٹی ہونی چاہئے جو حقیقی معنوں میں سیکولر ہو اور اس میں مسلم اور غیر مسلم مناسب مقدار میں ہوں، خاص طور سے دلتوں کے ساتھ اشتراک کے سلسلہ میں حضرتؒ بہت حساس تھے اور اسی نظریے کے تحت انہوں نے ایک تھال میں کھانا کھانے کا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کیا، ان کے ساتھ بیٹھ کر بہت سے موقعوں پر یہ عمل چلایا، مگر یہ لمبا نہیں چل سکا، لیکن بہر حال یہ حضرتؒ کا منصوبہ تھا کہ صرف مسلمانوں کی نہیں؛ بلکہ ایک ایسی سیکولر پولیٹکل پارٹی ہو جس میں مسلمانوں کی مضبوط حصہ داری ہو اور کچھ کنٹرول بھی ہو تو ایسی پارٹی ہونی چاہیے اور شاید اس کے ذریعہ سے کچھ ہم لوگ عزت حاصل کرسکیں۔

لیکن خالص مسلم سیاسی پارٹی کے متعلق حضرتؒ کا موقف بالکل دوٹوک تھا کہ یہ خودکشی ہے، مسلمانوں کی کوئی پولیٹکل پارٹی بنے اور اس میں صرف مسلمان ہی ہوں اور مسلمان ہی کے نام سے بنے، ایسی پولیٹکل پارٹی مسلمانوں کے لیے اور ملک کے لیے خودکشی ثابت ہوگی، یہی الفاظ استعمال کرتے تھے کہ یہ تو خودکشی ہے۔

حضرتؒ کی زندگی سے اہم سبق

حضرتؒ کے نظریات وافکار کا پہلا حصہ جو میں نے سمجھا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام دعوتی مذہب ہے اور اس ملک میں اگر مسلمان غیر مسلموں سے الگ تھلگ رہے گا اور اپنے آپ کو الگ کرلے گا اور غیر مسلموں سے نفرت منافرت، لڑائی تشدد، سختی کا راستہ اپنائے گا، تو اس سے اسلام کا نقصان ہوگا، صرف مسلمانوں کا نہیں؛ بلکہ اسلام کا نقصان ہوگا، چوں کہ جتنی آپ سختی اور شدت اختیار کرتے ہیں، دعوت کے راستے بند ہوتے چلے جاتے ہیں، اور دوسری بات یہ کہ جتنی شدت اور سختی اختیار کی جائے گی تو جو مسلم اکثریتی علاقے ہیں، ان میں تو کوئی زیادہ فرق نہیں پڑنے والا ہے، لیکن وہ علاقے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، علاقائی طور پر گاؤں کے حساب سے بھی شہر اور قصبہ

کے حساب سے بھی، وہاں کے مسلمانوں کے لیے جینا دشوار ہو جائے گا۔اور مسلمانوں کی اکثریت اس ملک میں ستر فیصد کے قریب ایسی ہے جو دیہاتوں میں رہتی ہے اور ایسے دیہاتوں میں رہتی ہے جہاں وہ مقامی طور پر بھی گاؤں کے لحاظ سے بھی اقلیت میں ہیں،تو مسلمانوں کے لیے بنیادی طور پر ان کا فلسفہ یہ تھا کہ اس ملک میں مسلمان شدت اور سخت گفتگو کے ساتھ رہے گا تو اس سے مسلمانوں ہی کا نقصان ہوگا۔

ایک اور بات حضرتؒ کی فکر سے جو میں نے سمجھی ہے وہ یہ کہ جو لوگ لڑائی لڑ رہے ہیں اور شدت پسندی اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ دراصل مسلمانوں اور اسلام کے دشمن ہیں،جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ اسلام دعوتی مذہب ہے اور اسلام کی دعوت دینے کے لیے لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لیے ہمیں پہلے مرحلے پر لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات استوار اور بہتر بنانے ہوں گے۔ اب یہ ایک سوال کھڑا ہوتا ہے کہ ظلم کے خلاف جو لوگ لڑائی لڑ رہے ہیں،ان کے بارے میں ہم کیا کہیں گے کہ وہ اچانک کہیں بس میں کہیں ٹرین میں لوگوں کے اوپر بم بلاسٹ کر دیتے ہیں اور لوگ مرجاتے ہیں،تو اس بارے میں کیا نظریہ ہونا چاہئے؟ ہمارے حضرتؒ کو بڑی انشراح کے ساتھ یہ بات تھی کہ اس طرح بے قصور لوگوں کو مارے جانے سے وہ بھی جہاد کے نام پر اس سے اسلام کا نقصان ہوتا ہے اور یہ کام ہرگز نہیں ہونا چاہئے اور اس سے بچنا چاہئے۔

ہمارا پختہ عزم

میرا خیال یہ ہے کہ ملی خدمات کے دو حصے ہیں کہ اپنے بزرگوں سے جو وراثت ہمیں فکر کی، نظریہ کی ملی ہے اس کو ہم اگلی نسلوں تک منتقل کریں اور پوری طاقت لگا دیں،اور اگر ہم ان کے نظریات کی توسیع وترویج اور مسلمانوں کو ان کے نظریات پر پختہ کر سکیں تو ملت اسلامیہ ہند کے لیے اس سے بڑی خدمت ہماری کچھ نہیں ہوگی، اور ایک بات کا پورا عزم ہے، جماعت سے باضابطہ تعلق رہے یا نہ رہے، انشاء اللہ ظلم کی مخالفت کبھی نہیں چھوڑیں گے اور انشاء اللہ ظالم کے آگے کبھی گھٹنے نہیں ٹیکیں گے،نظریات پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے، چاہے ان نظریات پر عمل کرنے کے نتیجہ میں اپنے ناراض ہوں یا پرائے ناراض ہوں، اس کی پرواہ نہیں کریں گے، جو سچ سمجھا جو سچ سیکھا ہے اس سے ایک انچ نہیں ہٹیں گے، انشاءاللہ۔ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ کی توفیق عطاء فرمائے اور اکابر رحمہم اللہ کے نظریات،افکار اور ان کے راستہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے،آمین۔

○○

□ ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی، مانچسٹر (برطانیہ)

مسلک دیوبند کے تحفظ وارتقاء میں
حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کا کردار

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، اما بعد

باز گو از نجد و از یارانِ نجد　　　تا درودیوار را آری بوجد

نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ فی جمیع منازل الآخرہ کے مسلکی کردار پر کچھ گزارشات سے پہلے مسلک دیوبند پر ایک مختصر سا تبصرہ کردیا جائے تاکہ اس کے بارے میں مولانا مرحوم کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کی جاسکے۔

مسلک دیوبند کوئی نئی ایجاد نہیں، نہ یہ کوئی نیا فرقہ ہے جس کا اُنیسویں صدی عیسوی میں کوئی نقش اُبھرا ہے بلکہ یہ وہی مسلک ہے جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ سے تیرہ سو سال کے تاریخی تسلسل سے اہل السنۃ والجماعت کے نام سے چلا آرہا ہے۔ اس نے دیوبند ضلع سہارنپور میں پہلے ایک عربی مدرسہ کی صورت اختیار کی اور پھر اس کے بعد یہ ایک عظیم دارالعلوم بنا اور جس طرح عرب ممالک میں جامع ازہر مصر کو ایک مرکزیت ملی پورے عجم میں یہ ایک بے مثال اسلامی درسگاہ بنی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تمام ہندوستان کے دینی مدارس کا مرکزِ علم مان لیا گیا، یہاں تک کہ مسلمانانِ ہند اس بات کو ناممکن سمجھنے لگے کہ علمائے دیوبند کا کوئی فتویٰ کتاب وسنت کے خلاف واقع ہو۔

ایک دفعہ ہندوستان میں ایک چھوٹی مسجد کی مسجدیت میں علماء کا کچھ اختلاف ہوگیا۔ اس میں دیوبند کے نام سے بھی ایک فتویٰ چھپا۔ مولانا غلام دستگیر قصوری اس کی تردید میں لکھتے ہیں:

> ’’ظن غالب ہے کہ جو فتویٰ دیوبند کے نام سے ہے وہ بھی وہاں کا نہیں کیونکہ یہ کب ممکن ہے کہ وہاں کے علماء بلا دلیل کسی شے کو حرام بنادیویں اور ایک مسجد تعمیر یافتہ اور آباد کو بلا وجہ شرعی مسجدیت سے خارج اور غیر آباد کردیویں۔‘‘ (استفتاء مسجد ستیہ والا، ص ۹، مطبع انجمن مطبوعہ قصور ۲؍ ۱۲۹۱ھ)

دارالعلوم دیو بند اہلِ سنت مسلک کے تحفظ وارتقاء میں ان چار منزلوں سے بہت کامیاب گزرا ہے اور زمانے کی کوئی لہر علمائے دیو بند کے مسلک اہلِ سنت میں کسی کمزوری کو کوئی راہ نہ دے سکی۔

نئے سیاسی مدوجزر میں پرانے اسلام کا تحفظ:

(۱) انگریزی عملداری میں بعض مسلم زعماءوقت کے تیز دھارے میں اسلام میں کچھ نئے نظریات کو جگہ دینا چاہتے تھے۔ یہ معتزلہ نظریات کی اس دورِ جدید میں ایک نشأۃِ جدیدتھی۔علمائے دیو بند نے عقائد اہلِ سنت کا پوری علمی اور عملی ہمت سے پہرہ دیا اور ان کے علاوہ آریوں اور عیسائیوں سے بھی معرکۃ الآرامناظرے کیے۔کتابیں لکھیں، جلسے کیے اور عام اہلِ اسلام کے ایمان کی پوری دیانت داری سے حفاظت کی۔اہلِ سنت والجماعت کی جماعتی اساس وہی اسلام رہا جو تیرہ سوسال سے ما انا علیہ واصحابی کے امتیاز سے پوری دنیا میں چلا آ رہا تھا اور ہندوستان میں علمائے دیو بند اسی اسلام کے داعی اور امین رہے۔

(۲) انگریزی عملداری میں مرزا غلام احمد قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کرایا گیا۔اہلِ سنت کا تیرہ سو سال سے جماعتی موقف یہ رہا تھا کہ حضورؐ کے بعد صحابہ کرامؓ اس امت کے دینی پیشوا ہیں اور آئندہ آنے والے مسلمان انہی کے تابعین اور تبع تابعین ہوں گے۔اب کوئی نیا دعویٰ نبوت اس عقیدے سے لگاّ نہیں کھا سکتا تھا کیونکہ کسی نئے نبی سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ صحابہ اور تابعین کی پیروی میں چلے اور اگر وہ مسلمانوں کا تیرہ سوسالہ تسلسل کاٹ کر پیچھے جائے اور براہِ راست اپنے آپ کو کتاب وسنت کا وارث بتائے تو مسلمان اپنے اس تیرہ سوسالہ اسلام سے نکلنے کے لیے آمادہ نہ ہوں گے۔سو اس نئے دعوئ نبوت میں یہ ضروری تھا کہ ایک نئی امت بنے جو پوری طرح پچھلی امت سے کٹی ہو۔

علمائے دیو بند نے اس اہم ضرورت پر ختم نبوت کا ایک عالمی محاذ قائم کیا اور قادیانی جماعت سے وہ ہر پہلو سے نبرد آزما ہوئے یہاں تک کہ رابطہ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں اور پاکستان کی قومی اسمبلی نے قانون اور دستور میں قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت ٹھہرایا۔اس پر قادیانی سربراہ نے پاکستان سے نکل کر انگلینڈ میں اپنی مرکزیت بنالی اور پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

(۳) اہلِ سنت کے عقیدے کو قائم رکھتے ہوئے اور صحابہ وتابعین کی پیروی جاری رکھتے ہوئے جب ہندوستان میں نئی نبوت کی پذیرائی ناممکن تھی تو ہندوستان میں ایک ایسی تحریک اُٹھائی گئی جو امت کے تیرہ سوسالہ تسلسل سے نکل کر مسلمانوں کو براہِ راست قرآن وحدیث کی پیروی کی دعوت دے۔اس صورت میں مسلمانوں کو قادیانی بنانا بہت آسان ہوجاتا ہے۔انگریزی عملداری میں

ترکِ تقلید کی یہ تحریک پورے شدومد سے اُٹھائی گئی یہاں تک کہ بٹالہ کے جس عالم نے انگریزی حکومت سے اپنی جماعت کے لیے ایک نیا نام منظور کرایا تھا اسے خود کہنا پڑا:

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھے ہیں۔'' (اشاعت السنہ ۱۸۸۴ء)

مگر افسوس کہ مولانا بٹالوی کی کچھ سنی نہ گئی اور دیکھتے دیکھتے مسلمانوں کی کئی مساجد پر اہلحدیث مساجد کے بورڈ لگ گئے۔ علمائے دیوبند اس محاذ پر بھی اہلِ سنت مسلمانوں کو اس نئی تحریک سے بچانے کے لیے میدانِ عمل میں آئے اور پرانے مسلسل اسلام کو بچانے کے لیے اپنی پوری علمی قوت اور عبقریت صرف کی اور اہلِ سنت والجماعت کی یہ مرکزی درسگاہ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے علم کو پھیلانے کے لیے ہر سمت ضیابار رہی۔

(۴) پھر انگریزی عملداری کی حکمت عملی یہ ٹھہری کہ جس طرح بھی ہو پائے اہلِ سنت کے دو ٹکڑے کیے جائیں اور اہلِ بدعت کا ایک گروہ اہلِ سنت نام سے اُٹھایا جائے۔ انگریزوں نے ہندوستان میں ترکی خلافت کے خلاف جن لوگوں کو اپنے ساتھ لیا تھا اب انہی لوگوں سے یہ خدمات لی گئیں کہ جس طرح بھی ہو سکے اہلِ سنت علمائے دیوبند کے خلاف اہلِ سنت کے نام سے ہی اہلِ بدعت کو منظّم کر دیا گیا۔

علمائے دیوبند اگرچہ تحریک آزادی ہند میں پیش پیش رہے، ان کے بڑے استاد و شیخ الہند مولانا محمود حسن برسوں مالٹا میں قید رہے تاہم وقت کا کوئی سیاسی تقاضا انھیں مسلک اہلِ سنت و الجماعت کے تحفظ و ارتقاء میں کسی بھی دفاع اور اقدام سے روک نہ سکا۔

مسلک کے تحفظ میں حضرت مولانا اسعد مدنی کا کردار:

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان جب برطانیہ میں آباد ہوئے تو پہلے زیادہ تر مزدور طبقے کے لوگ آئے، بطور طالب علم بہت کم لوگ آنے کے متحمل ہوئے۔ ان کی عملی زندگی کے تحفظ کے لیے یہاں کچھ لوگ تبلیغی محنت میں لگ گئے اور دیکھتے دیکھتے ہر شہر میں کئی کئی مکانات عارضی مسجدوں میں بدل لیے گئے۔ ائمہ مساجد کی بھی ایک تنظیم مجلس علماء کے نام سے بن گئی۔ ان میں وہ لوگ بھی ساتھ رہے جو اعتقاداً صحابہ کرامؓ کو معیارِ حق نہیں سمجھتے۔ اس مخلوط ماحول میں یہاں مسلک دیوبند کسی نمایاں صورت میں نہ تھا۔ راقم الحروف ۱۹۶۶ء میں انگلستان آیا اور صحابہ کرام کے بارے میں مجلس علماء کو مسلک دیوبند کے نام سے آواز دی۔ بعض تبلیغی حلقوں میں میری اس صدا کو

ایک نامانوس آواز قرار دیا گیا اور میں نے اپنے گرد و پیش مشکلات میں مشکلات دیکھیں۔ ان دِنوں بریلوی طبقے کے لوگ یہاں بہت کم تھے۔ نہ ان کی کوئی مسجد ہی تھی۔ ہر شہر میں مرکزی مساجد کے امام اہلِ سنت مسلک دیوبند کے ہی تھے۔

۱۹۶۷ء میں پہلی دفعہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی واردِ دیارِ انگلستان ہوئے اور آپ نے ایسے الجھے ماحول میں عام مسلمانوں کو صحابہ کرام کو معیارِ حق ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے فرق سے آشنا کیا۔ مسلک دیوبند کے تعارف میں کھلے اجلاس کیے اور اس مسلک کو صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے تسلسل میں چلنے کا وہ استناد مہیا کیا کہ پہلی دفعہ انگلستان کی وادیاں اور بستیاں اہلِ سنت والجماعت کے اس طبقہ سے جو مسلک دیوبند سے انتساب رکھتا ہے آشنا ہوئیں۔

حضرت مولانا اسعد مدنی کو اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکوں سے گزرنا پڑا۔ لندن میں آپ کا مشرقی پاکستان کے مخلوط ذہن رکھنے والے دانشوروں سے ایک کھلا مناظرہ بھی ہوا جو نہایت تہذیب و متانت سے اختتام پذیر ہوا اور اس میں مسلک دیوبند کا بہت اچھا تعارف لوگوں کے سامنے آیا۔ راقم الحروف نے بھی اس میں دو تین دفعہ اپنے موقف کی نمائندگی میں تقریر کی تھی۔

ختم نبوت پر کام کرنے کی فضا پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے یہاں محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف نیموی، مولانا منظور احمد چینوٹی، مولانا لال حسین اختر، مولانا عبد الحفیظ مکی، حضرت مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین کندیان شریف، مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مختلف وقتوں میں تشریف لائے۔ پھر جب قادیانی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور پاکستان کی قومی اسمبلی میں غیر مسلم اقلیت قرار پائے اور قادیانیوں کا سربراہ اپنا مرکزی دفتر انگلستان لے آیا تو یہاں جگہ جگہ ختم نبوت کانفرنسیں ہونے لگیں اور قادیانیت کو اچھی طرح سے بے نقاب کیا گیا۔

حضرت مولانا اسعد مدنی ان کانفرنسوں میں ہر سال شریک ہوتے رہتے اور آپ کی مرزا غلام احمد پر تقریرات ہمیشہ ان کانفرنسوں میں نمایاں اہمیت کی حامل ہوتی تھیں۔ ان میں آپ ہمیشہ مسلک دیوبند کی ترجمانی کرتے تھے۔ آپ کی اس تشریف آوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو ان کانفرنسوں کا انصرام و اہتمام پاکستان کے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے، مگر بھارت کے مسلمانوں کی بھی ایک بھاری تعداد جن میں علاقہ گجرات کے ہر علاقے کے کثیر تعداد مسلمان ہوتے ہیں شریک اجتماع ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے اس عمل سے انگلینڈ میں ختم نبوت کے محاذ پر انڈیا اور پاکستان کے مسلمانوں کو دیوبند کے طرز پر مسلک دیوبند کی ایک آواز بنا دی اور اس مشترکہ موضوع پر ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کو ایک کیا۔

پھر اسی دَور میں جب لوگ ترکِ تقلید کے زینہ سے قادیانیت کی طرف بڑھنے لگے تو مولانا مرحوم نے انگلینڈ آ کر مسلک دیوبند کے ہر حلقے میں التزام تقلید کی آواز اُٹھائی اور عام مسلمانوں کو اس پر آمادہ کیا کہ جو لوگ اتنا علم نہیں رکھتے کہ کتاب وسنت کی شاہراہ سے براہِ راست دین کو اخذ کر سکیں انھیں ان جدید دعوتوں کے چنگل میں بالکل نہ جانے دیا جائے۔ قرآن کریم جو علم نہیں رکھتے ہیں انھیں اہلِ علم کے پاس جانے کی تعلیم دیتا ہے۔ **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمو** ۔ اور غیر مقلدین اپنے ان پڑھوں کو بھی محقق ہونے کی عزت دیتے ہیں۔ پھر یہ اَن پڑھ جب ترکِ انگلینڈ کرتے ہیں تو پھر پرویزیت اور قادیانیت سے پہلے انھیں کوئی اور ٹھکانہ نہیں ملتا۔ غیر مقلدین نے جب سعودی عرب میں حضرت شیخ الہند کے ترجمہ قرآن کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کیا، حضرت مولانا مرحوم نے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے بھی اور دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بھی سعودی کو مراسلے بھجوائے جن میں ان کے ایک ایک اعتراض کا علمی جائزہ لیا گیا اور اس میں مسلک دیوبند کے بارے میں پیدا کی گئی تمام غلط فہمیوں کو زائل کیا گیا۔ پھر آپ نے دہلی میں ایک عظیم الشان سنت کانفرنس کا اہتمام کیا اور اور پاک وہند کے علمائے کبار نے عوام میں تقلید کے ایک ایک پہلو کو سنوار کر مہیا کیا کہ تقلید مجتہدین پورے ایشیا میں دین فطرت کی فطری آواز سمجھا جانے لگا۔ اس پر مولانا مرحوم کی ان مسلکی مساعی کا جتنا خراجِ تحسین ادا کیا جائے کم ہے۔

جب بنگلہ دیش میں مغربی پاکستان سے علیحدہ ہونے کی تحریک اُٹھ رہی تھی اور پاکستان اور بھارت میں جنگ شروع ہو چکی تھی اس وقت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ انگلینڈ تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان دِنوں راقم الحروف نے مولانا مرحوم کے دُکھ بھرے ملّی احساس کو بہت قریب سے دیکھا۔ مولانا مرحوم بنگلہ دیش کی اس علاحدگی پر بہت پریشان تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں کے ایک ملت ہونے کا تصور آپ کے دل ودماغ میں کس قدر روشن ہے۔ آپ بار بار کہتے تھے کہ مسلمان بھارت کے ہوں یا بنگلہ دیش کے، پاکستان کے ہوں یا افغانستان کے، عرب ممالک کے ہوں یا عجم کے سب ایک ملت ہیں اور کہیں بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آئے، ہر مسلمان کا دل اس میں تڑپتا ہے۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ بھارت کے مسلمانوں کا اس میں کیا احساس ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان ہیں، وہ کسی ملک میں بھی ہوں وہ سب ایک ملت ہیں اور سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ملّی امور میں آپ کا دل ہر جغرافیائی فاصلوں سے بلند اور بالا تھا۔

○○

❑ مولانا فریدالدین مسعود صاحب
چیئر مین اقرا بنگلہ دیش المدنیہ،ڈھاکہ

حضرت فدائے ملتؒ اور اسلام کا فلسفہ امن

الحمد للّٰہ رب العالمین الصلواۃ السلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہٖ اجمعین. امّا بعد

تخلیقی طور پر انسان امن پسند ہے۔ مادّہ اشتقاق اُنس سے اس کا مزاج طبعی طور پر آشنا ہے۔ محبت اور آشنائی اس کی طبیعت ہے۔ اسلام انسان کا فطری اور طبعی دین ہے۔ اسی فطرت پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ فطرت اور اسلام ہم معنی ہے۔ اسی پر انسان کی پیدائش ہے۔ ایک مشہور عام حدیث پاک کا مبارک مضمون اسی طرف ہمیں صاف اشارہ کرتا ہے۔ علم الاوّلین والآخرین کے حامل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **کل مولود یولد علی الفطرۃ** ۔ ہرایک مولود کی اسی فطرت پر اس کی ولادت ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں بھی صاف ارشاد ہے کہ **فطرت اللّٰہ التی فطرت الناس علیھا**۔ یہی دین ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دی ہوئی فطرت ہے جس پر پیدائش ہے حضرت انسان کی۔ اسی بنا پر اسلام کا بنیادی مطمح اور مناط امن اور قیام امن ہے۔ لفظ اسلام ہی سلامتی کی طرف راہ دِکھلاتا ہے۔ قلب سلیم اور فواد مامون کے علاوہ گردن نہادن بطاعت کیسے ممکن ہے۔ **المسلم** لفظ تو **من سلم** سے ہے۔ عربی کا قاعدہ ہے اسم مشتق میں ماخذ اشتقاق کا پایا جانا لازمی ہے۔ جیسا کہ **الکاتب** یعنی **من لہ الکتابہ، القائم من لہ القیام** ۔ اسی طرح ایک مسلم کے اندر سلامتی اور آشنائی کا پایا جانا ایک لازمی امر ہوجاتا ہے۔

اسلام شروع سے امن اور سلامتی ہی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ سلامتی کا گھر اس کا ٹھکانہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے **اللہ یدعوا الی دار السلام**. اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو دارالسلام ہی کی طرف بلاتے ہیں۔

ساری انسانیت کی بہبودی اور خیرخواہی اسلام کا مطمح نظر ہے۔ اپنے پیروکاروں سے اسلام

کہتا ہے کہ انسانیت اور مانوتا کے فائدہ کے لیے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بہ بانگ دُہل اعلان ہوتا ہے کہ **کنتم خیر امة اخرجت للناس** تم خیر امت ہو ساری انسانیت کی بہبودی کو سامنے رکھ کر تم کو نکالا گیا ہے۔ یہاں تو انصاف اور حق پرستی ہی بنیادی معیار ہے۔ یہاں تک کہ ظالم اگر اپنے مذہب کا ہو اور مظلوم غیر مذہب کا آدمی ہو تو حکم ہوتا ہے کہ ہر حال میں مظلوم کا ساتھ دو اور ظالم کو روکو۔ اعلان ہوتا ہے **ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلو** کسی قوم کی دشمنی اور بغض تم کو انصاف نہ کرنے پر نہ اُکسائے۔

اسلام تو اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ یہی تعلیم دیتا ہے کہ **ولا تدفع السیئة بالسیئة** برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ **ادفع بالتی ھی احسن** احسن طریقہ سے اس کی مدافعت کرو۔ **ادفع السیئة بالحسنة** برائی کا بدلہ نیکی سے دو۔

اسلام میں ایک انسان کے ناحق قتل کو ساری انسانیت کے قتل کا مترادف سمجھا جاتا ہے اور ایک انسان کی زندگی ساری انسانیت کی زندگی سے تعبیر کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ **من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانّما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا**. یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ فسادات اور دہشت گردی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **ان اللّٰہ لایحب الفساد**. یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ دین اور مذہب کے بارے میں کسی قسم کی زیادتی اور جبر وتشدد روا نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے **لااکراہ فی الدین**۔

المسلم کا ہم مصداق اور ایک لفظ ہے **المومن**۔ اس کا ماخذ ہے **الامن**. اسلام صرف دُنیا کی چند دن کی زندگی ہی کا امن نہیں دیتا یہ تو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے امن کی ضمانت دیتا ہے۔ حدیث پاک میں صاف ارشاد ہوتا ہے: **الناس علی و مالھم و اموالھم** مومن تو وہی ہے جس سے لوگوں کے مال اور جان مامون ہے۔

اس قسم کے صاف صاف بیانات اور توضیحات کے ہوتے ہوئے اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگانا سراسر ظلم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ البتہ جو عناصر امن وامان کو توڑنے والے ہیں اور اسی کی سازش کے کوشاں ہیں اسلام ان کو بوسہ نہیں لگاتا سخت ہاتھ سے ان کو روکتا ہے۔ یہ ہے ایک قسم کا دفاعی اور پریوینٹو علاج۔ جیسا کہ ایک مریض کو صحت یاب بنانے کے لیے بہترے کوشش کرتے ہیں لیکن جب مرض بڑھتا ہی جاتا ہے اور بڑی حد تک متاثر ہو جاتا ہے تو آپریشن کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہتا ہے، تب مریض ہی کی خیر خواہی میں اسی مریض کی خاطر باقی بدن کی حفاظت کے

لیے مجروح عضو کو کاٹ پھینکتے ہیں۔ اسی طرح سماج اور معاشرہ میں جب ناپاک اور مہلک عناصر پیدا ہو جاتے ہیں، سمجھانے بجھانے (دعوت) اور اچھے لوگوں کے ماحول میں بسانے کے باوجود اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے اور معاشرہ کے دوسرے افراد کے متاثر ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تب آپریشن کر کے ان مفسد عناصر کو اُکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ یہی اسلامی اور طبعی علاج ہی جہاد کی حقیقت ہے۔

اب اگر ایک شخص ڈاکٹر صاحب کو صرف آپریشن کے حال میں دیکھے گا تو بے شک اس کے متعلق دھوکا کھائے گا اور مبدأ اور مآل سے ناواقفیت کی وجہ سے اتنا بڑا خیر خواہ ڈاکٹر صاحب ہی کو بے درد چیر پھاڑ کرنے والا درندہ جیسا سمجھ بیٹھے گا۔ لیکن جو شخص حقیقت سے آگاہ ہے، حالات سے مطلع ہے وہ تو ضرور ڈاکٹر صاحب کو سب سے زیادہ خیر خواہ اور انصاف پسند مانے گا۔

اس زمانے میں کچھ لوگ اسلام کے مزاج اور حقیقت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسلام کے متعلق ایک غلط تصور لے بیٹھے ہیں۔ ان میں کچھ تو بے وقوف دوست ہیں اور کچھ ازلی دشمن بھی ہیں۔ ان کی نگاہ فاقتلوا المشرکین، اشداء علی الکفار جیسی چند آیتوں پر اٹک جاتی ہے۔ آگے بھی نہیں دیکھتی، پیچھے بھی نہیں۔ یہ بھول جاتے ہیں یا ان کو بھلا دیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں تقریباً چھ ہزار سے کچھ اوپر آیات میں بہت ساری باتیں اور احکامات ہیں۔ سب کو ملا کر پڑھنا چاہیے، نصیحت اور بصیرت کے لیے نگاہ کو دور رس کرنا چاہیے۔ اس کے لیے حقیقت آمیز نظر چاہیے۔ دوسری طرف کچھ تشدد پسند عناصر نے اس مس انڈر اسٹینڈنگ کو اور تیز تر کر دیا۔ ان کے ناعاقبت اندیش کرتوت کی وجہ سے آج ماڈرن ورلڈ میں اسلام ایک نہایت مس انڈر اسٹوڈ مذہب بن گیا، حالانکہ ان کا عمل چند اندھوں کا ہاتھی دیکھنے کے مترادف ہے۔

اسلام کے فلسفہ امن کے متعلق سطور بالا میں جو چند الفاظ پیش کیے گئے یہ ہمارے حضرت فدائے ملت امیر الہند قطب العالم بن قطب العالم سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی تصویر کشی کا خلاصہ ہے جو حضرتؒ کے لٹریچر، بیانات اور تقاریر سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت فدائے ملتؒ کے سینہ میں ایک پر خلوص، حساس اور دردمند دل دھڑکتا تھا، جو عظیم باپ حضرت شیخ الاسلامؒ کی تربیت سے مزید پرضیا ہو گیا تھا۔ سیّد الاوّلین والآخرین نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے جو فکر اور دردمندی خون میں بہتی ہوئی اُٹھی تھی اس نے ان کو دُکھی مانوتا کے لیے اور زیادہ بے چین بنا دیا تھا۔ وہ صرف امن کے حامی اور داعی نہیں تھے امن کے کاریگر تھے، کارندہ اور کارپرداز تھے، زندگی ان کی اس پر شاہد عدل ہے۔

۹/۱۱ کے کے المناک حادثہ نے ان سازشیوں کے لیے اور زیادہ مواقع فراہم کر دیے۔ اسلام کے نام پر چندنا عاقبت اندیشوں کے اس واقعہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے یہ لابی ساری دُنیا میں واویلا مچانے لگی اور دُنیا بھر کے مسلمانوں کو دہشت گردی کے الزام میں پھنسانے کے لیے ایک گھناؤنا پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور نیو کروسیڈ کی مہم چلانے لگی۔ جگہ جگہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امریکہ کی لیڈرشپ میں متشدد کارروائیاں ہونے لگیں۔ حالانکہ یہ ایک جزوی اور وقتی جذباتی واقعہ تھا۔ اسی کو ایک منظّم پلان کا رُوپ دے کر دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے زندگی تنگ کر دینے کی مہم پر چل پڑا۔

مسلمانوں کا حال ایسی ایک کشتی جیسا ہو گیا جس کا کوئی ناخدا نہیں۔ اس سراسیمگی میں کیا کرے اور کیا کرنا چاہیے، کسی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ راہِ نجات کدھر ہے کوئی بتانے والا نہیں مل رہا تھا۔ ایک فرقہ تو دشمنوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اسلام ہی سے بے زار ہو رہا تھا اور دوسرا گروپ مایوسی کے عالم میں اور زیادہ تشدد اور ہٹیلے پن کی طرف مائل ہو گیا۔ بعد میں بین الاقوامی طور پر ایسے کچھ حادثات اور ہوئے جن سے اسلام اور مانوتا کے دشمن ان سازشیوں کو اور تقویت مل گئی۔

ہمارے حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بصیرت آمیز آنکھوں سے پورے حالات کا جائزہ لیا۔ اصل مرض اور مسئلہ کی تشخیص کی۔ بتایا کہ موجودہ دَور میں اس امت کے سامنے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کے تحریفی تصور کا مقابلہ کیا جائے اور صحیح تصور کو واضح کیا جائے۔ اس لیے حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ نے ایک مفصل پروگرام بنایا۔

(۱) ایک تو اسلام کے صحیح تصور اور امن و دہشت گردی کے متعلق اس کی تعلیم کو مدلل اور واضح طور پر بیان کر کے مختلف قسم کے لٹریچر تیار کرائے اور انگریزی اُردو سمیت دوسری زبانوں میں لاکھوں کی تعداد میں شائع فرما کر لوگوں تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ کتابچے، پمفلٹ، اشتہارات وغیرہ بھی چھپوا کر تقسیم کرائے۔

(۲) دوسری طرف سیمینار، سمپوزیم منعقد کر کے انٹلکچولس، جرنلسٹس خصوصاً دوسرے مذاہب اور ماڈرن سوسائٹی کے افراد تک یہ بات پہنچانے کا انتظام فرمایا۔ انگلینڈ، امریکہ، کینیڈا کا بذاتِ خود سفر فرمایا اور متعلقین کو بھی اس کے لیے آمادہ فرمایا۔ بنگلہ دیش ڈھاکہ میں اسی موضوع پر ایک شاندار سیمینار حضرتؒ کے اشارہ پر منعقد کیا گیا جس میں ملک کی اہم ترین شخصیات اور تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے تھے۔ حضرت مولانا سیّد محمود مدنی صاحب مدظلہٗ العالی بھی تشریف لائے تھے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ اس موضوع پر بڑے بڑے عام جلسوں کا بھی انتظام فرمایا۔ برصغیر

کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ہزاروں کی تعداد میں اس قسم کے اجتماعات ہوئے۔

(۴) سب سے اہم کام اس ناطے حضرتؒ نے جو انجام دیا وہ یہ تھا کہ ویسٹرن ورلڈ کے سربراہوں کے ساتھ خود رابطہ فرمایا۔ بعضوں کے ساتھ بذاتِ خود ملاقاتیں کیں اور اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی تھیں اور ان کے ساتھ جو غلط رویے اختیار کیے جارہے تھے اس بارے میں ان کو سمجھایا اور حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی۔

حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ کی اس قسم کی مبصرانہ کوششوں کے نتیجے میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر بہت اچھا اثر ہوا۔ انگلینڈ، امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمان جو ہراس کے شکار ہوگئے تھے ان کے اندر نئی اُمنگیں پیدا ہوئیں۔ خود اعتمادی میں ترقی ہوئی، اطمینان بڑھا۔ دوسری طرف ویسٹرن ورلڈ کی لیڈرشپ بھی صحیح صورتِ حال سے آگاہ ہوئی جس سے اسلامی نام کی وجہ سے مسلمانوں میں جو خوف پیدا ہوگیا تھا اس میں بھی خاصی کمی آئی۔ ہیومن رائٹس گروپ بھی اپنی آوازیں بلند کرنے لگے۔ تیسری جانب خود مسلمانوں میں جو تشدد پسند اور کٹر گروپ تھے جو اسلام کے نام پر خصوصاً نوجوانوں کو اُکسا رہے تھے ان کی بھی کچھ روک تھام ہوئی۔

آج ببانگ دہل کہا جاسکتا ہے کہ دُنیا سے دہشت گردی کی روک تھام کے لیے انٹرنیشنل کمیونٹی اور مغربی دُنیا نے جو رویہ اور طریقہ اپنا رکھا ہے وہ دہشت گردی کو کم کرنے کی طرف نہیں لے جائے گا بلکہ اس میں اور تیزی پیدا ہوجائے گی اور ہورہی ہے۔ راستہ صرف یہی ہے جس کو ہمارے حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ نے اختیار فرمایا تھا۔ آج ہمیں اسی کو اور زیادہ بڑھانا ہے۔ اسی طریقہ کو اپنانے میں انسانیت کی بہبودی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں انبیاء صدیقین اور شہداء کی معیت سے نوازے، آمین!

○○

❑ مولانا مفتی اشفاق احمد اعظمی
جامعہ شرعیہ سرائے میر، اعظم گڑھ

حق کا دفاع فدائے ملّتؒ کا امتیازی وصف

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت دنیا میں قائم ہے کہ جب بھی اس معرکۂ حق و باطل میں اپنے کسی برگزیدہ وچیدہ بندے سے کام لینا چاہتا ہے تو اسے اپنے فضل و کرم سے بے پناہ کمالات وخوبیوں سے نوازدیتا ہے اور اس بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے، اس کی محبت کا دنیا میں یہ اثر ہوتا ہے کہ ہر خاص و عام، دوست ودشمن سب اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس کے کمالات وخدمات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے انھیں باکمال اور خوبیوں سے مالا مال شخصیات میں سے چودھویں صدی کی ایک نابغہ روزگار شخصیت فدائے ملت امیر الہند صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی علیہ الرحمۃ کی ذات عالی صفات ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہزار ہا کمالات وخوبیوں کے ساتھ اپنی خصوصی محبت سے سرفراز فرمایا تھا حضرت علیہ الرحمہ کی کامل ادنی سے ادنی گوشہ بھی مجھ جیسے بے بضاعت وکم علم کے لیے بیان کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے تاہم اپنی سعادت وخوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ ارباب حل وعقد نے حضرت رحمۃ اللہ کی نسبت پر انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھانے کا موقع عنایت فرمایا، شکرگزار ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے مشن کو عام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کے ورثہ میں حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کو بہت ساری خوبیاں ملی تھیں، انھیں میں سے ایک خاص امتیازی وصف حق کے سلسلہ میں جرأت وہمّت اور باطل کی سرکوبی کے لیے شمشیر برہنہ ہونے کی باہوش جہد مسلسل تھی، ہندوستان میں فرقہ ضالہ کی پیدائش انگریزی سامراج کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کی رہین منت رہی ہے رضاخانیت ہو یا مودودیت، غیر مقلدیت ہو یا قادیانیت جتنے بھی فتنے ہندوستان میں وجود میں آئے وہ سب کے سب انگریزوں کی حوصلہ افزائی اور انھیں کی کاوشوں اور سازشوں کا نتیجہ ہے حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ اپنی پوری زندگی فرقہ ضالہ سے نبرد آزما رہے ادنیٰ درجہ کی مداہنت یا

سمجھوتہ کے لیے تیار نہیں ہوئے ہمارا علاقہ اعظم گڑھ فرقۂ ضالہ کی سرگرمیوں کے لیے مرکزی حیثیت کا حامل ہے اسی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی آمد سرائے میر ضلع اعظم گڈھ میں برابر ہوتی رہی اور ردمودودیت اس علاقہ کے لیے مخصوص موضوع رہتا تھا۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد حضرت فدائے ملّت علیہ الرحمہ نے سچی جانشینی کا حق ادا فرمایا اور فرقۂ ضالہ کے سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار کے نقشِ قدس پر قائم رہے پوری زندگی خلافِ حق کوئی بھی سرگرمی برداشت نہیں کی حق کے دفاع اور باطل کی سرکوبی کے لیے ہمیشہ آہنی دیوار بنے رہے اور بے خطر میدان میں کودتے رہے کبھی بھی کمپرومائز یا سمجھوتہ کے حق میں نہیں ہوئے آمیزش باطل کو کبھی برداشت نہیں کیا۔

۱۹۷۸ء میں ہمارے علاقہ میں عصمت انبیاء کا موضوع چھڑا اور پہلی بار سرائے میر بازار میں عصمت انبیاء کے سلسلہ میں روضہ علی عاشقان پر جلسہ ہوا جس میں حضرت فدائے ملّت علیہ الرحمہ اور دیگر علماء دیو بند تشریف لائے عصمت انبیاء کو لے کر ردمودودیت پر جم کر تقاریر ہوئی اس وقت سے سن دو ہزار چار تک چھبیس سال مسلسل حضرت فدائے ملّت سرائے میر جلسہ میں تشریف لاتے رہے اور پورا علاقہ آپ کے استقبال میں آنکھیں بچھاتا رہا، فرقۂ ضالہ کی تردید حضرت کا خاص موضوع ہوتا تھا، مقام صحابہ صحابہ، کا معیار حق ہونا ،تصوف کے سلسلہ میں مودودی صاحب کی موشگافیاں، حکومت الٰہیہ کا قیام تفسیر بالرائے، وغیرہ موضوعات پر آپ کھل کر گفتگو فرماتے ،ضال اورمضل قرار دیتے اور اس گمراہ فرقے سے بچنے کی علاقے کے لوگوں کو تلقین فرماتے ،علاقہ کے دُور دراز حصّوں سے لوگ کثیر تعداد میں آپ کا بیان سننے کے لیے اکٹھا ہوتے اور اسی خاص موضوع پر آپ کی بیباک گفتگو سے مستفیذ ہوتے تھے۔

الحمدللہ حضرت فدائے ملّت کے مسلسل بیان اور جدوجہد کے نتیجہ میں موجودودیت کا زور ہمارے علاقے میں ٹوٹ گیا اور یہ فتنہ سمٹ کر رہ گیا سن ۲۰۰۰ء کے بعد حضرت فدائے ملت کے بیان میں ردمودودیت کی طرف وہ توجہ نہیں رہی جو پہلے کے بیانات میں پائی جاتی تھی چونکہ ضرورت باقی نہیں رہی اس لیے بیان میں شدت بھی باقی نہیں رہی حضرت کی زندگی کے آخری دور میں حضرت فدائے ملت کی توجہ غیر مقلدیت کی تردید کی طرف زیادہ رہی حضرت اس فتنہ کو مودودیت سے بھی زیادہ سنگین فرماتے تھے تحفظ سنت کانفرنس کا انعقاد حضرت کے اسی فکر کا نتیجہ رہا جس کے عالمی اثرات مرتب ہوئے جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث نے تحفظ سنت کانفرنس کے موقع پر شائع شدہ کتابوں کے جواب میں جو کتاب لکھی اور جو زبان استعمال کی حضرت فدائے ملت اس

سے کافی متاثر فکرمند اور تشویش میں رہے اس کے جواب اور دفاع کے لیے بار بار تقاضہ فرماتے اور بھرپور دفاع چاہتے تھے مگر یہ کام ادھورا چھوڑ کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے اللہ تعالیٰ حضرت کے ادھورے کاموں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت کی زندگی میں سرائے میر میں تقلید ائمہ کانفرنس ہوئی حضرت علالت اور ضعف کے سبب شریک نہ ہوسکے مگر اس کی رپورٹ اور انعقاد سے کافی خوش ہوئے اور دُعائیں دیں حضرت فدائے ملت کے یہاں موافقت اور مخالفت کی بنیاد رضائے الٰہی تھی **الحب للّٰہ و البغض للّٰہ** حضرت کا طرۂ امتیاز تھا آپ دیکھیں گے کہ حضرت کی زندگی میں جن فرقۂ ضالہ سے کسی طرح کا سمجھوتہ کرنے پر حضرت بالکل راضی نہیں ہوتے تھے مگر جب کبھی ملی مسائل کا سامنا ہوتا تھا یا ملت پر کوئی مشکل گھڑی آتی تو آپ کی شخصیت بالکل جداگانہ نظر آتی ملی مسائل میں ہر ایک کو ساتھ لے کر چلنے میں آپ پیش پیش نظر آتے اور ملی مشکلات کے وقت انسانی خدمت کے بےلوث جذبات میں سب کچھ بھول جاتے اور انسانی جذبہ سے سرشار انسانیت کو گلا لگانے کو تیار رہتے یہ اسلام کی وہ بنیادی خوبی ہے جسے اللہ تعالیٰ کم لوگوں کو نوازتا ہے جو اپنی زندگی میں اسلامی تشخص و امتیاز کو بھی باقی رکھیں، احقاق حق و ابطال باطل کی ذمہ داریوں کو بھی بھرپور صدیقی انداز میں ادا کرتے رہیں، ساتھ ساتھ ملی وانسانی کردار میں انسانی رواداری اور ملی جذبات کا پورا پورا احترام رکھیں، یہ انھی نفوس قدسیہ کا حصہ ہے جن کی صفت رہبان فی اللیل وفرسان فی النہار کی بیان کی گئی ہے۔

ضلع اعظم گڑھ کا ایک قصبہ مبارکپور ہے جہاں فساد ہوگیا شیعہ طبقہ فساد سے زیادہ متاثر ہوا یہ قصبہ شیعہ بریلوی دیوبندی تینوں طبقہ کی آبادی پر مشتمل ہے فساد اتنا سنگین تھا کہ ایک لمبے عرصہ تک قصبہ میں مکمل کرفیو نافذ رہا، امن وامان مکمل طور پر تباہ و برباد ہوگیا، لوگ گھر چھوڑنے پر مجبور ہوگئے، سیکڑوں مسلمانوں کو جیلوں میں بند کردیا گیا، فرضی مقدمات وفرضی دفعات لگادی گئی، حضرت فدائے ملت کو خبر ملی تو امن وامان کی بحالی اور قصبہ کی خوش حالی کے لیے مضطرب ہوگئے لکھنؤ اور بنارس کے چوٹی کے شیعہ علماء کا ایک وفد مبارکپور بھیجا جس سے حالت میں کچھ بہتری آئی، پھر مسئلہ کی نزاکت اور حساسیت کو دیکھتے ہوئے بنفس نفیس مبارکپور کا پروگرام بنایا اور بالمشافہ گفتگو کرنا طے کیا بدقسمتی سے جگہ کو لے کر گفتگو کا پروگرام فائنل نہیں ہوسکا اور حضرت مبارکپور پہنچ گئے وہاں پہنچ کر حضرت کو بہت تردد ہوا اور اپنی فکر اور پریشانی کا اظہار فرمایا احقر بھی ساتھ میں موجود تھا حضرت نے فرمایا شیعہ فرقہ کا جو اہم شخص ہے جاؤ اس سے بات کرو اگر راضی ہوجائے تو میں اس کے گھر چل کر بات کرتا ہوں احقر حضرت کے حکم پر روانہ ہوا قصبہ کا عجیب منظر تھا گلیاں

سنسان، کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، خوف کا ایسا عالم کوئی دو قدم ساتھ دینے کو تیار نہیں تھا سابق وزیر مسعود خاں مرحوم نے اپنے محافظ کو میرے ساتھ لگا دیا میں اس کے گھر پہنچا حضرت کا پیغام سنایا وہ فوراً تیار ہو گیا اور کہا ہم ایک گھنٹہ میں سب کو لے کر فلاں ہوٹل میں اکٹھا ہو جاتے ہیں واپس آ کر حضرت کو بتایا حضرت بے انتہاء خوش ہوئے اور فکر واضطراب کے آثار جاتے رہے تھوڑی دیر میں حضرت ہوٹل تشریف لے گئے جہاں تینوں طبقے کے ذمہ دار لوگ موجود تھے حضرت نے ان کے سامنے امن وامان کی بحالی کے لیے گفتگو فرمائی نفرت کی جگہ محبت کے پیغام کو درد بھرے انداز میں پیش کیا کیسا جذبہ تھا، خلوص تھا، آن کی آن میں یکے بعد دیگر پورا مجمع بول اٹھا حضرت آپ ہمارے بڑے ہیں آپ جو فرمائیں وہ ہوگا، ہم سب تیار ہیں، حضرت کے چند جملوں نے قصبہ کی فضا بدل دی نفرت کی دیواریں ڈھ گئیں، محبت واخوت امن اور شانتی کا ماحول ایسا بنا جیسے عید کا دن ہو گیا ہو، بے خوف سارے لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے قصبہ امن اور شانتی کی شاہ راہ پر چل پڑا صلح اور اخوت کے جذبات فروغ پانے لگے اور بالآخر مسئلہ حل ہو گیا۔

یہ تھا وہ جذبہ انسانیت اور ملی درد جس کے نتیجہ میں کسی بھی طبقہ کو دکھ پہنچنے پر حضرت فدائے ملت بے قرار ہو جاتے اور اس وقت تک چین نہیں لیتے تھے جب تک کی اپنے مشن میں کامیابی حاصل نہ فرماتے یہ ایک نمونہ ہے ورنہ حضرت کی زندگی اس طرح کی بے لوث انسانی خدمات سے بھری پڑی ہے۔

ملک میں بدقسمتی سے فرقہ پرست عناصر حکومت کے گلیاروں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں عبادت گاہ بل لائے، مدارس کو دہشت گردی کا اڈّہ کہنے کی مہم چھیڑی، پسماندہ طبقات کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر کے خانہ جنگی کا ماحول بنانا شروع کیا حضرت فدائے ملت نے اپنی ایمانی فراست دینی بصیرت اور دور اندیشی کے سبب اس کے تدارک کے لیے تحریک شروع کی ملی مسائل پر ملتِ اسلامیہ کے مختلف مکاتب فکر کی شیرازہ بندی اور جوڑ کی کامیاب جدوجہد کی، رام لیلا میدان اور جامع مسجد کا تاریخ پروگرام ثبوت کے لیے کافی ہے، اپنوں کے اندر ملی جذبہ بیدار کرنے کے ساتھ برادرانِ وطن کے اندر انسانی جذبہ ابھارنے کے لیے دلت مسلم اتحاد کے عنوان سے ہریجنوں کے ساتھ کھان پان کا پروگرام چلایا یہ سب کچھ اسی ملی وانسانی جذبے کا ترجمان ہے جو فدائے ملت کے اندر بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، انسانی رواداری کے ساتھ حضرت فدائے ملت کی زندگی میں آپ کو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ کبھی بھی آپ نے ایمان وعقائد اور اصولوں کا سودا نہیں کیا ہمیشہ شریعت مطہرہ اور اسلامی اصولوں کو مقدم رکھا گویا

حضرت کی ذات **لااعبد ماتعبدون ولاانتم عابدون مااعبد** اسلام کے زریں اصول کی امتیازی شان کی آئینہ دار رہی، ساری رواداری ایک طرف اور اسلامی عقائد اور اصول کی پاسداری ایک طرف، اندازہ لگائیں گجرات فساد کے بعد شنکر آچاریہ نے جب گفتگو کے لیے وقت چاہا تو فدائے ملت نے ٹھکرا دیا اور فرمایا گجرات فسادات پر سودا نہیں کیا جاسکتا۔

آج کے پُر آشوب دور میں جبکہ ملت کے بڑے بڑے دانشور اور علماء کا ایک طبقہ وحدت اسلام وحدت کلمہ جیسے پُر فریب مسحور نعروں سے مرعوب ہو کر صلح کل کی طرف مائل ہونے لگے ہیں اور یہ آوازیں بلند ہونے لگی ہیں شیعہ سنی دیوبندی بریلوی غیر مقلد سب کو برابر کا درجہ دیا جائے اور سب کو برحق مانا جائے یعنی سارے اسلامی امتیازات وتشخصات کو ختم کر دیا جائے عقائد اور اصولوں کو قربان کر دیا جائے جو دراصل ہدم اسلام کی ایک پرفریب صہیونی سازش ہے ایسی نازک صورتِ حال میں حضرت فدائے ملت کی زندگی کے چھوڑے ہوئے نقوش، آپ کی جرأت وہمّت عزم واستقلال، حق گوئی و بیباکی کو مشعلِ راہ بنانا اور حضرت کے مشن کو آگے بڑھانا وقت کی اہم ضرورت اور ہمارا فرض منصبی ہے اللہ تعالیٰ ہم خدام کو توفیق مرحمت فرمائے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔

○○

□ مولانا محمد رحمت اللہ میر قاسمی
ناظم دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ، کشمیر

موجودہ عالمی تہذیبی ٹکراؤ میں
حضرت فدائے ملتؒ کی عزیمت اور استقامت

الحمد للّٰہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلی الہ وصحبہ ومن تبعہ. امابعد

حضرت فدائے ملت پر ہم جیسے بے حقیقت کیا لکھیں بقول حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کے کہ:

> ’’ہمارا قلم کیا ہے ایک بے حقیقت کھلونا، اُوپر سے نیچے گر جائے تو ریزہ ریزہ ہوجائے۔ ذراسی نمی سے حرفوں کی نمود ختم، کہیں بے احتیاطی سے رکھا جائے تو کیڑے چاٹ جائیں۔ ایک قلم وہ ہے جسے قلم تقدیر کہتے ہیں سارا جہاں اِدھر سے اُدھر ہوجائے مگر کیا مجال کہ نوشتہ تقدیر کا ایک حرف بھی بدل سکے۔‘‘

اس بے حقیقت کھلونے یعنی قلم کو کسی عظیم شخصیت کے بارے میں استعمال کرنے کے لیے چلانے چلتے ہیں تو ہمارا یہ فانی بے حقیقت قلم لافانی اور معزز ہوجاتا ہے اور یہ ہمارے لیے باعث اعزاز ہے۔

مجاہدِ ملّت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی شان میں اسلم لکھنوی کے ان مصرعوں (جو مسدس حالی کی زمین میں کہے گئے ہیں) کو میں نے فدائے ملّت حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں لکھے جانے والے اس مقالے کی ابتداء کے لیے مستعار لیا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے حضرت مجاہدِ ملّت کو تو نہیں دیکھا لیکن ان کا عکس حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ میں ضرور دیکھا۔ وہ اشعار یہ ہیں:

وہ ناموسِ اسلام پر مرنے والا　　وطن کی محبت کا دم بھرنے والا
مصائب میں ہنس کر گزر کرنے والا　　مخالف ہواؤں کا رُخ جس نے موڑا
کبھی جس نے ہمّت کا دامن نہ چھوڑا

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کا فتویٰ کوئی سیاسی مسئلہ نہیں تھا بلکہ اس برصغیر میں دین وملّت کے ان محافظوں کا یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انگریز کی اُن کوششوں اور کاوِشوں اور خفیہ منصوبوں پر مطلع ہونے کا اظہار تھا جس کو انھوں نے اپنی فراست ایمانی اور علمی وروحانی نور کے سبب تاڑ لیا تھا۔ چنانچہ یہ فتویٰ ان دین دشمنوں کی کاوِشوں کا پہلا توڑ تھا اور حفاظت اسلام کی عظیم کوشش۔ یہ حقیقت بعد میں روزِ روشن کی طرح واضح ہوکر سامنے آ گئی کہ انگریز اس علاقہ میں صرف مالی منافع اور اقتدار کے حصول کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ وہ پورے عالم کے بارے میں رکھنے والے اُن ارادوں کی تکمیل کے اس حصّہ کے طور پر آیا تھا، جس کے ذریعہ وہ پورے عالم پر بزعم خود مسیحی دین کو نافذ کرنا چاہتا تھا۔ اس مرحلہ پر حفاظت اسلام کی اس تحریک کا آغاز حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ سے ہوا جس کی روشنی میں حضرت سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مقدّس قافلہ اپنی حیاتِ مستعار کی آخری سانس تک اپنا سفر طے کرتا رہا۔ پھر اٹھارویں صدی عیسوی کی پانچویں دہائی میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں نے علمی سطح پر پادریوں اور ان کے سرپرستوں کا پیچھا کیا، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے شاملی کا میدانِ کارزار گرم کیا لیکن مشیت ایزدی کے تحت ظاہری ناکام سے دوچار ہوکر دارالعلوم دیوبند کے قیام کی صوت پیدا ہوئی۔ اس دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم اور بعد میں ہونے والے صدر مدرّس حضرت شیخ الہند کے لقب سے ملقب مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ وجود میں آئے۔ دارالعلوم کے قافلہ اوّل کے ایک سالار حضرت مولانا سیّد عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مکتب ومدرسہ کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ان بزرگوں کا سب سے بڑا مشغلہ یہی ذکر وفکر ہر وقت رہتا تھا کہ انگریز کا جوا کسی طرح کندھوں سے اُتارا جائے اسی کے بارے میں پیشین گوئیاں اور مکاشفات تھے اور اسی کے بارے میں عام نظم وانتظام۔ (تاریخ دارالعلوم ج ۱، ص ۳۱۸)

ظاہر ہے جب اساتذہ اور بانیوں کے اثرات اس پہلے طالب علم میں خصوصی طور پر منتقل ہوئے ہوں گے تو وہ اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہے۔ اسی لیے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بعد کے آنے والے تمام قافلہ کے بالاتفاق سالار قرار پائے اور حضرت کی پوری زندگی اس مشن کی تکمیل کے لیے صرف ہوئی۔

اس عظیم ومقدس مشن کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت

شیخ الاسلام مولانا سیّدحسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھایا اور پروان چڑھایا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کے عظیم قائد بنے وہ اسی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث قرار پائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد و جانشین تھے۔ انھوں نے جس عزیمت و استقامت اور حوصلہ و ہمّت کے ساتھ اس تحریک کی قیادت کی وہ آپ ہی کا حصّہ ہے۔ سلسلۃ الذہب کی کڑیاں رکھنے والے اس قافلہ کی قربانیوں کے نتیجہ میں انگریزوں نے جب ہزیمت کا شکار ہوکر اس خطہ سے اپنا بستر بوریا گول کیا اور اپنے خواب ادھورے چھوڑ کر واپس لوٹا تو اس تحریک کا ایک حصّہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔ یہ زمانہ خدا کی مشیت کے تحت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت وسیادت میں کام کرنے والے اصحاب عزیمت اور ان کے رفقاء کار کا تھا۔ جنھوں نے اپنی آنکھوں سے غاصب و جابر انگریز کو ملک سے واپس جاتے ہوئے دیکھا۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور سوانح نگار مولانا قاضی زاہد الحسینی نے اس واقعہ کو خوب بیان فرمایا ہے انھوں نے لکھا ہے کہ ”۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان شہید ہوئے تو انگریز کا مشہور کمانڈر جنرل ہارس آپ کی لاش پر آیا اور خوشی سے پکار اٹھا کہ ”آج سے ہندوستان ہمارا ہے“ پھر ۳۰ مئی کو شروع ہونے والے دارالعلوم دیوبند کے مجاہد سپوت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عملی جواب دیتے ہوئے سن ۱۹۴۷ء میں فرمایا۔ (خلاصہ از چراغ محمد صفحہ ۴۰ بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ۴)

اسی پس منظر میں مؤرخِ آزادی حضرت مولانا سیّد محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کا حسین وجمیل تعارف ان مختصر ابیات میں نہایت خوب فرمایا ہے:

اسیرِ مالٹا کی جانشینی تجھ کو حاصل ہے
سحابِ حریت گوہر فشاں ہے ذات سے تیری
غلاموں کو سکھایا تو نے آئینِ جہاں بانی

انگریز ہندوستان سے واپس چلا گیا لیکن اسلام دشمنی کا اس کا مشن ختم نہیں ہوا۔ کیونکہ حکومت وسلطنت کو وہ اسلام دشمنی کے لیے ذریعہ کے طور استعمال کرر ہا تھا۔ وہ تو ابتداء سے اسلام کا دشمن ہے اور دشمن رہے گا۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک مکتوب میں انگریز کی شیطانیت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

جب سے اسلام نے ظہور کیا ہے، انگریز نے برابر اسلام اور مسلمانوں کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ کسی دوسری قوم نے نقصان نہیں پہنچایا انگریز دوسو برس سے زیادہ عرصہ سے اسلام کو فنا کررہا ہے، اس نے ہندوستان کی اسلامی طاقت کو فنا کیا، بادشاہوں، نوابوں اور امراء کو قتل کیا، ان

کی فوجوں کو برباد کیا، حکومت ہائے اسلامیہ کوتہہ و بالا کیا، خزانوں کو لوٹا، اپنے اقتدار کا خزانہ قائم کیا، اپنے قوانین کو جاری کیا، ہندوستان کی تجارت صنعت و حرفت، علم وتہذیب وغیرہ کو برباد کیا، ٹیکسوں اور لگانوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہر قسم کی مالی لوٹ جاری کر کے اپنے ملک کو غنی اور ہندوستان کو کنگال بنایا، ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو انتہائی ذلیل، نادار، بیکار، بے روزگار بنایا۔ مسلمانوں سے ہندوستان کے دوسرے مذہب والوں کو متنفر کر کے دشمنی کی آزادی، الحاد وزندقہ وارتداد کی آزادی، عدالتوں میں خلاف اسلام قانون کا اجراء اور وہاں کے موافق فیصلہ جات جاری کیے، محکمہ قضاء کے خلاف معاہدہ مٹا کر مسلمانوں کے اسپیشل قوانین کو ملیامیٹ کیا، وغیرہ وغیرہ، ہندوؤں کو قصداً بڑھا کر ہر محکمہ اور ہر شعبۂ زندگی میں قوی تر کیا، اور سود در سود کو جاری کیا، غرض یہ کہ ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان میں برباد کیا، اور جبکہ مسلمانوں نے اپنے فطری اور شرعی حق آزادی کے لیے جدوجہد کی تو ان پر اس قدر مظالم کیے کہ ان کی یاد سے بھی دل تھراتا ہے، ۱۸۵۷ء کی تاریخ اور اس سے پہلے کے واقعات دیکھئے، معاہدات، اور وعدے جو کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کیے گئے تھے، اور جو ۱۹۵۷ء میں ہوئے ان کو بار بار توڑتے رہے۔

وکٹوریہ کے اعلان ۱۹۵۸ء میں پُر زور وعدہ کیا گیا تھا کہ اپنی قلمرو کو نہ بڑھائیں گے اور دوسرے علاقوں پر اب کے بعد قبضہ نہ کریں گے، مگر تھوڑے ہی عرصہ تقریباً ۲۰ برس کے اندر افغانستان پر یکے بعد دیگرے چڑھائی کی، اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا، چار مرتبہ حملے کیے، آزاد مسلم علاقوں پر قبضہ کرتے رہے، صوات، بنیر، چترال، کوہاٹ، آفریدی علاقے، مسعودی علاقے، وزیری، وغیرہ اور اسی طرح بلوچستانی علاقوں پر کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے، اور یکے بعد دیگرے خلاف عہد ان علاقوں کو اپنی قلمرو میں ملاتے رہے، وہاں کے باشندوں کو غلام بنایا، آزادی خراہوں کو قتل وغارت کیا۔

اسی کے ساتھ، عراق، شام، مصر، فلسطین، عرب، شمالی لینڈ، مشرقی افریقہ، سوڈان، برما وغیرہ کے اسلامی عروج کو پامال کیا، خلافتِ عظمٰی کو زیروزبر کیا، حجاز، جدہ، مکہ اور مدینہ پر چڑھائی کی، چناق قلعہ سمرنا، استنبول وغیرہ میں کیا کیا نہیں کیا؟ اور ان مقامات میں خون کی ندیاں کیا نہیں بہائیں، پھر اس پر طرہ یہ کہ یورپین طاقتوں میں اسلامی ممالک کو تقسیم کیا، طرابلس، صحرائے لیبیا، ادرنہ، سورکن وغیرہ اٹلی کو، ریف اسپین کو الجیریا، تیونس فاس، مراکش وغیرہ فرانس کو، وسط ایشیا اور شمالی ایشیا کے ممالک بخارا، سمرقند، گرجستان ازبکستان، داغستان، قرقستان وغیرہ روس کو برابر معاہدوں وغیرہ کے ذریعہ سے تقسیم کرتے رہے، ترکی سے بلگیریا، یونان، مقدونیہ، رومانیہ،

ہرسکٹ، البانیہ، سرویہ مانٹینگر وکریٹ، بلقان وغیرہ کو مجبور کر کے آزاد کراتے، اور اسلامی طاقت کو فنا کراتے رہے، ان دلخراش اور ہوش وحواس کو مٹا دینے والے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، جو کہ عموماً ان تین سو سالوں کے اندر یعنی تقریباً ۱۶۴۰ء سے ۱۹۴۰ء عیسوی تک واقع ہوئے ہیں اور جن میں انگریز ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں، پھر بتلایئے کہ انگریز کے برابر دنیا میں کسی قوم نے آج تک اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم)

انگریزوں کی اس اسلام دشمنی کے طور طریقوں اور عیسائیت پھیلانے کی تدبیروں کا مختصر نمونہ حضرت شیخ الاسلام کی سوانح ''چراغ محمد'' میں یوں مذکور ہے:

''انگریزوں کا سن ۱۷۴۸ء میں مدارس پر قبضہ ہوگیا تھا ان کا طریقہ یہ تھا جس مقام پر قبضہ کرتے وہاں پر برطانوی، امریکی اور جرمنی عیسائی مشنریوں کی ٹڈی دل فوج شہروں، قصبوں، دیہاتوں، جنگلوں، پہاڑوں بازوں اور محلوں میں پھیل جاتی تھی اور عیسائی مذہب کی تبلیغ کرتی تھی، اسکول کھولے جاتے، ہسپتال قائم ہوتے۔ طالب علموں اور مریضوں میں نصرانیت کی حقانیت ثابت کی جاتی اور اسلام کی تکذیب وتحقیر کی جاتی تھی اور ان کاموں میں حکمران بھی حصّہ لیتے تھے۔ اسی کتاب میں مولانا قاضی زاہد الحسینی نے عیسائیت کی ترویج کے اقدامات کا نمونہ یوں ذکر فرمایا ہے: کلکتہ میں افری اسکول قائم کیا گیا اس میں ہر قوم کا وہ بچہ جس کی عمر پانچ سال سے دس سال تک ہوتی داخل ہوسکتا تھا اور ہر طالب علم کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا تھا کہ وہ عیسوی دعاؤں میں شامل ہو اور بائبل کی تعلیم ضرور حاصل کرلے۔

آگے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ہر طالب علم کو یہ قسم کھانی پڑتی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مشنری کے کاموں میں حصّہ لے گا۔ مشن اسکولوں میں لڑکوں کو انجیل پڑھا کر اُن سے سوال کیا جاتا تھا کہ تمھارا خدا کون ہے اور نجات دلانے والا کون ہے؟ عیسائی مذہب کے مطابق جواب دینے والوں کو انعام دیا جاتا تھا۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ انگریزی حکام نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مخصوص مذہبی نشانوں کو مٹانے کی بھی کوشش کی اور ۱۸۰۸ء میں پہلی بار مقام ویلور مدراس میں سرجان کراو رایک کمانڈر ان چیف نے اپنے فوجی قوانین میں تین باتوں کا اضافہ کیا اور حکم دیا کہ ہندوستانی فوجی ماتھے پر تلک نہ لگائیں داڑھیاں منڈائیں اور اپنی ہندوستانی وضع کی ٹوپیوں کو چھوڑ کر انگریزی ہیٹ پہنیں اسی پر بس نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حکام شہر اور افسرانِ فوج اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے، اپنی کوٹھیوں پر بلا کر پادریوں سے مذہب کی تلقین کراتے تھے، اور چھوٹی نوکریوں کے

لیے ضروری قرار دے دیا گیا تھا کہ سرٹیفکیٹ پر ان ڈپٹی انسپکٹروں کے دستخط نہیں ہوتے تھے تو نوکری نہیں ملتی تھی۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ان کے علاوہ کتابیں، پمفلٹ اور اخبارات بھی شائع ہوتے تھے اور ان میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر حسبِ ذیل الزامات عیسائی مشنری علی الاعلان لگاتے تھے:

۱۔ قرآن مجید اصلی نہیں ہے اس میں تحریف وتبدیلی ہوئی ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں کوئی نئی چیز نہیں ہے توریت وزبور سے سرقہ کی گئی ہے اس کے علاوہ اس میں جو کچھ ہے وہ یہودیوں کی (نعوذ باللہ) خرافات ہے۔

۳۔ نبی کی نبوت کے لیے معجزے ضروری ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزے کا ظہور نہیں ہوا اس بناء پر وہ (نعوذ باللہ) نبی نہیں تھے۔

۴۔ کتاب مقدس کے مطالب قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، اس لیے قرآن کتابِ الٰہی نہیں ہے۔

۵۔ اسلام جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔

۶۔ اسلام جہاد (بزورِ شمشیر) کے ذریعہ پھیلا ہے۔

۷۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نہیں آتی تھی بلکہ صرع کی بیماری تھی جس میں (نعوذ باللہ) وہ مبتلا تھے۔

۸۔ حضور اقدس کی ذاتِ اقدس پر شرمناک وناز یبا الزامات وحملے۔

۹۔ ازواجِ مطہراتؓ کی ذات پر ناپاک الزامات۔

عیسائی مشنری سرِ بازار علی الاعلان چیلنج کرتے پھرتے کہ ان الزامات کا جواب دو، جواب دینا تو کجا مسلمان ان ناقابل برداشت الزامات کو سنتا تھا اور خاموش ہو جاتا تھا، پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت آبرو کی خاطر اپنی جان ومال اور آل واولاد کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اس وقت اس کو اپنی جان زیادہ پیاری تھی، اس لیے عیسائی مشنری اُن پر حاوی ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے خاندان کے خاندان عیسائی بننے پر آمادہ ہونے لگے تھے۔(چراغ محمد ص ۳۵)

انگریزں کی اس ساری محنت کے باوجود علماء اسلام کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز اپنے ہدف کو حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ گارساں دتاسی جو کٹر قسم کا عیسائی تھا اپنے خطبوں میں مشنریوں کی کوششوں کو بڑا سراہتا تھا ہندوستان کے مشنریوں کے کارناموں کی فاتحانہ انداز میں لکھتا تھا اور اس کی بڑی خواہش تھی کہ ہندوستان میں عیسائی مذہب پھیلے لیکن اُسی کے قلم نے مشنریوں کی جدوجہد کی ناکامی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

''ہندوستان میں اُن مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے جنھوں نے دین مسیحی قبول کیا

ہو۔'' (حوالہ مذکور)

۱۹۴۷ء میں انگریز نے ہندوستان کو تو خیر باد کہہ دیا لیکن اپنے شیطانی پروگرام کو وہ ترک کہاں کر سکتے تھے انھوں نے دوسری مختلف حکمتِ عملیات اختیار کیں۔اور یہ مکاری اور چالاکی اس کی عادت ہے۔ ہمارے ایک عظیم عالم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی دامت برکاتہم نے بالکل صحیح فرمایا:

''انگریزی حکومت پورے کروفر کے ساتھ پورے برصغیر پر قابض ہوگئی، یہ چال بازودھوکہ باز حکومت تھی،شروع شروع میں ظلم وستم کے پہاڑ توڑے،علماءحق کو پھانسیوں پر لٹکایا،اس کے بعد انھوں نے امن کا لباس پہنا،تمدن کا لباس پہنا، اپنے بھیڑیئے پن کو کوٹ پتلون میں چھپانے کی کوشش کی ،اورایسی تدبیریں شروع کیں جس سے مسلمان اپنے قرار پاک کو بھول جائیں، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول جائیں اپنے دین کو فراموش کرکے ایک غلام قوم کے طور پر اُن کے تابع فرمان ہوجائیں۔'' (ماہنامہ البلاغ اپریل ۲۰۰۷ء)

آگے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو قابو میں لانے اور اُن پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے دینی مدارس کو بے اثر کردینا انگریزوں کی سیاسی ضرورت تھی۔ انھوں نے دینی مدارس پر فوج کشی نہیں کی بلکہ انھوں نے سب سے پہلے سرکاری دفاتر میں انگریزی زبان مسلط کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے لوگ چاہے وہ کتنے ہی اونچے درجے کے تعلیم یافتہ ہوں صرف انگریزی نہ جاننے کی وجہ سے سرکاری اداروں میں جاہل اور اَن پڑھ قرار دیے گئے۔ اسی طرح سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لیے سرکاری اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرانے پر مجبور ہوگئے جہاں ایک اجنبی قوم کی زبان اوراجنبی تہذیب ومعاشرت کی حکمرانی تھی اوراسلامی تعلیمات کا داخلہ ممنوع تھا۔ نیز اسلام کو نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم سے خارج کردیا گیا تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل اپنی اسلامی روایات اوراپنے ماضی سے رشتہ توڑ کر اپنا قبلہ یورپ اور انگلستان کو بنالے اور جسمانی محکومیت کے ساتھ ذہنی غلامی کا طوق اپنے گلوں میں ڈال لے۔ خلاصہ یہ کہ ایک غلام قوم تیار کرنے کے لیے جس تعلیم وتربیت کی ضرورت تھی وہ پوری طرح اس نظام ونصاب تعلیم کے تحت مہیّا کردی گئی۔ اسی صورتحال کے پیشِ نظر مرحوم اکبرالٰہ آبادی نے یہ شعر کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اس میں شک نہیں کہ انگریز برصغیر سے تو چلا گیا لیکن وہ اپنا نظام اس سارے علاقے پر مسلّط کر گیا

اب وہ انسانوں کا قتل عام تلوار سے تو نہیں کرا رہا ہے لیکن نظام تعلیم کے ذریعہ نظریاتی قتل عام میں وہ کسی درجہ کامیاب ہے اہل نظر پر مخفی نہیں، اس چالبازی اور دھوکہ دہی کو وہ حضرات خوب سمجھتے ہیں جن کے پاس فراستِ ایمانی ہے:

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغتِ تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اس جگہ پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے اسلاف یورپ اور مغرب سے آنے والی سائنس اور ٹیکنالوجی کے معاند نہیں اور نہ ہی کسی زبان کے سیکھنے کو غلط سمجھتے ہیں، نہ ہی جدید علم و حکمت کی انھوں نے کبھی مخالفت کی بلکہ انھوں ہمیشہ علم وفن کی قدردانی اور سرپرستی کی بلکہ اس کو ترقی دینے میں کوشاں رہے۔ مخالفت تو اس چیز کی کی گئی کہ ان راستوں سے دھوکہ دے کر مسلمانوں کا رشتہ ان کی روایات سے، تاریخ سے اور ان کے شاندار ماضی سے توڑنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور ان کے ذہنوں میں الحاد اور بے دینی کو داخل کرنے کی مسلسل سعی ہو رہی ہے۔ اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ آپ حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب کی مرتبہ ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' پڑھ ڈالیے۔ ۱۸۵۷ء کے جہاد شاملی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد جس درندگی، بہیمیت، انتقام گیری کا نشانہ علماء اور مسلمانوں کو بنایا گیا کیا آج اس کی تاریخ کابل، گوئٹانامو بے، عراق اور اطرف عالم میں نہیں دہرائی جارہی ہے؟ انگریزوں کے زمانے میں جامع مسجد دہلی اور دیگر مذہبی مقامات پر اسلام کے خلاف ناروا کلمات کہہ کر مختلف الزام تراشیاں کی جا رہی تھیں۔ روحی فداہ سیّد الکوانین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور پاک ذات پر گستاخیوں اور بے حرمتیوں کے اقدامات کیے جارہے تھے۔ کیا آج اسی طرح کا عمل مختلف ملکوں میں اخبارات، پریس اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نہیں دہرایا جارہا ہے؟

اس وقت بھی اور آج بھی جن اکابر واسلاف نے انگریزوں کی ان چالبازیوں اور شیطانی حرکات ادراک کرکے ان کے توڑ کے لیے اور ان کا سدباب کرنے کے لیے پوری زندگیاں صرف کردیں حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنیؒ ان ہی کے جانشین تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں جو جذبہ، ہمّت اور ادراک عطا فرمایا تھا وہ اسی سلسلہ کی وراثت ہے۔ انگریزوں کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوششوں اور محنتوں کا گویا پورا نیٹ ورک ہر وقت آپ کے سامنے رہتا تھا اور جب بھی اس موضوع پر بات شروع کرتے تو دل کے اندر چھپی ہوئی بے چینی، اضطراب اور تڑپ ایک ایک لفظ سے ٹپکتی تھی لیکن اس سلسلہ میں اکابر کے ورثہ میں ملے ہوئے طور طریقوں اور حکمت

عملی کو آپ ہمیشہ سینے سے لگائے رکھتے تھے اپنی ذاتی زندگی سے لے کر بین الاقوامی حدود تک آپ غور سے نظر ڈالیں تو اچھی طرح اس بات کو محسوس کریں گے کہ بین الاقوامی مغربی تہذیب کے اس ماحول میں اسلامی تہذیب وتمدن اور تشخص کو نہ صرف یہ کہ آپ نے اپنے سینے سے لگائے رکھا بلکہ آپ سے کسی بھی نسبت سے وابستہ افراد و اداروں نیز طبقوں اور جماعتوں میں آپ نے ان اثرات کو باقی رکھا اور آگے منتقل کیا۔ اور اس کو ایک مشن کے بطور زندگی بھر پھیلایا۔ اور اس باب میں کسی بھی جگہ پر کسی مصلحت ومصالحت یا مفاہمت کو آپ پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مدنی منزل دیوبند کے ذاتی مکان سے لے کر جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر دہلی تک بلکہ پورے عالم میں کسی بھی نسبت سے پائے جانے والے متعلقین میں آپ واضح اوصاف اسلامی تشخص اور تہذیب و تمدن کو ملاحظہ فرمائیں گے۔ اسی طرح سے جہاں دنیا کے مختلف کونوں میں آپ حضرت مولانا کو بڑے بڑے دارالعلوموں میں ان کی تقویت، اُن کی ترقی اور ان کے تحفظ کے لیے کوشاں پائیں گے وہیں اپنے گھر کے ننھے منّے بچوں کے لیے اپنے ہی صحن میں مستقل طور پر ایک عالیشان مکتب چلانے والا بھی ملاحظہ کریں گے یہ محض اسلامی تعلیم اور تہذیب کی حفاظت اور لگن کا نتیجہ ہے۔ تا کہ اسلامی تہذیب باقی رہے اور مغربی تہذیب کے آنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ سکے۔

اکابر سے ورثہ میں ملی ہوئی فکرمندی کے نتیجے میں حضرت مولانا جب اس موضوع پر بولنا شروع کردیتے تو ایسا لگتا تھا کہ مغربی مشنریوں کا گویا عالمی آپریشن کردیتے۔ لاہور میں آپ کی ہوئی ایک تقریباً کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''آج کل لوگوں کا یہ حال ہے دنیا کا اس قدر غلبہ ہے کہ بنگلہ دیش، جو اصل میں مشرقی بنگال کہلاتا تھا جب پاکستان بنا اُس وقت کی مردم شماری کے اعتبار سے وہاں چھ ہزار عیسائی تھے اور پینتیس سال کے اندر آٹھ دس جماعتیں اسلام کو ختم کرنے کے لیے بن چکی ہیں اور قلب ڈھاکہ میں بہت بڑا کالج کرسچنوں کا بنایا ہوا ہے اسی طرح پورے بنگال میں مختلف مقامات پر چرچ قائم ہوگئے ہیں۔ وہاں پر یعنی بنگلہ دیش میں عیسائیت کے لیے کام کرنے والی سب سے بڑی مشنریوں وہاں کی این جی اوز ہیں۔ آپ کے یہاں پاکستان میں این۔ جی۔ اوز کے بائیس ہزار اسکول ہیں اور نوے ہزار عورتیں این۔ جی۔ اوز کی نوکر ہیں۔ ہسپتالوں میں مفت علاج کے لیے پیسہ فراہم کرکے عیسائیت کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں آگے بڑھ کر نہایت بے چینی کے ساتھ حضراتِ علماء کرام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر آپ لوگوں نے فکر نہیں کیا تو کئی ضلعوں میں محنت کرکے یہ لوگ عیسائی ریاست بنالیں گے۔ اس موقعہ پر آپ نے انتہائی مضطرب ہوکر فرمایا: اسلام رہے گا تو

مدرسے رہیں گے اگر خدانخواستہ اسلام ہی مٹ گیا تو مدرسے کہاں سے آئیں گے کون طالب علم ہوگا اور کس کو پڑھاؤ گے اس لیے پہلے دین کی خدمت کرو، اس کے لیے محنت کرو قربانیاں دو، علماء کو چاہیے کہ وہ باسی روٹی سوکھی روٹی کھا کر پیدل چل کر دین کے لیے مصیبتیں اٹھائیں۔

دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث میں ایک مرتبہ علماء کرام کے ایک بہت بڑے جلسہ کے سامنے عیسائیت کے عالمی جال کے تانے بانے کو سمجھا کر انتہائی دردمندی کے ساتھ فرمایا۔

''آپ حضرات علماء بے شک دین کے کام میں ہمہ تن مشغول ہیں لیکن پھر بھی اتنا کر سکتے ہیں کہ ہفتہ کی چھٹی والا دن یا اُس کا کچھ حصہ اپنے اِرد گرد کے علاقہ کی اس نگرانی پر صرف کر دیں کہ کہیں یہ ارتداد کے فتنے علاقہ میں سرایت نہ کر گئے ہوں اور اگر ایسی صورت حال پیش آئے تو آپ اُس کا تدارک کر سکیں۔''

سری نگر کشمیر میں ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا ''یہودی اور نصرانی موجودہ تورات، زبور اور انجیل کے بارے میں دنیا بھر کی بکواس کرتے ہیں کہ یہ بعینہٖ وہی آسمانی کتابیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی آسمانی کتاب قرآن پاک کے علاوہ بعینہٖ محفوظ نہیں ہے اُن کتابوں میں زبردست تبدیلیاں ہوئی ہیں۔لوگوں نے اپنی خواہشات، مطلب، پیسے اور اغراضِ دنیاوی کے لیے ان کی عبارتوں کو توڑا اور مروڑا۔ اصل چیز گم ہو چکی ہے۔اب یہ لوگ قرآن پاک کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ اسرائیل بیس برسوں سے قرآن پاک کی مبارک آیات میں کمی بیشی اور تغیر وتبدل کی کوشش کر رہا ہے۔ یہودیوں کے خلاف جہاں جہاں قرآن پاک نے باتیں بیان کی ہیں اُن جگہوں کی آیتوں کو مٹانے اور باہر نکالنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔اور اس سلسلے میں اپنے غلام ملکوں کو جتنا دھمکا سکتا ہے دھمکانے اور دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ امریکہ جو کچھ بک رہا ہے وہ غلط بک رہا ہے۔لیکن اللہ کا فضل ہے کہ وہ ایک آیت کیا ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی مٹانے پر قادر نہیں اللہ کا دعویٰ بالکل صحیح ہے انانحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ، اللہ قرآن پاک کی حفاظت کر رہا ہے۔قرآن اللہ کا کلام ہے جب تک دنیا قائم ہے یہاں دین ہے ایمان ہے اور قرآن ہے۔جب قرآن نہیں رہے گا، دین نہیں رہے گا، اللہ کا نام نہیں رہے گا تو دنیا بھی نہیں رہے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

حضرت مولانا ایسے موقعہ پر بہت جذباتی ہو جاتے۔ حاضرین کو جھنجھوڑتے ایسے ہی ایک موقعہ پر فرمایا کہ عیسائی نہایت تدبیروں کے ساتھ Slow Poisioning کے ذریعہ ہر لڑکے لڑکی کا مزاج مرتد اور عیسائیت میں رنگا ہوا بنا رہے ہیں۔ اور یہی مقصد ہے ان این۔ جی۔ اوز کی

کوششوں کا۔ کہ اگر عیسائی نہ بھی بنے کم از کم یہ مسلمان مسلمان بھی نہ رہے یا اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوجائیں، شرابی ہوں، جواری ہوں، زانی ہوں اور اسلام سے متنفر ہوں۔ اس طرح کی نسل ہر جگہ بن رہی ہے۔ ایسے نوجوان جو اسلام، نماز، حرام، حلال، آخرت وغیرہ کچھ نہیں جانتے ان میں کام کرنے کے لیے نوجوان لڑکیوں کو بھیجا جاتا ہے اور اس طرح سے عیسائیت پھیلائی جاتی ہے مسلمانوں کو پتہ بھی نہیں ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا ان چیزوں کے تدارک کے لیے علماء کو خصوصاً مدارس کے خالی اوقات میں مدارس کی حدود سے باہر نکل کر حالات کا جائزہ لینے کی ترغیب دیتے اور مکاتب و مدارس کے قیام کی طرف توجہ دلاتے۔ بلکہ ایک یتیم خانہ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ دنیا والے یتیم خانے اس لیے چلاتے ہیں کہ یتیموں کی خبر گیری ہو، مسکینوں کی کفالت ہو۔ لیکن ہمارے یہاں یتیم خانوں کا قیام بچوں کی صرف پرورش کے لیے نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ہدف ارتدادی محنتوں کا شکار ہونے سے ان معصوموں کو بچانا ہے جن کی مجبویوں کا فائدہ اُٹھا کر باطل کی محنت کرنے والے ان بے سہاروں کے دین کے درپے ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا یہ کام ان بچوں کی صرف ظاہری کفالت کا ہی نہیں بلکہ ان کے دین کی حفاظت کا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی زیر نگرانی منعقد ہوئی میٹنگوں، مشوروں اور سیمناروں میں عصری تعلیم کے قیام کی بات ہو یا ٹیکنکل صنعتی یا سائنسی اداروں کے قیام کا مسئلہ ہو ان سبھی چیزوں میں یہی جذبہ کارفرما ہوتا تھا کہ مسلمان نوجوان ان اداروں کے ذریعہ اسلامی ماحول، دینی تشخص اور صحیح عقیدے کے ساتھ رہیں دوسرے ماحولوں اور تہذیبوں کا شکار ہونے سے بچ جائے۔ کیونکہ جمعیۃ علماء کی نسبت سے حضرت مولانا کا واسطہ پورے عالم میں کام کرنے والے علماء حق اور فرزندان دیوبند کے ساتھ بہت زیادہ اور قریبی رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے عالمی صورتحال ان کے سامنے رہتی تھی۔

حضرت مولانا میں عیسائیوں کی طرف سے کی گئی زیادتیوں کی مثالیں اور واقعات بھی بیان کیا کرتے تھے اور ان کی مکاریوں اور چالاکیوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے ایک تقریر میں حضرت والا اسی موضوع پر بات کر رہے تھے اور ایسے مسلمان کا واقعہ سنا رہے تھے کہ جس نے غربت کی وجہ سے کسی مشنری سے پیسہ لیا تھا اور بعد میں توبہ کی تھی جس کی اطلاع مشنری تک پہنچنے کے بعد انھوں نے اس مسلمان پر شرط عائد کردی تھی کہ وہ العیاذ باللہ قرآن پاک کی بے حرمتی کرے۔ اس واقعہ کو نہایت دردمندی کے ساتھ سنا کر فرمایا۔

یہ جو آج میٹھی بات کرتے ہیں ''کرسچن لوگ'' یہ ہے ان کی حقیقت آج تم ان کے ساتھ

معاملہ صحیح نہ کرو تو بوسنیا بنے گا، کوسوو بنے گا اور تمھارے میں ہی سے تیار کیے ہوئے لوگ پیٹ میں چھرا مار دیں گے۔ انڈونیشیا کے مسلمانوں کے گوشت کا کباب بنا بنا کر پکایا ہے۔ دنیا میں دیکھو تو ہو کیا رہا ہے؟ حضرت مولانا کی یہ تقریر مسلمان ملک میں ہو رہی تھی اس لیے انتہائی بے چینی کے ساتھ فرمایا ''میں نہیں کہتا کہ جھگڑا کرو لیکن کم سے کم ان اپنے بچوں کو دین کی تعلیم تو دو۔ سمجھاؤ تو صحیح، نماز با جماعت قائم کرو، حرام وحلال کا تو پتہ ہو، کوئی نظام بناؤ، زکوٰۃ صدقات خیرات خرچ کرتے ہی ہو ان کے لیے بھی خرچ کرو ان غریبوں کو تم زکوٰۃ نہیں دوگے تو یہ کرسچنوں کے پاس ہی جائیں گے۔ حضرت مولانا کا یہ انداز اسی حمیت دینی کا نتیجہ تھا جو آپ کو اپنے اکابر خصوصاً والد مکرم مجاہد کبیر شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے ورثہ میں ملا تھا، دارالعلوم دیوبند میں ردعیسائیت کمیٹی کا قیام آپ کے اسی جذبہ اور ادراک کا نتیجہ ہے جس نے علمی سطح پر پھر سے عیسائیت کا تعاقب کرنے کا فریضہ سنبھال لیا ہے۔ یہ ساری سرگذشت اسی ہستی کی ہے جنھوں نے اپنی زندگی کا طویل عرصہ ملّی اور سیاسی میدان میں ملّت اسلامیہ اور ملک و وطن کی خدمت انجام دینے میں صرف کیا یا اپنے والد گرامی کے سلسلہ روحانی کو آگے بڑھانے میں صرف کرنا اپنا فریضہ تصور کیا۔ ان سارے میدانوں میں خدمت انجام دینے کی وجہ سے وہ عالمی تناظر میں اس تہذیبی ٹکراؤ کو اپنی مؤمنانہ فراست سے محسوس کر رہے تھے جو دنیا کو عنقریب اپنی لپیٹ میں لینے والا تھا۔ اور اس اندیشہ سے وہ اپنے متعلقین کو اچھی طرح واقف کراتے تھے۔ اسی محنت کا ثمرہ ہے کہ حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم نے حالی ہی میں ایک عالمی شان کانفرنس میں برمحل یہ حقیقت واشگاف کی کہ ہمارے اسلاف کے نصاب تعلیم اور نظام تربیت (جس کو ہم بالفاظ دیگر مدارس اور تبلیغ سے تعبیر کر سکتے ہیں) کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے نہ صرف برصغیر بلکہ یورپ و افریقہ، امریکہ و برطانیہ میں ہم اپنے صحیح اور مکمل اسلامی تشخص کے ساتھ موجود ہیں اور اس پر ہم کو فخر ہے۔ باطل ایٹم بم کے سوا اپنے تمام بموں کو اس تشخص کو مٹانے کے لیے استعمال کر چکا لیکن کامیاب نہیں ہوا۔

حضرت فدائے ملت بین الاقوامی سطح پر برسنے والے ان بموں کی گھن گرج کو دیکھ رہے تھے ان خطرناک بموں کے قدم بقدم چلنے والی انسانی حقوق کی ملمع سازی میں چھپے ہوئے زہر کو تاڑ رہے تھے اور تعلیم و ترقی میں اصلاح کے نام پر پھیلائی جانے والی سازشوں کے جال کی زہر کی سنگینی سے واقف تھے اور اگر ہم جمعیۃ علماء کے اس تاریخی سیمینار میں جو حضرت مولانا کی یاد میں منعقد ہو رہا ہے میں، یہ دعویٰ کریں تو بیجا نہ ہوگا کہ حضرت مولانا نے اپنے اسلاف کے اس جذبہ حمیت و

عزیمت واستقامت کو اپنے اسلاف سے حاصل کرکے اپنے اخلاف میں کماحقہٗ منتقل کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے جس کا مظاہرہ اس تاریخی موقعہ پر ہوا جب حضرت مولانا کو اس دنیا سے رخصت ہوئے ایک ماہ کا عرصہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اور وقت کا نمرود مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کے الفاظ کا بالا رادہ یا غیرارادہ یا غیرارادی طور پر اظہار کرنے کے بعد دنیائے اسلام میں نصرانی اور یہودی چالوں کا جال پھیلاتے ہوئے جب اس ملک میں وارد ہوا، تو حضرت مولانا کے جانشینوں نے اسی فراست ایمانی، فہم وادراک عرفانی اور جذبہ روحانی اور نورانی کے نتیجے میں ایمان والے انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی موجودگی میں اس دہلی کے عریض وطویل میدان میں اس ظالم و جابر کی آنکھوں میں آنکھیں ملا کر دنیا کو اقبال کے الفاظ میں بتلا دیا کہ:

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحان ہمارا

اور دارالعلوم دیوبند کے ترانہ میں مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری نے اسی راہ عزیمت و استقامت کی منظر کشی یہ کہہ کر کی ہے:

ہے عزم حسین احمد سے بپا ہنگامہ گیر و دار یہاں
شاخوں کی لچک بن جاتی ہے باطل کے لیے تلوار یہاں

مناسب ہے کہ اپنی بات کو ختم کرنے سے پہلے اس امر کی وضاحت کردی جائے کہ ہمارے اسلاف و اکابر نے اشاعت دین اور حفاظت دین کے فریضہ کو انجام دینے میں حدود شریعت کی ہمیشہ رعایت کی یہ حضرات حب فی اللہ اور بغض فی اللہ والے حکم پر عمل کرنے والوں کی حقیقی تصویر تھے۔ افراط وتفریط سے کوسوں دور اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں مکمل طور پر پابند۔ یہ جو کچھ ان کے اقدامات ہیں۔ جس حال میں بھی ہیں اس حال میں بھی اللہ کے دوسرے احکام سے تغافل برتنے کا تصور بھی نہیں کرتے، اس سلسلے کے ایک واقعہ پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں یہ واقعہ یہاں پر حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے جس کو حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دیوبند نے اپنی مجلس میں بارہا بیان فرمایا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمہ نے بھی ذکر فرمایا۔ اور وہ یہ ہے کہ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ایک مرتبہ ٹرین میں فرسٹ کلاس میں سفر کررہے تھے ایک غیر مسلم بہادر بھی اس ڈبہ میں سوار تھے۔ وہ قضاء حاجت کے لیے پائخانہ میں گئے اور فوراً واپس آ گئے۔ حضرت شیخ نے بھانپ لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خاموشی سے اُٹھے پائخانہ

میں گئے وہ نہایت ہی گندہ ہورہا تھا اس کو صاف کیا پھر واپس تشریف لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد صاحب بہادر سے دریافت فرمایا کہ آپ پائخانہ سے کیوں واپس آگئے تھے؟ صاحب بہادر نے جواب دیا کہ وہ بہت گندہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تو صاف ہے جاکر ملاحظہ فرمایئے، صاحب بہادر گئے۔ اور واقعی صاف دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہی صاحب ہیں کہ جن کا یہ کارنامہ ہے۔ اوراس کا اثر ان پر جو ہونا تھا ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے حق میں یہ اشعار واقعۃ برمحل نقل فرمائے ہیں:

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انھی کے ارتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انھیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انھیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
اولئک اٰبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

واٰخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین. والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

○○

❑ پروفیسر محمد عبدالحئی فاروقی
سابق ریڈر جامعہ ہمدرد، دہلی

امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اور ان کے تعلیمی افکار وخیالات

کسی قوم کی ترقی اور تنزلی کو ناپنے کا عالمی پیمانہ اس کی آبادی کے تناسب میں تعلیم کی کمی و بیشی ہی ہے۔ اگر آبادی کے تناسب میں کسی قوم کا تعلیمی معیار بلند ہے تو وہ ترقی یافتہ کہلائے گی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو اس کا نتیجہ بھی برعکس ہی ہوگا۔ تعلیمی اعتبار سے معیار کے بلند و پست ہونے کا یہ معاملہ ہر ملک کا عمومی معاملہ ہے، اس کی طرف دنیا کے ہر ملک کے مفکر اور دانشور اپنے گرد وپیش کے حالات اور ضروریات کے پیشِ نظر غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور اِسے قابو میں رکھنے کے لیے اپنی اپنی تدابیر بھی اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ۱۸۵۷ء تک تو اس کا کوئی ایسا اہم مسئلہ نہ تھا، اُس وقت کی ہماری درسگاہیں ایسے ہی افراد پیدا کرتی تھیں جن کی اُس وقت کے نظام میں ضرورت ہوا کرتی تھی، انھیں درسگاہوں سے ایک طرف عظیم دانشور، مفکر، علماء حفاظ اور قراء دستیاب ہوتے تھے تو دوسری طرف ملک کی انتظامیہ اور عدلیہ کے لیے اہل وماہر تربیت یافتہ ذمہ دار کارکن اور حدود سلطنت میں اندرونی و بیرونی سرحدوں کی حفاظت کے لیے انھی درسگاہوں سے محافظین کے دستے بھی فراہم ہوتے تھے۔ اِن مسائل نے تو اُس وقت سے سر اُٹھایا جب انگریزوں نے سب سے پہلے ہماری درسگاہوں پر شب خون مارا جس کی وجہ سے ہمارا قدیم تعلیمی نظام چرمرا کر رہ گیا۔ ہندوستان میں ہمارے تعلیمی نظام کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے کا عمل یہیں سے شروع ہوا ہے یعنی تعلیم کی ایک قسم وہ ہوئی جو دینی تعلیم کہلاتی ہے جسے آج کے مکاتب اور مدارس انجام دے رہے ہیں اور دوسری قسم وہ ہوئی جو عصری تعلیم کہلاتی ہے جس کو آج اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں مہیّا کراتی ہیں۔ اس طرح سے تعلیم کے دو قسموں میں بٹ جانے کی وجہ سے ہماری فکری وذہنی توانائی بھی دو حصوں میں بٹ گئی جبکہ یہ دونوں ہی قسمیں ایک صالح معاشرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی لیے ہمارے یہاں ایک ایسا تعلیمی خلاء پیدا ہوگیا

جس کو ابھی تک پُر نہیں کیا جا سکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے عصری تعلیم میں مہارت حاصل کر لی تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ دینی تعلیم سے تہی دامن رہ گیا اور جس نے دینی تعلیم میں تکمیل کر لی تو وہ عصری علوم سے عموماً تہی دست رہ گیا۔

امیر الہند فدائے ملّت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ (اپریل ۱۹۲۸ء- فروری ۲۰۰۶ء) مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کے سلسلہ میں ہمیشہ متفکر رہا کرتے تھے اور اس مسئلہ پر غور وفکر کیا کرتے تھے۔ ان کی نظر میں آزادِ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ، خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی، بہت اہمیت کا حامل تھا چنانچہ ایک موقع پر وہ نفس تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

اسلام نے تعلیم پر جس قدر توجہ دی ہے دنیا کے کسی اور مذہب میں اس کی مثال نظر نہیں آتی ہے۔ ذرا خیال تو کیجیے کہ جس مقدس اور پاک ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں اور جس کی امت میں ہونے پر ہمیں بجا طور پر فخر ہے اس پر وحی کا آغاز اِن آیات سے ہوا۔ **اِقرا باسم ربک الذی خلق. خلق الانسان من علق. اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم** (سورۃ العلق:۱تا۵) یعنی پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے تعلیم دی، سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔

> ’’گویا علم اسلام کو نقطۂ آغاز ہے اور تعلیم وانسان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خود خدائے علیم وخبیر نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی تھی کہ مجھ سے علم کی زیادتی کو مانگئے **قل رب زدنی علماً**، پھر کتاب وسنت کی تعلیم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ نبوت میں شامل کیا گیا۔ **بعثت معلماً** سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسی ذمہ داری کو بیان فرمایا ہے۔ اس طرح اِن سب باتوں سے علم کی اہمیت وضرورت کا پتہ چلتا ہے۔‘‘

آگے چل کر دینی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ’’اسلام مذہبی تعلیم کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیتا ہے، **طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلمٍ** یعنی علم دین کا طلب کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے، جن اسلامی احکامات پر عمل کرنا فرض عین ہے اُسی طرح ان کا علم حاصل کرنا اور اپنے اہل وعیال کو سکھلانا بھی فرض ہے۔ جس طرح ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تقویٰ اور پاکیزگی کے ساتھ مضبوطی سے اسلام پر قائم رہے اسی طرح ہر مسلمان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے

اہل وعیال میں بھی یہ استعداد اور صلاحیت پیدا کرے کہ وہ بھی اسی طرح اسلامی اعمال و اخلاق کے خوگر بنیں اور ان کا قدم بھی صراط مستقیم پر جمارہے۔'' (خطبۂ صدارت اجلاسِ عام بمبئی ، جمعیۃ علماء ہند ۲۷ تا ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۹۵ء، ص ۵۹۶ تا ۵۹۷)

ایک موقع پر تعلیم کی اہمیت پر آپ نے اپنے خیالات اِن الفاظ میں ظاہر کیے تھے: تعلیم کسی قوم کی تعمیر وترقی اور فلاح و بہبودی کی بنیاد ہوتی ہے، تعلیم کے بغیر کوئی قوم مہذب وتمدن نہیں ہوسکتی اور نہ ہی زندگی کے کسی میدان میں وہ باعزت مقام حاصل کرسکتی ہے۔ جاہل آدمی نہ اپنا ہوتا ہے اور نہ دوسروں کا، نہ دنیا کا ہوتا ہے نہ آخرت کا، اس لیے ہر قیمت پر جہالت کو دور کرنا اور علم کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہونا نہایت ضروری ہے۔

تعلیم کی دو قسمیں ہیں ایک دینی اور دوسری دنیاوی، دینی تعلیم مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت دونوں کے لیے اہمیت کی حامل ہے۔ دینی تعلیم میں ابتدائی تعلیم ، تعلیم بالغان اور اعلیٰ تعلیم یعنی تفقہ فی الدین تینوں کا اہتمام حسبِ ضرورت وموقع ضروری ہے اور دنیاوی تعلیم میں پرائمری تعلیم، سکنڈری تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے کالجوں اور اداروں کا ضرورت اور صلاحیت کے لحاظ سے انتظام کرنا چاہیے۔ (حوالہ سابقہ ۵۳۵)

ایک جگہ آپ نے مکرر فرمایا:

میں دینی ومذہبی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کے حق میں بھی ہوں۔ اسلامی معاشرے میں جس طرح ایک اعلیٰ عالمِ دین اور دین کے مسائل بتانے والے مفتی کی ضرورت ہے ٹھیک اسی طرح ڈاکٹر، انجینئر اور سائنسدانوں کی بھی ضرورت ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہمارے بزرگوں کی دلچسپی و وابستگی اسی ضرورت کا ثبوت ہے۔ میں اپنے طور پر پوری شدّت سے محسوس کرتا ہوں کہ دینی تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ ٹیکنیکل اور سائنس کے اداروں کو بھی قائم کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ پیشہ وارانہ تعلیم اور آئی ٹی آئی وغیرہ کا بھی انتظام ہو۔ (ایضاً ۶۹۰)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امیر الہند علیہ الرحمۃ والغفر ان کا یہی دلی جذبہ تھا کہ ہر مسلمان مرد وعورت کا شخصی وذاتی فریضہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ایسی تعلیم وتربیت دے جو اخروی نجات کا ذریعہ بن سکے اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی اس شرعی و مذہبی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کو بھی اس فرض کو یاددلا کر آمادۂ عمل کر ے۔ آپ یہ محسوس کرتے تھے کہ آج کے اسکولوں وکالجوں میں ہی نہیں بلکہ سرکاری ذرائع ابلاغ کے ذریعہ بھی قومی تہذیب وثقافت اور قدیم کلچر کے عنوان سے ایک خاص طبقہ کے مذہبی رسوم وروایات کی اس

بڑے پیمانے پر تشہیروترویج کی جارہی ہے کہ اگر ہم نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا معقول انتظام نہیں کیا تو اس کا قوی اندیشہ ہے کہ ہماری نسل اپنے دین ومذہب، عقائد واعمال اور تہذیب وروایات سے ناآشنا ہونے کی بنا پر دوسروں کے رسوم ورواج کی دلدادہ ہوجائے۔ یہ ایک ایسا عمومی خطرہ ہے کہ جس سے ملّتِ مسلمہ آج دوچار ہے، اس لیے حالات کی ناموافقت، ماحول کی نامساعدت اور مخالف طاقتوں کی پیدا کردہ مشکلات کے باوجود اپنے اور اپنی اگلی نسلوں کے مذہبی کردار کے تحفّظ وبقا کے لیے ہمیں خود مذہبی تعلیم کی کفایت اور ذمّہ داری قبول کرنی ہوگی۔ اس سلسلہ میں ہماری معمولی سے معمولی جدوجہد بھی ہماری دنیاوآخرت کی خوشحالی اور اجرعظیم کا ذریعہ بنے گی۔ آپ نے اپنے ان خیالات کی تائید میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی پیش کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی علم دین کی طلب کے لیے کوئی راہ وسبب اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کی راہ آسان کردے گا اور جو جماعت بھی کسی مسجد ومدرسہ میں کتاب الٰہی کی تعلیم وتلاوت کے لیے اکٹھا ہوگی تو اس پر سکون ودلجمعی کے روحانی اثرات کا نزول ہوگا، رحمتِ خداوندی اسے اپنے دامن میں ڈھانپ لیتی ہے اور رحمت کے فرشتے انھیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ (حوالہ سابقہ ۵۹۸)

ضروری دینی تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد وطنِ عزیز میں جب حالات کچھ معمول پر آئے تو جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ہر اجلاس میں اس مسئلہ پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور وخوض کیا، کانفرنسیں بلائیں، دینی تعلیمی کنونشن طلب کیے، تجاویز پاس کیں اور تمام مکاتب فکر کے اصحاب الرائے علماء وفضلاء اور دانشوروں کو اس موضوع پر غور وخوض کرنے کے لیے مدعو کیا جس کے نتیجہ میں امتِ مسلمہ بڑی حد تک ابتدائی دینی تعلیم کی جانب متوجہ ہوئی اور پھر گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ میں دینی تعلیم کے مکاتب کھل گئے۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم پر حضرت امیر الہند علیہ الرحمہ کے آنے کے بعد سے اس طرح کے دینی مکاتب کے قیام میں بے حد اضافہ ہوا اور پھر ان کی مالی اعانت کی راہیں بھی بہ کثرت ہموار ہوئیں۔

حضرت امیر الہند کی دوررس نگاہوں میں زمانے کی برق رفتاری، رات دن اپنے چاروں طرف کے ماحول میں واقع ہونے والے سائنسی اکتشافات وایجادات کے فروغ اور تعلیمی دنیا میں نت نئے علوم وفنون کی دریافت کی بھی بڑی قدر وقیمت تھی کیونکہ انھی چیزوں نے قدیم طرزِ تعلیم کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا، اِسی لیے وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ایک متعینہ معیار تک بنیادی دینی تعلیم دلانے کے بعد ہمیں اپنے بچوں کو عصری تعلیم بھی دلانے کا بندوبست کرنا چاہیے تا کہ وہ اپنے دینی

تشخص اور تحفظ کے ساتھ اپنے دوسرے ہم وطنوں کے شانہ بشانہ چل کر اپنے ملک و وطن کی حالاتِ حاضرہ کے مطابق ایک ذمہ دار شہری کی طرح خدمت کر سکیں، اس نقطۂ نظر سے بھی حضرت ممدوحؒ نے اپنے نظریات ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے ایک خطبۂ صدارت میں فرماتے ہیں:

''اسلام کوئی ایسا مذہب نہیں ہے کہ جو محض الٰہیات و مذہبیات تک ہی محدود ہو بلکہ وہ ایک جامع و منظّم دین اور ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ اس کی تعلیمات و ہدایات کا سورج انسانی معاشرے کے ہر شعبے اور ہر حصّے پر اپنی روشنی بکھیرتا ہے۔ اس کے دائرۂ علم سے کون ومکاں کا کوئی موضوع باہر نہیں ہے۔ وہ جس طرح نماز، روزہ، حج اور زکوۃ جیسے فرائض پر خدا کی رضا اور جنت کی رفاقتِ انبیاء کی خوشخبری بھی دیتا ہے، وعدہ کے سچے صنعت کار کو اللہ کا محبوب بھی گردانتا ہے اور اولاد کی صحیح پرورش پر رضائے الٰہی کی بارش بھی برساتا ہے۔ اس کی دینیات صرف عقائد و عبادات ہی میں محدود نہیں بلکہ نماز، روزہ اور پاکی و ناپاکی وغیرہ کے دینی احکامات کے ساتھ ساتھ اس میں بعض اوقات اس سے بھی زیادہ حقوق العباد، حقوقِ اعزہ و اقارب، اکلِ حلال اور تجارتی و صنعتی و معاملات میں عمدہ کردار وغیرہ کے آداب بھی اسی اسلامی دینیات میں شامل ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں جس طرح ایک عالم، مفتی، محدث اور مفسر کی ضرورت ہوتی ہے اُسی طرح ایک دیندار کاشتکار، تاجر، صنعت کار، ڈاکٹر اور انجینئر وغیرہ کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اس لیے ہماری تعلیم کا دائرہ وسیع ہونا چاہیے تا کہ ایک دیندار مسلمان رونقِ مسجد ہی نہیں بلکہ بزم دنیا میں بھی صداقت و حق پرستی کا مینار اور دنیائے انسانیت کی نمائش گاہ میں شہداء اللہ فی الارض کا بھی سچا مصداق بن سکے۔ حکماء اسلام نے ہر دور میں تعلیم و تربیت کی اہمیت و افادیت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ دُنیوی تعلیم کی بھی ہمّت افزائی کی ہے۔ آج کے ملکی حالات نے اس ضرورت میں مزید قوت و شدت پیدا کر دی ہے کہ اسلامی درسگاہوں کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے ادارے بھی قائم کیے جائیں، پرائمری تعلیم، سکنڈری تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے کالجوں اور اداروں کی بھی اپنی ضرورت اور صلاحیت کے لحاظ سے انتظام کرنا چاہیے بالخصوص میڈیکل، کمرشیل، ٹیکنیکل، انجینئرنگ، سائنسی مضامین اور علم قانون پڑھانے کے اداروں کی جانب بھی پوری توجہ دینے کی

ضرورت ہے۔ محض آرٹس کے اسکول کھول کر ملّت کو سہولت پسند اور بیکار نہیں بنانا چاہیے اور کوشش کی جانا چاہیے کہ ہماری تعلیمی کارکردگی نہ صرف بہتر رہے بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں ایک امتیازی حیثیت کی بھی حامل ہو، اس سے خود ہمارے اندر اعتماد وحوصلہ پیدا ہوگا اور دوسرے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ اپنے بچوں کو سخت محنت کا عادی بنایا جائے انھیں کاہل، سست اور آوارہ نہ بننے دیا جائے۔ اِن کالجوں کے نصاب میں ایک سبق خواہ وہ چالیس منٹ کا ہی کیوں نہ ہو اسلامی عقائد واعمال، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تاریخ اسلام کا بھی ضرور رکھنا چاہیے۔'' (حوالہ سابقہ ۶۰۲-۶۰۱)

اپنی مذکورہ بالا رائے کو مزید مستند کرنے کے لیے حضرت ممدوحؒ نے اپنے بعض اکابر کی آراء کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً آپ نے فرمایا:

''جمعیۃ علماء ہند کے اوّلین میر کارواں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ نے کوشش کرکے علی گڑھ مسلم یونیورس سے تعلیمی رابطہ قائم فرمایا تھا، پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی بنیاد بھی اسی جذبۂ خیر کے ساتھ رکھی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے بھی اپنی بعض کتابوں میں دینی ودنیوی علوم کا مقصد ایک قرار دیتے ہوئے دونوں پر یکساں زور دیا ہے۔ غرض یہ کہ اُن علوم کی تحصیل جو مسلمانوں کے دینی ودنیوی فوائد کے لیے لازمی ہیں انھیں حاصل کرنا امتِ مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہے۔'' (ایضاً ۶۰۲)

حضرت امیر الہندؒ کی نظر ثاقب مسلمانوں کی تعلیمی مسائل میں کتنی دُور تک پہنچتی تھی اس کا اندازہ ان کی چند انتہائی مفید اور دُور رس تجاویز سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱) ایسے مرکزی مقامات پر جہاں قومی سرکاری کالج اور یونیورسٹیاں ہوں وہاں اقامتی ہوسٹل تعمیر کیے جائیں اور اِن کالجوں و یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے (مسلم) بچوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ اِدھر اُدھر قیام کرنے کے بجائے اِن ہوسٹلوں میں رہیں جہاں نماز باجماعت کا انتظام ہو اور قرآن کی تفسیر کے علاوہ طلبہ کو فقہی مسائل، اسلامی عقائد واعمال اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلّق مضامین بھی بذریعہ لکچر ذہن نشین کرائے جائیں، اسی کے ساتھ اِن ہوسٹلوں میں کوچنگ کلاسوں کے لیے پارٹ ٹائم اساتذہ کا بھی انتظام کیا جائے تاکہ ان کی تعلیمی استعداد میں اضافہ ہو۔

(۲) نوجوان جو کسی بھی قوم کا بہترین اثاثہ اور مستقبل کا سرمایہ ہوتے ہیں انھیں سیاسی ونیم سیاسی اغراض کے تحت ان کے جوش وجذبات اور صلاحیتوں کا استحصال کر کے انھیں تخریب کاری کی غلط راہوں پر لگانے کے خطرناک نتائج اب سامنے آرہے ہیں۔ لہٰذا جمعیۃ علماء ہند نے اپنے دستور اساسی میں نوجوانوں کی توانائی اوران کی ذہنی وجسمانی قوت کو برقرار رکھنے، ان میں دین وملّت، باشندگانِ ملک اور مخلوق خدا کی خدمت کا مزاج پیدا کرنے اوران کونظم وڈسپلن کا عادی بنانے کے لیے اسکاؤٹ کے طریقہ پر ان کی خاص تربیت کا پروگرام شامل کیا ہے۔ اسکاؤٹ ملک کا اچھا شہری مانا جاتا ہے، سرکاری ملازمتوں اور دیگر اہم خدمات میں اسے ترجیح دی جاتی ہے اور ہنگامی حالات میں وہ ایک بہترین خدمت گار ثابت ہوتا ہے۔ بھارتی اسکاؤٹ برادری کی شمولیت ایک فیصد سے بھی کم ہے، اس کی بنیادی وجہ ہائیر سکنڈری اور کالج کی سطح پر مسلم طلباء کا فقدان ہے اس لیے اجلاس عام اقلیتی تعلیمی اداروں اور خصوصاً مدارس اسلامیہ سے اپیل کرتا ہے کہ وہ بلا تاخیر نوجوان طلبہ کے لیے جگہ جگہ اسکاؤٹ تربیتی کیمپ کا نظم کریں۔ اس طرح سے اقلیتی نوجوانوں کی توانائیوں میں مزید بڑھاوا دے کرانھیں باعزت روزگار فراہم کیا جاسکتا ہے اور انھیں کسی اجتماعی مصیبت اور ہنگامی ضرورتوں کے مواقع پر کام میں لگا کر فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۳) حضرت امیر الہندؒ مسلم لڑکیوں کی تعلیم کے مخالف نہیں تھے مگر اس کے لیے شرط یہ تھی کہ پردے کے نظام پر سختی سے عمل کیا جائے، پڑھانے والی ٹیچرس بھی پردہ دار اور دیندار ہوں، راستے بھی لڑکیوں کے لیے محفوظ اور مامون ہوں اور انھیں اسکول لانے اور لے جانے کا نظم بھی قابلِ بھروسہ ہو۔ اسلام دشمن تحریک کے علمبرداروں نے جدید تعلیمی اداروں میں لڑکے اور لڑکیوں کے لیے مخلوط تعلیمی نظام کو رائج کیا تھا، ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ مخلوط نظام تعلیم کے بجائے لڑکے لڑکیوں کے لیے تعلیم کا الگ الگ نظام ہونا چاہیے۔ اگر لڑکیوں کو تعلیم دینی ہے تو ان کے لیے ایسے تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں جن میں مذکورہ بالا تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ ایسے زنانہ اسکول خود اپنے طور پر قائم کیے جائیں جن کا ماحول خالص اسلامی ہو۔ جنوبی ہند اور بعض دوسرے مقامات پر اس کے کامیاب تجربے ہوئے ہیں۔ ان اقدامات سے بچیوں میں تعلیم اور دینداری دونوں خوبیاں بیک وقت پیدا ہوسکتی ہیں۔ (حوالہ سابقہ ۶۹)

اس طرح سے لڑکیوں کے لیے ایک نہایت بہترین اسکول دیوبند میں مولانا سیّد اسجد مدنی صاحب نے قائم کیا ہے جو حضرت امیر الہندؒ کے تعلیمی تصورات کے عین مطابق ہے جس کا نام الجامعۃ الاسلامیہ للبنات ہے جس میں نرسری سے آٹھویں جماعت تک کی تعلیم کا بندوبست رکھا گیا

ہے لیکن فی الوقت درجہ پانچ تک یہ اسکول ابھی پہنچا ہے جس میں تقریباً ۲۰۰ طالبات پڑھ رہی ہیں، اس اسکول میں خالص دینی ماحول میں باپردہ ٹرینڈ خواتین ٹیچرس کے ذریعہ تعلیم دی جارہی ہے۔ اسکول کی اپنی پُرشکوہ عمارت ہے جس میں کشادہ کلاس روم، بہترین لائبریری، بچیوں کے لیے میوزیم اور کھیل کود وتفریح کے ساز وسامان بھی ہیں۔ بچیوں کو گھروں سے لانے اور لے جانے کے لیے اسکول کی اپنی گاڑیاں ہیں۔ اس اسکول کو ایک ماڈل اسکول کی حیثیت سے نظر میں رکھ کر اگر دوسرے شہروں میں بھی ایسے ہی اسکول قائم کیے جائیں تو یقیناً تعلیم کے میدان میں ایک خوش آئند انقلابی تبدیلیاں محسوس ہوں گی۔

(۴) حضرت امیر الہندؒ دینی تعلیم کے لیے جہاں گوشے گوشے میں دینی مدارس ومکاتب قائم کرانے میں مصروف تھے وہیں وہ اُن مکاتب میں پرائمری درجات تک کی عصری تعلیم بھی بچوں کو دلانا ضروری سمجھتے تھے اور مکاتب کے ذمہ داروں کو انھیں قائم کرانے کی تاکید فرمایا کرتے تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے بچوں کو جہاں بنیادی دینی تعلیم دی جائے وہیں ساتھ ہی ساتھ پرائمری درجات تک کی عصری تعلیم بھی انھیں ملے تاکہ مدرسوں میں رہتے ہوئے وہ عصری تعلیم سے بے بہرہ نہ رہیں اور آگے چل کر اگر انھیں عصری ہی تعلیم کی راہ پر جانا ہے تو انھیں کسی ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے، اسی طرح خالص عصری تعلیم کے اداروں میں بھی کم از کم بنیادی دینی تعلیم کا بندوبست بھی ضروری خیال کرتے تھے مگر یہ اسکیم مسلمانوں کے زیرِ انتظام اسکولوں میں ہی فی الحال ممکن ہوسکتی ہے اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے مزید غور وفکر اور طریقۂ کار کو متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

(۵) مسلمانوں کے تعلیمی معاملات میں ان کا ذہن بہت کھلا ہوا تھا، وہ اس سلسلہ میں ہر نئی تکنیک کو تعلیمی معاملات میں قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے تھے، اس کی نمایاں مثال یہ ہے کہ کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد علوم وفنون کی روز مرہ ترقی اور حکومت کی موجودہ آزاد معیشت کی پالیسی نے جب تعلیمی واقتصادی شاہراہیں کھول دیں تو سب سے پہلے آپ ہی نے دارالعلوم دیوبند میں کمپیوٹر کا شعبہ اپنی جدوجہد سے کھلوایا تھا اور طلبہ کو اسے سیکھنے اور استعمال میں لانے کے لیے ترغیب دلائی تھی چنانچہ اس کام کے لیے مولانا عبدالسلام صاحب قاسمی کو خاص طور سے سعودی عرب سے بلاکر یہاں اس شعبہ میں متعین کرایا تھا اور آج بھی وہیں اس شعبہ کے ذمہ دار ہیں۔
مزید براں حضرت امیر الہندؒ ہی کے ایماء پر جمعیۃ علماء ہند ہر سال تکنیکی وپیشہ وارانہ تعلیمی کورسوں میں داخلہ لینے والے طلبہ کو معقول اور گراں قدر وظائف بھی دیتی ہے جس سے ہمارے طلبہ کے

لیے جدید اور مفید کورسوں میں تعلیم حاصل کرنا بہت کچھ آسان ہو گیا ہے۔ اپنی حیات کے آخری دور میں آپ نے مسلمانوں کے لیے آئی ٹی آئی جیسے ادارے قائم کرانے کی بڑی جستجو کی تھی، اگر حیات مستعار کے کچھ دن انھیں اور مل جاتے تو مسلم آبادیوں والے شہروں میں وہ نہ جانے کتنے ایسے ادارے قائم کرا جاتے۔

۲؍جولائی ۲۰۰۰ء میں انڈیا انٹرنیشنل سینٹر نئی دہلی میں جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی کے زیرِ اہتمام ''اسلامی ماحول میں عصری تعلیم کانفرنس'' امیرالہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر منعقد کی گئی تھی۔ اس کا انعقاد وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اس کانفرنس میں ملک کے ماہر معاشیات پروفیسر علی محمد خسرو سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مشہور آئی سی ایس افسر اور ماہر تعلیمات جناب سیّد حامد چانسلر جامعہ ہمدرد نئی دہلی، مولانا سیّد ارشد مدنی ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، جامعہ ہمدرد نئی دہلی، امبیڈکر یونیورسٹی آگرہ کے وائس چانسلرس، ملک کے ممتاز علماء و ماہرین تعلیم اور مختلف تعلیمی اداروں کے ذمہ دار حضرت نے شرکت کی تھی۔ اس کانفرنس میں ملک کے چنندہ دینی اور عصری تعلیم کے نمائندوں نے ایک جگہ جمع ہو کر مذکورہ بالا موضوع کو اپنانے کی ضرورت اور طریقۂ کار پر کھل کر غور وخوض کیا تھا۔ اپنی نوعیت کی یہ پہلی کانفرنس تھی، ظاہر ہے کہ ایک ہی ملاقات اور میٹنگ میں اس کے نتائج سامنے نہیں آسکتے تھے اس پر بار بار وقفہ وقفہ پر مل بیٹھ کر سوچنا اور تبادلۂ خیال کرنا ہوگا تب جا کر کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے۔ اس کانفرنس کے بارے میں ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے لیکن یہی کیا کم بات ہے کہ دونوں طبقوں نے اس ضرورت کو سمجھا اور ایک دوسرے کے مزید قریب آنے کی راہیں اور اتحاد عمل کے طریقے ڈھونڈے گئے، اگر اس طرح کی میٹنگیں برابر ہوتی رہیں تو مستقبل میں ضرور ہمیں اپنے مقاصد میں کامیابی ملے گی۔

○○

❑ ڈاکٹر خاور ہاشمی، دہلی

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور قومی یکجہتی کا مسئلہ

قومی تحریکوں کے زمانے میں ایک ایسی اصطلاح ''قومی یکجہتی'' نے جنم لیا جسے مختلف مفاہیم کے ساتھ ساتھ مختلف مقاصد کے لیے ملک کی سیاسی اور سماجی زندگی میں استعمال کیا گیا، اس اصطلاح کا فاسشٹوں نے بھی استعمال کیا اور قوم پرستوں نے بھی جب تک ملک اور قوم یکجا تھے سماج کے تمام طبقے مربوط تھے، قومی یکجہتی کا نہ کئی تصور تھا نہ کوئی ضرورت، برطانوی تسلط کی تکمیل کے بعد انتشار اور بکھراؤ کی فضا پیدا ہوئی تو قومی یکجہتی کی فضا پیدا ہوئی۔

ہندوستانی مسلمان چونکہ انگریزوں کے پیدا کردہ ہر فتنے اور ہر طوفان کی زد پر تھے اس لیے انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو یکجہتی کی نا کام دعوت دی، قومی تحریکوں میں بھی مسلمانوں کے علاوہ صرف مہاتما گاندھی نے قومی یکجہتی کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھا اور اس پر زور دیا کہ ملک میں علماء اسلام کا واحد طبقہ تھا جس نے ہمیشہ فرقہ وارانہ اتحاد ضرورت کو سمجھا اور سمجھایا انہوں نے ایک طرف اسلام اور ہندوستان کے وسیع تر اور عظیم تر رشتوں اور مفادات کے تحفظ اور ہم آہنگی کے لیے قومی یکجہتی پر زور دیا اور دوسری طرف عالم انسانیت کے ساتھ ان رشتوں کو مربوط اور مضبوط کرنے کے لیے قومی یکجہتی کو وسیلہ بنایا، علماء کے ذہنوں میں قومی یکجہتی کا روشن اور ہمہ گیر تصور دراصل قرآن حکیم اور اس کی زندۂ جاوید تفسیر خود رسول رحمتؐ کی حیات طیبہ کا عطیہ تھا یہی وجہ ہے کہ تقریباً ایک صدی پر محیط تحریک آزادی اور آزادی کے بعد آج تک ان نفوس قدسی نے جو کلیدی کردار ادا کیا اس کا اصل مقصد سیاسی آزادی نہیں بلکہ محراب ومنبر سے دار ورسن تک ان مقدس ہستیوں کے مقدس فکر وعمل کا مقصد اس ملک میں فرقہ وارانہ اتحاد اور یکجہتی ہی تھا، ان کے نزدیک ایک انتشار زدہ سیاسی آزادی ملک وقوم کے مفاد میں نہیں تھی، ایسی آزادی جس کی قیمت انسانی قدروں سے چکانی پڑے ان کے لیے نا قابل قبول نہیں تھی، یہی اعلیٰ ترین آدرش تھے جن کی وجہ سے صدیوں طویل قومی تحریکوں میں علماء اسلام کا مقابلہ بیک وقت تین طاقتوں سے تھا، برطانوی سامراج، ہندو فرقہ پرستی اور مسلم فرقہ پرستی جب کہ ان کے ہم عصر اور ہم کار دوسرے غیر مسلم رہنما صرف برطانوی سامراج سے بر

سر پیکار تھے، اور وہ بھی ہندوستان کی حد تک جب کہ علماء اسلام انگریزوں سے عالمی سطح پر مقابلہ کررہے تھے، قومی یکجہتی کا جذبہ خون بن کر ان کی شریانوں میں دوڑ رہا تھا، اور وہ کسی بھی قیمت اور کسی بھی حالت میں ملک کی سالمیت اور اتحاد قومیت کے تصور سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے، تاریخ گواہ ہے کہ لاڈ مارنٹ بیٹن نے پارٹیشن پلان کانگریس کی منظوری کے لیے پیش کیا تھا، تو رفتہ رفتہ سردار پٹیل، جواہر لال نہرو، اور خود گاندھی جی نے اسے منظور کرایا جو بار بار یہ دعویٰ کر چکے تھے، کہ ملک کی تقسیم ان کی لاش پر ہوگی، صرف امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کانگریس کے واحد لیڈر تھے جن کی ثابت قدمی میں جنبش پیدا نہیں ہوئی، اور وہ زندگی کے آخری لمحہ تک تقسیم وطن کے تصور سے سمجھوتا نہیں کر سکے، حقیقت یہ ہے کہ ہندو مسلم اتحاد اور قومی یکجہتی کے لیے جتنی قربانیاں ہمارے علماء نے دی ہیں اگر ان کا عشر عشیر بھی دوسرے مذاہب کے رہنما دیتے تو آج ہندوستان کی تاریخ اور تقدیر کچھ اور ہوتی۔

قومی یکجہتی کیا ہے اور قومی یکجہتی کا مسئلہ کب اور کیوں ہوا؟ یہ ایک جلتا ہوا سوال ہے جس کا جواب تاریخ کے سرسری مطالعہ سے نہیں ملتا، یوں تو ہندوستان میں لسانی، علاقائی، تہذیبی، اور سیاسی اختلافات کے باوجود اتحاد کی تلاش کا بھی نام قومی یکجہتی ہے، لیکن یہ مسئلہ سنجیدہ پیچیدہ مسئلہ ہندو مسلم رشتوں سے پیدا ہوا جس کے پس منظر میں سیاسی رقابتیں، مذاہب کی آویزش اور قدیم ہندوستان کے سماجی عقیدے بھی تھے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں کے قدم رکھتے ہی یہ مسئلہ پیدا ہوا لیکن سیاسی اور معاشی جبر سے یہ مسئلہ صدیوں تک سر نہ اٹھا سکا، برہمنیت اسلام سے پہلے بدھ دھرم کو دیس نکالا دے چکی تھی، بدھ دھرم میں انسان دوستی کا تصور قدیم ہندوستان میں ناقابل برداشت تھا، اسلام کے توحید و رسالت اور انسانی وحدت اور مساوات کے عقیدے برہمنیت کے لیے موت کا پیغام تھے، مسلمانوں کے ساتھ تجارتی تعلقات اور بعض صاحب دل بزرگوں کے قیام کے اثر سے مسلمانوں کے ایمان عقائد سے ہندوستان کسی حد تک مانوس ہو چکا تھا، دوسرے یہ بھی ہوا کہ مسلمان حملہ آور کی حیثیت سے ملک میں داخل ہوئے اور انہوں نے یہاں اپنی حکومتیں قائم کیں اور اس سرزمین کو اپنا وطن بنالیا، مسلمانوں کی سیاسی اور عسکری بالادستی کے سبب برہمنی انداز فکر مصلحت کے تحت خاموش ضرور رہا لیکن مسلمانوں کے تعلق سے عہد وسطیٰ کی ہندوستان کی تہذیب میں ایک خلش موج تہہ نشین کی طرح برابر قائم رہی، اسلام کے تصور وحدانیت اور رسالت کے زیر اثر ہندوستان کی مذہبی فکر میں بعض تبدیلیاں پیدا ہوئیں جن کے اثرات سے آگے چل کر بھگتی اور تصوف کے رجحانات پیدا ہوئے۔

یہ رجحانات ہندو دھرم اور اسلام کے درمیان لین دین اور باہمی سمجھوتے کے خواہاں تھے، صوفیائے کرام نے اس سمجھوتے کا جواز سورہ کافرون سے نکالا جس میں "**لکم دینکم ولی دین**" کا فارمولا موجود ہے، لین دین کے بغیر کوئی سمجھوتا نہ دیر پا ہوتا ہے اور نہ با معنی، چنانچہ بھگتی اور تصوف کے ذریعہ رواداری کی جو روایت پیدا ہوئی اسے "اُدار وادی پرمپرا" کا نام دیا جاتا ہے، بھگتوں اور صوفیوں کی درگاہوں خانقاہوں میں مذہب، ذات پات اور راونچ نیچ کی کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی، لیکن اس فضا میں مسلمانوں کے توحید اور رسالت پر عقیدے اور ایمان کمزور ہونے لگے، یہی وجہ تھی کہ علماء اسلام نے ان رجحانات سے گریز کیا، سورہ کافرون کے نزول کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے لکھا ہے:

"چند رؤسائے قریش نے کہا کہ اے محمد! آؤ ہم تم صلح کرلیں، کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں اور دوسرے سال ہم آپ کے معبود کو پوجیں گے، اس طرح دونوں فریقوں کو ہم ایک دین سے کچھ حصہ مل جائے گا، آپ نے فرمایا کہ خدا کی پناہ میں اس کے ساتھ ایک لمحہ کے لیے بھی کسی کو شریک ٹھہراؤں کہنے لگے اچھا تم ہمارے معبودوں کو مان لو ہم تمہاری تصدیق کریں گے، اور تمہارے معبودوں کو پوجیں گے، اس پر یہ سورہ شریفہ نازل ہوئی اور آپ نے ایک مجمع میں پڑھ کر سنائی جس کا خلاصہ مشرکین کے طور وطریق پر بالکلیہ بیزاری کا اظہار اور انقطاع تعلقات کا اعلان تھا۔"

علماء اسلام نے عقائد اور ایمان کی بنیاد پر ہر سمجھوتے کو مسترد کیا البتہ سماجی، معاشرتی، لسانی اور تہذیبی سطح پر لین دین کو جائز ٹھہرایا اور ان تمام افکار واعمال کو اپنانے کی اجازت دی جن میں شرک کا شائبہ نہ ہو، چنانچہ آزادی کی جدوجہد میں ملک کی تعمیر نو میں حضرت مولانا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے برادران وطن کے ساتھ اشتراک عمل پر برابر زور دیتے رہے، ذہنی سمجھوتے کی یہی وہ بنیاد تھی جس پر ایک بامعنی رواداری اور دیرپا یکجہتی کا جذبہ فروغ پاسکتا تھا، ورنہ علماء کرام کی محفلوں میں شرکت کے لیے مذہب وعقدے کی کوئی قید نہیں رہی، اور یہ لوگ بلا امتیاز مذہب سب کے کام آتے رہے۔

۱۸۵۷ء کی ناکام جدوجہد اور معرکہ آرائی اور اس کے نتیجہ میں سقوط لال قلعہ کے بعد ہندوستان میں اقتدار اعلیٰ کی وہ کمزور اور بے دق علامت بھی ختم ہوئی جو ملک میں برطانوی سامراج کے مکمل تسلط میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی، ملک میں اقتدار اعلیٰ کی اس تبدیلی کے بعد صدیوں سے دبی ہوئی عصبیتیں اچانک ابھرنے لگیں اور ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف صرف

مذہب کی بنیاد ہی پر نہیں بلکہ زبان وادب تہذیب وتمدن، علم وفنون اور فکر ونظر کے ہر شعبہ میں تعصّبات کی یلغار شروع ہوئی، غدر ۱۸۵۷ء جسے ہم سینہ ٹھوک کر آزادی کی پہلی جنگ قرار دے رہے ہیں، اوراس کا ڈیڑھ سوسالہ جشن منانے کی تیاری کرر ہے ہیں وہی جنگ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے اہل وطن نے اپنے اقتدار کی بازیافت کے لیے مسلمانوں کی جدوجہد کہہ کر مسترد کردی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کے اس فیصلہ کن واقعہ کے گہرے اثرات اردو ادب کے علاوہ ملک کسی زبان کے ادب میں نہیں ملتے، غدر یا اولیں جنگ آزادی کے بعد بھگتی تحریک کی وہ ''اُدار وادی پرمپرا'' دم توڑنے لگی، جسے ہمارے سماجی اور ادبی مفکرین فرقہ وارانہ یکجہتی کا وسیلہ قرار دیتے ہیں مسلمانوں کے خلاف ان منفی اور معاندانہ وجذبات وخیالات کو انگریز حاکموں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی حاصل تھی جنہیں اس دور کے ہندو دانشور اور مصلحین اپنا نجات دہندہ اور ''بھاگیہ ودھاتا'' قرار دے رہے تھے، انگریز شاطر نئے نئے فتنوں اور تنازعات کو ابھارنے کی حوصلہ افزائی کرر ہے تھے، بابری مسجد کا تنازعہ بھی انگریزی سامراج کا پیدا کردہ تھا جو آج آزاد ہندوستان کے روشن ماتھے پر کلنک کا پہلا داغ بن کر ابھرا، برطانوی سامراج ہر سطح پر ہندوستانی مسلمانوں کے حوصلے اور کمر توڑنے کی ہر ممکن کوشش کررہا تھا، تاکہ وہ آئندہ صدیوں تک سر نہ اٹھا سکیں، انگریز جانتے تھے کہ ہندوستان ہی نہیں عالمی سطح پر ان کے سب سے بڑے حریف مسلمان ہی ہیں، اس لیے وہ جانتے تھے کہ صدیوں کے اتحاد سے ہندوستان اور اسلام میں جو بامعنی رشتے پیدا ہوئے تھے انہیں پارہ پارہ کردیا جائے ہندوستان اور اسلام کا اتحاد ان کے سامراجی عزائم کے لیے موت کا اعلان تھا۔

ادھر اس اتحاد عظیم کے داعی علماء اسلام دیکھ رہے تھے کہ ان کی مسلسل جدوجہد کے نتیجہ میں جو فرقہ ہم آہنگی اور نظریاتی رواداری پیدا ہوئی ہے وہ ان کی صدیوں کی کمائی ہے اور اس کے لیے انگریز اور ان کے دیسی حاشیہ برداروں کے اشتراک سے زبردست خطرہ پیدا ہو چکا ہے، علماء اسلام ان خطرناک رجحانات اور انتشار پسند قوتوں اور تحریکوں کا جائزہ لے رہے تھے جو صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں سرزمین ہند کی تقدیس اور سالمیت کو تہہ وبالا کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی تھیں، ۱۸۵۷ء میں ہر محاذ پر انگریزی سامراج سے ٹکر لینے کے بعد کی تلواریں تو ٹوٹ چکی تھیں لیکن حوصلے نہیں ٹوٹے تھے۔

قومی یکجہتی کے لیے سب سے بڑا خطرہ غدر کے فوراً بعد میں سر اٹھانے لگا تھا اور یہ لسانی عصبیت کا خطرہ تھا ''بھارتندو ہریش چندر'' جدید ہندی زبان وادب کے باوا آدم ہیں، ہندی ادب کی تاریخ کا اولیں اور اہم ترین باب ''بھارتندو یگ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اس یگ میں

کھڑی بولی ہندی کے نام پر اس زمانے کی مروجہ اور ترقی یافتہ اردو زبان وادب پر تسلط قائم کرنے کی تحریک کا آغاز ہوا اور ملک کی دھارمک بھاؤناؤں کو اس سے جوڑ دیا گیا، اس زمانے میں کھڑی بولی ہندی کے دعویدار اس بنگالی ادب سے فکری غذا حاصل کررہے تھے، جس کی نمائندگی ''آنند مٹھ'' نے کی، خود ''بھارتندؤ'' کے ایک ہم عصر اور ہندی کے صف اول کے ادیب پنڈت نرائن نے ''ہندی ہندو، ہندوستان'' کا تصور پیش کیا، اس مثلث میں ہندوؤں کے علاوہ اور کسی کے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی، ہندی ادب کے ''ویزا گا تھا'' کال کے ادب میں بھی مسلمانوں کی آمد کے صدیوں بعد بھی انھیں ودیشی اور ودھرمی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اس کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ ہندوستان کی تشکیل وتعمیر میں اس کے لسانی اور ادبی ارتقاء میں فنونِ لطیفہ کی ترقی اور توسیع میں مسلمانوں کے عظیم الشان کردار سے انکار کیا جانے لگا، دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ اس صورت حال کے رد عمل میں مسلمانوں نے اپنے اس وطن کے مستقبل پر نئے زاویوں اور نئے نقطۂ نظر سے سوچنا شروع کیا، قرۃ العین حیدر کے ناول ''آخرشب کے ہم سفر'' میں اس کی عکاسی ملتی ہے، ہندی ادیب کے انہیں معاندانہ رجحانات کے بطن سے ویر ساورکر جیسے لوگوں کا جنم ہوا، انہوں نے کلچول نیشنلزم اور ٹونیشن تھیوری ایجاد کی جن کے ناپاک گٹھ جوڑ سے عظیم تر ہندوستان کے ٹکڑے ہوئے، ملک کی اس تقسیم کا کریڈٹ مسٹر جناح اور ان کی مسلم لیگ کے حصہ میں آیا، علماء اسلام اس پورے دور میں کانگریس کے پلیٹ فارم پر گاندھی جی کی قیادت میں آزادی کی جنگ لڑتے رہے تھے، قید وبند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے، جان ومال سب کچھ نچھاور کررہے تھے، علماء نے ایک عظیم تر متحدہ قومیت کا خواب دیکھا تھا لیکن اچانک تقسیم ہند نے ان کے ان خوابوں کا چکنا چور کردیا، وہ جیتی ہوئی جنگ ہار گئے، لیکن ان کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل ایک سوالیہ نشان بن چکا تھا، انہوں نے ایک بار پھر آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے تحفظ اور ان کے آئینی حقوق کی جنگ چھیڑی جو ہنوز جاری ہے۔

۱۸۵۷ سے ۱۹۴۷ء تک اور اس کے بعد آج تک ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں علماء نے جو طویل جدوجہد کی اس کا عنوان فرقہ وارانہ اتحاد اور قومی یکجہتی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت شیخ الہند مولانا عبیداللہ سندھی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا ابوالکلام آزاد سے خود مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن تک علماء اسلام اور مجاہدین کا ایک ایسا شاندار سلسلہ ہے جن میں سے ہر ایک کی زندگی عصری تاریخ کا ایک مکمل باب تھی، حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذات گرامی قرآن سنت میں ڈھلے ہوئے صاحب کردار علمائی کی آخری کڑی تھی۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو واقعات اور حادثات سے بھرپور زمانہ ملا، ہندوستان آزاد ہوا اور آزاد ہونے کے بعد اس کے دو ٹکڑے ہوئے، مولانا آزاد کے علاوہ کانگریس کے تمام تاریخ ساز قائدین بشمول گاندھی جی نے پارٹیشن پلان منظور کیا اور اس کا جواز یہ پیش کیا گیا کہ ملک میں فرقہ واریت کے مسئلہ کا یہی حل ہے، جبکہ معاملہ اس کے برعکس تھا، تقسیم ہند سے وہ خوفناک اور جارحانہ فرقہ واریت پیدا ہوئی جس کی زد پر آج تک ہندوستانی مسلمان ہیں اور تقسیم ہند کی تمام تر ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالنے کی وجہ سے آج تک ایک قسم کا احساس جرم ان کے تحت الشعور میں پوشیدہ رہا، تقسیم ہند کے موضوع پر جو کتابیں ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں لکھی گئیں ان کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کانگریس کے لیڈر چاہتے تھے کہ آزادی کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے اپنے مذہبی عقیدوں اور پرمپراؤں، اپنی اپنی زبان اور تہذیب، اپنے اپنے عزائم اور آرزوؤں کی تکمیل کا آزادانہ موقعہ ملے اور اس معاملے پر کوئی ٹکراؤ نہ ہونے پائے، دوسرے ان کانگریسی بزرگوں کے ذہن میں یہ اندیشہ بھی رہا ہوگا کہ جس نے انہیں ملک کی تقسیم کو منظور کرنے پر آمادہ کیا ہوگا، کہ اگر مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی پوری لیڈر شپ یہاں موجود رہی تو انہیں ملک کی تاریخ میں اور اقتدار میں وہ مقام نہ مل سکے گا جس کے وہ حقدار تھے، لیکن علمائے اسلام ان تمام اندیشہ ہائے سود وزیاں سے بلند تھے، اور وہ ایک ایسی متحدہ قوم اور ملک کے خواب دیکھ رہے تھے، جس میں میدان جنگ سے کرکٹ فیلڈ تک پوری دنیا میں اس کا دبدبہ ہو، جو دنیا میں سب سے بڑا ملک بن کر ابھرے، اس کے ذریعہ ایک ایسا ورلڈ آرڈر وجود پذیر ہو جس مین نہ جارج بش کو گنجائش ہو اور نہ اسامہ بن لادن کی، نہ صدام حسین کی نہ ٹونی بلیر کی، جس میں نہ پرویز مشرف ہوں نہ داؤد ابراہیم، نہ آئی ایس آئی ایک ایسی دنیا جس میں ہیڈ گوار کا کوئی مقام ہو نہ اڈوانی، مودی، توگڑیا، اور اشوک سنگھل کا کوئی وجود ہو، لیکن یہ سب کچھ نہیں ہوسکا، اور علماء اسلام کے خواب بکھر گئے، جدید ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ تھا، اکابر علماء نے ہندوستانی مسلمانوں کے دینی تشخص، ان کے جان و مال اور مذہبی رجحان اور عقائد کے تحفظ کے لیے جو جنگ کا آغاز کیا تھا اسے حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے بڑی کامیابی اور حوصلہ مندی کے ساتھ آگے بڑھایا، ہندوستان کے ہر انقلاب کی طرح انقلاب ۱۹۴۷ء کی قیمت بھی ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے لہو سے چکانی پڑ رہی تھی، مسلم مخالف فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو رکنے کا نام نہیں لیتا تھا، جمعیۃ العلماء ہند اپنے صدر مولانا اسعد مدنی کی قیادت میں اس طوفان کو روکنے کے لیے سینہ سپر تھی، ظاہر ہے کہ جب جان ومال کے تحفظ کا یقین نہ ہو تو کوئی فرد یا جماعت سیاسی،

معاشی، اور تعلیمی مسائل کے بارے میں کیسے سوچ سکتی تھی، اس پورے عرصے میں سب سے بڑا مسئلہ فرقہ وارانہ فسادات کا مسئلہ تھا، جس کا سلسلہ یوپی کے پہلے وزیراعلیٰ اعلیٰ پنڈت گووند بلبھ پنت اور جواہر لال نہرو کے زمانے سے ہی شروع ہوا اور آج تک جاری ہے بدقسمتی سے اس قسم کے فسادات ہماری روزمرہ زندگی کا معمول بن چکے ہیں، ملک کا سیاسی نظام اگر چہ سیکولر جمہوریت کا دعویدار رہا ہے، لیکن انتخابی مصلحتوں کے سبب وہ ان پر کارگر روک تھام کا کوئی مؤثر قانونی اور نظریاتی راستہ اپنانے میں ناکام رہا ہے، ملک میں مسلمانوں کے خلاف معاندانہ فضا برابر بڑھتی رہی، مسلمان رفتہ رفتہ مایوسی اور باہمی انتشار کا شکار ہونے لگے یہ حالات تھے جب حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے جمعیۃ علماء ہند کی ذمہ داری سنبھالی انھوں نے پارلیمنٹ کے اندر اور پورے ملک میں جو ہمہ جہت جدوجہد کی وہ عصری تاریخ کا حصہ ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی نے پارلیمنٹ میں جو تقریریں کی ہیں اس کا مجموعہ ''صدائے حق'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس کے مرتب مولانا عبدالحمید نعمانی نے پیش لفظ میں لکھا ہے۔

''۱۹۶۲ء میں حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کے سانحۂ ارتحال سے مظلوموں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کے لیے اور فرقہ پرستی اور ناانصافی کے خلاف آواز حق بلند کرنے کے سلسلے میں جو خلاء پیدا ہوا تھا اسے مولانا مدنی نے بخوبی پر کیا، مسئلہ آسام شہریت کے مسائل، بابری مسجد، مقابر ومساجد کے تحفظ، فسادات کی روک تھام، ریلیف، امن وقانون کی بحالی مسلم یونیورسٹی اور اس کا اقلیتی کردار، اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے آئینی حقوق کا تحفظ، زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کی مناسب نمائندگی، یکساں سول کوڈ، مسلم پرسنل لاء، اوقاف جیسے مسائل پر مولانا مدنی نے جس جرأت اور صفائی سے اپنے نقطۂ نظر وخیالات کو پیش کیا حتی کہ اپنی پارٹی کے خلاف بھی جس بے باکی سے محض انصاف کے تقاضوں کی تکمیل اور امن وقوانین کی بالادستی کے لیے آواز حق بلند کی ہے، وہ صداقت شعاری، حق گوئی کی روشن مثالیں ہیں۔

مولانا محترم نے پارلیمنٹ میں وقتاً فوقتاً جو تقریریں کیں ان کی تعداد ۵۶ ہے، ان میں ۳۹ تقریریں فرقہ وارانہ فسادات، امن ویکجہتی، مسلمانوں کے تعلیمی ومعاشی مسائل، علی گڑھ یونیورسٹی، مسلم پرسنل لاء، مسلم اوقاف، مقابر ومساجد کا تحفظ اور مسلمانوں کے آئینی حقوق کے بارے میں ہوئیں، ذرا غور کیجیے ملک کی تمام پارٹیوں میں مسلمان شامل ہیں اور ان پارٹیوں کی حمایت سے مسلمان لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں بھی پہنچتے ہیں لیکن نہ صرف مسلمانوں کے معاملے میں یہ لوگ خاموش رہتے ہیں بلکہ ہر معاملے پر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، انہیں یہ خوف بھی دامن گیر

رہتا ہے کہ ان کی پارٹی کی لیڈر شپ ان کے کسی بیان سے خفا نہ ہو جائے، مسلمانوں کا نام لینے سے یہ حضرات اس لیے بھی احتیاط برتنا بہتر سمجھتے ہیں، کہ کہیں ان پر فرقہ پرستوں کا لیبل نہ لگ جائے، اس کے برخلاف مولانا پوری بے باکی جرأت اور حوصلہ مندی کے ساتھ مسلمانوں کے مسائل پر بولتے رہے، انہیں جس پارٹی کی حمایت حاصل رہی اس کے ساتھ مسلمانوں کے مسائل کی قیمت پر سمجھوتہ نہیں کیا، جہاں تک فرقہ پرستی کے لیبل کا تعلق ہے تو علماء کرام نے تمام تر فکر و عمل روز روشن کی طرح پورے ملک پر عیاں ہے، اور کسی کو انہیں فرقہ پرست کہنے کی جرأت نہیں ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی بے باک ترجمانی کا فرض انجام دیا اور ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ علماء کی یہی بوریہ نشیں جماعت ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت کی مستحق ہے۔

صرف پارلیمنٹ میں ہی نہیں مولانا محترم نے پارلیمنٹ کے باہر بھی ہندوستانی مسلمانوں کی ترجمانی اور قیادت جس بیباکی سے کی وہ بڑی سے بڑی پارٹی کے مسلمان لیڈر نہیں کر سکے، حضرت مولانا اسعد مدنی کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ انہوں نے جمہوری تقاضوں اور آداب کو نہ صرف سمجھا بلکہ مسلمانوں کے تعلق سے حکومت وقت پر دباؤ ڈالنے کے لیے اور عوام کو اپنا موقف سمجھانے کے لیے وہ تمام طریقے استعمال کیے جس کا حق جمہوری سماج کے ہر شہری کو حاصل ہیں، عظیم الشان احتجاج اور مظاہرے ان کی قیادت میں ہوئے، اور ان کے ایک اشارے پر لاکھوں مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوتے رہے، اور بار بار مولانا کی قیادت پر ملک کے مسلمانوں کے اعتماد کا اظہار ہوتا رہا، حضرت مولانا کی شخصیت کا دوسرا امتیاز یہ تھا کہ وہ اپنے اصولوں اور اپنے موقف کے تعلق سے کسی سیاسی جماعت کے پابند نہیں رہے، بلکہ سیاسی جماعتیں ان کی پابند رہیں اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں، تیسرا سب سے اہم اور بنیادی امتیاز ان کی شخصیت کا یہ تھا کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اور ہر شعبہ میں ان راہ نما اصولوں کے پابند رہے جو ان کے عظیم بزرگوں سے انہیں ورثہ میں ملے تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ نئی دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا ہیڈ کوارٹر مسجد عبد النبی، آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی امیدوں اور آرزؤں کا مرکز بن کر ابھری۔

ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں بابری مسجد کی شہادت ایک ہولناک باب ہے، حضرت مولانا سید اسعد مدنی اور خود جمعیۃ علماء ہند من حیث الجماعت بابری مسجد کی واگزاری کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہی، یوں تو نوابان اودھ خاص طور سے واجد علی شاہ کے زمانے میں ہی اجودھیا میں بابری مسجد کے لیے تصادم شروع ہو گئے تھے لیکن آزادی کے فوراً بعد پنڈت گووند بلبھ پنت کی وزارت اعلیٰ کی چھتر چھایا میں بابری مسجد کے مسئلے نے اس وقت نہایت خطرناک موڑ لے لیا،

جب ۱۹۴۹ء میں رات کی تاریکی میں مکاری اور چوری سے بابری مسجد میں مورتیاں رکھدی گئیں اوراعلان کر دیا گیا کہ رام چند جی دھرتی سے پرکٹ ہوئے ہیں، چونکہ انگریزی سامراج ختم ہو چکا تھا، اور دار ورسن اور قید و بند کے تمام خطرات ختم ہو چکے تھےاس لے تارک الدنیا سادھواورسنتوں کی فوج میدان میں اتر گئی تھی جسے پنڈت جی کا آشیرواد حاصل تھا، بہرحال جیسا کہ عرض کیا گیا کہ جمعیۃ علماء ہند نے آزادی کے بعداس مسئلہ کوحل کرنے کیلئے بڑی جدو جہد جاری رکھی، مارچ ۱۹۳۴ ءمیں بابری مسجد کے مسئلے پر دونوں فریقوں میں زبردست تصادم ہوااس موقعہ پر بلوائیوں نے مسجد کی دیوار منہدم کردی، مسجد کے صحن میں ایک گڑھا کھودکر آگ جلادی، مسجد کے اندرونی حصہ میں مختلف دیوی دیوتاؤں کی تصویریں بنادی گئیں اوررام رام لکھ دیا گیا، اورمحراب کے دائیں بائیں جو کتبات لگے ہوئے تھے انہیں بھی اکھاڑ کر لے گئے، چنانچہ صورت حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس وقت کے جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب حالات کا جائزہ لینے کے لیے خود اجودھیا تشریف لے گئے اورواپس آکر ورکنگ کمیٹی کواپنی رپورٹ پیش کی، چونکہ حکومت بلوائیوں کی حمایت کررہی تھی، اور مسلمانوں کومسجد کی صفائی اور مرمت کی اجازت نہیں دے رہی تھی، اس لیے جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ مجلس احرار کے تعاون سے جمعیتی رضا کار اجودھیا جائیں اورقانون شکنی کرتے ہوئے مسجد کی خود مرمت کریں، اس تجویز کے مطابق ۲۱/اپریل ۱۹۳۴ءکو رضا کاروں کا پہلا جتھا اجودھیا پہنچا، حکومت کواس جتھے کی آمد کی رپورٹ ملی تو اس نے صورت حال کے بگڑنے کے خوف سے اعلان کردیا کہ حکومت اپنے مصارف سے مسجد کی مرمت اور صفائی کرائے گی، پھر دسمبر ۱۹۴۹ء میں جس رات مسجد کے اندر بت رکھے گئے اسی دن جمعیۃ علماء ہند اوراس کے قائدین شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے اس جسارت کوانسانیت کی پیشانی پر بدنما سیاہی سے تعبیر کرتے ہوئے ہندوستان کی جمہوریت اور سیکولرازم کیلئے شرمناک قرار دیا تھا، اس کے بعد مسلسل جمعیۃ علماء ہند نے بابری مسجد کے تحفظ کے لیے عملی جدوجہد کے علاوہ اپنی مجلس عاملہ کی ہر میٹنگ میں قرار دادیں پاس کیں، اورمرکزی وریاستی حکومتوں پردباؤ ڈالا، حضرت مولانا مدنی نے اس مسئلےکو پارلیمنٹ میں بار بار پورے دلائل کے ساتھ اٹھایا، بدقسمتی سے مرکزی حکومت کے ذمہ داران بابری مسجد کے خلاف فرقہ پرستوں کی سازش میں شریک ہوگئے تھے اور انہیں مسلم دشمن ماحول پیدا کرنے کی پوری آزادی ملی ہوئی تھی، حضرت مدنیؒ نے ۵/اگست ۱۹۸۵ءکو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارا ملک مختلف مذاہب اورقسم قسم کی برداریوں کا گہوارہ ہے اگرتمام لوگ ایک دوسرے کا

احترام کرتے ہوئے زندگی گزاریں گے تو یقیناً یہ ملک ترقی کریگا، اور اگر آپ میں اختلاف ہوگا تو اس سے ملک کو نقصان ہوگا، حالانکہ اس طرز عمل سے ہمیشہ نقصان ہی پہنچا ہ، یہ روش انتہائی افسوسناک ہے کہ دیواریوں پر دل آزار نعرے لکھے جارہے ہیں، ان نعروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک میں صرف ہندو ہی بس سکتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کا اس ملک پر کوئی حق نہیں ہے، کیونکہ یہ ہندو وراشٹریہ ہے، یہ باتیں ملک کو تباہ وبرباد کرنے والی ہیں، بابری مسجد کے تعلق سے ہمارے لیے یہی مناسب ہے کہ ہم عدالتوں پر بھروسہ کریں اور عدل وانصاف کی بالا دستی قائم رکھنے کی راہ ہموار کریں، عدالتی قانون کو نظر انداز کرنا ملک کے ساتھ وفاداری نہیں ہوسکتی۔

حضرت مدنیؒ کے سامنے مسجد کی حیثیت کا تحفظ اور احترام بھی تھا اور بابری مسجد کے نام پر پیدا کردہ تنازع سے قومی یکجہتی کو جو شدید خطرہ پیدا ہوچکا تھا وہ انہیں بے تاب کیے ہوئے تھا، انہوں نے ہر سطح قانون اور انصاف کی بالا دستی پر زور دیتے ہوئے یہ بھی اعلان کیا کہ ہمیں عدالت کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے، حضرت مدنی کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند نے مسجد مندر جھگڑے کو پرامن اور منصفانہ حل کے لیے خود کو وقف کردیا تھا، اس عرصہ میں ایک طرف وشوہندو پریشد جیسی فاسشٹ تنظیموں کو آگے بڑھنے کا موقع ملتا رہا اور دوسری طرف مسلمانوں کی ایکشن کمیٹیاں بنانی شروع ہوگئیں، اس طوفان میں حضرت مدنی کی اعتدال پسند جد وجہد دب کر رہ گئی، اور علماء اسلام کے مخالفین نے جمعیۃ علماء ہند کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، بالآخر مرکزی اور صوبائی سیکورٹی فورسز کی موجودگی بلکہ اشتراک سے زرد پوش فاسشٹوں کے ایک جم غفیر نے رول آف لاء کے پرخچے اڑادیے، آشتی کے تمام خواب چکنا چور ہوگئے، چونکہ بابری مسجد کی شہادت میں کانگریس قیادت اور حکومت کی پالیسی کھل کر سامنے آچکی تھی، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت سے حضرت مولانا مدنیؒ اور کانگریس کے درمیان فاصلے بڑھنے لگے ہیں۔

اتحاد قومی کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے حضرت مولانا اسعد مدنی تک اس قدر وسیع اور ہمہ جہت خدمات ہیں کہ انہیں ایک مضمون میں سمیٹ لینا ممکن ہی نہیں ہے۔

حضرت شیخ الہند سے مولانا اسعد مدنی تک علماء اسلام کے کارنامے اس قدر باہم مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک شخصیت کو اس کے اسلاف اور معاصرین سے علیحدہ علیحدہ کرکے نہیں سمجھا جاسکتا۔

حقائق سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے قومی یکجہتی کے لیے اپنی پوری زندگی جد وجہد میں صرف کی کیونکہ اس کے بغیر ہندوستانی مسلمانوں اور پورے ملک کا مستقبل غیر یقینی ہے۔

○○

❑ سیّدمنصورآغا
دہلی (آزادصحافی)

مولانا اسعد مدنیؒ کی تاریخی معنویت

آزادی کے بعد ہندوستانی اقلیتوں کی نصف صدی کی تاریخ مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے ذکر کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔ مولانا مرحوم مغفور کی بڑی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسے نازک دور میں ملک اور ملت کی رہنمائی کی جس میں ملک کی سیاسی اقدار نئی بنیادوں پر استوار ہورہی تھیں، سیاسی کلچر بدل رہی تھی اور ملک کی تقریباً ۱۵؍فیصد آبادی، پر مشتمل سب سے بڑی اقلیت 'ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم' کی کیفیت سے دوچار تھا۔ بدقسمتی سے یہ اقلیت ان سیاسی شاطروں کی چال میں پھنس گئی تھی جنھوں نے ملک کی تقسیم کے نام پر خود اس اقلیت کی آبادی کو تین حصّوں میں تقسیم کردیا تھا، جس سے ملک کے نئے جمہوری نظام میں ہماری سیاسی طاقت کمزور ہوگئی۔ اور ملک کے مقتدر طبقہ میں کچھ ایسے عناصر کی بن آئی جن کے لیے ہمارے وجود باعث عار تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰنؒ، اور دیگر زعماء کی قیادت میں مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ نے تقسیم ملک کی سخت مخالفت کی تھی اور متحدہ قومیت کے نظریہ کی پُرزور وکالت کی تھی۔ اس موقف کا سبب یہ نہیں تھا کہ جمعیۃ علماء ہند کو کچھ کانگریس کی خوشنودی مطلوب تھی بلکہ یہ تھا کہ اس نے اچھی طرح یہ بات سمجھ لی تھی کہ تقسیم کی شاطرانہ تحریک کا مقصد بالعموم پورے ملک کو اور بالخصوص مسلمانانِ ہند کو سیاسی اور اقتصادی طور سے کمزور رکھنا ہے۔ جس زمانہ میں تقسیم کی جذباتی تحریک پوری شدت سے جاری تھی، جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے خبردار کیا تھا: یہ خطرہ انگریزوں کے ہر وقت پیش نظر رہتا ہے کہ اگر ہندوستان میں قومیت کا کمزور سا جذبہ بھی پیدا ہوگیا تو ہم ان پر حکومت نہیں کرسکیں گے اور ہماری اقتصادی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حامیانِ برطانیہ متحدہ قومیت پر انتہائی چراغ پا ہورہے ہیں چونکہ برطانوی اقتدار کی بربادی کے لیے ہندوستانیوں کی متحدہ قومیت ایٹم بم سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ شیخ الاسلام نے یہ بھی فرمایا تھا: ہمارے ہندوستانی بھائی، بالخصوص

مسلمان بہت بھولے بھالے ہیں اور وہ بہت جلد چکمے میں آ جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ مسلمان غیر مسلم اور مشرک کا ہم قوم کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور پھر سر سیّد کا یہ قول یاد دلایا تھا: یادرکھو ہندو اور مسلمان ایک مذہبی اصطلاح ہے۔ ورنہ ہندو مسلمان، عیسائی، سکھ بھی جو اس ملک کے رہنے والے ہیں، اس اعتبار سے ایک قوم ہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں، کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دوقومیں بھی مانیں۔'' (ماخوذ از: پاکستان کیا ہے؟ محرم ۶۵ھ مطابق جنوری ۱۹۴۶ء)

اس ضمن میں اس پروپیگنڈے کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ متحدہ قومیت کے صحت مند نظریہ سے صرف مسلم لیگیوں کو ہی اختلاف نہیں تھا، بلکہ حقیقت یہ کہ اپنے فکروعمل سے برادرانِ وطن کے بھی ایک طبقہ نے دوقومی نظریہ کو تقویت پہنچائی ہے۔ کچھ لوگ آج بھی اسی بات پر مصر ہیں کہ ہندو اور مسلمان ایک ہندوستانی قوم نہیں بلکہ دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اگر برادرانِ وطن میں کچھ لوگ دوقومی نظریہ کے حامل نہ ہوتے تو سر سیّد کہ یہ نہ کہنا پڑتا: 'آپ نے جو لفظ (اپنے لیے) ہندو کا استعمال کیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ہندو میری رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں بلکہ ہر ایک شخص جو ہندوستان کا رہنے والا ہے اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا ہے۔ پس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں، ہندو (یعنی ہندوستانی) نہیں سمجھتے۔' ماخوذ از سفر نامہ پنجاب۔

چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کو ایک قومی نظریہ کی لڑائی دو محاذوں پر لڑنی پڑی۔ اوّل اپنے ان بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کے خلاف جو غلطی سے اپنے آپ کو الگ قوم تصور کرتے تھے، دوسرے ان متعصب ہندوؤں کے خلاف جو بحیثیت ہندوستانی شہری، مسلمانوں کو مساوی حقوق نہیں دینا چاہتے تھے۔ یہی وہ نظریہ تھا جس کی وجہ سے آزادی کی تحریک میں جمعیۃ علماء ہند ہر قدم پر کانگریس کے ساتھ رہی۔ چنانچہ مولانا حامد الانصاری غازیؒ نے ۹/اپریل ۱۹۴۵ء کو جمعیۃ علماء ضلع بجنور کی کانفرنس میں اپنے خطبہ استقبالیہ میں اعلان کیا تھا: جمعیۃ علماء ہند کا ایک اصول رہا ہے، آزادی کے جنگ میں کانگریس کے ساتھ غیر مشروط تعاون اور حقوق کی جنگ میں متعصب ہندوؤں سے غیر مشروط جنگ۔

حضرات گرامی! مجھے معلوم ہے کہ اس مجلس میں ایک کثیر تعداد ان صاحبان علم وفضل کی ہے جو ان باتوں کو، مجھ سے کہیں زیادہ بہتر طور سے جانتے اور سمجھتے ہیں۔ کچھ ایسے بزرگ بھی ہوں گے جو آزادی کے پہلے کے اس دور کے عینی شاہد ہوں گے۔ میں نے یہاں ان باتوں کا تذکرہ کرنے کی جرأت اس لیے کی تاکہ اس نظریہ کہ یاد دہانی ہوجائے جو ہمارے ممدوح مولانا اسعد مدنی کو ورثہ میں ملا تھا، جن کی یاد میں آج یہ سیمینار ہورہا ہے، اور جس کی وہ زندگی بھر آبیاری کرتے رہے۔

تقسیم کی پُرزور مخالفت اور متحدہ قومیت کی پُرزور وکالت کے باوجود جب آخر کار ۱۵/اگست

۱۹۴۷ءکو آزادی کا سورج طلوع ہوا تو روشنی ان کے حصّہ میں آئی جو اصلاً تقسیم کے لیے ذمہ دار تھے، اور عرصہ حیات ان پر تنگ کیا جانے لگا جنھوں نے سب سے پہلے ملک کی آزادی کا بگل بجایا اور بے مثال قربانیاں دیں۔ یاد کیجیے ۱۸۰۳ء کا وہ دن جب انگریز افواج نے شاہ عالم کو لال قلعہ میں محصور کر کے جبراً ایک معاہدہ پر دستخط کرا لیے اور یہ اعلان کرادیا: ملک خدا کا، رعایا بادشاہ سلامت کی اور حکم کمپنی بہادر کا۔ غلامی کے اس اعلان کے جواب میں بلا ادنیٰ تامل جنگِ آزادی کا پہلا اعلان لال قلعہ کے عین سامنے واقع ایک مسجد سے ہوا تھا، جس کو بعد میں انگریزوں نے شہید کرادیا اور جس کے ملبہ پر ایک مجسمہ نصب کر کے ایڈورڈ پارک بنوادیا جو آج سبھاش پارک کے نام سے موسوم ہے۔ حریت آزادی کی یہ صدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہد خاندان کے لعل درخشاں شاہ عبدالعزیزؒ کے فتوے سے گونجی تھی جس میں انھوں نے مسلمانوں کو تلقین کی تھی کہ ہندوستان کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے وہ ایک جماعت میں متحد ہوجائیں۔ اور پھر حضرت شاہ صاحب کی ہدایت پر ہی ان کے مجاہد شاگرد رشید سیّد احمد بریلویؒ کی قیادت میں آزادی کے لیے پہلا مسلح معرکہ ہوا تھا جو معرکہ بالا کوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ کی یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غلامی کے زنجیروں کو کاٹ پھینکنے کے لیے پہلی آواز بھی ایک مسلمان عالم دین کی گونجی تھی اور غلامی کی بیڑیوں پر تلوار کا پہلا وار بھی علماء کی ایک جماعت نے ہی کیا تھا۔ بات زرا بھی لمبی ہو جائے گی، میں بس اتنا عرض کردوں کہ تنظیمی اعتبار سے موجودہ جمعیۃ علماء ہند کے قیام کی مدت بھلے ہی ۱۹۱۹ء سے شمار کی جاتی ہو، لیکن یہ وہی جماعت ہے جس کی خشت اوّل شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے فتوے ۱۸۳۰ء میں رکھی تھی اور جس نے ہر دور میں حریت آزادی کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے بے مثال قربانیاں دیں۔

ملک کی آزادی کے بعد تقسیم کے ناکردہ گناہ کا قصور وار ہمیں ٹھہرایا گیا اور خصوصاً شمالی ہندوستان میں ایسی فضا بنادی گئی جس میں مسلمانوں کے لیے جینا دوبھر ہو گیا۔ اور مسلمانوں سے ایسے ایسے لوگ حب الوطنی کا ثبوت مانگنے لگے جن کے خود اپنے پاس حب الوطنی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو یا تو مجبوراً ہندوستانی ہیں یا تقسیم کے جھونکے میں خود اپنے مادرِ وطن کو چھوڑ کر ہماری شرن میں آ گئے تھے۔ جبکہ ہندوستان میں آباد مسلمان کسی مجبوری کے تحت نہیں بلکہ اپنی مرضی اور پسند سے ہندوستانی ہیں۔ اور یہ فیصلہ ہم نے تن تنہا آسانی کے لیے نہیں کیا تھا، نہ کسی روشن مستقبل کی تلاش میں کیا تھا بلکہ جب ہمارے گرد تباہی، بربادی، قتل اور غارت گری کا بازار گرم تھا، ہمارے اوپر شدید باؤ تھا کہ ہم شرنارتھیوں کے طرح اپنے گھروں کو، اپنی مسجدوں کو اور اپنے قبرستانوں کو خیر باد کہہ کر یا تو مغرب کی طرف ہجرت کرلیں، یا مشرق کی طرف نکل جائیں، لیکن ہم

نے جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں فیصلہ کیا تھا کہ ہم اپنی مادرِ وطن کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ ہم یہیں پیدا ہوئے ہیں۔ یہیں مریں گے اور جن قبرستانوں میں ہمارے آباء اجداد کی ہڈیاں دفن ہیں، وہیں ہم بھی دفن ہوں گے۔ ہماری حب الوطنی پر سوالیہ نشان لگانے والے بتائیں کہ اپنے وطن سے محبت کا جو ثبوت ہم نے دیا ہے کیا اس کی کوئی اور مثال کہیں ملتی ہے؟ اور ہم نے اپنے وطن کو نہ چھوڑنے کا فیصلہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے کیا تھا کہ غیر ملکی استبداد سے آزادی کے جنگ تو ختم ہوئی مگر اب ہمیں ایک نئی جنگ کے لیے قربانیاں دینی ہوں گئیں۔ یہ جنگ دو محاذوں پر لڑنی ہے۔ ایک محاذ تنگ نظری اور فرقہ پرستی کے خلاف کھولنا ہوگا اور دوسرا محاذ خود اپنے دین وایمان اپنے تشخص، اپنے اداروں کی حفاظت کے لیے کھولنا ہوگا۔ تقسیم کے سانحہ نے متحدہ قومیت کے نظریہ کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ نئی سیاسی فضا میں ملّت اسلامیہ جن حالات سے دوچار تھی ان میں اگر جمعیۃ علماء ہند بھی متحدہ قومیت کے نظریہ کو خیر باد کہہ دیتی تو کسی کو تعجب نہ ہوتا۔ مگر وہ اس موقف پر سختی سے قائم رہی کہ اس ملک کے باشندوں کو مذہب کی بنیاد پر الگ الگ قوموں میں تقسیم ملک اور ملّت دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانانِ ہند کے مخصوص مسائل کو فرقہ وارانہ سیاست کے ذریعہ نہیں بلکہ کشادہ ذہن اور انصاف پسند برادرانِ وطن کے تعاون اور شرکت سے ہی حل کرنے کی حکمتِ عملی اختیار کی، جس پر وہ آج بھی کاربند ہے۔

بیشک آزادی کے بعد صورتِ حال بڑی ہی حوصلہ شکن تھی۔ آزادی کے فوراً بعد شک کی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند کی تلاشی، اور وہ بھی مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسی عظیم قوم پرست ہستیوں کے موجود رہتے ہوئے، اس بات کا اعلان تھا کہ پاکستان کے قیام کے باوجود جن مسلمانوں نے ہندوستان کو اپنا وطن منتخب کیا ہے وہ شک کے دائرے سے باہر نہیں ہیں۔ اسی کے ساتھ مسلم کش فسادات کے لامتناہی سلسلہ نے حالات کا مزید سنگین بنادیا۔ یہاں اتنا موقع نہیں کہ ان فسادات پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی جائے، البتہ یہ بات ہر فساد کے دوران اور ہر فساد کے بعد روز روشن کی طرح عیاں ہوتی چلی گئی کہ یہ فسادات ایک مخصوص ذہنیت کی سازش کا نتیجہ ہیں اور اس ذہنیت کے لوگ حکومت اور انتظامیہ پر حاوی آگئے ہیں۔ فسادات کے نتیجہ میں جان اور مال کی جو تباہی ہوئی، سو ہوئی، سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمان اپنے آپ کو الگ تھلگ محسوس کرنے لگے اور اربابِ حکومت کے قول اور فعل میں تضاد کی وجہ سے ان پر اعتبار جاتا رہا۔ جن پر وطن کے ایک ایک فرد کی جان اور مال کی قانونی، اخلاقی اور آئینی ذمہ داری تھی، جب وہی سازشوں میں ملوث پائے جائیں گے تو بھلا سکون کا کون سا گوشہ باقی رہ جائے گا۔

اس برصغیر میں تقریباً سات سو سال کا دور ایسا گزرا ہے، جس میں اکثر حکمران مسلمان تھے۔ اگرچہ یہ شخصی حکمرانی کا دور تھا اور دیگر رعایا کی طرح مسلم رعایا بھی بدحال اور استحصالی نظام میں گرفتار تھی، مگر کیونکہ حکمراں عموماً انصاف پسند تھے اس لیے مذہب یا آبادی کے تناسب میں کمی یا زیادتی کی وجہ سے کسی کے ساتھ کوئی تفریق نہیں برتی جاتی تھی، اس لیے تعداد کے اعتبار سے اقلیت میں ہونے کے باوجود مسلمان عدم تحفظ کے اس احساس سے ناآشنا تھے، جو آزادی کے بعد ان کا مقدر بن گیا۔ ذرا واضح الفاظ میں اس بات کو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کی آبادی اس برصغیر میں کسی بھی دور میں ۳۰ فیصد سے زیادہ نہیں رہی، لیکن ان میں یہ احساس نہیں تھا کہ وہ ایک 'اقلیت' ہیں۔ جہاں تک ملک کی دیگر ۷۰ فیصد آبادی کا سوال ہے، کیونکہ مسلم حکمرانوں نے بالعموم ان کی مذہبی اور ثقافتی زندگی میں کبھی مداخلت نہیں کی، ان کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر کوئی تعصب نہیں برتا، ان کے لائق افراد کو نظام حکمرانی میں اعلاترین مناصب عطا کیے، اس لیے وہ بھی کبھی محرومی کا شکار نہیں رہے۔ لیکن آزادی کے بعد مسلمان اس نئی سیاسی صورتحال سے گزرے جس میں نہ ان کا پہلا سا تعلق حکمراں طبقہ سے رہا تھا، نہ بحیثیت قوم وہ کسی کے غلام رہے تھے، بلکہ ایک ایسی قوم کے ساتھ شریک حکمرانی تھے جس کے ذہنوں میں دور غلامی میں 'پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو' کے اصول کے تحت یہ غلط بات بٹھادی گئی تھی کہ دراصل وہ تو مسلم حکمرانوں کے دور میں بھی غلام تھے۔ اس غلط خیال کی بدولت برادرانِ وطن کا ایک طبقہ جو شدید احساس محرومی میں مبتلا ہوگیا اور مسلمانوں کے ساتھ بیجا تعصب اور ناانصافی پر اتر آیا۔ بدقسمتی سے فرقہ پرست عناصر آج بھی اس بے بنیاد خیال کی تشہیر سے باز نہیں آئے ہیں، چنانچہ اقتدار پاجانے کے باوجود آج بھی برادرانِ وطن کا ایک بڑا طبقہ شدید احساس محرومی میں مبتلا ہے اور یہی وہ احساس ہے جو مسلمانانِ ہند کے لیے مشکلات، مسائل اور حق تلفیوں کا ایک بڑا سبب بنا ہوا ہے۔

حالات کے اس اجمالی جائزے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آزادی کے بعد کے دور میں مسلمانانِ ہند کی قیادت کا کام کچھ زیادہ ہی پیچیدہ اور مشکل ہوگیا۔ یہ وہ دور ہے جس میں پہلے ناظم عمومی کے حیثیت سے اور پھر صدر کی حیثیت سے جمعیۃ علماء ہند کی قیادت کے ذمہ داری مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے کاندھوں پر آئی۔ اور مجھے یہ کہنے میں مطلق تردد نہیں ہے کہ مولانا مدنیؒ نے اس ذمہ داری کو بخوبی ادا کیا ہے۔ میں چند جملوں میں اپنی بات کو سمیٹتا ہوں اور یہ بتانے کی کوشش کرتا ہوں کہ مولانا مرحوم نے کس طرح اس ذمہ داری کو نبھایا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں جمعیۃ کا پہلا اور بنیادی اصول متحدہ قومیت کے نظریہ کا تحفظ تھا۔ اس نظریہ سے مراد یہ ہے کہ مذاہب اور

معاشرتی نظام مختلف ہونے کے باوجود ہندوستان کے تمام باشندے ایک قوم ہیں۔ چنانچہ تمام باشندگان ملک کے حقوق برابر ہیں۔ ہمارا دین اگر چہ برادرانِ وطن سے مختلف ہے، مگر اس بنیاد پر کسی کے ساتھ کوئی رعایت یا بھید بھاؤ روا نہیں ہے۔ اسی نظریہ کا دوسرا نام 'سیکولرزم' ہے۔ چنانچہ مولانا اسعد مدنی از وال تا آخر اس نظریہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے اور اسی لیے جمعیۃ علماء ہند برابر کانگریس کے ساتھ کھڑی ہوئی نظر آئی، ہرچند کہ سیکولر نظریہ پر عمل میں کانگریس کا ریکارڈ لغزشوں سے پاک نہیں ہے، اور سب سے زیادہ حق تلفیاں کانگریس کے ہی کھاتے میں جاتی ہیں، تاہم اس کی اعلان شدہ پالیسی روز اوّل سے ہی سیکولر رہی ہے۔ کمیونسٹ پارٹیاں بھی مذہب کی نفی کے ساتھ سیکولرزم کی داعی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیۃ علماء نے کمیونسٹ پارٹیوں سے بھی راہ ورسم رکھی۔ چنانچہ جمعیۃ علماء کے ایک بڑے رہنما مولانا اسحاق سنبھلی مرحوم سی پی آئی کے ٹکٹ پر لوک سبھا کے رکن رہے۔ حالیہ برسوں میں کچھ علاقائی پارٹیاں بھی اُبھری ہیں، جن کی اعلان شدہ پالیسی سیکولر بنیادوں پر قائم ہے اور جمعیۃ ان کے ساتھ بھی تعاون کو روا رکھتی ہے۔

حضرات یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ حقوق کے ساتھ ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہیں۔ چنانچہ مولانا اسعد مدنی نے صرف حقوق کی ہی لڑائی نہیں لڑی بلکہ وہ قدم قدم پر مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریاں بھی یاد دلاتے رہے۔ ان کا کوئی خطبہ ایسا نہیں ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کو مکاتب اور مدارس قائم کرنے کی تلقین کے ساتھ جدید علوم کے تعلیمی ادارے قائم کرنے پر توجہ نہ دلائی ہو۔ انھوں نے پوری طاقت کے ساتھ ملیّ تشخص کے تحفظ کے لیے کام کیا ہے۔ وہ بہت ہی شدت کے ساتھ مسلمانوں کو مذہبی شعائر پر قائم رہنے، بیاہ شادی اور دیگر تقاریب کے موقعوں پر بے جا مصارف سے بچنے اور ایسے رسموں اور رواجوں کو ترک کرنے کی تلقین کرتے تھے جن کا دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ وہ بنیاد پرستی کے الزام کی پروا نہ کرتے ہوئے برابر نوجوانوں کو داڑھی رکھنے، اسلامی شعائر کی پابندی کرنے اور خواتین کو شریعت کی حدود میں با پردہ رہنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ یہ غالباً ۱۹۶۱ء کی بات ہے، جب میں اپنے ماموں جان حکیم سیّد حسین دہلویؒ کے ہمراہ ان سے پہلی مرتبہ ملا۔ میرا خط نیا نیا نکلا تھا اور ایک آریہ سماجی کالج میں پڑھنے کے باوجود میں شیو نہیں کرتا تھا۔ غالباً میری حوصلہ افزائی کے لیے مولانا نے میرے داڑھی کی تعریف کی اور چلتے وقت ایک ٹوپی عنایت فرمائی۔ یہ شاید اس لیے کہ میں ننگے سر تھا۔ تلقین کا ایک یہ بھی طریقہ ہے، جس پر ہماری توجہ کم جاتی ہے۔ مسلمانوں کے ملّی و دینی تشخص کے لیے ان کے دل میں کتنی تڑپ تھی اس کا کچھ اندازہ ان کی ان کاوشوں سے اور ان پارلیمانی تقریروں سے کیا جاسکتا ہے جو انھوں نے مدارس

اور وقف املاک کے تحفظ، مسلم خواتین کے حق وراثت کے لیے قانون میں ترمیم اور 'قاضی بل' کے سلسلے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر انجام دیں۔ مولانا تقریباً ۱۸؍برس راجیہ سبھا کے ممبر رہے۔ ان کی تقریروں کے سرسری مطالعہ سے پتہ چلتا کہ انھوں نے کس عزم اور حوصلہ سے خصوصاً فسادات کے موقع پر ایک طرف سیاست اور انتظامیہ میں چھائے ہوئے متعصب عناصر کو بے نقاب کیا، دوسری طرف انصاف اور خیر پسند برادرانِ وطن کے ساتھ تعلّقات کی استواری پر توجہ دی۔ ہمیں ان کا یہ مشورہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہم اپنے غیر مسلم پڑوسی کے دکھ درد میں اس کا ہاتھ بٹانے کو اپنے شعار بنالیں تو بہت سے جواب خود بخود اٹھ جائیں گے اور بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ یہ ہمارے دینی منصب کا تقاضا تو ہے ہی، وقتی مصلحت کے بھی عین مطابق ہے۔ انھوں نے خصوصاً فسادات کے دوران خطر کی پرواہ کیے بغیر متاثرہ علاقوں میں جا کر مصیبت زدگان کی مدد کی اور ان کا حوصلہ بڑھایا۔ مولانا مرحوم نے تاریخ کا جو دور پایا اس کا تقاضا اس کے علاوہ کیا تھا بحیثیت مسلمان ہماری شناخت برقرار رہے اور شریعت محمدی پر عمل کے تقاضوں کو پورا کریں اور بحیثیت ہندوستانی ہم برادرانِ وطن کے ساتھ ہم آہنگی قائم کریں تاکہ بحیثیت قوم ہم مضبوط ہوں اور ہمارا ملک مضبوط تر ہو۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ان کی کاوشیں اس دور کی تاریخ میں ان کے مقام کا تعین کرتی ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اس اعتبار سے ان کا مقام ان کے کسی ہم عصر رہنما سے کم بلند نہیں ہے۔ مولانا محترم کی ان ملّی اور قومی خدمات کو اور چار چاند لگ جاتے اگر ہم آج یہ باور کرا سکے ہوتے کہ جمعیۃ علماء ہند کسی ایک مکتب فکر کی نہیں بلکہ امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کی ویسی ہی نمائندگی کرتی ہے جیسی ابتدائی دور میں کرتی تھی۔

اپنے آخری ایام میں انھوں نے ملّت کی ایک بڑی تاریخی غلطی کے ازالہ کی بھی سعی بلیغ کی تھی اور وہ تھی دلتوں اور پسماندہ طبقوں سے میل ملاپ بڑھانے کی کوشش۔ یہ بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ دلتوں کے ساتھ ہمارا رویہ ہمارے دینی تقاضوں کے مطابق نہیں رہا اور ہم نے بھی ان کے ساتھ چھوت چھات کی وہی روش اختیار کی جو برادرانِ وطن کی تھی۔ علاوہ ازیں ملّت اسلامیہ میں ذات اور برادریوں کی پہچان اور بیاہ شادیوں کے معاملات تک محدود تھی، مگر اب سیاسی فیصلے بھی انھیں بنیادوں پر ہونے لگے ہیں۔ علماء کی اس جمعیۃ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس بگاڑ کے ازالہ کے لیے مولانا مرحوم کے ادھورے کاموں کو پورا کرنے پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔ یہی مولانا اسعد مدنیؒ کو ہمارا سب سے بڑا اخراجِ عقیدت ہوگا۔

○○

تأثرات ومشاہدات

❑ مولانا سید اسجد مدنی
ناظم جامعۃ البنات الاسلامیہ دیو بند وسابق ناظم جمعیۃ علماء ہند

’’بابوؒ‘‘ رحمۃ اللہ علیہ

اس سال رمضان المبارک میں پے در پے ایسے واقعات پیش آئے کہ اندازہ ہونے لگا کہ آپ زندگی سے ناامید ہورہے ہیں۔ رمضان سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے اپنی مصروفیات کو درمیان میں چھوڑ کر عمرہ کے لیے تشریف لے گئے، ایک روز پہلے واپسی ہوئی، اس سفر میں گردے بہت متأثر ہوئے، ڈاکٹروں کی رائے پر اپولو میں داخل کردیے گئے، جب میں اسپتال پہنچا تو دونوں ہاتھوں میں گلوکوس کی نڈل لگی ہوئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے، یہ معلوم ہوچکا تھا کہ روزہ توڑا نہیں ہے، میں نے خوش طبعی کے طور پر عرض کیا یہ آپ کا اچھا روزہ ہے، گلوکوز چڑھ رہا ہے، پیاس اور ضعف کا نام ونشان نہیں اور روزہ اپنی جگہ پر باقی ہے، تو فرمانے لگے اچھا کل سے روزہ نہیں رکھوں گا، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر میں نے عرض کیا ابھی گیارہ ہی بجے ہیں، آپ کچھ کھا لیجیے، گردے کی تکلیف ہے اس میں پانی کی بہت ضرورت ہے، روزہ آپ کے لیے مہلک ہوسکتا ہے، فرمانے لگے آج تو روزہ توڑتا نہیں کل کے بارے میں سوچوں گا۔ میں نے ہمت کر کے عرض کیا کہ اتنی جلدی اپنی بات سے آپ پلٹ گئے، تو بہت زور سے قہقہہ لگایا اور فرمایا ’جب تم اپنی بات سے پلٹ رہے ہو تو میں نہ پلٹوں، تم نے کہا کل روزہ نہ رکھنا، ابھی کہہ رہے ہو آج ہی توڑ دو‘‘۔ بچے (محمود سلمہ وغیرہ) مجھ سے کہنے لگے چچا آپ یہیں رہئے، آج کئی روز کے بعد ’’ابویا‘‘ نے اتنی باتیں کی ہیں اور قہقہہ لگایا ہے، اس کے بعد دو تین دن میں طبیعت سنبھل گئی اور دیو بند تشریف لے آئے۔

پندرہ رمضان کو مغرب کے بعد اچانک قلب کا دورہ پڑا، رات ہی میں دیو بند سے دلی لاکر اپولو اسپتال میں داخل کردیا گیا، اگلے روز ظہر کے بعد بمشکل تمام ملاقات کی اجازت ملی، جس وقت میں آئی سی یو میں پہنچا ہوں، مختلف مشینیں چاروں طرف لگی ہوئی تھیں، اور بیڈ پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے، مجھ کو دیکھتے ہی رونے لگے اور بے قابو ہوگئے اور روتے ہوئے فرمایا: ’’نہ

روزہ ہے، نہ نماز، نہ قرآن، نہ تراویح۔ آخر کیا ہوگا‘‘؟ آج تک باباؒ کی وہ بے قراری میری نظروں کے سامنے ہے جو مجھ سے بن پڑا اسی وقت عرض کرتا رہا، میں بھی روتا رہا وہ بھی روتے رہے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد واپس آ گیا، تین چار روز میں طبعیت سنبھل گئی، ۱۹ر رمضان کو اسپتال سے چھٹی ملی، ہم سب لوگ عشاء سے پہلے دیوبند پہنچ گئے۔ اگلے دن حسب معمول اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ ۲۱ر رمضان کو ظہر کے بعد معتکف میں میں نے جا کر عرض کیا کہ ضعف بہت بڑھ گیا ہے، گردے متأثر ہیں، قلب کا دورہ پڑ چکا ہے، ان ہی حالات میں تو روزہ کی رخصت ہے، میری بات سن کر ایک عجیب انداز سے فرمایا! ’’اب اگلے رمضان کی مجھ کو امید نہیں ہے، اس وجہ سے مجھے روزے سے مت روکو، جب تک چل رہا ہے چلنے دو‘‘، میں خاموشی سے اٹھ کر واپس آ گیا۔

۲۹ر رمضان کو ظہر سے پہلے حاضر ہوا تو فرمانے لگے، ظہر کے بعد میرا ارادہ ہے کہ اوپر جا کر مہمانوں سے کچھ کہوں، میں نے کہا کہنے میں تو کچھ حرج نہیں ہے، لیکن اختصار کا خیال رکھئے گا، فرمایا: ہاں! مجھ کو اس کا احساس ہے، پھر ظہر کے بعد دس منٹ کی تقریر میں پورے مجمع کو خوب رلایا، اور خود بھی روئے، اور ایک عجیب جملہ فرمایا، جس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا کہ ’’بھائیو! اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جا رہا ہوں‘‘۔

عید کے اگلے دن عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا، اطلاع ملی کہ باباؒ وہیل چیئر سے گر پڑے، دوڑتا ہوا گھر پہنچا تو دیکھا منّو (محمد) سلمہ باباؒ کے کمرے کے سامنے کھڑے ہیں، میں نے پوچھا کیا ہوا؟ منّو نے کہا سر میں چوٹ لگی ہے، پیشاب سے فارغ ہو رہے ہیں، اتنے میں باباؒ نے آواز دی، ہم لوگ اندر پہنچے تو دیکھا سر کے پچھلے حصہ سے تیزی سے ایک ایک قطرہ خون گر رہا ہے، منّو سے فرمانے لگے جلدی سے تیمّم کی مٹی لاؤ، عصر کی نماز پڑھوں گا، میں نے عرض کیا، خون بہہ رہا ہے تیمّم نہیں ہوگا، تھوڑی دیر رک جایئے، خون بند ہو جائے، اس کے بعد تیمّم کیجیے گا، تو رک گئے۔ پھر فرمایا: مولانا طلحہ صاحب کو چائے پلائی، میں نے عرض کیا جی ہاں پلا دی۔ کرتے کا پچھلا حصہ تر تھا، میں نے عرض کیا ہاتھ اوپر اٹھائیں، آپ کا کرتا اتار دوں، فرمایا کیوں؟ میں نے کہا کہ اتنا خون لگا ہوا ہے کہ آپ کی نماز نہیں ہوگی، اس درمیان میں ایک متلی ہوئی، ہم لوگ مستقل کوشش کرتے رہے، کہ کسی طرح خون بند ہو جائے، مختلف قسم کی دوائیں زخم پر لگاتے رہے، اسی درمیان فرمانے لگے، مٹی لاؤ تیمّم کروں اور عصر کی نماز پڑھ لوں، منّو مٹی لے آئے، تیمّم کیا، میں زخم پر دوا لگاتا رہا اور خون روکنے کی کوشش کرتا رہا، اسی درمیان میں دوبارہ تیمّم کیا۔ چھوٹے بابو مدظلہ وہیں

کمرے میں غسل خانے میں وضو کررہے تھے۔ تیسری مرتبہ پھر باباؒ نے تیمّم شروع کردیا، مجھ کو حیرت ہوئی کہ سہ بار کیوں تیمّم کررہے ہیں؟ میں نے جھک کر باباؒ کے چہرے کو غور سے دیکھا تو وہ مجھ کو ہر طرح کے جذبات سے عاری نظر آیا، میں نے چھوٹے بابو کو آواز دی کہ جلدی آیئے! دیکھئے انہوں نے مجھ سے زور سے کہا کہ سنبھالو کہیں گر نہ جائیں، میں نے جلدی سے پیچھے سے کولھی بھر لی، میرا خیال ہے دو منٹ گذرتے گذرتے ان پر مکمل بے ہوشی طاری ہوگئی، اور رات ہی میں ان کو دیوبند سے لاکر دلی اپولو اسپتال میں داخل کردیا گیا۔ اور تین ماہ پانچ دن بے ہوشی ونیم بے ہوشی میں گذری، بالآخر ۶ رفروری ۲۰۰۶ء کی شام تقریباً پونے چھ بجے اپولو اسپتال میں اللہ اللہ کرتے ہوئے اپنے رب سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یتیمی کا داغ؛ جو مٹ نہ سکے گا

''بابوؒ'' (حضرت فدائے ملتؒ) کا جنازہ ''اباجیؒ'' کے کمرہ میں انہی کے پلنگ پر رکھا ہوا تھا، اور آپا مدظلہا (والدہ صاحبہ) ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں، مجھ کو دیکھ کر روتی ہوئی آئیں اور لپٹ کر کہا: ''آج تم دوبارہ یتیم ہوگئے''۔ بے شک انہوں نے سچ کہا میں نے تو آنکھیں کھول کر ''اباجی'' کی جگہ ''بابو'' ہی کو دیکھا، اور انہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ اسی شفقت کا معاملہ کیا جو ایک مشفق باپ اپنی عزیز ترین اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔ اس وقت بچپن کے چند واقعات یاد آرہے ہیں ان سے قارئین حضرتؒ کی شفقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

- میں بہت چھوٹا تھا، چھوٹے بابو مدظلہ اس زمانہ میں گیا (بہار) میں پڑھاتے تھے، قرآنِ کریم میں نے وہاں جاکر شروع کیا تھا، ایک سفر بابو علیہ الرحمۃ کے ساتھ ہوا، ساتھ میں کھانا تھا لیکن روٹیاں سادی تھیں پوچھا ارشد! یہ روٹیاں سادی کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو پراٹھے سے تکلیف ہوجاتی ہے، بہت غصہ سے کہا تو خود سوکھی روٹیاں کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے، اسجد کے لیے پراٹھے کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ مجھ کو یاد ہے دیر تک اس کا ذکر کرتے رہے اور بار بار کرتے رہے۔
- گیا ہی کے قیام کے زمانہ کا واقعہ ہے، میں دیوبند آیا ہوا تھا۔ بابو کا یوپی اور بہار کا پروگرام تھا اس لیے ہم لوگ چار پانچ دن میں پہنچے، ہر جگہ رات کی طے شدہ ٹرینوں کو چھوڑ دیتے تھے اور منتظمین سے کہتے کہ اسجد کی نیند خراب ہوگی اس لیے دن کی ٹرین کا انتظام کرو۔
- ایک مرتبہ آپا مدظلہا کسی ضرورت سے ''باباؒ'' کے ساتھ دلی جارہی تھیں، جب میں نے برقعہ اوڑھے دیکھا تو رونا شروع کردیا کہ میں بھی ساتھ جاؤں گا، آپا مدظلہا نے زور سے ڈانٹا، ''کوئی

ضرورت نہیں! میں تو کل آ جاؤں گی''، چلتے وقت بابو نے گھر میں مجھ کو روتے دیکھ کر پوچھا: کیوں رورہا ہے؟ کسی نے کہا کہ آپا کے ساتھ جانا چاہتا ہے، فوراً کہا کہ: اسے بھی ساتھ لے کر چلو، جلدی جلدی تیاری کی، جب تک تیار نہیں ہوا بیٹھے رہے اور ساتھ لے کر گئے۔ اُس زمانہ میں لیڈیز ڈبہ الگ ہوتا تھا، میں آپا مدظلہا کے ساتھ اس ڈبہ میں تھا، جیسے ہی اسٹیشن پر گاڑی رکتی فوراً آتے اور پوچھتے کسی چیز کی ضرورت ہے؟ پانی لاؤں، کوئی پھل کھائے گا، کیلا لے کر آئے، ایک مرتبہ کوئی اور چیز لے کر آئے، اس طرح دلی پہنچے۔ اُس زمانہ میں پرانی دلی میں ٹرام چلتی تھی جب ہم لوگ ٹیکسی سے پل بنگش پہنچے تو میں نے اس ٹرام کو دیکھ کر شور مچا دیا، دیکھو کیسی بس؟ لوہے کی کیسی بس۔ مجھ کو یاد ہے کہ بابوؒ نے اس پر بہت زور سے قہقہہ لگایا اور تفصیل سے مجھ کو بتلایا کہ یہ بس نہیں اس کو ٹرام کہتے ہیں اور یہ بجلی سے چلتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

○ جب میری شادی ہوئی، بڑے اہتمام سے سمستی پور بہار کا سفر کیا، واپسی میں عورتیں اور سامان وغیرہ بھی تھا، اس وقت سمستی پور صرف ایک ٹرین جینتی جنتا ایکسپریس چلتی تھی، جس میں سب سیکنڈ کلاس کے ڈبے ہوتے تھے، لوگوں کی آمدورفت ہر وقت رہتی تھی آپ نے سب کو سلا دیا اور پوری رات تقریباً بیٹھ کر گذار دی۔

○ جس زمانہ میں میں دفتر جمعیۃ علماء ہند آیا اس کے کچھ روز بعد فرید بھائی مرحوم مدراس کے بچہ کی شادی تھی، فرید بھائی بابو سے بہت تعلق رکھتے تھے، اور بابو ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے، انہوں نے بابو سے کہا کہ اسجد کو اپنے ساتھ لے کر آئیں، ہم لوگ مدراس ہوائی جہاز سے پہنچے، پھر ان کے وطن ''پلے پٹی'' گئے، شادی سے فراغت کے بعد فرید بھائی مرحوم نے بابو سے عرض کیا کہ اسجد پہلی مرتبہ جنوبی ہند آیا ہے اس لیے یہاں جو تفریحی مقامات ہیں، میں نے آپ کا اور اسجد کا پروگرام چار روز کا بنا دیا ہے، کوڑے کنال، اوٹی، بانڈی پورہ نیشنل پارک، میسور اور بنگلور۔ بار بار بابو یہ کہتے رہے کہ مجھ کو کس چیز کی سزا دی جارہی ہے؟ لیکن ہر ہر مقام پر میرے ساتھ گئے وہاں کی تفصیلات اور خصوصیات بتلاتے رہے، گھماتے رہے، چار روز کی تفریح کے بعد ہم لوگ بنگلور سے دلی پہنچے۔

شفقت ومحبت کے واقعات اور یادوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، کہاں تک لکھوں، اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ملی خدمت کی تابناک مثالیں

مجھ کو جمعیۃ علماء ہند کے دور نظامت میں حضرت بابو علیہ الرحمۃ کے ساتھ بہت قریب رہنے کا

موقع ملا، میں نے سرد وگرم حالات میں بھی آپ کو ثابت قدم پایا، اور ان جیسے حوصلہ اور جرأت کا انسان میں نے نہیں دیکھا، اس سلسلہ کے واقعات تو بہت ہیں لیکن اس وقت چند ایسے واقعات جن کا میں خود شاہد ہوں، پیش کرتا ہوں۔

مراد آباد کا فساد:

اندرا گاندھی کے زمانے میں مراد آباد میں عید کے دن عید گاہ میں پولیس نے ایک معمولی سے انتشار پر مسلمانوں پر گولی چلائی اور سیکڑوں مسلمان شہید ہوگئے۔ مراد آباد میں بڑے سخت حالات تھے، پولیس اور پی اے سی کے مظالم مسلمانوں پر سارے شہر میں ہو رہے تھے، اور افسران حکام کو یہ اطلاع دے رہے تھے کہ مسلم نوجوان پولیس پر حملہ آور ہوئے تو پولیس نے اپنے دفاع میں گولی چلائی، اندرا جی کے پاس یہی اطلاع تھی اور ان کا ذہن بھی یہی تھا، ان ہی خطرناک حالات میں بابوؒ مراد آباد آئے، یہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور دلی پہنچ کر اندرا جی سے ملے اور پولیس کے مظالم کی تفصیلات بتلائیں، اندرا جی نے گیانی ذیل سنگھ کو جو اس زمانے میں حکومت ہند کے وزیر داخلہ تھے، مراد آباد حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا، وہ ہیلی کاپٹر سے روانہ ہوئے، بابوؒ ان کے پیچھے کار سے، جب بابوؒ مراد آباد میں کوتوالی پہنچے ہیں تو حکام گیانی ذیل سنگھ کو شہر کا دورہ کرا کے وہی پرانی رپورٹ دے رہے تھے، بابوؒ اس میٹنگ میں زبردستی گھس گئے اور صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا اور گیانی ذیل سنگھ سے کہا آیئے! وہ نوجوان جو پولیس پر حملہ آور ہوئے تھے، ان کی لاشیں آپ کو دکھلاؤں اور گیانی جی کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لائے جہاں بھیڑ بکری کی طرح مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک ایک لاش کا چہرہ گیانی جی کو دکھلاتے تھے، کہتے تھے یہ بوڑھا جس کے چہرہ پر سفید ڈاڑھی ہے یہ آپ کی پولیس پر حملہ آور تھا؟ یہ بچہ جو ابھی چلنا سیکھ رہا ہے یہ آپ کی پولیس پر حملہ آور تھا؟ اس طرح وہاں بوڑھے اور بچوں کی جتنی لاشیں پڑی تھیں ایک ایک کے چہرے کو دکھایا۔ گیانی ذیل سنگھ کے سامنے جب یہ صورتِ حال آئی تو ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور آئی جی پولیس جوان کے بغل میں کھڑا ہوا تھا، غصہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کی وردی پر جو اسٹار لگے ہوئے تھے نوچ نوچ کر پھینک دیے اور کہا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہاری وردی پر یہ اسٹار لگیں، اور دلی آ کر اس رپورٹ کی تصدیق کی جو بابوؒ نے اندرا جی کو دی تھی، اور اس کے نتیجہ میں مراد آباد کے حالات بدلے۔

بھاگل پور کو بچالیا:

بھاگل پور کے فساد کے موقع پر بابوؒ کا تیسرا دورہ تھا اور اس میں میں بھی ساتھ تھا۔ ہم لوگ شام

کے جہاز سے دلی سے پٹنہ پہنچے اور رات میں وہاں سے ٹرین کے ذریعہ بھاگل پور جانا تھا، ابھی ہم اسٹیشن جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ بھاگل پور سے تواتر کے ساتھ اطلاعات آنی شروع ہوئیں کہ چمپانگر، بھاگل پور کو فسادیوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، ہجوم بڑھتا جارہا ہے، مسلمان اپنا دفاع کررہے ہیں، پولیس تماشائی بنی ہوئی ہے، اگر فوری طور پر حفاظت کا بندوبست نہ کیا گیا تو رات گذرتے گذرتے فسادی غالب آجائیں گے اور ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام ہوجائے گا۔ بابوؒ نے فوراً وزیر اعلی بہار سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، معلوم ہوا کہ وہ پٹنہ سے باہر ہیں اور مظفر پور سرکٹ ہاؤس میں آرام کررہے ہیں۔ بار بار فون کرنے پر جواب یہی ملتا کہ صاحب سو گئے ہیں، صبح بات ہوگی۔ جب مایوس ہوگئے تو راجیو گاندھی سے رابطہ کی کوشش کی وہ اس وقت وزیر اعظم تھے، رات اچھی خاصی گذر چکی تھی، لیکن لگے رہے۔ راجیو گاندھی سے بات ہوئی انہوں نے حالات سن کر کہا چیف منسٹر سے بات کیجیے، بابوؒ نے بہت غصہ میں جواب دیا: یہاں مسلمانوں کا قتل عام ہورہا ہے، اور آپ کو قانون سوجھ رہا ہے، آپ کا چیف منسٹر بات کرنے کے لیے تیار نہیں، وہ مظفر پور سرکٹ ہاؤس میں آرام کررہا ہے، راجیو نے کہا کہ اچھا آدھے گھنٹے کے بعد پھر مجھ سے رابطہ قائم کریں، آدھے گھنٹہ کے بعد دوبارہ رابطہ قائم کیا، راجیو سے بات ہوئی، انہوں نے کہا کہ ڈسٹرکٹ اتھارٹی کو احکامات دے دیے گئے ہیں وہ حفاظت کا بندوبست کرے گی، بابوؒ نے فوراً کہا کہ وہ شام سے فسادیوں کا ساتھ دے رہی ہے، مظلوموں کا نہیں۔ آپ فوج کو حکم دیں کہ وہ حرکت میں آئے اور اپنی ایک ٹکڑی بھیجیں، ورنہ صبح ہوتے ہوتے پورا علاقہ تباہ وبرباد ہوجائے گا، راجیو نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں ایک گھنٹے کے بعد بھاگل پور سے اطلاع ملی کہ فوج آگئی ہے، اس نے پوزیشن سنبھال لی ہے، اور فسادی منتشر ہونا شروع ہوگئے ہیں، وہ پوری رات بابوؒ نے دفتر جمعیۃ علماء بہار کی ایک کرسی پر بیٹھ کر گذار دی، اور الحمد للہ چمپانگر کو تباہی سے بچالیا۔

بجنور کا فساد:

مجھ کو یاد ہے کہ بجنور کے فساد کے موقع پر پی اے سی نے بے پناہ مظالم کیے تھے، انہی حالات میں بابوؒ نے بجنور میں داخل ہونے کی کوشش کی، میں اس سفر میں بابوؒ کے ساتھ تھا، بجنور سے پہلے گنگا کے پل پر پولیس نے بابوؒ کو روک دیا، پولیس کے ساتھ بابوؒ کی تکرار ہورہی تھی کہ ایک سرکاری بس وہاں رکی، بابوؒ نے چپکے سے مجھ سے کہا کہ جلدی سے اس میں بیٹھ جاؤ، مختصر یہ کہ بجنور سے واپسی پر تفصیلی رپورٹ جب میں نے بابوؒ کو پیش کی، تو بابوؒ اس کو لے کر راجیو گاندھی کے پاس گئے، راجیو اس وقت

اپوزیشن لیڈر رہتے، وہاں کے بھیانک مظالم کی تفصیلات جب بابوؒ نے راجیو کے سامنے رکھیں اور بتلایا کہ بجنور وہ جگہ ہے کہ جس نے ۱۹۴۰ء سے آج تک فرقہ پرستی کا مقابلہ کیا اور کانگریس کے علاوہ کوئی نمائندہ وہاں سے نہیں جیتا، مجھ کو یاد ہے کہ راجیو یہ ساری تفصیلات سن کر اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور حکومت کے علی الرغم بابوؒ کے ساتھ انہوں نے بجنور کا دورہ کیا اور اس کے نتیجے میں وہاں کے حالات بدلے۔

بے مثال استغناء

بابوؒ نے جمعیۃ علماء ہند سے کبھی کوئی تنخواہ یا الاؤنس نہیں لیا، حتیٰ کہ اپنے اور اپنے اہل خاندان کے دفتر میں طعام کا خرچ بھی خود ہی ادا فرماتے، اور اپنے ذاتی ضروریات کا بوجھ کبھی جماعت پر نہ ڈالتے تھے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ۱۹۷۴ء میں جب بابوؒ پہلی مرتبہ پارلیمنٹ سے ریٹائر ہوئے تو جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ایک خصوصی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ’’خدا کو گواہ بنا کر آپ لوگوں کو یہ بات بتلا رہا ہوں کہ اِن چھ سالوں میں مجھ کو پارلیمنٹ سے جو کچھ بھی ملا میں نے اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنے اور اپنے خاندان پر خرچ نہیں کیا‘‘۔

○○

□ سید احمد اسعد حسین مدنی
مقیم حال مدینہ منورہ

میرے مشفق والدؒ!

(عربی مقالے کا اردو ترجمہ)

الحمدللہ رب العالمین والعاقبة للمتقین ، والصلاة والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ، اما بعد

گرامی قدر حضرات سامعین کرام، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فدائے ملتؒ سیمینار کے مؤقر ذمہ داران نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنے والد مرحوم کے متعلق کچھ کلمات تحریر کروں، جس شخص کی محبت دل ودماغ میں پیوست ہو اور جسے بھولنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا ہو، اس کے بارے میں کس طرح اظہار خیال کیا جائے سمجھ میں نہیں آتا۔

میں اپنے والد مرحوم کے سامنے کسی ضرورت کا اظہار نہیں کرتا تھا، لیکن وہ حتی المقدور میری ہر ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے، اور مجھے نہیں یاد کہ کبھی انہوں نے میرے کسی مطالبہ کو رد کیا ہو، باوجودیکہ میری تربیت ان سے دور رہ کر ہوئی تھی، وہ اپنی بے پناہ مشغولیات کے باوجود مجھے بھولے نہیں، خطوط اور ٹیلیفون کے ذریعہ مستقل خیر وعافیت دریافت کرتے رہتے تھے، جب بھی حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف آوری ہوتی تو شرف ملاقات حاصل ہوتا اور بارہا میرے غریب خانہ پر قیام فرما کر مجھے سعادت سے نوازتے ان کا دل ہمیشہ ذکر اللہ سے معمور رہتا، دنیا بھر کے مسلمانون کی خوشی اور غم میں شریک رہتے اور بقدر استطاعت ان کی تکالیف ومشاکل کو دور کرنے کی سعی فرماتے، ہر سال دنیا کے مختلف مقامات کا دورہ فرماتے اور وہاں کے مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی لیتے اور انہیں حالات کا مقابلہ کرنے کی تدبیر بتاتے، بنگلہ دیش، پاکستان، برطانیہ، مصر، عراق، لیبیا، کناڈا، امریکہ، جنوبی افریقہ، اور موریشش وغیرہ وہ ممالک ہیں جہاں وہ دینی اور دعوتی پروگراموں میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے تھے، وہ مسلمانوں کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت واطاعت کے جذبات پیدا فرماتے تھے اور حکمت

وموعظت کے ساتھ انہیں دین کی دعوت دیتے تھے، فرمان باری تعالی: ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة ۔الآیۃ ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔

رات کی تاریکی ہو یا دن کی روشنی، مسلمانوں پر ہونے والے ظلم ونا انصافی ان کی ورح کو مضطرب کردیتی تھی، اگر ممکن ہوتا تھا تو وہ بہ عجلت ممکنہ کسی بھی طرح پہنچ کر ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے تھے اور مظلومین کے ساتھ ہم دردی کا اظہار فرماتے تھے، آج ان کے مخالفین بھی ان کی خدمات کے معترف ہیں اور خیر کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

حضرات: یہ مایہ ناز ہستی ہمارے درمیان نہیں رہی لیکن وہ اپنے مبارک نقوش ہمارے لیے چھوڑ گئی ہے، وقت کی تنگی کے باعث ان تمام چیزوں کو بیان کرنا مشکل ہے۔

○○

حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ
شیخ الحدیث دار العلوم وقف، دیوبند

ابن شیخؒ

مجاہد، متوکل، بے باک ونڈر، زاہد و متورع، شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کو پہلی بار کب سنا اور دیکھا صحیح طور پر یاد نہیں، البتہ صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب سے دید و شنید چند ادوار پر مشتمل ہے جس کے نقوش حافظہ میں موجود ہیں:

گرمی کا زمانہ تھا اور اچھی خاصی گرمی، اچانک خبر ملی کہ دہلی میں مولانا اسعد صاحب مرحوم کی والدہ کی وفات حسرت آیات ہوگئی، مرحوم کی حقیقی خالہ میرے ماموں کی اہلیہ تھیں، قرابت بھی، آنا جانا بھی، مرحومہ دبلی پتلی لیکن نقش ونگار زیبا، لباس پوربی، یعنی ساڑھی جو دیوبند کے اس وقت کے معاشرہ میں عجیب وغریب پوشاک تھی، سلہٹ کے طویل قیام کی بناء پر ''مٹرما'' نامی نوخیز، ان کی خادمہ، سوال کرو تو جواب میں صرف ہنسی اور وہ بھی اس بلا کی کہ خود کے پیٹ میں بل پڑ جائیں، مرحومہ جب بھی ماموں کے گھر آتیں تو یہ مٹرما ساتھ ہوتی، ہم بچوں کے لیے نادر تحفہ، بلکہ ہنسی کا گول گپا، میری عمر اس وقت چھ سال کے قریب ہوگی، اور والد مرحوم کے سایہ شفقت سے محرومی کی بنا پر غیر ٹکسالی سکہ، ادھر حضرت مولانا مدنی کا عروج اور ان کے متعلقین رائج الوقت سکے، سانحہ وفات پر والدہ مرحومہ تعزیت کے لیے گئیں، میں بھی ساتھ تھا، غالباً دن کے ۴ بجے ہوں گے کہ تابوت کی آمد آمد کا شور ہوا، جسے مولانا مدنی لے کر دیوبند پہنچے، وسط صحن میں تابوت رکھ دیا گیا اور میت چارپائی پر، خوب یاد ہے کہ حضرت مدنیؒ رہائشی کمرہ کے دروازے کے قریب تشریف لائے، چہرہ مغموم، لیکن پیکر صبر ورضا، نہ گریہ و بکا نہ نالہ وشیون، عطر حنا کی شیشی کسی عزیزہ کو دی کہ میت کے پر ڈال دی جائے، حضرت کو تکفین وتدفین میں ہمیشہ عجلت رہتی، چنانچہ اذان عصر پر جنازہ اٹھانے کا حکم دیا:

اب اٹھا چاہتی ہے نعش فانی دیکھتے جاؤ

یہیں مولانا اسعد کو پہلی بار دیکھا، ہم عمری کے باوجود بعد المشرقین، وہ چالوسکہ اور میں یتیم، نہ بات نہ چیت، نہ ہم کلامی، نہ دوستانہ گفتگو، اس وقت حلیہ یہ تھا، رنگ و روپ نامور باپ کی طرح

گہرا گندمی، بے ریش وبروت، شاید یہ بھی احساس نہیں کہ دنیا لٹ گئی بلکہ اچھل کود۔

دوسرا دور: میں دارالعلوم کے شعبہ فارسی کا طالب علم، مولانا غالباً مرحوم استاذ، قاری اصغر علی صاحب کے خصوصی شاگرد، باپ نے اپنی افتادِ مزاج کے مطابق گھوڑا لے کر دیا، اس پر کبھی مولانا اسعد اور کبھی مولوی فرید الوحیدی سوار، طلبہ ہر دوسمت سے لگام پکڑتے اور سعادت سمجھتے۔

تیسرا دور: باہر کے ایک کمرہ پر ''انجمن تہذیب الاطفال'' کا سائن بورڈ مولانا اسعد اور فرید صاحب رکن رکین، مولانا افتخار صاحب بجنوری برادرزادہ مولانا سلطان الحق صاحب مرحوم انجمن کے صدرنشیں، بذاتِ خود متین بلکہ سنجیدگی کا پرسکون ساحل، نہ لڑکپن کی شوخی نہ بچپن کے کھیل کود، پڑھنے پڑھانے میں ہمیشہ مصروف، ابھی زندہ وسلامت ہیں، اور رڑکی کے کسی گوشۂ عافیت میں، سالہا سال ملاقات پر گذر گئے، اس انجمن کے سالانہ جلسے کبھی بیت الہاجرہ، تو گاہے ہمارے رہائشی محلّہ خانقاہ میں، میں حرف ناشناسی کے دور سے گذر رہا تھا، نہ پڑھائی نہ لکھائی، بلکہ وقت گنوائی، اس لیے حسرت ویاس سے ان انجمنوں کو دیکھتا، اور مقررین کی زیارت گویا کہ مجنوں کے عشق کی یاد، یا فرہاد کا سوز وساز۔

چوتھا دور: لیگ اور کانگریس کے معرکے، بڑوں سے لے کر بچوں تک کے جلوس، کانگریسی بچوں کو جم گھٹا بقیادت مولانا اسعد صاحب لیگی ذہنیت کے بچوں کا ''القاعدۃ'' کی مٹرگشت، یہاں انڈین نیشنل کانگریس زندہ باد کے نعرے تو وہاں اللہ اکبر کے مترنم زمرے، اس زمانے میں انصاری اخبار کانگریس کی زبان اور مولانا مظہر الدین شیرکوٹی کے ''الامان'' اور 'وحدت' لیگ کے ترجمان، ہمارے رفقائے درس میں اختر عباس مرحوم تھے، باپ عطارے کی دوکان کرتے، اور صاحبزادے سیاست کا عطر کھینچتے، ان کی ٹولی کے دوسرے فرد، مولانا اعجاز احمد قاسمی ابھی حیات ہیں، آثارِ قدیمہ با جماعت سے معذور، مگر بچپن کا شوق سیاست میں ایسا گھسا کہ اب ناتوانی اور بے چارگی کے عالم میں بھی دوسروں کے کاندھوں پر سہارا لے کر کانگریس کی میٹنگ میں شرکت کو سعادت اخروی سمجھتے ہیں، برادر اکبر مرحوم از ہر شاہ صاحب قیصرؔ انشاء پردازی کے شوق میں صفحۂ زمین کو قرطاس بنائے ہوئے، ہر وقت انگلی سے زمین پر لکھتے رہتے، اور خود ہی مٹا دیتے، چنانچہ پوری زندگی اسی نہج پر گذر گئی، تعمیر ومنصوبہ بندی اور منصوبوں کے محلات کو اپنے پاؤں کی ضرب سے گرادیتے، 'تیج'، 'تیج ویکلی'، 'انصاری'، 'الامان'، 'وحدت'، 'زمیندار'، 'مدینہ' کے مسلسل خریدار، مجھے بھی وہیں سے اخبار بنی کا چسکا لگا، اور ایسا دامن گیر ہوا کہ میں اب خود ناتواں لیکن یہ شوق بھرپور، ایک دن خبر دیکھی کہ اختر عباس مرحوم اور مولانا اعجاز احمد صاحب بیرسٹر آصف علی صاحب مرحوم سے ملاقات کے لیے پہنچے، کیا

بتاؤں کہ اس خبر کو پڑھ کر دل پر کیا گذری، مچلا، کودا، اچھلا، کاش ان ملاقاتیوں میں میرا بھی نام ہوتا:

کہاں گیا میرا بچپن خراب کر کے مجھے

پانچواں دور: دارالعلوم کے تحتانی حصے میں مولانا عبدالخالق صاحب ملتانی مرحوم مشکوٰۃ کا درس دے رہے ہیں لمبے تڑنگے، بلکہ طالوت، موٹے تازے، لحیم و شحیم، ان کے دراز کرتے کی آستین میں بلا مبالغہ ایک کم سن گھس جاتا، ہر بات ''حصر'' سے کہنے کے عادی، ''نہیں کہا اس بات کو مگر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے، بھئی' یا ''نہیں کہا اس بات کو مگر تفتازانی نے بھئی' گویا کہ تفتازانی کو دو لخت کر دیتے، مولانا اسعد صاحب مرحوم انہی کے درس میں کبھی کبھی نظر پڑتے، میں طویل فترت کا دور گذارنے کے بعد اب دارالعلوم کا ابتدائی طالب علم، صرف اس قدر راہ و رسم کہ اتفاقی ملاقات پر السلام علیکم، وعلیکم السلام، اسعد صاحب بعد فراغت غالباً ایک دو سال کے لیے مدینے چلے گئے، اور دارالعلوم کا میدان بلا شرکت غیرے میری ملکیت، یہاں سیاست میں بھی خوب پہلوانی کی ڈنڈ پیلے اور راٹھک بیٹھک ایسی کی کہ فن میں رسمت زماں بن کر رہا، معلم مولانا سلطان الحق صاحب مرحوم، جو نئے نئے کرتب سکھاتے اس وقت جمعیۃ الطلبہ جو طلبہ کی انجمن تھی اس کے اکھاڑے میں ایسی زور آزمائی کی کہ ''گاما'' کو بھی طاق نسیاں میں بٹھا دیا، حضرت مدنیؒ اس انجمن کے سر پرست تھے، اور صدارتی انتخاب الیکشن سے ہوتا، مقابلہ میں مولانا عبدالحی مرحوم انجان شہید والے ادھر سے یہ آزمودہ کار پہلوان حزب مخالف کا بس نہ چلا کہ ایک رات پوسٹر نکالا کہ ''انظر شاہ مودودی'' ہے، اگلا دن جمعہ کا تھا، جامع مسجد دیوبند میں نماز پڑھ کر نکلا اور دارالعلوم پہنچا تو میرے حامیوں نے پکڑ کر نودرہ میں کھڑا کر دیا گویا کہ ملزم کٹھرے میں، یا شیر قالین پنجرہ میں مطالبہ یہ کہ اس الزام مودودیت کا جواب دو، ورنہ تو شکست کے لیے تیار رہو، خدا جانے کہ کیا اول فول بکا، لیکن جب اکھاڑے سے شرابور نکلا تو ساتھیوں کے کاندھے پر تھا، اللہ اکبر کے نعرے اور زندہ باد کی صدائیں، الیکشن میں جیت گیا، اور مولانا عبدالحی مرحوم چاروں شانے چت آئے، اب مولانا اسعد صاحب مدینہ سے آپہنچے، دارالعلوم میں میری سرگرمیاں عروج پر تھیں، مرحوم بھی مشہور مقولے کے مطابق ''میں آیا، میں نے دیکھا، اور میں نے فتح کر لیا'' میدان میں کود گئے، حضرت مدنیؒ تک یہ بات پہنچائی گئی کہ جمعیۃ الطلبہ دارالعلوم پر مکمل قبضہ کا پلان رکھتی ہے، وہ رات کیسی عجیب و غریب تھی، دارالحدیث طلبہ سے لبریز، تخت نشین حضرت مدنیؒ اور ملزمین قطار اندر قطار، فرط غضب میں کسی کی نہ سنی پورے الیکشن کو کالعدم قرار دیا، یہ حقیر چیئر پرسنی کا جنازہ یکہ وتنہا اس لاش کو دفن کروں تو کہاں نہ قبرستان نہ گورستان نہ گورکن نہ کفن، اب مولانا اسعد صاحب دارالعلوم کے

معاملات میں براہ راست عزل ونصب تک دخیل ہوگئے، خود مرحوم کا تقرر بھی بحیثیت استاذ ہوا، اپنی فطری ہوشمندی اور اپنے نامور باپ کی شخصیت سے خوب فیض اٹھایا، حضرت علیہ الرحمہ روایات اکابر کے حامل غریب نواز، متوکل، قانع، سرمایہ پرستی سے بمراحل دور، اس لیے کسی ایسے کی گنجائش ان کے یہاں نہ تھی جسے دنیا کی ہوا چھو کر گذری ہو، تاہم مولانا اسعد مدنی صاحب مرحوم کی بھی کچھ خصوصیات تھی جن میں وہ منفرد تھے، پرعزم، فعال، دانش مند، انھوں نے جو کچھ حاصل کیا اپنی جدو جہد، محنت اور فعالیت سے، جوڑ توڑ اور کشا کش مستزاد، بڑوں بڑوں سے لوہا لیا، یوپی جمعیۃ العلماء کی صدارت سے شاہد فاخری صاحب رخصت ہوئے، جن کے سب سے بڑے موید خود مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی جیسا نڈر بہادر اور شجاع ومخلص جمعیتی تھے، مولوی وحید الدین شیرکوٹی جو دفتر جمعیۃ میں محرر تھے، اور ایک زمانے میں مرحوم کے خاص الخاص دست راست مرکزی جمعیۃ کی نظامت کے عہدہ پر ان کا انتخاب مرحوم ہی کا کارنامہ تھا، حضرت مولانا احمد علی آسامی مرحوم کو جمعیۃ العلماء کی ورکنگ کمیٹی میں لائے، مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، مولانا حکیم اسماعیل صاحب نگینوی اور جسے یہ سمجھتے کہ حزب مخالف کے محاذ میں باکمال مبارز ثابت ہوں گے، ان کو دارالعلوم کی شوریٰ میں بھی کھینچ لیتے، سب سے بڑا معرکہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد جمعیۃ العلمائے ہند کی صدارت کا تھا، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن حریف، اور کچھ صوبے ان کے حلیف مفتی صاحب کی شخصیت کسی کے کنٹرول وقابو کی نہ تھی، ان کے حلقے سے حضرت مولانا فخر الدین علیہ الرحمٰن شیخ الحدیث شاہی مرادآباد کا نام پیش ہوا، میرٹھ میں جمعیۃ العلماء ہند کا یہ انتخاب ہونے والا تھا، اس زور کا رن پڑا کہ علیؓ ومعاویہؓ کے مشاجرات تازہ ہوگئے، مرحوم جب کسی چیز کی ٹھان لیتے تو اس کے حصول کے لیے انتھک جدو جہد، کوشش اور چھوٹا بڑا ہر موثر طریقہ استعمال کرتے، درمیان میں ایک طبقہ چوں چوں کا مربہ، یہ بیچارے نیک، صلاح پسند، مصالحت کوش، اسے نہ سمجھے کہ یہاں "ان الحکم الا للّٰہ" کا نعرہ بلند ہو چکا تھا، ان کی کوششوں کے نتیجہ میں اتنا ضرور رہوا کہ ایک کام کا ''صدر'' اور ایک نام کا صدر صدارت کی وحدت ثنویت سے بدل دی گئی، لیکن مولانا مرحوم نے اپنی مستعدی، بے تکان فعالیت اور مضبوط ارادے وحوصلہ سے کام کے صدر کو بھلا دیا تا آں کہ دفتر جمعیۃ دہلی کا مکمل نظم اپنے کنٹرول میں لے لیا، رہے مفتی صاحب تو وہ یہ کہتے ہوئے گوشہ نشین ہوگئے جو حضرت علیؓ نے اپنے حامیوں سے بطور شکوہ فرمایا کہ:

''تمہاری ناکردگی نے آج مجھے اس درجہ میں پہنچا دیا کہ قریش کی عورتیں گھروں میں کہہ رہی ہیں کہ ابوطالب کے بیٹے کی شجاعت میں تو کوئی گفتگو نہیں لیکن جنگی حکمت عملی نہیں جانتا''۔

مجھ سے قرب واختصاص کی بنیاد یہ ہے کہ جب حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی حضرت علامہ کشمیریؒ کے مختص شاگرد دارالعلوم دیو بند میں شیخ الحدیث ہوئے تو شب منگل میں ان کی رہائش پر کھانا ہوتا، سب اپنے کھانے لے جاتے اور اجتماعی طور پر کھاتے، مولانا اسعد صاحب دیو بند ہوتے تو اس مجلس میں ضرور شریک ہوتے، اور میں چوں کہ نظریاتی طور پر کانگریسی اور جمعیۃ جماعتی طور پر ہمیشہ اس کی حلیف رہی، اس لیے فکر وخیال کا اتحاد مفت ہاتھ آیا، یوپی جمعیۃ العلماء کے جلسوں میں شرکت، مرکزی جمعیۃ کے سالانہ اجلاس میں شرکت، جمعیۃ کی ممبر سازی کی مہم میں شریک جمعیۃ کی بعض کانفرنسوں کی صدارت بھی کی، خطبہ صدارت بھی پڑھا، جسے جمعیۃ آفس نے آب وتاب سے شائع کیا۔

مرحوم کی فعالیت اور مستعدی، طویل اسفار کے لیے ہمہ وقت کی پا بہ رکابی جمعیۃ کے لیے حصول سرمایہ وتعاون کی حذاقت، سب قیل وقال سے ماورا، جمعیۃ علماء کے تحفظ میں وہ سرگرمی دکھائی کہ ہر خطرے کو بھانپ لیتے، مشاورت کا محاذ ہو یا مسلم مجلس کا یا مسلم پرسنل لاء کا اسٹیج ہو، جمعیۃ کی حفاظت میں برسرِ پیکار نظر آتے شخصیت ایسی ہمہ رنگ کہ سیاست کے خارزار کے ساتھ، خانقاہ کے گل گلزار بھی جماتے، ادھر راجیہ سبھا کی ممبری ادھر صوفی حلقہ نشین۔ ’’دارالعلوم دیو بند کی داستان تھی ختم ہو چکی ایک آندھی تھی نکل چکی:

ہمراز یہ فسانہ آہ وفغاں نہ پوچھ

جب پورا قصہ ذمہ داروں نے ہی نمٹا دیا تو اب کیا کہنا اور کیا سننا، اب تو عام طور پر سنا جاتا ہے کہ یہ بھی لطیفہ قدرت تھا کہ دارالعلوم کو صحیح ہاتھوں میں پہنچادیا، جنھوں نے مستحکم بھی کیا اور وسیع بھی، قدم بڑھتے ہی چلے گئے، پیچھے نہیں ہٹے، حالانکہ ہم نے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ جیسے فہیم سے براہ راست سنا تھا کہ دارالعلوم سفید ہاتھی ہے جسے پالنا پوسنا کارے دارد، لیکن اس سفید ہاتھی کا جسم وجثہ بڑھا، گھٹا نہیں، اسے روپ اصلی گھی کا مل رہا ہے، ڈالڈا کا نہیں، مزید مولانا مرحوم کا کارنامہ یہ کہ اپنی اولاد کو دارالعلوم میں دخیل نہیں ہونے دیا، اس مداخلت سے جو خرخشے پیدا ہوتے اس سے یہ مادر علمی محفوظ ہوگئی، چلتے چلتے سب کچھ نمٹا کر دارالعلوم بلا شرکت غیرے شوریٰ کے ہاتھ میں دے گئے، ہم نے ۲۵ سال تک دعویداران کی زوراز وری بھی دیکھی اور عبرت انگیز پسپائی بھی جس پر صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ’’وہ دیکھا یہ بھی دیکھ‘‘ یہ حیرت انگیز ہے کہ والدہ مرحومہ کا تابوت بھی دہلی سے آیا اور لخت جگر بھی وہیں سے، فرحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ۔

○○

❑ مولانا بایزید محمود افریقی
مجاز بیعت حضرت شیخ الاسلامؒ

ذکرِ فدائے ملتؒ

جمعیۃ علماء اور مرحوم کی ذات گرامی گویا ایک ہی چیز تھی، جمعیۃ علماء کے نظریات سے اختلاف قدیم زمانہ سے چلا آیا ہے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ اور جانشین شیخ الہند یعنی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے نظریۂ حریت و دفاع دشمناں کے نظریات سے اس زمانہ کے علماء کرام اور مشائخ کو اختلاف رہا، اسی طرح فدائے ملتؒ کے طرز عمل سے بعض مشاہیر کو سخت اختلاف پیش آیا، بعض حضرات جمعیۃ علماء کے طرز عمل کو بعض حالات میں خلاف شریعت تصور کرتے تھا، اور اسی وجہ سے ان کے متوسلین جمعیۃ سے قریب ہونے کی بجائے احتراز رکھتے تھے۔ یہ اختلاف ذاتی نہیں تھے؛ بلکہ اپنی اپنی فہم کا نتیجہ تھا، ذاتی طور پر ایک دوسرے کا احترام اور عقیدت کا معاملہ موجود تھا، سو اختلاف تو اس امت میں قدیم سے چلا آتا ہے، کوئی بھی بزرگ ایسے نہیں گزرے جن کو مخالفین کے اختلاف سے سابقہ نہ پیش آیا ہو۔ مولانا مرحوم کو بھی تقریباً اکثر زمانۂ حیات انہی مخالفتوں سے واسطہ رہا، مگر انکا استقلال اور ثابت قدمی اور اپنی دھن اور اپنے کام سے کام اس بات کا موقعہ اور فرصت ہی نہ دیتا تھا کہ ایسے فضول قصوں کی طرف متوجہ ہوں اور اپنا وقت ضائع کریں، اختلاف کرنے والوں کو تو اختلاف برائے اختلاف مقصد ہوتا ہے کرنا دھرنا کچھ نہیں، کرنے والوں کو پریشان کرنا مقصد ہوتا ہے، آپ نے ان حالات کو سکون اور خندہ روئی سے برداشت کیا، واللہ یہ ایک ان کی کرامت تھی، زہر کو شربت بنفشہ تصور کر کے پی گئے، دشمنوں سے در گذر کیا، یہی بات ان کی ترقیٔ درجات کا باعث بنی۔

فدائے ملت مرحوم خدائے تعالیٰ کے فضل سے شیخ الاسلام قدس سرہ کے صحیح جانشین بنے، نسبت باطنی منتقل ہوئی، جس پر گذری وہی جانے، باطنی اور روحانی نسبت بھی ایک ثقیل چیز ہے، ہر شخص میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ اس کو برداشت کر سکے، وہی شخص برداشت کر سکتا ہے جس نے سالہا سال کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر منازل سلوک طے کیے ہوں، نیز فطری اور نسبی شرافت

سے بھی مستفیض ہو، اعلیٰ نسبی وہ عظیم الشان قدرت کا عطیہ ہے جو کسی کے لیے اختیاری نہیں ؛ بلکہ ایک موہبت ربانی ہے، جو کسی خوش نصیب کے حصہ میں عنایت الٰہی نے مقدر کر دیا ہو، مرحوم فدائے ملت انہی مخصوص خوش نصیبوں میں سے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت شیخ الاسلامؒ کا فیض روحانی دور دراز اطراف عالم میں پہنچ چکا تھا، مدینہ منورہ میں آپ کے درس میں شمالی افریقہ کے طالب علم بھی فیضیاب تھے، لیکن جنوبی افریقہ میں شیخ الاسلام قدس سرہ کے قدم مبارک نہیں پہنچے، اسی طرح مغربی ممالک اور امریکہ اور جزائر، امریکہ، باربڈوس، پناماوغیرہ اس کمی کو خدائے تعالیٰ نے آپ کے جانشین یعنی فدائے ملت کے ذریعہ پورا فرمایا، سب سے پہلا سفر بیرون ممالک میں ساؤتھ افریقہ کا ہوا، وہ سفر یاد نہیں مگر اس وقت مرحوم بالکل جوان مضبوط تھے، اور مجاہدانہ انداز کی چال رکھنے والے تھے، ابھی تک تقریر کرنے کی، خاص طور پر جنوبی افریقہ جیسے ملک میں مشق نہیں تھی، کیوں کہ زیادہ تر نو جوان اردو نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ تو فرمایا کرتے دعوتوں کا مسئلہ سمجھ میں آتا ہے مگر یہ تقریر کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا، تفریح کی بات تھی، مگر یہ حقیقت ہے کہ آخری سالوں میں مرحوم کو ہمارے ملک کے رہنے والوں سے ایسا انس اور تعلق ہو گیا تھا کہ گویا ہر سال تشریف لانا ایک معمول سا ہو گیا تھا، کبھی U.K سے واپسی میں اور کبھی جاتے ہوئے، سال گذشتہ طبیعت خراب چل رہی تھی، تعلق والوں کو شبہ تھا کہ شاید امسال ہم خدمت سے محروم رہیں گے، مگر واہ حضرت کی ہمت کہ اطلاع فرمادی کہ مئی یا اپریل میں آتا ہوں، ہم لوگوں کی خوشی کی انتہا نہیں رہی، جنوبی افریقہ سے لندن کا پروگرام تھا طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ ملتوی کرنا پڑا، مگر بعد میں ہندوستان آنے کے بعد وہ سفر بھی ہوا۔

مرحوم کا ظاہری و باطنی فیض بہت جاری ہوا، اگرچہ کہیں مرید تو کم ہوئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ مرحوم میں ایک استغنا کی کیفیت تھی، کچھ زیادہ مرید بنانے کی خواہش نہیں تھی، اور ویسے بھی ان کے مریدوں کی ہندوستان میں کیا کمی تھی نیز خود ساؤتھ افریقہ میں الحمدللہ کئی بزرگوں کے خلفاء نامور موجود ہیں جو بیعت کرتے ہیں اجازت اور خلافت سے بھی مریدوں کو مشرف فرماتے ہیں۔ الغرض ہمارے ملک کے حالات ہندوستان سے مختلف ہیں، مغربی ماحول، انگریزی زبان اور نیا نیا مسئلہ، بہر حال الحمدللہ حضرت مرحوم کا علمی و روحانی فیض نصف عالم میں پھیلا، ہمارے ہاں مرحوم کے کئی ایک خلفاء حضرات موجود ہیں اگرچہ وہ کسی کو بیعت کم ہی کرتے ہیں۔

اخیر میں اجمالاً اور مختصراً یہ کہ مرحوم جس ہستی کے جانشین تھے انہی کے نقش قدم پر اخیر تک چلتے رہے، مجسم سراپا عمل اور جد وجہد، مجاہدہ اور نفس کشی، خلق خدا کو نفع پہنچانا، یہی ان کی زندگی کا گویا مشن تھا، خداوند قدوس مرحوم کو بہترین جزا عطا فرما دیں اور ہم پسماندگان کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

مروت اور شرافت واخلاق

ساؤتھ افریقہ کے پڑوس میں ایک ملک ہے ''تبسوانا''، وہاں ایک شہر ہے، مسمی ''کانئ'' وہاں ایک بزرگ مولانا ڈیسائی صاحب بیمار اور معذور سے رہتے ہیں صرف ان کی عیادت کے لیے جو ہانسبرگ سے بذریعۂ کار سفر کیا، راستہ میں ایک شہر بنام ''زیرسٹ'' پڑتا ہے، وہاں ایک مخلص جناب یحییٰ صاحب رہتے ہیں ایک رات وہاں قیام فرما کر مراجعت فرمائی، الغرض کسی ایک جگہ ایک رات سے زیادہ نہیں ٹھہرتے تھے، ہر وقت رات ہو یا دن ہو، پابہ رکاب، کسی مخلص کی دلداری کے لیے تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے تھے۔

نسیم جو ضلع سورت میں U.K کے ایک صاحب نے بڑا شاندار اسپتال بنایا، حضرت مرحوم کو تقریب افتتاح کے لیے دعوت دی، صرف مروۃً دہلی سے سورت کا سفر ٹرین سے کیا چوبیس گھنٹہ کے بعد واپسی ہوئی، مگر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ تو تضییع اوقات ہے، جہاں جہاں مرحوم کے قدم پہنچتے وہاں ہزاروں انسانوں کے لیے باعث برکت واصلاح ہوتا:

گر قدم رنجہ کن بکا شانۂ ما
رشک جنت شود از قدمت خانۂ ما

امید ہے کہ مرحوم کی جگہ کو مرحوم کے بھائی مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ پُر کریں گے، ''**وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز**'' نیز بھائی جان یعنی صاحبزادہ حضرت مولانا سید محمود مدنی صاحب مدظلہ بھی ہاتھ بٹائیں گے۔ وباللّٰہ التوفیق.

تواضع و خدمت خلق

ریل کے سفر میں بندہ ساتھ تھا، بندہ کو گھٹنوں میں تکلیف تھی، بندہ کو ٹو ٹائر میں اوپر کی سیٹ ملی تھی، حضرت فدائے ملتؒ کو یہ قلق تھا کہ یہ اوپر کیسے چڑھے گا اور اترے گا، ایک خادم سے فرمایا کہ دیکھو کوئی مسلمان کسی بوگی میں نیچے کی سیٹ پر ہو، تو بلا لاؤ ایک نوجوان کو بلا کر لائے وہ کسی افریقی ملک کا رہنے والا ہندوستانی ہی تھا، حضرت مرحوم نے اس سے فرمایا کہ کیا تم اتنی مہربانی کر سکتے ہو کہ اس کو اپنی سیٹ دیدو اور تم اس کی سیٹ جو اوپر کو ہے لے لو، اس شخص نے کہا کہ یہ میں نہیں

کرسکتا، خیر وہ چلا گیا، حضرت مرحوم کی سیٹ کے متصل دوسری سیٹ پر ایک ہندو عورت تھی، جب اس نے یہ دیکھا تو کہا کوئی بات نہیں؛ میں اوپر چلی جاؤں گی، چنانچہ اس ہندو عورت نے اپنی سیٹ ہمارے لیے خالی کردی، اسی سفر میں جب سورت اسٹیشن قریب آیا تو مرحوم نے اپنا اور احقر کا سامان نیچے سے نکال کر اور اٹھا کر ریل کے دروازہ کے قریب رکھ دیا، بندہ کو بہت شرمندگی اٹھانی پڑی، مجھے چاہئے تھا کہ حضرت والا کا سامان اٹھاتا، اس کے برعکس حضرت نے بندہ کا سامان اٹھایا۔

مرحوم کے مزاج میں ذرا بھی بڑائی اور تکبر نہ تھا

ایک دفعہ دیوبند میں اپنے مہمان خانہ سے نکلتے نکلتے فرمانے لگے ''میں تو ایک چمار ہوں''، جب تک کہ آدمی اپنے آپ کو سب مخلوق سے گھٹیا اور حقیر نہ سمجھے بارگاہ الٰہی میں بار پانا ممکن نہیں۔

خشوع و خضوع فی الصلوٰۃ

مولانا مرحوم رحمۃ اللہ دو مرتبہ حادثہ میں مبتلا ہوئے، ایک دفعہ میرٹھ کے قریب کار ٹکرانے سے شدید تکلیف اٹھانی پڑی، مہینوں اسپتال میں زیر علاج رہے، پھر بھی پوری طرح افاقہ نہیں ہوا، حادثہ کا اثر اخیر عمر تک رہا، پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی، دوسرا حادثہ لیبیا افریقہ میں ہوٹل میں گر جانے سے واقع ہوا، اس میں کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی، مہینوں زیر علاج رہے۔

ان حادثات کے نتیجے میں مرحوم اس قدر معذور ہو گئے تھے کہ چلنا پھرنا تو درکنار اٹھنا بیٹھنا بھی بڑی مشکلوں سے ہوتا تھا، چلنے کے لیے ہر وقت وہیل چیئر ہوا کرتی تھی، الیکٹریک وہیل چیر کو خود ہی چلاتے اور تیزی سے چلاتے، آخری حادثہ جو ہوا وہ اسی وہیل چیئر کا حادثہ تھا جو مرض موت کی علامت بن گیا، وہیل چیئر الٹ گئی سر میں چوٹ آ گئی، خون بہنے لگا، اور بے ہوشی ہوگئی، جو موت تک رہی، ہوش میں آتے ہی نہیں، تین ماہ ۵ر دن تک بے ہوش رہے۔

مگر اپنی معذوری کے زمانہ میں کبھی نماز بیٹھ کر نہیں پڑھی، قیام سے رکوع رکوع سے قومہ، قومہ سے سجدہ پھر سجدہ سے قیام اس طرح آہستہ آہستہ اور بدن پر زور ڈال کر انجام دیتے کہ دیکھنے والے کو رحم آتا مگر نماز میں خشوع و خضوع کی جو کیفیت ہوتی وہ قابل دید تھی۔ **ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء. وفقنا اللّٰہ لما یحب ویرضیٰ آمین.**

○○

❑ حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب
دارالعلوم ہولکمب بری، انگلینڈ

شیخ الاسلامؒ کے سچّے جانشین

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت ماغرت علی احد من نساء النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ماغرت علی خدیجة وما رأیتها ولکن کان یکثر ذکرها ربّما ذبح الشاة ثمّ بقطعها اعضاء ثمّ بعثها فی صدائق خدیجة فربما قلت له کانه لم تکن فی الدنیا امرأة الا خدیجة فیقول انها کانت وکانت وکان لی منها ولد متفق علیه.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر حالانکہ میں نے انھیں نہیں دیکھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کثرت سے ان کا ذکر فرماتے اور بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم بکری ذبح فرماتے پھر اس کو کاٹ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کے یہاں بھیجتے۔ بسا اوقات میں ان سے یوں کہتی گویا کہ خدیجہ کے سوا دنیا میں کوئی عورت نہیں ہے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے بیشک وہ ایسی اور ایسی تھیں اور میری اولاد ان سے ہوئیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا کہ **خدیجة کانت و کانت** یعنی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اوصاف جمیلہ کی تفصیل اتنی زیادہ ہے کہ کانت خدیجہ سے کہانی شروع ہوکر ختم ہوگی اور دوسری شروع ہوجائے گی پھر تیسری کہ ان کے فضائل بے شمار ہیں اسی طرح امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی یاد میں اس جلسہ کی جب دعوت پہنچی اور میں نے اپنے خسر محترم حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے اصرار پر عرض کیا کہ میں سفر سے معذور ہوں اس پر انھوں نے حکم دیا کہ تمھاری طرف سے کوئی مضمون ضرور جانا چاہیے اس پر **خدیجة کانت و کانت** کی طرف سے حضرت کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات اور واقعات بے شمار یاد آتے چلے گئے۔

حیالانکہ یہ ملاقات سینکڑوں دفع کی صرف گھنٹوں کے شمار سے ہوئی کبھی مسلسل چوبیس گھنٹہ

حضرت کے ساتھ گزارنا یاد نہیں پھر بھی مضمون کے لیے یادداشت کے خزانہ سے سرسری واقعات کی فہرست لکھنی شروع کی تو پانچ منٹ میں تو پچاس سے زیادہ واقعات یاد آتے چلے گئے عمر بھر میں اس قدر محدود ملنا جلنا ہوا پھر بھی دل و دماغ نے ان واقعات کو محفوظ رکھا یہ ان کی پُرکشش، دل رُبا، دل لبھا شخصیت اور محبوبیت کی دلیل ہے۔

حتمی طور پر یہ تو یاد نہیں شاید سب سے پہلی زیارت و ملاقات سیّدی و مرشدی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے دولت کدہ پر کچے گھر میں ہوئی یا اس سے پہلے سنہ ۵۶ میں جب میری عمر دس برس کی تھی اس وقت حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ آپ کی بھی آمد ہمارے ننہیالی گاؤں نانی نرول میں ہوئی تھی لیکن اس موقع پر حضرت شیخ الاسلام کے ہوتے ہوئے نظر کسی اور پر کب جاسکتی تھی۔

گجرات میں ان حضرات کی تشریف آوری جمعیۃ کی طرف سے آل انڈیا ادھی ویشن سورت کے ذیل میں ہوئی تھی اور سفر میں سورت سے بطور خادم کے ہمارے بھائی مرحوم مولانا محمد بھورات صاحب بھی ساتھ تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے عصر کی نماز ہمارے گاؤں کی مسجد میں ادا فرمائی اور نماز سے فراغت کے بعد جب مجمع مصافحہ کر رہا تھا تو ہم بچہ پارٹی بھی مسجد کے اندر سے مصافحہ کر کے صحن میں پھر صحن سے سیڑھیوں پر پھر راستہ میں بار بار مصافحہ کی لائن میں لگ جاتے اور ہر ایک دوسرے سے کہتا کہ میں نے تین دفعہ مصافحہ کیا دوسرا جواب دیتا میں نے چار دفعہ کیا۔

اس طرح جم غفیر سے مصافحہ کرتے ہوئے حضرت قیام گاہ پر پہنچے جہاں برآمدہ میں مجمع کے بیٹھنے کے لیے دری بچھی ہوئی تھی اور حضرت شیخ الاسلام صاحب کے لیے کرسی رکھی گئی تھی حضرت شیخ الاسلام جب وہاں پہنچے تو حضرت نے اپنا رومال کرسی پر رکھا اور نیچے خالی فرش پر تشریف فرما ہوئے اور اخبار پڑھنے لگے حضرت سے عرض کیا کہ کرسی پر تشریف رکھیں تو جواب ملا کہ پہلے ان سب کو اوپر بٹھائیے اس جواب کے بعد کرسی کے پاس گدی تکیہ وغیرہ حضرت کے لیے بچھایا گیا مگر حضرت شیخ الاسلام مغرب تک خالی فرش پر تشریف فرما رہے اور اخبار کا مطالعہ کرتے رہے۔

پھر مغرب کے لیے مسجد تشریف لائے اور امامت فرمائی پہلی رکعت میں سورہ اذا زلزلت اور دوسری میں قل یا ایھا الکافرون ۔ پڑھنا تک یاد ہے۔ سنن و نوافل سے فراغت کے بعد دسترخوان پر تشریف لائے جہاں انواع واقسام کے کھانوں سے دسترخوان سجایا گیا تھا حضرت بغور دسترخوان کو تھوڑی دیر تکتے رہے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ مہمانوں کے لیے کیا پکایا گیا ہے؟ جواب پر ارشاد ہوا کہ لائیے اسے ہمارے سامنے رکھ دیجیے مگر اتفاق سے مہمانوں کا کھانا وہاں لایا نہیں گیا تھا چنانچہ کافی دیر کے بعد وہ کھانا پہنچا تب تک حضرت مختلف موضوع کی باتوں میں

مصروف رہے اور دستر خوان میں کوئی چیز حضرت نے نہیں چکھی صرف عام مہمانوں والا کھانا ہی حضرت نے نوش فرمایا۔

عشاء کی نماز کے بعد عمومی جلسے کا انتظام تھا جس میں کئی ہزار کا مجمع تھارات بارہ بجے کے بعد حضرت کی جلسہ گاہ میں تشریف آوری ہوئی اس وقت حضرت مولانا قاسم صاحب شاہ جہانپوری کا بیان ہورہا تھا انھوں نے اپنا بیان ختم کیا اور حضرت مائیک کے سامنے تشریف فرما ہوئے اور ایک خاص انداز سے مجمع پر اور دائیں بائیں اسٹیج پر نگاہ فرمائی۔

ڈیلہ والے حافظ محمد سورتی صاحب ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں تو جاہل آدمی میں نہ قال جانتا تھا نہ حال۔ یہ حال طاری ہونے کی ابتداء میرے ساتھ آپ کے گاؤں سے ہوئی ہے کہ جب حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ مجمع پر سے ہوتے ہوتے مجھ پر پڑی تو بیداری میں کھلی آنکھ بہ ایں ہوش وحواس کیا دیکھ رہا ہوں کہ حضرت نے جب مجھے دیکھا ہے تو حضرت کی آنکھوں سے ایک نور نکلا اور جب وہ میرے جسم میں سرایت کررہا تھا تو میرے سارے جسم میں آگ لگ گئی اور اس کو میں برداشت نہ کرسکا اور میری چیخیں نکل گئی اور حال کی کیفیت طاری ہوگئی اور میں نیم بے ہوش ہوگیا۔

سیّدی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے یہاں سینکڑوں دفعہ ہم نے ان پر حال طاری ہوتے ہوئے دیکھا۔ دار جدید کے صدر دروازہ میں ان کے قدم رکھنے کے ساتھ ہی ان پر حال طاری ہوتا اور دورد ورحجروں میں مسجد میں اوپر نیچے سب کو پتہ چل جاتا کہ حافظ سورتی صاحب تشریف لے آئے ہیں اور جب وہ حال طاری ہونے کی حالت میں اللہ اللہ کی ضربیں لگاتے تھے تو محسوس ہونے لگتا کہ عمارت کی دونوں دیواریں پھٹ جائے گی۔

ایک دفعہ دوستوں سے میں نے کہا کہ مقبرہ قاسمی میں حافظ سورتی صاحب کی اللہ اللہ کی ضربیں اتنی زور سے لگتی ہے کہ آس پاس کے محلّے میں بسنے والوں کو تحفظ اور رقیہ کے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑتی ہوگی۔ حافظ سورتی صاحب کو اپنے مرشد سے ایک مثالی عشق تھا اسی محبت وعشق اور طلب کا نتیجہ تھا کہ سورت کانفرنس کے بعد آنے والا سب سے پہلا رمضان حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ سورتی صاحب کے ڈیلے پر باغ میں گزارنا منظور فرمایا لیا تھا اور اس کے لیے حافظ سورتی صاحب نے سب تیاری بھی کرلی تھی۔

جب ان کے یہاں جانا ہوتا تو بات چیت کا موضوع یہی ہوتا کہ حضرت نے یہاں وضو فرمایا تھا ان تین اسم کے پیڑوں کے بیچ میں مجلس ہوئی تھی۔ اس درخت کے تنے سے حضرت ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ یہاں آرام فرمایا تھا۔ یہاں وضو فرمایا تھا۔ وہیں پر حافظ سورتی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت

شیخ الاسلام فرماتے کہ تم گجراتیوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وضو کے پانی کا لوٹا الگ اور استنجے کے پانی کا لوٹا الگ ایسا کیوں؟ حافظ صاحب کہتے تھے کہ میں تو جاہل آدمی۔ چپ ہو کر سب سنتا رہتا تھا۔

پھر باغ میں ایک چھوٹی ندی دکھا کر کہنے لگے کہ اس کنارے پر میں نے شیر مارا تھا۔ رمضان المبارک میں رات کو سونے کی عادت نہیں تھی نفلیں پڑھنے کے بعد ایک دو مرتبہ باغ میں گشت کرتا ہوا میں قرآن پڑھتا رہتا تھا۔ دن رات میں قرآن پاک کا ایک ختم مزید کچھ پارے ہو جاتے تھے تلاوت زبان پر تھی کندھے پر دھاریا (ہتھیار) لے کر میں چل رہا تھا پیچھے پیچھے میرا کتا چل رہا تھا کہ اچانک میری نظر سامنے والے کنارے پر پڑی دیکھا کہ اندھیرے میں دو آنکھیں چمک رہی تھیں مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شیر ہے اور کئی دفعہ شیر کو دیکھا مگر بلا وجہ وہ حملہ نہیں کرتا اس دفعہ چونکہ کتا میرے ساتھ تھا اس لیے مجھے حملہ کا یقین تھا اس لیے میں دھاریا دونوں ہاتھوں میں تھام کر تیار ہو گیا اتنے میں شیر نے اس کنارے سے ہمارے والے کنارہ پر سیدھے کتے پر چھلانگ لگا دی اور میں نے دونوں ہاتھوں سے شیر پر بھرپور وار کیا کہ اس کو ماردوں مگر افسوس ہے کہ شیر کے ساتھ جھٹکا کتے کو لگا وہ بھی مر گیا۔

شیر کا واقعہ سنا کر حافظ صاحب کہنے لگے کہ اس جگہ پر جب میں نے حضرت شیخ الاسلام کو یہ واقعہ سنایا تو حضرت کے ایک خادم کہنے لگے حضرت شیر کیا مارا ہو گا شیر کا بچہ مارا ہو گا۔ حضرت نے فرمایا کہ شیر کا بچہ بھی تو شیر ہوتا ہے آپ شیر کا بچّہ ہی مار کر دکھائیں اسی بنا پر حضرت شیخ الاسلام حافظ سورتی صاحب کو حافظ شیر مار کہا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کے اس سفر میں جہاں جہاں ورود مسعود ہوا وہاں کی دنیا بدل گئی۔ ہمارے نانی نرولی میں حضرت کی آمد تک چند معمر حفاظ کے علاوہ پورے گاؤں میں ایک بھی عالم نہیں تھا۔ حضرت کی آمد کے چندروز بعد حافظ سرکار صاحب راندیری نے جو مسجد کے امام تھے درجہ حفظ خود پڑھانا شروع کیا اور کئی سو حفاظ نے مولانا اسمٰعیل بدات صاحب بھائی مولانا عبدالرحیم صاحب اور مجھ سمیت ان کے زیر تربیت حفظ کی تکمیل کی اور یہاں سے طلبہ او رحفاظ نے عربی مدارس میں جانا شروع کیا اور پچاسوں علماء جو اس گاؤں میں ہیں اور یہاں صحیح بخاری تک تو طلبہ اور طالبات کے لیے اعلیٰ تعلیمی انتظام اور جو کچھ بھی دینی علمی چہل پہل ہے یہ سب حضرت شیخ الاسلام کے قدوم منّت لزوم کی برکت ہے۔ یہی حال ہر جگہ کا ہے جہاں جہاں بھی مبارک قدم پڑے ہیں۔ حضرت کی آمد کے بعد ہی کوساڑی میں بھی حفاظ اور علماء کا سلسلہ شروع ہوا اور وہاں از ہر ایشیا کے قیام کی باتیں اور تمنائیں عملی رُوپ دھاڑ رہی ہے۔

سنہ ۵۷ سے بیسیوں سال پہلے سے حضرت کی آمد گجرات میں برابر لگاتار مسلسل رہتی تھی اسی

لیے جامع حسینیہ راندیر کے سالانہ جلسوں میں ہمیشہ اہتمام سے حضرت تشریف لاتے تھے مگر یہ سفر اوراس کی برکات کچھ انوکھی اورنرالی تھی جس میں ظاہری اور باطنی حضرت کی کرامات کاظہور ہوا۔

حضرت شیخ الاسلام کے کچھ عرصہ بعد جامعہ حسینیہ راندیر کی واڑی میں جدید عمارت اور نئی بورڈنگ کا جب افتتاح ہوا تو جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیری نے روتے ہوئے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق آیا ہے کہ جہاں حضرت خضر علیہ السلام بیٹھ جاتے ہیں وہاں سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ یہ عظیم جدید عمارت بھی ایک مرد صالح اللہ والے کے قدموں کا نشان ہے کہ یہاں ان کے قدم پڑے وہیں عظیم دینی درسگاہ قائم ہوگئی۔

دارالعلوم کنتھاریہ کے قیام کے لیے جہاں اس وقت دارالعلوم کی عمارت ہے حضرت سے دعا کرائی گئی اور دارالعلوم کے نام بورڈ لگا دیا گیا تھا اس کے بعد کافی عرصہ تک عملی صورت نہ بن سکی اسی پر تنبیہ کے لیے بیکار راندیری نے اپنے میگزین میں مضمون لکھا کہ اب تو دارالعلوم کنتھاریہ کے نام کا بورڈ بھی کیچڑ میں سجدے میں اور کوئی اسے اُٹھنے کے لیے سہارا دینے والا نہیں ہے۔ مگر بعد میں دنیا نے دیکھا کہ حضرت کی وہ دعائیں رنگ لائی اور ایک عظیم مثالی دینی علمی درسگاہ وہاں قائم ہوئی جس سے اب تک ہزاروں فارغ اور لاکھوں فیضیاب ہوئے۔ کنتھاریہ کے اطراف کے علاقے میں بدعات کا بڑا زور تھا مگر جہاں جہاں سے حضرت کا گزر ہوا وہاں آج سنت وشریعت کا راج ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب کی پہلی زیارت اور ملاقات کے سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام اور حافظ سورتی صاحب کا تذکرہ ذرا طویل ہوگیا۔

سہارنپور کے قیام میں حضرت شیخ کے یہاں بھی آپ کی زیارت ہوئی۔ سہارنپور تشریف آوری پر اور شہر کے اطراف قریبی دیہاتوں میں آمد ہوئی تو حضرت شیخ کی زیارت کے لیے ضرور آتے۔ اس وقت کا حضرت شیخ کا اہتمام قابلِ دید ہوتا بالخصوص جب وہ حضرت سے بغلگیر ہوتے تو جس طرح مدت سے بچھڑا ہوا عزیز قریب اچانک مل گیا ہو اس طرح حضرت کے نہ معلوم کن تصورات اور کیفیات کی وجہ سے نہ صرف آنسوں نکل جاتے بلکہ گریہ طاری ہوجاتا دیر بعد تک مشکل سے بول پاتے۔

برطانیہ میں ۱۹۶۹ء میں پہلی مرتبہ تشریف آوری ہوئی پھر ہر سال گرمیوں میں محبین و مشتاقان وخدام کے اصرار پر ہر سال کا معمول سا بن گیا تھا۔ ایک سفر میں انڈین مسلم ویلفیر سوسائٹی، باٹلی کی پرانی مسجد میں جہاں ابھی مدینہ مسجد ہے وہاں علماء کے ایک خصوصی مجمع میں جن باتوں کی طرف حضرت نے خصوصی توجہ دلائی ان میں علماء کی ایک تنظیم کا قیام اور انگلینڈ میں دارالعلوم کے قیام کی ضرورت پر بھی آپ نے اچھا خاصا زور دیا تھا اس کے بعد ہی کاوشیں اور کوششیں

شروع ہوئی اور تین چار سال کے جد وجہد کے بعد دار العلوم ہولکب بُری کا قیام عمل میں آیا اور آپ کی آمد کے آخر سالوں میں تو کئی درجن دار العلوم ملک کے مختلف علاقوں میں قائم ہو گئے۔

شروع ہی سے یہاں کے حالات کو بھانپ کر حضرت نے برطانیہ کے مسلمانوں کو اسلام اسکول قائم کرنے پر زور دیا تھا اور اس وقت کے حالات کے اعتبار سے ان اسکولوں کے قیام پر اتنا زور واصرار اور نہ کرنے کی صورت میں بُرے انجام اور نتائج بھگتنے وغیرہ کے ذکر سے بعض سرسری سوچ والوں کو اشکال بھی ہوتا تھا کہ یہ کار خیر تو ضرور ہے مگر اس کے لیے اتنے سخت کلمات کی کیا ضرورت مگر موجودہ حال اس وقت کے حضرت کے ایک ایک کلمہ کی تصدیق کرر ہا ہے اور اس میں تاخیر کے نقصانات دیکھ کر اب انھیں ہی رونا آتا ہے۔

سالہا سال تک یہاں کے سفر میں حضرت کا قیام ایک شب کا ہمارے گھر پر متعین تھا اور صبح کا ناشتہ بھی اور سال بھر کے اس ایک ناشتہ کے لیے مہینوں پہلے کوئی چیز جو حضرت کو مرغوب ہو آئی ہو اور بعد میں نہ مل سکتی ہو ایسی کئی چیزیں مہینوں حضرت کی آمد اور ناشتہ کا انتظار کرتی۔

دارالعلوم ھو لکمب بری:

دارالعلوم ہولکمب بُری میں ایک شب کے لیے حضرت کا قیام رہتا ان دنوں صرف دستار بندی کا سالانہ جلسہ ہوتا تھا ختم بخاری شریف کا مستقل جلسہ نہیں ہوتا تھا ان تمام دستار بندی کے جلسوں میں ہمیشہ حضرت کا بیان ہوتا اور یہ جلسہ حضرت کی آمد کے تابع ہوتا ان جلسوں کے واقعات بے شمار ہیں کہاں تک ذکر کیے جائیں۔ ہر چیز کو بغور دیکھتے سنتے ایک مرتبہ ایک نظم پڑھی گئی اس کے متعلق فرمایا کہ ان اشعار کا وزن درست نہیں۔ ایک صاحب کے خطاب کے دوران ایک کلمہ پچاسوں دفعہ تکرار پر فرمایا ان کو تنبیہ کرنی چاہیے ایسی بے تکی عادت پڑ جاتی ہیں آدمی کو خود احساس نہیں ہوتا۔ ایک نوجوان عالم کے بیان پر اسٹیج ہی پر پوچھا یہ کون ہیں تعارف کرایا تو فرمایا بیان اس عمر میں یہ بیان غنیمت ہے۔

مگر آخری سالوں میں ایک شب قیام والا سلسلہ نہ رہ سکا کیونکہ برطانیہ کے رفقاءِ سفر میں ناجنس شامل ہونے لگے تھے ورنہ شروع کے سالوں میں مطار پر استقبال کے لیے پابندی سے حاضری کے علاوہ مختلف شہروں میں بھی حضرت کے پروگرام میں شرکت رہتی مانچسٹر بولٹن بلیکبرن تو میرے بغیر کھانا شروع نہ کرتے تھے۔

بولٹن:

ایک دفعہ بولٹن طیبہ مسجد میں حضرت کے بیان سے قبل چند تعارفی کلمات کے ضمن میں جب میں نے حضرت کی سیادت کا تذکرہ کیا تو اثناء خطاب میں نے دیکھا حضرت کے آنسو مسلسل رواں

رہے پھر فراغت کے بعد تنہائی میں صرف اتنا فرمایا کہ آپ بہت دور تک لے گئے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا ورنہ حضرت کے ضبط وکتمان کی قوت بہت اونچے درجہ کی تھی بولٹن میں میرا گھر چونکہ حضرت کے ایک شب قیام کے لیے مناسب اور وسیع نہ تھا اس لیے مرحوم جناب الحاج عبدالقادر صاحب متالا کے یہاں میں نے قیام تجویز کر دیا تھا ان کے وصال کے بعد بھی ہمیشہ ان کے یہاں قیام رہا۔

والسال:

ایک دفعہ والسال میں کسی جنازہ میں شرکت کے لیے حاضری ہوئی تو حضرت کا مطبوعہ پروگرام ذہن میں تھا اس کے مطابق یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ آج حضرت یہاں پہنچ سکتے ہیں مگر جب تدفین سے فراغت کے بعد مڑ کر دیکھا تو پیچھے حضرت مصروف دعا ہیں پیر تلے سے زمین نکل گئی اور کار میں جب میں نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ حضرت کی موجودگی میں لاعلمی سے جنازہ کی امامت کر لی تو فرمایا اچھا تو یہ بے ادبی ہوگئی اور اس پر یہ حسرت وافسوس ہے۔

ننی ٹن:

ننی ٹن مسجد کی افتتاح کے لیے حاضری ہوئی تو معمول کے مطابق میں نے فجر کی امامت کے لیے درخواست کی ہمیشہ تو مغرب وفجر حضرت پڑھا دیتے تھے مگر اس دن فرمایا کہ مجھے تو جمعہ میں خطبہ دینا ہی ہے آپ فجر پڑھاویں گے میں نے سورہ الم سجدہ اور سورہ دہر کی قرأت کی تو نماز کے بعد عامۃ الناس میں سے کسی نے حضرت کے قیامگاہ پر پوچھا کہ سجدہ والی سورت کیوں پڑھی گئی انھوں نے کہا معلوم نہیں حضرت نے فرمایا سنت ہے آج کل ائمہ سنت قرأت کا التزام نہیں کرتے۔

باٹلی:

باٹلی میں بیسوں مرتبہ مساجد میں دسترخوان پر شرکت رہی ہوگی ایک دفعہ ہال میں جلسہ ہو رہا تھا جلسہ میں عنوان تھا جمعیۃ علماء ہند کی خدمات پہلے مختلف حضرات نے مختلف خدمات کا ذکر کیا پھر جب حضرت کا بیان ہو رہا تھا تو اثنا بیان ایک عالم نے جوجذباتی ہوکر نعرہ لگایا تکبیر جمعیۃ علماء ہند یہاں تک حضرت خاموش رہے پھر جب آپ کے نام کا نعرہ لگایا تو ڈانٹ کر فرمایا یہ کیا بیہودگی ہے۔

لندن:

لندن کی مساجد میں اور وہاں کے بڑے چھوٹے پراگراموں میں شرکت ہوتی رہتی تھی ایک دفعہ کسی وجہ سے میں نہ جاسکا تھا تو حضرت نے فون کیا کہ آپ نہیں آئے تو کل تو یہاں بڑا ہنگامہ ہوگیا تم آسکو تو کل ضرور آجاؤ ہوا یہ کہ ریجنٹ پارک اسلامک سنٹر سے پہلے ایسٹ لندن مسجد کمرشل روڈ کو مقامی مرکزیت حاصل تھی وہاں تین دن مسلسل حضرت کا بیان رکھا گیا تھا دو دن خالص سیرت کے موضوع پر بیان حضرت نے فرمایا دوسرے دن کے بیان کے اختتام پر کسی نے جماعت

اسلامی کی طرف سے حضرت کے خلاف اشتہار جاری کر دیا پھر کیا تھا تیسرے دن کے بیان میں جوان حضرات کی خبر لی گئی ہے کاش وہ عظیم الشان بیان کی کیسیٹ محفوظ رکھی ہوتی۔

بریڈ فورڈ:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے برطانیہ کے سفر کے دوران اپنی حماقت سے زبانی ہی بے تکلفی کی حد تک تعلّق ہوگیا جب سیّدی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کو عریضہ میں میں نے اس تعلّق کی خبر دی تو حضرت نے تحریر فرمایا ''بچارے اسعد کا کیا ذکر'':

''انھیں جو دیکھ لیتا شیدا ہو ہی جاتا ہے''

جناب محمد کلکٹر کے یہاں دعوت تھی مغرب سے بعد کھانے سے فراغت پر میوہ جات کے ساتھ تفکہات کا دور چلا تو میں نے ہمارے ساتھی حضرت مولانا ہاشم صاحب جوگواری کا واقعہ سنایا کہ ان کے برطانیہ ورود کے چند دن ہی ہوئے تھے کہ مسجد سے واپس گھر جارہے تھے گھر کا راستہ صحیح یاد نہیں ہوا تھا اس لیے اسٹریٹ کے نام دیکھتے گزر رہے تھے کہ کسی انگریز خاتون سے ٹکرا گئے اس حادثہ کے بعد کیا کہنا چاہیے اس کا سبق بھی راستہ کی طرح ابھی کچا یاد تھا اس لیے ٹکر کے بعد ان سے کہتے ہیں ''تھینک یو ویری مچ''، مگر کچھ دور جانے کے بعد پھر یاد آیا کہ یہ تو غلط کہا گیا تو وہاں دور ہی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہنے لگے سوری سوری۔ مجلس تفکہات کے بعد عشاء کے لیے چلے گئے فراغت کے بعد واپسی میں مسکراتے ہوئے فرمانے لگے آج آپ کے لطیفہ نے تو میری نماز بھی خراب کر دی۔

ایک مرتبہ بے تکلفی سے میں نے پوچھا کہ دار العلوم دیو بند والے نہیں چاہتے کہ طلبہ نماز باجماعت پڑھیں پوچھا یہ کیسے؟ میں نے کہا طلبہ کی تعداد کتنی ہے فرمایا اتنی میں نے کہا دار العلوم کی مسجد میں تو صرف چند سو کی گنجائش ہے اس پر فرمایا کہ اطراف میں فلاں فلاں مساجد ہیں اس میں جا کر پڑھ لیتے ہیں میں نے عرض کیا کہ دار العلوم کی عظیم الشان مسجد ہونی چاہیے جس میں سہولت سے طلبہ اساتذہ منتظمین سب اکٹھے ایک جگہ بہ نماز ادا کر سکیں۔

اس گفتگو کے چند ماہ بعد دار العلوم کی طرف سے حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب بستوی استاذ حدیث دیو بند اور ان کے ساتھ ایک اور استاذ دار العلوم تشریف لائے اور ملاقات پر بتایا کہ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب نے نام لے کر فرمایا ہے کہ مسجد کے چندہ کے لیے ایک تحریر لکھ دیں۔ تحریر میں نے خود لکھی مگر اخیر میں میرا نام لکھنے کے بجائے لکھا از دار العلوم ہولکمب بری اور اشتہار کی شکل میں طبع کروا کر ان حضرات کو پیش کر دیا اس کے کچھ عرصہ بعد اس وفد نے کہا کہ حضرت مولانا اسعد صاحب فرما رہے تھے کہ ان کا نام ہونا چاہیے تھا صرف دار العلوم کیوں لکھا اپنا نام کیوں نہیں۔

بلیک رن:

لنکا شائر یارک کے تو اکثر پروگراموں میں میری شرکت رہتی بالخصوص جن کے یہاں دعوت ہوتی ان کے اصرار پر کم ازکم دستر خوان پر ضرور شرکت ہو جاتی گذشتہ ہفتہ جب میں نے ہمارے خسر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب دام ظلہم سے بلیک برن مولانا غلام محمد صاحب راوت مرحوم اور مولانا یعقوب صاحب کی ڈیزی فیلڈ اسٹریٹ مسجد میں حضرت کے پروگرام کے واقعات سنائے تو وہ فرمانے لگے اسی مسجد میں حضرت ہی نے میرا نکاح پڑھایا تھا کسی نکاح میں مہر فاطمی نہ ہوتا تو نکاح پڑھانے سے معذرت فرمادیتے جب ہمارے محمد کے پرنانا سے حضرت نے مہر کے متعلق پوچھا انھوں نے جواب دیا حضرت فاطمہ کا مہر اس پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت نے نکاح پڑھایا۔

میرے نکاح ثانی کے چند روز بعد ہی حضرت کی برطانیہ تشریف آوری ہوئی تو ازراہ تلطف ہر جگہ کسی نہ کسی کو مخاطب ہو کر پوچھتے آپ کو پتہ چلا؟ پھر میرے نکاح کا ذکر کرتے اور مسرت کا اظہار کرتے۔ عزیز محمد سلمہ کی ولادت کے بعد جب بلیک برن گھر پر تشریف لائے تو ناشتہ بعد خود ارشاد فرمایا کہ بچہ کو لاؤ گود میں لیا پڑھ کر پھونکا اور بڑا گرانقدر عطیہ عنایت فرمایا اس طرح کے عطیات تو کہاں تک شمار کریں۔

صرف تین دفعہ کے عدد کے عطیہ کا تذکرہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضرت نے عود کی ایک بہت بڑی شیشی عطا فرمائی عمر بھر میں سب سے بہترین عود ہی تھا میں نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو لکھا کہ وہ شیشی حضرت کے لیے میں نے رکھ لی ہے حاضری پر میں پیش کروں گا حضرت نے فرمایا یہاں اس کو نہ لائیں بواسطہ اسے حضرت مدنی کا عطیہ اور تبرک تصور کریں۔

اس کے بعد ایک مرتبہ کار میں سفر کے دوران میں نے ساتھی کو یہ کہہ کر عطر لگایا کہ یہ عود ہے سن کر حضرت نے فرمایا لایئے دکھایئے پھر فرمانے لگے اسے بھی کوئی عود کہے گا پھر اپنی جیب سے شیشی نکالی اور فرمایا: لیجیے اس کو رکھ لیجیے آسام میں جہاں نکالا جاتا ہے تازہ نکال کر اسی شیشی میں ڈالا گیا تھا۔

تیسری آخری مرتبہ آخری عید کی رات حضرت نے برنگھم سے حضرت کے خادم عزیز محمد علی پٹیل کو میرے نام سے عود کی ایک شیشی دی ہوگی وہ انھوں نے یہاں پہنچ کر دی اللہ تعالیٰ معطی اور واسطہ کو بے حد جزاء خیر عطا فرمائے۔

ختامه مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون

○○

□ ڈاکٹر رشید الوحیدی
سابق ریڈر جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

زندگی ہو تو ایسی ہو!

حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و کارنامے سے متعلق مختلف پہلو پر تفصیلی بیان تو ''فدائے ملت نمبر'' کے ہر صفحے کی زینت ہے۔ متعدد اہلِ قلم حضرات نے ہر ہر گوشے پر تفصیلات سے لکھا ہے جس کی بنا پر مستقبل میں آپ پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے یہ نمبر قیمتی دستاویز اور مستند مرجع بن گیا ہے اور آنے والی نسلیں اُس ذات کا اور اس کے عظیم کارناموں کا گویا اپنی پیشانی کی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گی۔

احقر اس وقت حضرتؒ کے ذاتی اوصاف، طبیعت اور مزاج کی روشنی میں آپ کی عظیم اور پرکشش سیرت کا جائزہ لے گا ساتھ ہی کوئی ایسا واقعہ بھی ذکر کیا جائے گا جس میں یا تو احقر شریک رہا ہے یا خود مشاہدہ کیا ہو، جو اس جائزے کے لیے استناد کا درجہ رکھتا ہو کیونکہ زندگی کے یہ عام واقعات انسان کی فطری بڑائی اور شرافت کو واضح کرتے ہیں۔

اب آیئے متفرق واقعات کے آئینے میں حضرتؒ کی سیرت کا عکسِ جمیل دیکھتے ہیں۔ مثلاً یہ ایک ایسی سچائی ہے جس کا دوست دشمن سبھی اعتراف کریں گے کہ دو باتیں آپ کے مزاج میں داخل تھیں۔ ایک تو یہ کہ ہر کام میں اخلاص وللّٰہیت کا جذبہ کارفرما تھا۔ سیاست، قیادت، اصلاحِ معاشرہ، ارشاد و تبلیغ، خدمتِ خلق، فرقِ باطلہ کا رد اور دینی مدارس کی خدمت غرض تمام امور میں انجام پاتے تھے۔ دوسرے اپنے اکابر، اسلاف اور بزرگوں سے والہانہ تعلق، ان کے طریقے اور اُن کے طرزِ زندگی کا مکمل اتباع۔ اس تعلق، اتباع و احترام نیز اس بات کا کہ آپ کا ذہن ان بزرگوں کے اخلاص، دین اور تقویٰ سے کس قدر ہم آہنگ تھے۔ ایک واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس زمانے میں دارالعلوم کی پرسکون فضا میں کچھ اُتھل پتھل برپا ہوگئی تھی۔ اپنوں ہی کے درمیان تھوڑی سی دراڑ پیدا ہوگئی تھی۔ ایک صاحب دفتر جمعیۃ علماء میں آئے اور حضرت حکیم الامت قاری طیب صاحبؒ کے بارے میں حضرت سے کچھ عرض کرنے لگے۔ ان کے انداز سے حضرت

نے حضرت حکیم الامتؒ کی شان میں کچھ سوءِ ادبی محسوس کی۔ درمیانِ گفتگو میں روک کر ناگواری کے ساتھ فرمایا: ''حضرت مہتمم صاحب ہمارے بزرگ ہیں۔ اکابر کی نشانی ہیں۔ آپ کو اس بے ادبی سے اُن کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔'' اس واقعے سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ آپ کا اختلاف بھی بر بنائے اخلاص ہوتا تھا۔ کسی سے مخالفت کو توہین، انتقام یا ذاتی وقار کا مسئلہ کبھی نہیں بنایا۔ چنانچہ اس پورے خلفشار میں بڑے چھوٹے یا اپنے ہم عصروں کے لیے تہذیب سے گرا ہوا جملہ کبھی نہیں سنا گیا۔ یوں تو آپ کے ساتھ زندگی میں کئی مہلک حادثے پیش آئے۔ مہینوں اسپتال میں رہنا پڑا مگر لیبیا کے سفر میں جب ایک حادثے میں کولہے کی ہڈی میں فریکچر ہو گیا، مصنوعی کولہا لگانا پڑا، وہیل چیئر سے نقل وحرکت کی نوبت آ گئی۔ اس کے علاوہ پہلے سے بیمار چل رہے تھے۔ شوگر کی زیادتی سے گردے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے۔ غرض بیماری اور ضعف اس پر مزید اب کسی حد تک معذوری، مگر ملّی، سیاسی اور قومی کاموں کے لیے ملک اور بیرونِ ملک سفر اب بھی جاری تھا۔ بار بار مرض میں شدت ہو جاتی۔ اسپتال پہنچ جاتے، مکمل صحت تو اب نصیب میں کہاں تھی۔ ذرا طبیعت سنبھلی اور اپنے فرائض میں لگ گئے۔ جمعیۃ کی صدارت کے کاموں کے علاوہ دوسری مصروفیات میں مشغول ہو جاتے۔

ایک مرتبہ اپولو اسپتال میں داخل تھے۔ احقر دیکھنے گیا۔ ضعف ونقاہت کی وجہ سے آہستہ سے سلام کا جواب دیا۔ احقر نے عرض کیا: ''حضرت! خدارا اب ہم پر رحم فرمائیں۔ آپ کا وجود ملک کے لیے مسلمانوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی زندگی بہت قیمتی ہے۔ اب اتنا بوجھ اپنے اوپر نہ ڈالیں۔'' بڑے فکرمند لہجے میں بولے: ''قیامت میں اللہ کے حضور گرفت سے بچ جاؤں تو کامیابی ہے ورنہ سب بیکار۔'' میں خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا جب حضرت کا اپنے بارے میں یہ خیال ہے تو ہم جیسوں کا کہاں ٹھکانا ہوگا۔

مسلم معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں شادی بیاہ میں فضول خرچی، رسوم ورواج اور ان میں بے جا اسراف، بدعات وخرافات، نوجوانوں کی بے راہ روی اور مغربی فیشن کی نقالی، بدعقیدگی، بے عملی، ان تمام مفاسد کا بنیادی سبب حضرتؒ مسلمانوں میں دینی تعلیم کی کمی اور غفلت کو مانتے تھے اسی لیے ہندوستان اور باہر یورپ امریکہ، افریقہ وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ دینی مدرسوں کے قیام پر زور دیتے تھے۔ خود بھی حتیٰ الامکان ان تمام جگہوں پر مدرسے قائم کرنے کی ایک تحریک چھیڑ دی تھی۔ سینکڑوں مدرسوں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ مدرسوں کی دعوت پر دور دراز گاؤں میں بیل گاڑی سے اور موقع ہوتا تو پیدل سفر فرماتے۔ مجھے یاد ہے امریکہ کے ایک ماہ کے

سفر سے واپس آئے اور شام ہی کو دیوبند روانہ ہو گئے۔مہینوں پہلے سے واپسی کے دوسرے دن کی تاریخ میں کسی گاؤں میں مدرسے کا پروگرام طے تھا۔دیوبند سے میں بھی ساتھ ہو گیا۔ یہ گاؤں ضلع سہارنپور میں سڑک سے آٹھ میل دُور کچی سڑک پر واقع تھا۔ہوائی جہاز کے بعد اب بیل گاڑی کا نمبر تھا۔تین گاڑیاں تیار تھیں۔بس سے اُتر کر حضرت نے سب کو گاڑی پر سوار کیا اور اپنی گاڑی پر بیٹھ گئے۔ بیل خاصے تندرست تھے اور کچی سڑک پر چلنے کے مشاق تھے۔ دوڑنے لگے۔ ہم ہچکولے کھاتے چلے جا رہے تھے۔آگے آگے ہم ، ہمارے پیچھے گرد کا مہیب بادل۔مزا تو جب آیا جب گاؤں میں پہنچے۔ ہمارے کپڑے اور چہرے دھول میں اس طرح اَٹے پڑے تھے کہ واقعی ایک دوسرے کو پہچان نہ سکے۔ ہم تو شکستہ ہو چکے تھے۔پہنچتے ہی اپنی قیام گاہ میں ڈھیر ہو گئے۔ حضرتؒ نے منہ دھویا، کپڑے جھاڑے اور جلسہ گاہ میں پہنچ کر تقریر شروع کر دی۔ وہاں سے دوسرے گاؤں جانا تھا۔ہم نے تو وہاں کے مدرسے والوں سے معذرت کر لی۔حضرتؒ تقریر کے بعد فوراً روانہ ہو گئے۔شام تک کئی مدرسوں کو نمٹا کر واپس آئے اور یہ قافلہ دیوبند واپس ہوا۔اس موقع پر ۱۹۴۷ء سے پہلے کا ایک واقعہ جو حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ پیش آیا تھا مجھے بار بار یاد آ رہا ہے۔یقیناً دلچسپی سے سنا اور پڑھا جائے گا۔۱۹۴۷ء سے پہلے کا زمانہ تھا۔مسلم لیگ کا زور تھا۔جگہ جگہ سفر میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ، مسلم لیگی طرح طرح کی بیہودگی اور گستاخی کر رہے تھے۔ حضرتؒ کی جان کا بھی خطرہ تھا۔ایک سفر ایسی جگہ کا پیش آیا جو مسلم لیگ کا گڑھ تھا۔قاری اصغر علی صاحبؒ (جو حضرت کے گویا پرسنل سکریٹری، گھر کے معاملات کے نگراں اور بچوں کے مربی و معلّم تھے) انھیں قاری صاحب نے سرحد و پشاور کے تین صحت مند اور نوجوان دارالعلوم کے طالب علموں مولوی عبدالجبار، مولوی عبدالقہار (ایک کا نام بھول رہا ہوں) تینوں کو بلایا اور فرمایا: ’’اس سفر میں حضرت کے ساتھ تم تینوں کو جانا ہے۔ یہ حضرات خوشی خوشی تیار ہو گئے اور ساتھ میں اپنے معمول کے اسلحے بھی رکھ لیے۔ ایک ہفتے کے سفر کے بعد واپسی ہوئی تو قاری صاحبؒ کے پاس تینوں حاضر ہوئے اور اپنے اپنے اسلحے قاری صاحب کے سامنے رکھ کر اُن میں سے عبدالجبار بولا: ’’آپ ہمیں شوٹ کر دیجئے۔ ہمارے لیے یہ آسان ہے۔حضرت کے ساتھ سفر سے ہمیں معاف رکھو۔‘‘ قاری صاحب نے پوچھا: ’’کیا بات ہوئی، کچھ بتاؤ تو؟‘‘ وہ بولا: ’’ایک ہفتہ ہو گیا۔ نہ کھانے کا ٹھکانہ، نہ سونا نصیب ہوا، نہ دن میں آرام نہ رات میں۔سفر میں سفر۔حضرت کی دو دو بجے تک تقریر۔ پروگرام پھر فجر پڑھ کر پھر آگے روانگی۔ حضرت پر تو اللہ کا خاص کرم ہے۔ وہ تو اپنے وقت کے مجاہد اعظم ہیں۔ہم معمولی انسانوں میں اتنی سکت کہاں۔اب دیکھئے اتنے جان لیوا

سفر سے واپس تشریف لاکر عشاء پڑھ کر حضرت سیدھے درسگاہ تشریف لے گئے ہیں۔‘‘ یہی مجاہد باپ کے مجاہد بیٹے ہمارے فدائے ملتؒ کا حال تھا۔

چونکہ حضرت فدائے ملتؒ کی تقریر سے لوگوں میں دینی تعلیم کی طرف رغبت ہوتی، دینی مدرسوں کی اُن کے دلوں میں اہمیت بڑھتی تھی۔ پھر یہ کہ دینی مدارس کے جلسوں کی تیاری میں مقامی لوگ بڑے بڑے چندے اور رقمیں اس شرط پر دیتے کہ حضرت کو بلایا جائے اور آپ کے جانے سے مدرسوں کو عام چندہ خوب ملتا۔ اس لیے لاکھ مشقت برداشت کر کے بھی حضرت شریک ہوتے۔ یہ صرف اپنے ملک ہندوستان ہی میں نہیں امریکہ، یورپ اور افریقہ وغیرہ میں بھی مدرسوں کا جال بچھادیا۔ مولانا ابوبکر غازی پوری صاحب لکھتے ہیں:

> ’’مولانا مدنی نے مسلمان نوجوان نسل کو اسلام دشمن طاقتوں کا شکار بننے سے بچانے کے لیے یورپ اور امریکہ میں اسلامی مدارس اور دینی مکاتب قائم کرنے کی زبردست تحریک چلا رکھی تھی۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں نہ معلوم یورپ وامریکہ میں کتنے دینی مدارس قائم ہوگئے۔‘‘ (زمزم، دوماہی مجلّہ، ربیع الاوّل، ۱۴۲۷ھ)

مسلمان سماج میں پچھڑا نہ رہے، وقت کے تقاضوں اور چیلنجز سے باخبر رہے، ساتھ ہی وہ مسلمان بھی ہو، خیالات، عقائد، اعمال کے اعتبار سے دین وشریعت کے تابع رہے۔ اس طرح کی سیرت سازی کے لیے آپ کا خیال تھا کہ مسلمان خود اپنے مکاتب اور اسکول قائم کریں جہاں طلباء کی ذہنی تربیت اسلامی نہج پر ہو۔ اُن کا ڈریس، رہن سہن غیر اخلاقی اور غیر اسلامی نہ ہو۔ اور تعلیم اعلیٰ سے اعلیٰ جدید طرز پر ہو۔ آپ کا خیال تھا کہ اس اسکیم کے لیے مسلمان ’’ریذیڈنشیل‘‘ (اقامتی) اداروں کی طرف توجہ کریں۔ عصری اور جدید تعلیم سے آپ کو انکار نہیں تھا۔ اس معاملے میں وسیع ذہن سے سوچتے تھے اور یہ کوئی نئی یا اجنبی بات نہیں ہے۔ جدید تعلیم کے لیے یہ ذہنی رویہ ہمیں آپ کے بزرگوں مولانا قاسمؒ اور حضرت شیخ الہندؒ بلکہ اُن سے بھی پہلے ملتا ہے۔

بات وہی تھی کہ مشنری اسکولوں میں ایمانی، اخلاقی اور عقیدے کی بربادی کا جو خطرہ رہتا تھا آپ اس سے بہت متفکر تھے۔ آپ کی جماعت جمعیۃ علماء نے ہندوستانی مسلمانوں بلکہ عالمی پیمانے پر مظلوم انسانوں کی ہر قسم کی جو خدمت انجام دی ہے تاریخِ عالم اُسے ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اس جماعت میں تقسیم کار کے اصول پر ہر ہر فرد کے ذمے کچھ خدمت سپرد تھی۔ ہمارے حضرت جماعت کے صدر تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ دوسرے کارکنوں کی طرح خود کو جماعت کا ایک خادم سمجھتے تھے بلکہ تمام ورکرز اور کارکنوں کی قدر کرتے۔ ان کے احسان مند تھے۔ جمعیۃ کے خادم اور

پرانی وابستگی کی بنا پر احقر کو کسی موقع پر دفتر کے ایک صاحب کی بات پر کچھ ناگواری ہوئی یعنی میرے اپنے خیال میں ان کی وہ بات جماعت کے لیے وقتی طور پر نقصان دہ نظر آئی۔ حضرت سے ان کا ذکر کیا۔ لب ولہجہ شکایت کا تھا۔ احقر کی بات سنی پھر متوجہ ہو کر فرمایا: ''تم چاہتے ہو سارے دفتر کے لوگ تمھاری مرضی کے مطابق کام کریں۔ اپنے چھوٹے سے گھر پر بیوی بچوں میں سارے کام تمھاری مرضی کے مطابق ہوتے ہیں؟ تم ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتے ہو؟'' وقفہ فرمایا پھر فرمایا: ''میاں! یہ حضرات جماعت کے لیے قربانی دے رہے ہیں۔ معمولی تنخواہ پر خدمت کر رہے ہیں۔ یہ بھی تجارت یا ملازمت کر کے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ یہ تو ان کا احسان ہے کہ جماعت کے سلسلے میں ہماری مدد کر رہے ہیں۔ خودداری، عزتِ نفس، حضرت کے مزاج میں یہ اوصاف کس طرح راسخ تھے اندازہ لگائیے۔ ملک کی سابق وزیر اعظم سے ملکی، سیاسی اور قومی کاموں کے لیے حضرت کو اکثر ملنا ہوتا تھا۔ اندرا جی حضرت کی قدرداں اور آپ کے اخلاص کی معترف تھیں۔ ایک بار ایسے ہی کسی مسئلے پر اُن سے ملنے گئے (احقر ساتھ تھا)۔ جب گفتگو ختم ہوئی، حضرت کرسی سے اُٹھے۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ باہر نکلنے سے قبل اچانک اندرا جی بولیں۔ ''مولانا صاحب! آپ اپنے یا اپنے کسی عزیز کے کام سے کبھی میرے پاس نہیں آئے۔'' حضرت مسکرانے لگے اور فرمایا: ''اندرا جی! اس ملک میں سارے بسنے والے اور میری قوم کا ہر فرد میرا عزیز ہی تو ہے اور انھیں کے لیے ملنے میں آپ کے پاس آتا ہوں۔'' عزیز داری کا یہ وسیع تصور جو حضرت کے ذہن میں تھا اس کی خدمت کی تصویر دیکھنی ہو تو ملک میں فرقہ وارانہ فسادات، زلزلے یا اور کسی حادثے میں زخمی ہونے والے یا مرنے والے انسانوں کے بیچ دیکھئے۔ ان مواقع پر کیسی تڑپ، کیسی بے چینی اور کیسی فکر و پریشانی میں دن و رات گزرتے تھے۔ فوراً جائے وقوعہ پر پہنچتے، زخمیوں کو ڈھارس بندھاتے، علاج و معالجے کا بندوبست فرماتے، مردوں کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرماتے۔ ہر طرح کی امداد و ریلیف کے لیے اپنی جماعت اور کارکن کو کام میں لگاتے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں آزادی کے بعد اقلیت خصوصاً مسلمانوں پر ظلم وستم کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس پر مزید زلزلے کی مار جس میں صرف مسلمان ہی نہیں سبھی کا نقصان ہوتا ہے۔ اسی نسبت سے ہمارے حضرت کی عمر عزیز کا بڑا حصہ مصیبت زدوں کی امداد اور حالات کی اصلاح میں نہ جانے کن کن وادیٔ پرخار میں بسر ہوا اور کتنے ہفت آسماں طے کرنے پڑے۔ بظاہر زندگی میں پرسکون اور ہشاش بشاش نظر آئے مگر کسی کو کیا معلوم ظلم و باطل کے خلاف کیسا جوش، انقلاب کا کیسا طوفان، اسلام کے بدباطن دشمنوں کے مقابلے کے لیے عزم و ہمت کا کیسا پہاڑ، مظلوموں کے لیے کیسی

ٹیس، کیسا درد، سینۂ مبارک میں ہمیشہ شعلۂ جوالا بن کر بھڑکتا رہا۔ آپ کئی کئی دن آفتوں کے بارے میں ان مظلوموں کے درمیان کئی کئی وقت بھوکے پیاسے ان کی خدمت میں لگے رہتے۔ سونے اور آرام کا موقع کئی کئی دن نہ ملتا۔ حکومت سے معاوضے کے لیے کوشش کرتے۔ بروقت امداد کے لیے جمعیۃ سے اور عام چندہ کر کے رقم کا انتظام فرماتے۔ پھر اصل واقعے کی طرف متوجہ ہوتے۔ مجرموں کی نشاندہی، ان کی سزا اور گرفتاری اُن کے خلاف مقدمات، بے قصوروں کی رہائی، فسادات یا تباہی کے ذمے دار انتظامیہ، پولیس، پی اے سی اور مقامی افسران کی یک طرفہ کارروائی، فرقہ پرستوں کی سازش اور ان کے منصوبہ بند حملوں وغیرہ پر حکومت کو متوجہ فرماتے۔ مرکز میں ذمہ داروں، وزراء، ممبرانِ پارلیمنٹ سے بار بار ملتے، حالات کی سنگینی کا احساس دلاتے، ان کے ساتھ مل کر حکومت کو فوری کارروائی کے لیے آمادہ فرماتے۔ وزیر اعظم، وزیر داخلہ، ممبرانِ پارلیمنٹ کو اصرار کر کے متاثرہ علاقوں کا دورہ کراتے، ظلم کا چشم دید معائنہ کرواتے، اُن کے دور سے پہلے یا ان کے ساتھ خود بھی جاتے اور ظلم و فساد کی صحیح صورتِ حال اور متاثرہ جگہ دِکھاتے کیونکہ ایسا بھی ہوتا کہ مقامی انتظامیہ اور فرقہ پرست لیڈران، سطحی اور جانب داری سے دورہ کرا کے اُلٹی سیدھی رپورٹ دے کر ذمہ داروں کو اُلٹا تاثر دیتے۔ جھگڑے فساد کی ساری ذمہ داری اُنھیں مظلوموں کے سر اور اُنھیں کی طرف سے اقدام کا انہدام ثابت کر دیتے تھے۔ اتنی جانکاہی اور مسئلے کے ہر ہر پہلو پر اتنی محنت ملک میں نہ کسی اور تنظیم کے بس میں تھی نہ کسی قائد کا یہ جگر تھا۔ ایک بار اواخر رمضان میں آپ بہار کے ایسے ہی فساد زدہ کسی علاقے میں مصروف تھے۔ گھر پر عید کے دن جب کہ آپ کا انتظار تھا۔ صبح ہی صبح فون آیا: ''تم لوگ عید کرلو، میں فساد کے مظلوموں، زخمیوں اور شہدا کے اعزاء کے ساتھ عید کروں گا۔'' ملک کی معزز سوشل ورکر خاتون جناب سبھد را جوشی اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں۔ انھوں نے بیان کیا: ''مولانا صاحب کی قربانی آپ کے دل و جگر ہمت و جرأت کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بہار میں کئی کئی وقت کھانے پینے سونے اور آرام سے بے پرواہ مصیبت زدوں کی مدد کرتے رہتے۔ ایک بار انھوں نے (سبھد راجی نے) کہا بھی: ''مولانا صاحب! کچھ اپنا بھی خیال کیجیے۔'' مولانا صاحب نے بڑے درد سے فرمایا: ''یہ لاشیں، یہ زخمی لوگ، یہ بربادی دیکھی نہیں جاتی۔ سبھد راجی میرا کیا ہے، میں تو ہٹا کٹا ہوں۔ (بیان سبھد راجی بمقام دفتر جمعیۃ گلی قاسم جان)

بھج (سورت) میں زلزلے کے قہر نے اور احمد آباد گجرات بڑودہ وغیرہ میں مودی کی سفا کی و حیوانیت نے مسلمانوں کی جو نسل کشی کی دُنیا کا دماغ جھنجھنا اُٹھا، انسانیت تڑپ اُٹھی۔ حضرت

فدائے ملت پر اس کا جو اثر ہوا ہو گا آپ خود جانتے ہوں گے یا اللہ کو علم ہے۔ہم نے تو دیکھا آپ صدمے، درد کو پی گئے۔ وقت رونے اور آہ بھرنے کا نہیں بہت کچھ کرنے کا ہے۔ ہمتِ مرداں کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ کے مظلوم بندوں کی خدمت کا نظم شروع کر دیا پیسے سے، جان سے، اُن کے دُکھ میں شریک ہو گئے اور دُنیا نے زلزلے کی اُفتاد کے بعد بھی اور مودی کی لائی ہوئی قیامت کے بعد بھی دیکھا (جس نے نہ دیکھا ہو وہ الجمعیۃ ہفتہ وار، ۱۴/تا ۲۰/ مارچ ۲۰۰۳ء) اور اس سے پہلے کا شمارہ ملاحظہ کر لے) اُجڑے پٹے لوگوں کے لیے سوڈیڑھ سو گھروں کا ایک علاقہ مدنی نگر بس گیا۔ اسکول، اسپتال، چھوٹے چھوٹے صنعتی کاموں کا سلسلہ، سلائی کڑھائی، گھروں میں استعمال ہونے والے ہاتھ سے تیار ہونے کے مراکز جس میں بدحال خواتین، بچوں اور جوانوں کو روزی روٹی سے چھپانے کا سہارا ہو جائے۔ یہ سب صرف ایک ذات کی انتھک محنت اور شب و روز خدمت کے سبب وجود میں آ گیا۔ اندرا جی سے کہے ہوئے جملے کو پھر یاد کیجیے: ”اندرا جی! یہ سارے ہندوستانی اور میری قوم کا ہر فرد میرا عزیز ہی تو ہے۔“ آپ عزم مصمم میں پہاڑ جیسی صلابت کے مالک تھے۔ حالات کی سنگینی میں استقامت کے ساتھ دل و دماغ کو پرسکون رکھ کر فیصلہ فرماتے۔ پھر سود وزیاں، خوف و مصلحت اور راستے کی دشواریوں سے بے پرواہ مصروفِ عمل ہو جاتے۔ آپ کے والد حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کا انتقال ہوا۔ اُمت کے لیے ایک امتحان تھا:

تیری فرقت کو دُنیا موت سے تعبیر کرتی ہے
مجھے یہ حادثہ اِک امتحاں معلوم ہوتا ہے
(رشید)

مسلمانوں کا مستقبل تاریک تھا۔ ایک بیٹا باپ کی شفقت سے تو محروم ہوا ہی تھا قیادت، امامت، ولایت، تصوف، سیاست، خدمت، ارشاد و اصلاحِ تصوف اور جہاد غرض کتنے گوشے تھے جو اب خالی تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ کوئی نابغۂ روزگار مردِ حق اُٹھے۔ اپنے اوصاف و کمال، لیاقت و قابلیت کے ساتھ ان جگہوں کو پر کر سکے۔ مایوس دلوں کو سہارا دے، کیا بیٹے کا دل باپ کی جدائی سے پاش پاش نہیں تھا۔ تھا اور شدت سے تھا! دن کے اُجالے میں تو لاکھوں دلوں کا اُسے سہارا بننا تھا۔ اُسے مغموم دیکھ کر لاکھوں شکستہ قلوب کی آس ٹوٹ جاتی مگر تہجد کے وقت آہِ سحر گاہی کے ساتھ زار وقطار روتے ہوئے تو ہم نے دیکھا۔ بہرحال یہ تو ایک امتیاز تھا ہی۔ آگے یہ جواں ہمت بیٹا عزمِ راسخ کے ساتھ اُٹھا۔” والدؒ کے کاموں کو ان کے مشن کو زندہ رکھنا ہے۔ ان کی روح

کو سکون پہنچانا ہے۔ اُن سے تعلق اور محبت کا ثبوت دینا ہے تو ان کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔''

دنیا بجا طور پر غم منا رہی تھی۔ اخبار و رسائل نمبر نکال رہے تھے۔ مسجدوں اور اجتماعات کے ممبروں اور اسٹیج سے شعلہ بیانی اور مضمون آفرینی کے تمام لوازمات کے ساتھ حضرت شیخ الاسلامؒ کے اوصافِ حمیدہ اور آپ کی فرقت پر غم کا بہت سے لوگ حق ادا کر رہے تھے، مگر مثالی باپ کا مثالی بیٹا دنیا کے سامنے کوئی اور ہی کردار پیش کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ چکا تھا یعنی تمام جہات کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام کے کاموں کو زندہ رکھنا اللہ کی رحمت بھی نیک ارادے کی مدد کے لیے متوجہ ہوگئی ورنہ حضرت شیخؒ کی زندگی پر ایک قدم بھی چلنا، پتھروں کو پسینہ آ جائے۔ آپ نے عام لوگوں کی طرح تقریر، تحریر بیان میں غم کا اظہار کرنے کے بجائے ہمت کی توانائی اور حوصلے کی قوت کے ساتھ اللہ سے دعا کر کے حضرت کے کاموں کو سنبھال لیا۔ دُنیا نے دیکھا اور حضرت فدائے ملت نے ایک سبق دیا۔ اگر جانے والے سے آپ کو سچا تعلق ہے، اگر اس کی جدائی سے واقعی غمگین ہیں تو ہمت کیجیے، اس کے نقشِ قدم کو نقشِ راہ بنایئے اور چل پڑیئے اُن سنگلاخ راہوں پر۔ بیشک جگر کا خون ہو جائے گا۔ کلیجہ منہ کو آ جائے گا، قدم قدم پر راہ کے کانٹے پیر کے آبلوں کو لہولہان کر دیں گے۔ بادِ مخالف منہ پر تھپیڑے مارے گی۔ اپنوں کی دشمنی گالیاں غیروں کے طنز و طعنے کے نشتر سے سینہ لہولہان ہو جائے گا:

جنون کے جوش میں نکلے جو گھر سے
اِدھر سے ہم چلے پتھر اُدھر سے

یہ سماں ہوگا مگر آپ عقیدت، محبت اور وفا میں کھرے اُتریں گے۔ جانے والے سے اپنے سچے تعلق کا حق ادا کر دیں گے۔ اللہ کی رضا اس کے رسول کی محبت بھی جھوم کر آپ کو گلے لگالے گی اور آپ کے محبوب کی روح بھی آپ سے خوش ہوگی۔ حضرت فدائے ملتؒ نے بلا شبہ یہ نمونہ پیش کر کے دِکھا دیا اور آج آپ بجاطور پر سچے جانشینِ شیخ الاسلام ہیں۔ حضرت فدائے ملتؒ کی زندگی میں ایک اور پہلو نہایت واضح تھا یعنی آپ دُنیا کے معاملات سے بھی پوری طرح باخبر رہتے۔ نہایت حسنِ تدبیر اور سلیقے سے اُنھیں پورا فرماتے۔ رشتوں کے حقوق کے پاس ولحاظ اور اُن حقوق کی ادائیگی میں پوری طرح مستعد تھے۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل پر نظر رکھتے اور مکمل طریقے سے انھیں حل فرماتے۔ اسی کے ساتھ ساتھ امت کی خیر خواہی ملک اور قوم کے تئیں فرائض کی ادائیگی اور اسلام و اسلامی شعار کی حفاظت مسلمانوں اُن کے تشخص، اُن کی اصلاح کے لیے بھی فکر مند رہتے تھے اور اس سلیقے سے نبھاتے کہ کبھی ایک میدان کی ذمہ داری دوسری کے لیے

سدراہ نہ بن سکی۔صحت، بیماری اور علاج ہی کے سلسلے میں دیکھئے۔وقت مقررہ پر اسپتال جانا ایک مستعد مریض کی طرح ڈاکٹر کی ہدایت کی پابندی، وقت پر دوا بتائے ہوئے پرہیز کی پابندی وغیرہ پر خاص خیال رکھتے مگر اس کے ساتھ ہی ملّی فریضے کی اہمیت اپنی صحت وعلاج سے زیادہ رہتی تھی۔ دہلی میں وقف بورڈ کا جلسہ تھا۔تاریخ اور وقت طے تھا۔اس سے کچھ پہلے ڈاکٹر نے دو ایک ٹیسٹ مقرر کردیے تھے۔اسپتال تشریف لے گئے۔کچھ ٹیسٹ ہوگئے، آخری مگر اہم ٹیسٹ رہ گیا تھا۔ اس میں کچھ دیر لگی۔اچانک گھڑی دیکھی، میاں محمود سے فرمایا: ''وقف کا جلسہ شروع ہونے والا ہے۔میرا پہنچنا ضروری ہے۔وہاں نہ معلوم کیا طے ہوجائے۔'' میاں محمود نے کہا یہ بہت اہم ٹیسٹ ہے۔میں ڈاکٹر سے کہتا ہوں، چند منٹ اور ٹھہر جایئے مگر حضرت اُٹھے اور باہر کی طرف چل دیے۔وقت پر جلسہ گاہ پہنچ گئے۔

آپ کی زندگی مسلسل جدوجہد، مسلسل حرکت تھی۔آرام اور نیند کا مختصر اور متعین وقت مقرر تھا۔طبیعت کے تقاضے پر اُن مقررہ اوقات سے زیادہ کبھی وقت نہ دیتے تھے۔سوکر اُٹھنے کے بعد عام عادتوں کی طرح سستی یا نیند کا خمار کا تصور بھی نہ تھا۔فوراً کھڑے ہوجاتے اور کام شروع کردیتے۔یہ ہمت اور نظام الاوقات کی پابندی ہی تھی جو روزانہ سینکڑوں پہاڑ ایسے کام نمٹ جاتے تھے۔اس پر مزید سفر کا بوجھ اور ہر سفر میں ہمالیائی قسم کی ذمے داریاں۔اس کے ساتھ ہی مریدین وطالبین کی روحانی تعلیم وتربیت، بیعت وارشاد، سینکڑوں میل کے سفر سے تشریف لاتے اور چند گھنٹوں بعد ہی دہلی سے دیوبند روانہ ہوجاتے جہاں خانقاہ میں پہلے سے موجود ومنتظر حضرات کے ساتھ نہایت سکون اور توجہ سے مصروف ہوجاتے:

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیے ہیں اندازِ خسروانہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق جس نہج پر لکھنے کا ارادہ کیا تھا مختصراً پیش کردیا۔گو ابھی آنکھوں کے سامنے اتنے واقعات ہیں کہ پوری کتاب بن جائے اور سچ تو یہ ہے کہ اس دلنشیں اور مبارک تذکرے سے خود کو الگ کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہے۔آپ کی مبارک روح سے قربت محسوس ہوتی ہے شاید یہی مجھ گنہگار کی اصلاح ومغفرت کا زیور بن جائے مگر ایک مضمون میں اتنی وسعت کب جائز ہوسکتی ہے تاہم ملک اور مسلمانوں کے عام مسائل سے متعلق بعض عنوانات پر اپنے تاثرات پیش کرنے کی اور اجازت چاہتا ہوں۔تفصیل کے لیے تو اس نمبر میں خاصا ذخیرہ ہے۔ اسلامی مدارس کے سلسلے میں تمام تر خدمات کے ساتھ ایک چیز کا حضرت کو بڑا اہتمام تھا اور

مدرسوں پر فرقہ پرستوں کی عام یلغار اور مدرسوں کے استحکام کے لیے اس بات کی اہمیت بھی تھی۔ ملک میں ایک ہی نصاب، ایک ہی مسلک کے پھیلے ہوئے مدارس کو ایک مرکز کے تحت جوڑنا، دارالعلوم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے سارے دینی مدارس گویا اس کی شاخیں تھیں۔ اس قسم کی مدرسوں کی مرکزیت اور وفاق مدارس کی اسکیم کے لیے مختلف جگہوں خصوصاً دیوبند میں اجتماع کرائے۔ ہر جگہ کے اساتذہ، علماء اور مہتمم صاحبان کو دعوت دی اور اس اسکیم کو ترقی دی، ثمرآور بنایا۔ ساتھ ہی آپ مسلمان جوانوں میں وقت کی ضرورت کے مطابق جدید تعلیم کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کرتے تھے۔ کالجوں، یونیورسٹیوں میں ٹیکنیکل اور موڈرن علوم کے طلباء کے لیے جمعیۃ علماء کی طرف سے سالانہ بطور وظیفہ خاص بڑی رقم کی تقسیم کا پروگرام بھی جاری تھا جو اب بھی جاری ہے مگر جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا، آپ کا جذبہ یہ تھا کہ مسلم نوجوان علومِ جدیدہ انگریزی، سائنس، انجینئرنگ، میڈیکل وغیرہ پڑھیں اور اس میں کمال حاصل کریں۔ مگر ذہن اور دماغی تربیت اسلامی طرزِ فکر کے مطابق ہو۔ اس کے لیے آپ اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ مسلمان اپنے جدید تعلیمی ادارے قائم کریں جو ریذیڈنشیل (اقامتی) ہوں، وہاں بچوں کی اس قسم کی تربیت ممکن ہو سکے گی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تنظیموں کے درمیان جمعیۃ کا ایک خاص مزاج رہا ہے اور یہ مزاج، یہ انداز جمعیۃ کے اکابر کی دین ہے۔ وہ یہ تھا کہ اس جماعت کے ذمہ دار قائد ملکی وملّی مسائل پر سنجیدگی سے غور وفکر کرتے پھر مسلمانوں کے مصالح اور ملکی مفاد کی روشنی میں افہام وتفہیم اور انصاف کے ساتھ اس کو حل کرتے۔ جذباتیت اور بے جا مذہبی جوش سے عوام اور جماعت کو ہمیشہ دُور رکھا۔ حضرت فدائے ملت نے بڑے بڑے جذبات حالات میں اس مثبت اور تعمیری پالیسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ ملک میں بابری مسجد سے زیادہ جذباتی ایشو کوئی نہ تھا اگر چہ ماضی میں بابری مسجد کے سلسلے میں ایک خاص طبقے کی طرف سے ناانصافیاں ہوتی رہیں۔ ۱۹۴۹ء میں مسجد میں باجماعت نماز بھی روک دی گئی۔ حضرتؒ نے اس مسئلے کو عدالت سے طے کرانے پر ہمیشہ حکومت پر زور ڈالا، متوجہ کیا۔ اس کے بعد بھی برابر آپ اس مسئلے کو قانونی دستور اور عدالت کے دائرے میں حل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مقدمات میں قابل وکلاء کی خدمات، ان کی بھاری فیس، گواہ اور دوسری آسانیاں جمعیۃ فراہم کرتی رہی۔ آپ برابر کوشاں رہے کہ یہ قبضہ حق وانصاف کے ساتھ مسلمانوں کے حق میں طے ہو۔ مسلسل کوشش کے نتیجے میں عدالت سے خاطر خواہ فیصلے کی امید بھی ہو چلی تھی۔ اس طرف بڑی اہمیت سے آپ نے مسلم عوام اور قائدین کو توجہ دلائی، فرمایا:

''ہمارے لیے مناسب یہی ہے کہ ہم عدالتوں پر بھروسہ کریں، عدل و قانون کی بالادستی قائم کرنے کی راہ ہموار کریں، مناسب طریقے سے افہام و تفہیم کر کے مسئلے کے حل کی راہ نکالیں۔''

اسی کے ساتھ اس مسئلے میں جذبات میں بہنے سے روکتے رہے۔ اس کے نقصانات پر توجہ دلاتے رہے، فرمایا: ''عوام میں جنون پیدا کر کے ہم مسئلے کا کوئی حل نہیں نکال سکتے۔ پارٹیوں کو جنون سے پرہیز کر کے صبر و تحمل کے ساتھ مناسب راستہ اختیار کرنا چاہیے۔''

سچ تو یہ ہے کہ ۱۸۰۳ء میں شاہ عبدالعزیزؒ نے انگریزوں کے قبضے اور حالات کے دگرگوں ہونے کے بعد اسلامیانِ ہند میں ایک تنظیم کی اور انقلاب و بغاوت کی جو روح پھونکی، جو شاہ اسحاق صاحب، سیّد احمد بریلویؒ کی جانفروشی، فکرمندی اور قربانی سے آگے بڑھی، پھر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء کی صورت میں سامنے آئی، اس کو اکابر کی اُسی حرارت اور فکر و نظر کے ساتھ حضرت فدائے ملت نے باقی رکھا اور آگے بڑھایا۔ جمعیۃ کے سلسلے میں آپ کی خدمات کا نقشِ اوّلیں مستقل طور پر ۱۹۶۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں جمعیۃ علماء یو پی کے صدر ہوئے، ۱۹۶۳ء میں مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کی ذمہ داری سنبھالی اور ۱۹۷۳ء میں صدارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ جمعیۃ کی صدارت کے طویل دَور میں اس جماعت کو نہ صرف ملک بلکہ یورپ، امریکہ اور عالمِ اسلام میں ملک کی ایک مؤثر جماعت اور مستند علماء کی اہم مجلس اور اجتماع کی حیثیت سے اس طرح متعارف کرایا کہ ہر جگہ جمعیۃ کی مسلمانانِ ہند کے لیے ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ دنیائے اسلام یورپ و افریقہ ہر جگہ کی عظیم المرتبت شخصیتوں نے اعتراف کیا کہ حضرت کی ذات اور آپ کی جماعت سے ہندوستان ہی نہیں ساری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی آبرو قائم ہے۔ ظلم و ناانصافی اور حکومت وقت کی بدعنوانیوں کے خلاف آپ کی عملی اور دل دہلا دینے والی داستان جاننے کا اشتیاق ہو تو ملک و ملت بچاؤ تحریک پر مشتمل رپورٹ ''کالی مسجد سے تہاڑ جیل تک'' مرتب ڈاکٹر رشید الوحیدی کا مطالعہ کر لیا جائے۔ بظاہر بعض چھوٹی چھوٹی باتیں دل پر اثر کر جاتی ہیں، سننے والے کی سیرت پر اس سے ایک اصلاحی نقش مرتب ہو جاتا ہے۔ ایسے کچھ واقعات سن لیں۔

ہمارے حضرت دہلی سے مدینہ منورہ، وہاں سے عمرہ کے قصد سے تشریف لے گئے۔ جدہ ایئرپورٹ پر معلوم ہوا مدینہ منورہ کے لیے جہاز دو گھنٹے بعد جائے گا۔ جھٹ لاؤنج کے ایک گوشے میں چادر بچھائی اور سو گئے۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر ایک بار جدہ ایئرپورٹ ہی پر تشریف لائے۔

دہلی آنا تھا، جہاز میں دیر تھی، سامان ساتھ والوں کے حوالے کیا، شہر تشریف لے گئے، معلوم ہوا اپنے بھتیجے (اور دودھ شریک بھائی بھی) فریدالوحیدیؒ سے مل آئے۔ کسی قریبی خادم نے عرض کیا: حضرت! بڑی زحمت فرمائی۔ جواب دیا: بھائی دودھ کا حق ادا کرنا تھا۔ وہ انتظار بھی کر رہا تھا، خود رضاعی ماں کا حق کیسے ادا فرمایا۔ انہیں فریدالوحیدی مرحوم کی ضعیف والدہ کو اپنے ساتھ حج کرانے لے گئے۔ مکہ مکرمہ، حرم شریف، مطاف، مسعیٰ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، رمی جمار، ہر جگہ موصوفہ کی وہیل چیئر خود چلا کر حج ادا کروایا۔ یہ صرف اور صرف اللہ کے لیے اور اس کے پیارے رسول کی سنت کا عشق تھا۔ دل پر ہاتھ رکھئے! فدائے ملتؒ کے عاشقو! اپنی ساری زندگی میں یہ جہاد، یہ جذبہ پیدا کرلو۔ اگر تمھیں اُس ذات کے جانے کا غم ہے، ورنہ الفاظ اور اظہار کی دنیا تو بڑی وسیع ہے۔ گالیاں سن کر دعا دینے والی سنت تو آپ کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔ بعض اعزا اپنی نادانی سے حضرتؒ کے ساتھ سوء ظن اور پرخاش رکھتے تھے۔ ایسے اعزاء کی غمی، خوشی میں اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ حسبِ موقع مالی مدد فرمائی اور خاموشی سے واپس آ گئے۔ ایسے اعزاء میں بعض خوش قسمتی سے آج آپ کے جاں نثاروں میں ہیں اور مزید سعادت ان کی خواہش پر حضرتؒ نے انھیں بیعت بھی فرمالیا تھا۔ تعلقات میں درجہ بندی اور اُسی نسبت سے قربت آپ کی زندگی کا بہترین اصول تھا۔ مہمانوں کا احترام و خدمت تو عام بات تھی۔ بہت قریبی لوگوں سے ملنے کا الگ ہی انداز ہوتا، تاہم ایسے قریبی حضرات سے کوئی بے اصولی (ذاتی نہیں، شریعت، دیانت، جماعت یا دینی ذمہ داری اس کی بے اصولی) محسوس فرماتے تو تعلق ہی کے اعتماد پر تنبیہ فرماتے اور صرف انہیں معاملات کی حد میں، لہجہ کبھی تیز بھی ہو جاتا۔ اس کے بعد پھر وہی پرانی شفقت، پہلا سا تعلق۔ اب خوش نصیب، سچا تعلق رکھنے والا اسے قربت پر محمول کرتا اور کج فطرت یا خام طبائع اس میں اپنی توہین محسوس کر کے دُور ہو جاتیں۔ ایسی متعدد مثالیں عام ہیں۔ آج ایسے حضرات ہمارے حضرتؒ کی نسبت سے محروم ہیں۔ گو سماج کے بہت سے حلقے میں وہ مقبول ہیں مگر اللہ نے کبھی عقلِ سلیم ودیعت فرمائی تو محسوس کرسکیں گے کہ کیا کھویا کیا پایا۔ حضرت فدائے ملتؒ اپنے اکابر کے جلو میں جنت میں نعمتوں سے سرفراز ہیں۔ ہم اُن کی برکتوں، ان کے دیدار سے محروم ہیں۔ اللہ ان کے وسیلے سے ہمیں بھی نواز دے:

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

تواضع، مروّت، ایثار، خوش اخلاقی، جذبۂ خدمت، احترامِ انسانیت، اللہ کے بندوں کی دینی و دنیاوی فلاح و کامیابی کے لیے فکرمندی، یعنی وہ خصوصیات اور وہ اوصاف جس سے ایک شخص

سماج میں اور عام انسانوں کے درمیان پسند کیا جاتا ہے، عوام الناس اس سے مانوس ہوتے ہیں۔ اس سے مل کر دل کو ڈھارس اور سکون محسوس کرتے ہیں۔ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔تعریف کرتے ہیں، دراصل انسان کا یہ بہت بڑا کمال اور شرافت کا اعلیٰ معیار ہے۔کسی فردِ کامل کا تقویٰ اس کی بزرگی قابلِ قدر اور لائقِ اعتراف فضل وکمال ہے مگر یہ اس کے اور اس کے اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے۔ اس فضل وکمال کے ساتھ کسی کا وجود زمین پر اللہ کی مخلوق کے لیے رحمت، شکستہ دلوں، مظلوم اور ضرورت مند مصیبت زدہ انسانوں کا سہارا بن جائے۔ایسا مجاہد متقی ہی دراصل زمین پر اللہ کا مقبول ومطلوب بندہ کہلانے کا مستحق ہے۔فطری بات ہے ایسے محسن، ایسے شریف اور حسنِ اخلاق کا ایسا نمونہ پیش کرنے والے کی طرف انسانوں کے دل کھنچتے ہیں۔ان کے قلوب اس کے احسان سے سرشار رہتے ہیں۔لوگ اس سے محبت کرتے ہیں تو اس کے لیے ہر وقت دعا کرتے ہیں اور اللہ پاک اُن کے حق میں اپنے بے شمار بندوں کی دعا سنتا ہے۔قبول فرماتا ہے اور تب اس کے لیے دین ودنیا میں اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔آخرت میں ایسے پاک نفوس پر انعامات کی کیا بارش ہوگی، یہ تو اللہ ہی جانے۔ دنیا میں ان کی سیرت میں نکھار، ان کے چہرے بشرے پر نورانیت، انسانوں میں ان کی مقبولیت تو دنیا والے بھی دیکھتے ہیں اور کیوں نہ ہو ایک شخص اپنی تمام راحت ورفاہیت کو اللہ کے بندوں اور نبیؐ کی امت کی بھلائی کے لیے قربان کر رہا ہے تو بیشک اللہ کی رحمت اور پیارے رسول کی محبت اس پر ٹوٹ ٹوٹ کر برسے گی۔یہی سچے اولیاء اللہ ہیں۔

آمدم برسر مقصد، جس نے ہمارے بزرگوں، اکابر، اسلاف، خصوصاً حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت مرشدی فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے وہ گواہی دے گا کہ اپنے اپنے عہد اور عصر میں مذکورہ بالا مصروفیات کے لحاظ سے اور ہر پہلو سے تقویٰ و بزرگی کے ساتھ اعلیٰ شرافت، پاکیزہ زندگی اور شرافت وجہاد کی بے مثال علامت تھے ہمارے یہ بزرگ:

بہ آں گروہ کہ از ساغرِ وفاست اند
سلامِ ما برسانید ہر کجا ہست اند

○○

□ ڈاکٹر سعید الوحیدی، ذاکرنگر، نئی دہلی

مجھے ہے حکمِ اذاں....

قحط میں موت ارزاں ہوتی ہے۔ اور قحط الرجال میں زندگی۔ مرگِ انبوہ کا جشن ہو تو قحط۔ حیات بے مصرف کا ماتم ہو تو قحط الرجال۔ اس وبا میں آدمی کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ مردم شماری ہو تو بے شمار۔ اور مردم شناسی ہو تو نایاب۔ اچھے آدمی کے گرد ہالہ ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک جائیں تو دل خود بخود منور ہو جاتا ہے۔ بعض لوگوں کی قسمت میں ایسی زندگی لکھی جاتی ہے کہ وہ جیتے جی شہید ناز ہو جاتے ہیں۔ اس قبیلے کے لوگ زندہ شہید کہلاتے ہیں۔ اور ایسے زندہ شہداء میں سے ایک نام امام احمد بن حنبل ہے۔ جن کی سنت پر چلنے والے ہر زمانے میں پیدا ہو کر جرأت کے ساتھ قربانی دیتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں۔ دراصل جرأت ایک کیفیت ہے اور قربانی اس کیفیت پر گواہی ہے۔ جرأت ایک طرزِ اختیار کا نام ہے۔ اور قربانی ایک طریق ترک کو کہتے ہیں۔ اس ترک و اختیار میں بسر ہو جائے تو زندگی جہاد اور موت شہادت کا نام پاتی ہے۔ مولانا اسعد مدنی مرحوم کی پوری زندگی دوسروں کی خدمت رہنمائی اور اصلاح میں بسر ہوئی۔ ان کی طبیعت کا وہ استقلال جس کی وجہ سے وہ نہ تو ناکامی میں متزلزل اور نہ کامیابی پر متکبر۔ ان کی زندگی پامردی اور بے لوثی سے دوسروں کے لیے وقف رہی۔ یہی مرحوم کی عظمت کا راز ہے۔ اور یہی ان کی زندگی سے حاصل ہونے والا سب سے بڑا سبق ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے مسلمان سخت دشواریوں سے زندگی گزارتا آیا ہے۔ ایسے میں جذباتی نعروں کے لگانے والوں کا ایک ہجوم تھا مگر حکمت اور دانائی سے کام لینے والے لوگ بہت کم تھے۔ ایک وہ دہائی تھی۔ جو ۱۸۷۰ء سے شروع ہوئی اس دہائی میں بڑے بڑے آدمی پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۰ء تک چند چنندہ لوگ رہ گئے۔ انھیں کے زیرِ تربیت مولانا اسعد مدنی نے خدمت خلق کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اور اب تو ہندوستان کے برّ اعظم پر نہ جانے مسلمانوں پر کیا افتاد پڑی کہ نہ دیوانے پیدا ہوتے ہیں اور نہ فرزانے۔

مذہب اور سیاست:

بہت زمانے پہلے متفقہ طور پر یہ بات تسلیم کرلی گئی تھی مذہب اور سیاست ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہ فتنہ دوبارہ زندہ ہو رہا ہے کہ مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبہ

ہیں۔ حضرت مولانا اسعد مدنی کا یہ کارنامہ رہا ہے کہ وہ سیاست اور مذہب کو ایک ساتھ لے کر چلے۔ سیاسی اسفار میں مذہبیت کا بھی دخل ہوتا تھا۔ جس سے مقصود رضائے الٰہی ہوتی تھی۔ پارلیمنٹ میں ملکی اور ملی مسائل پر بے خوف وخطر بولتے تھے۔ احتجاجی مظاہرے اور کانفرنسیں بھی کرتے تھے۔ فسادات میں بھی بے خطر گھس جایا کرتے تھے۔ اور ہر قسم کی خدمات میں تن من دھن سے لگ جایا کرتے تھے۔ ان تمام سیاسی کاموں میں رضائے الٰہی کا پاس رکھتے تھے۔ نیز ان تمام مصروفیات کے باجود کبھی کسی نماز کی جماعت نہیں چھوٹتی تھی۔ زندگی کا کوئی پہلو مادی ہو یا روحانی سیاسی ہو یا مذہبی تاریک ہو یا روشن اس کے سماوی قانون سے باہر نہیں سمجھتے تھے۔

رشد و ہدایت: شعبان کے مہینے میں مستقل قریہ قریہ بادہ بادہ تبلیغی تقریریں اور بیعت فرماتے تھے۔ رمضان شریف میں پورے مہینے ذکر واذکار میں گزارتے تھے۔ ہزاروں لوگ تزکیہ نفس کے لیے آتے تھے۔ ان کے ٹھہرنے، کھانے، سونے سب کا انتظام حضرت خود ہی فرماتے تھے۔

اغیار و متعلقین کے ساتھ معاملات:

لوگوں کی مشکلات میں بھر پور مدد فرمایا کرتے تھے۔ راقم ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ میں وزارت الحج والاوقاف میں عربی اردو کے مترجم کی حیثیت سے ملازم تھا۔ اچانک سعودی قانون آیا کہ ان جگہوں پر صرف سعودی نیشنل رکھے جائیں گے۔ چنانچہ میں بھی الگ کر دیا گیا، ایسے زمانے میں حضرت کا آنا سعودی عرب میں ہوا۔ مجھے پریشان دیکھ کر فرمانے لگے تم واپس ہندوستان آ جاؤ اللہ مدد فرمائے گا۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ یہاں آنے کے بعد مجھے ۱۵۰،۰۰۰ اپنی جیب سے اور ۵۰،۰۰۰ مسلم فنڈ سے دلوا کر کہا، جاؤ کوئی کاروبار شروع کردو۔ میں نے ان پیسوں سے تشہیری کمپنی (Adv erthsing and Marketing Company) قائم کی تھوڑے عرصے میں بحمد للہ بہت ترقی ہوئی۔ ہر ملاقات پر کاروبار کی حالت معلوم فرماتے رہتے تھے۔ اور اب اس کاروبار کی ماشاء اللہ ایک شاخ لندن میں بھی قائم ہوگئی ہے۔ اس کی دیکھ بھال میرا لڑکا فیصل وحیدی کرتا ہے۔

تعلیمی خدمات:

ساری عمر گاؤں گاؤں شہر شہر مدرسہ قائم کرنا اپنے لیے لازم سمجھتے تھے پرانے مدرسوں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ انگلینڈ، ساؤتھ افریقہ، جرمنی وغیرہ میں بھی سیکڑوں مدرسہ قائم کیے دن ورات اسی جدوجہد وفکر میں مشغول رہتے تھے۔ کاش علوم جدیدہ کی طرف بھی توجہ فرماتے۔ خدا کرے آنے والے جمعیۃ علماء کے حضرات اس کمی کو پورا فرمائیں۔

○○

❏ مولانا سید محمد حارث خانجہاں پوری
(مقیم حال مدینہ منورہ)

ایسا کہاں سے لائیں

اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرنا دین اسلام میں مطلوب ہے، یہ ان صفاتِ حمیدہ میں سے ہے جن میں بہت کوتاہی ہوتی ہے، اسی وجہ سے جگہ جگہ اس کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت ماموں جان رحمۃ اللہ علیہ کن کن صفات کے حامل تھے؟ ان کا احاطہ نہ ہمارے بس میں ہے اور نہ ہی ہماری اتنی پہنچ ہے لیکن جب سے ہم نے ہوش سنبھالا، اس وقت سے لے کر آخری دن تک (جس دن آپ کے چوٹ لگی، جو آپ کے شفیق سایہ کے ہمارے سروں سے اُٹھ جانے کا سبب بنی) آپ کی شفقتوں اور محبتوں کی بارش ہم لوگوں پر اس طرح ہوتی رہی جس کی مثال عام طور پر نہیں ملتی۔

جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہمیشہ دیکھا کہ دہلی - دیو بند آتے جاتے اپنی بے تحاشہ مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر ہمارے گھر تشریف لاتے، کتنی بار تو ایسا ہوتا کہ بس پانچ منٹ مشکل سے رکتے، والدہ محترمہ جلدی جلدی کچھ پیش کرتیں تو تھوڑا بہت لے لیتے۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ دیو بند سے دہلی جاتے ہوئے فجر کی نماز اول وقت پڑھ کر روانہ ہوتے، اس طرح کہ ناشتہ جانجہاں پور میں ہوتا۔ اور اگر فرصت ہوتی تو کھانا تناول فرماتے اور آرام بھی کرتے، یہ سلسلہ برابر قائم رہا، یہاں تک کہ اپنی صحت کے آخری دن دہلی سے واپس دیو بند آتے ہوئے دو پہر میں گھر تشریف لائے، کھانا کھایا، آرام فرمایا اور پھر ظہر کی نماز کے بعد دیو بند کے لیے روانہ ہوئے۔ (نوٹ: ہمارا گھر ''خانجہاں پور'' دیو بند سے دہلی کے راستہ میں تو ہے؛ لیکن بالکل سڑک پر نہیں ہے؛ بلکہ چھ سات کلو میٹر اندر کی طرف ہے، اور پھر گاؤں کا راستہ، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ بالارادہ صرف ملاقات کی نیت سے تشریف لاتے تھے، جو کہ اپنے چھوٹوں پر شفقت اور صلہ رحمی کی اعلیٰ مثال ہے)۔

اور پھر جب ہم مدینہ منورآ گئے تو آپ کی اس صفت کو اور قریب سے دیکھا، آپ جب بھی تشریف لاتے بار بار اپنائیت کا اظہار فرماتے، چوں کہ مدینہ منورہ آنے کے تقریباً ڈیڑھ دو سال

بعد ہم نے گاڑی خرید لی تھی، اس لیے حضرت کی خدمت کا خوب موقع ملا۔ آپ اپنے تمام کاموں کی اوّلا ایک فہرست بنا لیتے اور فرماتے کہ یہ سب کام کرانے ہیں، اور پھر بار بار کہتے کہ ابھی یہ کام رہ گیا، فلاں کام ابھی تک نہیں کرایا، ہم اپنی کوتاہی مصروفیت یا سستی کی وجہ سے کسی کام کو ٹال دیتے تو کبھی بھی ناراض نہ ہوتے۔ حالاں کہ عام طور سے بڑوں کا یہ معاملہ ہے کہ اگر اپنے کسی چھوٹے سے کوئی کام کہتے ہیں اور وہ بسا اوقات کسی مجبوری سے یا اپنی کوتاہی کی وجہ سے اس کو نہیں کرتا ہے تو ناراض ہوجاتے ہیں، اگر ناراضگی کا اظہار کسی وجہ سے نہیں کر پاتے تو دوبارہ اس سے کام کو نہیں کہتے؛ لیکن حضرت ماموں جان بار بار کہتے رہتے۔ یہ اپنائیت، شفقت اور محبت نہیں تو اور کیا ہے؟ ورنہ آپ کو کیا کمی تھی، کتنے ہی لوگ آپ کے اشاروں کے منتظر رہتے تھے۔

بارہا حضرت کو لے کر مکہ مکرمہ اور جدہ کا سفر ہوا، آپ ہمیشہ چاہتے تھے کہ ڈرائیور گاڑی کو تیز رفتاری سے چلائے، چناں چہ جب ہمارے ساتھ آنا جانا ہوا تو ہم سے بھی فرماتے کہ تیز چلو، لیکن کیوں کہ ہمیں گاڑی تیز چلانے کی عادت نہیں ہے اس لیے اپنی عادت کے مطابق چلتے رہتے۔ ایک دن لال سنگل ہونے والا تھا، ہم نے گاڑی روک دی جب کہ دوسری گاڑی جو کہ ہم سے کچھ پیچھے تھی نکل گئی، اس پر فرمایا کہ دیکھو وہ نکل گئی اور تم رک گئے۔ ہم نے کہا کہ حضرت بہت سخت قانون ہے، لال سنگل توڑنے پر تین سو ریال جرمانہ ہے اور تین دن کی جیل (یہ تو سات، آٹھ سال پہلے کی بات ہے، اب تو نو سو ریال جرمانہ ہے اور ایک دن کی جیل) یہ سن کر خاموش ہوگئے اور پھر کبھی تیز چلانے کو نہیں کہتے تھے۔ ایک دن مدینہ منورہ سے جدہ جانا تھا، شام کو عصر کے بعد روانہ ہوئے، روانگی کے بعد ایک صاحب کو فون کیا کہ ہم لوگ روانہ ہوچکے ہیں، اُن صاحب نے تین گھنٹے کا حساب لگا کر کہا کہ پھر تو انشاء اللہ اتنے بجے تک پہنچ جائیں گے، تو آپ نے چار گھنٹے کا حساب لگایا اور فرمایا کہ نہیں؛ بلکہ اتنے بجے تک۔ کیوں کہ مولوی حارث تو اپنی گاڑی چلاتے ہیں۔ ایک بار فرمانے لگے کہ جب سے مولوی حارث نے گاڑی لے لی ہے آسانی ہوگئی ہے، ورنہ کبھی کسی کے ساتھ جاتے اور کبھی کسی کے ساتھ۔ یہ تو چند باتیں ہیں جن کا تذکرہ ہوا، ورنہ آپ کی ہر بات اور ہر عمل سے شفقت اور اپنائیت ٹپکتی تھی جو ہمیشہ اس بات کا احساس دلاتی تھی کہ ہمارا کوئی مشفق اور بڑا ہے، اور اب اُسی مشفق سائے کی کمی شدت سے محسوس ہوتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ماموں جان کو کروٹ کروٹ آرام نصیب فرمائے، اور ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

○○

❑ ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی
سابق استاذ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وسابق ممبر راجیہ سبھا

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ

یادیں، تأثرات اور عظیم کارنامے

جلیل القدر، عظیم المرتبت، عبقری شخصیت کے مالک، عہد ساز اور عالمی شہرت کے نامور اور معروف عالم دین حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلف اکبر اور ہندوستانی مسلمانوں کی موقر ترین نمائندہ جماعت جمعیۃ علماء ہند جس کا ہندوستان کی جنگ آزادی میں بڑا درخشان اور تابناک رول رہا تھا کے فعال، جری اور خلوص مجسم قائد اعلیٰ فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ ٦/فروری ٢٠٠٦ء کو اللہ کے جوار رحمت میں پہنچ گئے، ہندوستانی مسلمان اعلیٰ ترین کردار کے مالک دن رات ان کی خدمت میں لگے ہوئے انتہائی مخلص زعیم سے محروم ہو گئے۔

احقر کا حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے خانوادہ سے تقریباً ۷۵ سال سے تعلق اور رابطہ رہا اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عم مکرم مولانا مرحوم عبدالباری دریابادیؒ جو عرصے سے تلاش مرشد میں سرگرداں تھے حضرت حکیم الامت کے مشورے بلکہ ایما سے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ۱۹۲۸ء میں بیعت ہوئے یہ مشورہ حضرت حکیم الامت نے حضرت شیخ الاسلام کی تھانہ بھون میں موجودگی میں دیا تھا اس کے تھوڑے ہی دن بعد احقر کے والد ماجد عبدالمجید جوڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز تھے کا تبادلہ سہارنپور کا ہوگیا، عم مرحوم سہارنپور نہ صرف بار بار تشریف لاتے رہتے تھے بلکہ وہ وہیں سے تھانہ بھون اور دیوبند جاتے رہتے تھے، عم مرحوم کے ساتھ چچی مرحومہ بھی دیوبند اور تھانہ بھون جاتی رہتی تھیں، کئی بار عم مرحوم دیوبند جاتے وقت اپنے ساتھ احقر کو بھی لے گئے اس لیے راقم السطور چھوٹا تھا اور آسانی سے اندر جاسکتا تھا اس طرح سے یہ سعادت اس احقر کے نصیب میں آئی کہ کئی کئی روز دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام کے کاشانہ میں قیام رہا، اور باوجود اپنی کم سنی اور کم استعدادی کے حضرت شیخ کے صحبت بابرکت سے متمتع اور مستفید ہونے کا موقعہ ملا اور اس کے ساتھ حضرت کے دسترخوان پر بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا، حضرت مولانا اسعد

مدنیؒ اس وقت بچے تھے اور مجھ سے چھوٹے تھے۔

احقر اپنی طالب علمی کے زمانے سے نہ صرف مسلک یا خیالات کے لحاظ سے جمعیۃ علماء اور کانگریس کا حامی تھا بلکہ سیاسی گرمیوں میں بھی حصہ لیتا رہا، اور لکھنؤ یونیورسٹی کی طالب علمی کے زمانے میں کئی سال تک لکھنوا سٹوڈینٹس فیڈریشن کا جنرل سکریٹری رہا اسی زمانے میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن، حضرت مولانا عبدالحلیم صدیقی اور حضرت مولانا بشیر احمد رحمہم اللہ سے بڑے گہرے روابط قائم کیے، یوپی اسٹوڈینٹس فیڈریشن کی سالانہ کانفرنس میں راقم کی دعوت پر مولانا حفظ الرحمٰن نے اس کانفرنس میں تقریر کرنے کا وعدہ فرمایا تھا، لیکن اس کانفرنس کی تاریخوں میں تبدیلی کی وجہ سے وہ لکھنؤ نہ آ سکے، اور نہ اس کانفرنس میں شریک ہوسکے، جولائی ۱۹۴۰ء میں لکھنؤ میں یوپی آزاد مسلم کانفرنس مولانا عبدالمجید حریری کی صدارت میں منعقد ہوئی اور اس میں جمعیۃ کے اکابر کی بصیرت افروز تقریریں سنیں، مولانا قاسم شاہجہاں پوری اور مولانا ابوالوفا سے روابط قائم ہوئے، ۱۹۴۲ء میں کانگریس کی ''انگریزو ہندوستان چھوڑو'' کی تحریک کی جمعیۃ علماء ہند نے زبردست حمایت کی اور اس کی حمایت میں اس کے پوسٹر لکھنؤ جمعیۃ العلماء کے ایک سرگرم کارکن کو موصول ہوئے، راقم السطور نے یہ پوسٹر جمعیۃ کی ہدایت کے مطابق شہر کی مختلف مسجدوں میں اپنے سرگرم ساتھیوں جس میں اس کی والدہ کے پھوپھی زاد بھائی فاروق رضا صاحب مرحوم بھی شامل تھے لگوائے اور پولیس کو اس کا مطلق پتہ نہیں چلنے پایا یہ پوسٹر باغیانہ لٹریچر کے زمرے میں آتے تھے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی سے احقر کی پہلی ملاقات دسمبر ۱۹۴۷ء میں لکھنؤ میں ہوئی جب حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی طلب کردہ ''کانفرنس مسلمانانِ ہند'' منعقد ہوئی تھی اس وقت ملک کی المناک اور انتہائی مضرت رساں تقسیم کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں کو زبردست تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی، اور اس کی وجہ سے ان پر بلا کی سراسیمگی اور مایوسی چھائی ہوئی تھی، وہ خود اعتمادی سے کلیتاً محروم ہو چکے تھے، اس کانفرنس میں کی گئی تقریروں سے ان کی سراسیمگی دور ہوئی، اور ان میں خود اعتمادی کا جذبہ اور حوصلہ شکن اور حد درجہ مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں طلباء کے محاذ پر مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے لیے راقم السطور نے عظیم قومی رہنما رفیع احمد قدوائی صاحب کے نہ صرف مشورے بلکہ سرپرستی میں ''یوپی نیشنلسٹ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن'' قائم کی، جس کے مخلص کارکنوں نے باوجود انتہائی نامساعد حالات کے بڑی جانفشانی سے بلکہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر نومبر ۱۹۴۵ء میں سینٹرل اسمبلی اور فروری ۱۹۴۶ء میں یوپی اسمبلی الیکشن میں کانگریس اور نیشنلسٹ

مسلمانوں کی حمایت میں سارے صوبے میں کام کیا مسلمانان ہند کی کانفرنس کے موقع پر ”یوپی نیشنلسٹ اسٹوڈنٹس فیڈریشن“ میں مسلمانان ہند کی کانفرنس کے فیصلوں کی تائید کرنے اوراس کو عملی جامہ پہنانے کے لیےاس کانفرنس کے پنڈال میں اپنا جلسہ رکھا۔

راقم السطور نے اس کانفرنس کی صدارت کے لیے مولانا اسعد مدنی کا نام طے کیا جو غالباًاس وقت دارالعلوم دیوبند کے منتہی طالب علم تھے ان کی صدارتی تقریر نے کانفرنس کے سارے شرکاءکو بہت زیادہ متأثر کیا اس کے بعد حضرت مرحوم سے راقم کے گہرے روابط تقریباً چھ دہائیوں تک قائم رہے۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کے انتقال کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی قیادت حضرت فدائے ملت کے ہاتھوں میں آئی اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کی طرح احقر کا حضرت مولانا سے اورزیادہ گہرا رابطہ قائم ہوا۔

دسمبر ۱۹۶۴ء میں حضرت فدائے ملت نے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں ایک آل انڈیا جمہوری کنونشن دہلی میں منعقد کرایا جس کی صدارت حیدرآباد کے چیف منسٹر ڈاکٹر رام کرشنا راؤ نے کی، اس کنونشن میں ملک کے کونے کونے سے ڈیلی گیٹس آئے اور اس میں مقررین نے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اور ان پر آئے دین مصائب اور ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کیا، اوران کا حل بھی پیش کیا، اس کنونشن کی نظامت کے فرائض حضرت فدائے ملت نے انجام دیے، یہی نہیں بلکہ انھوں نے کنونشن کی صحیح رہنمائی بھی کی،اس کنونشن میں کانگریس کے دوبڑے لیڈروں جواہم مرکزی وزراءبھی تھے شرکت کی ،بابو جگ جیون رام کی تقریر بہت پسند کی گئی اس لیے کہ انہوں نے نہ صرف ہندستانی مسلمانوں سے ہمدردی کی بلکہ اس پرزور دیا کہ ہندوستانی جمہوریت کی بقااورتحفظ کے لیے یہ از حدضروری ہے کہ مسلمانوں کے مسائل کوحل کیا جائے کیوں کہ بغیر اقلیتوں خاص کرسب سے بڑی اقلیت یعنی مسلمانوں کے ساتھ انصاف کیے بغیر ہندوستان میں اصل جمہوریت نہیں قائم ہوسکتی ، اس کے برعکس مرارجی ڈیسائی نے اپنی تقریر میں بڑا زہرا گلا ،حضرت مولانا نے بڑی جرأت اوردلیری سے ان کی تقریر کی مغالطہ آمیزیوں کواجاگر کیا،اوران کی مسلم مخالف جذبات سے بھری ہوئی تقریر کی بڑے مدلل اورمثبت انداز سے تردید کی اس جرأت مندانہ اور پرمغز تقریر نے حضرت مجاہدملت مولانا حفظ الرحمٰن کی یادتازہ کردی،اس کنونشن کے شرکاء کی متفقہ رائے یہ تھی کہ حضرت مولانا اسعد مدنی، حضرت مجاہد ملت کی طرح ہندوستانی مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرسکتے ہیں اس کنونشن کی کارروائیوں کوجس قابلیت سے حضرت مولانا

نے چلایا اس سے ان کی قائدانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوا۔

حضرت مجاہد ملت کی طرح حضرت فدائے ملت حد درجہ المناک، خون آشام، مسلم مخالف فسادوں کے رونما ہونے پر فساد سے متأثرہ مقامات پر فوراً پہنچ جاتے تھے، اور مسلم مظلومین کی ہر امکانی مدد کرتے تھے، ان کی بحالی اور آبادکاری کی پوری کوشش کرتے تھے، اور ان کے پیچیدہ مسئلوں کو حل کرتے تھے اور ایسے موقعوں پر وہ دوسری مسلم جماعتوں اور تنظیموں کے ساتھ پورا تعاون کرتے تھے۔

اپریل ۱۹۶۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک انتہائی شرمناک اور حد درجہ قابل مذمت واقعہ پیش آیا، یعنی یونیورسٹی میں داخلوں کے مسئلے پر مسلم یونیورسٹی کورٹ کی سالانہ میٹنگ کے موقع پر اس وقت کے وائس چانسلر نواب علی یاور جنگ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور وہ بہت بری طرح زخمی ہوئے، اس المناک واقعہ کے بعد اس وقت کے مرکزی وزیر تعلیم مسٹر ایم سی چھاگلہ جو مسلم بیزاری میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے، نے یونیورسٹی کے اقلیتی اور جمہوری کردار کو ایک آرڈننس کے ذریعہ ختم کردیا، حضرت فدائے ملت نے جہاں ایک طرف وائس چانسلر پر قاتلانہ حملہ کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی اور اس حد درجہ قابل مذمت حرکت کرنے والوں کے خلاف شدید ترین کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا تو دوسری طرف انہوں نے وزیر تعلیم کے یونیورسٹی کے اقلیتی اور جمہوری کردار کو ختم کرنے کے اقدام کی شدید ترین مذمت کی اور اس کی بحالی کا مطالبہ کیا۔

مئی ۱۹۶۵ء میں راقم السطور کو یونیورسٹی کا پراکٹر مقرر کیا گیا اور یہ اس کے براہ راست علم میں ہے کہ جہاں ایک طرف حضرت فدائے ملت نے حکومت کے اس ناعاقبت اندیشانہ اور سراسر غیر جمہوری اقدامات کی پرزور مخالفت کی تو دوسری طرف انہوں نے یونیورسٹی میں پرامن ماحول کی بحالی کے لیے کوشش کی اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کی بھی کوشش کی کہ بے گناہ طالب علموں کو اس افسوسناک اور شرمناک حد درجہ قابل مذمت واقعہ میں ملوث نہ کیا جائے، حسن اتفاق کہ یہی راقم السطور کا بھی خیال تھا، چنانچہ بحیثیت پراکٹر اس نے یہی کیا اور وائس چانسلر بھی میری اس پالیسی سے متفق تھے، چنانچہ بے گناہ طالب علموں کے خلاف تعزیری کارروائیاں نہیں کی گئیں، حضرت مولانا نے راقم السطور کی اس پالیسی کی پوری تائید کی اور اس سلسلے میں حضرت سے خط وکتابت بھی رہی۔

اپریل ۱۹۶۵ء کے سانحہ کے بعد حضرت مولانا یونیورسٹی میں تشریف لائے اور صورت حال کا جائزہ لیا، یونیورسٹی کے اساتذہ طالب علموں اور یونیورسٹی کے بہی خواہوں سے ملے اور اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت کو مسلمانان ہند کی اس مقتدر دانش گاہ سے کتنا زیادہ لگاؤ تھا۔

۱۹۷۲ء میں یہ یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ پارلیمنٹ سے پاس ہوا، اس ایکٹ نے یونیورسٹی کے اقلیتی اور جمہوری کردار پر نہ صرف ضرب کاری لگائی بلکہ اس کا کلیتاً خاتمہ کردیا، اس باب میں اس وقت کے وزیر تعلیم ڈاکٹر نورالحسن کی وہی پالیسی تھی اور وہی انداز تھا جو مسٹر چھاگلہ کا ۱۹۶۵ میں تھا، اس ایکٹ کے پاس ہونے سے ہندوستان کے سارے مسلمانوں میں شدید اضطراب پھیل گیا، حضرت مولانا نے اس ایکٹ کی مخالفت میں نمایاں حصہ لیا، پارلیمنٹ کے دوسرے مسلم ممبروں کے ساتھ انہوں نے وزیر اعظم اندرا گاندھی سے متعدد ملاقاتیں کیں، اور انتہائی پرزور انداز سے اس ایکٹ کی خامیوں اور نقائص کی نشاندہی کی اور یونیورسٹی کے اقلیتی اور جمہوری کردار کے ختم کردینے کو یونیورسٹی کے بنیادی اغراض و مقاصد کے سراسر خلاف قرار دیا، راجیہ سبھا میں انہوں نے اپنی تقریروں میں یہی کہا اور یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے بحالی اور بازیابی کی تحریک کے لیڈروں کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا ملک کا دورہ کیا اور اس ایکٹ کے خلاف بے شمار جلسوں میں تقریریں کیں ان سے یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی کی تحریک کو زبردست تقویت پہنچی، حضرت فدائے ملت کی یہ جدوجہد اس وقت تک جاری رہی جب ۱۹۷۲ء کے ترمیمی ایکٹ کی جگہ پارلیمنٹ نے ۱۹۸۱ء میں ایک نیا ایکٹ پاس کیا جس میں مسلمانوں کے اس کلیدی مطالبہ کو تسلیم کرلیا گیا، اس یونیورسٹی کو مسلمانوں نے ہی قائم کیا تھا اور اس کا انتظام و انصرام ان ہی کے ہاتھوں میں رہے گا اور یونیورسٹی کی بالادست یعنی سپریم گورننگ باڈی ہے، اس مسلمانان ہند کی اس کامیابی میں حضرت فدائے ملت کی کوششوں اور سرگرم جدوجہد کو بہت بڑا دخل تھا اس سلسلے میں متعدد بار یونیورسٹی کے اساتذہ کے وفود دہلی گئے اور حضرت فدائے ملت سے ان وفود کی ملاقاتیں رہیں اور ان کو حضرت کے مشوروں سے بہت زیادہ تقویت پہنچی، متعدد بار حضرت مولانا کے ساتھ ان وفود نے کانگریس اور دوسری جماعتوں کے لیڈروں سے بھی ملاقات کی اور متعدد بار یہ وفود جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں پہنچے اور ان کی ہر طرح خاطر تواضع حضرت مولانا نے کی، ایک دو دفعہ راقم السطور کو بھی ایک وفد کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا اور حضرت مولانا کی مہمان نوازی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

حضرت فدائے ملت حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کے نقش قدم پر آخری دم تک چلتے رہے اور پوری قوت سے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ساعی اور سرگرم عمل رہے، ملک کے تینوں عرض میں کہیں بھی مسلم کش فساد ہوتا تھا تو وہ فوراً فساد زدہ علاقے میں پہنچ جاتے تھے، اور مظلومین کی امکانی مدد کرتے تھے، ان فسادات میں بے گناہ اور بے قصور مسلمانوں کو گرفتار کرلیا جاتا تھا، ان کو رہا کرانے کے لیے حضرت عدالتی چارہ جوئی کا انتظام کرتے تھے اور ان کی کوششوں

سے یہ بے گناہ اور بے قصور مسلمان رہا ہوتے تھے وہ راجیہ سبھا میں ان فسادات کو اور ان میں مسلمانوں پر انتظامیہ کی طرف سے کیے گئے مظالم اور زیادتیوں کو اٹھاتے تھے، وہ قابل رشک مستعدی کے ساتھ ان کے شب و روز دوروں میں گزرتے تھے، ایمرجنسی کے دور میں نسبندی میں ملک کے اطراف اور اکناف میں مسلمان زیادتیوں و مظالم کا نشانہ بنے، حضرت فدائے ملت نے پوری قوت سے ان زیادتیوں کے ساتھ نہ صرف آواز اٹھائی بلکہ ان کے ازالہ کے لیے بھی پوری طرح کوشاں رہے، اور ان معاملات کو وزیر اعظم اندرا گاندھی اور حکومت کے نوٹس میں لاتے رہے اور یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ تھا، جنتا پارٹی کے دور حکومت میں علی گڑھ میں اکتوبر ۱۹۷۸ء میں ایک بھیانک مسلم کش فساد ہوا، جس کا سلسلہ کئی مہینوں تک جاری رہا اس فساد کو کرانے میں بی جے پی کے پیش رو جن سنگھ کے رہنماؤں کا بہت بڑا ہاتھ تھا، اس موقع پر مسلم یونیورسٹی یونین میں ایک نمائندہ ریلیف کمیٹی قائم کی جس میں یونیورسٹی کی سبھی انجمنوں کے نمائندے شامل تھے، راقم السطور جو اس وقت مسلم یونیورسٹی کی اساتذہ انجمن کا صدر تھا اس کمیٹی کا خازن تھا اور اس کمیٹی کی کنویز یونیورسٹی کے نامور استاذ جناب نسیم قریشی صاحب ریڈر شعبہ اردو تھے اور اس کی انتھک کوششوں سے مظلوم مسلمانوں کی بحالی اور آبادکاری کا کام بڑی کامیابی سے ہوا، حضرت فدائے ملت اس موقع پر علی گڑھ تشریف لائے اور انھوں نے کمیٹی کے کاموں کو سراہا اور ان کے قیمتی بیش بہا مشوروں سے کمیٹی کو بڑی تقویت پہنچی۔

اپریل ۱۹۸۴ء میں راقم السطور راجیہ سبھا کا ممبر منتخب ہوا، اور اس چھ سالہ ممبری کے دوران اس کو حضرت فدائے ملت سے بڑا گہرا رابطہ قائم ہوا، آج تک یعنی اکتیس برس گزر جانے کے بعد وہ منظر یاد ہے کہ حضرت فدائے ملت نے میری راجیہ سبھا کی ممبری پر اپنی انتہائی مسرت کا اظہار کیا تھا ان کا یہ تأثر میرے لیے حد درجہ باعث فخر ہے۔

نہ صرف راجیہ سبھا کا اجلاس کے دوران بلکہ اور دنوں میں بھی راقم السطور کی حضرت موصوف سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور متعدد مسائل پر مفصل گفتگو ہوتی رہتی تھیں، اور تقریباً سبھی معاملات پر ہم دونوں کی مکمل ہم آہنگی تھی، حضرت مرحوم کا یہ بڑا اچھا معمول تھا کہ پارلیمنٹ میں جب ایسے مسئلے جن کا تعلق مسلمانوں سے ہوتا تھا پیش آتے تھے تو وہ ممبران پارلیمنٹ کو اپنے دولت کدے پر رات کے کھانے پر مدعو کرتے تھے اس میں ہر پارٹی کے مسلمان ممبر پارلیمنٹ کو مدعو کیا جاتا تھا اور حضرت فدائے ملت کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان مسئلوں پر مسلم ممبران پارلیمنٹ اپنا متفقہ نقطہ نظر حکومت کے سامنے پیش کریں مثلاً اوقاف کا مسئلہ، مسلم مطلقہ خواتین کا قانون، ملی اتحاد کے

لیے یہ حضرت فدائے ملت کا بڑا زبردست کارنامہ تھا، راقم السطور کو متعدد باران کے دولت کدے پر ایسے موقعوں پر جانے کا شرف حاصل ہوا، یہ اجتماعات اور مذاکرات ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بہت زیادہ مفید ثابت ہوئے، مسلم ممبروں کے ان فیصلوں سے حکومت نے متعدد بار اتفاق کیا، شاہ بانو کیس کے بعد مسلم مطلقہ خواتین کا قانون، رسوائے زمانہ سلمان رشدی کے ملعون تصنیف شیطانی آیات کے داخلہ پر ہندوستان میں پابندی اوراس کی ضبطی اور کلکتہ ہائی کورٹ سے اس پٹیشن کو خارج کردیا جانا جس میں قرآن حکیم کے متعدد آیتوں پر پابندی لگانے اور انہیں قرآن کریم کے نسخوں میں شائع کرنے پر پابندی لگانے کا مطالبہ شامل تھااور وقف ایکٹ میں مسلم ممبران پارلیمنٹ کی مجوزہ ترمیموں کوشامل کیا جانا اس کی اہم مثالیں ہیں یہ سب حضرت فدائے ملت کی سوجھ بوجھ دوراندیشی، صحیح رہنمائی اور اصابت رائے سے ہوااور یہ ان کا بڑا زریں کارنامہ ہے۔

ان میں بعض واقعات کی تفصیل اس طرح ہے کہ ایک روز پارلیمنٹ کے سیشن کے دوران غالباً لنچ کے بعد کا وقت تھا کہ حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ ابھی وزیراعظم سے ملنا ہے، کیونکہ ابھی ابھی میرے کلکتہ سے میرے پاس یہ اطلاع آئی ہے کہ کسی نے کلکتہ ہائی کورٹ میں ایک پٹیشن دائر کی ہے کہ قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں جس میں مسلمانوں کوتاکید کی گئی ہے وہ غیر مسلموں کواسلام قبول کرنے پر مجبور کریں اور انکار کرنے پر ان سے جنگ کریں اور یہ کہ مسلمان کافروں سے کسی قسم کوئی تعلق نہ رکھیں، اس پٹیشن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان آیتوں سے غیر مسلموں کے خلاف منافرت پھیلتی ہے اس لیے ان آیتوں کوقرآن مجید کے نسخوں سے خارج کردیا جائے نہ صرف راقم السطور بلکہ جو بھی ممبران پارلیمنٹ ملے حضرت مولانا نے اپنے ساتھ لیا اور وزیراعظم سے ملاقات کی اور انھوں نے یہ سب تفصیل حضرت مولانا نے ہم لوگوں سے سننے کے بعد اس وقت کے مغربی بنگال کے چیف منسٹر جیوتی باسو کو ٹیلی فون کیااور بتایا کہ ہندوستانی قانون کی رو سے کسی بھی مذہبی کتاب کے کسی بھی حصے پر کسی بھی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی اس لیے اس پٹیشن کوکلکتہ ہائی کورٹ سے فوراً خارج کرایا جائے ہم لوگوں کی موجودگی میں بنگال کے چیف منسٹر نے وزیراعظم کومطلع کیا کہ کلکتہ ہائی کورٹ نے اس پٹیشن کو خارج کرنے کا حکم جاری کردیا، وزیراعظم نے ہم سب کواس سے مطلع کیا۔

اسی طرح جب رسوائے زمانہ سلمان رشدی کی حد درجہ قابل مذمت کتاب شیطانی آیات جس میں حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ اور اعلیٰ ترین مثالی کردار کے خلاف دریدہ ذہنی کی گئی تھی تو

حضرت فدائے ملت نے پوری قوت کے ساتھ اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس دفعہ بھی ان کی قیادت بھی مسلم ممبران پارلیمنٹ وزیر اعظم راجیو گاندھی سے ملے اور اس رسوائے زمانہ کتاب اور اس کے مصنف کے دریدہ ذہنی کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا تو وزیر اعظم نے اور ان کی حکومت نے سارے ملک میں اس کتاب کی ضبطی کے احکام جاری کیے، ہندوستان پہلا ملک تھا جس نے یہ کتاب ضبط کی، حتیٰ کہ مسلم ملکوں نے بھی اس کے بارے میں کارروائی ہندوستان کے بعد کی، جب سپریم کورٹ نے شاہ بانو کیس میں اپنا فیصلہ سنایا، جو شریعت مطہرہ میں مداخلت کے مترادف تھا، ملک کے سارے مسلمانوں میں اس کے خلاف اضطراب اور بے چینی کی لہر پھیل گئی، مسئلہ خلافت اور خلافت کی تحریک کے بعد یہ دوسرا اہم مسئلہ تھا جس پر سارے ملک کے مسلمانان بجز نام نہاد ترقی پسندوں کے متحد ہوگئے، اور انھوں نے ہم آواز ہوکر شریعت میں مداخلت کے خلاف اپنے شدید ردعمل کا اظہار کیا، سارے ملک میں مسلم پرسنل لاء کی حمایت میں ہزاروں جلسے ہوئے حضرت فدائے ملت نے اس موقعہ پر بھی مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی، مسلم ممبروں کا ایک وفد جس میں فدائے ملت پیش پیش تھے، وزیر اعظم راجیو گاندھی سے یہ مطالبہ کیا کہ مسلم مطلقہ خواتین کو شریعت میں جو حقوق عطا کیے ہیں ان پر مبنی حکومت ایک قانون پارلیمنٹ سے پاس کرائے، حضرت مولانا نے بڑے مدلل انداز میں مسلمانوں کے اس موقف کو پیش کیا، اور وزیر اعظم نے اس کا وعدہ کیا کہ وہ ایسا قانون پارلیمنٹ سے پاس کرائیں گے، چنانچہ ۱۹۹۶ء میں یہ قانون دونوں ایوانوں سے پاس ہوگیا، اس قانون یعنی مسلم مطلقہ خواتین کے حقوق کا قانون پارلیمنٹ سے پاس کیا جانا ہندوستانی مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی تھی اور اس کامیابی کا سہرا بڑی حد تک حضرت فدائے ملت کی زبردست جدوجہد کو جاتا ہے، اس موقع پر بھی حضرت مرحوم نے اپنی قیام گاہ پر رات کا کھانے پر پارلیمنٹ کے مسلم ممبروں کو مدعو کیا تھا اور اس موضوع پر ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا گیا اسی وقت مولانا کی طلبی وزیر اعظم کی کوٹھی سے ہوئی اور اسی کے ساتھ راقم السطور کو بھی۔ اس لیے کہ مسلم پرسنل لاء کے بارے میں وزیر اعظم مسلم ممبران پارلیمنٹ کی فرداً فرداً رائے جاننا چاہتے تھے، چنانچہ حضرت موصوف کے ساتھ راقم السطور اور ایک دو مسلم ممبران پارلیمنٹ وزیر اعظم کی کوٹھی پر پہنچے، اور مسٹر فوطے دار جو بعد میں مرکزی حکومت میں وزیر ہوئے اور اس وقت وزیر اعظم کے سیاسی مشیر تھے، انہوں نے الگ الگ ہم لوگوں میں سے ہر ایک سے سوال کیا کہ کیا ہم سپریم کورٹ کے شاہ بانو کیس کے فیصلہ سے متفق ہیں اور کیا ہم مسلم پرسنل لاء میں کسی قسم کی ترمیم چاہتے ہیں یا ہم چاہتے ہیں کہ حکومت شریعت کی رو سے مسلم مطلقہ خواتین کو دیے ہوئے حقوق کی

بنیاد پر پارلیمنٹ سے ایک قانون پاس کرائیں، ہم لوگوں کی موجودگی میں مسلم ممبران پارلیمنٹ برابر آتے رہے اور ان سوالوں کے جواب دیتے رہے، اور ہم لوگوں کی موجودگی ہی میں کچھ دیر کے بعد فوطے دار صاحب نے وزیر اعظم کو مطلع کیا کہ دو تین مسلم ممبران کو چھوڑ کر سارے مسلم ممبران پارلیمنٹ کی یہی رائے ہے کہ حکومت شریعت کی طرف سے مطلقہ مسلم خواتین کو دیے ہوئے حقوق کی بنا پر قانون پارلیمنٹ سے پاس کرائے چنانچہ یہی ہوا، حضرت مولانا نے اس مسئلے پر مسلم پرسنل لاء بورڈ سے پورا تعاون کیا اور بورڈ نے بھی بڑے ہی مدلل اور پرزور انداز سے مسلمانوں کا مطالبہ حکومت کے سامنے پیش کیا۔

آسام کے مسلمانوں کو غیر آسامی یا بنگالی کہہ کر ہندو فرقہ پرست تنظیموں کے دباؤ کے تحت آسام سے نکالا جا رہا تھا اور اس سے مطالبہ کیا جا رہا تھا، کہ وہ اپنی شہریت یعنی آسام کے باشندے ہونے کا ثبوت پیش کریں، ہزاروں کی تعداد میں آسامی مسلمانوں کو آسام سے نکال دیا گیا تھا، حضرت فدائے ملت نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا، راجیہ سبھا میں اس موضوع پر متعدد مدلل تقریریں کیں اور آسام کے مسلمانوں کے موقف کو پیش کیا، اور بالآخر ان کی کوششوں سے مرکزی حکومت نے اس قسم کی زیادتیوں سے دور کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے اور اس طرح سے آسام کے مسلمانوں کے جبری انخلاء کو روکنے میں کامیابی حاصل ہوئی اور یہ سب حضرت موصوف کی کوششوں سے ہوا، آسام اسمبلی کے الیکشن سے پہلے حضرت فدائے ملت مسلم ممبران پارلیمنٹ جس میں راقم الحروف بھی شامل تھا، کو لے کر مرکزی الیکشن آفس کے دفتر گئے تا کہ آسام کے مسلمانوں کو ووٹر لسٹ سے ان کے نام خارج کر دینے کے بارے میں جو شکایتیں تھی ان کا ازالہ کیا جائے، اس زمانے میں الیکشن کے ایک ممبر مسٹر دھنوا تھے جو مسلم یونیورسٹی میں نہ صرف راقم السطور کے اسٹوڈنٹ رہے تھے، بلکہ امین ہاسٹل میں اس کے وارڈن بھی رہے تھے انہوں نے خصوصی توجہ ہم لوگوں پر مرکوز کی اور کمیشن نے حضرت فدائے ملت کی پیش کردہ تجویز منظور کرلیں اور اس میں سر دھنووا کی زبردست تائید کو بھی دخل تھا اس طرح سے آسام کے ہزار ہا ہزار مسلمانوں کے نام ووٹر لسٹ میں آ گئے، اور وہ اپنے بنیادی جمہوری حق کو استعمال کر سکے، مرکزی حکومت کے تشکیل کردہ ٹریبونل کے قیام سے آسام کے مسلمان جبری انخلاء سے بچ گئے، یہ دونوں زبردست مسئلے حضرت فدائے ملت کی قائدانہ صلاحیتوں کے باعث حل ہو سکے اور اس کے لیے ان کی جتنی بھی ستائش کی جائے کم ہے۔

مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بازیابی کی تحریک کو زبردست کامیابی اس وقت حاصل

ہوئے جب حکومت نے ۱۹۸۱ء کے ترمیمی ایکٹ کو پارلیمنٹ سے پاس کرایا جس کی رو سے مسلمانوں کے یہ کلیدی مطالبے منظور کر لیے گئے، کہ یونیورسٹی کو مسلمانوں نے قائم کیا تھا اور اس کا انتظام اور انصرام ان کے ہاتھوں میں رہے گا اور ملت کی نمائندہ یونیورسٹی کی بالا دست جماعت یا سپریم گورننگ باڈی ہوگی، بدقسمتی سے اس وقت کے بیورو کریٹ وائس چانسلر نے یونیورسٹی کو آمرانہ انداز سے چلانے کی کوشش کی اور اس ایکٹ کی جمہوری اسکرپٹ کو ختم کرنا چاہا اور انہوں نے یونیورسٹی کورٹ کو عضو معطل بنا کر رکھا یعنی اس کے جلسے نہ طلب کر کے نہ تو یونیورسٹی کا بجٹ اس سے پاس کرایا اور نہ یونیورسٹی کی سالانہ رپورٹ اس سے منظور کرائی اور اس طرح سے اس کی یعنی کورٹ کی بالا دستی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور اسی کے ساتھ انہوں نے یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ انتہائی سخت گیری کا برتاؤ کیا، طلباء کی یونین کو معطل کر دیا اور جب طلباء نے اس کے خلاف پرامن ایجی ٹیشن شروع کیا تو انہوں نے یونیورسٹی کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دیا طلباء کے لیڈروں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں اور یونیورسٹی کیمپس کو پی اے سی کی چھاؤنی میں تبدیل کر دیا گیا، ایک غریب طالب علم کی جان بھی پولیس کی فائرنگ کی وجہ سے گئی، ان تمام باتوں کی وجہ سے چانسلر کے خلاف مسلمانوں نے زبردست تحریک شروع کی، حضرت فدائے ملت نے اس ظلم وسخت گیری کے خلاف سخت احتجاج کیا اور وائس چانسلر کے غیر جمہوری اور آمرانہ طریقہ کار کی سخت ترین مذمت کی، جب اگست ۱۹۸۴ء میں یونیورسٹی کورٹ کی میٹنگ ہوئی تو حضرت فدائے ملت نے اپنی زبردست تقریر میں وائس چانسلر کی غیر جمہوری اور آمرانہ طریقہ کار کی سخت مذمت کی اور پرزور انداز میں کہا کہ ان کے ان غیر جمہوری طریقوں کو برداشت نہیں کیا جاسکتا اور ان کی حرکتوں کی وجہ سے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی، اور ان کا شمار یونیورسٹی کے بےلوث خادموں میں نہیں ہوگا، راقم السطور اس زمانے میں کورٹ کا ممبر تھا اور کورٹ کے ممبروں کی اکثریت کو حضرت موصوف کی تقریر بہت پسند آئی، اس میٹنگ میں شرکت کے لیے راقم السطور کو حضرت فدائے ملت کے ساتھ علی گڑھ تک جانے کا شرف حاصل ہوا اور راستے بھر یونیورسٹی کے معاملات کے بارے میں ان سے مفصل گفتگو ہوئی، وزیر اعظم سے مل کر حضرت مولانا نے وائس چانسلر اور ان کے گروپ کی ریشہ دوانیوں کا ذکر کر دیا تھا اور وزیر اعظم کو اصل صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا کورٹ کی اسی میٹنگ میں چانسلری کے لیے ہم لوگوں نے جن میں فدائے ملت پیش پیش تھے، ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی کا نام پیش کیا اور اس عہدے پر نہ صرف ڈاکٹر قدوائی صاحب کامیاب ہوئے بلکہ پرو چانسلر اور ٹریزرار بھی وہی حضرات تھے جن کے نام ہم لوگوں نے پیش

کیے اور اسی طرح ایکزیکیٹیو کاؤنسل کے وہی ممبر منتخب ہوئے جن کے نام ہم لوگوں نے پیش کیے، اس میں حضرت فدائے ملت سب سے پیش پیش تھے، اسی طرح جب جامعہ ملیہ اسلامیہ کو یونیورسٹی کا درجہ دیا تو حضرت موصوف نے اپنی مدلل تقریر میں جامعہ کی امتیازی خصوصیتوں کو بیان کیا اور یہ بتایا کہ اس کا افتتاح حضرت شیخ الہند نے کیا تھا اور اس کے پہلے چانسلر یا شیخ الجامعہ مشہور و معروف قومی رہنما مولانا محمد علی تھے، ان حضرات کے قائم کردہ ادارے میں اسلامیات کو درجہ اول حاصل ہونا چاہیے، ان کی بصیرت افروز تقریر سے سبھی ممبران حد درجہ متأثر ہوئے۔

حضرت فدائے ملت سے اس احقر کا گہرہ رابطہ کئی سال تک قائم رہا اور اسی بنا پر اس کا خیال ہے کہ حضرت فدائے ملت اپنے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے صحیح جانشین تھے، انہیں کی طرح ان میں فداکاری، اسلامی حمیت اور غیرت، خدمت خلق کا جذبہ اور انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، وہ رات دن اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں اپنے کو وقف رکھتے تھے، اور یہ انداز انہوں نے آخری دم تک قائم رکھا وہ خلوص کے پتلے تھے اور اپنا سارا تن من دھن ملت کے لیے تج کر رکھا تھا، وہ فقید المثال قائد تھے ایسی فقید المثال ہستیاں اب کہاں دیکھنے کو ملیں گی، انہوں نے اپنے زریں کارناموں سے ہندوستان کی تاریخ میں بڑا ہی امتیازی مقام حاصل کیا ہے اور وہ ان عظیم کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری ہوتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

○○

□ احسن مفتاحی
سابق مدیر اخبارِ مشرق، کلکتہ

حضرت فدائے ملتؒ — چند باتیں چند یادیں!

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے میرا جماعتی تعلق بھی گہرا تھا، میں ایک گنہ گار آدمی ہوں اس لیے ان کے زہد وتقویٰ اور اتباع سنت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مجھے اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ وہ میرے غریب خانے پر کئی بار تشریف لائے، یہ یاد نہیں کہ کتنی بار تشریف لائے مگر جب بھی تشریف لائے تو ما حضر تناول فرمایا، میں کلکتے کے ایک مضافاتی علاقے ''رشڑا'' میں رہتا ہوں جو شہر سے ۷ اکلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، ایک مرتبہ حضرت تشریف لائے تو میں نے مئو ناتھ بھنجن کا ایک مخصوص کھانا، ''انکشتی'' تیار کرایا تھا اور بطور احتیاط دوسرے کھانے بھی تیار کرائے تھے، کہ پتہ نہیں حضرت انکشتی پسند کریں گے، یا نہیں، حضرت اپنے شیدائیوں کے ساتھ تشریف لائے تو دسترخوان پر انکشتی دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ ''میں مئو میں ہوں یا مغربی بنگال میں ہوں۔'' انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت علیہ الرحمہ (حضرت شیخ الاسلام) مئو کثرت سے جایا کرتے تھے، اور انکشتی بڑی رغبت سے کھاتے تھے، مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ (امیر الہند اول) اور دیگر حضرات بطور خاص ان کے لیے تیار کراتے تھے، آپ تو مئو کے ہیں اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے قریبی رشتہ دار ہیں اس لیے آپ کے گھر پر انکشتی کیوں نہیں ملے گی'' حضرت فدائے ملت کے کچے ناریل کا پانی بڑے شوق سے نوش فرماتے تھے، جسے مقامی زبان میں ڈابھ کہتے ہیں، میں اس کا بھی اہتمام کیا تھا اور حضرت کو یہ بتایا بھول گیا کہ انکشتی بہت ثقیل کھانا ہے اس لیے اسے کھانے کے بعد ڈابھ نہیں پینا چاہئے، ویسے بھی وہ پرہیز کے قائل نہیں تھے، ۴۰ سال کی عمر کے بعد ٹھنڈا پانی نہیں بلکہ سادہ پانی پینا چاہئے مگر وہ ٹھنڈا پانی پیتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سینے میں جو دل تھا وہ بہت بے قرار دل تھا اور ہمیشہ قوم وملت کے لیے تڑپتا رہتا تھا۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ تم میں اچھا وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، حضرت تو سراپا نفع تھے، انھوں نے اپنی پوری زندگی لوگوں کی فلاح وبہبود کے لیے وقف کر رکھی تھی، اسی لیے تو ان کو فدائے ملت کہا جاتا ہے، میں نمازیں ''رہ گئی رسم اذاں...'' کی طرح پڑھ لیتا ہوں مگر حضرت

فدائے ملت جس خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں سنن ونوافل کے ساتھ ادا فرماتے تھے، یہ انہی کا حصہ ہے، میں ان کو سفر میں بھی دیکھا ہے کہ ان کے ایماء پر میں نے بھاگل پور کے فساد زدہ مقامات کا پانچ مرتبہ دورہ کیا، ایک مرتبہ میں بھاگل پور گیا تو حضرت نے وہاں کے لوگوں سے فرمایا کہ احسن مفتاحی فلاں ٹرین سے صبح کے وقت آ رہا ہے، ایسا کرو کہ اسے ناشتہ اسٹیشن پر ہی کرا دو تا کہ وقت برباد نہ اور ہم فساد زدہ علاقوں کے لیے روانہ ہو جائیں، میں جیسے ہی ٹرین سے اترا تو حضرت نے فرمایا کہ جلدی سے ناشتہ کرو اور ہمارے ساتھ چلو، ہماری کار میں اردو کے ایک پروفیسر بھی تھے، ایک بہت ہی مخدوش اور خطرناک علاقے میں ہم پہنچے تو چند مسلح شر پسند طلبہ نے ہمیں گھیر لیا اور چیخنے لگے کہ کوئی بچنے نہ پائے، میرا تو پتہ پانی ہو گیا مگر حضرت کے اطمینان میں کوئی فرق نظر نہ آیا، ان لڑکوں کی نظر پروفیسر صاحب پر پڑی تو بے ساختہ ان کی زبان سے ''نمستے سر'' ادا ہوا اور وہی لڑکے کہنے لگے کہ '' گاڑی میں سر بھی ہیں چھوڑ دو جانے دو، میں بھاگل پور کے مسلم کش فسادات کی رپورٹ تیار کی اور ''الجمعیۃ'' نے اسی کی بنیاد پر اپنا خصوصی شمارہ شائع کیا، اپنے وقت کے مشہور صحافی حیات اللہ انصاری نے اس رپورٹ پر اپنا مفصل تبصرہ شائع کیا، اور میرے اس نکتے کو بہت پسند کیا کہ بہار میں فی کس زمین ملک کی ہر ریاست سے کم ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ میری رپورٹنگ پر بہت بھروسہ کرتے تھے انھوں نے بمبئی کے فسادات کی رپورٹنگ کے لیے بھی مجھے وہاں بھیجا تھا، میں رپورٹ اور تصویریں مرکزی دفتر کو بھیج دی تھی، مگر وہ راستے میں گم ہو گئیں، یا گم کر دی گئیں اور میرے پاس کوئی نقل نہیں تھی، آسام میں اندوہناک سیلاب آیا، وہاں آسام گن پریشد کی حکومت تھی حکومت نے سیلاب کو بھی مسلم کشی کے لیے استعمال کیا، اطلاعات موصول ہوئیں تو حضرتؒ تڑپ اٹھے، راجیو گاندھی سے ملے جو اس وقت وزیر اعظم تھے، راجیو گاندھی حضرتؒ کے ساتھ آسام کے سیلاب زدہ علاقوں کا دورہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے، حضرتؒ نے مجھے ٹیلیفون کیا کہ تم بھی ہوائی جہاز سے گوہاٹی پہنچو مگر میں طرح دے گیا اور چار دنوں کے بعد گوہاٹی گیا میں گاؤں گاؤں گیا اور متأثرین کے حالات معلوم کیے، متأثرین نے بتایا کہ راجیو گاندھی اور حضرتؒ آئے تو ریاستی حکومت نے بڑا اچھا انتظام کیا ٹینٹ مہیا کرائے اور عمدہ کھانا کھلایا مگر جیسے ہی دونوں واپس گئے تو سب کچھ واپس لے کر ہمیں بے موت مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا، میں رپورٹ لے کر سیدھے دہلی گیا، حضرت نے استفسار فرمایا کہ ہم جس دن گئے تھے اسی دن تو کیوں نہیں گیا، میں نے جواب دیا کہ میں چار دنوں کی تاخیر سے نہ پہنچتا تو ''سب کچھ واپس لے لیا گیا'' کیسے معلوم ہوتا، حضرتؒ نے حکم دیا کہ مفصل رپورٹ تیار کرو، حضرتؒ نے اس کا انگریزی ترجمہ کرایا اور راجیو گاندھی کے مشورہ دینے پر اس وقت کے صدر جمہوریہ سے مل آسام کی ریاستی

حکومت کو برخاست کرایا۔

عیادت کرنا سنت ہے، ایک مرتبہ میں حضرتؒ کے ساتھ احمد آباد گیا، قیام گاہ پر ایک بجے رات کو پہنچے تو معلوم ہوا کہ فلا صاحب بیمار ہیں اور تکلیف کی شدت سے مسلسل کراہ رہے ہیں، حضرت نے فوراً فرمایا کہ مجھے ان کے پاس عیادت کے لیے لے چلو اور مجھ سے کہا کہ تم سوجاؤ، اتنی رات کو کہیں جانا تمھارے بس کی بات نہیں، احمد آباد سے واپسی میں ٹرین کی اوپر کی برتھ میری تھی اور نیچے کی برتھ حضرتؒ کی تھی، میں گھر میں یا کہیں اور بے خبر نہیں سوتا مگر ٹرینوں میں سفر کے دوران لمبی تان کر بے خبر سوتا ہوں، احمد آباد سے واپسی میں خلاف معمول میری آنکھ کھل گئی، دیکھا تو حضرت تہجد پڑھ رہے تھے، میں نے گھڑی دیکھ لی تھی جس سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کا نہیں بلکہ تہجد کا وقت تھا، میں بھی تہجد پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

حضرتؒ میں رواداری اور وضع داری بھی بہت تھی، بھاگلپور کے فسادزدہ مقامات کے دورے پر گئے تو وہاں ایک گاؤں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ و مجاز رہتے تھے، اور بڑے مفلوک الحال تھے، حضرت ان سے ملنا بھی چاہتے تھے، اور ان پر کوئی بار بھی نہیں ڈالنا چاہتے تھے، حضرتؒ نے ان کے گھر پہنچنے سے دو گھنٹہ قبل ان کے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ ہم کم از کم ۱۰ آدمی تمھارے گھر آئیں گے، ہم صرف پانی پینے پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں مگر تمہارے والد نہیں مانیں گے، ان کا دل ٹوٹ جائے گا، اس لیے کچھ پیسے رکھو اور کھانے پینے کا انتظام کرو، حضرتؒ کلکتہ آتے تو مولانا حکیم محمد زماں حسینی سے ان کے مطب یا گھر جا کر ضرور ملتے کیونکہ قبلہ حکیم صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے عزیز شاگرد تھے، قبلہ حکیم صاحبؒ شیخ الاسلام کے شاگرد ہونے کی وجہ سے ہمیشہ جمعیۃ سے وابستہ رہے، مگر بوجوہ جمعیۃ سے الگ تھلگ ہو گئے۔

میں اردو شعر و ادب اور تنقید کا طالب ہوں اور اس لیے میں اس ناطے کہہ سکتا ہوں کہ زبان پر بھی حضرت فدائے ملت کی گرفت تھی، مجلس عاملہ کی میٹنگ میں مسلمانوں کے لیے ان کی آبادی کے تناسب سے ریزرویشن کے مطالبہ کی قرارداد میں نے ہی مرتب کی تھی، میں نے اس میں ''مفادات حاصلہ'' کا استعمال کیا تھا، حضرتؒ نے فرمایا تو علی گڑھ کے ایک مسلمان پروفیسر صاحب کہنے لگے کہ حضرت یہ کیا کرنے جا رہے ہیں، سارے ملک میں بھونچال آ جائے گا، اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے، مگر حضرت فدائے ملت ''لیس للانسان الا ما سعی'' کے قائل تھے، انھوں نے نتائج کی پرواہ کیے بغیر یہ مطالبہ کر ہی ڈالا، حضرت فدائے ملت کی تحریک پر جمعیۃ کا یہ مطالبہ اب ہندوستان کا قومی مطالبہ بن گیا، اور اسے تمام سیکولر پارٹیاں اپنے منشور میں پیش

کرنے پر مجبور ہیں، میں بے دریغ یہ مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ حضرت فدائے ملت جمعیۃ کے سب سے متحرک ناظم عمومی اور پھر صدر تھے، وہ اوپر سے مسلط نہیں کیے گئے تھے بلکہ کام کرتے کرتے بتدریج ان عہدوں تک پہنچے تھے۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ایک سال مغربی بنگال میں ریاستی اسمبلی کے انتخابات کے موقع پر مغربی بنگال پر دیش کانگریس نے حضرت فدائے ملتؒ سے انتخابی مہم چلانے کے لیے تشریف آوری کی درخواست کی تو میں نے پردیش کانگریس کے اس وقت کے صدر سومن مترا سے کہا کہ آپ کانگریس ہائی کمان سے کہیں، کانگریس ہائی کمان کی طرف سے حضرت درخواست کی جائے گی تو میں سفارش کردوں گا، ایسا ہی ہوا، حضرت فدائے ملت کانگریس کے حق میں مہم چلانے کے لیے کلکتہ تشریف لائے ان کے ہمراہ مولانا سید اسجد مدنی بھی تھے، حضرت جب لفٹ سے ہوٹل میں اپنے کمرے کی طرف روانہ ہونے لگے تو لفٹ ہی میں کانگریس کے ایک عہدے دار نے ان سے میرا تعارف کرانا شروع کردیا، حضرتؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا گھر کے آدمی سے میرا تعارف کراتے ہو کانگریس کا وہ عہدہ دار لجا کر رہ گیا۔

حضرت فدائے ملتؒ کی خواہش کے مطابق مجلس عاملہ کی کارروائی میں ہی قلمبند کرتا ہوں اس لیے مجلس عاملہ کی ہر میٹنگ میں میری شرکت ضروری ہوتی ہے، اور میں حتی الامکان شریک ہوتا بھی ہوں، میں ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کا مریض ہوں، اس پر عرق النساء نے زبردست حملہ کردیا تو میں چارپائی سے لگ گیا، حضرت فدائے ملت نے مولانا سید اسجد مدنی کو حکم دیا کہ اسے دہلی بلا کر یہاں کے ڈاکٹروں کو دکھاؤ، مغربی بنگال کے علاج سے میں مطمئن تھا اس لیے دہلی جانے سے گریز کرتا رہا، حضرت فدائے ملت نے فرمایا کہ میں اس کی طبیعت سے واقف ہوں تم (اسجد مدنی) خود جا کر ان کو اپنے ساتھ لے آؤ، مولانا سید اسجد مدنی تشریف لائے تو میں ان کے ساتھ نہیں گیا، میں نے عرض کیا کہ چند ضروری کام نمٹا کر آپ کے پیچھے آؤں گا، میں حضرت کے حکم کی تعمیل میں دہلی پہنچ گیا، مولانا سید اسجد مدنی میرے نگراں مقرر ہوئے، وہ اتنے سخت گیر نگراں مقرر ہوئے کہ مجھے چھپ چھپ کر بد پرہیزی کرنا پڑتی۔

راجیہ سبھا کی ممبری کے دوران حضرت فدائے ملت اپنی ایم پی والی قیام گاہ پر تمام مسلم ممبران پارلیمنٹ کی میٹنگ بلایا کرتے تاکہ مسلمانوں کے مشترک مسائل پر یکساں موقف اختیار کیا جاسکے، اس موقع پر شاہانہ دعوت ہوتی، اسی طرح کی ایک دعوت میں مجھے بھی شریک ہونے کا موقع ملا، انواع واقسام کے کھانے دسترخوان پر موجود تھے، مگر مولانا سید اسجد مدنی میرے سر پر

مسلط تھے اور سخت نگرانی کررہے تھے کہ میں بدپرہیزی نہ کروں میں زچ ہوکر کہا کہ آپ مجھ سے کفران نعمت کا گناہ کیوں کرارہے ہیں، میری یہ بات حضرتؒ نے بھی سن لی اور فرمایا کہ اسجد، آج ان کو بدپرہیزی کرلینے دو، ان کے اس ارشاد کے بعد مجھے پنجہ صیاد سے یعنی مولانا سید اسجد مدنی کی سخت گیری سے رہائی ملی، مولانا سید اسجد مدنی سخت گیر اور نظم وضبط کے پابند تو ہیں مگر دل کے بڑے نرم ہیں، میں ان کی اس ادائے دلبری کے بارے میں کچھ لکھتا ہوں تو افروختہ ہوکر کہتے ہیں کہ تم میری شکایت کرتے ہو ان کی یہ برافروختگی مصنوعی اور پیار بھری ہوتی ہے۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پارس تھے پارس ایسے پارس کہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتے تو وہ سونا ہوجاتی اس لیے اس تحریر میں ان کے نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ میرا بھی نام کثرت سے آ گیا ہے تو مقصد یہ ہے کہ میں بھی مٹی سے سونا ہوجاؤں، وہ صاحب کرامت ولی کامل تھے، جس کے گھر پر ما حضر تناول فرمالیتے تھے تو معاشی بدحالی کا شکار نہیں ہوتا تھا، میرے غریب خانے پر انھوں نے بار بار ماحضر تناول فرمایا تو الحمد للہ میں دال روٹی سے آسودہ ہوں حالانکہ میں مسلسل زیر علاج رہتا ہوں اور علاج پر بہت خرچ ہوتا ہے۔

حضرت فدائے ملت کی مہمان نوازی ساری دنیا میں مشہور رہے، میں پہلی مرتبہ دیوبند گیا اور مدنی منزل پہنچا تو وہاں ایک گھریلو ملازم موجود تھا، مگر اپنے ایک صاحبزادے کو حکم دیا کہ ان کا سامان اٹھا کر مہمان خانے میں پہنچاؤ اور ان کے آرام کا خیال کرو، یقین نہیں آتا کہ حضرت فدائے ملت اس جہان فانی میں نہیں رہے:

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

ہمارے نئے صدر حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی بھی بڑے سخت گیر اور اصولوں کے پابند ہیں مگر دل کے نرم اور انتہائی منکسر المزاج ہیں، کسی کا دکھ درد سنتے ہیں تو تڑپ تڑپ سے جاتے ہیں، وہ اس شعر کی عملی تفسیر ہیں کہ:

خنجر چلے کسی تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فدائے ملت تھے تو حضرت مولانا سید ارشد مدنی شیدائے ملت ہیں رہ گئے ناظم عمومی مولانا سید محمود مدنی تو ان کی بات ہی نرالی ہے، آتش نمرود میں بے خطر کود پڑنے والے عشق کا نام محمود مدنی ہے اللہ ان کو نظر بد سے بچائے، آمین۔

○○

❑ مولانا عمید الزماں کیرانویؒ

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ

کچھ یادیں، کچھ تاثرات

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمہ اللہ سے میرے تعلق کی تاریخ قدیم ہے، قدیم اس لحاظ سے ہے کہ میرے والد ماجد مرحوم حضرت مولانا مسیح الزماں کیرانویؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے گہرا تعلق وعقیدت رکھتے تھے، حالانکہ تعلق کی قدامت کی اس جہت کو اس لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہیں کہ حضرت شیخ الاسلام کی شخصیت ہی اتنی عظیم ومقبول عوام و خواص تھی کہ ان کے عقیدت مندوں کی صحیح تعداد کا تعین ہی ممکن نہیں لیکن پھر بھی میں اپنے تعلق کے اس پس منظر کے ذکر کو باعث افتخار سمجھتا ہوں۔

والد محترم، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ اور حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا امتیازی علمی مقام مسلم تھا ان کا کوئی شاگرد ایسا نہیں مل سکتا جو اپنے استاذ کا بے پناہ مداح نہ ہو یہی حال ہمارے والد صاحب مرحوم کا بھی تھا، لیکن ان کا خصوصی علمی تعلق حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے تھا، انھیں مسلم کی شرح فتح الملہم کی تالیف کے دوران بطور علمی معاون کے اپنے استاذ کے ساتھ کچھ روز کام کرنے کا موقع بھی ملا تھا اور اسی ضمن میں جامعہ اسلام تعلیم الدین ڈابھیل میں بھی ان کے ساتھ رہنا ہوا تھا۔

والد ماجد، حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد نہ تھے اور نہ ہی ان کے حلقہ مریدین میں شامل تھے حالانکہ شاید فقہ سے شغف کے سبب تمسک بالدین کے معاملہ میں ان کے موقف میں بہت زیادہ صلابت وشدت تھی۔ وہ اوراد ووظائف کے معمولات بھی رکھتے تھے، لیکن کسی بھی شیخ طریقت کے حلقہ ارادت میں باقاعدہ شامل ہونے کا قطعاً ذوق نہیں تھا اور بعد میں بھی یہ ذوق برادر گرامی قدر مولانا وحید الزماں کیرانویؒ اور راقم السطور میں سے کسی میں بھی پیدا نہ ہوسکا، لیکن بہ ایں ہمہ والد محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے بے حد احترام و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ استخلاص وطن کی جدوجہد میں سرگرم حصہ لینے کے دوران مسلم لیگ یا

تحریک قیام پاکستان کے تئیں اپنے موقف میں تو وہ پورے طور پر حضرت شیخ الاسلامؒ ہی کے ہم نوا و پیروکار تھے۔ تقسیم ہند کے بعد جب مسلمانوں کے قدم اکھڑے ہوئے تھے اور ہندوستان میں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے پاکستان جانے کا رجحان ان میں تیزی سے پھیل رہا تھا اس دوران والد صاحب سمیت عمائدین شہر کی دعوت وتحریک پر حضرت شیخ الاسلامؒ کو مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لیے، اوراس سے پہلے بھی، متعدد بار کیرانہ تشریف لانے کی زحمت دی گئی۔ ان دنوں میں بہت چھوٹا تھا لیکن حضرت کی تقریریں سنی تھیں جن کا مضمون تو میری طفلانہ سمجھ سے باہر تھا البتہ ان کا انداز خطاب اسی وقت سے یاد ہے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے ایک دفعہ والد صاحب کی درخواست پر حضرت نے میرے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور دُعاء بھی دی۔

برادر محترم حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ بغرض تعلیم دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے تو دوسری پیڑھی میں اس رشتہ کے استحکام کا راستہ مزید استوار ہوا، ان کے اور حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے درمیان تعلق کا آغاز کس طرح ہوا یہ تو نہیں معلوم لیکن تعلیمی اعتبار سے تقدم وتاخر کے بڑے فصل کے باوجود ایک ایسا رشتہ مودت واحترام باہمی دونوں کے درمیان قائم ہوا جو ملاقاتوں میں انتہائی اعتدال وتوازن کی صورت میں خاموشی کے ساتھ پروان چڑھتا رہا۔

اس تعلق میں ایک اور جہت کا اضافہ اس وقت ہوا جب راقم الحروف نے دار العلوم دیو بند میں داخلہ لیا، یہی وقت دار العلوم میں صدیق محترم مولانا سیّد ارشد مدنی زید مجدہ السامی (موجودہ صدر جمعیۃ علماء ہند) کی تعلیم کا بھی تھا۔ ہم دونوں کا بعض کتابوں میں ساتھ بھی رہا، خاص طور پر جامعہ ازہر کے مبعوث شیخ محمود عبد الوہاب محمود کے یہاں عربی کی جو کلاس ہوتی تھی اس میں بھی ہم دونوں شریک درس رہے۔ اس کے علاوہ 'الیقظۃ' کے نام سے طلبہ دار العلوم دیو بند کی جانب سے جب ۱۹۶۱ء میں پہلا مطبوعہ ماہانہ عربی جریدہ شائع ہوا تو اس میں بھی ہم دونوں کی رفاقت رہی۔ اس کی ادارت کے فرائض ہم دونوں ہی کے سپرد تھے اور نتیجہ کے طور پر ہمارے درمیان گہرے روابط قائم ہو گئے تھے، ہمارے اس ربط وتعلق میں صدیق محترم مولانا عبد اللہ کاپودروی زید مجدہ کا بھی بڑا دخل تھا جن کو اس جریدہ کے اجراء میں بھی روح رواں کی حیثیت حاصل تھی۔ دوسری طرف حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے 'الیقظۃ' میں خاص دلچسپی لی اور حوصلہ افزائی کا معاملہ فرمایا اور غالبًا اس جریدہ کے ذریعہ میری عربی سے متعلق مولانا نے جو رائے قائم کی ہوگی وہی بعد میں جمعیۃ علماء ہند سے میری باقاعدہ وابستگی کا سبب بنی۔

۱۹۶۲ء میں دار العلوم دیو بند سے فراغت کے بعد میں نے پہلے دار العلوم دیو بند کے شعبہ

تبلیغ میں کام کیا پھر جلد ہی میں وہاں سے 'اکیڈمی قرآن عظیم' (مجلس معارف القرآن) میں منتقل ہوگیا جہاں میرا تقرر مترجم ومعاون علمی کے طور پر ہوا تھا، ابتداءً میں نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تفسیر معوذتین کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور دوسری کتابوں کے ترجمہ کے لیے کچھ تمہیدی کام کیے۔

اس دوران حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی بن چکے تھے اور جمعیۃ کے مختلف شعبوں کو فعال بنانے اور نئے منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے نئی ٹیم تشکیل دینے کی خاطر افراد کی تلاش کر رہے تھے۔ حضرت مولانا کی نظر میں عالم اسلام اور بالخصوص عرب ممالک سے روابط کی بڑی اہمیت تھی، اس مقصد کے لیے ان کا منصوبہ تھا کہ جلد از جلد عربی زبان میں ایک جریدہ شائع کیا جائے۔ اس ضمن میں حضرت مولانا کی نگاہ انتخاب راقم السطور پر پڑی چنانچہ ایک موقع پر حضرت مولاناؒ کا دہلی سے دیوبند آنا ہوا تو میرے پاس ان کا ایک فرستادہ آیا اور مجھ سے کہا کہ مولانا یاد فرما رہے ہیں، چنانچہ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ آپ ہمارے ساتھ جمعیۃ علماء ہند میں کام کریں، عرب سفارت خانوں سے رابطہ کا کام کرنا ہوگا اور کوشش کی جائے گی کہ جلد از جلد ایک عربی جریدہ کا اجراء کیا جائے جس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ یہ پیشکش میرے لیے غیر متوقع تھی، تاہم حیرت واستعجاب کے باوجود اس پیش کش کو قبول کرنے کے لیے میرا رجحان خاطر اسی وقت ہوگیا۔ میں نے آمادگی کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اس کے لیے مجھے پہلے والد محترم اور بڑے بھائی صاحب (حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ) سے اجازت لینی ہوگی۔ موصوف نے فرمایا کہ یہ بہت ضروری ہے، آپ مشورہ کرلیں اور اجازت مل جائے تو مجھے بتادیں۔ اس کے بعد تمام فیصلے اور اقدامات بڑی تیزی کے ساتھ ہوئے اور میں جلد ہی دیوبند سے دہلی آگیا اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہوکر مصروف عمل ہوگیا۔

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت کا حصہ وافر عطا فرمایا تھا لیکن اس سلسلہ میں ان کی اصل خصوصیت جو اس پر مستزاد تھی وہ ان کی مزاج شناسی اور نفسیات فہمی تھی، وہ یوں تو سب ہی کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے تھے لیکن اس میں مختلف مزاجوں کی رعایت کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ تعلق اور مودت کے اعتبار سے تو میرے ساتھ ان کا طرزِ عمل برادرانہ تھا، وہ میرے بڑے بھائی تھے اور میں ان کا چھوٹا بھائی، لیکن ساتھ ہی وہ ایک طرف تو میرے ساتھ طرزِ عمل میں ہمارے خاندان کی ''خود دارانہ یا حساس مزاجی خصوصیات'' کی نہ صرف پوری پوری رعایت کرتے تھے بلکہ اس کے مطابق عمل میں اصرار بھی ہوتا تھا، مثلاً جب بعض

اوقات مجھے ان کے ساتھ سفر میں رفاقت کا موقع ملتا اور ان کے دونوں ہاتھوں میں بھی کوئی چیز ہوتی تو وہ میرے بے حد اصرار کے باوجود کسی ایک چیز کا بوجھ بھی مجھ پر ڈالنے کے لیے آسانی سے آمادہ نہیں ہوتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ ایک استثنائی سی صورت تھی جو چند ہی لوگوں کے ساتھ ہو سکتی تھی، سب کے ساتھ یہ انداز ممکن نہیں تھا۔ دوسری طرف میرے مزاج کی مخصوص افتاد اور ان کے خورد نوازی کے پر از حلم انداز نے مجھے چھوٹا ہونے کے باوجود بسا اوقات جسارت آمیز گفتگو کا عادی بنا دیا تھا جس کے ثبوت کے لیے واقعات تو بہت ہیں صرف ایک واقعہ کو بطور مثال پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

لال بہادر شاستری کی تاشقند میں موت کے بعد اندرا گاندھی وزیر اعظم بن چکی تھیں۔ اسی دوران مصر کے صدر جمال عبدالناصر کا ہندوستان کے دورہ کا پروگرام بنا، اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جمال عبدالناصر کی ہندوستان آمد کے پروگرام سے کچھ ہی پہلے مصر میں عالم اسلام کے مشہور عالم دین اور صاحب تفسیر قرآن ''فی ظلال القرآن'' کو پھانسی دی گئی تھی۔ مجھے ان دنوں سعودی عرب کے اخبارات پابندی سے دیکھنے کو ملتے تھے، یہ وہ دور تھا جب سعودی عرب اور مصر کے تعلقات بھی ٹھیک نہیں تھے اس لیے بھی سیّد قطب شہید کی پھانسی کی تفصیلات ان اخبارات میں اہتمام سے شائع کی جارہی تھیں، بہر حال مجھ پر اس کا بہت اثر تھا۔ میں اینٹی ناصر تو نہیں تھا لیکن ان دِنوں میرے جذبات خاص طور پر اس معاملہ میں جمال عبدالناصر کے خلاف تھے اور جمعیۃ کے متعلقہ سب لوگ اس سے واقف تھے اس لیے جب حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے مجھ سے سپاس نامہ لکھنے کے لیے کہا تو میں نے اپنی مذکورہ جسارت کے ساتھ سوال کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے آج کل جمال عبدالناصر پر سخت غصّہ ہے پھر بھی مجھ سے ان کی شان میں قصیدہ خوانی کی توقع کی جارہی ہے، میں چونکہ یہاں پر ملازم ہوں کیا آپ مجھ سے اس بنا پر ایسا کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں؟ اگر میرے اس سوال کا جواب کسی بھی شکل میں اثبات میں ہوتا تو میں یقینی طور پر انکار کر دیتا اور یہ بھی اغلب ہے کہ حضرت مولانا کے علاوہ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید جواب میں اظہار ناگواری کر کے اس جذباتی صورتِ حال کو مزید بگاڑ سکتا تھا لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت مولانا موصوف نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ انھوں نے کہا: ''نہیں (یعنی اس لیے نہیں کہ آپ ایک ملازم ہیں) بلکہ میں آپ کا بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی یعنی آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔'' اور کہنے کے انداز میں ایسی لجاجت تھی جیسے کوئی چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کو منانے کی کوشش کر رہا ہو، یہ دراصل لجاجت نہیں تھی بلکہ یہ

ان کا بڑا پن تھا، ان کی شفقت تھی، مولانا کا یہ انداز میرے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ انھوں نے اچانک میری اس جذباتی کیفیت میں بریک سا لگا دیا اور مجھ پر ایک اور جذباتی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا جیسے میرے دل میں ان کی محبت میں اچانک بے پایاں اضافہ ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی اس کیفیت پر جلد ہی قابو پاتے ہوئے کہا کہ اچھا چونکہ آپ ایسا فرما رہے ہیں اس لیے میں سپاس نامہ لکھ دوں گا لیکن میں نہ اس کو پڑھوں گا اور نہ ہی اس استقبالیہ فنکشن میں شریک ہوں گا۔ مولانا نے انشراح کے ساتھ فرمایا: ''چلئے آپ کی یہ شرط منظور ہے۔'' چنانچہ اسی کے مطابق عمل ہوا، میں نے سپاس نامہ لکھا اور حضرت مولانا قاضی سجاد حسینؒ صدر مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ فتح پوری دہلی نے یہ سپاسنامہ پڑھ کر مہمان ذی شان کو پیش کیا۔

عرب سفارت خانوں کے فنکشنوں میں شرکت کے دوران اور عرب سفرا یا دیگر عرب سفارت کاروں سے ملاقات کے وقت میں ترجمانی کی غرض سے حضرت مولانا کے ساتھ ہوتا تھا۔ لیکن حضرت مولانا اکثر عربی ہی میں براہِ راست گفتگو شروع کر دیتے تھے البتہ دورانِ گفتگو جہاں ضرورت ہوتی یا تو بلا تکلف الفاظ و تعبیرات معلوم کر لیتے یا اُردو میں بول کر ترجمہ کرنے کے لیے کہتے۔ لیکن وہ بہرحال اپنے مخاطب پر براہِ راست اثر انداز رہتے تھے، اور وہ (مخاطب) مترجم کے بجائے پورے طور پر انھیں سے ہم کلام رہتا تھا۔

جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ رسمی طور پر وابستگی کی صورت میں ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۷ء تک جس عرصہ میں مجھے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے قریب رہنے کا موقع ملا یہ ان کا بحیثیت ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کام کرنے کا ابتدائی دور تھا لیکن ان کی ہر ہر ادا سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کئی دہائیوں سے اس میدان کے شہوار رہے ہوں، مرعوبیت نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں، کسی سے بھی ملاقات کا اگر وقت طے ہوتا، چاہے وہ کوئی عرب سفیر ہو یا کوئی بڑے سے بڑا لیڈر، ان کے ذہن پر اس کا ادنیٰ سا بھی بوجھ نہیں ہوتا تھا۔ وہ ذہنی طور پر بھی پہلے سے گفتگو کے لیے کوئی تیاری نہیں کرتے تھے، تیاری ممکن بھی نہیں تھی۔ بسا اوقات وہ کسی طویل سفر سے آتے اور فوراً ہی پہلے سے مقررہ وقت پر ملنے کے لیے تشریف لے جاتے (لفظ تشریف نوک قلم پر آیا تو یاد آیا کہ میں مولانا سے گفتگو میں جب بھی ان سے متعلق تشریف لانا استعمال کرتا تو وہ بالالتزام مسکراتے ہوئے فرماتے: میرے پاس تشریف ہی نہیں) بات چیت کے دوران پروقار خوداعتمادی اور بے باکی ہمیشہ نمایاں رہتی تھی، ایک دفعہ گوپال سنگھ صاحب ایم، پی کی تقریب سالگرہ میں جانا ہوا۔ احقر بھی ساتھ تھا۔ اس موقع پر تقریب میں موجود اندرا گاندھی سے جو اِن دِنوں اطلاعات و نشریات کی وزیر تھیں، مولانا نے کسی مسئلہ پر گفتگو کی۔

یہاں پر میں نے ان کا بڑے لیڈروں سے گفتگو میں پہلی بار قریب سے پر وقار پر اعتماد انداز دیکھا۔
بعض شخصیات میں من جانب اللہ کچھ جاذبیت وکشش ہوتی ہے، حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی انتہائی پرکشش شخصیت کے مالک تھے ان کے رابطہ میں آنے والے جن لوگوں کو ان کا اعتماد حاصل ہوجاتا اور جن کے ساتھ ان کا خصوصی لطف وشفقت کا معاملہ شروع ہوجاتا ان کے لیے یہ کشش دوچند ہوجاتی۔ مسجد عبدالنبی کمپلکس میں قیام کے دوران، میں ان کی شخصیت کی پرتاثیر کشش و جاذبیت کے زیر اثر رہا۔ میرا یا میرے اہل خاندان کا یہ مزاج نہیں رہا کہ اگر کسی سے احترام ومودت کا تعلق قائم ہوجائے تو اس کی ہر رائے اور فیصلہ سے بغیر سوچے سمجھے اتفاق ہی کیا جائے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ہمارے والد محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے انتہائی گہرا تعلق رکھنے کے باوجود سیاسی معاملات میں ان کے نقطۂ نظر سے بالکل متفق نہیں تھے، چنانچہ مجھے بھی کبھی کبھی اپنے گھر کے بڑوں کی اور اسی طرح حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کی کسی کسی رائے سے اختلاف ہوتا تھا جس کا اندازہ جمال عبدالناصر کو دیئے گئے استقبالیہ کے تئیں میرے موقف سے لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن حضرت مولانا کا لطف وکرم پر مبنی اپنائیت کا انداز اتنا مؤثر ہوتا تھا کہ ایسے کسی اختلاف کی کوئی اہمیت ہی نہ رہتی۔

جمعیۃ علماء ہند کا کام کرنے کے لیے دیو بند سے دہلی آنے کے بعد جب پہلا رمضان آیا تو مسجد عبدالنبی میں تراویح میں قرآن سنانے کے لیے مجھ ہی کو مکلّف کیا گیا، میں نے پختہ یاد نہ ہونے کے باعث ہر چند معذرت چاہی لیکن میری ایک نہ سنی گئی۔ میں نے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب سے کہا کہ قرآن سنانے کی صورت میں پورے رمضان اپنے امور مفوضہ میں سے کوئی معمولی سا بھی کام انجام نہیں دے سکوں گا تو فرمایا کہ آپ کی ہر شرط منظور ہے لیکن قرآن شریف آپ ہی کو سنانا ہوگا۔ مجھے چونکہ اندازہ تھا کہ تراویح میں قرآن سنانے کے لیے بہت محنت کرنا ہوگی اس لیے میں اس سال بچنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے ایک اور حربہ استعمال کیا اور کہا کہ چونکہ یہاں پر کھانے پینے کا بھی معقول انتظام نہیں ہے اس لیے بھی یہ مشکل ہوگا لیکن یہ ہتھیار بھی کارگر نہ ہوسکا کیونکہ اس کی ذمہ داری مولانا محمد ایوب انصاریؒ صاحب نے لے لی جو ان دنوں آفس کے معاملات میں آمر مطلق کا سا انداز رکھتے تھے اور پھر انھوں نے رمضان بھر ایسی خاطر کی جیسے میں کوئی باہر سے آیا ہوا نہایت ہی معزز مہمان ہوں۔ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ خود رمضان میں دہلی میں مقیم رہنے والے نہیں تھے، غالبًا یہ رمضان انھوں نے آسام کے کسی مقام پر گزارا تھا جس کا نام اس وقت ذہن میں نہیں آرہا ہے۔ ابھی رمضان المبارک کے ایک دو دن ہی

ہوئے تھے کہ مولانا ایوب انصاریؒ نے اطلاع دی کہ وہ میرے لیے وافر مقدار میں بادام منگوا رہے ہیں کیونکہ (ان کے الفاظ میں) ''مولانا اسعد میاں کا پیغام آیا ہے'' جس میں تاکید کی گئی ہے کہ آپ کو پورے رمضان بادام کھلانے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے لیے ایک معقول رقم کا بھی تعین کیا ہے۔ اتنی دور ہوتے ہوئے بھی اس درجہ خیال کرنا معمولی بات نہیں۔ قاعدہ کے اعتبار سے تو میں ان کے جماعتی اسٹاف کا ایک فرد ہی تو تھا لیکن انھوں نے مختلف موقعوں پر اپنے طرزِ عمل سے یہی ثابت کیا کہ وہ میرے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جو ایک مشفق بڑے بھائی کا اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ ہوسکتا ہے، اگر کوئی بڑا اپنے چھوٹے کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے تو اس کا گرویدہ ہوجانا ایک بالکل فطری امر ہے۔

جمعیۃ علماء ہند میں جب میں نے کام کا آغاز کیا اس وقت گلی قاسم جان سے مسجد عبدالنبی کمپلیکس میں دفتر کی منتقلی کا عمل جاری تھا، مجھے نئے دفتر ہی سے کام شروع کرنا تھا اور وہیں رہائش بھی رکھنی تھی۔ چنانچہ جب میں وہاں پہنچا تو مجھے اپنے لیے کمرہ کے انتخاب کا اختیار دیا گیا۔ میں نے جانب جنوب میں آخری کمرہ کو پسند کیا، ٹھیک اس کے سامنے جانب شمال میں جو کمرہ تھا وہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اپنے لیے منتخب فرما چکے تھے، ان دونوں کمروں کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں دو دو کھڑکیاں ہیں اور ان کے ذریعہ دو دو سائڈوں سے کھلے ہونے کے باعث زیادہ روشن و ہوادار ہیں، لیکن مجھے بتایا گیا کہ یہ کمرہ ان کمروں سے مستثنیٰ ہے جن میں انتخاب کا اختیار ہے اور وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ کمرہ دراصل امام صاحب کے لیے مختص ہے۔ اس وقت تک چونکہ کسی امام کا تقرر نہیں ہوا تھا اس لیے حضرت مولانا قاری محمد میاںؒ صاحب نے مشورہ دیا کہ ''اس کمرہ کو نہ چھوڑا جائے یہ زیادہ عمدہ اور آرام دِہ ہے اور جب تک کسی امام کا تقرر ہو آپ چونکہ مستقل طور پر یہیں رہیں گے اور نماز پڑھیں گے ہی اس لیے عارضی طور پر نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' مجھے بھی چونکہ یہ کمرہ بہت پسند تھا اس لیے میں نے قدرے تردد کے ساتھ آمادگی ظاہر کردی بعد میں اس غلطی پر ہمیشہ پیچ و تاب ہی کھاتا رہا۔ میں عام لوگوں کی نظروں میں ہی نہیں بلکہ تقریباً سب ہی کی نظروں میں امام محض ہی کی حیثیت میں متعارف ہوتا گیا، میں اپنے کو اس عظیم ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتا تھا اس لیے بچنا چاہتا تھا نتیجہ کے طور پر بعض اوقات سخت ضیق محسوس کرتا چنانچہ کبھی کبھی میں قصداً نمازوں کے اوقات میں کہیں دور چلا جاتا، تاکہ اگر کوئی ٹوکے تو میں اپنا احتجاج درج کراؤں اور اور کہوں کہ میں جمعیۃ علماء ہند میں بحیثیت امام مسجد نہیں آیا ہوں، لیکن سب ہی لوگ خاص طور پر ذمہ داران کچھ ایسی حکمتِ عملی سے کام لیتے کہ میری کوئی تدبیر

کامیاب نہ ہوتی یہاں تک کہ کچھ لوگ مستقل طور پر مجھے امام صاحب ہی کہنے لگے اور ایسا لگتا ہے کہ شاید حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دامت برکاتہم کو یہ بھنک لگ گئی تھی کہ میں اپنے کو (مذکورہ سبب کے باعث) امام کہلانا پسند نہیں کرتا ہوں اس لیے وہ تو مجھے بالقصد جمعیۃ کی سروس سے علیحدگی کے بعد بھی ایک زمانہ تک مستقل طور پر ''ارے بھائی امام صاحب'' ہی کہتے رہے۔

مذکورہ تفصیلات کو میں نے ایک خاص مقصد کے لیے بطور تمہید بھی بیان کیا ہے اور وہ مقصد حضرت مولانا کی نمازوں کی ادائیگی میں ایک خصوصیت کا اظہار ہے، اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اور اسی سے اس خصوصیت کی طرف توجہ مبذول کراؤں گا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جمعہ کے روز میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ جب حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ دہلی میں ہوں تو نماز جمعہ وہی پڑھائیں۔ وہ بھی حتیٰ الامکان اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے لیکن بے حد اصرار کے بعد میں اکثر ان کو اس کے لیے آمادہ کر ہی لیتا تھا، ایک دفعہ جمعہ کے دن نماز سے کچھ ہی پہلے ہمارے درمیان حسبِ معمول ہونے والی اس ردو قدح کے بعد کہ کون نماز پڑھائے، حضرت مولانا فیصلہ کن انداز میں یہ فرما چکے تھے کہ نماز وہ نہیں پڑھائیں گے بلکہ مجھے ہی پڑھانی ہوگی۔ اسی درمیان مولانا کو معلوم ہوا کہ سعودی عرب کے سفیر شیخ محمد حمد الشبیلی جو بالکل نئے نئے وارد ہوئے تھے اور وہ یہاں کی کسی بھی شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے نماز کے لیے مسجد عبدالنبی پہنچنے والے ہیں، اس لیے میری یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ میں نماز کے فوراً بعد ان سے ملاقات کروں اور ان کو کار تک پہنچانے کے دوران مختصراً جمعیۃ کا تعارف بھی کرادوں۔ اس پر میں نے کہا کہ اغلب یہ ہے کہ وہ فرض پڑھتے ہی واپس ہوجائیں گے۔ اگر میں نے نماز پڑھائی تو سلام پھیرنے کے بعد ان کے تعاقب میں فوری طور پر میرے لیے اتنی صفوں سے گزر کر پیچھے آنا مشکل ہوجائے گا اس لیے نماز آپ ہی پڑھادیں۔ یہ بات مولانا کی سمجھ میں آ گئی چنانچہ مولانا نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد حسبِ پروگرام میں سفیر صاحب کی طرف لپکا جو اپنے اسٹاف کے کئی سعودی اور مقامی لوگوں کے ساتھ آئے تھے، میری ملاقات ان سے حوض اور مسجد کے دروازہ کے درمیان ہوئی وہ اپنے اسٹاف کے لوگوں سے شکوہ کے انداز میں کچھ کہہ رہے تھے، میں نے مصافحہ کیا تو مجھ سے بھی انھوں نے وہی شکوہ کیا۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ جس شخصیت کے پیچھے انھوں نے نماز پڑھی ہے وہ کون ہیں، وہ تو اتنا جانتے تھے کہ وہ مقتدی تھے اور جس کے پیچھے انھوں نے نماز پڑھی وہ امام۔ اس لیے ان کا شکوہ امام صاحب ہی سے تھا، وہ کہہ رہے تھے: **من هو الامام... عطال... الامام عطال...** وہ اس جملہ کا بار بار اعادہ کررہے تھے، میں نے ان کو بتایا کہ نماز

پڑھانے والے جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ تھے، اس پر بھی ان کے انداز استنکار میں کوئی تبدیلی نہ آئی (بعد میں جب تک وہ سفیر رہے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ سے ان کے گہرے مراسم رہے) یہ جملہ اتنا مختصر ہے کہ عربی جاننے والا بھی بغیر سیاق وسباق کے مشکل ہی سے اس کا مطلب سمجھ سکے گا، پہلا جملہ (من ہو الامام: امام کون ہیں) تو بالکل واضح ہے لیکن دوسرا جملہ **الامام عطال** مبہم ہے جس کا ترجمہ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔ امام تو (معمولات میں) تعطل پیدا کردینے والے ہیں۔ اس کا مطلب فوراً سمجھ گیا تھا، مجھے اندازہ تھا کہ اکثر عرب لوگ نماز میں جلدی کے عادی ہوتے ہیں، جبکہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نماز میں تعدیل ارکان کا بے حد اہتمام فرماتے تھے، رکوع وسجود خاص طور پر بہت لمبے ہوتے تھے، امامت کرتے وقت تو مقتدیوں کی رعایت میں شاید وہ کچھ اختصار بھی کر لیتے ہوں لیکن یہ ہمارا دن رات کا مشاہدہ تھا کہ وہ اپنی انفرادی نمازیں زیادہ ہی اطمینان وسکون کے ساتھ پڑھتے تھے، قیام، رکوع وسجود اور قعدہ سب ہی میں عام طریقہ سے ہٹ کر کافی وقت لگاتے تھے، اور ایسا کبھی کبھی یا خاص فرصت کے اوقات میں نہیں ہوتا تھا بلکہ تمام اوقات نماز میں یہی معمول تھا، جب وہ کہیں جانے کی جلدی میں ہوتے تب بھی فرائض وسنن وغیرہ کی ادائیگی کے دوران ان کے اطمینان وسکون میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ پہلے جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی اور بعد میں صدارت کے جس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور جو مختلف گراں بار دینی، ملی اور اجتماعی ذمہ داریاں ان کے کاندھوں پر تھیں، جو خاص طور پر دہلی میں دورانِ قیام ہمہ وقت مصروفیت کا باعث بنی رہتی تھیں، ان سب کے ہوتے ہوئے نمازوں میں اس درجہ اطمینان وسکون حاصل رہنا انتہائی حیرت انگیز بات تھی۔ دہلی میں مقیم جو لوگ مختلف ملی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں ان کو اس حقیقت کا پورے طور پر ادراک ہوگا کہ کبھی کبھی ان سرگرمیوں کے باعث نمازوں کے بعض اوقات کے دوران فرائض اور سنن ونوافل کی ادائیگی کے وقت مطلوبہ سکون واطمینان کا میسر ہونا بڑا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا نے جمعیۃ علماء ہند کی زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد مختلف شعبوں کو فعال بنانے کے لیے جو اقدامات کیے تھے منجملہ ان کے یہ بھی تھا کہ 'الجمعیۃ' ویکلی کے لیے مولانا وحید الدین خاں صاحب کو دہلی بلا کر اس کی ادارت ان کے سپرد کی۔ مولانا موصوف کی تحریروں کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ان کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ وہ بسا اوقات زندگی کے کسی بھی معمولی سے واقعہ کو بنیاد بنا کر اس سے کوئی بڑا نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور متوجہ کرتے ہیں کہ اس سے کیا سبق

حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اپنے اسی نہج کے مطابق مولانا موصوف نے ایک دفعہ 'الجمعیۃ' ویکلی کے سرورق پر حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے بارے میں جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ روایت بالمعنی کے طور پر یہ تھا کہ ”حال ہی میں میرا حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے ساتھ سفر کا اتفاق ہوا۔ یہ سفر بذریعہ کار جاری تھا، میں نے دیکھا کہ مولانا نے کئی بار ڈرائیور کو صحیح راستہ بتایا۔ مجھے یہ دیکھ کر یقین ہوگیا کہ واقعی وہ ملک و ملت کی رہبری کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔“ جس دن یہ شمارہ منظرعام پر آیا اسی دن شام میں گلی قاسم جان سے گزرتے ہوئے میری ملاقات 'الجمعیۃ' کے نامی گرامی ایڈیٹر بزرگ صحافی مولانا عثمان فارقلیط صاحب سے ہوئی۔ علیک سلیک کے بعد انھوں نے اس تحریر کا ذکر کیا اور اس کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ روزانہ جو ہزاروں ٹرک ڈرائیور سفر پر روانہ ہوتے ہیں جن کو راستوں کی بڑی معلومات ہوتی ہیں وہ سب قیادت کی استحقاقی صلاحیتوں کے حامل ہیں! مولانا فارقلیط کے اس بے ساختہ تبصرہ میں طنز و مزاح کا جو ظریفانہ عنصر تھا اس سے محظوظ ہوئے بغیر رہنا ممکن نہ تھا۔ میں نے ہاں میں ہاں ملائی، اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہ تھا کیونکہ میرے لیے تینوں حضرات ہی قابلِ احترام تھے جبکہ محترم صاحب تبصرہ بنفس نفیس سامنے کھڑے ہوئے تائید اور داد و استحسان کے منتظر تھے۔

مولانا فارقلیط صاحب عرصہ دراز سے 'الجمعیۃ' ڈیلی اور ویکلی دونوں ہی کے ایڈیٹر چلے آرہے تھے۔ ویکلی کی ادارت مولانا وحید الدین خاں صاحب کے سپرد کرنا یقیناً ان کو پسند نہ آیا ہوگا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے کسی سینئر وزیر کے وسیع تر وزارتی قلم دان کے ایک حصہ کو (Bif urcate کرکے) کسی دوسرے نو وارد وزیر کو دے دیا جائے، اس لیے ہوسکتا ہے کہ ان کے مذکورہ طنز میں اس مخصوص حساسیت کا بھی دخل ہو، بہرحال ان کے تبصرہ سے یہ مترشح نہیں ہو رہا تھا کہ وہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کی رہبرانہ صلاحیتوں کو محل نظر بنا رہے ہیں، بلکہ اس کا اصل رُخ مولانا وحید الدین خاں صاحب کی طرف تھا اور وہ ان کے طریقہ استنتاج کو اپنے طنزیہ انداز میں غیر منطقی اور غیر معقول قرار دے رہے تھے۔ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کو اللہ تعالیٰ نے انتہائی بیدار مغز اور وقاد ذہن عطا فرمایا تھا، وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کا ذہن بیک وقت مختلف جہتوں میں کام کرتا ہے جو ہر چیز پر چوکنا اور متنبہ رہتے ہیں، بڑے سے بڑا کام کرتے ہوئے بھی اِردگرد میں پیش آمدہ یا کسی معمولی سے معمولی متوقع چیز سے بھی غافل نہیں رہتے۔ مولانا وحید الدین خاں صاحب کے مذکورہ مشاہدہ سے رہبری و قیادت کے استحقاق کا ثبوت ملتا ہو یا نہ ملتا ہو لیکن اس کو ان کی بیدار

ذہنی کے اثبات کے لیے یکے از دلائل ضرور پیش کیا جاسکتا ہے۔

ایک دفعہ میں کہیں جانے کے لیے کار میں پیچھے کی سیٹ پر مولانا کے ساتھ بیٹھا، دروازہ ابھی بند نہیں کیا گیا تھا، ایک صاحب مولانا سے بات کرنے لگے، بات بھی اہم تھی جس میں مولانا کا ذہن اتنا مشغول ہونا چاہیے تھا کہ دوسری کسی چیز کا خیال ہی نہ رہے۔ان صاحب نے رخصت ہوتے ہوئے زور سے دروازہ بند کیا، اچانک مولانا نے برق رفتاری سے ایک ہاتھ سے دروازہ کو روکا اور دوسرے ہاتھ سے میرا ہاتھ کھینچا، اور کہا کہ اس وقت بہت بڑا حادثہ ہوسکتا تھا، کار کے دروازہ کے ایسے حصوں پر کبھی بھی ہاتھ نہیں رکھنا چاہیے۔ واقعی میری غفلت کے باعث انگلیاں کٹ سکتی تھیں، یہ حضرت مولانا کی حاضر دماغی بلکہ 'حاضر چشمی' ہی تھی جس کی وجہ سے بفضلہٖ تعالیٰ ایک خاصا بڑا حادثہ ٹل گیا۔ بادی النظر میں یہ واقعہ بھی اگرچہ اتنا عمومی نوعیت کا ہے کہ اس کو کسی وصف امتیازی کے ثبوت کے لیے بطور مثال پیش کیا جانا زیادہ وقیع نہیں معلوم ہوتا، لیکن ایسے واقعات معدودے چند نہیں بلکہ بے شمار ہیں جو مجموعی طور پر مذکورہ دعویٰ کے اثبات کے لیے برہان قاطع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

الغرض علم وفضل کے ساتھ ساتھ اللہ نے ان کو وہبی وکسبی دونوں طرح کی متنوع صلاحیتوں سے مالا مال کیا تھا، وہ غضب کی ذہانت رکھتے تھے، کسی بھی معاملہ کی گہرائی تک پہنچنے میں ان کو ذرا بھی دیر نہیں لگتی تھی ۔دور بینی، بالغ نظری اور سیاسی بصیرت میں بھی ان کا ایک مقام تھا، سیاسی معاملات کی سمجھ بوجھ میں بہت سے خالص سیاست داں ان کے سامنے بونے لگتے تھے۔ ملک وملت کے بے شمار مسائل وحالات پر ان کی گہری نظر تھی، وہ پیش آمدہ واقعات ومسائل کے معروضی تجزیہ کے عادی تھے جس میں نہ ان کو کوئی دشواری ہوتی تھی اور نہ دیر لگتی تھی۔ وہ عام طور پر کسی بھی نئے مسئلہ کے بارے میں وثوق سے یہ بتا سکتے تھے کہ وہ مستقبل میں کیا رُخ اختیار کرسکتا ہے اور منفی یا مثبت شکل میں اس کے کیا نتائج برآمد ہوسکتے ہیں، ان کے دور کے علماء کی صفوں میں تو اس باب میں ایسی شخصیت کا تلاش کرلینا آسان نہیں جو ہر اعتبار سے ان کی ہمسر ومماثل ہو۔

جہد مسلسل ،عزم محکم ، جرأتِ رندانہ اور قوت اقدام تو ان کے ایسے اوصاف تھے جو ان کو اپنے بہت سے نمایاں ہمعصروں سے ممتاز کرتے تھے، ملی مسائل کے سلسلہ میں عملی اقدامات کی صورت میں وہ جذباتیت سے کام نہیں لیتے تھے، وہ اپنے ضمیر کی آواز پر اپنے فہم وادراک کے مطابق جو کچھ کرتے تھے اس میں انشراح ہوتا تھا تردد یا گومگو کی کیفیت نہیں ہوتی تھی، چنانچہ جب وہ کوئی فیصلہ کرکے عملی اقدام کرتے تو مخالفین کی مخالفتوں کی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔اس کی ایک وجہ

مزاجی افتاد کے علاوہ یہ بھی ہوتی تھی وہ اکثر کسی بھی دوررَس نتائج کے حامل اہم اقدام سے قبل انتہائی محکم منصوبہ بندی سے کام لیتے تھے، جبکہ بعض اقدامات بہت جلدی میں بھی کرتے تھے، یہ سب کچھ دراصل معاملات کی نوعیت اور ان کے ظروف وملابسات اور تقاضوں کے مطابق ہوتا تھا۔

بیعت وارشاد بھی ان کی مختلف الجہات شخصیت کا ایک نمایاں رُخ تھا جو دراصل ان کے والد ماجد، ہندوستان کی عظیم ملی، دینی، علمی اور روحانی شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے سلسلہ بیعت وارشاد کا تسلسل وامتداد تھا۔ ان کو جس طرح ہر میدان میں کامیابیاں حاصل ہوئیں ان کے پیش نظریوں تو ان کی خوش قسمتی ہمہ گیر تھی، لیکن وہ اس معنی میں بھی نہایت خوش قسمت تھے کہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ برصغیر ہند کے دوسرے ممالک پاکستان وبنگلہ دیش حتیٰ کہ بعض دیگر ممالک میں بھی ان سے تعلق ونسبت اور عقیدت ومحبت رکھنے والے لوگوں پر مشتمل بڑے حلقے موجود ہیں جس میں ان کی مذکورہ نسبت کے علاوہ خود ان کی شخصیت کے اس انتہائی اہم پہلو کو بھی بڑا دخل ہے۔

رہبری کی صلاحیت وہبی ہوتی ہے یا کسبی؟ یہ ایک طویل بحث کا موضوع رہا ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صلاحیت بہت کمیاب ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی عرصہ سے زیر بحث رہی ہے کہ تاریخی حالات کسی رہبر کو جنم دیتے ہیں یا رہبر خود کوئی نئی تاریخ مرتب کرتا ہے؟ لیکن کبھی کبھی ازغیب ایسے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں کہ یہ دونوں عوامل ایک ہی شخصیت میں یکجا ہوجاتے ہیں جیسا کہ مرحوم کی شخصیت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ رہبری کو قدرے محدود کر کے صرف سماجی قیادت کے معنی میں استعمال کیا جائے تو اس کے لیے صالحیت کے ساتھ ساتھ ایک اور شرط بھی لازم ہوتی ہے: خدمت قوم (سیّد القوم خادمہم) یہاں جس قدر اہمیت لفظ 'خادم' کو حاصل ہے، اتنا ہی وقیع مفہوم 'قوم' کا بھی ہے، یعنی سیادت گروہی، نژادی یا کسی بھی عصبی نکتۂ نظر سے کہیں زیادہ بالغ نظری کی طالب ہوتی ہے۔ ہندوستان کے تناظر میں اسی بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں ایک مسلم لیڈر کو صالح اور جذبہ خدمت خلق سے سرشار ہونے کے ساتھ اتنا وسیع النظر بھی ہونا چاہیے کہ وہ صرف ملت کے حصار میں بند نہ رہ جائے بلکہ تمام اہلِ وطن کو خیر وصلح کی جانب لے جانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور بلاشبہ رہبری کی یہ خصوصیات ہمارے ممدوح حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمہ اللہ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

○○

❑ جناب مسعود حسن صدیقیؒ
نائب صدر جمعیۃ ٹرسٹ سوسائٹی، جمعیۃ علماء ہند، آئی ٹی او، نئی دہلی

امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ

کچھ یادیں، کچھ باتیں

امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان برگزیدہ شخصیتوں میں سے تھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے گوناگوں صفات وخصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا، ان کی شخصیت کا علمی اور فکری پہلو جس طرح سے متنوع، ہمہ گیر اور حیات افروز تھا، اسی طرح ان کی شخصیت کا عملی پہلو بھی ہی درخشاں، تابناک اور حیات بخش تھا، ایسی شخصیت سے متاثر ہوجانا معمولی بات ہے، لیکن اس شخص کے لیے جس کا آئیڈیل اور ہیرو اس سے بڑا ہو، لیکن ایسا شخص جو بطور خاص عمر میں بڑا ہو اور کسی حد تک اپنے فن اور اپنی لائن میں بھی کامیاب ہو، اپنے سے کم عمر سے متاثر ہوجائے اور اس کو آئیڈیل بناکر اپنے لیے لائحۂ عمل تیار کرے، ایسا بہت کم ہوتا ہے، لیکن اسی میں سے ایک میری بھی ذات ہے۔

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ اپنے بچپن سے ہی میرے لیے آئیڈیل اور نمونہ بن گئے۔ سب سے پہلے میں نے ان کو اس موقع پر دیکھا تھا جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا تھا، میں انٹرمیڈیٹ کا طالب علم تھا، ہم لوگوں کو یہ اطلاع ملی کہ شیخ الاسلامؒ کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا ہے، انتقال کے دن جانا ممکن نہ ہوسکا، لیکن اس اطلاع کے دوسرے دن میرٹھ کے دوسرے چند حضرات کے ساتھ جو شیخ الاسلامؒ کے قریبی تھے میں دیوبند گیا۔ جب ہم لوگ حضرت شیخؒ کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت شیخؒ تھملہ سے ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما ہیں اور ایک صاحبزادے ان کی گود میں بیٹھے ہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرت کے صاحبزادے ہیں اور ان کا نام اسعد ہے، اس کے بعد ایک مرتبہ اس وقت دیکھا جب میں ہیڈ پمپ سے جو مردانہ اور زنانہ مکان کے درمیان تھا وضو کررہا تھا، تین لڑکے آئے، ان میں سے جو نسبتاً کچھ بڑے تھے، انھوں نے میرے سر کی طرف دیکھ کر کہا کہ مولانا آپ کو دیکھ لیں تو کیا ہوگا؟ ان کا منشاء غالباً یہ تھا کہ میرے سر پر انگریزی

بال ہیں، مگر وہ انگریزی بال نہیں تھے، بلکہ آگے کے بال پیچھے کے بال سے کچھ بڑے تھے، میں خاموش رہا، وہ دریافت کرنے والے صاحبزادے غالباً مولوی فرید الوحیدی ہوں گے، اس لیے کہ اس زمانے میں حضرت کے بھائی مولوی وحید احمد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا تو ان کے اہل خانہ حضرت کے یہاں مقیم تھے، پھر بہت عرصے کے بعد صاحبزادے صاحب سے جدہ میں ملاقات ہوئی، جب وہ بھائی حبیب (صاحبزادہ مولانا سیّد محمود احمد صاحب) کے ساتھ شیخ محمد یوسف کے یہاں جانے والے تھے، میں اس زمانے میں تعلیم سے فارغ ہو کر حکومت ہند کی ملازمت میں تھا اور ہندوستانی سفارت خانہ جدہ میں سکنڈ سکریٹری کے عہدے پر فائز تھا، اس کے بعد میں عارضی طور پر ہندوستان آیا ہوا تھا اور جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس تھا، جمعیۃ کے اجلاس میں شرکت کے لیے گیا تو مجھے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے جو غالباً جمعیۃ علماء کے سکریٹری تھے استقبال کیا اور جلسہ گاہ کے پلیٹ فارم تک لے کر آئے، اس وقت وہ اپنے موجودہ انداز پر تھے، جلسہ گاہ تک چلتے ہوئے فوٹو گرافر نے فوٹو لیا تو اس کی ایک کاپی حضرت مولانا نے مجھے بھی بھیجی۔ جدہ کے قیام کے دوران حضرت شیخ الاسلامؒ نے وصال فرمایا، جدہ سے واپسی پر میں دیوبند گیا تو حضرت مولانا مجھے ساتھ لے کر حضرت کے مزار اقدس تک گئے۔ جدہ کے قیام کے آخر زمانہ میں میں نے خواب دیکھا جس میں حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ اب آپ اسعد سے تعلق پیدا کر لیجیے، اس خواب کے تھوڑے عرصہ بعد دوبارہ خواب دیکھا جس میں نے حضرت شیخؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اب آپ اسعد سے تعلق پیدا کر لیجیے، اس خواب کے تھوڑے عرصہ بعد دوبارہ خواب دیکھا جس میں نے حضرت شیخؒ سے عرض کیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سے تعلق پیدا کر لوں، وہ تو توجہ کرتے ہی نہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو براہِ راست آپ سے ہی تعلق قائم رکھنا چاہتا ہوں، حضرت شیخؒ نے فرمایا: جیسی آپ کی مرضی۔

حضرت مولانا کی عادت تھی کہ وہ جدہ آتے تھے تو مجھ سے ملنے ضرور آیا کرتے تھے، چنانچہ اس کے بعد جب وہ تشریف لائے تو ان سے میں نے دونوں خواب بیان کیے، شاید کوئی اور ہوتا تو اس قسم کے خواب ان سے بیان نہ کرتا، میں اب اس تحریر میں ان کو حضرت مولانا ہی کے نام سے یاد کروں گا، کیونکہ اس کے بعد سے میں ان کو حضرت مولانا کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا، حضرت مولانا خواب سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ نہیں فرمایا، لیکن میں نے اس کے بعد اور خاص طور سے جمعیۃ علماء سے تعلق کے بعد محسوس کیا کہ وہ بھی کبھی کبھی توجہ فرماتے تھے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی سے اس کے بعد گہرا تعلق قائم ہو گیا، میں تو دفتر جمعیۃ علماء اور ان کے مکان پر حاضر ہوتا ہی تھا، وہ بھی

بلا تکلّف میرے یہاں تشریف لے آیا کرتے تھے، یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ میں سروس سے ریٹائر ہوکر حج کمیٹی میں ایگزیکٹو آفیسر بنا دیا گیا، وہاں سے واپس پر میں دوستوں اور بزرگوں سے ملنے گیا، مجھ سے حکیم عبدالحمید صاحبؒ نے فرمایا کہ اب آپ کیا کریں گے؟ پھر فرمایا کہ ہمارے یہاں تشریف لے آیئے، مولوی محمد یوسف صاحب نے جو اس وقت ہندوستان کی جماعت اسلامی کے امیر تھے (یہ جاننے کے باوجود کہ میرا تعلق حضرت شیخ الاسلامؒ سے قریبی رہا ہے) انھوں نے فرمایا کہ اب آپ خالی ہیں، آپ کے لیے میں اپنے یہاں کام نکال لوں گا، پھر میں حضرت مولانا سے ملنے گیا، انھوں نے فرمایا: اب آپ خالی ہوگئے ہیں، ہمارے یہاں آ جایئے۔ میں نے تینوں حضرات سے کہا کہ ابھی ابھی میں آیا ہی ہوں اور اپنے ماموں مفتی شوکت علی فہمی صاحب (ایڈیٹر دین دنیا) کے یہاں مقیم ہوں، قیام کا انتظام کرنا ہے، لڑکی کی شادی کرنی ہے، ان کاموں کے بعد کسی کام کے متعلق سوچوں گا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ یہ کام تو آپ ہمارے یہاں رہ کر بھی کر سکتے ہیں، بس کل ہی سے آ جایئے۔

حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا ارادہ تھا کہ اخبارات و رسائل وغیرہ میں ہندوستانی مسلمانوں اور خصوصاً جمعیۃ علماء ہند کے متعلق جو کچھ چھپے اس کا تراشہ نکال دیا جائے اور فائل بنا کر دفتر میں رکھے جائیں، لیکن کوئی قابلِ اطمینان شخص نہ مل سکا، اب آپ خالی ہوئے ہیں، آپ اس کام کو شروع کر دیں، چنانچہ دوسرے دن سے جمعیۃ علماء ہند میں کام کرنا شروع کر دیا اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے میں یہ عرض کر دوں کہ یہ حضرت مولانا کا خلوص تھا کہ انھوں نے مجاہدِ ملتؒ کا حوالہ دیا، ورنہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ میرا ارادہ اس کام کو شروع کرنے کا ہے اور اس کی تردید کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔

ارادہ تھا کہ اس طرح جو مسئلہ یا جو معلومات مہیّا ہوں ان کو مناسب انداز میں شائع کیا جائے، مگر یہ نہ ہوسکا۔ کیونکہ مناسب اسٹاف نہ مل سکا اور اپنے اوقات بھی دوسرے مسائل میں خرچ ہوگئے، تاہم جتنا مواد جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں مرتب طریقہ پر جمع ہوسکا ہے، اتنا اور ایسا مواد باوجود کوشش کے دوسری جگہ اب تک نہیں ہوسکا ہے۔ صرف کشمیر کے مسئلے پر پمفلیٹ شائع ہوسکا اور وہ بھی پرانے انداز پر۔

حضرت مولانا کی نگرانی میں کام کرتے ہوئے اس طویل مدت میں بہت سے مواقع پر دلچسپ بے تکلف باتیں ہوئیں، مثلاً ایک مرتبہ دیوبند حاضر ہوا اور چونکہ مولانا انعام کریم سے مدینہ منورہ میں بے تکلف ملاقاتیں ہوئیں تھیں ان کے ایک عزیز کے ساتھ تھا، انھوں نے کھانے

پر اصرار کیا، ان کے اصرار پر ان کے یہاں کھانا کھالیا، جب حضرت مولانا سے ملاقات کی تو حضرت شیخ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے بعد واپس آرہے تھے، حضرت مولانا نے بھی کھانے پر اصرار کیا، میں نے عرض کیا کہ فلاں صاحب کے یہاں کھانا کھالیا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ کیا میں مر گیا تھا؟ جو آپ نے دوسری جگہ کھانا کھالیا۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا بیمار ہوگئے اور کافی کمزور ہوگئے تھے، میں نے یہ سنا کہ وہ ایک طویل سفر کی تیاری کر رہے ہیں تو میں اوپر دفتر میں گیا، وہ بڑے دروازے پر کھڑے تھے اور کچھ سامان سفر رکھا ہوا تھا، میں نے پوچھا: کیا ارادے ہیں تو فرمایا کہ ایک لمبے سفر پر جا رہا ہوں، میں نے کہا: ذرا آئینے میں اپنی نقاہت تو دیکھئے، آپ کا کیا حال ہو رہا ہے؟ فرمایا کہ بہت سے وعدے ہیں جو پورے کرنے ہیں، میں نے کہا کہ وعدے تو تندرستی کی حالت میں کیے تھے، تندرست ہوں گے تو وعدے پورے کر لیجیے گا، فرمایا کہ لوگوں نے انتظام کر لیے ہیں، دُور دُور سے لوگ جلسے میں شرکت کے لیے آئے ہوں گے، ان کا تو خیال کرنا چاہیے، میں نے عرض کیا کہ تندرست اور طاقت آجانے کے بعد سب کچھ ہوجائے گا اور خدانخواستہ کچھ ہوگیا تو اب نہیں تو کبھی نہیں کی بات ہوجائے گی، پھر میں نیچے دفتر میں آگیا، تھوڑی دیر بعد پھر اوپر گیا تو دیکھا کہ نہ سامان سفر ہے اور نہ حضرت مولانا ہیں، معلوم کیا تو پتہ چلا کہ سفر پر چلے گئے، ان حالات کو دیکھ کر اگر ان کو فدائے ملت کہا جاتا ہے تو کیا تعجب ہے؟

کوئی پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ مجھ پر ہارٹ اٹیک ہوا، جب اس کے اثرات دُور ہوئے اور حضرت مولانا نے محسوس کیا کہ میں اب تندرست ہوں تو فرمایا کہ اب آپ کب تشریف لا رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں تو اب نہیں آسکتا، پوچھا: کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹروں نے مجھے اوپر چڑھنے سے منع کیا ہے کہ ایسا کرنے سے دوبارہ حملہ ہوسکتا ہے تو فرمایا کہ ہم اگر آپ کے لیے نیچے انتظام کرا دیں اور اوپر نہ چڑھنا پڑے تو؟ میں نے عرض کیا کہ تب آسکتا ہوں، مگر آپ کہاں انتظام کریں گے، خاموش ہوگئے، کچھ عرصے کے بعد تشریف لائے اور اپنے ساتھ مجھے دفتر لے گئے، میں نے دیکھا کہ سیڑھیوں کے نیچے دو کمرے بنائے گئے ہیں، انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ ان میں سے ایک آپ کے لیے ہے، اب فرمایئے کہ اب آپ آسکتے ہیں کہ نہیں؟ میں نے تو انتظام کر دیا ہے، تو میں نے شکریہ ادا کیا، پھر فرمایا کہ آپ تو دو آدمی ہیں، دو کمروں کا کیا کریں گے، ایک کا انتخاب کر لیجیے، میں نے چھوٹا کمرہ انتخاب کرلیا، کیونکہ اس میں ہوا اور روشنی کا انتظام تھا، اس وقت سے اب تک اس کمرے میں بیٹھتا ہوں، حالانکہ اس درمیان میں جب تعمیر

جاری تھی، جہاں جگہ ہوئی، وہاں بیٹھ جاتا تھا، جب مولانا اسرارالحق صاحب جمعیۃ علماء سے مستعفی ہورہے تھے اور مولانا اسجد مدنی صاحب آئے تو میں نے ایک خط حضرت مولانا کو لکھا، اس خط میں جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے وقت سے اب تک کے حالات کا خلاصہ تھا اور زور اس پر دیا گیا تھا کہ جمعیۃ علماء ہند تمام مسلمانوں کی نمائندہ تھی اور اب صرف اپنی جماعت بن کر رہ گئی ہے، وہ سنتے گئے اور کہا کہ پڑھیے، میں نے کہا کہ میں نے خود لکھا ہے، آپ پڑھیں تو فرمایا کہ نہیں آپ پڑھیے، میں سنتا ہوں، وہ سنتے گئے اور ٹھیک ٹھیک کہتے گئے، پورا خط سن کر ایک چپراسی سے کہا (جو وہاں موجود تھا) کہ ارشد کو بلا کر لاؤ، جو دوسرے کمرے میں تشریف رکھتے تھے، حضرت مولانا ارشد مدنی تشریف لائے، ان کو خط دیا اور فرمایا کہ پڑھو، یہ خط صدیقی صاحب نے مجھے لکھا ہے، انھوں نے بھی پڑھا اور خاموش رہے، انھوں نے بھی کسی ناراضگی کا اظہار مجھ سے نہیں کیا، یہ ان کی وسعت قلبی کی دلیل تھی۔

مجھے ان سے جب بھی کوئی بات کہنی ہوتی اور شبہ ہوتا کہ ان کو ناگواری ہوگی تو ان سے تنہائی میں ہی کہتا اور میٹنگ میں ایجنڈا کے مطابق کوئی بات کہنی ہوتی تھی تو میں خاموش رہتا، وہ ایسے موقع پر فرمایا کرتے تھے کہ صدیقی صاحب نے اپنی رائے دی ہی نہیں اور میری طرف دیکھ کر فرماتے تھے: کہیے آپ کی کیا رائے ہے؟ اس وقت میں رائے دیا کرتا تھا جس کے شاہد مجلسِ عاملہ کے ارکان ہیں۔

میں نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ آپ میری نماز جنازہ پڑھائیں، تسلیم کرلیا تھا، اب یہ میری بدنصیبی ہے کہ وہ جنت تشریف لے گئے اور میں دنیا میں بیٹھا ہوں۔ اس سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ دہلی ہی میں عرصے تک بیمار رہے اور ان کی عیادت نہ کرسکا، کیونکہ میں خود ان سے پہلے بیمار ہوگیا تھا اور دماغ کے دو آپریشن ہونے کے باعث حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں تھا اور اب تک چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں۔

جنوری ۲۰۰۵ء میں میں گر گیا تھا، چوٹ دماغ میں لگی اور خون ایک جگہ کچھ جمع ہوگیا، مجھے تو معلوم بھی نہیں کہ کہاں گرا تھا اور چوٹ کہاں لگی تھی، اس کے باعث میں بے ہوش ہوگیا اور میرے گھر والوں نے ڈاکٹر ماتھور کو جو 'ہولی فیملی ہسپتال' کے سینئر موسٹ ڈاکٹر ہیں، ان کو دکھایا، انھوں نے فوراً ایک دماغی ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا، جنھوں نے فوری دماغ آپریشن تجویز کیا، حالانکہ ڈاکٹروں کی رائے یہ تھی کہ اس آپریشن کے بعد میرا دماغ بالکل بے کار ہوسکتا ہے، یا مجھ پر فالج کا اثر ہوسکتا ہے، میری اہلیہ اور بڑی لڑکی نے جو یہاں میرے ساتھ ہیں، انھوں نے آپریشن کی

اجازت دے دی اور میرے دماغ کا آپریشن ہوا اور یہ اس لیے ہوا کہ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ یہ آپریشن نہیں ہوا تو تب بھی فالج کا اثر کسی بھی وقت ہوسکتا ہے، اس کے باعث آپریشن ہوا، اس وقت سے میں بہت سی باتیں بھول گیا ہوں، جو کچھ یاد آئیں، وہ لکھ نہیں سکتا تھا، اس لیے کہ ہاتھ صحیح کام نہیں کر رہے ہیں، تاہم جو کچھ یاد آیا، وہ مولانا ضیاء اللہ سہرساوی صاحب قاسمی سے لکھوا کر پیش کر رہا ہوں، یہ صرف چند باتیں ہیں جو یاد آئیں اور جس وقت یاد آئیں وہ لکھوادیں، یہ تاریخوں کے اعتبار سے سلسلے وار بھی نہیں ہیں۔

مجھے افسوس ہے اور میری بدنصیبی ہے کہ حضرت مولانا دہلی میں رہے اور سخت بیمار تھے، میں ان کی مزاج پرسی نہ کرسکا، یہیں دہلی میں اپولو اسپتال میں عرصۂ دراز تک رہے، حالانکہ میری ہر بیماری میں حضرت مولانا تکلیف فرماتے رہے اور مزاج پرسی کرتے رہے، میری موجودہ بیماریوں سے جو بیک وقت تھی کچھ عرصہ پہلے حضرت مولانا تشریف نہ لاسکے، میں نے شکایت ان تک پہنچائی، وہ بیچارے (اللہ ان کے درجات بلند کرے) تشریف لائے اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اب ٹیلی فون بھی نہیں کرسکتا، اس لیے کہ صاف سنائی بھی نہیں دیتا، اکثر ٹیلی فون کا آلہ دوسرے کو دے دیتا ہوں اور ان سے معلوم کرلیتا ہوں کہ مجھ سے کیا کہا جارہا ہے، میری بات بھی دوسرے سے پہنچوادیتے ہیں، آپ سے بے تکلفی کے باعث بات کرنا چاہتا تھا، مگر نہیں کرپاتا تھا، اس لیے خود حاضر ہوکر مزاج پرسی کے لیے آیا، اس کے چند روز کے بعد ہی میں بیمار ہوگیا اور حضرت مولانا بھی سخت علیل ہوگئے اور تین ماہ کی علالت کے دوران میں مزاج پرسی کے لیے حاضر نہ ہوسکا، یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، تب بھی ان کی شکل نہ دیکھ سکا، کیونکہ دماغی آپریشن کی وجہ سے میرے لیے جانا ممکن تھا۔

آخر میں دو باتیں اور عرض کردوں، ایک ایسے موقعے پر جب ان کی رائے سے اختلاف تھا، میں نے اپنی بات رکھی تو انھوں نے فرمایا کہ میں صرف یہ دیکھتا ہوں کہ اس معاملے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے یا نقصان؟ اور جس میں فائدہ دیکھتا ہوں، وہ کرلیتا ہوں، یہ سوچے بغیر کہ لوگ میری تعریف کریں گے یا برائی اور میں حضرت مولانا کے متعلق جب کسی سے برائی سنتا تھا تو کہتا تھا اور آج بھی کہتا ہوں کہ اب دوسرا اسعد مدنی تو پیدا نہیں ہوگا، لیکن ان کے دنیا سے جانے کے بعد آپ ان کو یاد ضرور کریں گے، اس وقت سوچیے گا کہ ان کے متعلق آپ کی کیا رائے تھی اور میں نے کیا عرض کیا تھا۔

اور ایک بات یاد آئی، وہ یہ ہے کہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی جمعیۃ علماء ہند کے خاص

کارکنوں میں سے تھے اور حضرت مولانا سے خاص تعلق تھا، لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ جمعیۃ علماء سے الگ ہو گئے اور انھوں نے الگ جماعت قائم کرلی، مفتی صاحب بیمار ہو گئے تو میں نے حضرت مولانا سے یہ دریافت کیا کہ آپ مفتی صاحب کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے تھے یا نہیں تو انھوں نے انکار میں جواب دیا تو میں نے مشورہ دیا کہ آپ سے جو تعلق تھا اس کے اعتبار سے آپ کو ان کی مزاج پرسی کرنی چاہیے، سیاسی اختلافات کو ذاتی تعلقات سے علاحدہ رکھیں تو اچھا ہے، اس پر حضرت مولانا تشریف لے گئے تو مفتی صاحب نے بعد میں مجھ سے ذکر کیا کہ حضرت شیخ کے صاحبزادے بھی مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے تھے، وہ اس پر خوش ہوئے، کیونکہ وہ اپنے والد حضرت شیخ الاسلامؒ کے نقشِ قدم پر ہر ایک کی مزاج پرسی کے لیے جایا کرتے تھے۔

ایک ایسا وقت آیا جب آسام سے مسلمانوں کو بنگلہ دیشی کہہ کر نکالا جا رہا تھا اور مسلمانوں سے مطالبہ ہوتا تھا کہ وہ ثابت کرے کہ وہ ہندوستانی ہے تو حضرت مولانا نے اس کے خلاف تحریک چلائی اور حکومت سے قانون بنوایا کہ حکومت پہلے ثابت کرے کہ وہ بنگلہ دیشی ہے، تب اسے ملک سے نکالا جائے، کیونکہ یہ مشکل ہے کہ ہر ایک مسلمان اپنے ہندوستانی ہونے کا سرٹیفکیٹ پیش کرے، اگر حکومت کے پاس ثبوت ہے کہ وہ بنگلہ دیشی ہے، تب اس کے متعلق کوئی کارروائی ہو۔

ایک مرتبہ حضرت دفتر میں کھانا کھا رہے تھے اور ہمالیہ کمپنی والے ڈاکٹر سیّد فاروق صاحب نے کھانے وقت ایک مخصوص آئیٹم حضرت کے لیے منگوایا تھا اور چند قریبی حضرات دسترخوان پر حضرت مولانا کے ساتھ تھے، اتفاق سے میں بھی پہنچ گیا تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ فاروق صاحب آپ نے صدیقی صاحب کو نہیں بلایا، یہ کھانا ان کو بھی بہت مرغوب ہے، تب انھوں نے مجھے کھانے پر مدعو کیا اور اس طرح حضرت کے ساتھ کئی مرتبہ کھانے کا شرف حاصل ہوا، یہ ان کی ذرّہ نوازی تھی۔

بیماری سے کچھ عرصہ پہلے ایک واقعہ اور پیش آیا، جس میں میں نے حضرت مولانا سے اختلاف رائے کیا تھا، اب کچھ دنوں سے یہ ہو گیا تھا کہ میں حضرت سے ملنا چاہتا ہوں تو مجھے یہ جواب ملتا تھا کہ وہ سو رہے ہیں یا مصروف ہیں، اگر کوئی خاص بات کہنی ہوتی تو خود حاضر ہونے کا ارادہ کرتا اور ان کے کمرے پر جا کر آواز دیتا تو مجھے مولانا بلا لیا کرتے، ایک موقع پر میں نے ایسا کیا تو میں نے دیکھا کہ دفتر کے ایک صاحب کھلا ہوا اُسترا لے کر بال تراش رہے ہیں تو میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس دوران کوئی بات کہی جائے، کیونکہ اگر ان کا ہاتھ ہل گیا تو حضرت زخمی ہو سکتے ہیں، اس لیے بات کیے بغیر ہی واپس آ گیا۔

۲۳؍مارچ ۲۰۰۷ء کومولانا ضیاء اللہ قاسمی سہرساوی صاحب مخدومی حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق آخری حصّہ میری تحریر کو لکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں، میں خود تو کچھ نہیں لکھ سکتا لیکن اب طبیعت بحال ہے اوران سے بہتر طور پر لکھوا سکتے ہیں۔

حضرت مولانا کی زندگی ملک وملت کی خدمات میں گزری، جس میں حضرت مولانا نے اپنی ذات کا کبھی بھی خیال نہیں کیا، ایک مرتبہ انھوں فرمایا تھا کہ میں جوملک وملّت کے لیے بہتر سمجھتا ہوں، وہ کرتا ہوں، اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ مجھے کیا کہا جائے گا، اس کو پسند کیا جائے گا یا نہیں، میری تعریف ہوگی یا لوگ بُرا کہیں گے، ان کے خلوص کے تذکرہ میں پہلے کرچکا ہوں کہ حضرت مجاہدِ ملّت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ایک نئے کام کا حضرت مولانا سے ذکر کیا، وہ کام مجھ سے کرانا چاہتے تھے، اس کے متعلق یوں فرمادیتے کہ میرا ارادہ اس کام کو کرنے کا ہے تو کوئی اس کی تردید کرنے والا نہیں تھا، لیکن انھوں نے جس طرح ان سے بات ہوئی تھی، اسی طرح حضرت مجاہدِ ملت کے حوالے سے بات کہہ دی اور وہ کام انھی کے نام سے ہوا اور ہو رہا ہے، اس میں میرے ساتھ مظہر بیگ نے بہت مدد کی ہے، اور جو کچھ ہوا ہے اس سے زیادہ کے لیے مناسب کوئی شخص نہیں مل سکا، اس لیے زیادہ نہ ہوسکا، تاہم اتنا بھی کسی نے اگر کیا تو جمعیۃ علماء کا کام دیکھ کر ہی کیا۔

حضرت مولانا موصوف نے اوقاف کے سلسلے میں بہت کچھ کیا ہے اور کوئی مرتبہ گورنمنٹ سے قانون بنوایا، اب آخری قانون بھی حضرت مولانا کی سعی سے پاس ہوا ہے، حالانکہ اوقاف کے نام سے بہت سے حضرات نے دعوے کیے ہیں، لیکن عمل صرف حضرت مولانا کا ہے۔

جمعیۃ کا ایک شعبہ جس کی طرف مکمل توجہ حضرت مولانا کے علاوہ دوسرے عہدیداروں کی کم رہی ہے، وہ حضرت مولانا سیّد محمد میاںؒ کے تیار کردہ دینی تعلیم کے رسالوں کا سیٹ ہے کہ جس سے کروڑوں لوگ مسلمان بن کر ہندوستان میں رہ رہے ہیں۔ ان رسائل کی تعلیم اور ان کے ذریعہ سے صحیح عقائد کی تربیت ہو رہی ہے، اس طرف حضرت مولانا کی خاص توجہ رہی ہے۔

ہندوستان میں فسادات ہمیشہ ہوتے رہے ہیں، لیکن جو یک طرفہ مظالم گجرات میں ہوئے اور مسلمانوں کو کھل کر غیر ملکی کہہ کر ملک سے نکالنے کی سعی کی گئی، یا ماردیے گئے، ان مقامات پر جمعیۃ علماء نے مسلمانوں کو بسایا، یہ حضرت مولانا کی توجہ کے باعث ہی ممکن ہوسکا، جس میں سینکڑوں کالونیاں بنیں اور یتیموں اور بیواؤں کو خاص طور سے بسانے کا اور مستقل رہنے کا بدوبست ہوسکا۔

ہمارے جمعیۃ علماء کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا محمود مدنی صاحب نے نئی اسکیمیں

مسلمانوں کی سہولت کے لیے جاری کیں، ان کو بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت کے باعث کامیابی ملی۔ اس طرح مسلمانوں کی پہنچ ہندوستان میں ہر شعبہ میں ہوئی، یہاں تک کہ جنرل شاہ نواز خان عدالت کے ذریعہ مختلف الزامات سے بری ہوئے تو ان کو آگے بڑھا کر مسلمانوں کے مطالبات پورا کرانے کے لیے 'ملک وملت بچاؤ تحریک' جاری کیں اور اس کے نتیجہ میں حکومت سے بیس مطالبات کی منظوری حاصل کی جو بعد میں پندرہ نکات مسز گاندھی کے نام سے مصروف ہوئی، انھی پندرہ نکات کے باعث موجودہ حکومت نے بھی پندرہ نکات کا اعلان کیا، اگرچہ اس پر عمل نہ مسز گاندھی نے کیا اور نہ ہی موجودہ حکومت کے ذریعے ہوا، لیکن اس کا منظور ہوجانا ہی بہت بڑی بات ہے، حضرت مولانا کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

آزادی کے بعد سے مسلسل ممبر پارلیامنٹ رہنے والے جمعیۃ سے منسلک پہلے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رہے، اس کے بعد حضرت مولانا موصوف ممبر رہے، درمیان میں کچھ عرصے کے لیے مولانا سیّد احمد ہاشمی ممبر رہے اور اب موجودہ جنرل سکریٹری مولانا سیّد محمود مدنی صاحب ممبر ہیں، بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے تھے کہ جمعیۃ علماء کا عہدیدار جمعیۃ کے سکریٹری یا صدر پارلیامنٹ کے ممبر بن کر کیا خدمات انجام دیے۔ میں نے جمعیۃ کے ارکان کو اپنی رائے دی کہ ان بزرگوں یعنی حضرت مولانا حفظ الرحمٰن وحضرت مولانا موصوف کی تقریر شائع کر کے لوگوں کو بتایا جائے کہ ان بزرگوں نے پارلیامنٹ جا کر مسلمانوں کے مطالبات کس زور انداز میں پیش کیے ہیں، چنانچہ شفیق صاحب نے ان تقریروں کو حاصل کیا اور مولوی عبدالحمید نعمانی صاحب نے ترتیب دیا، یہ تقریر صدائے حق کے نام سے جمعیۃ علماء نے شائع کی ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوجائے گا کہ جمعیۃ علماء کے عہدیدار صرف سیٹ حاصل کرنے کے لیے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے فائدے کے لیے ممبر بنے ہیں۔ اس کے باوجود بہت سے لوگ ان پر اعتراضات کیا کرتے ہیں اور میں ان سے کہا کرتا ہوں اور آج بھی عرض کروں گا کہ اسعد مدنی کو جو اللہ نے پیدا کیا تھا، اب وہ دوسرا اسعد مدنی نہیں پیدا ہوگا۔

○○

خراجِ عقیدت

□ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا سیّد اسعد مدنی — روایاتِ سلف کے امین

حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی سے میری پہلی با قاعدہ ملاقات اوائل شوال ۱۳۸۲ھ میں ہوئی تھی، یہ میرے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کا پہلا سال تھا۔ ہوا یوں کہ بنارس اور مئو ناتھ بھنجن میں تعلیم کے چار سال گذارنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کی تمنّا لے کر جب دیوبند حاضری ہوئی تو ہمارا قیام بجائے طلبہ کی عارضی اقامت گاہ کے مدنی منزل دیوبند میں ہوا۔ مولانا حسین احمد صاحب بنارسی مرحوم کا دیوبند میں آخری سال تھا، انھیں کی سربراہی میں بنارسی طلبہ کا تین نفری قافلہ مدنی منزل میں فروکش ہوا۔ اس نوازش کی وجہ غالبًا یہ تھی کہ اس قافلہ میں رفیق محترم مولانا عبدالمتین صاحب بنارسی بھی شریک تھے، ان کے والد گرامی جناب مولانا عبدالجبار صاحب مرحوم (مدنی منزل ریوڑی تالاب بنارس) حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے جاں نثار متوسلین بلکہ عاشقوں میں تھے، حضرت مدنی کی وفات کے بعد بھی مدنی گھرانہ سے حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اور ان کے خانوادہ کے تعلقات اسی بلندی پر قائم رہے جس سطح پر حضرت کی حیات میں تھے، اور وہ تعلق آج بھی اسی طرح قائم دائم ہے، اسی تعلق کی برکت سے اس نالائق کو بھی مدنی منزل دیوبند میں قیام کی سعادت حاصل ہوئی، ورنہ اس نالائق کا شمار کہیں بھی نہیں تھا۔ داخلہ کی ابتدائی کارروائی شروع ہوگئی، ابھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کو صرف پانچ سال ہوئے تھے، مدنی منزل کا ماحول اسی قدیم رنگ میں رنگا ہوا تھا، مہمانوں کے لیے کھجور کی چھال سے بھرا ہوا گدہ تکیہ، کمرے میں چٹائی کا فرش، چٹائی کا گول دسترخوان، تاڑ کے پتوں کا بڑا پنکھا، مہمان خانہ کے باہر صحن، اس کے بعد ایک کمرے میں حضرت مدنیؒ کے معتمد خصوصی حضرت قاری اصغر علی صاحب کا قیام اور اندر کے کمرے میں حضرت مولانا سیّد فخر الدین احمد صاحب کا قیام، مدنی منزل سے متصل دارالشفا کے ایک کمرے میں حضرت مدنیؒ کے جاں نثار خادم اور بچوں کی تعلیم کے نگراں دامانی صاحب گھر کی ضروریات اور مہمانوں کی خدمت کے لیے جواں

سال خادم بھائی سلیم، سب کچھ جوں کا توں تھا، مولانا اسجد مدنی ابھی نوعمر صاحب زادے تھے، اور مولانا ارشد مدنی تعلیم کے آخری مراحل میں دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم تھے، ان کا قیام دارِ جدید میں برج شمالی کی بالائی منزل میں تھا۔

اور اس سارے نظام کے روحِ رواں حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی تھے۔ جو ابھی صاحبزادہ محترم کے محبوب لقب سے یاد کیے جاتے تھے، ایک طرف دارالعلوم کی تدریسی ذمہ داری دوسری طرف واردین وصادرین کی خبرگیری، حاجت روائی اور مہمان نوازی، ساتھ ہی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی سلسلہ کی نگہداشت اور دینی وسماجی خدمات میں حصّہ داری، ایک ہمہ دم مشغول ومتحرک اور فعال پیکر۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بڑوں سے جو کچھ سنا تھا اس کا پیکر حضرت مولانا اسعد مدنی کی شکل میں آنکھوں کے سامنے موجود تھا، دارالعلوم میں داخلہ کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد ہم لوگ احاطہ دفتر میں اپنی قیام گاہ میں آ گئے، لیکن مدنی منزل کے چندروزہ قیام میں حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی کی سحر انگیز شخصیت کا جو نقش دل پر بیٹھا وہ تادمِ آخر قائم رہا۔

پھر دیوبند کے چھ سالہ طالب علمانہ قیام کے دوران مدنی منزل کی آمد ورفت، مولانا کی مجالس میں حاضری اور ان کی قد آور شخصیت کے مختلف جواہر سے بہرہ یاب ہونے کے مواقع میسر آتے رہے۔

احاطہ دارالعلوم میں بھی مولانا کی شخصیت انتہائی محبوب تھی، جس اجتماع یا اجلاس میں مولانا کی شرکت ہوتی شرکاء کا ہجوم قابلِ دید ہوتا، اس دوران مختلف واقعات اور حادثات پیش آئے جن میں مولانا مرحوم کے عزم وہمّت، جوش و ولولہ اور دور بینی اور دُور اندیشی کے اعلیٰ نمونے دیکھنے کو ملے۔ لیکن ایک ہمّت شکن اور صبر آزما حادثہ کا نقش اب بھی دل پر تازہ ہے، اس موقعہ پر مولانا کے صبر وتحمل اور عزم وہمت کا اعتراف کرتے ہوئے صف اوّل کے اکابر کو دیکھا۔

حادثہ تھا حضرت مولانا کے خسر مولانا سیّد حمید الدین صاحب فیض آبادی اور مولانا اسعد صاحب کے صاحب زادے محمد کی شہادت کا، شعبان ۱۳۸۷ھ یا ۱۳۸۸ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کا اجلاس حسبِ معمول ہونے والا تھا، اجلاس میں شرکت کے لیے مولانا حمید الدین صاحب کلکتہ سے دہلی تشریف لائے، ان کے ہمراہ ان کی صاحبزادی (حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی کی اہلیہ) صاحبزادہ محمد اور ایک شیر خوار بچّہ غالباً محمود سلمہ اور ایک ماما بھی ساتھ تھے، ان سب کو دیوبند آنا تھا حضرت مولانا اسعد صاحب بھی ساتھ ہی آنے والے تھے، میرٹھ کے

حاجی عبدالعزیز صاحب گھڑی والوں نے پیشکش کی کہ میری گاڑی میرٹھ جانے والی ہے آپ لوگ اسی سے تشریف لے جائیں، سب حضرات گاڑی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے، تھوڑی دُور چلنے کے بعد مولانا اسعد صاحب نے گاڑی رُکوائی کہ گاڑی میں تنگی ہو رہی ہے، آپ لوگ چلیں میں ٹرین سے آجاتا ہوں، گاڑی روانہ ہوگئی دہلی اور دیوبند کے راستہ میں پتھروں سے لدے ہوئے ایک ٹرک کے نیچے جا گھسی، ڈرائیور اور مولانا حمید الدین صاحب موقع پر ہی شہید ہو گئے، محمد کو زبردست اندرونی چوٹ آئی، بقیہ تمام ہمراہی شدید زخمی ہوئے، مگر شیر خوار بچہ حیرت انگیز طور پر بالکل محفوظ رہا۔

حضرت مولانا کی اہلیہ نے بے ہوش ہونے سے پہلے قریب آکر رکنے والی گاڑی کے کسی مسافر سے اپنا تعارف کرایا کہ ہم لوگ مولانا اسعد صاحب مدنی کی فیملی کے لوگ ہیں، مولانا کو راستہ ہی میں حادثہ کی اطلاع ہوئی، اور حادثہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، دہلی اور دیوبند میں کہرام مچ گیا، حضرت مولانا جائے حادثہ پر پہنچے۔ تفصیلات تو بہت ہیں، اس موقعہ پر عرض یہ کرنا ہے کہ اس صبر آزما اور ہمت شکن حادثہ کے موقعہ پر مولانا نے جس تحمل، بردباری اور استقامت کا مظاہرہ فرمایا وہ انھیں کا حصہ تھا، محمد کو ہسپتال میں داخل کیا گیا، مولانا حمید الدین صاحب کی نعش دیوبند لاکر مدنی منزل میں رکھی گئی، چہرہ پچک کر پھیل گیا تھا، سینہ پر شدید زخم آیا تھا، چونکہ یہ ناکارہ حضرات اساتذۂ کرام کے ساتھ معاون کی حیثیت سے غسلِ میّت میں شریک تھا اس لیے بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے کمرہ میں غسل میت دیا گیا، مدنی منزل میں ایک ہجوم تھا، یہ حادثہ مولانا کے لیے زبردست قسم کا ذاتی حادثہ تھا، خسر شہید ہو چکے تھے، بچہ موت وحیات کی کشمکش میں ہسپتال میں داخل تھا، اہلیہ بھی شدید زخمی تھیں، اس وقت مؤقر ارکان شوریٰ، مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا ابو السعود صاحب بنگلوری، مولانا سعید احمد بزرگ ڈابھیل وغیرہ اور دارالعلوم کے درجہ علیا کے اساتذۂ کرام بھی دیوبند میں موجود تھے، اگلی صبح شوریٰ کا اجلاس ہونے والا تھا، اور مدنی منزل سب کا مرکز بنا ہوا تھا، اس غم کی گھڑی میں مولانا کے قلب ودماغ کی جو کیفیت ہوگی اس کا اندازہ حادثہ کی نوعیت سے لگایا جاسکتا ہے، لیکن مجال ہے جو چہرہ بشرہ سے کسی بھی بے صبری پریشانی یا شکایت کا اظہار ہوتا ہو، پوری تندی کے ساتھ انتظامات میں مشغول، سب کی خبر گیری میں مصروف اِدھر سے اُدھر اور اندر و باہر کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے، جو لوگ تسلی اور دلاسہ کے الفاظ کہتے مولانا خود ان کو تسلی دلاتے، اس موقع پر اس ناکارہ نے خود حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب

کی زبان سے یہ فقرے سنے کہ ''کمال ہے صاجبزادے کا، ان کے جیسا جگر کوئی کہاں سے لائے''
تیسرے دن صاجبزادے کا بھی ہسپتال میں انتقال ہوگیا، وہ بھائی احمد مدنی کے بعد ہندوستان میں
مولانا کے سب سے بڑے صاجبزادے تھے، صاجبزادے کے انتقال کے موقعہ پر بھی مولانا نے
اسی صبرواستقامت اور تسلیم ورضا کا مظاہرہ کیا، اور سب کو حیرت زدہ کردیا۔

علم دوستی اور غریب نوازی:

حضرت امیر الہند علیہ الرحمۃ کی زندگی میں علم دوستی اور غریب نوازی کا وصف بہت نمایاں
تھا، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے والے طلبہ میں جن غیر مستطیع طلبہ کا غیر امدادی داخلہ ہوتا ان
میں سے ایک بڑی تعداد ایسے طلبہ کی ہوتی تھی جو حضرت کے پاس درخواست لے کر حاضر ہوتے
اور ان کے حالات کی تحقیقات کے بعد حضرت مولانا کے حساب پر مطبخ سے ان کا کھانا جاری ہوجاتا،
حضرت مولانا جب دیوبند مقیم ہوئے اور عصر بعد کی عمومی مجلس میں حاضری کا موقع ملتا تو بارہا اس کا
مشاہدہ ہوا کہ کوئی مفلوک الحال مرد یا خاتون حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنی ضرورت
بیان کی اور ان کی حاجت روائی کا سامان کیا گیا۔

مدارس اسلامیہ کی سرپرستی:

حضرت مولانا ملک و بیرون ملک کے ہزاروں مدرسوں کے سرپرست تھے اور سینکڑوں
مدرسوں مسائل سے گہری دلچسپی رکھتے تھے، اہل مدارس اپنے مسائل اور حالات میں حضرت والا
کی خصوصی توجہات اور ہدایات سے بہرہ ور ہوتے تھے۔

۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۶ء کی درمیانی مدت میں تقریباً ۱۵ سال حضرت والا کے ساتھ راقم السطور کو
دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ میں شرکت کا موقعہ ملا، اس دوران ان مسائل کے
ساتھ حضرت کی خصوصی دلچسپی کا بار بار مشاہدہ ہوتا رہا، اساتذہ کی تنخواہوں اور گرانی الاؤنس میں
اضافہ کا مسئلہ ہو یا طلبہ کے خصوصی یا عمومی وظائف اور انعامات کا مسئلہ ہو حضرت کی رائے ہمیشہ
وسعت اور فراخی کی حامل ہوتی تھی۔

عزیمت و استقامت:

مولانا کی زندگی کا ایک انتہائی نمایاں وصف جس کا ہر موافق ومخالف کو اعتراف ہے یہ بھی تھا
کہ حضرت جس بات کو صحیح سمجھ لیتے تھے اس کے اظہار یا عمل درآمد میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی
تھی، حالات خواہ کتنے ہی ناموافق ہوں لیکن مولانا نے قوم وملت کے سلسلہ میں اپنی بصیرت سے
کوئی فیصلہ کرلیا تو اسے روبہ عمل لانے میں کسی کی تائید یا اختلاف کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اس کے

نمونے جماعت زندگی میں بار بار سامنے آئے ،جس کے نتیجہ میں وقتی طور پر زلزلے بھی آئے اور طوفان بھی اُٹھے، لیکن غبار چھٹنے کے بعد مطلع پھر صاف ہوگیا اور جماعتی زندگی کی گاڑی رواں دواں ہوگئی۔

حق گوئی و بے باکی:

جمعیۃ علماء ہند کی نظامِ عمومی اور صدارت کے طویل دور میں پارلیمنٹ کے اندر اور باہر، قومی اور سیاسی پلیٹ فارموں کے ذریعہ، عمومی اجتماعات میں اور قائدین کے روبرو پوری بے باکی اور جرأت کے ساتھ حق گوئی آپ کا شیوہ رہا۔

ایمرجنسی کے تاریک دور میں جبکہ حکومت وقت کے فیصلوں بلکہ اس کی منشا کے خلاف زبان سے ایک لفظ نکالنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، مولانا نے بڑی صفائی کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ میں حق بات کہنے میں اپنے مخاطب کی آنکھوں کا رنگ نہیں دیکھتا، خواہ اس میں محبت اور پسندیدگی کے جذبات ہوں خواہ غصّہ اور نفرت کی چنگاریاں، میں وہی کہوں گا جو حق ہوگا۔

حکمراں جماعت سے سیاسی وابستگی رکھنے کے باوجود آپ نے کبھی خوشامد کی پالیسی نہیں اپنائی، بلکہ آنکھ میں آنکھ ڈال بات کرنے کی طرح ڈالی۔

ہمّت و جرأت:

اس ناکارہ کے مشاہدہ میں ایسے کتنے واقعات آئے جہاں رفقاء کے ہاتھ پیر پھول گئے لیکن حضرت مولانا کی ہمّت و جرأت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ایک بار شدید سردی کے موسم میں نصف شب کے بعد بنارس سے مغل سرائے جاتے ہوئے ایک ویران مقام پر اچانک ٹیکسی رُک گئی، آگے پیچھے کوئی گاڑی نہیں تھی، اور نہ آس پاس آبادی کی کوئی علامت پائی جاتی تھی، استفسار پر ڈرائیور نے کہا کہ پٹرول ختم ہوگیا ہے، خدام کے ہاتھ پیر پھول گئے، اندیشہ ہوا کہ یہ حرکت کسی سازش کے تحت تو نہیں ہوئی ہے، لیکن مولانا کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا، بلند آواز سے فرمایا، میرا بریف کیس لاؤ، اور بریف کیس کھول کر اپنا لائسنسی ریوالور ہاتھ میں لیا، ڈرائیور تھر تھر کانپنے لگا، مولانا نے فرمایاہاں بھائی۔ سچی بات؟ کیا معاملہ ہے؟ اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا، صاحب صحیح کہہ رہا ہوں اچانک پٹرول ختم ہوگیا مجھے اندازہ نہیں تھا، مولانا نے فرمایا کہ اب کیا ہوگا، میری ٹرین کا وقت بھی قریب ہے، اس نے کہا کہ یہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک پٹرول پمپ ہے میں پٹرول لے کر آتا ہوں، وہ بھاگا ہوا گیا اور تقریباً آدھے گھنٹہ بعد ۵ لیٹر کا گیلن پٹرول سے بھرا ہوا لے کر آیا، گاڑی دوبارہ اسٹارٹ ہوئی، مولانا اس درمیان

چوکنّے تھے، لیکن احباب کو اِدھر اُدھر کی گفتگو میں بہلاتے رہے۔

مسلک حق کی پاسبانی:

اکابر سے عقیدت ومحبت ان کی روایات کی حفاظت، اور مسلک حق کے تحفظ کا جذبہ حضرت کی زندگی میں بہت نمایاں رہا، مسلک حق کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کا بر وقت ادراک اور ان کے تدارک کے لیے عملی جد وجہد میں مولانا نے ہمیشہ قائدانہ کردار ادا کیا، دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اس سلسلہ میں آپ نے بر وقت کارروائی کرکے فتنوں کا زور توڑا اور ان کے سد باب کے لیے مستقل انتظامات فرمائے۔

اکابر کے علوم ومعارف کا احیاء اور ان کی نشر واشاعت کے لیے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند اکیڈمی کا قیام آپ ہی کی تحریک پر ہوا، فتنہ قادیانیت نے نئے سرے سے سر اٹھایا تو عالمی تحفظ ختم نبوت کانفرنس کے انعقاد اور مجلس تحفظ نبوت کی تشکیل میں آپ ہی کی فکرمندی اور جدوجہد سب سے زیادہ کارفرما ثابت ہوئی۔

عظمت صحابہ کی پاسداری اور تحفظ سنت کے لیے بھی آپ نے انتہائی فکرمندی کا مظاہر فرمایا، حتی کہ دارالعلوم دیوبند میں ان تمام موضوعات پر مستقل محاضرات کا سلسلہ شروع ہوا، اور بیشتر سے متعلق مستقل شعبہ جات قائم ہوئے۔ امیر الہند حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے یہ چند گوشے تھے جن پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بندہ کا احساس ہے کہ حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ نے قیادت وسیادت، وعظ وتذکیر، ارشاد وسلوک، دعوت وتبلیغ اور خدمت قوم وملّت کے سلسلہ میں جو بے مثال کارنامے انجام دیے ہیں ان اوصاف میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

وہ مضبوط قوت اداری، بے مثال قوت فیصلہ اور بے نظیر قوت عمل کے مالک تھے، خودداری، وضع داری، اصول پسندی، حق گوئی اور بے باکی کے پیکر تھے، ان کے ساتھ عقیدت ومحبت کا صحیح تقاضہ ہے کہ ان اوصاف حمیدہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

○○

□ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی
استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ 'دارالعلوم' دیو بند

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کی عظمت کے چند نقوش

حکایت از قد آں یار دل نواز کنیم
باایں فسان مگر عمر خود دراز کنیم

حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی عصر حاضر میں حضرات اکابر رحمہم اللہ کے کمالات ومحاسن کی ایک جیتی جاگتی جامع تصویر تھی، جوشِ عمل اور حسن کردار میں وہ اپنے عظیم باپ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کے پرتو کامل اور سچے سپوت تھے اسلامی غیرت اور انسانی ہمدردی ان کے قلب میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اس دور بے اماں میں ان کی شخصیت ایسے شجر سایہ دار کی سی تھی جس کے حیات افزا سایہ میں کسی فرق وامتیاز کے بغیر ہر انسان طمانینت وسکون کی راحت محسوس کرتا تھا۔

اوّلین ملاقات:

صحیفۂ ذہن میں بیتی یادوں کے اوراق پلٹنے پر خیال آتا ہے کہ حضرت مولانا سے میری سب سے پہلی ملاقات ۱۹۶۳ء میں دیو بند میں ہوئی تھی۔ میری طالب علمی کا یہی وہ سال ہے جس میں میں نے دارالعلوم دیو بند آکر دورۂ حدیث میں داخلہ لیا تھا۔ ایک دن ہمارے رفیق درس مولانا نوشاد احمد اعظمی نے (جو دارالعلوم دیو بند کے قدیم طالب علم تھے) اطلاع دی کہ حضرت مولانا ایک طویل سفر کے بعد دیو بند تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ انھیں کی معیت میں ہم چار پانچ ساتھی بعد نماز عصر حضرت کے دولت کدہ مدنی منزل بغرض ملاقات پہنچ گئے اور حضرت مولانا سے سلام ومصافحہ کے بعد ایک کنارے ہم سب بیٹھ گئے تھوڑی ہی دیر کے بعد سبز چائے آگئی، حاضرین مجلس جن کی تعداد پچاس سے کم نہیں تھی چائے پینے میں لگ گئے اسی دوران کسی نے بعض مسلم عمائدین کے متعلق (جو جمعیۃ علماء ہند سے اتفاق نہیں رکھتے تھے) کچھ شکایت آمیز سوال حضرت مولانا سے کر دیا۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت مولانا جو بڑی بشاشت کے ساتھ باتیں کر رہے تھے یکا یک بالکل سنجیدہ ہوگئے۔ پھر

ذرا سے توقف کے بعد کچھ تیز لہجہ میں فرمایا ہمیں اپنے طرزِ فکر میں تبدیلی لانی چاہیے، بعدازاں ایسی قیمتی بات بیان فرمائی جو فکر ونظر کے زاویہ کو اعتدال پر رکھنے کے لیے ایک اصول کا درجہ رکھتی ہے حضرت مولانا کے الفاظ تو اب ذہن میں نہیں رہے البتہ اس کا مفہوم آج بھی پوری طرح محفوظ ہے جسے اپنے الفاظ میں بیان کررہا ہوں ۔فرمایا ایک سماجی کارکن جو قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم عمل ہے اور نہ جانے کتنے ایسے کام کام انجام دے رہا ہے جس سے عام لوگوں کو دوررس فوائد حاصل ہورہے ہیں اب اگر اس سے دانستہ یا نادانستہ کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو عقل وانصاف کا تقاضا ہے کہ اس کے اچھے اور مفید کاموں کے پیش نظر اس کی غلطی سے چشم پوشی کی جائے ،لیکن آج ہماری حال یہ ہے کہ ہم ان ساری اچھائیوں کو نظر انداز کر کے اس ایک غلطی کی بنیاد پر اس کی کردارکشی تک سے گریز نہیں کرتے ہمارے اس رویہ سے کام کرنے والوں کی ہمّت شکنی ہوتی ہے اس صورتِ حال میں آخر قوم وملّت کے فلاحی واجتماعی کاموں کی ہمّت کون کرے گا یہ ایک منفی اندازِ فکر ہے جس میں تبدیلی لانی ضروری ہے ۔قوم وملت کے ہر خدمت گار کی چاہے فکری طور پر ہم اس سے متفق نہ بھی ہوں ہمّت افزائی کرنی چاہیے اور اس کے اچھے کاموں کی فراخ دلی کے ساتھ تحسین وستائش کی جانی چاہیے۔

اس اوّلین ملاقات کا یہ نقش اوّلین دل و دماغ پر کچھ اس طرح سے ثبت ہوا کہ اس کی حلاوت وطراوٹ آج بھی محسوس ہورہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ میں مجلس سے اُٹھا تو اس احساس کے ساتھ اٹھا تھا کہ یہ صرف بڑے باپ کے بیٹے ہی نہیں ہیں بلکہ دستِ قدرت نے انھیں خود بھی بڑا بنایا ہے۔

شرافت وبلندی کا ایک معیار:

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے اپنی مفید ترین اور اپنے موضوع پر منفرد و تصنیف ''**جامع بیان العلم و فضله**'' میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ پر بعض محدثین کے بیجا نقد کا ذکر کرنے کے بعد ایک عجیب حکیمانہ بات بیان کی ہے۔لکھتے ہیں:

''**وكان يقال: يُستدل على نباهة الرجل من الماضين بتبايُن الناس فيه، قالوا: الاترى الى على ابن ابى طالب رضى الله عنه انه هلك فيه فئتان محب افرط، ومبغض فرّط، وهذه صفة اهل النباهة.**'' (ج۲،ص۱۰۸۴،فقرہ۲۱۱۴)

گذشتہ لوگوں میں سے کسی کے باکمال اور بلند مرتبہ ہونے کی یہ دلیل سمجھی جاتی تھی کہ لوگ اس کی موافقت ومخالفت میں باہم ایک دوسرے سے دور ہوجائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مثال

سامنے ہے کہ ان کے بارے میں دو جماعتیں راہِ حق کو چھوڑ بیٹھیں ایک (شیعہ) جنھوں نے ان کی محبت میں بیجا غلو کیا اور دوسری (خوارج) جو ان سے ناحق بغض رکھتے ہیں۔ بڑوں کی شان یہی ہے۔

اس حرف بہ حرف درست تاریخی معیار کو سامنے رکھ کر حضرت مولانا کی زندگی پر نظر ڈالیے، ایک طرف ان کے محبین اور چاہنے والوں کا سوادِ اعظم ہے جو ان کی ایک آواز پر ملک کے گوشے گوشے سے سمٹ کر لاکھوں کی تعداد میں ان کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف ان کے معاندین ومخالفین کا گروہ ہے جسے ان کے کردار وعمل ہی نہیں بلکہ ان کے قلبی ارادوں اور نیتوں پر بھی حملہ کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جبکہ ارادہ ونیت ایک ایسا مخفی امر ہے جو مخلوق کی علمی دسترس سے قطعاً ماوراء ہے۔ یہ سچا معیار ہمیں بتا رہا ہے کہ حضرت مولانا شرافت ونباہت کے اس بلند مقام پر فائز تھے۔ جس پر خال خال شخصیتیں ہیں نظر آتی ہیں۔

میدانِ عمل کے چند نقوش:

حضرت کی زندگی جہد وعمل سے عبارت تھی ان کا جذبہ خدمت انھیں سیماب کی طرح لیے پھرتا تھا اس راہ کی تمام مشکلیں ان کے لیے سہل ہو گئی تھیں ملک کا وہ کونسا گوشہ ہے جہاں فدائے ملّت غمزدوں کی غمگساری یا صدائے حق بلند کرنے کے لیے نہ پہنچے ہوں۔ ان کے اس جوشِ عمل اور بے مثال سفرِ مسلسل پر ''پیامِ مشرق دہلی'' نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ریلوے لائنیں شاید مولانا اسعد مدنی ہی کے لیے بچھائی گئی ہیں' غرضیکہ انھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے جہد وعمل کے ایسے تابناک نقوش چھوڑے ہیں جن سے آنے والی نسلیں روشنی حاصل کرتی رہیں گی، اس جہت سے بھی حضرت مولانا کا قد اپنے ہم عصروں میں بہت بلند تھا۔''

ظاہر ہے کہ اس مختصر مقالہ کے صفحات میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ ان کی ہمہ جہت خدمات اور کارناموں پر تفصیل سے گفتگو کی جائے اس لیے اس موقع پر حضرت مولانا کے میدانِ عمل سے متعلق چند عنوانات نقل کیے جا رہے ہیں جن سے ان کی خدمات کے وسیع دائرے کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تبلیغِ دین، بیعت وارشاد، اسلامی علوم وآثار کی صیانت، تحفظ شریعت، اصلاح معاشرہ، ملت کی شیرازہ بندی، مدارس ومکاتب کے احیاء کی جدوجہد، یورپ وافریقہ وغیرہ میں دینی مکاتب کی داغ بیل، ملک کے جمہوری نظام کا تحفظ، متحدہ قومیت کا فروغ، قانون وانصاف کی بالادستی، آزاد ہند میں اقلیتوں کے حقوق کی پاسبانی مسلم ودلت اتحاد کی کوشش، عالم اسلام سے روابط اور ان

کے استحکام میں تعاون وغیرہ۔

بلاشبہ ان عنوانات میں سے ہر عنوان بجائے خود ایک دفتر کا طالب ہے، جس کے سیمینار کے مقالات متحمل نہیں ہوسکتے ہیں جبکہ خدمات کے ان گوشوں پر تفصیل کے ساتھ بحث وتحقیق کی ضرورت ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ارباب حل وعقد کو اس کی جانب بطور خاص توجہ کرنی چاہیے۔ کیا اچھا ہوتا کہ اس کام کے لیے کسی باصلاحیت، مستعد صاحب قلم کی مستقل طور پر خدمات حاصل کی جائیں جو یکسوئی کے ساتھ اس بکھرے مواد کو سلیقے سے جمع کر دے۔ تاخیر کی صورت میں اندیشہ ہے کہ بہت سی ضروری باتیں گردش لیل ونہار کی نذر ہوجائیں گی جو ایک قومی وتاریخی خسارہ ہوگا۔

مدارس و مکاتب کی ترقی میں حضرت کا حصّہ:

حضرت مولانا کی دینی وقومی خدمات کی اس طویل فہرست میں مدارس ومکاتب کے اجراء و ترقی کے سلسلے میں حضرت مولانا کی مساعی جمیل کی مختصری سی تفصیل پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔

سقوط دہلی ۱۸۵۷ء کے بعد حضرات اکابر رحمہم اللہ کی یہ متفقہ رائے طے پائی کہ موجودہ ہندوستان میں اسلامی علوم وثقافت اور دینی عقائد اور احکام واخلاق کا وہ تسلسل جو ملتِ اسلامیہ ہند کو اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملا ہے اس کی بقاء اور اگلی نسلوں تک اس کی ترسیل ظاہری اسباب کے درجہ میں دینی مدارس ومکاتب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس اتفاقی نقطۂ نظر کے تحت سقوط دہلی کے ۹ سال بعد ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ- مئی ۱۸۶۶ء کو جب دیوبند میں مدرسہ عربیہ کا قائم کرنا بھی تجویز کیا گیا تھا، دارالعلوم دیوبند کے ''دستور اساسی'' میں اس کی صراحت دیکھی جاسکتی ہے، چنانچہ اس تجویز کو روبعمل لاتے ہوئے تھوڑے عرصہ ہی میں سہارنپور، گلاوٹھی ضلع بلندشہر، مرادآباد، خورجہ، اٹاوہ وغیرہا اضلاح میں دارالعلوم دیوبند کے نہج پر مدارس جاری ہوگئے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے عہد میں آزادیٔ ملک کی تحریک میں ہمہ جہتی مصروفیت کی بناء پر اگرچہ اجراء مدارس جاری ہوگئے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے عہد میں آزادیٔ ملک کی تحریک میں ہمہ جہتی مصروفیت کی بناء پر اگرچہ اجراء مدارس کی تجویز پر خصوصی توجّہ نہیں دی جاسکی پھر بھی حضرت شیخ الہند کی منشاء کے مطابق ان کے تلامذہ نے غیر منقسم ہندوستان میں بہت سے مقامات میں جدید مدارس کی بنیاد رکھی اور اسے پروان چڑھایا۔

پھر ۱۹۴۷ء میں جب وطن عزیز کو سامراج کے دستِ استبداد سے آزادی مل گئی تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ' نے اپنی تمام تر توجہ تبلیغ دین اور اشاعت علوم دینیہ کی جانب مبذول کردی جس کا اثر یہ ہوا کہ سارے برصغیر میں مدارس ومکاتب کی شکل میں اسلامی علوم وثقافت کے چراغ

در چراغ روشن ہو گئے۔

حضرت فدائے ملّت چونکہ حضرات اکابر رحمہم اللہ کے افکار وروایات کے معتبر امین اور ان کے سچے وفادار تھے اور اپنے آپ کو حضرات اکابر کے افکار وآثار کی پاسداری کے لیے وقف کر رکھا تھا اس لیے انھوں نے دارالعلوم دیوبند کی تحریک اجراء مدارس کو بڑی اہمیت دی، ملک کے بے شمار مدارس ان کی سرپرستی میں چلتے تھے، ہر طرح کی تکلیف ومشقت برداشت کر کے مدارس کے جلسوں میں تشریف لے جاتے اہل خیر کو ان کی امداد واعانت کی جانب متوجہ کرتے، بوقت ضرورت مدارس کے حق میں اپیلیں شائع کراتے، جن علاقوں میں دینی مدارس نہیں ہوتے وہاں کے لوگوں کو مدرسہ قائم کرنے کی ترغیب دیتے اور اجراء مدرسہ میں ان کی ہر طرح سے مدد کرتے، خود جمعیۃ علماء ہند کے تحت راجستھان، ہاتھرس ضلع ضلع علی گڈھ وغیرہا پس ماندہ علاقوں میں مکاتب کا مضبوط نظام قائم کیا جس کے مصارف جمعیۃ علماء ہند برداشت کرتی ہے۔ مدارس کو داخلی وخارجی مشکلات اور فتنوں سے محفوظ رکھنے کی ہر امکانی کوشش فرماتے تھے۔

مدارس کی بقاء وترقی اور جدید مدارس کے قیام واجراء کے سلسلہ میں ان ہمہ گیر کوششوں کے علاوہ ام المدارس دارالعلوم دیوبند کی حضرت مولانا نے جس طرح بے لوث خدمت کی ہے کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے فرزندوں میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

دارالعلوم کا وہ قضیہ جو اجلاس صدسالہ کے معاً بعد مجلس شوریٰ اور انتظامیہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہو جانے سے رونما ہوا تھا جس نے آگے چل کر ایسی خوفناک صورت اختیار کر لی تھی جس سے بظاہر دارالعلوم دیوبند کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ اس قضیہ نامرضیہ کی جزوی تفصیلات اپنے اندر کوئی مفید پہلو نہیں رکھتیں اس لیے دانستہ ان کے ذکر وبیان سے گریز کیا جا رہا ہے۔ اس زمانہ میں بعض باتیں جو فریقین کی جانب سے ایک دوسرے کے حق میں پیش آئیں وہ درحقیقت بوادر اختلاف اور وقتی تأثر پر مبنی تھیں جن سے ایسے حالات میں محفوظ رہنا انسانی طبائع کے لیے نہایت دشوار ہے **الا من عصمہ اللہ** اس لیے انھیں لائق اعتناء باور کرنا یا کرانا فن اسماء الرجال کے متفقہ اصول کے خلاف ہے، ہر دور کے علماء اسلام نے بحالت غضب اور باہمی اختلاف کی بنیاد پر کہی جانے والی باتوں کو لائق اعتبار نہیں سمجھا ہے۔ اس علمی ضابطہ کے پیش نظر اس موقع پر ہم اپنی اس رائے کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جماعتِ دیوبند کے متفقہ بزرگ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت سے دیوبند میں جو سیمینار چند ماہ پہلے ہوا تھا، اس میں ''حضرت حکیم الاسلام ایک مظلوم

شخصیت‘‘ نامی ایک کتاب کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی۔ جس میں دارالعلوم سے متعلق شخصیات پر ناروا حملے کیے گئے ہیں۔ یہ رویہ نہ صرف علمی وقار اور سنجیدگی کے خلاف ہے بلکہ باہمی اتفاق واتحاد کی موجودہ فضا میں (جس کو سیمینار میں موجود حاضرین نے خود محسوس کیا ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف سیمینار کے معزز مہمانوں کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور اپنے دروازے ان کی راحت رسانی کے لیے کھول دیے بلکہ ان کے اعزاز میں عشائیہ کا بھی نظم کیا) ایک سوئے ہوئے فتنہ کو پھر سے جگانے کی مذموم جسارت ہے، جس پر اظہار افسوس کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

اس قضیہ نامرضیہ سے بہت پہلے دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں ایک اختلاف وخلفشار اور بھی واقع ہو چکا ہے جو ۱۳۴۴ھ سے شروع ہوا تھا اور تقریباً ۱۳۴۷ھ تک باقی رہا جس کی بناء پر حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سراج احمد میرٹھی رحمہم اللہ وغیرہ جیسے جبال علم وفضل کو دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو جانا پڑا تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس اختلاف کے آٹھ سال بعد جب دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ بحیثیت صدر مہتمم کے تشریف لائے تو ایک اجتماع میں اس اختلاف وانتشار کی نہایت دل آویز اور بلیغ توجیہ بیان کی تھی، جو سننے کے لائق ہے۔

فرماتے ہیں کہ ’’جس طرح ایک خاص موسم میں سمندر میں جوش وخروش اور ہیجان وتلاطم پیدا ہونے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ سمندر کے بخارات بادل کی شکل اختیار کر کے اسی وقت زمین کی شادابی اور سرسبزی کا سبب بنتے ہیں جبکہ زمین اپنی خشکی اور تشنگی کے سبب پانی کی سخت محتاج ہوتی ہے لیکن جب سمندر میں گرمی پیدا ہو کر تموج اور تلاطم پیدا ہوتا ہے تو کچھ جزوی نقصانات بھی ہو جاتے ہیں جس سے بسا اوقات سمندر میں چلنے والے جہاز تک خطرے میں پڑ جاتے ہیں مگر جن لوگوں کی نظر حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس نقصان میں بھی کوئی نفع کلی ضرور ہے گو سمندر کا یہ تلاطم اور جوش کچھ لوگوں کو اضطراب وہلاکت میں ڈالنے والا ہوتا ہے مگر اسی سے مخلوق کے لیے زندگی کا کوئی عظیم الشان فائدہ اور سامان بھی مشیت الٰہی کے پیش نظر ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح دارالعلوم کے علمی سمندر میں بھی ایک طوفان جوش اور تلاطم اُٹھا اور اس کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں اس تموج وتلاطم سے کچھ نقصان بھی پہنچے مگر یہاں سے بخارات کے جو بادل اُٹھے وہ ابر رحمت بن کر گجرات کی اس دور افتادہ سرزمین پر جا کر برسے جو علم اور رسول اللہ کی سنت سے بالکل محروم اور بے بہرہ تھی، علماء دیوبند کے وہاں پہنچ جانے سے ڈابھیل میں جو عظیم الشان مدرسہ عالم وجود میں آیا اس کے علمی فیضان سے آج گجرات کا چپّہ چپّہ سیراب

ہور ہا ہے اور گجرات کا بدعت کدہ بحمد اللہ آج قرآن وسنت کی روشنی سے منوّر ہے:

”حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ ہے انجام دار العلوم کے علمی سمندر کے اس جوش وتموج کا جس نے دار العلوم کی فضا میں تین چار سال مسلسل طوفان اور تلاطم برپا کر رکھا تھا۔“ (تاریخ دار العلوم دیوبند، ج ا،ص ۲۷۲-۲۷۳)

دار العلوم کے اس ماضی قریب کے انتشار واختلاف کا حال بھی بعینہٖ یہی ہے بس فرق ہے تو صرف یہ کہ اس وقت کے جوش وتلاطم سے اُٹھی موجیں دور گجرات میں جا کر برسیں اور اس بار دار العلوم کے علمی سمندر میں جو طوفان برپا ہوا اور اس سے بخارات کا جو بادل اُٹھا وہ ابرِ رحمت بن کر خود دار العلوم ہی پر برسا جس سے اس کے گلستان علم وفن میں بہار تازہ آ گئی جس کی قدرے تفصیل آئندہ سطور میں آ رہی ہے۔

اس ضروری تمہید کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹ رہے ہیں یہ اختلاف جب مزید آگے بڑھا تو دار العلوم دیوبند کے مؤقر اساتذہ کی ایک جماعت جس میں بعض ارکان شوریٰ بھی تھے ایک دن بعد نماز عصر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اب تک کے واقعات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد عرض کیا کہ دار العلوم دیوبند کے شورائی نظام (جس پر اکابر نے دار العلوم کی بنیاد رکھی تھی) کو بدستور پائیدار اور استوار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مجلس شوریٰ کے موقف کی تائید کی جائے۔

حضرت مولانا جو دار العلوم کو حضرات اکابر رحمہم اللہ کی عظیم امانت اور ملتِ اسلامیہ ہند کا دھڑکتا دل باور کرتے تھے، جس کے بام ودر آپ کے عظیم والد بزرگوار حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی علم وعرفان سے معمور صداؤں سے عرصۂ دراز تک گونجتے رہے، جس کی علم پرور فضاؤں میں خود حضرت مولانا کی علمی نشو ونما ہوئی تھی اور جس کی مسند تدریس پر بیٹھ کر خود آپ نے بارہ سال تک اسلامی علوم وفنون کا درس دیا تھا آج اسی دار العلوم کو آپ کی حمایت واعانت کی ضرورت تھی تو اس سعادت سے اپنے آپ کو کیونکر محروم رکھ سکتے تھے، چنانچہ ایک نیک بخت ولائق سپوت کی طرح اپنی مادر علمی کی اس آڑے وقت میں خدمت کے لیے کھڑے ہو گئے۔

یہاں یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ اس پورے واقعہ میں یہ راقم از ابتداء تا انتہاء حضرت مولانا کا ایک خادم اور معتمد ہونے کی حیثیت سے مصروف عمل رہا اس لیے جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ شنیدہ نہیں بلکہ دیدہ وآزمودہ ہے۔

دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور اس کے اکثر اساتذہ کے موقف کی تائید وحمایت میں

آپ کے آنے کے بعد دنیا نے یہ عجیب وغریب منظر دیکھا کہ مخالفتوں کی یورش کا رُخ ہرطرف سے سمٹ سمٹا کر حضرت مولانا کی جانب ہوگیا پھر بھی ہمالیائی عزم کے ساتھ اپنے موقف پر جمے رہے۔ آگے چل کر اس قضیہ میں ایک سنگین موڑ یہ آیا کہ یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء کو اچانک دارالعلوم کو بند کرنے کا اعلان ہوگیا اور سارے طلبہ کو دارالاقامہ سے باہر نکال دیا گیا۔ اس وقت دیوبند کے عام مسلمانوں نے انصار مدینہ کا کردار پیش کرتے ہوئے تقریباً بارہ سو طلبہ کو اپنا مہمان بنالیا۔ ان کی اس بے لوث میز بانی کا سلسلہ لگ بھگ ایک ماہ تک جاری رہا۔ چونکہ اس مدت میں طلبہ سارے قصبہ میں منتشر تھے تو ان کی تعلیم کا نظم کیونکر ہوسکتا تھا۔ اس لیے حضرات اساتذہ اور بعض دیگر اہم افراد کی یہ رائے طے پائی کہ طلبہ کے لیے ایک کیمپ قائم کردیا جائے جس کے تحت ان کے قیام و طعام اور تعلیم کا نظم ہو، چنانچہ اس تجویز کے مطابق ۲؍نومبر ۱۹۸۱ء کو یہ مجوزہ کیمپ قائم ہوگیا۔ اور طلبہ دارالعلوم کی تعلیمی سرگرمیاں بدستور جاری ہوگئیں۔

حضرت مولانا اس وقت دیوبند سے باہر سفر پر تھے، جب واپس دیوبند تشریف لائے تو ان کے سامنے کیمپ کے مصارف کا اہم ترین مسئلہ پیش کیا گیا، بارہ سو طلبہ ایک درجن سے زائد حضرات اساتذہ اور دیگر اہل کارجن پر یومیہ ۵-۶ ہزار کا صرفہ آتا تھا، نیز سردی بھی اپنے شباب پر تھی اس لیے لحاف وغیرہ کی بھی ضرورت تھی، حضرت نے ذمہ داروں کو اطمینان دلایا کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے اس مشکل کو بھی دور فرمادیں گے۔ چنانچہ خدائے کارساز نے یہ مشکل حل کردی کہ یہ سارے مصارف جس کا سلسلہ چار ماہ تک جاری رہا حضرت مولانا کی اولوالعزمیوں سے پورے ہوتے رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر اس وقت حضرت مولانا کا مالی تعاون دستگیری نہ کرتا تو ظاہری اسباب میں اس کیمپ کا جاری رکھنا ممکن نہیں تھا۔ بلاشبہ اسے حضرت مولانا کا ایک کارنامہ ہی کہا جائے گا کہ انھوں نے اپنی سعی مشکور سے دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی وتربیتی تسلسل کو منقطع ہونے سے بچالیا۔

پھر خدائے رحیم وکریم کے فضل وکرم سے امتحان وآزمائش کی یہ صبرآزما گھڑیاں ختم ہوئیں اور تقریباً پانچ ماہ کی مفارقت اور جدائی کے بعد ۲؍مارچ ۱۹۸۲ء کو طلبہ عزیز اپنی مادرعلمی کی آغوش شفقت میں پہنچ گئے، اور دارالعلوم دیوبند کی خاموش فضا قال اللہ وقال الرسول کی ایمان پرور صداؤں سے پھر پرشور ہوگئی اور ہم سب کے مخدوم ومحترم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن دامت فیوضہم کے زیرِ اہتمام دارالعلوم دیوبند کی جملہ سرگرمیاں اپنے مقررمنہاج کے مطابق جاری وساری ہوگئیں۔ اس باہمی اختلاف کی بناء پر دارالعلوم کی وہ رقوم جو بینکوں میں جمع تھیں قانونی طور پر منجمد ہوگئی تھیں،

ادھر سفرا کے ذریعہ جو آمدنی ہوا کرتی تھی اس اختلاف کے اثر بد سے اس میں بھی غیر معمولی کمی ہوگئی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعلوم کا بجٹ فیل ہوگیا۔ چنانچہ اس تشویشناک صورتِ حال کو حضرت مہتمم صاحب نے مجلس شوریٰ کے اجلاس میں معزز ارکان کے سامنے رکھا اور وضاحت فرمائی کہ دارالعلوم کے خزانہ میں بروقت جو رقم ہے وہ ہفتہ عشرہ سے زیادہ کی کفایت نہیں کرسکتی پھر آگے کے لیے کیا ہوگا؟ یہ ایک ایسا پریشان کن مسئلہ درپیش آگیا جس کا فوری حل کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

اتفاق سے اس وقت بھی حضرت مولانا سفر پر تھے۔ شوریٰ کے اجلاس کے دوران ہی شب میں کسی وقت دیوبند کو واپسی ہوئی، صبح کو ۹-۱۰ بجے کے درمیان راقم کو یاد فرمایا۔ خدمت میں حاضر ہوا تو سلام ومصافحہ کے بعد حسبِ عادت احوال وخیریت معلوم کی پھر ایک تھیلے کی جانب (جو حجرہ کے ایک گوشہ میں رکھا ہوا تھا) اشارہ کرکے فرمایا کہ اس میں دارالعلوم کے لیے ۲۲ لاکھ کی رقم ہے اسے حضرت مہتمم صاحب کے حوالہ کرآؤ، میں نے عرض کیا کہ اس وقت شوریٰ کا اجلاس چل رہا ہے، فرمایا کوئی حرج نہیں ابھی دے آؤ، چنانچہ اسی وقت وہ تھیلا لے کر میں گیا اور اجازت لے کر دفتر اہتمام میں پہنچا اور یہ کہتے ہوئے کہ حضرت مولانا نے یہ رقم دارالعلوم کے لیے دی ہے وہ تھیلا حضرت مہتمم صاحب کے آگے رکھ دیا۔ حضرت مہتمم صاحب کے پاس جناب الحاج عبیدالرحمٰن خاں شیروانی مرحوم بیٹھے تھے انھوں نے اسی وقت تھیلے کو اُلٹ دیا اور نوٹوں کی گڈیوں کو شمار کرنا شروع کردیا، میں نے اس وقت دیکھا کہ جناب شیروانی صاحب گڈیوں کو شمار کررہے ہیں اور امتنان و تشکر کی موتیاں ان کی پلکوں پر چمک رہی ہیں۔ اس وقت کا منظر اب تک میری نظروں کے سامنے ہے کہ مجلس میں موجود ہر رکن شوریٰ کی زبان پر حضرت مولانا کے حق میں دُعائیں اور تحسین وستائش کے کلمات تھے۔

حضرت مولانا کے اس بروقت تعاون نے دارالعلوم دیوبند اور اس کی موجودہ انتظامیہ کو ایک ایسے بحران سے بچالیا جس کے منفی نتائج اس وقت کے حالات میں بڑے دوررس ہوتے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے کہ حضرت مولانا مجلس شوریٰ کے رکن منتخب نہیں ہوئے تھے۔ رکن منتخب ہوجانے کے بعد تو دارالعلوم کے حق میں آپ کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ آپ ہی کے مشورے سے ملک کے حلقے بناکر ہر حلقہ کے لیے ایک سفیر مقرر کیا گیا۔ خود بھی جہاں جاتے اپنے متعلقین اور اصحاب خیر کو دارالعلوم کی جانب متوجہ کرتے آپ کی ان کوششوں سے چند سالوں کے اندر ہی دارالعلوم کا خزانہ بہت مستحکم ہوگیا۔ اور دارالعلوم دیوبند اس لائق ہوگیا کہ جامع رشید، شیخ الہند منزل، شیخ الاسلام منزل، تحفیظ القرآن، رواق خالد، مہمان خانہ وغیرہا جیسی عظیم الشان عمارتیں کھڑی کردیں۔

مالیات کے ساتھ حضرت مولانا نے دارالعلوم کے تعلیمی و تربیتی نظام کو مزید مستحکم و مضبوط بنانے کی جانب بھی توجہ دلائی چنانچہ آپ ہی کی تحریک پر تحفظ ختم نبوت، ردِّ عیسائیت، محاضرہ علمیہ کے شعبے قائم ہوئے۔ غرضیکہ ۲۰-۲۵ سال کے حالیہ زمانے میں حضرت مولانا نے دارالعلوم دیوبند کی جس طرح ہمہ جہت مخلصانہ خدمات کی ہیں وہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک زریں باب ہے، جسے زمانہ بھلا نہیں سکے گا۔

بس انھیں گذارشات پر اپنی اس ژولیدہ و پریشان تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ مالک کائنات حضرت مولانا کو اپنے مقام قرب کے بلند درجہ سے نوازے اور ہم پس ماندگان کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین یارب العالمین۔

○○

❑ حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
استاذ فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسعد الملّتؒ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ وَکُفُّوْا عَنْ مُسَاوِیْهِمْ. (ابو داؤد، الترمذی والحاکم) سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحومین کی خوبیوں اور کمالات کے تذکرے سے نہ صرف اجر وثواب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے؛ بلکہ ان کی زندگیوں سے سبق بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، بنا بریں کسی ایسے موضوع پر قلم اٹھانا جس میں خدا کے حضور پہنچ جانے والے کثیر المحاسن کسی بندہ کا تذکرہ ہو یقیناً باعث خیر ہوگا۔

لیکن اگر بات ایسی شخصیت کے ذکر وتذکرہ کی ہو جو ایک دو نہیں بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہو گویا ''دامن نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار'' کا مصداق ہو تو قلم بردار کا حیرانی وپریشانی میں مبتلا ہونا فطری ہے یہاں صورت حال کچھ ایسی ہی ہے کہ راقم حیران ہے مگر اللہ تعالیٰ (مرتب) کو جزائے خیر دے کہ عنوانات کا تعین کر کے حیرانی ودشواری میں کمی کردی، چنانچہ راقم نے (حضرت فدائے ملت کے اخلاق واوصاف) پر خامہ فرسائی کا ارادہ کرلیا، (وباللّٰہ ازمة التوفیق)

لیکن یہ عنوان بظاہر مختصر لگ رہا ہے مگر اپنے جلو میں بڑی وسعتیں لیے ہوئے ہے، ان سب کا پورا حق ادا کرنا کسی مقالہ میں تو کیا غالباً کسی اوسط درجہ کی کتاب میں بھی آسان نہیں، لیکن ''مَا لَمْ یُدْرَکُ کُلُّهُ لَمْ یُتْرَکُ کُلُّهُ'' کے اصول نے اس مشکل کو بھی نسبتاً آسان کردیا۔

''اخلاق'' سے مراد ظاہر ہے کہ اخلاق حسنہ ہیں، ان میں طبعاً پہلا نمبر ''صلہ رحمی'' کا ہے، صلہ رحمی کی شرعی اہمیت ومطلوبیت پر بکثرت آیات وقرآنی اور احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں، اسی وجہ سے احادیث صحیحہ کی بہت سی کتابوں میں اسے مستقل عنوان دیا گیا (صحیح احادیث کے مشہور ترین مجموعے مثلاً صحیح مسلم، صحیح ترمذی اور مشکوۃ المصابیح وغیرہا مراد ہیں)

موصوف کے صلہ رحمی کے ایک واقعہ کا سب سے پہلے ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے آں محترم کے برادر اصغر محترم مولانا سید ارشد مدنی نے خود احقر کے سامنے اور دیگر بہت سے ممتاز افراد کی

موجودگی میں اسعد الملۃ کی وفات کے تیسرے دن ہم لوگوں کی بغرض تعزیت حاضری کے موقعہ پر بیان فرمایا کہ ہمارے والد صاحبؒ (شیخ الاسلام محدث جلیل نمونۂ اسلاف استاذ نا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ وبرد مضجعہ) نے اپنے انتقال کے وقت ترکہ میں کچھ نہیں چھوڑا تھا (یہ حقیقت خود اپنی جگہ حضرتؒ کے مرتبہ کمال تک رسائی کے لیے کافی ہے، کہ اتنی عظیم شخصیت اور لاکھوں ایسے مسترشدین کے مرشد ہونے کے باوجود جو حضرت کے ادنیٰ اشارہ پر گھر کو سیم وزر سے بھر سکتے تھے) لیکن بھائی صاحب (اسعد الملۃ) نے ہم لوگوں کو جو سب کے سب نابالغ تھے، یتیمی کا احساس تک نہیں ہونے دیا، ہماری (سب بھائی بہنوں) کی ہر ضرورت کو بہت اچھی طرح پورا کیا، ہماری شادیاں کرائیں مکانات بنوا کر دیےاور ہر طرح سے خیال رکھا جو مرحوم کی مغفرت وعلومرتبہ کے لیے بروئے حدیث نبوی ''أنا و كافل اليتيم كهاتين'' کافی ہے۔

اس واقعہ میں جو اپنے اندر کئی اعتبار سے اہمیت وسبق کے پہلو رکھتا ہے حضرت فدائے ملت ہی کے نہیں ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ جن کے وہ چشم و چراغ اور جانشین تھے، کے علومقام کی ''شهد شاهد من أهله'' کا مصداق ہونے کی بناء پر بڑی اہم اور وقیع شہادت ہے۔ رحمهما الله رحمة واسعة كاملة.

اور اس واقعہ میں بھی فدائے ملت نے اپنے گرامی مرتبت والد قدس سرہ کے نقش حسن کی پیروی کی، کہ آں مخدومؒ (حضرت شیخ الاسلامؒ) نے اپنے بھتیجے مولانا سید وحید احمد مدنی مرحوم کی نو عمری میں وفات ہوجانے کے بعد ان کی اولاد اور کنبہ کی چھوٹی بڑی تمام ضرورتوں کا تکمیل کرنے کے ساتھ انہیں اعلیٰ درجہ کی تعلیم وتربیت دی، نیز دیگر کمالات اور خوبیوں سے آراستہ کرنے کے علاوہ ان سب کو مستقل معاشی طور پر بھی آسودہ بنانے کی بھر پور کوشش کیں، حضرت مولانا اسعد الملۃ نے اپنی مادر گرامی قدر جن کے بطن سے اگر چہ وہ نہ تھے پھر بھی ان کی پوری دلداری وخدمت کی کہ آں مخدومہ دام مجدہا پر مرحوم کی وفات کا سب سے زیادہ اثر تھا، ان کے اور کسی بھی قریب سے قریب تر کو بھی ایسا صدمہ نہ تھا کہ آں محترمہ کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے، اور اپنے لاڈلے اور چہیتے فرزند کی سعادت مندیوں کی یاد خون کے آنسو رلا رہی تھی۔

حضرت اسعد الملۃ کا حسن سلوک اپنے اقرباء اور رشتہ داروں ہی کے ساتھ محدود نہ تھا بلکہ نسبی کوئی رشتہ نہ رکھنے والے بہت سے ایسے اہل تعلق سے بھی ایسا حسن سلوک تھا کہ خاص رشتہ داروں کے ساتھ بھی عموماً ایسا نہیں ہوتا موصوف کے بارے میں ایک مشہور صاحب قلم نے لکھا ہے کہ ''میں ان کا بھائی نہ تھا مگر وہ مجھ کو بھائی سے بڑھ کر مانتے تھے، میں ان کی اولاد میں بھی نہیں تھا،

مگر مجھ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے''، مولانا مرحوم کے جذبۂ رحم دلی اور ہمدردی نے ہی غریبوں، بیواؤں، مزدوروں، کے لیے انہیں مسلم فنڈ جیسے ادارہ کے قیام کی طرف راغب کیا، تا کہ معاشرہ کے مفلوک الحال طبقہ کی قرض کے ذریعہ ضرورتیں پوری کرنے اور انہیں مہاجنوں کے جنجال سے نجات دلانے کا راستہ نکلنے (یہاں اس اسکیم پر اس وقت شرعی نقطۂ نظر سے اظہار خیال پیش نظر نہیں، بس اس کے محرک وجذبہ کی تحسین کرنا ہے)

مولانا کی جرأت و بہادری تو وہ وصف ہے کہ جس کے لیے شواہد بے شمار مل سکتے ہیں اور جس سے ان کا مخالف بھی انکار نہیں کرسکتا، مولانا کے اس وصف کی ایک صحافی نے ان الفاظ میں گویا تصویر کشی کردی ہے کہ ''انہوں نے نہ حکومتوں کا لحاظ کیا نہ وقت وحالات کی پرواہ کی جب انہوں نے ضرورت سمجھی فیصلہ کیا اور قدم آگے بڑھادیا''، صحافی مذکور نے آگے اسی بات کو کسی قدر بلیغ پیرایۂ بیان دیدیا، ''طوفانی ہواؤں میں چراغ جلانے کی صفت بھی انہیں میں تھی''۔

شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا کی پوری زندگی گویا طوفانی ہواؤں میں چراغ جلانے سے عبارت تھی، اس صفت کا مظاہرہ زندگی کے ہر موڑ پر ہوا، اسی صفت کے لوازم میں جرأت و استقامت بھی ہے کہ اس کے بغیر طوفانی ہواؤں میں چراغ جلانا ممکن نہیں، اور مہمان نوازی و سخاوت اسے مہمیز کرنے یا کہہ لیجیے مناسب افراد فراہم کرنے کا کام انجام دیتے ہیں۔

یہاں غالباً اس کا اظہار بھی بے محل نہ ہوگا کہ ان اوصاف میں بھی مولانا نے اپنے والد ماجد کی وراثت کا پورا حصہ پایا، آں مخدوم (شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ) کی جرأت وسخاوت ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے، کہ قرض لے کر بھی بعض اوقات مہمان نوازی کی ذمہ داری پوری کی جو درحقیقت مومنانہ صفت ہے، حدث صحیح میں ہے ''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ''. (صحیحین) اس میں بھی سنت نبوی کی تعمیل کا جذبہ کارفرما تھا اسوۂ نبویہ میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول: ''لَيْسَ الزُّهْدُ فَقْدَ الْمَالِ وَاِنَّمَا الزُّهْدُ فَرَاغَ الْقَلْبِ'' اور اماغزالی کے ارشاد ''رَأْسُ الزُّهْدِ السَّخَاءُ''. (احیاء العلوم) کے فرمودات کی یہ حضرات عملی تفسیر یا تصویریں تھے۔

راقم نے دیگر اپنے اکابر کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے اس وصف کا ذکر کرتے ہوئے ۲۵ سال سے زائد ہوئے دار العلوم کے اجلاس صد سالہ کے موقعہ پر منعقد ہونے والے سیمینار میں پیش کیے گئے اپنے مقالہ میں لکھا تھا، ''استاذ نا حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دسترخوان کی وسعت پر شہادت دینے والے بلکہ اس کے خوشہ چیں وزلہ ربا بکثرت

اب بھی موجود ہیں (جن میں یہ حقیر راقم سطور بھی ہے) جن کے سامنے وہ مناظر ہیں وہ گواہی دیں گے کہ ان فقیروں کے دسترخوان کی شاہانہ وسعت کے سامنے شاہوں کے دسترخوان کی رونق بھی ماند پڑ گئی، اور فقیری میں امیری کرنے والے کی سنتوں پر مرمٹنے والوں نے اس باب میں بھی اسی کے اسوہ کو اپنایا۔

مولانا اسعد مدنیؒ کی جرأت و بیباکی یا دوسرے لفظوں میں طوفانی ہواؤں میں چراغ جلانے کی مثالیں اور اس کی شہادتیں اتنی ہیں کہ جن کے لیے ایک مقالہ نہیں بلکہ کتاب کی وسعت درکار ہے، ظاہر ہے کہ اس مختصر سے مقالہ میں تو صرف اس کی ایک جھلک ہی دکھائی جاسکتی ہے، اس لیے یہاں موصوف کی پارلیمانی تقریروں میں جرأت کی کچھ مثالیں پیش کیے جانے پر اکتفا کیا جارہا ہے، یہ سب مثالیں صدائے حق جو مولانا کی پارلیمانی تقاریر کا مجموعہ ہے سے لی گئی ہیں۔

بلیا (یوپی) پولیس فائرنگ پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''انگریزوں کی تاریخ سے یہ منحوس ورثہ ہمیں ملا ہے کہ معمولی وجہ سے بھی اور (بلکہ کبھی) بلا وجہ بھی شور کرکے کوئی ڈھیلا آیا اور جھگڑا ہوگیا، اس کو دور ہونا چاہیے لیکن اس سے زیادہ پریشانی اس بات کی ہے کہ ہماری ہوم منسٹری نے اس معاملہ میں پوری توجہ کی یا نہیں؟

مزید مثالیں اور واقعات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اگر ہوم منسٹر صاحب صحیح ایکشن نہ لیں اور صورت حال کو نہ دیکھیں تو یہ چیز کیسے دور ہوگی؟ تو میں ہوم منسٹر صاحب سے کہوں گا کہ وہ ان چیزوں کی طرف دیکھیں۔

پارلیمنٹ کی ایک اور تقریر میں حکومت کی غیر ذمہ دارانہ بلکہ جانبدارانہ اور فرقہ وارنہ روش کا پردہ فاش کرتے ہوئے خود آپ بیتی اس طرح سنائی:

الٰہ آباد کے معاملہ کو تو میں خود جانتا ہوں، مجھے وہاں گرفتار کیا گیا تھا مجھے آج تک نہیں معلوم کہ کس جرم کی بناء پر؟ خود میں نے پوچھا کہ وجہ کیا پیش آئی؟ میں نے تو قانون کی خلاف ورزی نہیں کی، جیل تو میں نے انگریزوں کے زمانہ میں بھی بھگتی ہے خاندانی و آبائی پیشہ ہے لیکن یہ معلوم ہوجائے کہ میں نے کیا جرم کیا ہے؟ جرم ہم کو نہیں بتایا گیا اس کے بعد جھوٹی گواہیاں بنائی گئیں جس طرح ہمیشہ مظلوموں کے خلاف بنائی جاتی ہیں جو مقامی کرپٹ افسران ہوتے ہیں ان کے پاس ہمیشہ ایسے جھوٹے گواہ ہوا کرتے ہیں، اس کے بعد بھی وہاں کے ایس پی کو ترقی دی گئی، پارلیمنٹ ہی میں (گجرات وغیرہ کے) فسادات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ: آزادی کے بعد ماہ وسال کی کوئی مدت ایسی نہیں گذری جبکہ پولیس اور فرقہ پرستوں کے باہمی تعاون سے اسے تاراج

نہیں کیا گیا ہو جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا قانون دستور میں ضرور موجود ہے، لیکن اسی محترم ہاؤس کے سامنے میں اس حقیقت کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا استعمال مسلمانوں کے لیے عموماً صحیح طور پر نہیں ہوتا جب مسلمانوں پر حملہ ہوتا ہے تو انہیں پولیس ایڈمنسٹریشن یہاں تک کہ آگ بجھانے والے عملہ اور اعلیٰ جنس کسی کی مدد نہیں ملتی، اور اگر مرتا کیا نہ کرتا، کے درجے میں مسلمان سلف ڈیفینس کے لیے کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے تو فوراً مسلح پولیس فسادیوں کے ساتھ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے کھڑی ہوجاتی ہے اس پر کیا خوب اور برمحل شعر پڑھا:

ہاتھ کے خون کو تم رنگ حنا کہتے ہو
اور دامن پہ جو دھبے ہیں انہیں کیا کہتے ہو

مولانا نے پارلیمنٹ کے اندر بعض اور مواقع پر بھی عمدہ اور برمحل اشعار پڑھے ہیں مثلاً اسی تقریر میں آگے چل کر یہ شعر پڑھا:

کر کے خون میر کا جا بیٹھے ہیں گھر کے اندر
اور پوچھتے ہیں کہ ہے در پہ یہ غوغا کیسا

مولانا نے اپنی ایک پارلیمانی تقریر میں سپریم کورٹ تک کی خبر لے ڈالی، فرماتے ہیں کہ جو فیصلے فنڈامینٹل رائٹ کا نام لے کر سپریم کورٹ نے کیے ہیں وہ صرف سرمایہ دارانہ یا ذاتی مفاد کے علاوہ کہیں بھی اقلیت یا کسی اور کے مفاد کے پیش نظر نہیں ہوئے ہیں، یہاں تک کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا کیس ہوا جس کو محمڈن کالج کے نام سے مسلمانوں نے قائم کیا اور جس کو یونیورسٹی بنانے کی کوئی صورت پارلیمنٹ میں قانون پاس کیے بنا نہیں ہوسکتی تھی، اس کو سپریم کورٹ نے کسی طریقہ سے الاؤ نہیں کیا اور اقلیتوں کے اس حق کو وہاں محفوظ نہیں رکھا۔

غرضیکہ اسی طرح کی جرأت مندانہ مثالوں سے پارلیمنٹ کی تقاریر بھری پڑی ہیں، یہاں سب کا تذکرہ ممکن نہیں، تفصیل کے طالب کو صدائے حق نامی کتاب (جس میں ان سب تقاریر کو کتابی شکل میں جمع کرا دیا گیا ہے) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

بس آخر میں ایک اور مثال پارلیمنٹ کے اندر آواز حق اٹھانے کی پیش کی جارہی تھی وہ ہے ''قاضی بل'' کا معاملہ جس کے لیے مسلمان تقریباً پون صدی سے کوشاں تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ بل پاس ہوجائے تو اس سے ۱۹۳۹ء میں پاس شدہ قانون انفساخ نکاح کی افادیت ثابت ہو مگر نہ انگریز حکومت نے اسے پاس ہونے دیا: ''اس میں کچھ اپنوں کے بھی ہاتھ نظر آئے۔''

من از بیگانگاں ہر گز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اور نہ موجودہ حکومت نے حالاں کہ موصوف نے ۱۹۸۹ء میں قاضی بل پیش کرنے کا جرأت مندانہ اقدام کیا اور اس کا مکمل مسودہ پارلیمنٹ کے اندر رکھا مگر ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' کہنے کے سوا کچھ نہیں ہوا (**فالی اللّٰہ المشتکی**)

آخر میں صرف ایک اور بات عرض کر کے اپنی گزارشوں کو ختم کرنے کا ارادہ ہے، ''**الولد سر لابیہ**''، مشہور مقولہ ہے تو حاضرین میں سے اکثر نے سنا ہوگا، اس کے مصداقات کا بھی مشاہدہ کیا ہوگا لیکن ''**الولد شبیہ بأبیہ**'' کے مصداق ایسے کم ہی ملیں گے، جیسے کہ حضرت مولانا اسعد صاحبؒ تھے جن لوگوں کو حضرت شیخ الاسلامؒ کی زیارت نصیب ہوئی ہو، راقم الحروف بھی ان خوش بختوں میں شامل ہے، جس کو ۶/۷/ سال کی عمر سے لے کر حضرتؒ کی وفات تک نہ جانے کتنی بار یہ سعادت حاصل ہوئی، حضرتؒ کے، احقر کے والد ماجد مولانا قاری حمید الدین سنبھلیؒ سے گہرے مراسم تھے، اس لیے کم از کم ایک بار آزادی سے دو ایک سال قبل ہمارے مکان پر (سنبھل) میں تشریف آوری اور حضرت کی زیارت یاد ہے، (غالباً وہ پہلی زیارت تھی)

حضرتؒ کی حیات مبارکہ کے آخری دور میں احقر کو درس بخاری شریف میں دورۂ حدیث کے باقاعدہ ایک طالب علم کی حیثیت سے شرکت کی سعادت و مسرت حاصل رہی راقم کا احساس ہے کہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ اپنے والد ماجد کے اوصاف حسنہ (خلق) میں مماثل ہونے کے ساتھ خلقۃً و شکلاً بھی اتنے مشابہ تھے کہ دیکھنے والے کو اول وہلہ میں امتیاز کرنا مشکل ہو جائے۔ **رحمھما اللّٰہ رحمۃً واسعۃً کاملۃً و ادخلھما فی الجنات العلیٰ**. بس اسی پر اپنی بات کو ختم کرنے کی اجازت چاہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔

○○

❑ حضرت مفتی عبدالرحمٰن صاحب
رئیس و بانی مرکز الفکر الاسلامی بنگلہ دیش، بشوندھرا، ڈھاکہ
و جامعۃ الابرار بنگلہ دیش، ریورویو، ڈھاکہ،
چیئرمین، مرکزی دارالافتاء بنگلہ دیش

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنیؒ
ایک تاریخ ساز شخصیت

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم! امّا بعد!

قابلِ صد احترام صدر ’فدائے ملّت سیمینار‘ منعقدہ زیرِ اہتمام جمعیۃ علماءِ ہند و دیگر علماءِ کرام ومشائخ عظام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اللہ پاک کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ میں ’’فدائے ملت سیمینار‘‘ کے حضرات منتظمین کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھ جیسے ناکارہ کو اس عظیم الشان سیمینار میں شرکت اور کچھ عرض کرنے کا بھی موقعہ بخشا۔ جو امیر الہند، فدائے ملّت، جانشین شیخ الاسلام حضرت اقدس سیّد محمد اسعد مدنی قدس سرہٗ کے پاکیزہ افکارات وخیالات کو عام کرنے اور ان کے مجاہدانہ کارنامے اور ملّی وملکی خدمات وتحریکات سے نئی نسل کو آگاہ کرنے اور روشناس کرانے کے لیے منعقد کیا گیا۔ لیکن حضرت فدائے ملّت کے کارنامے اور ان کے تحریکات کو اس مختصر وقت میں پیش کرنا اگرچہ محال نہیں تو ناممکن ضرور ہے۔ یہ تو دریا کو پیالے میں سمو دینے کے مترادف ہے اور درحقیقت حضرت فدائے ملّت کے خدمات وکارناموں کا میدان اتنا وسیع ہے کہ نہ ان کو الفاظ کے دائرے میں لایا جا سکتا ہے اور نہ ایسی زبان ہے جس سے ان کے خدمات وتحریکات کی مکمل تعبیر کی جا سکے، اس لیے میں ان کے کارناموں اور ان کی زندگی کے تمام گوشوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے صرف ان کے کارناموں کے بعض گوشوں کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کروں گا، **وماتوفیقی الا باللہ۔**

سامعین عظام! کائنات کی بے شمار مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو کچھ ایسے اوصاف و

کمالات کا حامل بنایا ہے، جن کی وجہ سے وہ سب پر فوقیت و اشرفیت رکھتا ہے، پھر انسانوں میں بعض ایسی ہستیاں بھی ہوتی ہیں جو تمام بنی نوع انسانی میں اپنے کمالات ومحاسن کی بناپر نمایاں امتیاز وتشخص رکھتی ہیں، جب تک وہ روئے زمین پر چل پھر رہی ہوتی ہیں ان سے خارق عادت اعمال و خدمات صادر ہوتی ہیں، اور جب وہ عالم رنگ و بو سے روپوش ہوجاتی ہیں تو امت کے لیے ان کے کارنامے تاابد مشعلِ راہ بنے رہتے ہیں، انھی شخصیتوں میں سے ایک جانشین شیخ الاسلامؒ امیر الہند فدائے ملّت مولانا مولانا سیّد محمد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تھی، جن کی خدمات اور ملّی و مذہبی اور قومی کارنامے تقریباً نصف صدی پر محیط ہیں۔ آپ جمعیۃ علماء ہند کے عظیم قائد، مسلمانوں کے بے باک رہنما، دار العلوم دیو بند کے محافظ و پاسباں، سیکڑوں مدارس کے سر پرست اور ملّتِ اسلامیہ کے ناخدا تھے، عزم و ہمّت جرأت و بے باکی، ایمانی فراست و سیاسی بصیرت، فکری اعتدال آپ کا طرۂ امتیاز تھا، آپ کا سانحۂ ارتحال یقیناً امت مسلمہ کا عظیم سانحہ اور حادثہ ہے، آپ کائنات کی ان ہستیوں میں سے تھے جس پر کنبہ اور محلّہ ہی نہیں، زمانہ اور زمین وآسمان تک روتے ہیں اور انسانی برادری کا کوئی بھی فرد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

محترم حاضرین! حضرت فدائے ملّت صرف ایک شخصیت کا نام نہیں ہے بلکہ فدائے ملّت ایک تاریخ ساز امت ہے، آپ حسینی سادات خاندان سے تعلق رکھنے والے شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام، ہندوستان کے نامور بزرگ شہرۂ آفاق محدث، تحریک آزادئ ہند کے عظیم قائد و رہنما، دارالعلوم دیو بند کے صدرالمدرسین و شیخ الحدیث اور مشہور شیخ طریقت سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے لائق ترین فرزند ارجمند تھے، مادر علمی دارالعلوم دیو بند سے ۱۹۴۷ء میں فراغت حاصل کر کے کچھ عرصہ اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہے اور ان سے بھر پور استفادہ کرتے ہوئے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۲ء تک مسلسل بارہ سال مادر علمی دارالعلوم دیو بند میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔

جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی کا آغاز والد ماجدؒ کی حیات ہی میں جمعیۃ علماء دیو بند کے نائب صدر کی حیثیت سے ہوا پھر آپ کو جمعیۃ علماء اتر پردیش کا صدر منتخب کیا گیا، ۹ر اگست ۱۹۶۳ء کو آپ جمعیۃ علماء ہند کی نظامت عمومی کے منصب پر فائز کیے گئے، آپ نے اپنی بے مثال جدوجہد سے پوری جماعت میں تازگی پیدا کردی اور مکمل دس سال تک اس عظیم منصب کو زینت بخشتے رہے، پھر ۱۱ر اگست ۱۹۷۳ء میں جمعیۃ کی مرکزی صدارت نے آپ کی قدم بوسی کی اور اتفاق رائے سے جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے، اور اپنی زندگی کی آخری سانس ۶ر فروری ۲۰۰۶ء تقریباً ۳۳ سال تک فائز رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے آپ نے ہمیشہ

مسلمانوں کے حقوق کی لڑائی اربابِ اقتدار سے لڑی، ملّی اموراور مسلمانوں کے مسائل میں کبھی مصلحت کوشی سے آپ نے کام نہیں لیا آپ نے اسلاف کے سچے جانشین اورا کابر کے ورثہ کے امین ہونے کے ناطے علماء ہند کے وقاراوراس کے اثرات میں اضافہ ہی نہیں کیا، بلکہ اس کے وسائل و ذرائع میں بھی اضافہ کیا، آپ نے اپنے دور صدارت و نظامت میں پورے ملک میں جمعیۃ علماء ہند کی شاخوں کا جال پھیلا دیا اوراس کے تمام شعبوں کو اتنا شاندار متحرک اور فعال بنادیا کہ جمعیۃ کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

ملّت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لیے امارت شرعیہ کا قیام ہندوستانی مسلمانوں کی دیرینہ آرزو اور علماء کرام کی جدوجہد کی تاریخ کا روشن باب ہے، ۱۹۸۶ء میں پورے ملک و بیرون ملک کے علماء کرام ومفتیان عظام اور دانشوران ملک وملّت کے اتفاق رائے سے امارات شرعیۂ ہند کے قیام کا فیصلہ کیا گیا جس کا اولین امیر الہند محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی قدس سرہٗ کو منتخب کیا گیا،حضرت محدث کبیر کے وصال کے بعد۱۹۹۲ء میں باتفاق رائے حضرت فدائے ملّت کوامیر الہند منتخب کیا گیا۔

مجاہدِ ملّت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے وصال کے بعد پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں کوئی مسلمانوں کا ترجمان باقی نہ رہا تھا اس لیے حضرت فدائے ملّت ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کی رکنیت قبول فرما کر مسلسل اٹھارہ سال تک ان کے حق وصداقت کی آوازوں سے ایوان حکومت گونجتا رہا۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے فرزند جلیل اور نامور فیض یافتگاں میں سے تھے، دار العلوم دیوبند ہی سے آپ کوسب کچھ حاصل ہوا، بلاشبہ آپ اپنے مادرعلمی کے مخلص سرپرست تھے اس لیے مادر علمی کی خدمت اوراس کی ترقی کے لیے جدوجہد آپ کا نصب العین رہا ہے، دار العلوم دیوبند کے وسائل کی توسیع اور دیگر امور میں آپ کی مخلصانہ کاوشیں آخری دم تک قائم رہیں، دار العلوم دیوبند میں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام، شعبۂ تخصص فی الحدیث، شعبۂ انگریزی ادب وشعبۂ کمپیوٹر اور شیخ الہند اکیڈمی وغیرہ کا اضافہ آپ کی خصوصی دلچسپی کا ثمرہ ہے، نیز ربیع الاوّل ۱۳۷۸ھ سے مسلسل آپ مجلسِ شوریٰ مدرسہ شاہی مرادآباد کے رکن رکین بلکہ سرپرست اعلیٰ رہے، اس کے علاوہ سینکڑوں مدارس ہند وبنگلہ دیش آپ کی اصابت رائے اور عاقبت اندیشانہ فیصلوں سے برابر مستفید ہوتے رہے۔

ملّتِ اسلامیہ کے پاسبانو! حضرت فدائے ملّت کے ہمہ جہت خدمات وکارناموں کی

ایک نا قابل فراموش کڑی یہ بھی ہے کہ بنگلہ دیش کے چپہ چپہ میں آپ نے مسلک دیو بند کے تحفظ اورا کابر دیو بند کی خدمات جلیلہ کو مسلمانوں کے ہر طبقے میں اُجا گر کرنے کے لیے جو کدو کاوش کی وہ تاریخ بنگلہ دیش کی مسلمہ حقیقت ہے،تقریباً ۲۲ سال قبل بنگلہ دیش کے دینی علمی صنعتی شہر چاٹگام میں دیو بندیت کی نشر واشاعت اور مسلک دیو بند کے تحفظ کی غرض سے بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کا جو آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ پورے ملک میں اس کا سلسلہ پھیل گیا وہ حضرت فدائے ملّت ہی کی توجہات اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔حضرت ہی کی کوشش ومحنت اور روحانی توجہ سے آج پورے بنگلہ دیش کے بڑے بڑے ضلع شہروں میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوتی ہیں جن میں لاکھوں افراد کو مسلک دیو بند اورا کابر دیو بند کے تئیں صحیح معلومات حاصل ہوتی ہیں۔اہل مدارس بنگلہ دیشی مدارس کے ذریعہ جو خدمات مکمل طور پر انجام دینے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے، بحمداللہ تعالیٰ ان کانفرنسوں کے ذریعہ وہ خدمات یعنی بدعت اوراہلِ بدعت کی تردیداور مسلک دیو بنداور عقائد دیو بند جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عین مصداق ہیں فروغ دینے میں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ کا بیعت وارشاد کا تعلق اپنے والدمحترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّدحسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے تھا، انھی کی زیر سرپرستی انھوں نے سلوک کے منازل طے فرمائے، پھر خواص وعوام کی عظیم تعداد نے آپ سے بیعت ہو کر اپنی اصلاح فرمائی، ہندو بیرون ہند میں لاکھوں کی تعداد میں آپ کے مریدین ہیں،جن میں سینکڑوں کی تعداد خلافت سے بھی سرفراز ہو چکی ہے، ماہِ رمضان میں مسجد رشید دارالعلوم دیو بند آپ کے شیدائیوں سے کھچا کھچ بھری رہتی ہے،اور معرفت کے جام پیکر عشق الٰہی میں مست رہتے،آج آپ کی رحلت سے ایک دنیا سونی ہوگئی ہے اور ایک عظیم خانقاہ اجڑ گئی ہے، ایک عظیم تربیت گاہ پر ماتم کے بادل چھاگئے۔

آپ کمالات وفضائل کا مجمع البحار تھے، آپ کی خدمات کا دائرہ صرف علمی حلقوں تک محدود نہیں بلکہ ارباب اقتدار میں بھی ان کی ذات گرامی کو قدر ومنزلت حاصل تھی، اپنی علمی اور سیاسی صلاحیتوں کے ذریعہ رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے تقریباً ۱۸ سال کے طویل عرصہ تک راجیہ سبھا میں رہ کر ملّت اسلامیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے حق وانصاف کے لیے صدائیں بلند کی ہیں جب کبھی ملک وملّت پر آزمائش کا وقت آیا تو انھوں نے فروغ دین کے لیے مثالی جدوجہد کی،تقویٰ و پرہیز گاری ان کی ذات گرامی کا وصف تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے سچے جانشین تھے ان کی مقبولیت ومحبوبیت کا دائرہ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر سے گذر کر غیر مسلموں تک پھیلا ہوا ہے، الغرض ملّت اسلامیہ اور ملک وملّت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں حضرت

فدائے ملّت کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔

ایک سچی حقیقت ہے کہ کوئی عظیم الشان کام کرنے والا کوئی بھی فرد سب افراد کو خوش نہیں رکھ سکتا، اور تمام طبقات کے نظریات کو متحد نہیں کرسکتا، اس لیے اس کے مخالفین بھی ہوتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ بھی کھولے جاتے ہیں، اور اس عشق ومحبت کی نگری کا دستور بھی یہی ہے کہ کلمۂ خیر کہیے اور گالیوں سے دامن بھریئے، پھول نچھاور کیجیے اور کانٹوں سے دامن بھریئے، راستی کے مسلک پر چلئے اور تفریق بھگتئے، دیانت کی روش پر چلئے اور خائن کہلوائے زخموں پر مرہم رکھئے اور زخمی ہو جایئے۔

حضرت فدائے ملّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی یہی ہوا، انھیں ان کی بے لوث خدمات کے سلسلہ میں ہر طرح مطعون کیا گیا ان کی نیت پر شک وشبہ کیا گیا ان کے ساتھ بدسلوکی ہوئی، مگر وہ تھے حکومت کے ساتھ اپنے اصولوں پر مستحکم اور میدان میں سرگرم عمل۔

ہماری دلی تجویز ہے کہ حضرت فدائے ملّت کے ہمہ جہت خدمات اور کارناموں کو مستقبل میں ملک و بیرون ملک میں فروغ دینے کے لیے دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے ارباب انتظام مشترکہ طور پر کوئی لائحۂ عمل تیار فرمائیں جس کی روشنی میں فضلاء دارالعلوم دیوبند اور وابستگانِ جمعیۃ علماء ہند کے لیے حضرت فدائے ملّتؒ کے مشن کو بروئے کار لانا آسان ہو۔

آہ! حضرت فدائے ملّت رحمۃ اللہ علیہ اب ہم میں نہ رہے، لیکن اپنی زندگی کے کامیاب ۷۸ سالہ کارناموں کے ذریعہ زندۂ جاوید رہیں گے، انھوں نے اپنی زندگی کے جو تابناک نقوش چھوڑے ہیں وہ آنے والی نسلوں کے لیے ان شاء اللہ مشعلِ راہ ثابت ہوں گے، اللہ انھیں کروٹ کروٹ آرام نصیب فرمائے ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

○○

❑ مولانا سیّد اشہد رشیدی
مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

وہ دُکان اپنی بڑھا گئے

اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر دور میں ایسے جاں باز جنم لیتے رہے ہیں جنہوں نے اپنی ذات سے اسلام او ر امت مسلمہ کی بے مثال آب یاری کی، کسی نے قلم کا سہارا لیا اور علوم اسلامیہ کی عظیم الشان خدمت انجام دیتے ہوئے سیکڑوں صفحات سیاہ کردیے، اہل باطل کی بیخ کنی کی، اور اسلامی تعلیمات کو حشو زوائد سے پاک کرکے امت کے سامنے پیش فرمادیا، تو کسی نے زبان کا استعمال کیا، اور بلا خوف لومۃ لائم حق وانصاف کی بات کہی، غلط اور غیر شرعی امور پر زبردست نکیر کی، اسلامی احکامات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسانیت کو راہ حق کی جانب گام زن کرنے کے لیے تن، من، دھن کی بازی لگادی، اور کسی نے اپنی ذات ہی کو جھونک دیا، قوم وملت کی خدمت میں، ہر میدان کو سر کرنے اور ہر طرح کی رکاوٹ کو عبور کرنے میں انھیں کسی طرح کی ہچکچاہٹ کبھی محسوس نہیں ہوئی، میدان سیاست ہو یا خطابت، میدان رشد وہدایت پر یا وعظ ونصیحت، احقاق حق کا میدان ہو یا ابطال باطل کا، دین حق کے دفاع کا میدان ہو، یا اہل اسلام کے حقوق کا ہر موقع پر وہ اپنی الگ شناخت اور پہچان کے ساتھ تمام تر توانائی کو صرف کرتے ہوئے ایسی قومی، ملّی اور مذہبی خدمات انجام دیتے رہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، ماضی قریب میں اس طرح کی جامع کمالات شخصیت حضرت اقدس فدائے ملّت امیر الہند مولانا سیّد اسعد مدنی نوّر اللہ مرقدہ کی تھی۔

آپ نے نہ رات دیکھی نہ دن، نہ گرمی دیکھی نہ سردی، نہ ارباب اقتدار کے تیور دیکھے، نہ فرقہ پرستوں کے عزائم، نہ اپنوں کی نارضگی کی پرواہ کی، نہ غیروں کی مخالفت کی، بلکہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر میدان میں صدائے حق بلند کی، اور کسی قیمت پر باطل قوتوں سے کبھی کسی طرح کا کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔

فدائے ملتؒ کی فکری نہج

آپ کے قومی ملّی مشاغل سے بعض لوگ اس فریب نظر میں مبتلا ہوجاتے تھے کہ آپ ایک

سیاسی آدمی ہیں، حالانکہ آپ مکمل طور پر ایک مذہبی انسان تھے، جس کی چھاپ ہر موقع پر نہایت واضح انداز میں محسوس کی جاسکتی تھی۔

آپ پارلیمنٹ میں ہوتے تو اپنے اسلامی تشخص کے ساتھ، چل رہی بحث میں حصہ لیتے تو مسلم مسائل اور ان کے حقوق کے بات کرتے، سرکاری میٹنگوں اور جلسوں میں ہوتے تو اسلامی احکامات کی بھرپور رعایت فرماتے، سفر میں ہوتے تو آپ کو دیکھنے والے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ پاتے، گویا آپ کا ہر عمل اپنے خالق و مالک کی رضا کے لیے ہوا کرتا تھا، سوائے حصول رضائے خداوندی کے آپ کی شب وروز کی ان تھک محنت کا اور کوئی مقصد نہیں تھا، آپ عالم دین، ہادی امت اور منبع رشد و ہدایت کے روپ میں ایک مذہبی شخصیت کے مالک تھے، چنانچہ دین داری، خوف وخشیت اور انابت الی اللہ میں آپ بے نظیر تھے، معاملات کی صفائی اور حقوق کی ادائیگی کا آپ بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے، یہ تمام خوبیاں آپ کو اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے ورثہ میں ملی تھیں، حسن اتفاق ہی کہئے کہ جس جماعت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھوں میں تھمائی گئی وہ بھی خالص مذہبی جماعت تھی جس کا نصب العین مذہبی آزادی کا تحفظ اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے قومی، وطنی، لسانی، سیاسی حقوق کی پاس داری اور خدمت خلق کے فریضہ کی ادائیگی ہے، آپ نے اپنی ذات والاصفات سے جماعت کے اصول واہداف کو بام عروج تک پہنچایا، اور ماضی کی روایات کو بدرجہ اتم باقی رکھا بل کہ آگے بڑھایا۔

کارهائے نمایاں کی ایک جھلک

حضرت فدائے ملتؒ پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اہل بصیرت نے ۱۹۷۳ء میں آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا قومی صدر منتخب کیا، جس کو حضرت علیہ الرحمہ نے اللہ رب العزت کے بھروسے پر قبول کیا، اور پھر اس طرح جماعتی مشن کو آگے بڑھانے میں مشغول ہوگئے کہ آپ کے ہم عصروں کو بھی رشک آنے لگا، قوت عمل اور تیزی رفتار کا یہ عالم تھا کہ شروع میں قدم سے قدم ملاکر چلنے والے حضرات میں سے بہت سے بالآخر درمیان راہ ہی میں تھک ہار کر ساتھ چھوڑ بیٹھے، اور اپنی کج روی، کوتاہ بینی و کسل مندی پر پردہ ڈالنے کے لیے آپ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے اور بدنام کرنے کی ناپاک کوششیں رچنے لگے، لیکن چاند پر تھوکنے والے اپنے منھ کی ہی کھایا کرتے ہیں۔

آپ اس نام ونہاد سیاست سے کوسوں دور تھے کہ جھوٹ، فریب، دھوکہ دہی جس کا جزلاینفک ہیں، حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ نے میدان سیاست کو صرف اور صرف قوم وملت اور دین ومذہب کی خدمت وتحفظ کے لیے ذریعہ اور رواسطہ کے طور پر اپنایا تھا، آپ کا مقصود سیاست نہیں

تھی، آپ کی فکر ومزاج کو رائج سیاست سے کوئی مس نہیں تھا، چنانچہ اگر آپ کی زندگی کے بنیادی اوراہم کارناموں پر نگاہ دوڑائی جائے تو دور دور تک بھی سوائے مذہبی مزاج دینی خدمت اوراسلامی تشخص کے کچھ اور نظر نہیں آئے گا، بطور نمونہ کے چند ایسے کارہائے نمایاں ذکر کیے جاتے ہیں جن سے حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی سوچ، مزاج، اور انداز فکر کی صحیح عکاسی ہوجائے گی۔

(۱) مدارس اسلامیہ اور فدائے ملتؒ

آپؒ ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے متعدد مدارس اسلامیہ کے روح رواں سرپرست اعلی اور ذمہ دار تھے، مشوروں میں شریک ہوتے، ترقی کی راہوں کی نشان دہی کرتے اور ہر طرح کا بھرپور تعاون فرماتے۔ برصغیر ہند وپاک کی سب سے عظیم ترین دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کی موجودہ تعلیمی، تعمیری اور انتظامی ترقی آپ ہی کی رھین منت ہے۔

مدرسہ شاہی سے وابستگی

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد سے آپ کا خاص تعلق تھا، ۱۳۷۸ھ میں آپ مدرسہ شاہی کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے، آپ کی دلچسپی، لگن اور مدرسہ کے تئیں مخلصانہ جدوجہد سے متاثر ہوکر، حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کی وفات کے بعد ۱۴۱۸ھ میں اربابِ حل وعقد نے آپ کو باتفاق رائے جامعہ کا سرپرست بنا دیا جس کا آپ نے ہمیشہ پاس ولحاظ رکھا، مدرسہ کے تمام امور میں بھرپور دلچسپی لیتے، شوریٰ کے ہر اجلاس میں شریک ہوتے، مفید مشوروں سے نوازتے اور ہمہ وقت ہر طرح کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔

حضرت فدائے ملت کی ایک انمول نصیحت

والد بزرگوار حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب نور اللہ مرقدہ کے مدینہ منورہ میں رحلت فرما جانے کے بعد شوریٰ نے ۱۴۲۲ھ میں مدرسہ کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری بندہ ناچیز پر ڈال دی جب مجھ کو اس کی اطلاع ہوئی تو میں نے فون کر کے حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ نے مجھ جیسے بے حیثیت انسان کے ناتواں کندھوں پر اتنی بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے، میں اس کا متحمل نہ ہوسکوں گا، حضرت علیہ الرحمہ نے چھوٹتے ہی فرمایا: ''یہی سمجھتے رہنا اللہ مدد کرے گا''۔ بظاہر یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن اگر گہرائی میں جا کر اس کی تشریح کی جائے تو کئی صفحات سیاہ ہوجائیں گے، گویا آپ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ تواضع وانکساری اور رجوع الی اللہ کرتے رہوگے تو خدا کی مدد پہنچتی رہے گی اور مسائل حل ہوتے رہیں گے، اور جب عجب تکبر اور خودرائی مزاج میں پیدا ہوجائے گی تو اللہ کی طرف سے آنے والی نصرت کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ اللہ رب العزت دینی

اداروں اور اسلامی تحریکات سے وابستہ تمام افراد کو اس عظیم نصیحت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت فدائے ملتؒ کا مدارس اسلامیہ سے خصوصی لگاؤ، اور مخلصانہ وابستگی آپ کے دینی مزاج کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔

(۲) قیام مکاتب

تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں شدھی کی تحریک بڑے شدّ ومد سے چلائی گئی ناخواندگی اور غربت کی وجہ سے ہریانہ اور راجستھان کے کچھ علاقوں میں ارتداد پھیلنے لگا، مسلمان ہندو دھرم اپنانے لگے، جمعیۃ نے ۱۹۵۴ء سے ہی اس فتنہ کے مقابلہ کے لیے متاثرہ علاقوں میں قیام مکاتب کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، جو بڑے محدود دائرے میں تھا، حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ نے اس کام کو آگے بڑھاتے ہوئے ۱۹۸۳ء سے اجمیر، ہماچل، پنجاب، یوپی، بہار اور آسام میں مزید مکاتب قائم فرمائے اور ہر ایسے علاقہ میں ابتدائی دینی تعلیم کا نظم کیا، جہاں مسلمان جہالت اور ناخواندگی کی وجہ سے مرتد ہوتے جارہے تھے، اگر اخبار یا کسی دیگر ذریعہ سے آپ کو کسی علاقہ میں ارتداد کے پھیلنے کی اطلاع ملتی تو بے چین ہو اٹھتے، علاقہ کا خود دورہ کرتے یا وفد کو بھیجتے حالات سنتے، اور پھر اس علاقہ میں رہنے والے مسلمانوں کے دین ومذہب کے تحفظ کی کوششوں میں جٹ جاتے فی الحال جمعیۃ کے زیر انتظام ارتداد سے متاثرہ علاقوں میں کم وبیش ۵۰۰ دینی وقرآنی مکاتب چل رہے ہیں۔

(۳) امارت شرعیہ کا قیام

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو لڑائی جھگڑے اور تنازعے میں کتاب وسنت کی طرف رجوع ہونے کا حکم دیا ہے کیونکہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جس کے اپنے عائلی قوانین ہیں عدالتی نظام ہے، جس کے ہوتے ہوئے غیر شرعی عدالتوں میں جاکر کفار ومشرکین کے ذریعہ قرآن وسنت کو پس پشت ڈال کر اپنے مسائل حل کرانا یقیناً مذہب سے بغاوت ہے، حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ اسلامیان ہند کے عائلی مسائل کے حل کے لیے غیر شرعی قوانین کا سہارا لینے سے شدید قلبی کوفت اور ذہنی رنج میں مبتلا ہوا کرتے تھے جو ایک سچے مسلمان کا فطری ردعمل ہے، لیکن مسلمانوں کو کس طرح اس سے باز رکھا جائے یہ معاملہ غور طلب تھا، صرف منع کرنا اور سرکاری عدالتوں کی خامیاں بیان کر دینا کافی نہیں تھا، بل کہ متبادل کو پیش کرنا بھی ضروری تھا چنانچہ حضرت نے ایک بڑے عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا اور ۱۹۸۶ء میں محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی کی امارت میں امارت شرعیہ ہند، کو قائم فرمایا اور پھر ملک کے

گوشے گوشے میں اس کی شاخیں پھیلانے اور امت مسلمہ کو اس کی اہمیت سے روشناس کرانے میں مصروف ہو گئے جس کی برکت سے آج کتنے ہی خاندان سرکاری عدالتوں کے چکر لگانے، مالی بربادی کا بوجھ اٹھانے اور غیر اسلامی عدالتی فیصلوں کو قبول کرنے کے'' گناہ اور پریشانیوں سے بچ گئے، حضرت محدث اعظمیؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد ۱۹۹۲ء میں حضرت فدائے ملتؒ کو امیر الہند منتخب کیا گیا، گویا حق بحق دار رسید۔

(۴) تحریک اصلاح معاشرہ

حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ مسلمانوں میں پھیلتی ہوئی بے راہ روی بد دینی اور غیر اسلامی رسم ورواج سے بے انتہا قلق اور تکلیف محسوس کرتے تھے، جہاں تک ہوسکتا تھا برائیوں پر شدید نکیر فرماتے اور گاؤں گاؤں، شہر شہر، قریہ قریہ جا کر مسلمانوں کو صحیح اسلامی زندگی گذارنے کی تلقین کرتے، مگر جب برائیوں کا سیلاب امڈتا چلا گیا، اور بے راہ روی حد سے بڑھ گئی تو آپ نے ہمت ہارنے کے بجائے اس پر باندھ باندھنے کے لیے ۱۹۹۲ء میں اصلاح معاشرہ کی تحریک کا آغاز کیا، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مراد آباد، ہاپوڑ، غازی آباد، اور دیگر علاقوں کے مدارس کے ذمہ داروں سے بنفس نفیس گفتگو فرمائی، معاشرہ کی اصلاح کی اہمیت بیان کی، اور اس کام میں شریک ہونے کی دعوت دی اور پھر مختلف مدارس کے علماء پر مشتمل وفود ترتیب دے کر ملک کے مختلف صوبوں میں دس روزہ اور پندرہ روزہ اصلاح معاشرہ عشرہ اور پندرواڑہ منایا، جس کے بہترین نتائج سامنے آئے، امت میں بے داری پیدا ہوئی، لوگوں کے دلوں میں غیر اسلامی رسم ورواج کے تئیں نفرت کے جذبات جنم لینے لگے، اور علماء امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے، حضرت فدائے ملت کی طرف سے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے چلائی گئی تحریک اصلاح معاشرہ اس قدر مقبول ہوئی کہ بہت سی تنظیموں نے اس کو اپنا ایشو بنایا اور اصلاح معاشرہ کے لیے محنتیں شروع کر دیں، جس کا اجر وثواب اس تحریک کے سرخیل حضرت فدائے ملتؒ کی روح کو پہنچتا رہے گا۔

(۵) مجلس تحفظ ختم نبوت

حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ ملک کے طول عرض میں موجود متعلقین کی دعوت پر جگہ جگہ تشریف لے جاتے رہتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی حالات پر گہری نظر رہا کرتی تھی، اور حال کے واسطے سے مستقبل تک پہنچنا آپ کے لیے آسان ہو جایا کرتا تھا، چنانچہ آپ نے ملک میں قادیانیوں کی سرگرمیوں کا اندازہ اس وقت لگا لیا تھا جب کسی کے وہم وگمان میں بھی اس باطل فرقہ کی سرگرمیاں نہیں تھیں، نبی کریمؐ کی ختم نبوت پر ڈاکہ زنی کرنے والے اس فرقہ کی حرکات وسکنات

سے آپ کو بڑی کلفت ہوتی حسب عادت آپ فوراً ہی قادیانیت کے سدباب کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، دار العلوم دیوبند کے اساتذہ اور اہل علم کو اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے آمادہ کیا اور اس کی شر انگیزیوں سے واقف کرایا، حاضرین کے اس حقیقت کا ادراک نہ کرنے کے باوجود جس کو آپ اپنی فراست ایمانی سے محسوس کرر ہے تھے، اپنی جدوجہد میں آپ لگے رہے، بالآخر ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں آپ کی مخلصانہ کوششوں سے مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آیا، جس کے بعد اکابر علماء کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ اگر حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بیدار نہ کرتے تو ہم دھوکہ میں رہتے اور قادیانی فتنہ سر چڑھ کے بولتا، اور امت مسلمہ کے لیے اس فتنہ کے پھل پھول جانے کے بعد مقابلہ کرنا نہایت دشوار اور مشکل ہو جاتا، آج جگہ جگہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے تحت ردقادیانیت کے پروگرام ہوتے ہیں، مسلمانوں کو عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت سے واقف کرایا جاتا ہے، اور ختم نبوت کے عقیدہ کی مخالفت کرنے والوں کا بھرپور تعاقب کیا جاتا ہے۔

(۶) رد غیر مقلدیت

امت مسلم کے بالاتفاق چار مسالک ہیں جو ائمہ اربعہ کی طرف منسوب ہیں جن کے حق ہونے پر سب کا اتفاق ہے، آج تک الحمد للہ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کا مسلک رائج ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ مسلک باقی رہیں گے، ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید درحقیقت اس کی شخصی تقلید نہیں ہے، بل کہ کتاب وسنت ہی کی تقلید ہے، کیونکہ ان کا مسلک یقیناً کتاب وسنت سے ہی مستنبط ہے، اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عوام الناس کے لیے چاروں مسلکوں میں سے کسی کی تقلید ضروری ہے، ورنہ تو انسان زیغ وضلال، ہلاکت اور بربادی میں مبتلا ہو جائے گا، آج کل دنیا میں خصوصاً عرب ممالک میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو تقلید کا انکار کرتا ہے، ائمہ اربعہ کی اہانت کرتا ہے، خصوصاً حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تذلیل وتوہین میں حد سے آگے بڑھ جایا کرتا ہے اور مقلدین کی تکفیر کرتا ہے، جہاں یہ فرقہ اپنے عقائد کا اظہار کرتا ہے وہیں امت میں اختلاف وانتشار رونما ہونے لگتا ہے، حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ غیر مقلدین کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو محسوس کرکے اس کے تعاقب میں مصروف ہو گئے، جگہ جگہ بیانات میں امام اعظم اور ائمہ ثلاثہ کے فضائل ومناقب بیان کرتے تقلید کی اہمیت اور افادیت لوگوں کے سامنے رکھتے، غیر مقلدین کی گندی ذہنیت اور ان کے غلط ارادوں سے عام مسلمانوں کو متنبہ فرماتے یہ سلسلہ کافی پہلے سے چل رہا تھا، لیکن جب آپ نے اس فتنہ کی شر انگیزیوں کو بڑھتا ہوا محسوس کیا، تو پرزور انداز میں اس کی تردید کرنے کے لیے ۲۰۰۱ء میں تحفظ سنت کے عنوان سے پہلی دو روزہ کانفرنس دہلی میں منعقد کی جس کے

ذریعہ سلفی فتنہ کے مکمل گوشوں، غلط ارادوں، بدنیتی اور ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہونے کی بھرپور وضاحت کی گئی اوران کے مقابلہ کے لیے جگہ جگہ جلسوں اور کانفرنسوں کا پلان بنایا چنانچہ دہلی کے بعد یوپی کے مختلف علاقوں مہاراشٹر اور دیگر مقامات پر تحفظ سنت کے عنوان سے غیر مقلدین کی تردید میں حضرت فدائے ملت کی زیر سرپرستی مختلف طرح کے پروگرام سلسلہ وار منعقد ہوئے، جس کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا اور اس فتنہ کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

یہ چند کارنامے ہیں جن سے حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کے مزاج اور انداز فکر کا پتہ چل سکتا ہے، اور بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رب ذوالجلال نے آپ کو خلوص وللّٰہیت کا پیکر اور اسلام کا جانباز سپاہی بنایا تھا، آپ کی زندگی کے دیگر کارنامے بھی حقیقت میں مذہبی سوچ ہی کا نتیجہ ہیں، اسلام کے تحفظ اور امت مسلمہ کی خدمت ہی آپ کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھے —— جہاں تک سوال آپ کی ذاتی زندگی اور معاملات کا ہے تو اس میں بھی آپ ممتاز تھے، حقوق اللہ کی ادائیگی ہو یا حقوق العباد کی ہر میدان میں آپ کھرے تھے، جماعت کا اہتمام، نماز کا خشوع وخضوع، اوراد وظائف کی پابندی اور رمضان المبارک کے معمولات وغیرہ میں بجا طور پر آپ کو امتیازی شان حاصل تھی، اہل قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک، بھائیوں بہنوں اور دیگر افراد خاندان کے حقوق کی مکمل پاسداری اور ادائیگی میں آپ نے بڑی وسعت ظرفی کا ثبوت دیا اور عزیز واقارب کے ساتھ حسن عمل کی بہترین مثال قائم فرمادی۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔**

○○

❑ حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی
مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

عظیم المرتبت شخصیت

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد !ارشادِ خداوندی ہے:

" رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ، يَخَافُوْنَ يَوْماً تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ "(سورہ نور:۳۷)

اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ دنیاوی سرگرمیاں ان کو اللہ کی عبادت سے غافل نہیں کرسکتیں، دنیا کی قومی سرگرمیاں اور دنیا کی معاشی سرگرمیاں اللہ کی یاد سے اور خوف آخرت سے ان کو کبھی غافل نہیں کرسکتیں، مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تمام سرگرمیاں رضائے الٰہی کے لیے ہوں۔

" ثُم اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وِمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ "(سورہ فاطر:۳۲)

اگر خوف خدا اور یاد آخرت اور احکم الحاکمین کی رضا مقصود نہ ہو تو کسی انسان کے لیے ممکن نہیں کہ دنیوی اور سیاسی اور قومی سرگرمیوں کے ساتھ اپنا تقویٰ بدرجہ اتم باقی رکھ سکے۔

فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کو موافق اور مخالف لوگوں نے ہزار بار تجربہ کرکے دیکھا مگر سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے ان کے تقویٰ اور ان کی عبادت اور یاد الٰہی میں کسی بھی طرح کی کوئی کمی یا نقص دیکھنے میں نہیں آیا، ایک انسان کے لیے بجائے خود حیرت انگیز کرامت ہے کہ سخت سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ سفر وحضر میں نماز تہجد کبھی فوت نہ ہوسکی، ہم نے زمانے کے بڑے بڑے مشائخ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ چلتے سفر میں سنن ونوافل اور مسنون قرات کی رخصت سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے لیکن حضرت امیر الہند کا حال یہ تھا کہ چلتے سفر میں بھی سنن ونوافل اور مسنون قرات کی پابندی اور چلتی ٹرین میں تہجد کی نماز کا وہی حال ہوا کرتا تھا جو اپنی قیام گاہوں میں ہوا کرتا تھا۔ جب سیاسی پروگراموں میں ہندو مسلم ہر طبقہ کے لیڈران ہوتے تھے ان سب کے درمیان یہ مومن کامل اپنے تقویٰ وطہارت کے ساتھ ایک مرد مجاہد بن کر رہا کرتے تھے، جس کے نتیجے میں

بڑے بڑے سیاسی اور بڑے بڑے منصب والے وزیر اور منسٹر بھی ایک دو ملاقات میں ان کے عقیدت مند بن جایا کرتے تھے۔ ان کی نیکیوں اور دیانت داری کو دیکھ کر ہر شخص **سابق بالخیرات باذن اللّٰہ** کا مصداق سمجھتا تھا اور ان کی امانت داری اور معاملات کو دیکھ کر ہر شخص **و منہم مقتصد** کا مصداق سمجھنے پر مجبور ہو جاتا تھا، بزرگوں اور مشائخ کی مجلسوں میں دیکھا جائے تو ایسی عظیم الشان شخصیت کوئی دوسری نظر نہیں آتی تھی۔

ان کی زندگی کے چند نقوش مشاہدات کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں؛ تاکہ قارئین کیلئے رہنما ثابت ہوں۔

عزم و حوصلہ کا مضبوط ستون

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ ایک ہمہ گیر، ہمہ جہت فولادی شخصیت کے مالک تھے اور اپنی ذات میں ایک متحرک چلتی پھرتی انجمن اور چلتی پھرتی تحریک اور قافلہ سالار تھے، پیغام انسانیت کے علم بردار، عزم وہمت، جرأت و بے باکی اور ایمانی فراست، سماجی شعور اور سیاسی بصیرت کے بے مثال پیشوا تھے، فرق باطلہ کے لیے مرد شیر تھے۔

(۱) جن لوگوں نے ان کی زندگی کا کچھ حصہ دیکھا ہے وہ اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ عزم و حوصلہ کا اتنا بڑا پہاڑ عالم اسلام میں کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا، یہ مرد مجاہد جس بات کا ارادہ کر لیتے تو مضبوط ستون اور زمین پر چپکے ہوے اونچے پہاڑ کی شکل میں اپنی جگہ سے ٹلتے نہیں تھے اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت ان کو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں سکتی تھی۔

(۲) آزاد ہندوستان میں جب مسلمانوں کے لیے خطرناک حالات پیدا ہو گئے، بڑے بڑے مکاتب فکر اور بڑی بڑی تحریکوں کے لیے خطرات سامنے آئے اور ہر ایک کو اپنے بچاؤ کی فکر پڑی ہوئی تھی ایسے آڑے وقت میں اس مرد مجاہد نے سر پر کفن باندھ کر حکومت ہند کے مظالم کا مقابلہ کیا۔ ''ملک وملت بچاؤ'' تحریک کے نام سے جو تحریک انہوں نے چلائی تھی، ہندوستان کی کسی بھی مسلم جماعت اور قائد کی ہمت نہیں تھی کہ ایسی تحریک ایسے خطرناک حالات میں چلائے۔ بل کہ اپنی فکر سوار رہی، ان کی تحریک کے نتیجے میں مرار جی ڈیسائی کی حکومت گر گئی تھی۔

(۳) بی جے پی کی حکومت کے زمانے میں ہندوستان کے مسلمانوں پر مصیبت آ پڑی اور یوپی میں گپتا حکومت نے مساجد پر ایسی پابندی لگائی جس کی وجہ سے مسجد کی ٹوٹی ہوئی دیوار کو درست کرنے کے لیے بھی یہاں تک کہ اینٹ رکھنے کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی تھی اور حکومت کی طرف سے مدارس اسلامیہ پر پابندیاں لگائی جانے لگیں اور مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیا جانے

لگا، لیکن رام لیلا میدان میں دسیوں لاکھ کے مجمع میں کھڑے ہوکر جب امیر الہندؒ نے مرد مجاہد کی شکل میں آواز لگائی، ان کی ایک آواز سے حکومت کو اپنا قانون ٹھنڈے بستہ میں ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا، ہندوستان اور اسلام کو مٹانے کے لیے جو خطرناک فتنہ سر اٹھانے والا تھا اللہ کے فضل سے ان کی ایک آواز سے دب گیا۔

(۴) بی جے پی حکومت کے زمانے میں علمائے اسلام اور طالبان علم دین اور انہیں کے ہم شکل کرتا پاجامہ اور ٹوپی پہننے والے مسلمانوں کے لیے پورے ملک میں چلنا پھرنا ایک مصیبت بن گیا تھا، ریلوے اسٹیشنوں، بس اڈوں اور چوراہوں پر مسلسل گرفتاریاں ہو رہی تھیں، حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لیے ایسے خطرناک حالات میں ایسی ظالم حکومت میں اپنے آپ گرفتاری کے لیے پیش کرنا اور پھر گرفتاریوں کے ذریعے مطالبات کی مانگ کرنا کسی بھی ہندوستانی مسلمان کے بس کی بات نہیں تھی، اور بڑے بڑے مفکرین اور دانش ور سیاسی اور سماجی شعور رکھنے والوں میں سے کسی کے حلق سے یہ بات نیچے نہیں اتر رہی تھی کہ ایسے حالات میں گرفتاری کے لیے قدم اٹھانا کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟ اور گرفتاری کی تحریک کو مسلمانوں کے لیے بجائے کامیابی کے خودکشی کے مرادف سمجھا جارہا تھا، مگر پھر بھی اس مرد مجاہد کے عظیم حوصلہ اور اٹل ارادہ نے گرفتاریاں دے کر اپنے مطالبات میں کامیابی حاصل کرلی اور پیام انسانیت میں اپنے آپ کو مضبوط ستون ثابت کردیا۔ اللہ اکبر کیا ہمت! کیا ارادہ تھا! پورے برصغیر میں ایسے اٹل ارادہ والا اسلام کا کوئی دوسرا ستون نظر نہیں آرہا ہے۔

(۵) گجرات میں جب مودی حکومت میں انسانیت کا خون بہایا جارہا تھا اور مسلمانوں کے گاؤں کے گاؤں اور آبادی کی آبادی کو انسانوں کی قربان گاہ بنایا جارہا تھا، ایسے خطرناک حالات میں امیر الہندؒ کی سرپرستی میں ان کے بیٹے اور ان کے جانشین جناب مولانا سید محمود مدنی نے اپنے دادا حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور اپنے والد امیر الہند حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی نیابت کا ایسا ثبوت دیا کہ ہندوستان کی تاریخ کبھی اس کو فراموش نہیں کرسکتی۔

(۶) بی جے پی کے دور حکومت میں امریکہ کے اشارہ سے قرآن کریم کی سورۂ توبہ کی آیتوں کی ترمیم کا شوشہ چھوڑا گیا تھا تو حضرت امیر الہندؒ کی قیادت میں ہر صوبہ اور ہر ضلع میں ملک گیر احتجاج کیا گیا اور قرآن کریم کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو خاموش ہونا پڑا۔

(۷) کیوبائی جیل میں امریکی فوجیوں کے ذریعے قرآن کریم کی جو ناقابل فراموش بے حرمتی کی

گئی تھی اور قیدیوں کے ساتھ جو درندگی کی گئی تھی اس کے خلاف ملک گیر انداز میں تحریک چلائی گئی۔
غرض کہ جب بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی طوفان آیا اور اسلام دشمنی کی موجوں نے سیلاب میں طغیانی پیدا کی اس مردِ مجاہد نے ہمت وحوصلہ سے اس کا مقابلہ کیا۔

قائدانہ صلاحیت

کسی انسان میں قائدانہ صلاحیت کے لیے اپنے حوصلہ اور عزم وارادہ میں اٹل ہونا اور اپنے فیصلہ میں مضبوط پہاڑ بنے رہنا ضروری ہے، حضرت امیر الہندؒ کے زمانے میں اٹل ارادہ اور اٹل فیصلہ کا حامل کوئی دوسرا نظر نہیں آتا تھا، جب کسی بھی مجمع، کسی بھی کانفرنس میں قائدین اسلام، زعمائے امت ایک جگہ جمع ہوجایا کرتے تھے تو سب مل کر انھیں کو اپنا قائد مانتے تھے۔ جب کوئی فیصلہ فرماتے تو جلد بازی سے کام نہیں لیتے تھے، بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ فرماتے تھے پھر وہی فیصلہ اٹل ہوجاتا تھا، اور اسی پر قائم رہتے تھے، کسی انسان کے قائد بننے کے لیے یہی صلاحیت اول نمبر پر لازم ہے، اور جو انسان اپنے ارادہ کا مضبوط اور اٹل فیصلہ کرنے پر قادر نہ ہو وہ امت کا قائد بننے کا اہل نہیں ہوسکتا، ہر ایک کو زبان حال سے اقرار کرنا پڑا کہ ہندوستان کے پچیس تیس کروڑ مسلمانوں کے لیے قیادت کی صلاحیت اللہ تعالی نے اسی شخصیت میں رکھی تھی، اور حکومت کی طرف سے جب بھی مسلمانوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی تو ہر ہندوستانی کی نگاہ اسی شخصیت اور اسی قائد پر پڑتی تھی اور یہی مسلمانوں کے لیے سہارا بن کر حکومت کے مقابلے کے لیے کھڑے ہوجایا کرتے تھے۔
۲۷/۲۸/۲۹/اپریل ۲۰۰۵ء میں شہر بنگلور میں میڈیا اور ٹیلی ویژن کے موضوع پر ایک ملک گیر سیمنار ہوا جس میں پورے ہندوستان کے معتبر علماء اور زعمائے امت کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک کے علماء نے بھی شرکت فرمائی تھی، اس سیمنار میں پاکستانی پارلیمنٹ کے اہم ترین رکن مولانا سید نصیب اللہ شاہ صاحب نے دوران تقریر فرمایا تھا کہ حضرت فدائے ملتؒ صرف ہندوستان کے امیر نہیں بل کہ ہمارے پاکستان کے امیر بھی ہیں، ہم پاکستان سے یہاں سیمنار میں اس لیے شرکت کرنے آئے ہیں؛ تاکہ میڈیا اور ٹیلی ویژن کے بارے میں ہندوستان وپاکستان کے اس متحدہ امیر کے زیرنگرانی علمائے ہند کا فیصلہ کیا ہوتا ہے، ہمارے پاکستان میں بھی یہاں کے فیصلہ کے مطابق عمل ہوسکے، حضرت امیر الہندؒ کی قائدانہ صلاحیت کو ثابت کرنے کے لیے زبان قلم سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں دیکھنے والے خود فیصلہ کرنے پر مجبور تھے۔

ایک قائد اور سربراہ میں پانچ صفتیں لازم ہیں

حکومت اور مملکت کا سربراہ ہو یا ایسے مکتب فکر اور تنظیم وادارہ کا قائد ہو جس کے ماتحت

مختلف افراد کام کرتے ہوں، ایسے ہر قائد اور سربراہ کا پانچ صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔
(۱) **امانت داری**:- امانت کی صفت ہونا ایک سربراہ کے اندر ہر اعتبار سے ضروری ہوتا ہے تاکہ عوام وخواص کو اس امانت داری کے ذریعے اپنے سربراہ پر پورا اعتماد ہو جائے اور اللہ کے یہاں حساب وکتاب سے متعلق فکرمند رہے۔
(۲) **دیانت داری** :- قوم کے قائد اور سربراہ کا امانت دار ہونے کے ساتھ ساتھ دیانت دار اور دین دار ہونا بھی ضروری ہے اس لیے کہ عوام وخواص کا اعتماد دین دار اور امانت دار شخص پر ہی ہوا کرتا ہے، اور یہ دو صفتیں ایسی ہیں کہ ہر سربراہ اور قائد کے اندر تو لازم ہیں ہی، اس کے علاوہ ہر مسلمان کے اندر ہونا بھی لازم ہیں، دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ حضرت فدائے ملتؒ امیر الہند کے اندر یہ دونوں صفتیں بہ درجہ اتم موجود تھیں۔
(۳) **انکساری** :- یہ صفت بھی ایک قائد اور سربراہ کے اندر لازم اور ضروری ہے، عاجزی اور انکساری کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی موم کی ناک بن جائے جو جدھر کھینچے ادھر مڑ جائے بلکہ عاجزی وانکساری کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی جگہ ہمت وحوصلہ کا مضبوط پہاڑ بن کر رہے اور جہاں عاجزی وانکساری کا شرعاً حکم ہے وہاں اپنے آپ کو انکساری کا پاسبان ثابت کردے، حضرت والا اپنے بڑوں کے سامنے کس قدر عاجزی وانکساری، نرمی ورواداری فرمایا کرتے تھے ان کے ہم عصر لوگوں نے تو دیکھا ہی ہے، مگر ساتھ رہنے والے متعلقین اور خدام نے بھی ان کے عمل سے درس عبرت حاصل کیا ہے، جب حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ کے پاس تشریف لے جاتے تھے تو ان کی عاجزی انکساری کا منظر دیکھنے والوں نے دیکھا ہے۔
(۴) **وسعت ظرفی**:- ایک سربراہ کے اندر وسعت ظرفی کا ہونا بھی لازم ہے اس سے ماتحت لوگ اپنے قائد اور سربراہ سے ہمیشہ خوش رہتے رہیں، اور اگر وسعت ظرفی کے بجائے تنگ نظری ہو تو ایسے تنگ نظر آدمی کی سربراہی میں مختلف المزاج لوگوں کا ایک ساتھ رہ کر کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ ماتحت لوگ چھوڑ کر جانے کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں، اسی طرح حکومت اور مملکت کا سربراہ اگر وسعت ظرفی کا ثبوت نہ دے اور تنگ نظری میں مبتلا ہو جائے تو تمام رعایا اس سے بددل ہو کر اس کی حکومت کے زوال کے لیے بددعا کرے گی، اور اگر وسعت ظرفی اور رواداری کا ثبوت دے تو ماتحت لوگ اور رعایا اپنے قائد اور سربراہ کے لیے جاں نثار بن جاتے ہیں، حضرت کے قریب رہنے والوں کو معلوم ہے کہ حضرتؒ کے یہاں کا ایک ڈرائیور تک حضرت کو چھوڑ کر کہیں جانے کو تیار نہیں ہوتا تھا، بیس بیس سال ساتھ گزار دیے، سفر وحضر میں اپنے خدام اور ڈرائیور کو بھی

الگ کھانا نہیں کھلایا، اپنے ساتھ میں وہی کھانا کھلایا کرتے تھے جو خود تناول فرمایا کرتے تھے، ناشتہ، پانی ہر چیز میں چھوٹوں کا خیال رکھا کرتے تھے، ان کے ذریعے سے غریب خدام میں سینکڑوں کو اللہ نے اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا، ہم نے ان کی زندگی میں کبھی تکلف، بناوٹ اور تصنع نہیں دیکھا، ان کی زندگی کے کسی پہلو میں تکلف اور بناوٹ نہیں تھی، حدیث پڑھنے پڑھانے والے ہر عالم اور طالب علم کو ان کی زندگی میں حدیث پاک کا نمونہ نظر آیا کرتا تھا، ہم نے جب بھی ان سے ملاقات کی تو یہ روایت ضرور یاد آئی اور ان کی زندگی سے اس روایت کا پس منظر دیکھتے رہے: "**اولئک اصحاب محمد کانوا افضل هذه الامة ابرها قلوباً و اعمقها علماً واقلها تکلفاً اختار هم الله لصحبة نبیه و لاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علی اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم و سیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم.**" (مشکوۃ شریف ۳۲/۱)

(۵) **انصاف پسندی**:- ایک قائد اور سربراہ کا عادل اور انصاف پسند ہونا بھی لازم ہے اس لیے کہ عدل وانصاف ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبد العزیز کے مقام تک پہنچا دیتی ہے، زمانہ گزر گیا ہزاروں سال کے بعد بھی ان عادل مردان خدا کے نام کو دنیائے انسانیت ترستی رہ گئی۔ جو قائد اور سربراہ ان صفات خمسہ کے لباس سے مزین ہوگا اس کے ماتحت لوگ ہمت تن اس کے لیے خیر خواہ بن جاتے ہیں، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہزار ہا لوگ ان کے غائب میں ان کے لیے جاں نثاری کا ثبوت دیا کرتے تھے، یہ ان کی انصاف پسندی کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

ترمذی شریف کتاب التفسیر سورۂ دخان کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "جب اللہ کا کوئی نیک بندہ سچا اور متقی دنیا سے گزر جاتا ہے تو روئے زمین میں تو اس کو یاد کرنے والے ہوتے ہی ہیں؛ لیکن آسمانوں میں فرشتے بھی اس کے لیے غم مناتے ہیں"۔ (ترمذی ۱۶۱/۲) حضرت والاؒ کی وفات کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں پر کیا دھچکا لگا ہے ہر ایک کو معلوم ہے۔

فرق باطلہ کے لیے شیر مرد

مسلک دیوبند کے ذمہ دار علما اور قائدین میں مسلک کی محافظت کی جو فکر آپ کے اندر تھی کسی میں نظر نہیں آتی تھی جب بھی فرق باطلہ کی طرف سے مسلک پر حملہ ہوا تو آپ ہی کی ذات مقابلہ کے لیے کھڑی ہو جاتی تھی۔ حرمین شریفین اور جزیرۃ العرب میں مسلک حنفی اور مسلک دیوبند کو بدنام کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی، ہندوستانی اور پاکستانی غیر مقلدین نے

وہاں جاکر اپنے آپ کو سلفی اور اہل حدیث ہونے کا دعویٰ پیش کیا اور وہاں کے اہل علم اور علما میں اپنے دعویٰ کا چرچا کرنے کے ساتھ ساتھ مسلک حنفی کو بدنام کرنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈوں کا استعمال کرنا شروع کردیا، ان کی چالاکی وہاں کام کرگئی، چناں چہ وہاں کے علما اور اہل علم مسلک حنفی سے بدظن ہونے لگے، چوں کہ برصغیر میں حنفی مذہب کے اکثر علما اور اکثر اہل علم مسلک دیوبند سے جڑے ہوئے تھے اس لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر چلنے والوں میں سے دیوبندی مکتب فکر کے لوگوں کو زیادہ ہدف اور نشانہ بنایا گیا۔ چناں چہ مدینۃ المنورہ میں مدینہ یونیورسٹی میں پڑھنے والے ہندوستان اور پاکستان کے غیر مقلد طلبہ کو اجازت دے دی گئی کہ مسجد نبوی کے ہر چہار جانب حجاج کرام کے مجمع میں آزادانہ طور پر بیانات کریں، چنانچہ ۱۴۲۲ھ میں حج کے موقع پر مسجد نبوی کے ہر چہار جانب غیر مقلدین کے علما اور طلبہ نے روز آنہ مجمع میں کھڑے ہوکر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے مسلک کو کمزور ثابت کرنے کے لیے اپنے مقاصد کی تقریریں شروع کردیں، کبھی کبھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ذات پر اور کبھی ان کے مسلک پر اور کبھی ان کے مسائل اور کبھی مسلک حنفی کے مشہور مشائخ اور علما پر ایسے حملے شروع کردیے کہ سننے والے کے لیے صبر وتحمل کرنا بھی دشوار ہوگیا اور مدینہ کا یہ خطرناک ماحول ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور جب مکۃ المکرّمہ کی حاضری ہوئی تو دیکھنے میں آیا کہ مطرق الحدید کے نام سے مسلک حنفی کے مسائل پر توڑ مروڑ کر کے اعتراضات کا ایک پلندہ اشتہار کی شکل میں تقسیم کیا جارہا تھا جس میں توڑ مروڑ کر کے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ۵۶ مسائل پر عتراضات کیے گئے تھے اور یہ اشتہار گلی کوچوں میں تو تقسیم ہو ہی رہا تھا حیرت کی بات یہ تھی کہ مسجد حرام کے اندر بھی یہ اشتہار تقسیم ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا گیا، اور اس سال حضرت امیر الہندؒ بھی حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور وہاں کا یہ خطرناک منظر دیکھ کر کے بڑے متاثر ہوکر واپس تشریف لائے اور واپسی کے بعد غیر مقلدین سلفیوں کے خلاف تحفظ سنت کانفرنس کا اعلان فرمادیا اور معتبر علما مقلدین کے جوابات اور مسلک حنفی کی ترجمانی سے متعلق مقالات اور مضامین لکھنے کا فرمان جاری فرمادیا، الحمدللہ یہ کانفرنس اس قدر مؤثر ہوئی اور کامیاب ثابت ہوئی کہ سعودی حکومت کو غیر مقلدین نے جو بے خبری کا شکار بنایا تھا اس سے سعودی حکومت کے ذمہ داروں کی آنکھیں کھل گئیں اور حرمین شریفین میں غیر مقلدین نے جو فتنہ اور واہیات برپا کر رکھا تھا فوری طور پر اس پر روک لگادی گئی، الحمدللہ اس کے بعد حرمین شریفین میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے مسلک کے خلاف کیچڑ اچھالنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے، ”ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء“۔

امت میں اتحاد کے لیے سبق آموز نقوش

وفات سے کچھ عرصہ قبل برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان نبوت کے مطابق اتحاد کے ایسے نقوش چھوڑ گئے کہ موافق اور مخالف ہر ایک کے لیے درس عبرت ہے اور ہر ایک یہ سمجھنے پر مجبور ہوگیا کہ ان بزرگوں کے درمیان جب بھی کوئی اختلاف یا دوری ہوئی وہ صرف نفسانیت اور ذاتیات کی بنا پر نہیں تھی بل کہ اپنے اپنے دینی مدعا اور موقف کو صحیح سمجھنے کی بنیاد پر تھی، حضرت والا امیر الہند اور حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف کے درمیان کافی لمبے زمانہ تک اختلاف رائے اور دوری رہی جو برصغیر کے ہر فرزند توحید کو بہ خوبی معلوم ہے، مگر حضرت والاؒ کی وفات سے کچھ ہی عرصہ پہلے دونوں کے درمیان چند ملاقات کے ذریعے ایسا اتحاد اور آپس میں ایک دوسرے سے والہانہ تعلق ہوگیا کہ دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ اس تعلق کے بعد جب بھی دونوں کے درمیان ملاقات ہوتی یا دونوں ایک اسٹیج پر تشریف فرما ہوتے تو ایک دوسرے کے ساتھ کس قدر لحاظ اور ایک دوسرے سے کس قدر محبت کا مظاہرہ کرتے تھے، اس کو دیکھنے والے کبھی فراموش نہیں کرسکتے اور اسی کے نتیجے میں دونوں طرف کے لوگوں کے درمیان غیر معمولی اتحاد اور جوڑ پیدا ہوگیا، چناں چہ حضرت فدائے ملت امیر الہندؒ کی وفات کے بعد حضرت اقدس مولانا سالم صاحب دامت برکاتہم کو جو صدمہ اور رنج ہوا وہ نہایت بے مثال ہے، یہ ان بزرگوں کے ایسے نقوش ہیں جو منہاج نبوت کے مطابق ہیں اور بعد کے لوگوں کے لیے درس عبرت ہے، اللہ کی ذات سے امید کی جاتی ہے کہ اس اتحاد کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھنے کے اسباب فراہم فرمائے۔

اعتدال اورمیانہ روی

بعض مرتبہ ملک کے اندر نہایت ہنگامہ اور افراتفری کا ماحول پیدا ہوگیا کہ کوئی جہاد کا اعلان کرنے لگا، کوئی ہندو مسلم کے درمیان ہنگامہ آرائی کا راستہ دکھانے لگا، کوئی سیاسی ہتھکنڈے کے ذریعے انسانوں کا خون بہانے کا راستہ فراہم کرنے لگا، ان حالات میں آپ نہایت تحمل اور تدبر سے ایسا میانہ روی کا راستہ اختیار فرمایا کرتے تھے کہ دونوں قوموں کی طرف سے کوئی ٹکراؤ نہ پیدا ہوسکے اس طرح کے واقعات ملک کے اندر، ان کی زندگی میں ایک دو نہیں سیکڑوں سے زائد پیش آئے، ہر موڑ میں مخالف ہواؤں کا نہایت حسن تدبیر سے رخ موڑ کے درمیانی راستہ اختیار فرماتے اور اپنے آپ کو قرآنی آیت کا مصداق ثابت کرنے میں کام یاب ہوتے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ

مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ. (سورہ فاطر آیت ۳۲)

پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند فرمایا، پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے بیچ کی چال پر ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدائی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔

اس آیت کے مطابق سیاسی معاملات میں آپ میانہ روی کا راستہ اپناتے تھے۔

بیک وقت سیاست اور بزرگی

دنیا میں ایسے انسان بہت ملتے ہیں کہ عبادت وریاضت کی لائن میں یکسو ہیں، ملی اور سیاسی سرگرمیوں سے ان کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں پڑتا، اسی طرح ایسے لوگ بھی بے شمار ملیں گے جن کا تعلق صرف سیاسی سرگرمیوں سے ہوتا ہے، لیکن ایسے انسان پورے عالم میں خال خال ملتے ہیں جو بیک وقت عبادت وریاضت میں "**سابق بالخیرات**" کے مصداق بنے رہیں، اور ملی وسیاسی سرگرمیوں میں "**ومنهم مقتصد**" کے مصداق بنے رہیں، احقر نے حضرتؒ کو قریب سے دیکھا ہے کہ سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی اسفار کے دوران نماز باجماعت اور نمازوں میں مسنون قرات کی پابندی اور چلتے سفر میں تہجد کی پابندی اور ذکر ومعمولات کی پابندی میں کسی قسم کی کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد صبح صادق ہوتے ہی اپنی نماز الگ پڑھ کر دوسری جگہ کا سفر تھا، اس نا اہل کو امام بنا دیا گیا احقر نے فجر کی نماز میں سورہ فیل اور سورہ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھا دی اور ذہن میں یہ تھا کہ سفر کی عجلت ہے، سلام پھیرتے ہی فرمایا" قاری صاحب کیا عجلت تھی اتنی مختصر قرات کیوں ہوئی؟ ساتھ میں حضرت اقدس مولانا رشید الدین حمیدیؒ بھی موجود تھے انہوں نے فرمایا، مفتی صاحب آپ کو معلوم ہے کہ حضرت والا سفر میں بھی مسنون قرأت کی پابندی فرمایا کرتے ہیں۔

سیاسی حکمت عملی:

حضرت والاؒ کی سیاسی حکمت عملی ملک اور بیرون ملک میں شہرت یافتہ رہی ہے، جس سے مسلم غیر مسلم اکثر وبیشتر لوگ واقف ہیں، ایک واقعہ یہاں نقل کرتا ہوں جس سے ناظرین آپ کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا بآسانی اندازہ لگالیں گے۔ ۲۰۰۱ء جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان کی طرف سے پشاور (پاکستان) میں ڈیڑھ سو سالہ دار العلوم دیوبند کانفرنس منعقد ہوئی، اس وقت امریکہ کی نگاہ افغانستان کے اوپر بہت سخت تھی اور ادھر مسئلہ کشمیر کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان

تعلقات نہایت خراب اور خطرناک تھے، دونوں حکومتوں کی اینٹلی جنس کے لوگ پشاور میں حضرت کے بیان کے انتظار میں تھے مسئلہ کشمیر سے متعلق کیا بیان دیتے ہیں؟ حضرت والا کا بیان ایک بجے رکھا گیا تھا لیکن دوسرے مقررین کے بیانات کا سلسلہ ایک بجے سے تجاوز کر چکا تھا، اس کے بعد حضرت کا نمبر آیا، جب حضرت کے بیان کا اعلان ہوا تو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ہزاروں کے مجمع میں عجیب وغریب حرکت پیدا ہوگئی اور دیر تک آپ کے استقبال میں نعرہائے تکبیر بلند ہوتے رہے، نیز ہر طرف سے آپ کا بیان نوٹ کرنے والے سرکاری اور غیر سرکاری کارندے اور تمام دنیا کے ذرائع ابلاغ کے لوگ مستعد تھے، حضرت نے اطمینان کے ساتھ مائک پر پہنچ کر فرمایا: ''میرے بیان کا وقت ایک بجے تھا، اور ایک بجے کے بعد دعا ہونی تھی، اب ایک کی بجائے ڈیڑھ بج چکا ہے میرے بیان کا وقت ختم ہو چکا ہے، اور وقت کی پابندی ضروری ہے اس لیے وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا بیان موقوف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس اجلاس کو کام یاب فرمائے اور امت کے لیے خیر کے راستے نکالے، **و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين**'' آپ کے یہ الفاظ سن کر اجلاس میں سناٹا چھا گیا اور دونوں حکومتوں کی اینٹلی جنس کے لوگ حیران رہ گئے اور اخبار والوں نے حضرت کے بیان کو اچھالنے کے لیے جو ذہن بنا رکھا تھا وہ سب ہاتھ ملتے رہ گئے، مگر اس کے بعد اسی دن شب میں دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بیان ہوا اور مسلک دیوبند اور مسلک امام ابوحنیفہؒ پر آپ نے نہایت پر مغز تفصیلی خطاب فرمایا۔

بے مثال مجاہدہ

وہ زمانہ بھی خوب دیکھنے میں آیا کہ ایک رات میں تین تین چار چار جلسوں میں شرکت فرماتے تھے، بعض دفعہ حسن اتفاق سے اس خاک سار کو بھی حضرت کے ساتھ ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا، میرٹھ مظفرنگر کے علاقہ میں جلسوں میں ہنگامی دورہ ہو رہا تھا، دو تین مدرسوں کے جلسوں سے فارغ ہو کر آخر میں مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام سٹھلہ کے جلسہ میں شرکت فرمائی، رات ایک بجے کے بعد بیان کے لیے بٹھایا گیا اور دو بجے پروگرام ختم ہوا، تقریباً ساڑھے تین یا پونے چار بجے صبح صادق ہو جاتی تھی تو اول وقت میں اپنی جماعت الگ سے کر کے فجر کی نماز ادا فرمائی اور فوراً دہلی کے لیے روانہ ہو گئے اور دہلی میں صبح ۸ بجے سے عمومی کانفرنس تھی، بغیر آرام کے سفر کر کے وقت پر دہلی پہنچ گئے اور جاتے ہی اسٹیج پر پہنچ گئے، پوری رات آرام نہیں فرمایا، پھر کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد شاید دو ایک گھنٹہ آرام فرمایا، ظہر کے بعد پھر پروگراموں میں شرکت شروع فرما دی، مجاہدہ اور جفاکشی اس طریقے سے ہر انسان کے بس کی بات نہیں، وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالی نے

”وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا الخ“ یعنی جو ہمارے راستہ میں جد وجہد کرتا ہے ہم اس کو اپنے راستوں کی رہ نمائی کرتے ہیں) کا مصداق بنایا ہو۔

ہندوستان اپنے عظیم الشان قائد سے محروم

۷رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو مغرب کی نماز کی تیاری کے لیے اذان مغرب سے تقریباً ۱۲ منٹ پہلے وضو کرنے جارہا تھا حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب کا فون آیا کہ حضرت اقدس فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقد کی وفات کا دردناک سانحہ پیش آ گیا ہے، خبر سنتے ہی زبان سے ”اناللہ وانا الیہ راجعون“ کے الفاظ نکلے اور حضرت کی زندگی کے مختلف منظر ذہن میں گھوم گئے، اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے، جن کو دنیوی سرگرمیاں اللہ تعالی کی یاد سے قطعاً غافل نہیں کرتیں اور وہ تمام تر مصروفیات کے باوجود ذکر خداوندی، نماز باجماعت اور صدقہ خیرات وغیرہ اعمال صالحہ میں لگے رہتے ہیں، ہمارے حضرت فدائے ملتؒ بھی ایسے ہی قابل رشک لوگوں میں شامل تھے، اس خاک سار نے تیس پینتیس سال سے حضرتؒ کی زندگی کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعات خصوصی مجلسوں اور کانفرنسوں میں دیکھا، واقعہ یہ ہے کہ ان جیسے عظیم المرتبت انسان دنیا کے گوشے گوشے میں ڈھونڈے جائیں پھر بھی مشکل سے مل پائیں گے، احقر نے حضرت والاؒ کی جوانی کا زمانہ بھی دیکھا ہے جب حضرتؒ کی ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں سفیدی بالکل نہیں آئی تھی، اس وقت حضرتؒ کے اکابر اور اساتذہ باحیات تھے لیکن بڑے بڑے مجامع اور اجتماعات میں ان کے اکابر اور انھیں کے اساتذہ ان کے واسطے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے تھے۔ یہ عظیم شخصیت ۷رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو ہندوستان کے ۲۵-۳۰ کروڑ مسلمانوں کو یتیم چھوڑ کر چل بسی وارثین میں پانچ بیٹے جناب بھائی احمد مدنی، حضرت مولانا محمود مدنی، جناب مولانا مسعود مدنی، جناب مولانا محمد مدنی، جناب حافظ مودود مدنی اور دو بیٹیاں سعدیہ اور ذکیہ کو اپنے پیچھے چھوڑا۔ اللہ پاک حضرت والاؒ کے ساتھ اپنی وسیع رحمت اور بے کراں مغفرت کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔

یارب صل وسلم دائماً ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

○○

□ مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ امدادیہ عربیہ، مراد آباد

حضرت امیر الہند: عظمت اور رفعت کے چند نقوش

امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کا سانحۂ وفات پورے عالمِ اسلام کا نا قابل تلافی نقصان ہے۔ یہ صرف ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ پورے ایک عہد کا اور اس کی دل آویز خصوصیات کا خاتمہ ہے۔ ان کی شخصیت بلاشبہ اسلامی تاریخ کی ان جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات میں نمایاں ہے جن کے پائے ثبات و استقامت میں نہ حکمرانوں کا رعب و جلال لغزش پیدا کر پاتا ہے اور نہ سیم و زر کی زنجیریں قصرِ سلطانی کے گنبد پر اپنا نشیمن بنانے پر اُنھیں آمادہ کرسکتی ہیں بلکہ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ:

باسلاطیں درفتد مردِ فقیر　　از شکوہِ بوریا لرزد سریر

مردِ فقیر بادشاہوں سے پنجہ آزما ہوجاتا ہے، اس کے بوریا کے جلال و شکوہ سے تخت و تاج لرزاں و ترساں رہتے ہیں، وہ ان خوش نصیب بندگانِ خدا میں تھے جنھیں قسّامِ ازل نے بے شمار کمالات، امتیازات اور خوبیوں سے بہرہ مند فرمایا تھا، ان کی ذات میں جو مکارم و محاسن اور حسنات و فضائل کا اجتماع اللہ کی توفیق سے تھا ان کا احاطہ بے حد دشوار ہے۔ بقول شاعر:

من كثرة الأخبار من مَكرُماتِه
يمرّ به صنف و يأتی به صنف

یعنی اُن کے مکارم اتنے گونا گوں ہیں کہ ایک کا ذکر چھڑتا ہے تو دوسرا سامنے آجاتا ہے، مرحوم کی چند نمایاں امتیازی خصوصیات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) عظمت و عبقریت

حضرت امیر الہند علیہ الرحمہ کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی عظمت ہے۔ اللہ نے ان کو جو ہمہ جہتی عظمت عطا فرمائی تھی وہ محض خاندانی ورثہ نہیں تھی، بلکہ عظمتوں اور رفعتوں کے مینارۂ بلند تک پہنچنے کے لیے انھوں نے اپنا خونِ جگر جلایا تھا، ملت کے مسائل کے لیے ایوانِ پارلیمنٹ میں، اربابِ اقتدار کے سامنے، پبلک اسٹیجوں پر، شہر شہر، قریہ قریہ، ملک و بیرونِ ملک، سفر و حضر، راحت

وکلفت، ہر وقت اور ہر حال میں اپنے ذاتی اور خاندانی غموم وہموم سے بے پروا ہوکر ان کی شب و روز کی پیہم مجاہدانہ مساعی، جہدِ مسلسل لگن، ملت کا دردِ بے پناہ، سوزِ دروں اور:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیؔر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کے مطابق فکرمندی اور کڑھن یہ سب ان کی عظمت کے بنیادی روشن عناوین ومظاہر ہیں۔ ان کو خاندانی عظمت بھی حاصل تھی اور وہ چاہتے تو اسی پر بس کر بیٹھتے، مگر ان کا طائرِ بلند پرواز محض خاندانی عظمت کو آشیانہ بنانے پر آمادہ نہ ہوا بلکہ انھوں نے اپنے جہادِ مسلسل سے ذاتی عظمت کی رفعتیں حاصل کیں، اور ان کی فکر عربی شاعر کی اس فکر سے ہم آہنگ رہی:

إن الفتیٰ من یقول ھا أنا ذا
لیس الفتیٰ من یقول کان أبي

صاحبِ عزم جوان وہ ہے جو خود مردِ میدان ہو اور کسی دوسرے کے بھروسے پر نہ رہے، وہ کسی کا دستِ نگر نہ ہو، بلکہ اسے اپنے زورِ بازو پر یقینِ محکم ہو اور وہ للکار کر کہے کہ ''لو! میں سامنے موجود ہوں''۔ صاحبِ عزم وہ نہیں جو صرف اپنے آباء واجداد اور خاندان کی عظمت پر ناز کرتا پھرے اور خود میدانِ عمل میں کوئی جوہر نہ دِکھا سکے، حضرت امیر الہند اپنی دنیا آپ بنانے والے اصحابِ عزیمت میں سے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ''راہ میں حائل ہوں اگر کوہ تو ٹھکرا کے نکل'' چنانچہ ان کے مشن کی راہ میں بڑے بڑے طوفان آئے، اپنوں اور غیروں کی ریشہ دوانیاں آئیں، رکاوٹوں اور مخالفتوں کی ہوائے تندوتیز آئی، مگر کوئی چیز ان کی رفتارِ کار اور عزم وہمت کے آڑے نہ آسکی اور وہ زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے رہے کہ:

میں کہاں رُکتا ہوں عرش وفرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اُونچا حدِ پرواز سے

(۲) قائدانہ جوہر:

اللہ نے ان میں کوٹ کوٹ کر قائدانہ صلاحیت بھردی تھی، دوراندیشی، عقابی روح، اصابتِ فکر، جرأت وعزیمت، حق گوئی، بے باکی، بصیرت وفراستِ ایمانی، بلندنگاہی اور عالی حوصلگی کی جو خوبیاں ان کے خمیر میں پیوست تھیں، قیادتِ ملت کے پرخار اور نازک سفر میں یہی ان کا رختِ سفر اور زادِراہ تھیں۔ بقول اقبال:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

کہا جاتا ہے کہ ''قیادت اطاعت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے''۔ ملت کے غم میں اُونچے بول بولنے اور جھوٹے آنسو بہانے والے قائدینِ ملت کے انتشار اور جذبۂ اطاعت سے محرومی کا واویلا کرتے ہیں مگر امیر الہند مرحوم کی قیادتِ ملت کی پچاس سالہ تاریخ اطاعت و اجتماعیت کی آئیڈیل تاریخ ہے، اور مفاد پرست و مصلحت کوش، کرگس صفت، قائدین کی قیادت اور امیر الہند کی جرأت مندانہ اور شاہین صفت قیادت میں جو واضح فرق ہے وہ یہی ہے کہ:

مرے ہم صفیر بلبل ترا مرا ساتھ ہی کیا
ترا درد دردِ تنہا، مرا غم غمِ زمانہ

ہندستان میں سرمایۂ ملت کی پاسبانی و نگہ بان تنظیم جمعیۃ علماء ہند کے وسیع اور عوامی بے نظیر پلیٹ فارم سے نصف صدی سے زائد عرصہ تک انھوں نے اسلامیانِ ہند کی قیادت کی اور احساسِ محرومی و کمتری سے دوچار ملت کو حوصلہ بخشا، ان کے سینوں میں دبی آگ کو شعلہ جوالہ بنایا، انھوں نے مصلحت اندیشیوں کے بجائے جرأت مندانہ اقدامات کی تحریک یہ کہتے ہوئے پیدا کی کہ:

مصلحت اندیشیوں ہی کا تو یہ انجام ہے
اتحادِ دین و ملّت پارہ پارہ ہوگیا

انھوں نے امت کو یہ ہمت دی کہ امت اپنے مسائل پوری قوّت سے اٹھائے، اسے اپنے وجود اور تحفظ کی فکر کے بجائے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا ہے، اس کے وجود پر کوئی آنچ نہیں آنی ہے، اصل چیز اپنے حقوق کا جرأت مندانہ مطالبہ ہے، انھوں نے ملت میں یہ روح بھری کہ وہ اپنے مسائل اُٹھائے اور اس میں ذرا بھی لچک، نرم روی اور سہل انگاری سے کام نہ لے، اس لیے کہ:

مسئلے زندہ قوموں کی پہچان ہیں مردہ قوموں کے کوئی مسائل نہیں

ناعاقبت اندیش اور کوتاہ بیں افراد کو کبھی کبھی ان کی قیادت میں ضرورت سے زیادہ عاجلانہ اقدامات اور تدریج کے بجائے، منزل بہ منزل سفر کے بجائے یک بیک آخری منزل اور مقصد پالینے کا مزاج نظر آتا تھا، مگر امیر الہند کی فراست اور دور اندیشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا تھا، اور ان کی رفتارِ کار گویا یہ پیغام دیتی تھی کہ:

بڑھ جنوں کچھ اور آگے، منزلیں ہیں اور بھی
اس سے کیا حاصل کہ ٹکرائیں درودیوار سے ہم

دنیا نے یہ منظر بار بار دیکھا کہ جمعیۃ علماء (جس کی تاریخ عزیمت کی روشن ترین تاریخ ہے) کے پلیٹ فارم سے امیر الہند کی ایک صدا پر خلقِ خدا کا وہ ہجوم اکٹھا ہوتا ہے جس سے ایوانِ باطل میں لرزش پیدا ہوجاتی ہے، جمعیۃ کی تاریخ میں امیر الہند کی قیادت کا دور اس کا عہد زرّیں ہے اور کہا

جاسکتا ہے کہ:

تاریخ جنوں یہ ہے کہ ہر دورِ خرد میں
اِک سلسلۂ دار و رسن ہم نے بنایا

(۳) مسلکِ دیوبند کا تحفظ:

امیر الہند کی ایک نمایاں خصوصیت مسلکِ دیوبند کا تحفظ اور اکابرِ دارالعلوم کے مزاج و مذاق اور اقدار کی ترویج و اشاعت کی فکر و اہتمام ہے، اور اس کے لیے انھوں نے جو قابلِ قدر خدمات انجام دیں ان سے ان کی بیدار مغزی اور ہوش مندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ گذشتہ مارچ ۲۰۰۵ء کو میں نے دہلی میں حضرت سے ملاقات کے دوران اپنی ایک تصنیفی کاوش ''مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ: جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے'' پیش کی۔ آپ نے اس کا سرسری مطالعہ فرمایا اور پوچھا کہ اس کتاب میں دارالعلوم دیوبند کا ذکر نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ دیوبند کا ذکر ہے، پھر وہ باب کھول کر پیش کیا جس میں مفکرِ اسلام، دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا مفصل ذکر ہے۔ حضرت نے وہ پورا مضمون پڑھا، اپنی مسرّت کا اظہار کیا اور دعائیں دیں، اس معمولی واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم، مسلکِ دارالعلوم اور اکابرِ دارالعلوم سے ان کا تعلق کس درجہ والہانہ اور عاشقانہ تھا، اور اکابر کا مزاج و مذاق ان کے رگ و پے میں کس درجہ پیوست تھا۔

ملت کی بدقسمتی ہے کہ چند سالوں سے ایک جماعت مسلسل مسلکِ احناف و دیوبند اور اکابرِ دیوبند کے خلاف طوفانِ بدتمیزی میں مشغول ہے اور کچھ بے توفیق تکفیر و تضلیل یا کم سے کم تفسیق و تشنیع کی حدوں تک جا پہنچے ہیں۔ امیر الہندؒ نے اس نازک موقعے پر تحفظِ سنت کانفرنس بلائی اور ملتِ اسلامیہ کے تمام روشن دماغ، سلیم الفکر افراد، عقیدت مندان وخوشہ چینانِ دارالعلوم کو اکٹھا کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلکِ دیوبند اور عظمتِ اکابر کے تحفظ کے لیے ذہنی، دماغی، قلبی، لسانی، علمی و عملی ہر طرح کی کوشش جاری رہے گی اور مسلکِ دیوبند پر کوئی آنچ آئے اسے گوارا نہ کیا جائے گا۔

(۴) اتحادِ ملّت کی سعئ محمود:

حضرت کی زندگی کا یہ پہلو عام طور پر نگاہوں سے اوجھل ہے، یا غلط فہمیاں حائل ہیں۔ اصحابِ بصیرت واقف ہیں کہ جمعیۃ علماء اور دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے حضرت نے اتحادِ ملت کی کوشش مستقل جاری رکھی، اتحادِ ملت کا سرا براہِ راست اصلاحِ معاشرہ سے جڑا ہوا ہے، تحریک اصلاحِ معاشرہ جو آج ہندستان کے ہر گوشے میں جاری ہے اور اس کے اثرات نمایاں ہیں، وہ جمعیۃ علماء کی دَین اور امیر الہند کا فیض ہے۔ سابق فرقہ پرست حکومت نے مدارسِ اسلامیہ کے

خلاف دہشت گردی پھیلانے کا جو ڈھونگ رچا تھا اور مدارس کی تفتیش اور اہلِ مدارس کو ٹارچر کرنے کی جو منظّم مہم اور کوشش جاری کر رکھی تھی اور اس کے لیے جو سیاہ بل نافذ کرنے کا پروگرام تھا، حضرت نے اس کے مقابلے کے لیے کانفرنس بلائی اور پھر سب نے دیکھا کہ ان کی آواز پر لاکھوں مسلمانانِ ہند نے لبیک کہا۔ تاریخ نے یہ منظر بھی ریکارڈ کیا کہ مختلف الخیال افراد اور مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندے حضرت کے قدم بہ قدم اس مہم میں شریک ہیں۔ اتحاد واجتماعیت کا یہ حسین ودل نواز مظاہرہ حضرت کے جذبۂ اتحاد کا ایک نمونہ ہے۔

(۵) تدیّن و تقویٰ اور خشوع:

حضرت کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والا ان کے تدین، تقویٰ اور خشوع کا شاہد ہے۔ حقوق کی ادائیگی کا اہتمام، توازن، معاملات کی صفائی، معاشرتی زندگی کی پاکیزگی، نماز با جماعت کا بے نظیر اہتمام، خاشعانہ کیفیت، شب بیداری، آہِ سحر گاہی، تلاوت ومناجات، دعا وانابت اور حسنِ اخلاق حضرت کی عملی زندگی کے روشن عناوین ہیں اور ان کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ یہاں اس کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔

جمعیۃ علماء کی عملی قیادت میں قدم رکھنے کے دن سے لے کر یومِ وفات تک شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جب ایک خاص حلقے میں ان کی تحقیر اور ملامت نہ کی گئی ہو، ان کے لیے کلماتِ اہانت استعمال نہ کیے گئے ہوں اور ان کو ملت کا دشمن ثابت نہ کیا گیا ہو اور ان کے خلوص پر حملے نہ کیے گئے ہوں، مگر یہ حرکت ان لوگوں نے کی جن کے جسم نازک میں ملت کی خدمت کی راہ میں ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اسلام کے لیے کوئی کانٹا نہیں گڑا، اور خون تو بڑی چیز ہے اسلام کی صحیح خدمت میں انھیں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ جس وقت ملت محرومی اور مایوسی کے دور سے گزر رہی تھی، علاقے کے علاقے خونِ مسلم سے لالہ زار ہو رہے تھے، لاشے بے گور وکفن تھے، مساجد و مدارس کی حرمت اور وقار داؤ پر لگے ہوئے تھے، اس وقت ملت کے اس مرحوم ومجاہد قائد عظیم کے بارے میں زبانِ ملامت دراز کرنے والے کہاں تھے؟ ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کی صبح احاطۂ دارالعلوم دیوبند میں پورے ملک سے اپنے قائد عظیم کی تدفین میں کشاں کشاں آیا ہوا انسانی سمندر زبانِ حال سے کہہ رہا تھا: **هذا تكون جنائز ائمة السنة.** ائمۂ دین اور رہبرانِ امت کا جنازہ اسی شان سے اٹھتا ہے۔ جنازے میں شریک انسانی ہجومِ بے پناہ رخصت ہونے والے کی مقبولیت اور محبوبیت کا نشان تھا، اور ہر صاحبِ بصیرت یہ تاثر ظاہر کرنے پر مجبور تھا کہ قیادتِ ملت کی صف میں ایسا خلا اور سناٹا در آیا ہے کہ:

دُور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں

○○

□ ڈاکٹر رضی احمد کمال
(جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)

مردِ کامل مولانا سیّد اسعد مدنیؒ

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے
جن کو تم ڈھونڈتے پھروگے مگر پا نہ سکو گے

محترم حضرات!

بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جو اس دنیا سے گزرنے کے بعد اپنے پیچھے ایسا خلا چھوڑ جاتی ہیں جس کا پُر کرنا بہت دُشوار ہوتا ہے، کبھی کبھی تو ایک قرن، ایک صدی یا اس سے بھی زیادہ وقت تک اس بات کا انتظار کرنا پڑتا ہے کہ ''جبکہ مردے از غیب'' نمودار ہو کر اس کمی کو پورا کرے جو موت کے ظالم ہاتھوں نے پیدا کردی ہے، ایسی ہستیاں عام طور پر ہمہ گیر ہوا کرتی ہیں، جو فکر ونظر، سعی و عمل میں انقلاب آفریں ہوتی ہیں، ایسی ہی ایک ہستی ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ قصبہ دیوبند کے تاریخی شہر میں حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے گھر ایک کرن کی طرح نمودار ہوئی اور پھر ایک آفتاب کی صورت میں ہندو بیرونِ ہند کے بلاد پر چمکی، افسوس، زمانہ بہت سی کروٹیں کسے گا، زمین اپنے محور پر کتنے ہی چکّر کاٹے گی تب کہیں جا کر شاید ایک ایسی جامع شخصیت کا وجود ہو سکے گا، شاید اسی لیے یہ شعر کہا گیا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت مولانا اسعد مدنی جن کو آج بھی میرا قلم رحمۃ اللہ علیہ لکھنے کو تیار نہیں ہے اس لیے کہ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جن کی خوبیاں زندہ اور نیکیاں باقی رہتی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ جیسے کسی لمبے سفر پر گئے ہوں، کچھ دنوں بعد ان کی مسکراتی شکل پھر ہمیں دیکھنے کو ملے گی، کاش! یہ میرا خیال صحیح ہوتا، لیکن اب تو مسلسل کاموں کی تھکان نے انھیں ابدی آرام لینے پر مجبور کر دیا، اور ان کی مقدس روح باری تعالیٰ کے حضور جا چکی:

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

مولانا مرحوم کی تعلیم کا سلسلہ ابتدا تا انتہا دارالعلوم دیوبند سے ہی وابستہ رہا، ۱۹۴۷ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مختصر سا زمانہ والد محترم حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں کچھ وقت گزارنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تقریباً بارہ سال درس و تدریس میں گزارے، اور پھر ملی ضرورتوں کے پیشِ نظر دارالعلوم سے مستعفی ہوکر جمعیۃ علماء ہند سے باقاعدہ وابستہ ہوگئے، اور اُتر پردیش کے صدر کی حیثیت سے قومی، ملکی اور جماعتی خدمات انجام دینے لگے، مولانا کی خدمات اور خلوص سے متاثر ہوکر اکابرین نے مولانا مرحوم کو ۱۹/اگست ۱۹۶۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کی نظامتِ عمومی کے لیے منتخب کرلیا، یہ سلسلہ تقریباً دس سال تک قائم رہا، اس دوران فنافی الجمعیۃ ہوکر اس کی ترقی وبقاء کے لیے اس طرح مشغول رہے کہ گھر اور اہل وعیال سبھی کو اللہ کے بھروسے رکھتے ہوئے اس طرف سے بےفکر، برسات، گرمی، جاڑا، دُکھ، بیماری، راحت وآرام سے بےخبر آج یہاں تو کل وہاں، شہر شہر دیہات دیہات جوشِ خدمت میں لگے رہتے تھے۔

۱۱/اگست ۱۹۷۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے منصبِ صدارت پر فائز ہوکر تا دمِ آخر ملک وقوم کی خدمت کرتے ہوئے زندگی گزاردی۔

آج ہندوستان میں بہت سی مذہبی اقلیتیں ہیں لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی ایسی بھاری بھرکم شخصیت نہیں ہے جو ہندوستان کے مستقبل پر اثر انداز ہوسکے، کسی کے پاس اگر مفکر ہے تو وہ عوامی نہیں ہے، اگر عوامی ہے تو اس کا ماضی ایسا رہا ہے کہ اس میں وہ استقلال نہیں ملتا جو ایک مظبوط رہنما میں ہونا چاہیے، اور اگر ماضی استقلال سے بھرپور بھی ہے تو آزادی کے بعد کی تبدیلیوں میں وہ اپنی ہمّت کھو چکا ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کی یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے بعد حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ جیسی وہ شخصیت موجود تھی جس نے ایسے وقت میں جمعیۃ علماء ہند کی ذمہ داریوں کو سنبھالا کہ جب مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی وفات سے لوگوں کو محسوس ہورہا تھا کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کے وقار، دینی اقتدار اور ترقی کے لیے رات دن مصروفِ عمل یہ محاذ ٹھنڈا پڑ جائے گا، اور شاید اب مسلمانوں میں اس سطح کی کوئی شخصیت سامنے نہ آسکے گی جو ملک گیر سطح پر مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ اور ان کی تعلیمی وسماجی ترقی کے لیے اس جرأت واستقامت کے ساتھ سرگرمِ عمل ہو، مگر دنیا نے دیکھا کہ مولانا اسعد مدنیؒ کچھ اس شان سے اس میدان میں آگے آئے کہ ملک وقوم کی اُمیدوں کے بجھتے

چراغ پھر سے روشن ہونے لگے، اور دم توڑتے حوصلوں میں ایک بار پھر زندگی کے آثار نظر آنے لگے، مولانا مرحوم کا بڑا کارنامہ اس وقت یہ رہا کہ انھوں نے اپنی تبلیغ وعمل سے مسلمانانِ ہند میں وہ ذوقِ یقین اور جوشِ عمل پیدا کر دیا جو اس وقت ان کی بنیادی ضرورت تھی، انھوں نے ایک ماہرِ فن استاذ کی طرح مسلم قوم کو سکھایا کہ وہ اس ملک کے ایک شہری کی حیثیت سے اپنے تمام حقوق کے مطالبہ کے ساتھ ساتھ بھرپور کوشش کرتے ہوئے پورے انشراحِ قلب سے ملک کی دوسری قوموں اور مذاہب والوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر ملکی ترقی کی سعیٔ وکوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔

اس عوامی نظریہ کے ساتھ مولانا مرحوم نے ملّت اسلامیۂ ہند کی جو گراں بہا اور ان مٹ خدمات انجام دیں ہیں وہ تاریخ میں زریں حروف سے لکھی جائیں گی، آئندہ کا مؤرخ جب اِس زمانے کی تاریخ قلمبند کرے گا تو یقیناً مولانا کو ’’نجات دھندہ‘‘ کا لقب دے گا۔

حضرات! وہ ایک متحرک اور فعال راہ نما تھے، ہر کام اپنے وقت پر کرنا ان کی عادت تھی، سیاسی، مذہبی اور مسلکی معاملات پر ان کی نظر یکساں رہتی تھی، کسی مسئلہ میں صرف نظر سے کام لینا ان کے مزاج کے خلاف تھا، مسلمانوں کو اس وقت سب سے زیادہ جس مسئلہ کا سامنا تھا وہ فرقہ وارانہ فسادات کا نہ تھمنے والا سلسلہ تھا، کہیں بھی فرقہ وارانہ عصبیت کی چنگاری بھڑکتی تو مسلمانوں کے جان ومال سب خطرے میں پڑ جاتے تھے، ایسے حالات میں اس علاقے میں جانا، مسلمانوں کو حوصلہ دینا، ان کے امدادی کاموں کو قائم کرنا، فرقہ پرستوں پر لگام لگانے کی کوشش کرنا اور حکّام کو انصاف کے تقاضے پورے کرنے پر مجبور کرنا سب بہت مشکل کام تھے، مگر مولانا مرحوم ان حالات کے تمام خطرات سے بے پرواہ، بے دھڑک اس پر خطر ماحول میں پہنچ کر دن رات ان سارے حالات کو ٹھیک کرنے میں لگے رہتے تھے حقیقت یہ ہے کہ مولاناؒ نے جس طرح اپنے پرایوں سے بے فکر خود کو ملک وقوم کے لیے وقف کر دیا تھا یہ انھیں کا مقام تھا، اور کیوں نہ ہوتا؟ اس لیے کہ وہ صرف مسلمانوں کے ہی نہیں ملک کے ایک بہت بڑے رہنما تھے، وہ ملّی مسائل میں پوری دلچسپی لینے کے ساتھ ساتھ ملکی اور قومی مسائل میں بھی پوری دلچسپی لیتے تھے، اسی لیے غیر مسلم حضرات بھی ان کے پاس اپنے مسائل لے کر آتے رہتے تھے، وہ مسلمانوں کے مسائل کو خاص طور پر پیش کرتے تھے، مگر محض اس خیال سے نہیں کہ وہ مسلمان ہیں، بلکہ اس یقین کے ساتھ کہ مسلمانوں کے حل میں ملک وقوم کی نیک نامی جمہوریت کی کامیابی اور سیکولرزم کی جیت ہے، یقیناً وہ ایک سچّے محبِّ وطن تھے۔

اسی لیے جب کبھی ملک کے کسی بھی حصّے میں کوئی آفت یا پریشانی پیدا ہوتی تو وہاں کے

لوگوں کو اس بات کا پختہ یقین رہتا کہ ہماری دادرسی کے لیے کوئی آئے نہ آئے مگر مولانا اسعد مدنی ضرور آئیں گے، اور اکثر ایسا ہوتا بھی تھا، یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کا کوئی گوشہ کوئی گاؤں ایسا نہیں تھا کہ جہاں سے ان کے پاس فریادیں نہ آتی رہی ہوں، اور جہاں وہ خود اس فریاد کے لیے دوڑ کر نہ پہنچتے رہے ہوں۔

ان کی زندگی اس شعر کی مصداق تھی:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

حضرت مولاناؒ جس طرح اپنے معمولات اور اوقات کی پابندی کیا کرتے تھے وہ بھی ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی، یہ پابندی ان کے یہاں سفر وحضر میں یکساں رہتی تھی، ملک و بیرونِ ملک کے طویل سے طویل سفر میں بھی اپنے معمولات کو بروقت اور بلا ناغہ نباہنا انھیں کے بس کی بات تھی، چنانچہ اسفار سے قبل ہی ان کے سفر کا پورا شیڈیول گھنٹوں اور دنوں میں تقسیم ہوکر متعلقہ حضرات تک پہنچ جاتا تھا، ایک دن میں کئی کئی پروگرام ہوتے اور سارے ہی اپنے وقت پر نمٹ جاتے، اس لیے کہ وہ اس بات میں کسی رعایت کے قائل نہیں تھے، ایسا کبھی ممکن نہ تھا کہ اگلے پروگرام کے وقت کا حرج کرکے کسی پروگرام کے میزبان کی مروّت کی وجہ سے اگلے پروگرام کا حرج کررہے ہوں، گھڑی دیکھتے ہی اپنے وقت پر کھڑے ہوجاتے پھر انھیں روکنا ممکن نہیں ہوتا تھا، کئی اسفار میں اس ناچیز نے اس پابندی کا خود مشاہدہ کیا اور ہر بار اس حوالے سے ان کی محبت و عقیدت میں اضافہ ہوتا رہا۔

مولانا مرحوم کے یہاں دین و دنیا، مذہب وعقل کا ایسا خوشگوار امتزاج تھا جو اس زمانے میں کم دیکھنے کو ملتا ہے، وہ علمائے دیوبند کی پروقار مجاہدانہ روایات کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کے سوشلزم اور سیکولرزم کے بھی حامی تھے، جمعیۃ علماء ہند کے روحِ رواں کی حیثیت سے وہ مکاتب و مدارس اور دینی تعلیم کے فروغ میں کوشاں رہنے کے ساتھ ساتھ مسجدوں خانقاہوں وغیرہ کے اوقاف کی حفاظت کے لیے بھی پوری طرح فکرمند رہا کرتے تھے، وہ ایک طرف اگر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے تعلیمی اداروں پر اپنی شخصیت کا سایہ ڈالتے رہتے تھے، تو دوسری طرف دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے ایک بہت ہی اہم رکن بھی تھے، یعنی وہ بیک وقت مختلف النوع مذہبی، سیاسی، تعلیمی و ثقافتی، لسانی انجمنو اور اداروں کے ایک فعال رکن تھے، اور ہر جگہ ایک قائد کی ہی حیثیت رکھتے تھے۔ بقولِ شاعر:

گلشن میں سرو فوج میں مثل نشاں رہے
ہم بھی تو سر بلند رہے ہیں جہاں رہے

محترم حاضرین! ملک وملت کی تاریخ پر ان کی انتھک جدوجہد، ان کی ذہانت، معاملہ فہمی میں ان کی گہرائی اور اثر آفریں انسانیت کی چھاپ باقی رہے گی، اور اس دور کی تاریخ کا مطالعہ ان کی شخصیت کے مطالعہ کے بغیر ناممکن رہے گا۔ مولانا مرحوم کی ایک نمایاں خصوصیت ان کی جرأت اور بے خوفی تھی، وہ اس لیے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے تھے، ان کے یہاں جرأت کے ساتھ ساتھ ہوش وسلیقہ بھی بہت خوب موجود تھا، اسی لیے وہ جو بات بھی کہتے وہ سنی جاتی تھی، اور اس کا اثر بھی ہوتا تھا، جسے وہ حق بات سمجھتے اور جس کی سچائی پر ان کا ضمیر مطمئن ہوتا پوری قوت سے اس کا اظہار کیا کرتے تھے، اسی لیے وہ جب کوئی بات اپنے خاص اسلوب میں اپنی شانِ خطابت سے کہا کرتے تو سننے والوں کے ذہن کی گرہیں کھل جایا کرتی تھیں، کتنے ہی دل اسے سن کر تڑپ اُٹھتے تھے اور کتنے ہی ضمیر بیدار ہو جاتے تھے۔

مولانا مرحوم کے یہاں مایوسی ایک ناپسندیدہ شئے تھی، وہ قنوطیت اور احساس کمتری کے سخت دشمن تھے، ان کا ایمان تھا کہ اسلام اور عزتِ نفس لازم وملزوم ہیں، کسی امت کا تباہ ہونا ان کے نزدیک اتنا افسوس ناک نہیں جتنا کہ اس کا احساسِ کمتری میں مبتلا ہونا، ان کا خیال تھا کہ عزتِ نفس کی موت احساسِ کمتری کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے، مولانا مرحوم کے یہاں کسی معاملہ پر بروقت فیصلہ اور عمل کر گزرنا کبھی کبھی ان کو اکیلے ہی کئی جماعتوں پر بھاری بنا دیتا تھا: حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

اپنی اٹھارہ سالہ پارلیمانی زندگی میں مولانا ایک بااثر رکن شمار کیے جاتے رہے، حزبِ اختلاف بھی مولانا مرحوم کی حق گوئی اور وطن پرستی کی وجہ سے ان کا احترام کرتا تھا، ملک وملت کے ہر معاملہ میں مولانا نے ہمیشہ پوری جرأت اور بے خوفی سے ایوان میں اپنی بات کو رکھا، ہر نازک موقع پر وہ شیر کی طرح گرجتے تھے، مگر اس گرج میں کبھی نفرت یا علیحدگی پسندی کی کارفرمائی نہیں ہوتی تھی، اب پارلیمنٹ کا ایوان ہو یا کانگریس کا اجلاس، مسلمانوں کا پلیٹ فارم، یا کوئی مشترکہ جلسہ، حق گوئی وبیباکی سے اپنی آواز اُٹھانے والا وہ مردِ مجاہد اب کہاں سے لائیں گے، بہر حال یہ دنیا آنی جانی ہے یہاں جو بھی آیا اسے دیر سویر ایک نہ ایک دن جانا ہی ہے، دنیا کے اس چمن کا مالی اپنے اپنے وقت پر پودوں کو اُگاتا اور اکھاڑتا رہتا ہے، اس کے فیصلوں کے سلسلہ میں یہ کہنا تو شاید شکوہ سنجی اور گستاخی ہوگی کہ کسی کی موت قبل از وقت ہوگئی، ہر واقعہ اپنے وقت ہی پر ہوتا ہے، خواہ وہ

ہم کم فہموں کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ایسا ہی ایک عظیم واقعہ مؤرخہ ۶ رفروری ۲۰۰۶ء بروزِ پیر شام پانچ بج کر ۴۵ منٹ پر اپولو اسپتال کے آئی، سی، او میں اس مردِ مجاہد، اور صاحب کردار اور عظیم انسان کی موت کی صورت میں پیش آیا جو گفتار و کردار دونوں کا غازی تھا، جس کی شخصیت پر فدائے ملت کا خطاب اسی طرح زیب دیتا تھا جس طرح مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیتوں پر شیخ الاسلام اور امام الہند کا:

حضرات! حضرت مولاناؒ کے انتقال سے وہ روشنی آج ہم سے چھن گئی جس کے اُجالے میں ہمارا درماندہ کارواں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا، وہ انسانی سہارا جو حالات کی آندھیوں میں اُمید کی ایک کرن بن کر چمکتا تھا، جاتا رہا، لوگوں کی مصیبتوں کو سن کر تڑپ جانے والا ایک دل تھا جو ٹھہر گیا، وہ آزادی اور بے باکی کی ایک آواز تھی جو ڈوب گئی، فکر و عمل کا ایک آفتاب تھا جو غروب ہو گیا، آج اپنی محفل کو سونا دیکھ کر بس یہی کہنے کو جی چاہتا ہے:

ہاں اے فلکِ پیر جوان تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

مولانا مرحوم کے جنازہ کو اسپتال سے سوگواروں اور عقیدت مندوں کے ایک لمبے قافلے کے ساتھ دیوبند لے جا کر اس شہرِ خموشاں میں سپردِ خاک کر دیا گیا جہاں ان کے اکابرین ابدی نیند سو رہے ہیں۔ یعنی:

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

ہزار ہا انسانوں کا ایک ہجوم تھا جو ملّت کے اُس مجاہد رہنما کو دل کی تمام سوگواریوں کے ساتھ رخصت کرنے آیا تھا، جس کے جنازہ کے ساتھ تقریباً ڈھائی تین سو سال کی وہ تاریخ بھی اسے نئی دہلی سے مزارِ قاسمی تک رخصت کرنے آئی تھی جس کی وہ آخری کڑی تھی، اس لیے کہ مولانا مرحوم اِس عہد میں اس سلسلہ کی نشانی تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار و خیالات سے شروع ہوتا ہے، اور جس کا دامن اَن گنت انقلابی، سیاسی، تعلیمی اور مذہبی تحریکوں پر پھیلا ہوا ہے۔ راہِ فانی کی پہلی منزل سے گزر جانے والے اس مسافر کو ہمارا سلام:

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

○○

❑ مولانا حکیم الدین قاسمی
سیکریٹری جمعیۃ علماء ہند

آہ فدائے ملتؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے فرزند اکبر اور صدر جمعیۃ علماء ہند بعمر ۸۷ سال دہلی کے ''اپولو'' ہسپتال ۶ فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ بروز پیر ۵ بجے شام انتقال کرگئے، إنا لله و إنا اليه راجعون. آپ تین ماہ مسلسل بے ہوشی کی حالت میں تھے، لیکن وفات سے کچھ لمحات قبل ذکر جہری میں مشغول ہو گئے تھے، جو آپ کی کرامت تھی، آپ کی وفات کی خبر سے مسلمان عالم پر قیامت ٹوٹ پڑی ملت اسلامیہ ہند کے آسرا جمعیۃ علماء ہند بے سہارا ہوگئی، دارالعلوم دیوبند اور حضرت کی قیام گاہ پر پروانوں کا وہ ازدہام ہوا کہ آسمان دنیا نے دیوبند میں اتنا بڑا مجمع کسی جنازہ میں نہیں دیکھا تھا، آپ کی نماز جنازہ دارجدید کے احاطہ میں حضرت مولانا طلحہ صاحب نے پڑھائی اور حضرت شیخ مدنیؒ کے پہلو میں مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی:

مرگ مجنو پہ عقل گم ہے میر　　　کیا دیوانے نے موت پائی ہے

ملک کے وزیراعظم منموہن سنگھ، کانگریس پارٹی کی صدر سونیا گاندھی سمیت درجنوں سیاسی وزراء نے آپ کے جسد خاکی پر گلہائے عقیدت کا نذرانہ پیش کیا اور آپ کو عظیم مجاہد آزادی قرار دیتے ہوئے پوری قوم کے ساتھ غم میں شریک ہونے کا اعلان کیا، ہندوستانی سیاسی مسلم رہنماؤں کے ساتھ حزب اختلاف کے قائد کی قیادت میں پاکستانی اراکین پارلیمان وفد نے جنازہ میں شرکت کی، آپ ایسے والد اور شیخ کی عظیم نسبت کے حامل اور الولد سر لأبيه کے حقیقی مصداق تھے، جیسے ہی آپ کی آمد کی اطلاع ہوجاتی عوام کا عظیم مجمع زیارت اور استفادہ کے لیے اُمڈ آتا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے تاحد نظر سر ہی سر نظر آنے لگتے جو آپ کی عنداللہ مقبولیت و محبوبیت کی دلیل ہے، آپ نے اپنے عظیم باپ کے چھوڑے ہوئے مشن کی قیادت سنبھالی اور تاعمر قومی خدمت اور رشد و ہدایت کی مسند کو چار چاند لگائے، جس کی وجہ سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے برصغیر، افریقہ، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا اور روس سمیت لاکھوں فرزندان توحید مدنی سلسلہ سے منسلک ہو کر دین

کے داعی اور علم بردار ہو گئے۔

آپ کے دورِ صدارت میں جمعیۃ علماء کو ملک میں نئی زندگی ملی، ہر جگہ شاخیں قائم ہوئیں اور پورے ملک میں رفاہی امور انجام پانے لگے، فسادات کے مقامات میں آگ وخون کی ہولی کے درمیان سر بکف ہو کر جس طرح مظلوموں کی دادرسی اور جانفشانی کے مناظر آپ نے پیش کیے، ملی خدمات کے صفحات نے آپ کو زندہ جاوید بنا دیا، خونی فسادات کے تسلسل نے آپ کو سخت بے چین کر ڈالا تھا، آپ یہ محسوس کرر ہے تھے، کہ اگر حکومتی سطح پر اور اکثریتی فرقہ کو ساتھ لے کر کوئی اقدام نہ کیا گیا تو فرقہ پرستی کا زہریلا ناگ پورے ملک کے امن وامان کو خاک میں ملا دے گا، چنانچہ آپ نے اپنے بے مثال تدبر اور دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے مختلف قومی اجتماعات منعقد کیے تاکہ اکثریتی فرقہ پرستی کی تلوار کو اکثریتی طبقہ ہی کے ذریعہ نیام میں بند کرنے پر مجبور کرنے پر مجبور کیا جائے، چنانچہ قومی جمہوری کنونشن، فرقہ واریت مخالف کنونشن، قومی اتحاد کانفرنس اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، جس کے بعد فسادات کی لہر میں کمی آئی اور مسلمان کو سر اٹھا کر جینے کا حوصلہ ملا، آپ نے پارلیمنٹ میں مسلمانوں میں کی کھل کر حمایت کی، آپ کی تقریریں پارلیمنٹری ریکارڈ کا ایک حصہ اور آپ کی جواں مردی، حق گوئی، بے باکی اور اعلائے کلمۃ الحق کے فریضہ کی مظہر ہیں، اسی طرح جب بھی مسلم پرسنل لاء کو نشانہ بنایا گیا اور یکساں سول کوڈ کی راہ ہموار کی گئی تو آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اس کی پرزور مخالفت کی اور کانفرنسوں کے ذریعہ یکساں سول کوڈ کے خلاف ملک میں رائے عامہ بیداری کی اور ملک کے طول عرض سے فوری طور پر وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ ہند کے نام تقریباً پانچ لاکھ احتجاجی ٹیلی گرام بھیجے جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسلم پرسنل لاء میں مداخلت نہ کی جائے اور دفعہ ۴۴ کو دستور سے حذف کیا جائے، چنانچہ آپ کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کامیاب رہی اور حکومت اس سے باز آئی اور پھر سپریم کورٹ نے بھی اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا۔

جنتا گورنمنٹ میں جب ہر جگہ آر ایس ایس کا مزاج وذہن اور طریقۂ فکر چھانے لگا اور حکومت کے ہر شعبہ میں اس کا حکم کارفرما تھا جس سے حالات تشویشناک ہو گئے تھے، تو آپ نے حکومت کو اس طرف متوجہ کیا تو حکومت نے انتہائی مایوس کن اور دھمکی آمیز جواب دیا تو آپ نے وزیر اعظم کو جواب دیتے ہوئے اعلان کیا کہ کوئی دھمکی سیکولر اور جمہوری ہندوستان کی تعمیر کی جد وجہد سے ہم کو روک نہیں سکتی، پھر آپ نے ملک وملت بچاؤ تحریک چلائی جس میں پورے ملک لوگوں نے آ کر گرفتاریاں پیش کیں اور جنتا حکومت ڈھیر ہو گئی، دھمکی دینے والا وزیر اعظم ہمیشہ کے لیے گوشۂ گمنانی میں چلا گیا۔

آپ مظلوم آسامی مسلمانوں کے مسیحا ثابت ہوئے، پورے ملک میں آپ واحد مسلم رہنما ہیں جنھوں نے ان کی ہر طرح سے دست گیری کی، اس کا اعتراف تو سبھی کرتے ہیں، ہندوستان میں جب قادیانیوں نے سر اٹھایا اور ملک کے مختلف حصوں سے ارتدادی سرگرمیوں کی خبریں آنے لگیں تو آپ کا دل درمند تڑپ اٹھا، آپ نے عالمی تحفظ ختم نبوت کا اجلاس بلایا اور مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کرکے ملک کے مختلف مقامات پر قادیانیوں کی سرکوبی کے لیے تربیتی کیمپ بلوائے، اور اس سلسلہ کی ۳۷ کتابیں اور پمفلٹ تقسیم کرائے، ایرانی انقلاب کے سربراہ خمینی نے اپنے ڈیڑھ لاکھ رضا کاروں کے ذریعہ جو حرم مقدس کی پامالی کی تھی، اس سے مسلمانوں پر غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی تھی، آپ نے پورے ملک کو ایرانیوں کی سازش سے روشناس کرایا اور تحفظ حرم کا جذبہ بیدار کیا، دارالعلوم دیوبند سے خمینی کی تکفیر کا فتویٰ شائع کرایا، اور دہلی میں ایک عظیم کانفرنس منعقد کی جس کا افتتاح امام حرم نے کیا، ہندوستان میں امارت کا نظام جمعیۃ علماء ہند نے قائم کیا تھا، جس کی ابتداء اس نے بہار کی امارت شرعیہ سے کی تھی، چنانچہ چاروں امراء شریعت جمعیۃ علماء ہند کی زیرنگرانی منتخب ہوئے تھے لیکن ملکی حالات کی وجہ سے اب تک کل ہند پیمانہ پر اس کا نظام نہیں بن سکا تھا، لیکن ۲ نومبر ۱۹۸۶ء کو آپ نے ایک نمائندہ اجتماع بلاکر اس فریضہ کی تکمیل کی سعادت حاصل کی اور پھر پورے ملک میں اس کا نظام قائم کیا اور بڑے بڑے اجتماعات کے ذریعہ لاکھوں افراد نے سمع و اطاعت کا عہد کیا۔

شرعی اعتبار سے نئے نئے مسائل حل کیے، آپ نے المباحث الفقہیہ کو متحرک وفعال بنایا اور فقہی اجتماعات کے ذریعہ پیش آمدہ حوادثات کا شرعی حل پیش کیا، اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے شایان شان مرکزی دفتر کی تعمیر اور مسجد عبدالنبی کی جدید کاری آج ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کی علامت اور آپ ہی کی تعمیری منصوبہ کا ایک حصہ ہے، ۱۹۴۵ء سے جمعیۃ علماء یوپی کے بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے، ۱۹۶۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری اور ۱۹۷۳ء سے تاحین حیات آپ اس کے متفقہ طور صدر رہے، آپ ۱۹۲۸ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے، آپ کی والدہ حکیم غلام محمد کی صاحبزادی تھی جو ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے آپ کی پہلی شادی آپ کی چچازاد بہن سے مدینہ منورہ میں ہوئی ان سے ایک صاحبزادہ بھائی احمد ہیں، ان کی وفات کے بعد آپ کی دوسری شادی مولانا حمید الدین فیض آبادی فاضل جامعہ ڈابھیل کی صاحبزادی سے ہوئی، ان سے پانچ صاحبزادے ہوئے جن میں ایک صاحبزادہ بھائی محمد کار کے حادثہ میں اپنے نانا جان کے ساتھ شہید ہوگئے، بقیہ سب ماشاءاللہ بقید حیات ہیں، جس میں سب سے بڑے مولانا محمود مدنی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند ہیں۔

○○

□ مولانا مفتی اشتیاق احمد
استاذ جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

صاحبِ عزیمت

مسلمانانِ ہند ماضی قریب میں جن بالغ نظر قائدین اور حوصلہ مند انسانوں کی قیادت سے محروم ہوئے ہیں، اُن میں ایک بہت نمایاں اور جلی نام امیرالہند فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کا ہے، مولانا کا سانحۂ وفات ملت کا ایک ناقابل تلافی نقصان تو ہے ہی، اس اعتبار سے سخت اندوہ گیں بھی ہے کہ ان کا سانحۂ وفات ایسے وقت پیش آیا ہے جب کہ ہماری ملت کی صفوں میں قیادت وسیادت کے حامل افراد عنقا ہو رہے ہیں۔ دین کی صحیح فکر اور ترجمانی کرنے والے اور قوم وملت کا حقیقی درد وغم رکھنے والے افراد سے امت یتیم ہو رہی ہے۔ مولانا صحیح معنوں میں دین وشریعت کے حامل انسان اور ہندوستانی مسلمانوں کے معمار تھے، ان کے پہلو میں قوم وملت کے لیے تڑپتا ہوا دل تھا جو ان کو قوم ملت کی ہر افتاد پر کرب وبے چینی میں مبتلا کر دیتا تھا، انہوں نے ہندوستان جیسے نوع بنوع مسائل والے ملک میں دینی وملی خدمات کے ہر میدان میں بہترین قیادت وسیادت کی ایک روشن مثال قائم کی، وہ ان تمام صفات کمال سے بہرہ ور تھے جو ایک اچھے قائد اور معمار قوم کی شناخت اور پہچان ہوتے ہیں اور ان کی مثال اس مرد مجاہد کی تھی جو میدان مقابلہ میں آنے کے بعد کبھی مڑ کر نہیں دیکھتا ہے بلکہ اس کا طائر فکر ہمیشہ بلندیوں اور کامیابیوں کو اپنا نشیمن بناتا ہے، مولانا نے بھی میدان قیادت میں قدم رکھنے کے بعد کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، حالاں کہ ان کو بڑے بڑے چیلنجوں، اپنوں اور غیروں کی مخالفتوں ومخاصمتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن نہ کبھی حالات کی ستم ظریفیوں سے خائف ہوئے، نہ گلہ وشکوہ کیا، نہ اپنے کردار وعمل پر بزدلی کی آنچ آنے دی؛ بلکہ پوری پامردی، ہمت وجرأت سے قدم بڑھاتے ہی چلے گئے، اور اپنے کردار وعمل سے یہ ظاہر کیا کہ زمانہ کی ترک تازیاں میرے لیے پابند سلاسل نہیں ہیں بلکہ میرے لیے میدان عمل میں مہمیز کا کام دیتی ہیں:

بادِ تند مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب　　یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

اور اپنے پیچھے یہ روشن نقش چھوڑ گئے کہ افرادی طاقت اور وسائل کی کمی کے باوجود اگر انسان میں

اخلاص وللّٰہیت جدوجہد اور ہمت جرأت ہو تو اس کو کامیابی سے کوئی چیز روک نہیں سکتی ہے، کیونکہ

جب حوصلے بلند ہوں کامل ہو شوق بھی وہ کام کونسا ہے جو انسان نہ کرسکے

وہ گفتار کے غازی نہیں تھے بلکہ کردار وعمل کے انسان تھے ان کی پوری زندگی کردار وعمل سے عبارت تھی اور اس بات کے کہنے میں شاید کوئی مبالغہ نہ ہو کہ وہ تن تنہا جتنے اسفار، پروگرام، اور ملی ودینی مسائل کے لیے کوشش کرلیا کرتے تھے اب وہ چند لوگوں کے بس کا روگ نہیں آج کا دور میڈیا پبلسٹی کا ہے افراد تنظمیں اور جماعتیں اخبارات اور پبلسٹی کی بنیاد پر جی رہی ہیں، لیکن مولانا کا نظریہ اس کے برعکس رہا، انہوں نے ہمیشہ کام پر یقین کیا اور قوت عمل کو ترجیح دی اور ان کو اپنے معاصرین پر فوقیت وبرتری، فعال شخصیت کی بنا پر حاصل ہوئی۔ وہ حوصلہ منداور فولادی عزم وارادہ کے انسان تھے ان کو ان کے نظریات وخیالات سے ہٹانا کسی طاقت وقوت کے لیے ممکن نہیں تھا، اسی بناء پر جلدی کوئی مزاحمت کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ انہوں نے کبھی باطل خیالات ونظریات سے سمجھوتا نہیں کیا اور نہ نرم گوشہ رکھا، ان کی ذات ہمیشہ باطل کے لیے برق بے اماں بنی رہی وہ احقاق حق اور باطل نظریات وخیالات کے تعاقب میں بھی بے نظیر تھے اور انہوں نے یہ فریضہ ہمیشہ بلا خوف لومۃ لائم انجام دیا علماء دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے اقدار اور وایات اور اس کے اکابر کے فکر ونظریات کے صحیح سچے جانشیں اور نقیب تھے، ہمیشہ انہوں نے جمعیۃ کو اور اپنے آپ کو اسی فکر سے مربوط اور نقوش پر گامزن رکھا، وہ ملت کے مسائل کے تئیں بڑے حساس واقع ہوئے تھے وہ کسی مسئلہ سے پہلو تہی کرنا جانتے ہی نہیں تھے، اپنے تجربات اور خداداد بصیرت کی بناء پر سازشوں اور سیاسی چالوں کو قبل از وقت سمجھ لیا کرتے تھے اور پھر اس کے تدارک اور اس کے علاج کی فکر شروع کردیتے اور کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر انہیں چین وسکون نہیں ملتا۔ وہ ملکی سیاست، نظریات، اور قوم ومذہب کے نام پر وجود میں آنے والی تنظیموں اور تحریکوں سے بھی بخوبی واقفیت رکھتے تھے، اس لیے ان کی پالیسیوں منصوبوں اور ان کے نقل وحرکت پر پوری نظر رہتی تھی جب بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی قانون، پالیسی اور اقدام کی تیاری ہوتی تھی تو بروقت اس پر نوٹس لیتے اور موقع ومحل کے اعتبار سے اقدام کرتے۔ ان کی سوچ وفکر کا دائرہ صرف ہندوستان نہیں تھا بلکہ وہ پورے عالم بالخصوص عالم اسلام کے ذہنی فکری انقلاب، ظالمانہ تشدد، اسلام دشمن طاقتوں کی جارحیت وتسلط، باہمی افتراق وانتشار پر ہمیشہ بے چین اور فکرمند رہتے اور اپنی بساط بھر احتجاج، تجاویز اور دیگر ذرائع سے سعی وکوشش کرتے۔ وہ ملی مسائل کے سلسلہ میں علیحدہ سوچ رکھتے تھے، انہوں نے ملکی حالات کے تناظر میں اس بات کا بخوبی اندازہ کرلیا تھا کہ مسلم مسائل کے عنوان سے مسلمانوں کے کسی مسئلہ کی تلاش جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، اسلئے ایسی

صورت میں یا تو عدلیہ کا سہارا لیا جائے اور دستوری و جمہوری حق کا مطالبہ کیا جائے، یا سیکولر طاقتوں وقوتوں کو لے کر کسی بات کو منظور کرنے کیلئے سرکار کو مجبور کیا جائے، چنانچہ مختلف مواقع پر ہم خیال سیکولر لیڈروں کو لے کر کنونشن اور کانفرنسیں کیں، ان کو اپنے مسائل اور مطالبات بتلائے، پھر انہوں نے مولانا کی رائے وفکر سے ہم آہنگی ظاہر کی اور وکالت کی جس سے جمعیۃ کے موقف کو مزید تقویت ملی اور اس طرح حکومت کے غلط اقدام پر بندش لگی اور بہت سے الجھے مسئلے سلجھ گئے، مولانا کو اللہ نے ہردلعزیزی کی صفت سے نوازا تھا ان کی آواز میں بلا کی تاثیر تھی، بہت سارے مواقع پر اپنی مجتمع بھیڑ اور ہجوم سے بھی حکومت پر دباؤ بنانے کی تدبیر کرتے، جس سے درپیش مسائل کے حل میں مدد ملتی، مولانا جس طرح اسلامی تعلیمات کے عملی داعی رہے، اندرون دل ہمیشہ یہ جذبہ اور داعیہ رہا کہ اسلامی تعلیمات کی اشاعت عام سے عام تر ہو، تاکہ اسلام کے تئیں جو مخالف رجحانات اور خیالات غلط پروپیگنڈوں اور بیمار ذہنیتوں کی زہرافشانی سے پرورش پارہے ہیں اس کا قلع قمع ہو۔ اس کے لیے خود سیرت کے مختلف پہلوؤں پر اپنے بیان وتقاریر میں سیر حاصل گفتگو فرماتے، درس قرآن اور سیرت کے پروگراموں کے انعقاد پر زور دیتے صوبائی، وضلعی اکائیوں کو حکم نامے جاری کرتے۔ بعض مواقع پر غیرملکی سفراء، دانشوران، اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مدعو کرکے اسلامی تعلیمات اور سیرت کے عنوان پر مذاکرہ کراتے، جس سے اسلام کا تعارف سامنے آتا، غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا اور اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوتا۔

وہ جوش وجذبات کی سیاست سے ہمیشہ گریزاں رہے، انہوں نے ہمیشہ عقل وخرد کی سیاست کی۔ جوش وجذبات سے مغلوب ہوکر ہوش وحواس کھودینا ان کا وطیرہ نہیں تھا، اور نہ کبھی قوم کو بھینٹ چڑھا کر اپنا سیاسی قد اونچا کرنے کی سعی کی، اگرچہ بابری مسجد جیسے جذباتی مسائل کے موقع پر اس محتاط روی پر طعنے بھی سننے پڑے، لیکن اس کی پرواہ نہیں کی وہ ہمیشہ عواقب پر نظر ڈالکر اقدام کرتے تھے، جس سے عموماً وہ بعد کی ندامتوں سے محفوظ رہتے تھے، اور بالآخر ان کے اقدام کی چہار جانب سے ستائش کی جاتی۔ حضرت مولانا کو خدا کے غیبی خزانے سے اعتماد علی اللہ اور توکّل علی اللہ کا وافر اور کثیر حصّہ ملا تھا، جماعتی زندگی وسرگرمی ہمیشہ اس صفت سے معمور وبھرپور نظر آتی تھی۔ ارادت مندوں اور اہل تعلق کو بھی اس کی تلقین کرتے، اہل تعلق کسی کام کی درخواست کرتے یا اپنی کوئی ضرورت رکھتے تو بالعموم یہ جواب ہوتا اگر اللہ چاہے گا تو ہوجائے گا۔ میں کرادوں گا یا میں ذمہ داری لیتا ہوں ان جیسے جملوں سے گریز کرتے۔ اس سلسلہ کے ایک واقعہ کا ذکر جس نے ذہن ودماغ پر غیر معمولی نقش چھوڑا مناسب ہے، ۱۲؍اکتوبر ۲۰۰۲ء تیسری ''ملک وملت بچاؤ'' تحریک کا پہلا دن تھا کافی خوف وسراسیمگی لوگوں پر طاری تھی مرکز میں اس وقت بی، جے، پی کی حکومت تھی،

حکومت کے خلاف یہ تحریک تھی، خطرہ تھا کہ حکومت کہیں اس تحریک کو طاقت وقوت کے بل بوتے کچلنے کی کوشش نہ کرے، اس موقعہ پر جتھے کی روانگی سے قبل گرفتاری دینے والوں کو خطاب کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ جو ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو، وہ گرفتاری دے، ایسا نہ ہو کہ کوئی سختی کا موقع آئے تو کوئی شخص اپنا بیان بدلے، یا کوئی لوچ و لچک دکھلائے اگر کسی میں یہ جرأت وہمت نہ ہو، وہ اپنا نام نکلوادے اور ابھی چلا جائے بار بار یہ کہتے رہے۔ظاہر ہے ایسے موقع پر اس طرح کا استغنا بغیر اعتماد علی اللہ کے وصف کے ممکن نہیں ہے۔مولانا مدارس کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے ان میں حکومت کی مداخلت قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے ارباب مدارس کو بار بار فہمائش کرتے کہ اپنا صرفہ اور اپنا بجٹ عوامی چندہ سے بنائیں اور پورا کریں، سرکاری گرانٹ وغیرہ لینے سے گریز کریں، ورنہ حکومت اس چور دروازے سے تمہارے مدارس کی آزادی سلب کرلیگی اور ہر چیز میں تم حکومت کے قانون کے پابند ہوجاؤ گے، اور اس سلسلہ میں مولانا کا موقف اس قدر سخت تھا کہ ایڈڈ اور سرکاری گرانٹ قبول کرنے والے اداروں کی سرپرستی قبول نہیں فرماتے تھے دیارِ مشرق کا قدیم دینی ادارہ جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ جو پہلے آپ کے خسر حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند کی سرپرستی میں رہا بعد میں ۱۹۶۹ء تا وفات ۲۰۰۶ء آپ کی سرپرستی رہی، جس سے آپ کو بڑا گہرا اور دیرینہ تعلق تھا بار بار اس ادارہ کو آپ کی میزبانی کا شرف حاصل رہا، ایک زمانہ میں اس کا الحاق الہ آباد بورڈ سے ہوگیا اور سرکاری گرانٹ بھی منظور ہوگئی، لیکن حضرت مولانا کی ناراضگی کے سبب ارباب انتظام کو اپنا الحاق الہ آباد بورڈ سے ختم کرنا پڑا۔مولانا ایک جہاں دیدہ انسان تھے مسلمانوں کے عروج وزوال کی تاریخ ان کے سامنے تھی، ان کا مدارس کے مؤثر کردار پر پورا اذعان و یقین تھا، اس لیے وہ مدارس کو ہر ایسے عمل اور ہر ایسے عناصر سے بچنے اور بچانے کی ہمیشہ تلقین کرتے رہتے تھے، جن سے ان اسلامی قلعوں کی سلامتی کا خطرہ لاحق ہو، یا ان کو کسی کی نظر بد لگے اور امت کسی وقت ان ہدایت کے چشموں کی سیرابی سے محروم ہو۔اس لیے کہ یہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے خانہ ویرانی پر منتج ہوگا۔

فرقہ وارانہ فسادات جو بدقسمتی سے ملک کا مقدر بن گئے ہیں اور ملک کی آزادی سے لے کر اب تک ملک ہزاروں فسادات کی زد میں آچکا ہے، جس میں لاکھوں جانوروں اور اربوں کھربوں کا مال ضائع ہوچکا ہے۔حضرت مولاناؒ نے جمعیۃ کی قیادت سنبھالنے کے بعد جس بے جگری سے فسادات کے متأثرین کی مالی وقانونی مدد کی ہے، جان ومال کی حفاظت میں سعی کی ہے اور سنگین حالات میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جائے حادثہ پر پہنچنے کی سعی کی ہے، وہ حضرت مولاناؒ کی زندگی کا بڑا درخشاں اور روشن کارنامہ ہے اور ہندوستان کی تاریخ کا ناقابل فراموش حصہ ہے۔۱۹۸۴ء کی

بات ہے شہر بہرائچ میں ایک مسجد کے واقعہ سے فرقہ وارانہ فساد بھڑک اٹھا، بے مدت کرفیو نافذ ہوگیا۔ یکطرفہ مسلمانوں کی گرفتاری شروع ہوگئی، پورا شہر خوف وسراسیمگی میں ڈوب گیا، بالخصوص مسلمانوں پر زیادہ دہشت طاری تھی سب کی نظر مولانا کی جانب اٹھی، رابطہ کیلئے مولانا حیات اللہ صاحب کارگزار مہتمم جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ وصدر جمعیۃ علماء اتر پردیش لکھنؤ پہنچے، موصوف نے حضرت مولانا کو پوری صورت حال سے آگاہ کیا، آپ اس وقت ٹانڈہ فیض آباد سے فساد زدہ علاقہ کا دورہ کر کے واپس آرہے تھے، آپ نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ شری پت شرا سے دورہ کی اجازت مانگی وزیر اعلیٰ نے بڑے تامل کے بعد ایک وزیر اور آئی جی کے ساتھ دورہ کی اجازت دی، یہاں آکر آپ نے حالات کا جائزہ لیا، آفیسران سے ملاقات کی، گرفتارشدگان کی تعداد معلوم کی اور چل کر ان سے ملاقات کی لوگوں کو تسلی واطمینان دلایا، یہاں آکر ایک نہایت فکر کی بات یہ پیش آئی کہ گرفتارشدگان پورے یہاں موجود نہیں۔ مولانا کو ایسے مواقع کے بے شمار تجربات تھے اس لیے بلا تاخیر ان لوگوں کی تلاش شروع کردی، آپ کو بتلایا گیا کہ وہ لوگ دیہات کی کوتوالی میں ہیں، آپ دیہات کوتوالی کیلئے فوراً چل پڑے لیکن وہاں بھی کوئی نہیں ملا، پھر پتہ چلا کہ وہیں قریب کے ایک کمرے میں سب کو بند کر رکھا ہے مولانا وہاں بھی پہنچ گئے دروازہ کھلوایا تو وہاں بڑا دردناک منظر تھا ایک چھوٹے سے کمرے میں ۱۱۹ آدمیوں کو ہاتھ پیر توڑ کر اور مار پیٹ کر بھر رکھا تھا۔ مولانا نے شدید غصہ کا اظہار کیا اور آفیسران کو سخت ڈانٹ پلائی اور فوراً جیل بھجوانے کا مطالبہ کیا۔ مولانا کی بروقت تلاش وتحقیق سے لوگوں کی جان بچ گئی، ورنہ یہاں بھی میرٹھ وملیانہ کی کہانی دہرادی گئی ہوتی، مولانا کے اس بروقت اقدام سے انتظامیہ ششدر وحیران رہ گئی، اسے قدم قدم پر خجالت و شرمندگی سے دوچار ہونا پڑا، ’’یہ مشتے نمونہ ازخروارے‘‘ ایک واقعہ ہے ورنہ ملک کے فسادات میں اس طرح نامعلوم کتنے واقعات ہوں گے جن میں جان بلب انسانوں کے لیے مسیحا بن کر کھڑے ہوئے:

ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا　　اپنے لیے تو جیتے ہیں سب جہاں میں

حضرت شیخ الاسلام کے صاحبزادے ہونے کے ناطے اور مسلمانوں کے ایک عظیم رہبر اور رہنما ہونے کے سبب آپ کو اللہ نے شروع ہی سے بڑی مقبولیت اور عزت وتکریم کے مقام سے نوازا تھا کہیں کوئی پروگرام اور سفر ہوجاتا تو ایک جم غفیر ملاقات اور بیان سننے کے لیے امنڈ پڑتا بالخصوص اہل اللہ اور صاحب نسبت بزرگوں کے یہاں آپ کو بڑی قدر منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ جو ماضی قریب کے بڑے مؤقر ترین اور بڑے بافیض بزرگوں میں سے ہیں اور اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے کسی کے لیے انھیں اپنے معمولات میں تخلف گوارا نہیں تھا لیکن دیکھنے والوں کی زبانی سنا کہ جب حضرت مولانا سید

اسعد صاحب مدنیؒ کی آمد ہوتی تو حضرت شیخؒ کا چہرہ خوشی ومسرت سے کھل جاتا اور معمول کے خلاف گھنٹوں باتیں کرتے رہتے بلکہ باصرار روکتے اور تقریباً یہی یا اس سے سوا معاملہ تمام اہل اللہ کے یہاں تھا۔ حافظ عبید اللہ صاحب ابن مولانا کلیم اللہ صاحب نوری الحسینی راوی ہیں کہ جھانسی میں اجتماع تھا بعد نماز عصر حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاویؒ کی مجلس میں حاضری ہوئی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اس وقت ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' کے سلسلہ میں پورے ملک کا طوفانی دورہ کررہے تھے مجلس میں مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کا کسی نے تذکرہ کیا لیکن ان کا انداز مناسب نہیں تھا، حضرت مولانا عبیداللہ صاحبؒ بہت ناراض ہوئے اور مولانا جواب تک ٹیک لگائے بیٹھے تھے سیدھے بیٹھ گئے اور جھوم جھوم کر فرمانے لگے: ''حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صاحب بہت بڑے آدمی ہیں وہ تو بہت بڑے آدمی ہیں، مکرر سہ کرر ان کلمات کو دہراتے رہے پھر فرمایا کہ انہوں نے اپنی بزرگی سیاست کے پردے میں چھپا رکھی ہے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو پہچاننے کے لیے حضرت شیخؒ کی نگاہ چاہئے میں نے خود مدینہ منورہ میں دیکھا کہ حضرت شیخؒ اور مولانا اسعد صاحب مدنیؒ دونوں حضرات آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں دونوں حضرات لمبی سانس لے رہے ہیں محسوس یہ ہوتا تھا کہ جیسے دونوں حضرات آپس میں کچھ لے رہے ہوں اور کچھ دے رہے ہوں کچھ یہی کیفیت رہی''۔

علامہ اقبال مرحوم نے شاید ایسے ہی اہل اللہ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے:

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا بھرا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
نہ پوچھ پھر ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

افسوس ملک وملت کا عظیم رہبر، رہنما اور محسن تقریباً ساٹھ سال بے تکان قوم وملت کی بے لوث خدمت کرکے ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو اس دار فانی سے اس عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوگیا جہاں سے کسی کی واپسی نہیں۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعو ن.

بجھا چراغ، اٹھی بزم، کھل کے رولے اے دل
وہ سب چل بسے جنھیں عادت تھی مسکرانے کی

اللہ تعالیٰ موصوف کو اپنی رضاء کاملہ سے نوازیں ان کی مساعی جمیلہ کو حسن قبول عطا فرمائیں اور جمعیۃ علماء ہند، دارالعلوم دیوبند اور تمام ہندوستانی مسلمانوں کو ان کا نعم البدل مرحمت فرمائیں۔(آمین)

○○

□ محمد فاروق قریشی (ایم اے، ایل ایل ایم)
مینجنگ ڈائریکٹر مفتی محمود اکیڈمی پاکستان، کراچی

سرمایۂ ملت کا نگہبان

تاریخ ساز یا تاریخ داں

''ہم تاریخ بناتے ہیں لکھتے نہیں'' مولانا اسعد مدنیؒ نے میرے اس سوال کے جواب میں معاً کہا۔ میرا سوال اگرچہ طویل تھا، لیکن میں ان سے دریافت یہ کرنا چاہتا تھا۔

''حضرت جمعیۃ علماء ہند نے تحریک آزادی برصغیر میں ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے جس سے ہماری نسل محض اس بنا پر بے خبر ہے کہ اس لازوال کردار کو صحیح طور پر قلم بند نہیں کیا گیا، اسی طرح آج بھی جمعیۃ علماء ہند ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ دلیرانہ لڑ رہی ہے، لیکن بھارت کی حدود سے باہر کی دنیا اس لیے بے خبر ہے کہ جدو جہد میڈیا کی تنگ نظری کی بنا پر کوریج (Coverage) سے محروم ہے کیا یہ مناسب نہیں کہ جمعیۃ علماء ہند اور خصوصاً بحیثیت امیر آپ ذاتی طور پر اس طرف خصوصی توجہ دیں''

سال اور تاریخ تو یاد نہیں لیکن میری نگاہیں آج بھی دیکھ رہی ہیں کہ جانشین شیخ الاسلام جمعیۃ علماء ہند کے امیر مولانا اسعد مدنیؒ پاکستان کے ایک دورے کے اختتام پر کراچی ایئرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں تشریف فرما ہیں، کراچی/ دہلی کی پرواز میں تاخیر ہے اس لیے فدایانِ شیخ الاسلام امیر الہند کے گرد ہالہ بنائے اپنے شوق دیک کی تکمیل میں مختلف انداز سے سوالات کرتے ہوئے ان کے حسن بیان سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں شاید احمد ندیم قاسمی صاحب نے ایسے ہی موقعہ کے لیے کہا تھا:

ان سے اس شوق میں پوچھی ہیں ہزاروں باتیں
میں ترا حسن ترے حسن بیاں تک دیکھوں

بوئے دست:

میرے شعور نے جب آنکھ کھولی تو گھر میں تین شخصیات کا اکثر تذکرہ سنتے ہوئے ان کی

اہمیت اورقدر ومنزلت دل میں راسخ ہوتی چلی گئی ،میرے جدامجد حضرت حاجی عبدالعزیز قریشی سونی پتی علیہ الرحمہ کا اس سے خاص قلبی تعلق رہا تھا، اس لیے وہ اٹھتے بیٹھتے اپنی مجالس میں ان برگزیدہ ہستیوں کے تذکرہ سے ہمیشہ معطر رکھتے تھے،ان میں سرفہرست شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دوسرے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نوراللہ مرقدہ اوراستاذ القراء حضرت قاری فتح محمد پانی پتیؒ تھے۔

حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی زیارت (عالم طفولت میں) اورقاری فتح محمد پانی پتی کی بیشتر محافل میں شرکت کا اعزاز توراقم کورہاہے لیکن حضرت شیخ الاسلام کی زیارت مقدر نہ تھی اس لیے کہ حضرت کی وفات کے وقت خاکسار کی عمر چھ سال تھی، لیکن غائبانہ طور پر درازئ عمر میں شامل ہونے والا صبح اور ہرشام ان کی عقیدت کے نشہ کو دو چند کرتی رہی ، یہاں تک کہ اس کا دائرہ ان کی جماعت واخلاف اوران کے جانشین تک پھیل گیا،اس کیفیت کوغالب نے اس طرح بیان کیاہے۔

غالبؔ ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

دورۂ پاکستان، رونق کاشانہ:

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا دورۂ پاکستان میرے تشنۂ قلب ونظر کی سیرابی کا سامان تھا اس کے لیے میں ایک مدت سے بے چین تھا اس لیے ان کی موجودگی کے ہرلمحہ سے خط اٹھانے اوران کے سراپے کونگاہ و دل میں بسانے کا حسیں وزریں موقعہ تھا جس میں ایک لمحہ کا زیاں بھی میرے لیے خسارے کی بات تھی، جہاز کی تاخیر گویا ہماری تشنہ کامیوں کی شادکامی کا باعث بنی تھی اس لیے میں نے اپنی خوردسالی وکم مائیگی کے باوجود سوال کرنے میں پس وپیش نہیں کیا۔

میرے دائیں رفیق دیرینہ مفتی محمد جمیل خان شہید اور بائیں روز نامہ صداقت کے مدیر جناب بشیر احمد رانا موجود تھے اورحضرت کے جواب کے فوراً بعد رانا صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ:

’’بھئی! ہمارے اسلاف نے تاریخ سازی کی ہے مورخ کا کردار ادانہیں کیا یہ کام دوسروں کا ہے کہ وہ دیکھیں کہ کس نے کیا کیاہے؟‘‘

’’یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف کے زریں کارنامے تنگ نظر مورخین کی نظروں سے اوجھل رہے اورآج پاکستان میں ہماری نسل اپنے بزرگوں کے افکاروخدمات سے کماحقہ واقف نہیں ہے،

اگر ’’علماء ہند کا شاندار ماضی‘‘ ’’علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے‘‘ اور ’’نقش حیات‘‘ وغیرہ میسر نہ آتیں تو ہمارے لیے اپنے بزرگوں اور مجاہدین کے وجود اور ان کے کارناموں کے ایثار اور قربانیوں کو ثابت کرنا بھی دشوار ہوتا، اور ہمارے محض من پسند مورخین کی فرمائشی تاریخ ہی حجت ہوتی، اس لیے ضرورت ہے کہ ماضی کے تجربات کے پیش نظر جمعیۃ علماء ہند کی گذشتہ اور موجودہ کارکردگی کو قلم بند کرانے کا اہتمام جاری رکھا جائے‘‘

حضرت نے بلا تامل فرمایا کہ:

’’ضرورت کا احساس بجا! لیکن میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ جمعیۃ کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ یہ فریضہ انجام دوں؟‘‘

عرض کیا گیا کہ جمعیۃ کے جاں نثاروں میں سے کوئی بھی اس خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھے گا لیکن اس سے قبل کہ مولانا کچھ ارشاد فرماتے، فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہونے لگا، اور حضرت رخصت ہو کر لاؤنج سے چلے گئے۔

منزل مراد، تعبیر کا حصول:

گردشِ ماہ و سال کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات کا تبدل فطری امر ہے ہر آنے والا دن حضرت امیر الہندؒ کو مصروف اور ہمارے احساس کو دوچند کرتا رہا، اگرچہ بعد میں تدریس وارشاد میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے جانشین مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ کا بھی پاکستان آنا جانا رہا، اور خدائے تعالیٰ نے ہمارے دل کی مراد اس طرح پوری کی کہ حضرت مولانا ارشد مدنی اور پاکستان کے نامور محقق اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے فدائی ڈاکٹر ابوسلیمان شاہ جہاں پوری مدظلہ کے درمیان اور مرحلہ کو سر کرنے پر یوں اتفاق ہوا کہ مولانا مدنی مدظلہ حضرت شیخ الاسلام کی ڈائری اور ان کی تحریک اور جدوجہد سے متعلق لٹریچر فراہم کریں گے، جب کہ محترمی ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم ترتیب و تدوین کا فریضہ انجام دیں گے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ڈاکٹر ابوسلیمان شاہ جہاں پوری دام فیوضہم نے وقت کی ضرورت اور محبان شیخ الاسلام کے قلوب میں مچلتی خوابیدہ آرزو کی تکمیل کا بھاری پتھر اٹھانے کی ہمت کی اگرچہ ڈاکٹر صاحب (اللہ تعالیٰ انھیں عمر خضر اور صحت کاملہ سے نوازے) کے ذاتی حالات اور صحت کی سطح ہموار نہیں پھر بھی بڑھتی عمر، گرتی صحت اور عدم وسائل کے باوجود محض خدا کے کرم سے کمر ہمت کسے ہوئے رات کی نیند اور دن کا آرام تج کر اس مشن کو پورا کر رہے ہیں اور آج تک ہزاروں صفحات پر مشتمل ’’شیخ الاسلام ڈائری کی سیاسی ڈائری‘‘ کے نام سے آزادیٔ برصغیر کی جدوجہد کی مکمل اور مبسوط

تاریخ کی چار جلدیں شائع ہوچکی ہیں،اوران شاءاللہ مزید چار جلدیں منت پذیر اشاعت ہیں۔
میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف شیخ الاسلامؒ کے ارادت مندوں کے حلقے تک محدود نہیں بلکہ ڈاکٹر صاحب کی کاوش پوری ملت پر احسان ہے کہ پاک و ہند میں کوئی بھی شخص اپنے تمام تر دعاوی وتعلق کے باوصف یہ کام نہ کرسکا اور بالآخر پاکستان کے فرزند اور نام ور صاحب علم وقلم کے نام یہ قرعۂ فال نکلا، غالب نے کیا خوب کہا ہے:

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگیٔ چشم حسود تھا

ڈاکٹر صاحب نے ڈائری کی تالیف وتدوین کے علاوہ بزرگان وعلماء دیوبند اور حضرت شیخ الاسلام کی تاریخی وسیاسی پہلوؤں پر اور بھی کئی مفید اور اہم کام انجام دیے ہیں مثلاً:

۱. شیخ الاسلامؒ ایک سیاسی مطالعہ
۲. مسلمانوں کے افکار ومسائل، آزادی سے پہلے اور بعد، افادات شیخ الاسلامؒ
۳. معرکہ شاملی اور بزرگان دیوبند
۴. علمائے حق اوران کے مجاہدانہ کارنامے (حصہ اول) کی تحقیق وتدوین جدید
۵. حضرت شیخ الاسلام کے سیاسی رسالوں اور کتابچوں کی ترتیب وتدوین اور کئی دوسرے کام

حضرت شیخ الہندؒ، مفتی اعظم محمد کفایت اللہؒ اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے سیاسی مطالعے، ایسے کام ہیں جو ہمیشہ یاد رہیں گے۔

جمعیۃ علماء ہند:

برصغیر پر برطانوی تسلط کا نصف النہار تھا ملک کا ہر باسی فرنگی غلامی کے جوئے کو اتار پھینکنے کے لیے مضطرب تھا اور علماء حق براعظم ہند پاکستان سے باہر ایشیا افریقہ اور یورپ تک مختلف محاذوں پر قوم ووطن کی آزادی کے محاذوں پر کارنامے انجام دے رہے تھے، کانگریس اور دیگر قوتیں سوراج یعنی ملک سے انگریز غاصب کا مکمل انخلاء کے لیے سرگرم عمل تھیں کہ ۱۹۱۹ء میں علماء حق نے باضابطہ جمعیۃ علماء ہند کے نام سے ایک منظّم سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔

انگریز اپنی قوت قاہرہ کے نشہ میں چور آزادی کے متوالوں پر ہر ستم روا رکھے ہوئے تھا، اسی سال جلیانوالہ باغ امرتسر میں شمع آزادی کے پروانوں پر جنرل ڈائر نے اپنی سپاہ کو عوام کو منتشر کرنے کے لیے گولی چلانے کا حکم دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے قوم وملت کے ہزاروں سپوت گولیوں کا نشانہ بن گئے، تاریخ گواہ ہے کہ انگریزی حکومت کی دہشت اور قید وبند کی سختیاں، جلاوطنی کے

خوف اور دارورسن کی کوئی آزمائش علماءِ حق کو جادۂ منزل سے نہ ہٹا سکی بلکہ ہر سزا اور ہر آزمائش کے بعد ان کے ذوقِ جرم اور قوم وملت کی خدمت اور آزادیِ وطن کی تحریک میں ان کے ایثار اور قربانیوں کے شوق میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور آزادی کے نعرے ملک کے قریہ قریہ اور بستی بستی میں گونجنے لگے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے گراں قدر رفقاء حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور دیگر زعماءِ ملت کے ساتھ قوم وملک کی آزادی اور ملت کی اصلاح، تنظیم اور تعمیر کی جدوجہد میں تقریباً ۴۵/ برس (۱۹۱۳ء تا ۱۹۵۷ء) شب وروز مصروف رہے، ہر آنے والا دن قوم کے مصائب اور آزادی کی تڑپ اور طلب میں اضافے کا باعث بن رہا تھا، ایسے تاریخی اور پرآشوب دور یعنی ۱۹۲۸ء میں حضرت شیخ الاسلام کو اللہ تعالیٰ نے فرزندِ ارجمند سے نوازا جس کا نام اولوالعزم صحابیِ رسولؐ حضرت اسعد بن زرارہؓ کے نام کی نسبت سے اسعد تجویز ہوا تھا اور جنھوں نے سید اسعد مدنی کے نام سے شہرت پائی، انہوں نے شریعت، طریقت اور سیاست کے میدانوں میں قوم وملت کی رہنمائی فرمائی، وہ شریعت اور اس کے علوم وفنون کے عالم تھے، طریقت وسلوک میں قطبِ وقت اور سالکِ راہ سیاست میں امیر الہند اور فدائے ملت اور حضرت شیخ الاسلام کے جانشین صادق کے مناصب سے شہرت وافتخار پایا۔

جانشین شیخ الاسلام:

ہونہار سید اسعد مدنی کو اولیاء اللہ کے مسکن اور مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں تعلیم وتربیت کے لیے داخل کر دیا گیا، وہاں انہوں نے اپنے وقت کے جنیدؒ وشبلیؒ اور رازیؒ وغزالیؒ ایسے اساتذہ سے علوم وفنون کے حصول میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، ان کی رگوں میں مجاہدِ کبیر محدث یگانہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا خون گردش کر رہا تھا اس پر دارالعلوم دیوبند کے عطر بیز ماحول گویا سونے پر سہاگا تھا اور پھر اپنے وقت کے عظیم ماہرینِ فن اساتذہ کی تعلیم وتربیت میں گویا اس جستِ خام کو کندن ہشت پہلو تراشیدہ ہیرا بنا کر علوم ومعرفت کے حسین پیکر میں ڈھال دیا تھا، جو اپنے وقت میں قوم کی رہنمائی کے لیے ناگزیر تھا، بھارتی دانشور جناب احسن مفتاحی کے بقول حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ اور مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کی وفات حسرت آیات سے جمعیۃ علماء ہند اور مسلمانانِ عالم میں جو خلا پیدا ہوا تھا اس کو حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ نے اپنے تقویٰ اور مجاہدانہ کردار سے اس طرح پر کیا کہ جمعیۃ علماء ہند کے سوا ملک میں مسلمانوں کی کوئی دوسری جماعت قابلِ ذکر نہیں ہے، (مولانا اسعد مدنی۔ شخصیت

وخدمات) ۱۹۶۳ء میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم عمومی بنایا گیا، قوم ابھی حضرت شیخ الاسلامؒ کی رحلت کے غم سے نڈھال تھی، اور جمعیۃ کے بیشتر کارکن اور عوام کی اکثریت اس صدمے سے دوچار حالات سے دل برداشتہ ہوکر جماعتی جدوجہد سے یک سو ہوگئی تھی، بھارت ایسے وسیع وعریض ملک کے اطراف واکناف میں عوام الناس اور نظریاتی کارکنوں کو حوصلہ مند بنا کر نئی صف بندی کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا، لیکن مولانا اسعد مدنیؒ نے اکابر علماء کی مشاورت، احباب کے تعاون اور اپنی عالی ہمتی وبلند نگہی کی بدولت مدت میں ناممکن کر کے ایک عالم کو حیرت زدہ کر دیا۔

محترم احسن مفتاحی کے مطابق:

''حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت مجاہد ملتؒ کے مطابق بعد لگتا تھا کہ اکابر کا لگایا ہوا، یہ پودا مرجھا جائے گا، لیکن حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ نے اس پودے کو نہ صرف یہ کہ اپنے خونِ جگر سے سینچا بلکہ اس کو تناور درخت بنا دیا۔'' (ایضاً ص:۴)

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ریاضت وعبادت، شجاعت وبسالت، افکار ونظریات ہی میں نہیں بشرے کی شاہت تک میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا عکس جمیل تھے۔

مولانا اسعد مدنیؒ کی جد وجہد کا آغاز حضرت شیخ الاسلام کی سعی کے اختتام سے ہوتا ہے، انھوں نے اپنے اسلاف کی شاندار روایات کو نہ صرف آگے بڑھایا ہے بلکہ اس میں چار چاند لگا دیے، آزادی برصغیر میں علماء کی جدوجہد اور لازوال قربانیوں ہماری تاریخ کا معمولی واقعہ نہیں کہ کوئی بھی مورخ صرف نظر کرتے ہوئے گزر جائے، ''علماء حق کا شاندار ماضی'' بلاشبہ ان کی بلندگی حوصلگی اور عالی ہمتی کا مظہر ہے لیکن ان روایات کو مستحکم انداز سے آگے بڑھانا بہت بڑی بات ہے، حالات کا دھارا موڑنے اور وقت کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام کر سمت کا صحیح رخ متعین کرنے والے خال خال پیدا ہوتے ہیں جنھیں تاریخ نے ہمیشہ کشادہ دلی سے اپنے ماتھے کا جھومر بنایا ہے، مولانا اسعد مدنی ایسے ہی نادر روزگار نابغہ تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدۂ ور پیدا

خدمات:

انسان کی عظمت محض اس کے حسب ونسب اور نقش ونگار کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کے خصائص وکردار کی وجہ سے ہوتی ہے، دنیا کے ہر بڑے انسان کی عظمت اسکے علو فکر اور حسن کردار کی رہن

منت رہی ہے۔

السیدا سعد مدنیؒ بلاشبہ عالی نسب اور والا حسب تھے، لیکن وہ محض اسی بناء پر بلند قامت نہیں تھے، بلکہ اقبال کے میر کارواں کی خصوصیات نگہ بلند، سخن دل نواز اور جاں پر سوزان کے پیکر خا کی میں ڈھل گئی تھیں، وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور امام شاہ ولی اللہؒ کی علوفکر، شہدائے بالا کوٹ کے جذبۂ جہاد حضرت شیخ الہند کے سوز دروں مفتی کفایت اللہ کی فقاہت اور حضرت شیخ الاسلام کی عالی ہمتی کے امین اور اپنے عظیم اسلاف کی روشن روایات کے پاس دار تھے، ان کی خدمات کے بحر بیکراں کو چند صفحات کی حدود میں مقید کرنا امر محال ہے ہم ان کی سیرت میں اسلافِ کرام کی سیرتوں کے حسن کی جھلک دیکھتے ہیں اور ان کے اعمال حسنہ میں بزرگوں کے عزم، اخلاص، ایثار، استقامت، بے غرضی، للّٰہیت، انسانیت سے محبت کی یاد دلاتے ہیں، ان کا دل دردمند انسانیت کی تاراجی، مصیبت زدگان اور مظلوموں کے حالات پر مذہب وملت اور جغرافیہ کی حد بندی کی تمیز کے بغیر تڑپا ہے، ان کی رہنمائی کا دائرہ ہندوستان سے ایشیا وافریقہ کے مما لک تک وسیع تھا، ان کے وجود گرامی کی برکات اور فیضان خدمات سے ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کا ایک دور شروع ہوتا ہے، کیا اچھا ہوتا کہ ہم کسی شخص کی دردمندی اور ذوق کو کسی ترازو اور پیمانے میں ناپ تول کر اس کی قدر اور پیمائش بتلا سکتے ہیں، حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی خدمات کی وسعتوں کا کسی تحریر میں احاطہ کرنا ممکن نہیں البتہ خدمات کے چند دائروں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں اسی لیے اب ہمارے لیے ان کا ذکر خیر کرنا اور ان کے عمل کو اپنے لیے نمونہ بنانا ہی باقی رہ گیا، تاہم اختصار کے ساتھ ان کو تین دائرے میں محدود کیا جاسکتا ہے۔

(۱) سماجی خدمات:

علماء سیاسیات کے نزدیک ''انسان ایک سماجی حیوان ہے'' قطع نظر اس کے کہ یہاں پر لفظ حیوان انسانی عظمت کے منافی ہے تاہم یہ بات طے ہے کہ باہمی میل ملاپ اور سماجی تعلق کے حسن کے بغیر انسانی حیات کا تصور محال ہے۔

انسان کے باہمی تعلق اور میل جول کی بنا پر معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کے حل کی بنیاد پر ہی انسانی معاشرے کے حسن وقبح کا مدار ہے۔

اسلام نے انسان کی سماجی حیثیت کو بنیادی اہمیت دی ہے، ہر جگہ ہر مقام پر انفرادیت پر اجتماعیت کو تفوق حاصل ہے اور انفرادی عمل کی نسبت اجتماعی عمل کو مستحسن قرار دیا گیا ہے دین حنیف میں سماجی خدمت شخص خدمت پر فوقیت رکھتی ہے اسی لیے عام مسلمانوں کو بار بار اس کی تاکید و

ترغیب دی گئی ہے۔

السید اسعد مدنیؒ کی پرورش و پرداخت ہی حضرت شیخ الاسلام ایسے عارف باللہ اور مثالی باپ کے سایۂ عاطفت اور دارالعلوم دیو بند کے دین سے منور ماحول اور سنت نبوی کی معطر فضاؤں میں ہوئی، ہرلمحہ معبود کی عبادت، رسول کی اطاعت اور مخلوق کی خدمت کو حرز جاں بنائے رکھا کہ یہی ان کے بزرگوں کا طریق تھا، عربی کہاوت ہے کہ ''الولد سر لابیہ'' بیٹا باپ کا مثیل ہوتا ہے، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ کے روز وشب کا ہرلمحہ اتباع سنت میں گزرتا تھا، ان کے خلف اکبر ان کے جانشین صادق اور ان کے حسن اعمال اور بلند افکار کا عکس جمیل تھے، انھوں نے اپنے عظیم باپ کی شاندار روایات کو پامال و ناقص نہیں چھوڑا بلکہ اپنے حسن عمل سے تابندہ تر بناتے ہوئے دوسروں کے لیے قندیل راہ بن گئے ہیں۔

آزادیٔ برصغیر کے بعد ۱۹۴۷ء میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ نے ہندوستان میں فرقہ وارانہ سیاست کا رخ بدلنے اور فسادات کو روکنے میں شاندار کارنامہ انجام دیا تھا، ان کے جانشین السید اسعد مدنی نے جمعیۃ علماء ہند کے فورم سے سماجی خدمت کے لیے خود کو وقف کردیا تھا، مسلمانان ہند کی خدمات ہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن کر رہ گئیں تھیں، بھارت ایسے وسیع و عریض ملک میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک مسلمانوں کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہمہ وقت اور ہر دم متحرک رہنا ان کا معمول ہوگیا تھا یہاں تک کہ رات کی نینداور دن کا چین ان کے لیے خواب وخیال ہوکر رہ گئے۔

وہ امیر مینائی کے اس شعر کی مجسم تفسیر تھے:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

انسان کی سماجی اور معاشرتی خدمت اس کی بنیادی ضرورت کو اور ترجیح سے مشروط ہے یعنی جو چیز جس قدر اہم اور ضروری ہے اس کی بہم رسانی اتنی ہی بڑی خدمت ہوگی خالق کائنات مالک بحر و بر نے کتاب ہدایت میں انسانی ضرورت کو محض دو نکات تک محدود کردیا ہے:

(۱) بھوک میں کھانا

(۲) خوف سے نجات یعنی امن (سورۃ البقرہ)

یعنی انسانی فلاح ''خوراک'' اور ''امن'' کی بنیاد پر منحصر ہے جمعیۃ علماء ہند نے اپنی خدمات کا دائرہ ان بنیادوں پر ہی استوار کیا ہے۔

(۲) معاشی خدمات

انسان کو بھوک سے نجات دلانے کا آسان حل تو یہ ہے کہ اس کو وقت پر کھانا دیدیا جائے لیکن یہ محض عارضی ہونے کے علاوہ انا اور خودداری کے خلاف ہے اور بظاہر سماج میں اس پر مستقلاً عمل بھی ممکن نہیں جب کہ دوسرا مستقل اور باعزت طریقہ یہ ہے کہ معاشرے میں ایسے حالات اور انسانوں کے درمیان وسائل کی منصفانہ تقسیم کردی جائے کہ وہ از خود اپنی معیشت کو مستحکم کر کے بنیادی ضروریات کی حد تک خود کفیل ہو کر بھوک سے بے نیاز ہو جاتیں۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی بصیرت نے ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کو طبقاتی اور فرقہ وارانہ تعصب، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم اور غیر متوازن معاشی حالات اور اقتدار کے مراکز کی جانب دارانہ روش کے تناظر میں محسوس کرلیا تھا اس لیے جمعیۃ علماء ہند کے فورم سے مسلمانوں کے معاشی حالات کی بہتری اور آسودہ حالی کے لیے دور رس اقدامات کیے۔

الف: فنی تعلیمی ادارے: مسلمان بنیادی طور پر باعزت قوم ہے صرف ایک اللہ کو ماننے والا موجد جابجا آستانوں سے حاجت روائی سے بے نیاز ہو جاتا ہے، جمعیۃ علماء ہند نے بھارت میں غریب مسلمانوں کی اکثریت کو باعزت روزگار اور معاشرے میں باوقار مقام کے حصول کے لیے انھیں سرکاری ملازمتوں کی خیرات سے محفوظ کرتے ہوئے ہنرمند بنانے کے لیے ملک کے مختلف علاقوں میں تعلیمی مراکز کے علاوہ جدید خطوط پر استوار مختلف فن میں مہارت کے لیے ماہرین کی زیرنگرانی فنی تعلیم کے ادارے قائم کیے تاکہ اولاً مسلمانوں کی آئندہ نسل صرف اسکول کالج کی روایتی تعلیم کے بعد حصول روزگار کے لیے محض سرکاری دفاتر پر دستک نہ دیں، اور ہندو اکثریت کی عصبیت اور سرکار کی عدم توجہی اور ملازمتوں کی غیر مساویانہ تقسیم کا شکار ہو کر نفسیاتی طور پر اپنے خاندان اور معاشرے کا بوجھ بننے کی بجائے مختلف فنون میں مہارت کے بعد انتہائی خود اعتمادی اور خودداری کے ساتھ اپنے خاندان کا کفیل بننے کے ساتھ معاشرے اور ملک کے کارآمد شہری اور ملت کے قابل فخر سپوت بن سکے، اس صورت حال کی منظر کشی ہندوستان کے معروف شاعر جناب منظر بھوپالی نے اس طرح کی ہے:

در بدر بھٹکتا کیا دفتروں کے جنگل میں
بیلچے اٹھا لینا، ڈگریاں جلا دینا

شاعرانہ تخیل اپنی جگہ! مگر اس میدان میں جمعیۃ علماء ہند نے مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں انتہائی مثالی کردار ادا کیا ہے، جس کے اثرات ہندوستانی معاشرے میں جابجا دیکھے

جاسکتے ہیں۔

ب: مالی امداد: فنی تعلیم کے مراکز جسمانی طور پر صحت مند افراد کے لیے سود مند ثابت ہوتے ہیں جب کہ معاشرے میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو ان کی ابتدائی مراحل اور کسی معاشی جد و جہد کے لائق نہ ہوتے ہوئے بھی نانِ جویں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں ہوتے، ایسے افراد کے لیے جمعیۃ نے با قاعدہ مالی امداد کا شعبہ قائم کیا، اور خصوصاً بیوہ اور بے سہارا خواتین کو ان کی عزت نفس کی احتیاط کے ساتھ مختلف انداز سے مالی تعاون کی پالیسی پر عمل کیا جاتا ہے، تعلیمی اور فنی طلبا میں لیاقت و مسابقت پیدا کرنے اور ذہانت کی حوصلہ افزائی کے طور پر مختلف ناموں سے ایوارڈ کی شکل میں مالی تعاون کی جاتا ہیط یہ سلسلہ ۱۹۷۴ء سے مسلسل جاری ہے، جون ۱۹۹۰ء میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی یاد میں ''مجاہد ملت اسکالرشپ فنڈ'' قائم کیا گیا جس سے آج تک بے شمار ذہین طلبا نے استفادہ کیا ہے، دراصل یہ مسلم طلبا کی ذہانت کو جمعیۃ کا خراج ہی نہیں بلکہ ان کی معاشی آسودگی کا آبرومندانہ اور باوقار انداز بھی ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی سماجی خدمات کا اندازہ محض اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف سانحۂ گجرات ۲۰۰۲ء کے متأثرہ تین ہزار سے زائد خاندانوں کے لیے ۲۳۶ دیہات اور آٹھ اضلاع میں ۷۸ ملین روپئے سے زیادہ صرف کر کے ہر خاندان کو بنیادی ضرورت کے سامان سے بھرے صندوق دے کر آباد کیا اور بے گھر افراد کے لیے ۴۲ نئی کالونیاں تعمیر کیں، بیواؤں، بچوں کی بحالی اور تعلیم و تربیت کے لیے باقاعدہ گاؤں (چلڈرن ولیج شیلٹر ہومز) جس میں تعلیمی ادارے اور کھیلوں کے میدان کا خاص خیال رکھا گیا ہے، آباد کیے۔

یہ سلسلہ ہندوستان تک ہی محدود نہیں بلکہ گذشتہ برس پاکستان میں زلزلہ میں زلزلہ کی تباہ کاریوں کے نتیجہ میں جب ہزاروں انسان لقمۂ اجل اور لاکھوں افراد بے گھر ہوگئے تو جمعیۃ علماء ہند نے بطور خاص امدادی سامان سے بھر کر ٹرک اپنے پاکستانی بھائیوں کی امداد کے لیے روانہ کیے، جسے جمعیۃ علماء اسلام پاکستان اور حکومت پاکستان کے نمائندوں نے خوش آمدید کہا اور حکومت کے نمائندوں اور قائد حزب اختلاف مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی زیر نگرانی الخیر ٹرسٹ کے ذریعہ متأثرین میں تقسیم کیا۔

ج: غیر سودی بینک (مالیاتی ادارے)

سرمایہ وارانہ معاشی نظام میں بینک کی بنیاد سود پر رکھی گئی ہے کیونکہ ماہرین معاشیات کے مطابق عاملین پیدائش کو ان کا معاوضہ ملنا ہی معاشی حرکت کی بنیاد ہے، عاملین پیدائش کی تعداد

چار ہے۔

(۱) زمین (۲) محنت (۳) سرمایہ (۴) تنظیم

زمین کا معاوضہ لگان یا کرایہ کی شکل میں محنت کا معاوضہ اجرت اور سرمایہ کا معاوضہ سود جب کہ تنظیم یا آجر کا معاوضہ منافع کی شکل میں ملتا ہے۔

مغرب کے سرمایہ دارانہ یا آزاد معاشی نظام نے اس اصول کی بنیاد پر پوری دنیا میں سودی بینکوں کا جال پھیلا کر تمام دولت کو چند بینکوں میں مرتکز کر دیا ہے، آج سود کے بغیر سرمایہ کاری اور خصوصاً کسی بینک کا قیام ناممکنات میں سے ہے، ایک طرف تو مغرب کے معاشی ماہرین سرمایہ کاری کو محض سود کا کرشمہ قرار دیتے ہیں جب کہ لندن اسکول آف اکنامکس کے معروف پروفیسر اور لیجنڈ ماہر معاشیات لارڈ کینز (Lord Key ns) کے مطابق شرح سود جس قدر کم ہوگی سرمایہ کاری اسی تناسب سے بڑھتی رہے گی۔

اسلام نے سود کو معیشت کی خرابی کی بنیاد اور معاشرے کے بگاڑ اور یہاں تک کے خدا اور رسول سے جنگ قرار دیا ہے، معاشیات کے عام طلبا کے لیے یہ بات خاصی حیران کن نظر آتی ہے، لیکن حقیقت یہی ہے آج غیر مسلم معاشرے میں تو کجا مسلم سماج میں بھی غیر سودی بینک کا قیام ''اس خیال است ومحال است وجنوں'' کے مترادف ہے۔

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی بصیرت افروز قیادت میں جمعیۃ علماء ہند نے بھارت کے دور دراز علاقوں میں غیر سودی بینکوں کی شکل میں مالیاتی اداروں کی داغ بیل ڈالی جس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، اور معاشرے کے ضرورت مند افراد اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

اس ادارے میں صاحب ثروت افراد کی مالی امداد اور بلاسودی قرضوں سے رقم اکٹھی کی جاتی ہے اور ضرورت مندوں کو غیر سودی قرضے مخصوص مدت کیلئے معمولی ضمانت پر دیے جاتے ہیں۔

قرضے لینے والے ضرورت مند ان اموال سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہوئے جب معاشی جد و جہد کے نتیجہ میں پیداواری مراحل سے ہوتے ہوئے نفع کے مقام پر آتے ہیں تو وہ قرضے کی ادائیگی حسب استطاعت شروع کرتے ہیں اور بعض اوقات تو وہ اس مالیاتی فنڈ میں مزید مال فراہم کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں اور یوں وہ دوسرے ضرورت مندوں کی کفالت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ان اداروں سے جہاں معاشرے میں غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ ہو رہا ہے وہاں

معاشرے میں مثبت معاشی جدوجہد کے نتیجہ میں تعمیری افکار کی ترویج اور فلاحی معاشرے کی طرف پیش قدمی جاری ہے خصوصاً مسلمانوں میں معاشی ابتری اور افلاس کے سائے گھٹتے جارہے ہیں، اور فوزوفلاح کی کرنیں ہر سو معاشرے کو منور کررہی ہیں۔

(۲) قیام امن۔ فرقہ وارانہ فسادات کا تدارک

امن وامان کا قیام اور معاشی جدوجہد لازم وملزوم ہیں، ہندوستان کے مسلمانوں کی معاشی فلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے کے امن وامان کے قیام کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی مساعی انتہائی قابل قدر رہیں۔

ہندوستان کثیر القومی اور مختلف المذاہب معاشرے کا مسکن ہے، اس لیے مختلف طبقات کے مفادات کا باہمی ٹکراؤ اور تضاد فطری امر ہے۔

بھارت میں ہندو اکثریت ایک حقیقت ہے لیکن ہندو معاشرے میں اونچ نیچ، غیر متوازن سماج اور انتہاء پسندوں کا مسلم تنفر بھی کھلی حقیقت ہے، ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات اور ملک کی تقسیم کے بعد بھارتی معاشرے میں طبقاتی عصبیت اپنے عروج پر پہنچ گئی اور کسی حد تک مسلمانوں کی وفاداری بھی ہندو اکثریت کی نظر میں سوالیہ نشان بن کر رہ گئی۔

ہندو معاشرے کے انتہاء پسندوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو معاشی طور پر مفلوج کرنے کی پالیسی پر عمل کیا ہے، اور ان کو جانی ومالی نقصان پہنچانے کے لیے مختلف انداز اختیار کرتے ہوئے ہندو مسلم فسادات برپا کیے، ازاں بعد سرکار کے قانون نافذ کرنے والے ادارے امن کے قیام کے لیے سرگرم ہوتے تو وہاں بھی ہندو اکثریت اپنا جادو جگائے بغیر چین سے نہ بیٹھتی۔

ایسے ماحول میں مسلم اقلیت کو غیر مسلم اکثریت کے تنفر کے اور دست ستم سے محفوظ رکھتے ہوئے ان کی جان، مال اور آبرو کا بچاؤ بہت بڑا مسئلہ تھا، جسے مولانا سید اسعد مدنی ایسے مرد مومن اور جمعیۃ علماء ہند ایسی متوازن اور ہوش مند جماعت ہی حل کرسکتی تھی، اور بلاشبہ انھوں نے اس ہمالہ کو سر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، بحمد اللہ آج ہندوستان کے طول وعرض میں مسلمان جس قدر آسودگی اور امن کی زندگی گزار رہے ہیں یہ ان کی بصیرت افروز اور حقیقت پسندانہ پالیسی کا نتیجہ ہے۔

۱۹۶۸ء میں مولانا سید اسعد مدنی بھارت کے ایوان بالا کے رکن منتخب ہوئے تو انھوں نے ملک کے اس حساس مسئلہ کی طرف اعیان حکومت کو مسلسل متوجہ رکھا اور پھر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم محمد کفایت اللہؒ اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

کے بعدملت میں اورکون سی شخصیت اس قدر جامع الصفات تھی جواس کو ہ گراں کوسر کرسکتی ، بلاشبہ جمعیۃ علماءہند کے ترجمان کے بقول:

’’حضرت مولانا سیداسعد مدنی مدظلہ حضرت شیخ الاسلام قدسرہ کے جانشین ہیں اس لیے ملی اموریا مسلمانوں کے مسائل میں کبھی مصلحت کوشی سے کام نہیں لیتے اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے وہ ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹۶۴ء میں انہوں نے قومی جمہوری کنونشن منعقد کیا تو اس میں بغیر کسی امتیاز کے سبھی پارٹیوں کے رہنماشریک ہوئے جن میں اس وقت کے وزیراعظم لال بہادر شاستری، گلزاری لال نندہ، مرارجی ڈیسائی، کرشنامینن اور دوسرے مکتبہ ہائے فکر کے لوگ بھی تھے۔

پورے ملک میں حضرت مولانا سیداسعد مدنی مدظلہ کی ذات بابرکات ہے جوفرقہ پرستی کے خلاف ملک کی تمام پارٹیوں کوایک پلیٹ فارم پر جمع کرسکتی ہے، چنانچہ ۲۷/ جنوری ۱۹۹۱ء کوتال کٹورہ اسٹیڈیم نئی دہلی میں حضرت مولانا سیداسعد مدنی کی صدارات میں فرقہ واریت مخالف کنونشن منعقد ہوا تواس میں سیاسی پارٹیوں کے مقتدر رہنما بغیر کسی امتیاز کے شریک ہوئے اور اس امر کا برملا اعتراف کیا کہ:

ایں کارازتو آیدومرداں چنیں کنند

حضرت مولانا سیداسعد مدنی نے اس کنونشن میں ملک کی تمام سیکولر پارٹیوں کومتنبہ کیا کہ وہ فرقہ پرستی کے خلاف متحدنہیں ہوئیں اورانھوں نے اس کے خلاف جدوجہد نہ کی توجمعیۃ علماء ہند اس تاریخی فریضے کوانجام دے گی اورفرقہ پرستی کاقلع قمع کرنے کے لیے ہرممکن جدوجہد کرے گی۔

جمعیۃ علماءہند نے محض ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں ہی کواس خطرے سے آگاہ نہیں کیا بلکہ اس کے تدارک کے لیے انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں مولانا اسعد مدنیؒ نے ہرفورم پرمسلم اقلیت کے تحفظ اوران کے حقوق کی پاسداری کے لیےتوانا آواز بلندکی، جلسہ عام سے لے کر پارلیمنٹ کے فلورتک اورسیاسی جماعتوں کے مشترکہ کنونشن سے کانگریس کی ہائی کمان کمیٹی کے اجلاس تک بلا تکلف آوازحق بلندکیا۔

۲۷ / دسمبر ۱۹۷۲ء کے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں خطاب کے دوران بلاتامل کیا:

’ارباب حل وعقد اگرواقعی فسادات سے پریشان ہیں تو وہ پھر بتائیں کہ فسادات کے مجرموں کوکیاسزائیں دی گئیں؟ کتنے مجرم افسروں کومعطل کیا گیا؟

مولانا نے مزید کہا کہ: ''اگر کانگریس اپنی حکومت میں مسلمانوں کے لیے پرامن حالات پیدا نہ کرسکی تو یہ سمجھنا درست ہوگا کہ حکومت آر ایس ایس کی ہے''

۲۲؍فروری ۱۹۷۳ء کو بھارتی ایوان بالا (راجیہ سبھا) میں تقریر کا ایک اقتباس:

''بدکردار لوگ عام طور پر پولیس وغیرہ میں داخل ہوگئے ہیں فرقہ وارانہ جذبات رکھنے والے بھی پولیس میں گھس گئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اپنے فرض کو ایمانداری سے ادا نہیں کرتی بلکہ وہ ایسے کارنامے برابر انجام دے رہی ہے جس سے جانور اور درندے بھی شرمایا جائیں، ابھی جو فسادات فیروز آباد، بنارس، نوناری، اور دوسری جگہوں پر ہوئے، اس میں پولیس نے جو رول ادا کیا ہے وہ بالکل لٹیرے اور فسادیوں جیسا ہے''۔

مراد آباد میں نماز عید کے مجمع پر ہندوؤں کی فائرنگ اور علی گڑھ کی مسجد میں ہتھیاروں کی تلاشی کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

''حقیقت میں چاہے عید کے دن مجمع پر مراد آباد میں فائرنگ یا اسی طرح علی گڑھ کی جامع مسجد کی تلاشی، ہماری مسجدوں میں ہتھیار بند پہرے دار نہیں ہوتے چنانچہ ہتھیار ہونے کا کوئی جواز نہیں، جس افسر نے یہ توہین کی ہے اس افسر کو بعد تحقیقات معطل (Suspend) کرنا چاہیے ان طریقوں سے عام مسلمانوں میں یہ فضا پیدا کی جائے کہ تمہاری کوئی چیز محفوظ نہیں، سب کی توہین کی جائے گی'' (خطاب راجیہ سبھا ۸؍اگست ۱۹۸۰ء)

۱۱فروری ۱۹۸۱ء کو وزارت داخلہ کی مشاورتی کمیٹی میں ملک کی صورت حال پر بانگ دہل فرمایا:

''آج فسطائی طاقتیں سارے ملک میں انتشار پھیلا کر جمہوریت کو مٹانا چاہتی ہیں مرکزی سرکار کو کم سے کم ایسے واقعات کے خلاف کارروائی کرنی چاہئے جو فرقہ وارانہ کشیدگیوں کو ہوا دیتے ہیں۔

سی آر پی وغیرہ میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ بھرتی کیا جائے مسلمانوں کے ساتھ ملازمتوں میں جانبداری برتنے کا یہ عالم ہے کہ ابھی کچھار کے ایک کارخانے میں ڈھائی ہزار ملازم رکھے گئے ان میں ایک بھی مسلمان نہیں، ملک میں فساد عام ہیں، جہاں فساد ہو وہاں کے افسروں کو معطل کر کے فوری تحقیقات ہوں''

اس مردِ حق کا نعرہ رست خیز دنیا کی سب سے بڑی جمہوریہ کی طاقت کے زعم اور حجم سے کبھی مدھم نہ ہوسکا اور وقتاً فوقتاً عمومی اجلاس اور پارلیمنٹ کے فلور پر برملا مسلم کش فسادات میں انتظامیہ کی جانبداری پر برمحل گرفت کرتے۔

۲۳؍فروری ۱۹۸۱ء میں راجیہ سبھا میں صدر جمہوریہ کے صدارتی خطاب پر بحث کے دوران فرمایا:

''فرقہ وارانہ فسادات میں نہ تو کرفیو کی پابندی ہوتی ہے کرفیو یک طرفہ ہوتا ہے قانون کا مذاق اڑایا جاتا ہے چنانچہ مرادآباد میں جو لوگ مجرم تھے وہ نہیں پکڑے گئے جو غیر مجرم تھے اور افسران جس بات کا زبان سے اقرار کرتے ہیں ان کو گرفتار کیا گیا اس طرح سے ناانصافی کی روش افسروں میں بڑھتی جارہی ہے سیکورٹی فورسز میں اس طرح ذہن پیدا ہورہا ہے، کہ ظالم اور مظلوم کو نہیں دیکھتے اور اگر ان کی کمیونٹی کا ہو تو اس کو تحفظ (Prot ecti on) دیتے ہیں اور اگر ان کی کمیونٹی کا نہیں تو وہ خواہ کتنا بھی مظلوم کیوں نہ ہو اس کے خلاف جھوٹے مقدمات قائم کردیے جاتے ہیں اور ان کی کوئی دادرسی نہیں ہوتی۔''

شنید ہے کہ بھارت میں مسلم کش فسادات کے بعد پولیس اپنی کارروائی میں محض مسلمانوں کو نشانہ بناتی ہے، چونکہ بھارتی پولیس میں تناسب نہ ہونے کے برابر ہے، اس طرح ہندو اکثریت قانون نافذ کرنے والے اداروں کی شکل میں بھی ہندو بلوائیوں کے بعد تحفظ اور امن کے نام پر مسلمانوں کو مجرم قرار دے کر دہرے ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

اس صورت حال پر گرفتہ دلی کے ساتھ فدائے ملت جنوری ۱۹۹۰ء میں پارلیمنٹ میں اس طرح گویا ہوئے ہیں:

''اگر ہماری پولیس اسی طریقہ سے فسایوں کا، چوروں کا، ڈاکوؤں اور قاتلوں کا رول ادا کرے گی تو قانون اور انصاف کہاں باقی رہے گا؟ ہمارے لاکھوں آدمی مارے جائیں تباہ و برباد ہوجائیں اور صدر جمہوریہ اس کو ایک بے ضرورت سمجھیں تو یہ ملک اور ملک والوں کی طرف سے فرض کی ادائیگی نہیں بلکہ غفلت اور اغماض ہے۔

جولائی ۱۹۹۰ء میں پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر کہا:

''بھاگل پور کے متأثرہ بارہ تھانوں کے انچارج تبادلے کے باوجود اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں یہ تبادلہ کاغذی ہے، جو کمیشن تحقیقات کے لیے قائم ہوا ہے وہ یک نفری اور اس کا حال اطمینان بخش نہیں بلکہ اس میں تین آدمی ضرور ہوں جن میں سے کم از کم ایک مسلمان بھی ہو۔''

انتہاء پسند مسلم کش تنظیموں کا تعاقب کرتے ہوئے ۷/مئی ۱۹۹۰ء کو ایوان سے خطاب کے دوران حکومت کو متنبہ کیا کہ:

''آسام میں لبریشن فرنٹ، کشمیر میں لبریشن فرنٹ، پنجاب کی انتہاء پسند تنظیمیں، مہاراشٹرا میں شوسینا، ملک کے دوسرے حصوں میں بجرنگ دل، آر ایس ایس جیسی مختلف تنظیمیں ہتھیاروں اور مختلف نظریات سے لیس ہوکر اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے لوگوں کو قتل اور اغوا کرنے میں

مصروف ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت انصاف کی بحالی میں نہ صرف مجبور ہے بلکہ قطعی ناکام ہو چکی ہے، رات دن بڑے بڑے فسادات ہورہے ہیں، مذہب اور زبان کے نام پر ملک میں انتشار پسندانہ قوتیں ملک کو فرقہ پرستی کی آگ میں دھکیل رہی ہیں، اگر اس ملک کو متحد رکھنا ہے تو آر ایس ایس ہو یا بجرنگ دل، شوشینا ہو یا کسی صوبے کی لبریشن فرنٹ ان جیسی تنظیموں کا متحد ہو کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔

حضرت امیر الہندؒ مسلمانوں پر ہر افتاد سے آتش زیر پا ہوجاتے اور اسکا مداوا کرنے کی ہر ممکن کوشش ان کا زندگی کا اولین مقصد بن جاتی، مسلم کش فسادات کے تدارک اور مسلمانوں کی بحالی کے لیے انھوں نے ہر فورم سے آواز بلند کی اور حتی المقدور کوششیں بھی جاری رکھیں اور یہاں تک ہنگامے کے دوران اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر مسلمانوں کے تحفظ کے لیے خود پہنچ جاتے بقول حضرت احسان دانشؔ

ہر افق سے مری آواز پلٹ آتی ہے
کس دریچے سے انہیں جاکے صدا دی جائے

گاہے بہ گاہے حکمرانوں کو اس ضمن میں خطوط بھی لکھتے رہے، مثلاً ۱۶/ جنوری ۱۹۸۷/ کو اس دور کے وزیر اعظم راجیو گاندھی کو ایک مراسلہ کے ذریعہ آگاہ کیا کہ:

''۱۹۴۷ء کے بعد سے کم وبیش پندرہ ہزار فرقہ وارانہ فسادات ملک میں ہو چکے ہیں ہر فساد میں سینکڑوں لوگ مارے گئے، مظلوموں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسایا گیا جیل میں ڈال دیا گیا، فسادات ملوث افسروں کو ترقیاں دی گئیں۔

پنجاب میں گڑبڑ کا سامنا کرنے کے لیے سخت احکامات جاری کیے گئے مگر مسلم کش فسادات کے سلسلے میں کبھی ایسے احکامات جاری نہیں کیے گئے۔

۲۳ رمئی ۱۹۸۷ء کے مراسلے میں میرٹھ، گجرات اور امرول کے فسادات کی طرف وزیر اعظم کو اس طرح متوجہ کیا:

''اتر پردیش مسلم کش فسادات کے لیے خاصا بدنام ہے لیکن میرٹھ کے شرمناک فسادات نے جو تاریخ بنائی ہے وہ نہایت دردناک اور افسوسناک ہے''

الغرض فرقہ وارانہ فسادات کے تدارک اور مسلم آبادی کے تحفظ اور ان کی بحالی کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی خدمات حضرت شیخ الاسلام سے لے کر حضرت مجاہد ملتؒ اور خصوصاً فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی کا دور اور تگ وتاز حیران کن حد تک اور قابل رشک حقیقت ثابتہ ہے

ان کی جدوجہد کا مکمل احاطہ اس مختصر مقالے کی تنگ نائی میں ممکن نہیں ۔درج بالا چند مثالیں ہی ان کی کاوش کے مدراج کو واضح کردیتی ہیں۔

(۲) تعلیمی خدمات

انسان کی خوراک اور امن کے بعد سب سے بڑی ضرورت تعلیم ہے اور تعلیم کا ثمرہ امن اور خوراک کے انتظام واستحکام کی ضمانت ہے، پسماندہ اور فلاکت زدہ معاشرہ کو متمدن اور فلاحی سماج میں تبدیل کرنے کیلئے بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اس کی کلید محض تعلیم ہے۔علم کی بنیاد پر ہی قوم اور معاشرہ متمدن اور مہذب ہوتا ہے، اوراسلام کی ابتدائی تعلیم اور پیغام ہی ’’اقراء‘‘ سے شروع ہوتا ہے، اس لیے ہندوستان کے پسماندہ اور بے شمار معاشی وسماجی مسائل میں محصور مسلمانوں کو آسودہ حال بنانے کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے ملک کے اطراف واکناف میں تعلیمی اداروں کے قیام کی طرف توجہ دی اور حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے مسلمانوں کی فلاح کے اس کے بنیادی مقصد کو حرز جاں بنائے رکھا، انھوں نے عصری تعلیمی اداروں کے قیام کی بجائے فنی تعلیمی انسٹی ٹیوٹ اور دینی تعلیم کے مدارس ومکاتب قائم کرنے پر زور دیا، کیونکہ ہندوستان میں تقریباً ہر جگہ عصری تعلیمی ادارے موجود ہیں، مسئلہ جدید تعلیم کے اداروں کے قیام کا نہیں بلکہ مسلمان نوجوانوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا ہے اسی لیے انہوں نے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کا کام کیا، کہ وہ ملک میں موجودہ جدید علوم کے بہترین اداروں میں داخل ہوکر خود کو عصری تعلیم سے مزین کریں تاکہ اعلیٰ سروس کے امتحانات میں مسلمان برائے نام بھی نظر نہیں آتے دوسری طرف مولانا سے ۱۹۸۲ء میں وزیراعظم بھارت آنجہانی اندرا گاندھی نے شکایت کی تھی کہ آپ مسلم کوٹہ کی بات کرتے ہیں ہمیں افسوس یہ ہے کہ مقابلہ کے امتحانات میں مسلم امیدوار نہ ہونے کے برابر ہیں شاید مسلم طلباء کو اس طرف دلچسپی نہیں اصل صورت حال یہ ہے کہ مسلمان بھارتی حکومت کی پالیسی سے مایوس ہیں کہ اول تو بھارت میں سول سروسز میں مسلم کوٹہ کم ہے اور دوسرے اس تناسب سے بھی مسلم طلباء کو سرکاری ملازمتوں اور خصاصاً اعلیٰ سروسز میں نہیں لیا جاتا ایک اندازے کے مطابق بھارت میں مسلم کمیونٹی کل آبادی کا پندرہ فیصد ہے، جب کہ سرکاری ملازمتوں میں ان کا کوٹہ صرف سات فیصد ہے، لیکن عملاً صورت حال یہ ہے کہ ریلوے میں پانچ فیصد اور بینکوں و مالیاتی اداروں میں چار فیصد جب کہ تیرہ لاکھ مسلم افواج میں مسلمان صرف انتیس ہزار یعنی تین فیصد سے بھی کم ہیں، اس صورت حال کے تدارک اور مسلم نوجوانوں میں بے روزگاری اور مایوسی کے خاتمہ کے لیے مسلم طلباء کو فنی تعلیم سے بہرورکرنے کی پالیسی اپنائی گئی، تاکہ

مسلم طلباء حصول علم کے بعد محض سرکاری ملازمت پر اکتفا اور نہ ملنے پر مایوسی کا شکار نہ ہو جائیں، بلکہ فنی تعلیم سے مسلح ایک اعلیٰ ہنرمندی کی حیثیت سے باعزت روزگار حاصل کریں اور معاشرہ میں بامقصد اور کارآمد شہری کے طور پر سماجی اور سیاسی امور میں حصہ لے سکیں۔

مسلمانوں کی اصلاح اور تعمیر سیرت کے لیے دینی مکاتب کا جال پورے ملک میں بچھایا گیا ہے جن میں مسلمان بچے اور بچیاں ابتدائی تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں تاکہ ان کے ایمان وعقائد اور اعمال کی اصلاح اور تحفظ ہو سکے، اور دین کی ترویج وتبلیغ کا فریضہ نسل نو تک بآسانی جاری رہے۔

مسلمان طلباء کی حوصلہ افزائی کے لیے وظائف کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے، یہ مولانا اسعد مدنی علیہ الرحمۃ کے دور صدارت کا کارنامہ ہے کہ مسلمانوں میں فنی (Technical) تعلیمی ذوق کی نشو ونما اور مسابقت کے لیے ۱۹۷۴ء سے تعلیمی وظائف کا سلسلہ شروع کیا گیا اور اس میں مزید توسیع کے لیے جون ۱۹۹۰ء سے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی یاد میں مجاہد ملت اسکالرشپ فنڈ قائم کیا گیا، جو ذہین اور باصلاحیت طلباء کی حوصلہ افزائی، مستحقین کی اعانت اور دیگر کے لیے باعث ترغیب ہے، جمعیۃ علماء ہند اور مولانا اسعد مدنی علیہ الرحمہ کا یہ انقلابی اقدام مسلمانوں کی پسماندگی اور ناخواندگی دور کرنے کے لیے قابل قدر اور لائق تبریک ہے۔

(۳) سیاسی خدمات

۱۹۱۹ء میں قائم ہونے والی جمعیۃ علماء ہند ایک مکمل سیاسی جماعت تھی، جس کا مقصد متحدہ ہندوستان کی مکمل آزادی تھا، لیکن ۱۹۴۷ء میں پاکستان اور بھارت کے نام سے ہندوستان کی تقسیم کے بعد حالات یکسر تبدیل ہو گئے، دوقومی نظریہ کی بنیاد پر مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مملکت پاکستان کے نام سے حاصل کر لی، جب کہ مسلمانوں کی قابل ذکر تعداد بھارت میں موجود رہی، اور باہمی سیاسی چپقلش سے ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی، جس کی لپیٹ میں مسلمان کی جان ومال اور آبرو بری طرح جھلس کر رہ گئے تھے۔

نفرت کی اس آگ کو ٹھنڈا کرنا انتہائی اہم اور مشکل ترین کام تھا، لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ کی فراست مومنانہ وہمت مردانہ اور جمعیۃ علماء ہند کی دلیرانہ قیادت خصوصاً حضرت مجاہد ملت کی بے جگری نے نہ صرف اس آگ کو سرد کیا بلکہ مسلمانان ہند کے زخموں کو مندمل کرنے کے لیے بے پناہ اور مثالی خدمات انجام دیں۔

حالات کے معتدل ہونے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ نے جمعیۃ علماء ہند کے فرقہ وارانہ سیاسی کردار ادا کرکے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے مسلمانوں کی سماجی تعلیمی اور فلاحی

خدمت کا دائرہ متعین کیا اور جمعیۃ کے ارکان کو سیاسی طور پر حصہ لینے کے لیے کسی بھی سیاسی جماعت سے منسلک ہو کر منتخب ہونے کی آزادی دے دی، تاکہ جمعیۃ سے وابستہ علما ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر پارلیمنٹ میں اسلامی کاز اور مسلم مفاد کے تحفظ کے لیے کام کر سکیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے مختلف ارکان مختلف پارٹیوں کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر پارلیمنٹ میں یکجا مسلمانوں کی فوز و فلاح کی جنگ لڑتے رہے، مثلاً مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا عتیق الرحمٰن عثمانی رحمہما اللہ وغیرہ۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کے رکن منتخب ہوئے تو انھوں نے اپنے اسلاف کی تابندہ روایات کو بڑا احسن طریق سے پروان چڑھایا پارلیمنٹ میں نہ صرف اعلاء کلمۃ الحق کی پاسداری کی بلکہ مسلمانوں کے حقوق کے لیے مثالی کردار ادا کیا۔

مولانا اسعد مدنیؒ اور جمعیۃ علماء ہند کی بیدار مغز قیادت کے خیال میں جب تک سیاسی قوت سے بہرہ مند ہو کر جد و جہد نہیں کی جائے گی وہ موثر نہیں ہو سکتی، محض اصلاحی اور فلاحی مقاصد کے لیے رضا کارانہ طریق اختیار کرنا مسلمانان ہند کے مسائل کا حل ہرگز نہیں ان کی فلاح اور روشن مستقبل کے تحفظ کے لیے سیاسی قوت کا عنصر ناگزیر ہے، جس میں جمعیۃ علماء ہند اور حضرت امیر الہند نے کوئی کوتاہی نہیں کی کیونکہ وہ جانتے تھے:

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

دارالعلوم دیوبند سے تعلق

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ۱۹۲۸ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے اور اپنے وقت کے کبار علماء وصلحاء کی زیر تربیت پروان چڑھے، حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے فرزند ہونے کے ناتے دارالعلوم کے تمام طلباء کے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنے رہے، اسی مثالی ماحول میں تعلیم و تربیت کی منازل طے کرتے ہوئے مسند تدریس پر فائز ہوئے، تعلیم سے فراغت کے بعد دو سال انھوں نے حجاز کے دینی اور علمی ماحول میں بسر کیے، ۱۹۶۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی بنا دیے گئے، اور رفتہ رفتہ مصروفیات کا دائرہ دارالعلوم سے جمعیۃ علماء ہند کی شکل میں پورا ہندوستان بن گیا، اس لیے بالآخر بادل نخواستہ تدریس سے یک سو ہو کر مسلمانان ہند کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر دیا، لیکن دارالعلوم کے پرانوار ماحول میں بیتے ہوئے ماہ و سال ان کے ذہن پر اس طرح مستولی رہے کہ وہ خود کو ہمیشہ دارالعلوم کے ماحول میں محسوس کرتے اور اگر اسفار کی کثرت

اور بیرونی دوروں کو طوالت ہوجاتی تو ان کی طبیعت میں اضطراب شروع ہوجاتا اور بالآخر دیوبند میں روح کو قرار نصیب ہوتا وہ جہاں بھی ہوتے ذہن ودماغ سے دارالعلوم سے کوٹہ نکال سکے، ان کا حال بقول شاعر ایسا ہوتا کہ:

گو میں رہا رہین ستم ہائے روز گار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

دارالعلوم سے قلبی عقیدت اور خدمت کا تعلق تادم آخر منقطع نہ کرسکے، اس کی ترقی اور استحکام کے لیے ہردم تیار رہے۔

۱۹۸۰ء میں صدسالہ جشن کے لیے بے پناہ خدمات انجام دیں اور اعلیٰ پیانے پر انتظام و انصرام میں بھرپور تعاون کیا، دارالعلوم کا یہ پروگرام عالم اسلام کی عقیدت کا محور ہی نہیں بلکہ دنیا کے کسی بھی تعلیمی ادارے کا ایک یادگار تاریخی اور مثالی پروگرام تھا جس میں اکناف عالم سے عقیدت منداور متعلقین ومحبین جوق درجوق دیوانہ وار چلے آئے تھے، اور اس وقت کی وزیراعظم ہند آنجہانی اندارگاندھی نے بھی شرکت کی اور شرکاء سے خطاب کیا تھا، جس میں دارالعلوم دیوبند کی تاریخی اہمیت اور اس کے اسلاف کی قربانیوں اور خدمات کو شاندارالفاظ میں خراج تحسین پیش کیا گیا۔

اس پرمسرت اور تاریخی موقعہ پر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی دارالعلوم سے عقیدت وتعلق سے خوفزدہ حاسدین ومبغضین کے ایک طبقہ نے حضرت امیر الہند کی کانگریس سے سیاسی وابستگی کی بنیاد پر بے سروپا کہانی زبان زد عام کردی کہ دارالعلوم دیوبند ایسے ادارے میں ایک عورت اور وہ بھی کافرہ یعنی ہندوخواہ وہ ملک کی وزیراعظم کیوں نہ ہوکو لانا سخت معیوب عمل ہے، جو مولانا اسعد مدنیؒ نے محض کانگریس کے تعلق کی بناپر ان کی خوشنودی کے لیے کیا ہے۔

اس بے پر کی اڑانے کے لیے حاسدین کے گروپ نے تمام وسائل استعمال کیے تاکہ ہرجا وہرگام حضرت شیخ الاسلام کے جانشین سے اپنے ازلی بغض کی تسکین کا کچھ مداوا کرسکیں، حالانکہ واقفان حال جانتے ہیں کہ یہ اقدام حضرت امیرالہند کا نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری طیب قاسمیؒ کا تھا، جنہوں نے مولانا وقاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم) اور اپنے خلف رشید مولانا محمد سالم صاحب (استاذ حدیث دارالعلوم) کو بطور خاص وزیراعظم ہند کو مدعو کرنے کے لیے بھیجا تھا، لیکن اس عمل کو کارنامے کی بجائے ایک منفی انداز میں پیش کرکے جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سیداسعد مدنیؒ کی خدمات عالی کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے سفلی ذوق کی تسکین کے لیے کردارکشی کا طریقہ اختیار کیا گیا، لیکن وہ مرد

قلندرحق آ گاہ ایسے اقدام سے بے نیاز اپنے اعلیٰ مقاصد کے پیش نظر جانب منزل بڑھتا رہا۔

یہ ہمیں تھے جن کے لباس پر سرِ راہ سیاہی لکھی گئی
یہی وہ داغ تھے جو سجا کے ہم سرِ بزم یاراں چلے گئے

متکلم اسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ کا طویل دور اہتمام جب کہ دارالعلوم کا معیار تعلیم توسیع اور شہرت اوج ثریا پر تھی، خانوادۂ حضرت مدنی کا تعلق وتعاون انتہائی مثالی رہا، ۱۵ جولائی ۱۹۸۸ء کو حضرت قاری صاحب کے سانحۂ ارتحال کے بعد دارالعلوم کی تاریخ میں پہلی بار یاسیت کی فضا میں نزاع کے شگوفے کھلنے لگے، بلاشبہ قاری صاحبؒ کا ۶۰ سالہ طویل دوران کے حسن انتظام کی خداداد صلاحیتوں کا حسین مظہر اور دارالعلوم کا سنہری دور تھا، لیکن

وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اہتمام کے مسئلہ پر دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے حضرت قاری صاحب کے صاحب زادے مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ کے نام پر اتفاق نہیں کیا اور سینئر ترین بزرگ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ کو ان کی خدمات وصلاحیت کے پیش نظر مہتمم بنانے کا فیصلہ کیا تو ایک طبقہ نے اس صورت حال سے مصالحت کرنے کی بجائے دیوبند کی جامع مسجد میں نیا مدرسہ ''دارالعلوم وقف) کے نام سے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کے زیر اہتمام قائم کر دیا، یہ صورت حال انتہائی تکلیف دہ تھی لیکن خانوادۂ مدنی کا تعلق وتعاون ہمیشہ کی طرح دارالعلوم سے وابستہ رہا، تو یاران سرِ پل نے اس تمام نزاعی صور کا ملبہ بھی حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے سر ڈال دیا۔

لیکن خانوادۂ حضرت شیخ الاسلامؒ نے کسی مرحلہ پر بھی غیر سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا اور اس تلخابۂ حیات کو بھی دارالعلوم سے محبت وتعلق کی خاطر قبول کیا۔

طعنِ احباب سنے، سرزنش خلق سہی
ہم نے کیا کیا، تری خاطر سے گوارا نہ کیا

السید اسعد مدنیؒ اس صورت حال سے انتہائی صبر اور حوصلے کے ساتھ نبرد آزما رہے، دار العلوم سے تعلق خاطر اور مخالفین سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی کوششیں جاری رکھیں، اور کبھی اعتدال کے دامن کو نہیں چھوڑا، دوسری طرف بھی خانوداۂ قاسمیؒ کے چشم و چراغ تھے وہ کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے؟

مولانا اسعد مدنیؒ جب سفرحج پر گئے تو وہاں ان کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی اور ہسپتال میں داخل ہونا پڑا، اس خبر سے پوری دنیا میں ان کے چاہنے والوں میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی، اس

صورت حال نے ان کے دیرینہ رفیق حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ کو بھی مضطرب کر دیا اور انھوں نے فون پر ان کی خیریت معلوم کی جس کے جواب میں حضرت مدنی کی نیت نہ صرف ان کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ واپسی پر ان کے گھر حاضری کا وعدہ کیا بلکہ شکرگذاری کے لیے ان کے نام جو خط تحریر کیا وہ ان تنگ دل اور کور چشم لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے، جو بزرگوں کی باہمی آویزش کے نام پر اہل حق میں گروہ بندی پر کمر بستہ رہے ہیں۔

''محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے خاکسار کی صحت وعافیت اور خیریت پوچھی، حج سے فراغت کے بعد طبیعت حد سے زیادہ ناساز ہونے کی وجہ سے کنگ فہد ہسپتال کے آئی سی یو میں داخل ہوگیا۔ جہاں ڈاکٹرز کی خصوصی توجہ رہی، اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی دعاؤں سے طبیعت سنبھل گئی، تین دن ہسپتال میں رہ کر کل ۳۰ جنوری ۲۰۰۵ء کو بخیر وعافیت مدینہ منورہ سے دہلی واپس ہوا، الحمدللہ رفتہ رفتہ روبہ صحت ہورہا ہوں، خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتویؒ جماعت کی بنیاد ہیں ہم تو ان کی خاک کے برابر بھی نہیں ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بدنصیبی تھی اور ہیں، اس لیے جو کہا، کیا اور ہوا، اس کو معاف کرنا چاہیے اور آخرت کے لیے نہیں رکھنا چاہیے۔

دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔

اسعد مدنی

۱۳ جنوری ۲۰۰۵ء

(الجمعیۃ دہلی یادگار مجلّہ ۲۸/فروری ۲۰۰۶ء)

السید اسعد مدنیؒ جب حجاز مقدس سے واپس تشریف لائے تو مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کو فون کیا کہ دولت کدہ پر حاضری چاہتا ہوں تو خانوادۂ قاسمی کا عظیم فرزند تڑپ اٹھا، کہا کہ آپ سید زادے ہیں اور میرے محترم میں خود حاضر ہوں گا اور پھر چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدنی منزل تشریف لائے اور یوں دو بڑے خاندانوں کے نامور سپوتوں نے اپنے اسلاف کی روایات کے مطابق ایک دوسرے کو گلے لگا کر تمام گلے دور کر دیے، مولانا اسعد مدنیؒ نے بھی سادات روایات کی پاسداری کرتے ہوئے دار العلوم سے محبت وتعلق کی شاندار مثال قائم کردی۔

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
ہوگئے خاک انتہا یہ ہے

جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان سے تعلق

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو اہل پاکستان اور خصوصاً علماء حق کی نمائندہ جماعت جمعیۃ علماء اسلام پاکستان سے خصوصی قلبی تعلق رہا ہے، وہ اپنی بے پناہ مصروفیات جس مین ہندوستان اور عالم اسلام کے مسائل کے پیش نظر جد وجہد کی ترتیب دینا ہوتا تھا جب بھی موقعہ ملتا پاکستان تشریف لاتے اور محبین ومتوسلین حضرت شیخ الاسلامؒ کی علمی وروحانی تربیت وتسکین کے ساتھ مقتدر علماء کرام سے ملاقات ومشاورت فرماتے۔

جمعیۃ علماء اسلام ایسے قیمتی مواقع پر حضرت امیر الہند کی موجودگی سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کے مواقع ترتیب دیتی اور حضرت بھی انہیں مایوس نہ کرتے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام حضرت شیخ الہند کی فکر کے امین اور حضرت شیخ الاسلام کے سپاہی تھے، ان کی سیاسی جدوجہد کا آغاز جمعیۃ علماء ہند میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تربیت اور زیر قیادت ہوا تھا، ان کی عقیدت ومحبت میں حالات کے اتار و چڑھاؤ اور واقعات کے زیر و بم سے کوئی فرق نہیں آسکا، وہ اپنے اسلاف سے تعلق اور عقیدت کا اعلانیہ اور فخر یہ اظہار فرمایا کرتے جن کی بنا پر پاکستان کے سیاسی میدان میں ان کیلئے بے پناہ مشکلات بھی پیدا کی گئیں، لیکن انہوں نے اپنی عقیدت اور تعلق کے سامنے اس کو پر کاہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔

دارالعلوم کی صد سالہ تقریبات کے موقعہ پر بھی حضرت مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ پاکستان کے نمائندہ علماء کا وفد اور عوام کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ شریک ہوئے تھے، اور دارالعلوم احیاء اسلام کی عالم گیر تحریک کے عنوان سے خطاب کیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

''دارالعلوم کا فیضان صرف ہندوستان تک محدود نہیں بلکہ ایشیا، افریقہ اور بلاد یورپ تک پھیلا ہوا ہے، خصوصاً پاکستان اور بنگلہ دیش میں دارالعلوم کے سیکڑوں فیض یافتہ خدمت دین میں مصروف ہیں اور لاکھوں متعلقین اس سے عقیدت رکھتے ہیں، اس لیے وہاں بھی ایسے پروگرام ہونا چاہئیں۔''

حضرت امیر الہند نے بھی اس تعلق کو آخر دم تک نبھایا، یہاں تک کہ ۱۹۸۰ء میں مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال کے بعد جب جمعیۃ علماء اسلام کی مجلس عمومی نے اپنے خانپور کے اجلاس

میں جانشین مفتی محمودؒ مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ کو ناظم عمومی منتخب کرلیا تو ایک گروپ نے اس صورت حال سے اختلاف اور کبیدہ خاطر ہوتے ہوئے علیحدگی اختیار کرلی تو پاکستان کے اجل علماء کرام اور بزرگان ملت کی طرح حضرت امیر الہند نے بھی اس صورت حال کو پسند نہ کیا اور بالآخر ۱۹۸۲ء میں پاکستان تشریف لاکر جمعیۃ علماء اسلام میں صلح کرانے کی سعی مشکور فرمائی۔

اگرچہ اس سے قبل بھی آزاد کشمیر اور جمعیۃ علماء برطانیہ کے بزرگوں نے کوشش فرمائی تھی، لیکن وہ بے سود ثابت ہوئی، حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے جمعیۃ میں اتحاد واتفاق کا کارنامہ انجام دیا لیکن افسوس کہ ایک طبقہ جو کسی طور بھی جمعیۃ کو یکجا اور مستحکم دیکھنا نہیں چاہتا تھا پھر عرصہ بعد الگ دھڑے کی شکل میں متحرک ہوکر علماء حق کے نام پر سوالیہ نشان بن گیا۔

اس ناخوش گوار صورت حال کے باوجود جمعیۃ علماء اسلام پاکستان اور اس کی قیادت خصوصاً حضرت مولانا فضل الرحمٰن سے شفقت ومحبت کا تعلق قائم رکھا۔

دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ پروگرام میں مفکر اسلام مولانا محمودؒ کی تقریر میں پیش کردہ تجویز کے مطابق مارچ ۲۰۰۱ء میں دار العلوم دیوبند کی ڈیڑھ سوسالہ خدمات کے سلسلے میں تین روزہ تاریخی کانفرنس جمعیۃ علماء اسلام پاکستان نے پشاور کے تاریخی مقام پر منعقد کی تو جہاں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کی قیادت میں ہندوستان کے علماء کے وفد نے دار العلوم کی نمائندگی کی وہاں فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے زیر قیادت جمعیۃ علماء ہند کے وقیع وفد نے اس کانفرنس کو رونق بخشی۔

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کا ہندوستان کے کبار علماء کی معیت میں دورۂ پاکستان دراصل پاکستان اور خصوصاً جمعیۃ علماء اسلام پاکستان سے تعلق ومحبت کا بین ثبوت ہے۔

○○

❑ عادل صدیقی
دارالعلوم دیوبند

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

انفرادی علمی مقام اور افکار و خیالات کے حامل، تحریر و تقریر کی دنیا کے شہنشاہ، حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ اور اُن جیسے متعدد اور اب علم وکمال حضرات سے فیض یافتہ، جماعت دیوبند کے باکمال فرد ہونے کے باوجود ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کی نمائندگی کرنے والے بڑی خلوص انسان، دیوبند کی مدرسہ کی مجلس شوریٰ کے ممبر اور فرزند دیوبند ہونے کے ناطے عالمی سطح پر اپنے افکارِ عالیہ اور روشن خیالی اور روشن دماغی سے دنیا کو منور کرنے والے دانشور، اپنے تصوراتِ عالیہ سے زندگی کو جلا دینے والے مفکر، کمزوری وتوانائی کے وا رہنے کے باوجود فکرِ انسانی کو نئی سمتیں دکھانے والے عالمِ دین، مسلمانوں کے عروج و زوال کا بچشم خود ملاحظہ کرنے والے اور تخلیقی بلندیوں کو چھونے والے امام العصر، حق گوئی و بے باکی کی نمائندگی کرنے والے مبصر و مفکر فہم قرانی، وحی الٰہی اور بے پناہ کمالات اور علوم کامل سے استفادہ کرنے اور کرانے والے صاحبِ علم انسان، اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق کی وضاحت کرنے والے اور دینِ فطرت کے ہر ہر پہلو سے رابطہ کرنے والے، کالے، گورے، امیر غریب اور فقیر و بادشاہ کی تخصیص کو نظر انداز کرنے والے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سینہ سپر رہنے والے نیز احترامِ آدمیت کو اوّلیت رہنے والے پُرکشش انسان۔کون؟ افسوس کہ آج ہم آپ کی ذاتِ گرامی کو مرحومین کی فہرست میں تلاش کررہے ہیں! آپ ہیں حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ۔

زباں پہ بارِ خدا ، یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی میں ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا جائزہ لیتے وقت، اس کا آغاز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے کرنا ہوگا۔ یہ آزادی کا پہلا دور تھا جو ۱۸۰۱ء سے ۱۸۳۰ء تک چلا۔ اس سلسلے کی دوسری کڑی ۱۸۶۰ء سے شروع ہوتی ہے جس کے بانی حضرت حاجی امداداللہ تھے، اسی

سلسلے میں حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی منسلک تھے۔آزادی کی جدوجہد کا چوتھا اسکول ۱۹۰۱ء سے شروع ہوتا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کڑی تھے۔ اسیرِ مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسن، اسی صف کے دیگر مشاہرین میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی، مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مفتی کفایت اللہ، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، خان عبدالغفار خاں، شیخ محمد عبداللہ کشمیری اور دیگر بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔مولانا سیّد اسعد مدنی اسی سلسلے کی آخری کڑی تھے۔

ہندوستان کی جدوجہد آزادی نے ہم ہندوستانیوں کو چند سبق سکھائے۔مثلاً یہ کہ ہمارے ملک کی ایک ملی جلی تہذیب ہے، یہاں کوئی تحریک یا پروگرام ہندوؤں اور مسلمانوں کے آپسی اتحاد کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہمارے مجاہدینِ آزادی نے نہ صرف ملک و وطن کی خدمت کی بلکہ نوجوانوں کو بھی اس پروگرام میں شامل کیا۔

ابتدائی زندگی:

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب مرحوم ومغفور ۶؍ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷؍اپریل ۱۹۲۸ء جمعہ کے روز دیوبند میں پیدا ہوئے،آپ کی ابتدائی تربیت میں والدہ ماجدہ کا بڑا ہاتھ تھا مگر ابھی آپ کی عمر صرف نو سال ہی تھی کہ والدہ ماجدہ کا وصال ہوگیا۔آپ کی تعلیم حضرت شیخ الاسلام کے خصوص خادم حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب سہسوری کی زیرِ نگرانی ہوئی آپ نے ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی ، دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ ۲۸؍شوال ۱۳۷۰ھ کو آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے اعزازی تقرر کیا گیا۔آپ نے زیادہ تر درجات متوسط کی کتابیں پڑھائیں۔آپ نے حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی کی محفلوں میں عملاً شرکت کی۔اپنے عظیم باپ کی قربانیوں کا مشاہدہ کیا،اس ماحول میں خدمتِ انسانی آپ کے رگ وپے میں رچ بس گئی۔شیخ الاسلام کی زندگی میں ہی آپ جمعیۃ علماء ہند شہرِ دیوبند کے نائب صدر بن گئے۔۱۹۶۰ء کا سال آپ کی زندگی کا ایک اہم ترین سال تھا کیونکہ اسی سال آپ کو ملک کے سب سے بڑے صوبے اُتر پردیش کی جمعیۃ علماء ہند کے منصب پر فائز کیا گیا اس دور میں آپ کا ایک اہم کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے صوبے میں دینی تعلیمی بورڈ کا نظام مستحکم کرنے پر زور دیا۔ ایک دوسرا اہم کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے بابری مسجد سے متعلق ضروری کاغذات کے مطالعے اور وکیلوں سے مشورے کے بعد ۱۸؍دسمبر ۱۹۶۱ء کو اس کا مقدمہ سول جج فیض آباد کی عدالت میں دائر کیا۔

فسادات کے تسلسل سے پریشان:

حصولِ آزادی کے بعد ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات نے مسلمانوں کی زندگی کی

اجیرن کر دیا تھا۔ آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام قومی جمہوری کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ ۲۹اور ۳۰؍نومبر ۱۹۶۴ء کو وگیان بھون میں یہ شاندار کنونشن منعقد ہوا اس کنونشن میں اس وقت کے وزیرِاعظم لال بہادر شاستری اور وزیر داخلہ گلزاری لال نندا اور بہت سے مسلم لیڈروں نے شرکت کی اس سے فسادات کی لہر کم کرنے اور سیکولرزم کو عام کرنے میں مدد ملی ۔۱۹۶۲ء میں معاہد قلت مولانا حفظ الرحمٰن کا انتقال ہوگیا۔ اب پارلیمنٹ میں کوئی مسلمان لیڈر ایسا نہ تھا جو مسلمانوں کے حق میں بول سکتا تھا ۱۹۶۸ء میں آپ نے راجیہ سبھا کا الیکشن لڑا اور آپ پارلیمنٹ میں پہنچ گئے۔ آپ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۴ء تک ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۶ء تک اور ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۴ء تک اٹھارہ سال پارلیمنٹ کے ممبر رہے۔ اس دوران آپ نے ملک وملّت کے تمام مسائل کی پوری جرأت و بے باکی کے ساتھ ترجمانی کی یہ خدمات اس قدر رو قیع اور شاندار ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لیے ایک اکیڈمی کے قیام کی ضرورت ہے اور ان اٹھارہ سالہ خدمات کو مختلف عنوانات کے تحت احاطۂ تحریر میں لانے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ یکساں سول کوڈ کی مخالفت اور مسلم پرسنل لاء کی حفاظت کے حوالے سے آپ کے افکاروخیالات بلاشبہ مفکرانہ ودانشورانہ ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے آپ نے سرکار کو واضح الفاظ میں لکھ دیا کہ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں کسی طرح کی تبدیلی کی کوشش دینِ اسلامی میں صریح مداخلت ہے۔ غرضیکہ جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے یکساں سول کوڈ کی پُرزور مخالفت کی۔ مولانا کی زندگی کا اہم ترین گوشہ اصلاحِ معاشرہ ہے۔ اصلاح معاشرہ پروگرام نے آپ نے تمام مدارس اسلامیہ کا تعاون حاصل کیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے صوبہ اُتر پردیش میں جگہ جگہ دورے کیے اور اصلاحی کمیٹیاں قائم کیں۔ صوبہ مدھیہ پردیش میں بھوپال میں ایک مستقل وفد قائم کیا گیا اور ۲۶، اصلاحی کمیٹیاں قائم کیں۔ صوبہ بہار میں ۱۸، اصلاحی کمیٹیاں قائم کی گئیں، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، راجستھان، ہریانہ، پنجاب اُڑیسہ اور ہماچل پردیش وغیرہ میں بھی اصلاحی کمیٹیوں کا قیام عمل میں آیا۔ مزید برآں مسلم اوقاف کے تحفظ کا پروگرام کو آپ نے اعلیٰ ترین ترجیح دی۔ فروری ۱۹۷۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام کل ہند اوقاف کانفرنس بلائی گئی، آپ نے اس بات پر زور دیا کہ وقف ایک خاص مذہبی مسئلہ ہے۔ اوقاف کی آمدنی اور اس کے مصارف اسلامی احکامات کی روشنی میں انھیں مدات پر ہوسکتے ہیں، جو واقف نے مقرر کیے ہیں۔ اوقاف کی جائیدادوں کو رینٹ کنٹرول ایکٹ سے مستثنیٰ کرانے کی جمعیۃ علماء ہند کی کوشش قابلِ ذکر ہیں۔ مختصراً یہ کہ آپ نے مسلمانوں کے معاشرتی اقتصادی، تعلیمی، دینی، مذہبی امور کے حوالے ان کی زندگی کو سنوارنے اور سدھارنے کی حتی المقدور کوشش کی، ان

کے علاوہ اُردو کا مسئلہ، اقلیتی کمیشن، مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار، ملازمتوں میں تعصب کی مخالفت اور ملک وملّت کی فلاح وبہبود نیز ہندو، مسلم اتحاد آپ کی زندگی کے اہم مقاصد تھے۔ آپ نے آزاد ہندوستان میں متحدہ قومیت کے تصور کو عام کرنے کی بھرپور کوشش کی، مسلمانوں کو غیر فرقہ وارانہ انداز پر مشترک طریقِ زندگی کی دعوت دی۔ ہندوستان، دنیا کا وہ بڑا اور واحد جمہوری ملک ہے جہاں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، بودھ، پارسی وغیرہ سبھی مذاہب کے ماننے والوں کا آئین مرتب کرتے وقت آزادی ہند کی تحریک کی حرمت کو برقرار رکھتے ہوئے سبھی فرقوں کو آزادی کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب اور اپنی ثقافت نیز اپنے شخص کی حفاظت کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ مسلمانوں کو آئین میں اس بات کی گارنٹی دی گئی کہ مسلم پرسنل لاء میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

ہمارے سیکولر ملک کے پہلے وزیر قانون ڈاکٹر امبیڈکر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ وہ پاگل حکومت ہوگی جو مسلمانوں کے مذہبی قوانیت میں کسی قسم کی مداخلت کرے گی۔ مولانا سیّد اسعد مدنی کی فکر رسا نے حالات حاضرہ کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیا اور ترقی نسواں کی ضرورت کے سلسلے میں اپنی تقاریر میں اہم نکات بیان کیے۔ آپ نے امت کی ماؤں بہنوں اور مردوں سے گذارش کی کہ وہ افراط وتفریط سے باز رہیں اور راہِ اعتدال اختیار کریں۔

مختصراً یہ کہ آپ کی زندگی کا مطالعہ کر کے ہم اپنی زندگی کو تعمیری انداز پر آگے بڑھا سکتے ہیں، بلاشبہ:

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

○○

❑ مولانا محمد الیاس، پہلی مرزعہ

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ

امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ کا عظیم سانحہ اور حادثہ ہے۔ آپ جمعیۃ علماء ہند کے عظیم قائد، مسلمانوں کے بیباک رہنما، دارالعلوم دیوبند کے محافظ و پاسباں، ہزاروں مدارس کے سرپرست و نگہبان ہی نہیں بلکہ ملّت اسلامیہ ہند کے ولولوں اور اُمیدوں کے آخری سہارا تھے۔ آپ کی رحلت سے جمعیۃ علماء ہند دارالعلوم دیوبند اور مدارس اسلامیہ بلکہ پوری ملت اسلامیہ یتیم ہوگئی ہے۔ اصابت رائے، عزم و ہمّت، جرأت و بے باکی، قوت عمل، ہمّت مردانہ، اٹل ارادہ، ایمانی فراست، سیاسی بصیرت، ملی وسماجی شعور، فکری اعتدال، احقاق حق و ابطال باطل آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو علم و عمل، اخلاص و تقویٰ، کردار و اخلاق، عزم و استقلال، ملت کی درد مندی، اور ہمدردیٔ خلائق کے تابناک جوہر عطا کیے تھے۔

ان گوناگوں اوصاف و کمالات کے ساتھ آپ کی پوری زندگی جہد مسلسل اور سعیٔ پیہم کا عملی نمونہ تھی، ملت اسلامیہ کے اس عظیم مجاہد اور معمار قوم نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح و ترقی جان و مال کی حفاظت، دستوری حقوق کی بازیابی، شہریت کے تحفظ، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، مظلوموں کی اعانت و دادرسی، ریلیف و بازآبادکاری، مدارس اسلامیہ اور تعلیمی اداروں کی سرپرستی و نگہبانی، اسلامی اوقاف کی حفاظت، سماجی و معاشرتی اصلاح، مسلم پرسنل لاء کی حفاظت، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، اقتدار میں حصّہ داری اور مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی نمائندگی جیسے صدہا ملّی مسائل کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اسی کے ساتھ یہ مردِ مجاہد فرقہ پرستی کی مخالفت، قومی یکجہتی کے فروغ، جمہوریت و سیکولرزم کے بقاء و استحکام، امن و قانون کی بالادستی، ملک و ملت کی تعمیر و ترقی کے لیے سرگرم عمل رہا، اور جمعیۃ علماء ہند کے اسٹیج سے پارلیمنٹ کے ایوان بالا تک مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی اور حفاظت کے لیے ہمہ تن مصروف رہا۔ علاوہ ازیں آپ نے بیعت و ارشاد کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کی ظاہری و باطنی

اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ الحاصل ملی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں جہاں آپ کی جدوجہد کے روشن نقوش موجود نہ ہوں۔

حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی حضرت والا کی شان میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا سیّدا سعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ عہد حاضر کے ممتاز و نامور عالم دین اور قائدانہ صلاحیت کے مالک، ایک سرگرم دینی وملی رہنما تھے، ان کی زندگی جہد مسلسل اور سعیٔ پیہم کا عملی نمونہ تھی۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے افکار وخیالات کے امین اور اپنے والد شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے سچے جانشین اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کے عکسِ جمیل تھے، ایمانی فراست، سیاسی بصیرت اور زبردست قومی، ملی اور سماجی شعور ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ بیدار مغزی، اولوالعزمی، فکری بالیدگی، عزم کی پختگی، ارادہ کی مضبوطی، حالات سے باخبری اور قوم و ملت کی صحیح نباضی نے ان کی شخصیت کو پُر اعتماد بنادیا تھا، انھوں نے اپنی منزل اور اپنا راستہ خود متعین کیا اور پوری بصیرت اور غیر معمولی جرأت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے، راہ میں رکاوٹیں آئیں، دشواریوں کا سامنا ہوا۔ راہ چلتے خارمغیلاں سے آبلہ پا بھی ہوئے۔

لیکن ملت کی فلاح و بہود کے لیے ان کا سفر جاری رہا، سنگین حالات اور سخت مرحلوں میں بھی ان کے قدم نہیں رکے، وہ خیر خواہِ ملت اور ایک وسیع النظر انسان تھے۔ وسعت ظرف اور کثرت عمل ان کی شناخت تھی، انھوں نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملت کی بھرپور نمائندگی فرمائی۔ دستوری حقوق کی بازیابی، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، مظلوموں کی امداد، ریلیف اور دادرسی، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ، اوقاف کی نگہبانی، مدارس کی سرپرستی، اصلاح معاشرہ، اقتدار میں حصّہ داری اور مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی کے علاوہ فرقہ پرستی کی مخالفت، قومی اتحاد، جمہوریت اور سیکولرزم کے استحکام اور امن وقانون کی بالادستی کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے اور حکومت کے ایوانوں میں اور پارلیمنٹ کے فلور سے بھی مسلمانوں کے حقوق کے لیے اپنی صدا بلند کرتے رہے۔ اور لڑتے رہے۔

صلاح وفلاح کا کونسا میدان تھا جہاں انھوں نے طبع آزمائی نہ فرمائی ہو، بلاشبہ ان کی رحلت سے ایک مخلص رہنما کی ملی جدوجہد کے ایک طویل عہد کا خاتمہ ہوگیا، جو تقریباً نصف صدی پر محیط تھا۔

مولانا محض ایک مسلم قائد یا سیاسی رہنما ہی نہیں تھے، وہ سب کے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ سب ان کے تھے، ان کے سینہ میں انسانیت کی بہبودی کے لیے جو دل دھڑکتا تھا اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی توجہ تھی، ان کا دل دردمند مظلوموں اور مصیبت زدوں کے درد

سے تڑپ اُٹھتا تھا، فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی بربادی کی خبر ملتے ہی وہ بے چین ہو جاتے تھے، ان کے چہرے پر کرب کے آثار صاف دکھائی پڑتے تھے اور کئی بار ان کی آنکھوں سے آنسوں چھلک پڑتے تھے لیکن ان کے آنسوؤں کے پیچھے عزم ہوتا تھا، وہ ان کی مدد کے لیے فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے تھے اور ان کی امداد اور دادرسی کے لیے سب سے پہلے پہنچ جاتے تھے۔ ان کے آنسوؤں نے کبھی ان کے عمل میں لغزش نہیں آنے دی۔

ایشیا کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کی مسجد رشید میں آپ کی وفات پر منعقد ہونے والے تعزیتی اجلاس کے اختتام پر حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم نے دارالعلوم کی جانب سے تعزیتی قرارداد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مرحوم کا سانحۂ ارتحال موت العالم موت العالم کا حقیقی مصداق ہے، اس سے جو زبردست خلاء پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا بے حد مشکل ہے۔ ان کا انتقال پُر ملال دارالعلوم دیوبند و جمعیۃ علماء ہند اور مسلمانانِ ہند ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا زبردست نقصان ہے۔ مولانا سیّد اسعد مدنی خلوص وللّٰہیت، روحانیت وعزیمت اور حق و صداقت کا پیکر جمیل تھے۔ ان کی زندگی ملت اسلامیہ کے لیے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی۔ جس کا ہمہ جہت فیض مسلمانانِ عالم کے لیے نصف صدی سے جاری تھا، ان کی ہمہ جہتی قیادت سے ملت کو ہر میدان میں فائدہ پہنچا، ملت کے سیاسی مسائل ہوں یا مذہبی، اقتصادی مشکلات ہوں یا تعلیمی، ہر شعبہ میں وہ ایک دیدہ ور اور دور اندیش رہنما کا کردار ادا کرتے تھے۔ اور اپنی مخلصانہ جدوجہد سے معاملات کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ قوم ہر نازک موقع پر رہنمائی کے لیے ان کی طرف دیکھتی اور وہ دستگیر فرما کر مردہ دلوں میں نئی روح پھونک دیتے تھے۔

ملت اسلامیہ کے اس میر کارواں کو خالق کائنات نے ذہانت، دور اندیشی، اصابت رائے، بروقت صحیح فیصلے کی صلاحیت اور پہاڑوں جیسا عزم وحوصلہ عطا فرمایا تھا۔ اپنے ان اوصاف حمیدہ کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے سب سے عظیم رہنما اور ہند میں سرمایۂ ملت کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند جیسی عظیم اور تابناک تاریخ کی حامل جماعت کو انھوں نے اکابر کے نہج پر رہتے ہوئے حالات زمانہ کے تحت نئی سمت عطا کی۔ اس کو مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت کے مقام پر باقی رکھا اور اس کے پلیٹ فارم سے ملت کی ہمہ جہت خدمات انجام دیں، ملت اسلامیہ کے اس بے باک قائد نے سیاسی حلقوں اور ایوانِ حکومت میں بھی ملت کی جرأت مندانہ اور بے باک نمائندگی سے ایک تاریخ رقم کی۔ اور ملت کے لیے فتنوں کے مقابلہ میں ڈھال کا کام کیا۔

اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند اور مسلک دیوبند کے لیے ان کی خدمات نہایت وقیع ہیں،

دارالعلوم نے گذشتہ سالوں میں تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اور مختلف میدانوں میں دارالعلوم کی خدمات میں جو وسعت آئی ہے اس میں حضرت مرحوم کی مساعی کا بڑا دخل ہے۔ انھوں نے ہر مشکل اور نازک گھڑی میں خدا دارالعلوم کی رہنمائی فرمائی اور ہر موقع پر دارالعلوم کے لیے سینہ سپر رہے، ان کی ذات مبارک سے خدام دارالعلوم کو بڑی تقویت حاصل ہوتی تھی۔ آج دارالعلوم کا یہ عظیم معمار ہم سے جدا ہو چکا ہے۔ ہر موقع پر صبر و رضاء کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

جامعہ اسلامیہ بیت العلوم پپلی مزرعہ میں آپ کی وفات پر منعقد ہونے والے تعزیتی اجلاس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مفتاحی قاسمی مہتمم جامعہ اسلامیہ بیت العلوم پپلی مزرعہ۔ وصدر جمعیۃ علماء ہریانہ پنجاب و ہماچل و چنڈی گڑھ نے جمعیۃ علماء ہند کی جہد مسلسل اور ملک وملت کے لیے اس کی بے پناہ قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جمعیۃ علماء ہند نے ہر آڑے وقت میں قوم وملت کی سنبھالا ہے اور بلالحاظ مذہب وملت بے کسوں کی دست گیری اور مظلوموں کی فریادرسی کی ہے، جمعیۃ علماء ہند کی یہ خوش قسمتی رہی کہ اس کو شروع ہی سے فعال و متحرک اور مخلص رہنما میسر ہوتے رہے، چنانچہ اس جماعت کے بانی اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی قربانیاں اظہر من الشمس ہیں، جن کا جذبۂ ایثار اور دلی تڑپ ان کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کو ورثہ میں ملی، اور یہی تڑپ اور سوز و گداز جماعت کے دیگر اکابرین حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا سیّد ابوالکلام آزادؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، وغیرہم میں کارفرما رہی فدائے ملت امیر الہند حضرت الحاج مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ ان حضرات اکابر کے قدم بہ قدم شریک رہے، اوران تجربہ کار اکابرین کی توجہ اور صحبت سے کسب فیض کیا، ان حضرات کی موجودگی ہی میں آپ کو وہ قبولیت عامہ حاصل ہوگئی کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے وصال کے بعد جب اکابرین جمعیۃ کی اتفاق رائے سے آپ مسند صدارت پر فائز کیے گئے تو آپ نے اس خلاء کو اس انداز سے پُر کیا کہ ہر شخص کو آپ کی صلاحیت کا اعتراف کرنا پڑا۔

سچ یہ ہے کہ آپ کی شخصیت کو جو بین الاقوامی شہرت اور عالم گیر مقبولیت حاصل رہی وہ ہم سب ہندوستانیوں کے لیے باعث افتخار و مایۂ ناز ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے مشائخ و اکابر کی حقیقی یادگار تھے، حضرت نانوتویؒ کا متکلمانہ انداز، حضرت شیخ الہندؒ کا جذبۂ ایثار اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی کی تڑپ آپ کو ورثہ میں ملی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی کے

زرّیں لمحات امت کے درد کرب کے علاج میں بسر ہوئے ،آپ موجودہ زمانے میں اہلِ علم اور اہل دین کے لیے ایک عظیم رہنمااور زبردست مربی تھے ،جب کبھی کوئی نیا فتنہ کھڑا ہوتا تو اُس اعتماد کی بنیاد پر جو آپ کی ذات کو عوام وخواص میں حاصل تھا لوگوں کے رُخ آپ کی طرف پھر جاتے ،اور وہ فتنہ و فساد کے استحصال کے لیے جناب والا کی طرف سے کسی مفید لائحہ عمل کے متوقع اور منتظر ہوجاتے ۔

آپ نے اپنے پورے دورِ صدارت میں ملک وملت کی وہ عظیم خدمات انجام دیں اور جمعیۃ علماء ہند کو اس عروج پر پہنچایا کہ آج اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے کوئی ہستی نظر نہیں آتی ، یہاں پہنچ کر حضرت مولانا (الیاس) کا دل بھر آیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ،اور بمشکل تمام یہ جملہ ادا فرما کر اپنا بیان ختم فرمادیا کہ اللہ رب العزت ملک وملت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے اور حضرت مولانا کو ان کی قربانیوں کا اجر جزیل عطا فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے ،آمین ۔

فدائے ملت حضرت امیرالھند کی حیات مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر:

برصغیر میں دینی وملی ،قومی ،ملکی اور سیاسی خدمات کے حوالہ سے جن ممتاز اور نامور شخصیتوں کو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان میں عالم اسلام کے عظیم رہنما عبقری شخصیت فدائے ملت امیرالہند سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند کی ذات گرامی بھی شامل ہے۔جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے ۔

خاندان اور ولادت:

آپ حسینی سادات خاندان سے سے تعلّق رکھتے ہیں جو تقریباً ۱۹ر پشت قبل ہندوستان آیا تھا، آپ کے والد ماجد شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ ہندوستان کے نامور بزرگ شہرۂ آفاق محدث ،تحریکِ آزادی ہند کے عظیم قائد وعظیم رہنما دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث اور مشہور شیخ طریقت تھے۔اس بابرکت خاندان میں ۱۶ر ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷ر اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ بمقام دیوبند آپ کی ولادت ہوئی ،آپ کے والد قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے آکر دیوبند مقیم ہوگئے تھے۔ بعد میں آپ نے دیوبند مستقل سکونت اختیار فرمائی۔

تعلیم اور فراغت:

آپ کا تعلیمی سلسلہ از ابتداء تا انتہا دارالعلوم دیوبند میں جاری رہا۔قرآن کریم حفظ و ناظرہ ، دینیات، تجوید، اور درس نظامی کی جملہ کتب دارالعلوم دیوبند میں ہی پڑھیں ،۱۹۴۸ء میں فراغت پائی ۔

اساتذہ کرام:

آپ کے اساتذہ کرام میں آپ کے والد ماجد شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے

علاوہ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ امام المعقولات علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا سیّد اصغر حسین احمد دیوبندیؒ، مولانا سیّد مفتی مہدی حسن شاہجہان پوریؒ مولانا قاری اصغر علی سہسپوریؒ، مولانا خلیل احمد صاحب کیرانویؒ، مولانا سیّد فخر الحسن مرادآبادیؒ جیسے جلیل القدر اکابرین اور علوم نبوت کے آفتاب وماہتاب شامل ہیں۔

درس و تدریس:

فراغت کے بعد مختصر مدت کے لیے اپنے والد کے ہمراہ وقت صرف کیا اور ان کی خدمت کی سعادت حاصل کی۔ پھر شوال ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء سے ۱۳۸۲ء مطابق ۱۹۶۲ء مسلسل بارہ سال تک درس نظامی کی کتب کا درس دارالعلوم دیوبند میں دیا۔ پھر ملی ضروریات اور قومی خدمت کے پیشِ نظر تدریسی سلسلہ موقوف ہوگیا۔ اور آپ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے۔ جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی اور مختلف عہدوں پر خدمات جمعیۃ علماء ہند اور اس کے مقاصد سے تعلق آپ کو ورثہ میں ملا تھا، اور اس کے ساتھ عملی طور سے وابستگی کا آغاز جمعیۃ علماء دیوبند کے نائب صدر کی حیثیت سے ہوا، اس وقت ان کے والد بقید حیات تھے، پھر جمعیۃ علماء اتر پردیش کا صدر منتخب کرلیا گیا، اس دوران آپ کی قومی، ملکی، اور اجتماعی خدمات جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ کا سنگ میل ہیں۔

جمعیۃ علماء ھند کی نظامت عمومی اور صدارت:

۹؍اگست ۱۹۶۳ء کو مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی نظامت عمومی کے منصب پر فائز کیا گیا اور اپنی بے مثالی جدوجہد سے پوری جماعت میں تازگی پیدا کی اور جمعیۃ علماء ہند کے ورکروں میں نئی روح پھونک دی اور مکمل دس سال تک آپ نے اس عظیم منصب کو زینت بخشی۔ پھر ۱۱؍اگست ۱۹۷۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی صدارت نے آپ کی قدم بوسی کی اور اتفاق رائے سے جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور اپنی حیات مستعار کے آخری سانس ۶؍فروری ۲۰۰۶ء تقریباً ۳۳؍سال تک اس عظیم منصب پر فائز رہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے آپ نے ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق کی لڑائی ارباب اقتدار سے لڑی، ملی امور اور مسلمانوں کے مسائل میں مصلحت گوئی سے آپ نے کبھی کام نہیں لیا۔ آپ نے اسلاف کے سچے جانشین اور ورثۂ اکابر کے امین اور رہنما ہونے کے ناطے جمعیۃ علماء ہند کے وقار اور اس کے اثرات ہی میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اس کے وسائل اور ذرائع میں بھی اضافہ کیا۔

جمعیۃ علماء ھند کے پلیٹ فارم سے خدمات کی تفصیل:

آپ نے اپنے دور صدارت و نظامت میں پورے ملک میں جمعیۃ علماء ہند کی شاخوں کا

جال پھیلا دیا اور اس کے تمام شعبوں کو اتنا شاندار متحرک اور فعال بنا دیا کہ جمعیۃ کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، جمعیۃ علماء ہند کے تعلّق سے آپ کی خدمات جلیلہ کے عنوانات (جو اپنی جگہ مستقل تاریخ ہے) کی مختصر فہرست اس طرح ہے۔

فسادات کی روک تھام، اور مظلومین کی امداد، اور فریاد رسی، مسئلہ کشمیر، مسئلہ آسام، مسلم اوقاف کی حفاظت اور جد وجہد، اُردو کا تحفظ اور اس کی بقاء عالم اسلام سے ملت کا واسطہ اور تعلق، بابری مسجد، مسلم یونیورسٹی کا تحفظ اور اس کے اقلیتی کردار کی بحالی کے لیے ڈٹ کر مقابلہ، مسلمانوں کی اقتصادی بحالی کے پروگرام، مسلم پرسنل لاء، تحفظ حرمین شریفین، مسئلہ فلسطین، مسئلہ افغانستان، چیچنیا، بوسنیا، ہرزے گوینا، مسئلہ عراق وکویت، تحفظ شریعت، تحفظ حقوق شہریت، یکساں سول کوڈ، اصلاح معاشرہ، رویت ہلال، امارت شرعیہ، مسئلہ کسٹوڈین، جبری نسبندی، تعمیری وتعلیمی پروگرام، ارتدادی علاقوں میں مکاتب کا قیام، عصری تعلیمی اداروں کا قیام اور اس کے لیے جدوجہد ملت اسلامیہ ہند کے حقوق کی بازیابی کے لیے جدوجہد اور کوشش، فرق باطلہ، اور فرق ضالہ کا دفاع، فتنۂ قادیانیت کی بیخ کنی کے لیے جدوجہد، مسلک دیوبند اور اکابرین دیوبند کی خدمات جلیلہ کا عالم اسلام میں تعارف، دارالعلوم دیوبند اور دیگر عظیم مدارس کی سرپرستی اور شوریٰ کی رکنیت، محاکم شرعیہ کا قیام ادارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام اور مشکل مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے پورے ملک کے مفتیان کرام اور بابصیرت علماء کرام کے فقہی اجتماعات کا انعقاد، بیعت وارشاد، دعوت وتبلیغ وغیرہ جیسے زریں عنوانات ہیں جو مستقل تصانیف کے متقاضی ہیں اور انشاء اللہ کوئی مؤرخ اس عظیم خدمت کو انجام دے گا۔

امیرالھند کا منصب جلیل:

ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لیے امارت شرعیہ کا قیام ہندوستانی مسلمانوں کی دیرینہ آرزو اور علماء کرام کی جدوجہد کی تاریخ کا روشن باب ہے اور اس کا آغاز انگریزی دور حکومت میں ۲۰/فروری ۱۸۲۹ء سے ہوگیا تھا اور جمعیۃ علماء ہند نے اپنے قیام کے روزِ اوّل ہی سے کل ہند طریقے پر امارت شرعیہ کے قیام کی جانب بھرپور توجہ مبذول رکھی اور مختلف مواقع پر اس کے لیے کسی نہ کسی حد تک جدوجہد جاری رہی، چنانچہ صوبہ بہار میں جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد سے امارت شرعیہ کا نظام ۱۹۲۱ء سے برابر جاری ہے اور اس وقت مولانا نظام الدین صاحب دامت برکاتہم بہار کے چھٹے امیر شریعت ہیں، اسی سعی مسلسل کے نتیجے میں جمعیۃ علماء ہند کی دعوت پر ۲/نومبر ۱۹۸۶ء مدنی ہال بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی میں علماء کرام ومفتیان عظام اور دانشورانِ ملک وملت

کا ایک عظیم اجتماع منعقد ہوا، جس میں پورے ملک کے ۱۴؍صوبوں سے تین ہزار سے زائد افراد شریک ہوئے، باتفاق رائے امارت شرعیہ ہند کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، اس کا اوّلین امیر الہند محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہٗ اور نائب امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو منتخب کیا گیا اور پھر فوراً بعد امیر الہند کی بوجہ علالت طبع غیر موجودگی کی وجہ سے نائب امیر الہند مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے دست مبارک پر حاضرین نے بیعت فرمائی اور شرعی امور میں سمع و طاعت پر عہد کیا، پھر امیر الہند اوّل حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۹؍مئی ۱۹۹۲ء کے عظیم الشان نمائندہ اجلاس میں حضرت والا کو امیر الہند منتخب کیا گیا، مجاہد ملت کے وصال کے بعد پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں کوئی مسلمانوں کا ترجمان باقی نہیں رہا، اس لیے حضرت والا نے ۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا کی رکنیت کو قبول فرمالیا اور مسلسل اٹھارہ سال (تین ٹرم) تک حضرت مولانا راجیہ سبھا کے رکن رہے، اور برابر حضرت والا کی حق وصداقت کی آوازوں سے ایوان گونجتا رہا، آپ کی پارلیمانی تقاریر (صدائے حق) کے نام سے شائع ہوچکی ہیں، آپ اگرچہ پشتینی کانگریسی تھے، اور کانگریس کی حمایت بالواسطہ نہیں بلکہ براہِ راست کرتے تھے، لیکن انھوں نے جمعیۃ علماء ہند کو کانگریس یا کسی اور سیاسی پارٹی کی ذیلی تنظیم نہیں بننے دیا اور کانگریس کے رہتے ہوئے کانگریس کے غلط اقدامات پر برابر نکیر فرماتے رہے اور ان کی غلط کاریوں سے ایوانِ حکومت کو مطلع کرتے رہے اور مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کے لیے برابر کوشاں رہے۔

دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کی سرپرستی:

آپ دارالعلوم دیوبند کے فرزند جمیل اور نامور فیضیافتگان میں سے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے ہی محل میں آپ کی نشو ونما اور پرورش ہوئی اور دارالعلوم دیوبند ہی سے آپ کو سب کچھ حاصل ہوا، بلاشبہ آپ اپنے مادر علمی کے مخلص سپوت ہیں، اس لیے مادر علمی کی خدمت اور اس کی ترقی و استحکام کے لیے جدوجہد آپ کا نصب العین رہا ہے، فراغت کے بعد مسلسل ۱۲؍سال تک تدریسی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے، پھر بعض ملی، قومی تقاضوں کے پیشِ نظر اگرچہ آپ نے تدریسی ذمہ داریوں سے ازخود علیحدگی اختیار کرلی تھی مگر باہر رہ کر دارالعلوم دیوبند کی خدمات انجام دیتے رہے، چنانچہ صدر جمہوریہ عالی جناب فخر الدین علی احمد مرحوم کی دارالعلوم دیوبند تشریف آوری کے موقع پر، اسی طرح اجلاس صد سالہ کے موقع پر دارالعلوم کے لیے آپ کی خدمات دارالعلوم کی تاریخ میں سنہرا باب ہے، لیکن شعبان ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اتفاق رائے سے آپ مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی ہیئت حاکمہ میں شامل ہوگئے اور دارالعلوم کے وسائل کی

توسیع اور دیگرامور میں آپ کی مخلصانہ کاوشیں آخری دم تک قائم رہیں اورآپ کی مساعی جمیلہ سے دارالعلوم کا حلقہ اثر داخلی اور خارجی ہر اعتبار سے شاہراہ ترقی پررواں دواں رہا، دارالعلوم دیوبندمیں کل ہندمجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام شعبۂ تخصص فی الحدیث ،شعبہ انگریزی ادب ،شیخ الہند اکیڈمی وغیرہ کا اضافہ آپ کی خصوصی دلچسپی کا ثمرہ ہے، نیز ۸/ربیع الاول ۱۳۷۸ھ میں مسلسل آپ مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی مرادآباد کے رکن رکین رہے، مدرسہ شاہی کی تعمیری، تعلیمی اورانتظامی امور میں آپ کی دلچسپی تادم حیات قائم رہی، مدرسہ شاہی میں آپ کی حیثیت سرپرست اعلیٰ کی تھی، مدرسہ شاہی آپ کی اصابت رائے، عاقبت اندیشانہ فیصلوں سے برابر مستفیض ہوتا رہا،اس کے علاوہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ، دارالعلوم حسینیہ مظفرنفر مدرسہ محمودیہ سروٹ مدرسہ اعجاز العلوم ویٹ،نورالعلوم بہرائچ، ادارہ محمودیہ محمدی لکھیم پورکھیری، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ، مدرسہ حسینیہ جون پور، جامعہ اسلامیہ بیت الاعلوم پپلی مزرعہ ہریانہ نیز بہار، بنگال، آسام گجرات، راجستھان، میوات، پنجاب، مہاراشٹر، آندھراپردیش، مدھیہ پردیش، اُڑیسہ کرناٹک وغیرہ شامل ہیں۔

دیگر ذمّہ داریاں:

مدارس کی سرپرستی جمیعۃ علماءہندکی صدارت امارت شرعیہ ہندکی قیادت کےعلاوہ آپ جن اداروں سے بحثیت رکن وابستہ رہےان کے نام اس طرح ہیں، کانگریس ورکنگ کمیٹی، راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، مرکزی وقف کونسل، ہمدردٹرسٹ دہلی، مرکزی حج کمیٹی، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ، موتمرفقہی ریاض آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ وغیرہ ان تمام اداروں سےوابستہ رہ کرآپ نےقوم وملت کی بےلوث خدمات انجام دی ہیں۔

بیعت و ارشاد:

آپ کا بیعت وارشاد کاتعلّق اپنے والدمحترم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھاانھیں کی زیرِسرپرستی رہ کرآپ نےسلوک کی منازل طے کیں اور شیخ الاسلامؒ کے وصال کے بعدتمام ہی خلفاءشیخ الاسلام نے آپ کوخرقہ خلافت سے سرفرازفرمایا، پھرخواص وعوام الناس نے عظیم تعداد میں آپ سے بیعت ہوکراپنی اصلاح فرمائی، ملک و بیرون ملک میں سیکڑوں کی تعداد میں آپ کے مریدین ہیں، جن میں سیکڑوں کی تعداد میں خلافت سے سرفراز ہوچکے ہیں، ماہِ رمضان میں مسجدرشید دارالعلوم دیوبندآپ کےشیدائیوں سے کچھا کھچ بھری رہتی اورمعرفت کے

جام پی کر عشق الٰہی میں مست رہتے، آج آپ کی رحلت سے ایک دنیا سونی ہوگئی اور ایک عظیم خانقاہ اُجڑ گئی، ایک عظیم تربیت گاہ پر ماتم کے بادل چھا گئے ہیں۔

حسن خاتمہ:

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ حسن خاتمہ کی دُعاء فرمایا کرتے تھے، اس سال رمضان المبارک میں شدید بیماری کے باوجود آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا اور ۲۹ ؍رمضان المبارک کوظہر کے بعد تقریر کرتے ہوئے انتہائی رقت آمیز انداز میں اشارہ دیا کہ شاید اب وہ آئندہ رمضان نہ پاسکیں گے، عید کے اگلے دن ہی آپ کوسر میں چوٹ آئی اور عصر کی نماز کے لیے تیمّم کرتے کرتے گہری بیہوشی میں چلے گئے، مکمل تین مہینے پانچ دن آپ بیہوشی میں رہے، درمیان درمیان میں ہاتھ، زبان اور آنکھوں میں معمولی حرکت آتی رہی، لیکن حیرت انگیز طور پر وفات سے دس منٹ پہلے زبان سے اللہ اللہ کا ذکر جاری ہوگیا اور ۶ ؍فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ فروز پیر شام قبل مغرب آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور آپ اپنے مولائے حقیقی سے جاملے، انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون جنازہ دیوبند لایا گیا۔ ۸؍محرم بعد نماز فجر آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم کی امامت میں ادا کی گئی اور مقبرہ قاسمی میں تدفین کی گئی، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین۔

امیرالھند مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کی نظر میں:

● پیدائش: ۲۷؍اپریل ۱۹۲۸ء، دارالعلوم سے فراغت ۱۹۴۵ء ● مدینہ منورہ میں قیام: ۱۹۴۵ء تا ۱۹۵۰ء ● دارالعلوم سے وابستگی: ۱۹۵۰ء تا ۱۹۶۲ء ● جمعیۃ علماء یوپی کی صدارت: ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۳ء ● جمعیۃ علماء ہند کی نظامت عمومی: ۹؍اگست ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۳ء ● جمعیۃ علماء ہند کا عہد صدارت: ۱۱؍اگست ۱۹۷۳ء تا ۶؍فروری ۲۰۰۶ء ● رکنیت راجیہ سبھا: تقریباً ۱۸ سال (تین ٹرم) ۱۹۷۸ء ۱۹۹۴ء تک ● اداروں سے وابستگی: (۱) کانفریس ورکنگ کمیٹی، (۲) پارلیمانی ضوابط کمیٹی (۳) پارلیمانی یقین دہانی کمیٹی (۴) مسلم یونیورسٹی کورٹ (۵) رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ (۶) مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور اس کے علاوہ متعدد اداروں سے وابستگی رہی۔ ● وفات: ۶؍فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر بوقت: شام پونے چھ بجے، اپولوہسپتال، دہلی ● تدفین: ۷؍فروری ۲۰۰۶ء بروز منگل بمقام قاسمی قبرستان، دیوبند۔

○○

❑ مولانا مستقیم احسن اعظمی، ممبئی

فدائے ملتؒ

الحمد لله و کفیٰ وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ اما بعد!

جمعیۃ علماء ہند ہندوستانی مسلمانوں کی عظیم ترین مذہبی، ملی اور سیاسی تنظیم ہے، جو ۱۹۱۹ء میں مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ کی صدارت میں تشکیل پائی، اس جماعت کے فکری، رہنما شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ سرزمین ہند پر فرنگی غلبہ وتسلط کے خلاف نبرد آزما ہونے والی دبستان ولی اللہی کی جماعت رشیدہ کے پروردہ اور ان کے جانشین تھے، اس تاریخی حقیقت کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہندوستان میں مسلم حکمرانی کے خاتمہ کے بعد سامراجی طاقتوں کے خلاف شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ سے لے کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء اور رفقاء تک تحریک استخلاص وطن کی قیادت کا فریضہ صرف علمائے ہند نے انجام دیا، مگر جنگ عظیم اول میں ترکوں کی پسپائی، خلافت عثمانیہ کا خاتمہ اور ممالک عربیہ میں فرنگیوں کے غلبہ و تسلط نے ہندوستان میں علماء کی انقلابی جد وجہد کو صدمہ پہنچایا اور اس تحریک کے بقا کے لیے ایک نئے افق کی تلاش شروع ہوئی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور ان کے رفقاء کی مالٹا میں اسارت اس بات کا مظہر تھی کہ اب ایک نہج جدید کو استوار کرنے کی ضرورت ہے، ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند اپنے رفقاء کے ساتھ مالٹا سے رہا ہو کر ہندوستان وارد ہوئے، اور اسی سال ۱۹/ ۲۰ اور ۲۱ نومبر کو جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دوم کی صدارت فرماتے ہوئے انہوں نے مستقبل میں تحریک آزادی کا خاکہ یوں پیش کیا۔

(۱) اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترک موالات فرض ہے۔

(۲) تحفظ ملت اور تحفظ خلافت کے خالص اسلامی مطالبہ میں اگر برادران وطن ہمدردی اور اعانت کریں تو جائز اور مستحق شکریہ ہیں۔

(۳) استخلاص وطن کے لیے برادران وطن سے اشتراک عمل جائز ہے مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ اندازی نہ واقع ہو۔

(۴) اگر موجودہ زمانے میں توپ، بندوق اور ہوائی جہاز کا استعمال مدافعت اعداء کے لیے جائز ہوسکتا ہے (باوجودیکہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں) تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں تامل نہ ہوگا، کیونکہ موجودہ زمانے میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق اور ہوائی جہاز نہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔

(خطبہ صدارت ص:۱۶، بحوالہ اسیران مالٹا، از مولانا محمد میاں صاحب ص:۵۹)

جمعیۃ علماء ہند نے حضرت شیخ الہندؒ کے متعین کردہ انہی رہنما خطوط کی روشنی میں تحریک آزادی کی تحریک میں پرجوش اور نمایاں حصہ لیا اور انہی اصولوں پر یہ جماعت آج بھی گامزن ہے، انگریزوں سے ترکِ موالات کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے اجتماعی فتویٰ جاری کیا اور برادرانِ وطن کو بھی ہمنوا بنانے کی فضا ہموار کی، جس کی پاداش میں جمعیۃ علماء کے صدرِ دوم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ پر کراچی کا تاریخی مقدمہ چلا، اور ان کو دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی، اور ان کی کلکتہ کی ملازمت ختم کردی گئی۔

جمعیۃ علماء ہند ہندوستان کی وہ منفرد جماعت ہے کہ جس نے سب سے پہلے ملک کی مکمل آزادی کی تجویز منظور کی، مارچ ۱۹۲۶ء اجلاس کلکتہ میں جمعیۃ علماء نے یہ تجویز پاس کی کہ جب کہ اس وقت تک کانگریس اس باب میں تذبذب کا شکار تھی اس کے تقریباً چار سال بعد ۲۵ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانگریس نے اپنے اجلاس لاہور میں یہ تجویز طے کی اور اس کے بعد ہی ''نمک ستیہ گرہ'' تحریک شروع ہوئی، جس میں محبّ وطن ہندو مسلم قدم سے قدم ملا کر آزادیٔ وطن کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، کانگریس کے اس فیصلے کے بعد جو جمعیۃ علماء ہند کے پیش نظر برسوں سے تھا، کانگریس کی عدم حمایت کا کوئی جواز اس کے نزدیک باقی نہیں رہا، چنانچہ اس نے ۳/ تا ۶/ مئی ۱۹۳۰ء کو امروہہ میں اجلاس عام کرکے یہ طے کردیا کہ جب کانگریس آزادیٔ کامل کو اپنا نصب العین بنا چکی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان کانگریس سے علیحدہ رہیں بلکہ ان کا فرض ہے کہ پورے جوش اور کامل استقلال کے ساتھ احکام شریعت کی پابندی کرتے ہوئے کانگریس سے اشتراک عمل کریں اور سرفروشانہ جنگ آزادی کی راہ پر گامزن ہوں۔

جمعیۃ علماء ہند کے اس تاریخی فیصلہ کے بعد موالاتِ انگریز اور موالات کفار و مشرکین کی بحث چھڑ گئی، بعض مسلم لیڈران جو اس پرفریب نعرہ کے ذریعہ تقسیم ہند کا مطالبہ کررہے تھے، جمعیۃ علماء ہند کی مخالفت و معاندت میں سرگرم ہوگئے، چند مذہبی پیشواؤں نے بھی موالاتِ انگریز اور موالاتِ مشرکین پر فتوے صادر کیے، اور بعض دانشوروں نے ''پہلے سمجھوتہ پھر تحریک'' کا پرکشش

نعرہ لگایا، کچھ ناسمجھ اور جذباتی نوجوانوں نے جمعیۃ علماء ہند کے بزرگوں کے ساتھ بدسلوکیاں کیں مگر اس جماعت کے لوگ ''اللھم اہد قومی فانہم لا یعلمون'' کا ورد کرتے ہوئے اپنے موقف پر ثابت قدم رہے، واقعہ یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے اس اصولی موقف کے سبب ہندوستان میں آزادی کے بعد ایک متوازن سیکولر دستور تشکیل پا سکا، اور اس کا مسلمانوں کو اس ملک میں عزت واعتبار کا مقام حاصل ہوا۔

جمعیۃ علماء ہند کے پیش نظر ہندوستان کے مستقبل کا جو نقشہ تھا وہ تمناؤں اور آرزؤں کے قصر ومحل کے بجائے واقعیت پسندی پر مشتمل تھا اور اس کی بخوبی وضاحت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ایک مکتوب سے ہوتی ہے جس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

''ہندوستان کا آئندہ نظام جمہوری ہوگا، جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ انتخاب کے ذریعہ معینہ مدت کے لیے ایک صدر جمہوریہ کا انتخاب ہوتا رہے گا، صدر جمہوریہ کبھی مسلمان ہوگا، کبھی غیر مسلم ہوگا''۔

''مرکزی حکومت میں غیر مسلموں کے مقابلہ مسلمانوں کا تناسب اگرچہ کم ہوگا لیکن بنیادی آئین میں مسلمانوں کے لیے ایسے تحفظات رکھے جائیں گے کہ مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی اور اقتصادی حقوق پوری طرح محفوظ رہیں گے''۔

''بہرصورت مشترکہ نظام ہوگا جس میں مسلم اور غیر مسلم مختلف تناسب مگر یکساں حقوق و اختیارات کے ساتھ یکساں شریک ہوں گے، محض عددی نسبت کے اختلاف سے اس کی مشترکہ حیثیت میں کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔''

''اس مشترکہ جدوجہد میں فتح حاصل کرنے کے بعد:

(۱) ملک کے نظام حکومت میں ان (مسلمانوں) کا ایک موثر حصہ ہوگا۔
(۲) مسلمانوں کا قانون شخصی (پرسنل لاء) محفوظ ہوگا اور ان کو اس پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی۔
(۳) مسلمانوں کے مذہبی ادارے، اوقاف، مساجد، مقابر وغیرہ محفوظ رہیں گے، ان کا کلچر اور تہذیب وتمدن محفوظ رہے گا۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام، جلد دوم، مکتوب ۳۴ بنام حافظ محمد صدیق صاحب)

۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، مگر حکومت برطانیہ کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بٹین نے پہلے سے طے شدہ پلان کے مطابق ۳/جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کا پلان پیش کیا، جس کو مسلم لیگ نے ۹/جون کو اور کانگریس نے ۱۴/جون کو تسلیم کرلیا، تنہا جمعیۃ علماء نے اس تجویز کی مخالفت کی اور اپنے

اجلاس لکھنؤ میں یہ قرار داد منظور کی کہ ''کچھ عرصہ کے لیے آزادی کا موخر ہوجانا اس نقصان عظیم سے کہیں زیادہ بہتر ہے، جو تقسیم ہند سے ہوگا''، مگر اس وقت کے جذباتی ماحول میں اس کی یہ آواز نقارخانہ میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی۔

تقسیم کے نتیجہ میں فرقہ وارانہ تشدد بھڑک اٹھا، قتل و غارت گری، لوٹ مار، اور سفاکی و درندگی کا ایسا طوفان بپا ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے، ایسے پرآشوب ماحول میں مسموم ذہنیت کے خلاف سینہ سپر ہونے والی منفرد جماعت جمعیۃ علماء ہند تھی، جس نے مسلمانوں کے خلاف شکوک وشبہات کا ازالہ کیا اور مسلمانوں کو اس ملک میں استقامت و پامردی کے ساتھ فروکش رہنے کی تلقین کی، بعد ازاں منقسم ہندوستان میں منصوبہ بند طریقہ پر فسادات کا ایک سلسلہ چل پڑا جس میں مظلومین کی دادرسی، ان کی بازآبادکاری اور حکومتی ایوانوں میں ان کے مسائل کی نمائندگی کا فریضہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ذمہ لیا اور آج تک وہ مسلسل اس فریضہ کی ادائیگی میں لگی ہوئی ہے۔

تقسیم وطن کے ابتدائی چند سالوں تک اس کی شاندار اور کامیاب پشتیبانی حضرت شیخ الاسلام اور ان کے جاںنثار شاگرد، حضرت مجاہد ملت فرماتے رہے، مگر ان بزرگوں کے اٹھ جانے کے بعد ۱۳ سال بحیثیت جنرل سیکریٹری اور ۳۳ سال بحیثیت صدر تقریباً ۴۶ سال تک جمعیۃ علماء ہند کے منصب قیادت پر فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی فائز رہی۔

اس تاریخ ساز جماعت کے حقیقی وارث وامین اس کی عظمت رفتہ کے اداشناس، جمعیۃ کے اغراض ومقاصد کے پاسبان ونگہبان وہی رہے، انہوں نے پچھلی صدی کی چھٹی دہائی کے آغاز سے ۶؍فروری ۲۰۰۶ کے درمیانی ۴۶ برس کے طویل عرصہ میں جمعیۃ علماء ہند کی ایسی شاندار قیادت فرمائی جس سے ایک طرف اس کا روشن اور تابناک تاریخی تسلسل برقرار رہا، تو دوسری طرف امداد و رشید اور قاسم ومحمود رحمہم اللہ کے علوم وافکار کی ترویج واشاعت کا فریضہ بھی بحسن وخوبی انجام پاتا رہا، سطور ذیل میں جمعیۃ علماء ہند کے تاریخی تسلسل کی روشنی میں حضرت فدائے ملت کے کچھ کارناموں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے خمیر میں انگریز دشمنی شامل ہے، تحریک آزادی کے دور میں ترک موالات کی تحریک بظاہر خلافت کمیٹی نے چلائی مگر اس میں روح جمعیۃ علماء ہند نے پھونکی، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، ملک کی آزادی کے بعد انگریزوں سے ترک موالات کا موضوع ہی ختم ہوگیا مگر فدائے

ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کے حالات سے باخبر لوگ بخوبی واقف ہیں کہ وہ آزاد ہندوستان میں بھی اپنے بزرگوں کی طرح انگریزوں کا ذکر بڑی ناپسندیدگی سے کیا کرتے تھے، وہ اکثر اپنی تقریروں میں اپنے بزرگوں کے حوالے سے کہا کرتے تھے، کہ سمندر کی تہہ میں اگر دو مچھلیاں بھی لڑ رہی ہوں تو سمجھ لو کہ کوئی انگریز ان کو لڑا رہا ہے، امریکہ اور یورپ کے مقابلہ میں وہ سابقہ سوویت یونین سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے۔

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے نظریۂ ترک موالات اور متحدہ قومیت پر کافی گرم بازاری ہوئی، آزاد ہندوستان میں بھی یہ موضوع معرض بحث رہا، حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ نے اپنے دور قیادت میں کبھی بھی اس موضوع پر، اپنے بزرگوں کے قائم کردہ اصولوں سے سرِ موانحراف نہیں کیا بلکہ وہ اس کی تائید وحمایت میں کوہ گراں کی طرح ثابت قدم رہے، چنانچہ مسلمانوں کا جو طبقہ انگریزوں اور کفار ومشرکین سے ترک موالات کی یکسانیت کا خوشنما نعرہ لگا رہا تھا اور جس کے سبب سے ملت اسلامیہ ہند کو آزاد ہندوستان میں سخت نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس کے مقابلے کی جرأت وہمت صرف فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے قلب وجگر میں تھی، انہوں نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ جو لوگ جمہوری حکومت میں سرکاری ملازمتیں ترک کر کے اور الیکشن کا بائیکاٹ کر کے بظاہر ترک موالات کفار کا خوشنما فریضہ انجام دے رہے ہیں وہ گمراہ ہیں، مسلمانوں کے بہی خواہ ہرگز نہیں ہیں۔

فدائے ملت نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ مسلمانوں کی حکومتی مشنری میں اپنے عددی اور معنوی تناسب کو فروغ دینا چاہئے، وہ اس بات سے سخت کبیدہ خاطر رہتے تھے، کہ مسلمانوں کا تعلیمی تناسب دن بہ دن گھٹتا جارہا ہے، اور ان کی شرح سرکاری ملازمتوں میں کم سے کم ہوتی جارہی ہے، اس خلاء کو پر کرنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے لیے ریزویشن کی تحریک چلائی اور اس کے لیے مختلف سیاسی پارٹیوں سے مطالبہ کرتے رہے اور اس مطالبہ کی تائید مین ۲۲ لاکھ دستخطوں کا انبار، صدر جمہوریہ کو پیش کیا جو ہندوستان کی تاریخ کا ایک منفرد واقعہ ہے۔

متحدہ قومیت کا جو تصور جمعیۃ علماء کے بزرگوں نے پیش کیا اور جس پر ان کی شان میں گستاخیاں کی گئیں حضرت فدائے ملت نے ہمیشہ اس نقطۂ نظر کی پرجوش وکالت اور تبلیغ کی اور بلا خوف تردید کی، اسی نقطۂ نظر کو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے نسخۂ کیمیا اور اکسیر شفا قرار دیا، وہ اسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر کانگریس کے ہم نوا تھے، اور ہر ایسی سیاسی جماعت کو ناپسند قرار دیتے تھے جو رنگ ونسل، خطۂ وعلاقہ اور مذہب ومسلک سے ہم رشتہ ہو، وہ ایک طرف اگر جن سنگھ، ہندو مہا سبھا اور

بھارتیہ جنتا پارٹی کو متحد قومیت کے منافی خیال کرتے تھے تو مسلمانوں کی جانب سے بھی اس قسم کی گروہی اور مذہبی بنیادوں پر استوار سیاسی جماعتوں کے مخالف تھے۔

آزاد ہندوستان میں پہلی حکومت کانگریس نے بنائی اور ایک طویل عرصہ تک اسی نے حکومت کی، جمعیۃ علماء آزادی کے قبل سے نظریاتی بنیادوں پر کانگریس کی ہمنوا تھی، چنانچہ بعد میں بھی اس کا یہ تعلق استوار رہا، حضرت فدائے ملت متعدد مرتبہ اسی پارٹی کی جانب سے راجیہ سبھا کے رکن بنائے گئے جس سے ظاہر بینوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ جمعیۃ علماء کانگریس کا ضمیمہ ہے، درحقیقت اس طرح کی پھبتیاں کسنے والے لوگ جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کے رشتۂ اشتراک و تعاون اور اس کے حدود وآداب سے نابلد ہیں ایک مدت تک ہندوستانی سیاست میں کانگریس کے مدمقابل جن سنگھ اور مسلم لیگ رہیں، اور یہ دونوں جماعتیں جمعیۃ علماء ہند کے تصور متحدہ قومیت کے لیے سم قاتل تھیں، البتہ کانگریس میں جب اضمحلال آیا اور فرقہ پرست عناصر کا اس پر غلبہ ہونے لگا اور سیکولر ذہن ومزاج کے لوگ اس سے شکستہ خاطر ہو کر علیحدہ ہونے لگے، اس وقت بھی فدائے ملتؒ کی دور بین نگاہیں کانگریس ہی کو مرجع امید بنائے ہوئے تھیں، چنانچہ کانگریس دشمنی میں جمہوریۂ ہند میں مختلف سیاسی پارٹیاں وجود میں آئیں اور کچھ دنوں بعد ختم ہوگئیں، حضرت فدائے ملت اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ردعمل کی بنیاد پر جو کام ہوتا ہے وہ پائیدار نہیں ہوتا، اس کیلئے مثبت اور تعمیری بنیادیوں پر جب تک کوئی نظام قائم نہ ہو، وہ کانگریس کا متبادل نہیں بن سکتا ہے۔

۱۹۷۷ء میں ایمرجنسی کے بعد ملکی سیاست سے کانگریس کا صفایا ہوگیا بظاہر ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب کانگریس دوبارہ برسر اقتدار نہیں آئے گی، اس وقت مخالف کیمپ میں دوست و دشمن سب ایک ہوگئے، اور مسلمان بھی کانگریس سے نالاں ہو کر اس سے برگشتہ ہوگئے مگر فدائے ملت کی دوررس نگاہ تھی جس نے یہ محسوس کرلیا کہ اول تو بھان متی کا یہ کنبہ دیر پا ثابت نہیں ہوگا، دوسرے اس محاذ میں جن سنگھ کی شمولیت ہندوستان کے سیکولرازم کے لیے ایک لٹکتی ہوئی تلوار ہے، چنانچہ انھوں نے رائے عامہ کی پرواہ کیے بغیر ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' شروع کی، جمعیۃ علماء ہند کے کارکنوں نے ان کی قیادت میں ''جیل بھرو'' تحریک چلائی، یہ تحریک کانگریس دوستی میں نہیں چلائی گئی تھی جیسا کہ کچھ نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ بلکہ ہندوستان کے سیکولرازم کے بقاوتحفظ کیلئے چلائی گئی تھی، بعد کے حالات نے فدائے ملت کی اس فراستِ مومنانہ کی تصدیق کردی اور ہندوستانی باشندوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ جن سنگھ جو آزادئ ہند کے بعد سے بمشکل دو تین سیٹیں حاصل کرپاتی تھی، سیل رواں کی طرح بڑھ گئی، جنتا پارٹی کے عہد حکومت میں اٹل بہاری واجپائی

وزیر خارجہ اور لال کرشن اڈوانی وزیر اطلاعات ونشریات بنے، اور اس طرح اس پارٹی کے حوصلے ایسے بلند ہوئے کہ اس نے این ڈی اے کے پرچم تلے پورے ملک کے اقتدار پر قبضہ جمالیا۔
حضرت فدائے ملت کانگریس کو سیکولر اصول ونظریات کی بنیاد پر مسلمانوں اور ملک کے لیے مفید سمجھتے تھے، مگر ان کو بھی وہی طعنہ سننا پڑا جو ان کے والد ماجد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حصہ میں آیا تھا مگر کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ این ڈی اے کے خوفناک عزائم کی شکست کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کو کانگریس کی سربراہی میں یو پی اے سرکار کا سہارا لینا پڑا۔

ہر چہ دانا کند، کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

حضرت فدائے ملت اس امر سے بخوبی واقف تھے کہ پارٹیاں افراد سے نہیں بلکہ نظریات سے بنتی ہیں، مگر ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت کے المیہ کے بعد اور نرسمہا راؤ کی فرقہ پرستانہ خارجہ پالیسیوں نے فدائے ملتؒ کو مضطرب وبے چین کردیا، اس کے بعد سے انہوں نے ہندوستان کے مظلوموں کو متحد کرنے کا نعرہ دیا، انہوں نے اپنی کانفرنسوں، کنونشنوں اور اجلاس ہائے عام میں مختلف مذاہب ومسالک کے مظلوم باشندوں کے نمائندوں کو دعوت دی، اور ظلم و استحصال کے خلاف صف آرا ہونے کی تلقین کی، اس محاذ پر بھی فدائے ملت نے اپنے بزرگوں کے نظریۂ متحدہ قومیت کا سررشتہ ہاتھ سے جانے نہ دیا، اس کوشش کے نتیجہ میں دہلی اور اس کے اطراف اور آندھرا پردیش میں مثبت نتائج سامنے آئے، اور آخر آخر میں انہوں نے صدر جمعیۃ علماء آسام کی سربراہی میں اس کی ایک مہم صوبہ آسام میں چلائی، مگر افسوس کہ اس عظیم الشان مہم کا تاریخی نتیجہ جس وقت سامنے آیا اور پورے ملک سے داد وتحسین کی صدائیں بلند ہونی شروع ہوئیں اس وقت یہ بطل جلیل، میر کارواں اپنے بزرگوں کے پہلو میں آسودۂ خواب ہو چکا تھا، رحمة الله رحمة واسعة

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جمعیۃ علماء ہند کے فکری بانی ورہنما حضرت شیخ الہندؒ کے خطبہ صدارت میں مظاہروں، قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کو فی زمانہ ہمارا ہتھیار بتایا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس میدان میں فدائے ملت کا دور قیادت آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ہائے عام جو ان کی صدارت وقیادت میں ہوئے لوگوں کے ذہنوں سے کبھی محو نہیں ہو سکتے، بلکہ ان کی

یادیں ہمیشہ ذہنوں میں تازہ رہیں گی، ان اجلاسوں سے ہندوستان کے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے اور فرقہ پرست طاقتوں پر گھبراہٹ طاری ہوئی، یوپی کی بی جے پی حکومت نے جب مساجد بل منظور کیا اور اس کو دستخط کے لیے گورنر کے پاس بھیجا تو جمعیۃ علماء ہند نے فدائے ملت کی قیادت وسربراہی میں لکھنؤ میں جو عظیم الشان مظاہرہ کیا اس سے حکومت بوکھلا گئی اور اس کو بل مسترد کرنا پڑا، دہلی کا رام لیلا گراؤنڈ حضرت فدائے ملت کی آواز پر لبیک کہنے والوں نے متعدد بار اس طرح بھرا ہے کہ وہ چھلک چھلک پڑا ہے

جمعیۃ علماء ہند کے تاریخی تسلسل کی روشنی میں فدائے ملت کے کارناموں کا یہ محض سرسری جائزہ ہے اس کی تفصیل کے لیے ایک کتاب کی ضخامت درکار ہوگی۔

یہ تو ان کی حیات طیبہ کا ایک گوشہ ہے، اس کے علاوہ ان کی زندگی کے متعدد پہلو ہیں جن میں وہ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کے پیرو رہے ہیں، خواہ وہ تصوف وسلوک کی وادی ہو یا مہمانوں کی ضیافت وتواضع، کثرت استغفار ہو یا ذوق عبادت، دارالعلوم دیوبند کی تعمیر وترقی ہو یا مدارس عربیہ کا قیام وبقا، ہر میدان میں وہ اپنے بزرگوں کے سچے جانشین اور پیروئے اسلاف تھے۔

ان کی زندگی جمعیۃ علماء ہند کے متوسلین کے لیے ایک روشن شاہراہ کا درجہ رکھتی ہے جس پر گامزن رہ کر سمتِ سفر کو درست رکھا جاسکتا ہے۔

یہ ماہ تاباں سے کوئی کہہ دے تو اپنی کرنوں کو گن کے رکھ لے
میں اپنے صحرا کے ذرے ذرے کو تابنا کی سکھا چکا ہوں

○○

□ مولانا مفتی سیّد معصوم ثاقب فیض آبادی
دارالعلوم امدادیہ رائے چوٹی، آندھراپردیش

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی

اقامت صلوٰۃ، ملکۂ احسان، تعلق مع اللہ اور احیاء سنت کے حسین پیکر

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ پر ان کی زندگی میں اور بعد از وفات بہت کچھ لکھا گیا لکھا جا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا مختلف زاویہ سے ان کی شخصیت اور کمالات کو اُجاگر کرنا قوم وملت کی بہت بڑی ضرورت ہے، حضرت مرحوم کی شخصیت بجا طور پر ملک وملت کا وہ انمول لاثانی سرمایہ تھی کہ ان کی جدائی کے بعد روز افزوں ہر محاذ اور مرحلے میں ان کی کمی ان کی عظمت وجود اور اہم شخصیت کا احساس دلاتی ہے اور دلاتی ہی رہے گی خاص طور پر ملک وملت کے ایسے لاینحل اور پیچیدہ مسائل کی ایک طویل فہرست ہے جسے مولانا نے اپنی دُور اندیشی خلوص و للّٰہیت اور نصرت الٰہی کے بل بوتے پر حل کر کے ملتِ اسلامیہ ہندیہ اور اسلام کو سرزمین ہندوستان میں استحکام بخشا عالمی پیمانے پر ملک وملّت کے وقار کو بلند سے بلندتر کیا قوم وملک کی زندگی میں صدی دوصدی ایسی ہی شمار کی جاتی ہے جیسے فرد کی زندگی میں روز دو روز پر ملت کے عظیم رہنماؤں اور مذہب کے مقدس پیشواؤں کو ملک وملّت کی سرپرستی کے لیے ہمیشہ مولانا کی جدائیگی اور ان کی یاد ستاتی رہے گی۔

حضرت مرحوم کی شخصیت، خدمات، کمالات اور امتیازات پر ایک بڑا مواد پریس کے ذریعہ منظر عام پر آچکا ہے اور اس ہاؤس میں اس کی صدائیں گونج رہی ہیں اور انشاء اللہ اس کی بازگشت پورے عالم میں سنائی دے گی مگر کما حقہ اس کی افادیت اسی وقت ثابت ہوگی جب ہم اس کو اپنا کردار بنالیں اور نقوش کے بجائے نفوس میں یہ صفات راسخ ہوجائیں اور مقولات ومقالات سے آگے بڑھ کر ہم اپنے افعال وکردار کے ذریعہ حضرت مرحوم کی دعوت فکر وعمل کو دنیا کے سامنے پیش کرسکیں اور اس کے لیے سراپا جدوجہد بن جائیں میرا خیال ہے کہ انھی مقاصد کے لیے عظیم شخصیتوں پر سیمینار منعقد کیے جاتے ہیں اور ان کی خدمات وحالات کو اُجاگر کیا جاتا ہے بنیادی طور

پر حضرت مولانا چند ایسی صفات کے حامل تھے جو خیر القرون سے لے کر دور حاضر تک ہر عالم ربانی کے لیے شاہ کلید کا درجہ رکھتی ہیں اور وہی اسلام کا سب سے عظیم سرمایہ بھی ہیں میرے خیال میں مولانا مرحوم کے تمام کمالات اور خدمات انھی صفات کا لازمی اور لابدی نتیجہ ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بالتفصیل نہ سہی سرسری طور پر اس کا مذاکرہ کرلیا جائے شاید اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس دولت سے مالا مال کردے۔

(۱) اقامت صلوٰۃ (۲) ملکۂ احسان، تعلّق مع اللہ (۳) احیاء سنت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے و **اقم الصلوۃ لذکری.** (سورہ طٰہٰ آیت ۱۴) **واسجد و اقترب** (سورہ علق) اور ارشاد پاک ہے **واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا رب المشرق والمغرب لاالہ الا ھو فاتخذہ وکیلا واصبر علی مایقولون واھجرھم ھجراً جمیلا.** (سورہ مزمل آیت ۸، ۹، ۱۰)

ولقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللّٰہ والیوم الآخر. (احزاب آیت ۲۱) **فالیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ اویصیبھم عذاب الیم.** (سورہ نور آیت ۶۳) اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے مسائل نماز، فضائل نماز، صورت نماز کے ساتھ ساتھ حقیقت نماز بھی عنایت فرمائی تھی، عوام کا تو ذکر ہی کیا امت کے خواص بھی جتنا اہتمام مسائل نماز، فضائل نماز یا صورت نماز کا کرتے ہیں حقیقت نماز کا نہیں کرتے مسائل، فضائل اور صورت کے حصول کی جدوجہد تو گوارہ کرلیتے ہیں مگر حقیقت صلوٰۃ تک پہنچنے کے لیے جس مجاہدے اور مراقبے کی ضرورت ہے اس سے ہم جیسے لوگ گھبراتے ہیں، مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو حقیقت صلوٰۃ کے مقام عبدیت کا جو کمال حاصل تھا وہ ان کی نماز کی ہر ادا سے جھلکتا تھا جس کا مشاہدہ کرنے والے ابھی اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے آپ غور فرمائیں کہ مولانا مرحوم جب نماز میں ہوا کرتے تھے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی تھی دیکھنے والوں کو جب ان کی نماز میں انوار و تجلّی کا مشاہدہ ہوتا تھا تو خود صاحب نماز کو اس کی نماز میں کیا کچھ نہیں ملتا رہا ہوگا اس کی تعبیر الفاظ و تحریر سے بالاتر ہے۔

یہی نماز تھی جس میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے گھر پر سکینت نازل ہوئی۔

یہی نماز تھی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہا کے پیر سے تیر نکالے گئے۔

یہی نماز تھی جس کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک سجدہ قضا کرنا بھی

گوارہ نہ فرمایا۔

یہی نماز تھی جس میں رات کو پہرا دیتے ہوئے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تیر پہ تیر کھاتے رہے مگر نماز نہ توڑی یہی نماز تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے میدان کارزار میں تیر اور تلوار کے زیر سایہ ادا فرمائی تھی۔

قرة عینی فی الصلوة. (نسائی شریف جلد۲ ص۹۳) اور **الصلوة معراج المؤمنین** میں نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نماز کو اپنی آنکھ کی ٹھنڈک اور مؤمنین کی معراج فرمایا ہے وہ ہماری مجموعہ نقائص بے کیف نمازیں نہیں بلکہ اس کا مکمل مصداق ان بندگان خدا کی نمازیں تھیں جن کے تذکرہ سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

بلاشبہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کو اپنے اکابر سے ورثہ میں یہی نماز ملی تھی اور انھوں نے اخیر دم تک اپنی جان سے زیادہ اس کی حفاظت فرمائی، مولانا کی نماز بھی مجموعہ کمالات مظہر عبدیت مقام فنائیت اور اقامت صلوٰۃ کے اسی اعلیٰ معیار پر پہنچی ہوئی تھیں کہ بہت سے خاصان خدا زندگی بھر جس کی آرزو کرتے رہے۔

سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّیؒ ضیاء القلوب میں نماز کا طریقہ تحریر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں مرتبہ الصلوۃ معراج المؤمنین ہمیں است اور دُعاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب دوستوں کو اور سب حق کے طالبوں کو اس دولت سے مشرف کرے اور اسی پر سب کا خاتمہ اور اسی پر حشر کرے۔

مولانا اسعد مدنیؒ نے اسی نماز کا تاحیات اہتمام فرمایا وہ طریقۂ نماز درج ذیل ہے شاید اللہ پاک ہم کو اس کی توفیق بخشے۔(آمین)

تعلیم طریقۂ نماز:

بدانکہ ادائے نماز روی قلب را متوجہ بسوی حقیقت کعبہ کہ صفت موجودیت حق است ساز د ونور حقیقت نماز کہ صفت الوہیت او تعالیٰ است ملاحظہ نماید وتصور حقیقت خود کہ مرتبہ عبدیت است بعجز تمام پیش آرد وخالص نیت ادائے خدمت عبدیت کند و برائے تکبیر دست بردار دو خیال نماید کہ از ہر دو جہان دست برداشت رجوع الی اللہ گشتہ وبگوید اللہ اکبر وتصور کند گویا کہ نفس خود را بہ تکبیر ذبح کردہ فنا ساخت وبعد تسبیح وتحمید قرأت شروع کند ودر قرأت ملاحظہ قبولیت حق تعالیٰ کند چنانچہ در حدیث شریف آمدہ است کہ وقت کہ گفت بندہ **الحمد للّٰہ رب العالمین** فرمود حق تعالیٰ ستائش من کردہ بندۂ من چوں گفت الرحمٰن الرحیم فرمود حق تعالیٰ بر من ثنا کرد بندۂ من چوں گفت

مالک یوم الدین فرمود حق تعالیٰ بند من عظمت و بزرگی من کرد چوں گفت **ایاک نعبد وایاک نستعین** (فرمود حق تعالیٰ درمیان من و درمیان بندہ من است و مر بندۂ مراست آنچہ خواست، وقتیکہ گفت **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**. فرمود حق تعالیٰ ایں برائے بندۂ من است و مر بندۂ مراست آنچہ خواست پس در ملاحظہ مجاو بہ مستغرق گردد، و در رکوع نظر بر پشت پا دار دو ملاحظہ عظمت و کبریائی او تعالیٰ و تذلل خود کند و در سجود نظر بر پرۂ بینی دارد، ملاحظہ علو او تعالیٰ و تحقر و خاکساری خویش نماید و در قعدہ نظر بر سینہ دارد وملاحظہ معنی التحیات کند و دراں حالت یقین داند کہ در حضور تعالیٰ در مجلس انبیاء اولیاء داخل است و نیز در ہر نماز ملاحظہ ان **تعبد اللّٰہ کانک تراہ** ملحوظ دارد و اگر خطرہ آید بملاحظہ لاصلوۃ الا بحضور القلب رفع ساز د و در قرأت آواز تلفظ چناں باید کہ گوش خود بشنو بلکہ ہر کہ برابر او باشد او ہم استماع نماید اما چنداں جہر نہ کند کہ آواز از حلق برآید الا در نماز جہریہ۔

"بشرائط معہودہ در حالت نماز نور حقیقت صلوۃ را مثل ستارۂ درخشاں در جبین قیام بر سجدہ گاہ و در رکوع بر پیشانی و در حالت سجدہ بر پرہ بینی و قعود برابر سینہ مشاہدہ کند و مستغرق گردد پس چو بایں طور مذکور در ادائے نماز مزاولت و مشق نماید بعونہ تعالیٰ نماید حقیقی رو دہد و حقائق و معارف گوناگوں مکشوف گردد و مرتبہ الصلوۃ معراج المؤمنین ہمیں است کہ مقصود دنیا و ما فیہا را گذشتن و باحق پیوستن است واللہ یرزق من یشاء خداوند ما را و جمیع دوستاں ما را و ہمہ طالبان حق را ازیں دولت مشرف گرداں و دریں بمیراں و برانگیزاں بمنہ کومہ و بحرمت النبی و آلہ واصحابہ اجمعین آمین۔

ترجمہ بزبان اُردو:

واضح ہو کہ نماز پڑھنے کے وقت دلی توجہ حقیقت کعبہ کی طرف کہ خدائے تعالیٰ کی صفت موجودیت ہے، کرے، اور نماز کی حقیقت کے نور کو کہ اس ربّ العزت کی صفت الوہیت ہے ملاحظہ کرے اور اپنی حقیقت کا تصور جو کہ بندگی کا مقام ہے پوری عاجزی کرے، اور عبدیت کی خدمت کے ادا کرنے کی خالص نیت کرے، اور تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خیال کرے کہ دونوں جہانوں سے قطع تعلّق کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ اکبر کہے کہ گویا اپنے نفس کو تکبیر کے ساتھ ذبح کر کے فنا کر دیا ہے، اور **سبحانک اللھم** اور الحمد شریف کے بعد قرأت شروع کرے اور قرأت میں حق تعالیٰ کی قبولیت کا تصور کرے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری تعریف کی، جب الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثنا کی، جب مالک یوم

الدین کہتا ہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی اور جب بندہ **ایاک نعبدو ایاک نستعین** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے درمیان اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لیے جو کچھ اس نے چاہا جب نمازی **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**۔ پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے ہے جو کچھ اس نے چاہا پس جواب ملنے کے تصور میں محو ہو جائے اور رکوع میں پاؤں کی پشت پر نظر رکھے اور خدائے تعالیٰ کی عظمت اور بلندی اور اپنی عاجزی کو دیکھے اور سجدہ میں ناک کے نتھنے پر نظر رکھے اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اپنی حقارت اور خاکساری پر غور کرے اور بیٹھنے کی حالت میں سینے پر نظر رکھے اور التحیات کے معنی سمجھے اور اس حالت میں یقین کی کیفیت پیدا کرے کہ خدا تعالیٰ کی حضوری اور انبیاء و اولیاء کی مجلس میں داخل ہے اور ہر نماز میں یہ حالت پیدا کرے کہ وہ اس طرح اللہ کی عبادت کر رہا ہے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اس حدیث سے کہ ''حضور قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی'' اس کو دور کرے، اور قرأت کے وقت اس طرح پڑھے کہ اپنے کان بھی سنیں اور برابر والا بھی سن لے لیکن اتنی زور سے نہ پڑھے کہ آواز حلق سے باہر نکلے ہاں جہری نماز میں درست ہے۔

مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ نماز کی حالت میں نماز کی حقیقت کا نور چمکدار ستارے کی طرح قیام کی حالت میں سجدے کی جگہ اور رکوع میں پیشانی پر اور سجدے میں ناک کے پروں پر اور بیٹھنے کی حالت میں سینے پر دیکھے اور محو ہو جائے جب اس طرح مذکورہ طریقہ پر نماز ادا کرنے کی مشق اور مہارت کریگا تو اللہ کی توفیق سے حقیقی نماز نصیب ہوگی اور طرح طرح کے حقائق اور معارف ظاہر ہوں گے اور نماز مؤمن کی معراج ہے، کا یہی مقام ہے کہ دنیا اور مافیہا کا چھوڑنا اور خدا سے مل جانا ہے اور خدا یہ توفیق جس کو دے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب دوستوں کو اور سب حق کے طالبوں کو اس دولت سے مشرف کرے اور اسی پر خاتمہ اور اسی پر حشر کرے اپنے فضل و کرم اور حرمت نبی وآل واصحاب کے ذریعہ آمین آمین۔ (ضیاء القلوب از حیات امداد ص ۲۳۲)

مولانا اسعد صاحبؒ سے لے کر خیر القرون تک اہتمام صلوۃ کا ایک تسلسل ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دل کی نماز:

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بار بار فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے تقرب کے لیے نماز سے

بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں ہے جنوب ہند کا ایک فرقہ جو سرے سے نماز کا قائل ہی نہیں ہے ان کا کہنا ہے کہ نماز دوام ذکر کے لیے ذریعہ اور وسیلہ ہے جب کسی کو دوام ذکر حاصل ہو جائے اس کو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اب جب اس کا دل اللہ اللہ کے ساتھ مشغول ہے تو یہی دل کی نماز کافی ہے حضرت مرحوم بڑے زوردار لب ولہجہ میں مدلل مضمون کے ساتھ ان کے ان فاسد خیالات کی تردید فرماتے اور یہ بات بار بار فرماتے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ:

ہر کہ یک نماز ترک کرد معرفت حق بر وحرام است

ایسے بہت سے لوگ جو دل کی نماز کے قائل تھے جب ان پر اپنے سلسلہ کا باطل اور گمراہ ہونا واضح ہو گیا اور وہ اپنے گمراہ پیر کی بیعت فسخ کر کے حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تو ان کی دنیا ہی بدل گئی اور ان کو نماز میں وہ سب کچھ ملنے لگا جس کی امید میں وہ برسوں سے خاک چھان رہے تھے اور درحقیقت نماز ہے بھی ایسی چیز۔

واسجد واقترب:

خدائے پاک نے حضرت آدم کی تخلیق کے بعد فرشتوں اور ابلیس کو اس وجود خاکی کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا ابلیس انکاری ہوا تو قیامت تک کے لیے مردود قرار پایا جبکہ یہ سجدہ درحقیقت امر خداوندی کو تھا اور مؤمنین نماز میں جو سجدہ کرتے ہیں وہ ذات خداوندی کو ہوتا ہے اسی لیے بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کثرت سجود کی تلقین فرمائی اور قرآن کریم نے **واسجد واقترب** کہہ کر تو سارا ابہام ہی دور کر دیا کہ غایت عبدیت اور قرب خداوندی کا ذریعہ سجدہ اور نماز ہی ہے فرشتوں اور مؤمنوں کے سجدے میں یہی فرق ہے کہ انھوں نے امر خداوندی کو سجدہ کیا جو محدود اور مؤقت تھا اور تکوینی امور میں ملائک کی خدمت بھی محدود اور مؤقت ہے مگر رفع درجات اور ترقی کی راہیں خاصان خدا کے لیے ہمیشہ کھلی رہیں گی کیونکہ خدا کی ذات لامحدود اور زمان ومکان کے قیدو بند سے پاک ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون خاشعة ابصارهم ترهقهم ذلة وقد کانوا یدعون الیٰ السجود وهم سالمون.** یہی کہہ رہا ہے کہ سجدے اور نمازیں ذات خداوندی کو ہے **وللّٰه المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجه اللّٰه** ۔ ساق سے وجہ تک اس ذات بحت واجب الوجود مستجمع لجمیع صفات الکمال ہی کی بندگی تمام خاصان خدا کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اظہارِ عبدیت کا کامل مکمل طریقہ نماز کی شکل میں عطا کیا گیا ہے بڑے ہی مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اس حقیقت سے آگاہی ہے اور ان کی

نمازیں نبی کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار پاتی ہیں اور ان کے سجدے ان کو قربِ خداوندی کی معراج سے ہمکنار کرتے ہیں افسوس کہ ہم کم ہمت لوگوں کو ایسی نماز سے محرومی ہے اور مولانا اسعد مدنیؒ کے وصال کے بعد ہماری بدنصیب آنکھیں اس نماز کو دیکھنے سے بھی محروم ہوگئیں۔

جس بندۂ خدا کی نماز اس مقام پر پہنچی ہوئی ہوا گر اس کی ٹھوکر سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں سمندر میں راستے بن جائیں اس کی تاثیر نظر سے مردہ دلوں میں زندگی آجائے اور وہ حالات کے سامنے کوہ گراں سے بھاری ہوکر ڈٹ جائے اور دنیا کی رنگینی، پُرفریب مادیت کی چمک دمک اس کی آنکھوں کو خیرہ نہ کرسکے تو قطعاً حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے کامل نماز پر کاملین کو اس سے بھی سوا دینے کا اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے اور اس امت کی چودہ سو سالہ سے زائد کی زندگی اس حقیقت کی شاہد ہے اے کاش اللہ تعالیٰ ہم کو بھی کوئی شمہ عطا فرمادے:

خدایا کر عطا سب کو کمال عبدیت
نماز اسعد مدنی تمام عبدیت

حقیقت صلوٰۃ تک رسائی

سالک اولاً ذکر لسانی کا عادی ہوتا ہے ذکر لسانی کے بعد لسان القلب سے وہی ذکر شریف قلب کے رگ وپے میں سرایت کر جاتا ہے اور قلب اسم شریف کے ساتھ جاری ہوجاتا ہے پھر رفتہ رفتہ سالک کی ترقی ہوتی ہے اور اس کا سراپا وجود ہی ذکر قرار پاتا ہے اس کا بال بال اور رواں رواں ذکر کی نورانیت میں مستغرق ہوتا ہے انتہا تو یہ ہے کہ اس کے دیدار سے انوار وتجلیات کے سوتے پھوٹنے لگتے ہیں انھی کے بارے میں فرمایا گیا۔ **قوم لا یسقی جلیسھم۔**

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ان مقامات سے گزرنے کے بعد ہی بندے کو حقیقت صلوٰۃ میسر ہوتی ہے اور نماز کی وہی احسانی کیفیت میسر ہوجاتی ہے جس کا حدیث جبرئیل میں ذکر ہے، اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ اور الصلوۃ معراج المؤمنین کا مصداق یہی نماز ہوتی ہے اور بندہ انتہائی درجہ اپنے معبود سے اس وقت قریب ہوجاتا ہے جب وہ بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوتا ہے، عہد نبوت میں نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت اور فیضان نظر سے ہر کلمہ گو کی آن کی آن میں حقیقت صلوٰۃ تک رسائی ہوجاتی تھی مگر اس کے بعد بلا محنت ومشقت اور بلا صحبت کاملین مؤمنین کی حقیقت صلوۃ تک رسائی ممکن نہیں ہے فقہاء نے ابواب الصلوۃ میں جو شرائط، فرائض، واجبات و سنن بیان کیے ہیں اس کی تعمیل سے فرض ضرور ساقط ہوجائے گا مگر قبولیت اور شرف بندگی کے لیے نماز کو پوری حقیقت صلوۃ کے ساتھ بارگاہ بے نیاز میں پیش کرنا ضروری ہے اور اس کے بعد بھی

گر قبول افتدز ہے عز وشرف سے راز و نیاز جاری رکھے اور اپنی نماز پر عجب میں مبتلا نہ ہو یہی حقیقت بندگی ہے۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ کسی اللہ والے کی نظر کرم سے شاید یہ مرحلے طے ہو جائیں اور عقلا ایسا ممکن بھی ہے اور تاثیر نظر کے بے شمار واقعات بھی ہیں العین حق حدیث شریف بھی اس بات پر دال ہے کہ جب نظر بد برحق ہے تو نظر حق برحق کیوں نہیں ہوگی مگر استقلال اور استقرار، استقامت اور استدامت کے لیے مجاہدہ شرط ہے مختلف مراحل کے مجاہدہ کے بعد جب بندہ میں حقیقتِ صلوۃ کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو اس کو نماز کی ہر ہر ادا میں رب ذوالجلال کی حضوری اور ہم کلامی کا وہ لطف حاصل ہوتا ہے جس کا احساس مولانا اسعد مدنیؒ کی نماز دیکھنے والوں کو بخوبی ہو جایا کرتا تھا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا ارشاد ہے کہ یہ جو مشہور ہے کہ فلاں شخص کو فلاں بزرگ نے ایک نظر میں کامل کر دیا سب غلط ہے بلکہ سب کو اوّل مجاہدہ وریاضت کرنا پڑتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ بعض لوگ شیخ کی تربیت میں پہنچ کر مجاہدات کرتے ہیں اور بعض ایسے جو شیخ کی خدمت میں پہنچنے سے قبل ریاضت اور مجاہدہ سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں، تو ان آخرالذکر لوگوں کو دیکھ کر یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کو بلا مجاہدہ حصول کمال ہو گیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے، بلا مجاہدہ دفعۃً کسی کو حصول کمال نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ۔ (آپ بیتی ج ۲،ص ۱۴۳)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک مرتبہ چلہ کشی کے ارادے سے پیران کلیر شریف تشریف لے گئے جب بھی مراقب ہوئے یہی صدا آئی کہ اپنا کرنا اپنا بھرنا تین دن کے بعد یہ سوچ کر واپس آ گئے کہ یہی ہے تو حجرہ کے کواڑ بند کر کے زیادہ ہو سکتا ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ نری توجہ سے کیا ہوتا ہے جب تک دوسری طرف سے بھی طلب نہ ہو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے زیادہ کسی کی توجہ نہیں ہو سکتی مگر جہاں دوسری طرف سے طلب نہ ہوئی کچھ بھی نہ ہوا عطا کا مدار طلب پر ہے بدون طلب کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا عادۃ اللہ یہی ہے عدم طلب کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **انلزمو کموھا و انتم لھا کارھون** ۔ اِدھر سے طلب اور ارادہ ہو۔ تو اُس طرف سے عطا ہوتی ہے۔

(افاضات یومیہ ۷/۲ص ۲۹۲، آپ بیتی ج ۲،ص ۱۳۹)

یہ قصّے چھیڑنے کا مقصد صرف اس قدر رہے کہ حضرت مولانا مرحوم کے کمالات کی شاہ کلید ان کا کمال عبدیت تھا جس کا اندازہ ان کی نماز سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا کتنے ریاضات ومراحل سے گزر کر حضرت مرحوم کو حقیقت صلوۃ کا مقام حاصل ہوا ہوگا اس کا اندازہ ہم جیسے کم ہمت لوگ

نہیں کر سکتے مگر یہ حقیقت ہے کہ ہماری جماعت کا قیمتی ورثہ یہی کیفیت احسانی اور حقیقتِ صلوٰۃ ہے اور آج ہم اپنے اسی سرمائے کی طرف سے سب سے زیادہ غافل ہیں۔ حضرت مولانا کی تمام مصروفیات ثانوی درجہ کی اور اہتمام صلوٰۃ اولین درجہ کی ہوا کرتی تھی شب و روز میں زندگی کا سارا نظام نماز کے تابع ہوا کرتا تھا افسوس کہ آج ہمارے درمیان صلوۃ نبوی کا یہ وارث نہیں رہا ہم کو ان کے اس شدتِ اہتمام اور طرزِ عمل سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ سب کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

تعلق مع اللہ:

واذکر اسم ربک وتبتل الیه تبتیلا

ذکر: ذکر ذاکر مذکور میں غایت درجہ قرب کی وجہ سے ہی وحدت الوجود اور وحدت الشہود جیسے مسائل نے جنم لیا اور بہت سی بیجا طول طویل بحثوں نے احسان وسلوک جس کا خلاصہ تعلق مع اللہ ہے کو ایک نظریاتی فن اور نزاعی مسئلہ بنا دیا ہے صرف چند اصطلاحات جان لینے سے تعلق مع اللہ نہیں حاصل ہوتا۔ بلکہ مسلسل یکسوئی اور خلوص کے ساتھ ذکر اللہ کے اہتمام اور اتباع سنت سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے۔ لوگوں نے تصوف کے نام پر قسما قسم کے ڈھونگ رچ رکھے ہیں۔ ہمارے اکابر رحمہم اللہ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے پُر نور فرمائے انھوں نے احسان وسلوک کے میدان میں بھی وہ اصلاحی اور تجدیدی کارنامے انجام دیے جس کی صدیوں سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی اکابر دیوبند رحمہم اللہ کے تزکیہ واصلاح اور احسان وسلوک کے تجدیدی کارناموں کے نتیجے میں دنیا کو وہ رجال فراہم ہوئے جن کی نظیر صدیوں میں نہیں ملتی اور جیسے نفوس قدسیہ اور مقدس ہستیوں کی انسانیت کو عرصۂ دراز سے تلاش تھی اور اہلِ علم کی نظریں صدیوں سے ان کو ترس رہی تھیں اپنے ماضی قریب کے اکابر میں سے کسی ایک کی بھی سوانح اور حالات کا آپ مطالعہ کریں گے تو آپ حرف بحرف میری تصدیق کریں گے کہ انھوں نے احسان وسلوک کے ان مسائل کو نظریاتی فلسفوں اور عقل سے زیادہ عمل اور کردار میں پیش کیا یقیناً یہ بڑے مجاہدے اور جدوجہد کا راستہ ہے جس کو اکابر نے منتخب فرمایا کیونکہ یہی مقصود ہے اور کتاب وسنت سے اسی قدر احسان وسلوک ثابت بھی ہے افسوس کہ ہم لوگ ایسے ماحول میں زندگی گذار رہے ہیں جہاں نہ تو نظریاتی اور اصلاحی تصوف کی گرم بازاری رہ گئی ہے اور نہ ہی ہم میں ہمارے اکابر کا وہ عمل اور کردار باقی رہ گیا ہے جو ہم کو ان سے ورثے میں ملا تھا اور اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس میراث کی تحفظ کے لیے ہمارے دل میں کوئی حوصلہ نہیں ہے اور نہ ہی اس دولت کے ضائع ہونے پر ہماری

نئی نسل کو رنج وافسوس ہے بلکہ اب تو دھیرے دھیرے ذکر اللہ اور احسان وسلوک کے مخالف اور معاند جذبات رکھنے والے ہمارے ماحول میں پروان چڑھ رہے ہیں ہم نے اپنے اکابر کی فطری اور معتدل روش اس سلسلہ میں ترک کر کے اپنا بہت بڑا خسارہ کرلیا ہے اور روحانیت کے عالم میں ایسا دیوالیہ اور خلاء پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا اب بہت مشکل معلوم ہورہا ہے مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معاصرا کابر علماء کرام یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے ہمارے درمیان سے اٹھتے رہے اور تیزی سے اُٹھ رہے ہیں اور تعلّق مع اللہ کی دولت سے مالا مال اہل اللہ ہمارے درمیان سے رخصت ہورہے ہیں اور ہم حسرت بھری نگاہوں سے انھیں جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں چند کلمات تعزیت بھی کہہ دیتے ہیں اپنے خسارے کا احساس بھی کر لیتے ہیں لیکن اس مجاہدے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو تعلّق مع اللہ کے استحکام کا ذریعہ ہے جبکہ اسی پر دارین کی کامیابی منحصر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔ **واذکر اسم ربک الخ**، ذکر اللہ مقصد اصلی ہے یہ کسی اور عبادت کے لیے وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہے بلکہ دیگر عبادات میں ذکر اللہ ہی سب سے اہم عنصر بتایا گیا ہے قرآن کریم کو سراپا ذکر کہا گیا ہے۔ **قالوا یاایھا الذی نزل علیہ الذکر** . (سورہ حجر آیت ۶) **انانحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون** ۔ وغیرہ آیات اس پر شاہد ہیں۔ قرآن کریم میں جا بجا خلق اللہ میں فکر کی دعوت دی گئی ہے اور ذات باری تعالیٰ کی ذکر کی دعوت دی گئی ہے ذکر کا تعلّق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور غور وفکر کا تعلّق اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے ہے بیک وقت دونوں کے حقوق کی رعایت کرنا سب کے بس کی بات نہیں بندے کا وجود عارضی اور ضعیف ہے اور خدا کا وجود دائمی ازلی اور واجب الوجود ہے مگر بندے کا وجود بھی اپنے وجود و بقاء میں اسی واجب الوجود کا محتاج ہے علماء ربانی کی تلقینات اور فیض صحبت سے سالک کا یقین قوی سے قوی تر ہوتا جاتا ہے اور اسے دائمی استحضار نصیب ہوجاتا ہے اور وہ کسی آن بھی ہو غافل نہیں ہوتا ابتدائی وظائف اور تسبیحات کے بعد سالک کو ذات پاک سے اور کلام پاک سے ایسا شغف ہوجاتا ہے کہ لفظ عشق و محبت بھی اس کی مکمل تعبیر کے لیے کوتاہ ہے، جن لوگوں نے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمہ اللہ کی صحبت میں تھوڑا سا بھی وقت گزارا ہوگا اور خاص طور پر رمضان میں ان کی صحبت میں پہنچے ہوں گے وہ یہ شہادت دیں گے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ ذات پاک اور کلام پاک کے مراقبے میں کیسے مستغرق ہوجایا کرتے تھے، اس ناکارہ نے بارہا دیکھا کہ حضرت نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی خانقاہ میں تراویح کی نماز اس کے بعد ذکر اور پھر تہجد کا طویل قیام ہم جیسے جوانوں کے بس کا نہیں ہے چہ جائے کہ ضعیف العمری میں اتنا بڑا مجاہدہ ہو کہ عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی

جارہی ہو یہ سب کے بس کی بات نہیں ہے، یہ کمال ایسے ہی حاصل نہیں ہوا تھا بلکہ وہ بیک وقت بچپنے سے لے کر بڑھاپے تک ایسے خاصان خدا کے منظور نظر تھے جن میں سے کسی ایک کی نگاہ بھی آنکہ بیک نظر خاک را کیمیا کند کا مصداق تھی۔

سیّدنا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی نیابت اور جانشینی کا حق انھی کو تھا اور شاید حضرت کے تمام اعزہ اقرباء منتسبین اور متعلقین میں جتنا زیادہ تقرب مولانا اسعد مدنیؒ کو حاصل تھا اتنا کسی اور کو نہیں کرم بالائے کرم حضرت رائے پوریؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور ان کے اکابر کے خلفائے کرام جن میں سے ہر ایک رشد وہدایت کا آفتاب بن کر چمکا اور چمک رہا ہے مولانا اسعد مدنیؒ جو سب کے ہی مخدوم اور منظور نظر تھے ان کے کمال ظرف اور تعلّق مع اللہ کی مضبوطی کا اندازہ کرنا ہم جیسے علم وعمل سے تہی دست کے بس کی بات نہیں۔

یہی وجہ تھی کہ ملی مسائل کی گھنگھور گھٹاؤں میں اور ملکی سیاست کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں مولانا اسعد مدنی کا وجود بدر کامل کے مانند بلکہ نصف النہار کے سورج کی طرح چمکتا رہا اور کبھی بھی ان کے تقویٰ طہارت خلوص وللّٰہیت اور تعلّق مع اللہ میں کوئی فرق نہیں پڑا لکھنے اور سننے میں تو یہ مختصر سی بات ہے مگر جس نے اپنی زندگی ایسے سخت مجاہدے میں گذار دی اس کو یہ کمال کتنی جدوجہد کے بعد حاصل ہوا ہوگا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا یا اس کی ذات خاص کا اللہ تعالیٰ سے ذاتی تعلّق کتنا مضبوط رہا ہوگا کہ اس نے اپنی توفیق وقبولیت ان کے ہمرکاب کردی جتنے مسائل میں حضرت مولانا ہمہ وقت گھرے رہتے تھے اس میں سے کوئی ایک مسئلہ بھی فرد نہیں کسی بھی پوری جماعت کی یکسوئی ختم کرنے کے لیے کافی تھا مگر اس بندۂ خدا کا حال یہ تھا:

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگ محفل دیکھ لیتے ہیں

ذکر پر حضرت مولانا مرحوم کے وعظ کی تاثیر کبھی بھی بھلائی نہیں جاسکتی تقریر کیا ہوتی تھی ذاکرین کی روح کو محبت الٰہی سے سرشار کر دیا کرتی تھی، علم، عمل اطاعت سب کچھ محبت الٰہی کے بعد ہی رنگ لاتے ہیں اور محبت اہل محبت کی صحبت اور پیارے نام کی رٹ لگانے سے پیدا ہوتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ چہ شیریں ست نام
شیر و شکر شد ہمہ جانم تمام

سالک کبھی بھی فانی سے دل نہیں لگا تا سالک کا دل ہمیشہ دل کے مالک سے لگا رہتا ہے تمام

مخلوقات کے تکوینی نظام میں خدائے تعالیٰ نے ملائک کا واسطہ بنا رکھا ہے بارش کے ایک ایک قطرے تک کے پیچھے فرشتے لگے ہوئے ہیں مگر قربان جائیں اس ذات عالی تبارک پر جس نے فرمایا قلوب الانسان بین اصبعی الرحمٰن الخ کہ بندوں کے دل راست خدائے تعالیٰ کے قبضے میں ہے وہاں جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل کراماً کاتبین، رضوان یا مالک کسی کا گزر نہیں ہے جس کے پہلو میں یہ دل ہے اس انسان کو بھی اپنے دل پر قبضہ نہیں ہے بلکہ یہ تو کسی اور کی مٹھی میں ہے بندہ کتنا نادان ہے کہ اس دل کو فانی چیزوں کی محبت میں مشغول رکھتا ہے:

عشق بامردہ نہ باشد پائدار
عشق باحی وباقیوم دار

حقیقی زندگی دل کی زندگی ہے اور دل ذکر خداوندی سے زندہ رہتا ہے جو دل ذاکر نہ ہووہ مردہ ہے اگرچہ زندہ انسان کے سینہ میں معلّق ہو ہمارے دور میں ایسے کتنے سینے ہیں جو اپنے پہلو میں مردار دل لیے پھر رہے ہیں اور غفلت کا تعفن پھیل رہا ہے ایسی حالت میں مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کا دائم الذکر وجود صرف ہمارے آپ کے لیے نہیں عالم کے لیے غنیمت تھا حضرت مولانا اگرچہ پردہ فرما گئے مگر ان کے فیوض وبرکات سے انشاءاللہ ہماری جماعت محروم نہیں ہوگی:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

یعنی:

نہیں ہے میر میخانہ مگر فیضان جاری ہے
ابھی بھی میکدے سے بوئے عرفانی نہیں جاتی

خدا کے نیک بندوں سے دنیا کبھی خالی نہیں ہوگی ہمارے زمانے میں ایسے لوگ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں جن کا وجود سراپا ذکر ہو اور جن کو دیکھنے سے غفلت زدہ ماحول میں خدا یاد آجائے، اللہ تعالیٰ ہم جیسے غفلت کے ماروں کو بھی ان کے فیض صحبت سے مالا مال فرمائے۔آمین:

حشر تک یارب طفیل خادمان مے فروش
اِک درتوبہ کھلا رکھ اِک دکان مے فروش

تلقین اسم ذات

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اپنے متعلقین کو کثرت سے اسم ذات کا ورد بتایا کرتے تھے تاکہ دھیان میں پختگی اور استحضار پیدا ہو اور فرمایا کرتے تھے کہ جب گندی جگہ گندے مکان میں

آپ اپنے مہمان کو نہیں ٹھہرا سکتے اور اگر مہمان آپ کی مروت میں یا کسی اور وجہ سے آ بھی گیا تو وہاں ٹھہر نہیں سکتا تو پھر گندے دل میں تجلیات ربانی کا ورود کیسے ہوگا گندے دل کے ساتھ یہ ہوس کہ اس کی تجلی دل میں جم جائے اور محبت دل میں گھر کر جائے نادانی نہیں تو اور کیا ہے پہلے ذکر و مراقبہ سے اپنے قلب کو اس لائق بناؤ پھر یہ خواہش کرو کہ وہ مہمان نزول اجلال فرمائے۔

مولانا مرحوم کے ایک مرید مبارک بھائی نے ایک مرتبہ سبق چاہا ان دنوں حضرت کا قیام مدینہ منورہ میں تھا حضرت نے ان کو دوسرے روز اپنی قیام گاہ پر ملاقات کا وقت دیا وہ حاضر ہوئے تو حضرت نے لفظ اللہ کی تلقین فرمائی اور ایک مخصوص تعداد میں مخصوص انداز سے اس کا ورد کرنے کے لیے کہا ان کو تعجب ہوا کہ یہی ایک لفظ ''اللہ'' کل کو ہی بتا دیا ہوتا، اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں کل بھی آپ کو بتا سکتا تھا مگر اس وقت میرا وضو نہیں تھا اللہ اکبر بات سمجھنے کی ہے کہ ذکر کے لیے وضو یا طہارت شرط نہیں ہے مگر یہ تلقین سلسلہ امدادیہ کی خاص تعلیم ہے جس کے لیے حضرت کو اس قدر اہتمام تھا افسوس کہ ہمارے درمیان سے اکابر کا ایسا وارث رخصت ہوگیا جس نے اس ورثے کی اتنی امانت و دیانت کے ساتھ حفاظت فرمائی:

سونا سونا سا پڑا ہے حسین احمد کا روحانی چمن
مرشد راہ طریقت آہ رخصت ہوگئے

خلوص اور للھیت:

ایک موقع پر حضرت مرحوم نے خلوص وللّٰہیت میں عجیب نکتہ بیان فرمایا، فرمایا خلوص تو یہ ہے کہ ہر کام بے غرض ہو کر صرف اللہ کیا رضاء کے لیے کی جائے الحمدللہ ہمارے لوگوں کی نیت دینی کاموں میں ایسی ہی صالح ہوتی ہے مگر خلوص کے ساتھ للّٰہیت بھی مطلوب ہے اور للّٰہیت یہ ہے کہ کام کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے اور غفلت دور ہو جائے۔

اور فرمایا بیشک آپ لوگ بہت سے نیک اور اچھے کام کرتے ہیں اس پر یقیناً ثواب بھی ملے گا مگر اصل کام تو اللہ اللہ کرنا اور اس ذات عالی کا دھیان رکھنا بقیہ سب کام منجملہ غیر اللہ کے ہیں۔ حضرت مرحوم کو جو ملکہ ذکر اللہ کا حاصل تھا اور تا حیات آپ نے حفاظت فرمائی تھی اخیر وقت میں وہی مبارک نام ورد زبان تھا اللہ اللہ سے ہی آپ رطب اللسان تھے مجھے خصوصی طور پر رمضان سے پہلے بہت ساری نصیحتوں میں یہ نصیحت بھی کی تھی کہ آدمی کو ذکر اللہ کا ایسا ملکہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اگر صرف سانس کے علاوہ کوئی چیز باقی نہ رہے تو سانس کی اس رمق سے بھی اللہ اللہ ادا ہوتا رہے، کسے معلوم تھا کہ وہ اپنا ہی حال سنا رہے تھے، شیخ سعدیؒ نے سچ کہا ہے:

جز یاد درست ہر چہ کنی عمر ضائع است　جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوے لوحِ دل از نقش غیر حق　علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

جب کسی ملاقات، کہیں تشریف آوری یا دعا وغیرہ سے متعلق ہم لوگ عرض کرتے کہ حضرت فلاں صاحب کو مسرت ہوگی بہت فائدہ ہوگا وغیرہ وغیرہ تو حضرت مسکراتے ہوئے تنبیہ فرماتے کہ کب تک اپنی صلاحیتیں غیر اللہ کی رضا جوئی کے لیے کھپاتے رہو گے اور کب تک اپنی نیتوں کی نگرانی سے غافل رہو گے ہر کام خدا کی خوشنودی کے لیے ہونا چاہیے جب اللہ کی رضا فراموش کردی جاتی ہے اور بندوں کی رضا جوئی کا ہر دم خیال رہتا ہے تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا ہر کام کا اثر خلوص نیت کے بقدر ہی ہوتا ہے اس لیے ہمیشہ دل کی نگرانی ضروری ہے کہ وہ کس کی خوشنودی میں لگا ہوا ہے بندوں کی یا اپنے خالق و مالک کی، وہ علام الغیوب ہے اس کی شان یعلم مافی الصدور ہے اسے نیتوں کا حال خوب اچھی طرح معلوم ہے۔

میرے دوستو! یہ وہی بات ہے کہ جو علامہ سیّد سلیمان ندویؒ نے حضرت تھانویؒ کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد اپنے متعلقین کو تحریر فرمایا تھا کہ ”صرف تسبیح ومراقبہ سے کچھ نہیں ملتا جب تک دل کا تعلّق دل والے سے نہ ہو ہم تو بندوں کی رضا مندی اور ناراضگی میں گرفتار ہیں مالک کی رضا مندی اور نارضا مندی کی کس کو فکر ہے۔“

یہ احتساب اور فکر اہل قلوب سے تعلّق کے بغیر راسخ نہیں ہوتا اور یہی احسان وسلوک کا مقصود ہے جو حضرت مولانا مرحوم کو بدرجہ کمال حاصل تھا اس کے لیے بار باران کو رائے عامہ اور عام لوگوں کی مرضیات کے خلاف بھی فیصلے کرنے پڑتے اور قدم اُٹھانے پڑتے تھے مگر وہ مولانا کا بے پناہ خلوص ہی ہوتا تھا کہ انجام کار مخالف سے مخالف تر بھی مولانا کے فیصلے اور نظریات کے برحق ہونے کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتے مگر حضرت نے تاحیات کبھی بھی مخالفت کرنے والوں سے کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ ایک معنی خیز تبسم سے بڑی سے بڑی مخالفت اور بڑے سے بڑے مخالفین کا دفاع کردیا کرتے تھے گویا کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو، مولانا کی زندگی میں اس قسم کے تجربات بارہا کیے گئے:

جو دل پہ گزرتی ہے دنیا اسے کیا جانے
غم اپنے تبسم کے پردوں میں چھپائے ہیں

حضرت کو مخالفت کا غم نہیں ہوتا تھا نہ اس سے ہراساں ہوتے تھے مگر یہ غم ہمیشہ آپ کو گھلائے جاتا تھا کہ ہماری قوم سلامتی فکر اور روحانیت سے ایسی دور ہو چکی ہے کہ حقیقت پسندانہ مشورے اور فیصلے اس کی سمجھ میں دیر سے آتے ہیں اور قوم اپنی نا سمجھی کی وجہ سے آئے دن استحصال کرنے

والوں کی سازش کا شکار ہو جاتی ہے جس درد بھرے انداز میں ایسے مواقع پر حضرت خطاب فرمایا کرتے تھے وہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا، اور اگر آپ کو یاد ہو تو آپ حرف بحرف میری تصدیق کریں گے کہ حضرت ہر بیماری کا علاج تعلّق مع اللہ اور اس کے احکام پر عمل اور دین پر استقامت ہی تجویز فرمایا کرتے تھے عام طور پر لوگوں کا خیال مسلمانوں کی مادی اور سیاسی ترقی اور ان کے دنیاوی حالات کی اصلاح و استحکام کی طرف زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت مرحوم کے خیال میں عصر حاضر میں امت کے لیے یہ علاج مرض سے زیادہ خطرناک تھا بقول حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ:

عشق بتاں میں اسعد کرتے ہو فکرِ راحت
دوزخ میں ڈھونڈتے ہو جنت کی خوابگاہیں

احسان و سلوک کے مجاہدات:

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مجاہدات کا ذکر فرماتے ہوئے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ عشاء کی نماز کے بعد ذکر بالجہر کرنے بیٹھتے اور صبح تک کرتے تھے سو جس کا ذکر اتنا لمبا ہو اس کا حال کتنا لمبا ہوگا۔

(تذکرہ ج۲،ص۲۶۵)

دوسری مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ عشاء سے فجر تک ذکر جہر کیا کرتے تھے آخر اس قدر غلبہ تھا کہ صاحبزادے آتے تو شیخ ان کا نام دریافت فرماتے وہ نام بتاتے اس سے آگے کچھ عرض نہ کر پاتے تھے کہ شیخ پھر مستغرق ہو جاتے تھے اسی طرح کئی بار سوال و جواب کے بعد نوبت کلام کی پہنچتی تھی۔ (تذکرہ ج۲،ص۲۵۴)

اس کے حاشیہ پر حضرت گنگوہی سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے میں نے اپنے قلب کو اوّل میں ذکر جہر سے جو زیادہ دھنا ہے تو اب مجھ کو مہلت نہیں دیتا۔ (آپ بیتی ج۲،ص۱۳۷)

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کو شاہ عبدالعزیزؒ کے بھائی شاہ عبدالقادر صاحبؒ اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور اپنے حجرہ میں رکھ دیا اور اشغال کے لیے فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر ذکر کیا کرو، سیّد صاحبؒ نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے، اور جو جگہ شاہ صاحبؒ نے ان کو بتادی تھی سیّد صاحبؒ خواہ بارش ہو، یا آندھی ہو یا دھوپ برابر اپنی جگہ بیٹھے رہتے تھے اور جب تک شاہ صاحب نہ کہتے تھے کہ اب یہاں سے اُٹھ جاؤ تو اس وقت تک نہ اُٹھتے تھے شاہ صاحب نے سیّد صاحب کو ڈھائی برس تک اپنی خدمت میں رکھا۔ (خلاصہ از آپ بیتی ج۲،ص۱۲۸)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدات کے لیے تو بڑے دفتر چاہئیں یہ تو میرا متعدد اکابر سے سنا ہوا ہے کہ جب مدینہ پاک میں ذکر و شغل کی ابتداء کی تو مدینہ پاک کے باہر ایک مسجد اجابہ تھی جواب تو شہر کے اندر آ گئی ہے اور چاروں طرف آبادی بہت بڑھ گئی ہے اس وقت ویرانہ میں تھی حضرتؒ وہاں بیٹھ کر اس زور وشور سے ضربیں لگایا کرتے تھے کہ دُور تک آواز جایا کرتی تھی اور بعض مرتبہ جوش عشق میں ضربیں لگاتے لگاتے اُٹھ کر مسجد کی دیواروں میں سر دے مارا کرتے تھے۔ (آپ بیتی جلد۲،ص۱۲۴)

حضرت مدنیؒ کے خلفاء آج بھی ایسے متعدد حضرات حیات ہیں جن کو حضرت نے سوالاکھ اسم ذات کا ورد تلقین فرمایا تھا، حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ سے جو غیر معمولی مناسبت تھی اس میں اکابر کی توجہ نظر کے علاوہ خود حضرت کا بھی ایک طویل مجاہدہ تھا اور کیفیت احسانی بغیر مسلسل مجاہدے کے پیدا نہیں ہوتی اسی لیے اکابر کے ذکر اللہ پر استقامت، استدامت سے متعلق چند اقتباسات نقل کیے گئے۔

جن مجاہدوں کے بعد ان کا یہ حال بنا تھا اگر اس کی تفصیلات لکھی جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا کم از کم صرف حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے ہی احسان وسلوک کے مجاہدات کا تذکرہ کیا جائے تو مستقل ایک دفتر درکار ہوگا حضرت مدنیؒ نے حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب کو ایک سال کی مدت کے لیے مسجد نبوی میں ذکر کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ ذکر اللہ کے انوار و برکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب وجوار میں جس قدر پائے جاتے ہیں کہیں اور اس کا تصور نہیں، چنانچہ حضرت مولانا نے لگ بھگ ایک سال کا عرصہ ایسے سخت مجاہدے میں گذارا کہ دن تو دن رات بھی حرم مدنی میں روضہ پاک سے قریب ذکر و شغل میں بسر کیا کرتے تھے تب جا کر کے ان کو احسان و سلوک کی کیفیت حاصل ہوئی تھی کہ اگر کہا جائے کہ وہ سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ نقشبندیہ، صابریہ، امدادیہ، کے حقیقی وارث تھے اور تاحیات اس نسبت احسان وسلوک کی حفاظت فرمائی تو بیجا نہ ہوگا:

آواز ہائے ہوش کو سن اعتبار کر — دارو مدارِ دل ہے دموں کے شمار پر
غافل تو اس کی یاد سے ایک لمحہ بھر نہ ہو — ہو جائے کب نگاہِ عنایت خبر نہ ہو

امت کی اجتماعی زندگی میں احیاء سنت کی جدوجہد:

فی زمانہ اجتماعی طور پر مسلمان جس آزاد روش اور غیر اقوام کے رسم و رواج میں جکڑے ہوئے ہیں اس کی مثال پچھلے زمانوں میں نہیں ملتی احکام خداوندی کی خلاف ورزی بلکہ شریعت

مطہرہ سے بغاوت کا عام رجحان روزافزوں ترقی پذیر ہے۔

امت کی انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں میں سنت کی اہمیت کا کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا امت محمدیہ کا وجود و بقاء نشو و نماء اور عزت و آبرو کا دار و مدار اتباع سنت پر ہی ہے حضرت مرحومؒ نے تاحیات ہر محاذ پر احیاءِ سنت کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا اور جماعت کی طرف سے باقاعدہ اصلاح معاشرہ کی جدوجہد کے نتیجے میں زندگی کے تمام شعبوں میں سنت و شریعت پر عمل درآمد کا جذبہ جو امت میں عرصۂ دراز سے سرد پڑ گیا تھا ایک بار پھر انگڑائی لینے لگا جس کے ملک بھر میں بڑے مفید اور مثبت اثرات محسوس کیے گئے بالخصوص علماء امت کا امت مسلمہ سے جو ربط پیدا ہوا اس سے بہت ساری خیر وجود میں آئی اور آ رہی ہیں۔

عمومی طور پر امت مسلمہ جس غفلت اور معصیت میں مبتلا ہے وہ نتیجہ ہے خدا فراموشی اور نماز جیسے شعائر اسلام سے لاپرواہی کا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا **ان من اھم امور کم الصلوۃ**، اور حقیقت یہ ہے کہ جس کی نماز درست ہوگی اس کی زندگی درست ہوگی صالح حیات مقبول نماز کی مرہونِ منّت ہے ہماری جماعت کی جانب سے اصلاح معاشرہ کی جوجدوجہد اور تحریک جاری ہے اس میں صرف چند رسم و رواج کی اصلاحات ہی مدنظر نہیں ہے بلکہ ہمارا مطمح نظر یہ ہے کہ پورا دین پورے طور پر پوری امت مسلمہ میں رائج ہو جائے اور اجتماعیت سنت نبوی کے رنگ میں رنگ جائے اصلاح عام نتیجہ ہے اصلاح ذات کا۔ صالح افراد سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے جماعتی دستور میں اصلاح معاشرہ کو بنیادی اہمیت دی گئی تھی مگر ماضی میں جماعت کی طرف سے اصلاح کی ایسی عمومی اور منظّم کوشش کی مثال نہیں ملتی، جس کی ابتدا حضرت مرحومؒ نے اپنے آخری دور فرمائی مولانا مرحوم کے دردمند دل کی ترجمانی ان کی زبانی بارہا آپ کے کانوں نے سنی ہوگی یہ انھی کا عزم و حوصلہ تھا کہ چودہ صدی کے بگڑے ہوئے معاشرے کو وہ قرن اوّل کی سادگی اور اتباع سنت کی دولت سے مالا مال کرنے کے لیے ضعیف العمری اور پیرانہ سالی میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے وہ تو رخصت ہو گئے مگر قوم کو جو پیغام دے گئے وہ کبھی رکنے والا نہیں ہے اس سلسلہ کی تمام کوششوں اور اصلاحات کا ثواب ضرور ان کے نامۂ اعمال میں قیامت تک درج کیا جاتا رہے گا، آپ نے بھی بارہا سنا ہوگا غالب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ان کو سرکار والا تبار سیّد الابرار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا عشق رہا ہوگا اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی امت کے لیے ان کے دل میں کتنی شفقت و ہمدردی رہی ہوگی کہ قوم سے بھیک میں درہم دینار متاع دنیا نہیں دارین کی خیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور قرن اوّل کی سی سادگی مانگا کرتے تھے شیخ احمد سرہندیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں اسی جذبے اور کیفیت کی عکاسی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

این فقیر از نقد وقت خودمی نویسد کہ مدتہا از علوم معارف واحوال مواجید در رنگ ابرنیساں ریختند وکارے کہ باید کرد بعنایت اللہ کردند والآن آرزوئے نہ ماندہ والا احیائے سنت از سنن سیّد موجودات نمودہ اید واحوال مواجید ارباب ذوق راموفق باشد۔ (تجلیات ربانی)

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے تمام کمالات انھی اوصاف جمیل کا عکس تھے اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہم کو اس ورثے کی حفاظت و اشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے، آؤ ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ اقامت صلوۃ، دائمی ذکر اور احیائے سنت کا اہتمام کریں گے اس سلسلہ میں جو اللہ والے ہمارے درمیان باقی ہیں ان کی صحبت کیمیا اثر سے بھرپور استفادہ کرنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ اس گنہگار کو بھی آپ سب کی برکت سے توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

○○

❑ مولانا عبدالرحیم فلاحی
استاذ حدیث جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا

ملت فدائے ملت سے محروم

ارشادِ ربّانی ہے کہ: **کلِ شئی ھالک اِلا وجھہ۔**

دنیا فانی، اس کی ہر شئے فانی باقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن بعض اولوالعزم اور بابصیرت شخصیات اپنے تابناک کارناموں کے ایسے انمٹ نقوش ثبت کر جاتے ہیں کہ انھیں ورق ورق پڑھا جاتا اور ان کی زندگی سے سدا روشنی حاصل کی جاتی ہے، وہ فنا کے بعد بھی زندہ تصور کیے جاتے ہیں، وہ آنے والی نسلوں کے لیے ''خضرراہ'' کا کام دیتے ہیں۔ امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ بھی اپنی قابلِ قدر عظیم شخصیات میں شامل ہیں:

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زہد وتقویٰ کے جس بلند رتبہ پر فائز فرمایا تھا اس کی رفعت و بلندی کا، قدر و قیمت کا اندازہ ہم جیسے بے بصیرت وکم علم لوگ بھلا کہاں سے لگا سکتے ہیں؟ ان حقائق سے آگہی، ان رتبوں کی معرفت اولیاء کرام روحانیت کے حامل افراد ہی لگا سکتے ہیں۔ مقولہ مشہور ہے کہ ''ولی را ولی می شناسد'' یا یوں کہیے کہ ''قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔''

ایک اللہ والے نے بڑی عجیب بات کہی کہ کسی ولی کی روح جب قفص عنصری سے اور عالم فانی سے پرواز کر جاتے ہے تو اندھیرا چھا جاتا اور تاریکی بڑھ جاتی ہے یہ علامت ہے کہ کسی اللہ کے دوست کا انتقال ہوگیا ہے۔

میرِ کارواں چل بسا:

وہ منظر نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا جب ۶ رفروری بروز منگل ۱۵:۶ منٹ پر جامعہ کے مطبخ میں تشریف فرما حضرت رئیس جامعہ مولانا محمد غلام وستانوی صاحب دامت برکاتہم فون کی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا رہے ہیں، کسی خبر سنانے والے نے خبر سنائی، رئیس جامعہ حضرت وستانوی کی

زبان پر بے ساختہ اِنا للہ وانّا الیہ راجعون کا ورد جاری ہوگیا۔ بدن کانپ رہا تھا، انگلیاں لرز رہی تھی، ہر محسوس کرنے والا یہ محسوس کررہا تھا کہ کوئی ایسی المناک اور وحشت اثر خبر ہے جو سماعت سے ٹکرائی اور بجلی بن کر قلب پر گری اور خرمن دل کو خاکستر کرگئی۔ سلسلۂ گفتگو ختم ہوا تو آپ صرف اتنا بتاسکے، حضرت سیّدا سعد مدنیؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اس خبر کو سنتے ہی مجلس سوگوار ہوگئی۔ سب کی آنکھیں نم ہوگئیں، ایسا محسوس ہوا کہ ہم سب کے سر سے ایک گھنا سایہ اٹھ گیا ہو۔

علالت کی خبر ایک عرصہ سے سنی جارہی تھی لیکن اسے کیا کہیے کہ دل وفات حسرت آیات کی خبر سننے کے لیے کسی طور آمادہ نہ تھا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کے جاں نثاروں نے جب نبی مبعوث اور نبی محبوب کی خبر رحلت صبر وتحمل کے ساتھ سنی تو دیگر اولیاء کبار، علماء عظام اور صوفیاء کرام کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر وہ صبر کے دامن کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتے؟

البتہ رنج وملال کا احساس ایک فطری عمل ہے اس سے کوئی کیسے دامن چھڑا سکتا ہے۔

ایک ولی صفت انسان، ایک مرد آہن، عزم واستقلال کا پیکر، ملک وقوم پر فدا ہونے اور ان سے دلی وابستگی رکھنے والا، ایک شجر سایہ دار کل تک ہمارے درمیان تھا اور ہم پر سایہ فگن تھا، آج وہ ذات روپوش ہوگئی، ہمارے درمیان نہ رہی، ہمارے سروں سے اس کا سایہ اُٹھ گیا، دنیا ہماری نظروں میں تاریک ہوگئی۔

موجودہ قحط الرجالی دور اور انتہائی نازک حالات میں جبکہ ملک وملت پر ہر لمحہ خطرے کی تلوار لٹکی رہتی ہے، کسی باحوصلہ، بابصیرت اور دور اندیش رہبر کی جدائی اور فراق سے دل ودماغ کا متاثر نہ ہونا، ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف نہ کرنا، ان کی صدائے حق کا کانوں میں نہ گونجنا، بھلا کیسے ممکن ہے؟

ایک وفا شعار ملّت اپنے ایسے جاں نثاروں اور محسنوں کو سدا یاد رکھتی ہے اور کبھی فراموش نہیں کرتی۔ ایسے ممتاز افراد کے لیے ایصال ثواب کرنا، بلندیٔ درجات کی دعائیں کرنا ملّت اسلامیہ کی ایک نمایاں صفت ہے۔

جانشین شیخ الاسلام تک:

آپ بجا طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، ان کے افکار و روایات کے امین تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ جیسے خدا رسیدہ صوفی، عالم اور مدبر و رہبر قوم و ملّت کے آغوش تربیت میں پلے بڑھے، تصوف کے منازل ان کی زیرِ نگرانی طے کیے، عبادت و ریاضت سے شغف ان کو ورثہ میں ملا تھا، پھر والد ماجد کی غیر معمولی خدمت نے ان کو ہر اعتبار سے

دین داروں میں بلند وبالا بنادیا،اس طرح وہ مثالی شخصیت قرار پائے۔

فدائے ملّت:

ملّت نے سرمایۂ ملّت کے اس نگہبان کو فدائے ملّت کے خطاب سے نوازا اس کے پیچھے تھی ان کی قربانی، اخلاق، ملّت کا غم، ان کے عروج وترقی کا جذبہ، ہر مشکل اور کڑے وقت میں سینہ سپر ہو جانا، ان بے مثال صفات کو دیکھ کر ملّت نے فدائے ملّت کے نام سے اس طرح پکارا کہ وہ ان کے نام کا جز بن گیا۔

خاندان اور تعلیم:

آپ مرحومؒ مجاہد آزادی محسن ہندوستان حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بڑے فرزند ارجمند تھے حضرت مولانا کی ولادت ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ ۶/ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ سرزمین علوم نبوت دیوبند میں ہوئی اور ۶/فروری ۲۰۰۶ء کو ملک وملّت کا یہ بے لوث خادم اس جہانِ رنگ و بو سے منہ موڑ کر اپنے خالق و مالک سے جاملا، آپ علمی گھرانے کے چشم وچراغ تھے، ابتدائی تعلیم گھر کے دینی ماحول میں والد ماجد کی زیرِ نگرانی ہوئی اس کے بعد دارالعلوم سے باضابطہ وابستہ ہوکر ۱۹۴۹ء میں سند فراغت حاصل کی، اس دور کے اساطین علم وفضل سے اپنے دامن مراد کو گوہر مقصود سے آراستہ کیا۔

ہوتا ہے جادہ پیما کارواں ہمارا:

حضرت والا اپنی ۷۸ سالہ زندگی میں تعلیمی ملّی، سماجی، سیاسی خدمات میں پیش پیش رہے لیکن کبھی بھی اپنے مریدین ومتوسلین کے تزکیے اور ان کی اصلاح وتربیت سے غافل نہ رہے، اللہ کی رضا کا حصول مقصد حیات تھا، ان کی عبادت خشوع وخضوع سے لبریز ہوتی، حضرت کی مصروف زندگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں مکمل ۱۰/سال تک تدریسی خدمات سے وابستہ رہے ۱۹۶۰ء میں جمعیۃ علماء یوپی کے متفقہ صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۲ء تک ۹/سال تک جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے رہے اور ۱۹۷۲ء سے تازیست ۲۰۰۶ء فروری ۳۳/سال تک جمعیۃ علماء کے منصب صدارت پر فائز رہے، اس طویل مدت میں بالخصوص ۱۹۶۰ء سے ۲۰۰۶ء تک آپ نے مسلمانانِ ہند کی ہر معاملے میں بھرپور شاندار قیادت کی۔

جمعیۃ کی قیادت:

آپ کی سربراہی میں جمعیۃ علماء ہند نے زبردست اور یادگار کام کیے۔ چنانچہ اسی تنظیم نے

مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے لیے ملک وملّت بچاؤ تحریک چلائی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کرانے کے لیے سپریم کورٹ کے دروازے کو دستک دی، آسام کے مسلمانوں کو غیر ملکی اور بنگلہ دیشی و پاکستانی درانداز قرار دینے والے شرپسند کا جم کر مقابلہ کیا، زلزلہ سے متاثرہ علاقوں میں بنفس نفیس جاکر یا نمائندہ بھیج کر سدا مذہب وملّت کی تفریق کے بغیر مدد ونصرت اور انسانیت نوازی کا جو کام انجام دیا اس سے جمعیۃ نے نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ برادرانِ وطن کی نظروں میں بھی وقار واعتبار حاصل کیا، ان کے دلوں میں اس کی محبت گھر کر گئی، اس طرح گجرات کے ہولناک فسادات کے موقع پر جمعیۃ علماء ہند نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ناقابل فراموش اور تاریخی حیثیت کے حامل ہیں، بے سہارا بے گھر خانماں برباد مسلمانوں کے لیے ایک نہیں درجنوں کالونیاں تعمیر کرائی گئی اور مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر بازآبادکاری کی گئی، احمد آباد کالونی نگر جمعیۃ علماء ہند کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جہاں فسادات سے متاثر ہزاروں مسلمانوں کو بسایا گیا، ان کے لیے اسکول، مدرسہ مسجد، کمیونٹی ہال فراہم کیے گئے، بیوہ عورتوں کے لیے چھوٹے روزگار سلائی، کڑھائی، اگربتّی سازی وغیرہ فراہم کیے۔ مختصر یہ کہ ہمیشہ فساد، آفت ناگہانی اور حادثات کے مواقع پر حضرت مولانا متاثرین کی اشک شوئی اور ان کی امداد میں پیش پیش رہے۔

ھمہ گیر شخصیت:

آں محترم ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، صدر جمعیۃ علماء ہند ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر تحریکات وتنظیمات سے بھی آپ کا گہرا اور دمہ دارانہ ربط رہا۔ چنانچہ آپ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ممبر، رابطہ عالم اسلامی مکّہ مکرمہ کے ممبر، آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے رکن تاسیسی، دارالعلوم کے رکن شوریٰ مدرسہ شاہی مرادآباد کے سرپرست، جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے رکن شوری، اور نہ معلوم کتنے ہی مدارس کے بانی، سرپرست، نگرانِ اعلیٰ رہے، ہمارے جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم سے بھی آپ کا بہت ہی گہرا تعلق رہا۔

مولانا وستانوی سے تعلّق خاطر:

چنانچہ حضرت مولانا عبدالصمد صاحب وانکانیری کے توسط سے حضرت مولانا وستانوی کے تعلقات کا آغاز ہوا اور مولانا وانکانیری نے بھروچ جمعیۃ علماء کی صدارت عین جوانی میں مولانا وستانوی کے سپرد کی، حضرت مولانا غلام صاحب نے یہ ذمہ داری نہایت کامیاب وکامرانی کے ساتھ انجام دی۔

پھر جب جامعہ اکل کوا میں ۱۲۹۰ھ میں پہلا جلسۂ دستار بندی کا انعقاد ہوا تو اس تاریخی

اجلاس میں برکت گجرات حضرت مولانا رضاء اجمیریؒ کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ بھی تشریف لائے اور اس اجلاس کی صدارت فرمائی۔

اور جب بمبئی میں ۱۹۹۱ء میں جمعیۃ کا ادھیویشن ہوا تو حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے جمعیۃ علماء کی ایک ذیلی کمیٹی آل انڈیا دینی تعلیمی بورڈ کی صدارت کے لیے حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کا انتخاب فرمایا اور پھر جب مولانا وستانوی از ہر ہند دار العلوم دیو بند کے رکن شوریٰ منتخب ہوئے تو اس تعلق میں مزید اضافہ واستحکام پیدا ہوا۔اور یہی تعلق فی اللہ رشتہ داری میں تبدیل ہوا کہ آپ کے برادرزادے سیّد حبیب مدنی ابن مولانا ارشد مدنی سے حضرت وستانوی صاحب کی بیٹی منسوب ہوئیں، اس موقع پر نکاح خواب کی غرض سے حضرت مدنیؒ نے پہلے ''موسالی'' اور پھر ''وستان'' تشریف لاکر اس ہونے والے رشتہ کے تعلّق سے مسرت وسعادت میں چار چاند لگادیے۔

ملّت کے بے باک قائد:

حضرت فدائے ملّت کل ۱۸؍سال تک (راجیہ سبھا) کے اعزازی رکن رہے اور اس دور میں جب جب بھی ملک میں مسلمانوں پر مسائل آئے، مظالم ہوئے، فرقہ وارانہ فسادات میں انھیں ہدف ستم بنایا گیا ایسے تمام مواقع پر آپ نے پارلیمنٹ میں انتہائی جوش ایمانی اور غیرت اسلامی کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت جرأت حوصلہ، حق گوئی وبے باکی سے لبریز صدائے احتجاج بلند کیا، پولیس مظالم کے خلاف حکومت سے زبردست محاسبہ کیا، اس کے علاوہ مسلمانوں میں عزم و حوصلہ بلند کرنے کے لیے موقع بموقع کنونشنس اور کانفرنس کا انعقاد کیا اور قوم مسلم میں اپنی بات بے لاگ یوں کہہ دینے کا شعور وحوصلہ بیدار کیا اور بذات خود مولانا نے کمال جرأت مندی سے ایمرجنسی کے دوران ہونے والی زیادتیوں کے خلاف شاہ کمیشن میں گواہی دی۔ اسی طرح جب ۱۹۶۴ء میں کلکتہ، جمشید پور، راورکیلا میں منصوبہ بند طریقہ سے مسلم کش فسادات ہووے، کئی مسلمانوں کو شہید کردیا گیا، اس وقت آپ نے پہلا جمہوری کنونشن منعقد کرکے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے خلاف حکومت سے سخت احتجاج کرتے ہوئے دستورِ ہند کے دفعہ ۴۴ کو خارج کرنے کا بے باکانہ مطالبہ کیا۔ نیز مسئلہ آسام ہو، شہریت کے مسائل ہوں، بابری مسجد، مقابر ومساجد کے تحفظ کا مسئلہ ہو، فسادات کی روک تھام، امن وقانون کی بحالی ہو، مسلمانوں کے آئینی حقوق کا تحفظ ہو یا اوقاف کے مسائل ومشکلات ہوں ان تمام مراحل میں اپنے صاف وشفاف نقطۂ نظر کو پیش کیا اور ایک جری قائد ورہنما بن کر تمام مسلمانوں کی طرف سے صحیح اور بہتر قیادت کا فریضہ انجام دیا۔

کمال دیانت:

موجودہ سیاست کی گندگیوں اور آلائشوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہوئے آپ نے ہمیشہ مثبت، تعمیری صاف ستھری اور ذاتی مفادات سے بالاتر سیاست کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ آپ کے کمال دیانت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ممبر پارلیمنٹ کی حیثیت سے جو مشاہرہ ملتا تھا اس کا استعمال کبھی اپنی ذات یا اپنی اولاد پر نہیں کیا۔ آپ کی سیاسی قیادت کی تفصیلی معلومات کا اندازہ جمعیۃ سے شائع ہونے والی ایمانی تقاریر پر مشتمل کتاب ''صدائے حق'' سے لگایا جا سکتا ہے۔

شیخ طریقت:

حضرت مولانا نے سیاسی ملّی، سماجی ہر اعتبار سے اپنی وسیع خدمات کے ذریعہ جہاں اپنا لوہا منوایا وہیں آپ کامل شیخ طریقت کی حیثیت سے بھی مقبول ہوئے۔ چنانچہ جہاں بھی آپ کا دورہ ہوتا عوام و خواص آپ سے بیعت ہوکر رجوع الی اللہ ہوتے۔ آپ رمضان المبارک میں مختلف مقامات پر رشد و ہدایت کی غرض سے اعتکاف فرماتے۔ پچھلے کئی سالوں سے دارالعلوم دیوبند کی وسیع و عظیم مسجد ''مسجد رشید'' میں اعتکاف فرما کر ذکر واشغال سے مسجد کو معمور فرماتے۔ کثیر تعداد میں آپ کے متوسلین بھی آپ کے ساتھ اعتکاف فرماتے اور ہمہ وقت ذکر و تلاوت سے مسجد کو آباد رکھتے۔

ایسے اللہ والے کی رحلت سے ملّت کا کتنا خسارہ ہوا؟ کیسی عظیم قیادت کا فقدان ہوا؟ کون کس کی تعزیت کرے؟ کس کو تسلّی دے؟ ہم سب ہی ایک دوسرے کی تعزیت کے محتاج ہیں:

آؤ کہ مل کر کریں گے ہم سب آہ و زاریاں
تم پکارو ہائے گل ہم پکاریں ہائے دل

○○

❑ مفتی محمد اسجد قاسمی
سیکریٹری جمعیۃ علماء گجرات

خادمِ قوم وملتؒ

حرف آغاز:

طویل عرصہ سے شدید علالت کے بعد حضرت سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دہلی کے اپولو اسپتال میں ٦ رفروری ۲۰۰٦ بروز پیر اپنی حیات مستعار (۷۸/برس) کے ایام پورے کر لیے اور جیسے ہی اس کی خبر عام ہوئی، تو اسلامیٔ ہند میں ہی نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت پر سکوت و تعطل کی کیفیت طاری ہوگئی، کیونکہ یہ مسلمہ دستور رہے کہ جب کسی کا مسیحا اسے داغ مفارقت دے دیتا ہے تو اس کی حالت اس مچھلی کی طرح ہوجاتی ہے جو پانی کے بغیر تڑپ رہی ہو، بالکل یہی حالت آج ہندوستانی مسلمانوں کی ہے، ہندوستان پر حضرت مولانا کی عظیم خدمات ہیں، دار العلوم دیوبند سے تعلیمی سفر شروع کرنے والے مولانا سید اسعد مدنی آج ہندوستانی مسلمانوں کے قائد تسلیم کیے جاتے تھے، مولانا مدنی نے ۱۸/ سال تک پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں جس عزم و ہمت اور حوصلے کے ساتھ مسلم مسائل اٹھائے اور انھیں موضوع بحث بنا کر فرقہ پرستوں کی تمام ریشہ دوانیوں پر ایسی کاری قدغن لگائی کہ وہ موضوع ہمیشہ کے لیے تاریخ کی تاریکی میں گم ہو گئے، اس میں کوئی شک نہیں کہ قائدانہ صلاحیتوں کی ہر خوبی ان کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھی، مثبت فکر، بیدار مغزی، ایمانی فراست، سماجی و سیاسی شعور، مظلوموں کی امداد، فساد زدہ علاقوں میں ریلیف کمیٹی کا قیام، قیام امن کی کوشش، قومی اتحاد، جرات و ہمت، اولو العزمی اور قوم وملت کی خدمت کے لیے سرگرداں رہنا ان کا طرۂ امتیاز تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سینہ میں جو دل تھا وہ ہمیشہ انسانیت کی فلاح و بہبودی کے لیے دھڑکتا رہتا تھا۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی آنکھوں میں وہ بصیرت تھی کہ مستقبل کے نتائج کو بہت پہلے دیکھ لیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب بھی فرقہ پرستوں نے انسانیت کی سرسبز وشاداب زمین کو لالہ زار بنانا چاہا، فوراً آپ نے حکومت کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کی اور اس کو دفاعی اقدام کرنے پر

مجبور کیا، اسی طرح جب بھی مسلمانوں کے ملی، شخصی، شہری، سیاسی مسائل پر نکتہ چینی کی گئی آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اس کے دفاع کے لیے مثبت اقدام کیے، آئندہ سطور میں حضرت مولانا کے بعض اہم خطبات کے اقتباسات اور ان کے تاریخ ساز دینی وملی کارناموں کو پیش کیا جارہا ہے، جس کے پڑھنے کے بعد یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ آپ کا دل خدمت انسانی کے جذبات سے کیسا لبریز تھا اور ہندوستانی مسلمانوں کے درپیش مسائل کے دفاع کے لیے کیسی دھڑکن تھی؟ ملاحظہ ہو:

تحفظ شریعت کانفرنس:

جب مسلم پرسنل لاء پر طرح طرح کے حملے ہونے لگے، حکومتی سطح پر اسلامی آئین میں مداخلت کی کوششیں تیز ہوگئیں، ایسے پرخطر وقت میں آپ نے تحفظ شریعت کانفرنس بلا کر ۴/ اکتوبر ۱۹۹۳ء، ماؤلنکر ہال، نئی دہلی میں مسلمانوں کو کیا پیغام دیا، ملاحظہ ہو:

''آپ تاریخ اٹھائیں وہ آپ کو بتائے گی کہ جب نشۂ اقتدار سے سرمست انگریزی سامراج نے منصوبہ بنایا کہ سلطنت مغلیہ کی طرح ہندوستان سے اسلام اور تہذیب مسلم کو بھی حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے تو آپ کے اکابر رحمہم اللہ نے اپنے بے لوث قربانیوں سے حکومت وقت کے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا، عیسائیوں کی دولت مند مشنریاں ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کے نام ونشان کو مٹانے کے لیے سالانہ کروڑوں روپے پانی کی طرح بہا دیتی تھیں، تو آپ کے بزرگوں کی للّٰہیت اور عملی درسِ قناعت نے سیم وروز کے اس سیلاب کے آگے مستحکم بند قائم کردیا۔

دیانند سرسوتی کی طوفان انگیزی شدھی سنگٹھن تحریک کو آپ کے اسلاف نے اپنی مخلصانہ دعوت وتبلیغ سے بے اثر بنا دیا، وقت آج آپ سے انھیں بے لوث قربانیوں، زہد وللّٰہیت اور مخلصانہ دعوت وتبلیغ کا تقاضہ کر رہا ہے، اگر آپ اپنے اسلاف اور بزرگوں کے سچے جانشیں اور لائق سپوت ہیں تو آپ وقت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لیے پورے تن من دھن سے تیار ہوجائیں اور اپنی زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے عمل وکردار سے دنیا پر واضح کردیں کہ جب تک صفحۂ گیتی پر ہمارا وجود باقی ہے، ہندوستان میں اسلام، تعلیمات اسلام، مسلم پرسنل لاء اور تہذیب مسلم بھی باقی اور زندہ وپایندر ہے گی''۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس:

جب مرزا قادیانی کا فتنۂ قادیانیت زور پکڑنے لگا اور سادہ لوح مسلمانوں میں ارتدادی لہر چل پڑی، ختم نبوت کے انکار کی مہم تیز ہونے لگی، ایسے وقت میں حضرت مولانا مدنیؒ فتنۂ قادیانیت

کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور علی الاعلان اس کی تکفیر کا اعلان کیا، ۲۰ جون ۱۹۹۸ء کو عیدگاہ ویلکم جعفرآباد دہلی میں انھوں نے تحفظ ختم نبوت کانفرنس بلائی، جس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''حاضرین گرامی! میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارا کام یہ ہرگز نہیں کہ ہم خواہ مخواہ لوگوں کو کافر بناتے رہیں، کوئی بھی جماعت اپنی عددی طاقت کو کم نہیں کرنا چاہتی، ہماری ذمہ داری صرف حفاظت دین ہے، یعنی ہم اس پر نگاہ رکھیں کہ کہیں اصلی کا لیبل لگا کر جعلی سامان کو تو فروغ نہیں دیا جارہا ہے؟ اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو ہر مسلمان بالخصوص علماء کا یہ دینی فرض ہے کہ وہ واضح لفظوں میں اعلان کردیں کہ فلاں چیز اصلی ہے، اور فلاں چیز نقلی ہے، اسی بات کو سامنے رکھ کر آج ساری امت اس بات پر متفق ہے کہ قادیانی جماعت عقیدۂ ختم نبوت کی منکر ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کی قائل ہے، وہ دائرہ اسلام سے بالکلیہ خارج ہے، واقعہ یہ ہے کہ قادیانیوں کے کفر پر امت میں جیسا اتفاق ہے اس کی مثال شاذونادر ہی ملتی ہے''۔

''حضرات گرامی! گذشتہ ۱۲ سال سے یہ فتنہ ہندوستان میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور تمام تر مادی وسائل کے ذریعہ ارتدادی تحریک کی سرگرمیاں بالخصوص جہالت زدہ علاقوں میں جاری ہیں، الحمدللہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند اپنے محدود وسائل کے مطابق کام کررہی ہے، اور بفضلہٖ تعالیٰ اس کی محنتوں سے رائے عامہ بیدار ہوئی ہے، اور عوام وخواص کو مسئلہ کی نوعیت سمجھنے کا موقع فراہم ہوا ہے، خدا کرے یہ کوششیں مزید بارآور ہوں، ہمارے مسلمان بھائی ہر طرح کے باطل فتنوں سے محفوظ رہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے دین وایمان کی مکمل حفاظت فرمائے، آمین!''

تحفظ حرم کانفرنس:

ایران کے نام نہاد ''اسلامی انقلاب'' نے عالم اسلام کو زبردست نقصان پہنچایا ہے، وہ اسلام کے نعرے کی آڑ میں ملت اسلامی کی جڑوں کو کھوکھلی کرنے کی کوشش میں تھے، ایسے وقت میں حضرت مولانا نے ۸/نومبر ۱۹۸۷ء کو سپر ہاؤس نئی دہلی میں تحفظ حرم کانفرنس بلا کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اس سال حج کے موقع پر حرم مکہ میں جو حادثہ پیش آیا ہے وہ تہران میں تیار کی گئی سازش کا نتیجہ تھا، اب یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے، کہ ایران نے مکمل تیاری کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں تربیت یافتہ سپاہی اور فوجی حرمین میں قتل وغارت گری مچانے کے لیے بھیجے تھے، دنیا کے بہت سے اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئی تھیں، کہ خمینی کے بیٹے احمد نے سوئزرلینڈ

میں اسرائیل کے بعض ذمہ داروں سے ملاقات کی تھی، اور اسی ملاقات میں یہ منصوبہ تیار کیا گیا تھا، ایران کی موجودہ روش اور سیاست کے پیش نظر اس کو بعید از قیاس اور خارج از امکان نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ اطلاعات اور ذمہ دارانہ شہادتوں کے بموجب جب ایرانی فوج کے پاس بڑی تعداد میں اسرائیلی اسلحہ ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اسرائیل یہ ہتھیار بلا قیمت اور بلا شرط ایران کو مہیا کردے۔
جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ عالمی یہودیت کا اصل منصوبہ مسلمانوں کے مقدمات مقدسہ میں تباہی مچا کر ان کو برباد کرنا اور عالم اسلام کی مرکزیت کو ختم کر کے دنیا کے مسلمانوں کو منتشر کرنا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایران کو استعمال کیا جارہا ہے، بے شک یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایران کے عوام دام فریب میں پھنس گئے ہیں، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ خود شیعہ فرقہ کے لوگ بڑی تعداد میں خمینی اور ان کے افکار سے اختلاف کرتے ہیں، لیکن خمینی صاحب اور ان کے رفقاء کا ٹولہ حقیقتاً دشمنان اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس لیے ہر ذی عقل اور صاحب فکر و نظر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ موجودہ حالات کو صحیح پس منظر میں دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کرے اور فتنہ انگیز نعرے بازی کا شکار نہ ہو۔

کل ہند اجتماع:

دسمبر ۹۰/ میں جب ملک فرقہ واریت کی بھٹی میں جل رہا تھا، ہر طرف نفرت و تعصب کے دھوؤں سے فضا مسموم ہو رہی تھی، اور ملک کے بیشتر صوبوں میں مسلمانوں کی جان اور ان کی املاک تباہ کی جارہی تھیں ایسے وقت میں ۲۶/ جنوری ۱۹۹۱ء کو مدنی ہال، نئی دہلی میں آپ نے مسلمانوں کی تسلی اور بلند حوصلگی کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”مذہبی جذبات کا استحصال کر کے فرقہ وارنہ فسادات کا مقصد صرف جان و مال کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ انسانی لاشوں پر کھڑے ہو کر اقتدار کی عمارت تعمیر کرنا ہے، یہ منصوبہ بند فسادات اس لیے کرائے جارہے ہیں کہ مسلمان اپنے عقائد و شعائر، تشخص و شناخت اور دینی معاشرے سے دست بردار ہو کر صرف نام کے مسلمان رہ جائیں اور ذہنی طور پر اس نازی ازم کے غلام بن جائیں جو فرقہ پرست طاقتوں کا منتہائے مقصود ہے، جو لوگ مسلمانوں کے غم میں مگر مچھ کے آنسو بہا کر فسطائی طاقتوں سے صلح اور معاہدہ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں، اور خود کو ناصح و مشفق بنا کر پیش کر رہے ہیں، وہ ہمارے باطنی دشمن ہیں، ہندوستان ہمارا ملک ہے، اس ملک کی ہزار سالہ تاریخ میں ہم برابر کے شریک رہے ہیں، اس کی قسمت کا کوئی فیصلہ ہماری مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لیے اپنے تشخص، شعائر اور معابد سے دست بردار ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہم اس

ملک کے شہری ہیں، اور ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ ملک کے اتحاد و استحکام کے لیے ہر ممکن کوشش کرے، لیکن اس کوشش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہم دین وعقیدہ، تمدن و شناخت اور معابد و مقابر کو کسی قیمت پر قربان نہیں کر سکتے''۔

یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن:

فرقہ پرستوں کی طرف سے جب یکساں سول کوڈ کا مسئلہ اٹھایا گیا اوران کی طرف سے حکومت سے یہ مطالبہ ہونے لگا کہ یکساں سول کوڈ کا نفاذ ضروری ہے، خواہ اس کے لیے مسلمانوں کے مسلم پرسنل لاء کو نقصان کیوں نہ پہنچے، فرقہ پرستوں نے جب بار بار اس کا مطالبہ کیا تو حکومت کا رویہ بھی پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے سنجیدہ نظر نہیں آیا، ایسے وقت میں حضرت مولانا نے ضرورت محسوس کی کہ حکومت سے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کا مطالبہ کیا جائے اور یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن کاانعقاد فرمایااور مسلمانوں کواس فتنہ سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

''حکومت ہند سے ہمارا پرزور مطالبہ ہے کہ وہ آئے دن پیش آنے والی صورت حال کے تدارک کے لیے ضروری کارروائی عمل میں لائے تاکہ ہندوستان کی جمہوری قدروں کو پامالی سے بچایا جاسکے، تنگ نظر عناصر کی جانب سے کی جانے والی غیر آئینی حرکتوں پر قدغن لگ سکے اور مسلمان اپنے دین پر عمل کرنے میں دشواری محسوس کرنے کے سبب احتجاج کا رخ اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوں اوراس کی دو صورتیں ہیں:

۱. رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ جو دو بنیادی اصول کی دفعہ ۲۵ سے متعارض ہے، اس کو حذف کیا جائے۔

۲. یا کم از کم مسلمانوں اوران کے پرسنل لاء کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

مسلمان مرد وعورت اپنے پرسنل لاء کو مذہبی اور حکم خداوندی تو سمجھتے ہی ہیں جس پر ان کی آخرت کی کامیابی موقوف ہے، لیکن وہ اس دنیا کی زندگی کے لیے بھی پرسنل لاء کو تجربہ کی روشنی میں بہت بڑی نعمت اور گھرانے کو نمونۂ جنت بنانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں اسی لیے وہ اس کی حفاظت کے لیے ہر صورت حال سے نمٹنے کا فطری جذبہ بھی رکھتے ہیں''۔

جنگ آزادی اور جمعیۃ علماء ہند:

یہ امر مسلم ہے کہ انگریز علمائے کرام کے جذبہ حریت سے بہت خائف تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہماری حکومت کو کوئی خطرہ لاحق ہوگا تو انھیں علماء سے ہوگا، لہٰذا انگریزوں نے علمائے کرام پر طرح طرح کے مصائب ڈھائے، زور وظلم وستم کے ہر طریقے اپنائے ،لیکن وہ علمائے کرام کی

ثابت قدمی کولرزاں نہ کرسکے، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ انھوں نے علماء کرام پر سختیاں کیں، ان سختیوں کی وجہ سے علماء کرام کے دلوں میں جوآزادیٔ ہند کی چنگاری سلگ رہی تھی، وہ شعلہ جوالہ بن گئی، اس معرکہ حق و باطل میں انھوں نے ہزیمتیں اٹھائیں، قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں، ایک تحریک ناکام ہوئی تو علماء کی دوسری تحریک میدان میں آئی، اور مسلسل جدوجہد جاری رہی، یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ علماء کرام اور مسلمان اس ہندوستان کو آزاد کرنے میں سب سے آگے ہیں، لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ آج جنگ آزادی کی تاریخ کو تاریخ آزادیٔ ہند کے صفحات سے کھرچا جارہا ہے اور مسلمانوں کی نیک نیتی اور ان کی حب الوطنی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے، لہٰذا ایسے موقع پر ضروری تھا کہ ہندی مسلمانوں کو باور کرایا جائے کہ ہندوستان میں ان کا مکمل حق ہے، چنانچہ اسی مقصد کے لیے حضرت مولانا نے ۲۶/ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو فیض عام انٹر کالج میرٹھ میں ایک کانفرنس منعقد فرمائی اور صدارتی خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”ہمیں تکلیف اس بات سے ہے کہ آزادی کی جدوجہد کی قربانیوں کا موازنہ کرنے کے لیے الگ الگ معیار کیوں استعمال کیے جاتے ہیں، ہماری طویل جدوجہد کے سنہرے اوراق یا تو فراموش کردیے گئے ہیں یا نظر انداز کیے جاتے ہیں، افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو آزاد جمہوری ہندوستان میں جس فراخ دلی اور انصاف کی توقع تھی اسے پورا کرنے کے بارے میں ملک کی کوئی سیاسی پارٹی سنجیدہ نظر نہیں آتی، اہل سیاست اور حکمراں حلقے خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں، اس سے ہمیں غرض نہیں، جمعیۃ علماء ہند آج بھی اپنے موقف اور مسلک پر قائم ہے، ہم متحدہ قومیت کے علم بردار پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں اور ہم نے استقلال اور حوصلہ مندی کے ساتھ فرقہ پرستی کا مقابلہ کیا کیوں کہ ہم اسے ملک وملت کے لیے مضر سمجھتے ہیں، ہم نے اپنے اصول اور کسوٹی نہیں بدلی، ہم انھیں بنیادوں پر ہندو فرقہ پرستی کو ملک کی اتحاد و سالمیت کے لیے مضر سمجھتے ہیں، اور اس کی یلغار برداشت نہیں کرسکتے، ہمیں افسوس ہے کہ ایسی تنظیموں کی نفرت انگیز سرگرمیوں پر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی ہے، ہم فرقہ پرستی کے خلاف کل بھی تھے، آج بھی ہیں، اور آئندہ بھی رہیں گے، آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے حق مساوات وانصاف کا اصول اور ان کی زندگی میں ان کی معقول نمائندگی یہ ہمارا مطالبہ آزادی کے دوران بھی تھا، اور آج بھی ہم اس مقصد کی تکمیل کے لیے جدوجہد کررہے ہیں“۔

کنونشن برائے تحفظ آئین حقوق لکھنؤ:

جب فرقہ پرستوں نے مذہبی عبادت بل کی منظوری اور مدارس اسلامیہ پر دہشت گردی کی

بے بنیاد الزام لگانے شروع کیے، اور ہر طرح سے مدارس اور اس کے طلبہ کو بدنام کرنا چاہا تو اس وقت حضرت مولاناؒ نے تحفظ حقوق آئین کانفرنس لکھنؤ میں یوپی حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:
''یوپی حکومت کی جانب سے مذہبی عبادت بل کی منظوری دستور ہند کی کھلی خلاف ورزی ہے جس کی وجہ سے اس حکومت کو بلا تاخیر برخاست کیا جانا چاہیے، اس لیے کہ یہ سرکار حکومت چلانے کی اہل نہیں ہے، دستور کی پاسداری میں ہم اس بل کو قبول نہیں کرسکتے، اور دستور ہند سے حاصل اپنے مذہبی اور تعلیمی حقوق کی حفاظت کے لیے قانون اور دستور کے دائرے میں اس سیاہ بل کے خلاف جدوجہد جاری رکھیں گے، خواہ اس کوشش میں کیسی ہی قربانی کیوں نہ دینا پڑے۔
آج مدارس اور مساجد کو دہشت گردی کے طور پر پیش کرنا سراسر زیادتی اور ناانصافی ہی نہیں بلکہ خود ایک دہشت گردی ہے، ورنہ آر ایس ایس کے زیر نگرانی ششو مندر، کنیا پاٹھ شالہ، ودیا بھارتی جیسے تعلیمی اداروں کے لیے کوئی قانون کیوں نہیں بنایا جاتا جہاں مبینہ طور پر دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے، اور فوجی پریڈ ہوتی ہے، اس متنازعہ بل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بی جے پی سرکار کو ملک کے جمہوری و سیکولر نظام کے مقابلے میں آر ایس ایس کا مرتب کردہ نظام عزیز ہے، اور وہ دستور کے بجائے آر ایس ایس کی ہدایت و اشارے پر فیصلے کرتی ہے''۔

بابری مسجد کانفرنس:

بابری مسجد اجودھیا ضلع فیض آباد یوپی کے قصبہ نے جس قدر اہمیت اختیار کرلی تھی، کہ ملکی اور بین الاقوامی حالت کی خبر رکھنے والوں کے لیے یہ امر پوشیدہ نہیں تھا کہ یہ قدیم مسجد تقریباً نصف صدی سے فرقہ پرست سیاسی بازیگروں کی چیرہ دستیوں کا شکار بنی ہوئی تھی، فرقہ پرست ہندو تنظیمیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی بیک زبان مدعی تھیں کہ بابر نے رام جنم مندر کو جسے بکرماجیت نے تعمیر کرایا تھا، منہدم کرکے اس کی جگہ یہ مسجد تعمیر کرائی تھی، اس لیے حق وانصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مسجد رام کے پجاریوں کے حوالہ کردی جائے، فرقہ پرستوں کا یہ مطالبہ برابر جاری رہا، بالآخر جب حکومتی سطح پر مواقع فراہم ہوئے تو ۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بے لگام کارسیوکوں نے بابری مسجد کو منہدم کرکے ہندوستان کی جمہوریت پر ایک ایسا سیاہ دھبہ لگادیا جس کا ازالہ شاید ناممکن ہے، بابری مسجد کی تاریخ کو کس طرح غلط انداز میں پیش کرکے اس کو منہدم کیا گیا۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے ۲۷/ اگست ۱۹۹۰ء کو لندن میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اس تاریخی حیثیت کو یوں بے نقاب فرمایا:
''تاریخ کے ٹھوس دلائل سے یہ بات پوری طرح روشن اور آشکارا ہوگئی کہ سولہویں صدی

عیسوی سے پہلے کسی بھی زمانے میں اجودھیا کی سرزمین پر رام جنم استھان کے نام سے کسی مندر کا وجود نہیں تھا، سولہویں صدی کے بعد اس نام سے جو مندر وہاں تعمیر ہوئے وہ اب تک اپنی حالت میں موجود ہیں، پھر یہ سارے مندر بابری مسجد کی تعمیر کے بعد بنائے گئے ہیں، اس لیے پورے وثوق اور اور ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رام جنم استھان مندر کو مسمار کرنے اور اس کے ملبہ سے بابری مسجد تعمیر کی روایت ایک من گھڑت اور فرضی افسانہ ہے، تاریخی حقائق و واقعات سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں"۔

تاریخ ساز دینی کارنامے:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے بعد آزاد ہندوستان میں آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مسلم معاشرہ میں راہ پانے والی سماجی برائیوں کے خلاف منظّم طریقے سے عوامی سطح پر اصلاح معاشرہ کی تحریک کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں آج بھی ملک بھر میں ہزاروں اصلاحی کمیٹیاں موثر طریقے پر فعال نظر آرہی ہیں۔

☆　فتنۂ قادیانیت اس دور کا نہایت خطرناک فتنہ ہے اور یہ اسلام کے متوازی ایک نئے دین کی دعوت ہے، آزادی کے بعد اس فرقہ کی خفیہ منصوبہ بند سرگرمیوں کی سب سے پہلے نشاندہی آپ نے فرمائی، اور اس کے سدباب کے لیے کل ہند پیمانے پر دارالعلوم دیوبند میں مجلس تحفظ ختم نبوت قائم فرمائی اور ایک عالمی اجلاس منعقد کر کے مختلف مکتبۂ فکر کے علمائے کرام، مدارس عربیہ کے منتظمین اور مبلغین کو اس طرف متوجہ فرمایا۔

☆　آریہ سماج، وشو ہندو پریشد کی مشرکانہ ہندو میتھالوجی اور عیسائی مشنری کی ارتدادی لہر سے مسلمانوں کی نئی نسل کو بچانے کے لیے آپ نے دینی تعلیم بورڈ کو منظّم کر کے ہزاروں مکاتیب قرآنیہ اور مساجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری کیا، مسلمانوں کے ملی اور شریعت کی حفاظت کے لیے آپ نے جہاں امارت شرعیہ ہند قائم فرمائی، وہیں آپ نے ان کے شرعی اور نزاعی معاملات کے حل کے لیے اٹھارہ صوبوں میں امارت شرعیہ کا نظام قائم کر کے ہر جگہ محاکم شرعیہ قائم فرمائے۔

☆　دینی معاملات اور عصری مسائل کے حل کے لیے آپ نے ہمیشہ متعلقین حضرات سے تبادلۂ خیال کر کے ایک اجتماعی اور متفقہ راہ اپنانے کی کوشش فرمائی، چنانچہ مباحث فقہیہ کے اجتماعات، شاہ بانو کیس میں تین ہزار علمائے کرام ومفتیان عظام پر مشتمل علماء کانفرنس، تعلیمی بیداری کے لیے ملی کنونشن، وقفی جائیدادوں کے لیے اوقاف کانفرنس، تطلیقات ثلاثہ کو طلاق واحدہ کے فتویٰ کی آڑ میں اسلامی شریعت پر حملہ کے خلاف تحفظ شریعت کانفرنس، خمینی ازم کے باطل نظریات کے تعارف

اور ان کے جارحانہ عزائم کے خلاف تحفظ کانفرنس، اسلامی لٹریچر کی اشاعت کے لیے الجمعیۃ بک ڈپو، مسلمانوں اور برادران وطن میں قرآن فہمی کے لیے ہندی میں قرآن کا ترجمہ اور تفسیر، غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ہفتہ وار شانتی مشن کا اجراء اور مسلمانوں میں بچت اور بجٹ کا دھن پیدا کرنے اور ان کو سود جیسی لعنت سے بچانے اور مہاجنوں کے چنگل سے چھڑا کر ان کی اقتصادی ترقی کے لیے مسلم فنڈ کی عوامی تحریک اور اسکیم، چنانچہ آج یہ تحریک مسلمانوں کی معیشت میں اہم رول ادا کر رہی ہے، اور آج پورے ملک میں مختلف ناموں سے یہ ادارے چل رہے ہیں، غرضیکہ زندگی کو یہ نئی نئی سمتیں دکھانے اور انھیں ہندوستان میں روشناس کرانے کا سہرا صرف آپ کے سر جاتا ہے۔

حالات کی ناسازگاری کے باوجود آپ کے پختہ عزم اور جہد مسلسل سے جمعیۃ علمائے ہند اور دارالعلوم دیوبند کے بہت سے تشنہ منصوبے تکمیل کو پہنچے، چناں چہ جمعیۃ بلڈنگ، گلی قاسم جان، مسجد عبد النبی اور اس کی ملحقہ اراضی کا حصول اور اس پر مدنی ہال، محمودیہ لائبریری کی عظیم الشان عمارت، مولانا حفظ الرحمٰن بلڈنگ اوکھلا کی تعمیر، مسجد عبد النبی کی توسیع اور دفاتر جمعیۃ کی تعمیر اور تزئین، دارالعلوم دیوبند کی موجودہ چارگنی ترقی اور اس میں ایشیا کی فقید المثال مسجد رشید، اعظمی منزل اور سہارنپور روڈ تک پھیلی ہوئی اس کی خوشنمائی عمارتیں، نیز فساد سے متأثرین کے لیے احمد آباد، بمبئی، بھیونڈی، میرٹھ، بھاگلپور، کلکتہ میں جمعیۃ کالونیاں اور ریاستی جماعتوں کے دفاتر آپ کی عملی جدوجہد کی منہ بولتی ہوئی حقیقتیں ہیں۔

فرقہ پرستی کے خلاف جرات مندانہ اقدامات:

ہندوستان میں فرقہ پرستی کی تاریخ نئی نہیں ہے، انگریزوں کے زمانے سے چلا آ رہا یہ زہر آزادی کے بعد جسے تھم جانا چاہئے تھا، بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا، فرقہ پرست عناصر جب چاہتے ہیں اور جس کے خلاف چاہتے ہیں ڈھینگا مشتی شروع کر دیتے ہیں، قانون اور سماج ان کا کچھ بگاڑ نے کی جرات نہیں کرتا، ایسے سنگین اور خوفناک ماحول میں فرقہ پرستی کے خلاف آپ ہی کی جرات اور آپ کی قیادت کا کرشمہ ہے، کہ آج بھی ملک میں سیکولرازم اور فرقہ پرستی کے خلاف خط امتیاز حاصل ہے، اور یہ آپ کے مؤثر اقدامات اور بروقت مداخلت اور پرعزم جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج بھی ملک کی اکثریت کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا، آپ نے جس اعلیٰ ذہنیت اور حوصلے کیساتھ اس کے خلاف پارلیمنٹ، کانگریس کے اجلاسوں اور دیگر موقعوں پر جو مدلل تقاریر کیں اور پارٹی کی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر جس حق گوئی کا معیار قائم کیا آزاد ہندوستان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

چنانچہ جمہوری کنونشن، قومی اتحاد کانفرنس، فرقہ واریت مخالف کنونشن، یکساں سول کوڈ، مخالف کنونشن، مسلم اقلیتی کنونشن، ملک وملت بچاؤ تحریک، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کنونشن، کل ہند اجتماع وغیرہ آپ کے راست اقدامات سے فسادات میں کمی آئی، امن کی فضا بحال ہوئی اور مسلمانوں میں اعتماد بحال ہوا اور انھیں اپنے مستقبل پر یقین ہوا اور ان کو یہ حوصلہ اور نقشۂ کار ملا کر وہ اس پر چل کر اپنے مسائل کے حل کے لیے سر جوڑ کر بیٹھیں اور حکومت وقت سے اپنے مطالبات منظور کرائیں۔

پارلیمانی کردار یا عزیمت کی تاریخ:

آپ کا اٹھارہ سالہ پارلیمانی دور مکمل طریقے پر مسلم مسائل پیش کرنے سے عبارت ہے، آپ نے ہمیشہ حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور کبھی بھی ایک منٹ کے لیے مسلمانوں کے مسائل سے چشم پوشی کے لیے تیار نہیں ہوئے، آزاد ہندوستان کی پارلیمانی تاریخ میں آپ وہ واحد مسلم ممبر پارلیمنٹ ہیں جنھوں نے شریعت کی حفاظت کے لیے قاضی ترمیمی بل پیش فرمایا، یہ آپ کی ہی جرات ایمانی تھی کہ حکمراں جماعت کے رکن پارلیمان ہونے کے باوجود آپ نے اپنی ہی حکومت کے خلاف فسادات اور دیگر مسلم مسائل کے سلسلہ میں سخت تقاریر کیں، اور وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کو اس کا ذمہ دار قرار دیا اور ان کے استعفوں کی مانگ دہرائی اور بار بار ایسے مواقع سامنے آئے جب کہ آپ نے **کلمة حق عند سلطان جائر** والا عزیمت سے بھر پورا ہم فریضہ انجام دیا۔

چنانچہ ایمرجنسی کے سخت ایام میں ''میسا'' جیسے کالے قانون کی پرواہ کیے بغیر جبری نس بندی، ظلم وتشدد اور دہلی میں مسلم آبادیوں کی منصوبہ بند انہدامی کارروائی کی سخت مذمت کرتے ہوئے آپ نے حکومت کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کیا، جس کے نتیجے میں حکومت کو انتخابات میں شکست فاش ہوئی، آپ نے جنتا گورمنٹ میں بھی فرقہ پرستی کے خونی پنجہ کو مروڑنے کے لیے ملک وملت بچاؤ جیسا تاریخ ساز قدم اٹھایا جو حکومت کے خاتمہ کا باعث بنا، جرات ایمانی کا اس سے بڑا مظاہرہ اور کیا ہوسکتا ہے، کہ میرٹھ کے فساد کے موقعہ پر آپ نے اس وقت وزیر اعظم کو صاف لفظوں میں یہ خط لکھا کہ مسلمانوں کی نسل کشی کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔

اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ مسلم یونیورسٹی بل، آسام معاہدہ، یکساں سول کوڈ جیسے مسائل میں آپ وزرائے اعظم کے خلاف سینہ سپر ہوگئے، اور ان کے خلاف مورچے سنبھالے، احتجاج کیے، تحریکیں چلائیں، اور رائے عامہ کو بیدار کیا، جس کا حکومت کو خمیازہ بھگتنا پڑا، بالآخر

خرابیٔ بسیار کے بعد حکومت کو آپ کے مطالبات کے آگے جھکنا پڑا۔ اسی طرح آپ کی بروقت مداخلت اور شدید احتجاج نے ہی مدارس عربیہ کو کوٹھاری کمیشن کی سفارشات اور لیبرا یکٹ کے نفاذ سے بچایا جس کی وجہ سے حکومت کی مداخلت سے بچ سکے، چنانچہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک خود وزیر اعلیٰ اور متعلقہ وزیر نے اس کے خاتمہ کا اعلان نہیں کیا۔

دوسری طرف متبنّیٰ بل، تعداد ازواج بل، نکاح رجسٹریشن بل، تیاگی بل، فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی ڈاڑھی کا مسئلہ، چھٹی جماعت کے نصاب میں قابل اعتراض مواد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصویر والے معاملات میں آپ کے آہنی عزم کے سامنے حکومت اپنے فیصلے واپس لینے پر مجبور ہوئی، جس سے مسلمانوں کے مذہبی اور ثقافتی حقوق محفوظ رہے، ۱۹۶۵ء کی جنگ نے سرحدی مسلمانوں کی پوزیشن نازک بنادی تھی، آپ کی جدوجہد سے ۸۰ فیصد لوگوں کو شناختی کارڈ ملے اور آسام کے لوگوں کے لیے آئی ایم ڈی ٹی کا نفاذ عمل میں آیا جس سے ان کے شہری حقوق بحال ہوئے۔

آئینی تحفظ کے لیے تاریخ ساز اقدام:

برسراقتدار فاشی حکومتوں میں آئین ہند پر نظر ثانی کے لیے کمیشن کا قیام، مذہبی تعمیرات کے ایکٹ کا نفاذ، آر ایس ایس پر سے پابندی کا خاتمہ اور اس سے قبل وندے ماترم اور سرسوتی وندنا جیسے اقلیتوں کے مذہب دشمن اقدامات کی مخالفت میں سب سے پہلے شدید ردعمل پورے ملک سے آپ کا ہی سامنے آیا، آپ نے واجپئی حکومت پر واضح کیا کہ دستور ہند کی حیثیت دراصل ہندوستان میں آباد تمام اکائیوں کا باہمی معاہدہ کی ہے، اس لیے اس میں ایسی کسی بھی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، جس سے آئین کا بنیادی ڈھانچہ متأثر ہو، آپ نے حکومت کو خبردار کیا کہ مسلم اقلیت ایسی کسی بھی ترمیم کو ہرگز قبول نہیں کرے گی جس سے اس کی آزادی مجروح ہو، یوپی میں گپتا حکومت کے اس ظالمانہ ایکٹ کو آپ نے اقلیتوں کے حقوق پر راست حملہ اور جمہوریت کے خلاف سیاہ قانون قرار دیتے ہوئے اس کو ایس آئی کے نام پر شہریوں کے حقوق پر کھلا ڈاکہ قرار دیا، آپ نے اعلان فرمایا کہ قانون کے دائرے میں رہ کر ہم اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، آئینی، اور شہری حقوق کے تحفظ کے لیے ہر دروازہ کھٹکھٹائیں گے، آپ نے سیکولر پارٹیوں اور سیکولر افراد کو بھی آگاہ کیا کہ جس اگر انھوں نے اس کو صرف اقلیتوں کا مسئلہ سمجھا اور وہ خاموش تماشائی بنے رہے تو وہ دن دور نہیں جب آر ایس ایس کے یہ فاشی وفادار پورے ملک کو ہی یرغمال بنائیں گے، اور پھر جس کے نتیجے میں نہ یہ ملک متحد رہ سکے گا، نہ یہاں سیکولرازم رہے گا، اور نہ

جمہوریت نام کی کوئی چیز ہوگی، آپ نے گورنر سے بھی اس پر دستخط نہ کرنے کی اپیل کی، خدا کا شکر ہے کہ حضرت والا کی ہی بر وقت آواز پورے ملک اور سیکولر ایوانوں میں گونجی اور سیکولر افراد کے دلوں پر دستک دے کر ان کے لیے بیداری کا پیغام ثابت ہوئی، چنانچہ صدر جمہوریہ ہند سے لے کر ہر چھوٹی بڑی سیکولر جماعتوں کے سربراہ حضرات نے حکومت کے اقدامات پر اپنا سخت ردعمل کا اظہار کیا، آپ نے مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ اسمبلیوں اور سرکاری ملازمتوں میں ریزرویشن اور فساد سے متأثرین کے لیے عدالتی فیصلوں کے مطابق نئے قانون بنانے کے لیے ملک گیر دستخطی مہم چلائی اور پورے ملک کے اکیس لاکھ سے زائد دستخطوں کا محضر جمہوریہ ہند کو پیش فرمایا، جب کہ اس سے قبل بھی آپ نے اردو کی بقا اور اس کی دوسری سرکاری زبان کا درجہ دلانے کے لیے اس وقت کے صدر جمہوریہ کو اسی طرح کا میمورنڈم پیش کیا تھا۔

عالمی اسلامی اخوت:

آپ کی خدمت کا دائرہ صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ آپ نے اسلامی دنیا کے مسائل سے بھی دلچسپی لی، چنانچہ فلسطین، عراق، کویت، صومالیہ، افغانستان، بوسنیا، کوسوفا چے اور چیچنیا کے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور یک جہتی کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے پوری دنیا میں ہندوستانی مسلمانوں کا نام روشن کیا، آپ نے افغانستان، لیبیا، کیوبا، یوگنڈا اور عراق پر عائد پابندیوں کی سخت مذمت کرتے ہوئے اقوام متحدہ سے اسے ختم کرنے کی اپیل کی، آپ نے چیچنیا میں جاری روسی جارحیت کی سخت مذمت کرتے ہوئے اقوام متحدہ سمیت عالمی برادری سے مطالبہ کیا کہ وہ روس کی کھلی ننگی جارحیت اور فوجی ظالمانہ اقدام کے خلاف مؤثر مداخلت کریں، آپ نے تیسری دنیا خصوصاً مسلم ممالک سے بھی اپیل کی کہ مصیبت کی اس گھڑی میں وہ چیچنیا کو ہر ممکن اپنا بیش بہا تعاون دیں۔

حرف آخر:

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے خطبات کے مذکورہ بالا اقتباسات اور ان کے دینی ملی کارناموں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی صحیح وقت میں گرہ کشائی کی ہے، جب بھی مسلمانوں کی راہ میں کوئی مشکلات کھڑی کی گئیں انھوں نے مسلمانوں کو کسی موقع پر بھی بے سہارا نہیں چھوڑا، جس کی وجہ سے آج ان کی رحلت پر عالم انسانیت کی ہر آنکھ پرنم اور ہر دل غمزدہ ہے۔

○○

□ مولانا شیر محمد امینی
بانی و مہتمم مدرسہ ابی بن کعب تحفیظ القرآن الکریم
قصبہ گھاسیڑہ، ضلع میوات، ہریانہ

حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی کی
حیات و خدمات پر ایک نظر

بیسویں صدی کے نصف آخر میں جن عظیم شخصیات نے ہندوستان کی علمی و روحانی اور سیاسی وسماجی فضا میں اپنی زرّیں خدمات کے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، ان کی مختصر سے مختصر فہرست میں امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کو متنوع خدمات اور بعض امتیازی اوصاف وکمالات کی بنیاد پر نمایاں مقام حاصل ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے افکار و خیالات کی تعبیر و ترقی میں جو اہم رول ادا کیا ہے اور ملک کے چپہ چپہ میں اپنی خدمات سے ہندوستانیوں کو جس طرح گراں بار کیا ہے، اُن کی وجہ سے آپ کی عظمت کے نقوش اُن کے ذہن و دماغ پر ہمیشہ ثبت رہیں گے اور آپ کی مبارک زندگی ہندوستانی تاریخ کا اہم باب بن کر آئندہ نسلوں کو مشعلِ راہ فراہم کرتی رہے گی۔

امیر الہند، فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت اس دور میں جہدِ مسلسل اور حق کی حمایت کے لیے شبانہ روز محنت اور جد و جہد کا عنوان تھی، آپ کی اسّی سالہ زندگی کے بیشتر لمحے قوم و ملت کے لیے وقف رہے، آپ کی مخلصانہ اور دور اندیشانہ رہنمائی سے ملت اسلامیہ برابر مستفیض ہوتی رہی۔ مولانا مرحوم اپنے عظیم والد کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، جب کبھی دین وملّت کے خلاف کوئی نازیبا بات سامنے آئی، وہ سینہ سپر ہوجاتے اور آواز اٹھاتے، تاریخ میں ایسی شخصیات کم گزری ہیں جنھوں نے سیاست کے ساتھ اصلاحِ باطن کو بھی جمع کیا، اور عوامی وسماجی زندگی میں رہتے ہوئے بھی علمی اشغال اور تزکیۂ نفس کی طرف توجہ کی، حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے پوری ایمانی جرأت وجمیعۃ کے ساتھ انگریزوں سے مقابلہ کیا تھا، اور متعدد بار جیل بھی گئے۔ وہ ایک ربانی بزرگ اور دار العلوم دیوبند کے شیخ

الحدیث اور ہندستان کی جنگِ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ دوسری طرف تربیت وتزکیۂ نفس اور دعوت واصلاح کا کام بھی کرتے تھے۔ ان سب خصوصیات کو ان کے فرزند اکبر مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے اپنے اندر جمع کرلیا تھا، چنانچہ وہ تعلیم وتدریس سے بھی وابستہ رہے، انھوں نے دعوت و اصلاح کے کام کے ساتھ سیاست کے میدان کو بھی اختیار کیا، جس کی انھوں نے ملت کی فلاح و بہبود کے لیے ضرورت سمجھی۔ یہ شیشہ وآہن کا کھیل سب کے بس کی بات نہیں۔

در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند، جام و سنداں باختن

ملّی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے، جہاں آپ کی جدوجہد کے روشن نقوش موجود نہ ہوں، آپ نے جمعیۃ علماء ہند کی قیادت ایسے وقت سنبھالی جبکہ جماعت کے صفِ اوّل کے قائدین دنیا سے رخصت ہوچکے تھے، اور ملک کے طول وعرض میں ہولناک فسادات نے ملک کو دہشت زدہ کردیا تھا۔ آپ ملک میں امن وامان کے قیام اور قومی یکجہتی قائم رکھنے اور سیکولر اقدار وروایات کی حفاظت کے لیے آخری دَم تک محنت کرتے رہے۔ اسی دوران آپ نے جمعیۃ علماء ہند کو ایک ہمہ گیر، بلکہ عالمگیر تنظیم کی شکل میں تبدیل کردیا۔

جمعیۃ علماء ہند کے مختلف اجلاس عام کے خطباتِ صدارت اور دیگر کانفرنسوں کی صدارتی و افتتاحی کلمات مولانا مرحوم کی بیدار مغزی، ژرف نگاہی اور بصیرت افروزی کے عمدہ نمونے ہیں، ان کی قیادت میں جمعیۃ علماء مسلمانوں کی مؤثر ترجمان اور تعمیر ملت کی داعی تنظیم کی حیثیت سے اُبھری۔ فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی بازآبادکاری میں تاریخی ومثالی رول ادا کیا ہے، انسانی حقوق کی پاسداری اور کمزور طبقوں کی تعلیمی واقتصادی ترقی کے لیے ان کے کام سے جمعیۃ کو بڑا وقار اور احترام ملا، ان کے عہد نظامت وصدارت میں ملک وملت کا شاید کوئی مسئلہ ہو، جو جمعیۃ علماء ہند کا مرکزِ توجہ نہ بنا ہو، وقت کے تمام مسائل اس کے احاطۂ جد وجہد میں رہے ہیں، سینکڑوں دینی، سماجی، فلاحی اداروں کی سرپرستی ورکنیت کا انھیں شرف حاصل رہا ہے۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی، راجیہ سبھا کی ضوابط کمیٹی، سرکاری یقین دہانی کمیٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ، مؤتمر اسلامی تیونس، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد، مرکزی وقف کونسل، اردو کونسل، ہمدرد ٹرسٹ، مرکزی حج کمیٹی کے رکن ہونے کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے بانی ارکان میں سے تھے۔

مولانا مدنی کی شخصیت مختلف شعبہ ہائے زندگی کو محیط اور ملک و بیرونِ ملک میں رہنے والے

مسلمانوں کی دینی، ملّی رہنمائی، دعوت وتبلیغ، روحانی تربیت سب ان کا محور تھیں۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ نے اپنے اثر سے مسلمانوں کے مسائل کو جمعیۃ علماء ہند کی وساطت سے قومی اسٹیج تک لے جانے کی کوشش کی۔ جمعیۃ علماء ہند کی نمائندہ حیثیت منوانے کے لیے مسلمانوں کے مسائل کو مسلم محلوں کی گلیوں تک محدود نہیں رکھا۔اسی احساس کے تحت جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کو گلی قاسم جان سے وہ آئی ٹی او کے قریب مسجد عبد النبی میں لے گئے۔یہ شہر کا مرکزی مقام ہے۔وہ مسلمانوں کے مسائل کو مسلمانوں کی نظر سے دیکھنے اور دِکھانے کے قائل نہیں تھے۔ یہی خصوصیت ان کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند کو مسلمانوں کی دیگر تنظیموں سے ممتاز کرتی ہے۔ مولانا کا یہ کارنامہ معمولی نہیں کہ انھوں نے جمعیۃ کا دفتر ایسی جگہ پر بنا دیا، جس پر ساری دنیا کی نظر پڑتی ہے۔

مولانا کے دور قیادت میں مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں جو جلسے ہوئے، وہ سپرو ہاؤس، فکّی آڈیٹوریم اور رام لیلا گراؤنڈ میں ہوئے۔ ان جلسوں میں ہر سیاسی پارٹی کے نمائندوں کو مدعو کیا گیا۔اس طرح مسلمانوں کے بارے میں ایک قومی رائے پیدا کرنے کی کوشش کی۔حضرت مولانا کے دَور میں جن اہم کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا، ان میں ایک قومی رائے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جیسے دینی تعلیمی کنونشن، جمہوری کنونشن ۱۹۶۴ء، اوقاف کانفرنس ۱۹۷۹ء، تعلیمی وملّی کانفرنس ۱۹۸۴ء، فرقہ واریت مخالف کنونشن ۱۹۹۱ء، قومی اتحاد کانفرنس ۱۹۹۲ء، تحفظ شہریت کانفرنس ۱۹۹۳ء، تحفظ شہریت کنونشن ۱۹۹۴ء، قومی کانفرنس ۱۹۹۴ء، یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن ۱۹۹۵ء۔ان کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام کا ہر خطبۂ صدارت ملک وملت کے مسائل پر جامع تبصرہ اور مفصل تجزیہ ہوا کرتا تھا۔ یہ عنوانات ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مسائل پر ان کی گرفت کتنی مضبوط تھی، اس کے علاوہ فرقہ وارانہ فسادات اور قدرتی آفات کے متاثرین کی دادرسی وبحالی کے لیے ان کی قیادت میں جو کام ہوا، وہ پوری کتاب کا مستحق ہے۔

مدارسِ اسلامیہ کی اہمیت ومرکزیت اور افادیت کے پیشِ نظر تحریک مدارس کے سرخیل، مفکرِ ملت مولانا سیّد اسعد مدنی نے دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے مدارس کی ترقی واستحکام میں قابلِ قدر اور لائقِ رشک خدمات انجام دی ہیں۔ مدارس کے ذریعہ ملک کی خدمت کا یہ جذبہ ان کا موروثی تھا جو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے انھیں ملا تھا۔ دارالعلوم اور جمعیۃ علماء کے بنیادی اغراض ومقاصد میں علومِ عربیہ واسلامیہ کی اشاعت وترویج اور مختلف مقامات پر مدارسِ عربیہ کا قیام شامل تھا۔ اس غرض کو روبہ عمل لانے کے لیے اکابر کے نقشِ

قدم پر مولانا سیّد اسعد مدنی علیہ الرحمہ نے بھی مکاتب و مدارسِ اسلامیہ کے قیام کے سلسلے میں بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند نے دینی تعلیم کے فروغ کے لیے ایک مستقل بورڈ قائم کر رکھا تھا۔ مولانا مرحوم نے اس کو ترقی اور فعالیت کی راہ پر گامزن رکھا۔ مولانا مرحوم مدارس کے مسائل بڑی توجہ سے سنتے اور ان کو حل کرنے کے لیے ہر ممکن تعاون فرماتے۔

حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمہ کو محبوبیت و فدائیت کا مقام حاصل تھا، تاحیات منصبِ رشد و ہدایت پر فائز رہے، اگرچہ انھیں اصلاً خصوصی خلافت و اجازت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی، تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تمام خلفاء و خدام نے متفق ہو کر اجازت سے نوازا تھا۔ اس اعتبار سے آپ کا حلقہ بہت وسیع ہے، اس سلسلے میں آپ کے اتنے دعوتی و تبلیغی اسفار، ملک و بیرون ملک ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے سیّاح بھی ان سے پیچھے رہ جائیں گے، عبادت اور ذکر و فکر کا انہماک و معمول مثالی تھا، مدھیہ پردیش کے مفتی مولانا عبدالرزّاق اور دوسرے بہت سے حضرات یہ کہتے تھے کہ ہمیں مولانا اسعد مدنیؒ کی نماز نے گرویدہ بنایا ہے، سیاسی حلقوں میں بھی انھیں احترام حاصل تھا، تمام سیاسی پارٹیوں کے ذمہ دار لحاظ کرتے تھے، اور ان کی شخصیت کا وزن محسوس کرتے تھے، حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے ہم سے جدا ہو جانے سے ایک بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے، جس کا پورے ملک و ملت کو شدت سے احساس ہے۔ مولانا کی زندگی ہمارے لیے سراپا جدوجہد اور قوم و ملت کے لیے بے مثال قربانی پیش کرنے کی ترغیب اور تحریک و عمل کا پیغام ہے۔ مولانا نے دین و سیاست، اصلاح و تربیت اور ملّی جدوجہد کے پنبہ و آتش کو جس طرح نباہ کر دکھایا، وہ غیر معمولی اور ناقابلِ فراموش ہے۔

القصہ حضرت مولانا کی جدوجہد بھری داستانِ زندگی مکمل ضخیم کتاب کی متقاضی ہے۔ وہ ہماری ملّی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے، کیونکہ ان کی قربانیوں اور کارناموں سے ملتِ اسلامیہ ایک عرصے تک زندگی حاصل کرتی رہے گی:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

○○

عارف عزیز (بھوپال)

سیاست مولانا اسعد مدنیؒ کا ایک مقدس مشن تھی

جمعیۃ علماء ہند نے مکمل آزادی کا نعرہ اُس وقت بلند کیا تھا جب قافلۂ حریت پر شبِ آخر کی نیند طاری تھی اور کانگریس کے رہنماء برطانوی راج کے ماتحت سوراج کی منزل سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے، یہاں تک کہ مسلم لیگ بھی انگریز حکمرانوں کے وفادارانِ ازلی کے جمِ غفیر کے سوا اور کچھ نہیں تھی، لیکن ہندوستان کے مسلمان یہاں کی زندہ، فعال اور گونجتی ہوئی سیاسی طاقت کے مالک تھے، اور اُن کے ماتھے کی شکن وقت کے فیصلوں کی تحریر بن جایا کرتی تھی۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن "ریشمی خطوط" کی مسلح تحریک کی ناکامی کے بعد مالٹا کی قید سے ہندوستان لوٹے تو حریت پسندوں کا ایک گروہ پہلے سے جماعت بنائے اُن کے استقبال کو موجود تھا، جس میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد، علی برادران، مولانا احمد سعید، مولانا حسرت موہانی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری جیسے قائد موجود تھے، جو انگریز حکمرانوں سے لڑنے کے لیے اُٹھے تو لڑتے چلے گئے، قید و بند کی تکالیف، جلاء وطنی، جانی و مالی نقصان، گولیوں اور لاٹھیوں سے ایسی بے پرواہی بلکہ بشاشت سے پیش آئے۔ جیسے کہ تعزیر وسزا کے مصائب نہیں، فضاؤں سے اُن پر پھولوں کی بارش ہو رہی ہو۔ اِن باہمّت رہنماؤں نے اپنے حوصلے، قربانی، ایثار اور ایمان کی طاقت سے وقت کا مزاج بدل دیا، سیاست کو ایک مقدس مشن، ایک تحریک، ایک عبادت کی مثال بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا، قصّہ خوانی بازار پشاور سے لے کر انڈومان کے سیاہ پانیوں تک آزادی کی پوری شاہراہ کو انھوں نے اپنے خون سے لالہ زار کر دیا، کانگریس کو حوصلہ اُن سے ملا، مسلم لیگ کا مزاج انھوں نے بدلا، انگریزوں کی شان کو عزائم کی گہرائیوں میں دفن انھوں نے کیا، اپنے فلک شگاف نعروں اور پُرعزم غلغلوں سے انقلاب کی ایسی گرجدار لہر اِس ملک میں پیدا کی کہ غیرملکی استعماریت کا سارا نظام خزاں رسیدہ ہو کر زرد پتّوں کی طرح ہوا کے تھپیڑوں میں بہتا چلا گیا۔

پھر اِس ملک کے حریت پسند شاہینوں کے خوابوں کی تعبیر کی صورت میں عوام کو آزادی ملی تو

جمعیۃ علماء ہند کے لیے دوسری آزمائش، ذمہ داری اور خدمت کا ایک دوسرا مرحلہ سامنے آیا، یہ مرحلہ جوش سے زیادہ ہوش اور جرأت سے زیادہ فراست کا طالب تھا کیونکہ غلامی سے آزادی کا فاصلہ تو اُس نے تاریخ کو چیلنج دے کر طے کرلیا تھا، لیکن اب آزادی سے قوم وملت کی تعمیر تک کی مسافت درپیش تھی، وقت آیا تھا کہ مسلمان فرقہ پرستی کی ہمہ جہتی یورش اور خوفناک یلغار کا مقابلہ جمعیۃ علماء کے شاندار ریکارڈ کی فصیل سے کریں، گذشتہ چھ دہائیوں کے دوران جمعیۃ کے قائدوں نے رہنمائی کا یہ منصب بخوبی ادا کیا، وطن کی آزادی کے وقت حالانکہ ہندوستان کے سیاسی اُفق پر کئی مسلم جماعتیں موجود تھیں، جنھوں نے مسلم مسائل کو حل کرنے کا علم بھی تھامے رکھا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی جماعت ہندوستانی مسلمانوں کی وہ خدمت انجام نہیں دے سکی جو اپنے سابقہ ریکارڈ کے بدولت جمعیۃ علماء کے حصّے میں آئی۔ بعض مسلم سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدوں نے ملک کی دیگر سیکولر پارٹیوں کے تعاون سے مسلم مسائل کی طرف توجہ ضرور مبذول کرائی، مثال کے طور پر انڈین مسلم لیگ نے کیرالہ میں کانگریس کے ساتھ سمجھوتہ کرکے علاقائی مسائل سلجھا لیے تاہم اِس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مذکورہ مسلم جماعتوں کی وجہ سے شدت پسند ہندو سنگھٹنوں بالخصوص بھارتیہ جنتا پارٹی اور شیوسینا کو عروج حاصل ہوا، کیونکہ انڈین مسلم لیگ، مسلم مجلس اور مجلس اتحادالمسلمین جیسی جماعتوں کا حوالہ دے کر سنگھ پریوار نے ہندوؤں کو متحد کرنے میں کامیابی حاصل کی، جس کا نتیجہ مرکز میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے اقتدار کی شکل میں سامنے آیا، کئی ریاستوں میں اُس کی حکومت آج بھی قائم ہے۔

اس کے برعکس جمعیۃ علماء نے مسلم اقلیت کے بنیادی مسائل کو اپنی کارکردگی کا میدان بنایا، آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہی جس صبر آزما اور نازک مرحلہ سے مسلم دوچار ہوئے، اُس کے مضمرات کا موجودہ نسل تصور بھی نہیں کرسکتی۔ اُس وقت جمعیۃ علماء ہند کے معماروں نے تنظیم کے لیے جو بنیادی لائحۂ عمل مرتب کیا تھا وہ کام آیا اور زمانہ کے نشیب وفراز نیز سرد وگرم سیاست کے خارزار سے دامن بچا کر جمعیۃ کی قیادت وقت کے سیلاب کا رُخ موڑنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئی، اُس کی اوّلیں کوشش ہندوستان میں مسلمانوں کے قدم جمانے پر مرکوز رہی، فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف بھی کوئی کھل کر سینہ سپر ہوا تو وہ جمعیۃ کی قیادت تھی، جس کی مساعی کا یہ ثمر برآمد ہوا کہ مہاتما گاندھی نے مسلمانوں کے قتلِ عام کے خلاف اپنا تاریخی برت شروع کیا اور اِس کے ذریعہ فسادات کے شعلوں کو سرد کرنے میں مدد ملی، جمعیۃ کے مشورہ پر ہی مولانا ابوالکلام آزاد نے دہلی کی جامعہ مسجد کے منبر سے مسلمانوں کو مخاطب کرکے اُن کا حوصلہ بڑھایا اور فرقہ پرستی سے

مقابلہ کے لیےلکھنؤ کانفرنس کے وسیلہ سے پیغام دیا کہ مسلم جماعتیں اپنی توانائیاں دینی تعلیم اور معاشرتی اصلاح کے کام پرصرف کریں، جومعمولی نہیں لوہے کے چنے چبانے کے مترادف کام تھا کیونکہ ایک جذباتی تقریر سے داد وتحسین حاصل کر لینا جتنا آسان ہے، معاشرہ کی ناہمواریوں پر اصلاح کے لیے انگلی اٹھانا، اتنا ہی صبر آزما ہے۔اس وقت جس صعوبت نے مسلم اقلیت کے لیے ہندوستان میں عرصۂ حیات تنگ کررکھا تھا، وہ کسٹوڈین کی مسلمانوں کےخلاف جانبدارانہ کارروائی تھی، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اس ناانصافی کےخلاف پارلیمنٹ میں پرزورآواز اٹھائی اورمسلمان ایک اورتباہی سے محفوظ ہوگئے، روزافزوں شدید تر ہورہی فرقہ وارانہ صورتِ حال کےخلاف مسلم کنونشن کا انعقاد مجاہدِ ملت اوران کے وسیلہ سے جمعیۃ علماء کا وہ اہم کارنامہ ہے جسے تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔

مجاہدِ ملت کے انتقال کے بعد جمعیۃ کی زمامِ کار شیخ الاسلام کے خلفِ اکبر اور جانشین مولانا سید اسعد مدنی کے ہاتھوں میں آئی۔آپ نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ ’’اب وہ وقت بیت گیا کہ مسلمان محسوس کریں کہ ہندوستان میں دوسرے درجہ کے شہری ہیں‘‘ مولانا محترم نے۱۹۷۴ء میں جمہوری کنونشن طلب کرکے اربابِ اقتدار پر بھی یہ حقیقت واضح کر دی کہ جمعیۃ علماء ہند اوراس کی قیادت حکمرانوں کے چشمِ ابرو کو دیکھ کرنہیں، ملت کے بقاوتحفظ کی ضرورت کے پیش نظر فیصلے کرتی ہے، مولانا محترم نے جوکہا اس کے مطابق عمل بھی کیا، احمد آباد، بھیونڈی اور دوسرے فرقہ وارانہ فسادات پر جمعیۃ علماء کا ردّ عمل نہایت سخت سامنے آیا۔بعد میں مولانا مدنی کو پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی وترجمانی کا موقع ملاتو ممدوح نے اپنی فلک شگاف تقاریر سے اس کا حق ادا کردیا اورملک کے قانون سازاداروں میں مجاہد ملت کے انتقال سے جوخلاء پیدا ہوا تھا، ان کی ذات وشخصیت نے اسے پرکردیا، راجیہ سبھا کا ایوان اٹھارہ سال تک اس جرأت مندرہنما کے بیانات سے گونجتا رہا، کانگریس سے مولانا کا تعلق ضرور تھا لیکن اپنے پیش رو اکابر کی سنت پرعمل کرتے ہوئے انھوں نے کبھی حق وصداقت سے روگردانی نہیں کی، امن وامان کے لیے آوازتو لگائی، لیکن اسلامی حمیت کا سودا نہیں کیا، ایک ماہر سیاست داں کی طرح انھوں نے اپنی جماعت کے کام کو جلسے جلوسوں تک محدود نہیں رکھا، ضرورت پیش آنے پر احتجاجی تحریکات بھی چلائیں اوران کی بدولت ہر سیکولر سیاسی پارٹی کو مسلمانوں کے مسائل پرغورکرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، یہاں اس دستخطی مہم کا ذکرضروری ہے، جو جمعیۃ نے مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ، اسمبلیوں، سرکاری محکموں اور تعلیمی اداروں میں ریزرویشن دینے کے لیے

چلائی اور اکیس لاکھ شہریوں کے دستخط سے صدر جمہوریہ کو عرضداشت پیش کی، اس پر عمل تو نہیں ہوا لیکن ''سچر کمیٹی'' کا قیام اور مسلمانوں کی بدحالی کے بارے میں اس کی رپورٹ کا مذکورہ مہم سے تعلّق ضرور رہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام اور مجرموں کو سزا دینے کے مجوزہ مرکزی قانون پر بھی جمعیۃ علماء اور اس کے قائد کے اثرات محسوس کیے جاسکتے ہیں، اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا، مولانا مدنی نے موقع ملنے پر جمعیۃ کو مسلمانوں کے ایک پریشر گروپ کی حیثیت سے استعمال کرنے میں کبھی جھجک سے کام نہیں لیا، فرقہ وارانہ فسادات کا انسداد ہو یا مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا سوال، وقفیہ املاک کو رینٹ کنٹرول ایکٹ سے مستثنیٰ کرنے کا مطالبہ ہو یا اُردو زبان کو اُس کا واقعی حق دینے کی مانگ، ایسے جملہ مسائل کو حل کرنے کے لیے وہ حکومتِ وقت پر مسلسل دباؤ ڈالتے رہے، جمعیۃ علماء ہند کے ۲۷ویں اجلاس کے موقع پر علاحدہ مسلم سیاسی جماعت قائم کرنے کا تاثر بھی سیاسی پریشر کا ایک طریقہ تھا جس نے قومی سیاست میں سنسنی پھیلادی، حالانکہ ایسی کوئی تجویز جمعیۃ کی قیادت کے زیرِ غور کبھی نہیں رہی، مولانا مدنی اکثر فرماتے تھے کہ مسلم لیگ کی سیاست کا نتیجہ تقسیمِ ملک کی صورت میں مسلمانانِ ہند بھگت چکے ہیں اور اِس کا اعادہ نفع کے بجائے نقصان کا سودا ہوگا۔

بحیثیت مجموعی فدائے ملت مولانا اسعد مدنی جمعیۃ علماء ہند کے ناظم رہے ہوں یا موصوف نے صدارت کے عہدۂ جلیلہ کو رونق بخشی ہو، اپنے بے مثال تدبر اور حسنِ کارکردگی سے جمعیۃ کی جو تاریخ مرتب کی وہ نہایت شاندار ہے بلکہ یہ دعویٰ کرنا زیادہ صحیح ہوگا کہ سیاست کو مولانا محترم نے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایک مقدس مشن کا درجہ دے دیا تھا۔ اُن کی ہی ذات تھی جس نے جمعیۃ کو پرانی دلّی کی گلی قاسم جان کے دفتر سے نکال کر نئی دہلی کی ایک پُرشکوہ عمارت میں منتقل کیا، ممدوح کی یہی اُلوالعزمی، دانش مندی اور استقامت دوسرے شعبوں میں بھی عوام و خواص کو متاثر کرتے رہے، وہ ایسے حوصلہ کے مالک تھے کہ دینی میدان ہو یا سیاسی بساط، تنِ تنہا اپنی فکر اور اپنے اہداف کے لیے راہیں استوار کرنے میں کبھی پس وپیش کا شکار نہ ہوئے، اُن کی وسعتِ نظر، ہمہ گیری اور جہاں بینی و جہاں گشت شخصیت کا نتیجہ ہے کہ دورِ حاضر میں جمعیۃ علماء پر جمود طاری نہیں ہوا حالانکہ دوسری ملّی تنظیمیں قصّہ پارینہ بنتی گئیں، اِس کے برعکس جمعیۃ اپنے اسلاف اور بزرگوں کے طریقہ پر چل کر ایک طرف اصلاح معاشرہ جیسے پروگراموں کے وسیلہ سے مسلمانوں کو آج امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تلقین کر رہی ہے تو دوسری جانب نئی نسل کے لیے تعلیم بالخصوص عصری علوم میں مہارت بہم پہنچانے میں مصروف ہے، اسی کے مثل دیگر شعبوں میں

ملت کی خدمت کے کام کررہی ہے تو وہ مولانا محترم کی پینتالیس سالہ بے لوث قیادت کا فیض ہے، جمعیۃ کے فاضل صدر نے ملک وملّت بچاؤ تحریک ہی نہیں چلائی، خود جیل میں رہ کر سنّت یوسفی بھی ادا کی، اِس کے علاوہ فرقہ وارانہ فسادات اور قدرتی آفات کے شکار لوگوں کی دادرسی و بازآباد کاری کا جو ہمہ گیر کام ہوا وہ ایک مستقل باب ہے۔ فیض آباد کی عدالت میں جمعیۃ علماء کی طرف سے بابری مسجد کی بازیابی کے لیے مقدمہ دائر کیا، لیکن اِس حساس مسئلہ کو سڑکوں پر لانے کے وہ کبھی قائل نہیں رہے، انھوں نے اُتر پردیش میں عبادت گاہوں کی تعمیر ومرمت پر پابندی کے بل کو سنگھ پریوار کے ایجنڈے سے تعبیر کرکے اِس کے خلاف رائے عامہ ہموار کی اور مدھیہ پردیش، راجستھان میں اسی کے مثل قانون کو ترمیم کرانے میں نتیجہ خیز حصّہ لیا۔ ۲۰ ویں صدی کے شدید صنعتی حادثے ''بھوپال گیس سانحہ'' کا صُدور ہو یا اِس کے بعد بابری مسجد کی شہادت پر شہر میں بدترین فسادات کا پھوٹ پڑنا، دونوں مواقع پر اوّل مرحلہ میں بھوپال پہنچنے والوں میں صدر محترم کی ذات والاصفات شامل تھی۔ بلا شبہ اُن کی شخصیت میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کی سرفروشی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی بے باکی، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ کی دوراندیشی اور مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن کی مجاہدانہ خوبیک وقت جمع ہوگئے تھے، ممدوح نے نصف صدی تک سیاست کو عبادت کی طرح قوم وملّت کی خدمت کے لیے اپنا کر تاریخ میں جو مقام حاصل کرلیا ہے وہ دوسرے قائدوں کے لیے یقیناً مشعلِ راہ بنے گا۔''

○○

❏ حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ (بھوپال)

روشن دماغ اور ملت کا درد رکھنے والے
حضرت مولانا اسعد مدنیؒ

دینی حلقوں میں عام طور سے یہ تصور پایا جاتا ہے کہ علماء کا کام درس وتدریس، وعظ نصیحت یا گوشہ نشینی کی زندگی گزارنا ہے لیکن ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تک علماء کی ایک روشن زنجیر نظر آتی ہے جس نے علمی و دینی اُفق پر ہی نہیں سیاسی، سماجی، اصلاحی اور دعوتی محاذ پر بھی گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ موجودہ زمانے میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ اِس کی ایک روشن مثال تھے۔ حضرت سے میرا عقیدت مندانہ رشتہ ۳۵ سال تک قائم رہا۔ آپ ایک ہمہ صفت شخصیت کے مالک تھے، جتنے بڑے عالم دین، اتنے ہی زیادہ ملی خدمت میں مصروف کار، ہندوستانی مسلمانوں کی صلاح وفلاح کی فکر کا تو آپ پر ہمیشہ غلبہ رہا۔ اس کے ساتھ ہی عصرِ حاضر کے تقاضوں کو بھی آپ نے کبھی نظر انداز نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی میں ان کے نقوش ہر جگہ نظر آتے ہیں۔

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ دینی ماحول میں عصری تعلیم کے لیے ہمیشہ فکرمند اور کوشاں رہے، ہندوستانی کے علاوہ بیرونِ ملک میں بھی آپ کی کوشش وفکر سے بے شمار تعلیمی ادارے وجود میں آئے، حضرت کے دورے یوروپ و برطانیہ امریکہ میں مسلسل ہوتے تھے، خاص طور پر برطانیہ میں تمام شہریوں کے لیے تعلیم لازمی ہے، والدین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ سولہ سال کی عمر تک اپنے بچوں کو اسکول میں داخل کرا کر تعلیم دلائیں، برطانیہ کے اسکولوں کا عام ماحول مغربی تہذیب میں رنگا ہوا ہے، ایسی فضا میں مسلم بچے دین و ایمان پر کیسے قائم رہیں، حضرت کو اس کی فکر دامن گیر رہتی تھی، اسی لیے آپ نے ایک مشن کے طور پر مغربی ملکوں میں مسلمانوں کی عصری تعلیم کے ادارے قائم کرنے کی تحریک چلائی، آپ اکثر وہاں تقاریر میں فرماتے:

”مسلمانو! اگر تم نے اپنے بچوں کی تعلیم کا خود انتظام نہیں کیا تو تمھارا اس ملک میں رہنا بسنا حرام ہے۔“

چنانچہ حضرتؒ کی کوشش سے مغربی ملکوں میں عصری تعلیم کے سینکڑوں ایسے ادارے قائم ہوئے، جن کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور اس طرح نئی نسل کے عقائد کی حفاظت کا کام یہ اسکول انجام دے رہے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس سے ملتی جلتی صورتحال مسلم قوم کو درپیش ہے کیونکہ یہاں کے تعلیمی ادارے بھی ہندوتو کی فکرونظر کی اشاعت کا مرکز بنتے جارہے ہیں۔اسی لیے حضرت نے ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی ضرورت محسوس کرکے اس کے لیے اپنی مہم شروع کردی، جس کے نتیجے میں آج سینکڑوں مسلم تعلیمی ادارے وجود میں آگئے ہیں۔

بھوپال میں مولانا برکت اللہ بھوپال ایجوکیشن سوسائٹی کا قیام اِسی مشن کا ایک حصّہ ہے، ۱۹۸۴ء میں شدید گیس سانحہ کے بعد متاثرین کے احوال سے واقف ہونے کے لیے حضرت بھوپال تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ شہر کی ذیلی بستی گاندھی نگر میں ایک مسلم اسکول کی ضرورت ہے، جواب میں آپ نے دریافت فرمایا کہ پھر کیا دیر ہے؟ میں نے عرض کیا جگہ موجود ہے لیکن اس پر چھت نہیں پڑی، آپ نے فرمایا چھپّر ڈال کر اسکول شروع کردو، چنانچہ آپ کی واپسی کے دوسرے دن میں نے اسکول میں پھٹّیاں بچھا کر تعلیم شروع کرادی، الحمدللہ آج یہی اسکول وسیع وعریض پختہ عمارت میں ہائر سیکنڈری تک تعلیم کا نظام چلارہاہے اور اِس میں پانچ سو کے قریب بچےّ زیرِ تعلیم ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت بھوپال تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یونانی طبّی کالج قائم کرنے کا ارادہ ہے، برجستہ فرمایا کہ اگر کچھ کرنا چاہتے ہوتو میڈیکل کالج کھولو، ہندوستان کی جس ریاست کا آپ دورہ فرماتے تو وہاں تعلیم و تعلم کی ضرورت پر زور دیتے، اسی لیے جمعیۃ علماء کے کارکنان کی کوشش وتوجہ سے آج جگہ جگہ مسلم اسکول، کالج اور دوسرے تعلیمی ادارے سرگرمِ عمل نظر آتے ہیں۔

حضرت مولانا مدنیؒ نے اپنی پوری زندگی اکابرِ دیوبند کے عام رجحان اور طریقہ پر بسر کی، انھوں نے خود کو فروعی اور مسلکی اختلافات سے ہمیشہ دور رکھا، اسی طرح جماعتی عصبیت کے بھی وہ خلاف تھے، ایک مرتبہ گفتگو میں جماعت اسلامی کا ذکر آیا تو میڈیا کے عام پروپیگنڈہ سے متاثر کسی نے کہہ دیا کہ جماعتِ اسلامی آر ایس ایس کی طرح مسلمانوں کی جماعت ہے، حضرت نے سخت الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اخبارات کا پروپیگنڈہ ہے، جماعت اسلامی ہرگز آر ایس ایس کی طرح نہیں، ہمارے اور اس کے درمیان کام کرنے کے طریقہ اور فکر ونظر کے بعض

اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن ملّت کی بہی خواہی میں دونوں یکساں ہیں، اسی طرح جمعیۃ علماء چھوڑ کر جانے والی بعض شخصیتوں کو کسی نے نازیبا طریقہ سے یاد کیا تو حضرت ناراض ہوگئے اور دیر تک ان کی خوبیوں کا اظہار کرتے رہے۔

سحر خیزی حضرت کا زندگی بھر معمول رہا، میں نے سفر و حضر میں انھیں رات تین بجے بیدار ہوتے اور نماز تہجد ادا فرماتے دیکھا، فجر کے بعد چہل قدمی بھی ہر موسم میں کرتے تھے، انتہائی مصروفیت کے باوجود نماز نہایت سکون اور بشاشت کے ساتھ ادا کرتے، سفر میں حضرت کی ایک دوسری شخصیت سے ہمارا واسطہ پڑتا تھا، نہایت شگفتہ، شفیق اور خدمت گار نظر آتے، چھوٹے اور بڑے سے بے تکلفی سے پیش آتے لیکن دلّی پہنچتے ہی، حضرت کی شخصیت اور مزاج میں تبدیلی آجاتی، تدبّر سنجیدگی، متانت ان کے چہرے مہرے سے ٹپکنے لگتی تھی۔

بڑے انسانوں کی ایک خوبی ان کی زندگی میں علم وعمل اور فکر و کردار کا امتزاج ہوتی ہے، اس لحاظ سے میرا تجربہ ہے کہ حضرت مولانا اسعد مدنی علیہ الرحمہ کی زندگی بڑی منضبط تھی، وہ دوسروں سے نظم و ضبط برتنے کے خواہاں تھے تو خود بھی اس کی پابندی فرماتے رہتے، اسی طرح گہری انتظامی صلاحیت کے مالک تھے، بڑے سے بڑا مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے تو منٹوں میں اس کا حل نکال لیتے تھے، جن لوگوں نے مسجد عبدالنبی نئی دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا دفتر دیکھا ہے، وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ اس کا انتظام نہایت سلیقہ سے چلایا جاتا ہے، کسی اجنبی کو اس کے ماحول سے وحشت نہیں ہوتی، یہ حضرت کے حسنِ انتظام کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت میں انسان شناسی کا بھی بڑا جوہر تھا، وہ نو واردوں کی صلاحیت کا ابتدائی ملاقات میں اندازہ لگا لیتے تھے کہ کون کس خوبی یا کمزوری کا مالک ہے؟ جمعیۃ علماء کی قیادت انجام دیتے ہوئے حضرت نے ملک وملت کے لیے جو کارنامے انجام دیے اُن میں بڑا تعاون مردم شناسی سے ملا، جس کو بروئے کار لا کر حضرت نے ایک سے بڑھ کر ایک کام کیے اور دوسروں سے کام لیے۔ حضرت مولانا ایک باعمل بلکہ میدانِ عمل کے شہ سوار تھے، سفر ہو یا حضر، بیماری ہو یا صحت مندی ہر حال میں ملت کی فکر اُن کے دل و دماغ پر غالب رہتی تھی۔ اکثر بستر علالت سے بھی اِس بارے میں ہدایات فرماتے تھے، لیبیا میں ایکسیڈنٹ کے بعد وہاں زیرِ علاج رہے، ہندوستان آکر اپولو اسپتال میں علاج جاری رہا، میں نے دیکھا خون چڑھایا جارہا ہے، ڈاکٹر دوڑ دھوپ میں مصروف ہیں لیکن حضرت ملّت کے مسائل کے تئیں فکر مند ہیں اور ہدایات فرمارہے ہیں، اسی لیے مرحوم نے ملّت کے لیے جو کام کیے اس کا کچھ حصّہ بھی دوسرے انجام نہ دے سکے، قومی حلقوں کی سیاست میں ان کا ایک وزن تھا، کبھی

کسی سے مرعوب نہیں ہوتے، غیر معمولی قوتِ ارادی کے حامل تھے۔ حضرت مولانا مدنیؒ تین مرتبہ یعنی ۱۸ سال تک راجیہ سبھا کے ممبر رہے، اِس عہدہ کو انھوں نے کبھی ذاتی جاہ ومنفعت کا وسیلہ نہیں بنایا بلکہ مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرنے کے لیے استعمال کرتے رہے۔

حضرت کا بھوپال سے بھی گہرا تعلّق تھا، یہاں جب کوئی مصیبت آئی، وہ خود دوڑے دوڑے چلے آئے، حالات کا جائزہ لیا اور ممکن تعاون سے کبھی پہلوتہی نہیں کی۔

گیس اخراج کے المیہ کے بعد جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش نے اپنے وسائل سے امدادی کام شروع کردیا تھا۔ تیرہ میڈیکل کیمپ لگائے گئے، کھانے کی تقسیم، متاثرین کی خبر گیری اور ایسے ہی سبھی امدادی کام جامعہ اسلامیہ عربیہ مسجد ترجمہ والی بھوپال کو مرکز بناکر جمعیۃ علماء کررہی تھی، اسی دوران بھوپال کے اہل الرائے حضرات کے مشورے سے یہاں مسلم نمائندہ کمیٹی کا قیام ہوا تو حضرت نے بلاتکلّف اجازت دے دی کہ شہر اور ملت کے وسیع تر مفادات میں اِس کمیٹی کے ساتھ ضم ہوکر ہم لوگ کام کریں۔ اس کی پیش رفت کا دلّی سے حال معلوم کرتے رہے۔ ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت کے بعد بھوپال میں پھوٹنے والا فرقہ وارانہ فساد، اِس شہر اور یہاں کے مسلمانوں کے لیے بڑا صبر آزما مرحلہ تھا، حضرت نے فساد کی سنگینی کا احساس کرکے بارہ رکنی پارلیمانی وفد کے ساتھ بھوپال کا دورہ فرمایا، ریلیف کے کام کو دیکھا، گورنر سے ملاقات کرکے انھیں صدر جمہوریہ کو رپورٹ پیش کرنے کا مشورہ دیا اور خود دلّی لوٹ کر صدر جمہوریہ سے ملاقات کرکے بھارتیہ جنتا پارٹی کی پٹوا حکومت کو برخاست کرنے کی اپیل کی، بھوپال اور اُجین کے فرقہ وارانہ فسادات کی تحقیقات کے لیے ''دنگا جانچ کمیشن'' قائم ہوا تو اس کے بارے میں فکر مند رہے کہ اُس کی تحقیقات صحیح نہج پر ہو، جو بھی قانونی مدد ممکن ہوسکتی تھی، وہ فراہم کرائی، اس سے پہلے اندور اور سیہور میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تو اوّل مرحلہ میں یہاں پہنچ کر سب سے پہلے صورتحال کا جائزہ لینے والے حضرت ہی تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قحط الرجال کے موجودہ زمانے میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی ذات قوم وملّت کے لیے ایک سرمایہ تھی۔ جس کے جدا ہونے سے سیادت، قیادت اور تصوف کے ایوان میں جو جگہ خالی ہوئی ہے، اس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

○○

□ ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی
سابق گورنر، ہریانہ، بہار

مولانا سید اسعد مدنیؒ ایک جری انسان

علماء ومشائخ تحریک استخلاص وطن میں سرگرم عمل رہے ہیں، اور وطن عزیز کی آزادی کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں پیش کی ہیں، ۱۸۵۷ء کے مجاہدین آزادی میں مولانا جعفر تھانیسری، مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی عنایت اللہ کاکوری، مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا قاسم نانوتی، حافظ ضامن شہید کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں، اسی طرح ۱۹۴۷ء کے مجاہدین آزادی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، مولانا لقاء اللہ عثمانی پانی پتی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا نورالدین بہاری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

بلا شبہ ایک طرف جہاں تحریک آزادی میں ان علماء ومشائخ کا اہم حصہ رہا ہے، وہاں دوسری طرف آزادیٔ وطن کے بعد ملک کی تعمیر وترقی میں ان کا خصوصی رول رہا ہے، آزادی وطن کے بعد ملک کی تعمیر وترقی میں جن علماء ومشائخ کا نام وکام سامنے آتا ہے ان میں ایک بڑا نام! مولانا اسعد مدنی کا بھی ہے۔

مولانا اسعد مدنی صاحب مشہور مجاہد آزادی اور ممتاز عالم دین مولانا حسین احمد مدنی کے بڑے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند کے فرزند تھے، مولانا دارالعلوم دیوبند سے فراغت تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوگئے، اور ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد بعض وجوہ کی بنا پر دارالعلوم دیوبند سے علیحدہ ہوگئے، اور مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا احمد سعید کی جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہوگئے، اور اپنی فعالیت و مستعدی کی بنا پر کچھ ہی دنوں کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے صدر منتخب ہوگئے، اور اپنی آخری حیات تک اس کے صدر رہے، مولانا مدنی کے دور صدارت میں بڑے بڑے انقلاب رونما ہوئے، لیکن انھوں نے بڑی پامردی و جوانمردی سے ان کا مقابلہ کیا اور بادِ مخالف کا رخ موڑنے میں کامیاب

ہوئے، چونکہ مولانا مضبوط قوت ارادی کے آدمی تھے، علاوہ ازیں ان کے والد محترم کے شاگردوں اور ان کے متوسلین و متعلقین و مسترشدین و مریدین وخلفاء کا حلقہ ان سے متعلق رہا جو ان کے اردگرد ایک مضبوط حصار بنا رہا، مولانا نے جمعیۃ علماء ہند کے ذریعہ اپنی ایک سیاسی اور ملی شناخت بنائی، اور مسلمانوں کے ایک خاص حلقہ میں نام پیدا کیا، اور اسی نسبت سے حکومت سے استواری رہی، ذاتی طور پر مولانا جری تھے، فرقہ وارانہ فسادات میں انھوں نے ریلیف کا اہم کام انجام دیا ہے، اور دوسرے سماجی کاموں میں جڑے رہے، حتی المقدور انسانیت کی بنیاد پر ضرورت مندوں کے کام آتے تھے، اور صاف گو اور بے باک بھی تھے، اور وقت کے پابند اور دھن کے پکے تھے، موقع شناس و مصلحت پسند بھی تھے، وقت و حالات کے لحاظ سے ایک دوبار سیاسی پلیٹ فارموں کی تبدیلی بھی ہوئی، مگر مجموعی طور پر کانگریس کے وفادار رہے، اور سیکولر نظام کو قائم رکھنے کی پوری جدوجہد کی۔

مولانا مدنی کانگریس کے ٹکٹ پر ایک سے زائد مرتبہ پارلیمنٹ کے ممبر رہے ہیں، انھوں نے بڑی جرات مندی و بے باکی کے ساتھ اقلیتوں کے حقوق کی لڑائی لڑی اور ان پر ہونے والے مظالم وشدائد کے خلاف آواز بلند کی، اور ملک کے استحکام کے لیے جدوجہد کی، مولانا جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ ساتھ مسلم پرسنل لاء بورڈ، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت سے بھی وابستہ رہے، اور دینی مدارس سے بھی اس کا گہرا ربط رہا، سیاست کے علاوہ اپنے والد کے نقش وقدم پر بیعت و ارادت و سلوک وطریقت اور مواعظ دینیہ سے لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے، مجموعی طور پر مولانا ایک فعال، جوال، سیاح، اور متحرک شخصیت کے حامل تھے، ایسے آدمی بھی بہت کم ہوتے ہیں، مولانا مدنی کی شخصیت پر لکھنا کوئی آسام کام نہیں ہے، بطور خراج عقیدت چند سطور لکھ رہا ہوں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مولانا کے چھوڑے ہوئے کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے اور اور جمعیۃ علمائے ہند کو مولانا کے متعین کیے ہوئے رہنما واصولوں اور خطوط پر چلایا جائے، ان کے لیے یہی بہترین خراج عقیدت ہے۔

○○

□ چودھری اجیت سنگھ
صدر راشٹریہ لوک دَل

مولانا اسعد مدنی

جناب مولانا محمود مدنی صاحب، جمعیۃ علماء ہند کے عہدیداران اور معزز مہمانان!

مولانا اسعد مدنی کی حیات اور ملک اور سماج کے تئیں ان کی عظیم خدمت پر منعقدہ بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کرنے والے حضرات کو میں مبارکباد دیتا ہوں۔

مولانا اسعد مدنی نے ہمیشہ ملک میں ایکتا اور بھائی چارہ قائم رکھنے کے لیے کام کیا۔ مولانا اسعد مدنی ایک سچے محبِّ وطن، ہندوستانی مسلمانوں کے نڈر ترجمان، جمعیۃ علماء ہند کے عظیم رہنما اور دارالعلوم کے سرپرست تھے۔ ان کی پوری شخصیت میں بے باکی، خیالات اور کاموں پر اٹل، عمیق مذہبی علم، سیاسی سوجھ بوجھ، سماجی دور اندیشی ظاہر ہوتی ہے۔ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو سمجھا اور ان کی آواز پارلیمنٹ میں بلند کی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مولانا اسعد مدنی اٹھارہ برسوں تک راجیہ سبھا کے ممبر رہے۔ اپنے راجیہ سبھا کی مدت کے دوران انھوں نے اقلیتوں خصوصاً مسلم طبقہ کے آئینی حقوق کی زوردار پیروی کی۔

مولانا اسعد مدنی صاحب ۱۹۶۰ء میں جمعیۃ علماء اُتر پردیش کے صدر منتخب ہوئے۔ ان کے دورِ صدارت میں جمعیۃ علماء کو جو کامیابی ملی وہ جمعیۃ کی تاریخ کا سنہرا دَور ہے۔ یہ وہی وقت ہے جبکہ دونوں تعلیمی بورڈوں کا قیام عمل میں آیا اور مسلمانوں کی پہچان کے لیے بڑے بڑے قابلِ تحسین کام کیے گئے۔ ۱۹/دسمبر ۱۹۶۱ء کو فیض آباد سول جج کی عدالت میں بابری مسجد قضیہ پر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مقدمہ کیا گیا۔ ۹/اگست ۱۹۶۳ء کو جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سیکریٹری چنے گئے۔ اس عہدہ پر دس برس تک خدمت انجام دینے کے بعد ۱۱/اگست ۱۹۷۳ء کو اتفاقِ رائے سے انھیں جمعیۃ کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ بڑھتی عمر اور گرتی صحت کے باوجود وہ اپنے کی انجام دہی پوری ذمہ داری اور

لگن کے ساتھ کرتے رہے تھے۔

مولانا کی کوششوں سے اور ان کی رہنمائی میں جمعیۃ علماء ہند مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم کے روپ میں سامنے آئی۔ فرقہ وارانہ فسادات میں متاثرین کی بازآبادکاری اور دوسرے کاموں نیز دیگر سماجی تنظیموں کو سامنے رکھتے ہوئے راحتی کام، انسانی حقوق، دبے کچلے طبقوں کے لیے امداد و تعلیمی ترقی کے تئیں لگاتار کوشش نے ان کی شہرت میں مزید اضافہ کیا۔ گجرات کے فسادات کے بعد متاثرین کے لیے ان کی کوششوں سے بڑے پیمانے پر کام کیے گئے جس کی ستائش اقوامِ متحدہ کی کئی ایجنسیوں نے بھی کی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند تعلیم، دینی تعلیم، انسانی حقوق کا تحفظ، مظلوم ومقہور لوگوں کے حقوق اور انھیں پڑھانے، روزگار دلانے کے کاموں میں لگی ہے۔ فسادات اور حادثات میں راحت مہیا کرانے کا کام بھی ہمیشہ آگے بڑھ کر کیا تھا۔

متحدہ قومیت کا نظریہ

مولانا اسعد مدنی کو متحدہ قومیت کا نظریہ اپنے والد مولانا حسین احمد مدنی مرحوم سے وراثت میں ملا تھا۔ جس وقت مسلم لیگ تقسیم وطن کی تحریک چلا رہی تھی اُس وقت جمعیۃ علماء ہند نے اپنے عظیم شخصیات کے نظریہ کے برعکس دوقومی نظریہ کی سخت مخالفت کرتے ہوئے ثابت کیا کہ ہندو مسلمان کی قومیت ایک ہی ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی مرحوم نے متحدہ قومیت کی بنیاد ۳۸-۱۹۳۷ء میں رکھی اور ۱۹۴۰ء میں اس موضوع پر ان کی مشہور کتاب ''متحدہ قومیت اور اسلام'' شائع ہوئی جس میں مولانا حسین احمد مدنی مرحوم نے متحدہ قومیت کے نظریہ کے حق میں اسلامی نظریہ کی بنیاد مہیا کی تھی۔ آزادی کے بعد فرقہ وارانہ فسادات کی طویل فہرست کے باوجود ان کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ڈگمگائے۔ ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت کے بعد فرقہ وارانہ منافرت اور ۲۰۰۲ء کے گجرات اقلیتی قتل عام سے بھی اور آزادی کے تعلق سے ان کے نظریہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سینٹر وقف بورڈ کا ممبر رہنے پر وقف مینجمنٹ میں سدھار کی شروعات کرائی۔ سینٹرل حج کمیٹی کے ممبر کے روپ میں عازمین حج کو متعدد سہولیات مہیا کرائیں۔ مولانا اسعد مدنی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بانی رکن تھے۔ دارالعلوم میں بارہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے دُنیا میں عظیم تعلیمی ادارہ اور روحانیت کا مرکز کا درجہ دلایا۔

جب بھی ملک میں کہیں فساد ہوئے ہمیشہ جمعیۃ علماء ہند نے آگے آ کر راحت کا کام کیا اور

ہر طرح کی امداد پہنچائی۔۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کی شہادت کے ناپاک سانحہ کے بعد ملک میں جگہ جگہ فساد ہوئے۔جمعیۃ علماء ہند نے سبھی جگہ سیکولر اور قومی یکجہتی کو بچائے رکھا اور دیش کو ٹوٹنے سے بچایا۔

مولانا اسعد مدنی نے ہر سطح پر دہشت گردی کے خلاف مسلسل تحریک چلائی۔اپنے لاکھوں مریدین کو اسلام کا حقیقی پیغام پہنچانے،سکھانے کے ساتھ انھوں نے اس بات کو ملک اور سماج کے سامنے رکھا کہ دہشت گردی کی کسی بھی وقت سماج میں کوئی جگہ نہیں ہے۔انھوں نے ملک کے اندر بھی مذہبی جگہوں اور عام جگہوں پر دہشت گردی کی کارروائی کو روکنے کے لیے اپیلیں کیں اور دہشت گردی کی کارروائیوں اور حملوں کی سخت مذمت کی۔

○○

روشن خدمات

❑ حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی
دارُالمبلّغین لکھنؤ

تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں حضرت فدائے ملتؒ کی گراں قدر خدمات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت ورہنمائی اوران کوصراط مستقیم پر گامزن رکھنے کے لیے بے شمار انبیاء کرام کومبعوث فرمایا،جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوکرآخری نبی حضرت محمدؐ پرختم ہوا۔خاتم النبیین محمدؐ پراللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل فرمادی اور ہمیشہ کے لیے اسلام کی حفاظت کا سامان بھی فرمایا،اس لیے قیامت تک اب کسی طرح کا بھی کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوگا،قرآن کریم کی مختلف آیات کریمہ اوراحادیث مبارکہ میں صاف صاف اس کا اعلان فرمایا گیا،البتہ دین کی حفاظت واشاعت،انبیاء کرام کی نیابت اورامت کی رہنمائی کے لیے ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں گے،جن کے ذریعہ بندوں کا رشتہ اپنے خالق اورمالک سے قائم ہوتا رہے گا،اوروہ دین مبین کے احیاء وتجدید کی خدمات انجام دیتے رہیں گے۔ارشاد نبویؐ ہے :

یحمل ھذا العلم من کُلّ خلف عدولة ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین ۔(مشکوٰۃ شریف)

”ہرآئندہ نسل کے معتبر لوگ یہ علم دین حاصل کرتے رہیں گے،جواس دین سے غلو کرنے والوں کی تحریفات،باطل پرستوں کے غلط دعووں اورجاہل لوگوں کی تاویلات کودور کرتے رہیں گے“۔

علمائے امت اور وارثین انبیاء نے دین کی حفاظت واشاعت اورتجدید کا فریضہ پہلے بھی انجام دیا ہےاورآئندہ بھی انجام دیتے رہیں گے۔آخری پیغمبر حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں جن فتنوں نے سراٹھایا،ان کی سرکوبی کیلئے کوئی نبی نہیں مبعوث کیا گیا،بلکہ اخیارامت حضرات صحابہ کرامؓ کے ذریعہ اہم کام انجام پذیر ہوئے،اورصحابہ کے بعد ہر زمانے میں علمائے امت اسی روش پرگام زن رہے اورانتظامِ خداوندی کے تحت دین اسلام، اپنی حقیقی روح اوراصلی خدوخال کے ساتھ محفوظ رہا اورامت اپنی تمام ترخصوصیات کے ساتھ باقی

رہی، اسی نظام ربانی کے تحت، برصغیر میں بطور خاص، اسلام کی حفاظت واشاعت، علوم اسلامیہ کی ترویج، سرمایہ ملت کی نگہ بانی، اسلامی تہذیب وثقافت کی پاسبانی، دین وملت کی خدمت کے لیے مخلص رجال کار کی تیاری، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والے فتنوں اور تحریکات کی سرکوبی کے لیے اکابر ربانی رحمہم اللہ کی آہِ سحر گاہی اور دعائے نیم شبی اور مساعیٔ جمیلہ کی بدولت سرزمین دیوبند میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، جہاں ایسے مخلص علمائے کرام اور قائدین ملت پیدا ہوئے جنھوں نے ہر محاذ پر امت کی رہنمائی کی، دارالعلوم دیوبند کے انہی باکمال اور مایہ ناز سپوتوں میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی ہمہ جہت، ونابغۂ روزگار شخصیت بھی ہے، مولانا مدنیؒ اس آخری دور میں دیوبندیت کی علامت بن کر سامنے آئے اور پوری زندگی حق کی اشاعت، ملک وملت کی بے لوث خدمت، اسلام کی بقاء وتحفظ اور باطل کی بیخ کنی میں صرف کر دی۔

فدائے ملت حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ، بڑی گونا گوں خوبیاں اور کمالات کے حامل تھے، وہ کسی مملکت کے حکمراں نہ تھے، مگر نہ معلوم کتنے دلوں پر ان کی حکمرانی تھی، اللہ تعالی نے انھیں بڑی مقبولیت اور محبوبیت سے نوازا تھا، ژرف نگاہی، دوراندیشی، معاملہ فہمی، عزم حزم، فکر وتدبر، فہم وفراست اور عزیمت واستقامت میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ درس وتدریس اور قرطاس وقلم سے بذات خود وابستہ نہ رہ کر بہتوں کو انھوں نے تصنیف وتالیف کے میدان میں لا کھڑا کیا، ان میں ملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ملی مسائل کے حل کے لیے وہ ہمیشہ سرگرم عمل رہے دین وشریعت کے خلاف اٹھنے والی ہر سازش کو وہ اپنی مومنانہ فراست سے بہت جلد بھانپ لیتے اور اس کی بیخ کنی کے لیے موثر تدابیر شروع فرما دیتے باطل فرقوں کے غلط نظریات کو طشت از بام کرنا انکے خلاف حق وصداقت کی آواز بلند کرنا باطل کی سرکوبی کے سلسلے میں کسی مصلحت اور رعایت کو روا نہ رکھنا اور بلا خوف لومۃ لائم اس کی تردید کرنا یہ وہ اوصاف جمیلہ ہیں جو حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب کی زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

حضرت امیر الہندؒ کی تاب ناک خدمات کی ایک جھلک اس تحریر میں پیش کی گئی ہے جو انھوں نے فتنۂ قادیانیت کے تعاقب وسرکوبی کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔

قادیانی فتنہ

قادیانی فتنہ ان باطل فرقوں میں سے ایک نہایت خطرناک فرقہ اور تحریک ہے جو براہ راست عقیدۂ ختم نبوت پر حملہ آور ہو کر اسلام کے روشن اور تاب ناک چہرے کو داغ دار کرنے اور مسلمانوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کے لیے، دشمنان اسلام اور شاطرانِ فرنگ کی در پردہ

سازش سے وجود میں آئی۔

پنجاب میں ضلع گورداس پور کے قصبہ قادیان کے باشندے مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کی شہ پر اپنی تحریک شروع کی، ابتدا میں اپنے دجل وفریب میں مسلمانوں کو گرفتار کرنے کے لیے عیسائی پادریوں سے مناظروں اور مباحثوں کا سلسلہ شروع کیا، ناواقف سادہ لوح مسلمانوں میں ان کا وقار اور اعتبار بڑھنے لگا تو اسی دور کی اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' میں اپنے ''مجدد'' ''ماموز'' اور ''ملہم من اللہ'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۱۸۸۸ء میں اعلان کیا کہ اللہ نے مجھے بیعت لینے اور ایک جماعت تیار کرنے کا حکم دیا ہے، اس اعلان کے بعد ۲۳/مارچ ۱۸۸۸ء میں لدھیانہ کے چالیس لوگوں نے مرزا کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ فتنہ قادیانیت کا نقطۂ آغاز تھا۔ ۱۸۹۰ء میں مرزا نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ بھی واضح کیا کہ مجھ پر ایمان لانا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ مرزا محمود پسر مرزا غلام احمد قادیانی نے اس عقیدے کا اظہار اس طرح کیا ہے: کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ (آئینۂ صداقت: ص ۳۵) چنانچہ قادیانیوں نے دنیا بھر کے ان تمام مسلمانوں کو جو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتے، کافر کہہ کر اپنی الگ ایک جماعت بنالی، اس گروہ نے اپنی سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں اور مرزا نے اپنے آپ کو انگریزوں کا ''خود کاشتہ پودا'' بتایا۔ (تبلیغ رسالت: ج ۷، ص ۱۹)

واقعہ بھی یہی ہے کہ اس دور میں جو انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا، حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کی تحریک جہاد چل رہی تھی اور سید جمال الدین افغانیؒ کی ''تحریک اتحاد اسلامی'' مسلمانوں میں نئی روح پھوک رہی تھی، انگریزوں نے استعماری ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ایک ایسا شخص تلاش کیا جو پوری طرح ان کا وفادار بن کر مسلمانوں کو انگریزوں کی وفاداری کی تلقین کرے اور جہاد کی حرمت کے فتاویٰ شائع کرے، اس کام کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی سے بہتر اور کون ہوسکتا تھا؟ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ملک وبیرون ملک انگریز حکومت کی بقا واستحکام کے لیے بڑی نمایاں خدمات انجام دیں اور ایسے افراد پیدا ہوئے جنھوں نے انگریزوں کے لیے کام کرنے میں اپنی جان کی بھی پروا نہیں کی۔ ۱۹۲۵ء میں عبداللطیف قادیانی، عبدالحکیم قادیانی کو افغانستان کی حکومت نے اس لیے قتل کیا کہ یہ انگریزوں کے ایجنٹ بن کر افغانیوں کے جذبۂ جہاد کو ختم کرنا چاہتے تھے، اور وہاں قادیانیت کی تبلیغ کررہے تھے قادیانیوں کی یہ سرگرمیاں ارباب فکر ونظر کے لیے تشویش کا باعث بنیں، علماء دیوبند اور ہندوستان کے باغیرت مسلمانوں نے اس فتنے کی تخریب

کاری اور خطرناکی کو پوری طرح محسوس کیا اور اس کے خلاف اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ میدان عمل میں آ گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ وغیرہ نے فتوی صادر فرمایا کہ ''مرزا غلام محمد قادیانی اور اس کے متبعین درجہ بدرجہ مرتد، زندیق، ملحد، کافر اور فرقہ ضالہ میں یقیناً داخل ہوں گے''۔

اس فتنے کے تعاقب کے لیے اس وقت علماء کرام کی ایک جماعت سامنے آئی۔ حضرت علامہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا حسین احمد بٹالویؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا عبدالشکور فاروقیؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا مرتضی حسن چاندپوریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ، وغیرہ نے قادیانیت کی تردید کو اپنی زندگی کا عنوان قرار دیا، اور اس فتنے کا بھرپور تعاقب کیا، رد قادیانیت پر ہزاروں کتابیں منظر عام پر آ گئیں۔

بالآخر قادیانی گروہ تقسیم ملک کے بعد مایوسی کا شکار ہوا، اور اس کو راہ فرار اختیار کرنی پڑی ہندوستان چھوڑ کر یہ گروہ پاکستان منتقل ہوگیا اور اپنا وہاں مستقر بنایا،۱۹۷۳ء میں پاکستانی حکومت نے قادیانی کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

عالم اسلامی، جو ایک بین الاقوامی، فعال دینی تنظیم ہے، اس نے اس فتنے کی خطرناکی کو محسوس کیا اور اس نے قادیانی کو اسلام کے دائرے سے خارج قرار دیا۔

عالم اسلامی کا اجلاس ۶/تا ۱۰/اپریل ۱۹۷۴ء کو مکہ مکرمہ میں طلب کیا گیا، جس کے ایجنڈے میں قادیانیت کا مسئلہ بھی تھا۔ اس موقع پر پاکستانی حکومت کے کچھ اعلیٰ عہدوں پر فائز قادیانیوں نے بعض پاکستانی ممبران رابطہ پر اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے زور ڈالا کہ قادیانیوں کے کفر پر یہ ممبران اختلافی نوٹ درج کرائیں۔ مولانا منظور احمد چینوٹی، جو ردّ قادیانیت اور تحفظ ختم نبوت کے لیے ممتاز اور مشہور تھے انھوں نے اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے مکۃ المکرّمہ جا کر مولانا سید اسعد مدنی کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا، جو رابطہ کے اجلاس میں شریک تھے، مولانا مدنی نے اپنے حسن تدبیر سے قادیانیوں کے خلاف پیش ہونے والی قرارداد کو رائے سے منظور کرایا، اس طرح قادیانیوں کے منصوبے پر وہاں بھی اوس پڑ گئی۔

رابطہ عالم اسلامی کے فیصلے اور پاکستانی حکومت کے طرز عمل کے نتیجہ میں پاکستان کی زمین بھی قادیانیوں کے لیے تنگ ہوتی نظر آئی۔ اگر یہ فتنہ کسی اسلام دشمن تحریک کی سازش کا نتیجہ نہ ہوتا تو ان حالات میں اس کا وجود بھی باقی نہ رہتا جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا گیا کہ انگریزوں نے

خوب سوچ سمجھ کر اس فتنے کو قائم کیا اور ہر طرح سے اس کو تحفظ فراہم کیا تھا۔ اس لیے اب قادیانیوں کا سربراہ ''مرزا طاہر'' لندن فرار ہو گیا اور پھر وہاں سے ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں کے لیے منتخب کیا، اپنے پرانے مرکز قادیان کو دوبارہ آباد کرنے لگا اور ہندوستان میں جگہ جگہ جلسے اور کانفرنسیں منعقد کر کے قادیانیت کے مردہ بدن میں پھر سے جان ڈالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت اور
کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دیوبند کا قیام

حضرت فدائے ملتؒ کبھی باطل تحریکوں سے غافل نہیں رہے، قادیانیوں کی سرگرمیوں سے آپ اچھی طرح واقف تھے اور فکرمند بھی، آپ نے اکابر دارالعلوم دیوبند کو اس جانب متوجہ کیا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے مؤقر ارکان نے آپ کی ایماء پر ''تحفظ ختم نبوت'' کے عنوان سے ایک عالمی اجلاس منعقد کرنے کی تجویز پاس کی، تاکہ پورے ملک میں قادیانی فتنے کے خلاف ایک بیداری مہم چلا کر ان کے مکر وفریب سے مسلمانوں کو واقف کرایا جائے۔ ۲۹/۳۰/ ۳۱/اکتوبر ۱۹۸۶ء میں تین روزہ عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ ہندوستان کے علاوہ، لندن، افریقہ، بنگلہ دیش، پاکستان، دبئی، ابوظہبی اور سعودی عرب وغیرہ سے مندوبین شریک ہوئے۔ ہندوستان کے مشاہیر کے علاوہ باہر سے آنے والوں میں رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف، محمد باسل الرفاعی (نامہ نگار اخبار الاتحاد) مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا فریدالدین، ڈائریکٹر اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت امیر الہندؒ نے اس تحریک کو جاری رکھنے اور منظّم طریقے پر کام کے لیے باقاعدہ شعبۂ تحفظ ختم نبوت کی تاسیس کا مشورہ دیا، چنانچہ اسی اجلاس میں ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دیوبند'' کا قیام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم کی زیر صدارت عمل میں آ گیا پھر مجلس شوریٰ دارالعلوم نے اپنے اجلاس منعقدہ شعبان ۱۴۱۱ھ میں تجویز (۴) ضمن الف کے تحت دارالعلوم دیوبند میں تحفظ ختم نبوت کا مستقل شعبہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا، قادیانیت کی تردید اور سرکوبی کو حضرت مولانا مدنی نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس کے اجلاسوں میں عوام وخواص کو وہ اس فتنہ کے استیصال کی تلقین فرماتے تھے اور اس کے تعاقب کے لیے کمر بستہ رہنے پر زور دیتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام مدارس اسلامیہ کے کل ہند اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''انگریزوں نے ایک صدی قبل سیاسی مصلحت کے پیش نظر ایک بناسپتی نبی تیار کر کے قصر نبوت

پر حملہ کیا، حالاں کہ قادیانی ایسا پست کیریکٹر ہے کہ آپ اس کو شریف آدمی کہنے میں بھی تأمل کریں گے، چہ جائے کہ نبی۔ کچھ لوگ اس فتنے کا شکار ہو رہے ہیں اور ہم غافل بیٹھے ہیں، خواب خرگوش میں مبتلا ہیں، تمام اہل مدارس کو چاہیے کہ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے توجہ دیں اور اپنی وسعت کے مطابق قادیانیت کی تردید میں حصہ لیں''۔ (رپوٹ رابطہ مدارس اسلامیہ:ص ۸۳)

دیگر صوبوں میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام

حضرت فدائے ملتؒ کے دل میں حمایت حق کا جو جذبہ اور تڑپ تھی اس کی وجہ سے وہ نہ باطل سے کبھی مصالحت کرتے تھے اور نہ ہی اس کی طرف سے غفلت برتنے کے روادار تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام کے بعد آپ قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں سے مطمئن ہو کر نہیں بیٹھے بلکہ جہاں گئے وہاں مسلمانوں بالخصوص علماء کو اس طرف متوجہ کیا، چنانچہ بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ کی کوششوں سے کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں مندرجہ ذیل مقامات پر قائم ہوئیں اور سرگرم عمل ہیں: (یوپی) لکھنؤ، کانپور، فیروز آباد، رام پور، ہاپوڑ، (دہلی) تغلق آباد (کرناٹک) بنگلور، ٹمکور، (تمل ناڈو) مدراس، (کیرالا) الوائی (بہار) بھاگلپور، دمکا، (بنگال) کلکتہ (آسام) گوہاٹی (پنجاب) چنڈی گڑھ، مالیرکوٹلہ (ہریانہ) پانی پت، ہماچل (کشمیر) سری نگر، سوپور، بھدرواہ (حیدرآباد) نلگنڈہ، ورنگل اور میوات، گوالیار وغیرہ۔

دہلی اور دیگر علاقوں میں کانفرنسیں

گذشتہ بیس سالوں کے اندر ملک کے مختلف علاقوں اور ریاستوں میں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی نگرانی میں سیکڑوں چھوٹے بڑے جلسے، اجتماعات اور بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ دہلی میں بھی قادیانیوں نے آہستہ آہستہ اپنے مکروفریب کا جال پھیلانا شروع کیا تو حضرت فدائے ملت نے جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عاملہ میں اس مسئلہ پر ارکان کی توجہ مبذول کرائی اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دیوبند کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ چنانچہ حضرت کی تحریک پر ۱۴ر جون ۱۹۹۷ء کو جامع مسجد شاہ جہانی دہلی کے وسیع وعریض اردو پارک میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی اس کے بعد آپ نے جمعیۃ علماء کی ایک میٹنگ میں ایک بڑے اجلاس کی ضرورت ظاہر فرمائی جس کو اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت نے ۳۱ر مئی ۱۹۹۸ء کو دہلی کے عمائدین اور علماء کرام کی میٹنگ طلب کی جس میں ۲۰ر جون ۱۹۹۸ء کو بعد نماز مغرب عید گاہ ویلکم جعفرآباد دہلی میں دوسری تحفظ ختم نبوت کانفرنس طے ہوئی حضرت فدائے ملت ہی کی صدارت میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ تحریک صدارت میں اس بات کا برملا اظہار کیا گیا کہ :

''آج کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی شکل میں قادیانی تعاقب کی جو تحریک چل رہی ہے، اس کے شروع کرنے اور عام کرنے میں حضرت مولانا مدنی کا تاریخی کردار ہے مختلف صوبوں میں تربیتی کیمپوں اور کانفرنسوں کا انعقاد حضرت موصوف کا ثمرہ ہے''۔

خطبہ صدارت میں آپ نے فرمایا کہ: ''آج ہم اسلام کے جس بنیادی عقیدے کے تحفظ کے سلسلہ میں اپنی ایمانی غیرت وحمیت کے اظہار کے لیے جمع ہوئے ہیں، وہ ہر انسان کیلئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ شریعت اسلامیہ اور اس کی بنیادوں سے ادنی واقفیت رکھنے والا انسان بخوبی جانتا ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت ایمان کا جزو ہے، دین اسلام کی اساس اور تا قیامت امت کی شیرازہ بندی اور اتحاد کی اصل بنیاد ہے''۔

اخیر میں بڑی دل سوزی کے ساتھ مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ: ''اگر پوری سرگرمی اور قوت کے ساتھ اس فتنہ پر بند نہ لگایا گیا تو اندیشہ ہے کہ ملک کے ہزاروں مسلمان لالچ اور جہالت کے بناء پر ارتداد کے قعرۂ مذلت میں گر پڑیں گے''۔

کانفرنس کے بعد حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ نے کانفرنس کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دفتر جمعیۃ میں باقاعدہ صوبہ دہلی کی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تشکیل دی اور دفتر جمعیۃ کا ایک کمرہ اس کے لیے تجویز ہو گیا۔

اس کے علاوہ موہن لال گنج ضلع لکھنؤ، موہان ضلع اناؤ، سنڈیلہ ضلع ہردوئی، سدھولی ضلع سیتا پور، کانپور، پنجاب، مغربی بنگال، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، تمل ناڈ، آسام، میگھالیہ اور راجستھان کے صوبوں میں مختلف مقامات پر کانفرنسوں کے بڑے مفید اثرات برآمد ہوئے اور قادیانیوں کے مکروفریب سے مسلمان آگاہ ہو گئے۔

تربیتی کیمپ

کانفرنسوں اور اجتماعات کے ذریعہ ایک عام بیداری تو مسلمانوں میں پیدا ہوئی لیکن اس محاذ پر کام کرنے اور علمی دلائل سے قادیانیت کے تعاقب کی باقاعدہ ٹریننگ کی ضرورت حضرت فدائے ملت نے محسوس کی۔ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند سے ایک گفتگو میں مولانا اسمٰعیل کٹکی سے وقت لینے کو فرمایا تاکہ ان کے تجربات سے طلبہ دارالعلوم اور اساتذہ کرام مستفید ہوسکیں۔ حضرت فدائے ملت کی بیماری میں مولانا کٹکی عیادت کے لیے دہلی تشریف لائے تو آپ سے موصوف سے تربیتی کیمپ کے لیے وقت دینے کو فرمایا جس کو مولانا نے بخوشی قبول فرمایا اور ۲۴ر دسمبر ۱۹۸۸ء میں دس روزہ تربیتی کیمپ دارالعلوم دیوبند میں لگایا گیا۔

اس کے بعد حضرت فدائے ملت کی نگاہ انتخاب ردقادنیت کے ماہر مبلغ اور متعدد مناظروں اور مباحثوں میں قادیانیوں کو شکست فاش دینے والے ایک تجربہ کار عالم دین مولانا محمد منظور چینوٹی پر پڑی۔ چنانچہ مولانا موصوف کی دارالعلوم کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے اور دارالعلوم ۱۹۹۰ء میں دوسرا دس روزہ تربیتی کیمپ منعقد ہوا۔

اس کے بعد ہندوستان کے مختلف صوبوں میں تربیتی کیمپوں کا انعقاد ہوا، جیسے :

۱۹۹۱ء میں : ایک روزہ تربیتی کیمپ فیروزآباد (یوپی)

۱۹۹۲ء میں : پانچ روزہ تربیتی کیمپ گوہاٹی، تین روزہ تربیتی کیمپ مدراس، ایک روزہ تربیتی کیمپ لوائی (کیرالہ)

۱۹۹۳ء میں : دوروزہ تربیتی کیمپ میل پالم تملناڈو، تین روزہ کیمپ بھاگل پور (بہار)

۱۹۹۴ء میں : تین روزہ تربیتی کیمپ بنگلور (کرناٹک)

۱۹۹۵ء میں : تین روزہ تربیتی کیمپ (کلکتہ)

۱۹۹۶ء میں : چارروزہ تربیتی کیمپ (نیپال)۔ دوروزہ تربیتی کیمپ مرشدآباد، (بنگال) دوروزہ تربیتی کیمپ بٹھوا، اجمیر (یوپی) دوروزہ تربیتی کیمپ چھوٹا آنتا، ندیا (مغربی بنگال)

۱۹۹۷ میں: دوروزہ تربیتی کیمپ ۲۴ پرگنہ (مغربی بنگال) اور ایک روزہ ہاپوڑ (یوپی)

۲۰۰۳ء میں : تین روزہ تربیتی کیمپ سنڈیلہ ضلع ہردوئی (یوپی) اور اس کے بعد تین روزہ سدھولی ضلع سیتاپور، (یوپی)

لٹریچر کی اشاعت

مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے اب تک ردّ قادیانیت کے موضوع پر چھوٹے بڑے، پچاس رسائل، پمفلٹ اور کتابیں شائع ہوچکی ہیں، اس کے علاوہ چند دیگر اداروں نے بھی اس سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، جن میں دینی، تعلیمی ٹرسٹ لکھنؤ نے (۱) مباحثہ رنگوں از امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی (۲) قادیانیت کا اجمالی تعارف از قاری محمد عثمان منصورپوری، ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند (۳) اطلاع رحمانی براغلاط قادیانی (۴) مرزائیت اور عدالتی فیصلے از مولانا شاہ عالم گورکھپوری، نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند (۵) تلخیص بیان اٹارنی جنرل پاکستان، شائع کیے ہیں۔

اسی طرح مدرسہ حسینیہ تاؤلی مظفرنگر، جامعہ عربیہ خام الاسلام ہاپوڑ، مدرسہ اشرف العلوم جاجمؤ کانپور، شاہی کتب خانہ، دیوبند، مدرسہ فیض العلوم رامپور، مدرسہ نوارالاسلام رامپور، جامعۃ

الہند نور الاسلام راجستھان، دار العلوم ڈھاکہ، ضلع دمکا، سے بھی بڑی قیمتی اور معلومات افزا کتابیں لکھی گئی ہیں۔

یہ حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کی ان خدمات جلیلہ کی ایک جھلک تھی جو ردقادیانیت کے سلسلہ میں حضرت والا کے ذریعہ یا ان کی تحریک وایماء پر ملک وبیرون ملک میں انجام پائی۔

اخیر میں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ بندہ نے دار المبلّغین لکھنؤ اور دینی تعلیمی ٹرسٹ لکھنؤ کے پلیٹ فارم سے ردِّ روافض کے ساتھ ساتھ ردقادیانیت کے سلسلہ میں بھی اپنی بساط کے مطابق محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سرگرمیوں کا آغاز کیا، تو حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ نے قدم قدم پر رہنمائی فرمائی۔ تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں عظیم الشان کانفرنسیں اور تربیتی کیمپ جوموہان، سدھولی، اور سندیلہ وغیرہ میں منعقد ہوئیں، حضرت ان میں بڑے اہتمام کے ساتھ تشریف لائے اور نہایت بصیرت افروز خطابات سے نوازتے رہے، اور ہر موقع پر اپنی قیمتی مشوروں اور ہدایات سے سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

○○

❑ مولانا سعید احمد جلال پوری
مدیر ماہ نامہ بینات کراچی، پاکستان

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ اور تردید قادیانیت

۷/محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶/ فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر شام چھ بجے شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلف اکبرو جانشین، ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کے فاضل وسابق استاذ، جمعیۃ علماء ہند کے امیر، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، دارالعلوم دیوبند کے سرپرستِ اعلیٰ، بھارتی پارلیمنٹ لوک سبھا کے سابق رکن، بھارت میں مقیم کروڑوں مسلمانوں کے حقوق کے علمبردار، مظلوموں کے ماویٰ وملجا، عالم اسلام کے عظیم راہ نما، بے دار مغز سیاسی لیڈر، دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن، اصلاح وارشاد اور سلوک واحسان کے امام متبع سنت شیخ، لاکھوں انسانوں کے شیخ ومربی، اکابر علماء دیوبند کے ترجمان، اسلاف کی روایات کے امین، بین الاقوامی شہرت کے حامل، فدائے ملت اورامیر الہند حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی تین ماہ صاحب فراش رہنے کے بعد اپولو ہسپتال دہلی میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر راہی عالم آخرت ہوگئے۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شیء عندہ باجل مسمٰی۔**

حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت دیوبند کے مضافات بچھراؤں ضلع سہارنپور میں ۶/ذوالقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء جمعہ کے دن ہوئی، بچپن ہی میں والدہ ماجدہ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا، دوسری طرف والد ماجد حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ اکثر وبیشتر انگریز مخالفت میں پابند سلاسل رہتے، اس لیے آپ کی تعلیم وتربیت اورنگرانی شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کے خادم ومسترشد اور دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی استاذ حضرت مولانا قاری اصغر علی مرحوم کے سپرد کی گئی، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ نے زمانہ اسارت میں اپنے لخت جگر کی تعلیم وتربیت اورنگرانی سے متعلق جناب قاری اصغر علی مرحوم کو لکھا:

''اسعد کی والدہ اور والد آپ ہی ہیں، او پر خدا ہے، اس کے سپرد کرتا ہوں، نہ کوئی بڑی بہن اور اور نہ کوئی بھائی۔''

اس لیے قرآن کریم اور ابتدائی کتب کی تعلیم آپؒ نے حضرت قاری اصغر علیؒ سے حاصل کی، جبکہ درس نظامی کی ابتداء سے دورۂ حدیث تک کی تعلیم آپ نے مادر علمی دار العلوم دیوبند سے مکمل فرمائی اور ۱۹۴۹ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر آپ نے فاتحہ فراغ پڑھا، آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا ادریس کاندھلویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد چھ سال تک آپ نے مادر علمی دار العلوم دیوبند میں متوسط درجات تک تدریس فرمائی۔

مگر حضرت والد ماجد قدس سرہ اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کو مجبوراً سیاسی میدان میں آنا پڑا، تو سلسلہ تدریس موقوف ہو گیا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کی رحلت کے وقت آپ کے سوا حضرتؒ کے تمام بچے نابالغ اور چھوٹے تھے، چنانچہ حضرت مدنی قدس سرہ نے اپنی وفات سے پہلے تمام اہل خانہ کو جمع کیا اور فرمایا: کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھی تو دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی آپ کے قدم چومے گی، پھر حضرتؒ نے اپنے خلف اکبر حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم گھر میں سب سے بڑے ہو، ان سب کا خیال رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی قدس سرہ اپنی والدہ ماجدہ کے اکلوتے بیٹے تھے، جبکہ دوسری بہن، بھائی آپ کی دوسری والدہ سے تھے، مگر آپ نے چھوٹے بہن بھائیوں کو کبھی سوتیلے پن کا احساس نہیں ہونے دیا، سب کی سرپرستی سب کی تعلیم وتربیت، سب کی شادیاں اس اہتمام سے کیں جیسے کوئی باپ اپنے بچوں کی کیا کرتا ہے، حالانکہ شیخ الاسلام قدس سرہ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت آپ کی ملکیت میں سوائے اس معمولی رقم کے جو وفات سے قبل بنگلہ دیش کے تلامذہ نے بھیجی تھی، نقد کچھ نہ تھا، اس کو جب ورثاء میں تقسیم کیا گیا تو غالباً ہر ایک کے حصے میں دو دو سو روپئے بھی نہیں آسکے، مگر بایں ہمہ آپ نے اپنے بہن بھائیوں اور والدہ ماجدہ کی ہر طرح کی راحت وآرام پہنچایا۔

۱۹۶۳ء سے آپ باقاعدہ جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی قرار پائے اور بعد میں آپ کو متفقہ طور پر جمعیۃ علماء ہند کا امیر منتخب کر لیا گیا۔

بلاشبہ آپ نے والد ماجد کی جانشینی کا بجا طور پر حق ادا کیا، آپ بیک وقت متعدد محاذوں پر

مصروف عمل رہے، آپ نے جہاں سیاسی میدان میں آ کر مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑی، پرسنل لاء کا مسئلہ اٹھایا، اقلیتوں کے حقوق کا بیڑہ اٹھایا، وہاں آپ نے مسلمانوں کے دین وایمان اور مذہب وعقیدہ کے تحفظ کی خاطر ہندوستان بھر کے دورے کیے مسلمانوں کو بیدار کیا، ان کو دینی مسلکی اور مذہبی شعور بخشا، مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے مسلم فنڈ قائم کیا، دینی مدارس، قرآنی مکاتب قائم فرمائے، مدارس ومکاتب کی سرپرستی فرمائی، کل ہند امارت شرعیہ کو فعال بنایا، بلاسود بینکاری کی بنیاد رکھی، اسے پروان چڑھایا، مسلمانوں کی اقتصادی ترقی کے لیے متعدد پروگرام تجویز فرمائے، جدید مسائل کے حل کے لیے ہند وپاک بلکہ دنیا بھر کے علماء کے اجتماعات منعقد کرائے، غریب مسلمانوں کے لیے مفت علاج معالجہ اور فری میڈیکل سینٹروں کا اہتمام فرمایا، ہندو مسلم فسادات کی روک تھام کا لائحہ عمل تجویز فرمایا، آسام کے مسئلہ کو اٹھایا، مسلم اوقاف کے تحفظ کے لیے سعی وجدوجہد کی، مساجد ومقابر کے احترام وحفاظت کے لیے دن رات ایک کیا، تحفظ حرمین شریفین اور اسلامی شعائر کے تقدس پر کانفرنسیں منعقد فرما کر امت مسلمہ کی قیادت فرمائی، مسلک حقہ، مسلک احناف کے خلاف اٹھنے والی یورشوں کا قلع قمع کیا، اسلاف بیزاری کی تحریک اور غیر مقلدیت کے خلاف میدان میں آئے اور حکومت سعودیہ کو اس فتنہ کی سنگینی سے آگاہ کر کے اس کا سدباب کیا۔

اسی طرح جب بھولے بھالے اور سیدھے سادے مسلمانوں کو سارقین نبوت اور غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں نے زن، زر اور زمین کا لالچ دے کر گمراہ کرنے کی سازش کی تو حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ خم ٹھونک کر ان کے مقابلہ میں آ گئے، اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت قائم فرمایا، مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ کے لیے فعال کردار ادا کیا، اس کے لیے مستقل فنڈ قائم فرمایا، مبلغین ومناظرین تیار فرمائے، پاکستان کے اکابر علماء کرام کو بلایا، ہندوستانی علماء کو اس فتنہ کے تعاقب کے لیے تیار فرمایا، تردید قادیانیت کی خاطر قادیانی لٹریچر مہیا کیا، تردید قادیانیت پر اکابر علماء امت کی تصنیفات جمع کیں، ان کو سہل انداز سے مرتب کرا کے شائع کیا اور جگہ جگہ ان کو پہنچانے کا انتظام فرمایا۔

ہندوستان، جہاں مسلمان اقلیت میں اور دور دراز علاقوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور وہاں انہیں مختلف نوعیت کی دینی مذہبی اور مسلکی مخالفتوں کا سامنا بھی ہے، چنانچہ کہیں متعصب ہندو، ان سے برسرپیکار ہیں تو کہیں سکھ ان کی جان کے دشمن ہیں، ایسے موقعہ پر اسلام دشمن قادیانیوں کو سیدھے سادے مسلمانوں کے دین وایمان پر ڈاکا ڈالنے کی کھلی آزادی حاصل تھی، یوں انھوں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانیت کی مردہ لاش میں روح پھونکنے کی کوشش کرتے ہوئے

دور دراز مختلف علاقوں میں اپنی ارتدادی تحریک شروع کر دی، ایسے نازک حالات اور کڑے وقت میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ہی کی ذات تھی، جس نے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت و صیانت کا بیڑہ اٹھایا، چنانچہ انہوں نے اس پیرانہ سالی میں ہندوستان بھر کے دورے کیے، قریہ، قریہ اور شہر، شہر جا کر مسلمانوں کو قادیانی ملحدین و مرتدین کی ارتدادی سرگرمیوں سے آگاہ کیا، جلسے کیے، سیمینار منعقد کیے، ہر ہر علاقہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم کیں، مرکز کو مضبوط کیا، مقامی علماء کو فعال کیا، ان کی ذہنی فکری تربیت کی انہیں ہر قسم کا مواد مہیا کیا، جہاں قادیانیوں نے مسلمانوں کو مناظرہ یا مباہلہ کا چیلنج دیا، وہاں اپنے احباب، رفقاء، اور علماء کی جماعت کے ساتھ پہنچ کران کو للکارا، بلاشبہ حضرت کی ذات اس موقعہ پر نہ ہوتی تو ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں قادیانی بڑی آسانی سے مسلمانوں کے دین و ایمان کو غارت کر سکتے تھے، اللہ جزائے خیر دے حضرت مرحوم کو! جنہوں نے اسلاف واکابر کے مشن کو جاری رکھا، اور قادیانیت کی ارتدادی تحریک کو دم توڑنے اور قادیانیوں کو بھاگنے پر مجبور کیا۔

حضرت قدس سرہ تقریباً ہر سال اگست میں انگلینڈ تشریف لاتے اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام برمنگھم میں منعقد ہونے والی سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں تشریف آوری کا شرف بخشتے، دیر تک اس میں تشریف فرما ہوتے، نہایت بشاشت سے اس کے کسی اجلاس کی صدارت فرماتے، اس کی آخری نشست میں ختم نبوت اور تردید قادیانیت پر نہایت موثر و بلیغ انداز میں بیان فرماتے، ہندوستان میں قادیانیوں کی سرگرمیوں اور مسلمانوں کی جانب سے ان کے تعاقب کی روداد سناتے، انگلینڈ کے مسلمانوں کو اپنے اور اپنی نسلوں کے دین و ایمان کے تحفظ کی طرف متوجہ فرماتے اور قادیانی فتنہ کی حشر سامانیوں سے آگاہ فرماتے۔

کوئی چار سال پیشتر غالباً ۲۰۰۲ء میں گلاسگو کی مرکزی مسجد میں منعقد ہونے والی ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لیے آپ دور دراز کا سفر کر کے تشریف لائے، مغرب کے بعد آپ کا بیان تھا، راقم الحروف بالکل آپ کے سامنے بیٹھا تھا، آپ نے حسب معمول دھیمے انداز میں بیان شروع کیا، مگر جیسے ہی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ارتدادی تحریک کا ذکر آیا، آپ ایک دم جوش میں آ گئے، ایسا لگتا تھا جیسا کہ شیر اپنی کچھار میں دھاڑ مار رہا ہے، اس وقت یہ امتیاز مشکل تھا کہ اسّی سال کا بوڑھا بول رہا ہے یا پچیس سالہ نوجوان؟ اس موقع پر آپ نے ایسے خوبصورت اور مدلل انداز میں تردید قادیانیت پر بیان فرمایا، کہ سامعین عش عش کر اٹھے، یہ حضرت جامعیت، تحفظ ختم نبوت کے مشن سے والہانہ لگاؤ اور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی سے آپ کے بے پناہ

عشق ومحبت اور گہرے تعلق کی برکت تھی، کہ گھنٹہ بھر آپ اس موضوع پر ایسے بے تکان بولتے رہے جیسے تردید قادیانیت کا کوئی ماہر بول رہا ہے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت مدنی قدس سرہ زندگی بھر ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور سیاسیات کی امامت وقیادت کا فریضہ انجام دیتے رہے، مگر آخر میں جب اس فتنہ نے ہندوستان میں سر اٹھایا تو آپ اس کی تردید کی طرف متوجہ ہوئے جیسے یہ ان کی زندگی کا مشن ہو۔

غالبًا اسی موقعہ پر آپ نے آسام کے کسی دور دراز دیہاتی علاقہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ: ابتداء میں وہاں قادیانی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اسلام کا روپ دھار کر کام کرتے رہے، لیکن جیسے ہی وہاں کے لوگوں کو کسی عالم دین کے ذریعہ ان کی حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے دو حرف بھیج کر ان سے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کردیا، اس پر قادیانیوں نے بھنا کر مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا، وہاں کے مسلمانوں نے ہم سے رابطہ کیا اور کہا کہ ہمارے پاس نہ قادیانی کتب ہیں اور نہ قادیانیت کی تردید کا مواد، چنانچہ دیوبند سے ہم نے مناظر علماء اور کتب کا انتظام کیا اور ان کو لے کر وہاں پہنچ گئے جیسے ہی قادیانیوں کو اس کا علم ہوا تو مناظرہ سے بھاگ گئے اس موقعہ پر ہمارے علماء نے وہاں بیانات کیے اور مسلمانوں پر قادیانیت کی حقیقت واضح کر کے ان کے دین و ایمان کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا، چنانچہ وہاں سے قادیانیت کے جراثیم اور اس کی ارتدادی تحریک نابود ہوگئی۔

راقم الحروف نے حضرت سے بارہا سنا کہ قادیانیو! تمھیں نبی کی عظمت اور اس کے مرتبہ کا علم ہی نہیں، اگر تمہیں علم ہوتا تو کم از کم ایسے شخص کو جو جوتے کے الٹے سیدھے اور گڑ اور مٹی کے ڈھیلے میں فرق نہ کرسکتا ہو اس کو نبی نہ بناتے۔

غرض دینی، مسلکی اور سیاسی کوئی میدان بھی ایسا نہیں تھا جس میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دی ہوں۔

بلاشبہ اس وقت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کا وجود امت مسلمہ کے لیے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتا تھا، آپ کے ہر قدم سے ہزاروں نہیں، لاکھوں مسلمان اور سینکڑوں اسلامی تحریکیں وابستہ تھیں اور آپ دنیا بھر کے مسلمانوں کی نگاہوں کا محور اور امیدوں کا مرکز تھے، آپ دنیا بھر کی قابل ذکر اسلامی تنظیموں کے رکن اور سرپرست تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے والد ماجد اور اسلاف واکابر کی طرز پر سلوک واحسان کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں، اور لاکھوں انسان آپ کی برکت سے باخدا ہوگئے،

چنانچہ آپ کا اصلاح وارشاد کا بھی ایک وسیع حلقہ تھا، بلاشبہ آپ کے متعلقین ومسترشدین کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی، اس طرح آپ کے ارادت مند ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، یورپ، امریکا اور افریقہ تک پھیلے ہوئے تھے، جن کی اصلاح وتربیت کے لیے سال میں ایک بار آپؒ ان ممالک میں تشریف لے جاتے اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے۔

وقت کی پابندی، حق گوئی وبے باکی آپ کا وصف خاص تھا، سادگی وبے تکلفی اور جود وسخا آپ کو اپنے والد ماجد کے ورثہ میں ملا تھا، شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کی طرح آپؒ کا دسترخوان بھی بے حد وسیع تھا۔

غرضیکہ آپ **آیۃ من آیات اللّٰہ** تھے، زندگی بھر مخلوق خدا کی فلاح وبہبود اور اصلاح وتربیت کے لیے مضطرب وبے چین رہے، اور اتحاد امت کے لیے سرگرداں وکوشاں رہے۔

بالآخر کیم شوال کو تیمّم کرتے کرتے ان پر فالج کا اثر ہوا اور بے ہوش ہوگئے، تین ماہ تک اس کیفیت میں رہے مگر کرشمہ قدرت دیکھئے کہ وفات سے صرف دس منٹ پہلے آپ کو ہوش آیا اور زور زور سے اسم ذات کا ورد شروع کردیا، ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی، مگر کسے معلوم تھا کہ یہ لقائے محبوب کی تیاری ہے، چنانچہ دس منٹ تک جہراً اسم ذات کا ذکر کرتے کرتے آپ اپنی آنکھیں بند کرکے زبان حال سے :بلست علی صحبتکم بحریض فرماتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں پہنچ گئے، ”**کل من علیها فان، ویبقیٰ وجه ربک ذو الجلال والاکرام**۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور ان کے اخلاف کو ان کی حسنات جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور مسلمانان ہندوستان کی کفالت وکفایت فرمائے۔

راقم الحروف حضرت کی رحلت کو ذاتی سانحہ سمجھتا ہے اور حضرت کے برادران حضرت مولانا سید ارشد مدنی، حضرت مولانا سید اسجد مدنی، صاحبزادہ مولانا سید محمود مدنی، خواہرزادہ مولانا سید سلمان منصورپوری، برادر نسبتی قاری سید محمد عثمان صاحب مدظلہم اور اہل وعیال ومتعلقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

○○

□ مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری
نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اور تحفظ ختم نبوت

تحفظ ختم نبوت کی خدمت سے وابستہ ہونا اپنے نبی پاک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی سچی دلیل ہے۔ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ بلا شبہ اس محبت کی علامت اور یُقَاتِلُوْنَ اَھْلَ الْفِتَن کے راسخ العقیدہ مجاہد تھے۔ اور مِثْلُ اَجْرِ أوّلِھِمْ (الحدیث) کی بشارت کے مصداق بھی۔ خدا تعالیٰ کے بے حد وحساب رحمتیں نازل ہوں خدام ختم نبوت اور شہدائے ختم نبوت پر۔ ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ختم نبوت کی حفاظت مسلمانوں کا دینی و ایمانی فریضہ ہے۔ تحفظ ختم نبوت کا موضوع اپنے اندر ایک وسیع معنیٰ و مفہوم رکھتا ہے جس کا ایک اہم جز ردِّ قادیانیت ہے، شرعی حیثیت میں دونوں پہلو برابر کے ہیں اور بقول حضرت تھانویؒ یہ دونوں امور اُن عبادات میں سے ہیں جن میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہونا چاہیے۔ وہ لوگ تعبیراتی دنیا کی بڑی بھول بھلیوں میں ہیں جو ایک کو مثبت پہلو اور دوسرے کو منفی پہلو، یا ایک کو نگیٹیو (Negative) اور دوسرے کو پازیٹیو (Positive) پہلو سے تعبیر کر کے رد اور دفاع کے پہلو کو نظر انداز کرنے میں ہی اپنی دانشوری سمجھتے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ یہ غلط فہمی منصب ختم نبوت کی پاکیزگی، لطافت اور تحفظ ختم نبوت کی صحیح تاریخ سے ناواقفیت کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے جبکہ بیشتر اوقات اس کی بنیاد میں قادیانی پروپیگنڈہ شامل ہوتا ہے۔ لہٰذا مخلصین کو حقائق اور تحفظ ختم نبوت کی صحیح تاریخ سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے جو انشاء اللہ اُن کے دین و ایمان میں پختگی کا ذریعہ بنے گا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جملہ عبادات میں سے تحفظ ختم نبوت کی خدمت، ایک ایسی عبادت ہے جس کا براہِ راست تعلق سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہے جبکہ دیگر عبادات میں کوئی نہ کوئی واسطہ ضرور رہتا ہے۔

موضوع کے تعلّق سے حضرت مولانا کا ذہن و مزاج:

حضرت امیر الہند فدائے ملّت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا شمار ذہن و مزاج کے

اعتبار سے اُن خوش بختوں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے ایمانی فراست وبصیرت کی بنیاد پر انگریزی نبوت کی باطل تحریک یعنی قادیانیت کی فتنہ پردازی کو سمجھا اور اس کے خلاف سینہ سپر ہونے میں کسی ادنیٰ مصلحت ومصالحت کا تصور بھی گناہ عظیم سمجھا۔ مرزائیت یا دین وایمان کی نسبت کسی بھی فتنے کے خلاف تسلسل کے ساتھ ڈٹے رہنے میں حضرت موصوف کی پختہ مزاجی تصلب کی حد تک تھی لیکن کسی بھی جہت سے تشدد کو اپنے گرد بھی نہیں آنے دیتے تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ دین میں پختہ مزاجی اور تصلب مطلوب ومستحسن ہے جبکہ تشدد ناپسند اور مردود ہے۔

ایک خوبی کی بات یہ بھی ہے کہ حضرت موصوف کا یہ مزاج اپنی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ وہ اپنے اس مزاج کے زبردست داعی بھی تھے اور یہی داعیانہ رنگ ومزاج اُن کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور عوام وخواص میں مقبول بنا تا ہے۔

راقم سطور کا تجزیہ:

قارئین کرام! ۱۹۹۰ء سے لے کر ۲۰۰۶ء تک کی اپنی معلومات وتجربات کی روشنی میں راقم سطور کا یہ اپنا تجزیہ ہے جس سے اتفاق کرنے کی کسی کو دعوت نہیں دیتا لیکن کسی کے لیے اختلاف کی بھی گنجائش نہیں دیکھتا اِس لیے عرض کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ تحفّظ ختم نبوت اور ردِّ قادیانیت کے میدان میں حضرت فدائے ملّتؒ کی خدمات وتعارف کا موضوع اتنا مانوس ومتعارف نہیں جتنا حضرت والا کی سیاسی، ملّی، ملکی، علمی ودینی دیگر خدمات کو لوگ جانتے اور ایک طویل عرصہ سے قریب سے دیکھتے، سمجھتے رہے ہیں۔ تجزیہ نگاروں کی نظر میں اس کے جو بھی اسباب ہوں، راقم سطور کی نظر میں اِس کا ایک بنیادی سبب فتنوں کے خلاف حضرت والا کی پختہ مزاجی اور تصلّب کے مقابل دور جدید کے صلح کاروں اور مصلحت پسندوں کا اختلاف کرنا بلکہ آپسی محاذ آرائی کا دروازہ کھول لینا بھی رہا ہے۔ مصلحت پسند مزاجوں کا یہ اختلاف خواہ قادیانی فتنہ کو کما حقہٗ نہ جاننے کے سبب رہا ہو یا قادیانیت کی تہوں میں چھپی ہوئی زہرناکی کو نہ جاننے کے سبب، بلکہ آپسی محاذ آرائی کا ایک سنہرا موقع اُن ناعاقبت اندیشوں کے بھی ہاتھ آگا جو بات بات میں حضرت موصوف کی کسی بھی دینی خدمت کو سیاست وغیرہ سے جوڑ کر دیکھنے میں اور دوسروں کو بھی اُس کی دعوت دینے میں ہی اپنے دین ودنیا کی کامیابی سمجھتے رہے ہیں اور اُنھیں کبھی اِس کا احساس نہ ہوا کہ حضرت فدائے ملّت کی سیاسی یا ذاتی زندگی سے اختلاف رکھنا یا اُس سے اتفاق نہ رکھنا اپنی جگہ، لیکن تحفّظ ختم نبوت کی مخالفت کے معاملے میں وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر قادیانی پروپیگنڈے کا شکار ہو رہے ہیں۔

بہرکیف اِس قسم کے اختلافات ومحاذ آرائی نے کافی حد تک عوام کو تحفظ ختم نبوت کے میدان

میں حضرت فدائے ملت سے مانوس ومتعارف نہ ہونے دیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں تحفظ ختم نبوت کی نشاۃ ثانیہ کے بانی ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے اور تحفظ ختم نبوت کے میدان میں آپ کے قائدانہ کردار سے کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ذریعے انجام پانے والا تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی اور تنظیمی، ہمہ جہت زرّیں خدمات کا باب ایک ایسا سنہرا باب ہے جو دیگر خدمات پر حاوی نہیں تو اُن کے مساوی ضرور ہے۔

تحفظ ختم نبوت کے میدان میں حضرت فدائے ملّت کی خدمات پر آگے کچھ کہنے سے قبل راقم سطور اپنے قارئین کے حق میں یہ بہتر سمجھتا ہے کہ اختصار کے ساتھ قادیانی فتنہ کے آغاز وانجام پر تاریخی پہلو سے کچھ روشنی ڈال دے، اس لیے کہ بعض احباب ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو تحریک قادیانیت اور اس کے بیک گراؤنڈ سے ہی واقف نہ ہوں پھر وہ تحفظ ختم نبوت کے میدان میں ہمارے ممدوح کی خدمات کو کس طرح اور کیوں کر سمجھ سکیں گے۔

قادیانی فتنے کا آغاز وانجام بد:

قادیانیت بنام احمدیت اُن سیاسی تحریکوں میں سے ہے جسے انگریز بہادر نے مذہبی رنگ و روپ میں انیسویں صدی کے اخیر میں جنم دیا تاکہ مسلمانوں کو مذہبی بکھیڑوں میں اُلجھا کر ہندوستان کی زمین پر انگریزی حکومت کا سایہ دراز کیا جاسکے۔ فریب خوردہ مرزا غلام احمد قادیانی (پیدائش ۱۸۳۹ء) نے ضلع گورداس پور صوبہ پنجاب کے ایک گاؤں قادیان سے ۱۸۸۰ء میں اپنے دُعاوی کا آغاز کیا، اُس سے قبل وہ سیالکوٹ کی کچہری میں منشی گیری کرتا تھا۔ انگریزوں کے اشارے پر ترک ملازمت کے کچھ دنوں بعد اُس نے پہلے ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا پھر ۱۸۸۲ء میں ''احمدیہ جماعت'' کے نام سے مسلمانوں سے ایک الگ فرقہ بنالینے کے بعد ۱۸۹۰ء میں پہلے اس نے مسیح عیسیٰ ابن مریم ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ قرآن وحدیث میں جس مسیح کے آنے کا وعدہ کیا گیا ہے، مجھے اپنے ایک الہام کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے کہ اب وہ نہیں آئیں گے بلکہ اُن کی جگہ خود میں (مرزا غلام احمد) مسیح بن کر آ گیا ہوں۔ پھر ۱۹۰۱ء میں باضابطہ نبی ہونے کا اعلان کر کے اُس نے انگریزوں کی اُس آخری خواہش کی بھی تکمیل کردی جس کے لیے اب تک کے دعویٰ سازی اور الہام بازی کا یہ سارا ڈھونگ رچایا جارہا تھا۔ چنانچہ نبوت اور خدائی الہام کی زبان میں اُس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ انگریزی حکومت اور انگریزوں کا سایہ ہندوستان کی زمین پر رحمت الٰہی ہے، ہندوستان کو اُن کے قبضے سے آزاد کرانے کی جدوجہد کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کی پاک نیت کی برکت سے خدا نے مسیح بنا کر مرزا قادیانی کو بھیجا ہے اور اُس کی نیّت یہ ہے کہ ہندوستان

ہمیشہ کے لیے انگریزوں کی گود میں غلام رہے۔ احمدی مذہب میں صرف دو فرض ہیں ایک خدا کی اطاعت اور دوسرے نمبر پر انگریز بہادر کی۔ ملاحظہ کیجیے مرزا کی تصنیفات، ستارۂ قیصریہ، کتاب البریہ، شہادۃ القرآن وغیرہ۔

تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کی طرف مرزائیت کا رُخ:

اور یہ حقیقت ہے کہ تقسیم کے بعد سے ۱۹۷۴ء تک ہندوستان میں قادیانیت اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر مردہ ہو چکی تھی۔ علماء اسلام نے پہلے ہی دن اس کو کفر و زندقہ قرار دے دیا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ مولانا عبداللہ و مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ، اور بالخصوص مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتوؤں سے مرزائیت دم توڑنے کے لیے اس طرح بل کھا رہی تھی جس طرح جلتے توے پر سانپ بل کھائے۔ تقسیم ملک سے اگرچہ انھیں کچھ راحت مل گئی تھی، لیکن ۱۹۷۴ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی عالمی کانفرنس اور پھر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کی تحریک پر پاکستانی پارلیمنٹ کے ذریعہ قادیانیوں کے کفر و زندقہ پر مہر تصدیق ثبت ہونے کے بعد مزید جب کسی ملک میں قادیانیوں کے لیے قدم رکھنے کی گنجائش نہ رہی، عالمی سطح پر مسلمانوں نے جسد ملّی سے قادیانیت کا ناسور کاٹ پھینکا، تو اب انھیں ایک بار پھر ہندوستان کی زمین نرم محسوس ہوئی اور مسلمانوں کی خاموشی سے پھر فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی۔

۲۶/ اپریل ۱۹۸۴ء میں جب حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہٗ امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تحریک پر جنرل ضیاء الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''امتناع قادیانیت آرڈیننس'' جاری کیا تو مذہبی حیثیت کا وہ رعب جو مرزائیوں نے صدیوں سے جما رکھا تھا وہ بھی کافور ہو گیا اور قادیانی غبارے سے بالکل ہوا نکل گئی اور اب تو قادیانیوں پر اُن کا اپنا بسایا ہوا عجمی اسرائیل ''ربوہ'' بھی تنگ ہونے لگا، جن کے مقدر میں ایمان تھا وہ مسلمان ہو گئے، مرزائی خلیفہ برقع پہن کر بھاگا اور لندن میں جا کر پناہ لی اور وہاں سے اُس نے پوری قوت سے ہندوستان کو اپنا اکھاڑ ا بنالیا۔

چنانچہ ۱۹۷۴ء کے بعد ایک نئے عزم و حوصلے سے ہندوستان کا رُخ کیا، اس لیے کہ اب یہاں ان کے لیے نہ کوئی انور شاہ کشمیری تھا نہ عطاء اللہ شاہ بخاری، اور قادیان میں بیٹھ کر قادیانیوں کی ناک میں نکیل ڈالنے والے مولانا محمد حیات بھی نہ تھے اور تبلیغ اسلام کا وہ دفتر بھی نہ تھا۔ ایک مدت کے بعد قادیانیوں کا جو سیاسی چہرہ چھوٹے اسرائیل کی شکل میں جانا پہچانا گیا تھا اب اُسے بھی کوئی جاننے والا نہ رہ گیا تھا، بلکہ ہندوستان کی سیاسی فضا میں اسلام دشمن سیاسی طاقتیں خود اُن کے لیے معاون نظر آ رہی تھیں۔ اور پاکستان میں چھوٹا عجمی اسرائیل بسا لینے کے بعد تو وہ خود کو مسلمان

اور بشمول ہندوستان، دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو برملا کافر کہنے کی جرأت پیدا کر چکے تھے۔

تقسیم ملک کے بعد حالات اور جغرافیائی حدود کی تبدیلی نے موجودہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اُس موڑ پر کھڑا کر دیا تھا کہ انگریزی نبوت کا گھوڑا ایک بار پھر اپنے آپ کو بے لگام سمجھنے لگا تھا اور قادیانیت نے اپنے جراثیم میں پہلے سے زیادہ زہریلے اثرات پیدا کر لیے تھے۔ فتنے کا مرکزی علاقہ پنجاب تھا وہاں کا مسلمان جو فتنے کی رگ رگ سے واقف تھا اُجڑ کر پاکستان چلا گیا تھا اور دُور دراز کے دیگر صوبوں میں یا تو مسلمانوں کو سرے سے اس فتنے سے واقفیت ہی نہ تھی، یا تھی تو تقسیم کے بعد وہ خواب خرگوش کی حالت میں سو رہے تھے۔

حضرت فدائے ملتؒ تحفظ ختم نبوت کے میدان میں:

الحمدللہ ان مایوس کن و خطرناک حالات میں اللہ رب العزت نے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو یہ توفیق دی اور یہ سہرا انھیں کے سر بندھتا ہے کہ مرحوم نے اپنی ایمانی بصیرت و فراست سے دربدر بھٹکنے والی انگریزوں کی اس ناجائز اولاد کے سیاسی اور تحریکی عزائم کو ٹھیک ٹھیک سمجھا اور ان مکروہ عزائم کا تیر بہ ہدف توڑ بھی دریافت کیا۔ حضرت فدائے ملتؒ کی نظر مذکورہ بالا تاریخ کے ساتھ پورے ہندوستان پر تھی وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اِس فتنے سے غافل نہ تھے ایک طرف حضرت والا کی نگاہ سیکولرازم کی آڑ میں چھپے اُن اسلام دشمن عناصر پر بھی تھی جو جمہوریت کے پس پردہ قادیانیوں سے ربط بنائے ہوئے تھے، دوسری طرف آپ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں قادیانیوں کے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے قدم اور اُس کی تہوں میں پوشیدہ ارتدادی مہم کو بھی بھانپ رہے تھے۔ یہ وہ نازک حالات تھے جو کسی بھی مخلص کو بے چین کر دینے کے لیے کافی تھے۔ ان حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے جس سیاسی اور دینی بصیرت کا آپ نے مظاہرہ کیا وہ ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی شکل میں مضبوط، مستحکم، اور دور رس نتائج کا حامل پلیٹ فارم آج بھی زندہ و تابندہ دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۹۷۴ء سے لے کر ۱۹۸۵ء تک کی ان کی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر آپ نے راکین مجلس شوریٰ کا آگاہ فرمایا اور مجلس کی تجویز کے مطابق اکتوبر ۱۹۸۶ء میں عالمی سطح کا اجلاس دیوبند میں بلایا گیا اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کر کے قادیانیت کے رد و تعاقب کا باوقار، مضبوط اور علمی پلیٹ فارم ملت اسلامیہ ہند کو مہیّا کر دیا۔ تبلیغ کے میدان میں بھی ایک بار پھر سیکڑوں افراد، قادیانیوں کی ناکوں میں نکیل ڈالنے والے پیدا کر دیے۔ ملک کے گوشے گوشے میں تحفظ ختم نبوت کی مجلسیں قائم کر کے قادیانیوں کے عزائم اور ارادے خاک میں ملا دیے۔ بلا شبہ اُس مرد عظیم کا یہ عظیم کارنامہ

ان کی جنت کا ضامن اور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے قادیانی فتنہ سے نجات کا ذریعہ رہے گا انشاء اللہ۔ اور ہم سب پر حضرت موصوف کا یہ ایک احسان عظیم ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

رابطہ عالم اسلامی کانفرنس اور مولانا مدنی کی ایمانی غیرت و سیاسی بصیرت:

ناظرین کرام! راقم کی معلومات میں جہاں تک ہے وہ یہ کہ تحفظ ختم نبوت کے میدان میں فدائے ملت کی خدمات کا آغاز ماہ ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ مطابق اپریل ۱۹۷۴ء سے ہوتا ہے جو زندگی کے اخیر لمحات تک حضرت کے رگ و ریشے میں پیوست رہی۔ اپریل ۱۹۷۴ء میں عالمی سطح پر جب رابطہ عالم اسلامی کانفرنس بلائی گئی جس میں ۴۴ ملکوں کے مسلم علماء و زعماء نے شرکت کی اور اس کانفرنس میں قادیانیوں کا کفر و ارتداد بھی زیر بحث تھا تو اپنے دین کی حفاظت میں خدائی تدبیر دیکھئے کہ اُس کانفرنس میں حضرت فدائے ملت بھی شریک تھے۔ حضرت کی زبانی راقم سطور نے مختلف کانفرنسوں میں جو روئداد سنی اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ:

فاتح ربوہ سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کانفرنس کے موقع پر مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے لیکن بے حد پریشان تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رابطہ کی کانفرنس میں موجود قادیانی گماشتوں کا، کوئی جواب نہ دے سکے اور اس طرح قادیانیوں کے کفر کی قرارداد اختلاف کا شکار ہوجائے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو بہت بُرا ہوگا اور ساری دنیا میں قادیانی بغلیں بجاتے پھریں گے۔ اس فکر کو لے کر حضرت مولانا چنیوٹی رابطہ کے مختلف ممبران کے پاس گئے اور اُن کو اس پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ بوقت ضرورت جم کر اس موضوع پر بحث کریں مگر کوئی خاص اُمید کسی نے نہ بندھائی۔ دریں اثناء اسی سلسلے میں حضرت فدائے ملت کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور غرض و غایت بیان کی، حضرت فدائے ملت نے عشق نبوی کے جذبے سے سرشار ہوکر نہ صرف یہ کہ پوری توجہ سے مولانا چنیوٹیؒ کے فکر و خیالات کو سنا بلکہ موضوع سے متعلق تمام دلائل کو مستحضر کیا اور فرمایا کہ مولانا اب آپ سے زیادہ ذمہ داری ہماری ہوتی ہے۔ بہرکیف کانفرنس شروع ہوئی اور قادیانیوں کا کفر زیر بحث آیا اور وہی ہوا جو مولانا چنیوٹیؒ کو خدشہ تھا کہ بطور خاص پاکستانی ڈیلی گیشن نے جو اس موقع پر حکومت پاکستان کی نمائندگی کر رہا تھا مصر ہوکر اپنا اختلافی نوٹ لکھوادیا کہ ہم قادیانیوں کے کفر سے اتفاق نہیں کرتے۔ ہوتا یہ تھا کہ پاکستان کے قادیانی گماشتے کچھ اس انداز میں اپنی باتیں کہتے کہ اسے پورے طور پر عرب نمائندے نہیں سمجھ پاتے، دریں اثنا حضرت فدائے ملّتؒ نے قادیانی دجل و تلبیس کو بھانپ کر عربی زبان میں عرب نمائندوں سے اجازت چاہی کہ یہ جو

لوگ پاکستان کی نمائندگی کررہے ہیں ان کی زبان اُردو ہے اور میں بھی اُردو جانتا ہوں لہٰذا مجھے انھی کی زبان میں ان سے گفتگو کی اجازت دی جائے۔ اور اس کے بعد قادیانی دجل وتلبیس کی جو دھجیاں بکھیری ہیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ آپ نے فرمایا کہ دہریت کا زمانہ ہے اور ہماری بداعمالیوں کے سبب اسلام سب سے کمزور ہے اب جو چاہے سو کرلے۔ کیا اب ہم اتنے کمزور ہوگئے کہ جھوٹی نبوت کے دعویداروں کو بھی اسلام میں داخل مانیں گے؟ کل میدان قیامت میں کونسا منہ ہم لے کر اپنی نبیؐ کے سامنے جائیں گے؟ اور حضرت والا نے قادیانیوں کے کفر پر مدلل تقریر فرمائی۔ پھر کیا تھا پاکستانی ڈیلی گیشن جیسے ہی ہاؤس سے باہر آیا سارے نمائندے اُس پر تھوتھو کرنے لگے کہ کیا یہی پاکستان کی مسلمانیت ہے؟ بالآخر پروگرام کی دوسری نشست میں پاکستانی گماشتوں کو بھی مجبور ہوکر اپنے اختلافی نوٹ خود ہی کٹوانے پڑے اور اس طرح یہ قرارداد متفقہ طور پر پاس ہوگئی کہ قادیانی درجہ بدرجہ کافر، مرتد اور زندیق ہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

اس تاریخ کی روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا اسعد مدنیؒ اس کانفرنس میں نہ ہوتے تو بظاہر کوئی امید نہ تھی کہ قادیانیوں کے کفر پر اتفاق ہوپاتا۔ بین الاقوامی حالات کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو قادیانیوں کا یہ حربہ اس کے ماقبل کے تمام حربوں سے زیادہ منصوبہ بند اور خطرناک تھا، ملت اسلامیہ ایسے نازک موڑ پر کھڑی تھی کہ معمولی سی غفلت بھی اکابرین امت کی تقریباً ایک صدی کی قربانیوں پر پانی پھیرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی، ایسے نازک مرحلے میں احقاق حق وابطال باطل کے لیے تحفظ ختم نبوت کے میدان میں جس مرد مجاہد کا انتخاب اللہ رب العزت نے کیا دنیا اُنھیں فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے نام سے جانتی ہے۔

راقم السطور آج حضرت موصوف کی روح کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے پھر وہی بات دُہراتا ہے کہ فدائے ملّت کا فکرومزاج کسی بھی فتنے کے تئیں ذاتی حد تک محدود نہ تھا بلکہ وہ اپنے فکر ومزاج کے زبردست داعی اور مبلغ بھی تھے آپ جس کو غلط سمجھتے تھے اس کو برملا غلط کہتے بھی تھے اور پوری قوت سے کہتے تھے۔ دین وایمان کے خلاف کسی معاملے میں مصلحت نام کی کوئی چیز آپ کی زندگی میں نہ تھی، بلکہ اس کو آپ مداہنت سمجھتے تھے۔ اور یہی وہ آئین جواں مرداں ہے جو آپ کو اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتا ہے۔ رحمة اللّٰہ علیه رحمةً و اسعةً۔

کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام اور نامساعد حالات:

حضرت فدائے ملت کی تحریک پر مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق ۲۹ تا ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں عالمی سطح کا سہ روزہ اجلاس بلا گیا جس میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے

جنرل سکریٹری شیخ عبداللہ عمر نصیف نے بھی شرکت فرمائی اور اجلاس کو وقت کا اہم ترین اقدام قرار دیتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کو مبارک باد دی نیز اِس تاریخی اجلاس میں اپنی شرکت کو خوش نصیبی قرار دیا۔ شرکائے اجلاس نے دیوبند میں مجلس تحفظ ختم نبوت الہند کے قیام کی تجویز پاس کر کے یہ اپیل کی کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے ارکان ''مجلس تحفظ ختم نبوت الہند'' کی سرپرستی فرماتے رہیں گے اور علمی وتبلیغی امور میں اُن کا تعاون مجلس کو حاصل رہے گا۔ اس کی تفصیلات تاریخ کے اوراق میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس موقع پر مجلس کا قیام جن نامساعد حالات میں ہوا اُسے نظرانداز کرنا راقم السطور تاریخ کے ساتھ ناانصافی سمجھتا ہے، اس لیے کہ اس پہلو سے بھی حضرات فدائے ملّت کی بسالت وشجاعت جس انداز میں اُبھر کر آتی ہے وہ آپ ہی کا حصّہ ہے۔

مجلس کا قیام جن حالات میں ہوا وہ فدائے ملّت کے لیے کوئی سازگار ماحول نہ تھا کچھ ہی دنوں قبل تقسیم دارالعلوم کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا تھا اُس کی مسموم فضا سے ماحول کا متاثر ہونا ناگزیر تھا اور فدائے ملّت کا کوئی بھی ملکی سطح کا اقدام متاثر ہوسکتا تھا۔ خود ہندوستان کے سیاسی ماحول پر غور کیجیے کہ کچھ فریب خوردہ لوگ، ایک بار پھر انگریزی گماشتوں کے ہاتھ بک رہے تھے انھیں ماضی میں ملک کے لیے مرمٹنے والے شہداء ہند کی کوئی پرواہ نہ تھی اُنھیں تو بس حکومت برطانیہ کے ''اکلوتا سکّہ'' قادیانی مطلوب تھے، بھلا ایسے موقع پر وہ لوگ خاموش رہنے والے کب تھے؟ اور ان سب کو بھی نظرانداز کردیا جائے تو جس خبیث فتنے سے پالا تھا وہ خود ہی مکروفریب کا جال بننے اور اپنے خلاف کسی بھی تحریک کو شبوتاژ کرنے میں کسی یہودی یا نصرانی سے کہاں کم تھا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلم سماج میں فدائے ملت کو مذہبی دیوانہ اور خود کو فرزانہ خیال کرنے والے دانشوروں ہی کی کہاں کمی تھی جو وہ کسی اور کو آگے بڑھنے کا موقع دیتے۔ اس سہ رُخی اور چوکھی یلغار میں ملکی سطح کی کسی تنظیم کے فیصلے کا اقدام یقیناً حضرت فدائے ملّت کی بسالت وشجاعت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ الحمدللہ آپ نے پورے عزم واستقلال کے ساتھ قدم اُٹھایا اور مجلس کو فعال بنانے کی مختلف تدبیریں اپنائیں جس کے نتیجے میں آج صرف ہندوستان نہیں بلکہ پوری دنیا کے لوگ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

کل ہند مجلس کے بتدریج ترقیاتی اقدامات اور اس کے مفید اثرات:

دیوبند میں قیام مجلس کے ابتدائی دو تین سالوں تک جبکہ صرف دفتر کے لیے دارالعلوم دیوبند نے اسے اپنی چہار دیواری میں جگہ دے رکھی تھی مع عہدے داران باضابطہ پورے ملک سے اس کی مجلس عاملہ کے ۲۳/اراکین منتخب ہوئے۔ اس دوران دفتری نظم ونسق اور طلبہ کی تعلیم وتربیت کا

کام جاری رہا۔ ایک طویل مدت تک موضوع سے متعلق اشغال نہ ہونے کی وجہ سے حضرت فدائے ملّت کے دل ودماغ پر یہ فکر سوار رہتی تھی کہ میدان میں کام کرنے والے افراد نہ ہوں تو اِس فتنۂ عمیا کا مقابلہ کیسے کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کے لیے اراکین مجلس شوریٰ کو برابر تحریک فرماتے رہتے تھے بالآخر یہ تحریک کامیاب ہوئی اور اراکین مجلس کی تجویز کے مطابق پہلی بار دسمبر ۱۹۸۸ء میں حضرت مولانا اسماعیل کٹکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ نگرانی دارالعلوم میں دس روزہ تربیتی کیمپ لگایا گیا جس میں صرف مغربی یوپی کے منتخب مدارس کے اساتذہ کو دعوت دی گئی۔ ۱۹۹۰ء میں حضرت فدائے ملّت ہی کی کوششوں سے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ نگرانی دوسرا دس روزہ تربیتی کیمپ لگا جس میں پورے ہندوستان سے منتخب مدارس کو دعوت دی گئی تھی۔ یہی وہ سال ہے جس میں راقم السطور نے شعبہ مجلس تحفظ ختم نبوت میں تعلیم وتربیت پائی۔ اِن دونوں کیمپوں کے کامیاب نتائج الحمدللہ ظاہر ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد پہلی بار علماء وفضلائے مدارس عربیہ نے قادیانیت کی خطرناکی اور اس کے اسلام مخالف نظریات کو جانا۔

اپریل ۱۹۹۱ء میں کل ہند مجلس کی افادیت کو محسوس کرتے ہوئے دارالعلوم کی مؤقر مجلس شوریٰ نے اپنی ایک تجویز کے ذریعہ باضابطہ اس کو اپنا تعلیمی وتبلیغی شعبہ بنالیا اور منتخب ممبران کو مجلس شوریٰ کے لیے ذیلی مشاورتی کمیٹی کی حیثیت دے دی تاکہ اس کے ذریعے تبلیغی میدان میں مجلس کا دائرہ وسیع ہو اور اس کی افادیت میں اضافہ ہو۔ چنانچہ فروری ۱۹۹۲ء میں مجلس عاملہ کا اجلاس بحیثیت مشاورتی کمیٹی کے شوریٰ کے اجلاس کے موقع پر بلایا گیا تھا۔

مجلس شوریٰ نے اس کی مزید افادیت محسوس کرتے ہوئے ۱۹۹۱ء سے شعبے کے تحت مستقل مبلغین کا تقرر شروع کیا جس کی تجویز مارچ ۱۹۸۹ء کی مجلسِ شوریٰ میں پاس ہوچکی تھی۔ تعلیمی شعبے میں پہلے ایک یا دو طلباء کا داخلہ منظور ہوتا تھا اور اب چار فضلائے دارالعلوم کا باضابطہ ایک سال کے لیے داخلہ منظور کیا جاتا ہے جبکہ شوری کی تجویز کے مطابق سہ ماہی کورس میں دیگر مدارس کے فضلاء کو بھی استفادے کا موقع دیا جاتا ہے۔ آج الحمدللہ! شعبہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے فضلاء ملک کے مختلف صوبوں میں تحفظ ختم نبوت کے میدان میں مصروف خدمت ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد موضوع کے تعلق سے کتابوں اور لٹریچر کا یہ حال تھا کہ بڑی بڑی لائبریریوں میں کوئی ایک کتاب بھی دستیاب نہ تھی بلکہ اہل علم کی نئی پود یہ بھی نہ جانتی تھی کہ اس موضوع پر ہمارے اکابر نے کس قدر قلمی کارنامے انجام دیے ہیں۔ آج الحمدللہ آپ کو خاطر خواہ مواد اس موضوع پر قدیم وجدید تصنیفات کا ملے گا خود کل ہند مجلس کی تقریباً ساٹھ کتابیں اور

پمفلٹ اُردو ہندی اور انگلش میں موجود ہیں۔

کتابوں کی فراہمی اور تقسیم کے سلسلے میں حضرت فدائے ملت کی فکرمندی دیکھئے کہ کل ہند اجتماع رابطہ مدارس عربیہ منعقدہ صفر ۱۴۱۵ھ کے موقع پر اجتماع کی پانچویں نشست مجلس تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر رکھی گئی تھی تو اس نشست میں اپنے صدارتی خطاب میں حضرت والا نے باضابطہ اپیل فرمائی کہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو کتابوں کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اس لیے ان کی طباعت اور تقسیم کے لیے اہل خیر حضرات کو آگے آنا چاہیے۔ اس تحریک پر ایک صاحب خیر نے پچاس ہزار روپئے کے تعاون کا اعلان فرمایا۔ بیس ہزار روپئے کچھ احباب نے مل کر نقد پیش کیے جبکہ بقیہ بہت سے لوگوں نے آئندہ ارسال کرنے کے وعدے کیے۔ اسی طرح سے جون ۱۹۹۷ء میں دہلی کے اجلاس کے موقع پر لاکھوں روپئے کی کتابیں مفت تقسیم کی گئیں تا کہ لوگ پڑھیں اور فتنہ کی خطرناکی کو سمجھیں۔ الحمد للہ اس کے مفید اثرات سامنے آئے، لٹریچر کے توسط سے پڑھے لکھے لوگوں میں فتنہ کے خلاف مناسب بیداری آئی۔ تربیتی کیمپوں میں بھی آپ جگہ جگہ دیکھیں گے کہ حضرت کی توجہ کتابوں کی جانب ہوتی تھی اور اپنے ہاتھ سے کتابوں کی تقسیم فرماتے تھے۔

کل ہند مجلس کا ایک بڑا کارنامہ قادیانی سیلاب پر بند باندھنے کے میدان میں یہ بھی ہے کہ ملک کے گوشے گوشے میں قادیانی فتنے کے خلاف ایک عمومی فضا اس طرح تیار کر دی گئی کہ عوام و خواص کی نظر میں قادیانیت گویا ایک گھناؤنی سی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ قادیانی بہادر اب خود کو قادیانی کہتے ہوئے نہ صرف یہ کہ شرماتے بلکہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اپنے منحوس نبی کے منحوس نام اور ناپاک و پلید، مولد و مدفن ''قادیان'' کی طرف نسبت کرنے میں گالی محسوس کرتے ہیں۔ انھیں کوئی یہودی کہہ دے تو اتنا نہیں چڑتے جتنے قادیانی کہنے سے چیں بجبیں ہوتے ہیں۔ گویا مکر و فریب کی دنیا میں قادیانیت یہودیت سے بھی دو قدم آگے کی چیز بن گئی ہے۔

اسی طرح راقم السطور کا خود تجربہ ہے کہ ایک زمانے میں اخبار اور میڈیا کے لوگ لفظ 'قادیانی' استعمال کرتے ہوئے سلطنت برطانیہ کے اکلوتے سکّہ سے خوف کھاتے اور مجلس تحفظ ختم نبوت کی کوئی خبر شائع کرنے سے گھبراتے تھے، جیسا کہ ابھی بھی بعض اخبار والوں نے اپنی ترقی کا راز اسی میں مضمر سمجھا ہے۔ مسلم اور ایمان دار ایڈیٹر اور مسلم اخباری نمائندے بھی اپنی دانشوری اسی میں سمجھتے تھے کہ قادیانیوں کے خلاف کچھ نہ کہا جائے۔ بلکہ بعض تو رواداری اور تہذیب و ادب کے حوالے سے مرزا قادیانی کو باضابطہ ''صاحب'' کہلوانا اور لکھنا پسند کرتے تھے۔ لیکن جب اُن سے پوچھا جاتا کہ جناب! پھر مسیلمہ کذاب نے کون سا گناہ عظیم کیا تھا کہ آج تک آپ اس کو مسیلمہ صاحب،

ابوجہل صاحب، نہیں کہتے؟ اس کا کوئی جواب موجودہ دور کے فرزانوں کے پاس نہیں ہوتا۔

کل ہند مجلس کے پلیٹ فارم سے آج الحمدللہ امت سمجھ چکی ہے کہ مرزا قادیانی میں کیا خوبیاں تھیں جو اُس کے دعویٰ نبوت پر توجہ دی جائے بلکہ قادیانیوں میں سے بے شمار افراد کو راہ ہدایت اسی راہ سے ملی اور جن کے مقدر میں ہدایت نہیں وہ مرزا کے دعوے پر تو خوب بحث کرتے ہیں لیکن اس کی ذات پر بحث تو دور اس کو سننے، سمجھنے سے بھی شرماتے اور منہ چھپاتے ہیں۔

کل ہند مجلس کے ذریعے تبلیغی میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام پائے ہیں وہ بھی حضرت فدائے ملت کی دینی بصیرت کے درخشندہ ابواب ہیں۔ ملک کے گوشے گوشے، تربیتی کیمپوں کا انعقاد، اجلاس عام، خصوصی میٹنگیں، ضلعی اور صوبائی سطح پر کل ہند مجلس سے ملحق مجالس کا قیام اور پھر ان کے تحت لیٹریچر کی طباعت و تقسیم، مدارس میں اس موضوع پر شعبوں کے قیام کی تحریک وغیرہ خدمات کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ آج الحمدللہ حضرت موصوف کی سیاسی اور دینی سوجھ بوجھ نے کل ہند مجلس کے پلیٹ فارم سے قادیانی فتنے کا ایسا توڑ دریافت کیا کہ مرزائیت خفیہ یا اعلانیہ، جہاں بھی جاتی ہے کل ہند مجلس کو اپنے لیے سد سکندری پاتی ہے، اور ایسے لوگوں کی معتد بہ تعداد ہے جو قادیانیت کے جال میں پھنس گئے تھے لیکن کل ہند مجلس کی مساعی جمیلہ کے صدقے قادیانیت سے تائب ہوکر دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے اور اُن لوگوں کی تو ایک بڑی تعداد ہے جو کسی طرح مرزائیت سے متاثر ہوچکے تھے اور انھیں کل ہند مجلس کی تبلیغ یا لٹریچر سے ہدایت ملی اور وہ از خود راہ راست پر آ گئے۔ ورنہ ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس وہ مادی وسائل کہاں ہیں جو اُن کا مقابلہ کرتے اور کس کس میدان میں کرتے۔

تحفظ ختم نبوت کے تعلیمی میدان میں حضرت والا کے فیوض:

تحفظ ختم نبوت کی پوری تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو بدیہی طور یہ عیاں ہے کہ ہمارے اکابر متقدمین نے تصنیفی اور تبلیغی میدان میں کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا، بلکہ ہر موضوع پر مختلف جہات سے تشفی بخش اور سیر حاصل مواد موجود ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس عظیم ذخیرے میں کوئی ایسا مرتب نصاب ہمیں نہیں ملتا جس پر دور حاضر میں رائج طریقۂ تدریس کے مطابق کام کیا جائے اور مختصر وقت میں فضلائے مدارس عربیہ میں شرح وبسط کے ساتھ میدان میں کام کرنے کی صلاحیت و جرأت پیدا کر دی جائے۔ رجال کار کی تیاری کے لیے ظاہر سی بات ہے کہ نصاب ایک بنیادی کردار نبھاتا ہے، ذمہ داران شعبہ نے جو نصاب بنایا تھا حضرات اراکین مجلس شوریٰ کے توسط سے حضرت فدائے ملت نے اس پر عمل درآمد کے لیے کامیاب افراد مہیا فرما کر نہ صرف یہ

کہ رجال کار کے لیے تعلیمی میدان میں روح پھونک دی بلکہ تحفظ ختم نبوت کی تاریخ میں ایک مفید باب کا اضافہ فرمانے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔ آج الحمدللہ یہی نصاب ہندوستان کے اُن تمام مدارس میں رائج ہے جہاں یہ شعبہ قائم ہے۔

بعض لوگ اس کو صرف مطالعاتی مضمون سمجھتے رہے ہیں اور اس خام خیالی میں مبتلا رہے کہ اگر کسی کو مسلسل مطالعہ کرا دیا جائے تو کماحقہٗ مقصد حاصل ہو جائے گا اور بعض پڑھے لکھے لوگ تو اس کو خشک موضوع قرار دے کر سرے سے اس میں لگنے ہی کو فضول و تضیع اوقات سمجھتے رہے ہیں۔ اس میں کوئی دورائے نہیں اکثر دفعہ ہماری خامیاں ہی اُن لوگوں کی غلط فہمی کا سبب بنتی رہی ہیں لیکن گذرتے وقت کے ساتھ ایسے ناقدین نے از خود یہ محسوس کیا کہ واقعی یہ موضوع سے اپنی ناواقفیت اور غلط فہمی تھی کہ اس کو ایک مطالعاتی مضمون سمجھا گیا یا فضول سمجھا گیا۔ بلکہ کچھ دنوں بعد نصاب کی کامیابی کو بھی انھوں نے محسوس کیا جب میدان میں دیکھ لیا کہ تحفظ ختم نبوت کے فضلاء قادیانیوں کے گھروں میں گھس گھس کر حملہ کرنے کی جرأت وصلاحیت رکھتے ہیں۔ اور عوام کا ہو یا پڑھے لکھے لوگوں کا طبقہ، ہر میدان میں یہ نصاب اپنے حاملین میں جرأت و بیباکی پیدا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

جہاں تک اہل فن کی بات ہے تو مئی ۲۰۰۱ء میں راقم السطور کی ملاقات جب تحفظ ختم نبوت کے استاذ الاساتذہ اور اپنے فن کے امام، یکتائے روزگار حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نوراللہ مرقدہٗ سے ہوئی تو حضرت موصوف نے دارالعلوم میں شعبہ تحفظ ختم نبوت کے نصاب سے متعلق تفصیل سے معلوم فرمایا اور اپنے صاحبزادگان جناب مولانا محمد الیاس صاحب، ومحترم مولانا ثناءاللہ صاحب نیز جناب مولانا مشتاق احمد صاحب و دیگر اساتذہ جامعہ چنیوٹ کی موجودگی میں بے حد پسندیدگی وخوشی کا اظہار فرمایا جو اس کے مفید مستند ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ اسی موقع پر حضرت نے بندۂ ناچیز کا امتحان بھی لیا اور اپنی خصوصی سند سے نوازا جو بندہ کے لیے دنیا و آخرت کا بے بدل سرمایہ ہے۔ سفر سے واپسی کے بعد پھر حضرت استاذ محترم کا خط بندہ کے نام آیا جس میں اُس نصاب کی تفصیل اور طریقۂ تدریس تحریراً مطلوب تھی، راقم السطور نے وہ تفصیل بذریعے ڈاک ارسال کی۔

رجال کار کی تیاری کے لیے تربیتی کیمپوں کا سلسلہ اور حضرت فدائے ملّت کی دلچسپی:

ناظرین! حضرت فدائے ملّت کی زندگی کا یہ بڑا تابناک پہلو اور دانشمندانہ اقدام ہے اگر

تفصیل سے اس پر کچھ لکھا جائے تو بلا مبالغہ ایک ضخیم تاریخی کتاب تیار ہوگی۔ سردست مختصراً تربیتی کیمپوں کی ایک اجمالی تاریخ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے جو انتہائی عجلت میں لکھی گئی ہے فروگذاشت تو ہونا یقینی ہے اس لیے قارئین سے پیشگی معذرت ہے۔ ایک دو کو چھوڑ کر ہندوستان کے تقریباً تمام ہی تربیتی کیمپوں میں راقم السطور شریک رہا ہے۔ جن تربیتی کیمپوں میں حضرت فدائے ملّت نے شرکت فرمائی یا جن اجلاسوں اور کانفرنسوں کو آپ نے خطاب فرمایا، اپنی یادداشت اور کچھ کل ہند مجلس کے ریکارڈ سے حاصل کر کے بندہ جو کچھ تیار کر سکا وہ پیشِ خدمت ہے۔ اگر کوئی کیمپ یا اجلاس عام اِس مضمون میں شامل نہیں تو اپنے قارئین سے گذارش کروں گا کہ اُس کی تفصیلات سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ شامل ہوسکے۔ انشاء اللہ آئندہ اس اجمال کی تفصیل بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

فروری ۱۹۹۲ء تربیتی کیمپ دارالعلوم گاڑی گاؤں گوہاٹی:

تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر رجال کار کی تیاری کے لیے حضرت فدائے ملت کی فکر کا حال یہ تھا جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اپنے تمام متعلقین کو موقع بموقع اس جانب توجہ دلاتے رہتے تھے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری سے باہر سب سے پہلے صدر جمعیۃ علماء آسام حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی دعوت پر دارالعلوم گاڑی گاؤں گوہاٹی میں ۲۱ تا ۲۶ رشعبان ۱۴۱۲ھ مطابق فروری ۱۹۹۲ء پانچ دن کا تربیتی کیمپ لگا جس میں مربی خصوصی کی حیثیت سے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کٹکیؒ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلندشہری اور راقم السطور (شاہ عالم گورکھپوری) نے شرکت کی۔ کیمپ کی آخری نشست مندوبین کے تاثرات کے لیے خاص کی گئی تھی وہ حضرت فدائے ملت کی زیرِ صدارت منعقد ہوئی۔ اس پوری نشست میں حضرت تشریف فرماں رہے اور مندوبین کے تاثرات سنتے رہے اور اخیر میں فتنے کے عواقب وعوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے علماء کو اس کے خلاف آگے آنے اور مسلسل کام کرنے کی ترغیب دی۔ مندوبین نے اپنے تاثرات میں بتایا کہ کیمپ میں شرکت سے پہلے قادیانیت کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے تھے لیکن اب الحمد للہ! علی وجہ البصیرت قادیانیوں کی فریب کاری اور اُن کے اسلام مخالف عقائد و نظریات ہمیں معلوم ہوگئے ہیں انشاء اللہ عوام کو اس فتنہ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اس کیمپ میں تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد علماء منی پور، میگھالیہ، مغربی بنگال اور آسام کے شریک تھے۔

۲۶ رشعبان میں بعد نماز ظہر حضرت شیخ احمد علی باسکنڈی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ صدارت ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت فدائے ملّت کا ایمان افروز بیان ہوا جو آج بھی

کل ہند مجلس کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ تقسیم ملک کے بعد آسام کی تاریخ میں یہ پہلا ریکارڈ ہے کہ قادیانیت کے خلاف تربیتی کیمپ لگا اور کھلے اسٹیج سے قادیانیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی ورنہ اس سے پہلے کا حال یہ تھا کہ قادیانی خود کو مسلمان بتا کر مسلمانوں کو قادیانی بنانے کی خفیہ سرگرمیوں میں اس طرح بدمست تھے کہ انھوں نے آسامی زبان میں قرآن مجید کا غلط اور من گھڑت ترجمہ چھاپ کر کے گھر گھر تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا اور کوئی اُن کی ارتدادی تحریک کا نوٹس لینے والا نہ تھا۔

جولائی ۱۹۹۲ء سہ روزہ تربیتی کیمپ مدارس:

دارالعلوم کی چہار دیواری سے باہر گوہاٹی میں تربیتی کیمپ کی کامیابی اور افادیت کو دیکھتے ہوئے شہر مدراس میں ۲۵/۲۶/۲۷/ جولائی ۱۹۹۲ء میں سہ روزہ تربیتی کیمپ لگایا گیا۔ اس کیمپ کے داعی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور اُن کے خصوصی رفقاء کار پروفیسر نصر اللہ صاحب، مولانا محمد اقبال صاحب وانمباڑی وغیرہ تھے۔ اِس کیمپ میں بھی راقم السطور خصوصی طور پر شریک رہا۔ کیمپ کی آخری اور آٹھویں نشست ۲۷/ جولائی میں بعد نماز مغرب زیرِ صدارت حضرت فدائے ملّتؒ منعقد ہوئی جس میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ نے اپنے خصوصی خطاب میں جو کچھ فرمایا تھا اسے ملاحظہ فرمایئے پروفیسر نصر اللہ صاحب کے قلم سے:

> ''حضرت ناظم اعلیٰ صاحب نے اپنی تقریر کے اخیر میں اس بات کا خصوصیت سے تذکرہ فرمایا کہ ہندوستان میں دوبارہ قادیانیت کے فتنہ کے سر اُبھارنے کی وجہ سے اس کے تعاقب وسرکوبی کے لیے مسلمانوں میں عموماً اور علماء کرام میں خصوصاً بیداری پیدا کرنے کی جو تحریک دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں شروع ہوئی ہے اور جس کا ایک شاندار مظاہرہ مدراس کا یہ تربیتی کیمپ ہے اس تحریک اور تمام تر جدوجہد کے روح رواں حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب رکن شوری دارالعلوم دیوبند ہیں جن کے ہم بے حد شکر گذار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس کے مفید نتائج ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔'' (آئینہ دارالعلوم)

سیکریٹری رپورٹ کے بعد حضرت فدائے ملت نے اپنے ہاتھوں سے تمام شرکاء کیمپ کو سند شرکت عنایت فرمائی اور اپنے خصوصی خطاب میں اپنی اُن مساعی جمیلہ کا مختصر طور پر بطور اظہار واقعہ ذکر فرمایا جو حضرت موصوف نے قادیانیوں کے تعاقب میں عالم اسلام کی نمائندہ کانفرنس ''رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ'' میں انجام دیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا فرمایا کہ ان مساعی کے بہترین نتائج

سامنے آئے اور عالم اسلام نے متفقہ طور پر قادیانیوں کے کفر وارتداد کا فتویٰ صادر کر دیا۔ حضرت نے اسلام میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت بیان فرما کر اعلان فرمایا کہ اس کے تحفظ کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے گا انشاء اللہ۔

جولائی ۱۹۹۲ء صوبہ کیرالہ کا دورہ اور نمائندہ اجتماع میں شرکت:

کیرالہ ہندوستان کا ایک ایسا صوبہ ہے جہاں قادیانی ایک مدت سے خرمستیوں میں مبتلا تھے اس صوبے میں حضرت فدائے ملّت کی تحریک پر صوبہ کے علماء کا ایک نمائندہ اجتماع ۲۹؍جولائی ۱۹۹۲ء میں بلایا گیا جس کے داعی مولانا محمد صالح محمد نوح صاحب القاسمی مہتمم مدرسہ حسینیہ آلوای تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے شریک ہونے والے وفد میں راقم السطور کا بھی نام تھا۔ مولانا محمد اسحاق قاسمی صاحب سکریٹری مجلس تحفظ ختم نبوت کیرالہ اپنی رپورٹ میں تحریر کرتے ہیں:

''۲۸؍جون کی شب میں حضرت فدائے ملّت نے ردقادنیت کے موضوع پر مدرسہ حسینیہ کایم کولم میں بیان فرمایا جس میں قرب وجوار کے کثیر علماء شریک رہے۔ ۲۹؍جولائی کی صبح ۸ بجے مدرسہ فاروقیہ چند روز میں بھی ردقادیانیت کے موضوع پر جلسے کا انعقاد ہوا، حضرت نے اپنے بلند پایہ خطاب میں سامعین وحاضرین کو قادیانی فتنہ کی طرف توجہ دلا کر اس کے مقابلے کے لیے ہر قسم کے وسائل بروئے کار لانے پر زور دیا۔

اسی روز جامعہ حسینیہ آلوای میں ۱۱؍بجے سے نمائندہ اجتماع کا پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ پروگرام کی تیسری اور آخری نشست میں بعد نماز عصر یہاں بھی حضرت موصوف نے علماء کو قادیانی فتنہ کی سنگینی کی طرف توجہ لائی اور مسیلمہ پنجاب مرزا قادیانی کے کیریکٹر اور حالات زندگی بیان فرماتے ہوئے اس کی جھوٹی پیشگوئیوں کا تذکرہ فرمایا جس سے مرزا قادیانی کا کذاب ودجال ہونا عیاں ہو گیا۔ چنانچہ تمام حاضرین نے وعدہ کیا کہ اپنے اپنے علاقے میں انشاء اللہ اس فتنے کے تعاقب کا سلسلہ شروع کریں گے۔ اسی نشست میں مجلس تحفظ ختم نبوت کیرالہ کی تشکیل بھی عمل میں آئی۔'' (خلاصہ: رپورٹ آئینہ دارالعلوم)

قادیانی فتنہ کے خلاف مسلم ممبران پارلیمنٹ کی ذہن سازی:

حضرت فدائے ملت نے تحفظ ختم نبوت کی خدمت کو اپنے شب وروز کے مشغلے میں اس طرح شامل کر رکھا تھا کہ عوامی میدان ہو یا علماء مدارس کا یا سیاسی وسماجی دانشوران قوم وملت کا،

کہیں بھی آپ اِس خدمت سے غافل نظر نہیں آتے، چنانچہ ایک دفعہ دسمبر۱۹۹۲ء میں تمام مسلم ممبران پارلیمنٹ کی آپ نے دفتر جمعیۃ علماء ہند میں دعوت کی تو بطور خاص ان کے سامنے قادیانی مسئلے کو رکھا اور تبادلۂ خیالات کے بعد تمام ممبران نے بالاتفاق طے کیا کہ قادیانیوں کے خلاف کام کیا جانا چاہیے۔اسی طرح ایک میٹنگ آپ نے دفتر جمعیۃ علماء ہند میں دہلی کے عمائدین کی بلائی جس میں ڈاکٹر رشید الوحیدی صاحب، ڈاکٹر مولانا ہشام صاحب، خواجہ سلیم احمد صاحب، مولانا ظفر الدین صاحب باب العلوم جعفرآباد وغیرہ دہلی کی اہم ترین شخصیات نے شرکت کی۔ میٹنگ میں آپ نے قادیانیوں کی دسیسہ کاریوں سے شرکاء مجلس کو آگاہ فرمایا اور مشورے میں یہ طے کیا گیا کہ دہلی میں ختم نبوت کے موضوع پر کانفرنس بلائی جائے تاکہ عوام اس فتنہ کے خلاف بیدار ہو جائیں۔

۱۹۹۵ء سہ روزہ تربیتی کیمپ کلکتہ:

کلکتہ اور مغربی بنگال کے بعض علاقوں میں قادیانیوں نے عوام کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھا کر باضابطہ پوسٹر بازی شروع کر دی حضرت فدائے ملّت کو جیسے ہی اس کی خبر ہوئی آپ نے جمعیۃ علماء مغربی بنگال کو متحرک فرمایا اور ۲۸ تا ۳۰ رشوال ۱۴۱۵ھ میں سہ روزہ تربیتی کیمپ لگایا گیا جس کے داعی جناب مولانا صدیق اللہ چودھری صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء مغربی بنگال اور اُن کے رفقاء کار تھے۔کیمپ کے بعد اجلاس عام بھی بڑے پیمانے پر کلکتہ کے مشہور میدان پارک سرکس میں منعقد ہوا جس میں دیگر علماء کے ساتھ بطور خاص حضرت فدائے ملت کا بیان ہوا جس سے کلکتہ کے عوام میں قادیانی فتنہ کے خلاف عمومی بیداری آئی۔شرکاءکیمپ میں سند شرکت اور ردِّ قادیانیت کے موضوع پر قیمتی کتابوں کے سیٹ منتظمین کی جانب سے تقسیم کیے گئے جو قیمتاً کل ہند مجلس سے حاصل کیے گئے تھے۔

دسمبر۱۹۹۵ء اجلاس رابطہ مدارس عربیہ کے موقع پر ایک خصوصی نشست:

ترتیب وار سابقہ پروگراموں سے ناظرین نے خود اندازہ لگالیا ہوگا کہ تحفظ ختم نبوت کا موضوع حضرت فدائے ملّت کے شب و روز کے معمولات میں شامل تھا۔تحفظ ختم نبوت کا کوئی پروگرام ہو کوئی تقریب ہو، حتی الامکان اس میں ضرور شرکت فرماتے تھے۔اسی طرح کا ایک ریکارڈ ۱۴ر دسمبر ۱۹۹۵ء میں ملتا ہے، تحریر غالباً مفتی معصوم ثاقب فیض آبادی کی ہے جس میں لکھا ہے رابطہ مدارس عربیہ کے اجلاس منعقدہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۹۵ء کے موقع پر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے مندوبین و رفقاء مجلس کے لیے ایک مشاورتی میٹنگ منعقد ہوئی تو اس میں خصوصی طور پر حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نے شرکت فرمائی اور ایک پرمغز اور مفصل خطبہ ارشاد فرمایا۔ دورانِ خطبہ

حضرت نے فرمایا کہ:

قادیانیت اسلام دشمن طاقتوں کا ایک حصّہ ہے یہ مسلمانوں کو روپے پیسے اور اسکالرشپ وغیرہ کا لالچ دے کر مرتد بناتے ہیں اور قرآن واحادیث کی نصوص میں تاویلات کر کے مسلمانوں میں عقائد باطلہ کی ترویج کرتے ہیں اِس وقت دنیا کے تمام بڑے ملکوں میں ان کے مراکز قائم ہوچکے ہیں بالخصوص ہندوستان میں کفر وارتداد پھیلانے میں مصروف ہیں۔اس موقع پر حضرت نے اپنی تقریر میں خصوصاً رابطہ عالم اسلامی کے متفقہ فیصلے کا ذکر کیا جس میں عالم اسلام کے کل علماء بشمول حضرت والا نے قادیانیوں کو کافر ومرتد قرار دیا، آپ نے رابطہ کے اس فیصلہ کا پس منظر بھی ذکر فرمایا: اور کچھ تجاویز بھی حضرت نے پیش فرمائیں جس کے متعلّق حضرت مولانا سیّد اسماعیل کٹکی صاحبؒ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ یہ محض تجاویز نہیں بلکہ ردِّ قادیانیت کے بارہ نکاتی پروگرام ہیں اگر ان پر عمل درآمد ہوتو قادیانیت کا قلع قمع ہوسکتا ہے۔

ہندوستان میں قادیانی کتب کے مراجع کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی چونکہ مرزائی مرزا کی کتابوں کو اس طرح چھپاتے پھرتے ہیں جیسے بلّی اپنی غلاظت کو چھپاتی ہے۔اس ضرورت کی تکمیل کے لیے بطور خاص حضرت فدائے ملّتؒ نے پروفیسر الیاس برنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' شائع کرنے کی تحریک فرمائی چنانچہ جنوری ۱۹۹۶ء میں باضابطہ کل ہند مجلس کی جانب سے اسے شائع کیا گیا جس پر آپ نے بھی ایک صفحے کا مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔

اپریل ۱۹۹۶ء نیپال میں چار روزہ تربیتی کیمپ:

نیپال کے پسماندہ علاقوں میں تشویشناک حد قادیانی ریشہ دوانیوں کی اطلاعات حضرت فدائے ملّت کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں چنانچہ نیپال کی سرحد، رمول، (نیپال) ورکسول (ہندوستان) میں ردِّ قادیانیت کے موضوع پر دو کانفرنسیں ہوئیں تو اس میں بھی حضرت والا شریک ہوئے حضرت کے ہمراہ جناب مولانا محمد عرفان صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند بھی شریک پروگرام رہے۔اسی سلسلے میں حضرت کی باضابطہ ہدایت پر جناب ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب چندن بارہؒ نے اپنے رفقاء کے ہمراہ نیپال میں متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور علاقہ کے علماء ودانشوروں کی متوجہ کیا۔ چنانچہ مدرسہ محمودیہ راجپورہ ضلع روتہٹ نیپال میں چار روزہ تربیتی کیمپ ۳۰/مارچ تا ۲/اپریل ۱۹۹۶ء میں لگایا گیا جس میں حضرت فدائے ملّت نے مبسوط خطاب فرمایا اور شرکائے کیمپ کے علاوہ شرکائے اجلاس کو بھی اپنے فیوض سے مستفیض فرمایا اور آپ کی تحریک پر تحفظ ختم نبوت کی آل نیپال کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔

جولائی ۱۹۹۶ء زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں اجلاس عام:

جمعیۃ علماء مغربی بنگال کے جنرل سکریٹری مولانا صدیق اللہ چودھری کی دعوت پر تحفظ ختم نبوت ورد قادیانیت کے موضوع پر دو یوم کا اجلاس عام کلکتہ کے مصروف ترین علاقہ زکریا اسٹریٹ کے چوراہے پر منعقد کیا گیا جس میں بطور خاص حضرت فدائے ملّت نے شرکت فرمائی اور خطاب عام سے مجمع کو مستفیض فرمایا۔

اکتوبر ۱۹۹۶ء جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ میں خصوصی غور خوض:

حضرت فدائے ملّتؒ کی تحریک پر جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں خصوصی طور پر قادیانی سرگرمیوں کا سدباب کرنے کے لیے غور وخوض کیا گیا اور دفتر جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے اُڑیسہ، بنگال، اور آندھرا پردیش میں ردِ قادیانیت کے مبلغین کے تقرر کیے جانے کی منظوری دی گئی اور مقامی ذمہ داران کو ان کی نگرانی سپرد کی گئی نیز مجلس میں یہ بھی طے ہوا کہ انگریزی زبان میں ردِ قادیانیت کے موضوع پر کتابیں اور پمفلٹ شائع کرائے جائیں۔

مارچ ۱۹۹۷ء ۲۴ پرگنہ میں دو روزہ اجلاس عام:

صدر جمعیۃ علماء ۲۴ پرگنہ، جناب مولانا عبدالسلام رحیمی اور جناب مولانا صدیق اللہ چودھری صاحب کی دعوت پر ۲۴ پرگنہ میں دو روزہ اجلاس ۲/۳ مارچ ۱۹۹۷ء میں منعقد کیا گیا جس میں حضرت فدائے ملّت نے دو تہائی بنگلہ زبان میں زبردست بیان فرمایا اور مرزا قادیانی کے کذبات کھول کھول کر بیان فرمائے۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں محض اپنی چودھراہٹ سے قادیانی گماشتے کوئی پروگرام نہیں ہونے دیتے تھے لیکن چند باہمّت افراد کے تعاون سے قادیانیوں کی ساری چودھراہٹ خاک میں مل گئی اور پروگرام کی تمام نشستیں کامیاب ہوئیں۔ اس پروگرام میں بحمد اللہ راقم السطور (شاہ عالم گورکھپوری) بھی شریک تھا۔

مئی ۱۹۹۷ء کوچ بہار میں قادیانی مباہلہ سے فرار ہوئے:

پچھّم بنگال کے کوچ بہار علاقہ میں قادیانی جگہ جگہ مباہلہ کا چیلنج دیتے پھر رہے تھے اور اس بہانے مسلمانوں کو بہکاتے تھے، اس کی اطلاع مفتی عبدالنور قاسمی اور مولانا مجاہد اسلام قاسمی آسامی نے مرکز المعارف ہوجائی آسام کو دی، چنانچہ مرکز کی طرف سے مولانا سعدالدین اور مولانا عبدالقادر صاحبان کو بھیج کر ایک بڑے اجلاس عام کی تیاری غالباً ماہ مئی یا اپریل میں کی گئی جس میں حضرت فدائے ملّتؒ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کریم گنجی اور جناب مولانا عبدالرشید قاسمی صاحب نے شرکت کی، قادیانیوں کو مباہلہ کے لیے سامنے آنے کی تو کیا جرأت ہوتی جب

کسی قیمت پر مباہلہ کے لیے راضی نہ ہوئے تو مقامی ایس پی صاحب نے قادیانیوں سے عہد لیا کہ وہ علاقہ فوری طور پر خالی کر دیں۔اس موقع سے حضرت کا خصوصی خطاب عام ہوا۔

جون ۱۹۹۷ء شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں عظیم الشان کانفرنس:

کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی زیرِ نگرانی، جمعیۃ علماء ہند دہلی کی دعوت پر ۱۴؍جون ۱۹۹۷ء میں ایک تاریخی کانفرنس بلا کر قادیانیوں کے بارے میں مسلمانوں کا موقف واضح کیا گیا تا کہ مسلمان، قادیانی فرقہ کی ارتدادی زہرناکیوں سے آگاہ ہو جائے۔اس موقع پر ایک وقیع خطبہ حضرت فدائے ملّت نے پیش فرمایا۔اس کانفرنس میں حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرکت فرمائی تھی اور غالباً آپ نے ہی پروگرام کا افتتاح بھی فرمایا تھا۔ پروگرام سے قبل ایک پریس کانفرنس بھی حضرت نے بلائی تھی جس سے پورے ملک میں میڈیا کے ذریعے قادیانیوں کا ملحدانہ چہرہ عوام کے سامنے آ گیا۔ تقسیم ہند کے بعد یہ پہلی تاریخی کانفرنس ہے جو جامع مسجد دہلی کے اُردو پارک میں منعقد ہوئی جس میں پچاس ہزار سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی تھی۔

اکتوبر ۱۹۹۷ء کاٹھمنڈو میں عظیم الشان کانفرنس:

مجلس تحفظ ختم نبوت نیپال کی جانب سے نیپال کی راجدھانی کاٹھمنڈو کے راشٹریہ سبھا گیری ہال میں ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۷ء میں ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ملک کے وزیر اعظم اور متعدد ممبران پارلیمنٹ نے مسلمانوں کے موقف کی حمایت میں شرکت کی۔حضرت فدائے ملّت کا پر مغز بیان ہوا جس سے پورے ملک میں قادیانیوں کا ارتدادی چہرہ عوام وخواص کے سامنے آیا۔ نیپال کی تاریخ میں تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر یہ پہلی کانفرنس تھی جو زیر صدارت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب صدر مجلس منعقد ہوئی۔راقم السطور بھی اس پرگرام میں شریک تھا۔

ستمبر ۱۹۹۷ء شہر کلکتہ میں اجلاس عام:

جمعیۃ علماء کلکتہ کی دعوت پر سرائٹ اسٹریٹ شہر کلکتہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس ۲؍ستمبر ۱۹۹۷ء میں منعقد ہوئی جس میں فدائے ملّت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے اپنے پر مغز خطاب سے سامعین کو مستفید فرمایا۔کلکتہ کے قادیانیوں نے اس کانفرنس کو روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا لیکن قادیانیوں نے اپنے منہ کی کھائی اور الحمد للہ پروگرام کامیاب ہوا۔

۱۹۹۸ء کرناٹک کے قادیانی حج کے بغیر واپس:

حضرت فدائے ملّتؒ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود قادیانی فتنہ کی سنگینی کو کس طرح محسوس فرماتے تھے، اس کی ایک مثال یہ بھی ملاحظہ کیجیے کہ ۱۹۹۸ء میں کرناٹک کے چند قادیانی

خفیہ طور پر حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ کل ہند مجلس اور جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے ضابطہ کی کارروائی عمل میں لائی جا رہی تھی لیکن مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر حضرت فدائے ملّت نے وقت فارغ کر کے باضابطہ اس مسئلہ کے لیے سعودی سفیر سے ملاقات فرمائی اور اُن کے قادیانیت کے ثبوت پیش فرمائے، الحمد للہ حضرت کی کوششیں بار آور ہوئیں اور حج سے پہلے ہی حکومت سعودیہ نے قادیانیوں کو گرفتار کر کے مرزا کے مرگھٹ قادیان ہندوستان بھیج دیا۔

جون ۱۹۹۸ء جعفر آباد، دھلی میں دوسری عظیم الشان کانفرنس:

مشرقی دہلی کے مشہور علاقہ ویلکم جعفر آباد میں جمعیۃ علماء دہلی اور جناب مفتی ظفر الدین صاحب وغیرہ کی دعوت پر دوسری عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت حضرت فدائے ملّتؒ نے فرمائی۔ اس کانفرنس میں تقریباً ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد حضرت ہی کی تحریک پر دفتر جمعیۃ علماء ہند میں عمائدین دہلی کی ایک میٹنگ بلائی گئی جس مجلس تحفظ ختم نبوت صوبہ دہلی کی تشکیل عمل میں آئی جس کے صدر محترم جناب ڈاکٹر سیّد فاروق صاحب اور نائب صدر جناب مفتی ظفر الدین صاحب قرار پائے اور دہلی کے تمام علاقوں سے ممبران منتخب ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۹۸ء کانپور میں سہ روزہ تربیتی کیمپ:

کانپور اور اس کے گرد و نواح میں قادیانی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لیے حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب مدظلہ کی دعوت پر مدرسہ جامع العلوم میں ۱۰/۱۱/۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۸ء سہ روزہ تربیتی کیمپ لگا جس کی آخری نشست میں حضرت فدائے ملّت نے شرکت فرمائی۔ شرکائے کیمپ کو قیمتی کتابوں کے سیٹ اور سند شرکت تقسیم فرما کر اپنے خصوصی خطاب سے مستفید فرمائی۔

نیز حلیم انٹر کالج کے وسیع میدان میں ایک عظیم الشان کانفرنس حضرت ہی کی زیر صدارت منعقد ہوئی، جس کا افتتاح حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ ندوی نے فرمایا تھا۔ اس اجلاس کے بعد کانپور کے گیارہ عدد قادیانی قادیانیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جائے۔

فروری ۱۹۹۹ء کشن گنج بھار میں سہ روزہ تربیتی کیمپ:

قدیم پورنیہ کے علاقوں میں قادیانیوں کی خرمستیوں پر لگام کسنے کے لیے جناب مفتی جاوید اقبال صاحب قاسمی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء کشن گنج کی دعوت پر دار العلوم بہادر گنج میں زیرِ نگرانی کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت، سہ روزہ تربیتی کیمپ ۱۶ تا ۱۸/ فروری لگا، جس کی اخیر نشست حضرت فدائے ملت کی زیر صدارت منعقد ہوئی اور اسی شب میں کامیاب اجلاس عام میں حضرت کا

خطاب عام ہوا۔اس پروگرام میں ایک طویل اور دشوار گزار سفر طے کرنے کے بعد حضرت کشن گنج پہنچے تھے۔الغرض تحفظ ختم نبوت کی خدمت کے لیے حضرت کے لیے کوئی سفر دشوار ہی نہ تھا۔راقم السطور بھی اس پروگرام میں شریک تھا۔

اپریل ۱۹۹۹ء بالی کوری آسام میں دو روزہ تربیتی کیمپ:

آسام کے مختلف علاقوں میں قادیانی سرگرمیاں بڑھتی جارہی تھیں،حضرت مولانا بدرالدین اجمل قاسمی صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر مرکز المعارف آسام کے زیرِ اہتمام کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت نے ۱۴/۱۵/اپریل ۱۹۹۹ء میں دوروزہ تربیتی کیمپ اور اخیر دن میں اجلاس عام منعقد کیا، پروگرام کی صدارت حضرت فدائے ملت نے انجام دیتے ہوئے آسامی زبان میں مفصل خطاب فرمایا اور مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ ہر قیمت پر اپنے دین وایمان کی حفاظت کریں، قادیانی مرتدوں کی جال میں نہ پھنسیں۔اس کیمپ اور اجلاس عام سے مسلمانوں میں زبردست بیداری آئی۔

مئی ۱۹۹۹ء مظفر پور بہار میں اجلاس عام:

جناب مولانا اشتیاق احمد صاحب کی دعوت پر مدرسہ جامع العلوم کے وسیع میدان میں تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر شاندار اجلاس ۲۲/مئی ۱۹۹۹ء میں منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا نظام الدین رکن مجلس شوری دارالعلوم دیوبند اور حضرت فدائے ملّت کا خصوصی خطاب ہوا۔

مئی ۱۹۹۹ء حضرت فدائے ملّت مناظرہ کے میدان میں:

تحفظ ختم نبوت کے پروگراموں سے بوکھلا کر قادیانیوں نے کال گچھیا آسام میں مناظرہ کا چیلنج کردیا اور مناظرہ کے لیے ۳۰مئی کی تاریخ متعین کردی، جناب حافظ بشیر احمد صاحب مہتمم دارالیتامی گوالپاڑہ کی محنتوں سے مناظرہ کی بھرپوری تیاری کی گئی اور حضرت فدائے ملّت نے اپنے دیگر پروگرام ملتوی کرکے براہ راست مناظرے کے پروگرام میں شرکت فرمائی، قادیانیوں میں جرأت کہاں تھی کہ میدان میں آتے لیکن یہاں لائے گئے اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوکر پولیس کے ہمراہ میدان سے بھاگے،حضرت فدائے ملّت نے مقامی آسامی زبان میں قادیانیوں کی جودھجیاں بکھیری ہیں وہ یادگار کی حیثیت رکھتی ہیں۔اس کے نتیجے میں ہندو، مسلمان، سب لوگوں نے مل کر قادیانیوں کا زبردست بائیکاٹ کردیا اور پورے علاقہ میں قادیانیوں کی کئی سالہ محنت پر پانی پھر گیا۔

جون ۱۹۹۹ء نانگلوئی دھلی میں اجلاس عام:

جناب مولانا ڈاکٹر سعید الدین صاحب مہتمم مدرسہ کنز العلوم، سابق ناظم جمعیۃ علماء دہلی کے دعوت پر نانگلوئی دہلی میں ایک علاقائی سطح کا اجلاس بلایا گیا، جس میں بطور خاص حضرت فدائے ملّت نے شرکت فرما کر پروگرام کی صدارت فرمائی اور عوام کو اپنے خطاب سے مستفید فرماتے ہوئے قادیانی فتنہ سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ اجلاس سے پہلے کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے علاقے کی تمام مساجد میں تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر عمومی بیانات کرائے گئے۔

اکتوبر ۱۹۹۹ء سہ روزہ تربیتی کیمپ موتیھاری بھار:

جمعیۃ علماء موتیہاری کی دعوت پر اے رحمٰن ماڈل اکیڈمی شہر موتیہاری میں ۱۵/۱۶/۱۷/ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں سہ روزہ تربیتی کیمپ لگا جس میں تین سو مندوبین نے شرکت کی کیمپ کی آخری اور چھٹی نشست میں حضرت فدائے ملّت کا علماء کے مجمع میں تفصیلی خطاب ہوا اور آپ کے ہی ہاتھوں مندوبین کو کتابوں کا قیمتی سیٹ وسند شرکت دی گئی۔ اجلاس عام میں بھی تقریباً ایک گھنٹہ مفصل بیان ہوا جس کے دوران موصوف نے مسلمانوں کو قادیانیوں کی فریب کاریوں سے آگاہ رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے ایمان ویقین کی حفاظت کرنے کی نصیحت فرمائی۔

اکتوبر ۱۹۹۶ء تغلق آباد، دھلی میں اجلاس عام:

دہلی میں جناب احسان علی سیفی، جناب عبد الحفیظ سیفی، اور سلیم الدین سیفی صاحب قاری محمد سلیم قاسمی، قاری ربیع الحسن صاحب مدرسہ زینت العلوم دکشن پوری وغیرہ کے تعاون سے مجلس تحفظ ختم نبوت ساؤتھ دہلی کی دعوت پر حضرت فدائے ملّت کی زیر صدارت ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا گیا اجلاس عام میں جناب سیّد صولت حسین سابق سجادہ نشیں درگاہ اجمیر، نے بھی شرکت کی، حضرت فدائے ملّت کا اس پروگرام میں نہایت پر مغز خطاب ہوا آپ نے کذبات مرزا کی روشنی میں بتایا کہ مرزا نبی تو کجا ایک شریف انسان بھی نہیں کہلاسکتا۔ اس موقع سے بڑی تعداد میں کل ہند مجلس کی جانب سے اُردو، ہندی، اور انگلش میں لٹریچر تقسیم کیے گئے۔

۱۲/ نومبر ۱۹۹۹ء رمول، نیپال میں ختم نبوت کانفرنس:

رمول ضلع سرہا، نیپال میں جامعہ حسینیہ رمول کی دعوت پر تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر دو روزہ عظیم الشان اجلاس عام منعقد کیا گیا، جس کی آخر نشست میں حضرت فدائے ملّت کا ایمان افروز تفصیلی خطاب ہوا۔

اپریل ۲۰۰۰ء جمگاؤں پورینی میں سہ روزہ تربیتی کیمپ:

جمگاؤں پورینی، ضلع بھاگلپور، قدیم زمانے سے قادیانیوں کا مسکن رہا ہے۔ حضرت فدائے ملّت کی تحریک پر اس گاؤں میں مولانا عطاء الرحمٰن صاحب، جناب مولانا قمرالحسن صاحب شاہ جنگی بھاگلپور اور اُن کے رفقاء کے تعاون سے سہ روزہ تربیتی کیمپ مورخہ ۲۸؍۲۹؍۳۰؍اپریل ۲۰۰۰ء و یکم مئی میں دو روزہ اجلاس عام بھی منعقد کیا گیا۔ کیمپ کی آخری نشست زیرِ صدارت فدائے ملّتؒ منعقد ہوئی جس میں علماء سے خطاب کرتے ہوئے حضرت والا نے اپنے ہی ہاتھوں مندوبین علماء کو قیمتی کتابوں کے سیٹ اور سند شرکت عنایت فرمائی۔ شب کے اجلاس عام میں بھی حضرت کا تفصیلی خطاب ہوا۔

اکتوبر ۲۰۰۰ء جعفر آباد دہلی میں اجلاس عام:

جمنا پار دہلی کے بعض علاقوں میں قادیانیوں کی لاہوری پارٹی سرگرم عمل ہے، لاہوریوں کی سرکوبی کے لیے مجلس تحفظ ختم نبوت صوبہ دہلی کی دعوت پر حضرت فدائے ملت کی زیرِ صدارت ۱۲؍اکتوبر ۲۰۰۰ء کی شام میں بعد نماز عشا جعفر آباد دہلی کی عیدگاہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی گئی۔ حضرت نے لاہوری قادیانیوں کے مکروہ فریب سے عوام کو آگاہ کرتے ہوئے تفصیل سے اُن کے اسلام مخالف عقائد و نظریات پر روشنی ڈالی اور تفصیل سے بتایا کہ تمام علماء اسلام کا، لاہوریوں کے کفر وارتداد پر بھی اتفاق ہے۔ اس موقع پر بھی اُردو، ہندی انگلش میں خوب لٹریچر تقسیم کیے گئے۔

اکتوبر ۲۰۰۳ء گوالپاڑہ آسام میں اجلاس عام:

یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء میں مدرسہ تقویۃ الایمان آزاد نگر بلد ماری گوالپاڑہ کے مہتمم جناب محمد منیر الدین صاحب کی دعوت پر فدائے ملّتؒ نے تحفظ ختم نبوت کے عنوان سے منعقد ہونے والے ایک اجلاس عام میں شرکت فرمائی یہ اجلاس آپ ہی کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں آپ نے آسامی زبان میں ردِّ قادیانیت کے موضوع پر مبسوط خطاب فرمایا۔ پروگرام میں جناب مولانا عبدالرشید قاسمی صاحب، حافظ بشیر احمد صاحب، اور جناب مفتی عبدالحق صاحب بالا پاڑہ بھی شریک رہے۔

بعد نماز مغرب دارالعلوم بالا پاڑہ کے مہتمم جناب مفتی عبدالحق صاحب کی دعوت پر حضرت فدائے ملّت نے ختم بخاری کی تقریب میں شرکت فرمائی اور تقریباً ایک گھنٹہ آپ نے طلباء سے خطاب کیا اور راقم السطور (شاہ عالم گورکھپوری) کو حکم فرمایا کہ تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر تربیتی

انداز کا بیان کرے بلکہ خود ہی حضرت والا نے ازراہ شفقت بندہ کے نام کا اعلان فرمایا۔

مئی ۲۰۰۳ء کانپور میں سہ روزہ تربیتی کیمپ:

جناب مولانا متین الحق اُسامہ صاحب صدر مجلس تحفظ ختم نبوت کانپور کی دعوت پر مدرسہ اشرف العلوم جاج مئو میں ۲۸/۲۹/۳۰/مئی ۲۰۰۳ء میں سہ روزہ تربیتی کیمپ تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر منعقد ہوا جس کی آخری نشست میں حضرت فدائے ملتؒ نے شرکت فرمائی اور شرکاء کیمپ کو قیمتی کتابوں کے سیٹ اور سند شرکت عنایت فرمائی۔ اس موقع پر آپ نے علماء سے خصوصی خطاب فرمایا اور قادیانی ریشہ دوانیوں کے سدباب کی طرف توجہ دلائی۔

اسی شب میں پریڈ گراؤنڈ کے بڑے اجلاس عام سے بھی آپ نے خطاب فرمایا:

مئی ۲۰۰۵ء سدھولی ضلع سیتا پور میں سہ روزہ تربیتی کیمپ:

حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند وچیئرمین دینی تعلیمی ٹرسٹ لکھنؤ کی دعوت پر قصبہ سدھولی ضلع سیتا پور میں ۲۴/تا ۲۷/مئی ۲۰۰۵ء سہ روزہ تربیتی کیمپ تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر منعقد کیا گیا، جس کی آخری نشست حضرت فدائے ملّت کی زیرِ صدارت منعقد ہوئی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے تمام شرکاء کیمپ کو قیمتی کتابوں کے سیٹ اور سند شرکت سے نوازا۔ کیمپ کے آخری دن اجلاس عام کی صدارت بھی آپ نے فرمائی اور ایک گھنٹہ سے زائد اپنے قیمتی نصائح سے مجمع کو مستفید فرمایا۔

○○

□ مولانا محمد ابوبکر غازی پوری
مدیر دوماہی 'زمزم' غازی پور

تحفظِ سنت کے لیے فدائے ملتؒ کی فکرمندی

کہنے والے نے کہا ہے اور بالکل ٹھیک کہا ہے کہ ''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا'' فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ انھیں چند منتخب شخصیتوں میں سے ایک تھے جن کی مثال بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ اور جب ان کا وصال ہو جاتا ہے تو ایک مدت تک ان کی جگہ کو پُر کرنے والی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی، اور اس دورِ قحط الرجال میں تو حضرت مرحوم کی جدائی اور وفات امتِ مسلمہ کے لیے نا قابلِ تلافی نقصان نظر آتا ہے۔ **رحمہ اللہ و رفع درجتہ واسکنہ فی علیین۔**

حضرت مولانا مرحوم کی شخصیت میں مختلف الصفات شخصیتوں کا اجتماع تھا، وہ ایک عالم دین تھے، وہ ایک عابد شب بیدار تھے، وہ شیخ طریقت تھے، وہ قائد ملت تھے، وہ ایک عظیم سیاسی صاحب بصیرت رہنما تھے، وہ ایک ایسے بطلِ جلیل اور مجاہد تھے جن میں پہاڑوں جیسا عزم ثبات تھا وہ ایک مفکر و مدبر تھے جن کو اللہ نے فراست ایمانی اور نور بصیرت سے نوازا تھا، ان کی سوچ و فکر کا محور پوری ملّتِ اسلامیہ تھی، وہ مذہب و ملک کے بارے میں اکابر و اسلاف کی راہ سے ایک قدم ہٹنا بھی پسند نہیں کرتے تھے، اس بارے میں ادنیٰ سی لچک بھی ہم ان میں نہیں پاتے تھے، جس بات کو انھوں نے حق سمجھ لیا خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا ملی سیاست سے اس پر وہ اس طرح سے جم جاتے تھے کہ زمانہ کی کوئی جنبش و گردش ان کو اپنے موقف سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔

ان کی سوچ کی پرواز کہاں تک تھی اور ملتِ اسلامیہ کے لیے ان کے درد اور جذبات کا کیا عالم تھا درج ذیل واقعہ سے اس کا ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے، اس واقعہ کا شاہد میں خود ہوں، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب افغانستان میں طالبان کی حکومت تھی۔

حضرت مولانا کے ساتھ میں دہلی سے دیوبند کا سفر کر رہا تھا، گاڑی میں مولانا کے ساتھ جنوبی افریقہ کے دو صاحب اور تھے، ایک تو مولانا ایوب کاچھوی صاحب تھے اور دوسرے

صاحب جن کا نام غالبًا اسماعیل تھا، مولانا ایوب کا چھوی ساؤتھ افریقہ کی معروف اور بڑی متحرک وفعال شخصیت کا نام ہے، یہ جمعیۃ علماء جنوبی افریقہ کے سرگرم اور اور مخلص خدام میں سے ہیں، حضرت مولانا سے ان کا تعلّق ہمیشہ سے بڑا خصوصی رہا ہے جب ہماری گاڑی دہلی شہر سے باہر ہوئی تو راستہ میں حضرت مولانا نے ان دونوں صاحبوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں آپ حضرات سے ایک خاص بات کہنا چاہتا ہوں۔ جب یہ حضرات متوجہ ہوئے تو مولانا نے فرمایا کہ، پہلے یہ ہوتا تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کے لیے مختلف ممالک سے طلبہ آتے تھے، جن میں ایک بڑی تعداد افغانی طلبہ کی بھی ہوا کرتی تھی مگر اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے، اس لیے غیر ممالک سے طلبہ کی آمد نہ ہونے کے برابر ہوگئی ہے، افغانستان اور پاکستان سے طلبہ کی آمد تو بالکل نہیں ہے، اس وقت افغانستان کی جو صورت حال ہے اس میں ضرورت ہے کہ وہاں دارالعلوم دیوبند کے طرز کی تعلیم کا اچھا انتظام ہوتا کہ وہاں پر علوم دینیہ کی اشاعت بھی ہو اور افغانیوں میں اپنے اکابر کا فکر بھی زندہ رہے، طالبان کے پاس ابھی اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ کوئی بڑی دینی درسگاہ یا دارالعلوم قائم کرسکیں، میں نے یہ طے کیا ہے کہ یہ کام ہم لوگ انجام دیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے سوچا ہے کہ اس دینی درسگاہ کی عمارت کی تعمیر کا خرچ ہم برداشت کریں گے، نیز اساتذہ کی تنخواہوں اور کتابوں کی رقم کا انتظام بھی ہم کریں گے، طالبان کے ذمّہ جو طلبہ رہائش پر ہوں گے صرف ان کا خرچ ہوگا، میں نے یہ منصوبہ بنالیا ہے اور آپ حضرات سے ہم اس میں تعاون چاہتے ہیں، مولانا کی یہ بات سن کر ان دونوں حضرات نے بھی مولانا کی تائید کی اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

میں حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ کی یہ بات سن رہا تھا، اور حیران تھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل ودماغ میں اللہ نے امت کا درد اور اس کی فکر کا مادہ کتنا رکھا ہے، اور ان کی فکر کا طائر کتنی بلندی پر پرواز کرتا ہے، آج کون ہے جو اس انداز پر سوچے، جس کے سینہ میں امت کا یہ درد اور یہ تڑپ ہو، مدعی قیادت وسیادت تو بہت ہیں مگر فدائے ملّت کی مثال اب کہاں، چراغ رُخ زیبا لے کر بھی کوئی ڈھونڈے تو فدائے ملّت جیسے لوگوں کی مثال ملنی مشکل ہے۔

بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو حضرت سیّد اسعد مدنی کو صرف ایک سیاسی لیڈر سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا کی پوری زندگی گواہ ہے کہ انھوں نے جس طرح میدان سیاست میں قائدانہ رول ادا کیا اسی طرح انھوں نے اپنے کو دین و مذہب کے دفاع اور اس کی تبلیغ وترویج کے لیے بھی وقف کر رکھا تھا۔

افغانستان میں طالبان حکومت کے قیام سے یورپی ممالک کی آنکھوں سے نیند غائب ہوگئی تھی، امریکہ کا بش انگشت بدنداں تھا کہ یہ ٹوپی کرتے اور داڑھی اور پیشانیوں پر نماز کی داغ والے دنیا کی کون سی مخلوق ہے جس نے خالص اسلامی طرز کی حکومت کی بنیاد رکھ کر دنیا کے نقشہ میں ایک نیا رنگ بھرنا شروع کیا ہے، انھیں معلوم ہوا کہ ان کا فقہی مذہب حنفی ہے اور ان کا دینی فکر دیوبندی ہے، یہ مادی طاقت وقوت سے خالی ہیں مگر ان کے پاس ایمان ویقین کی دولت ہے، اور عقیدہ کی پختگی کی طاقت وقوت ہے، تو اس نے دنیا بھر میں ان کو بدنام کرنے کے لیے مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا انتخاب کیا اور ان کو اپنا آلۂ کار بنایا، اور دیوبندی فکر و مذہب اور حنفی فقہ کے خلاف یک بیک بڑے زور سے ایک تحریک چلی، اور دیوبندی جماعت کے خلاف تبدیع وتشریک کے گولے برسانے کا کام عالمی پیمانے پر شروع ہوا، مقصد یہ تھا کہ جب دیوبندی فکرو مذہب اور فقہ حنفی کو کتاب وسنت کے خلاف ثابت کیا جائے گا اور ان کو لوگوں کے سامنے کافر ومشرک بنا کر پیش کیا جائے گا تو طالبان جو اس دیوبندی فکر سے ہم آہنگ ہیں ان کے خلاف خود مسلمانوں کا ذہن بنے گا، اس کام کے لیے ان کو بڑی آسانی سے سلفی حضرات کی جماعت میں سے کچھ ایمان فروش اور پیسے کے پجاری مل گئے، اور جماعت دیوبند اور فقہ حنفی کے خلاف ایسا محاذ کھول دیا گیا کہ عقل حیران رہ گئی، مولانا اسعد مدنی اپنی خداداد بصیرت سے اس فتنہ کو بھانپ گئے اور انھوں نے محسوس کرلیا کہ اگر اس فتنہ پر ضرب کاری نہیں لگائی گئی تو اس کا زور تھمنا مشکل ہوجائے گا اور مسلمان ایک بڑے امتحان اور بڑی آزمائش سے دوچار ہوجائیں گے۔

چونکہ اس فتنہ کی آبیاری سعودیہ عربیہ سے ہورہی تھی تو پہلے حضرت مدنی نے وہاں کے ذمہ داروں کو خطوط لکھ کر متوجہ کیا، پھر ان سے نجی ملاقاتیں کیں اور ان کو اس فتنہ کی طرف متوجہ کیا، میں خوب جانتا ہوں کہ حضرت مولانا نے اس کام کے لیے مکہ مکرمہ، جدہ اور مدینہ منورہ میں ہندوپاک کے دیوبندی الفکر فضلاء کی ایک جماعت کو اس کام پر لگایا تھا کہ جب حضرت مولانا وہاں سے واپس ہوں تو یہ حضرات ان کے کاموں کی نگرانی کریں اور ان کے جدوجہد کی بارآوری کے لیے کوشاں رہیں۔

لیکن جب ہزار کوششوں کے بعد بھی یہ فتنہ دبا نہیں بلکہ اس کی آگ دن بدن بھڑکتی رہی، اس لیے کہ اس فتنہ کو اُبھارنے والی جو طاقتیں تھیں ان کے وسائل لامحدود تھے، تو حضرت مولانا نے ان فتنہ پردازوں کے مقابلہ میں براہِ راست خود میدان میں آگئے اور جس جلسہ میں آپ کی شرکت ہوتی مولانا کی تقریر کا موضوع اس زمانہ میں یہی فتنہ اور اس کا ابطال اور اس کی طرف علماء اور عوام

کو متوجہ کرنا ہوتا، انھوں نے سلفیت کے خلاف ایسی تحریک چلائی کہ ہندو پاک برطانیہ اور بنگلہ دیش کی درو دیوار سے مولانا اسعد مدنی کی آواز کی گھن گرج سنائی دینے لگی۔ مجھے معلوم ہے کہ مولانا کے بعض مخلصین حضرات نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ کام تو دارالعلوم دیوبند کے کرنے کا ہے، جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے یہ کام مناسب معلوم نہیں ہوتا، تو حضرت نے بڑے تند و تیز لہجہ میں ان سے عرض کیا تھا کہ کیا جمعیۃ کی ذمہ داری یہ نہیں کہ وہ مسلک و مذہب کی حفاظت کرے، اور اکابر کی شان میں گستاخی کرنے والے اور ان کو کافر و مشرک بنانے والوں کا منہ بند کرے، مجھ سے یہ قطعاً برداشت نہ ہوگا کہ اسلاف و اکابر کی شان میں گستاخی ہوتی رہے اور ہم خاموش رہیں، اور اس کام کو صرف دارالعلوم کے حوالہ کرنے پر اکتفاء کریں، اس کے بعد ہی جمعیۃ کے زیرِ اہتمام اور حضرت مولانا کی صدارت میں دہلی میں تحفظ سنت کانفرنس کا وہ تاریخی اجلاس ہوا جس نے سلفیت کے کس و بل کو ڈھیلا کر دیا، اور سعودی گورنمنٹ کے بھی کان کھڑے ہو گئے کہ اب بھی ہمارے طرف سے خاموشی رہی تو گورنمنٹ کی بہت زیادہ بدنامی ہوگی۔

اسی سلسلہ میں مجھے ایک واقعہ یاد آیا، اس سے اس فتنہ کے بارے میں مولانا کی حساسیت کا اندازہ ہوگا، تحفظ سنت کانفرنس سے پہلے حضرت مولانا ملک کے مختلف اطراف کا دورہ کر رہے تھے اور جگہ جگہ اس سلسلہ کا جلسہ ہو رہا تھا، ایک جلسہ میرٹھ شہر میں بھی ہوا، حضرت مولانا نے میرٹھ کے اس جلسہ میں سعودی گورنمنٹ کے خلاف زبان بڑی سخت استعمال کی، غالباً یہاں تک کہہ دیا، اگر سعودی حکومت نے اس فتنہ پر لگام نہیں کسی تو میں سعودی گورنمنٹ کے خلاف پورے ملک میں بلکہ اس ملک کے باہر بھی آگ لگا دوں گا، یہ الفاظ تھے یا اس سے ملتے جلتے کچھ الفاظ تھے، یہ خبر قومی آواز اخبار میں چھپی اور سفیر سعودی عرب تک یہ بات پہنچی۔

ایک روز مولانا کا میرے پاس غازی پور فون آیا کہ تم فوراً بلا تاخیر دہلی آجاؤ، میں حیران کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ بہرحال میں حضرت مولانا کی خدمت میں بلا تاخیر ایک روز کے بعد دہلی حاضر ہوگیا یہ دن بدھ کا تھا، حضرت مولانا میرے اس طرح پہنچ جانے سے بہت خوش ہوئے اور تنہائی میں بلا کر کے فرمایا کہ سعودی سفیر نے مجھے کل یعنی پنج شنبہ کو بلایا ہے اور غالباً اسی سلفیت کے موضوع پر گفتگو کے لیے بلایا ہے، اس لیے تم کچھ ضروری اہم نوٹس عربی میں تیار کر لو، پھر مجھے اپنے آفس کی چابی دی اور کہا کہ اب تم ہوگے اور یہ کمرہ ہوگا شام تک اس کمرہ میں کوئی نہیں آئے گا، چنانچہ تین تحریریں دو دو تین تین صفحات کی شام تک تیار کر لی، مولانا نے اس کو دیکھا اور پسند کیا پھر دوسرے روز میں اور حضرت مولانا سعودی سفارت خانہ گئے سعودی سفیر کو جب اطلاع ملی تو اس

نے بلا تاخیر اسی وقت ہمیں بلا لیا، ابتدائی گفتگو کے بعد سفیر صاحب نے قومی آواز کا وہی تراشا نکالا اور حضرت مولانا کو دکھلایا کہ آپ نے میرٹھ میں جو تقریر کی ہے اس میں حکومت سعودیہ کو اپنے تنقید کا سخت نشانہ بنایا ہے، جبکہ گورنمنٹ سے اس مسئلہ کا کوئی تعلّق نہیں ہے، یہ کام بعض شیوخ شخصی طور پر کر رہے ہیں اس لیے آپ کو حکومت کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا، گورنمنٹ کو تنقید کا نشانہ بنانا اور یہ سمجھنا کہ شیوخ کا یہ شخصی عمل گورنمنٹ کی رضا سے ہو رہا ہے غلط ہے، مولانا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ سعودی حکومت میں تسلسل کے ساتھ کئی سالوں سے جماعت دیوبند اور فقہ حنفی کے خلاف زہر افشانی کا عمل جاری ہے، میں کیسے سمجھ لوں کہ حکومت کو اس فتنہ کی اطلاع نہیں ہے، جبکہ میں نے خود کئی بار سعودی گورنمنٹ کے ذمہ داروں اور وزراء سے مل کر اس بارے میں گفتگو کی ہے اور سلفیوں کی حرکت سے ان کو باخبر کیا ہے، اور پھر مولانا نے بڑے زور دار لہجہ میں فرمایا کہ آپ کی حکومت میں تو اگر حکومت کی منشا اور رضا شامل نہ ہو تو ایک پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا، اس لیے اس کو بالکل تسلیم نہیں کرتا کہ جماعت دیوبند کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے اس کی اطلاع آپ کی گورنمنٹ کو نہیں ہے، اور ابھی تو میں صبر سے کام لے رہا ہوں، اگر آپ کی حکومت میں الدیوبندیہ جیسی کتاب کی اشاعت ہوتی رہی اور ہمارے اکابر واسلاف کے بارے میں بیہودہ گوئی کا سلسلہ رُکا نہیں تو میں اس کے خلاف صرف دہلی میں نہیں پورے ملک میں حکومت سعودیہ کے خلاف تحریک چلاؤں گا، مولانا کا تیور اور لب ولہجہ دیکھ کر سعودی سفیر ذرا نرم ہوا اور اس نے کہا کہ کیا آپ نے گورنمنٹ کے ذمہ داروں سے اس بارے میں ملاقات کی ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ تین سال سے مسلسل میں جب بھی آپ کے ملک جاتا ہوں۔ تحریراً یا ان سے مل کر کے ان کو سلفیوں کی حرکتوں سے مطلع کرتا ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ وہاں تو معاملہ صدائے برنخواست کا ہے تو مجبوراً مجھے دہلی میں تحفظ سنت کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کرنا پڑا، اس پر سعودی سفیر صاحب نے کہا کہ اچھا آپ مجھے تحریر دیں میں ذمہ داروں سے خود رابطہ قائم کروں گا اور ان کو موجودہ صورتِ حال سے مطلع کروں گا، تب مولانا نے سفیر صاحب کو میری تیار کردہ چیزیں پیش کر دیں اور پھر ہم واپس چلے آئے، میں نے راستہ میں مولانا سے عرض کیا کہ آپ نے سفیر سے بڑے سخت لہجہ میں گفتگو کی ہے، کہیں اس کا اثر بُرا نہ ہو تو مولانا نے فرمایا کہ ہمیں سعودیوں سے کیا لینا ہے کہ ہم ان کی پرواہ کریں گے اور اب تو میرا تقریر کا انداز اور بھی سخت ہوگا، اور پھر اسی کے بعد دہلی میں دوروزہ تحفظ سنت کانفرنس ہوئی، جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی اور جس میں ہند اور بیرون ہند علماء کی تقریباً چار ہزار کی جماعت تھی اور جو اجلاس عام تھا وہ قابلِ دید نی تھا، عوام کا اتنا انبوہ جمع

تھا کہ تال کٹورہ اسٹیڈیم کا وسیع ہال اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامانی کا شکوہ کر رہا تھا۔

اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کانفرنس کے بعد ہی سعودی گورنمنٹ نے سلفیوں کو اپنی حکومت میں لگام دینی شروع کی اور ملک کی طرف سے سعودیہ کے تمام جامعات کو سرکلر جاری ہوا کہ جامعات کے درس اور لکچرز میں کسی بھی اسلامی فرقہ یا اسلامی فقہ کے بارے میں کوئی بھی طعن و تشنیع کی بات نہ کی جائے اور نہ ان کو تنقید کا ہدف بنایا جائے، اور اسی کے بعد حرمین شریفین کو جو بعض بدبخت سلفی مشائخ ہمارے اکابر و اسلاف اور حضرت امام اعظم اور فقہ حنفی کے خلاف بکواسوں سے کتاب وسنت کے درس کے نام پر آلودہ کر رہے تھے ان کی زبان بند ہوئی، اور آج الحمدللہ سعودی گورنمنٹ بھی سلفیوں کی حرکتوں کو بھانپ چکی ہے اور اسے معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا منبع اور اس کی اصل کہاں ہے۔

یہاں میں یہ بھی بتادوں کہ مولانا کا یہ فیصلہ تھا اور انھوں نے مجھ سے کئی دفعہ یہ بات کہی تھی کہ میں نے یہ طے کیا ہے کہ دہلی جیسی کانفرنس میں بنگلہ دیش، پاکستان اور برطانیہ میں بھی کروں گا۔ مگر طالبان پر امریکہ کی یورش نے مولانا کے فیصلوں کو عملی جامہ پہننے کا موقع نہیں دیا اور مولانا کو اس دوسرے غم نے کھانا اور رگلانا شروع کر دیا۔

ہندوستان کے قائدین اور علماء میں سے سلفیت کے فتنہ کو جس نے حقیقی طور پر سمجھا وہ حضرت مولانا ہی کی ذات گرامی تھی، دہلی کی کانفرنس کے بعد ممبئی میں دس روزہ تحفظ سنت عشرہ کے نام سے ایک طویل تقریروں اور جلسوں کا سلسلہ چلایا گیا تھا، جس میں ہندوستان کے منتخب مقررین کو حضرت مولانا کے مشورہ سے ممبئی جمیعۃ نے جمع کیا تھا اور ممبئی اور اطراف ممبئی میں ایک ایک روز میں کئی کئی پروگرام ہوتے رہے، جس کا اثر پورے صوبہ مہاراشٹر میں پڑ رہا تھا اور دینی بیداری کی لہر پیدا ہو رہی تھی، ایک ایک مقرر کا ایک دن میں تین چار پروگرام ہوتا تھا، دس روز کے بعد شہر ممبئی میں حضرت مولانا کی صدارت میں ایک تاریخی اجلاس ہوا جس میں مہاراشٹر اور شہر ممبئی کے علاوہ ہندوستان کے مختلف شہروں سے لوگ پہنچے تھے، اس طرح کا اجلاس بنگلور میں ہوا، اور ایک بڑا تاریخی اجلاس مدراس میں ہوا جس میں نوسو صرف علماء شریک تھے، پھر یوپی کے شہر گونڈہ میں ہوا، اور یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا۔ یہ سب پروگرام حضرت مولانا مدظلہٗ کی ہی تگ ودو اور توجہ سے ہو رہے تھے، اور سب کا موضوع عوام کو سلفی فتنہ سے آگاہ کرنا تھا۔

سلفیت کے بارے میں مولانا اتنے چوکنّے تھے کہ جہاں ایسی کوئی کتاب چھپی جس میں علماء دیوبند یا جماعت دیوبند یا فقہ حنفی کے بارے میں کسی سلفی عالم نے اپنے قلم کو حرکت دی مولانا

کواس کی اطلاع ہوتی اور مولانا اس کتاب کو حاصل کر کے ہم لوگوں کو دیتے کہ اس کا مطالعہ کرو اور اس کا جواب لکھو، یا کسی سلفی پرچہ میں اس طرح کا کوئی مضمون ہوتا تو مولانا باصرار اس کا جواب لکھواتے خود حضرت مولانا ان کتابوں اور مضامین کا بغور مطالعہ کرتے اور اس پر نشان لگاتے اور اپنے قلم سے حاشیہ چڑھاتے۔ سلفیت کے بارے میں مولانا کی حساسیت کو مزید سمجھنے کے لیے ایک واقعہ کا ذکر ضروری ہے۔

حضرت مولانا نے دہلی کی تحفظ سنت کانفرنس کے انعقاد سے پہلے دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور بعض دوسرے مدارس و ادارے کے اہل قلم علماء کو مکلّف کیا تھا کہ جن فقہی و اعتقادی مسائل و موضوعات کو سلفیت زدہ طبقہ اپنے قلم کی آماجگاہ بنائے رہتا ہے، ان موضوعات میں سے ایک ایک موضوع پر ہر شخص ایک رسالہ تیار کرے جس کو تحفظ سنت کانفرنس کے موقع پر جمعیۃ کی طرف سے شائع کیا جائے گا اور ان علماء سے مولانا بار بار اس کا تقاضا کرتے رہتے تھے، چنانچہ الحمد للہ مولانا کی اس فکر و توجہ سے تقریباً ستائیس اٹھائیس کتابچے و رسالے تیار ہو گئے ان میں کا ہر رسالہ اپنی جامعیت اور موضوع کے احاطہ میں بے نظیر ہے، تحریر کا اسلوب بھی سنجیدہ اور متین ہے، احناف کے موقف کو دلائل کی روشنی میں اولی اور اقرب الی الصواب ثابت کیا گیا ہے، تحفظ سنت کے موضوع پر ان تمام رسائل کو جمعیۃ علماء نے اپنے خرچ سے شائع کیا، رسائل کے یہ سٹ اتنے مقبول ہوئے کہ چند ہفتوں میں تقریباً دس ہزار کی تعداد میں شائع ہوئے اور ختم ہو گئے، بعض اداروں نے اپنی طرف سے بھی ان کو شائع کیا، پاکستان میں بھی ان رسائل کی بڑی تعداد میں اشاعت ہوئی تحفظ سنت کانفرنس کی مقبولیت اور ان رسائل کی اس بڑے پیمانہ پر اشاعت نے غیر مقلدین میں بوکھلاہٹ پیدا کر دی، اور ان رسائل کا ردّ لکھنے کے لیے جماعت کے افراد میں مشورہ ہونے لگا، مگر ان تمام رسائل کا جواب لکھنا کوئی آسان کام نہیں تھا، اس لیے بہت دنوں تک تو خاموشی رہی مگر غیر مقلدین کی جماعت جواب نہ لکھے جانے کی شکل میں اپنی سبکی بھی محسوس کرتی رہی، اس لیے ان کا جواب لکھنے کے لیے مشورہ ہوتا رہا اور تگ و دو جاری رہی، تا آنکہ جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث مولانا رئیس احمد ندوی کو اس کام کے لیے تیار کیا گیا، مولانا رئیس احمد ندوی کا قلم بڑا ابرق رفتار ہے، ہزار دو ہزار صفحات کی کتاب تیار کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے، چنانچہ موصوف نے ان رسائل کے ردّ کے نام سے تقریباً نو سو صفحات کی ایک کتاب بڑے سائز کی تیار کر دی اور بڑے آب و تاب سے یہ کتاب شائع ہوئی، یہ کتاب کیا ہے، اس کا تعلق بس دیکھنے ہی سے ہے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دیوانہ قلم چلا رہا ہے اور قلم کی زبان سے گالیوں کا آبشار پھوٹا پڑ رہا ہے،

حضرت امام اعظم سے لے کر جماعت دیوبند کے ہر بڑے عالم کو نہایت گندے الفاظ سے مصنف موصوف نے یاد کیا ہے، کسی رسالہ کا پورا جواب نہیں ہے، جواب کے نام پر ایک نشانہ مذاق تیار کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر کوئی ہنسے گا یا مصنف کے انداز تحریر اور اس کے علمی دیوالیہ پن پر روئے گا۔

جب یہ کتاب بازار میں آئی اور حضرت مولانا کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے اس کا ایک نسخہ خریدوایا اور اس کا خود مطالعہ کیا اور اس پر جگہ جگہ اپنی عادت کے مطابق نشان لگائے اور پھر کتاب کے مقدمہ کی متعدد کاپی تیار کرا کر دار العلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کو بھیجی کہ جن اساتذہ دیوبند کے رسالہ پر اس کتاب میں تبصرہ ہے وہ اس کا جواب لکھیں، حضرت مہتمم صاحب نے اساتذہ کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا پھر ہر ایک کی خدمت میں مولانا کی ارسال کردہ فوٹو کاپی بھیج دی، مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس کتاب میں صرف گالیاں اور بدزبانیاں ہیں اس لیے اساتذہ میں سے کسی نے بھی اس کتاب کا رد لکھنے کی تائید نہیں کی مگر حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ کو اساتذہ کی اس رائے سے اتفاق نہیں تھا، چنانچہ میں جب دہلی حاضر ہوا تو انھوں نے مجھ سے بھی اس کتاب کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اس کتاب کا جواب لکھنا چاہیے اور یہ کام تم کرو، میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا حکم سر آنکھوں پر، مگر میں اس گندی کتاب پر دو سو روپیہ اپنے جیب سے خرچ کرنے والا نہیں ہوں، (کتاب کی قیمت دو سو تھی) میں نے یہ بات تو یوں ہی مذاق میں کہی تھی مگر میں نے دیکھا کہ مولانا نے اسی وقت ایک صاحب کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور جامع مسجد دہلی سے اس کتاب کے پانچ نسخے خرید لاؤ، اس وقت تو ان کو یہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی مگر مولانا معلوم کرتے رہے کہ کتاب کہاں ملے گی، ان کو معلوم ہوا کہ یہ ممبئی سے چھپی ہے وہیں ملے گی تو مولانا نے ممبئی سے اس کتاب کے پانچ نسخے منگوائے اور جمعیۃ دفتر میں میرے پاس اس کا ایک نسخہ بھیجنے کی تاکید کی، پوری کتاب کو پہلی دفعہ جب میں نے دیکھا تو میرا بھی تاثر یہی تھا کہ اس کتاب کا جواب نہ دینا ہی بہتر ہے، اور میں نے حضرت مولانا سے ایک ملاقات کے متوقع پر اس کا ذکر بھی کیا مگر مولانا کی رائے اب بھی یہی تھی کہ اس کا جواب ضرور لکھا جائے، مولانا کا حکم ٹالنا میرے لیے مشکل تھا اس لیے میں نے پوری کتاب کا تو نہیں کتاب کے شروع میں مصنف موصوف کا جو لمبا چوڑا مقدمہ تھا اسی کو سامنے رکھ کر ایک تحریر لکھی اور اس کے لیے زمزم کا ایک پورا شمارہ خاص کر دیا، عام طور پر یہ تحریر پسند کی گئی مگر جس کے حکم پر یہ تحریر لکھی گئی تھی وہ اپولو ہاسپٹل میں تھا، اور موت و حیات کی کشمکش سے دو چار تھا، اور اس کی نگاہ سے میری یہ تحریر گزر نہیں سکی، مجھے یقین تھا کہ حضرت مولانا اگر اس تحریر کو دیکھتے تو مجھے ڈھیروں اپنی دعاؤں سے نوازتے۔

اس قصّہ طولانی کے ذکر کرنے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مسلک و مشرب کی حفاظت اور اس کے دفاع کی فکر کتنی دامن گیر رہا کرتی تھی۔

میرا برطانیہ کا جب سفر ہوا تھا تو اسی درمیان حضرت مولانا بھی لندن تشریف لے گئے تھے اس وقت لندن سے دوڈھائی سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر نینی ٹن شہر میں میرا قیام تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کا پروگرام اس شہر سے بیس پچیس کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اس جگہ میرا کوئی پروگرام نہیں تھا، صرف مولانا سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تھا، مگر مولانا نے کہا کہ پہلے تم کو تقریر کرنی ہے پھر میں تقریر کروں گا، میں نے آدھ گھنٹہ اپنے موضوع پر تقریر کی اور پھر حضرت مولانا نے یہ فرماتے ہوئے اپنی تقریر شروع کی کہ مجھے اس جلسہ میں کسی اور موضوع پر تقریر کرنی تھی مگر مولانا غازی پوری کی تقریر کے بعد مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس موضوع پر میں بھی کچھ کہوں اور پھر انھوں نے اپنے انداز میں آدھ پون گھنٹہ تقریر کی، اس موقع پر مولانا نے مجھ سے پوچھا کہ تمھاری تقریر کہاں کہاں ہوئی جب ان کو اپنے پروگرام کی تفصیل بتلائی تو خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ برہنگم میں تمھاری تقریر ضرور ہونی چاہیے، وہاں غیر مقلدوں کا زور ہے، اور اسی شہر میں ان کا سب سے بڑا مرکز بھی ہے، چنانچہ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے میرا اس شہر میں بھی وہاں کے لوگوں سے رابطہ قائم کر کے پروگرام بنوایا اور الحمد للہ وہاں بڑا کامیاب پروگرام ہوا۔

حضرت مولانا سلفیت کو وقت حاضر کا بہت بڑا فتنہ سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آخر زمانہ میں عام طور پر ان کی تقریر کا موضوع فتنہ سلفیت ہوتا تھا، اور اگر موضوع کوئی دوسرا بھی ہوتا تو ادنیٰ مناسبت سے اس موضوع کو بھی ضرور چھیڑتے اور بعض دفعہ تو ان کی تقریر ایسی گھن گرج کی ہوتی کہ مجمع پر سناٹا چھا جاتا، مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی جھجھک نہیں کہ حضرت مولانا کے فتنہ سلفیت کے خلاف میدان میں آجانے کے بعد بہت سے ان علمائے کرام کی بھی زبان ردسلفیت کے لیے کھل گئی جو اس موضوع پر بولنا یا تو اپنی کسر شان سمجھتے تھے یا مصلحت کے خلاف، مگر جب مولانا نے اس موضوع کو اپنی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنایا تو پھر پورے ہندوستان میں ردّ غیر مقلدیت وسلفیت کی ایک عام تحریک پیدا ہوگئی اور جگہ جگہ سلفیت اور غیر مقلدیت کے خلاف جلسے ہونے لگے مولانا نے اس فتنہ کی خطرناکی بھانپ کر دارالعلوم دیوبند میں ردّ غیر مقلدیت کا شعبہ کھلوایا اور پھر دارالعلوم کی تقلید میں ملک کے متعدد جامعات و مدارس میں دوسرے شعبوں کے ساتھ یہ شعبہ کھولنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

میں یہاں یہ بھی عرض کروں گا کہ حضرت مولانا کے سامنے صرف غیر مقلدیت اور سلفیت کا

فتنہ نہیں تھا بلکہ جو بھی تحریک ہندوستان میں اسلام کے خلاف اٹھی مولانا نے اس کے تعاقب کا انتظام کیا اور اس کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، خواہ وہ عیسائیت ہو، منکرین حدیث ہوں، قادیانیت ہو یا شیعیت ہو مولانا کے سامنے یہ سارے فتنے تھے، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ان کا بھرپور تعاقب کیا جاتا رہا اور اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، دارالعلوم دیوبند میں تحفظ ختمِ نبوت کے نام سے مستقل ایک شعبہ مولانا ہی کی توجہ دلانے سے قائم ہوا ہے، اور اس کے ذریعہ سے جو ہندوستان میں کام ہو رہا ہے اور بڑا ہی قابلِ قدر ہے۔ آج ہندوستان میں قادیانیوں کو ہزار جدوجہد کے باوجود جو کامیابی نہیں مل پا رہی ہے اس میں دارالعلوم دیوبند کے اس شعبہ کا بڑا قابلِ قدر کردار ہے۔

بات میں بات نکلتی جا رہی ہے میرا یہ مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے، اس لیے اخیر میں ایک بات کا ذکر کر کے میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

میں پاکستان گیا ہوا تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جب نواز شریف کا دورِ حکومت تھا۔ اور جس روز میری واپسی تھی اسی روز کی شب میں نواز شریف حکومت کا تختہ پلٹ کر کے مشرف نے حکومت پر اپنا قبضہ جمالیا تھا، نواز شریف کے دور میں دینی جلسہ جلوس کرنا بڑا مشکل تھا، شیعہ کے جلسوں میں سنیوں کی بمباری ہوا کرتی تھی، سنیوں کے جلسہ جلوس میں شیعہ حملہ آور ہوا کرتے تھے۔ مقلدین کے جلسہ جلوس میں غیر مقلدین بم داغتے اور ان کے جلسہ میں مقلدین ان سے بدلہ لیتے حتیٰ کہ مسجدوں میں نماز پڑھنا بھی دُشوار تھا، نمازیں بھی سنگینوں کے سایہ میں پڑھی جاتی تھیں، علماء کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا تھا، پاکستان کے حالات سے حضرت مولانا پوری طرح باخبر تھے، ان کو کسی سے معلوم ہوا کہ میں پاکستان گیا ہوں، اب ان کو میری فکر ہوگئی، پہلے تو انھوں نے غازی پور میرے گھر فون کیا کہ میں پاکستان میں کہاں ہوں، گھر والوں نے بتلایا کہ ہمیں پاکستان کے سفر کی پوری معلومات نہیں ہے اور ابھی پاکستان سے کوئی فون بھی نہیں آیا ہے۔ پھر حضرت مولانا نے میرے عزیز دوست حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی کو فون کیا تو انھوں نے بھی جواب دیا کہ اس کی اطلاع تو ہے کہ وہ پاکستان گئے ہیں مگر اس وقت وہ پاکستان میں کہاں ہیں اس کی اطلاع میرے پاس نہیں ہے۔ تو حضرت مولانا نے جامعہ مدنیہ لاہور پاکستان فون کیا، میرا قیام اسی مدرسہ میں لاہور ہی میں تھا مگر جب حضرت کا فون پہنچا تو میں استنجا کے لیے گیا ہوا تھا، جامعہ مدنیہ کے مہتمم مولانا رشید میاں صاحب نے فون اُٹھایا تو مولانا نے ان کو بڑی تاکید کی کہ مولانا غازی پوری آپ کے مدرسہ میں ہیں ان کی پوری دیکھ بھال کی جائے، حضرت مولانا کے

فون کی خبر لے کر مولانا رشید میاں صاحب میرے پاس آئے، پھر انھوں نے لوگوں سے کہا کہ حضرت مدنی مولانا غازی پوری کے بارے میں بڑے متفکر تھے اور بار بار ان کے بارے میں مجھے ہدایت دے رہے تھے، ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مولانا غازی پوری حضرت کے بڑے خاص آدمی ہیں۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت مولانا کا اپنے چھوٹوں کے ساتھ جن کے بارے میں ان کو یہ یقین تھا کہ وہ کچھ کام کا آدمی ہے کیسا خصوصی تعلّق ہوتا تھا۔ اب یہ بزرگانہ ادائیں ہمیں کہاں دیکھنے کو ملیں گی۔ حضرت کے ساتھ یہ ساری خصوصیات بھی رخصت ہوگئیں۔

وکل من علیہا فان ویبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

○○

❑ مولانا مفتی عبداللہ معروفی
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

فدائے ملتؒ اور تحفظ سنتِ نبوی

فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید محمد اسعد صاحب مدنی رحمہ اللہ (ولادت ۱۶/۱۱/۱۳۴۶ھ/ مطابق ۱۷/۴/۱۹۲۸ء - وفات ۸/۱/۱۴۲۷ھ/ مطابق ۶/۲/۲۰۰۶ء) قدرتِ خداوندی کی ان نشانیوں میں سے ایک تھے جنھیں اللہ تعالیٰ انسانیت کی ہمہ جہتی فلاح وبہبود دلانے، اس کو گونا گوں مشکلات سے بچانے اور مستقبل کے خطروں سے آگاہ رکھنے کے لیے گاہے گاہے ہی رونما فرماتا ہے، مولانا کی اسی (۸۰) سالہ زندگی ملت اسلامیہ کی ہمہ جہتی خدمات کے لیے وقف تھی، یوں تو مولانا کی خدمات دینی، علمی، اصلاحی، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی ہر پہلو سے نمایاں ہیں، اوران میں سے ہر ایک پہلو مستقل مضامین کا متقاضی ہے، چنانچہ ارباب نگارش حضرات خصوصاً حضرتؒ کو قریب سے دیکھنے والے لوگوں نے اپنے اپنے ذوق اور معلومات کے مطابق بہتریں مقالے رقم فرمائے ہیں، ناچیز راقم مولانا کی صرف دینی خدمات کے ایک باب ''تحفظ سنت نبوی'' کے تعلق سے کچھ لکھنے کی جسارت کر رہا ہے۔

تحفظ سنت سے مراد:

''تحفظِ سنت'' سے ہماری مراد احادیث نبویہ خصوصاً اخبار آحاد کو تشریع وقانون سازی کی حیثیت سے ان کے اصلی مقام ومرتبہ پر فائز کرنا ہے، نہ تو اس میں کمی کی جائے کہ ثابت وصحیح احادیث کو محض اپنی عقلِ نارسا کے فیصلہ پر مسترد کر دیا جائے جیسا کہ منکرین حدیث اور خالص عقلیت پسندانہ ذہنیت کے حاملین کرتے ہیں، اور نہ ہی غلو پسندی کی روش اپناتے ہوئے حدیثوں کو ان کے اصل مقام ومرتبہ سے بڑھا کر ایسے مقام پر فائز کر دیا جائے کہ ان سے مضبوط اوراونچے درجہ کی شرعی دلیلوں مثلاً قرآن، عمل متوارث اور اجماع تک کی پرواہ کیے بغیر بہرصورت حدیث ہی پر عمل کیا جانے لگے، جیسا کہ ایک طبقہ جو خود کو ''اہل حدیث'' کہلوانا پسند کرتا ہے اس غلو پسندی کا شکار ہے، الغرض احادیث شریفہ کو افراط وتفریط سے محفوظ رکھتے ہوئے بمقتضائے قرآن اصل مقام

ومرتبہ پر رکھنا اوران کا واقعی حق ودرجہ دینا ''تحفظِ سنت'' ہے۔

حضرت فدائے ملتؒ کو بارگاہِ رسالت مآب ...... سے شرفِ قرابت حاصل ہونے کے علاوہ حمیتِ دینی، غیرتِ ایمانی اور عشق نبوی میں کمال عطا ہوا تھا جو درحقیقت آپ کا خاندانی ورثہ ہے، اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ عمل بالحدیث کے عنوان سے ''سنت نبوی'' کے ساتھ ہونے والے مذاق یا ''الإسلام هو القرآن وحده'' (کہ اسلام صرف قرآن کریم میں منحصر ہے) جیسے خوش کن نعروں کے ذریعہ احادیث نبویہ کی حق تلفی آپ سے برداشت نہیں ہوسکتی تھی، چنانچہ یہ خادمِ قوم وملت زمانہ کی پرواہ کیے بغیر دونوں میدانوں میں کود پڑا، اوراپنی ہمت مردانہ، جرأتِ رندانہ اور جہد مسلسل کے ذریعہ ایک طرف منکرین حدیث کی کمر توڑ دی تو دوسری طرف حدیث کی آڑ میں امت کے درمیان انتشار پھیلانے والی غیر مقلدیت بلکہ سلف دشمن نام نہاد سلفیت کے بازو مروڑ دیے، اور کافی حد تک ان کا ناطقہ بند کر دیا، اس کی تفصیل کچھ حسب ذیل ہے۔

باب اول: فتنۂ انکار حدیث اور حضرت فدائے ملتؒ:

ہندوستان میں انکارِ حدیث کا فتنہ انگریزوں کی دین ہے، انگریزوں نے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں میں جب تک جہاد کی روح کارفرما رہے گی ملک پر قابو نہیں پایا جاسکتا، چنانچہ خاص طور سے احادیث جہاد پر تنقید کرنے کے لیے کچھ کرایے کے مولوی تیار کیے گئے جنھوں نے اپنی لچر تاویلات سے جہاد کی منسوخیت کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا، اور جہاد سے متعلق احادیث کو ناقابل اعتبار قرار دینے لگے، چنانچہ مولوی چراغ علی اور مرزا قادیانی اسی بیج کی پیداوار ہیں۔

نیز مسلمانوں کی شکست اور احساس محرومی نے بعض روشن خیال لوگوں کو یہ راہ سجھائی کہ اب باعزت زندگی گذارنے کے لیے کچھ وفاداری کا ثبوت دینا چاہیے، چنانچہ سرسید احمد خان، عبداللہ چکڑالوی، مولی احمد الدین امرتسری وغیرہ نے احادیثِ جہاد کے علاوہ ایسی بہت سی احادیث کا انکار کیا جو فرنگی تہذیب وخیالات سے متصادم تھیں یا ان کی عقل وفہم سے بالاتر تھیں، اسی مقصد سے جنت دوزخ اور وزن اعمال کی حدیثوں کا انکار کیا گیا، معجزات کا انکار کیا گیا، پردہ کا انکار کیا گیا، اور تجارتی سود کو حلال کیا گیا وغیرہ، ان میں عبداللہ چکڑالوی نے اس نظریہ کو زیادہ منظّم طریقہ سے پیش کیا اس لیے اس کو فرقہ ''اہل قرآن'' کا بانی کہا جاتا ہے، اور اس کا مقصد احادیث کا کلیۃً انکار کرنا تھا، اس کے بعد اسلم جیراجپوری نے اس نظریہ میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اس کو آگے بڑھایا، یعنی صرف متواتر احادیث کو تسلیم کرتے ہوئے بقیہ احادیث کا انکار کیا، یہاں تک کہ غلام احمد پرویز نے اس فتنہ کی باگ ڈور سنبھالی، نوجوانوں کے لیے اس کی تحریر میں بڑی کشش تھی اس

لیے اس کے زمانہ میں یہ فتنہ سب سے زیادہ پھیلا۔

انکار حدیث کا مقصد:

محدث ہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ امیر الہند اول فرماتے ہیں:

جہاں تک غور کیا گیا لا مذہبیت کے سوا اور کوئی علت انکار حدیث کی معلوم نہیں ہوتی، اس کا راز صرف یہ ہے کہ انکار حدیث کے بعد ان کی ملحدانہ تگ ودو کے لیے میدان نہایت وسیع اور ہموار ہو جائے گا، مذہبی پابندیاں یکسر نیست و نابود ہو جائیں گی، یا بدرجۂ اقل صرف نام کو رہ جائیں گی، ایک قرآن رہ جائے گا اور اس کے معنی و مفہوم میں رائے سے جو تصرف و تحریف کرنا چاہیں گے پوری آزادی سے کر سکیں گے، اگر کسی نے ٹوکا کہ یہ مفہوم احادیث یا تفاسیر کے خلاف ہے تو نہایت صفائی سے کہہ دیا جائے گا کہ وہ مفہوم اگر راوی یا مفسر نے اپنی سمجھ سے بیان کیا ہے تو ہم اس کے پابند نہیں ہیں، اور اگر حدیث نبوی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے تو حدیث قابل اعتبار و استناد نہیں ہے، چلیے قصہ ختم ہوا، اب جس آیت کا جو مفہوم چاہیے قرار دے لیجیے، کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔
(تفصیل کے لیے دیکھئے: نصرۃ الحدیث ص ۷۰، ۷۱)

الحمد للہ دار العلوم دیوبند اور اس کے نہج پر کام کرنے والے مدارس اسلامیہ کی برکت و اثر سے یہ فتنہ بہت جلد دب گیا، اور معدودے چند عصری تعلیم یافتہ لوگوں کے علاوہ عام مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہا، بلکہ تقسیم ہند کے بعد سے تو یہ فتنہ سمٹ کر صرف پاکستان کے بعض علاقوں میں رہ گیا، ہندوستان میں اس کا کوئی خاص اثر نظر نہیں آتا تھا۔

لیکن ادھر کچھ سالوں سے علماء اسلام، مدارس دینیہ، اور اسلامی لٹریچر سے عوام کو برگشتہ کرنے کی عالم گیر مہم کے زیر سایہ ہمارے ملک میں بھی برق اور شاذ جیسے بقلم خود مفکرین و روشن خیال انشاء پردازوں کی لن ترانیاں شائع ہونی شروع ہو گئی ہیں، اور ان کے کارندے بعض مرکزی شہروں میں خفیہ طور سے عصری تعلیم گاہوں کے فارغین، اور صرف مطالعہ سے اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے کا شوق رکھنے والے سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف کار ہو گئے ہیں، یہ لوگ چپکے چپکے مذکورہ بالا منکرین حدیث کے لٹریچر تقسیم کرتے، پھر اسی کے مطابق ایک خاص ماحول میں تبادلہ خیال کرتے ہیں تا کہ تحریروں سے متاثر ہونے والے شخص میں مستند علماء اور صحیح اسلامی لٹریچر کے خلاف نفرت بھر جائے، پھر وہ دوسروں کو گمراہ کرنے میں معاون بن جائے۔

فدائے ملتؒ کا اضطراب اور تدبیریں:

فدائے ملت رحمہ اللہ کو اس طرح کی رپورٹیں موصول ہوئیں تو آپ بے چین ہو گئے، اور

اس فتنہ کے تدارک کے لیے کئی اہم اقدامات فرمائے، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) تربیتی کیمپ کا انعقاد

(۲) منکرین حدیث کی تکفیر کے فتویٰ کی تجدید

(۳) شعبۂ ردانکار حدیث کا قیام

۱- تربیتی کیمپ کا انعقاد:

ہمارے محترم جناب مولانا متین الحق اسامہ صاحب کانپوری ایک متحرک، فعال شخصیت کے حامل ہیں، بہت سی خوبیوں کے ساتھ اکابر بالخصوص حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کا آپ پر اعتماد بھی آپ کو حاصل رہا ہے، شہر کانپور سے قریب جاج مئو میں آپ نے مدرسہ اشرف العلوم قائم کیا، اور حضرت فدائے ملتؒ کے قدوم میمنت لزوم کی درخواست کی، حضرت کو چونکہ خود ان کی اور بعض دیگر حضرات کی زبانی شہر کانپور واطراف میں منکرین حدیث کی ریشہ دوانیوں کا علم ہو چکا تھا اس لیے آپ نے یہ شرط لگا دی کہ صرف مدرسہ کے جلسہ میں نہیں آؤں گا مگر جب کہ آپ ''ردانکار حدیث'' کے موضوع پر ایک تربیتی کیمپ کا بھی انعقاد کریں کیونکہ یہ فتنہ موجودہ علماء کرام کے لیے تقریباً نیا ہے، اس موضوع پر عام طور سے علماء تیار نہیں ہیں، اور ضرورت سخت ہے، مولانا اسامہ صاحب نے اپنے چند رفقاء کے تعاون سے کیمپ کا انعقاد فرمایا، جس میں حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب بنارسی مدظلہ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی محمد راشد صاحب استاذ دار العلوم دیوبند، اور ناچیز راقم کو بحیثیت محاضر شریک ہونے کی دعوت دی، یہ کیمپ اوائل ذی قعدہ سنہ ۱۴۲۴ھ میں منعقد ہوا، سردی کا موسم تھا، حضرت فدائے ملتؒ بھی تشریف لائے، آپ نے اس موضوع پر ایک بصیرت افروز خطاب فرمایا، اور علماء کرام کی حمیت دینی اور غیرت ایمانی کو للکارا، اور ہر محاذ پر چوکنا رہنے بالخصوص اس فتنہ کے خلاف بیدار رہنے پر زور دیا، رات کو وسط شہر میں اجلاس عام تھا، اس کے بعد دہلی واپسی تھی، راستہ میں بھی حضرت کے بیتابی اور سنت نبوی کے تعلق سے حساسیت بار بار دیکھنے میں آئی، ایک بار مفتی محمد راشد صاحب اور احقر کو مخاطب کر کے فرمایا: آپ لوگ ان منکرین حدیث کے دلائل کو جمع کریں، اور آسان پیرایہ، اور عام فہم اسلوب میں ان کے جواب لکھیں، اور پمفلیٹ اور فولڈروں کی شکل میں شائع کیے جائیں، اس کی سخت ضرورت ہے۔

۲- فتویٰ تکفیر کی تجدید:

بعض دفعہ کسی مسئلہ میں غلو اور حد سے تجاوز آدمی کو خطرناک حد تک پہنچا دیتا ہے، منکرین حدیث بھی اپنی عقلیت پسندی میں اس حد تک آگے چلے گئے کہ انکارِ حدیث کی رو میں بہتے ہوئے

چند ضروریات دین تک کا صریح انکار کر بیٹھے، چنانچہ ان کی کفریہ بکواسوں اور کفریہ افکار وخیالات سے عام مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے علماء کرام کو ان کی قلعی کھولنی پڑی، اور متفقہ طور پر ان کے کفر کا فتویٰ صادر ہوا، لیکن چونکہ ہندوستان میں لوگ اس فتنہ کو تقریباً بھول گئے تھے، کیوں کہ اس کا دائرۂ اثر صرف پاکستان میں ایک محدود پیمانہ پر تھا، اس لیے عام طور سے اس فتنہ کی زہرنا کی لوگوں کے نظروں سے اوجھل تھی، اب جب کہ ہندوستان میں بھی نئے سرے سے اس جماعت نے اپنے پر وباز و پھیلانے شروع کردیے تو حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کو فکر دامن گیر ہوئی، چنانچہ ایک مرتبہ بڑے اہتمام سے حضرت نے دارالعلوم کے مفتی صاحبان، اور چند اساتذۂ کرام کو اپنے گھر مدعو کیا، ضیافت کے دوران بڑے درد وکرب کے ساتھ اس فتنہ کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کے سدباب کی مناسب تدابیر پر غور کرنے کی دعوت دی، راقم سطور بھی وہاں حاضر تھا، تمام حضرات کی رائے ہوئی کہ اس فتنہ کے بنیادی افکار وعقائد، اور نظریات پیش کرکے باضابطہ استفتاء کیا جائے، پھر دارالافتاء سے مدلل فتویٰ صادر کیا جائے تاکہ صحیح صورت حال سے عام مسلمانوں کو واقفیت ہو، اور وہ اس فتنہ کے دامِ فریب سے کنارہ کش رہیں، اسی مجلس میں تین اساتذہ کو استفتاء مرتب کرنے کا مکلّف بنایا گیا، چنانچہ استفتاء نامہ مرتب کیا گیا، پھر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی جانب سے انتہائی مدلل اور واضح انداز میں حکم شرعی بھی لکھ دیا گیا، مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر استفتاء اور جواب کو دارالعلوم کے تمام ہی مفتی صاحبان اور اساتذۂ کرام کی نظر سے گزروا کر ان کے تائیدی دستخط ثبت کرائے گئے، اور خود حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ نے بھی دستخط فرمائے، کسی بھی اہم اقدام کے لیے مہمیز کرنا اور مؤثر طریقہ پر باحسن وجوہ پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لینا مولانا رحمہ اللہ کی طبیعت تھی جس میں آپ کی نظیر شاید ہی مل سکے، ناظرین کے افادہ کی غرض سے استفتاء اور جواب کی نقل حاضر خدمت ہے۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین درج ذیل مسئلہ میں؟ کہ:

آج کل ہمارے دیار میں، بلکہ ملک کے دوسرے علاقوں میں کچھ لوگ رونما ہوئے ہیں، جو اپنے کو اہل قرآن کہتے ہیں، اور صرف قرآن کریم کو حجت مانتے ہیں اور بس، چنانچہ شریعتِ اسلامی کے بہت سے ان احکام کا صریح انکار کرتے ہیں جن کا ثبوت قطعی ہے، ان کے بعض مقتدا حضرات کی بعض عبارتیں پیش خدمت ہیں جن کی وہ لوگ تقلید کرتے ہیں، اور انھیں کے لٹریچر کو خوب شائع کرتے اور مطالعے کی دعوت دیتے ہیں، از راہِ کرم ملاحظہ فرما کر مضبوط شرعی دلائل کی روشنی میں ایسے لوگوں کا حکم واضح کیا جائے جو ان عبارات میں مذکور عقائد ونظریات پر یقین رکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا انکار:

۱- مولوی عبداللہ چکڑالوی صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن محمد رسول اللہ صرف اپنے زمانے کے لوگوں کے ہی پاس آئے تھے، آج کل کے لوگوں میں سے آپ کسی کے پاس نہیں آئے، اگر کسی صاحب کے پاس آپ کی آمد و رفت ہوتو بتادیں، ''یا أیھا الذین آمنوا أطیعوا اللّٰہ ورسولہ ولا تولّوا عنہ'' اس جگہ رسول اللہ سے مراد آپ کی ذات نہیں ہوسکتی، ورنہ معنی لغو ہوجاتے ہیں، لہٰذا رسول اللہ سے مراد اس جگہ پر قرآن مجید ہی ہے۔'' (برہان الفرقان علی صلاۃ القرآن، ص:۳۰)

۲- نیز لکھتے ہیں:

''قرآن مجید ہی کی سکھائی نماز پڑھنی فرض ہے، اور اس کے سوا اور کسی طرح کی نماز پڑھنا کفر وشرک ہے'' (ایضاً، ص:۵)

۳- نیز لکھتے ہیں:

''جولوگ یہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماسوائے کتاب اللہ کے بھی احکام بتائے ہیں وہ حقیقت میں خاتم النّبیین پر سبّ کرتے ہیں۔'' (ایضاً، ص:۱۵)

۴- جناب پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن کریم میں جہاں کہیں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔'' (معارف القرآن، از پرویز، ج:۴، ص:۶۲۳، بحوالہ ''پرویز کے بارے میں علماء کا متفقہ فتویٰ، ص:۳'')

۵- مولوی اسلم صاحب جیراجپوری لکھتے ہیں:

''قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امامِ وقت یعنی مرکزِ ملت کی اطاعت ہے.... رسول کی اطاعت یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے بعد جوکوئی ان کے نام سے کچھ کہہ دے ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں، یہ ذہنیت امت میں اس وقت پیدا ہوئی جب کوئی صحیح خلیفۂ رسول نہیں رہا اور مستبدوں نے مرکز پر تغلب حاصل کرکے امت کو اپنا غلام بنالیا، اور ان کی دینی قیادت چھوڑ دی جو علماء اور رواۃِ حدیث نے لے لی، اسی دن سے امت مذہبی انفرادیت اور انتشار میں مبتلا ہوگئی، ورنہ دین کی ضروریات قرآن کی اتباع اور امامِ وقت کی اطاعت سے پوری ہوتی ہیں.... الغرض قرآن امامِ وقت ہی کے ساتھ امت کی نجات اور کامیابی کا ذریعہ ہے اور حدیثوں کی حیثیت صرف تاریخی ہے، ان میں سے جو قرآن کے مطابق ہوں گی قبول کی جائیں گی۔'' (علم حدیث از ص:۳۴ تا

۳۶، بحوالہ ترجمان السنۃ، ج:۱ص: ۱۴۸-۱۴۹۔

۶- ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب لکھتے ہیں:

''جس طرح ہم زید بکر سوچتے ہیں، اور نئے نئے نتائج سوجھ جاتے ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سوچا کرتے تھے۔'' (دو اسلام، ص:۱۲۷)

حدیث کی حجیت کا صریح انکار:

۱- برق صاحب لکھتے ہیں:

''احادیث از بس ناقابلِ اعتماد ہیں۔'' (حرف محرمانہ، ص:۳۷) بحوالہ ''انکارِ حدیث کے نتائج''، ص: ۱۹۵ از مولانا سرفراز صفدر

۲- ایک جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تائید میں لکھتے ہیں:

''مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریف معنوی اور لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔'' (حرف محرمانہ، ص:۵۷، بحوالہ ''انکارِ حدیث کے نتائج''، ص: ۹۶)

۳- دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''لیکن حدیث! توبہ ہی بھلی، اس کا تو وہ ستیاناس ہوا کہ اس سے زیادہ محرّف، بریدہ، تراشیدہ، اور مسخ شدہ لٹریچر دنیا کے صفحے پر موجود نہیں۔'' (دو اسلام، ص:۱۱۹)

۴- ڈاکٹر احمد دین اکال گڑھ گوجرانوالہ لکھتا ہے:

''کتب صحاح ستہ قطعی طور پر قرآن کے خلاف ہیں۔''

(پیام توحید، ص:۵، بحوالہ ''انکارِ حدیث کے نتائج''، ص:۱۱۱)

۵- مولوی اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں:

''اس لیے تمام روایتیں غیر یقینی ہیں، روایت کی صرف ایک قسم یقینی ہوسکتی تھی یعنی متواتر.... اور ایسی کوئی حدیث نہیں ہے، بلکہ جملہ حدیثیں خبر واحد ہی ہیں۔''

(علم حدیث، ص:۳۰-۳۱، بحوالہ ترجمان السنۃ، ج:۱ص: ۱۷۸)

احادیث شریفہ کی توہین:

۱- برق صاحب ہی لکھتے ہیں:

''ایک اسلام وقرآن تو وہ ہے جو ۱۴/لاکھ حدیثوں کے بوجھ تلے دبا کراہ رہا ہے۔''

(دو اسلام، ص:۲۳)

۲- وقت آ گیا ہے کہ ہم حدیث کے نیچے دبے ہوئے قرآن کو نکالیں۔'' (ایضاً، ص:۱۷۴)

۳- مسٹر غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

''حدیث کا پورا سلسلہ ایک عجمی سازش تھی، اور جس کو شریعت کہا جاتا ہے وہ بادشاہوں کی پیدا کردہ ہے۔'' (طلوع اسلام ص: ۷، اکتوبر ۱۹۵۲ بحوالہ ''احسن الفتاویٰ، ج:۱ص:۱۱۲'')

۴- مزید لکھتے ہیں:

''آیئے ہم آپ کو چند ایک نمونے دکھائیں ان ''احادیث مقدسہ'' کے جو حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں محفوظ ہیں، اور جو مُلاّ کی غلط انگہی اور کوتاہ اندیشی سے ہمارے دین کا جزو بن رہی ہیں، دیکھئے کہ ان احادیث کی رو سے وہی جنت جس کے حصول کا قرآنی طریقہ اوپر مذکور ہے کتنے سستے داموں ہاتھ آجاتی ہے؟

لیجیے اب روایات کی رو سے جنت کے ٹکٹ خریدیے، دیکھئے کتنی سستی جارہی ہے۔

سب سے پہلے سلام علیکم کیجیے، اور ہاتھ ملا لیجیے! جنت مل گئی۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ ''جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے۔''

اب مسجد میں چلئے اور وضو کیجیے! جنت حاضر ہے۔

مسلم کی حدیث ہے کہ ''وضو کرنے والے کے تمام گناہ پانی کے ساتھ ٹپک جاتے ہیں، یہاں تک کہ پانی کا آخری قطرہ ہر عضو کے آخری گناہ کو ساتھ لے کر ٹپکتا ہے...''

کہیئے؟ کس قدر سستی رہی جنت! وضو کیا تو تمام گناہ اس کے پانی میں بہہ گئے، اور اگر ساتھ دو رکعت نفل بھی پڑھ لیے تو خود رسول اللہ سے بھی آگے آگے جنت میں پہنچ گئے۔''

(مقام حدیث، ج:۲، ص:۹۶ تا ۱۰۰ بحوالہ: متفقہ فتویٰ، ص:۱۱۱)

ضروریاتِ دین کا انکار:

۱- پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''سورہ نور میں ''صلاۃ الفجر'' اور ''صلاۃ العشاء'' کا ذکر ضمناً آیا ہے، جہاں کہا گیا ہے کہ تمہارے گھر کے ملازمین کو چاہیئے کہ وہ تمہاری (Priv acy) کے اوقات میں اجازت لے کر کمرے کے اندر آیا کریں، یعنی ''من قبل صلاۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظهيرة، ومن بعد صلاة العشاء....'' اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اجتماعاتِ صلاۃ کیلئے (کم از کم) یہ دو اوقات متعین تھے، جبھی تو قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے۔ (لغات القرآن از پرویز، ج:۳، ص:۱۰۴۳-۱۰۴۴) بحوالہ: متفقہ

فتویٰ، ص:۲۱

۲- ان کے رسالے ''طلوعِ اسلام'' میں تحریر ہے:

''میرا دعوی تو صرف اتنا ہے کہ فرض صرف دونماز ہیں جن کے اوقات بھی دو ہیں، باقی سب نوافل ہیں'' (عباد اللہ اختر، طلوع اسلام، ص:۵۸، اگست ۱۹۵۰ بحوالہ احسن الفتاویٰ، ج:۱، ص:۱۱۱)

کافر کو مسلمان قرار دینا

برق صاحب لکھتے ہیں:

''اسلام کسی زبانی اقرار کا نام نہیں، بلکہ نیکی کا نام ہے، اگر ایک عیسائی نیکی کررہا ہے تو وہ قرآن کی رو سے مسلمان ہے۔...خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہو یا یہودیت کا۔'' (دو اسلام، ص:۲۰۲)

امید کہ ان منکرینِ حدیث اور مذکورہ بالا عقائد کے حاملین کا شرعی حکم مدلل و واضح انداز میں مفصل عنایت فرمایا جائے گا۔ بیّنوا توجروا

جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب و باللّٰہ التوفیق!

ملاعلی قاری نے شرح شفاء میں لکھا ہے کہ کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا نہایت اہم وسخت معاملہ ہے، **وإخراج مسلم عنها عظيم فى الدين** (شرح شفاء، ج:۲، ص:۵۰۰) لیکن اگر کوئی بدبخت ضروریات دین کا انکار کرے یا ان احکام کا انکار کرے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہیں۔ قرآن سے یا حدیث متواتر سے ثابت ہیں تو پھر اسے مجبوراً کفر بواح (کھلا ہوا کفر) میں داخل کر کے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔

فرقہ اہل قرآن جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے جو ان کی کتابوں میں ملتے ہیں، کافر ہیں، اور ان کا کفر متعدد وجوہ سے ہے ان میں چار بڑی وجوہ درج ذیل ہیں:

پہلی وجہ: دین کی بنیادیں تین ہیں: قرآن کریم، احادیث شریفہ اور اجماع امت۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب ''المنار'' کے دیباچہ میں ہے: اعلم أن أصول الشرع ثلاثة: كتاب الله، و سنة نبيه صلى الله عليه و سلم، وإجماع الأمة پس جو بھی ان اصول شرع کا منکر ہے وہ درجہ بدرجہ کافر اور گمراہ ہے۔ فرقہ اہل قرآن: حدیث شریف کو حجت نہیں مانتا نہ اجماع امت کی حجیت کا

قائل ہے، جبکہ ان دونوں کی حجیت قرآن وحدیث کے بے شمار دلائل سے ثابت ہے، اس لیے یہ فرقہ کافر ہے۔

دوسری وجہ: ضروریات دین کا انکار۔

تیسری وجہ: دین، رسول اللہ، نماز وغیرہ احکام دین کا استہزاء۔

چوتھی وجہ: قرآن کریم کی متعدد آیات کی تاویل باطل۔

مذکورہ بالا چار وجوہ سے اور دیگر متعدد وجوہ سے یہ فرقہ قطعاً کافر ہے۔ اکابر امت نے اس کی صراحت کی ہے۔

شرح فقہ اکبر، ص:۲۰۳ میں ہے من استخف بالقرآن أو بالمسجد أو بنحوه مما يعظم في الشرع كفر.

شرح عقائد نسفی، ص:۱۲۰ میں ہے والاستهزاء على الشريعة كفر لأن ذلك من امارات التكذيب .

ان ہی وجوہ کی بناء پر ہمارے اکابر مفتیان کرام نے بھی منکرین حدیث پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سابق مفتی دارالعلوم لکھتے ہیں: ”بلا شبہ ملحد و زندیق، کافر، خارج از اسلام ہیں۔ کیونکہ یہ بہت سی ضروریاتِ دین کے منکر ہیں۔ (جواہر الفقہ، ج:۱،ص:۴۷)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی: یہ فرقہ قطعاً کافر ہے۔ (امداد الاحکام، ج:۱،ص:۲۳۷)

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری: یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ، ج:۴،ص:۲)

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی: یہ اسلام سے خارج ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج:۱،ص:۴۹)

اب آگے نمبر وار جوابات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) یہ کہنا کہ رسول اللہ......صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے پاس آئے تھے۔ پوری دنیا کے انسانوں کے لیے نہیں آئے تھے۔ قطعی غلط اور باطل ہے اس نظریہ کی تردید خود قرآن پاک سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

(۱) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا . (سورۃ سبا، آیت ۲۸)

(۲) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ . (الحج آیت ۱۰۷)

(۳) تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا . (سورۃ الفرقان، آیت ۱)

ان تینوں آیات میں صاف اور صریح الفاظ موجود ہیں کہ آپ پوری دنیا اور رہتی دنیا کے تمام لوگوں کے لیے رسول و نبی بن کر آئے تھے۔ اور ہم سب کیلئے رہتی دنیا تک ان کی پیروی کرنا ضروری ہے۔

(۲) قرآن پاک ایک قانونی کتاب ہے اس کی شرح اور وضاحت خود رسول اللہ...... نے کی ہے۔ بغیر آپ...... کی وضاحت کے ہم قرآن کو صحیح نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ ''وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ'' (سورۃ النحل، آیت ۴۴) یہ آیت کریمہ صاف بتا رہی ہے کہ قرآن میں جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کی تشریح آپ...... ہی لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔ بغیر آپ...... کی تشریح کے ہم قرآن کے احکام کو پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اسے نہلانے، کفنانے اور دفنانے، قبر کھودنے کا طریقہ قرآن میں موجود نہیں ہے۔ نبی کریم...... نے ہی اس کا طریقہ تفصیل کے ساتھ بتایا ہے قرآن میں وَآتُوا الزَّكَاةَ (سورۃ النور، آیت ۵۶) فرمایا۔ اب کس قسم کے مال میں اور کتنے مال میں زکوٰۃ ہے؟ اور کب نکالی جائے گی۔ کس کے اوپر زکوٰۃ واجب ہے اور کس کے اوپر واجب نہیں ہے۔ کس کو زکوٰۃ دی جائے یہ سب احادیث ہی سے، قول رسول یا فعل رسول سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (سورۃ النور، آیت ۵۶) فرمایا گیا ہے، نماز کا طریقہ تعداد رکعات، فرائض و واجبات، سنن و مستحبات نہیں بتائے گئے ہیں۔ اوقات نماز بھی پانچوں وقت کے نہیں بتائے گئے ہیں۔ ان سب کیلئے احادیث کا سہارا لینا ضروری ہے۔ بغیر احادیث کی مدد کے ہم نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں۔

(۳) شریعت اسلام میں بنیادی دو چیزیں ہیں، کتاب اللہ، اور دوسرے سنتِ رسول اللہ۔ جو احکام قرآن میں نہیں ہیں، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے بتایا ہے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے گالی قرار دینا انتہائی جہالت اور نادانی ہے۔ احادیث نبویہ بھی وحی الٰہی ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔ (سورۃ النجم، آیت ۳)

(۴) یہ مراد من گھڑت ہے اور تفسیر بالرائی ہے جو قطعی حرام ہے۔ قرآن کی مراد وہی معتبر ہے جس کو دوسری آیت نے واضح کیا ہو، یا اس کی مراد حدیث نے بتائی ہو، اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضاً وَتُفَسِّرُهُ السُّنَّةُ، جہاں کہیں قرآن میں اللہ و رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت لینا قرآن پاک کی کسی آیت میں اس کی صراحت نہیں ہے۔ بلکہ اِس طرح قرآن پاک کی الٹی سیدھی مراد لینے والے کے حق میں قرآن میں سخت وعید آئی ہے۔ ارشاد باری ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْ آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَنْ يَأْتِيْ آمِنًا يَّوْمَ

الْقِيَامَةِ اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ . (حم سجدہ، آیت ۴۰)

(۵) مولوی اسلم جیر جپوری کا یہ نظریہ بھی مثل عـ۴ کے ہے، اور صحت واستقامت سے ہٹا ہوا اور قطعی باطل ہے۔قرآنی آیت "أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ" (سورۃ النور، آیت ۵۴) کا بے محل معنی مراد لینا اور باطل معنی پر محمول کرنا یہ کفر والحاد ہے۔اسی لیے ایسے لوگوں کے لیے جہنم میں ڈالے جانے کی شدید وعید آئی ہے، جیسا کہ عـ۴ میں آیت نقل کی جا چکی ہے۔

(۶) ڈاکٹر غلام جیلانی کا نظریہ سراسر غلط اور باطل ہے قرآنی آیت وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحىٰ (سورۃ النجم، آیت ۳و۴) کے خلاف ہے۔جو کچھ رسول اللہ......نے فرمایا، یا عملاً کیا اس کی اطاعت ہمارے لیے ضروری ہے۔ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (آل عمران، آیت ۳۲) رسول اللہ......کے ارشادات سے انحراف کرنا، انکار کرنا، اس میں تنگی وحرج محسوس کرنا، ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مرادف ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّموا تَسْلِيمًا. (سورۃ النساء، آیت ۶۵)

(۱ تا ۵) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ سے لے کر آج تک حدیث کو حجت سمجھا جاتا رہا۔ ہر دور میں لاکھوں علماء ومحدثین سے حدیث کے پڑھنے پڑھانے، تصنیف وتالیف کرنے، انھیں مدوّن ومحفوظ رکھنے اور حدیث کی روایت کرنے کا سلسلہ تواتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔علم رجال حدیث کا ایجاد کرنا جس کے ذریعہ صحیح، حسن، ضعیف، موضوع وغیرہ احادیث پہچانی جاتی ہیں۔صرف فن حدیث میں ۶۰ علوم کا ایجاد کرنا اور ہر ایک فن پر ہزاروں کتابوں کا تصنیف کرنا کئی سو سال تک فقہاء کرام کا احادیث سے مسائل نکالنا، یہ حدیث کو حجت ماننے والوں کی ایک مستقل اور مسلسل تاریخ ہے اور ایسی شاندار تاریخ ہے کہ ہم بجا طور پر اس کے اوپر فخر کر سکتے ہیں۔ جس طرح آج جمعہ ہونے اور گذشتہ کل جمعرات ہونے کا عقیدہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے اس میں شک نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح حدیث کی حجیت بھی متواتر ہے اور متواتر کا انکار پاگل پن ہے۔اللہ کے رسول کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت اور قرآن پر بھی عمل نہیں ہوسکتا۔قرآن میں صاف موجود ہے:

مَا أٰتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر، آیت ۷)

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ . (سورۃ النساء، آیت ۸۰)

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ . (سورۃ آل عمران، آیت ۳۱)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ . (سورۃ الاحزاب، آیت ۲۸)
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلاَغُ الْمُبِيْنُ.

(سورۃ التغابن، آیت ۱۲)

(اتا۴) قرآن پاک کا قرآن ہونا قولِ رسول سے یعنی حدیث پاک سے معلوم ہوا کیونکہ قرآن آپؐ کے اوپر نازل ہوا، سب سے پہلے آپ ہی نے اسے صحابہ کرام کو سنایا، اس کی تعلیم دی، اس کی حکمت اور رموز کو بیان کیا۔ يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة الخ (سورۃ الجمعہ، آیت ۲) حدیث کی توہین کرنا رسول کی توہین اور قرآن کی توہین کے مرادف ہے، جو شخص رسول کے قول اور فیصلے کو نہ مانے اور اس کا تمسخر و مذاق اڑائے قرآن کی رُو سے اسے مومن و مسلمان بھی نہ کہنا چاہئے۔ فَلاَ وَرَبِّكَ لاَيُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (نساء:۶۵) دوسری جگہ قول رسول کی مخالفت کرنے والے کو دخول جہنم کی وعید سنائی گئی ہے وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَائَتْ مَصِيْرًا. (نساء:۱۱۵) دوسری جگہ یوں فرمایا گیا ہے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ. (سورہ نور:۶۳) اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ نبی جو کچھ بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہوتا ہے اپنی طرف سے نہیں بولتا ہے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوْحٰى" (سورۃ النجم، آیت ۳و۴) حدیث شریف کا مذاق اڑانا وحی الٰہی کا مذاق اڑانے کے برابر ہے۔ وحی الٰہی کا مذاق اڑانے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

ضروریات دین کا انکار:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پورے دین کا ماننے والا مسلمان کہلائے گا، دین اسلام کے وہ امور جن کا دین میں داخل ہونا قطعی تواتر سے ثابت ہو اور عام وخاص کو معلوم ہو ان کو ضروریات دین کہتے ہیں۔ ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنے والا یا تاویل کرنے والا کافر ہے۔ وان انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفربها. (شامی، ج:۱، ص:۴۱۵) اگر کوئی پانچ نمازوں میں سے دو کا قائل ہو، اور تین نمازوں کا انکار کرے وہ بھی اسی ضروریات دین کے منکروں میں شامل ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

کافر کو مسلمان قرار دینا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں

پر، اس کی بھیجی تمام آسمانی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور ایمان لاؤ اچھی بُری تقدیر پر۔ ایمان کے صحیح ہونے کے لیے صرف اللہ پر یا صرف قرآن پر ایمان لانا کافی نہیں۔ تمام رسولوں اور تمام آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی لیے کسی یہودی یا عیسائی کو ہم مسلمان نہیں کہہ سکتے۔

۳- شعبۂ رد انکار حدیث کے قیام کی تجویز:

منکرین حدیث کے تعاقب کے لیے حضرت فدائے ملتؒ نے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ (منعقدہ شعبان ۱۴۲۵ھ) کو بھی متوجہ کیا، اور یہ تجویز پیش فرمائی کہ کم از کم چار فضلاء دارالعلوم کا ہر سال انتخاب کر کے انھیں فتنۂ انکار حدیث کے رد وابطال کے موضوع پر تیار کرایا جائے، مجلس نے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر وہ تجویز منظور کی، اور یہ طے کیا کہ ان چاروں فضلاء کو دارالعلوم کے ایک وقیع شعبہ تخصص فی الحدیث سے منسلک کر کے خاص اس پہلو پر تیاری کا موقع دیا جائے، شعبۂ تخصص فی الحدیث کا قیام بھی حضرتؒ کی کوششوں کے نتیجہ میں ہوا، قیام کا پس منظر، طریقۂ کار اور نصاب سے متعلق گفتگو اسی مقالہ میں آگے آرہی ہے۔

باب دوم: غیر مقلدیت/ سلفیت اور فدائے ملتؒ:

جہاں تک سنت نبوی کو افراط اور غلو پسندی (غیر مقلدیت/سلفیت) سے تحفظ دینے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں بھی حضرت فدائے ملتؒ نے وہ تاریخی کارنامہ انجام دیا جو تاریخ میں زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سنت نبوی شریعت اسلامی کا دوسرا بنیادی ماخذ اور سرچشمہ ہے، بلکہ درحقیقت قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ہے، اس سے صرفِ نظر کر کے منزل مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آں حضرت ...... کی جانب منسوب ہر قول وفعل کو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا جائے، بلکہ اس کے ثبوت واستناد کی بابت تحقیق واطمینان کر لینا ازبس ضروری ہوتا ہے، اس کے لیے قرآن کریم نے نقد رجال، اور درایت متن دو معیار عطا کیے ہیں، یعنی اگر روایان حدیث کا ثقہ اور عادل ہونا ضروری ہوتا ہے تو اس بات کی بھی تحقیق کر لینی ضروری ہوتی ہے کہ یہ حدیث معارضہ، نسخ یا ایسی علت خفیہ سے محفوظ ہے جو اس حدیث پر عمل کرنے سے مانع ہو، قرآن کریم کی آیت **یا أیھا الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃ فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین**، اور **و لو لا إذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم** میں دونوں معیاروں کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔

چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی بے مثال تصنیف ''الرسالۃ'' (ص: ۲۹۹) میں فرماتے ہیں
''**لایستدل علی اکثر صدق الحدیث و کذبہ الا بصدق المخبر و کذبہ إلا فی الخاص القلیل من الحدیث، وذلک ان یستدل علی الصدق و الکذب فیہ بان یحدث المحدث مالایجوز ان یکون مثلہ، او ما یخالفہ ما ھو اثبت و اکثر دلالات بالصدق منہ.**''

یعنی اکثر حدیثوں کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار تو راوی کا صادق یا کاذب ہونا ہی ہے مگر چند مخصوص حدیثیں کہ ان کا صحیح اور غلط ہونا بایں طور بھی جانا جاتا ہے کہ حدیث بیان کرنے والا ایسی حدیث بیان کرے کہ اس جیسا مضمون عقلاً ممکن نہ ہو یا ایسی حدیث بیان کرے کہ اس سے مضبوط درجہ کی دلیل یا ایسی حدیث جس میں صدق اور صحت کے قرائن زیادہ ہوں اس کے معارض ہو۔
ان دونوں معیاروں کو ساتھ ساتھ رکھنا ہوگا ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء کر لینا سنت نبوی کے ساتھ زیادتی کے مرادف ہوگا، ظاہر ہے کہ کسی حدیث کے دوسری حدیث، آیت، یا اجماع سے معارض ومخالف ہونے کا فیصلہ درایت کے ماہرین یعنی فقہاء ہی کر سکتے ہیں کیوں کہ محدثین مخالفت کے تحقیق میں عموماً ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں جن کا تعلق اسناد سے ہوتا ہے مثلاً وصل وارسال کا اختلاف، رفع ووقف کا اختلاف باقی الفاظ متن کے مدلولات کا اختلاف ان کے پیش نظر بہت کم ہوتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فتح الملہم (ص ۵۱) میں اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ محدثین کا اصل کام اسنادی پہلو سے بحث کرنا ہے چنانچہ وہ سند یا متن پر جو حکم لگاتے ہیں وہ اسنادی پہلو ہی سے لگاتے ہیں باقی متن کے اعتبار سے حکم لگانے سے گریز اسلئے کرتے ہیں کہ یہ فقہاء اور اصولیین کا کام ہے جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ متون حدیث کو (اصول درایت پر) پرکھ کر ان کے معانی ومراد کو متعین کریں اور مفہوم اور حکم شرعی کے اعتبار سے ایک کو دوسری پر راجح کریں کیوں کہ ہر فن کے کچھ مخصوص رجال ہوتے ہیں جو دوسرے فنون کے ماہرین پر فوقیت رکھتے ہیں۔

نیز یہ امر واقعہ بھی پیش نظر رہے کہ صحیح وثابت حدیثوں میں ناسخ ومنسوخ بھی ہوتا ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری (۱/۴۱۳) میں فرماتے ہیں ''**وکم من حدیث منسوخ وھو صحیح من حیث الصناعۃ الحدیثیۃ**'' ایسی مثالیں کس کثرت سے موجود ہیں کہ فنی اعتبار سے حدیث صحیح ہوتی ہے لیکن منسوخ ہوتی ہے، اس لیے ہر صحیح حدیث کا قابل عمل ہونا ضروری نہیں۔

چنانچہ فقہائے کرام (جن کا تعلق قرون اولیٰ سے ہے) نے اپنی پوری محنت اور صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے مختلف اور متعارض نصوص پر مجموعی نظر ڈالی، اوران میں باہم تطبیق یا نسخ یا ترجیح سے کام لیتے ہوئے فروعی مسائل میں حکم شرعی مستنبط کرنے کی کوشش کی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقبولیت عطافرمائی کہ تکوینی طور سے پوری امت کوائمۂ اربعہ کے مستنبط کیے ہوئے اصول پر متفق فرمادیا۔

لیکن آج کل عمل بالحدیث اور اتباع سلف کے عنوان سے ایک عالگیر فتنہ (غیر مقلدیت/ سلفیت) اہل سنت والجماعت کیلئے موجب تشویش بنا ہوا ہے، اور فقہائے کرام نے قرآن وحدیث اقوال صحابہ اور امت کے عمل متوارث کی روشنی میں فقہ اسلامی کا جو عظیم سرمایہ مدون فرمایا ہے اس کی جانب سے عام مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اور مسلمانوں کا ایک طبقہ ''افتراق بین المسلمین'' (جو یورپین طاقتوں کا عین منشأ اور مقصد ہے) میں اپنا بھرپور تعاون پیش کررہا ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ شیعوں کی طرح ائمہ کرام اور سلف صالحین پر تبرا بازیاں کی جارہی ہیں، محدثین کرام نے روایات کی صحت وضعف کی شناخت کیلئے جو اصول وضع کیے تھے (جن کا تعلق خالص اسناد سے ہے) ان کے بموجب جو حدیثیں صحیح قرار پاتی ہیں صرف ان ہی پر عمل کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، اسنادی اعتبار سے قوی کے بالمقابل اقویٰ دلیل اختیار کرنے کو ذریعہ نجات قرار دیتے ہوئے محدثین نے جن حدیثوں پر ضعف کا حکم لگایا یا آج کے مدعیان علم وتحقیق جن حدیثوں کو اپنے فہم سے ضعیف سمجھتے ہیں ان کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کی تحریک چلائی جارہی ہے گویا وہ حدیث سرے سے ہے ہی نہیں، اسی طرح کتب فقہ میں جن مسائل کی دلیلیں محدثانہ اصول پر ان کو ضعیف ملتی ہیں ان کے متعلق یہ واویلا مچاتے ہیں کہ فقہ کی بنیاد ضعیف دلیل پر مبنی ہے، اس پر عمل کرنے والا جہنمی ہے۔

بلکہ ادھر چند سالوں سے اس فرقہ نے خلیجی ممالک بالخصوص سعودی عرب کے با اثر غیر مقلد علماء ومفتیان کو شیشہ میں اتار کر اور سعودی حکومت کا اخلاقی و مادی تعاون حاصل کرکے تمام مقلد عوام، علماء اور مشائخ خصوصاً حنفیہ کے خلاف برملا بدزبانی، دشنام طرازی اور تہمتوں کا بازار گرم کر رکھا ہے، المیہ یہ ہے کہ یہ لوگ حکومت سعودیہ کی سرپرستی میں حرمین شریفین کے شعبۂ وعظ وتذکیر برائے حجاج وزائرین حرم، اسی طرح بیرونی ممالک سے بسلسلہ ملازمت پہنچنے والے مسلمانوں میں وعظ وتبلیغ کے شعبہ (جالیات) میں بہت حد تک دخیل ہوگئے ہیں، پھر وعظ وتذکیر تو کجا ان کا سارا زور بیان چند مختلف فیہ مسائل میں فقہاء کے اقوال (جو درحقیقت نصوص قرآن یا احادیث پر ہی مبنی

ہوتے ہیں) کو بخاری ومسلم کی کسی حدیث کے خلاف بتا کر عوام کا ذہن بگاڑنے پر صرف ہوتا ہے، ان لوگوں کی تقریریں ''اذا خاصم فجر''، اور '' لعن آخر هذه الأمة أولها'' کی مکمل تصویر ہوتی ہیں، بلکہ بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ بعض غیور مسلمانوں سے برداشت نہ ہوا، وہ ان سے دست وگریباں ہوگئے بالآخر حکومت کی جانب سے انھیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

کوئی نہیں تھا جو اس مطلق العنان فتنہ کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہوتا، اور مؤثر طریقۂ کار اپناتے ہوئے اس کا راستہ بند کرنے کی کوشش کرتا، بالخصوص حکومت سعودیہ کو ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں سے مطلع کرتا، اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بھی حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کی قسمت میں لکھی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ ہونے والے اس تمسخر اور مذاق پر آپ کی رگ حمیت پھڑکی، فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے مردانہ وار میدان میں کود پڑے، اللہ نے کامیابی عطا فرمائی اور اس حد تک ان کا تعاقب کیا کہ ان کی ہمتیں پست ہوگئیں، بلکہ اس فرقہ کے بعض عمائدین مذبوحی حرکتوں پر اتر آئے، فدائے ملتؒ نے جو مؤثر اقدامات فرمائے ان کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱ دارالعلوم دیوبند کے تکمیلاتی شعبوں کے طلبہ کو رد فرق باطلہ پر تیاری کے ضمن میں رد غیر مقلدیت کے لیے بھی تیار کرانے کی تجویز۔

۲ دارالعلوم دیوبند کے تحت شعبۂ تخصص فی الحدیث کے قیام کی تحریک وتنفیذ۔

۳ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے حکومت سعودیہ کو دوٹوک اور مدلل میمورنڈم کی ترسیل۔

۴ تحفظ سنت کانفرنس کا انعقاد، اور مسلمانان ہند کے جذبات سے حکومت سعودیہ کو مطلع کرنا۔

۵ اس فرقہ کے تعاقب میں وسیع پیمانہ پر لٹریچر کی فراہمی، اور بالغ نظر اصحاب نگارش علماء کی کاوشوں کی حوصلہ افزائی۔

۱- سلسلۂ محاضرات:

دارالعلوم دیوبند میں سنہ ۱۴۱۴ھ سے فرق باطلہ کے ابطال ورد نیز اسلام اور بعض دیگر مذاہب کے درمیان تقابلی مطالعہ کے موضوع پر علمی محاضرات کا سلسلہ جاری ہوا، یہ سلسلہ بھی حضرت فدائے ملتؒ کی ہی تحریک اور تجویز پر شروع ہوا، ان میں ''رد غیر مقلدیت'' سے متعلق محاضرات کی ذمہ داری جناب مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی سے متعلق ہے، چھ محاضرات کا یہ سیٹ اختصار کے ساتھ موضوع پر کافی حد تک رہنمائی کرتا ہے، دورۂ حدیث سے فارغ وہ طلبہ جو دارالعلوم کے کسی بھی تکمیلی شعبہ میں داخل ہوتے ہیں ان کو ان تمام محاضرات میں شرکت کا پابند بنایا جاتا ہے،

اور باضابطہ امتحان سالانہ پر مکمل امتحان لے کر سند اختصاص دی جاتی ہے۔

۲۔ شعبۂ تخصص فی الحدیث دار العلوم دیوبند کا قیام:

اس فرقہ کی پروپگنڈہ مہم کی جان یہ ہے کہ پہلے تو مقلدین سے صحیح صریح حدیث کا مطالبہ کیا جائے، پھران کی جانب سے جو بھی حدیث بطور دلیل پیش کی جائے دھڑلّے سے اس پر ''ضعیف'' یا ''موضوع'' کی گولیا داغ دی جائیں اوران لفظوں کا اس قدر تکرار واعادہ کرتے ہوئے شور وشغب مچایا جائے کہ بے چارا مقلد کھسیا جائے اور اپنا سامنہ لے کر واپس ہوجائے، بلکہ مرعوب کرنے کے لیے یہ لوگ بعض بڑے بڑے محدثین کا حوالہ بھی دے دیا کرتے ہیں قطع نظر اس سے کہ اس قول کی نسبت مذکورہ محدث کی جانب کہاں تک صحیح ہے،اوراس کی بات کا ایا وہی مطلب ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، یا کچھ اور، پھر متعلقہ حدیث کی بابت صرف وہی ایک رائے ہے یا اس کے مخالف بھی کسی محدث یا امام کی کوئی رائے پائی جاتی ہے؟ عام مسلمان تو اسی میں عافیت سمجھے گا کہ کون پڑے میاں اس بکواس میں، مولوی صاحب اتنے بڑے امام کے حوالہ سے کہہ رہے ہیں صحیح ہی کہتے ہوں گے،اس طرح سادہ لوح مسلمانوں کو یہ لوگ اپنے دامِ تزویر میں پھنسا لینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، اس صورت حال نے صاحب بصیرت اکابر دارالعلوم ومظاہر علوم کو تڑ پادیا،ان میں حضرت فدائے ملتؒ کا نام سرِ فہرست ہے، ان حضرات نے شدت سے محسوس کیا کہ اگر علماء کی نئی پود کو علوم حدیث بالخصوص مذاق محدثین اور مدارک فقہاء کے مابین ہم آہنگی واستواری کے پہلو سے خصوصی تربیت دے کر تیار نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب غیر مقلدین دندناتے پھریں گے اور اہل حق میں کوئی ان کو لگام دینے والا نہ ملے گا۔

چنانچہ سب سے پہلے(سنہ ۱۴۰۹ھ) میں مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند نے شعبہ تخصص فی الحدیث کے اجراء کا فیصلہ کیا،لیکن فیصلہ کی تنفیذ میں کسی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی، یہاں تک کہ جب غیر مقلدیت کی فتنہ پردازیاں حد سے سوا ہونے لگیں تو حضرت فدائے ملتؒ نے شوال/۱۴۲۰ھ میں مجلس عاملہ میں شوریٰ کے مذکورہ بالا فیصلہ کے نفاذ پر زور دیا، چنانچہ بروقت حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کو اس شعبہ کا مکمل ذمہ دار بنا کر شعبہ کے نصاب، طریقۂ کار اور ضروریات ومقتضیات کی فہرست پیش کرنے کا کام سونپ دیا گیا، چنانچہ آپ نے ایک جامع اور مؤثر دو سالہ نصاب تیار فرمایا، اور اس وقت سے یہ شعبہ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب کے زیرنگرانی سرگرمِ عمل ہے، اور الحمدللہ بہترین نتائج برآمد ہورہے ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

شعبہ کے نصاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں طبقۂ محدثین اور جماعت فقہاء دونوں کے مذاق کا یکساں طور پر خیال کیا گیا ہے، نہ تو ہر طرف سے یکسو ہو کر صرف قواعد محدثین ہی کی تطبیق و مشق میں طلبہ کو لگا دیا جاتا ہے کہ فقہاء کرام کی تمام تر کاوشیں ہمارے فاضل کو کمزور، اور بے دلیل نظر آنے لگیں جیسا کہ سعودی عرب وغیرہ کے تخصصاتی اداروں کے فضلاء میں دیکھا جاتا ہے اور جس کی بنیاد پر سلفیت نے ایک طوفان بدتمیزی بپا کر رکھا ہے، اور نہ ہی طریقۂ محدثین کے مطابق حدیثوں کی تصحیح وتضعیف کے اصول کی معرفت اور تطبیق کی مشق میں کوئی کسر چھوڑی جاتی ہے، بلکہ ناقدین حدیث میں سے ایک ایک کے معیار تنقید کو باریکی سے پڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے تا کہ اس فن میں ہمارے باحث کو مکمل بصیرت حاصل ہو، اور فکری آزادی و کجروی سے محفوظ رہتے ہوئے حدیثوں پر حکم لگانے کی ان میں صلاحیت پیدا ہو، اس طرح باحث کے قلب و دماغ میں فقہاء ومحدثین دونوں کا اعتماد بحال کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے، ساتھ ہی جملہ ابواب احکام سے متعلق مستدلات فقہاء کا ایک معتد بہ حصہ طلبہ کو از بر کرایا جاتا ہے، چنانچہ تین سو (۳۰۰) احادیث کو ان کی اسنادی حیثیت سمیت حفظ کرنے کا ہر طالب علم پابند ہوتا ہے۔

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری زید مجدہ استاذ حدیث دار العلوم دیوبند اس شعبہ کی افادیت خاص طور سے اس کے نصاب اور طریقۂ کار کو سراہتے ہوئے ملک میں اس طرز پر دیگر اداروں کے قیام یا مدارس وجامعات میں اسی نہج پر تخصصاتی شعبے قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، سنہ ۱۴۲۵ھ میں طلبہ تخصص کے ذریعہ انجام پانے والے اہم علمی کام ''**الحديث الحسن في جامع الترمذي / دراسة وتطبيق**'' پر اپنی تقریظ میں رقم طراز ہیں:

"وحقاً لو أشار أحد علىٰ معاهد التخصص في علوم الحديث باتباع هذا المنهج القويم في دراساتها، أو أوصى إلى الجامعات ودور التعليم بإنشاء الأقسام التابعة لها علىٰ هذا المنوال؛ لكان إشارته غنما وجديراً بالقبول والتقدير" اهـ.

۳- دار العلوم دیوبند کی جانب سے سعودی حکومت کے نام میمورنڈم:

جیسا کہ معلوم ہوا غیر مقلدین نے اپنی موروثی شاطر بازی اور تملقانہ خصلت کی بنا پر سعودی حکومت کے بعض اعیان کو شیشہ میں اتار کر اپنی ہی جماعت کو دین کا اصل خادم اور بین الاقوامی اصلاح کا ٹھیکے دار باور کرا رکھا ہے، چنانچہ ان کے اخلاقی ومادی تعاون وسرپرستی میں یہ حد سے زیادہ تجاوز کر گئے، اور برملا ائمہ کرام، ان کے مقلدین بالخصوص حنفیہ وعلماء دیوبند کو سب وشتم کرنے

لگے، بلکہ خمار اہل حدیثیت میں صحابہ تک کی شان میں گستاخیاں کرنے لگے، اس صورت حال کا تقاضا تھا کہ سعودی حکومت کو صورت واقعہ سے مطلع کیا جائے، اور عالم اسلام کے نوے فیصد مسلمانوں کی دل آزاری بلکہ درحقیقت سنت نبوی کے عنوان سے سنت کی خلاف ورزی کا سلسلہ بند کرانے کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائی جائے، حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ جی جان سے اس مہم پر لگ گئے، آپ دھن کے پکے انسان تھے، جس کام کو ضروری سمجھتے پورے طور سے اس میں لگ جاتے اور انجام کو پہنچا کر ہی دم لیتے، چنانچہ سنہ ۱۴۲۱ھ میں مجلس شوریٰ دارالعلوم سے سعودی حکومت کو میمورنڈم دینے کی تجویز منظور کرائی، اس کے بعد اساتذۂ دارالعلوم کی ایک کمیٹی میمورنڈم کا مضمون تیار کرنے میں لگ گئی، باہم گفت وشنید کے بعد ایک طویل مگر جامع تحریر تیار ہوگئی جو تقریباً ۲۶ صفحات (فل اسکیپ سائز) کو محیط تھی، جس میں درج ذیل نکات کو بطور خاص اجاگر کیا گیا:

۱. یہ واضح کیا گیا کہ برصغیر ہندو پاک میں دیوبندی مکتب فکر ہی وہ واحد جماعت ہے جس کا سلف صالحین سے مضبوط رشتہ وتعلق ہے، اور وہ اپنے دینی، ملی، اقتصادی اور سیاسی ہر شعبۂ زندگی میں سلف صالحین ہی کی اتباع وپیروی میں کامیابی تصور کرتی ہے۔

۲. ان کا علمی سلسلہ اسناد امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ہوکر آقائے نامدار......تک پہنچتا ہے، برصغیر ہندو پاک میں فکر ولی اللہی کی امین یہی جماعت ہے کیونکہ عقائد واعمال میں جو اعتدال اس جماعت میں پایا جاتا ہے کسی اور میں نہیں۔

۳. ان کا مسلکی مزاج اور دینی رخ وہی ہے جو قرآن، حدیث، اجماع امت، اور آثار صحابہ و سلف صالحین کے مجموعے سے ثابت وظاہر ہے، یہ لوگ صرف قرآن، یا صرف قرآن اور حدیث ہی کو پوری شریعت کی دلیل شرعی کے طور پر کافی نہیں سمجھتے، بلکہ نصوص قرآن وحدیث کے علاوہ اجماع امت اور آثار صحابہ وتابعین کو بھی مضبوط دلیل کا درجہ دیتے ہیں، بالخصوص ان نصوص میں جو ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتی ہوں، یا دو یا چند نصوص میں تعارض نظر آ رہا ہو تو اس وقت آثار صحابہ وتابعین ہی کے ذریعہ کسی ایک معنی یا نص کو ترجیح دیتے ہیں۔

اسی ضمن میں تصوف وسلوک کے سلسلہ میں علماء دیوبند کی جانب سے پھیلائی جانے والی بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کی بھی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ علماء دیوبند جس تصوف وسلوک کے قائل ہیں وہ عین شریعت مطہرہ کے مطابق بلکہ اس کی شاخ ہے، اور تزکیہ باطن کے سلسلہ میں جو کچھ اوراد واشغال وہ کرتے کراتے ہیں ان کی اصل قرآن، حدیث، عمل

صحابہ، عمل متوارث اور سلف صالحین کی زندگیوں میں موجود ہے، ان کے تصوف کو اس بدنام زمانہ تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں جو شرکیات وخرافات کا مجموعہ بلکہ دین وشریعت کا سراسر مذاق ہے۔

۴. مختلف محاذوں پر اصلاح عقائد واعمال کے میدان میں علماء دیوبند کی خدمات وضاحت کے ساتھ پیش کی گئیں، چنانچہ عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت، اور متنبّی قادیانی کی تلبیسات سے ہندوستانی مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں اکابر دیوبند کی انتھک جدوجہد، عظمت صحابہ کو داغدار کرنے والے گمراہ کن افکار ونظریات کا کمر توڑ تعاقب، اور شرک وبدعت کا قلع قمع کرنے کے سلسلہ میں علماء دیوبند کے نمایاں کارناموں کا بھی مدلل طور سے حوالہ دیا گیا۔

۵. انگریزی سامراج کی جانب سے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوششوں کو ناکام بنا دینا، شدھی سنگٹھن کے نام پر آبائی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی ارتدادی مہم کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، اور مستقبل میں اسلام اور مسلمانوں کے بقاء، اسلامی تعلیمات کے احیاء وتحفظ کے سلسلہ میں عوامی چندوں پر چلنے والے مدارس کا جال بچھا دینا تاکہ مغربی تعلیم وتہذیب کے ذریعہ ذہن ومزاج بدل دینے کی فرنگی چال فیل ہو جائے یہ وہ کارنامے ہیں جن میں دیوبندی مکتب فکر کا کوئی سہیم نہیں ہے۔

٦. پھر آج کے نام نہاد اہل حدیث، سلفی یا اثری حضرات کی دسیسہ کاریوں اور تلبیسات کا ذکر کرتے ہوئے بجا طور پر یہ شکوہ کیا گیا کہ یہ لوگ جملہ مقلدین کو نہ صرف ضال اور گمراہ کہتے ہیں بلکہ دائرۂ اسلام سے خارج بتاتے ہیں، اس سلسلہ میں اس فرقہ کی پرانی ونئی کتابوں کے مختلف اقتباسات بھی پیش کیے گئے ہیں، بالخصوص علماء دیوبند کو قبوری، مشرک، بت پرست وغیرہ کی گالیاں دی گئی ہیں جب کہ ان کا دامن شرک وبدعت کے شائبہ سے بھی اسی طرح پاک ہے جس طرح بھیڑیے کا دامن خونِ یوسف سے، اس ضمن میں ''الدیوبندیہ'' نامی کتاب، مدینہ یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری پانے والے ڈاکٹر شمس الدین سلفی افغانی کے رسالہ ''**جهود علماء الحنفية فى ابطال عقائد القبورية**''، جس پر انھیں ڈگری ملی، وغیرہ کتابوں کا بھی حوالہ دیا گیا جن میں بڑے دل خراش اور گھناؤنے انداز میں اکابر دیوبند کے خلاف الزام تراشیاں کی گئی ہیں، بلکہ ناحق طور سے ان کی کردار کشی کی گئی ہے۔

۸. مستقل طور سے چار صفحوں میں خاص ان گالیوں اور بدزبانیوں کی فہرست پیش کی گئی ہے جو اس فرقہ کے انتہا پسند متشدد حضرات موقع بموقع حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف اگلتے رہتے ہیں، مثلاً رئیس ندوی ''اللمحات''، میں، ابو اقبال سلفی ''اصلی اسلام کیا

ہے؟'' نامی کتاب میں، محمد بن عبد اللہ ظاہری ''امام ابوحنیفہ کا تعارف محدثین کی نظر میں'' نامی کتاب میں اور مولوی فیض عالم ''اختلاف امت کا المیہ'' نامی کتاب میں۔

ان تمام امور کی تفصیل باقاعدہ دارالعلوم دیوبند کے ایک موقر وفد نے اس وقت کے سفیر سعودی عرب برائے ہند الشیخ عبد الرحمٰن ناصر العوہلی کو پیش کی جس کے ساتھ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا سفیر مملکہ کے نام خط بھی منسلک تھا۔

سفیر مملکت نے اس میمورنڈم کو مملکت کے ذمہ داروں تک پہنچایا، اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے اس کا ذکر ہم تحفظ سنت کانفرنس پر گفتگو کے بعد کریں گے۔

۴۔ تحفظ سنت کانفرنس:

ان ہی حالات نے حضرت فدائے ملتؒ کو ایک اور اہم بلکہ فیصلہ کن قدم اٹھانے پر مجبور کیا جس کے اثر سے بلا مبالغہ ایوان غیر مقلدیت میں زلزلہ آ گیا، وہ ہے آل انڈیا پیمانے پر تحفظ سنت کانفرنس کا انعقاد جس کے ذریعہ عمومی سطح پر اس طبقہ کی فسوں کاری کا پردہ چاک ہوا، اور اسے دن میں تارے نظر آنے لگے۔

۲،۳ر مئی ۲۰۰۱ء/ مطابق ۷،۸ر صفر ۱۴۲۲ھ کو یہ عظیم کانفرنس منعقد ہوئی، کانفرنس کی تاریخ سے بہت پہلے منظّم طریقہ سے حضرت نے معتدبہ علمی مواد اور لٹریچر کی فراہمی کا جنگی پیمانہ پر انتظام فرمایا، ملک کے ممتاز اہل علم بالخصوص اساتذۂ دارالعلوم دیوبند سے مختلف موضوعات پر نہ صرف مقالے لکھوائے بلکہ کانفرنس کے وقت سے پہلے ان کی طباعت کرا کے رد غیر مقلدیت/سلفیت پر ایک کافی اور بصیرت افروز علمی مواد مہیا کر دیا تا کہ معمولی پڑھے لکھے مسلمان کے لیے بھی حقیقت حال جاننے اور صحیح فیصلہ لینے میں سہولت ہو۔

ملک کے طول وعرض سے علماء کرام، دانشوران ملت، اور عام مسلمانوں کی کثیر تعداد شریک ہوئی، اس موقع پر حضرت فدائے ملتؒ امیر الہند نے اپنے صدارتی خطبہ میں سچ پوچھیے تو اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا، اور بڑے ہی پرسوز پیرایہ میں دلی کرب اور کڑھن کا اظہار فرمایا، غیر مقلدین کی مختلف محاذوں پر فتنہ انگیزیوں، ان کی جانب سے تمام ہی مقلد سنی مسلمانوں، علماء حق بالخصوص علماء دیوبند کی تضلیل، تفسیق، بلکہ تکفیر کی عالمی مہم کے چند نمونوں کا تفصیل سے تذکرہ کرنے بعد حضرتؒ نے جہاں علماء کرام کو اس اندھے بہرے فتنہ کے تعاقب پر للکارا ہے وہیں عامۃ المسلمین کو سنجیدگی سے غور کرنے اور سلفیت کے مسموم اثرات سے معاشرہ کو پاک کرنے اور رکھنے کے کچھ سجھاؤ بھی پیش کیے، اس جگہ ہم خطبۂ صدارت کا صرف آخری پیراگراف پیش کرنے پر اکتفاء

کرتے ہیں، حضرت فرماتے ہیں:

علمائے دین:

پورے حالات آپ کی نگاہوں کے سامنے ہیں کہ آپ کے مذہب، آپ کے مکتب فکر اور آپ کے اکابر کو خارجیت جدیدہ کے علم بردار غیر مقلدین کس قدر ہدف طعن و تشنیع بنائے ہوئے ہیں، ان حالات میں آپ کی مذہبی وفکری حمیت کا کیا تقاضا ہے؟ اسے آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں، آپ حضرات کے بلند عزائم اور جہد وعمل کی بے پناہ قوت سے مجھے یہ توقع ہے کہ اس تقاضے کو بروئے کار لانے میں آپ کسی کوتاہی اور غفلت کے شکار نہیں ہوں گے۔

(۱) فتنۂ غیر مقلدیت کے اس موجودہ دور میں ضرورت ہے کہ ہمارا اختلاط اس فرقہ کے لوگوں سے کم سے کم ہو، تاکہ ہماری موجودہ نسل اباحیت پسندی کی راہ سے دور رہے اور اسلاف واکابر کے مسلک وعقیدہ کے بارے میں کسی طرح کے تذبذب کا شکار نہ ہو۔

(۲) ضرورت اس کی بھی ہے کہ ہمارے بچے اور بچیاں اس فرقہ کے قائم کردہ مدارس واسکولوں میں داخل نہ ہوں، اس لیے کہ اس کا تجربہ ہے کہ ہمارے جو بچے اور بچیاں غیر مقلدین کے مدارس اور اسکول میں داخل ہوتے ہیں ان کے اذہان وافکار پر غیر مقلدیت کی چھاپ پڑنی شروع ہوجاتی ہے اور ہمارے یہ بچے اپنے مسلک وعقیدہ اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(۳) مدارس ومکاتب کے ذمہ داروں کو نصاب تعلیم میں کچھ منتخب احادیث جن کا تعلق فقہی مسائل سے ہو ضرور شامل کرنا چاہیے، ان احادیث کو طلبہ زبانی یاد کریں اور ان کے ترجمہ ومعنی سے بھی واقف ہوں تاکہ ان کو شروع ہی سے یہ احساس ہو کہ جس مذہب کی وہ تقلید کرتے ہیں اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔

اگر ان باتوں کا لحاظ کیا جائے تو اللہ کے کرم سے امید ہے کہ ہمارے بچے اور بچیاں غیر مقلدیت کے فتنہ کا شکار ہونے سے بڑی حد تک محفوظ رہیں گے۔''

کانفرنس کی مختلف نشستوں میں علماء کرام کے مقالے پڑھے گئے، مناقشے ہوئے، اور ہر پہلو سے تبادلۂ خیالات کے بعد وقت کے تقاضوں کے مطابق تجاویز مرتب کی گئیں جنھیں کانفرنس کی عمومی اور آخری نشست میں پڑھ کر سنایا گیا، اور حاضرین کے اتفاق وتائید سے وہ تجاویز منظور ہوئیں، پھر ان کو روبعمل لانے کے لیے کمیٹی بھی تشکیل دے دی گئی، اگر چہ وہ تجاویز مطبوع ہو کر عام ہو چکی ہیں مگر اس مقالہ میں ان کا بعینہ نقل کرنا تکرار کے بجائے دل آویز معلوم ہوتا ہے کیونکہ

یہی تجاویز ''تحفظ سنت'' کے سلسلہ میں حضرت فدائے ملتؒ کی مخلصانہ کوششوں کا ثمرہ اور نچوڑ ہیں۔

تجاویز تحفظ سنت کانفرنس

تجویز نمبرا: **الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ سے متعلق**:

یہ تحفظ سنت کانفرنس اپنے اس یقین واذعان کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتی کہ حرمین شریفین پوری امت مسلمہ کی عقیدت ومحبت کا مرکز ہے، یہی ارض مقدس اللہ کے آخری اور پسندیدہ دین کا منبع وسرچشمہ ہے، یہی سرزمین دین اسلام کا نقطۂ آغاز وانتہاء ہے، اس لیے حرمین شریفین اور وہاں کی حکومت سے جذباتی ربط واتحاد ایک فطری امر ہے، اسی فطری وجذباتی ربط وتعلق کا یہ اثر ہے کہ امت مسلمہ کی نگاہیں حرمین شریفین پر لگی رہتی ہیں، وہاں کے امن وسکون اور استحکام وترقی سے امت کا ہر فرد دلی مسرت محسوس کرتا ہے، وہاں کی حکومت اور عوام کی ادنیٰ پریشانی پر ملت اسلامیہ مضطرب اور بے چین ہو جاتی ہے۔

یہ مقدس سرزمین اسلام کی ابتدائی صدیوں تک اسلامی علوم وفنون کا گہوارہ رہی، بڑے بڑے علماء، فضلاء اور محدثین وفقہاء یہاں سے اٹھے اور بلاد اسلامیہ کو اپنے علم وایمان کی روشنی سے منور کر دیا، مگر ''ہر کمالے را زوالے'' کے مطابق رفتہ رفتہ یہاں کی علمی سرگرمیاں مدھم پڑنے لگیں، علم وعرفان کے اکثر سرچشمے خشک ہونے لگے جس سے ملت اسلامیہ کو بجا طور پر تشویش تھی اور بدل وجان چاہتی تھی کہ اللہ رب العزت اس پاکیزہ وبابرکت خطۂ ارض کے شایان شان تعلیمی ادارہ کے قیام کی سبیل پیدا فرما دے، بالآخر امت مسلمہ کی یہ دیرینہ تمنا پوری ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے حکومت سعودیہ کو اس عزت و افتخار سے ہمکنار فرمایا کہ اس کے ہاتھوں ''الجامعۃ الاسلامیۃ، المدینۃ المنورۃ'' کا قیام عمل میں آیا، جس نے حکومت سعودیہ کے زیر سرپرستی قلیل مدت میں اپنی تعلیم وتدریس، اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ اسلامی علوم وفنون کی نشر واشاعت کا عظیم کارنامہ انجام دیا، اور مختلف امصار وبلاد کے طلبۂ علوم کی جامعہ اسلامیہ کی آغوش میں علمی ودینی تربیت کر کے عملی طور پر اتحاد بین المسلمین کی گراں قدر خدمت بھی انجام دی، اللہ تعالیٰ حکومت سعودیہ کی اس عظیم خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

مگر بعض اسباب ووجوہ کے تحت ''الجامعۃ الاسلامیۃ'' کا وسیع اور کشادہ آغوشِ تعلیم وتربیت تنگ ہو کر ایک خاص مکتب فکر کے لیے محدود ہوتا جا رہا ہے، اور جو ادارہ قرآن وحدیث اور دیگر اسلامی علوم کی تبلیغ واشاعت اور صحیح علوم کی تعلیم وتفہیم کے لیے قائم کیا گیا تھا آج اسی تعلیمی ودینی

ادارے سے مسلمانوں کو دین اسلام سے خارج کرنے کا کام لیا جا رہا ہے، آج اس ادارہ پر ائمۂ مجتہدین کی تقلید سے بے زار لوگوں کا تسلط قائم ہو گیا ہے، اور یہ منکرین تقلید اس تعلیمی و دینی ادارہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو اپنے زعم میں اسلام سے خارج کر دینے کا کام لے رہے ہیں، چنانچہ ماضی قریب میں ''الجامعۃ الاسلامیۃ'' کے ایک فاضل شمس الدین الافغانی کو "**جهود علماء الحنفية في إبطال عقائد القبورية**'' کے عنوان سے مقالہ مرتب کرنے پر ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی گئی ہے، جبکہ دکتوراہ کے اس مقالے میں نہ صرف یہ کہ اصولِ تحقیق اور جرح وتعدیل کے مسلمہ اصول سے انحراف کیا گیا ہے، بلکہ علماء دیوبند کی اردو تحریروں کو خودساختہ عربی جامہ پہنا کر انھیں دیگر علماء احناف کے برخلاف وثنی، قبوری اور مشرک وغیرہ بتایا گیا ہے، بالخصوص ان اکابر علماء کو جن کی علمی و دینی خدمات کے آگے برصغیر کے مسلمانوں کے گردنیں جھکی ہوئی ہیں نام بنام مبتدع اور دین سے منحرف کہا گیا ہے۔

نیز علماء اشاعرہ وماتریدیہ کو بار بار جہمی لکھا گیا ہے، جبکہ محدثین وفقہاء کی اکثریت ہر دور میں اصولاً اشعری و ماتریدی رہی ہے، نیز امام کرمانی شارح بخاری، امام سیوطی، علامہ ابن حجر مکی، زرقانی شارح موطأ، مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی شارح مشکوۃ وغیرہ اعیان علماء دین اور خادمین کتاب وسنت کو جا بجا قبوری اور وثنی کے ناپسندیدہ خطاب سے نوازا گیا، گویا دین خالص کا حامل اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عامل امت کا یہی شرذمہ قلیلہ ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث اور سلفی کہتا ہے، اور ملت کا سواد اعظم اور پوری جماعت مسلمین جو اصولاً اشعری یا ماتریدی اور فروعاً حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی ہے اہل سنت والجماعت سے خارج، بدعتی، قبوری، وثنی، جہمی اور مرجئ ہے۔

اور اسی مشرک ساز فرقہ کے علماء آج ''الجامعۃ الاسلامیۃ'' کے تعلیمی شعبوں پر قابض ہیں اور اپنی تنگ نظری اور فکری آوارگی کی بناء پر افتراق بین المسلمین کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں، اور ''الجامعۃ الاسلامیۃ'' سے ایسے علماء وفضلاء اطراف عالم میں بھیجے جا رہے ہیں جو اپنے ان ہی اساتذہ کے طرز عمل پر پوری دنیا میں تفریق بین المسلمین کی تخم ریزی کرتے ہیں اور فتنہ فساد پھیلاتے ہیں، اس لیے ''تحفظ سنت'' کا یہ عظیم اجتماع حکومت سعودیہ سے اپیل کرتا ہے کہ: وہ'' الجامعۃ الاسلامیۃ'' کے نظام تعلیم وتربیت پر از سرِ نو غور کرے اور ایسا نصابِ تعلیم وضع کرے جس میں ائمہ اربعہ کی فقہ کی تعلیم کو لازم کیا جائے اور اس بات کا خاص لحاظ رکھا جائے کہ ''الجامعۃ الاسلامیۃ'' کے نظام تعلیم وتربیت کے لیے ایسے سربراہ مقرر کیے جائیں جو فکری آوارگی اور ذہنی تنگی کے بجائے وسیع النظر اور ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کے علمی و دینی کارناموں کو قدر ومنزلت کی نگاہ

سے دیکھتے ہوں۔

تجویز نمبر۲: **حکومت سعودیہ عربیہ سے متعلق**:

حکومت سعودی عرب جسے اللہ رب العزت نے حرمین شریفین کی خدمت کا عظیم شرف عطا فرمایا جس سے مسلمانان عالم کو بہترین امیدیں اس حکومت سے وابستہ رہی ہیں اور الحمد للہ مسلمانان عالم کے اتحاد واتفاق نیز دینی اجتماعیت اور مذہبی رواداری کے سلسلہ میں سعودی حکومت کی خدمات جلیلہ قابل ستائش اور مستحقِ مبارکباد رہی ہیں، حرمین شریفین کی حفاظت اور قابل رشک خدمات، فریضۂ حج کے پرامن ادائیگی کا بہترین نظم، حجاج کرام کے جان ومال کی حفاظت اور ان کے لیے سہولتوں کی فراہمی، قرآن کریم اور دینی وعلمی کتابوں کی ترویج واشاعت وہ عظیم کارنامے ہیں جن کا ہر فرد معترف ہے۔

لیکن بڑے افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اظہار ناگزیر ہے کہ اب ادھر چند سالوں سے اس حکومت کے زیر سایہ ایسی کتابوں اور لٹریچر کی اشاعت بھی مسلسل ہورہی ہے جن سے پورے عالم کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے عام مسلمانوں کے دینی اور ملی اتحاد واتفاق کو سخت ٹھیس لگی ہے، اور اس سے تفریق بین المسلمین کا شدید خطرہ پیدا ہوگیا ہے، اہل سنت والجماعت جو سب کے سب ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے پیروکار ہیں ان کے خلاف جارحانہ اور دل آزار کتابیں شائع کرکے انھیں سب وشتم کا نشانہ بنایا جارہا ہے، بلکہ بعض ایسی کتابیں اس سرزمین پاک سے شائع کی جارہی ہیں جن میں کتاب وسنت کے متوارث اور مستحکم مفاہیم سے انحراف اور گریز کا ارتکاب کیا گیا ہے، ہمیں اس بات کا شدید غم ہے کہ یہ سب حکومت سعودیہ کے اہم مناصب پر فائز مشایخ کی نگرانی میں انجام پارہا ہے، مثلاً:

۱- حضرت شیخ الہندؒ کے مستند اور نہایت مقبول ترجمہ پر پابندی لگا کر مولانا محمد احمد جوناگڈھی کے ترجمہ وتفسیر کو شائع کرنا جو طریقۂ سلف سے ہٹا ہوا ہے۔

۲- ''الدیوبندیہ'' نامی کتاب کی بار بار اشاعت جو ان علماء ربانی کے خلاف لکھی گئی ہے جن کی خدمات کتاب وسنت کی اشاعت کے سلسلہ میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں، لطف یہ ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں مبتدع ومتعصب مصنفین کی ان کتابوں سے بطور خاص استفادہ کیا گیا ہے جو بے بنیاد اور جھوٹے الزامات پر مبنی ہیں۔

۳- ''جهود علماء الحنفية في إبطال عقائد القبورية'' نامی کتاب پر ان کے اعلیٰ تعلیمی ادارے کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کرنا جس میں ان علماء کو مشرک، قبوری،

وثی کہنے کی جسارت کی گئی ہے جن کی پوری زندگی شرک و بدعات کے خلاف جہاد مسلسل میں گزر گئی۔

اس لیے تحفظ سنت کانفرنس کا یہ نمائندہ اجلاس حکومت سعودیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ ایسے مفسد شر پسند اور تخریبی عناصر اور ان کی ریشہ دوانیوں پر کڑی نظر رکھے اور اپنے ملک سے ہونے والی ان شرانگیز کارروائیوں سے مسلمانان عالم کو بچائے، نیز اپنی سابقہ نیک نامیوں پر حرف گیری کے مواقع نہ فراہم کرے۔

تجویز نمبر ۳: غیر مقلدین کے جارحانہ رویہ کی مذمت:

''تحفظ سنت'' کے اس عظیم اجتماع کو اس حقیقت کا پوری طرح ادراک ہے کہ متحدہ ہندوستان میں اسلام کی نشر و اشاعت کرنے والے سارے خدامِ دین اہل سنت والجماعت حنفی تھے، اکثر و بیشتر سلاطین حنفی تھے، اس لیے کئی صدیوں تک اسلامی قانون کی حیثیت سے یہاں فقہ حنفی ہی نافذ رہی، اور کتاب وسنت سے خود فقہ حنفی پر عمل کرنے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف وانتشار نہیں تھا جس کا اظہار واعتراف جناب نواب صدیق حسن خان نے بھی کیا ہے۔

بدقسمتی سے سقوط سلطنت مغلیہ کے بعد سرزمین ہند پر جب سے انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہو گیا تو اس سیاسی انقلاب کے جلو میں ذہنی انتشار اور فکری آوارگی نے بھی سر اٹھایا، اور تقلید ائمہ کے انکار کا نعرہ لے کر کچھ لوگوں نے مسلمانان ہند کے صدیوں کے متوارث ومتواتر مذہب کو اپنی تنقید وتنقیص کا ہدف بنایا جبکہ صحابۂ کرام، تابعین وتبع تابعین اور سلف صالحین کے دور سے مسلمانوں میں کسی ایسے فرقہ کا سراغ نہیں ملتا جو غیر مجتہد ہونے کے ساتھ غیر مقلد بھی ہو، بلکہ جماعت مسلمین کا متوارث عمل یہی چلا آرہا تھا کہ مجتہد کسی اور کی تقلید کے بجائے اپنے اجتہاد کی اتباع و پیروی کرتے اور غیر مجتہدین بغیر کسی تردد کے اصحاب اجتہاد کی تقلید کرتے، لیکن فکری آوارگی کے شکار مٹھی بھر لوگوں نے مسلمانوں میں ایک نئے فرقے کی داغ بیل ڈال دی جس کا بچہ بچہ منصب اجتہاد پر فائز غیر مقلد بن بیٹھا اور منکرین حدیث نے جس طرح ''اہل قرآن'' کے نام کے پردے میں حدیث اور صاحب حدیث کے دینی وشرعی مقام ومرتبہ کا انکار کر دیا اسی طرح غیر مقلدین کے اس فرقہ نے ''اہل حدیث'' کے دعویٰ کے پردے میں فقہ اسلامی اور فقہاء اسلام کا سرے سے انکار کر دیا، اور بطور خاص ان اعمال کی ترویج واشاعت کی کوشش شروع کر دی جو ائمۂ مجتہدین میں مختلف فیہ ہیں یا بالکل متروک ہو چکے ہیں، اور خود اجتہادی کے زعم میں ائمۂ مجتہدین کے درمیان اجماعی متفق علیہ مسائل کو تختۂ مشق بنایا جس کے نتیجہ میں برصغیر کے مسلمانوں میں صدیوں سے چلا آرہا مذہبی اتحاد واتفاق پارہ پارہ ہو گیا۔

اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ اس فرقہ کے جارحانہ رویہ سے کتاب اللہ کی تفسیر اور احادیث رسول کی صحت وثبوت محفوظ ہے اور نہ ہی صحابۂ کرام اور ائمۂ مجتہدین کا شریعت سے حاصل شدہ مقام ومرتبہ، اس لیے یہ ''تحفظ سنت کانفرنس'' غیر مقلدین کے اس جارحانہ رویہ کی کھلے الفاظ میں مذمت کرتی ہے، اور ملت اسلامیہ بالخصوص علماء وفضلاء سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس خارجیت جدیدہ کے اثراتِ بد سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو بھی ان کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی بھی امکانی کوشش سے دریغ نہ کریں، اور خدائی فرمان ''**وجادلهم بالتي هي أحسن**''، کو سامنے رکھتے ہوئے اس فرقہ کے بچھائے ہوئے دامِ ہمرنگِ زمیں سے امت کو خبردار کرتے رہیں۔

تجویز نمبر۴: **غیر مقلدین سے اختلاط نہ رکھنے کے بارے میں:**

''تحفظ سنت'' کا یہ عظیم الشان اجلاس تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ موحد، سلفی، اہل حدیث اور دیگر مختلف ناموں سے غیر مقلدین جو مقلدینِ ائمۂ اربعہ خصوصاً امام ابوحنیفہ کے خلاف سخت جارحانہ پروپگنڈہ کی مہم چلا رہے ہیں اس سے چوکنا رہیں اور تقلید ائمہ جس پر ہر دور میں ساری امت کا اجماع رہا ہے اور خصوصاً اس دور میں اس کے بغیر اپنے دین کی حفاظت ہی ناممکن ہے؛ اس سلسلہ میں غیر مقلدین کی فریب کاریوں سے کسی طرح متاثر نہ ہوں، ان کے حربوں میں سے ایک حربہ یہ ہے کہ وہ مال خرچ کر کے اور جگہ جگہ مدارس اور تعلیمی ادارے قائم کر کے اپنے شر کی اشاعت میں کوشاں ہیں، اس لیے ہم مسلمانوں کو مکمل احتیاط کرنی چاہیے کہ اپنے نونہال بچے اور بچیوں کو ان کے اداروں میں ہرگز داخل نہ کریں، ورنہ یہ لوگ ان معصوم بچوں کی ذہن سازی کر کے ہماری نسلوں کو دین سے برگشتہ کر دیں گے۔

پھر یہ تمام تجاویز عربی زبان میں منتقل کرا کے حکومت سعودی عرب کے اس وقت کے سفیر برائے ہند محترم عبدالرحمٰن ناصر العوہلی کو سپرد کر دی گئیں۔

میمورنڈم اور کانفرنس کا اثر:

الحمد للہ ان دونوں اقداموں کے مثبت نتائج برآمد ہوئے، خاص طور سے مملکت سعودی عرب کے ذمہ داروں نے اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کیا، کوئی باضابطہ جواب یا کاروائی کی اطلاع تو حضرت مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند، یا دفتر جمعیۃ علماء ہند کو موصول نہیں ہوئی، تاہم موثق ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خفیہ طور پر شاہی فرمان صادر ہوا اور تاکیدی طور سے جملہ سرکاری ونیم سرکاری دعوتی، تعلیمی اور تحقیقی اداروں کو ہدایت کر دی گئی کہ سبھی اسلامی مکاتب فکر اور ان کے ائمہ

وسرکردہ شخصیات کا احترام کیا جائے، نظریاتی اختلافات کے بیان میں اسلامی آداب کا خیال کرتے ہوئے مثبت انداز میں صرف اپنی بات مدلل طور سے پیش کردی جائے منفی طریق کار ہرگز نہ اختیار کیا جائے، چنانچہ عملی طور سے بھی حرمین شریفین اور دیگر سعودی اداروں اور تنظیموں کے تعلق سے اس حکمنامہ کا اثر محسوس کیا جا رہا ہے، اور مقلدین کو برملا برا بھلا کہنے کی روش میں بین طور پر فرق دیکھا جا رہا ہے۔

حکومت سعودیہ کی عالی ظرفی:

مدینہ منورہ میں مقیم ایک مخلص اور مسلک حق کے خاموش خادم ہیں جو بجائے خود اہم اور ثقہ شخص ہیں انھوں نے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کے نام اس کارروائی کی کچھ تفصیلات لکھ کر بھیجی ہیں، بلکہ شاہ فہد بن عبدالعزیز کے برقیہ (فیکس) کی نقل بھی اپنے ایک دوست جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں استاذ ہیں سے فراہم کرکے بھیجی ہے، جس کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے، لکھتے ہیں:

جناب والا کے اس خط کو حکومت سعودیہ نے بڑے اہتمام سے دیکھا، یہاں کی مجلس وزراء میں پیش ہونے کے بعد "المجلس الأعلیٰ للشؤن الإسلامية" کے سپرد کیا گیا جو کہ یہاں کا سب سے اعلیٰ سطح کا ادارہ ہے، اس کے رئیس "صاحب السمو الملكي الأمير سلطان بن عبد العزيز'' ہیں، مجلس کے نمائندے یہاں کے بڑے بڑے علماء ہیں، جن میں یہاں کے رئيس الإفتاء والدعوة والإرشاد الشيخ عبد العزيز آل شيخ بھی ہیں، چنانچہ اس مجلس نے جو سفارشات ملک فہد حفظہ اللہ کو لکھیں اس پر شاہ فہد حفظہ اللہ نے ایک برقیہ مختلف وزارتوں کے نام بھیجا، چنانچہ برقیہ کا جو نسخہ ''وزارۃ التعلیم العالی'' کو بھیجا گیا اس کی بنا پر ''وزارۃ التعلیم العالی'' والوں نے اپنے ماتحت جتنے بھی جامعات اور مدارس تھے جیسے کہ ''الجامعة الاسلامية المدينة المنورة" و "جامعة محمد بن سعود''، و"دار الحديث" و كليات مختلفة کے نام بھیجا، چنانچہ جامعہ اسلامیہ نے اپنے ہر استاد کو مکمل کاغذات کی فوٹو کاپی دی اور اس پر (سرّی) لکھ کر تمام اساتذہ سے دستخط لیے، بندہ اپنے ایک دوست سے دوسرے کاغذات کے علاوہ صرف اسی برقیہ کو حرف بحرف نقل کرکے آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہے، (سرّی) ہونے کی بنا پر فوٹو کاپیاں نہ کرسکا، اور مکمل کاغذات کو میرے لیے نقل کرنا مشکل تھا، اس لیے حکم جو صادر ہوا ہے اس کی نقل پر اکتفا کرلیا ہے۔

برقیہ کا مضمون:

بسم الله الرحمن الرحيم

برقية

معالي وزير الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد!

نسخة للمجلس الأعلى للشؤون الإسلامية

نسخة لوزارة الخارجية

نسخة لرئاسة الاستخبارات العامة

نسخة لوزارة التعليم العالى

نسخة لوزارة الإعلام

نسخة للرئاسة العامة لشؤون المسجد الحرم والمسجد النبوى

اطلعنا علي خطاب صاحب السمو الملكي، النائب الثانى لرئيس مجلس الوزراء، ورئيس المجلس الأعلي للشؤون الإسلامية رقم ۲۱/۲۹۳ في ۱۴۲۱/۱۲/۳۰ھـ، ومشفوعه محضر المجلس رقم ۱۱/۱ ح ت في ۲۲/ ۱۲/ ۱۴۲۱ھـ بشأن رسالة رئيس جامعة ديوبند في الهند، الشيخ مرغوب الرحمن، الذي يشكو فيها من بعض المتحاملين علي الديوبنديين فى الهند وخارجها، ومن بعض الأشخاص المحسوبين علىٰ المملكة، الذين يسخرون من المذهب الحنفي، ويتضمن المحضر التوصيات التالية:

۱ – ضرورة الاتصال عاجلاً بالشيخ / مرغوب الرحمن رئيس جامعة ديوبند في الهند لتمهيد الموقف ومعالجة الوضع بطريقة هادئة لا يفهم منها إلا الرغبة فى تحسين الصلة والتعاون علىٰ الخير، ويقترح أن يرسل إليهم من المملكة أحد أئمة المسجد الحرم، ومن ترشحه وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، وذلک للقيام بجولة مكثفة فى بلدانهم، والالتقاء بكبارهم، وتبادل الأحاديث الودية معهم، والتطرق إلى بيان منهاج المملكة في التعامل مع المسلمين، وأنها تنتهج الانفتاح فى ذلک والتعاون مع كل الصادقين في ما يخدم الإسلام والمسلمين، وتسعى دائماً لتوحيد الصف، وجمع الكلمة.

كما يتطرق الحديث إلى الإشارة من بعد إلى أن ما يصدر من أقوال، أو كتابات، أو كتب من بعض السعوديين، أو الأشخاص المحسوبين على

المملكة؛ ويكون فيها مساس بأشخاص، أو جامعات إسلامية بلا وجه حق لا يُعبر إلا عن رأي من صدر منه، ولا يعبر بالضرورة عن موقف المملكة، ووجهة نظرها.

٢ - الإيعاز إلى وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، وغيرها من الجهات الرسمية، ورابطة العالم الإسلامي، والمؤسسات الخيرية؛ التابعة للمملكة ممن يقيم مناشط دعوية في الخارج بأهمية العناية بهذا الأمر، وضرورة تهذيب المناشط الدعوية من كل ما يثير المسلمين كالمساس بأشخاصهم أو رموزهم، والاكتفاء بعرض المنهج الصواب مؤيداً بأدلته من الكتاب والسنة، وتفنيد الباطل بالحجة والبرهان بعيداً عن التجريح.

٣ - التأكد علي الجهات السعودية الحكومية وغير الحكومية العاملة في الخارج بأهمية التواصل والتوازن في التعامل مع كل الفئات المعتدلة منهم ومن غيرهم، وعدم تبني أشخاص أو طوائف تُسيء بتعاملها مع الآخرين إلى المملكة، إذ هذا بعيد عن هدي السلف وآدابهم في التعامل مع المخالف ورعاية المصالح المعتبرة في اجتماع الأمة وصفاء قلوبهم.

٤ - التأكد على الجامعات السعودية بضرورة الاستمرار في العناية بتنزيه الدراسات الجامعية عن الانتقاص والتجريح، وأن يعتني الدارسون في مثل هذه الدراسات بنقد المناهج نقداً علمياً يوضح الحق بدليله بعيداً عن التجريح وعدم إجازة أي بحث يخالف ذلک؛ كما يجب منع أي كتاب يتناول بالنقد أو التجريح أحد المذاهب الأربعة، أو أئمتها كما تجدون برفقه نسخة من الرسالة المرفوع من عبدالغني طارق لدهيانوى من باكستان حول ما ذكره من تهجم بعض الأشخاص على الإمام أبى حنيفة رحمه الله..

وطلب سموه الموافقة على هذه التوصيات، ونخبركم بموافقتنا على ما ورد فى المحضر من توصيات، فأكملوا ما يلزم بموجبه.

فهد بن عبد العزيز

رئيس مجلس الوزراء

ترجمہ: ہم نے ”مجلس اعلیٰ برائے اسلامی امور“ کے رئیس اور رئیس مجلس وزراء کے نائب

ثانی (الامیر سلطان بن عبد العزیز) کا خط (نمبر ۲۹۳/ ۲۱ مورخہ ۳۰/ ۱۲/ ۱۴۲۱ھ) بسلسلہ میمورنڈم رئیس جامعہ دیوبند، انڈیا دیکھا جس کے ساتھ مذکورہ مجلس کی رپورٹ (نمبر ۱۱۱/ ح ت مورخہ ۲۲/ ۱۲/ ۱۴۲۱ھ) بھی تھی، میمورنڈم میں بعض ان لوگوں کے طرز عمل کی شکایت کی گئی ہے جو فکر دیوبند سے منسوب لوگوں پر زیادتی کرتے ہیں جن کا تعلق ہندوستان اور دیگر ممالک سے ہے جن میں بعض افراد مملکت سعودی عرب سے بھی متعلق ہیں، جو کہ مذہب حنفی کا مذاق وٹھٹھا کرتے ہیں، مجلس اعلیٰ برائے اسلامی امور کی رپورٹ میں درج ذیل سفارشات ہیں:

۱- جلد از جلد جامعہ دیوبند کے رئیس شیخ مرغوب الرحمٰن سے رابطہ کرکے اپنے موقف کی وضاحت اور صورتِ حال کا پرسکون تدارک کیا جائے جس کا مقصد صرف تعلقات کی استواری اور کارِ خیر میں تعاون کی خواہش ہے، اور مجلس یہ تجویز کرتی ہے کہ مملک سعودی عرب سے مسجد حرام کے کسی امام صاحب کو اور جس کو بھی وزارت برائے اسلامی امور چاہے (ایک وفد) ان کے پاس بھیجا جائے تاکہ وسیع پیمانے پر ان کے مختلف شہروں کا دورہ کرکے ان کی بڑی شخصیات سے ملاقات اور ان سے دوستانہ تبادلۂ خیالات ہو، اور حکومت سعودیہ کی جانب سے جملہ مسلمانوں کے ساتھ فراخدلانہ طرز عمل کی وضاحت کی جائے، اور اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں مشغول سبھی لوگوں کے ساتھ معاونانہ برتاؤ، اور اتحاد بین المسلمین کی کوششوں سے واقف کرایا جائے، ضمناً اس حقیقت کی جانب دور سے اشارہ بھی کردیا جائے کہ بسا اوقات بعض سعودی باشندوں یا ایسے افراد کی جانب سے جو حکومت سعودیہ سے وابستہ جانے جاتے ہیں اگر کچھ ایسے اقوال، مضامین، یا کتابیں صادر ہوں جن میں کسی بھی اسلامی مکتب فکر کے فرد یا جماعت کو چھیڑا گیا ہو تو یہ اس شخص کی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس کو حکومت کے نظریہ یا موقف کی ترجمانی کے مرادف نہیں قرار دیا جانا چاہیے۔

۲- وزارت برائے امور اسلامی واوقاف ودعوت وارشاد، اس کے علاوہ تمام سرکاری ادارے، رابطہ عالم اسلامی اور دیگر خیری تنظیمیں جو مملکت کے زیر اثر ہیں اور دوسرے ممالک میں دعوتی سرگرمیوں میں مصروف ہیں سب کو مذکورہ بالا امر کی اہمیت جتلا دی جائے، اور لازمی طور سے دعوتی سرگرمیوں کو ہر ایسے عنصر سے پاک رکھنے کی ہدایت کی جائے جس سے ان حضرات کی شخصیات یا تشخصات مجروح ہو رہے ہوں، بلکہ صرف مثبت انداز سے کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل طور سے بات کرنے پر اکتفا کیا جائے۔

۳- سعودی عرب کے سرکاری وغیر سرکاری سبھی ان اداروں کو جو خارج ملک کام کرتے

ہیں اس بات کی اہمیت کی تاکید کردی جائے کہ سبھی معتدل جماعتوں اور گروہوں کے ساتھ متوازن طور سے ربط وتعلق رکھیں، ایسے اشخاص یا جماعتوں کا مملکت سعودیہ سے خصوصی ربط وتعلق قائم نہ ہونے دیں جو دوسروں سے پرخاش رکھتے ہیں، کیوں کہ یہ بات سلف کے اس طریقہ سے ہٹی ہوئی ہے جو ان کا مخالف کے ساتھ حسن سلوک کا رہا ہے، نیز اتحاد امت اور صفائی قلب کی راہ میں حارج ہے۔

۴-سعودی یونیورسٹیوں کو اس بات کا اہتمام کرنے کا پابند بنایا جائے کہ وہ اعلیٰ ڈگریوں کے حصول کے لیے پیش کی جانے والی بحوث ومقالات پر نظر رکھیں کہ باحثین کسی پر بے جا جرح و تنقیص سے ان مقالات کو پاک رکھیں، کسی کے طریقۂ کار پر علمی انداز سے اس طرح نقد کرنے کا اہتمام کریں جس سے کسی کے جذبات مجروح نہ ہوں، نیز کسی بھی ایسی بحث کو (OK) نہ کیا جائے جو اس نہج سے منحرف ہو، اسی طرح ہر اس کتاب پر بینڈ لگا دیا جائے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی بھی مذہب، یا امام مذہب پر جرح یا تنقیص پر مشتمل ہو، جیسا کہ اس تحریر کے ہمراہ جناب عبدالغنی طارق لدھیانوی، پاکستان کے ایک خط کی نقل بھی ہے جس میں انھوں نے بعض افراد کی جانب سے امام ابوحنیفہ پر حملوں کا ذکر کیا ہے۔

رئیس مجلس اعلیٰ برائے اسلامی امور نے ہم سے مذکورہ بالا سفارشات کی منظوری چاہی ہے، ہم آپ لوگوں کو مذکورہ رپورٹ میں پیش کردہ سفارشات کی منظوری کی اطلاع دیتے ہیں، لہٰذا اس کے بموجب عمل درآمد کیا جائے۔

فہد بن عبدالعزیز

غیر مقلدین کی بوکھلاہٹ اور مذبوحی حرکتیں:

ایک طرف ذمہ داران حکومت سعودیہ کی عالی ظرفی، اور جذبۂ اتباع حق دیکھیے، دوسری طرف شرانگیزی کے خوگر طبقہ غیر مقلدین/سلفیوں کو دیکھیے جو ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرنے، اور اپنے اصلاح حال کی فکر کرنے کی بجائے ہندوستان میں اور جری ہوگئے، تحفظ سنت کانفرنس کیا ہوئی کہ ان لوگوں کی مقلدین پر دشنام طرازیوں، اہل حق علماء خصوصاً حضرت فدائے ملتؒ اور ذمہ داران دارالعلوم کو بے نقط صلواتیں سنانے اور لکھنے کا بازار گرم ہوگیا، درحقیقت یہ مذبوحی حرکتیں ہیں جن میں وہ بے چارے مجبور ہیں، نمونہ کے طور پر صرف ایک مرکزی دارالعلوم الجامعۃ السلفیۃ کے شیخ الحدیث مولانا محمد رئیس ندوی صاحب کی زبان اور لب ولہجہ ملاحظہ فرمائیں، اپنے کتابچہ ”تحفظ سنت کانفرنس مئی ۲۰۰۱ء پر ایک نظر“ میں رقم طراز ہیں:

''معلوم ہوا کہ فرقہ دیوبندیہ بشمول مولانا اسعد مدنی جس مذہب کے پرستار ہیں اس مذہب کی تدوین وترتیب کرانے والے امام ابوحنیفہ نے اپنے مدون ومرتب کردہ مذہب کو مجموعۂ رائے وقیاس کہا ہے، اور بشمول مولانا اسعد مدنی اپنے تقلیدی امام کی اس بات پر ضرور ہی ایمان واعتقاد رکھتے ہیں، پھر جو لوگ مجموعہ رائے وقیاس والے مذہب کے پیرو ہیں اور وہی ان کا دین وایمان ہے انھوں نے تحفظ سنت کانفرنس کی جو تحریک چلا رکھی ہے وہ ڈھونگ بازی، فریب کاری، مکر سازی، افتراء پردازی، اتہام بازی، کذب بیانی، تلبیس کاری وریا کاری اور دوغلی پالیسی، منافقانہ چالبازی، وشعبدہ بازی اور مداریوں والی فسوں کاری کے علاوہ کسی دوسرے نام سے موسوم کیے جانے کے لیے جائز ومباح بھی ہے؟'' (ص۴۴-۴۵)

یہ ایک سانس میں بارہ گالیوں کی سوغات آپ نے دیکھ لی، یہ تو کچھ بھی نہیں، ان ہی شیخ الحدیث صاحب نے تحفظ سنت کانفرنس کے موقع سے شائع ہونے والے علمی رسالوں کے جواب کے نام پر گالیوں کا ایک ضخیم مجموعہ رقم فرمایا ہے جسے حوصلہ ہو دیکھ لے، سچ ہے جس فریق کے پاس ثبوت ودلائل نہیں ہوتے وہ گالیوں کی ہی سوغات پیش کرتا ہے، جیسا کہ روزمرہ بازاروں اور گلی کوچوں میں یہ مناظر سامنے آتے رہتے ہیں، یہ حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کا ہی دل گردہ تھا کہ ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر اپنی جان مال، عزت وآبرو سب کچھ داو پر لگا دیا، اور کسی چیز کی بھی پرواہ نہیں کی، **رحمہ اللہ رحمةً واسعةً وجزاہ عن سائر المسلمین خیر الجزاء۔**

۵- وسیع پیمانہ پر علمی مواد کی فرہمی:

اگرچہ یہ عنوان تحفظ سنت کانفرنس کے ضمن میں رکھا جانا چاہیے تھا، مگر چونکہ حضرت فدائے ملتؒ کی ایک نیک خصلت یہ بھی تھی کہ فرق ضالہ کے رد میں یا وقتی ضرورت کے مطابق جو کتابیں یا مضامین حضرت کے علم میں آتے حضرت ان کو بڑی اہمیت دیتے تھے، کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، مزید ضرورت محسوس کرتے تو اہل علم واہل قلم حضرات کو ترغیب دیتے، بلکہ جہاں تک ہوسکتا تعاون فرماتے تھے، غیر مقلدیت/سلفیت کا مسألہ بھی انتہائی حساس تھا، جن جن مسائل وابواب کو لے کر اس فرقہ کے لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یا جن مسائل میں ان کے بڑوں کی آراء کے ذریعہ ان کو الزام دیا جاسکتا ہو خاص ان کے تعلق سے حضرت فدائے ملتؒ نے علماء کرام بالخصوص اساتذۂ دارالعلوم دیوبند سے تقاضے کرکے

مقالات لکھوائے اور انھیں طبع کرائے، اور جو پہلے سے موجود تھے مگر کم یاب یا نایاب ہو چکے تھے اس موقع سے ان کو دوبارہ چھپوا کر عام کیا تا کہ علماء اہل سنت والجماعت کو کسی بھی محاذ پر علمی کم مائیگی کی وجہ سے شکست نہ کھانی پڑے، چنانچہ تحفظ سنت کانفرنس کے موقع سے جو کتابیں شائع ہوئیں ان کے نام مع مصنفین حسب ذیل ہیں:

(۱) صحابہ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر

مولانا ابوبکر غازی پوری، ایڈیٹر دوماہی "زمزم" غازی پور

(۲) شریعت مطہرہ میں صحابۂ کرامؓ کا مقام اور غیر مقلدین کا موقف

مولانا عبد الخالق سنبھلی، استاذ دارالعلوم دیوبند

(۳) کشف الغمۃ بسراج الأمۃ (امام ابوحنیفۃ اور معترضین)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوری

(۴) حضرت امام ابوحنیفہ پر ارجاء کی تہمت مولانا نعمت اللہ صاحب، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۵) علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا مقام ومرتبہ

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۶) فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۷) تحریک لامذہبیت غیر مقلدیت/سلفیت

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری، استاذ حدیث مدرسہ شاہی مراد آباد

(۸) مسئلہ تقلید قرآن، حدیث واقوال علماء کی روشنی میں

مولانا مفتی محمد راشد صاحب، استاذ دارالعلوم دیوبند

(۹) اجماع وقیاس کی حجیت قرآن وحدیث واقوال سلف کی روشنی میں

مولانا جمیل احمد سکروڈوی، استاذ دارالعلوم دیوبند

(۱۰) مسائل وعقائد میں غیر مقلدین اور شیعہ مذہب کا توافق

مولانا محمد جمال بلند شہری، استاذ دارالعلوم دیوبند

(۱۱) توسل واستغاثہ بغیر اللہ اور غیر مقلدین کا مذہب

مولانا مفتی محمود حسن بلند شہری، مفتی دارالعلوم دیوبند

(۱۲) قرآن وحدیث کے خلاف غیر مقلدین کے پچاس مسائل

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ

(۱۳) مسائل وعقائد میں غیر مقلدین کے متضاد اقوال

مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دارالعلوم دیوبند

(۱۴) غیر مقلدین کے (۵۶) اعتراضات کے جوابات

مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی، استاذ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

(۱۵) ایک غیر مقلد کی توبہ (ایک حنفی اور غیر مقلد کے مابین دلچسپ علمی مباحثہ)
نبیٔ رحمت کا ایک گنہ گار امتی

(۱۶) مسائل نماز — مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۱۷) قراءت خلف الامام (صحیح بخاری میں پیش کردہ افادات دلائل کی روشنی میں)

حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ سابق صدر، المدرسین دارالعلوم دیوبند

ترتیب: مولانا ریاست علی بجنوری، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۱۸) امام کے پیچھے مقتدی کی قراءت کا حکم

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۱۹) رفع یدین (صحیح بخاری میں پیش کردہ دلائل کی روشنی میں)

افادات: حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

ترتیب: مولانا ریاست علی بجنوری، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۲۰) تحقیق مسئلۂ رفع یدین — مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۲۱) آمین بالجہر (صحیح بخاری میں پیش کردہ دلائل کی روشنی میں)

افادات: حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

ترتیب: مولانا ریاست علی بجنوری، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۲۲) فرض نماز کے بعد دعاء، متعلقات ومسائل

مولانا عبدالحمید نعمانی ناظم نشرواشاعت جمعیۃ علماء ہند

(۲۳) عورتوں کا طریقۂ نماز — مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی، شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس

(۲۴) خواتین اسلام کی بہترین مسجد — مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۲۵) خیر المصابیح فی عدد التراویح — حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ

(۲۶) طلاق ثلاث (صحیح مآخذ کی روشنی میں) — مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

(۲۷) تین طلاق کا مسئلہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری، استاذ حدیث مدرسہ شاہی مراد آباد

یہ تو ان کتب و مقالات کی فہرست ہے جو تحفظ سنت کانفرنس کے موقع سے حضرت فدائے ملتؒ نے شائع کروائیں، ان کے علاوہ بھی کئی اہل علم نے ردغیر مقلدیت پر اپنے طور سے کام کیے، اور حضرتؒ کے سامنے جب وہ کام آئے تو آپ نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی، اور لوگوں کے درمیان ان کا تعارف کرایا، مثلاً حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری کو اس میدان میں خصوصی امتیاز حاصل ہے، حضرت فدائے ملتؒ نے ان کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی، ان کا تعارف کرایا، اور آج الحمد للہ عالمی سطح پر مولانا غازی پوری متعارف ہیں۔

آخری بات:

حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ اسلام اور ملت اسلامیہ کی ہمہ جہت خدمت کرتے ہوئے اپنے مولیٰ حقیقی سے جاملے، ''تحفظ سنت'' کے تعلق سے آپ کی خدمات کا جو کچھ تذکرہ کیا گیا وہ کسی بھی طرح کی مبالغہ آرائی سے محفوظ ہے، حضرتؒ کے دور میں حکومت سعودیہ اور غیر مقلدیت کے تعلق سے کام جس مرحلہ تک پہنچ گیا تھا وہ بہت ہی امید افزا تھا، معلوم نہیں اندرخانہ کیا بات پیش آئی کہ نہ تو باضابطہ طور سے حکومت کی جانب سے کوئی تحریر موصول ہوئی، اور نہ ہی " المجلس الأعلیٰ للشؤون الإسلامیة" کی سفارشات کو شاہی فرمان کے مطابق پورے طور سے عملی جامہ پہنایا گیا، اس لیے حضرت صدر محترم جمعیۃ علماء ہند، جنرل سیکریٹری صاحب اور حضرت مہتمم صاحب وارا کین مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند سے بصد ادب گذارش ہے کہ مذکورہ بالا اقدامات پر حکومت سعودیہ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ممکنہ اثر و رسوخ اور تدابیر بروئے کار لاتے ہوئے مذکورہ قرار داووں پر عمل کرانے کی درخواست کی جائے، اور اعلیٰ سطح کے ذمہ داروں کو باضابطہ طور سے دعوت دے کر علماء دیوبند کی دینی، علمی، اصلاحی اور سیاسی خدمات کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع دیا جائے، تاکہ کان بھرنے والوں کے شر سے جمہور امت کی حفاظت ہو سکے۔

○○

❑ مولانا مفتی جمیل احمد نذیری
مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام، نوادہ، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

حضرت فدائے ملتؒ اور فتنۂ غیر مقلدیت کا تعاقب

تحفظِ سنت کانفرنس کے حوالے سے

عہدِ حاضر میں آزادئ فکر و نظر کے نام پر ذہنی آوارگی، نفس پرستی اور اباحت پسندی عام ہوتی جارہی ہے۔ کچھ لوگ اسے دینی بیزاری کے ساتھ کھلم کھلا انجام دے رہے ہیں۔ کچھ لوگ دین کے پردے اور مذہب کی آڑ میں کر رہے ہیں۔ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم دین کو صحیح طور پر سمجھنا اور دین پر صحیح طریقہ سے عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت میں دین سے دُوری، سلف پر بداعتمادی، قرآن وحدیث کے معاملے میں ہرکس وناکس کو تشریح کی آزادی، فہمِ صحابہؓ اور اجتہاداتِ فقہاء سے صرفِ نظر کرنے کی فضا بنائی جارہی ہے۔

ائمۂ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کو مطعون کرنا، خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دلی بغض وعناد رکھنا اور اپنے مزعومات کو ثابت کرنے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر آڑے آتے ہوں تو اُن تک کو نہ چھوڑنا، ترکِ تقلید کے حامیوں کا پرانا وطیرہ اور ان کے ہرکس وناکس کا ایک عام ہتھیار ہے۔

وہ مسائلِ فرعیہ جن پر دادِ تحقیق دی جاچکی اور فقہاء ومحدثین جن کی چھان بین اور تشریح وتوضیح سے فارغ ہو چکے اور جنھیں مسائلِ مفروغ عنہا میں شمار کیا جاتا ہے، اُنھیں لیے بیٹھے رہنا، بلکہ بار بار اُبھارنا، ان پر چیلنج بازی کرنا، اشتہارات نکالنا، کتابچے ومضامین چھاپنا، اُنھیں پھیلانا، ہینڈ بل کی شکل میں تقسیم کرنا غیر مقلدین کی فطرتِ ثانیہ ہے، جس کا آئے دن نظارہ ہوتا رہتا ہے۔

گویا ان کے نزدیک اسلام کی اصل خدمت یہی ہے کہ فہمِ صحابہؓ کو ناقص بتایا جائے، ائمۂ اربعہ کی تذلیل کی جائے اور اپنے ائمۂ اربعہ ابنِ تیمیہ، شوکانی، ابنِ حزم اور نواب صدیق حسن خاں کو قرآن وحدیث کی تشریح میں اتھارٹی مان کر، ان کے اقوال ودلائل اور ان کے فرمودات سے سرمو انحراف نہ کیا جائے۔ اگر آپ غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ غیر مقلدین اور سلفیت کے علمبرداروں کا کوئی قول

وفعل ان چاروں کے دائرے سے خارج نہ ہوگا، جس طرح یہ حضرات حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اسی طرح دوسرے ائمہ بھی حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں مگر غیر مقلدین کو بس وہی حدیث سمجھ میں آتی ہے جنھیں ان چاروں یا ان چاروں میں سے کسی ایک نے صحیح کہہ کر پیش کر دیا ہوخواہ وہ ضعیف و منسوخ ہی سہی، بلکہ موضوع ہی سہی۔ (احسن الفتاویٰ، ۱/ ۴۰۷)

غیر مقلدین تقلیدِ جامد میں اس قدر مبتلا ہیں کہ ائمۂ اربعہ کی حدیث صحیح و مرفوع متصل بھی انھیں ضعیف، منسوخ حتیٰ کہ موضوع نظر آتی ہے اور ان کے علماء کی پیش کردہ ضعیف، منسوخ اور گھڑی ہوئی روایات بھی اعلیٰ پایہ کی روایات بن جاتی ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ''اہلِ حدیث- چند حقائق)

ان کے علماء جس حدیث کا جو مطلب بتادیں، جس حدیث کے متعلق جو رائے ظاہر کر دیں، کسی معاملے میں جو حکمِ شرعی بتادیں، غیر مقلدین کے نزدیک وہ حرفِ آخر ہو جاتا ہے۔ بعد کا ہر غیر مقلد عالم و عامی انہی مسائل و دلائل کو دہراتا رہتا ہے۔ ان کے انہی علماء نے نادانستگی یا تعصب کی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی رائے زنی کردی یا ان کے کسی استدلال پر اشکال و اعتراضات وارد کردیا تو اب بعد کے ہر غیر مقلد، ہر سلفی کا انہی اعتراضات و اشکالات کی جگالی کرنا لازمی ہے۔

یہ فتنہ جو ایک وبائی شکل اختیار کر چکا تھا اور بعض عرب ممالک کو غلط فہمی میں ڈال کر وہاں کی دولت سے اس کے سرخیلوں نے فتنہ کو مزید ہوا دے دی اور سیم و زر کے سہارے مسلکِ حق کو ناحق اور باطل کو باطل گردانںنے کا سلسلہ چل پڑا۔

فتنہ کو بے لگام اور پانی سر سے اُونچا ہوتے دیکھ کر فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس کی سرکوبی کی طرف توجہ کی اور ''تحفظِ سنت کانفرنس'' کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ یہ کانفرنس مورخہ ۷-۸/صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۲-۳/مئی ۲۰۰۱ء بروز بدھ و جمعرات بڑے تزک و احتشام کے ساتھ نئی دہلی میں منعقد ہوئی اور بے حد کامیاب رہی۔

عنوان کی معنویت:

سب سے پہلے ہم ''تحفظِ سنت کانفرنس'' کے عنوان کی معنویت پر غور کرتے ہیں۔ کانفرنس کا عنوان ''تحفظِ سنت'' رکھا گیا۔ ''تحفظِ حدیث'' نہیں، کیونکہ مقابلہ سنت کو مٹانے والوں سے تھا، حدیث کا انکار کرنے والوں یا حدیث کو مٹانے والوں سے نہیں۔ جو گروہ مدمقابل تھا وہ حدیث حدیث کی رٹ لگاتا رہتا ہی تھا، اسے پرخاش تھی تو سنت سے، وہ سنت کی اہمیت کو گھٹانے میں کوشاں تھا۔

جو حضرات سنت اور حدیث کے فرق کو سمجھتے ہیں وہ عنوان کی گہرائی و گیرائی کا ضرور اعتراف

کریں گے۔

عام حالات میں لوگ حدیث کا نام سنت سے زیادہ لیتے ہیں، لیکن جب دونوں کی تعریفات سامنے لائی جائیں تو حدیث کے مقابلے میں سنت کی اہمیت بلاشبہ ثابت ہو جائے گی۔

کتبِ اصطلاحاتِ حدیث میں حدیث کی تعریف یوں آئی ہے:

ما أضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم من قول أو فعل أو تقرير أو صفة. (تيسر مصطلح الحديث، ص ۱۵ و مقدمه فتح الملهم، ص ۱)

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہو خواہ آپؐ کا قول یا فعل یا تقریر یا صفت۔

اور سنت کی تعریف یہ ہے:

والسنة الطريقة المسلوكة في الدين وحكمها أن يطالب المرأ باقامتها من غير افتراض ولا وجوب لانها طريقة امرنا باحيائها فستحق الائمة بتركها. (حسامی، ص ۵۹)

سنت یعنی دین میں چلا ہوا طریقہ، سنت کا حکم یہ ہے کہ آدمی سے اسی کے قائم کرنے کا مطالبہ کیا جائے مگر فرضیت اور وجوب کے طریقہ پر نہیں، کیونکہ سنت ایک ایسا طریقہ ہے جس کے زندہ کرنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اور اس کے ترک پر ہم ملامت کے مستحق ہوں گے۔

شرح نامی اور حاشیہ نظامی میں ہے:

المسلوكة في الدين سواء سلكها النبي صلى الله عليه وسلم او اصحابه. (تالی، ص ۱۲۳ و نظامی علی الحسامی، ص ۵۹، حاشیه نمبر ۲)

دین کے اُس چلے ہوئے طریقہ پر خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہوں یا آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چلے ہوں۔

دونوں کی تعریفات اور دونوں کی حقیقت سمجھنے کے بعد سنت اور حدیث میں درج ذیل فروق ظاہر ہوئے:

(۱) حضورؐ کے اقوال و افعال اور تقریرات و احوال، جو حضورؐ کی طرف منسوب کیے جا رہے ہیں اور جو حدیث کا حقیقی مفہوم ہے وہ صحیح بھی منسوب ہو سکتے ہیں، غلط بھی۔ وہ ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے ضعیف بن سکتے ہیں، قوی بھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہم تک سند صحیح کے ساتھ ہی پہنچے ہوں مگر منسوخ ہوں، لہٰذا قابل عمل نہیں ہو سکتے۔ جب قرآن سے ثابت احکام منسوخ ہونے کی وجہ سے

نا قابلِ عمل اور لائقِ استدلال نہیں ہوتے، جن کے بارے میں سند پر کلام کا کوئی معاملہ نہیں، پھر احادیث جن کا سارا مدار سند پر ہے، وہ منسوخ ہونے پر کس طرح قابلِ عمل اور لائقِ استدلال ہوسکتی ہیں۔

(۲) اس کے بالمقابل سنت کا معاملہ ہے۔ سنت دین میں چلا ہوا اور رائج طریقہ ہوتا ہے، یعنی جس کے بارے میں ثابت ہوجائے کہ یہ حضورؐ کا طریقہ تھا، صحابہ کرامؓ کا طریقہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین پر اس طرح چلے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دین پر اس طرح چلے، جب کسی چیز کا سنت ہونا ثابت ہوجائے (یہ ثابت ہونا احادیث صحیحہ غیر منسوخہ کے ذریعہ ہوتا ہے) خواہ وہ حضورؐ کی سنت ہو یا صحابہؓ کی سنت ہو، اس کے بارے میں ضعیف، منسوخ یا موضوع ہونے کا سوال ختم۔ اسی لیے کوئی سنت نہ ضعیف ہوسکتی ہے، نہ منسوخ، نہ موضوع، جبکہ حدیث ضعیف بھی ہوسکتی ہے، منسوخ بھی ہوسکتی ہے اور موضوع وگھڑی ہوئی بھی۔

احادیث شریفہ میں خود سنت وحدیث کے درمیان اس نزاکتی پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریقوں یا صحابہ کرامؓ کے طریقوں کو اختیار کرنے اور انھیں روبعمل لانے کا حکم دیا ہے وہاں لفظ ''سنت'' استعمال فرمایا ہے نہ کہ لفظ ''حدیث''۔ بطور نمونہ یہ روایات ملاحظہ کریں:

فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجة. (مسند احمد و ترمذی ۲/ ۹۶ باب الاخذ بالسنة)

پس تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت اُسے تھامے رکھو اور دانتوں سے اسے مضبوط پکڑلو۔

من احيىٰ سنة من سنتي قد ميتت بعدي فان له من لاجر مثل اجوى من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيئاً. (ترمذی ۲/ ۹۶)

جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مردہ ہوگئی (چھوڑ دی گئی) تھی اسی کے لیے ان کے مثل ثواب ہے جنھوں نے اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔

ان الدين بدا غريباً و سيعود كما بدا فطوبىٰ للغرباء وهم الذين يصلحون ماافسد الناس من بعدي من سنتي. (ترمذی و مشكوٰة المصابيح ۱/ ۳۰)

دین ابتدا میں اجنبی شروع ہوا تھا اور عنقریب ویسا ہی ہوجائے گا جیسا شروع ہوا تھا۔ پس مبارکبادی ہے اجنبیوں کے لیے اور یہ وہ لوگ ہیں جو درست کریں گے میرے بعد میری سنت کو جسے لوگ بگاڑ دیں گے۔

من اکل طیباً و عمل فی سنة و امن الناس بوائقه دخل الجنة (ترمذی و مشکوٰۃ ۱/۳۰)	جس نے حلال کھایا اور سنت پر عمل کیا اور لوگ اس کی زیادتی سے محفوظ رہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔
فمن رغب عن سنتی فلیس منی. (بخاری ۲/۷۵۸، کتاب النکاح)	پس جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔

اسی لیے سلفِ صالحین سے ہی مسلمانوں کی جماعت حقہ کا نام ''اہل السنۃ والجماعۃ'' چلا آ رہا ہے، نہ ''اہلِ قرآن'' نہ ''اہلِ حدیث''۔

''سنت'' سے مراد حضورؐ کی یا صحابہؓ کی سنت اور ''جماعت'' سے مراد جماعتِ صحابہؓ کو ساتھ لے کر چلنے والے۔ ان کے طور وطریق سے انحراف نہ کرنے والے، جماعتِ صحابہؓ اور ان کے اقوال واعمال کو حق و باطل کا معیار سمجھنے والے۔ ہمیشہ سے اہلِ حق کی یہی پہچان ہے اور اہلِ حق کا یہی نام ہے۔

حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ نے غیر مقلدیت، سلفیت اور اباحی فتنہ کی سرکوبی کے لیے کانفرنس کا نام ''تحفظِ سنت'' رکھ کر اُسے مقصد سے قریب تر کر کے موضوع کی اہمیت لوگوں کے ذہنوں میں اجاگر کردی۔

خطبۂ صدارت کی جھلکیاں:

اس موقع پر امیر الہند حضرت فدائے ملتؒ نے جو خطبۂ صدارت دیا وہ بہت ہی وقیع اور جامع ہے اور اس فتنہ کے سارے گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔

سب سے پہلے حضرت فدائے ملتؒ نے تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ برصغیر (متحدہ ہندوستان جس میں موجودہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش شامل ہیں) ان اسلامی افواج کے ذریعہ فتح ہوا جو عراق سے آئے تھے اور عراقی فقہ کے پابند تھے اور یہی عراقی فقہ بعد میں حنفی فقہ سے موسوم ہوئی اور یہاں کے سارے حکمراں فقہ حنفی کے ہی پابند رہے۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد یہاں مسلمانوں میں ایک نئے نامانوس فرقہ نے جنم لیا اور مسلمانوں کے مابین اختلاف ونزاع کے بیج ڈال دیے۔ اس فرقہ نے کبھی اپنے آپ کو اہلِ حدیث، کبھی محمدی، کبھی موحد اور کبھی سلفی کہا۔

حضرت فدائے ملتؒ نے اپنی ساری باتیں اسی فرقہ کے بڑے علماء مثلاً نواب صدیق حسن خاں کے رسالہ ''ترجمانِ وہابیہ''، مولانا محمد شاہجہاں پوری کی کتاب ''الارشاد الی سبیل الرشاد'' اور

مولانا عبدالجبار غزنوی وغیرہ کا بیان فتاویٰ ''علمائے حدیث'' سے، نواب وحید الزماں کی کتاب ''لغات الحدیث'' وغیرہ کے حوالہ جات کے ساتھ لکھی ہیں۔ پھر سب کا خلاصہ یوں لکھتے ہیں:

''اب تک مذکورہ تفصیلات سے جو خود فرقۂ غیر مقلدین کے اکابر علماء کی تحریروں کے حوالہ سے پیش کی گئی ہیں، درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ یہ ایک نو پید، غیر مانوس فرقہ شاذہ ہے۔

۲۔ یہ فرقہ اپنے آپ کو اہلِ حدیث بتاتا ہے جبکہ تمام مسلمان اسے غیر مقلد، وہابی اور لا مذہب کہتے ہیں۔

۳۔ یہ فرقہ اپنے ماسوا سارے مسلمانوں کو مخالفِ سنت و شریعت سمجھتا ہے۔

۴۔ یہ فرقہ اتباعِ سنت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے کیونکہ سلف و خلف کی بیان کردہ معمول بہ حدیثوں کو بھی بلا وجہ رد کر دیتا ہے۔

۵۔ آثارِ صحابہ اس فرقہ کے نزدیک قانون کی طاقت سے عاری بے نور اقوال ہیں۔

۶۔ یہ فرقہ اجماعی مسائل کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

۷۔ یہ فرقہ سلف صالحین اور احادیثِ مرفوعہ وغیرہ سے ثابت قرآنی تفسیروں کے مقابلہ میں اپنی من مانی تفسیروں کو ترجیح دیتا ہے۔

۸۔ بس رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ مختلف فیہ حدیثوں پر عمل تک اہلِ حدیث ہے۔ آداب و سنن اور اخلاقِ نبوی سے متعلق احادیث سے اسے کوئی سروکار نہیں۔

۹۔ یہ فرقہ ائمہ مجتہدین اور اولیاء اللہ کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرتا ہے۔

۱۰۔ یہ فرقہ اپنے علاوہ دیگر تمام طبقاتِ مسلمہ کو بدعتی اور مشرک و کافر سمجھتا ہے۔'' (ص ۹۹۸)

پھر آگے اسی خطبہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ غیر مقلدین کا صحابہ کرامؓ کے بارے میں عقیدہ و فکر بڑی حد تک شیعیت و رافضیت کا ترجمان ہے، پھر اسی قسم کی مزید باتوں کو غیر مقلدین کی ہی کتابوں سے مبرہن کیا گیا ہے۔ مثلاً جامعہ سلفیہ بنارس وغیرہ کی کتاب ''اللمحات''، ''تنویر القرآن''، ''ضمیر کا بحران''، ''اختلافِ امت کا المیہ'' اور نئی فتنہ انگیز کتاب ''الدیوبندیہ'' وغیرہ وغیرہ۔

خطبہ میں مزید آگے دین کے نام پر برپا ہونے والے فتنوں کے تعاقب میں علمائے دیوبند کی خدمات اور اسلام مخالف ہر آندھی و طوفان کے خلاف ان کے سینہ سپر ہونے کی داستانِ حقیقت ترجمان بیان کی گئی۔ گویا موجودہ ترکِ تقلید و اباحیت پسندی کے فتنہ کا تعاقب بھی علمائے دیوبند کے اسی سلسلہ کی سنہری کڑی ہے اور اسی حق طلبی، حق پسندی کا اعلان و اظہار جو اکابر دیوبند

کا رہا ہے۔

سعودی عرب، جو ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل ہے، خطبۂ صدارت میں اس فتنہ کی نسبت سے سعودی عرب کی بھی بعض ذمہ داریاں یاد دلائی گئیں:

''مملکتِ سعودیہ عربیہ کو چونکہ حرمین شریفین سے ایک خاص انتساب ہے۔ اس حکومت نے حرمین شریفین کی توسیع وتزئین کے سلسلے میں جو تاریخی کارنامے انجام دیے ہیں، نیز فریضۂ حج کی ادائیگی سے متعلق جس طرح کی بے مثال سہولتیں فراہم کی ہیں، ان وجوہ سے علمائے دیوبند کا حکومت اور اربابِ حکومت سے مخلصانہ جذباتی تعلق رہا ہے، جس کا مظاہرہ بار بار ہو چکا ہے۔ اس دیرینہ تعلق کی بنا پر توقع کی جاتی تھی کہ فرقہ غیر مقلدین ایک خاص منصوبہ کے تحت علمائے دیوبند پر جو ناروا کیچڑ اُچھال رہا ہے، مملکتِ سعودیہ اور اس کے کارکنوں کی جانب سے اس انتشار و افراتفری کے رویے کی ہمت افزائی نہیں ہوگی، لیکن اس وقت مملکتِ سعودیہ سے علمائے دیوبند سے متعلق جس طرح کے غلط اور بے بنیاد مواد پوری دُنیا میں پھیلائے جارہے ہیں، اسے دیکھ کر اب ہمارا یہی احساس ہے کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر مملکت علمائے دیوبند کے خلاف اس غلط مہم میں شریک کار ہے، بلکہ سرپرستی کر رہی ہے جس سے بیزاری اور نفرت کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے:

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں'' (ص-۱۹)

خارجیتِ جدیدہ کا مقابلہ:

خطبۂ صدارت کے آخر میں حضرت فدائے ملتؒ نے کانفرنس میں تشریف لائے ہوئے علمائے دین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''پورے حالات آپ کی نگاہوں کے سامنے ہیں کہ آپ کے مذہب، آپ کے مکتبِ فکر اور آپ کے اکابر کو خارجیتِ جدیدہ کے علمبردار غیر مقلدین کس قدر ہدفِ طعن وتشنیع بنائے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں آپ کی مذہبی وفکری حمیت کا کیا تقاضا ہے، اُسے آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ آپ حضرات کے بلند عزائم اور جہد وعمل کی بے پناہ قوت سے مجھے یہ توقع ہے کہ اس تقاضے کو بروئے کار لانے میں آپ کسی کوتاہی اور غفلت کا شکار نہیں ہوں گے:

۱۔ فتنۂ غیر مقلدیت کے اس موجودہ دَور میں ضرورت ہے کہ ہمارا اختلاط اس فرقہ کے

لوگوں سے کم سے کم ہو، تاکہ ہماری موجودہ نسل اباحیت پسندی کی راہ سے دُور رہے اور اسلاف واکابر کے مسلک وعقیدہ کے بارے میں کسی طرح کے تذبذب کا شکار نہ ہو۔

۲۔ ضرورت اس کی بھی ہے کہ ہمارے بچّے اور بچیاں اس فرقہ کے قائم کردہ مدارس و اسکولوں میں داخل نہ ہوں۔ اس لیے کہ اس کا تجربہ ہے کہ ہمارے جو بچّے اور بچیاں غیر مقلدین کے مدارس اور اسکولوں میں داخل ہوئے ہیں ان کے افکار و اذہان پر غیر مقلدیت کی چھاپ پڑنی شروع ہوجاتی ہے اور ہمارے یہ بچّے اپنے مسلک و عقیدہ اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

۳۔ مدارس و مکاتب کے ذمہ داروں کو نصابِ تعلیم میں کچھ منتخب احادیث جن کا تعلق فقہی مسائل سے ہو، ضرور شامل کرنا چاہیے۔ ان احادیث کو طلبہ زبانی یاد کریں اور ان کے ترجمہ و معنی سے بھی واقف ہوں تاکہ ان کو شروع ہی سے یہ احساس ہو کہ جس مذہب کی وہ تقلید کرتے ہیں، اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔'' (ص-۳۰)

کانفرنس کے موقع پر شائع شدہ کتابیں:

اس موقع پر ۲۶ عدد کتابوں کا شاندار سیٹ بھی مندوبین کو تقسیم کیا گیا، جو اس فتنہ کو سمجھنے اور اس کے تدارک و دفعیہ کے لیے خاص طور پر تیار کرایا گیا تھا۔ اس سیٹ میں کچھ کا تعلق اصولِ مباحث سے تھا۔ مثلاً ''اجماع و قیاس کی حجیت'' از مولانا جمیل احمد سکروڈوی، 'تحریک لامذہبیت غیر مقلدیت/سلفیت' از مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری، 'مسئلہ تقلید قرآن وحدیث: اقوالِ علماء سنت کی روشنی میں'' از مولانا مفتی محمد راشد اعظمی، ''تقلید کی شرعیت حیثیت'' اور ''تقلید شخصی پر غیر مقلدین کے اعتراضات اور ان کے جوابات'' از مولانا محمد ازہر مدنی، وغیرہ وغیرہ۔

کچھ کتابوں کا تعلق احناف کے مسلک کی وضاحت اور اس کے اقرب الی الکتاب والسنۃ ہونے سے تھا۔ مثلاً ''فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے'' از مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری۔ اسی طرح قرأت خلف الامام'، ''رفع یدین''، ''آمین بالجہر' 'فرض نمازوں کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے وغیرہ مسائل کی تحقیق وتشریح پر مشتمل کئی کتابچے۔ اسی طرح طلاقِ ثلاثہ کے موضوع پر کتابچے۔

کچھ کتابوں کا تعلق غیر مقلدین کی آزاد خیالی، ذہنی آوارگی اور اباحیت پسندی کے نمونوں اور مثالوں سے تھا۔ مثلاً ''شریعتِ مطہرہ میں صحابہ کرامؓ کا مقام اور غیر مقلدین کا موقف' از مولانا

عبدالخالق سنبھلی، ''مسائل وعقائد میں غیر مقلدین اور شیعہ مذہب کا توافق'' از مولانا محمد جمال بلند شہری، صحابہ کرامؓ کے بارے میں غیر مقلدین کا نقطۂ نظر'' از مولانا محمد ابوبکر غازی پوری، '' قرآن و حدیث کے خلاف غیر مقلدین کے پچاس مسائل'' از حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوری، ''مسائل وعقائد میں غیر مقلدین کے متضاد اقوال'' از مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادو غیرہ وغیرہ۔

اسی سلسلے سے جُڑی بعض دوسری کتابیں:

''تحفظِ سنت کانفرنس'' جمعیۃ علماء ہند نے منعقد کی تھی۔اس موقع پر شائع شدہ ساری کتابوں میں یہ جملہ لکھا ہوا ہے:

بموقع تحفظ سنت کانفرنس

۷-۸؍صفر المظفر ۱۴۲۲ھ/۲-۳؍مئی ۲۰۰۱ء

زیر اہتمام جمعیۃ علماء ہند

اس کانفرنس کے بعد بعض صوبائی جمعیۃ علماء نے بھی اس طرز کی کچھ کتابیں اپنے طور پر شائع کیں۔ مثلاً جمعیۃ علماء مہاراشٹر نے راقم الحروف کی دو کتابیں شائع کیں:

۱۔ اہلِ حدیث اور تقلید وفرقہ بندی ۲۔ مصافحہ کا مسنون طریقہ

ان دونوں کتابوں پر یہ جملہ لکھا ہوا ہے:

''بسلسلۂ تحفظِ سنت کانفرنس

جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی''

کانفرنس کی تجاویز:

سامعین وحاضرین سے کھچا کھچ بھرے تالکٹورہ اِنڈور اسٹیڈیم میں منعقد اس عظیم الشان کانفرنس میں جو تجاویز منظور کی گئیں ان میں سے ایک تجویز میں مدینہ منورہ میں قائم مدینہ یونیورسٹی میں ایک ہی ذہنیت کے لوگوں کے تسلط اور دوسرے مسالک کے طلبہ کو نظر انداز کرنے پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہوئے سعودی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مدینہ یونیورسٹی کے نظام وتعلیم و تربیت پر از سرِنو غور کرے اور ایسا نصابِ تعلیم بنایا جائے جس میں چاروں اماموں کی فقہ کی تعلیم لازمی ہو اور اس بات کا خاص لحاظ رکھا جائے کہ مدینہ یونیورسٹی کے نظامِ تعلیم وتربیت کے لیے ایسے سربراہ مقرر کیے جائیں جو فکری آوارگی اور ذہنی تنگی کے بجائے ائمہ اور سلف صالحین کے علمی و دینی کارناموں کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔

دوسری تجویز میں سعودی حکومت کے زیر سایہ ان کتابوں کی اشاعت کی مذمت کی گئی جن سے پورے عالم کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے عام مسلمانوں کے دینی اور ملّی اتحاد کو سخت ٹھیس پہنچی ہے اور اس سے ملت کے درمیان تفریق وانتشار کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

تجویز میں اس بات پر اظہارِ افسوس کیا گیا کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مقبول و مستند تر جمہ پر پابندی لگا کر طریقۂ سنت سے ہٹے ہوئے مولانا محمد جونا گڑھی کے ترجمہ و تفسیر کو شائع کیا جارہا ہے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر تجویز میں حکومتِ سعودیہ سے مطالبہ کیا گیا کہ ایسے مفسد اور تخریبی عناصر کی ریشہ دوانیوں پر نظر رکھی جائے اور اپنے ملک میں ہونے والی ان شرانگیز کارروائیوں سے مسلمانانِ عالم کو بچائے اور اپنی سابقہ نیک نامیوں پر حرف گیری کے مواقع نہ فراہم کرے۔

تیسری تجویز میں نام نہاد اہلِ حدیث کی شرانگیز غیر ذمہ دارانہ سرگرمیوں کی مذمت کرتے ہوئے ملتِ اسلامیہ خصوصاً علماء وفضلاء سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ خارجیتِ جدیدہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو بھی بچائیں جبکہ چوتھی تجویز میں عام مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ غیر مقلدین کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔

کانفرنس کے بعد:

کانفرنس بے حد کامیاب رہی۔ ہر طرف اس کا چرچا ہو گیا۔ جو لوگ اباحیت پسندی اور ترکِ تقلید کے شکار تھے ان میں کھلبلی مچ گئی اور ادھر اُدھر غیر متعلق لوگوں کے پاس کانفرنس کو غیر ضروری ثابت کرنے کے لیے سوالات بھیجنے لگے۔ مولانا عبدالوہاب خلجی ناظم عمومی مرکزی جمعیۃ اہلِ حدیث ہند کی طرف سے یہ سوالات بعض اخبارات میں شائع ہوئے۔ (سہ روزہ دعوت، نئی دہلی، ۲۸ رمئی ۲۰۰۱ء، ص۱) پھر انہی سوالات کے جواب میں بعض بے لاگ تحریریں بھی شائع ہوئیں مثلاً ایک جواب یوں تھا:

> ’’آپ نے جو پانچ سوالات نمبر وار لکھے ہیں، یہ سب نکات اس سے زیادہ واضح ہیں کہ آپ سوال کریں اور کوئی ان کا جواب دے۔ یہ سوالات کر کے آپ نے اپنے مخاطب کو اپنے فریق کے مقابلے میں کھڑا کرنا چاہا ہے۔ ظاہر ہے ان میں سے کسی سوال کا جواب بھی اثبات میں نہیں دیا جا سکتا۔
>
> معاف کیجیے گا! کیا یہی کام دوسرا فریق نہیں کرسکتا، مثال کے طور پر وہ سوال کرے کہ:

۱۔ ہندو پاک کے احناف کی خامیوں پر کتاب عربی کے بجائے کیا اُردو میں نہیں لکھی جاسکتی تھی جو لکھنے والے اور پڑھنے والوں کی مادری زبان ہے۔

۲۔ ''قضیہ زمین برسر زمین'' کے بجائے ہندو پاک کے قضیہ پر کتاب سعودی عرب میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

۳۔ توحید وسنت کی دعوت دینے کے لیے کیا یہ بھی ضروری ہے کہ صوفیاء کو مشرک، قبر پرست اور گمراہ کہا جائے۔ کیا یہ دعوت مثبت طور پر نہیں دی جاسکتی تھی؟ وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے سوالات کے جوابات اہلِ حدیث کے طرزِ عمل کے خلاف آئیں گے۔'' (سہ روزہ ''دعوت'' نئی دہلی، ۷رجون ۲۰۰۱ء، ص ۵۔ از مولانا محمد عبداللہ طارق دہلوی)

حضرت فدائے ملتؒ نے فتنہ غیر مقلدیت کے تعاقب، اس کے سدباب کے لیے صرف دہلی میں ہی جمعیۃ علماء ہند کے بینر تلے ''تحفظ سنت کانفرنس'' منعقد نہیں کی، بلکہ اس سے پہلے پربھنی، میرٹھ اور دیگر مقامات پر جلسوں اور کانفرنسوں میں اس کی زہرناکی پر تشویش ظاہر کی اور کانفرنس کے بعد بھی کئی مقامات پر اسی فکر کو لے کر کانفرنسوں کا انعقاد عمل میں آیا۔ مثلاً بمبئی و سرائے میر ضلع اعظم گڑھ وغیرہ میں۔

بلاشبہ غیر مقلدیت کی تردید میں حضرت فدائے ملتؒ کی محنتیں اہلِ حق کے لیے ایک بہترین فکری وعملی سرمایہ ہیں جن کی روشنی میں انھیں مستقبل کی راہیں تلاش کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

○○

❑ مولانا ندیم الواجدی
مدیر ماہنامہ ''ترجمان دیوبند''

مسلک دیوبند کے تحفظ وارتقاء میں حضرت فدائے ملتؒ کا کردار

مسلک دیوبند کیا ہے؟:

مسلک دیوبند حقیقت میں کوئی خودساختہ یا نوزائیدہ مسلک نہیں ہے، بلکہ اہل سنت و الجماعت کے فکرونظر کی ایک نئی تعبیر وتشریح ہے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے الفاظ میں یہ تعبیر وتشریح کچھ اس طرح ہے:

''اتباع سنت بتوسطِ اہل انابت، یا تکمیلِ دین بہ تربیتِ اہل یقین، یا اتباع اوامر اللہ بصحبت اولیاء اللہ''

اس ایجاز کی تفصیل اس طرح کی جاسکتی ہے کہ لفظ سنت سے (جس کا منبع وسرچشمہ قرآن ہے) پیدا ہونے والے دین کے جتنے بھی شعبے ہیں وہ تمام مسلک دیوبند کا حصہ ہیں، علمائے دیوبند نے افراط وتفریط سے ہٹ کر جامعیت واعتدال کے ساتھ ان تمام شعبوں کو اپنایا، کسی ایک پر غلو کے ساتھ زور دینا اور کسی دوسرے کو نظر انداز کردینا ان کا مسلک نہیں ہے، یہی وجہ ہے ان کے یہاں حدیث کے ساتھ اشتغال کو بھی اہم سمجھا گیا ہے، اور فقہی موشگافیوں میں انہماک کو بھی اور علم کلام کے ساتھ بھی انھیں پوری دلچسپی ہے اور فن تصوف کے ساتھ بھی پوری مناسبت ہے، وہ اسرار شریعت سے بھی بیگانہ نہیں ہیں، اسی طرح لفظ جماعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے اسلام کی تمام بنیادی اور مقدس شخصیتوں کو پورا پورا احترام دیا ہے، مگر احترام میں اس قدر مبالغہ بھی نہیں کیا کہ عبادت کا گمان ہونے لگے اور اتنی دوری بھی نہیں اختیار کی کہ ان کی خدمات سے بیزاری ظاہر ہو، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت اور ان سے نکلنے والے تمام شعبوں پر اعتماد، اور ان تمام شخصیات کا احترام جن کے ذریعے دین ہم تک پہنچا مسلکِ دیوبند کا مغز اور اس کا جوہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَا اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡھِمۡ وَلَعَلَّھُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ۔ (سورۂ نحل:۴۴)

اور آپ پر بھی یہ قرآن اُتارا ہے، تا کہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے اُن کو آپ اُن سے ظاہر کردیں اور تا کہ وہ فکر کیا کریں۔

اس حکم الٰہی کے بموجب علمائے دیوبند قرآن کریم کے احکام پر بھی عمل پیرا ہیں، اور بیان نبوی یعنی سنت کے بھی متبع ہیں۔قرآن کریم میں ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصَّادِقِیۡنَ. (سورۃ توبہ:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت پر عمل کرتے ہوئے وہ خوفِ خدا کے ساتھ ساتھ صادقین کی صحبت کو بھی اہم سمجھتے ہیں اور فرقِ مراتب کے ساتھ ان شخصیات کا احترام بھی ملحوظ رکھتے ہیں جن کے واسطے سے دین ہم تک پہنچا، اس طرح علمائے دیوبند نے علامہ ابن سیرینؒ کے اس مقولے کی صداقت کو عمل کے ذریعے ظاہر کیا کہ:

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔

یہ علم دین ہی تو ہے تم یہ دیکھو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین میں شخصیات کا الگ مقام ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اکابرین دیوبند اور تحفظِ مسلک:

مسلکِ دیوبند معتدل بھی ہے اور جامع بھی، یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اس مسلک کو اختیار کیا ان میں جامعیت بھی رہی ہے اور اعتدال بھی، علمائے دیوبند کی نظر دین کے تمام شعبوں پر تھی، اور انھوں نے ان تمام شعبوں کے فروغ وتحفظ میں بھرپور کردار ادا کیا، خواہ اس کے لیے منحرف اور گمراہ فرقوں سے مناظرانہ بحثیں کرنی پڑی ہوں، مگر بحث ونظر میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا اور ''جَادِلۡھُمۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ أحسن'' کی تفسیر بنے رہے۔دین کے معاملے میں کبھی مجاملت، مداہنت یا لاپروائی اختیار نہیں کی، کبھی کسی نے بھی دین کے کسی شعبے کو نشانہ بنایا، یا سلف صالحین میں سے کسی کی شان میں بھی کسی نے کوئی ادنیٰ گستاخی کی تو ہمارے علماء خاموش نہیں بیٹھے بلکہ زبان وقلم سے دلائل کی روشنی میں متانت اور سنجیدگی کے ساتھ انھوں نے اس کا تعاقب کیا، اور امت کے سامنے صحیح صورتِ حال رکھ کر اسے گمراہ ہونے سے بچایا، ہم جس ملک میں ہیں وہاں نہ خارجی فتنوں کی کمی ہے اور نہ داخلی فتنوں کی، ہمارے بزرگوں نے ایک طرف عیسائیت، آریہ سماج، اور قادیانیت جیسے خارجی فتنوں کا بھرپور مقابلہ کیا دوسری طرف داخلی فتنوں کی بھی سرکوبی کی، معاملہ

چاہے قرآن وسنت میں تحریف کرکے بدعات وخرافات کی ترویج کا ہو، یا عمل بالحدیث کا خوبصورت عنوان لگاکر فقہ اور فقہاء کی تردید کا، جدت پسندی اور روشن خیالی کا سہارا لے کر صحابۂ کرام اور اسلاف امت کی توہین کا ہو، یا اسلام کے متوارث نظام پر بے لگام تنقید کا، علمائے دیوبند ہر محاذ پر سینہ سپر رہے، انھوں نے ہر طرح دین کا دفاع کیا، اور زندگی کے آخری سانس تک **ما أناعليه و أصحابي** کی صراط مستقیم پر گامزن رہے۔

ذیل میں ہم مسلک دیوبند کے تحفظ وفروغ کے لیے بعض اکابرین دیوبند کی جد وجہد پر مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ اور مسلک دیوبند:

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی مختصر سی زندگی کا ایک ایک لمحہ فرق باطلہ کی بیخ کنی کے لیے وقف کر دیا تھا، آپ نے عیسائیت، آریہ سماجیت، شیعیت اور غیر مقلدیت کے سلسلے میں نہایت عالمانہ اور محققانہ کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں سے بعض فرقوں کے ساتھ مناظرے بھی کیے، مناظرے کرنا ہمارے علماء کا نہ مزاج رہا ہے اور نہ ذوق، لیکن اگر انھیں چیلنج کیا گیا، اور حالات کے پیشِ نظر مناظروں کی ضرورت محسوس کی گئی تو انھوں نے کبھی گریز بھی نہیں کیا خواہ اس کے لیے سفر کی کتنی ہی صعوبتیں برداشت کیوں نہ کرنی پڑی ہوں، چنانچہ حضرت نانوتویؒ نے سب سے پہلا مناظرہ میلہ خداشناسی میں کیا، جس کا انعقاد شاہ جہاں پور میں ہوا تھا، اس میلے میں آپ نے تخلیق کائنات اور اس کی کیفیت، ذات باری تعالیٰ کا محیط یا غیر محیط ہونا، خدا کی عدالت ورحمت کے درمیان ظاہری تعارض، قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونا اور حقیقت نجات جیسے موضوعات پر خالصتاً عقلی انداز میں اہل سنت والجماعت کے موقف کو واضح کیا اور اسے دلائل سے ثابت کیا، اس مناظرے میں فریق مخالف کو ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا اور حضرت نانوتویؒ کو واضح کامیابی حاصل ہوئی، دوسرے دو مواقع پر اگرچہ باقاعدہ مناظرے نہیں ہوئے، لیکن حضرت نانوتویؒ نے پہلے رڑکی میں پھر میرٹھ میں پنڈت گیانند سرسوتی کا تعاقب کیا، اور اسے مناظرے کی دعوت دی مگر اس نے راہِ فرار اختیار کی، فرق ضالہ باطلہ کے موضوعات کے ابطال اور عقائد حقہ کے اثبات کے لیے آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جو متعلقہ موضوع پر وسیع معلومات فراہم کرتی ہیں، اندازِ بیان پر معقولیت کا رنگ غالب ہے جس کی وجہ سے پختہ علم رکھنے والے لوگ ہی اُن سے کماحقہٗ مستفید ہو سکتے ہیں۔ ان میں بعض کتابوں کا اجمالی تعارف حسبِ ذیل ہے:

۱۔ **جمال قاسمی**: یہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے جو ایک خط کے جواب میں

تحریر کیا گیا، اس میں آپ نے صوفیاء کی مشہور اصطلاح وحدۃ الوجود پر نہایت معتدل اور معقول موقف اختیار فرمایا ہے اسی کے ساتھ سماعِ موتی پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔

۲۔ **فیوض قاسمیہ**: یہ رسالہ ۱۰ مکاتیب پر مشتمل ہے، اور ان میں بعض ایسے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے جن میں سے بعض کا تعلّق اہل بدعت سے ہے، اور بعض کا تعلّق اہل شیعیت سے اور بعض کا دوسرے فرقوں سے، مثلاً شیعہ مسلمان ہیں یا کافر، زیارت قبور، مصائب اہلِ بیت پر ماتم، واقعات کربلا کی تاریخی حیثیت، ذوالفقار کیا ہے، وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، شفاعت اہلِ بیت، حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** حضرت عمر پر الزام، مسئلہ فدک، دیہات میں جمعہ، تصور شیخ، احکام شرعیہ میں حکومت، یزید کا کفر و ایمان، نذر لغیر اللہ، نمازوں میں قرأت، بدعت وسنت، مسئلہ علم غیب، تصور شیخ وغیرہ یہ مکاتیب مسلک دیوبند کے باب میں نہایت اہم سمجھی گئی ہیں۔

۳۔ **لطائف قاسمی**: یہ بھی خطوط کا ایک مختصر مجموعہ ہے، جس میں حضرت نانوتویؒ نے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور رکعات تراویح جیسے معرکۃ الآراء مسائل پر نہایت محققانہ کلام فرمایا ہے، اور غیر مقلدین کے نقطۂ نظر کو غلط ثابت کیا ہے۔

۴۔ **توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام**: یہ کتاب جو مشہور و مختلف فیہ مسئلہ قرأت خلف الامام کے بارے میں ہے اُن غیر مقلدین کی اصلاح کے لیے تصنیف فرمائی جو قرأت خلف الامام کو حق وغیر حق کا معیار سمجھتے ہیں، پوری کتاب میں آیات وروایات سے متکلمانہ انداز میں استدلال کیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی آپ کی بعض اہم کتابیں ہیں جن کو جدید علم کلام کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے جیسے حجۃ الاسلام، تقریر دل پذیر، ہدیۃ الشیعہ، انتصار الاسلام، تصفیۃ العقائد، تحذیر الناس، اور آبِ حیات وغیرہ، ان معرکۃ الآراء کتابوں کے ذریعہ حضرت نانوتویؒ نے آریہ سماجیوں، شیعیوں اور دہریوں کے عقائد کا ابطال اور اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کا اثبات کیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ اور مسلک دیوبند:

مسلک دیوبند صرف چند نظریاتی مسائل یا چند عقائد و اعمال تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلّق دین کے تمام اصول وفروغ سے ہے، چنانچہ جس طرح یہ مسلک قرآن وسنت، فقہ وتصوف اور علم وکلام وغیرہ سے راست تعلّق رکھتا ہے اسی طرح خلافت وامارت اور سیاست سے بھی مربوط ہے، یہ بھی شریعت کے مستقل ابواب ہیں ہندوستان میں جن کے احیاء کی جدوجہد ۱۸۵۷ء کی شکست وریخت کے بعد اگر کسی نے انجام دی تو وہ حضرت شیخ الہندؒ ہیں، آپ نے استخلاص وطن

کے لیے محض حصول اقتدار کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت نہیں کیں بلکہ اس طرح دین کے ایک اہم شعبے کو جو مردہ ہو چکا تھا زندگی بخشی اور اسے توانائی عطا کی اور اپنی عملی جدوجہد سے یہ ثابت کیا کہ آزادی کے لیے سیاسی جدوجہد، امارت کے قیام اور خلافت کے استحکام کے لیے سعی پیہم بھی مسلک دیو بند کا ایک حصّہ ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے مصروف تدریسی اور سیاسی اوقات میں سے کچھ وقت تصنیف و تالیف کے ذریعے غیر مقلدین اور اہل بدعت کے تعاقب میں بھی گزارا، مگر آپ کی یہ کوشش دفاعی تھی اقدامی نہ تھی، کیونکہ آپ اتحاد امت کے سب سے بڑے داعی اور نقیب تھے مگر یہ بھی گوارا نہ تھا کہ مسلک دیو بند پر کوئی ضرب پڑے، اس لیے محض دفاع عن الدین کے جذبے سے آپ نے ان فرقوں کی ہرزہ سرائیوں کا جواب دیا، اس سلسلے میں آپ کی چند قابلِ قدر علمی تصانیف حسبِ ذیل ہیں۔

ادلۂ کاملہ: غیر مقلدوں کے مشہور عالم مولوی محمد حسین امرتسری نے ایک اشتہار شائع کیا، اس میں انھوں نے چند اختلافی مسائل ذکر کیے، اور ان کے جواب کے لیے علمائے دیو بند کو چیلنج کیا، یہ اشتہار بار بار دیو بند بھیجا تا کہ یہاں کے علماء کچھ بولیں اور جواب الجواب کا ایک لامتنا ہی سلسلہ شروع ہو، حضرت شیخ الہندؒ نے اس اشتہار کا مختصر جواب تحریر فرمایا، جواب کا انداز الزامی ہے، اس جواب میں جو مباحث زیرِ قلم آئے ان کا تعلّق آمین بالجہر، قرأت خلف الامام، رفع یدین، وضع یدین فی الصلوٰۃ، اور تقلید وغیرہ جیسے مشہور و معروف اختلافی مسائل سے ہے۔

ایضاح الادلہ: توقع کے مطابق غیر مقلدین اس جواب پر خاموش نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے ادلہ کاملہ کا جواب لکھ کر شائع کیا، ایضاح الادلہ جواب الجواب کی حیثیت رکھتا ہے، اور متعلقہ موضوع پر دندان شکن، مسکت اور فیصلہ کن ہے۔

احسن القریٰ فی توضیح اوثق العری: اِدھر استعماریت کے خلاف خاموش جدوجہد جاری تھی اُدھر انگریزوں کے پٹھو اور ایجنٹ اختلافی مسائل کو ہوا دے کر امت کا اتحاد پارہ پارہ کرنے میں مصروف تھے، دیہات میں جمعہ ایک ایسا اختلافی مسئلہ تھا جسے وقتاً فوقتاً کتابوں اور اشتہاروں کے ذریعے نمایاں کیا جاتا رہا، مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ لوگ علمائے دیو بند سے بدظن ہوں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے رسالے "**اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعة في القریٰ**" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرما کر اپنی دانست میں پورے مسئلے کی تنقیح فرمادی، لیکن غیر مقلدین کی اشتعال انگیزی بدستور جاری رہی یہاں تک کہ اس رسالے کے دو

جواب لکھے گئے اور دونوں میں حضرت گنگوہیؒ کی علمی اور روحانی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی، حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے پیرومرشد کے دفاع، اور مسلک دیوبند کے تحفظ کے لیے قلم اُٹھایا اور ''احسن القری في توضيح اوثق العری'' کے نام سے یہ رسالہ لکھ کر زیرِ بحث مسئلے کی اس قدر عالمانہ اور محققانہ توضیح کی، اور حضرت گنگوہیؒ پر لگائے گئے الزامات کا اس قدر مدلل انداز میں جواب دیا کہ غیر مقلدین اس سلسلۂ بحث کو دراز کرنے سے معذور نظر آنے لگے۔

جهد المقل فی تنزيهه المعزوالمذل: یہ کتاب بدایوں اور بریلی کے علماء کے جواب میں ہے، اس میں امکان کذب صفات باری، ذات باری اور کلام الٰہی جیسے پیچیدہ و نازک مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور مسلکِ دیوبند:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اصلاحی وتجدیدی کارناموں کا ذکر کیے بغیر مسلک دیوبند کا یہ ذکر ادھورا ہے، وہ نہ صرف یہ کہ اس دور کے سب سے بڑے داعی اور مصلح تھے بلکہ کثیر التصانیف عالم بھی تھے، عقیدۂ وعمل کے اصلاح کے باب میں ہندوستان کے مسلمانوں نے جس قدر نفع ان کے مواعظ ان کے ملفوظات، اوران کی کتابوں سے اُٹھایا ہے اتنا نفع کسی دوسرے عالم سے نہیں اُٹھایا، لوگ تطہیرِ نفس، اور اصلاع حال کے لیے ملک کے گوشے گوشے سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، بلاشبہ وہ امراض باطنہ کے ایسے ماہر طبیب تھے جس کی نظر نہ صرف یہ کہ مرض کے اسباب پر ہوتی ہے بلکہ وہ اس کی جڑ تک پہنچ کر اس کا تدارک کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہے، وہ جانتے تھے کہ نفس انسانی میں شیطان کی رسائی کے ذرائع کیا ہیں، اوراس سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ مسلمانوں کے معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں پر ان کی گہری نظر تھی، ہم وطنوں کے ذریعے جو منکرات وخرافات اور بدعات مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں نفوذ کر گئی ہیں وہ ان سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح واقف تھے بلکہ ان کے استیصال کی تدبیروں پر بھی مطلع تھے، ان کی تصانیف ''اصلاح الرسوم'' اور ''اصلاح انقلاب امت'' کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حکیم الامت کی نگاہِ دوربین سے چھوٹی سی چھوٹی برائی اور معمولی منکر بھی اوجھل نہیں تھا، ایک طرف تو وہ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان کی زندگی اسلامی اصولوں کے سانچے میں اس طرح ڈھلے کہ اس پر مؤمن کامل کا اطلاق ہو، دوسری طرف وہ معاشرے کو ایک خالص اسلامی معاشرے کی شکل میں دیکھنے کے آرزومند تھے جہاں کسی کی حق تلفی نہ ہو، یہاں تک کہ اس معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق کی رعایت بھی ہو اور جانوروں کے حقوق بھی اداء کیے جائیں، اس سلسلے میں ان کی کتابیں ''حیاۃ

المسلمین‘‘ اور ’’آداب معاشرت‘‘ نہایت اہمیت کی حامل ہیں اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں کتابیں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا اسلامی دستور العمل ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

یوں تو حضرت تھانویؒ کی تمام زندگی جدوجہد سے عبارت ہے اور ان کے قلم سے نکلی ہوئی ہر کتاب خواہ کسی بھی فن کی ہو گنجینۂ علوم ومعارف ہے مگر ان کا جو تجدیدی کارنامہ ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کو جو در اصل تزکیہ واحسان کا دوسرا نام ہے غیر اسلامی اثرات سے پاک وصاف کیا اور اسے اس کی اصل شکل میں لاکر پیش کیا، انھوں نے یہ تجدیدی عمل محض نظری اور علمی سطح پر ہی انجام نہیں دیا بلکہ اسے عملی طور پر بھی زندہ ومستحکم کیا، تزکیہ واحسان کی بگڑی ہوئی شکل کو لوگ تصوف سمجھنے لگے تھے اور یہ خیال عام تھا کہ جو شخص پراگندہ حال اور پراگندہ خیال نظر آئے وہ صوفی ہے، جو نہ کسی فکروذکر کا پابند ہوتا ہے اور نہ عمل وعقیدت کا، عام طور پر یہ جملہ مشہور تھا کہ ’’ان الصوفی لامذهب له‘‘ اسی لیے رہبانیت اور برہمن ازم کو لوگ تصوف سمجھتے تھے، حضرت تھانویؒ نے اس فریب کا پردہ چاک کیا، اور تصوف کو اس کی صاف ستھری شکل میں پیش کیا اور اسے ایک ایسے فن کی شکل دی جس کی ہر اصل قرآن وسنت سے مأخوذ اور ہر فرع صحابہ وتابعین کی زندگی میں موجود ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی فن تصوف میں بے شمار کتابیں ہیں، خاص طور پر ’’تربیة السالک‘‘، ’’کمالات اشرفیه‘‘، قصد السبیل‘‘، ’’التکشف بمعرفة احادیث التصوف‘‘، شریعت و طریقت‘‘، ’’اشرف الطریقة فی الشریعة و الحقیقة‘‘ وغیرہ نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

حضرت تھانویؒ نے فرقہ باطلہ کے افکار وخیالات کے رد میں بھی بہت کچھ لکھا ہے، خاص طور پر نیچریوں کے سلسلے میں، نیچری وہ لوگ تھے جو صرف ان احکام کو مانتے تھے جو طبع وعقل کے عین مطابق ہوں، یہ لوگ معتزلہ سے ملتے جلتے لوگ تھے، معجزات کا انکار کرتے تھے، قرآنی آیات میں تحریف کرکے اپنے مطلب کے مفاہیم پیش کرتے تھے، ملائکہ، شیطان، جنت و دوزخ، عذاب، قبر، تقدیر، جن، سحر وغیرہ کا کھلم کھلا مذاق اڑاتے تھے، نیچریوں کی جو کتابیں بھی منظر عام پر آئیں حضرت تھانویؒ نے سب کا جائزہ لیا اور ان کے جوابات تحریر کیے، ’’امداد الفتاویٰ‘‘ جلد ۶ میں نیچریوں کے عقائد اور ان کا رد موجود ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بہائی فرقے کے رد میں ’’الحجة النهاية علی المحجة البهائیه‘‘ نامی رسالہ لکھا، قادیانیت کے سلسلے میں ’’الخطاب الملیح في تحقیق المهدی المسیح‘‘ اور آغا خانیوں کے معتقدات کی تردید میں ’’الحکم الحقانی في الحزب الآغا خانی‘‘ نامی کتابیں تحریر فرمائیں۔

علامہ کشمیریؒ اور مسلک دیوبند:

مسلک دیوبند کے تحفظ وفروغ کے لیے محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے اپنے منفرد اسلوبِ تدریس کے ذریعے فقہ حنفی کی عمارت کو اس قدر مضبوط و مستحکم کیا کہ بہ طور تحدیث نعمت خود فرمایا کرتے تھے کہ آئندہ سو سال تک اس کے متزلزل ہونے کی کوئی امید نہیں ہے، ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ مجھے فقہ حنفی میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ملا جس کے لیے مضبوط دلائل موجود نہ ہوں اور اگر کوئی ایسا مسئلہ ملا بھی تو وہاں دوسرے ائمہ بھی خاموش نظر آئے۔ (نفحة العنبر في هدى الشيخ انور مولفہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ: ص ۹۰) بعض مشہورۃ ومعروف مسائل پر آپ نے گراں قدر کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن میں سے ایک "نيل الفرقدين في مسألة رفع اليدين" ہے۔ اختلافی مسائل کے سلسلے میں حضرت علامہ کشمیریؒ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جن مسائل میں توسع ممکن ہو اس سے گریز نہ کیا جائے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فیض الباری: ج ا، ص ۳۵۱) 'نیل الفرقدین' کی عمارت اسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر تعمیر کی گئی ہے، اس قول سے ان لوگوں کے الزام کی نفی ہوتی ہے جو علمائے دیوبند پر مذہبی تعصب اور مسلکی تشدد کا الزام عائد کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اکابرین میں نہ تعصب ہے اور نہ شدت بلکہ وہ مسائل پر دلائل کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں۔

حضرت علامہ کشمیریؒ نے قادیانیت کی تردید میں بھی زبان وقلم کے ذریعہ مثالی کردار ادا کیا ہے، آپ ہی نے سب سے پہلے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عام میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ قادیانیت کے خلاف عربی زبان میں رسائل تیار کرا کے مصر وعراق اور دوسرے مسلم ممالک میں ارسال کیے جائیں تاکہ وہاں اس فتنے کا قلع قمع ہو سکے۔ ("تصویرا نور، مضمون مولانا مفتی شفیع عثمانیؒ: ص ۴۰۳) اس فتنے کے استیصال کے لیے آپ سالہا سال تک قادیان کی سرزمین پر منعقد ہونے والے جلسوں میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ممتاز تلامذہ کی ایک جماعت کے ساتھ جس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ وغیرہ حضرات تھے۔ فیروز پور پنجاب کے تاریخی مناظرے میں شرکت فرمائی اور قادیانیوں کو ان ہی کے علاقے میں ان ہی کے شرائط پر مناظرہ کر کے شکست دی، مقدمۂ بھاولپور میں حضرت کشمیریؒ کی شرکت ایک تاریخی واقعہ ہے جو ۱۳۵۰ھ میں پیش آیا، اس مقدمے میں حضرت کشمیریؒ کے مدلل بیانات نے انگریز عدالت کو قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر مجبور کر دیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت شاہ صاحب کا

پرشوکت عالمانہ بیان جو کمرۂ عدالت میں ہوا اس کی اصل کیفیت تو صرف ان ہی لوگوں کے دل سے پوچھئے جنھوں نے یہ منظر دیکھا ہے اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا مختصر یہ کہ اس وقت کمرۂ عدالت دارالعلوم دیوبند کا دارالحدیث نظر آتا تھا، عدالت اور حاضرین پر ایک سکتے کا عالم تھا، علوم ربانی کے حقائق و معارف کا ایک دریا تھا جو اُمڈا چلا آتا تھا۔ (تصویر انور: ص ۴۱۳) قادیانیوں کے سلسلے میں بعض لوگوں کو یہ شبہ تھا کہ اہل کلمہ اور اہل قبلہ کافر کیسے ہو سکتے ہیں، علماء نے اس موضوع پر کافی کچھ کلام کیا ہے، حضرت علامہ کشمیریؒ نے اس شبہے کے ازالے پر ''اکفار الملحدین والمتأولین فی شیئ من ضروریات الدین'' کے نام سے بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی، اسی طرح حیات ونزول مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی آپ نے ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی جس کا نام ہے ''عقیدۃ الاسلام في نزول عیسیٰ علیه السلام''، اسی موضوع پر آپ کی ایک اور کتاب ''التصریح بما تواتر في نزول المسیح'' ہے، جو ڈاکٹر عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ عالم عرب سے چھپ چکی ہے، مفتی شفیع صاحب عثمانی نے علامہ کشمیریؒ کی تصانیف کے متعلق لکھا ہے کہ ''حضرت شاہ صاحب کی تقریر وتحریر کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک ایک مسئلہ کے ضمن میں کتنے علوم ومعارف کے ابواب آ جاتے ہیں۔ (تصویر انور: ص ۴۱۶)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور مسلک دیوبند

مسلک دیوبند کے تحفظ کے سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمات بھی نظرانداز نہیں کی جاسکتیں، یوں تو آپ کی تمام زندگی اپنے اُستاد حضرت شیخ الہندؒ کے ادھورے کام کو مکمل کرنے میں گزری، آپ صحیح معنی میں اپنے اُستاذ کے سیاسی اور علمی جانشین تھے، مسلک دیوبند سے آپ کا تعلّق والہانہ تھا، اس کے خلاف کبھی کوئی بات سنتے دیکھتے یا پڑھتے تو بلاخوف لومۃ لائم اس کی تردید کرتے، چنانچہ بریلوی فرقے کے بانی احمد رضا خاں صاحب نے جب علمائے دیوبند کی عبارتوں کو خلط ملط کر کے ایک استفتاء مرتب کیا اور علمائے عرب سے اس کا جواب حاصل کر کے حسام الحرمین کے نام سے شائع کیا تو آپ اس وقت مدینہ منورہ میں مقیم تھے، آپ کو اس سازش کا علم ہوا تو آپ نے حرمین شریفین کے علماء کے سامنے صحیح عبارتیں پیش کیں اور انھیں حقیقت سے آگاہ کیا، اپنی خودنوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں ''جب یہ تحریر شیخ عبدالقادر شیبی طرابلسی کے پاس پہنچی تو انھوں نے مجھ کو بلا بھیجا، اور یہ رسالہ دکھلایا میں نے ان کو حقیقۃ الامر سے مطلع کیا، اور پھر امین الفتویٰ شیخ عمر حماد مرحوم کے پاس گیا اور تحذیر الناس اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ کی عبارتیں دکھلائیں تو انھوں نے بہت افسوس کیا، پھر مفتی احناف آفندی تاج الدین الیاس

مرحوم کے پاس پہنچا اور ان سے تمام حقیقت بیان کی انھوں نے بھی افسوس کا اظہار کیا۔ (نقش حیات جلد ا ص ۱۱۷)

جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار و خیالات میں پائی جانی والی کج روی اور بے اعتدالی کو جس شدت کے ساتھ حضرت مدنیؒ نے محسوس کیا اس شدت کے ساتھ کسی اور عالم نے محسوس نہیں کیا، مولانا مودودی کے نظریات کی تردید کو زندگی کے آخری ایام میں آپ نے اپنا مشن بنالیا تھا، اس سلسلے میں آپ نے خود بھی کئی رسالے تحریر فرمائے اور اپنے تلامذہ سے بھی لکھوائے، آپ ہی کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند میں مولانا مودودی کے لٹریچر کا جائزہ لینے اور جواب دینے کے لیے باقاعدہ شعبے کا قیام عمل میں آیا، تقسیم ہند کے بعد جماعتِ اسلامی کے بچے کھچے لوگوں نے اعظم گڑھ ضلع کے مدرسہ الاصلاح سرائے میر کو اپنا مرکز بنالیا تھا، حضرت مدنیؒ سال میں ایک مرتبہ اس علاقے میں ضرور تشریف لے جاتے، اور مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں جمعہ کی نماز کے بعد جماعت اسلامی کی گمراہیوں پر طویل طویل تقریریں فرماتے، مسلسل تشریف آوری کی وجہ سے علاقے میں جماعت اسلامی کے اثرات بہت زیادہ نہیں بڑھ سکے (مآثر شیخ الاسلام ۴۶۶) ایک مرتبہ آپ نے جماعت اسلامی کے امیر کو تحریر فرمایا ''آپ کی تحریکِ اسلامی خلافِ سلف صالحین مثل معتزلہ، خوارج، روافض، جہمیہ وغیرہ فرق قدیمہ اور مثل قادیانیت، چکڑالوی، مشرقی، نیچری، مہدوی بہائی وغیرہ فرق جدیدہ ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے، اور اس کی طرف لوگوں کو کھینچ رہی ہے اور ان اصول وقواعد پر مشتمل ہے جو اہل سنت والجماعت اور اسلاف کرام کے خلاف ہیں۔ (مآثر شیخ الاسلام ص ۴۶۷)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ اور مسلک دیوبند:

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے نہ صرف یہ کہ مسلک دیوبند کو مدوّن و مرتب کیا بلکہ اسے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا اور لوگوں کو اس سے روشناس کرایا، بہت سی جگہوں پر آپ کی تقریروں کے اثر سے لوگوں نے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر مدارس قائم کیے، بمبئی میں اس قدر بدعت تھی کہ کوئی سنت کا نام لینے والا نہیں تھا، ان دنوں علمائے دیوبند بمبئی میں علی الاعلان داخل نہیں ہو پاتے تھے، حکیم الاسلام نے اپنی تقریروں کے ذریعے بریلویوں کے اثرات کم کیے، اس طرح بمبئی میں علمائے دیوبند کی آمد و رفت شروع ہوئی اور جلسوں تقریروں کا سلسلہ چلا اسی لیے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ صاحب آپ کو فاتح بمبئی کہا کرتے تھے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آپ کا فی البدیہہ تاریخی خطاب ''سائنس اور

اسلام‘‘ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں آپ نے سائنس کے سلسلے میں اسلام کے موقف کو واضح کیا اور دہریوں و نیچریوں کے مقابلے میں اہل سنت و الجماعت کا نقطۂ نظر دلائل سے ثابت کیا، مسلک دیوبند کے تحفظ کے لیے میری نظر میں آپ کی سب سے بڑی خدمت وہ عظیم الشان اور عہد آفریں تصنیف ہے جو آپ کی وفات کے بعد ’’علمائے دیوبند کا دینی رخ اور اُن کا مسلکی مزاج‘‘ کے نام سے شائع ہوئی، آپ نے اس کتاب میں مسلک دیوبند کی جہات اربعہ کی تحدید فرمائی اور بتلایا کہ اہل سنت و الجماعت کی کیا تعریف ہے اور اس دور میں اس کے مصداق کون لوگ ہیں، اس ضمن میں حضرت نے دین کے تمام عملی ونظریاتی شعبوں میں علمائے دیوبند کی جامعیت اور اعتدال پر شرح وبسط کے ساتھ کلام فرمایا، اگر چند لفظوں میں اس مفصل کلام کا خلاصہ کیا جائے تو خود حضرت کے الفاظ میں وہ اس طرح ہوگا کہ وہ (علماء دیوبند) دیناً مسلم ہیں، فرقۃً اہل سنت والجماعت ہیں، مذہباً حنفی ہیں، کلاماً ماتریدی واشعری ہیں، مشرباً صوفی ہیں، سلوکاً چشتی ہیں بلکہ جامع سلاسل ہیں، فکراً ولی اللہی ہیں، اصولاً قاسمی ہیں، فروعاً رشیدی ہیں، بیاناً یعقوبی ہیں، اور نسبتاً دیوبندی ہیں۔ (ص ۱۸۹)

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ اور مسلکِ دیوبند:

تاسیس دارالعلوم دیوبند سے لے کر اب تک مسلکِ دیوبند سے کے تحفظ اور اس کے فروغ کے لیے لگا تار کوششیں جاری ہیں، اس ادارے کے فیض یافتہ چاہے انھوں نے براہِ راست اس سے استفادہ کیا ہو یا بالواسطہ وہ سب اپنی ہمّت و وسعت کے بہ قدر اپنے اپنے دائرۂ کار میں مصروفِ عمل ہیں، اور جب تک علم کی یہ سلطنت آباد رہے گی اسی طرح مصروف عمل رہیں گے، ان مختصر صفحات میں ان سب کی خدمات کا احاطہ کرنا تو کجا اُن کی طرف اشارہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے، بے شمار شخصیتیں ہیں جو ڈیڑھ سو سال کی اس طویل مدت میں پیدا ہوئیں اور قصّہ پارینہ بن گئیں، ہزاروں نام ہیں جو اپنی خدمات کے ساتھ تاریخ کا حصّہ بن چکے ہیں، ہم نے ان ہزاروں ناموں اور اَن گنت شخصیتوں میں سے صرف چند کا بہ طور خاص ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ہی چند نامہ اور شخصیتیں علم کے اس تاج محل کی بنیاد ہیں، اور یہ ہی اس کے بلند مینارے ہیں، ان ہی سے ہماری تاریخ کا ہر صفحہ تابناک اور ہر عنوان روشن ہے، ایسا ہی ایک تاریخ ساز نام ہے فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا جن کے ذکر جمیل کے لیے یہ محفل سجائی گئی ہے، آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، لیکن ان کی خدمات کی قندیلیں آنے والی نسلوں کے لیے سرِ رہ گزر روشن ہیں۔

مسلک دیوبند ایک وسیع نظریے اور عمل کا نام ہے، یہی وجہ ہے کہ اکابرین دیوبند نے اپنی

خدمات کے دائرے کو محدود نہیں رکھا، بلکہ انھوں نے اپنے زمانے کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر اپنے اپنے ذوق کے مطابق کام کیا، کسی نے درس وتدریس کے ذریعے، کسی نے تصنیف وتالیف کے ذریعے، کسی نے وعظ وخطابت کے ذریعے، کسی نے بیعت وارشاد کے ذریعے اور کسی نے قیادت وسیادت کے ذریعے اس نظریے اور عمل کو تسلسل عطا کیا، بہت سے اکابر نے اپنی خدمات کی کئی کئی جہتیں متعین کیں اور ہر محاذ پر کامیاب رہے، حضرت مولانا اسعد مدنی کا شمار بھی ہمارے ایسے ہی اکابر میں ہوتا ہے جنھوں نے نظریے اور عمل کے اس سلسلے کو ایک سے زائد جہت میں آگے بڑھایا، وہ بہ یک وقت مربی ومرشد بھی تھے، اور واعظ وخطیب بھی، ملّی رہنما بھی تھے اور سیاسی قائد بھی، حضرت مولانا بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، وہ سیاست وشریعت کو ایک ساتھ لے کر چلے، ان پر کبھی یہ الزام نہ لگ سکا کہ وہ دونوں کے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں یا دونوں میں سے کسی ایک پر ان کی گرفت کمزور ہے، وہ بہ یک وقت ماہر سیاستداں بھی تھے اور شریعت کے رمز شناس بھی، یہ ان کا بڑا کمال تھا، اور ہمارے زمانے میں کوئی شخص اس کمال کے اندر ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

آیئے مسلک دیوبند کے تحفظ اور فروغ کے حوالے سے اُن کی خدمات کا جائزہ لیں، سردست ہم حضرت مولانا کی ان خدمات کو دو حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں، ایک مسلک کی اشاعت اور اس کا فروغ اور دوسرا مسلک کا دفاع اور اس کا تحفظ۔

وعظ وتقریر کے ذریعے مسلک کی اشاعت:

مسلک کی اشاعت اور اس کے فروغ کے لیے حضرت مولانا کی جدوجہد کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ انھوں نے پوری دنیا میں اس مسلک کو اپنے افکار وخیالات اور کردار وعمل کے ذریعے متعارف کرایا، وہ جہاں گئے انھوں نے اپنی گہری چھاپ چھوڑی اور لوگوں نے ان کے پیکر میں اکابرین دیوبند خاص طور پر ان کے والد بزرگوار شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے کمالات کو مجسم شکل میں دیکھا اور محسوس کیا، جدوجہد کی دنیا میں سرگرم عمل ہونے کے بعد شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جس دن انھیں اپنے حلقۂ ارادت وعقیدت سے وابستہ لوگوں کو مخاطب کرنے کا موقع نہ ملا ہو، مجمع کیسا بھی ہو، طلبہ کا ہو یا اساتذہ کا، عوام کا ہو یا خواص کا، غریبوں کا ہو یا امیروں کا، انھوں نے ہمیشہ صاف گوئی سے کام لیا، مخاطبین میں جو کمزوری دیکھی برملا اس کا اظہار کیا، اس کے ازالے کی تدبیریں بتلائیں، جس طرح ایک ماہر ڈاکٹر مریض کی صحت کو مقدم رکھتا ہے وہ اسے پہنچنے والی وقتی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتا، اگر ضرورت نشتر زنی کی ہوتی ہے تو بلا تکلف نشتر زنی کرتا ہے، بالکل ایسا

ہی حضرت مولانا کا معاملہ تھا، شریعت کے باب میں مجاملت یا مداہنت ان کے مزاج میں نہیں تھی، جرأت کے ساتھ صاف گوئی، اور بے باکی کے ساتھ حقیقت کا اظہار، زندگی بھر اس اصول پر کار فرما رہے، اور یہی مسلکِ دیوبند کا وہ امتیاز ہے جس نے اس کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

قیام مدارس کے ذریعے مسلک کی اشاعت:

مسلک کی اشاعت اور اس کے فروغ کے لیے حضرت مولانا کی جدوجہد کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انھوں نے قیام مدارس کو ایک تحریک کی شکل دی، ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، اس کے اساسی مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے مختلف مقامات پر عربی دینی مدارس قائم کیے جائیں اور دارالعلوم سے ان کا الحاقِ عمل میں لایا جائے، ہمارے بزرگوں نے اس مقصد کو نظر میں رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج برصغیر میں ہر جگہ مدارس کا ایک جال بچھا ہوا ہے، حضرت مولانا نے ملّی اور ملکی مسائل کے بے پناہ ہجوم اور مسلسل اسفار کے باوجود مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ کے قیام سے دلچسپی لی، بلکہ دینی تعلیم کو عام کرنے کے لیے جمعیۃ علماء کے زیرِ انتظام ایک دینی تعلیمی بورڈ تشکیل دیا۔

مدارس کے مسائل سے حضرت کو بڑی دلچسپی تھی، وہ مدارس کے مفادات کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے، منتظمین مدارس کو تاکید فرماتے کہ نقصان دِہ چیزوں سے بچیں، سرکاری امداد زہر قاتل ہے، اس سے اجتناب کریں، مدرسوں کا حساب وکتاب آئینے کی طرح صاف شفاف رکھیں تاکہ عوام میں بدنامی نہ ہو اور سرکاری مداخلت سے بچا جا سکے، حضرت مولانا چاہتے تھے کہ مدارس کا عوام سے گہرا تعلّق ہو اس سلسلے میں یہ مشورہ دیا کرتے تھے کہ محلّے کی مسجدوں میں تفسیر قرآن کا نظم کریں، مدارس کے زیرِ انتظام اصلاحی اجتماعات منعقد ہوں اور ان میں عوام کو شریک کیا جائے، حضرت مولانا نے مدارس میں تعلیمی وتربیتی اُمور پر توجہ مرکوز رکھنے کی ہمیشہ تاکید کی، اور مدارس کا جو اصل طرۂ امتیاز رہا ہے یعنی اخلاقی وروحانی تربیت اس کو ماضی کی تمام تر روایات کے ساتھ باقی رکھنے پر زور دیا، حضرت مولانا چاہتے تھے کہ علماء سادگی، قناعت پسندی اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ زندگی گزاریں، مدارس عربیہ کے ایک کل ہند اجتماع میں جو ۱۲ر جون ۱۹۹۷ء میں منعقد ہوا فرمایا ''اگر للّٰہیت اور اخلاص کے بجائے دنیا پیش نظر ہو اور حصول دنیا کے نتیجے میں اللہ کی طرف توجہ اور تعلّق کم ہو جائے تو خیر وبرکت اُٹھ جائے گی، اور دنیا کے فساد، جھگڑے اور نفس پرستی کا غلبہ ہوتا چلا جائے گا، اس لیے مدارس کے حضرات کو محاسبہ کرنا اپنی نیتوں کو درست کرنا از بس ضروری ہے، ورنہ مقصد نہیں رہے گا، وسیلے کو وسیلہ بناؤ مقصد نہ بناؤ، بناؤ گے تو مقصد کھو جائے گا، اور افادیت باقی

نہیں رہے گی، کوئی للّٰہیت پیدا نہیں ہوگی اللہ کے دین کے خادم پیدا نہیں ہوں گے، کمانے والی مشینیں پیدا ہوں گی۔ (رپورٹ رابطۂ مدارس عربیہ ۱۰۵)

مدارس میں اتحادِ فکر وعمل پیدا کرنے کے لیے، مقاصد میں ہم آہنگی لانے کے لیے اور داخلی وخارجی مسائل سے نمٹنے کے لیے حضرت مولانا چاہتے تھے کہ مدارس اسلامیہ کا ایک مضبوط وفاق تشکیل دیا جائے، چنانچہ حضرت مولانا نے مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسے میں مدارس عربیہ کے کل ہند اجتماع کی تجویز رکھی، مجلس شوریٰ نے ۱۴۱۶ھ میں اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے ایک کل ہند اجتماع منعقد کیا، جس میں نظام تعلیم وتربیت، نصاب تعلیم، مسلم معاشرے کی اصلاح میں مدارس کا کردار، ربط باہمی کا استحکام اور مدارس کے لیے ضابطۂ اخلاق وغیرہ جیسے امور زیرِ بحث آئے، اس اجتماع میں ''رابطۂ مدارس عربیہ'' کے نام سے مدارس کی ایک کل ہند تنظیم قائم کی گئی، اس تنظیم کے اب تک دارالعلوم دیوبند میں ۱۰ بڑے اجتماعات منعقد ہو چکے ہیں ان تمام اجتماعات میں حضرت مولانا بڑے اہتمام کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔ اور بڑے مؤثر انداز میں، اور پوری صاف گوئی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

مسلک دیوبند کا دفاع:

مسلک کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا نے مخالف طاقتوں کے حملوں سے اس کا دفاع بھی کیا اور اسے محفوظ بھی رکھا، جہاں تک مخالف طاقتوں اور قوتوں کا معاملہ ہے ان کی ہمارے ملک میں کمی نہیں ہیں، بعض وہ ہیں جن کی ہم خارجی فتنوں سے تعبیر کرتے ہیں اور جن کا اسلام سے کوئی تعلّق نہیں ہے، اور بعض وہ ہیں جن کی تعبیر داخلی فتنوں سے کی جاتی ہے اور جو خود ہمارے اندر کی پیداوار ہیں ان داخلی اور خارجی فتنوں کے علاوہ بھی ایک فتنہ ہے جسے ہم سرکاری فتنہ کہہ سکتے ہیں، یہ فتنہ ہر دور میں ہمارے مدارس کے لیے ایک چیلنج بن کر اُبھرا ہے، حضرت مولانا نے ان تمام فتنوں کا مقابلہ کیا، مسلک کے تحفظ کی قیمت پر کبھی کہیں بھی کسی بھی مرحلے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا، بعض اوقات مخالفین کی طرف سے شدت پسندی کے الزامات بھی عائد کے گئے مگر انھوں نے کبھی اس طرح کے الزامات کی پرواہ نہیں کی، انھوں نے ہر محاذ کھلا رکھا، اور ایک تجربہ کار فوجی جرنیل کی طرح جنگی حکمتِ عملی کی تیاری سے لے کر محاذ آرائی تک ہر موقع پر اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو تسلیم کرایا۔

سرکاری فتنے سے مسلک کا تحفظ اور دفاع:

حضرت مولانا نے مدارس کے وقار اور کردار پر کبھی آنچ نہیں آنے دی، معاملہ کسی بھی نوعیت

کا ہو، خواہ کسی وزیر کی یا وہ گوئی ہو، یا کسی سرکاری افسر کی الزام تراشی، خواہ مرکزی حکومت کا کوئی حکم نامہ ہو یا صوبائی حکومت کا کوئی سرکلر، خواہ کوئی عدالتی فیصلہ ہو یا محکمہ جاتی تفتیش، خواہ فرقہ پرستوں کی بکواس ہو یا ذرائع ابلاغ کی تشہیر، حضرت مولانا نے ہر بات کا نوٹس لیا، ہر معاملے کو اہمیت دی، ہر مسئلے کو دانش مندی کے ساتھ حل کیا۔

۱۱؍ستمبر کے بعد سے مدارس پر دہشت گردی کے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں، حضرت مولانا نے اپنے اخباری بیانات میں، اپنی عوامی تقریروں میں ان الزامات کو یکسر مسترد کیا، ایک موقع پر فرمایا ''اسلام اور مدارس کا دہشت گردی سے کوئی تعلّق نہیں ہے، ہم دہشت گردی کو کسی طرح کا کوئی تعاون نہیں دیتے، ساری دنیا جانتی ہے کہ ملک میں لاکھوں لوگ ہیں جو دہشت گرد تنظیموں سے جڑے ہوئے ہیں، ناجائز ہتھیار رکھے ہوئے ہیں، ہر طرح کے جرائم کے مرتکب ہیں، اس کی انھیں ٹریننگ دی جاتی ہے، ان کی وجہ سے ملک کا سیکولر کردار خطرے میں ہے، ان کو دہشت گرد کہنے والا کوئی نہیں ہے، لیکن مدارس کو خواہ مخواہ بدنام کیا جارہا ہے۔ (بحوالہ ترجمان دیوبند شمارہ مارچ ۲۰۰۶ء، مضمون مولانا شوکت علی بستوی)

مدارس کو جب جب نشانہ بنایا گیا حضرت مولانا نے اس کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا، ۲۰۰۳ء میں حکومتِ ہند کی وزارتی گروپ نے رپورٹ پیش کی کہ مدرسوں سے ملک کی سلامتی کو خطرہ ہے، آپ نے اس رپورٹ میں مضمر خطرات کو محسوس کیا، پہلے انھوں نے یہ کوشش کی کہ دارالعلوم دیوبند میں تمام مکاتب فکر کے مدارس کا اجتماع منعقد کیا جائے، لیکن جب بعض مکاتب فکر نے دارالعلوم دیوبند کی دعوت قبول کرنے میں پس وپیش کا اظہار کیا تو جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ انتظام ۸؍مارچ ۲۰۰۳ء کو دہلی کی جامع مسجد میں ''تحفظ مدارس'' کے عنوان سے ایک بڑی کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں جماعت اسلامی، اہل حدیث، بریلوی اور دیو بندی مکاتب فکر سے وابستہ مدارس کے ذمہ داروں نے شرکت کی، اسی طرح جب اُتر پردیش کی حکومت نے ایک آرڈنینس کے ذریعے سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں مسلمان طلبہ وطالبات کے لیے وندے ماترم پڑھنا لازمی قرار دیا تو حضرت مولانا کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند میں مدارس عربیہ کے ایک اہم اجلاس منعقدہ ۱۲؍نومبر ۱۹۹۸ء میں اس آرڈنینس کی پرزور مخالفت کی گئی اور اس طرح حکومت اُتر پردیش اسے سرد خانے میں ڈالنے پر مجبور ہوگئی، یہی حشر اُتر پردیش حکومت کے ''پبلک مذہبی عمارات ومقامات ریگولیشن بل ۲۰۰۰ء'' کا ہوا، اس بل کی رو سے حکومت نے مدارس اور مساجد کی تعمیر اور مرمت وغیرہ کے کاموں کو ضلع مجسٹریٹ کی منظوری پر محول کر دیا تھا، اس بل کی مخالفت کے لیے بھی حضرت

مولانا نے دارالعلوم کے ذمہ داروں کو متوجہ کیا، اور مدارس کے ذمہ داروں نے دارالعلوم دیوبند میں جمع ہوکر بہ یک آواز اس بل کو مسترد کیا اور اس کی آئینی حیثیت کو چیلنج کر کے حکومت یوپی کو مجبور کردیا کہ وہ اسے واپس لے۔

حضرت مولانا نے دارالعلوم دیوبند کے وقار اور اس کے مسلک پر کبھی آنچ نہیں آنے دی۔ ''اُترپردیش مادھیمک شکشا سیوابورڈ'' کے مقابلہ جاتی امتحان کے سوال نامے کے دائرے میں دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم تعلیمی ادارے کو لانے کے پس منظر میں بورڈ کے اراکین کی بدنیتی کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا ''تحریکِ آزادی ملک سے ناخواندگی دور کرنے، اور ملک و ملت کی بیداری میں دارالعلوم دیوبند کے تاریخی رول کو انصاف پسند مؤرخ نظر انداز نہیں کرسکتا، مدارس اور مساجد کے کردار کو مجروح کرنے کی مہم عالمی صہیونی تحریک کا حصہ ہے، ہمیں اس کی مزاحمت اور دفاع پوری قوت اور بیدار مغزی کے ساتھ کرنا ہوگا، شکشا بورڈ اور محکمۂ تعلیم کے ان افسران کے خلاف مؤثر اقدامات کیے جائیں جو اس قسم کی شرانگیزی میں ملوث ہیں۔'' (ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' نئی دہلی)

دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتوؤں کی آڑ میں جب بھی میڈیا نے مسلکِ دیوبند کو نشانہ بنایا حضرت مولانا نے اس کی مخالفت کی، بلکہ میڈیا کو آڑے ہاتھوں لیا، اور دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتوؤں کی مکمل تائید کی، چنانچہ مظفرنگر ضلع کی ایک خاتون عمرانہ کے معاملے پر دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام نے جو فتویٰ دیا تھا اور جسے میڈیا نے ٹی وی چینلوں پر اس طرح نشر کیا تھا گویا دیوبندی علماء نے اس فتویٰ کے ذریعے عمرانہ کے ساتھ سخت ناانصافی کی ہو۔ حضرت مولانا نے ایک اخباری کانفرنس میں کسی لاگ لپیٹ کے بغیر کہا ''مسلمانوں کے معاملات کو متنازعہ بنانا کچھ لوگوں کی عادت ہے، شرعی قانون اپنی جگہ ہے، یہ مفتیوں کا اپنا فیصلہ نہیں ہے، بلکہ شرعی قانون کی تشریح ہے، اس فتویٰ پر علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے، علمائے دیوبند ہوں یا علمائے بریلی شرعی احکامات میں کسی کی رائے منقسم نہیں ہے۔'' (روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد، ۳۰ / جنوری ۲۰۰۶ء)

فرق باطلہ کی بیخ کنی:

فرقِ باطلہ کی بیخ کنی آپ کی زندگی کا اہم مشن تھی، جب بھی ان فرقوں نے سر اُٹھایا، اور جہاں بھی ان کے اثرات بڑھتے اور پھیلتے دیکھے حضرت مولانا نے ادنیٰ تامل کے بغیر ان کے ازالے کی تدابیر کیں، حضرت مولانا چاہتے تھے کہ ہمارے اداروں میں رجال سازی پر محنت ہونی چاہیے اور ایسے افراد تیار کیے جانے چاہئیں جو فرق باطلہ کی تردید اور مسلک حق کی تائید کی بھرپور

صلاحیت رکھتے ہوں، اس مقصد کے لیے حضرت مولانا نے دارالعلوم دیوبند میں علمی محاضرات کا سلسلہ شروع کرایا، ماہر اساتذۂ کرام کی خدمات حاصل کی گئیں اور ان سے قادیانیت، عیسائیت، یہودیت، ہندومت وغیرہ مذاہب، اور رضاخانیت، شیعیت، غیر مقلدیت، اور مودودیت جیسے فرقوں کے عقائد ونظریات کی تردید میں محاضرات لکھوائے گئے، دارالعلوم دیوبند میں محاضرات کا سلسلہ اب بھی جاری ہے، اور بڑا مفید سمجھا جارہا ہے۔ حضرت مولانا کی خواہش تھی کہ دوسرے مدارس بھی اس جانب متوجہ ہوں، چنانچہ ۱۲رجون ۱۹۹۷ء کو منعقد ہونے والے مدارس اسلامیہ کے اجلاس میں خطاب کے دوران فرمایا ”ہر مدرسے میں جمعہ کو دو گھنٹے اس کے لیے مخصوص کریں، اور طلبہ کو معلومات دیں، دارالعلوم میں کئی سال سے شعبہ قائم ہے، کتابیں حاصل کریں، مشورہ کریں، اور پورے عزم کے ساتھ تعلیمی اور تدریسی کاموں کے ساتھ فرق باطلہ کی تردید کا کام بھی شروع کردیا جائے۔“ (رپورٹ رابطۂ مدارس عربیہ ۱۱۴)

عیسائیت کے خلاف سرگرم عمل:

اس میں شک نہیں کہ اسلام اس وقت سازشوں کے نرغے میں ہے، یہ سازشیں تمام اسلام مخالف طاقتیں اپنی پوری قوت کے ساتھ کررہی ہیں، ان میں ہنود بھی ہیں اور نصاریٰ بھی، اگرچہ یورپ اور امریکہ جیسے ممالک میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگ تعلیم یافتہ ہیں، اچھے بُرے میں تمیز کرسکتے ہیں، جبکہ ہندوستان میں جہالت نے لوگوں کے فکر کے سوتے خشک کردیے ہیں اور وہ اچھے بُرے میں کوئی فرق نہیں کرپاتے، پھر غربت نے ہندوستان کی ایک بڑی آبادی کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے، بہت سے لوگ مذہب کو بھی معاش سے جوڑ کر دیکھتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں میں کام کررہی ہیں عیسائی مشنریز، جہالت کے باعث مسلمانوں میں دین کی زیادہ سمجھ نہیں ہے، بعض علاقوں میں تو صرف نام کے مسلمان رہتے ہیں، نماز روزہ بھی کوئی چیز ہے نہ وہ جانتے ہیں اور نہ جاننے کی ضرورت سمجھتے ہیں اور نہ کوئی ان چیزوں کو سمجھانے کے لیے ان تک پہنچ پاتا ہے، یہ صحیح ہے کہ بہت سی جگہوں پر مدارس قائم ہیں اور وہاں تبلیغی جماعتوں کی آمد ورفت ہے، مگر اب بھی بہت سی جگہیں ایسی ہیں جہاں نہ مدارس قائم ہیں اور نہ تبلیغی جماعتیں وہاں پہنچ پاتی ہیں وہاں کی صورتِ حال بڑی خراب ہے ایسے تمام علاقوں میں عیسائی مشنریز نے اپنا جال بچھا دیا ہے یہ علاقے وہ ہیں جہاں معاشی بدحالی اور اقتصادی ابتری بہت زیادہ ہے، وہاں کے باشندے زندگی کی ہر آسائش سے محروم ہیں، نہ کھانے کے لیے معقول غذا ہے نہ رہنے کے لیے مکان ہے، نہ پینے کے لیے صاف ستھرا پانی، نہ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا

ہے، عیسائی مشنریز ایسے ہی علاقوں کا انتخاب کرتی ہیں، وہ لوگوں کو پیٹ بھر کھانا دیتی ہیں، سر چھپانے کے لیے مکان دیتی ہیں، بدن ڈھانپنے کے لیے کپڑا مہیّا کرتی ہیں، علاج معالجے کے لیے دوائیں بہم پہنچاتی ہیں، تعلیم کے لیے اسکول کھولتی ہیں اور بدلے میں صرف یہ چاہتی ہیں کہ وہ لوگ اپنا مذہب ترک کردیں اور عیسائی ہوجائیں۔ یہ صورتِ حال اُڑیسہ، بنگال، آندھرا، کیرالہ اور گجرات کے پس ماندہ علاقوں میں ہے۔ بنگلہ دیش میں بھی عیسائی مشنریز وہاں کے لوگوں کی غربت اور جہالت سے فائدہ اُٹھارہی ہیں، حضرت مولانا جہاں گرد آدمی تھے، حالات پران کی گہری نظر تھی، اس صورتِ حال سے وہ ہمیشہ بے چین رہتے تھے، اور اپنی نجی مجلس میں، اور عوامی تقریروں میں اس افسوسناک پہلو پر اپنے غم اور تکلیف کا اظہار کرتے تھے۔ غالبًا ایسا ہی کوئی تکلیف دہ واقعہ یا اذیت ناک احساس ہوگا جس کی وجہ سے حضرت مولانا کو عیسائیت کے رد کے لیے علماء کو تربیت دینے کا خیال آیا، چنانچہ ان کی تجویز پر ۴، ۵؍جولائی ۲۰۰۱ء کو دارالعلوم دیوبند میں دوروزہ تربیتی کیمپ کا انعقاد عمل میں آیا اس اجتماع میں ۱۶۲ علماء نے شرکت کی، اور ردِّ عیسائیت کے طورطریقوں کی تربیت حاصل کی کیمپ کے اختتام پر شرکاء کو اسناد بھی تقسیم کی گئیں، اس دوروزہ کیمپ میں اگرچہ حضرت مولانا اپنی طبیعت کی ناسازگاری کے باعث بنفس نفیس شرکت نہ فرماسکے مگر انھوں نے ایک تفصیلی پیغام روانہ کیا، جو اس اجتماع میں پڑھا گیا، اس پیغام سے ان کے اندرونی کرب کا اظہار ہوتا ہے، یہ ایک طویل پیغام ہے اس میں آپ نے عیسائیوں کے باطل نظریات و غلط عقائد اور تبلیغ کے سلسلے میں ان کا طریقۂ کار بھی تحریر فرمایا، اس طویل پیغام کا ایک مختصر اقتباس حسبِ ذیل ہے:

”ہم آپ کے علم میں لانا چاہتے ہیں کہ موجودہ دور میں عیسائی مشنریاں، انگلش میڈیم اسکول، کالج، ہسپتال، عورتوں کی سماجی تنظیمیں بنا کر، نیز غلہ پیسہ دے کر اور چھوٹی صنعتیں قائم کرکے عیسائیت کے فروغ کے لیے کام کررہی ہیں، تعلیم کے نام پر غریب اور معاشی طور پر کمزور، دین سے دور مسلمانوں سے بچے مانگ کر اپنے قائم کردہ تعلیمی اداروں میں داخل کرلیتے ہیں اور مختلف طریقوں سے انھیں عیسائیت کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ عام طور پر ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ عیسائی مشنریاں اسکول قائم کرکے ناخواندگی کو دور کرنے میں بڑی معاون ثابت ہورہی ہیں، لیکن درحقیقت تعلیم کا فروغ قطعاً مقصود نہیں بلکہ عیسائیت کی ترویج واشاعت مقصود ہے، اگر مقصود تعلیم ہے تو مسلمانوں کی طرف سے قائم کیے جانے والے مسلم انگلش میڈیم اسکولوں کی مخالفت عیسائی مشنریاں کیوں کررہی ہیں۔

جب مشرقی پاکستان بنا تو کل عیسائی آبادی چھ ہزار تھی، لیکن جب پاکستان سے بنگلہ دیش وجود میں آیا تو عیسائیوں کی تعداد پچاس لاکھ ہوگئی، اور اس وقت بنگلہ دیش میں ایک کروڑ سے زائد عیسائی ہیں، وہاں بڑی تعداد میں عیسائی ادارے تنظیمیں بن چکی ہیں۔'' (بحوالہ ترجمان دیوبند شمارہ اگست ۲۰۰۱ء، مضمون مولانا مصلح الدین قاسمی)

اس کیمپ کا اچھا اثر اہوا، اور الحمد للہ کئی علاقوں میں فضلائے دیوبند ایسے لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لیے کام کر رہے ہیں جو عیسائی مشنریز کے فریب میں آ کر مرتد ہو گئے تھے۔

فتنۂ قادیانیت کا تعاقب:

قادیانیت کا فتنہ کوئی نیا فتنہ نہیں ہے، اس کا آغاز مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت و مسیحیت کی شکل میں ۱۸۸۰ء کے آس پاس ہوا، اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء اور منتسبین کو اس کی توفیق دی کہ وہ اس فتنے کا استیصال کریں، چنانچہ کتابوں کے ذریعے، تحریروں تقریروں ومناظروں کے ذریعے یہاں تک کہ عدالتی مقدمات کے ذریعے اس فتنے کا بڑی حد تک خاتمہ کر دیا گیا، ۱۹۴۷ء کے بعد بچے کھچے قادیانیوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز پاکستانی قصبے ربوہ کو بنایا، کچھ دن چھپ کر، اور پھر علی الاعلان انھوں نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا، علمائے دیوبند نے پاکستان میں بھی اس کا تعاقب کیا، اور اللہ کے فضل سے پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں انھیں غیر مسلم قرار دے دیا، ۱۹۸۶ء میں جنرل ضیاء الحق مرحوم صدر پاکستان کے ایک آرڈیننس سے گھبرا کر قادیانیوں کا موجودہ سربراہ مرزا طاہر لندن بھاگ گیا، اب یہ لوگ ہندوستان کی موجودہ سیاسی صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر واپس اپنے قدم جما رہے ہیں، مگر ہمارے علماء بھی غافل نہیں ہیں، انھیں احساس ہے کہ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے، اسی مقصد کے لیے دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ اور دوسرے اکابر کے مشورے سے ۱۹۸۷ء میں سہ روزہ عالمی ختم نبوت کا اجلاس ۲۹ تا ۳۱، اکتوبر منعقد کیا گیا اور باقاعدہ ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا قیام عمل میں آیا، اس اجتماع کے انعقاد پر ڈاکٹر عبداللہ عمر النصیف (سابق جنرل سکریٹری رابطۃ العالم الاسلامی) نے فرمایا تھا ''میں دارالعلوم دیوبند کو اس اہم ترین اقدام کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں، درحقیقت دارالعلوم کے بزرگوں نے ہندوستان میں قادیانیت کے مہیب فتنے اور اس کی ازسرِنو کوششوں کو ختم کرنے کے لیے عالمی سطح پر یہ اجلاس منعقد کر کے اپنی بیدار مغزی کا مظاہرہ کیا ہے'' (رپورٹ رابطۂ مدارس عربیہ ص ۸۷) مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کا ایک فعال ادارہ ہے، جو ملکی سطح پر قادیانیوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے، بیس سال کی اس طویل مدت میں مجلس کو

حضرت مولانا کی مکمل سرپرستی حاصل رہی، اسی دوران دارالعلوم دیوبند میں اس کے لگ بھگ ۱۰ بڑے اجتماع منعقد ہوئے ہیں ان تمام اجتماعات میں حضرت بنفس نفیس شریک ہوتے رہے ایسے ہی ایک اجتماع منعقدہ ۱۴؍دسمبر ۱۹۹۵ء میں ارشاد فرمایا۔

''مرزا غلام احمد قادیانی جدّی طور پر برطانیہ کا ایجنٹ اور مسلمانوں کا دشمن رہا ہے اس نے مسلمانوں کو انگریزوں کا غلام بنانا چاہا۔ آیات واحادیث میں غلط قسم کی بے ہودہ تاویلیں کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اسلام میں جہاد منسوخ ہو چکا ہے قادیانی عام طور پر ناخواندہ اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقے کو اپنا شکار بناتے ہیں الحمدللہ علمائے دیوبند نے شروع ہی میں اس فتنے کی زہرناکیوں کو محسوس کیا اور اس کے تعاقب وتردید کے لیے بھی پوری کوششیں صرف کردیں۔ آخر میں آپ نے فرمایا: کہ یہ مسئلہ ارتداد وایمان کا ہے کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے اس لیے اس کی سرکوبی میں ہم لوگوں کو پوری کوشش کرنی چاہیے۔'' (رابطہ مدارس عربیہ ص ۹۸)

غیر مقلدین کے خلاف جدوجہد:

انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں کو کئی تحفے دیے تھے جن میں سے ایک رضاخانیت کی شکل میں تھا، دوسرا قادیانیت کی صورت میں اور تیسرا غیر مقلدیت کے لباس میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریز مسلمانوں ہی کو اپنا حریف سمجھتے تھے ایک طرف تو ان کے مدرسے ختم کیے جو ان کی طاقت کا اصل سرچشمہ تھے، دوسری طرف ان میں فرقہ بندی کو فروغ دیا، بریلی کے احمد رضا خاں کو قبوری شریعت کا علم دے کر کھڑا کیا اور اس نے صحیح العقیدہ مسلمانوں پر تکفیر کے گولے برسانے شروع کیے، قادیان کے غلام احمد کے ذریعے عقیدۂ ختم نبوت کو نشانہ بنایا جو اسلام کی بنیاد اور اساس ہے، اتباع سنت اور عمل بالحدیث کے نام پر شروع ہونے والی ایک ایسی تحریک کی سرپرستی کی جو دراصل فقہ میں آزادانہ روش کی خواہش رکھتی تھی۔ اسے کسی امام مجتہد کی فقہی پابندیوں میں جکڑ کر رہنا گوارا نہیں تھا۔ پہلے اس تحریک سے وابستہ لوگ موحدین کہلاتے تھے، پھر انگریزوں نے اپنی وفاداری کے انعام کے طور پر انھیں اہل حدیث کے خطاب سے سرفراز کیا اور اب وہ ساری دنیا میں اس خطاب کو بہ طور تمغہ سینے پر سجائے اس طرح پھرتے ہیں جیسے روئے زمین پر اگر حدیث کے سچّے خادم اور محافظ ہیں تو ہم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں تحریکوں سے اسلام، مسلمان اور ہندوستان کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے اپنے آغاز ہی سے ان تحریکوں کے خلاف سرگرم رول ادا کیا ہے اور

یہی وجہ ہے کہ دار العلوم دیوبند اور اکابر دار العلوم دیوبند ان تینوں تحریکوں کے نشانے پر رہے ہیں، احمد رضا خاں بریلوی نے عالم اسلام میں دار العلوم کی نیک نامی کو مجروح کرنے کے لیے علمائے دیوبند کی کتابوں سے چند عبارتیں سیاق وسباق سے الگ کرکے ایک استفتاء مرتب کیا اور اسے عالم عرب کے علماء کے سامنے پیش کر کے کفر کا فتویٰ حاصل کرلیا، خدا کے فضل وکرم سے علمائے دیوبند نے رضاخانیت کو اس طرح بے نقاب کردیا ہے کہ اب یہ صرف جاہلوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے، رضاخانیت کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے گذشتہ چند برسوں سے غیر مقلدین بھی علمائے دیوبند پر سب وشتم کے تیر اور تکفیر کے گولے برسا رہے ہیں سب سے پہلے انھوں نے حجاز مقدس میں اپنے رسوخ سے فائدہ اٹھا کر حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ کلام پاک اور اس پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری فوائد کی اشاعت پر پابندی لگوانے کی کوشش کی، یہ ترجمۂ کلام پاک سعودی حکومت کے جذبۂ خدمت قرآن کی بدولت لاکھوں کی تعداد میں چھپ رہا تھا اور تحفۃً تقسیم کیا جارہا تھا، چند سال پہلے پاکستان کے ایک غیر مقلد لکچرر نے ”**الديوندية تعريفها وعقائدها**“ نامی کتاب شائع کرکے دیوبندیوں کے خلاف باقاعدہ اعلانِ جنگ کردیا، مدینہ منورہ کی مشہور عالم اسلامی یونیورسٹی آج کل اس تحریک سے وابستہ لوگوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، اور اس ادارے پر ائمہ مجتہدین کی تقلید سے بیزار لوگ اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، اسی ادارے کے ایک طالب علم شمس الدین الافغانی نے ”**جهود علماء الحنفيه في ابطال عقائد القبورية**“ نامی مقالے پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے، اس کتاب میں علماء دیوبند کی اُردو تحریروں کو خود ساختہ عربی کا لباس پہنا کر انھیں وثنی، قبوری اور مشرک وغیرہ بتلایا گیا ہے، اسی طرح بمبئی کے ایک ادارے نے ”اللمحات الدیوبندیۃ) کے نام سے دو ہزار صفحات پر مشتمل کتاب چار ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے، ان تمام کتابوں میں دیوبندیوں کو کافر، مرتد، بت پرست، مشرک اور قبر پرست کہا گیا ہے۔ حضرت مولانا ان تمام حالات پر گہری نظر رکھتے تھے، اور اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ غیر مقلدیت یعنی سلفیت اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، اس فتنے کی سرکوبی کا عزم کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ تحفظ سنت کے نام سے ایک کانفرنس منعقد کی جائے۔ ۲، ۳رمئی ۲۰۰۱ء کو جمعیۃ علمائے ہند کے زیرِ اہتمام دہلی میں یہ عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔

اس کانفرنس کے انعقاد کے لیے حضرت مولانا نے جی توڑ محنت کی، پورے ملک کے دورے کیے، جگہ جگہ جلسوں اور کانفرنسوں سے خطاب کیا، ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی ملک کے عوام تک یہ پیغام پہنچایا کہ اس کانفرنس کا انعقاد کیوں ضروری ہے، ایک موقع پر انھوں نے فرمایا ”مسلکی

اختلاف کی چنگاریاں اگر شعلے کی صورت اختیار کر گئیں تو یہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ثابت ہوگا۔'' (قومی آواز ۲۴/۴/۲۰۰۱ء)

تحفظ سنت کانفرنس کے موقع پر اپنے خطبۂ صدارت میں اہل حدیث کی طرف سے تضلیل و تکفیر کی مہم چلا کر ملت میں انتشار پیدا کرنے کی کوششوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ''غیر مقلدین ایک خاص منصوبے کے تحت علمائے دیوبند کے خلاف کیچڑ اچھال رہے ہیں، ائمہ اربعہ خصوصاً احناف کو گمراہ حتیٰ کہ مشرک ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں، مملکت سعودیہ اور اس کے کارکنوں کی طرف سے خلاف توقع علماء دیوبند کے خلاف دل آزار اور تکلیف دہ تحریری مہم کو حمایت حاصل ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ دیدہ و دانستہ سعودی مملکت علماء دیوبند کے خلاف اس غلط مہم میں شریک کار ہے بلکہ سرپرستی کر رہی ہے جس سے بیزاری اور نفرت کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے، ہماری مذہبی اور فکری حمیت کا تقاضا ہے کہ غیر مقلدین کے ساتھ ہمارا اختلاط کم سے کم ہوتا کہ ہماری نئی نسل اباحیت پسندی سے دور رہے، ہم غیر مقلدین سے متعلق کسی نرمی یا مداہنت سے کام نہ لیں۔'' (پریس ریلیز جمعیۃ علماء ہند ۳ مئی ۲۰۰۱)

اس کانفرنس کی خاص بات یہ رہی کہ اس میں مسلک دیوبند سے وابستہ مدارس کی بھرپور نمائندگی تھی، راقم السطور نے جب اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ جمعیۃ علماء ہند ''تحفظ سنت کانفرنس'' منعقد کر رہی ہے تو اپنے ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'' کے ادارتی صفحات پر لکھا کہ یہ بڑی اہم خبر ہے، غیر مقلدین کے فتنے پر روک لگانے کا یہ مناسب ترین وقت ہے میں نے لکھا کہ کیونکہ بات مسلک کی ہے سیاست کی نہیں اس لیے ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس کانفرنس میں ہمارے تمام اداروں اور ہماری تمام شخصیتوں کی بھرپور نمائندگی ہو، میں نے بہ طور خاص دارالعلوم وقف کا ذکر کیا اور خواہش ظاہر کی کہ اس کانفرنس میں دارالعلوم وقف کے ذمہ داروں کو بھی مدعو کیا جائے، مجھے اس وقت مسرت آمیز تعجب سے دوچار ہونا پڑا جب حضرت مولانا نے اپنے ایک مکتوب کے ذریعے میری اس تجویز کی تعریف کی، اور میرے ہی ذریعے دارالعلوم وقف کے دو بڑے ذمہ داروں کو دعوت نامے ارسال فرمائے، مجھے اس وقت محسوس ہوا کہ مسلکی معاملات و مسائل میں حضرت مولانا کے یہاں بڑا توسّع ہے۔ ''تحفظ سنت کانفرنس'' میں جو تجاویز پاس کی گئیں اُن میں حکومتِ سعودیہ سے متعلق تجویز اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ ہماری بعض ملّی جماعتیں اور ادارے سعودی حکومت پر تنقید کرتے ہوئے بڑی محتاط رہتی ہیں۔ حضرت مولانا کو اللہ رب العزت نے جن بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا ان میں سے ایک بڑی خوبی بے مثال ایمانی جرأت تھی، اس تجویز میں

حکومت سعودیہ کو آگاہ کیا گیا کہ ائمہ اربعہ کے خلاف جارحانہ اور دلآزار کتابیں شائع کر کے انھیں سب وشتم کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور یہ سب حکومت سعودیہ کے اہم مناصب پر فائز مشائخ کی نگرانی میں انجام پارہا ہے۔ (تجاویز تحفظ سنت کانفرنس ص۵)

حضرت مولانا نے محض تجاویز پیش کرنے اور پاس کروانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک وفد کے ہمراہ حکومت سعودیہ کے سفیر مقیم نئی دہلی سے بھی ملے اور انھیں شاہ فہد کے نام میمورنڈم پیش کیا، اس میمورنڈم کا خاطر خواہ اثر ہوا اور ایک شاہی فرمان کے ذریعے علماء کو پابند کیا گیا کہ وہ ائمہ اربعہ کا احترام کریں۔ حضرت مولانا نے سعودی عرب کے کبار علماء کو بھی اس سلسلے میں خطوط لکھ کر غیر مقلدین کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ کس طرح یہ لوگ کتاب وسنت کے متوارث اور مستحکم مفاہیم سے انحراف اور گریز کا ارتکاب کررہے ہیں۔

حضرت مولانا نے فتنۂ غیر مقلدیت سے عوام کو باخبر رکھنے کے لیے، بستی، گونڈہ وغیرہ میں اور جنوبی ہند کے بعض شہروں میں بھی جلسے اور کانفرنسیں منعقد کیں، تحفظ سنت کانفرنس کے موقع پر غیر مقلدین کے رد میں مختلف موضوعات پر معروف اصحاب قلم سے کتابچے لکھوا کر دو جلدوں میں شائع کرائے، اسی طرح غیر مقلدین کی وہ کتابیں بھی "نزل الابرار من فقہ النبی المختار" اور "عرف الجادی من جنان ہدی الہادی" کے نام سے دو مجموعوں میں شائع کرائیں جو اہل حدیث کے قدیم مصنّفین نے لکھی تھیں اور جنھیں موجودہ دور کے غیر مقلدین چھپاتے ہیں۔

اس مقالے میں جو کچھ عرض کیا گیا اسے مسلک دیوبند کے تحفظ وارتقاء کے سلسلے میں حضرت مولانا کی جدوجہد کا ایک مختصر جائزہ سمجھا جائے جو یا تو مشاہدہ پر مبنی ہے یا اخباری بیانات پر، میرے سامنے حضرت مولانا کی نہ کوئی تحریر ہے اور نہ کوئی تقریر، میرا خیال ہے کہ ابھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے، مجھے اُمید ہے کہ اس سیمینار میں جو مقالے اب تک پیش کیے گئے، یا پیش کیے جائیں گے ان میں بہت سی ایسی معلومات ہوں گی جن سے اس مقالے کی تشنگی دور کی جاسکتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

○○

□ مولانا عتیق احمد قاسمی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلما ہند، لکھنؤ

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنیؒ اور قاضی بل ۱۹۸۹ء

جمعیۃ علماء ہند جس کا قیام ۱۹۱۹ء میں عمل میں آیا، اس کی تاسیس میں مختلف مسالک اور حلقوں کے ممتاز ترین علماء ومشائخ نے حصّہ لیا اور غیر منقسم ہندوستان کے علماء کا وسیع ترین اور مضبوط ترین پلیٹ فارم وجود میں آیا۔ جمعیۃ علماء ہند نے ہندوستان میں شریعت اسلامی کے تحفظ اور مسلم سماج میں نفاذ شریعت کو اپنے ترجیحی کاموں میں شامل کیا۔

ہندوستان اور نظام قضا:

۱۸۶۶ء میں ہندوستان کی انگریز گورنمنٹ نے حکومت کی طرف سے قاضیوں کی تقرری موقوف کرکے مسلمانوں کے دینِ وشریعت پر کاری وار کیا اور مسلمانوں کو اس مشنری سے محروم کردیا جو مسلم سماج میں احکام شریعت کے نفاذ کا کام کرتی تھی، اس کے بعد مسلمانوں کی طرف سے اس کی بار بار کوشش ہوئی کہ قضاء کا نظام بحال ہوجائے اور مسلمانوں کے عائلی تنازعات (نکاح، طلاق وغیرہ) کا فیصلہ مسلمان قاضی اسلامی شریعت کے مطابق کریں لیکن یہ کوششیں رائیگاں گئیں اور برطانوی حکومتِ ہند نے ضد اور عناد کا رویہ اپنائے رکھا۔ ۱۸۸۰ء میں جو قاضی بل مدراس کے مسلمانوں کے اصرار پر برطانوی پارلیمنٹ ہند سے منظور ہوا اور جس کو پاس کرانے میں سر سیّد احمد مرحوم نے بھی فعال رول ادا کیا اس کی حیثیت محض نمائشی قاضی بل کی تھی اس بل کے مطابق قاضی کو کوئی عدالتی اختیار حاصل نہیں ہوا اور قاضی محض نکاح خواہ قاضی بن کر رہ گیا۔ اس لیے علماء امت اور اعیان وعمائدین ہندوستان میں نظامِ قضا کی بحالی کے لیے کوشاں ہے۔

نظام قضا اور جمعیۃ علماء ہند:

جمعیۃ علماء ہند اپنے ابتداء قیام سے اس کے لیے کوشاں رہی کہ ہندوستانی مسلمانوں کے قاضیوں کی تقرری بحال ہو اور مسلمانوں کے عائلی تنازعات کا فیصلہ مسلمان قاضی کے ذریعہ ہو۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے سالانہ اجلاس ہفتم منعقدہ کلکتہ (مارچ ۱۹۲۶ء) میں نظام قضا کے قیام کے لیے بڑی واضح تجویزیں منظور کیں، انھیں یہاں درج کیا جاتا ہے۔

تجویز نمبر ۱۱/ ۹:

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ان مشکلات اور صعوبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو نااہل خاندوں کی جانب سے حقوق زوجیت ادانہ کرنے کے سلسلے میں میں عورتوں کو پیش آتی ہیں اور جن کی وجہ سے عورتیں مطلقہ جیسی بن کر بہت سی معصیتو ں میں مبتلا ہوجاتی ہیں، یا ان کی زندگی مصائب و مہالک کی نذر ہوجاتی ہے بلکہ بعض اوقات مرتد ہونے تک نوبت پہنچ جاتی ہے (**معاذ اللّٰہ من ذٰلک**) تجویز کرتا ہے کہ:

(الف) اگرچہ ان مشکلات کا صحیح حل محکمہ جات قضا کے قیام سے ہی ممکن ہے لیکن جب تک محکمہ جات قضا قائم نہ ہوں اس وقت تک کے لیے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ شہروں اور قصبوں کے مسلمان جمع ہوکر عامۃ المسلمین کے جلسہ میں کسی معتمد اور متدین عالم کو ایسے معاملات میں نکاح وطلاق وتاجیل کے فیصلوں کے لیے اپنا قاضی مقرر کرلیں۔ یہ قاضی عامۃ المسلمین کی جانب سے شرعی فیصلہ کرنے کا شرعاً مجاز ہوجائے گا۔

(ب) مگر ضمن الف پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جس شہر اور قصبے کے مسلمان مقامی ضرورتوں کو پوری طرح محسوس کریں وہ جمعیۃ علماء سے درخواست کریں کہ ان کو اس امر کی اجازت دی جائے ، جمعیۃ علماء کی مجلسِ عاملہ اس درخواست پر غور کرے۔ اور اگر اس کی رائے میں اس جگہ کی فضا اس کے مناسب ہوتو اجازت دے اور تحریری اجازت موصول ہونے کے بعد وہاں کے مسلمان نصب قاضی کی کارروائی کریں۔

(ج) ضمن الف و(ب) کے عمل میں آجانے کے بعد جو قاضی مقرر ہو اسے لازم ہوگا کہ وہ مقدمات دائرہ کے متعلق قواعد شرعیہ متعلقہ قضا کی پوری پابندی کرے اور تحقیقات کاملہ کے بعد شہادت یا اقرار یا یمین ونکول کے موافق حکم صادر کرے۔

تجویز نمبر ۱۰/ ۱۲:

ہندوستان میں شریعت اسلامی کے مطابق محاکمہ قضا کا قیام جس میں مسلمانوں کے طلاق و نکاح، وراثت و اوقاف وغیرہ کے مذہبی مسائل مسلمان قاضیوں کے ذریعہ طے کیے جائیں مسلمانوں کا مذہبی حق ہے۔ اور حکومت ہند اب تک یہ حق غصب کرتی رہی ہے، لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ یہ مذہبی حق مسلمانوں کو واپس کردے اور یہ جلسہ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس

کے قیام کی جدو جہد کریں۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے حصّہ دوص۱۱۸-۱۱۹)

اجلاس پشاور کی قرار داد بابت نظام قضا:

جمعیۃ علماء ہند کا اٹھواں اجلاس عام جو دسمبر ۱۹۲۷ء میں بہ مقام پشاور حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیری کی صدارت میں منعقد ہوا، اس میں بھی قیام دار القضاء کی بابت واضح تجویز منظور ہوئی اور ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی، تجویز کا متن ملاحظہ ہو۔

تجویز نمبر ۱۵:

چونکہ مسلمانوں کے بہت سے مذہبی معاملات ایسے ہیں جن میں حاکم مسلم کا فیصلہ ضروری ہے اور غیر مسلم حاکم کا فیصلہ شرعی طور پر نافذ نہیں ہوتا اور حکومت موجودہ نے مسلمانوں کی اس ضرورت کو اب تک پورا نہیں کیا۔ اس بنا پر مسلمان سخت مذہبی مشکلات میں مبتلا ہیں۔ مثلاً ظالم اور جاہل شوہروں سے ان کی مظلوم اور زندہ در گور عورتوں کی گلوخلاصی نہیں ہوسکتی۔ مرتدہ کے نکاح فسخ ہونے میں اس کے شوہر کے حقوق زائل ہوجاتے ہیں۔ خیارِ بلوغ میں شرعی طور پر حکم فسخ حاصل نہیں ہوسکتا۔ طلاق کے بہت سے مسائل اُلجھے رہ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ جلسہ گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کی ان مذہبی مشکلات کے حل کے لیے با اختیار شرعی قاضی مقرر کرے۔ جن کے انتخاب کا حق مسلمانوں کو ہوتا کہ ان قضاۃ کی عدالتوں میں ایسے معاملات کا شرعی فیصلہ ہوسکے۔ جمعیۃ علماء کا یہ جلسہ حسبِ ذیل حضرات کی کمیٹی مقرر کرتا ہے تاکہ وہ اس قسم کے تمام مسائل کو معین کر کے ان قضاۃ کی حدِ عمل معین کردیں، تاکہ ان مسائل میں گورنمنٹ سے اختیارات دینے کا مطالبہ کیا جائے۔

مولانا حسین احمد صاحب، مولانا ثناء اللہ صاحب، مولانا محمد سجّاد صاحب، مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحب، مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا قطب الدین صاحب، مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا عبدالحکیم صاحب پشاوری۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے حصّہ دوص۱۳۹-۱۴۰)

۱۹۲۸ء کی قرار داد:

اگست ۱۹۲۸ء میں کانگریس پارٹی کی تشکیل کردہ نہرو کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی، جس میں آئندہ کے ہندوستان کی خاکہ سازی کی گئی تھی، اور بہت سے انتظامی و سیاسی امور پر مفصل تجاویز و سفارشات منظور کی گئی تھیں، نہرو کمیٹی کی رپورٹ میں مسلمانانِ ہند کے دینی و ملّی مصالح سے متصادم بہت سی تجاویز شامل تھیں۔ ۲۰؍اگست ۱۹۲۹ء کو بہ مقام لکھنؤ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب

کی صدارت میں مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا جلسہ منعقد ہوا عاملہ کے اجلاس میں نہرو رپورٹ کے چند اہم امور پر تبصرہ کرنے کے ساتھ رپورٹ کا مکمل جائزہ لینے اور اس بابت مفصل تجاویز مرتب کرنے کے لیے ایک پانچ نفری سب کمیٹی تشکیل دی گئی۔سب کمیٹی نے نہرو رپورٹ کا تنقیدی جائزہ لے کر بڑی باریک بینی اور سیاسی بصیرت کے ساتھ اپنی تجاویز اور مطالبات مرتب کیے۔ آئندہ کے دستورِ ہند کے لیے مسلمانوں اور اقلیتوں کے تعلق سے کچھ اہم نکات کی نشاندہی کی،ان میں قیام دارالقضاء کے لیے بعض دفعات بھی شامل ہیں۔

''مذہبی حقوق اور ان کی حفاظت'' کے زیرِعنوان تحریر ہے۔

جمعیۃ علماء کے نزدیک ضروری ہے کہ مذہبی حقوق کی حفاظت کے لیے دستور اساسی میں حسبِ ذیل دفعات شامل ہو۔

(۱) ....

(۲) مسلمانوں کی بہت سی مذہبی ضرورتیں بغیر مسلمان قاضی کے پوری نہیں ہوتیں اس لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے دارالقضاء کے قیام کو اصولاً تسلیم کرلیا جائے اور حکومت مشترکہ ہند اس کی کفیل ہو،اس قسم کی عملی صورتیں آج بھی موجود ہیں اور جمہوری حکومتیں اس پر عمل کررہی ہیں۔

(۳) مسلمانوں کو آزادی ہو کہ وہ امارت شرعیہ کا ادارہ قائم کریں جیسے کہ آج بھی صوبۂ بہار میں اس کا نمونہ قائم ہے۔(جمعیۃ علماء کیا ہے حصّہ دوم ص ۱۶۰)

آزادیٔ ہند کا فارمولا:

گول میز کانفرنس میں ہندوستانیوں کی طرف برطانوی گورنمنٹ کے سامنے مستقبل کے ہندوستان کا فارمولا پیش ہونا تھا، کانگریس پارٹی کی مجلسِ عاملہ نے ایک فارمولہ تیار کر کے اسے شائع کیا اور لوگوں سے اس کے بارے میں رائے مانگی، جمعیۃ علماء ہند کی مجلسِ عاملہ کے اجلاسِ سہارنپور(اگست ۱۹۳۱ء) نے اس پر غور وفکر کیا اور کچھ ترمیمات کا مشورہ دیا نیز ایک فارمولا خود تیار کر کے پیش کیا جس کے چند مشتملات یہ ہیں۔''اس جلسہ کی رائے میں مسلمانوں کے اطمینان اور تمام ملتوں کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے حسبِ ذیل فارمولا کی منظوری ضروری ہے۔

(۱) ہندوستان کے مختلف ملتوں کے کلچر، زبان، رسم الخط، پیشہ، مذہبی تعلیم، مذہبی تبلیغ، مذہبی ادارے، مذہبی عقائد، مذہبی اعمال،عبادت گاہیں،اوقاف آزاد ہوں گے حکومت اس میں مداخلت نہ کرے گی۔

(۲) دستور اساسی میں اسلامی پرسنل لاء کی حفاظت کے لیے خاص دفعہ رکھی جائے گی، جس میں تصریح ہوگی کہ عدلیہ مقنّنہ اور حکومت کی جانب سے اس میں مداخلت نہ کی جائے گی اور پرسنل لا کی مثال کے طور پر یہ چیزیں فٹ نوٹ میں درج کی جائیں گی۔

(۳) مسلمانوں کے ایسے مقدمات فیصل کرنے کے لیے جن میں مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے مسلمان قاضیوں کا تقرر کیا جائے گا اور ان کو اختیارات تفویض کیے جائیں گے۔

(جمعیۃ علماء کیا ہے حصّہ دوم ص۱۷۹)

شریعت بل:

۱۹۳۷ء میں جمعیۃ علماء ہند نیز ہندوستان کے تمام حلقوں کو مشائخ اور عمائدین کے مطالبہ اور اصرار پر شریعت بل ہندوستان کی برطانوی پارلیمنٹ سے منظور ہوا، یہ مسلمانانِ ہند کی مسلسل جدوجہد کا ثمرہ اور ان کی عظیم کامیابی تھی، اس بل میں اس بات کو تسلیم کرلیا گیا کہ اگر کوئی مقدمہ نکاح، طلاق، ظہار، ایلاء میراث وغیرہ سے متعلق ہو اور مقدمہ کے دونوں فریق مسلمان ہو تو جج اس بات کا پابند ہوگا کہ مقدمہ کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق کرے، اگرچہ شریعت بل میں بعض مسلمان ممبران کی کرم فرمائی سے بعض خامیاں درآئیں، جن کے ازالہ کی کوششیں بھی ہوتی رہیں لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ بل ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء کے تحفّظ کا بڑا سبب بنا۔

فسخ نکاح مسلمین:

۱۹۳۹ء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور اکابرین جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں سے قانون انفساخ نکاحِ مسلمین کا مسودہ تیار ہوا اور محمد احمد کاظمی مرحوم وغیرہ کے ذریعہ پارلیمنٹ میں اسے پرائیویٹ بل کے طور پر پیش کیا گیا۔

اس بل کے مسودہ کو آخری شکل دینے کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے ۲؍فروری ۱۹۳۶ء کو ایک غیر معمولی مشاورتی اجلاس مرادآباد میں بلایا، اس میں جمعیۃ سے وابستہ علماء و مفتیان کے علاوہ دوسرے بہت سے ممتاز علماء و مفتیان کو شریک کیا، سیّد غلام بھیک صاحب نیرنگ، سیّد بدرالحسن صاحب ایم، ایل، اے اور سیّد محمد احمد کاظمی ایم، ایل، اے نے بھی شرکت کی۔ ان تینوں حضرات کے تیار کردہ مسودات قانون بابت فسخ نکاح مسلمین، نیز حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب کے تیار کردہ مسودہ قانون پر دو روز کے غور و خوض کے بعد ایک جامع مسودہ قانون تیار کیا گیا جو زیادہ، جامع اور مکمل تھا، یہی مسودۂ قانون مسلم ممبران کے ذریعہ پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا، اس مسودۂ قانون کی دفعہ نمبر سات اور نمبر آٹھ اس بارے میں تھی کہ اس قانون کے تحت مقدمہ کی سماعت،

کارروائی اور فسخ نکاح مسلمان جج کرے گا، اس طرح مسلمان قاضی کی تقرری کو اس بل میں شامل کرلیا گیا تھا، لیکن ۱۹۳۹ء میں جب اس مسودۂ قانون کی منظوری ہوئی اور اس نے قانون کی شکل اختیار کرلی تو مسودۂ قانون کی آخری دفعات جو مسلمان قاضی سے متعلق تھیں انھیں حذف کر دیا گیا۔ اس طرح یہ مسودۂ قانون بلکہ ادھوری صورت میں منظور ہوا اور مسلمانوں کے لیے اس کی نافعیت محدود ہو کے رہ گئی۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے مختلف اجلاسوں میں مسودہ قانون میں اس ترمیم کی مذمت کی اور حذف شدہ دفعات کو قانون میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا۔

کاظمی بل میں ترمیمات کا مطالبہ:

جمعیۃ علماء ہند کے بارہویں اجلاس (منعقدہ جون ۱۹۴۰ء بہ مقام جونپور) میں درج ذیل تجویز منظور ہوئی۔

تجویز ۳/۵:

''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ ایکٹ ۸-۱۹۳۹ء جو قانون طلاق یا کاظمی ایکٹ کے نام سے مشہور ہے جس صورت میں پاس ہوکر شائع اور نافذ ہوا ہے اس میں بعض دفعات اسلامی پرسنل لاء کے خلاف ہوگئی ہیں، جن کی ترامیم کرانی ضروری ہے، جمعیۃ کا یہ اجلاس حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ترمیمی مسودہ تیار کرکے جمعیۃ کے سامنے پیش کریں اور جمعیۃ تمام مسلم ارکانِ اسمبلی کو اس کی ضرورت واہمیت بتا کر اس کو مرکزی اسمبلی میں پیش کرانے اور منظور کرانے کی سعی کرے۔'' (جمعیۃ علماء کیا ہے حصّہ دوم ص ۲۱۷)

مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء ہند (منعقدہ دہلی ستمبر واکتوبر ۱۹۴۰ء کے اجلاس کی روداد میں ہے۔

اس اجلاس میں اراکین عاملہ کے علاوہ مولوی محمد احمد صاحب کاظمی ایم، ایل، اے نے بھی خصوصی دعوت پر اجلاس میں شرکت فرمائی اور 'قاضی بل' پر اراکین مجلسِ عاملہ سے تبادلہ خیالات فرمایا:

حسب تجویز سالانہ اجلاس جمعیۃ علماء ہند منعقدہ جونپور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا مرتب کردہ مسودہ پیش ہوا، جو پوری بحث وتمحیص کے بعد منظور کیا گیا، اور طے پایا کہ یہ ترمیمی مسودہ مرکزی اسمبلی کے کسی مسلم ممبر کے حوالہ کیا جائے جو ایکٹ مذکور کے ترمیمی بل کا باقاعدہ مسودہ تیار کرکے اسمبلی میں پیش کریں اور دوسرے مسلمان ممبران اسمبلی کو بھی اس کی حمایت کے لیے آمادہ کیا جائے، ترمیم شدہ دفعات اس رپورٹ میں درج ہے۔'' (ص ۲۲۷-۲۲۸)

جمعیۃ علماء ہند کے تیرہویں سالانہ اجلاس (منعقدہ لاہور مارچ ۱۹۴۲ء) کی تجاویز میں بھی

بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ کاظمی بل میں ترمیم کا مطالبہ پوری قوت کے ساتھ شامل ہے۔

تجویز نمبر ۸:

''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس کاظمی ایکٹ نمبر ۸، ۱۹۳۹ء کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اس میں سے اس دفعہ کو حذف کرکے جس میں اس قسم کے مقدمات کے لیے مسلم جج کی عدالت میں پیش ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا نہ صرف اس ایکٹ کی مذہبی افادی حیثیت کو باطل کردیا گیا ہے، بلکہ اس طرح اس کو مسلمانوں کے لیے سخت مضر اور خطرناک بنا دیا گیا ہے۔

جمعیۃ علماء یہ واضح کردینا ضروری سمجھتی ہے کہ غیر مسلم جج کے فسخ کرانے سے شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوتا اور عورت بدستور شوہر اول کے نکاح میں رہنے کے باوجود قانونی زد سے محفوظ ہوکر دوسرا نکاح کرلیتی ہے اور حرام میں مبتلا ہوجاتی ہے۔

جمعیۃ علماء مسلم ارکان اسمبلی سے پُرزور استدعاء کرتی ہے کہ وہ اس ایکٹ نمبر ۸، میں ضروری ترامیم کرانے کے لیے متفق ہوکر سعی کریں۔'' (ص ۲۴۲-۲۴۳)

جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس مجلسِ عاملہ ۶؍جولائی ۱۹۴۲ء بہ مقام دہلی میں پاس شدہ تجاویز کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلسِ عاملہ نے کاظمی صاحب کے ترمیمی بل متعلق قانون انفساخ نکاح مسلم پر غور وخوض کیا اور اس سے اتفاق کیا، اسی طرح شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کے بارے میں کاظمی صاحب کے تیار کردہ ترمیمی ایکٹ کے مسودہ پر بھی غور وخوض کیا اور اس کی پوری تائید کی (تجویز نمبر ۳-۴، ص ۲۴۹)

۱۸۶۶ء میں انگریز گورنمنٹ کی طرف سے قاضیوں کی تقرری موقوف کیے جانے کے بعد ہمارے اسلاف خصوصاً جمعیۃ علماء ہند کے قائدین نے نظامِ قضا کو ہندوستان میں بحال کرنے کے لیے جو کوششیں کیں ان کی چندزریں کڑیاں آپ کے سامنے گذشتہ صفحات میں پیش کی گئیں، ان تفصیلات کو شاید بعض حضرات میرے موضوعِ مقالہ کے اعتبار سے ایک طولانی تمہید تصور کریں اور شاعر کا یہ مصرعہ ان کی زبان پر آجائے۔

تمنّا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ماضی کی ان زرّیں کوششوں سے واقف ہوئے بغیر حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے ذریعہ ۱۹۸۹ء میں پیش کردہ قاضی بل کی غیر معمولی اہمیت اور معنویت کا ادراک مشکل ہے، اس لیے نظام قضا کے قیام اور اس کی بحالی کے لیے اپنے بزرگوں کی مخلصانہ کوششوں کی ایک مختصر جھلک دکھائی گئی۔

شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کا ایک ارشاد:

قاضی بل پر گفتگو کرنے سے پہلے ایک اہم تاریخی واقعہ کا ذکر بہت ضروری ہے جسے طفیل احمد منگلوری صاحب نے اپنی مشہور کتاب (مسلمانوں کا روشن مستقبل) میں بیان کیا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''اس بارے میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے جو لکھنؤ کی آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں پیش آیا، وہ اگرچہ مسلمانوں کی خالص آزاد خیال جماعتوں کا اجتماع تھا، تاہم اس کے مباحثوں اور حجتوں میں پورے چار روز صرف ہوگئے، ادھر الٰہ آباد میں آل پارٹیز کانفرنس کے لوگ لکھنؤ مسلم کانفرنس کے نمائندوں کے منتظر تھے، جو کسی فیصلہ پر نہ پہنچ پائے تھے، اسی اثناء میں کسی نے مولانا سیّد حسین احمد مدنی صاحب سے جو چاروں دنوں کے جلسوں میں خاموش بیٹھے رہے تھے پوچھا کہ حضرت آپ فرمائیے کہ اس بارے میں جمعیۃ علماء کی رائے کیا ہے؟ آپ نے بڑے سکون کے ساتھ فرمایا کہ ہمارا تو ایک مطالبہ ہے جو ہم کانگریس کو دے چکے، وہ یہ کہ ملک کو اختیارات ملنے پر مسلمانوں کو اپنے مذہبی معاملات طے کرنے کے لیے قاضی مقرر کرنے کا حق عطا کیا جائے اور ہم نے کہہ دیا ہے کہ جب تک کہ ملک کو آزادی حاصل نہ ہو، ہم خاموشی کے ساتھ آزادی کی جنگ میں شریک رہیں گے، البتہ آزادی ملنے پر اگر ہمیں یہ حق نہ ملا تو پھر اس وقت اگر ہم میں قوت ہوگی تو ہم اسے منوالیں گے۔''

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۴۹۹)

حضرت مولانا حسینؒ احمد مدنی کے اس بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں نظامِ قضا کے قیام کے لیے ان میں کتنی تڑپ اور بے چینی تھی اور اپنا یہ مذہبی حق حاصل کرنے کے لیے وہ کہاں تک جانے کو تیار تھے۔

آزادی کے بعد:

ہمارے بزرگوں نے جنگِ آزادی میں جو بے مثال قربانیاں دی ہیں ان کا سب سے بڑا محرک یہ تھا کہ ملک کی آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو، ان کا دینی وملّی تشخص پورے طور پر محفوظ رہے اور انگریز حکومت نے نظام قضاء کی موقوفی اور دوسرے اقدامات کے ذریعہ ہمارے جن دینی وملّی حقوق کو سلب کرلیا ہے وہ بحال ہوسکیں۔

لیکن افسوس ہے کہ آزادی کی صبح طلوع ہونے پر سارے خواب چکنا چور ہوگئے، تقسیم ہند

کے سانحہ نے ہندوستان کی مسلم قیادت کو اس کمانڈر انچیف کی طرح کر دیا جس کی ساری فوج میدان چھوڑ چکی ہو، لاکھوں مسلمان شہید کیے گئے، ہندوستانی مسلمانوں کے لیے حقوق کے بجائے وجود کا مسئلہ کھڑا ہوگیا، برادرانِ وطن کا ایک بڑا طبقہ کہنے لگا کہ پاکستان بننے کے بعد مسلمان سرزمین ہند پر موجود کیوں ہیں۔

تقسیم ہند کے سانحہ کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی قیادت نے سرزمین ہندوستان پر مسلمانوں کے قدم جمانے تحفظ فراہم کرنے ،اور مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی بے مثال خدمات انجام دیں، تقسیمِ ہند کے بعد کے زہرہ گداز، اضطراب انگیز حالات میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مجاہد ملّت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی مجاہدانہ اور بے باکانہ خدمات کو خاص طور پر فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت مولانا اسعد مدنی کا دورِ قیادت اور تحفظ شریعت:

ملک کی آزادی کے بعد ہندوستان میں ملّت اسلامیہ کے وجود کو جو شدید خطرات لاحق ہوگئے ان کا مقابلہ کرنا ہماری دینی وملّی قیادت کی اوّلین ترجیح قرار پائی۔ اور اسے اوّلین ترجیح قرار دینے میں ہماری قیادت بالکل حق بہ جانب تھی ،جب وجود کے لالے پڑے ہوں ایسے میں حقوق پر اصرار ناممکن سا ہوتا ہے، دستورِ ہند انھیں حالات میں مرتب اور منظور ہوا، اس لیے اس میں مسلمانوں کے دینی وملّی حقوق کی پوری آئینہ داری نہیں ہے، دستور ہند میں بنیادی حقوق کے حصّہ میں بعض صراحتیں مسلمان ممبران کے اصرار کے باوجود شامل نہیں کی گئیں بلکہ دستور کے رہنما اصول میں دفعہ نمبر۴۴ شامل کر کے اقلیتوں کے سر پر خطرناک تلوار آویزاں کر دی گئی۔

حضرت مولانا سیّد محمد اسعدؒ مدنی کا فعال دور قیادت ملک کی آزادی کے چند سال بعد شروع ہوا۔ مولانا مرحوم نے انتہائی جد وجہد اور تسلسل سے ملک اور ملّت کی جو ہمہ جہت خدمات انجام دیں ان کا تذکرہ یہاں مقصود نہیں، بلکہ انھوں نے تحفظِ شریعت کے میدان میں جو خدمات انجام دیں ان میں سے بعض کا ذکر یہاں مقصود ہے۔

گذشتہ صفحات میں پیش کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوچکی کہ انیسویں صدی کے ساتویں دہے میں انگریز حکومت کی طرف سے قاضیوں کی تقرری موقوف کیے جانے کے بعد سے ہندوستان کے علماء عمائدین اور عام مسلمانوں کا مطالبہ واصرار رہا کہ حکومت کی طرف سے قضا کا نظام بحال کیا جائے۔ ۱۸۸۰ء میں مسلمانوں کے دباؤ کی بنا پر ایک قاضی ایکٹ برطانوی پارلیمنٹ ہند میں پیش اور پاس بھی ہوا لیکن وہ بالکل ادھورا تھا ،قاضی بل کا نام دے کر مسلمانوں کی اشک شوئی

کی کوشش کی گئی تھی لیکن اس ایکٹ میں قاضی کو ادنیٰ عدالتی اختیارات بھی نہیں دے گئے تھے۔

۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے بعد سے جمعیۃ کے اکابرین نے نظام قضا کے قیام اور قاضیوں کی تقرری بحالی کرانے کو اپنی اوّلین ترجیحات میں شامل کیا جیسا کہ جمعیۃ علماء ہند کی قرار دادوں سے واضح ہوتا ہے۔

فدائے ملّت کا پیش کردہ قاضی بل:

آزادی ہند کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی قیادت جب حضرت مولانا سیّد اسعدؒ مدنی کے ہاتھوں میں آئی تو انھوں نے ایک طرف مختلف مقامات پر شرعی پنچایتیں اور محاکم شرعیہ قائم کر کے نظام قضا کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش کی، دوسری طرف ۱۹۸۹ء میں راجیہ سبھا میں پرائیویٹ قاضی بل پیش کر کے اپنے بزرگوں کے اس قدیم مطالبہ کو تازہ کیا کہ نکاح وطلاق وغیرہ کے نزاعات کا فیصلہ کرنے کے لیے حکومت ہند کی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کیے جائیں، مولانا مرحوم کے پیش کردہ قاضی بل کا متن ان کی پارلیمانی تقریروں کے مجموعہ صدائے حق (مرتبہ جناب مولانا عبدالحمید نعمانی) میں شامل ہے اسے بعینہٖ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بل کا متن:

مسلم پرسنل لاء (شریعت) میں مزید ترمیم کے لیے اطلاقی قانون ۱۹۳۷ء ترمیمی بل-بل نمبر۳ (۱۹۸۹ء)

مسلم پرسنل لاء (شریعت) اطلاقی (ترمیمی) بل ۱۹۸۹ء

مختصر نام (۱) اس قانون کو مسلم پرسنل لاء (شریعت) اطلاقی (ترمیمی) ایکٹ ۱۹۸۹ء کہا جاسکتا ہے۔

سیکشن ۲ کی تبدیلی (۲) مسلم پرسنل لاء (شریعت) کے سیکشن ۲ اطلاق ایکٹ ۱۹۳۷ء میں قوسین اور الفاظ (بجز زرعی اراضی سے متعلق سوالات) چھوڑ دیے جائیں گے۔

قاضی ترمیمی بل ۱۹۸۹ء (قاضی ایکٹ مجریہ ۱۸۸۰ء مزید ترمیم کی غرض سے مختصر نام (۱) اس قانون کو قاضی ترمیمی ایکٹ ۱۹۸۹ء کہا جاسکتا ہے۔

(۲) قاضی ایکٹ ۱۸۸۰ء کے آغاز میں (اس کے بعد اسے اصل ایکٹ کے نام سے پکارا جائے گا) قاضی کے عہدے کے لیے افراد کی تقرری کے الفاظ کو اس طرح بدل دیا جائے گا۔ ''قاضی القضاۃ کے عہدے کے لیے افراد کی تقرری اور قاضی کے عہدہ کے لیے تقرری۔''

(۳) قانون کے سیکشن (۱) میں دوسرے پیراگراف میں درج ذیل پیراگراف اس طرح بدلا

جائے گا۔‘‘اس کا اطلاق پورے ہندوستان پر ہوگا۔‘‘
(۴) ون اے(۱) ہر ریاستی حکومت ۵ سال کے لیے قاضی القضاۃ مقرر کریں گی اور اس کا صدر دفتر ریاست کی راجدھانی میں ہوگا۔ (۲) ریاستی قاضی کے پاس کردہ احکامات کی اپیل قاضی القضاۃ کے یہاں ہوگی۔ بشرطیکہ یہ اپیل قاضی کے فیصلے کے ۳۰ دن کے اندر اندر ہو البتہ اپیل داخل کرنے کی تاریخ کو بڑھا دینے کے لیے قاضی القضاۃ کو اختیار ہوگا، اس کے علاوہ قاضی تاخیر کی پیش کردہ وجہ پر مطمئن ہونے کے بعد ہی تاخیر سے پہلے داخل کرنے کی اجازت دے گا (۳) قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد کو روک دینے کا اختیار بھی قاضی القضاۃ کو ہوگا۔
(۵) اصل ایکٹ کے سیکشن ۲ کے لیے درج ذیل ترمیم ضروری ہے (۲) الف ریاستی حکومت اپنے دائرہ اختیار میں ایسے ہر ضلع کے لیے قاضی مقرر کرے گی۔ جہاں مسلمانوں کی کافی تعداد ہے۔ (ب) مستند اسلامی علماء کا بورڈ، قاضی کے عہد کے لیے مقرر کیے جانے والے افراد کے ناموں کی سفارش کرے گا۔ یہ نام قاضی القضاۃ کے مشورے اور مرضی سے پیش کیے جائیں گے اور اس سفارش کو ماننے کے لیے ریاستی سرکار پابند ہوگی (ج) مسلم بورڈ کی تشکیل مستند اسلامی تنظیموں مثلاً جمعیۃ علماء ہند مسلم پرسنل لاء بورڈ وغیرہ کے مشورے سے ہوگی (د) قاضی کی تقرری پانچ سال کے لیے ہوگی۔ سوائے ان حالتوں کے کہ قاضی اگر چاہے تو وقت متعینہ سے قبل استعفیٰ دے دے (۵) قاضی شادی کی تقاریب میں موجود ہوگا اور نکاح کے جملہ آداب بجالائے گا اور فریقین کے تنازع کی صورت میں تصفیہ کرے گا۔ بشرطیکہ دونوں فریق مسلمان ہوں۔
(۲) اصل ایکٹ کے سیکشن ۶ میں درج ذیل ترمیم ضروری ہے ’’ریاستی حکومت اگر یہ ضروری سمجھے تو ایک یا ایک سے زیادہ نائب قاضی ہر ضلع میں مقرر کرسکتی ہے یہ تقرری بھی پانچ سال کے لیے ہوگی اس کو مفوضہ امور بجالانے ہوں گے۔
(۷) اصل ایکٹ کے سیکشن ۳ کے بعد درج ذیل نیا سیکشن اضافی ہوگا ۳ (الف) شادی یا دیگر رسومات کی بجاآوری کے لیے قاضی کے پاس آنے والے فریق یا تنازع کے تصفیہ کی درخواست کرنے والے فریق قاضی کو مجوزہ شرحوں کے مطابق فیس ادا کریں گے۔ ۳ (ب) مرکزی حکومت سرکاری گزٹ کے اعلان کے ذریعہ ایسے اصولوں اور قواعد وضوابط کی وضاحت کرے گی جو اس ایکٹ پر بجاآوری کے لیے ضروری ہوں گے۔
(۸) اصل ایکٹ کے سیکشن ۴ کو ترک کردیا جائے گا۔

مقاصد و اسباب کی وضاحت:

مسلم پرسنل لاء کے تحت ریاست قاضی کو اصل عدالتی حاکم کی صورت میں مقرر کرنے کی مجاز تھی۔ یہ نظام ججوں اور مجسٹریٹوں کے موجودہ نظام کے کم وبیش ہم پلّہ ہے، عدلیہ کے فرائض کے ساتھ ساتھ قاضی چند دیگر مذہبی امور اور فرائض کی انجام دِہی بھی کرتا ہے۔ ۱۸۸۰ء کے ایکٹ کے قبل قاضی القضاۃ کا عہدہ قائم تھا دریں اثناء قاضی کے عدالتی فرائض اس سے لیے گئے اور اس کا کام محض شادی اور طلاق کے موقعوں پر ہی رہ گیا۔ البتہ اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی شادی بیاہ کے جھگڑے، وراثت کے جھگڑے اور دیگر بہت سے ایسے ہی امور قاضی کے ذریعہ فیصل ہوں، جہاں کے دونوں فریق مسلمان ہوں، لہٰذا اس ضرورت کی تکمیل کے لیے یہ بل پیش کیا جارہا ہے۔ (جنوری ۱۹۸۹ء)

○○

❑ مولانا نور عالم خلیل الامینی
ایڈیٹر الداعی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا سید اسعد مدنی اور عالم اسلام

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ (۱۳۴۶-۱۴۲۷=۱۹۲۸-۲۰۰۶ء) کو اللہ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ قیادت، سیادت، اور زعامت کے لیے وہبی لیاقت کے بھرپور عناصر کے ساتھ خلق ہوئے تھے۔ وہ بیدار مغز، عقاب نظر، دوربیں، اور زود فہم مدبّر، غیرت مند مفکر، ہنر مند داعی، عالمانہ شان، صالحانہ امتیاز اور مومنانہ شناخت کے حامل رہبر تھے، وہ بہ یک وقت کئی محاذوں پر کام یابی اور شان دار فتح رانی کے ساتھ لڑنے والے عجیب وغریب سپہ سالار تھے۔ اندرونی خطرات سے نبرد آزمائی کے ساتھ ساتھ بیرونی چیلنجوں اور اندیشوں سے اس طرح نمٹتے تھے کہ سارے معاصر طبع آزما مسلم زعماء وقائدین کو حیرت کے ساتھ حسد ہوتا تھا۔ مسائل گزیدہ مسلمانان ہند کے مصائب وآلام کے ہمہ وقتی مداوے کے ساتھ ہی عالم کے مسلمانوں کے دکھ درد میں جس طرح انھوں نے لحہ بہ لحہ عملی وفکری حصہ لیا اور نہ صرف تخفیف الم؛ بل کہ ازالہ غم کی جو کارآمد تدبیریں وضع کیں، وہ نہ صرف ان کی ژرف نگاہی؛ بل کہ بے مثال قایدانہ لیاقت کی شاہد عدل تھیں۔

عرب وعجم اور مشرق ومغرب کے مسلمانوں پر کسی خطے میں کوئی افتاد پڑتی، تو وہ افتاد خیز ظالم کے خلاف شیر کی طرح گرجتے، چیتے کی طرح بپھرتے اور ساتھ ہی ہوش مندی کے ساتھ، اس سے نبرآزما ہونے کے لیے دامے، درمے، قدمے، اور سخنے، اس طرح محوکار ہو جاتے کہ اس کو اپنا ذاتی غم بنا لیتے اور احتجاج، جلوس، جلسہ، رائے عامہ کی ہم واری، اپنی حکومت کی اس حوالے سے بیداری اور اگر ضرورت ہو تو نقدی مدد اور اشیا کے ذریعے فریاد رسی میں کوئی کوتاہی نہ کرتے، اس سلسلے میں ان کی سرگرمیاں، بے تابیاں اور شب وروز کی بے قراریاں دیکھنے کے لایق ہوتیں۔

دیگر خطہ ہائے عالم کے مسلمانوں کے مسائل سے عموماً اور دیارِ عرب کے مسلمانوں کی مشکلات ومسائل سے خصوصاً انھوں نے جمعیۃ علما کی نظامت عمومی کے زمانے سے جو عملی دلچسپی لی، وہ ان کی صدارتِ جمعیۃ کے پورے دورانیے، حتی کہ ان کی زندگی کے آخری سالوں میں ان کی بار

بار کی بیماری اور ناتوانی کے باوجود زندگی کی آخری سانس تک باقی رہی۔ فلسطین کا رِستا ہوا زخم ہو یا ''بوسنیا'' کے مسلمانوں پر صلیبی ظلم وستم کی داستانِ خوں چکاں؛ کویت پر صدام کی مجنونانہ یلغار ہو، یا عراق کے خلاف امریکہ کی ظالمانہ جنگ؛ ایران، عراق جنگ کی آتش کو فروزاں کرنے میں امریکہ کی سازش ہو، یا 'اسرائیل' کی طرف سے ہر محاذ پر عربوں کے خلاف امریکی لڑائی اور چوری سینہ زوری کی سچی عملی تفسیر اور 'چہ دلاور ست دزدے کہ بہ کف چراغ دارد' کی لاثانی تعبیر کو عملی جامہ پہنانے کی انکل سام کی کوششیں؛ ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کے امریکی دھماکوں کو (جو صیہونیوں کی منصوبہ بندی سے روبہ عمل آئے تھے) بہانہ بنا کر افغانستان، عراق، ایران، شام اور سارے عربی ملکوں کو تاخت وتاراج کرنے اور بالآخران پر عسکری وثقافتی قبضہ کرنے اور وہاں کی مال ودولت بالخصوص ''تیل'' کو ہتھیا لینے کی صلیبی وصیہونی پالیسی ہو، یا 'القاعدہ'' کے بھوت کا ہوّا کھڑا کر کے سارے عالم کو بے وقوف بنانے کی دوررس تدبیریں؛ یا اس کے علاوہ ان گنت مسائل، جن کے ذریعے دنیا بھر میں مسلمانوں کو اس طرح جکڑ بند کیا جا رہا ہے کہ وہ دگر موت وزیست کے ضروری مسائل پر توجہ نہ دے سکیں اور ناگزیر دینی ودنیوی تقاضوں کو پورا کرنے سے بے بہرہ رہ جائیں: نتیجتہً دنیوی دوڑ میں بھی اقوام عالم سے پچھڑ جائیں اور دینی ودنیوی طور پر لاشہ بے جان بن کر آخرت کی کامیابیوں سے بھی محروم رہ جائیں، جو دشمنان اسلام کی دلی خواہش کے مطابق ہے۔ اِن سارے مسائل پر مولانا نے احتجاج ومظاہرے کیے اور بیانات واشتہارات کے ساتھ عملی طور پر توجہ دی۔

مولاناؒ نے دنیا کے اطراف واکناف، نیز ہندوستان کے قریہ قریہ اور شہر شہر کے اتنے اسفار اور دورے کیے، جو کسی بھی معاصر داعی وقاید ومصلح کے حصے میں نہیں آئے۔ یہ سارے اسفار اور دورے دعوتی، اصلاحی اور امتِ اسلامیہ کے گوناگوں مسائل کے حل کے مقاصد کے تحت کیے گئے۔ بعض دفعہ مولاناؒ کا سفر کئی ماہ کے دورانیے پر پھیلا ہوتا اور ہر روز دسیوں شہروں اور قریوں کے دسیوں جلسوں اور پروگراموں میں شرکت کرتے۔ ان کی دعوتی اور اصلاحی اسفار اور تحریکی وتعمیری دوروں کی روداد کی ترتیب ایک مستقل موضوع ہے، جس پر یقیناً دوسال سے اہلِ قلم توجہ مرکوز کر رہے ہوں گے۔

مولانا مرحوم کی ساری تگ وتاز کو، جو انھوں نے عالم کے مسلمانوں کے لیے قولی وفعلی سطح پر انجام دی، قیدِ تحریر میں لانا اور ان کا مکمل طور پر احاطہ کرنا تو بڑا مشکل کام ہے اور اس کے لیے سالوں کی محنت درکار ہے، لیکن ہم نے کوشش کی ہے کہ اس سلسلے کی گوناگوں کوششوں پر ہلکی سی روشنی ضرور پڑ جائے۔ ہم نے اس سلسلے کے کتابچوں اور اخبارات کے تراشوں کو پڑھ کے تاریخ

کے حوالوں کے ساتھ جو کچھ تیار کیا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

مسئلہ فلسطین اور مولانا اسعد مدنیؒ:

جب اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں کھلی جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوے بہت عرب علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کرلیا، تو مولاناؒ نے ملت اسلامیہ کے ہر ہر فرد سے بڑی دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ دعا اور اپنا احتجاج درج کرانے کی اپیل کی، مولانا نے کہا:

’’برادرانِ ملت! خلافتِ اسلامی کا اہم مسئلہ رہا ہو، یا برکوں کی مظلومیت کا مقامات مقدسہ کی حفاظت کی تحریک رہی ہو، یا تحفظِ فلسطین کی، جمعیۃ علما ہند کی رہنمائی میں ہندوستانی مسلمان ہمیشہ آگے آگے رہے ہیں، ......اور ہمیشہ عالم اسلام کی مظلومیت کے وقت اپنا جانی و مالی ایثار پیش کیا ہے...... ملت کے مصائب کے وقت ہندوستانی مسلمانوں کے دل ہمیشہ تڑپے ہیں اور وہ مارے اضطراب وغم کے بے چین ہو اٹھے ہیں، آج بھی عرب مظلومین کے لیے ان کے دردمندانہ جذبات خون کے آنسو رو رہے ہیں اور وہ عرب دشمن پروپیگنڈوں کے باوجود اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لیے ہر طرح سے اور ہر سطح پر ایثار کرنے کو آمادہ و تیار ہیں،

ہم ہندوستانی عوام عرب ممالک پر حالیہ اسرائیلی اور اسرائیل نواز سامراجی جارحیت کی مذمت کرتے ہیں اور یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جارح اسرائیل کو اس جارحیت کا فائدہ ہرگز نہیں ملنا چاہئے اور اس سے عربوں کے تمام مقبوضہ علاقوں کو خالی کرانا چاہتے ہیں ......ہم مقامات مقدسہ کے انخلا کو ضرور اہمیت دیتے ہیں؛ لیکن اس اہمیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم دوسرے مقبوضہ عرب علاقوں کے انخلا کے مطالبے کو ثانوی درجے میں رکھ دیتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ اسرائیل کے قبضہ وغصب سے عربوں کی ایک ایک انچ زمین واپس لینے کا ہے؛ اس لیے جمعیۃ علما ہند نے ۲۸/ جولائی ۱۹۶۷ء جمعہ کے دن پوری ملک میں یومِ فلسطین منانے کا جو فیصلہ کیا ہے، اسے ان تمام مطالبات کے لیے ایک عنوان سمجھا جائے، جس سے حق وانصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہوں اور ظلم واستبداد کے جارحانہ نشانات ختم ہوتے ہوں۔

یوم فلسطین منانے کی اس لیے ضرورت ہے کہ:

۱- اسرائیل اپنے جارحانہ عزائم کے ساتھ عرب مملکت کی سیکڑون مربع میل زمین، فلسطین اور بیت المقدس کے مقامات مقدسہ اور قبلہ اول پر اب تک قابض ہے۔

۲- اسرائیل اپنی پرانی عبادت گاہ ’’ہیکل سلیمانی‘‘ کی تعمیر کے لیے مسجد اقصی (قبلہ اول) اور قبۃ الصخرہ کو شہید کرنے کا دل دوز اعلان کرچکا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کا ثبوت

دیں اور ۲۸؍ جولائی ۱۹۶۷ء کو جمعہ کے دن پورے ملک میں یوم فلسطین کو کامیاب بنائیں۔

مولاناؒ نے عربوں کے ساتھ جمعہ ہی کے دن شام کو احتجاجی جلسے کا انعقاد اور اس میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف تجویزیں منظور کر کے، اس کی انگریزی کاپی، لیگ آف عرب اسٹیٹس اور دفتر جمعیۃ علماء ہند بھیجنے کی درخواست کی۔ (اسعد غفرلہ، ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند ۱۸؍ جولائی ۱۹۶۷ء = ۹؍ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ اقتباس از کتابچہ ''۲۸ جولائی جمعہ کے دن پورے ملک میں یوم فلسطین کو کامیاب بنایئے'')

مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۲۲-۲۳؍ ستمبر ۱۹۶۷ء میں مولاناؒ نے اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں عرب شہدا کے پس ماندگان اور تباہ حال عرب مظلومین سے اظہار ہم دردی، عرب موقف کی تائید، اسرائیلی جارحیت اور اس کی پشت پناہ طاقتوں امریکہ و برطانیہ کی مذمت، مقبوضہ عرب علاقوں اور مقامات مقدسہ سے اسرائیل کے انخلا کا مطالبہ اور دنیا کی انصاف پسند قوموں سے اسرائیل کی فوجی چھاؤنی کو ختم کرنے کی اپیل کی اور مقبوضہ عرب علاقوں خصوصاً بیت المقدس اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کی غریب آبادی کے جبری و ظالمانہ انخلا پر اظہارِ تشویش کیا۔ انھوں نے اقوامِ متحدہ کے سامراجی طاقتوں کے آلۂ کار بننے پر بھی اظہار بے زاری کیا۔ (ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' جمعیۃ علماء نمبر، ص: ۳۹۹، جلد: ۸ شمارہ: ۴۳، اکتوبر، ۱۹۹۵ء)

فلسطین کے حوالے سے مسلمانانِ عرب سے صاف صاف باتیں:

جب سے سرزمین عرب پر صیہونی سازش نے سر ابھارا ہے، عموماً تمام ہندوستانی اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان وہاں رونما ہونے والے حادثات پر دردمندانہ نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ اور وہ عربوں کے حقوق کی مدد کے لیے عملی اقدامات کر رہے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند نے قضیہ فلسطین کے حوالے سے جو مثبت اقدامات کیے ہیں، ہمیں اس پر فخر ضرور ہے؛ مگر وہ کسی کے مقابلے میں کسی کی تضحیک یا اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے نہیں۔ ہم یہاں صاف طور پر چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں: (۱) حق کے حمایتی پوری روئے زمین پر پھیلے ہوے ہیں۔ (۲) ہندستانیوں کے عربوں کے ساتھ بڑے قدیم اور گہرے روابط ہیں، (۳) عربو! تم آگے بڑھو! ہم جس طرح ماضی میں تمہارے ساتھ تھے مستقبل میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ رہیں گے، (۴) عربو! ایمان اور حق کی بنیاد پر قائم تمہارے اتحاد کی وجہ سے ماضی میں کامیابیوں نے تمہارے قدم چومے ہیں، روئے زمین پر بسنے والے بہت سے لوگ تمہارے ہم مذہب و ہم دین ہیں، تم اس تعلق کو ہر دن استوار کرتے رہو، تم اس وحدت کی پاسبانی کرتے رہو، یہاں تک کہ ایک بار پھر کامیابیاں تمہارا استقبال کریں۔ (جمعیۃ علماء ہند والقضایا العربیۃ سے ترجمہ، ص: ۲۰، ۲۲)

۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ:

اکتوبر ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ جس وقت شروع ہوئی، اس وقت مولانا مدنیؒ مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے، آپؒ نے وہیں سے اس وقت کے ناظم عمومی مولانا سید احمد ہاشمی کو ضروری ہدایات تحریر فرمائیں اور مجلس عاملہ منتظمہ کا اجلاس بلانے کا حکم دیا اور تمام کارروائیاں حضرت مولانا کی ہدایات کے مطابق ہی روبہ عمل آئیں۔ انھوں نے عرب ممالک کو اپنی حمایت کا یقین دلانے کے علاوہ وزیر اعظم ہند کو ٹیلی گرام دیا۔ ۱۲/اکتوبر کو یوم دعا منایا گیا اور عرب سربراہوں اور نئی دہلی میں مقیم عرب سفرا کے نام تاروں میں جمعیۃ علما کی حمایت کی یقین دہانی کرائی گئی، ۱۹/اکتوبر کو طے شدہ پروگرام کے مطابق امریکی دفتر اطلاعات پر سہ جماعتی مظاہرہ ہوا۔ اس سے متاثر ہوکر عرب سفرا کا ایک وفد جمعیۃ علما کا شکریہ ادا کرنے کے لیے دفتر جمعیۃ آیا۔

۲۹/اکتوبر کو مولاناؒ حجاز مقدس سے واپس تشریف لائے اور اسی دن ''عرب حمایت کنونشن'' بلانے کا فیصلہ کیا اور ۲۵/نومبر کو یہ کنونشن منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا۔ جب سعودی عرب کے حکمراں شاہ فیصل نے ہندوستان کو عربوں کا دوست ملک قرار نہیں دیا، تو مولاناؒ نے ۳/نومبر کو شاہ فیصل کو ایک برقیہ ارسال کرکے اس پر تشویش کا اظہار کیا، چنانچہ مولانا کی کوششوں سے ہندوستان کو عرب دوست کی فہرست میں شامل کیا گیا۔

۲۳/نومبر کو ایک پریس کانفرنس میں ''عرب حمایت کانفرنس'' کے مقاصد واضح کرتے ہوے مولانا نے کہا: اس کا مقصد اس تحریک (عرب- اسرائیل تنازعہ کو فرقہ وارانہ رنگ دینے) کے خلاف ہندوستانی عوام کو خبردار کرنا اور اس سلسلے میں سامراجی سازشوں کو بے نقاب کرنا بھی ہے، ۲۳/نومبر کو مجلس عاملہ نے قراردادوں کا جو مسودہ تیار کیا، اس میں پانچ قراردادیں مشرق وسطی کے مسئلے کے سلسلے میں تھیں، یہ کنونشن ایوان غالب میں منعقد ہوا، جس میں سیاسی اور سماجی رہ نماؤں نے شرکت کی۔

قرارداد: ۱- میں یہ واضح کرتے ہوے کہ اسرائیل نے ایک نئی جارحیت کا آغاز کردیا ہے، اس کی مذمت کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ مغربی ایشیا میں امن کے لیے عرب علاقوں کی واپسی اور فلسطینیوں کے حقوق کی بحالی ضروری ہے، اس میں حکومت ہند کی جانب سے عربوں کی حمایت کی پالیسی کی تحسین کی گئی ہے اور عربوں کی حمایت کے لیے ایک مستقل تنظیم اور عرب حمایت فنڈ قائم کرنے کے لیے صدر محترم کو اختیار دیا گیا ہے، اس عرب امدادی فنڈ میں فراخ دلانہ حصہ لینے اور امدادی رقومات جمعیۃ علماء ہند کے دفتر ارسال کرنے کی اپیل کی گئی ہے، تاکہ عرب مظلومین کی امداد اور ہندوستان میں

عرب کاز کو آگے بڑھانے اور اسے ہمہ گیر طور پر مستحکم کرنے میں مدد مل سکے، تجویز میں امن کی شرائط درج ذیل ہیں: (۱) اسرائیل ۱۹۶۷ء کے تمام مقبوضہ عرب علاقے خالی کرے۔ (۲) فلسطینی عرب باشندوں کو ان کے جائز حقوق عطا کیے جائیں، جن کو حاصل کرنے کے لیے وہ گذشتہ ۲۵ / برسوں سے اسرائیل کی سامراجی حکومت کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں،

قرارداد: ۲- میں عرب ممالک کی تیل کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی پالیسی کی تعریف کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جو اتحاد ان میں اس وقت قائم ہو گیا ہے، وہ قائم رہنا چاہئے اور تیل کو اس وقت تک بطور ہتھیار استعمال کیا جائے، جب تک عرب علاقے خالی نہ ہو جائیں اور فلسطینیوں کو ان کے جائز حقوق نہ مل جائیں، مذکورہ قرارداد میں شاہ فیصل کا بھی شکریہ ادا کیا گیا کہ انھوں نے حسب معمول ہندوستان کو تیل سپلائی کرنے کا اعلان کیا ہے۔

قرارداد: ۳- میں الجزائر کانفرنس میں مسئلہ فلسطین سے متعلق قرارداد کی روشنی میں حکومت ہند سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جس طرح الجزائر کانفرنس نے "تنظیم آزادی فلسطین" کو فلسطین کے عوام اور ان کی مبنی بر انصاف جدوجہد کے لیے قانونی اور جائز نمائندہ تسلیم کیا ہے، اسی طرح حکومت ہند بھی تنظیم مذکورہ کو قانونی طور پر تسلیم کرنے کا اعلان کرے۔

قرارداد: ۴- میں ممبئی اسرائیلی قونصل خانے کی سیاسی سرگرمیوں اور اس کے غلط پروپگنڈوں پر تشویش اور بے چینی کا اظہار کیا گیا ہے، اور حکومت ہند سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان ناپسندیدہ سرگرمیوں کے انسداد اور مغربی ایشیا میں ہندوستانی مفادات کے تحفظ کی خاطر؛ نیز الجزائر کی ناوابستہ ملکوں کی مغربی ایشیا سے متعلق قرارداد کی روشنی میں اسرائیل کے خلاف نہ صرف اقتصادی، ثقافتی اور تجارتی پابندیاں عائد کرے؛ بل کہ اس کے ساتھ ہی ممبئی میں اسرائیل قونصل خانے کو بھی فوراً بند کر دے۔

قرارداد: ۵- کے تین جز ہیں: پہلے عرب سربراہوں اور فوجی کمانڈوں اور مجاہدین کی تحسین، دوسرے میں شہدائے جنگ کو خراج عقیدت اور تیسرے میں ان ممالک کی تعریف کی گئی ہے، جنھوں نے عربوں کی اس جنگ میں عسکری اور حربی امداد کی تھی۔ (تلخیص از کتابچہ "وقت کے تقاضے" مولانا سید ہاشمی)

عام کانفرنس کا انعقاد:

عرب قبضے کی تائید وحمایت اور فلسطینی مزاحمت کے ساتھ اتحاد واشتراک کے لیے ۲۵ / نومبر ۱۹۷۳ء کو نئی دہلی میں مولانا نے ایک عام کانفرنس منعقد کی، جس میں مرکزی وزرا اور سیاسی رہ نماؤں سمیت بڑی تعداد میں شریک ہوئے، جس سے فلسطینی قضیے اور عرب مسائل کے تعلق سے

ہندوستانی حکومت کا موقف اجاگر ہوتا ہے اہم شرکا کے اسماء درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا سید اسعد مدنی، صدر جمعیۃ علماء ہند (۲) سید فخر الدین علی احمد، وزیر خوراک وزراعت (۳) مسٹر سورن سنگھ، وزیر خارجہ (۴) مسٹر دیوکانت بروا، سابق وزیر پٹرولیم (۵) ڈاکٹر شنکر دیال شرما، صدر کانگریس پارٹی (۶) شاہ نواز خان، نائب وزیر پٹرولیم معاون (۷) سبھدرا جوشی، ممبر پارلیمنٹ (۸) پریم ساگر گپتا، کمونسٹ پارٹی کے صدر وغیرہ (قضیۃ فلسطین وکلمۃ حق والتاریخ (عربی) سے ترجمہ، ص:۲۲)

تنظیم آزادی فلسطین کے ساتھ ہمدردی:

۲۰-۲۱/ اپریل ۱۹۷۴ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے تنظیم آزادی فلسطین کو سرکاری طور پر منظور کرنے کے لیے ایک اہم تجویز پاس کر کے حکومت ہند کی خصوصی توجہ مبذول کرائی، پھر ۹-۱۰/ نومبر ۱۹۷۴ء کو فلسطینیوں کے حق میں تجویز پاس کی۔ جب جمعیۃ کی تحریک پر حکومت ہند نے تنظیم آزادی فلسطین کو مکمل سفارتی درجہ دینے کے ساتھ دہلی میں اس کے نمائندے کو سفیر تسلیم کیا اور اس کے سربراہ یاسر عرفات کو سربراہ مملکت کا مقام دیا تو شریمتی اندرا گاندھی کی سربراہی میں حکومت ہند کے اس دانش مندانہ فیصلے کا خیر مقدم صرف ہندوستان کے عوام نے ہی نہیں؛ بل کہ دنیا کے سارے مسلمانوں اور انصاف پسندوں نے خندہ پیشانی سے کیا۔

مولانا نے ان الفاظ میں اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ''اس فیصلے نے فلسطین اور بیت المقدس کی آزادی کی تحریک میں نئی جان ڈال دی ہے''

۹-۱۰/ اپریل ۱۹۷۵ء کو جمعیۃ کی مجلس عاملہ نے تنظیم آزادی فلسطین کو تسلیم کر لینے پر حکومت ہند کے لیے شکریہ کی تجویز پاس کی۔

۵-۶/ نومبر ۱۹۷۵ء کو جمعیۃ کی مجلس عاملہ نے اسرائیل کو امریکی اسلحہ سپلائی کرنے کے خلاف احتجاجی تجویز پاس کی۔

۵-۶/ فروری ۱۹۷۵ء کو جنیوا کانفرنس کے موقع پر مجلس عاملہ نے فلسطینیوں کی حمایت میں ایک تجویز پاس کی، جس میں امریکی صدر جمی کارٹر پر زور ڈالا گیا کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر اسرائیل کو مقبوضہ عرب علاقے خالی کرنے پر مجبور کریں اور وہ ایک آزاد مملکت فلسطین کے قیام کا حق تسلیم کر لے۔ (جمعیۃ علماء ہند کا فلسطین سے تاریخی رشتہ، ص: ۱۰-۱۱)

یوم احتجاج اور یوم فلسطین منانے کا اعلان:

یکم جنوری ۱۹۸۲ء کو مولانا نے اسرائیل کی طرف سے زبردستی بیت المقدس اور شام کی

گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرنے کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے یوم احتجاج منانے کا اعلان کیا۔(ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' جمعیۃ علماء نمبر،ص:۶۰۴،جلد:۸،شمارہ:اکتوبر،۱۹۹۵ء)

۲/جون ۱۹۸۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کی ریاستی اور مقامی شاخوں کے زیر اہتمام ملک کے گوشے گوشے میں یوم فلسطین منایا گیا، فلسطینی عوام پر اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی گئی، ان کے لیے کامیابی اور اسرائیل کے لیے شکست فاش کی دعائیں کی گئیں، چناں چہ ملک کے تمام علاقوں سے مولانا مدنیؒ کی آواز پر لبیک کہا گیا اور مساجد میں دعائیں ہوئیں۔

(قضیۃ فلسطین کلمۃ حق والتاریخ (عربی) سے ترجمہ،ص:۳۲-۳۳)

فلسطینیوں کی مالی امداد:

۶/ستمبر ۱۹۸۲ء کو جمعیۃ علماء ہند نے قضیہ فلسطین کی اہمیت کے پیش نظر اور فلسطینی مزاحمت حمایت کے اظہار کے لیے نئی دہلی میں مقیم فلسطینی نمائندے مسٹر جمیل الحجاج کو جمعیۃ آنے کی دعوت دی، ان کی آمد پر انھیں فلسطینیوں کی مالی امداد کے طور پر ایک لاکھ روپے پیش کیے گئے۔ یہ رقم ملک کے مختلف حصوں سے ارسال کی گئی تھیں، جمعیۃ اتنی معمولی رقم پیش کرتے ہوئے احساس ندامت سے سر جھکائے تھی۔ (ایضاً ص:۳۴،روزنامہ الجمعیۃ ۷/ستمبر ۱۹۸۲ء)

تنظیم آزادی فلسطین کے راہ نما یاسر عرفات، جب ہندستان کی دعوت پر تشریف لائے تو مولانا اسعد مدنی کی سرکردگی مین جمعیۃ علماء ہند نے ان کو ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں شاندار استقبالیہ دیا، موصوف کی سرگرمیوں اور مساعی جمیلہ سے باخبر ہوکر ہندستان میں ایک اچھا ماحول عرب مظلوم فلسطینیوں کے لیے پیدا ہوا۔ (جمعیۃ علماے ہند کا فلسطین سے رشتہ،ص۷)

۱۱/جون ۱۹۸۲ء کو رابطہ عالمی اسلامی کے جنرل سیکریٹری کے ایک برقیے پر، جس میں حضرت مولانا اسعد مدنی سے فلسطین کے مظلوم عربوں کی حمایت کے لیے رائے عامہ کو ہموار اور عربوں کی حمایت کے لیے مزید جدوجہد کرنے کی اپیل کی گئی تھی، مولانا نے اسرائیل کی کارروائیوں کی بھرپور مذمت کی۔ (روزنامہ الجمعیۃ ۱۲/جون ۱۹۸۲ء)

۱۱/جون ۱۹۸۲ء کو مولانا اسعد مدنی نے تنظیم آزادی فلسطین کے ناظم الامور کے نام ایک تار میں لبنان پر اسرائیلی حملوں کی پر زور مذمت کی اور جمعیۃ علماء ہند اور مسلمانان ہند کی طرف سے اسرائیل کے خلاف تعاون کا مکمل یقین دلایا۔ انھوں نے تنظیم آزادی فلسطین کی عملی طور پر مدد کے ساتھ اقوام متحدہ سے اپیل کی کہ وہ اپنی تمام تر قوت اسرائیلی جارحیت کو روکنے کے لیے استعمال کرے، ورنہ اسے بھی لیگ آف نیشنز کی طرح تصور کیا جائے گا انھوں نے مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ

اس موقع پر قنوت نازلہ کا اہتمام کریں اور ۱۸؍ جون کو یوم دعا منائیں۔ (الجمعیۃ ۱۲؍ جون ۱۹۸۲ء)

چناں چہ مولانا کی ہدایت کے مطابق اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی اور فلسطینی مجاہدین کی حمایت میں مسجد عبد النبی میں یوم فلسطین منایا گیا، نیز ملک کے چپہ چپہ میں اس کا اہتمام کیا گیا، اس موقع پر مسجد عبد النبی کے اجلاس میں ایک قرار داد بھی منظور ہوئی، جس میں اسرائیلی حملوں کی مذمت کے ساتھ عربوں کے حوالے سے حکومت ہند کے موقف کی تعریف کی گئی، ساتھ ہی حکومت سے ممبئی میں اسرائیلی قونصل خانے کو بند کرنے کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ (روزنامہ الجمعیۃ ۱۹؍ جون ۱۹۸۲ء)

۱۸؍ جولائی ۱۹۸۲ء کو مولانا مدنی نے نماز عید کے بعد فلسطینیوں کے لیے دعا اور مالی امداد کی اپیل کی، ملک کے باشندوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی ایک دن کی آمدنی تنظیم آزادی فلسطین کو بھیجیں، جس سے فلسطینی عوام کو اپنی موجودہ مشکلات کے حل میں کسی قدر مدد مل سکے۔ جمع شدہ رقم تنظیم کے ناظم الامور کے پاس ان کے دلی کے پتے پر بھیج دی جائے۔ (روزنامہ پرتاپ، ۱۹؍ جولائی ۱۹۸۲ء)

اگر چہ مولانا نے امدادی رقم پی، ایل، او، میں ناظم الامور کو بھیجنے کی درخواست کی تھی مگر پھر بھی متعدد حضرات نے امدادی رقم مولانا کے پاس اس خواہش کے ساتھ بھیج دی کہ وہ بہ نفس نفیس ان رقوم کو ان کی خدمت میں پیش کریں۔ دفتر جمعیۃ مذکورہ تاریخ تک مختلف مقامات سے ۹۴۳۰ روپے موصول ہو چکے تھے۔ (روزنامہ الجمعیۃ: ۹؍ جولائی، ۱۹۸۲ء)

فلسطینی مجاہدین کی حمایت میں جلسہ:

۳۰؍ جولائی ۱۹۸۲ء کو فلسطینی مجاہدین کی حمایت میں ''ہاپوڑ'' میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، حالاں کہ موسم ناساز گار تھا مگر پھر بھی بھاری تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، مولانا اسعد مدنی نے کہا کہ عربوں کو زیرِ نگیں رکھنے کے لیے امریکہ و برطانیہ نے اسرائیل کو عربوں کے دل میں ایک خنجر کے طور پر بسایا ہے، مولانا نے نہایت درد بھرے انداز میں فرمایا کہ آج بہادر مجاہدوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، ان کا پانی تک بند کر دیا گیا ہے، مگر وہ نہایت بہادری اور جرات کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ ہم کو چاہئے تھا کہ ہم ان کے ساتھ شانہ بہ شانہ لڑتے، ان کو خون بھیجتے، اپنے جگر گوشوں کو ان کی حمایت کے لے روانہ کرتے؛ لیکن شاید یہ ممکن نہیں ہے، اخیر میں مولانا نے جلسے کے منتظمین سے مالی امداد کی اپیل کی۔ (روزنامہ الجمعیۃ: ۳۱ جولائی، ۱۹۸۲ء)

فلسطینی یک جہتی کنونشن سے خطاب:

۲؍ اگست ۱۹۸۲ء کو فلسطینی یک جہتی کنونشن سے مولانا نے خطاب کرتے ہوئے کہا: جہاں تک ہمارا تعلق ہے، اگر ہمارا بس چلتا تو ہم اپنی جانیں بھی مجاہدینِ فلسطین کے لیے وقف

کردیتے، قابل مبارک باد ہیں فلسطین کے وہ مجاہدین، جو عظیم مجاہد راہ نما یاسر عرفات کی قیادت میں حوصلہ، عزم اور بہادری کے ساتھ بے پناہ طاقت ور دشمن سے لوہا لے رہے ہیں، رہ کنونشن ماؤ لنکر ہال میں ہوا، جس کا افتتاح لوک سبھا کے اسپیکر مسٹر بلرام جھا کرنے کیا تھا۔ مولانا نے بڑے افسوس کے ساتھ کہا عرب ممالک ان وسائل کو مجاہدین کی امداد کے لیے استعمال کررہے ہیں، جو خدانے انھیں مہیّا کیے ہیں۔ (روزنامہ الجمعیۃ:۳/اگست،۱۹۸۲ء)

۲۷/مارچ کو مولانا اسعد مدنی نے مسلمانوں کے قبلہ اول ''مسجد اقصیٰ'' اور دوسری مساجد کی بے حرمتی کے خلاف اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کو ایک تار بھیجا، جس میں مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرتے ہوئے فلسطینی مسجدوں کی بے حرمتی کو روکنے کے لیے موثر اقدامات کی اپیل کی گئی۔ اسرائیل سامراج کے خلاف احتجاجی قدم کے طور پر ۱۳/اپریل ۱۹۸۴ء کو یوم احتجاج منانے کی اپیل کی۔ (قومی آواز، ہیرالڈ نیوز، الجمعیۃ: ۲۸/مارچ ۱۹۸۴ء)

یوم بیت المقدس منانے کا اعلان:

۱۱/مئی ۱۹۸۴ء کو مولانا نے بیت المقدس میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف ''یوم بیت المقدس'' منائے جانے کا اعلان کیا۔ انھوں نے کہا کہ صیہونی اور یہودی فتنہ پرداز بیت المقدس کو یہودی شہر میں تبدیل کرکے وہاں سے مسلمان عرب اور دوسرے باشندوں کو نکال دینا چاہتے ہیں، مولانا نے کہا کہ اسرائیلی دہشت پسندوں نے بیت المقدس کی بہت سی مسجدوں اور دوسری عبادت گاہوں پر حملے کی کوشش کی ہے اور مسجد اقصیٰ کو خاص طور پر نشانہ بنایا ہے، مولانا نے ان جارحانہ اقدامات کے خلاف ۱۸/مئی ۱۹۸۴ء کو یوم بیت المقدس منائے جانے کا اعلان کیا۔

(روزنامہ الجمعیۃ: ۱۲/مئی ۱۹۸۴ء)

چناں چہ مولانا کی اس اپیل پر ہندوستان بھر میں یوم بیت المقدس منایا گیا اور ملت اسلامیہ ہند نے بیت المقدس پر مستقل قبضہ رکھنے اور بیت المقدس کو اسرائیل میں شامل کرنے کی کوششوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، جلسوں میں مولانا کی اپیل کے مطابق ریزولیشن منظور کر کے اقوام متحدہ کو بھیجا گیا۔ (روزنامہ الجمعیۃ: ۱۹/مئی ۱۹۸۴ء)

۲۵/دسمبر ۱۹۸۷ء کو بعد نماز جمعہ ملک بھر میں جمعیۃ علماء ہند کی اپیل پر یوم فلسطین منایا گیا، جگہ جگہ جلسے ہوئے، اسرائیلی حملوں کی مذمت کی گئی اور عرب مظلوموں کے لیے خدا سے دعا کی گئی۔

۹-۱۰/جنوری ۱۹۸۸ء کو نئی دہلی میں جمعیۃ کی مجلس عاملہ نے اسرائیلی مظالم پر سخت غم وغصے کا اظہار کیا اور اس کو ساری دنیا کے لیے ایک چیلنج بتاتے ہوئے تمام ہندوستانی مسلمان اور عرب

دوستوں سے اپیل کی کہ وہ ان مظالم کے خلاف ۵/فروری ۱۹۸۸ءکو یوم احتجاج کے طور پر منائیں، خدا کا شکر ہے کہ اس اپیل پر گاؤں گاؤں، قصبہ، قصبہ اور شہر شہر یوم احتجاج منایا گیا، فلسطینیوں کی حمایت کے احساس کے تحت جمعیۃ علماء ہند نے فلسطین کی مدد کے لیے پچاس ہزار روپیے کی پہلی قسط پیش کی اور کہا گیا کہ امداد کا یہ سلسلہ جاری رہے گا، ان شاء اللہ۔

(جمعیۃ علماء ہند کا فلسطین سے تاریخی رشتہ، ص: ۱۲،۱۳)

یاسر عرفات کی مزاج پرسی:

یاسر عرفات کے حادثہ میں بال بال بچنے پر ۹/ اپریل ۱۹۹۲ء کو مولانا نے ''ڈاکٹر عمادالہورانی'' سے ملاقات کرکے جناب یاسر عرفات کی مزاج پرسی کی وہ حال ہی میں ایک ہوائی حادثہ میں بال بال بچے تھے، مولانا نے اس موقع پر ہندوستان اور فلسطین کے قریبی رشتوں پر زور دیتے ہوئے فلسطینی عوام کی آزادی کے لیے دعا فرمائی اور امید ظاہر کی کہ فلسطین کے عوام ان کی قیادت میں بہت جلد ہی بیت المقدس کو یہودیوں کے چنگل سے آزاد کرانے میں کام یاب ہوجائیں گے۔ (قومی آواز، اخبار مشرق، عوام، پرتاپ، ۱۰ اپریل ۱۹۹۲ء)

مسئلہ فلسطین کے حوالے سے دگر اقدامات:

۱/ مارچ ۱۹۹۴ءکو مولانا نے اسرائیلی مقبوضہ علاقوں میں ہبروں کی مسجد میں ۵۴ مسلمانوں کے قتل عام کے لیے اسرائیل کے علاوہ امریکہ کو بھی ذمے دار ٹھرایا، انھوں نے کہا کہ اسرائیلی فوج نے امریکہ سے آئے ہوئے قاتل یہودی کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کرنے کے بجائے فلسطینیوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ (روزنامہ پرتاپ، ۲/ مارچ ۱۹۹۴ء) حکومت ہند کے اسرائیل کو تسلیم کرنے پر مولانا نے حیرت واستعجاب کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ رویّہ امریکہ نوازی اور اسے خوش کرنے کے لیے کیا گیا ہے، حکومت ہند کا یہ رویہ سیکولر پالیسی کے خلاف اور تکلیف دہ ہے، جمعیۃ میں جو تجویز منظور ہوئی، اس کی نقل حکومت ہند اور اقوام متحدہ کو بھیجی گئی، (ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ علماء نمبر، ص ۴۱، جلد، ۴۳، اکتوبر، ۱۹۹۵ء) ۲۰/ اکتوبر ۲۰۰۰ءکو مولانا اسعد مدنی نے اسرائلی جارحیت اور اقوام متحدہ کی مجرمانہ خاموشی کے خلاف ۲۳/ اکتوبر کو اقوام متحدہ کے دفتر کے سامنے مظاہرے کی اپیل کی، انھوں نے کہا کہ ۱۹۹۳ء میں فلسطین سے متعلق ''وہائٹ ہاؤس'' میں جو معاہدہ کیا گیا تھا عالمی برادری اسرائیل سے اس کی ابھی تک پابندی نہیں کراسکی ہے، انھوں نے فلسطینی مسئلہ کو انسانیت سے جوڑتے ہوئے کہا کہ اسی لیے جمعیۃ علماء ہند اور حکومت سے پہلے تک ہندوستانی حکومت نے فلسطینیوں کی ہر ممکن مدد اور حمایت کی۔ (راشٹریہ سہارا، پرتاپ، ۲۱ اکتوبر ۲۰۰۰ء)

چناں چہ مقررہ پروگرام کے مطابق اقوام متحدہ کے دفتر کے سامنے مظاہرہ ہوا، مظاہرین دفتر تک نہ جاسکے، تاہم مولانا نے پانچ افراد پر مشتمل ایک وفد کے ساتھ دفتر میں میمورنڈم پیش کیا، میمورنڈم میں کہا گیا تھا کہ اسرائیل کے قیام سے نہ صرف ارض فلسطین ؛ بل کہ پوری عرب دنیا سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے متاثر ہوئی ہے، مزید کہا گیا کہ گذشتہ پچاس سال میں ہر امریکی صدر نے اسرائیل کی حمایت اور امداد واعانت کے سلسلے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے، اسرائیل نوازی کا سب سے زیادہ ثبوت موجودہ صدر بل کلنٹن کے عہد اقتدار میں ملتا ہے، اقوام متحدہ نے اس مسئلے کے تعلق سے جو کردار ادا کیا ہے وہ نہایت ہی افسوس ناک ہے۔ (انقلاب، اردو ٹائمز ۲۴ر اکتوبر ۲۰۰۰)

۱۲رنومبر ۲۰۰۰ء کو مولانا نے اسلامی ممالک سربراہ کانفرنس کے نام بھیجے گئے مکتوب میں کہا :عالم اسلام کے تمام رہ نما متحد ہوکر اسرائیل کی بربریت اور ظلم وتشدد کے خلاف فیصلہ کن اقدام کی راہ نکالیں، کانفرنس کے موجودہ صدر شیخ محمد بن محلیف آل ثانی سے انھوں نے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ مسلم رہ نما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں، انھوں نے امید ظاہر کی کہ دنیائے اسلام کا ہر فرد اپنے مقامات مقدسہ، قبلہ اول اور تیسرے حرم شریف کو یہودی قبضہ اور تسلط سے نجات دلانے کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا، انھوں نے اسرائیل سے ہر طرح کا لین دین منقطع کرنے کی اپیل کی اور اس کے اقتصادی وسیاسی بائکاٹ کو از سر نو بہ حال کرنے اور فلسطینی تحریک کی سیاسی، مالی، سماجی ومعاشرتی ہر اعتبار سے مدد کی درخوست کی۔ (قومی آواز، راشٹریہ سہارا، ۱۳رنومبر ۲۰۰۰)

۲۴رمئی ۲۰۰۱ء کو مولانا نے عرب لیگ اور تنظیم اسلامی کانفرنس سے مؤثر کارروائی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا: مقبوضہ علاقوں میں حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں، اسرائیل ایف-۱۶ ہوائی جہازوں سے آبادیوں پر بلا روک ٹوک بم باری کررہا ہے، اس پر اریل شیرون مسلسل طاقت کے استعمال کی دھمکیاں دے رہا ہے، انھوں نے عرب لیگ کے اس فیصلے کی تحسین کی، جس میں عرب ملکوں سے اسرائیل سے تعلقات منقطع کرنے کی اپیل کی گئی ہے، انھوں نے کہا کہ عرب ممالک اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرکے امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک کو منصفانہ رویہ اپنانے کے لیے آمادہ کریں۔ (راشٹریہ سہارا، عوام، قومی آواز، اخبار مشرق، ۲۵رمئی، ۲۰۰۱ء)

۲ راگست کو مولانا نے اسرائیلی فوج اور پولس کی جانب سے مسجد اقصی کی بے حرمتی کی سخت مذمت کی، یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب اسرائیلی انتہا پسندوں کی تنظیم کے کچھ افراد حرم شریف کے قریب ایک مقام پر ''ہیکل سلیمانی'' کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب انجام دے رہے تھے، مولانا

نے مسجد اقصی کی بے حرمتی پر قلبی رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے مسلمانانِ عالم، اسلامی وعرب ممالک کے حکام وسربراہان سے اپیل کی کہ وہ جرات وہمت کے ساتھ اقدام کے لیے آگے بڑھیں۔(اخبار مشرق،۳۰/اگست،۲۰۰۱ء)

۲۰/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو مولانا اسعد مدنی اور دیگر علمائے ہند نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا شرعی اعتبار سے تمام مسلمانوں اور اخلاقی اعتبار سے برادرانِ وطن سے اپیل کی کہ جس طریقے سے بھی ہوسکے امریکہ اور برطانیہ کی مصنوعات کا بائکاٹ کیا جائے، اس فتوی پر مدارس کے مفتیان کرام کے دستخط ثبت تھے۔(قومی آواز، راشٹریہ سہارا،۱۲/اکتوبر،۲۰۰۱)

۶/دسمبر ۲۰۰۱ء کو مولانا نے فلسطین پر اسرائیلی حملے کو وحشیانہ قرار دیتے ہوئے اس کی سخت مذمت کی، انھوں نے فلسطینی انتظامیہ پر اسرائیل کے مجرمانہ حملے کی امریکی تائید کو بین الاقوامی اور اخلاقی قانون کی سراسر خلاف ورزی اور مجرمانہ قرار دیا، انھوں نے کہا کہ اسرائیل اور اس کے سرپرست امریکہ کی خارجہ پالیسی کے خلاف، اب عربوں کے لیے عملی اقدامات کا وقت آگیا ہے، محض زبانی مذمت اور تجاویز کا امریکہ اور اسرائیل پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں، انھوں نے اس سلسلے میں امریکہ حامی مسلم ممالک کے کردار کو بھی شرم ناک قرار دیا، انھو نے کہا کہ سرد جنگ کے خاتمے اور سقوط ماسکو کے بعد امریکہ اور اس کے حلیف ممالک اسلام اور مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھ رہے ہیں، نیز فلسطین کے مظلوموں کے لیے اظہار یک جہتی اور سلامتی اور امریکی-اسرائیلی پالیسی کے خلاف احتجاج کے لیے جمعہ کو یوم دعا کے طور پر منانے کی اپیل کی۔(راشٹریہ سہارا،قومی آواز،عوام،۷/دسمبر،۲۰۰۱ء)

اسرائیل کے شرم ناک جارحانہ مہم کی مذمت اور فلسطین کے مظلوم عوام کے کاز کی حمایت کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے انصاف اور انسانیت پر یقین رکھنے والے تمام افراد اور تنظیموں سے اس سلسلے میں مفید اقدامات کرنے کی اپیل کی اور ۱۹/جولائی کو یوم فلسطین کے طور پر منانا طے کیا ہے، اور جگہ جگہ احتجاجی جلسے کر کے اس کی تجویز اردو، انگریزی میں اقوام متحدہ، امریکی سفارت خانہ اور جمعیۃ کے دفتر بھیجنے کی اپیل کی، تجویز کا متن یہ تھا:

کہ ہندوستان کے باشندوں کا یہ اجتماع اسرائیلی جارحیت اور غاصبانہ وقاتلانہ اقدامات اور امریکہ کی ناجائز اور غیر منصفانہ پالیسی کی سخت مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ اسرائیل اپنی غاصبانہ توسیع پسندانہ مہم سے باز آئے اور مقبوضہ علاقوں کو فوراً خالی کردے، امریکہ، اسرائیل/فلسطین معاملے میں منصفانہ پالیسی اپنائے، یہ اجتماع اقوام متحدہ اور اس کے توسط سے عالمی برادری سے بھی اپیل کرتا ہے کہ وہ اسرائیل کو مقبوضہ علاقوں کو فوراً خالی کرنے اور ظلم وجبر سے روکنے کے

لیے ہر ممکن طریقہ اپنائے۔ (کتابچہ :۱۹ر جولائی، جمعہ کو یوم فلسطین منائیے" ص ۷، ۸)

۲۵ر جولائی ۲۰۰۲ء کو مولانا نے فلسطینی عوام کی تشویش ناک حالت اور اسرائیل وامریکہ کی ظلم وزیادتی کے خلاف اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے، انھوں نے انصاف پسند اور ظلم و بربریت مخالف افراد تنظیموں سے اپیل کی کہ وہ ظالموں کے خلاف اور مظلوموں کے حق میں آواز بلند کریں۔ (سہ روزہ دعوت، ۲۵ر جولائی ۲۰۰۲ء)

اسرائیل کے ہاتھوں حماس کے رہ نما شیخ یاسین کی ہلاکت پر ۲۴ر مارچ ۲۰۰۴ء کو مولانا نے کہا: یہ ایک بز دلانہ، مجرمانہ اور امن کے عمل کو تباہ کرنے والا ہے، انھوں نے کہا کہ اسرائیل جس وحشیانہ طریقے پر سفا کانہ قتل و غارت گری میں ملوث ہے، اس سے انسانی حقوق کی زبردست پامالی ہورہی ہے، انھوں نے شیخ احمد یاسین کی شہادت کو بہت ہی حساس معاملہ قرار دیتے ہوئے کہا: اس سے پوری خطے میں تشدد کا ایک نیا سلسلہ شروع ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے، انھوں نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیل سے تعلقات پر نظر ثانی کرے، اس سے اسٹریٹیجک تعلقات قایم نہ کرے۔ (ہفت روزہ الجمعیۃ: ۲-۸ر اپریل ۲۰۰۴ء)

۳۱ر اکتوبر ۲۰۰۴ کو مولانا نے فلسطینی قاید "یاسر عرفات" کی جلد صحت یابی کی دعا کے ساتھ فلسطین کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا، انھوں نے یاسر عرفات کے نام لکھے ایک خط میں اس نیک تمنا کا اظہار کیا کہ وہ جلد صحت یاب ہوں گے، مولانا نے فلسطین اور یاسر عرفات سے جمعیۃ علماء ہند اور اپنے ذاتی روابط کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: یاسر عرفات صرف ایک شخصیت ہی نہیں ؛بل کہ سراپا جدوجہد اور ایک تاریخ کا نام بھی ہے، فلسطین کے لیے جس جرات اور سوجھ بوجھ کے ساتھ انھوں نے جو کام کیے ہیں، اسے کوئی انصاف پسند فراموش نہیں کرسکتا، ساتھ ہی تمام لوگون سے بھی عرفات کی صحت یابی کے لیے دعا کی اپیل کی۔ (راشٹریہ سہارا، عوام، یکم نومبر ۲۰۰۴)

۶ر دسمبر ۲۰۰۴ء کو مولانا نے ایشیائی ممالک خصوصاً مشرق وسطی کے سلسلے میں امریکہ، یوروپی ممالک اور اسرائیل کی اختیار کردہ پالیسی کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ممالک تمام تر شر پرستوں کی سرپرستی کررہے ہیں، اسرائیل کی جوہری صلاحیتوں اور امریکہ، جو خود سب سے بڑا جوہری ہتھیاروں کا بھنڈار اور ایٹمی توانائی کا مرکز ہے، کو نظر انداز کرنا عالمی نظام کو بگاڑنے اور دوسروں کو دبانے کی کوشش سراسر زیادتی اور ناجائز قدم ہے۔ (ہفت روزہ الجمعیۃ)

حرم مکی میں ایران کی مفسدہ پردازی اور مولانا

سانحہ مکہ جوں ہی پیش آیا، جمعیۃ علماء ہند نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور مولانا نے

خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبد العزیز السعود کو ایک برقیہ بھیجا، جس میں ایرانیوں کے افعال کی سخت مذمت کی گئی تھی، جواب میں شاہ فہد نے مولانا اسعد مدنی کے نام پیغام میں ایرانی دہشت گردی کی مذمت کے لیے اظہار تشکر کیا، انھوں نے کہا: آپ نے جن اسلامی جذبات کا اظہار کیا ہے، ہم اس کے لیے بے حد ممنون ہیں۔ (۲/اگست، ۱۹۸۷ء)

۹/اگست ۱۹۸۷ء کو مولانا نے، جو کہ حج بیت اللہ کے لیے گئے ہوئے تھے، بذریعہ فون حرم مقدس کے واقعے کی تفصیلات اس وقت کے ناظم عمومی مولانا اسرار الحق کو بتائیں، انھوں نے انتہائی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حرم کی بے حرمتی اور حج میں خلل ڈالنے کی پوری ذمہ داری ایران پر ڈالی، انھوں نے کہا کہ ایران کی حکومت کے عزائم سے رفتہ رفتہ پردہ اٹھتا جا رہا ہے، ایرانی حکام نعرہ لگاتے ہیں، امریکہ، روس اور اسرائیل کی مخالفت کا؛ لیکن درپردہ وہ حرمین میں تخریب کاری کر کے عالم اسلام کے مرکز کو کمزور کرنا چاہتے ہیں، مولانا نے عینی شاہدین کے حوالے سے بتایا کہ سعودی حکام نے انتہائی صبر وضبط سے کام لیا؛ لیکن جب کوئی چارہ کار نہیں رہا، تو مجبوراً ایرانی حجاج کی اس بھیڑ کو، جو کہ حقیقت میں حجاج نہیں؛ بل کہ عسکری تربیت یافتہ سپاہی تھے، منتشر کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑا، مولانا نے جمعیۃ علماء ہند کے ارکان وممبران اور مسلمانان ہند سے اپیل کی کہ وہ اس واقعے پر رائے عامہ کو حقائق سے آگاہ کریں اور ایران کی مفسدہ پردازی کا پردہ چاک کریں۔

(ماخوذ از کتابچہ: حرم مقدس کے واقعے پر جمعیۃ علماء ہند کی ایرانی حکومت کی پرزور مذمت، ص، ۲-۳)

۱۲/اگست ۱۹۸۷ء کو ایک گشتی مراسلہ جاری کر کے ۱۲/اگست ۱۹۸۷ء جمعہ کو یوم حرم کے طور پر منانے کی اپیل کی گئی، ''حرمین'' اور ''قدس'' کی حفاظت کی دعا کے ساتھ ایرانی حکومت کی تخریب کاریوں کی مذمتی تجویز منظور کر کے ایرانی اور سعودی سفارت خانوں میں بھیجنے کی درخواست کی گئی، مولانا چوں کہ حرمین ہی میں موجود تھے؛ اس لیے عینی مشاہدات کی روشنی میں درج ذیل بیان بغرض اشاعت روانہ کیا، ''حرم مکہ میں امسال حج کے موقع پر جو افسوس ناک حادثہ رونما ہوا ہے، اس کو محض یہ سمجھنا کہ یہ عراق، ایران جنگ کا شاخسانہ ہے، یا بین الاقوامی سیاست کا ایک عارضی اور وقتی کھیل ہے، بہت بڑی غلطی اور سادہ لوحی ہے، بین الاقوامی صلیبی اور صیہونی طاقت قبلہ اول کی پامالی اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد اب حرمین شریفین کو نشانہ بنانا چاہتی ہے،

ماضی میں بھی ایسی بہت سی کوششیں کی گئیں، تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ کس طرح یہود نے سازش کر کے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کیا، اسلام کی قوت منتشر کر کے سامراجی اور استعماری طاقتوں کے سہارے فلسطین پر قابض ہو گئے ...... اس بار یہود نے درون پردہ حج کا لبادہ اوڑھ

کر مرکز اسلام کو تاخت وتاراج کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، اسی بیان میں مولانا نے تحفظ حرم کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی'' (حرم مکہ کا سانحہ،ص ۱۶۵-۱۶۶)

تحفظ حرم کانفرنس کا انعقاد:

۳۱؍جولائی ۱۹۸۷ء ابرہان ایران کا خانہ کعبہ پر قبضہ کرنے کی کوشش ناکام ضرور ہوئی، مگر اس کے اسلام دشمن منصوبوں سے پردہ اٹھانے کے لیے منظّم اقدامات کی ضرورت تھی۔ چناں چہ ۸؍نومبر کو بارہ کھمبا روڈ نئی دہلی میں واقع سپرو ہاؤس میں عظیم الشان حرم کانفرنس منعقد ہوئی، اس کا افتتاح امام حرم عبداللہ السبیل نے کیا، انھوں نے اپنی تقریر میں مولانا اسعد مدنی کو پیغام تہنیت پہنچایا۔ ان کی تقریر کے بعد مولانا نے خطبہ صدارت پڑھا، جس کے چند اقتباسات یہ ہیں ''ایران کے نام نہاد اسلامی انقلاب نے اس وقت جو شکل اختیار کر لی ہے، وہ عالم اسلام کے لیے سنگین خطرہ ہے، اسلام کا نام لے کر، اسلام کے نعرے کی آڑ میں ملت اسلامی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس سال حج کے موقع پر حرم مکہ میں جو حادثہ پیش آیا ہے، وہ تہران میں تیار کی گئی سازش کا نتیجہ تھا، اب یہ بات قطعی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ ایران نے مکمل تیاری کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں تربیت یافتہ سپاہی اور فوجی حرمین میں قتل وغارت گری مچانے کے لیے بھیجے تھے، دنیا کے بہت سے اخبارات میں یہ خبریں شائع ہوئی ہیں کہ خمینی کے بیٹے احمد نے سوئزر لینڈ میں اسرائیل کے بعض ذمے داروں سے ملاقات کی تھی اور اسی ملاقات میں یہ منصوبہ (حرمین میں قتل وغارت گری) تیار کیا گیا تھا، ایران کی موجودہ روش اور سیاست کے پیش نظر یہ بات بعید از قیاس اور خارج از امکان قرار نہیں دی جاسکتی، ...... خمینی اور ان کے رفقا کا ٹولہ حقیقتاً دشمنان اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے ''کلمۃ حق ارید بہا الباطل'' بات حق ہے؛ لیکن مقصد غلط ہے اور باطل، امام حرم گرچہ اردو نہیں جانتے تھے، مگر انھوں نے مولانا کا خطبہ بڑے غور سے سنا اور بڑی دلچسپی کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے حضرات سے یہ معلوم کر رہے تھے کہ خطبے میں کیا کہا جارہا ہے۔ اس کے بعد عراقی سفیر جناب عبدالودود شیخ علی نے تقریر کی (تحفظ حرم کانفرنس، از احسن مفتاحی ص ۷، ۹، ۲۱ وغیرہ)

ایران میں آئے زلزلے پر اظہار رنج وغم:

۲۸؍نومبر ۲۰۰۳ء کو ایران میں آئے زلزلے پر مولانا نے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا، زلزلے کے شہدا کے لیے دعائیں کرتے ہوئے، ان کے لواحقین سے اظہار ہمدردی اور زخمیوں کی جلد شفا یابی کی دعا کی، بھاری جانی ومالی ہلاکت والی مصیبت کی اس گھڑی میں کہا کہ انسانی سماج اور خصوصا

ملت اسلامیہ ان کے رنج وغم میں برابری شریک ہے، انھوں نے نئی دہلی میں مقیم ایرانی سفیر سے بھی ہم دردی کی اور تمام لواحقین سے امن وعافیت اور توبہ واستغفار کے اہتمام کی اپیل کی۔

(ہفت روزہ الجمعیۃ: ۹-۱۵؍جنوری ۲۰۰۴ء)

ایران کی ایٹمی توانائی کا بلا وجہ ڈھنڈورا پیٹنے پر مولانا نے ۶؍دسمبر ۲۰۰۴ء کو کہا کہ امریکہ تمام شر پرستوں کی سرپرستی کرتا ہے، انھوں نے ایشیائی ممالک خصوصاً مشرق وسطی کے سلسلے میں امریکی ، یوروپی ممالک اور اسرائیل کی اختیار کردہ پالیسی کی سخت مذمت کرتے ہوے کہا: ایران کی ایٹمی صلاحیت کی میڈیا میں جس انداز سے تشہیر اور اسرائیل کی جوہری صلاحیتوں اور امریکہ، جوخود سب سے بڑا جوہری ہتھیاروں کا بھنڈار اور ایٹمی توانائی کا مرکز ہے، کو نظر انداز کرنا عالمی نظام کے توازن کو بگاڑنے اور دوسروں کو دبانے کی کوشش سراسر زیادتی اور ناجائز ہے، مولانا نے ایران کی اس بات کے لیے تحسین کی ہے کہ اس نے دنیا کے سامنے معاملے کے اس پہلو کو بھی رکھا ہے کہ اسرائیل جوہری طاقت حاصل کر چکا ہے، بھاری تعداد میں اس کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں اور مزید حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ (عوام: ۷؍دسمبر ۲۰۰۴ء)

بوسنیا، ہرزیے گووینا اور مولانا

۲؍جولائی ۱۹۹۲ء کو یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کی نسل کشی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوے مولانا نے کہا: آزادی ہر شخص کا خواہ وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو بنیادی حق ہے اور اگر یوگوسلاویہ کی کسی ریاست کے مسلمان اپنا حق مانگ رہے ہیں، تو وہ کوئی غلط بات نہیں ہے، مولانا نے اقوام متحدہ سے اپیل کی کہ وہ یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کی اس نسل کشی کو روکے اور اگر یوگوسلاوی فوج اس پر تیار نہ ہو، تو اس کے خلاف تعزیری اقدامات کیے جائیں انھوں نے حکومت ہند سے بھی اپیل کی کہ وہ سفارتی ذرائع استعمال کر کے یوگوسلاویہ کی حکومت کو اس قتل وغارت گری سے باز رہنے اور مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنے پر آمادہ کرے۔ (الجمعیۃ: ۱۰-۱۶؍جولائی ۱۹۹۲ء)

۲؍جولائی ۱۹۹۲ء کو ہی مولانا نے ایک سرکلر (۲۸) جاری کر کے ۱۰؍جولائی ۱۹۹۲ء کو یوم دعا منانے کی اپیل کی اور ملک میں پھیلی اپنی شاخوں کو درج ذیل ہدایت دی:

۱. نماز جمعہ میں یوگوسلاوی مسلمانوں کی سلامتی اور کام یابی کے لیے خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا جائے۔

۲. بعد نماز جمعہ جلسے منعقد کر کے یوگوسلاوی فوج کے مظالم کے خلاف تجویز منظور کر کے یوگوسلاوی سفارت خانے اور اقوام متحدہ کے سکریٹری کو ارسال کی جائے، نیز نماز فجر میں ”قنوت

نازلہ‘‘ کا اہتمام کیا جائے۔(الجمعیۃ:۱۶؍جولائی ۱۹۹۲ء)

جب سربی افواج نے مسلم اکثریت والی ریاست بوسنیا، ہرزے گووینا کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی اور ان پر توپوں اور مشین گنوں کے دہانے کھول دیے، تو مولانا نے ۲۵؍ستمبر ۱۹۹۲ء کو ایک سرکلر ۲۹ جاری کر کے ۱۶؍اکتوبر کو یوم دعا منانے کی اپیل کی، سرکلر میں درج ذیل باتیں تھیں:

الف نماز جمعہ کے بعد بوسنیا، ہرزے گووینا کے مسلمانوں کی سلامتی اور کامیابی کے لیے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے۔

ب بعد نماز جمعہ جلسے منعقد کیے جائیں، جن میں سربی اور یوگوسلاوی افواج کے مظالم اور ان کی درندگی کے خلاف تجاویز منظور کر کے یوگوسلاویہ کے سفارت خانے اور اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کو روانہ کریں، نماز فجر میں ’’قنوت نازلہ‘‘ کا ضرور اہتمام کیا جائے۔ (الجمعیۃ: ۲-۸؍اکتوبر ۱۹۹۲ء)

۱۹؍مارچ ۱۹۹۳ء کو مولانا نے پھر یوم دعا منانے کی اپیل اس طرح کی ’’مسلمانوں کی اکثریت والا ملک بوسنیا، ہرزے گوینا، جو ۱۹۹۱ء تک یوگوسلاویہ کا ایک صوبہ تھا اور گذشتہ سال کے انتخابات میں ایک آزاد ملک بن چکا ہے، وہاں اسلام دشمن طاقتوں کی شہ پر جارحیت پسند سربی نسل اور یوگوسلاوی فوج نہتے اور معصوم بوسنیائی مسلمانوں کا جس طرح قتل عام کر رہی ہے وہ ان کی نسل کشی اور انھیں نیست و نابود کرنے کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے، معتبر اطلاعات کے مطابق دو لاکھ انسانی جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور بیسوں لاکھ سے زائد افراد اپنی جان اور آبرو بچانے کی غرض سے ملک بدر ہو چکے ہیں ایسے حالات میں انسانیت دوست بہی خواہ اور ملت اسلامیہ کے ہر فرد کا یہ فریضہ ہے کہ ظلم و جبر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں، جمعیۃ علمائے ہند نے اس سلسلے میں ۱۹؍مارچ ۱۹۹۳ء جمعۃ الوداع کو یوم دعا منانے کا فیصلہ کیا ہے، نماز جمعہ میں بوسنیائی مسلمانوں کے لیے دعا کے ساتھ، جلسے منعقد کر کے ظالم کے خلاف تجاویز منظور کر کے یوگوسلاوی سفارت خانے اور اقوام متحدہ کے دفتر بھیجی جائیں (الجمعیۃ:۱۹؍مارچ ۱۹۹۳ء)

۱۲؍جون ۱۹۹۳ء کو مولانا نے بوسنیا میں پیدا شدہ صورت حال کے پیش نظر مسلم تنظیموں اور لیڈروں کا ایک نمائندہ اجتماع طلب کیا، جس میں بوسنیا کے تعلق سے ایک رپورٹ اختصار کے ساتھ پیش کی گئی۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

اس وقت پوزیشن یہ ہے کہ ۹۰ فی صدی علاقہ بوسنیا کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، محض چھ چھوٹے چھوٹے علاقے، جو مسلسل بھی نہیں ہیں اور الگ ہیں، بوسنیا کی حکومت کے پاس رہ گئے

ہیں، چوں کہ دارالسلطنت ابھی مسلمانوں کے قبضے میں ہے، اس لیے مسلم حکومت قائم ہے،
یہ صرف دو حکومتوں کی لڑائی نہیں ہے، بل ؛ کہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کا ایک منصوبہ ہے، بچے، بوڑھے، جوان، عورتیں اور مرد سب مارے جارہے ہیں، عورتوں کے ساتھ بار بار زنا کیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ مسلمان عورتوں کے پیٹ سے عیسائی بچے پیدا کریں، ۴۰۰ مساجد تباہ ہو چکی ہیں، اقوام متحدہ کی امداد مسلمانوں تک پہنچنے نہیں دی جاتی ،

کیا ایسے حالات میں ہماری کچھ بھی ذمے داریاں اور ہمارے کچھ فرائض ہیں یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے، اور ہے، اور ہمیں مل بیٹھ کر حالات کا بہ نظر غائر جائزہ لینا چاہئے، اس مسئلے میں جو بھی مفید اور کام آمد اقدامات ہوں، اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے، اجتماع نے متفقہ طور پر طے کیا:

ا ۲۵ ؍ جون ۱۹۹۳ء کو یوم بوسنیا منایا جائے، ۲ -۲۵ ؍ جون کو امریکی سفارت خانے پر مظاہرہ کیا جائے، ۳- اسلامی ممالک کے سفرا سے وفود مل کر میمورنڈم دیں، جس میں یوگوسلاویہ سے اپنے سفارتی تعلقات کے انقطاع کا مطالبہ کیا گیا ہو، ۴- نماز فجر میں دعائے قنوت نازلہ کا اہتمام کیا جائے (الجمعیۃ: ۲۵ ؍ جون ۱۹۹۳ء)

۱۹-۲۰ ؍ دسمبر ۱۹۹۳ء کو مولانا کی صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا دو روزہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں بوسنیا کے حالات کو اسپین کے بعد دوسرا المیہ قرار دے کر، مسلم ملکوں کی غیرت کو چیلنج کیا گیا، جو برطانوی وزیر اعظم جان میکر کے اس بیان کے بعد بھی کہ یہ اسلام اور صلیب کے مابین جنگ ہے، خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، قرارداد میں مسلم ملکوں کی بے حسی اور بے غیرتی کی مذمت کرتے ہوئے، ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اقوام متحدہ میں امریکہ اور برطانیہ کی سخت مخالفت کریں اور اس کا بائکاٹ کریں، جو ظالم سربون کی مدد کررہے ہیں، حکومت ہند سے بھی درخواست کی گئی وہ ازراہ انسانیت ظالم سربوں سے تعلقات منقطع کرے اور مظلوم انسانوں کی مدد کرے، (قومی آواز: ۲۲ ؍ دسمبر ۱۹۹۳ء)

۲۱ ؍ جولائی کو ایک سرکلر (۸/۹۵) جاری کر کے مولانا نے ملت اسلامیہ سے بوسنیا کے مظلوم ومقہور مسلمانوں کے لیے ۴ ؍ اگست ۱۹۹۵ء کو یوم دعا منانے کی اپیل کی، مولانا نے اپنے بیان میں کہا: امریکہ اقوام متحدہ اور یوروپی ممالک بوسنیائی مسلمانوں کی تباہی وبربادی اور ان پر سربی باغیوں کے مظالم کو خاموش تماشائی کی طرح دیکھ رہے ہیں، سربوں کو بین الاقوامی برادری کی مکمل حمایت حاصل ہے اور اقوام متحدہ کے امن برادر فضول قسم کی قراردادوں کی ترتیب میں وقت اور صلاحیت

ضائع کررہے ہیں، مولانا نے کہا کہ سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ مسلم ممالک بھی مغرب کی خوشامد میں آج تک خاموش رہے، جمعیۃ علماء ہند نے ایک بار پھر اس سلسلے میں ۴ راگست ۱۹۹۵ء جمعہ کو یوم دعا منانے کا فیصلہ کیا ہے، اس لیے جمعیۃ علماء ہند اپنی تمام شاخوں، مسلم تنظیموں اور انسانیت دوست حضرات سے اپیل کرتی ہے :۱-نماز فجر میں قنوت نازلہ کا اہتمام کیا جائے۔

۲-نماز جمعہ میں بوسنیائی مسلمانوں کی سلامتی کے لیے خصوصی دعا کی جائے۔

۳-سرب فوج کے خلاف تجویز منظور کرکے امریکہ کے سفارت خانے اور اقوام متحدہ کے دفتر بھیجی جائے۔(الجمعیۃ:۲۸/جولائی-۳ راگست ۱۹۹۵ء)

مولانا اور ایران - عراق جنگ

جب ایران میں شاہی نظام کا خاتمہ ہوا اور خمینی برسر اقتدار آئے، تو عراق کے ساتھ اچھے ہم سایے کے تعلقات قائم کرنے کے بجائے اس نے فتنہ پردازی شروع کردی، ایران نے ۲۴۹ بار عراق کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی اور ۲۴۴ بار سرحد پار فائرنگ کی اور اس طرح ایران -عراق جنگ کا ۴/ستمبر ۱۹۸۰ء کو باقاعدہ آغاز ہوگیا،

مجلس عاملہ منعقدہ یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء کو مولانا نے ایران-عراق جنگ پر تشویش ظاہر کرتے ہوے دونوں ملکوں سے اپیل کی کہ وہ جلد از جلد جنگ روک کر باہمی بات چیت کے ذریعے جھگڑے کو طے کریں۔(ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ نمبر، ص ۴۰۵، جلد شمارہ، ۴۳، اکتوبر، ۱۹۹۵ء)

۱۹۸۱ء حکومت ایران نے پندرہ سو عراقی قیدیوں کو قتل کردیا، مولانا نے اس اقدام کی سخت مذمت کرتے ہوے کہا: بین الاقوامی قوانین کے مطابق جنگی قیدی امانت سمجھے جاتے ہیں اور عراقی عوام سے اپنی ہم دردی کا اظہار کیا۔(ایضاً، ص:۴۰۶)

بغداد کی اسلامی کانفرنس میں شرکت:

اس سلسلے میں ۱۹۸۳ء میں اسلامی کانفرنس بغداد میں منعقد ہوئی، جس میں ہندوستانی مندوبین کے قائد کی حیثیت سے مولانا اسعد مدنی شریک ہوئے، کانفرنس کی ایک نشست کی آپ نے صدارت بھی فرمائی، کانفرنس نے آپ کو بھی امن ومصالحت کمیٹی کا رکن منتخب کیا، لیکن اس کمیٹی کی کوششوں کو بھی ایرانی حکم رانوں نے ناکام بنا دیا،

پھر ۲۲-۲۵ راپریل ۱۹۸۵ء دوسری اسلامی کانفرنس بغداد ہی میں منعقد ہوئی، اس میں تین سو سے بھی زائد مقتدر علماء کرام اور دینی شخصیتوں نے شرکت کی مولانا نے بھی شرکت کی، اس کانفرنس نے جو تعمیلی کمیٹی تشکیل دی، اس کے ۱۸ ارکان میں آپ بھی شریک تھے، اس کانفرنس میں

ہر سال ۲۵ / اپریل کو یوم عراق کے طور پر منانا طے کیا گیا،

٦ - ٧ / مئی ١٩٨٥ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے کانفرنس میں منظور شدہ تجاویز کی تائید، جمعیۃ کی قرارداد میں کہا گیا:

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند ایران عراق جنگ کو برادر کشی سمجھتی ہے، جس میں دونوں طرف کے ہزارہا ہزار نوجوانوں کا خون بے مقصد بہایا جا رہا ہے، مجلس عاملہ دونوں حکومتوں سے مؤدبانہ گزارش کرتی ہے کہ وہ جنگ بندی پر راضی ہو کر باہمی صلح کی راہ ہموار کریں، مجلس عاملہ یہ محسوس کرتی ہے، کہ یہ جنگ دشمن اسلام اسرائیل کو تقویت پہنچاتی ہے اور مشرق وسطی کے مسلمانوں کو کمزور کرتی ہے، مجلس عاملہ تمام مسلمانان ہند سے اپیل کرتی ہے کہ ۲۴ / مئی بروز جمعہ ''یوم جنگ بندی منائیں'' جنگ بندی کے لیے دونوں حکومتوں سے اپیل اور دعا کریں اور اپنی تجاویز دونوں حکومتوں کے سفارت خانے کو روانہ کریں۔ (ایران وعراق جنگ، حرمین شریفین پر قبضے کی سازش :۲، ۳، ۴، ۵، ٦، سے ماخوذ)

۲۴ مئی ١٩٨٥ء کو مولانا نے ایران وعراق جنگ کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے ''یوم چنگیزی'' منانے کا اعلان کیا

پھر جب ایران کی باغی نظام حکومت نے ١٠ / فروری ١٩٨٦ء کو عراق کے خلاف نیا اور بڑا حملہ کیا، تو اس کے پیش نظر اسلامی کانفرنس نے اپنا تیسرا اجلاس ٢٦ - ٢٨ / مارچ ١٩٨٦ء طلب کیا، جس میں ہندوستان کی نمائندگی مولانا اسعد مدنی نے کی۔ (بغداد کانفرنس کا بیان، ص: ۳)

جنگ بندی پر خوشی کا اظہار:

٢٠ / اگست ١٩٨٨ء جب فائر بندی ہوئی، تو جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا، جس کی صدارت مولانا مدنی نے کی، عراقی اور سعودی سفرا نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی، مولانا نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا: پورے عالم کے لیے یہ باعث مسرت ہے کہ خلیج کے دو ملک اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق جنگ بندی کے لیے تیار ہو گئے ہیں، ٢٠ / اگست ١٩٨٨ء جو فائر بندی کا دن ہے، پورے عالم انسانیت کے لیے تہنیت کا دن ہے، آپ نے جنگ کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: اس جنگ نے دس لاکھ سے زائد قیمتی انسانی زندگیوں کا چراغ گل کر دیا ہے، اس سے دوگنی تعداد معذوری کا شکار ہو کر اپنے اہل خاندان پر بوجھ بن کر رہ گئی ہے، آپ نے بڑی صفائی کے ساتھ کہا کہ اس بات سے کوئی فائدہ نہیں کہ کہا جائے کہ کس نے زیادتی کی اور کس پر زیادتی ہوئی؛ مگر اتنی بات ضرور کہی جائے گی کہ اس جنگ نے صرف ایرانی

قیادت کی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے اس قدر طول کھینچا)۔(الجمعیۃ: ۲ر ستمبر، ۱۹۸۸ء)

کویت پر عراقی حملہ اور اس کے بعد صورت حال کے تعلق سے مولانا کی جدوجہد:

۳ر ستمبر ۱۹۹۰ء کو مولانا نے مشرق وسطی کے حالیہ بحران پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے، اپنے اخباری بیان میں کہا: عراق وکویت کے درمیان جو تنازعہ تھا اس کا تصفیہ باہمی گفت وشنید، عرب لیگ یا غیر جانب دار ملکوں کی ثالثی کے ذریعے ممکن تھا لیکن افسوس ہے کہ عراق نے فوجی کارروائی کرکے اور کویت کا انظمام کرکے ایک دھماکہ خیز بحرانی صورت حال پیدا کردی ہے، جس کو بہانہ بنا کر امریکہ نے مملکت سعودیہ کو اپنی طاقت کی آماج گاہ بنایا ہے، لیکن امریکہ کے پیش نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ جس طرح عالم اسلام مملکت سعودیہ پر کسی حملے کو برداشت نہیں کرسکتا اور اس کی مدافعت میں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہے، اسی طرح عربوں کی اس باہمی آویزش کو بہانہ بنا کر اگر امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو عالم اسلام اسے بھی کسی قیمت پر برداشت نہیں کرے گا، انھوں نے عراقی صدر صدام حسین سے اپیل کی کہ وہ کویت سے اپنی فوج کا انخلا کرکے صیہونی سازش کو ناکام کرنے میں عالم اسلام کا تعاون کریں۔(ہفت روزہ الجمعیۃ: ۱۴-۲۰ر ستمبر، ۱۹۹۰ء)

جنگ بندی پر اظہار مسرت:

۳ر مارچ ۱۹۹۱ء کو خلیج میں جنگ بندی پر خوشی ظاہر کرتے ہوئے مولانا نے مغربی ایشیا میں پائیدار امن کی ضرورت پر زور دیا، انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جس کے کرم سے تاریخی بربادی اور لاکھوں کی برادر کشی کے بعد خون خلیج کا خون خرابہ بند ہوا۔ مولانا نے اسلامی ملکوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کا گفت وشنید سے تصفیہ کرکے تعمیر نو کی جدوجہد کی طرف توجہ دیں۔(روزنامہ عوام، مشرقی آواز ۴ر مارچ، ۱۹۹۱ء)

عراق پر امریکی حملہ اور مولانا

جب امریکہ نے بعض غلطیوں کا شکار ہوکر، ۲۷ر جون ۱۹۹۳ء کو عراق پر حملہ کردیا، تو مولانا نے اس کی سخت مذمت کی اور اسے امریکی توسیع پسندی کی علامت قرار دیا انھوں نے کہا کہ مسٹر کلنٹن اگر واقعی انسانیت کی سربلندی چاہتے ہیں، تو انھیں سربیا کے خلاف فوج کشی کرنی چاہئے، جس کی مسلح افواج نے بوسنیا میں ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کو قتل اور بیس لاکھ سے زائد کو ملک چھوڑنے پر مجبور کردیا ہے، مولانا نے اقوام متحدہ سے اپیل کی کہ وہ امریکہ کو اس کی حدود میں رکھے اور عالم اسلام کے خلاف عزائم پر روک لگائے۔(الجمعیۃ: ۱۶ر جولائی، ۱۹۹۳ء)

۶ر ستمبر ۱۹۹۶ء کو مولانا نے عراق پر بلا اشتعال امریکی فضائی حملے کی پرزور مذمت کی، امریکی سفیر اور اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کے نام ٹیلی گراموں میں مولانا نے مطالبہ کیا کہ عراق پر میزائلوں سے حملہ بند کیا جائے اور عراقی عوام کے نقصانات کی تلافی کی جائے۔

(قومی آواز، عوام، اخبار مشرق: ۷ر ستمبر، ۱۹۹۶)

تقریب ظہرانہ میں عراقی کونسل کے چیرمین کی تشریف آوری:

۲۶ر مئی ۱۹۹۸ء کو جمعیۃ علماء ہند کے صدر دفتر میں مولانا کی دعوت پر تقریبِ ظہرانہ میں عراقی صدر صدام حسین کے خصوصی ایلچی اور عراقی کونسل کے چیرمین ڈاکٹر حمادی تشریف لائے، انھوں نے امریکی مظالم پر شدید نکتہ چینی کی، اس موقع پر مولانا نے کہا: جمعیۃ علماء ہند امریکہ کو روز اول ہی سے اسلام کا بدترین دشمن تصور کرتی ہے، مولانا نے عراق پر عائد پابندی کی سخت مذمت کی اور کہا کہ ان پابندیوں کی وجہ سے دس لاکھ سے زائد عراقی عوام خصوصاً بچے، بوڑھے اور عورتیں غذا اور دواؤں کی قلت کے باعث موت کی آغوش میں چلے گئے، مولانا نے یہ تجویز پیش کی کہ یہ مسئلہ اس وقت حل ہوسکتا ہے اور اس سازش کا اسی وقت مقابلہ کیا جاسکتا ہے، جب پورا عالمِ عربی اس پہلو پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے، انھوں نے کہا کہ جمعیۃ علماء ہند پوری قوت کے ساتھ اقوام متحدہ سے اپیل کرتی ہے کہ وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو عراق پر عائد پابندیاں اٹھانے کے لیے مجبور کرے۔ (الجمعیۃ: ۵-۱۱ر جون ۱۹۹۸ء)

عراق پر حملے کے تعلق سے چند دگر اقدامات:

۱۷ر دسمبر ۱۹۹۸ء کو مولانا نے عراق پر امریکہ و برطانیہ کے حملے کو دہشت گردی قرار دیتے ہوئے کہا کہ جب امریکی صدر کسی اسکینڈل میں ملوث نظر آتے ہیں، تو اس سے لوگوں کی نظریں ہٹانے کے لیے اس طرح کا قابل مذمت اقدام کیا جاتا ہے، عراق پر تازہ حملہ کلنٹن کے خلاف زور پکڑ رہی کارروائی سے خود کو بچانے کی کوششوں کا ایک حصہ ہے، انھوں نے بذریعہ تار عراق سے ہم دردی ظاہر کی، انھوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کو امریکہ نے یرغمال بنالیا ہے، بار بار متفقہ قراردادوں کو پیروں سے روندنے کے باوجود اسرائیل کے خلاف آج تک کوئی کارروائی نہیں کی گئی اور عراق پر حملے کے لیے بہانے تلاش کیے جاتے ہیں، مولانا نے ان ملکوں کی تحسین کی، جنھوں نے عراق پر امریکی- برطانوی بم باری کی مخالفت و مذمت کی۔ (الجمعیۃ: ۲۵ر دسمبر، ۱۹۹۸ء)

۵ر ستمبر ۱۹۹۹ء کو مولانا نے عراق پر امریکی حملہ بند کرنے کی اقوام متحدہ سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ عراقی عوام کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کی جائے، انھوں نے امریکی سفیر اور اقوام

متحدہ کے سکریٹری جنرل کے نام دوالگ الگ ٹیلی گرام ارسال کیے،مولانا نے اقوام متحدہ کے سکریٹری کے نام ٹیلی گرام میں عراق پر عائد پابندیوں کو ہٹانے کا مطالبہ کیا۔(الجمعیۃ :۱۳-۱۹رستمبر ۱۹۹۹ء)

۸فروری ۲۰۰۱ءکومولانا نے امریکہ و برطانیہ کے جنگی طیاروں کے عراق پر حملے کی شدید مذمت کرتے ہوے،اسے بزدلی پرمبنی وحشیانہ عمل قرار دیا،انھوں نے کہا کہ کسی بھی آزاد ملک پر اپنی طاقت کا ناجائز استعمال اس کے اقتداراعلی کومسترد کرنے کے ہم معنی ہے، یہ حملہ بین الاقوامی قانون کی صریح خلاف ورزی ہے، اور عالمی سلامتی کے لیے خطرہ ہے،مولانا نے کہا کہ امریکہ اپنے حلیف ممالک کے ساتھ عالمی پولس مین کا رول ادا کررہا ہے، انھوں نے امن وسلامتی کی خواہاں تمام تنظیموں سے اپیل کی کہ وہ اس وحشیانہ کارروائی کی مذمت کریں۔ (قومی آواز ،راشٹریہ سہارا،الیوم،۱۹رفروری،۲۰۰۱ء)

۷رستمبر۲۰۰۲ کومولانا نے کہا: امریکہ کی قیادت میں جاری جنگی مہم پوری دنیاے امن کے لیے خطرہ ہے، اس کی خارجہ پالیسی کم زوروں، ترقی پذیرممالک خصوصا مسلم ملکوں کے لیے انتہائی تحقیر آمیز ہے، امریکہ پوری دنیا میں اپنی پسند کی کٹھ پتلی حکومتوں کے قیام میں کوشاں رہتا ہے، وہ کسی بھی ملک کو اپنے طور پر ترقی کرتے اور طاقت رو بنتے ہوے دیکھنا نہیں چاہتا، تیسری دنیا خاص طور سے مشرق وسطی میں امریکہ، برطانیہ کی تمام پالیسی اسرائیلی مفادات کے مدنظر بنائی جاتی ہیں ،اس خطے میں عراق ایسا ملک ہے جو اسرائیلی جارحیت پر قدغن لگانے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لیے امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کی پوری کوشش ہے کہ اسلحہ کے بہانے عراق کو پوری طرح تباہ کردیا جائے، یا صدام کو اقتدار سے بے دخل کرکے ایسے فرد کوحکم راں کی کرسی پر بٹھا دیا جاے، جو صد فی صد امریکی مقاصد وعزائم اور مرضی کے مطابق نظام حکومت چلائے۔ (راشٹریہ سہارا،قومی آوازعوام، ۸رستمبر۲۰۰۲ء)

۹رستمبر۲۰۰۲ءکومولانا نے امریکی قیادت میں دہشت گردی کے خاتمے کے اور قیام امن کے نام پر چلائی جارہی مہم پر گہری تشویش کا اظہار کیا،انھوں نے کہا کہ عراق کی فوجی تنصیبات پر حالیہ ہوائی حملہ اور برسر اقتدار حکم راں کو ہٹا کر اپنی پسند کا حکم راں کے انتخاب پر غیر ضروری شرم ناک امریکی عزائم کی تکمیل سے دوسرے ملکوں میں طاقت وروں کے لیے ناجائز مداخلت کا دروازہ کھل جائے گا،مولانا نے اقوام متحدہ کے غیر مؤثر کردار پر ردعمل ظاہر کرتے ہوے کہا: عراق نہ تو وسیع تباہی پھیلانے والے ہتھیار تیار کرتا ہے اور نہ ہی اپنے پڑوسیوں کے لیے خطرہ ہے، اس صورت حال کے مدنظر انھوں نے تمام انسانیت نواز افراد اور تنظیموں سے اپیل کی کہ وہ امریکی

جارحیت اور امن وامان کو تباہ کرنے والی ظالمانہ پالیسی کے خلاف آواز بلند کریں اور ۱۳ر ستمبر ۲۰۰۲ء بروز جمعہ کو یوم احتجاج و دعا کے طور پر منائیں۔ (راشٹریہ سہارا، عوام، ۱۰ر ستمبر، ۲۰۰۲ء)

۲۰ر مارچ ۲۰۰۳ء کو عراق پر امریکی حملے کے بارے میں اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے مولانا نے کہا: جنگ شروع ہونے سے قبل تک ہم نے جنگ سے احتراز اور متبادل پر امن طریقوں سے مسائل حل کرنے کے موقف کی پوری حمایت کی، اب جب کہ عالمی رائے عامہ اور ''یو- این- او'' کے تمام اصول وضوابط کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے امریکہ نے عراق پر حملہ کر دیا ہے، عالمی برادری کا فریضہ ہے کہ جلد جنگ کو رکوانے کے لیے امریکہ پر پورا دباؤ ڈالیں اور اس سے بڑھ کر ہمارا انسانی فریضہ ہے کہ عراق کے شہریوں کے تحفظ اور انھیں فوری طور پر راحت اور امداد فراہم کرنے کا لیے عملی طور پر اقدامات کریں، مولانا نے ہندوستانی حکومت اور وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی سے بھی اپیل کی کہ وہ تمام سربراہوں خاص کر عرب سربراہوں سے عراق کے عوام کے جان ومال کے تحفظ اور راحت رساں رضا کاروں کا قافلہ عراق بھیجنے کی پیش کش کی۔
(الجمعیۃ ۲۸ر مارچ-۳ر اپریل، ۲۰۰۳ء)

۸ر اپریل ۲۰۰۳ء تک اس امدادی مد میں کل ۵۲۷۲۴۲ رقم جمع ہوئی، جس میں خرد برد کا الزام بعض تشکیکی مزاج رکھنے والوں نے لگایا؛ مگر جمعیۃ نے اپنی وضاحت بیانی سے سب کو خاموش کر دیا۔

یوم دعا و احتجاج منانے کی اپیل:

۲۷ر مارچ ۲۰۰۳ء کو جمعیۃ علماء ہند نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ کل ۲۸ر مارچ کو یوم دعا کے طور پر منائیں، مسجدوں اور اجتماعات میں امریکی جارحیت کی مذمت اور عراقی عوام کی فتح نصرت اور حفاظت کی دعا کی جائے، اجتماع میں یہ واضح کیا جائے کہ عراق پر امریکہ و برطانیہ کا حملہ امن، انصاف انسانیت اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ (راشٹریہ سہارا، قومی آواز ۲۸ر مارچ ۲۰۰۳ء)

۲۶ر مئی کو مولانا نے عراق میں آئے دن بگڑتے حالات پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے جلد از جلد اقتدار عراقیوں کی منتقلی کا مطالبہ کیا، تاکہ وہ اپنی پسند کے مطابق حکومت تشکیل کر سکیں، غیر ملکی افواج کی عراق میں موجودگی سے عوامی غم وغصہ اور تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، انھوں نے کہا کہ قابل احترام شخصیات سے وابستہ یادگاروں کی تباہی سے شہریوں میں بے چینی کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے، انھوں نے کہا کہ اگر صورت حال پر جلدی سے قابو نہیں پایا گیا اور اقتدار کی منتقلی میں تاخیر ہوئی تو حالات اور بھی سنگین ہو سکتے ہیں۔ (راشٹریہ سہارا، قومی آواز، عوام، پرتاپ، ۲۷ر مئی، ۲۰۰۴ء)

۱۸ر ستمبر ۲۰۰۴ء کو امریکی فوج کی طرف سے عراق کی مختلف آبادیوں پر مسلسل حملے کی سخت

مذمت کرتے ہوئے مولانا نے کہا: امریکی فوج کے اس دعوے میں دم نہیں ہے کہ حملے مشتبہ دہشت گردوں کے ٹھکانے پر کیے جاتے ہیں، اگر ایسا ہے تو معصوم شہریوں اور بچوں، عورتوں کی ہلاکت کی تعداد کیوں بڑھ رہی ہے، انھوں نے کہا کہ عراق کی موجودہ صورت حال کے لیے قطعی طور پر امریکہ اور اس کے حلیف اتحادی ذمے دار ہیں، اقوام متحدہ کے زیر نگرانی کام کرنے والے اسلحہ معائنہ کاروں کے علاوہ خود امریکی معائنہ کاروں تک نے عراق میں عام تباہی کے ہتھیاروں کے ذخیرے کی موجودگی سے انکار کیا ہے۔ (راشٹریہ سہارا، قومی آواز، عوام، الیوم، ۱۹ر ستمبر، ۲۰۰۴ء)

افغانستان پر روسی حملہ اور مولانا

۱۹۹۰ء کو مولانا نے افغانستان میں روسی فوجوں کی آمد اور عوام کے خلاف کارروائی کی شدید مذمت کرتے ہوئے روسی فوجوں سے مطالبہ کیا کہ وہ بلا تاخیر افغانستان سے چلے جائیں؛ تاکہ وہاں کی عوام کو بھی بغیر کسی دباؤ کے اپنی منتخب حکومت بنانے کا موقع ملے۔ ہفت روزہ الجمعیۃ: جمعیۃ علماء نمبر، ص: ۴۰۵، شمارہ: ۱۴۳ اکتوبر، ۱۹۹۵ء)

۲۱ر اگست ۱۹۹۸ء کو افغانستان پر بمباری کو مولانا نے دہشت گردی قرار دیتے ہوئے اسے بین الاقوامی قانون کی صریح خلاف ورزی قرار دیا۔ مولانا نے - جو اس وقت افریقی ممالک کے تبلیغی دورہ پر تھے- کہا کہ کسی بھی آزاد وخود مختار ملک پر حملہ اس کے اقتدار اعلی اور خود مختاری کی توہین اور قانون وآئین کے بجائے اپنی طاقت کا ناجائز استعمال ہے، انھوں نے کہا کہ موجودہ جمہوری دور میں امریکی اقدام ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کی شرم ناک مثال ہے، انھوں نے کہا کہ مغربی ممالک کے عوام کا عمومی تاثر ہے کہ ایسے وقت میں افغانستان پر بم باری کرنا، جب کہ امریکی صدر مختلف طرح کے جنسی معاملے میں پھنسے ہوئے ہیں اور مقبولیت میں تیزی سے کمی آرہی ہے، اس سے توجہ ہٹانے کی مذموم کوشش ہے۔ (الجمعیۃ: ۴-۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء۹)

جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا اسعد مدنی نے ملت اسلامیہ خصوصاً افغانستان کی نازک صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو یوم دعا منائیں، نماز جمعہ کے بعد مظلومین ومقہورین کے لیے دعا فرمائیں اور افغانستان کے خلاف اقوام متحدہ کی عائد کردہ پابندیوں کے خلاف اقوام متحدہ اور مسلم ملکون کے سفیروں کو تجاویز ارسال کریں، انھوں نے قنوت نازلہ کا اہتمام کرنے کی بھی اپیل کی۔ (الجمعیۃ، قومی آواز، راشٹریہ سہارا، پرتاپ عوام، ۱۵ر دسمبر ۱۹۹۹ء)

مجسموں کی مسماری پر تشویش کا اظہار:

جمعیۃ علماء نے مجسّموں کی مسماری پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ صدر صورت

حال کے لیے عالمی برادری خصوصاً مغربی و یورپی ممالک بھی کسی حد تک ذمے دار ہیں؛ اگر طالبان حکومت سے۔جس کا افغانستان کے ۹۰ فی صد سے زائد حصے پر قبضہ ہے۔سفارتی تعلقات ہوتے،تو رابطہ کرنے میں آسانی ہوتی۔اور اسے موجودہ انہدامی کارروائی سے روکا جاسکتا تھا۔ امریکہ اور اس کے حلیف ممالک کے دباؤ میں آکر اقوام متحدہ نے طالبان حکومت پر پابندیاں عائد کرکے باہمی گفت وشنید کے تمام راستے بند کردیے ہیں،جمعیۃ نے طالبان حکومت سے اپیل کی کہ وہ فوری طور پر انہدامی کارروائی روک دے،اسلام بت پرستی کے خلاف ہونے کے باوجود دگر مذاہب کی مذہبی علامتوں کو ختم کرنے کی اجازت نہیں دیتا،مولانا نے افغانستان کی موجودہ صورت حال کو لے کر کچھ تنظیموں کی طرف سے دھمکیوں اور ماحول بگاڑنے پر تشویش ظاہر کی اور کہا ردعمل مسئلے کا حل نہیں ہے۔(اخبار مشرق،قومی آواز،راشٹریہ سہارا،ہندسماچار،۵/مارچ ۲۰۰۱ء)

افغانستان پر امریکی حملہ اور مولاناؒ:

۲۸/ستمبر ۲۰۰۱ء کو مولانا کی صدارت میں مجلس عاملہ کا دوروزہ اجلاس ختم ہوا،اس میں دہشت گردی کی سخت مذمت کرتے ہوے امریکہ کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی توجہ دلائی گئی،تجویز میں کہا گیا کہ کسی پختہ ثبوت کے بغیر کسی ملک، تنظیم یا فرد کے خلاف جارحانہ کارروائی بہ ذات خود ایک دہشت گردی ہے،جس سے دہشت گردی کے خاتمے کے بجائے مزید دہشت گردی پھیلی گی، اجلاس نے نیویارک وغیرہ میں ہوے حملے کی تحقیق کا عمل پورا ہونے سے پہلے کسی بھی ملک کے خلاف محض شک وشبہ کی بنیاد پر فوجی کارروائی کو بین الاقومی قانون اور دنیا کی تمام عدالتوں کے فیصلوں کی خلاف ورزی قرار دیا؛ کیوں کہ شبہ سے ملزم کو بری تو کیا جاسکتا ہے،اسے سزا نہیں دی جاسکتی، امن پسند، انصاف پرور عالمی برادری اور تنظیموں خصوصاً اقوام متحدہ سے اپیل کی کہ وہ کسی بھی ملک کو، چاہے وہ کتنا بڑا طاقت ور ہو،من مانے طریقہ سے طاقت کے غلط استعمال سے روکے اور مسئلے کو پختہ دستاویزی ثبوت کی بنیاد پر باہمی بات چیت سے حل کرنے پر آمادہ کرے۔

(راشٹریہ سہارا،قومی آواز،۲۹/ستمبر،۲۰۰۱ء)

۸/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو مولانا نے کہا:افغانستان پر حملہ افسوس ناک ہے اور اسے سرکاری دہشت گردی قرار دیتے ہوے کہا کہ امریکہ اتمام حجت کیے بغیر متعلقہ فریق سے پختہ ثبوت کی بنیاد پر بات چیت کے پرامن راستے کو چھوڑ کر محض طاقت کے زعم میں ایک آزاد ملک پر حملہ کر کے تمام تر اخلاقی وجمہوری قدروں کو پامال کر رہا ہے، انھوں نے ہندوستانی حکومت کو انتباہ دیا کہ وہ اس امریکہ کے جال میں نہ پھنسے، جو صرف اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اور اپنی برتری کی توسیع

کے لیے اقدامات کرتا رہتا ہے، انھوں نے تمام امن پسند افراد، تنظیموں اور حکومتوں سے اپیل کی کہ وہ امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کو پختہ دستاویزی ثبوت کی بنیاد پر منصفانہ بات چیت کے ذریعے مسئلے کے حل کے لیے آمادہ کریں، انھوں نے اپنی پسند کے نظام اور حکومت کے نفاذ وقیام کے امریکی عزائم ورجحانات کوانتہائی تباہ کن اور دور رس نتائج کا حامل قرار دیا اور تمام ائمہ مساجد سے اپیل کی کہ وہ امن عالم کے لیے دعا کے ساتھ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کا اہتمام کریں۔ (قومی آواز، عوام، راشٹریہ سہارا، انقلاب، ۹/اکتوبر ۲۰۰۱ء)

امریکی وبرطانوی مصنوعات کے بائکاٹ کی اپیل:

۱۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو مولانا نے کہا یہ جنگ افغانستان کے خلاف نہیں ؛ بل کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے، ایسے وقت میں ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اگر وہ یہاں رہ کر اپنے مظلوم بھائیوں کی کچھ مدد نہیں کرسکتا، تو کم از کم یہ تو کرے کہ ظالموں کا کسی طرح ساتھ نہ دے اور ان کی مصنوعات کا بائکاٹ کر کے انھیں اقتصادی چوٹ پہنچائے۔ (قومی آواز، راشٹریہ سہارا، ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۱ء)

۱۹/اکتوبر کو مولانا اسعد مدنی اور ملک کے دیگر سیکڑوں علما ومفتیان کرام نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طرف سے جارحانہ حملے کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ بتایا، انھوں نے امریکہ کی پالیسی کو ظالمانہ اور جمہوریت وانسانیت کے لیے خطرہ قرار دیتے ہوے، اس کو اسلام اور مسلمان مخالف قرار دیا، علماء کرام نے متفقہ طور پر باقاعدہ فتوی جاری کر کے مسلمانوں سے شرعی اعتبار سے اور تمام برادران وطن سے اخلاقی اعتبار سے اس امر کو لازم بتایا ہے کہ جس طریقہ سے بھی ہوسکے، امریکہ، برطانیہ اور اس کی مصنوعات کی خرید وفروخت کا بائکاٹ کیا جائے۔ (عوام، ۲۰/اکتوبر، ۲۰۰۱ء)

۲۴/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو مولانا نے افغانستان پر امریکی حملے کے تناظر میں کہا: ایک منصوبے کے تحت امریکہ مشرق وسطی اور جنوب مغربی ایشیا میں عدم استحکام پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، انھوں نے وثوق سے کہا کہ امریکہ اور اس کے اتحادی ان خطوں کے مختلف ممالک کے مابین بے اعتمادی اور جنگ کی حالت پیدا کر کے اسلحہ کی فروختگی میں اضافہ اور اپنے قیام کے لیے جواز پیدا کرنے کی ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اقدامات کررہے ہیں، مولانا نے امن پسند ممالک اور تنظیموں کے حملے بند کرنے کی اپیل کو مسترد کردینے کو امریکہ کی بدترین رعونت اور بددماغی قرار دیا، انھوں نے کہا: ۱۱/ستمبر کے حملے سے امریکہ کے لیے جو ہم دردی پیدا ہوئی تھی ، وہ افغانستان پر جارحانہ حملے اور وہاں کے مظلوم عوام کی تکلیفوں اور عوامی ہجرت اور پیدا شدہ انسانی

المیے سے ختم ہوکر نفرت اور انتقام میں بدل گئی ہے، ۲۶/اکتوبر جمعہ کو یوم دعا کے طور پر منانے، روزہ رکھنے اور مظلوموں کے حق میں دعا کی خاص اپیل کی۔ (قومی آواز، راشٹریہ سہارا)

۱۹۷۷ء میں جب جلالۃ الملک شاہ خالد بن عبدالعزیز اور انور سادات کی بروقت سعی وکوشش سے لبنان کے حالات قابو میں آگئے، تو مولانا نے اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے اس کو عربوں میں باہمی اتحاد کے مضبوط ہونے کا پیش خیمہ قرار دیا اور امریکہ کے صدر مسٹر جمی کارٹر سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر اسرائیل کو مقبوضہ عرب علاقے خالی کرنے پر مجبور کریں۔ (ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ علما نمبر، ص:۴۰۴، جلد:۸شمارہ:۴۳، اکتوبر، ۱۹۹۵ء)

۲۱/جولائی ۱۹۸۱ء کو لبنان پر بغیر اعلان جنگ کے اسرائیلی حملے کے بعد ایک ٹیلی گرام بھیجا گیا، جس میں کہا گیا تھا کہ لبنان پر بغیر اعلان جنگ کے حملہ وحشیانہ اور تمام بین الاقوامی قوانین کے لحاظ سے شدید جرم ہے، اسرائیلی سامراجیوں نے امریکی ہتھیاروں کی مدد سے پرامن اور کم زور لبنان پر فضائی اور بحری حملہ کیا ہے، جنگ اور حملوں کے بند کرا کے بین الاقوامی قوانین کا احترام کیا جائے، یہ ٹیلی گرام مولانا نے اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل ''ڈاکٹر والڈ ہائم'' کو ارسال کیا، ساتھ ہی ایک طویل خط میں مسز اندرا گاندھی سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس قابل نفرت کارروائی پر احتجاج ظاہر کرنے کے لیے ممبئی کا اسرائیلی تجارتی قونصل خانہ بند کردے۔

الجزائر میں آئے زلزلہ پر اظہار افسوس اور امداد:

۲۶/مئی ۲۰۰۳ء کو مولانا نے شام میں پناہ گزیں کیمپ پر اسرائیل کے ہوائی حملے کو اشتعال انگیز قرار دیتے ہوئے، اسے مشرقِ وسطی میں امن کو تباہ کرنے والا بتایا، انھوں نے عرب ممالک کے باہمی اختلافات اور غیر مؤثرانہ کردار پر اظہار افسوس کیا، انھوں نے کہا: اگر عرب ممالک اجتماعی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے، متفقہ پالیسی اپناتے، تو یہ صورت حال نہ پیدا ہوتی، اسی انتشار اور کم زوری کا فائدہ اٹھا کر اسرائیل من مانی کارروائی اور اقدام کر کے عربوں کو ذلیل وخوار کرنے کی راہ پر عمل پیرا ہے، انھوں نے کہا کہ محض احتجاج اور مذمتی قرارداد سے صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ (عوام، ۱۷/اکتوبر، ۲۰۰۳ء)

سوڈان پر امریکی حملہ اور مولانا:

سوڈان کے مبینہ انتہا پسندوں کے ٹھکانوں پر امریکی حملے پر مولانا نے گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی اور کھلی جارحیت قرار دیا۔ مولانا اسعد مدنی- جو اس وقت افریقی ومغربی ممالک کے تبلیغی ودعوتی دورے پر تھے- نے کہا کہ کسی بھی آزاد

ملک پر حملہ اس کے اقتدار اعلی اور خودمختاری کی توہین اور قانون و آئین کے بجائے اپنی طاقت کا ناجائز استعمال ہے، انھوں نے کہا کہ موجودہ جمہوری دور میں سوڈان پر بم باری کرنا، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی شرم ناک مثال ہے، مولانا نے کہا کہ مغربی ممالک کے عوام کا عمومی تاثر یہ ہے ہ ایسے وقت میں سوڈان پر حملہ کرنا، جب کہ امریکی صدر مختلف جنسی معاملے میں پھنسے ہوئے ہیں اور مقبولیت میں تیزی سے کمی آرہی ہے، اس سے توجہ ہٹانے کی مذموم کوشش ہے، مولانا نے کہا کہ امریکہ پولس مین کا کردار ادا کررہا ہے، ہر ملک میں اپنی پسند کا اور مفاد کے مطابق نظام حکومت رائج کرنا چاہتا ہے۔ (الجمعیۃ: ۴-۱۰/ستمبر، ۱۹۹۸ء)

کوسوا کے مظلوم مسلمان پر حملہ اور مولانا:

۱۴/اپریل ۱۹۹۹ء کو مولانا نے کوسوا کے مسلمانوں کی نسل کشی اور منصوبہ بند طریقے پر کرائے جارہے انخلا پر گہری تشویش کا اظہار کیا، جس میں تکلیف دہ اور اذیت ناک انداز میں البانوی نژاد مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور اور یوروپ کے گنجان آبادی والے علاقوں سے ان کا صفایا کردینے کا عمل جاری ہے، وہ یوروپی عالمی برادری خصوصاً بڑی طاقتوں اور اقوام متحدہ کے لیے بہت ہی شرم ناک ہے، انھوں نے کہا کہ اگر فوری طور پر کوسوو کے مسلمانوں کے مسئلے کا حل نہیں نکلا، تو عالمی سطح پر صورت حال خراب ہوجائے گی انھوں نے کہا: یہ افسوس ناک بات ہے کہ جہاں ایک طرف سربیا کی وحشیانہ وجارحانہ کارروائی سے البانوی نژاد مسلمانوں کے لیے بے پناہ مشکلات ومسائل پیدا ہوگئے ہیں، وہیں دوسری طرف ناٹو کے ہوائی حملے سے انخلا وہجرت کا عمل تیز ہوگیا ہے۔

انھوں نے عالمی برادری خصوصاً بڑی طاقتوں سے اپیل کی کہ وہ ایسے مؤثر اقدامات کریں، جن سے کوسوو کے مسلمانوں کا ان کے اپنے ملک سے انخلا وہجرت پر روک لگے، ان کی باز آباد کاری اور ادویہ وخوراک کی فراہمی اور اپنے ملک میں خودمختاری اور آزادی کی راہ ہم وار ہوجائے، انھوں نے تمام امن وانصاف پسند افراد سے ۱۳/اپریل بروز جمعہ یوم احتجاج کے طور پر منانے ، دعا کرنے اور یوگوسلاوی سفارت خانے اور اقوام متحدہ کے دفتر کو مذمتی مراسلے بھیجنے کی اپیل کی، (قومی آواز، عوام، پرتاپ، ۱۶/اپریل ۱۹۹۹ء، الجمعیۃ: ۲۳-۲۹ اپریل، ۱۹۹۹ء)

چیچنیا پر امریکی حملہ اور مولانا:

مولانا نے ملت اسلامیہ خصوصاً چیچنیا کی نازک صورت حال کے پیش نظر، ملت اسلامیہ خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مظلومین کے لیے ۷/دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ ''یوم دعا'' منائیں، نماز جمعہ کے بعد ان کے لیے دعا فرمائیں اور چیچنیا کے نہتے مسلمانوں پر روسی یلغار

کے خلاف اقوام متحدہ اور مسلم ملکوں کے سفیروں کو تجاویز ارسال کریں، انھوں نے اپیل کی کہ وہ کم از کم عیدالفطر تک نماز فجر میں قنوت نازلہ کا بھی اہتمام فرمائیں۔ (الجمعیۃ، راشٹریہ سہارا، ۱۵؍دسمبر، ۱۹۹۹ء)

پاکستان اور مولانا

ہندو پاک و بنگلہ دیش کے مابین معاہدے پر خوشی:

مجلس عاملہ منعقدہ ۲۹-۳۰؍اگست ۱۹۷۳ء کو دہلی میں ۲۸؍اگست ۱۹۷۳ء کو ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے درمیان ہونے والے معاہدے پر مولانا نے اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اس معاہدے کو ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان خوش گوار تعلقات کا سنگ میل قرار دیا (اس معاہدے کے تحت تقریباً ۲۲ ماہ بعد دونوں ملکوں میں آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہوا، اسی اجلاس میں عربی اخبار الکفاح کا اجرا کو بھی منظوری دی گئی۔

(ہفت روزہ ''الجمعیۃ'' جمعیۃ علماء نمبر، ص ۴۰۳، جلد: ۸، شمارہ: ۴۳، اکتوبر، ۱۹۹۵ء)

جمعیۃ علمائے اسلام کے دوگروپوں میں مصالحت کی کوشش:

۱۵؍دسمبر ۱۹۸۴ء کو پاکستان کے روز نامہ ''جسارت'' نے جمعیۃ علماء کے دوگروپوں میں مصالحت کے عنوان سے لکھا کہ مولانا اسعد مدنی نے اپنے دورہ پاکستان میں کالعدم جمعیۃ علماء پاکستان کے دونوں دھڑوں میں مصالحت کی کوشش کی ہے، اور امید ہے کہ یہ کوشش رائے گاں نہیں جائے گی اور دیوبند مکتب فکر کے علما متحد ہوکر ایک متحدہ لائحہ عمل اپنائیں گے، علمائے دیوبند کی اکثریت نے اگر چہ پاکستان کا ساتھ نہیں دیا؛ لیکن جدوجہد آزادی میں ان کے مجاہدانہ کردار اور معاشرتی اصلاح کے لیے ان کی مساعی اور علم دین کی اشاعت کے لیے سرگرم کوششوں کی بنا پر انھیں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن ان کا دو مختلف تنظیموں میں بٹ جانا ان کی اہمیت اور وقار کو کم کررہا ہے، اگر جمعیۃ علمائے اسلام متحد ہوکر پاکستان اور اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرے اور اپنے مخصوص مکتب فکر کے اظہار کے ساتھ اتحاد بین المسلمین کو بھی ذہن نشیں رکھے، تو یہ ایک اچھی بات ہوگی۔ (اردو ٹائمز، روز نامہ مسلمان، مدراس، ۲۰؍دسمبر ۱۹۸۴ء)

صدر ضیاء الحق کی وفات پر افسوس کا اظہار:

۱۸؍اگست ۱۹۸۸ء کو مولانا نے صدر ضیاء الحق کے انتقال پر ایک بیان جاری کیا اور کہا: ایک فضائی حادثے میں پاکستان کے صدر ضیاء الحق اور ان کے ہم سفر افراد کی ہلاکت انتہائی افسوس ناک سانحہ ہے، صدر ضیاء الحق صوم وصلوٰۃ کے پابند، دیانت دار اور دوراندیش انسان تھے، انھوں نے انتہائی نازک حالات میں پاکستان کی باگ ڈور سنبھالی اور پاکستانی معاشرے کی اصلاح اور

ملک میں عام بے راہ روی روکنے کی کوشش کی، وہ اپنے مخالفوں کو متاثر کرنے کا وصف رکھتے تھے، یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان کے مخالفین بھی ان پر اپنے منصب سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھانے کا الزام لگا نہ سکے، جمعیۃ علماء ہند اللہ رب العزت سے دعا گو ہے کہ وہ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پاکستانی عوام اور حکومت کو فلاح و بہبود سے نوازے۔ (الجمعیۃ ۲۶ راگست، ۱۹۸۸ء)

پاکستان کے سابق وزیر اعظم کی دفتر آمد:

۲۰ رستمبر ۱۹۹۱ء کو مولانا اسعد مدنی کی دعوت پر پاکستان کے سابق وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی اور سابق وزیر مولانا کوثر نیازی اپنے رفقا کے ہم راہ دفتر جمعیۃ آئے، دونوں لیڈروں نے صدر جمعیۃ کے ساتھ قومی و بین الاقوامی بالخصوص ملت اسلامیہ کے اہم مسائل پر تبادلہ خیال کیا۔

(قومی آواز، عوام، ۲۱ رستمبر، ۱۹۹۱ء)

پاکستانی صحافیوں کا خیر مقدم وعصرانہ:

یکم فروری ۲۰۰۲ء کو مولانا نے پاکستانی صحافیوں کا خیر مقدم اور انھیں عصرانہ دیا، مولانا نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں اخبار نویسوں سے اپیل کی کہ وہ برصغیر میں امن وسکون اور اعتماد کی فضا بنانے کے لیے کام کریں، آپ نے کہا کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے وسیع تر مفاد کا تقاضا ہے کہ حقیقی اور موہوم خطروں سے نمٹنے کے بجائے کم یاب وسائل کو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جائے، ان ممالک کے درمیان کسی طرح کا خوف اور کشیدگی کی فضا اس برصغیر کی ترقی کی راہ میں مانع ہوگی۔ (قومی آواز، دعوت، الجمعیۃ، ۲ رفروری، ۲۰۰۲ء)

پاکستانی وفد کا خیر مقدم:

۱۸ ر جولائی ۲۰۰۳ء کو پاکستانی اپوزیشن لیڈر مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں آئے وفد کا خیر مقدم کرتے ہوئے مولانا نے کہا: ''دنیا کی سامراجی طاقتیں سارے عالم پر اپنا تسلط جمانے کے لیے ترقی پذیر ممالک میں نفرتوں کو بڑھاوا دے رہی ہیں، اس موقع پر آپ لوگوں کا ہندو پاک کے درمیان سازگار ماحول بنانے کی غرض سے آنا ہماری نظر میں انتہائی قابل قدر اور باعث شکر ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں امید ہی نہیں؛ بل کہ یقین ہے کہ دو پڑوسی ملکوں کے درمیان خیر سگالی اور دوستی کے فروغ کے لیے آپ کی یہ کاوشیں رنگ لائے بغیر نہیں رہیں گی، جمعیۃ علماء ہند کا ابتدا ہی سے یہ موقف ہے کہ تشدد کی راہ چھوڑ کر مذاکرات کے ذریعے باہمی اختلافات دور کریں، انھوں نے کہا جمعیۃ علماء ہند امن کے لیے کی جانے والی ہر کوشش کی ہمیشہ تائید کرتی آئی ہے۔

(راشٹریہ سہارا قومی آواز، ۲۰ رجولائی، ۲۰۰۳ء)

۱۷؍فروری ۲۰۰۵ء کو مولانا نے ۷؍اپریل ۲۰۰۵ء سے شروع ہونے والی سری نگر-مظفرآباد بس سروس اور دیگر معاہدوں کی بات چیت کو امید افزا اور امن کی سمت میں ایک اہم قدم قرار دیا، انھوں نے کہا کہ یہ دور باہمی مذاکرت سے مسائل حل کرنے کا دور ہے، ہند- پاک کو تمام تنازعات اور اختلافی امور کو پر امن بات چیت سے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، مولانا نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی، جو مسئلے کی حل کے لیے جنگ کی بات کرتے ہیں اور اپنے غلط سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اہل مذاہب اور فرقوں کے درمیان نفرت پیدا کرتے ہیں، انھوں نے امرتسر -لاہور کے درمیان بی سروس، منا باؤ- کھالا پار کے درمیان ریل رابطہ، پاکستان سے ہندوستان تک گیس پائپ لائن کی تعمیر کے معاملے کی امید کو جگانے والے اور دونوں ملکوں کے مابین بحالی امن کی کوششوں کو تقویت پہنچانے والا بتایا۔ (ہفت روزہ الجمعیۃ)

سعودی عرب اور مولانا:

ملک فیصل بن عبدالعزیز کے انتقال پر آپ کا اظہار رنج وغم:

۱۹۷۵ء میں ملک فیصل بن عبدالعزیز کے انتقال پر مولانا نے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوے کہا: وہ اس غم میں سعودی عرب اقوام کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، جمعیۃ کی تعزیتی قرارداد میں کہا گیا:

''موصوف کی عالمی سیاست پر گہری نظر تھی، انھوں نے سعودی عرب کو اقتصادی ترقی سے مالا مال کیا، وہ عرب اتحاد کے ستون تھے'' (ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ نمبر، ص:۴۰۳، جلد: ۸، شمارہ: ۴۳، اکتوبر، ۱۹۹۵ء)

سعودی عرب کے سفیر کو الوداعیہ:

۱۱؍اگست ۱۹۸۱ء کو مسجد عبدالنبی کے پر فضا اور مذہبی ماحول میں مولانا اسعد مدنیؒ نے سعودی عرب کے سفیر محترم کے اعزاز میں ایک پر وقار الوداعیہ تقریب کا اہتمام کیا، مولانا نے اس موقع پر جامع اور مدلل تقریر کرتے ہوئے جنتا دور حکومت میں عربوں اور اسرائیل سے تعلقات کی نوعیت اور موجودہ حکومت کی ان پالیسی اور پروگراموں کو بہ نظر تحسین دیکھا گیا، جو عرب ممالک سے خوش گوار تعلقات کو بڑھاوا دینے والے ہیں۔ (عوام، دعوت، ۱۲؍اگست، ۱۹۸۱ء)

رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکریٹری کی ہندوستان آمد اور ان کا استقبال:

۲۰؍فروری ۱۹۸۴ء کو رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکریٹری ''عبداللہ عمر نصیف'' اور ان کے ساتھیوں کا مولانا نے ہوائی اڈہ پر شان دار استقبال کیا، ہوائی اڈہ پر ''وی- آئی- پی لانج میں سیکریٹری جنرل اور ان کے ساتھیوں کی گل پوشی کے بعد نصف گھنٹہ تک جمعیۃ علما کے وفد سے

عالمی وملّی مسائل پر تبادلہ خیال ہوا۔ (قومی آواز، الجمعیۃ، ۲۱رفروری ۱۹۸۴ء)

۲۲رفروری ۱۹۸۴ء کو جمعیۃ علما ہند کے دفتر میں استقبالیہ دیا گیا، جس میں جنرل سکریٹری نے مولانا اسعد مدنی کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے انھیں مسلمانوں کی بہت بڑی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کا دورہ کرایا اور آج جمعیۃ کے مرکزی دفتر میں مدعو کیا، جس کے جواب میں مولانا نے معزز مہمان کی تشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کیا اور رابطہ عالم اسلام کی ملی خدمات کے سلسلے میں رہ نمائی کے لیے انھیں مبارک باد پیش کی،

مولانا شاہ فہد کے مہمان خصوصی:

مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کا لندن سے سعودی عرب پہنچنے پر شان دار استقبال کیا گیا، سعودی ایر لائنس کا طیارہ جب ایئرپورٹ پر اترا، تو شاہ فہد بن عبدالعزیز کی ہدایت کے مطابق شاہی مہمان خانے کے اعلی منتظمین استقبال کے لیے طیارے کے اندر آ گئے اور مولانا کو اعزاز احترام کے ساتھ شاہی مہمان خانہ لے گئے، وہ شاہ فہد کے مہمان خصوصی تھے، اپنے قیام کے دوران شاہ فہد کو ہندوستان کی طرف سے حج میں سعودی حکومت کے بہترین انتظام کے لیے مبارک باد پیش کی اور سانحہ کے لیے افسوس کا اظہار کیا۔ (۲۸رجولائی-۳راگست، ۱۹۸۶ء)

رابطہ عالم اسلامی کی تیسری جنرل سکریٹری کانفرنس میں مولانا کی شرکت:

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے یک شنبہ ۱۸رصفر- جمعرات ۲۲ / ۱۴۰۸ھ/ ۱۵راکتوبر ۱۹۸۷ء کو اپنا گولڈن جشن منایا تھا، جس کا عنوان تھا ''تیسری جنرل اسلامی کانفرنس'' اور جس کا موضوع تھا ''دعوت اسلامی اور مستقبل کے پیش نظر اس کے فروغ کاری'' یہ کانفرنس مکہ مکرمہ کے ہوٹل انٹرکونٹینینٹل میں ہوئی تھی، دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اس کانفرنس میں مولانا مرحوم نے شرکت کی تھی۔

شاہ فہد کے نام مولانا کا پیغام:

۱۷راگست ۱۹۸۸ء جمعیۃ علمائے ہند کے صدر مولانا اسعد مدنی نے ایک اخباری بیان جاری کرکے یہ وضاحت کی کہ سعودی عرب کی حکومت کی ہم دردی، توجہ اور خوش انتظامی کے باوجود ہندوستانی حاجیوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کے لیے صرف حج کمیٹیوں کی بدانتظامی اور سعودی عرب میں ہندوستانی سفارت خانہ ذمے دار ہیں، مولانا نے خاص طور پر شاہ فہد، سعودی حکومت اور اس کے حکام کا شکریہ ادا کیا، جنھوں نے جمعیۃ علمائے ہند اور حکومت ہند کی درخواست پر وقت مقررہ کے بعد ہندوستانی حاجیوں کی خصوصی پروازوں کو جدہ اترنے کی اجازت دی اور اس

طرح ہندوستانی حاجیوں کی بہت بڑی تعداد حج کی سعادت حاصل کرسکی اور اس بڑی محرومی سے بچ گئی۔(۲۶/اگست-یکم ستمبر،۱۹۸۸ء)

شاہ فہد کا پیغام تشکر:

شاہ فہد نے حضرت صدر محترم کے نام اپنے پیغام تشکر میں صدر دامت برکاتہم اور جمعیۃ علماے ہند کی ان کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش فرمایا، جو ہندوستان امریکہ، برطانیہ نیز دوسرے خطوں میں اسلام کی ترویج واشاعت میں صدر محترم اور تنظیم کی طرف سے کی جارہی ہے، شاہ موصوف نے مولانا کی ان نیک خواہشات کا بھی شکریہ ادا کیا، جن کا موصوف نے سعودی حکومت کے حجاج کرام کے لیے حسن انتظام کے سلسلے میں بذریعہ ٹیلی گرام اظہار فرمایا تھا، شاہ فہد نے جمعیۃ علماے ہند اور مسلمانوں کے لیے اپنی نیک خواہشات کا بھی اظہار کیا۔

(الجمعیۃ ۲۶/اگست ۱۹۸۸ء)

سانحہ حرم مکی کی مذمت:

۱۹۹۰ء میں حرم شریف پر کچھ لوگوں کے قبضے اور وہاں قتل وقتال کی مولانا نے پرزور مذمت کرتے ہوے، اس حرکت کو عالم اسلام کے مسلمانوں کے لیے دل آزاری کا سبب قرار دیا۔(ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ علما نمبر، ص:۴۰۵، جلد:۸، شمارہ:۴۳، اکتوبر،۱۹۹۵ء)

۷/جون ۱۹۹۴ء کو صدر محترم کی ہدایت پر جمعیۃ علماے ہند نے سعودی عرب کے قائم مقام سفیر ''شیخ ابوعوف'' سے سعوی سفارت خانے پہنچ کر ملاقات کی اور ۲۳/مئی کو منی میں ہوئے حادثے پر اظہار تعزیت کیا۔

وفد نے سفیر موصوف کو یقین دلایا کہ جمعیۃ علماے ہند سعودی عرب کی مکمل حمایت کرتی ہے کہ حج کے انتظام وانصرام کے لیے کسی بین الاقوامی ادارے کے قیام کی ضرورت نہیں ہے، اس موقع پر وفد نے صدر محترم کے ان بیانات کی نقول بھی پیش کیں، جن میں ایرانی تجویز کو شرانگیزی سے تعبیر کرتے ہوے بھرپور مذمت کی گئی تھی اور حج کے سعودی انتظامات کی تحسین کی گئی تھی۔

(الجمعیۃ: ۱۷-۲۳/جون ۱۹۹۴ء)

حج کے موقع پر ایران کے سیاسی مظاہرے کی مذمت:

۱۰/مئی ۱۹۹۵ء کو مولانا نے ایران کی طرف سے حج کے موقع پر سیاسی مظاہرے کے فیصلے کی شدید مذمت کی، انھوں نے اپنے ایک اخباری بیان میں اسے شرانگیزی قرار دیتے ہوے، اس قسم کی حرکت کو حرمین شریفین کے تقدس اور فریضہ حج کی حرمت کے منافی قرار دیا، اس سلسلے میں

انھوں نے حکومت سعودیہ کی طرف سے امن وامان کے قیام اور حرمین شریفین کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے تمام حفاظتی اقدامات کی تایید وتحسین کی، جمعیۃ علماے ہند کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ حرمین کے تقدس کو ہر حالت میں بحال رکھا جائے، چناں چہ ماضی میں جب بھی اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے تو جمعیۃ نے اس قسم کی فتنہ انگیزی کی پرزور مذمت کرتے ہوئے، حکومت سعودیہ کی حفاظتی وتادیبی کارروائی کی زبردست حمایت کی ہے۔ (الجمعیۃ: ۱۹؍مئی ۱۹۹۵ء)

غسل کعبہ کی تقریب میں شرکت:

مولانا ۱۴۲۵ھ کے اواخر میں سعودی عرب کی دعوت پر غسل کعبہ کی تقریب میں شرکت کے لیے وہاں گئے۔ حج کی سعادت بھی حاصل کی، مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ہی ان پر بیماری کا سخت حملہ ہوا، جس کے بعد انھیں داخل ہسپتال کرایا گیا، کچھ افاقہ محسوس ہوا، تو ہندوستان واپس آ گئے اور اپولو ہسپتال میں داخل ہوئے، کچھ دنوں بعد صحت یاب ہوکر ہسپتال سے باہر آئے؛ مگر طبیعت پوری طرح بہ حال نہ ہوسکی، بیماری کا یہ سلسلہ ان کی موت پر ہی جاکر رکا۔ (الداعی: شمارہ ۱-۲، جلد ۳۰، محرم-صفر، ۱۴۲۷ھ/فروری-مارچ، ۲۰۰۶ء)

ازبکستان میں اسلامی اقدار کی جدوجہد اور مولانا

۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۳ء میں قومی آواز نے یہ خبر شائع کی کہ جمعیۃ علماے ہند کے صدر مولانا اسعد مدنی کے مطابق ازبکستان میں اسلامی اقدار کی بازیافت کی جدوجہد پھر شروع ہوچکی ہے، تاشقند میں گذشتہ ہفتہ امام بخاری کی حیات وخدمات پر ہوئے ۲؍روزہ مذاکرے میں شرکت کے بعد وطن واپسی پر انھوں نے مرکز تحقیقات اسلامی کے تحت مذاکرے کے انعقاد کے لیے ڈاکٹر فرحان نظامی کی کوششوں کی ستایش کی اور کہا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جانب یہ سیمنار ایک مستحسن قدم ہے اور اس سے وسطی ایشیا کی قوموں کو اسلامی علوم وثقافت کی تفہیم وتجدید میں مدد مل سکے گی۔ (قومی آواز، ۳۱؍۱۰؍اکتوبر ۱۹۹۳ء)

واضح ہو کہ یہ کانفرنس ۶-۷؍جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ=۲۳-۲۴؍اکتوبر ۱۹۹۳ء کو مرکز آکسفورڈ برائے اسلامک اسٹڈیز کے زیر انتظام ہوئی تھی، مولانا نے اس کانفرنس میں ''امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ: حیات وخدمات'' کے موضوع پر عربی میں اپنا طویل مقالہ پڑھا تھا، جس کو ہندوستان میں ماہ نامہ 'الداعی'' نے تین قسطوں میں شایع کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو 'الداعی' شمارہ: ۵-۶-۷-۸، جلد: ۱۷)

ترکی میں آئے زلزلے پر مولانا کا اظہار ہم دردی:

۲۷-۲۸؍اگست ۱۹۶۶ء کو دہلی میں مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا، اس میں مولانا نے ترکی

میں زلزلے کی تباہ کاریوں اور بے پناہ جانی ومالی نقصان پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، اس زلزلے میں ہزاروں بستیاں صفحہ ہستی سے مٹ گئی تھیں، تجویز میں کہا گیا کہ جمعیۃ علما ترک قوم کے اس قومی حادثے میں برابر کی شریک ہے، اوران ہزاروں ہلاک ہونے والوں کے حق میں دعا مغفرت کرتی ہے، (ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ علما نمبر،ص: ۳۹۸، جلد:۸، شمارہ: ۴۳، اکتوبر ۱۹۹۵ء)

نیز مولانا نے ہندوستانی عوام سے اپیل کی کہ مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے ترک بھائیوں کی مدد کے لیے آگے آئیں، انھوں نے مظلوم اور تباہ حال ترکی بھائیوں کی مدد کے لیے مرکزی ریلیف فنڈ سے پچیس ہزار روپے دیے جانے کی ہدایت دی، مولانا نے امید ظاہر کی کہ دوسری تنظیمیں بھی زلزلہ زدگان کی امداد کے لیے آگے آئیں گی۔ (الجمعیۃ: ۲۶/مارچ-اپریل ۱۹۹۲ء)

امیر کویت پر حملے کی مذمت:

۲۹/مئی ۱۹۸۵ء کو گذشتہ روز امیر کویت پر ہوئے قاتلانہ حملے کی مذمت کرتے ہوئے، مولانا نے ان کی سلامتی کے لیے دعا کی۔ ایک برقیہ بھی انھوں نے امیر کویت کے نام ارسال کیا۔

(قومی آواز ن، ۳۰/مئی، ۱۹۸۵ء)

بنگلہ دیش کے بحری طوفان پر رنج وغم کا اظہار:

ایک دوسرے تار میں جو بنگلہ دیش کے صدر جنرل ''ارشاد'' کو بھیجا گیا، حالیہ بحری طوفان سے بھاری جانی اور مالی تباہی پر بھی مولانا نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ (قومی آواز، ۳۰/مئی ۱۹۸۵ء)

برما کے مسلمانوں پر فریضہ حج کی ادائیگی میں پابندی پر مولانا کی تشویش:

۷-۸/جولائی ۱۹۷۴ء کو مجلس عاملہ میں حکومت برما کی طرف سے مسلمانان برما پر فریضہ حج کی ادائیگی پر پابندی کے حوالے سے تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت برما اس پابندی کو ختم کرکے دینی کاموں میں مداخلت بند کرے اور حکومت ہند اپنے خیر سگالی ذرائع پابندی ختم کرانے میں لگائے۔ (ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ علما نمبر،ص: ۴۰۳، جلد: ۸، شمارہ: ۴۳، اکتوبر، ۱۹۹۵ء)

لیبیا میں بننے والی توہین آمیز فلم پر مولانا کا احتجاج:

۱۹۷۵ء میں حضورؐ کی زندگی پر لیبیا میں بنائی جانے والی فلم پر زبردست احتجاج کرتے ہوئے، غم وغصے کا اظہار کیا گیا، اس فلم کو عربی وانگریزی زبان میں بیروت اور شکاگو سے ستمبر ۱۹۷۵ء تک ریلیز کیے جانے کی خبر پر مولانا نے ہندوستان اور دنیا کے تمام ملکوں خصوصاً مسلم ممالک سے اس فلم کے داخلے پر پابندی کا مطالبہ کیا۔ (ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ علما نمبر،ص: ۴۰۴، جلد: ۸،

شمارہ:۴۳،اکتوبر،۱۹۹۵ء)

بین الاقوامی آبادی وترقی کانفرنس قاہرہ کی مذمت:

۲۳؍اکتوبر ۱۹۹۴ء کو دیوبند میں ہونے والے اجلاس عاملہ میں مولانا نے قاہرہ کانفرنس کی سخت مذمت کی اور اقوام متحدہ کو مغرب کا نمایندہ قرار دیا، اس کانفرنس میں اباحیت پسندوں کی ایک اچھی خاصی تعداد شریک ہوئی تھی، رابطہ عالم اسلامی، جامعہ ازہر اور مجمع الفقہ الاسلامی نے اس اسلام دشمن تحریک کی پرزور مخالفت کی اور مملکت سعودیہ عربیہ، جمہوریہ عراق، سوڈان اور لبنان نے اس کانفرنس کا مکمل بائکاٹ کیا، جمعیۃ علماے ہند نے ان تمام ممالک کا شکریہ ادا کرتے ہوے اپنا تعاون پیش کیا۔(ایضاً،ص:۴۱۱)

مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ اور مولانا:

۱۹۶۸ء میں جامعہ ازہر مصر کی مجمع البحوث الاسلامیہ نے مولانا کو بحیثیت نمایندہ ہند منتخب کیا، مولانا نے ۲۷؍ستمبر-۶؍اکتوبر، ۱۹۶۸ء کو اس کی چوتھی کانفرنس میں شرکت کی اور ''موقف الیہود من الاسلام والمسلمین فی العصر الاول'' کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ پیش کیا۔

۲۷؍فروری-۵؍مارچ ۱۹۷۰ء کو پانچویں کانفرنس میں شرکت کی اور مسلمانان ہند کی نمایندگی کرتے ہوے ''واجب المسلمین تجاہ القضیۃ الفلسطینیۃ'' کے عنوان پر مقالہ پڑھا، اس کانفرنس میں ۳۶ ملکوں کے سو سے زائد نمایندوں نے شرکت کی، مولانا نے ولولہ انگیز تقریر کرتے ہوے فرمایا کہ: ''آج اردن کی وادیوں، شام کی پہاڑیوں اور سنا کے میدانوں میں بے گناہ عربوں کا جو ناحق خون بہ رہا ہے، وہ اسلام کے ابتدائی دور جدوجہد کی یاد تازہ کرتا ہے، جب خلیفہ اول نے فرمایا: ''موت کی حرص کرو، تم کو زندگی ملے گی'' دشمن مسلمانوں کو مایوس کرنے اور ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کرنے میں کام یاب نہ ہوسکا؛ اس لیے اس نے جھنجھلا کر مقامات مقدسہ پر دست درازی کی اور مسجد اقصیٰ میں آگ لگادی، وہ بے گناہ اور نہتے شہریوں پر ظلم کرنے لگا، مگر ہمیں اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے؛ بل کہ اس سے بھی زیادہ ظلم وستم کی توقع رکھنی چاہیے، صرف توقع ہی نہیں، بل کہ ہم کو اپنا فرض پہچاننا چاہیے، شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہیے کہ ہم کو کیا کرنا ہے: اس لیے اس وقت ایک لائحہ عمل تیار کریں اور دشمن نے جو جنگ چھیڑ دی ہے، اس کو کام یاب نہ ہونے دیں، اس کے بعد سات نکاتی لائحہ عمل پیش کیا''

۲۶؍مارچ - یکم اپریل ۱۹۷۱ء کی چھٹی کانفرنس میں مولانا نے ہندوستان کی نمایندگی کرتے ہوے ''الدولۃ الاسلامیہ والدولۃ الانسانیۃ'' کے عنوان سے پڑھے گئے مقالے میں عقلی دلائل سے

ثابت کیا کہ اسلامی حکومت ہی صحیح معنوں میں انسانی حکومت ہے۔

(ہفت روزہ الجمعیۃ ،جمعیۃ علمانمبر،ص:۴۵۸،جلد:۸،شمارہ:۴۳،اکتوبر،۱۹۹۵ء)

متعدد ملکوں کی اقلیت کے تعلق سے مولاناؒ کی دل چسپی

تھائی لینڈ: مولانا نے کہا: تھائی لینڈ میں مسلمانوں کی آبادی دس فی صد ہے، جب کہ کل آبادی زائد از ۳۵/ملین ہے، چار ریاستوں: ''ناریتواس، جالا، فطانی اور ستوں''میں مسلمانوں کی آبادی ۸۵ فی صد ہے،اگر چہ مذکورہ ریاستوں میں مسلمانوں کی بہت سی انجمنیں دینی امور پرسنل لا کی نگرانی کرتی ہیں؛ مگر تھائی لینڈ میں مسلمانوں کی صورت حال عموماً جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہے، چناں چہ مسلمانوں کے زیر انتظام چلنے والے اسکولوں میں مذہب اسلام سے ناواقفیت عام ہے،اسی لیے تھائی لینڈ کے مسلمان تعلیم اور سیاسی بے داری کے از حد محتاج ہیں، وہ اسلامی اور عام تعلیم دونوں میں پچھڑے ہوے ہیں، یہاں ایسا کوئی ادارہ بھی نہیں ہے، جو آنے والی نسلوں کے مستقبل کا ضامن ہو، خصوصاً اس لیے بھی کہ ان علاقوں میں انتہا پسند غیر اسلامی تحریکات ونظریات کی ہر طرف حکمرانی ہے،اس خطے اور وہاں کے مسلمانوں کی صورت حال پر توجہ دینے کی انتہائی ضرورت ہے،جنوبی تھائی لینڈ کے مسلمانوں کی اقتصادی صورت حال بھی دگر گوں ہے، مسلمانوں میں جو خوش حال ہیں،انھیں انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے۔

فلپائن: ۲۸-۲۹/مارچ ۱۹۷۳ء کے عاملہ کے اجلاس میں مولانا نے فلپائینی مسلمانوں کی حالت زار اور حکومت فلپائن کی چشم پوشی پر اظہار تشویش کرتے ہوے حکومت فلپائن سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ملک کی مسلم اقلیت کا تحفظ کرے اور ان کی آباد کاری پر توجہ دے۔انھوں نے اقوام متحدہ اور دنیا کی تمام متمدن حکومتوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثر رسوخ کا استعمال کریں۔(ہفت روزہ الجمعیۃ، جمعیۃ علمانمبر،ص:۴۰۲،جلد:۸،شمارہ:۴۳،اکتوبر،۱۹۹۵ء)

مولانا نے ایک بار کہا: فلپائن میں اسلام چودھویں صدی عیسوی میں مسلم تاجروں کے ذریعے پہنچا......جب تک سلطنت عثمانیہ قائم رہی اور اپنی وسعت طاقت کے بہ قدر مسلمانوں کے امور پر توجہ دیتی رہی، چھوٹی مسلم ریاست اپنے ایک نمایندہ کو فلپائن بھیجتی رہی، جو مسلمانوں کے امور پر توجہ دیتا تھا اور ان کی دینی رہ نمائی کرتا تھا، اس وقت اکثریت اسلام سے ناواقف تھی، جب سے امریکیوں نے فلپائن کے جزیروں پر قبضہ کیا ہے،اسلامی اثرات بڑی حد تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔

اگر چہ بعض اسلامی اور عربی ممالک نے گذشتہ بیس سالوں کے دوران فلپائن کے مسلمانوں

کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے ممکنہ حد تک کوششیں کیں اور تعاون پیش کیا؛ مگر وہ ناکافی ثابت ہوئیں، جب کہ حالات بڑے پیمانے پر کوششوں کے متقاضی ہیں؛ کیوں کہ فلپینی مسلمانوں کو جہاں ایک طرف مادی اصولوں کی نئی لہروں سے مقابلے کی وجہ سے نئی نئی مشکلات کا سامنا ہے، وہیں دوسری طرف عیسائیت کی ان تبلیغی مشنریوں کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جنھیں امریکہ اور دوسرے ممالک کی سرپرستی حاصل ہے۔

داہومی: مولانا نے کہا: جمہوریہ داہومی نو آزاد ملکوں میں سے ہے، جو ایک طویل مدت تک فرانس کے قبضے میں رہا، اس کی مجموعی آبادی تقریباً ۲۵ لاکھ ہے اور مسلمانوں کی آبادی تناسب تقریباً ۵۰ فی صد ہے، جو عرب کے قبیلہ یعرب سے تعلق رکھتے ہیں، یہاں مسلمان دامن اسلام کو مضبوطی سے تھامے ہوے ہیں، گرچہ بعض جاہلانہ رسومات اور ضرررساں عادات، ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔

یہاں کئی اسلامی انجمنیں ہیں، جو ایسے مدارس قائم کرتی ہیں، جن میں اسی ملک کے اساتذہ پڑھاتے ہیں، یہاں حکومت میں مسلمانوں کا کوئی ایسی سیاسی وجود نہیں ہے کہ حکومت مدارس ومساجد کی تعمیر کے لیے مادی تعاون کرے، وہ خود ہی اپنے چندوں اور باہمی امداد کے ذریعے مذکورہ امور انجام دیتے ہیں، اس کے برخلاف دوسرے فرقوں کی تمام ضروریات حکومت پوری کرتی ہے، حال آں کہ مسلمان ملک کی کل آبادی کا نصف ہیں، یہ ملک قدرتی وسائل سے مالامال ہے۔

سیرالیون: مولانا نے کہا: یہ ایک آزاد خود مختار ملک ہے، جو برطانوی کامن ویلتھ میں داخل ہے، وہاں کی آبادی تین ملین ہے، آبادی کا ۵۰ فی صد مسلمان ہیں، گرچہ اسلام یہاں بڑی حیرت انگیز تیزی کے ساتھ پھیلا کہ جہاں ۱۸۹۱ء میں ان کی آبادی ۱۰ فی صد تھی، وہ ۱۹۵۲ء میں بڑھ کر پچاس فی صد ہوگئی؛ مگر اس ملک کی حالت بھی ان ملکوں سے مختلف نہیں ہے، جہاں مسلمان بستے ہیں، اس لیے کہ مسلمان غلط اور فرسودہ قسم کے رسم ورواج کی بندشوں میں اب تک جکڑے ہوے ہیں اور جہالت وناخواندگی کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں، یہاں اس کا قوی امکان ہے کہ بے دینی اور عیسائیت انھیں اپنے جال میں پھنسالے، جو براعظم افریقہ میں روز بروز اپنے پاؤں پھیلاتی جارہی ہے۔

لیبریا: مولانا نے کہا: یہ ایک افریقی ملک ہے جو عاج، سیرالیون اور جنوب گانا کے ساحل کے درمیان جنوبی ساحل پر وقع ہے، یہاں مختلف اطراف میں صرف چند مساجد کا وجود ملتا ہے، یہاں مذہب اسلام کی دعوت دینے والا کوئی نہیں؛ اگر یہاں قادیانیوں کی جماعتیں آکر منظّم طور پر

عیسائیت کی تبلیغ کریں، تو یقیناً ان کی فاسد اور گم راہ کن تعلیمات پھیل جائیں گی۔

اسلامی رہ نمائی کے فقدان کی وجہ سے، اسلام کا ایک کم زور تصور اور اس کی ایک دھندلی سی تصویر ہی یہاں کے مسلمانوں کی کل دینی پونجی ہے، حکومت و وزارت ہر چیز پر عیسائیوں کا قبضہ ہے، لیبریا میں اسلام، عالم اسلام کے مفکرین و دانش وران اور اہل ثروت کی طرف سے ہر طرح کے تعاون و مدد کا محتاج ہے؛ اس لیے ہم تمام پر لیبریا کے مسلمانوں کی تعلیم اور ان دور دراز کے خطوں میں اسلامی قضیے کی ہر ممکن مدد واجب ہے۔

تریندیدا: مولانا نے کہا: اس خوب صورت اور سرسبز شاداب جزیرے میں بہت سے لوگ نقل مکانی کر کے آ بسے ہیں، چناں چہ یہاں منگول، عرب ہندوستانی، فارسی، افریقی، چینی اور یوروپی سبھی قسم کے لوگ بستے ہیں، نیز یہاں کئی ادیان و مذاہب اور بہت سے رسم و رواج اور بولیاں پائی جاتی ہیں، مسلمان اس جزیرے میں مسلم داعیوں کے ذریعے اسلام کے عروج کے زمانے ہی میں آ گئے تھے۔ بعض مؤرخین کے بہ قول یہاں مسلمان عرب پانچویں صدی ہجری میں آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے اور اصلی باشندوں کا ایک حصہ بن گئے۔

آج اس جزیرے میں بہت سی مسجدیں ہیں، جو مسلمانوں کے قابلِ ذکر تعداد میں نہ ہونے کے باوجود، ایمان اور اسلام کی زندہ گواہ ہیں، یہاں معاشرے میں مسلمانوں کا ایک مقام و مرتبہ ہے اور وہ اپنے محدود امکانات کے مطابق بے خوف و خطر اسلامی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔

اریتریا: مولانا نے کہا: اس ملک میں بہت سے مذاہب اور فرقوں کے لوگ رہتے ہیں، مجموعی آبادی ڈھائی ملین ہے، مسلمانوں کی اکثریت ہے، اگرچہ بعض سامراجی طاقتیں ملک کی بر سر اقتدار اتھارٹی کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی تعداد اور ان کی اہمیت و وقعت گھٹانے میں مصروف عمل ہیں، اریتریا کے مسلمان پوری دنیا کے مسلمانوں سے الگ تھلگ پڑے ہوے ہیں، اس سلسلے میں ان کی حالت افریقہ کے دوسرے خطے کے مسلمانوں کے حالات سے مختلف اور الگ ہے؛ اس لیے کہ ان ممالک کی حکومتیں انھیں مکمل آزادی نہیں دیتی ہیں؛ بل کہ ان پر غیر معمولی ٹیکس عاید کرتی ہیں، زمین اور جائدادیں بھی ان کی ملکیت سے چھین لی ہیں اور انھیں طرح طرح سے ستاتی اور تکلیف دے رہی ہیں ...... اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اس خطے کے مسلمانوں پر توجہ دیں، جنھیں آغاز ہی میں اسلام کی دولت نصیب ہوئی تھی اور جن کا ان خطوں میں کبھی ایک مقام تھا۔

○○

□ مولانا محمد مزمل الحق الحسینی
ترجمان دارالعلوم دہلی

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اور عالم اسلام

ماضی قریب میں ہندوستان کے مسلمانوں نے دو ایسی عظیم الشان تحریکیں برپا کی تھیں جن کے اثرات عالم گیر پیمانے پر رونما ہوئے اور جن کو تاریخ نے مسلمانانِ ہند کے دو جلیل القدر کارناموں کی حیثیت سے نوٹ کیا، ان تحریکوں میں ایک تحریک خلافت بھی جس کا خاص مقصد خلافت عثمانیہ کی شکل میں مسلمانوں کی عالم گیر وحدت کو برقرار رکھنا تھا اور دوسری تحریک جمعیۃ علماء ہند ہے جس کا خاص مقصد ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے دینی واسلامی تشخص کا تحفظ اور آبرومندانہ زندگی کے مواقع فراہم کرنا ہے ۳؍مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کے خاتمے کے بعد عالمی اسلامی اخوت واتحاد اور عالم اسلامی میں مسلمانانِ ہند کی نمائندگی وترجمانی کی ذمہ داریاں بھی جمعیۃ علماء ہند ہی کے کاندھوں پر آپڑی تھیں کیونکہ ہندوستان کی کوئی اور جماعت عوامی اعتماد، علمی وقیادی صلاحیت، قربانیوں وخدمات، خلوص اور بے لوثی کے اس مقام پر فائز نہ تھی جو حکومت ہند اور حکام عالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق کا اعلان کرسکے۔

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے ۱۹۶۳ء میں جنرل سکریٹری کی حیثیت سے جب اس عظیم المرتبت جماعت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو ان کے سامنے نوع بنوع ملکی مسائل کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے کچھ ایسے سلگتے ہوئے مسائل بھی درپیش تھے جن میں انھیں ایک صاحب بصیرت عالم دین اور مسلمانانِ ہند کے ایک جرأت مند باحوصلہ اور دیدہ ور قائد کی پوری غصب کرلی گئی تھی اور جو پوری کی پوری سامراج اور غاصبوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھی اس کا تقاضہ تھا کہ عالم اسلام کا ہر ہر فرد حسبِ امکان اس جدوجہد میں شریک ہو۔ مولانا کا خیال تھا کہ یہ مسئلہ ایک مملکت کا نہیں ہے بلکہ اسرائیل کے اس منصوبے کا ہے جس کے تحت اسرائیل ایک ایسی یہودی مملکت قائم کرنا چاہتا ہے جس کی حدود خیبر اور مدینہ طیبہ تک ہوں گی جہاں سے نبی پاک

کے عہد میں ان کو نکالا گیا تھا، سامراج اس خطے میں کوئی ایسی طاقت باقی رہنے نہیں دینا چاہتا تھا جو اس کے عزائم کی راہ میں روڑ ابن سکے۔ مولانا نے سامراج کے اس منصوبے کو اپنے Palestine Movement نامی کتابچے میں ان الفاظ میں اُجاگر کیا ہے۔

We should recall the speech made by Colonel Clifton Brown in the British Parliament on june 19, 1936, in which he admitted frankly that Palestine Empire from the communication point of view and it was essential to keep a watch that no community would settle there, whose nationalism would eventually Prove Dangerous for Britishers.

ہم یہاں برطانوی ممبر پارلیمنٹ مسٹر کولونل کلفٹن براؤن کی برطانوی پارلیمنٹ میں وہ تقریر یاد دلانا چاہیں گے جس میں انھوں نے ۱۹/جون ۱۹۳۶ء میں کھلے طور پر کہا تھا کہ فلسطین میں اسرائیل کا قیام کمیونی کیشن کے نقطہ نظر سے نہایت ضروری ہے دوسرے اس لیے بھی کہ اس علاقے میں ہم کوئی ایسی طاقت باقی رہنے نہیں دینا چاہتے جو برطانوی لوگوں کے لیے خطرہ بن سکے۔

مسئلہ فلسطین:

اگرچہ جمعیۃ علماء ہند مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں اسرائیل کے وجود سے قبل ۱۹۳۲ء سے فعال کردار ادا کرتی رہی ہے لیکن مولانا کے جنرل سکریٹری کا عہدہ سنبھالنے کے چند ہی سال بعد ۱۹۶۷ء میں جب عرب اسرائیل جنگ چھڑی تو مولانا کی قائدانہ سرگرمیوں اور فعالیت سے لگتا تھا کہ گویا ہندوستان میں بھی اس جنگ کا ایک محاذ قائم ہے۔ مولانا نے اپنی قائدانہ بصیرت سے اس جنگ کو مسلمانوں اور عربوں کے حقوق واراضی کی جدوجہد کے بجائے ''سامراج کے خلاف عالم انسانیت کی جدوجہد کا عنوان دیا اس کے نتیجے میں یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہ رہ کر ہر انصاف پسند فرد اور ہر انصاف پسند گروہ کا مسئلہ بن گیا۔

مولانا روز نامہ ''الجمعیۃ'' کی اشاعت ۶/جولائی ۱۹۶۸ء میں شائع اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں۔ ''مسئلہ فلسطین صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ سامراجی قوتوں کے خلاف عالم انسانیت کی جدوجہد ہے، جس میں ہر انصاف پسند فرد اور گرہ کو شریک ہونا چاہیے۔ یہ وہی مسئلہ ہے جس سے ماضی قریب میں ہندوستان اور دوسرے بہت سے ممالک دوچار رہے ہیں۔''

مولانا نے اپنی سیاسی بصیرت کے ذریعہ اس مسئلہ کو ہندوستانی حکومت اور ہندوستانی عوام کے سامنے ان کے اپنے مسئلے کی حیثیت سے پیش کیا چنانچہ اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں:

''فهم (مسلمو الهند) في هذا الموقف يصدرون من طبيعة أصيلة من الشعب الهندی میں حب للحق و مناصرة للعدل وهم يصدرون عن وعی کذلک بالخطر الذی یهدد الهند، عند ماتکون منطقة الشرق الأوسط مهبا للقلاقل و کذلک للتوتر، لأن الوطن العربی بمشابة المدخل الغربی للهند. و قدأ كدالتاريخ هذه الحقيقة فحينما اراد نابليون أن يضرب الانجليز فی الهند استولی علی مصرو حاول الاستيلاء علی الشام و علماء الهند حينما هبوا فی وجه الاستعمار البريطانی واعتبروا انفسهم مجاهدين لتحرير وطنهم و للقضاء علی الكيان الاستعمار فی المنقطه العربية: (قضية فلسطين من اسعد مدنی ص ۲)

اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں مسلمانان ہند کی جدو جہد ان کی انصاف پسند ذہنیت اور عربوں کے ساتھ ساتھ خود اپنے وطن ہندوستان کے تحفظ کے لیے ہے کیونکہ عالم عربی مغرب کے لیے ہندوستان میں داخل ہونے کے لیے دروازے کی حیثیت رکھتا ہے اور تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے چنانچہ جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو ان کے لیے مصر پر بھی قبضہ آسان ہوگیا اور پھر انھوں نے شام پر بھی قبضے کی کوشش کی۔ اور اسی لیے علماء ہند جب اپنے وطن کی آزادی کے لیے کوشاں تھے، وطن عربی کی آزادی کے لیے جدو جہد بھی ان کے مقاصد میں شامل تھی۔

مولانا نے مسئلہ فلسطین کو لے کر ملک بھر میں ایک زبردست تحریک شروع کی۔ انھوں نے خود عوام کے درمیان جا کر اس مسئلے کی وضاحت کی، بڑی تعداد میں کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد کیے جن میں مسلم اور غیر مسلم قائدین اور سفارت کاروں کی تقریریں کرائیں۔ عرب ملکوں کے سربراہوں کے نام برقیے ارسال کیے اور جب جون ۱۹۶۷ء میں نئی اسرائیلی جارحیت کا آغاز ہوا تو مولانا نے کچھ انتہائی اہم عملی اقدامات کیے۔ انھوں نے ہندوستان بھر میں جمعیۃ کی شاخوں سے اپیل کی کہ وہ اسرائیلی جارحیت سے متاثرہ فلسطینیوں کی مالی، طبّی اور دیگر امداد میں حصّہ لیں۔ مولانا نے ۲۲ر جولائی ۱۹۶۷ء کو سابق صدر جمہوریہ ہند مسٹر فخر الدین علی احمد کی صدارت میں ایک کانفرنس بلائی جس میں ملکی قائدین، عرب اور غیر عرب سفراء نے شرکت کی اس موقع پر مولانا نے ہندوستانی عوام کی جانب سے فلسطینی مظلوموں کو پہلی قسط کے طور پر ایک لاکھ روپیہ کی رقم پیش کی جو اس وقت ایک گرانقدر رقم شمار کی جاتی تھی۔ مولانا نے ۲۸ر جولائی ۱۹۶۷ء کو اسرائیل کے لیے امریکی امداد کے خلاف ایک زبردست مظاہرہ کیا جس میں تقریباً پچاس ہزار لوگوں نے شرکت کی، یہ مظاہرہ جامع مسجد دہلی سے شروع ہوکر امریکی انفارمیشن سینٹر تک پہنچا سینٹر کے سامنے مولانا نے

ایک نہایت جرأت مندانہ تقریر کی جس میں فلسطینیوں کے خلاف سامراجی اور صہیونی مقاصد کی مذمت کی اور میمورنڈم پیش کیا۔

مولانا نے ۲۴ ستمبر ۱۹۶۸ء کو ایک کانفرنس منعقد کی جس میں بڑی تعداد میں غیر مسلموں نے شرکت کی اس موقع پر مولانا نے فلسطینیوں کے لیے دو لاکھ روپیہ کی امداد کی پیش کی جس میں خیمے اور طبّی امداد شامل تھی۔ مولانا نے اس موقع پر اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل کو ایک برقیہ ارسال کیا جس میں اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی اور اسے رکوانے کا مطالبہ کیا۔ اسی طرح انھوں نے امریکہ برطانیہ اور سوویت یونین کی حکومتوں کو بھی برقیے ارسال کیے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں عرب حکومتوں، عرب لیگ اور اسلامی سفارت خانوں کو برقیے بھیج کر نہایت سنجیدگی سے اس کا نوٹس لینے کا مطالبہ کیا۔ (جمعیۃ علماء ہند والقضایا العربیۃ ص ۱۱/۱۲)

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ مولانا نے اپنی حکمت عملی سے مسئلہ فلسطین کو سامراج کے خلاف عالم اسلام کی نہیں بلکہ عالم انسانیت کی جدوجہد سے تعبیر کیا اور اس کے نتیجے کے طور پر مسلم زعماء اور حکومت کے نمائندے بھی اس جدوجہد میں شامل ہوگئے۔ اس کا ایک بہترین مظاہرہ ۲۵ نومبر ۱۹۷۳ء کو مولانا کی دعوت پر جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں ہوا جس میں سابق صدر جمہوریہ ہند مسٹر فخر الدین علی احمد، وزیر خارجہ مسٹر سورن سنگھ، وزیر پٹرول مسٹر دیوکانت بروا، سابق صدر کانگریس ڈاکٹر شنکر دیال شرما اور صدر کانگریس کیشو دیومالویہ نے تقریریں کیں اور واضح الفاظ میں فلسطینی کاز کی حمایت کی۔

اس موقع پر مولانا نے عربوں کے نام ایک نہایت اہم پیغام دیا ہمارے سامنے یہ پیغام عربی میں ہے جو پورے کا پورا نقل کرنے کے قابل ہے مگر ہم یہاں صرف اس کا آخری پیراگراف نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں مولانا نے کہا:

لانقصد بذلک منّا علی أحد ولا مباهاة لاحدو انما نرید أن نقول اولا: ان الحق له مناصروه فی الارض و نرید ان نقول ثانیا: ان بین الشعب الهندی والشعب العربی أواصر منذالقدم مشیابها بالازمات وعمیق الاحساس بها علی مدی الأیام و نرید أن نقول ثالثا: الی الامام أیها العرب و نحن کما کنا وراء کم فی الماضی سنکون وراء کم فی المستقبل، زیدوا حقکم وصوحابا لاصرار علیه وزیدوا حریتکم تأصلابا لاستشهاد فی سبلها ونرید أن نقول رابعا: انکم أیها العرب انتصرتم فی ماضیکم بوحدتکم القائمة علی أسس من الحق

والایمان وان کثیراً من شعوب الارض تربطها صلة من الوحی واسعوا نحو هذه الوحدة حتی یکتب لکم النصر من جدید. (جمعیه علماء الهند القضایا العربیة ص ۲۲)

پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ عربوں کی حمایت میں جدوجہد سے ہمارا مقصد کسی پر احسان رکھنا یا کسی کی چاپلوسی یا خوشنودی حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ دنیا میں ابھی حق کے مددگار موجود ہیں دوسرے یہ بتانا ہے کہ ہندوستانی اور عرب عوام کے درمیان ماضی بعید سے گہرے اور جذباتی تعلقات ہیں تیسرے یہ پیغام دینا ہے کہ اے اہلِ عرب آگے بڑھو ہم جس طرح ماضی میں تمھارے ساتھ تھے آئندہ بھی تمھارے ساتھ رہیں گے چوتھے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اے اہل عرب جس طرح تم ماضی میں اپنے دین اور اتحاد کے باعث دنیا پر حکمراں ہوئے آئندہ بھی دین اور اتحاد ہی کی وجہ سے کامیاب ہو سکتے ہو۔ دنیا کی اقوام وحی اور دین کی بنیاد پر ہی تم سے روابط و تعلقات رکھنا چاہتی ہیں تم ان روابط کو مزید استحکام عطا کرو تاکہ پھر کامیابی تمھارے قدم چومے۔

کامیاب جدوجھد:

مذکورہ بالا اقدامات کے علاوہ درجنوں اقدامات، تجاویز، تدابیر اور کوششیں ہیں جو مولانا کی قیادت میں جمعیۃ علماء ہند اور دیگر پلیٹ فارموں سے روبہ عمل لائی گئیں یہاں تک کہ حکومت ہند نے تنظیم آزادی فلسطین کو تسلیم کیا اس کے چیئر مین مسٹر یاسر عرفات کو سربراہ مملکت اور ہندوستان میں اس کے نمائندے کو سفیر کا درجہ عطا کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مسئلہ فلسطین کے لیے جمعیۃ علماء ہند اور فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کی یہ مساعی حمیدہ اور انتھک جدوجہد نہ ہوتی تو ہندوستان میں یہ مسئلہ بھی اسی طرح نامانوس، غیر مقبول اور غیر مہتمم بہ رہتا جیسا کہ آج افغانستان کا مسئلہ ہے افسوس کہ قضیہ افغانستان کو ملت اسلامیہ ہند کوئی اسعد مدنی عطا نہ کر سکی۔

قضیہ فلسطین کے سلسلہ میں جدوجہد کے دوران مولانا کو کم از کم خود اپنوں کی جانب سے غیر معمولی فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑا ایک مرتبہ ۱۹۶۷ء میں جب بعض مقتدر شخصیات کی جانب سے مصر کے صدر مسٹر جمال عبدالناصر کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ انھوں نے مصر سے اللہ اور اس کے رسول کا نام تک خارج کر دیا ہے اور وہ عربوں کے بجائے اسرائیل کے خیر خواہ ہیں دوسرے ۱۹۸۰ء میں تنظیم آزادی فلسطین کے چیئر مین مسٹر یاسر عرفات کی ہندوستان آمد پر جبکہ کچھ لوگوں نے ان کے خلاف مظاہرہ کیا، واضح ہو کہ ان دنوں یہ دونوں شخصیتیں سامراج کے خلاف ایک علامت بنا کر سامنے آ گئی تھیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ مولانا نے اس جنگ کی سامراج کے خلاف عالم انسانیت کی

جدوجہد سے تعبیر کیا تھا۔ انھیں کسی شخصیت کی ذاتیات سے دلچسپی نہ تھی ان کے نزدیک ہر وہ شخص محبوب تھا جو سامراج کے خلاف جدوجہد کر رہا ہو خواہ وہ مسٹر جمال عبدالناصر ہوں یا مسٹر عرفات اسی طرح ہر وہ شخص قابل گرفت تھا جس کی مساعی سامراج کی حمایت میں جاری ہوں خواہ وہ کتنا ہی اسلام پسند نظر آتا ہو اس معاملے میں ہماری کچھ شخصیات اس مسئلہ کو اس وسیع النظری اور سیاسی بصیرت سے نہ دیکھ سکیں اور اس کا اندازہ نہ کرسکیں کہ ان کی آراء و اقدامات بظاہر مندیل دین میں لپٹی ہوئی ہیں لیکن بباطن وہ سامراج کو مستحکم کر رہی ہیں جو اسلام کا دشمن ہے۔ مولانا نے سختی کے ساتھ ان مساعی کا نوٹس لیا اور ان کے خلاف نہایت جرأت مندانہ موقف اختیار کر کے انھیں ناکام بنادیا انھوں نے ۸؍جولائی ۱۹۶۷ء کو مصر کے سفیر مسٹر عیسیٰ سراج الدین سے ملاقات کر کے نہایت واضح الفاظ میں مسٹر جمال عبدالناصر اور مصر جدید کے بارے میں وضاحت طلب کی اور جب یقین ہوگیا کہ پروپیگنڈہ غلط ہے تو اس کے خلاف ایک سخت مذمتی بیان جاری کیا، وضاحتی کتابچے تحریر کرائے اس سلسلہ کی ایک اہم کتاب ''مصر جدید کا دینی پہلو حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ کی تالیف ہے جو اس قضیہ پر نہایت خوبی کے ساتھ روشنی ڈالتی ہے، مذکورہ مذمتی بیان پر خود مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کے علاوہ حضرت مولانا فخر الدین احمد شیخ الحدیث دارالعلوم وصدر جمعیۃ علماء ہند، پروفیسر ہمایوں کبیر ایم۔پی، کرنل بشیر حسین زیدی، ایم پی، چودھری محمد شفیع سابق ایم پی، مولانا سیّد محمد میاں، محمد عثمان فارقلیط، چیف ایڈیٹر روزنامہ ''الجمعیۃ'' دلی اور دیگر عمائدین ملک وملت کے دستخط ہیں اسی طرح مسٹر یاسر عرفات کے خلاف مظاہرہ کے ناعاقبت اندیشانہ عمل پر روشنی ڈالنے کے لیے بھی مولانا نے متعدد کتابچے، وضاحتیں اور بیانات شائع کرا کر عوام کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ یہاں تک کہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر سامراج کی خدمت گار یہ دونوں تحریکیں آپ ہی دم توڑ گئیں۔

اسلامی توجہ سے محروم ممالک میں مسلمانوں کے مسائل پر مولانا کی فکر مندی:

اگرچہ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے عالمی سطح پر اپنی جدوجہد کا زیادہ تر وقت مسئلہ فلسطین پر صرف کیا مگر وہ عالم اسلام کے دیگر حصوں کے مسائل سے بھی غافل نہیں رہے بلکہ مختلف عالمی مجلسوں میں جہاں بھی انھیں موقع ملا بے باکانہ اور مجاہدانہ آواز بلند کی انھوں نے جامع ازہر مصر کی اسلامک ریسرچ اکیڈمی (مجمع البحوث الاسلامیہ بالازہر) کی ساتویں کانفرنس میں شرکت فرمائی اور کانفرنس کے سامنے تھائی لینڈ، فلپائن، داہومی، سیرالیون، لائبریا، ٹرینیداد، اریٹریا میں ہونے والی اسلامی جدوجہد کی تصویر کشی کی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے متمول اسلامی ملکوں سے مطالبہ کیا

کہ وہ مذکورہ ملکوں میں ہونے والی اس جدوجہد کا ہر ممکن تعاون کریں ہم یہاں پر کانفرنس میں پیش کیے گئے مولانا کے عربی مقالے کا بہت مختصر خلاصہ پیش کرتے ہیں:

مسلمانان تھائی لینڈ:

مولانا نے کہا کہ تھائی لینڈ میں ۳۵ ملین مسلمان آباد ہیں اگر چہ وہاں مسلمانوں کی متعدد اسلامی کونسلیں بھی قائم ہیں اور ان کے تحت اسلامی اسکول بھی چل رہے ہیں لیکن ان میں دینی تعلیم کا انتظام نہیں ہے اسی طرح اقتصادی اعتبار سے بھی یہ مسلمان نہایت کمزور ہیں زیادہ تر کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں اس لیے کانفرنس کو ان کی دینی تعلیم اور روزگار کی تدابیر پر غور کرنا چاہیے۔

مسلمانان فلپائن:

مولانا نے کانفرنس میں فلپائن کی صورتِ حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ فلپائن میں مسلمان ۱۵۲۱ سے مسیحیت کی تحریکوں اور تنظیموں سے لوہا لے رہے ہیں یہاں تک کہ انیسویں صدی کے اواخر تک انھوں نے مسیحیوں کو اپنی سرگرمیاں روکنے اور مسلمانوں کو دین مسیحی اختیار نہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن ان کی یہ جدوجہد عالم اسلام کی خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ مولانا نے کہا کہ جزائر فلپائن پر امریکی قبضے کے بعد وہاں اسلامی اثر ورسوخ محدود ہوا ہے، اگر چہ بعض عربی و اسلامی ممالک نے پچھلے بیس سالوں میں وہاں کے مسلمانوں کی کچھ مدد کی ہے مگر وہ ناکافی ہے ضرورت ہے کہ کانفرنس مستقل منصوبہ بندی کے ساتھ ان کی امداد کا ایک خاکہ مرتب کرے۔

مسلمانانِ جمہوریہ داھومی:

جمہوریہ داہومی مغربی افریقہ کا ایک آزاد جمہوریہ ہے جو فرانس کے قبضے سے آزاد ہوا ہے اس کی آبادی کا نصف فیصد حصّہ مسلمانوں پر مشتمل ہے ملک اگر چہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے مگر اس کی دولت خود اسے کام نہیں آرہی ہے بلکہ اس کی حالت ان ملکوں سے الگ نہیں ہے جو برطانیہ کے زیرِ اقتدار رہے ہیں ملک کی دولت کے زیادہ تر حصّہ سے سامراج استفادہ کر رہا ہے اس لیے کانفرنس کو اس کی اقتصادیات کے مسئلے پر فکر مند ہونا چاہیے۔

مسلمانانِ سیرالیون:

سیرالیون کومنویلتھ ممالک میں سے ایک آزاد ملک ہے یہاں کی آبادی کا پچاس فیصد حصّہ مسلمان ہے مولانا نے ملک کے کمزور دینی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہاں مسیحیت بڑی چالاکی سے اپنی جڑیں گہری کر رہی ہے اور مسلمانوں کے اندر کچھ بدعات وخرافات گھر کیے ہوئے ہیں اس لیے کانفرنس کو وہاں کے مسلمانوں کے لیے دینی پروگرام مرتب کرنا چاہیے۔

مسلمانان لائبیریا:

لائبیریا ایک افریقی ملک ہے یہاں ملک کے مختلف حصوں میں چند مساجد پائی جاتی ہیں۔ البتہ قادیانیت منظّم طور پر کام کررہی ہے مسلمانوں کا کوئی ایسا ادارہ موجود نہیں ہے جو ان کو صحیح اسلام کی تبلیغ وتلقین کرسکے مولانا نے مطالبہ کیا کہ لائبیریا کے مسلمانوں کو ہر ممکن اِمداد کی ضرورت ہے اگر ایسا نہ ہوسکا تو مسیحی اور قادیانی تحریکیں انھیں اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہوجائیں گی۔

مسلمانانِ ٹرینیداد:

مولانا نے بتایا کہ یہ ملک زمین کے خوبصورت خطوں میں سے ایک ہے اسے پھولوں،عطور اور دائمی بہار کا خطہ کہا جاتا ہے مسلمان اس ملک میں پانچویں صدی ہجری میں پہنچے۔ملک میں مساجد کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے مسلمانوں کی کچھ دینی سرگرمیاں بھی ہیں۔مسلمانوں کی تعداد اور ضروریات کو دیکھتے ہوئے ان کے مالی وسائل بہت کم ہیں اس لیے انھیں دنیا کے مختلف حصوں میں آباد مسلمانوں اور ان کی حکومتوں سے امداد وتعاون کی ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی دینی اور اسلامی سرگرمیوں کو منظّم کرسکیں۔

مسلمانان اریٹیریا:

مولانا نے اس ملک کے مسلمانوں کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ ایک افریقی ملک ہے یہاں کے مسلمان دنیا کے باقی مسلمانوں سے الگ تھلگ ہیں، کیونکہ وہاں کی حکومت ان کو باقی اسلامی دنیا سے روابط وتعلقات قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہے بلکہ وہ انھیں ذہنی، مالی اور اخلاقی اعتبار سے کمزور کرنے کے لیے طرح طرح کے ٹیکس عائد کرتی ہے۔ ان کی املاک کو ضبط کرتی ہے،حکومت نے عربی زبان کی تعلیم وتدریس کو ممنوع قرار دے دیا ہے، اسرائیل سے اپنے تعلقات قائم کر لیے ہیں حکومت مسلمانوں کو ان کے علاقوں سے نکال کر وہاں عیسائیوں کو آباد کرنا چاہتی ہے بلکہ مسلمانوں کی زرخیز اراضی کے بعض علاقے عیسائیوں کو سپرد بھی کرچکی ہے اگرچہ یہ ملک انگریزی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے۔مگر اقتصادی اور سماجی اعتبار سے ابھی آزاد نہیں ہوسکا ہے اس لیے گاہ بگاہ مسلمانوں کی جانب سے سیاسی ،سماجی اور دینی آزادی کی آواز بلند ہوتی رہتی ہے جسے دبانے کے لیے حکومت نے مسلمانوں سے جیلیں بھر دیں ہیں، لہٰذا مسلم حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانانِ اریٹیریا کی سیاسی، سماجی ،اقتصادی اور دینی میدانوں میں بھرپور مدد کریں۔

مولانا کا یہ مقالہ ’’حالۃ الاسلام والمسلمین‘‘ کے نام سے عربی میں طبع ہوچکا ہے ہم نے یہ

معلومات اسی سے اخذ کی ہیں، مقالہ جہاں مسلمانان عالم کے لیے مولانا کی فکرمندی اوران کے حالات سے آگاہی کے ذہن کا آئینہ دار ہے وہیں ان کے اوران کے اسلاف کے بنیادی نقطہ نظر یعنی ''سامراج دشمنی'' کا بھی عکاس ہے، سامراج کے خلاف نعرہ حق بلند کرنا مولانا کا ایک ایسا وصف ہے جس میں ان کے معاصرین میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں وہ زندگی بھر نہ صرف سامراج کے خلاف شمشیر برہنہ رہے بلکہ ان کوششوں اور کارروائیوں کو بھی بہانگ دہل للکارا جو دانستہ یا نادانستہ بالواسطہ یا بلاواسطہ فوری طور پر یا نتائج کے اعتبار سے سامراج یا سامراجیوں کی تقویت کا باعث ہوسکتی تھیں اس سلسلے میں انھیں بعض مرتبہ اپنے ہم عصروں کی خفگی اور عالم اسلام کے بعض لیڈروں کی ناراضگی بھی مول لینا پڑی۔

عراق ایران کے مابین مصالحت کی کوشش:

عراق ایرانِ جنگ کے مسئلے پر مولانا کی پالیسی صلح بین الفریقین کی تھی مولانا کی صدارت میں منعقد ہونے والی جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ ۶ر۷رمئی ۱۹۸۵ء کی قرارداد میں کہا گیا ہے: ''مجلس عاملہ حکومت ایران اورحکومت عراق سے مؤدبانہ گزارش کرتی ہے کہ وہ جنگ بندی پر راضی ہوکر باہمی صلح کی راہ ہموار کریں اورایک دوسرے کی سرحدوں کا احترام کریں اورملّت اسلامیہ کو اطمینان بخشیں۔'' لیکن اس کے کچھ ایسے عوام اور وجوہات بھی تھیں جنھوں نے ہر انصاف پسند مسلمان کو عراق کا حمایتی بنادیا تھا۔ ان وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ تھی کہ ایران کی کچھ کارروائیاں امریکہ ویوروپ کی حمایت میں جاتی تھیں اوراسرائیل کی کارروائیوں سے مماثل تھیں مثلاً جس طرح اسرائیل کے قیام سے پہلے اور اس کے بعد سامراجی طاقتیں اپنے یہاں کے یہودیوں کو اسرائیل میں آباد کررہی تھیں تاکہ وہاں کی یہودی افرادی اور مذہبی قوت میں اضافہ و استحکام ہو اسی طرح ایران نے بھی اپنے یہاں سے دس ہزار یہودیوں کو اسرائیل میں آباد ہونے کی اجازت دی تھی۔ (یہودیت سے حادثہ حرم تک کا سفر، ڈاکٹر رشید الوحیدی)

علاوہ ازیں ۱۹۷۹ء سے ستمبر ۱۹۸۰ء تک ایران نے ۲۴۹ مرتبہ عراق کی فضائی حدود کی خلافِ ورزی کی تھی اوراس کی طرف سے ۲۴۴ مرتبہ سرحد پار فائرنگ کے واقعات رونما ہوئے تھے، حکومت عراق رسمی ذرائع سے کم ازکم ۲۹۳ میمورنڈم حکومت ایران کی بھیج چکی تھی ایران نے ۴ر ستمبر ۱۹۸۰ء کو عراق کے سرحدی شہروں پر گولہ باری شروع کردی تھی۔ ایران نے اسلامی ممالک اور چوٹی کانفرنس ۱۹۸۱ء منعقدہ مکہ وطائف اور چوتھی چوٹی کانفرنس ۱۹۸۴ء منعقدہ کاسابلنکا کا بائیکاٹ کیا تھا اسی طرح اس نے جنگ بندی اور قیام امن کی کوششوں کو ٹھکرادیا تھا جبکہ صدر صدام

نے سب کا خیر مقدم کیا تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر عالم اسلام کے تقریباً تمام غیر جانبدار بے لوث اور مخلص رہنماؤں اور علماء نے عراق کی حمایت کا اعلان کیا تھا مولانا نے بھی ذاتی طور پر اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے عراق ہی کی حمایت کا اعلان فرمایا تھا۔

بغداد کانفرنس ۱۹۸۳ء میں شرکت:

۱۹۸۳ء میں پہلی ہر دلعزیز اسلامی کانفرنس بغداد میں منعقد ہوئی تھی اس کانفرنس میں دنیا کے سربرآوردہ مسلم علماء اور دانشوروں نے شرکت کی تھی اس کانفرنس نے کتاب اللہ اور رسول اللہ کی اعلیٰ روایات کو بنیاد بنا کر کئی قراردادیں منظور کیں علاوہ ازیں اس نے اپنے مندوبین میں سے امن ومصالحت کمیٹی کا انتخاب کیا، حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اس کانفرنس میں ہندوستانی مندوبین کے قائد کی حیثیت سے شریک تھے آپ نے کانفرنس کی ایک نشست کی صدارت فرمائی تھی، کانفرنس نے آپ کو بھی امن ومصالحت کمیٹی کا رکن منتخب کیا لیکن فریق ثانی نے اس کمیٹی سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

بغداد کانفرنس ۱۹۸۵ء میں شرکت:

بغداد میں دوسری کانفرنس ۲۲/تا ۲۵/اپریل ۱۹۸۵ء کو منعقد ہوئی اس کانفرنس میں ۱۹۸۳ء میں منعقد ہونے والے تمام تین سو سے بھی زائد مقتدر علماء کرام اور دینی شخصیتوں نے حصّہ لیا حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے بھی اس کانفرنس میں شرکت فرمائی تھی اس کانفرنس نے امن و مصالحت کی سابقہ تمام کوششوں کی ناکامی کا ذمہ دار ایران کو ٹھہرایا اور عراق کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس اعلان پر مولانا کے دستخط بھی موجود ہیں۔ (ایران وعراق جنگ، مرتبہ مولانا اسرار الحق قاسمی ص ۴-۵)

مولانا کا عام مزاج یہ تھا کہ وہ ملکی یا عالمی معاملات ومسائل میں اپنی سیاسی وایمانی بصیرت یا ظہور حق کے نتیجے میں جو پالیسی بھی اختیار فرماتے اس پر نہایت پامردی اور جرأت مندی سے قائم رہا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو کسی حکومت یا شخصیت سے کوئی مخاصمت یا مفاد نہ تھا بلکہ ایمانی بصیرت اور اسلامی حمیت کا جو تقاضہ ہوتا ہے وہی مولانا کی پالیسی قرار پاتا تھا اسی سلسلہ میں انھیں پرانے سے پرانے تعلقات اور بڑے سے بڑے مفادات کو جھٹکتے ہوئے کوئی دیر نہ لگتی تھی۔

عراق پر امریکی حملہ ۱۹۹۲ء:

۱۹۹۲ء میں جب امریکہ نے عراق پر پہلا حملہ کیا تو ہماری اپنی معلومات کے مطابق مولانا نے عراق کی حمایت میں اپنے موقف کا اعلان فرمایا تھا اس سلسلہ میں ان کا ایک واضح بیان کلکتہ کے ایک اُردو روزنامہ میں شائع ہوا تھا) جو ممالک اس حملے کے داعی تھے ان سے مولانا اور ان کی

جماعت جمعیۃ علماء ہند کے دیرینہ روابط تھے ان ملکوں کے سینئر سفارت کاروں نے مولانا کے اس موقف پر سخت استعجاب وحیرت کا اظہار کیا تھا اور اس موقف کے نتیجے میں مولانا کو ایک عرصے تک ان ملکوں کی خفگی کا بھی نشانہ بننا پڑا تھا، ہندوستان کے مسلم قائدین کی صفوں میں یہی ایک آواز تھی جو مستانہ وار بلند ہوئی تھی اور یہ آواز کتنی بصیرت مندانہ اور حکیمانہ تھی اس کا اعتراف آج وہ لوگ بھی کررہے ہیں جو اس وقت اس کے مخالف تھے۔ مغربی طاقتوں کی جانب سے عراق کی موجودہ تباہی وبربادی اسی ناعاقبت اندیش اقدام کا نتیجہ ہے۔

حادثہ حرم شریف ۱۹۸۷ء اور مولانا کا موقف:

۳۱/جولائی ۱۹۸۳ء کو حرم مکی میں حج کے دوران تقریباً ایک لاکھ پچپاس ہزار لوگ جن میں تقریباً بیس ہزار پولیس فوج اور انٹلیجنس کے ریٹائرڈ افسران بھی شامل تھے اور حج کے بہانے سے سعودی عرب میں داخل ہوئے تھے۔ اچانک حرم پاک کی مقدس فضاؤں میں شورش برپا کردی۔ انھوں نے زبردست نعرے بازی کی۔ تصویریں اور پوسٹر چسپاں کیے، لاٹھیاں اور ڈنڈے گھمائے، کپڑوں میں چھپا کر لائے ہوئے چاقو اور چھرے ہاتھوں میں لیے اور حرم پاک میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگے اس سے پہلے ان کے سامانوں سے سعودی افسران نے انتہائی طاقتور دھماکہ خیز مادہ آر۔ڈی ایکس ضبط کیا تھا۔ یہ کوئی عارضی یا معمولی شورش نہ تھی بلکہ زبردست منصوبہ بند سازش کا حصّہ تھی ۔کیونکہ حج سے پہلے کچھ حلقوں کی جانب سے مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں مطالبہ کیا جارہا تھا کہ حرمین شریفین کو بین الاقوامی کنٹرول میں دیا جائے، یہ شورش اس کے لیے راہ ہموار کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوسکتی تھی فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اس شورش کے چشم دید گواہ تھے کیونکہ وہ بھی ادائیگی حج کے لیے وہاں موجود تھے، انھوں نے اس واقعہ کو مذکورہ بالا پس منظر میں دیکھا اور سعودی عرب ہی سے ۳۱/جولائی ۱۹۸۷ء کو بیان جاری کیا، بیان میں فرمایا کہ یہ شورش پسند لوگ اگرچہ امریکہ، روس اور اسرائیل کی مخالفت کا نعرہ لگاتے ہیں مگر درپردہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلام دشمن طاقتوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں ان کا مقصد مسلمانان عالم کو کمزور کرنا ہے۔ (سانحہ حرم مطبوعہ جمعیۃ علماء ہند)

شاہ فہد کا پیغام:

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے سانحہ حرم سے متعلق خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کو برقیہ بھیجا جس میں شورش پسندوں کے ان افعال کی سخت مذمت کی گئی تھی، امن وامان کی فوری بحالی اور حجاج کرام کی پوری حفاظت کا مطالبہ کیا تھا اس برقیے کے جواب میں ۲/اگست

۱۹۸۷ء کو مولانا کے نام سعودی فرماں روا شاہ فہد بن عبدالعزیز کا پیغام موصول ہوا جس میں انھوں نے حرم مقدس میں کچھ لوگوں کی دہشت گردی اور شورش پسندی کے خلاف مولانا کے موقف پر اظہار تشکر کیا۔ پیغام کے متن کا ایک حصّہ درج ذیل ہے۔ ''آپ (مولانا سیّد اسعد مدنیؒ) نے برقیے میں جن اسلامی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ہم اس کے لیے بے حد ممنون ہیں، سعودی عرب کی حکومت نے اللہ کے مہمانوں کی بہتر سے بہتر خدمت کو عین سعادت سمجھا ہے اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر اللہ نے توفیق عطا فرمائی تو ہم ہمیشہ کی طرح حجاج کرام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتے رہیں گے ان کے گھروں کو واپس جانے تک احمقوں کی حماقت سے ان کی حفاظت کرنے کی کوشش کریں گے۔'' (سانحہ حرم مطبوعہ جمعیۃ علماء ہند)

تحفظ حرم کانفرنس:

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے اس مسئلہ کی باریکیوں اس کے نتائج کے دوررس اثرات و مضرات کا ادراک کرتے ہوئے ۸؍نومبر ۱۹۸۷ء کو تحفظ حرم کانفرنس طلب کی جس میں اس کے مختلف پہلوؤں کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا۔ کانفرنس نے شورش پسندوں کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور اسے اسلام دشمن طاقتوں کی خدمت قرار دیا۔

عالمی مسائل میں مولانا کی پالیسیوں کا بنیادی اصول:

عالمی مسائل کے سمجھنے ان پر اپنا اور اپنی جماعت کا موقف اختیار کرنے کے سلسلہ میں مولانا کا بنیادی اصول ''اسلام اور کمزور کی حمایت اور سامراج کی مخالفت'' تھا۔ سامراج سے مراد کسی خطہ زمین پر آباد ممالک یا کچھ خاص حکومتیں یہ تھیں جیسا کہ بعض مغربی ممالک یا مغربی طاقتوں کے بارے میں سمجھا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ ملک یا قوم تھی جو کسی قوت جابرہ کے تحت ناجائز دباؤ یا طاقت کے استعمال کی مرتکب ہو یا کسی کی شرافت کا ناجائز فائدہ اُٹھا کر اس کے مفادات ومقاصد کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو۔ چنانچہ انھوں نے فلسطینی قضیے میں مغربی طاقتوں کو، عراق ایرانِ جنگ کے مسئلے میں ایران کو، ۱۹۹۲ء کے عراق پر حملے کے سلسلے میں امریکہ اور داعیوں کو ذمہ دار قرار دیا جبکہ سانحہ حرم کے معاملے میں سعودی عرب کو حق بجانب ٹھہرایا۔ مولانا کے مزاج اور اصول کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ بقید حیات ہوتے تو موجودہ صورت حال میں شاید ایران کے حق میں اپنی حمایت کا اعلان فرماتے، کھرے کھوٹے اور اچھے بُرے کو جانچنے کا یہ اصول مولانا کو اپنے دین اور اپنے اکابر سے ورثے میں ملا تھا جسے وہ جان و دل سے عزیز رکھتے تھے۔

○○

❑ مولانا شوکت علی قاسمی بستوی
ناظم عمومی کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ وخادم تدریس دار العلوم دیو بند

تحفظِ مدارس اور فدائے ملتؒ

جامع کمالات ہستی:

امیر الہند، فدائے ملّت، حضرت اقدس مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ، سابق رکن شوریٰ دار العلوم دیو بند وصدر جمعیۃ علماء ہند کی شخصیت بڑی نابغۂ روزگار، عبقریت وعظمت کی حامل، جامع کمالات، مجموعۂ صفات، گونا گوں خصوصیات اور رنگارنگ امتیازات کی مالک، بڑی ہمہ گیر اور ہشت پہل تھی، وہ تقویٰ وطہارت اور عبادت وریاضت میں یکتائے روزگار، بحرِ علم وعرفان کے غواص وشناور، خم خانۂ طریقت کے بے مثال بادہ خوار، ملت اسلامیہ کے عظیم رہ بر وفدا کار، جرأت وہمّت کے کوہ گراں، تواضع وخاکساری کے پیکر جمیل، روحانیت وعزیمت کے آفتاب عالم تاب، جود وکرم کا ابر گہر بار، ملکی وملی سیاست اور خدمتِ خلق کی شمع فروزاں، رشد وہدایت کے نیرِ تاباں، علوم شریعت کے محرم اسرار نکتہ داں دینی حمیت واستقامت میں یگانہ، مدارس اسلامیہ کے دردمند پاسبان، امن ویکجہتی کے حدی خواں، دار العلوم دیو بند کے روح رواں اور سینکڑوں دینی مدارس اور تعلیمی اداروں کے سرپرست ونگراں تھے۔

نابغۂ روزگار شخصیت کے تشکیلی عناصر:

حضرت فدائے ملّتؒ میں یہ جامعیت وانفرادیت کیسے پیدا ہوئی؟ ان کی بے پناہ مقبولیت ومحبوبیت اور ان کی خصوصیات وامتیازات میں کون سے عوامل واسباب کارفرما تھے؟ اور وہ کیا عناصر ترکیبی تھے جنھوں نے اس جامع ترین شخصیت کی تشکیل اور کردار سازی میں اہم کردار ادا کیا تھا؟ تفصیل کا موقع نہیں، اختصار کے ساتھ عرض ہے کہ پہلی اہم چیز جس نے ان کی شخصیت سازی اور کردار کی ساخت وپرداخت میں نمایاں کردار ادا کیا، وہ ان کا خانوادۂ فضل وکمال ہے، جو حضرت سادات حسینی کا مشہور خاندان ہے، جو اپنے علم وفضل، رشد وہدایت، مومنانہ فراست ودور اندیشی، تواضع وخاکساری، دینی غیرت وحمیت، عزیمت وروحانیت، تقویٰ وتقدس میں اپنی مثال آپ

تھا، خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ نورالحق صاحب رحمہ اللہ کی تعریف وتوصیف حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی نے خود بیان فرمائی اوران کو بڑے اولیاء اللہ میں شمار کیا۔

(چراغ محمدص ۴۶بحوالہ نقش حیات ص ۲۳/۱)

مذکورہ خاندانی اقداراورنسبی خصوصیات وکمالات کے امین و پاسبان حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی ذات ستودہ صفات تھی،اوران امتیازات اور خاندانی قدروں اور خصائص وکمالات کے سچے وحقیقی وارث جانشین شیخ الاسلامؒ،فدائے ملّت علیہ الرحمۃ ہوئے، پھر حضرت امیرالہند فدائے ملّت رحمہ اللہ نے دیوبند کے روح پرور اور پاکیزہ ماحول میں آنکھیں کھولیں جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی برپا کی ہوئی تحریک ریشمی رومال کے اثرات سے گرم اور قدسی صفات، حضرات اکابر دارالعلوم دیوبند کے علم وفضل اور روحانیت وعزیمت کا امین تھا۔خود حضرت شیخ الہند کا دولت کدہ،نمایاں علمی دینی اورسیاسی شخصیات کی آماج گاہ تھا۔ان عظیم شخصیات کوفدائے ملّت نے بہت قریب سے دیکھا ان کے خیالات سے استفادکیا پھر دارالعلوم میں تعلیم کے لیے داخل ہوئے۔ وہ زمانہ دارالعلوم کا خیرالقرون تھا جلیل القدر حضرات اساتذہ سے استفادہ کیا،حضرت شیخ الاسلام کالختِ جگرنورِنظر ہونے کے باعث سبھی حضرات نے خصوصی توجہات سے نوازا، پھر خود حضرت شیخ الاسلام نے جس طرح ان کی تربیت فرمائی اس کی نظیر کم ہی ملے گی۔ان سب عوامل واسباب کی بناء پر حضرت فدائے ملّت کی شخصیت میں یہ جامعیت پیدا ہوئی کہ علم و فضل کا وافر حصّہ ان کو ملا، تواضع و خدمت خلق کا بھرپور جذبہ،ملکی وملی تحریکات اور سیاسی وملی سرگرمیوں کوقریب سے دیکھنے اور ملک وملت کے لیے خود کوقربان کردینے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ ذیل کی سطروں میں، دینی تعلیم کے فروغ اور مدارس اسلامیہ کی تعمیروترقی اوران کے تحفظ واستحکام کے حوالہ سے حضرت فدائے ملّت کی روشن خدمات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے:

شوق آمادہ ہےاس ذات پر کچھ فکر کرے
محوِ حیرت ہے کسے چھوڑے کسے ذکر کرے

اس مقالے میں ابتداً،اسلام میں علم کی اہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس کے بعد ۱۹۵۷ء کے بعد ملک کی تعلیمی صورتِ حال بیان کی گئی ہے۔انگریزوں کی تعلیمی پالیسی پرتبصرہ کیا گیا ہے، پھر دارالعلوم دیوبند کے قیام کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، بعدازاں دینی تعلیم کے فروغ کے بارے میں جمعیۃ علماء کی خدمات کی جھلک پیش کی گئی ہے۔اور پھر فدائے ملّت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی ہمہ گیر خدمات سپردقلم کی گئی ہیں۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت:

تعلیم کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں، اسلام کی سب سے پہلی وحی اور صاحبِ عرش کی طرف سے زمین والوں کو جو پہلا حکم دیا گیا وہ تھا 'اقرأ' یعنی: پڑھیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا 'اِنما بعثت معلما'۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے 'طلب العلم فریضة علی کل مسلم' سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں جہاں امن وسکون مفقود تھا۔ آزادی اور اطمینان سے نماز پڑھنا بھی دشوار تھا ایسے حالات میں بھی دارالرقم میں قرآن کی تعلیم کا انتظام فرمایا تھا۔ پھر مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد جب مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی تو اس میں ایک صفہ (چبوترہ) تعمیر فرمایا جہاں تعلیم وتعلم کی مجلسیں لگتی تھیں، حلقے قائم ہوتے تھے، صحابہ کرام قرآن وحدیث یاد کرتے اور ایک دوسرے کو سناتے تھے۔

صفہ کے قیام کا مقصد:

تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، وحکمت اور تزکیہ تھا۔ جس کو ایک لفظ تفقہ فی الدین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تعلیمات امت تک تعلیم کے ذریعہ پہنچائیں، علماء کرام کو حدیث پاک میں نبی اکرمؐ کا وارث قرار دیا گیا۔ صحابہ کرام اور علماء امت نے سرکارِ دوعالم کی میراث نئی نسل تک پہنچانے کے لیے تعلیم ہی کو ذریعہ بنایا، صحابہ کرام جہاں جہاں تشریف لے گئے وہاں وہاں مسجدوں کے ساتھ انھوں نے سرکارِ دوعالمؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے قرآن کریم اور دینی تعلیم کے لیے مدرسہ سے بھی قائم کیے ہندوستان میں دینی تعلیم کے لیے مسلمانوں کی آمد سے ہی مدرسوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ سلطنت مغلیہ میں شہر شہر اور قریہ قریہ مدارس قائم تھے، مگر برطانوی سامراج نے ملک میں اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد اپنی حکومت کے دوام واستحکام کے لیے جو تدبیریں کیں ان میں دینی مدارس کا خاتمہ بھی تھا، چنانچہ طے کیا گیا کہ: جذبہ جہاد اور اسلام کی صحیح تعبیر، کامل اور مکمل طور پر پڑھانے والے اداروں (دینی مدارس) کو یکسر ختم کر دیا جائے اور ان کے مقابلے میں ایسے مدارس کھولے جائیں جو بالکل علی الاعلان عیسائیت کے ترجمان ہوں (جسے مشن اسکولز کہا گیا) یا ان کے دینی نصاب سے اسلام کی عظیم تعلیمات کو جن سے جذبۂ خودی اور جذبہ حریت پیدا ہوتا ہو، یکسر خارج کر دیا جائے، اور ان برائے نام اداروں کے فضلاء کو ملازمتیں مہیا کر دی جائیں تاکہ علمی طبقات میں ان درسگاہوں کی عزت زیادہ ہو، نیز یہ بھی طے کیا گیا کہ دینی مدارس کی امداد بند کر دی جائے، ان کی وہ جاگیریں ضبط کر لی جائیں جو ان کے اخراجات کے لیے مسلمان بادشاہوں نے عطا کی تھیں، تاکہ یہ مدارس معاشی مشکلات کی وجہ سے

ا زخود بند ہو جائیں۔ (چراغ محمد ص۴۰)

۱۸۵۷ءکے بعد ملک کی دینی تعلیمی حالت:

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے جلسہ انعامیہ میں ۱۸۵۷ء کے بعد اور دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے دینی تعلیم کی صورتِ حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: اس مدرسے کی بنا محض علوم دین کے احیاء کے لیے ہوئی ہے، وہ زمانہ تھا جس میں بعد غدر ہندوستان نے تھوڑا ساوقت گزارلیا تھا اور مجموعۂ حال کے دیکھنے سے یوں نظرآتا تھا کہ اب علم دین کا خاتمہ ہے، نہ کوئی پڑھ سکے نہ پڑھا سکے بڑے بڑے شہر جو مرکز اس دائرے کے تھے خراب ہوگئے تھے، علماء پریشان، کتب مفقود، جمعیت ندارد اگر کسی طبیعت میں شوق علم ہو اور طلب کی ہمّت ہو تو کہاں جائے اور کس سے سیکھے اور یوں نظرآتا تھا کہ بیس تیس برس میں جو علماء بقید حیات ہیں، اپنے وطن اصلی جنت کو سدھار جائیں گے۔ تب کوئی ان کو بتلانے والا ہی نہ رہے گا کہ وضو کے کتنے فرض اور نماز میں کیا واجب ہے۔ (روداد جلسہ دستار بندی ۱۳۰۱ھ ص ا تاریخ دارالعلوم ۱۴۳،۱)

دوسری طرف انگریزوں نے جو تعلیمی پالیسی ۱۸۳۵ء سے ملک میں نافذ کی تھی اس کا مقصد لارڈ میکالے نے یوں بیان کیا تھا: ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر مذاق، رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۷۱)

چنانچہ ملک میں دینی تعلیم کی اشاعت وترویج واسلامی علوم وفنون کے تحفظ، دینی شناخت اور تشخص کی بقا، جہالت وناخواندگی کی بیخ کنی، نونہالان اسلام کی دینی وتعلیمی وتربیت اور ملک و ملت کی آزادی اور تعمیر واستحکام کے لیے رجال کار کی تیاری کی غرض سے دیوبند کی سرزمین میں ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء میں مدرسہ عربی کا قیام عمل میں آیا تاکہ مذکورہ مقاصد کے حصول کے ذریعہ لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی کو ناکام بنایا جائے اور ایسے افراد تیار کئے جائیں جو رنگ ونسل کے لحاظ سے ہندوستانی ایرانی وافغانی ہوں لیکن دل ودماغ اور ذہن وفکر کے لحاظ سے حجازی اور محمدی ہوں۔

سراپا خلوص وللّٰہیت اکابر اور بانیان کرام کی جدوجہد اور قربانیوں سے بعد میں یہ مدرسہ عربی، دارالعلوم دیوبند کی شکل میں عالمی اسلامی یونیورسٹی بن گیا، بعد ازاں اکابر علماء دیوبند نے ۱۹۱۹ء میں مسلمانوں کی دینی ملی ثقافتی اور سیاسی رہنمائی، علماء کرام اور عام مسلمانوں کے لیے ایک متحدہ اور متفقہ پلیٹ فارم فراہم کرنے کے لیے، اور اکابر علماء کی قیادت میں جہاد آزادی کو منظّم کرنے کے لیے جب جمعیۃ علماء ہند کو قائم فرمایا تو اس کے دستور اساسی میں بیان کردہ اغراض مقاصد میں

''علوم عربیہ واسلامیہ کا احیاءا ورزمانۂ حال کے تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم کا اجراء'' شامل تھا۔

مذہبی تعلیم کی نشر واشاعت اور جمعیۃ علماء ہند:

دستور کی مذکورہ دفعہ کے مطابق جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نے روزاوّل سے ہی مسلمانان ہند میں تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے لیے جدوجہد جاری رکھی، مجلس منتظمہ، مجلس عاملہ کے اجلاسوں اور اجلاس عام کی نشستوں میں اس سلسلہ میں غور وخوض کیا جاتا رہا اور مختلف علاقوں میں مدارس ومکاتب کے قیام کا سلسلہ جاری رہا، مدارس کے نصاب پر بھی غور وخوض کیا گیا اور نصاب تعلیم نظام تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں مشورے کے ذریعہ ضروری امور طے پاتے رہے اور ان پر عمل درآمد ہوتا رہا، چنانچہ، جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ہشتم منعقدہ ۵؍دسمبر ۱۹۲۷ء مطابق ۱۰؍۶؍۱۳۴۶ھ زیر صدارت حضرت علامہ انورشاہ کشمیری، میں بھی غوروخوص کے بعد تجویز ۶ منظور کی گئی جس میں طے کیا گیا:

''جمعیۃ علماء ہند کا یہ جلسہ، مدارس اسلامیہ عربیہ کے بانیوں منتظموں اور کارکنوں کی توجہ اس امر کی طرف منعطف کراتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مشغولیت اور کم فرصتی اور ضروریات زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے مدارس عربیہ دینیہ کے نصاب کو ایسے طور پر مرتب کریں جو ان کی مذہبی حالت کو درست کرنے، اور مذہبی واقفیت بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ زمانہ کی ضرورتوں کو بھی ایک حد تک پورا کر سکے۔ اور تمام مدارس دینیہ کا ایک نظام ہو اور سب اسی نظام کی پابندی کریں تا کہ تفریق اور انتشار جو مذہب وقوم کے لیے سب سے زیادہ مضرت رساں ہے دور ہو اور منظّم طور پر دینی تعلیم عام ہوجائے اور تعلیم کا حقیقی فائدہ حاصل ہو۔

اجلاس نے نصاب کی ترتیب کے لیے ایک کمیٹی بھی تجویز کی جس کے ارکان میں حضرت علامہ انورشاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، حضرت مولانا سیّد سلمان ندوی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد سجاد صاحب بہاری، مولانا ظفر علی خان صاحب، ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی کے نام شامل تھے۔ (جمعیۃ علماء دین کے ص ۲۳۰)

۲۷؍دسمبر ۱۹۲۹ء کو مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس زیرِ صدارت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند، لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ جس میں نہرو رپورٹ پر غور وخوض کیا گیا، اجلاس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی، حضرت مولانا احمد سعیدی دہلوی، حضرت مولانا سجاد صاحب بہاری، مولانا ظفر علی خان اور مولانا حسرت موہانی وغیرہ شریک ہوئے، اس اجلاس میں ملک کی مکمل آزادی کو نصب العین قرار دیا گیا، اجلاس میں مطالبہ کیا گیا کہ ملک کے

دستور میں مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی جائے اور مذہبی تعلیم، مذہبی تعلیم کی زبان، مذہبی تعلیم کا نصاب، مذہبی ادارے، مذہبی تحریکیں مساجد مدارس، مقابر و اسلامی آثار محفوظ رکھی جائیں اور حکومت کے مدارس میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ نصابِ تعلیم طریقہ تعلیم وغیرہ میں کوئی ایسی چیز نہ آئے جو مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے مذہب پر برا اثر ڈالتی ہو یا ان کے جذبات کو مجروح کرتی ہو۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے ص ۴۴۲ و ۴۵)

۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا تو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، جان و آبرو کے ساتھ ساتھ قوم کے علمی و دینی سرمایہ کا بھی زبردست نقصان ہوا، ہر طرف بے دینی اور ارتداد کی باد سموم چل رہی تھی پنجاب، ہماچل پردیش، راجستھان، الور بھرت پور، گجرات، دہلی کے علاقے بطور خاص ارتداد کا شکار تھے، ہزاروں مدرسے اور تعلیمی ادارے تباہ کیے گئے۔ ایسے روح فرسا اور ہمّت شکن حالات میں اکابر دار العلوم دیوبند و جمعیۃ علماء ہند سر سے کفن باندھ کر میدان میں کود پڑے اور بیمار و مضمحل و جاں بلب امت کی مسیحائی کی۔ اپنا آرام و راحت تج کر گاؤں گاؤں، قریہ قریہ پہنچتے اور ملّت اسلامیہ کی بقاء و تحفظ کا سامان کرتے، ان اکابر نے دینی تعلیم کی نشر و اشاعت اور مسلم معاشرے کی اصلاح اور گم گشتہ راہ لوگوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کیں، جگہ جگہ دینی مدارس و مکاتب قائم کئے، تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ اور اس طرح اسلامی شعائر کی حفاظت کا انتظام کیا۔ آزادی کے بعد ملک کا جو دستور بنا اس میں اکابر جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد سے مسلمانوں اور دیگر مذہبی ولسانی اقلیتوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی مخصوص زبان و رسم الخط اور تہذیب کا تحفظ کریں۔ اور اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں اور ان تعلیمی اداروں کو اپنی مرضی کے مطابق چلائیں۔ (دفعہ ۲۹ (۱) و ۳۰ (۱) دستورِ ہند)

تعلیمی بیداری پیدا کرنے کی مہم:

لیکن ملک کے اسلام دشمن اور فرقہ پرست عناصر آزادی کے بعد سے ہی سرگرم ہو گئے اور مسلمانوں کے اسلامی کردار اور تشخص و امتیاز کو ختم کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ اس کے لیے انھوں نے تعلیم کو ذریعہ بنایا۔

ان حالات کے مقابلہ کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے ملک گیر پیمانے پر دینی تعلیمی مہم کا آغاز کر دیا اور ملت اسلامیہ کی بقاء و تحفظ کے پیشِ نظر انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور تمام تر توانائیاں، تعلیمی، ثقافتی اور تہذیبی خدمات کے لیے وقف کر دیں۔ ۲۰/۲۱/ مارچ ۱۹۴۸ء کو جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا اور اس نے بنیادی مذہبی تعلیم کو سب سے اہم کام قرار دیا۔ پھر

ایک ماہ بعد ۲۷/۲۸/اپریل ۱۹۴۸ء کو جمعیۃ علماء ہند نے اپنے پندرہویں اجلاس عام میں درج ذیل تجویز منظور کی:

''جمعیۃ علماء ہند'' کا یہ اجلاس عام ابتدائی تعلیم کے ساتھ مذہبی تعلیم کی اہمیت اور ضرورت، شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے، اور تمام ماتحت جمعیتوں کو لازم قرار دیا ہے وہ اپنے حلقۂ اثر میں ابتدائی مدارس اور شبینہ مکاتب قائم کریں۔''

جمعیۃ علماء ہند نے ملک گیر پیمانہ پر تعلیمی بیداری پیدا کرنے کی اپنی مہم تیز کردی، سب سے پہلے، ایک مختصر تعلیمی کنونشن ۱۲/ستمبر ۱۹۴۸ء کو منعقد کیا گیا جس میں مذہبی تعلیم کے فروغ کی تدابیر پر غور کیا۔ (ص ۲۸۶ جمعیۃ علماء ہند)

اس کے بعد ملک کے مختلف علاقوں میں دینی تعلیمی کنونشن منعقد کیے گئے۔ ۱۹-۲۰/اکتوبر ۱۹۵۲ء کو احمد آباد میں ایک عظیم الشان دینی تعلیمی کانفرنس ہوئی پھر ۲۳-۲۳/دسمبر ۱۹۵۲ء کو راجستھان، جے پور میں دینی تعلیم کانفرنس منعقد ہوئی۔ پھر الہ آباد میں ۲، ۳/اپریل ۱۹۵۵ء کو تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۲۸/مئی ۱۹۴۴ء میں بھوروا، ضلع بلیا میں دینی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد ہوا اسی طرح ایک اہم دینی کانفرنس خلیل آباد ضلع بستی میں ۳۱/مارچ ۱۹۵۶ء کو پھر رائے پور مدھیہ پردیش میں ۱۳، ۱۴/مئی ۱۹۵۸ء میں ایک دینی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا پھر ممبئی، اجین، کانپور میرٹھ، میرج اور پالن پور وغیرہ میں دینی تعلیمی کانفرنسوں کو منعقد کیا گیا اس سلسلہ میں سب سے اہم تعلیمی کنونشن ماہ دسمبر ۱۹۵۴ء میں ممبئی میں منعقد کیا گیا جس میں تمام مکاتب خیال کے تین سو سے زائد علماء کرام وماہرین تعلیم نے شرکت کی جس کے نتیجہ میں مرکزی دینی تعلیمی بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ اس کنونشن میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا تھا کہ ملک کی سیکولر حکومت کسی فرقے کی مذہبی تعلیم کی ذمہ داری نہیں لے سکتی، اس لیے مسلمانوں کو اپنے بچوں کی مذہبی تعلیم وتربیت کا انتظام خود کرنا چاہیے۔ (مطبورہ رپورٹ دینی تعلیمی بورڈ)

دینی تعلیمی بورڈ کا قیام جمعیۃ علماء ہند کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا۔ اس بورڈ کے لیے درج ذیل نظام طے پایا۔

الف: دینی تعلیم کو ہر گھر، ہر مکتب اور ہر اسکول کالج تک عام کرنے کے لیے جد وجہد کرنا اور ہر مسجد کو دینی تعلیم کا مرکز بنانا۔

ب: دینی مدارس ومکاتب کے لیے تربیت یافتہ اساتذہ فراہم کرنا اور اساتذہ کی تدریسی تربیت کے لیے دینی تعلیم کے سینٹر قائم کرنا۔

ج: مشاہیر علماء کرام اور ماہرین تعلیم کا ایک بورڈ قائم کرنا جو ملک کا دورہ کرے اور مسلمانوں کو تعلیمی ضروریات کے مطابق ان کی رہنمائی کرے۔

د: پس ماندہ علاقوں میں دینی مکاتب قائم کرنا۔

ہ: دینی تعلیمی اداروں میں باہمی تعاون واشتراک کی فضا قائم کرنا۔

و: دینی تعلیم کی ترویج وترغیب کے لیے عام مسلمانوں میں دینی اجتماعات منعقد کرنا۔ مذکوہ بالا نظام کے مطابق پورے ملک میں جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام مختلف علاقوں میں دینی تعلیمی کنونشن کا انعقاد عمل میں آیا۔

قیام مکاتب سے متعلق اہم تجویز:

جمعیۃ علماء ہند کے انیسویں اجلاس عام میں جو کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا، مکاتب اسلامیہ کے قیام اور انتظام وانصرام سے متعلق درج ذیل تجویز منظور کی۔

''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام ان مکاتب و مدارس کی قدر کرتا ہے اور ان کے معلمین و منتظمین اوران ائمہ مساجد اور متولی صاحبان کی تحسین کرتا ہے، جو اپنے اپنے حلقوں میں پہلے سے یا جمعیۃ علماء ہند کی تحریک پر عمل کرتے ہوئے دینی تعلیم کی اہم ترین بنیادی خدمت جانفشانی سے انجام دے رہے ہیں، اور ضروریات وقت کے مطابق دنیاوی تعلیم کا نظم قائم کر کے ملک اور قوم کی تعمیر اور جہالت دور کرنے کی قومی تحریک میں اپنے خاموش عمل کے ساتھ قابلِ قدر حصّہ لے رہے ہیں۔ یہ اجلاس ان خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے تمام مسلمانوں، بالخصوص دیہات و قصبات کے مسلمانوں کو پُر زور توجہ دلاتا ہے کہ وہ اسلامی تاریخ، بالخصوص سنت نبوی کی روشنی میں مساجد اور ائمہ مساجد کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کریں، اور تربیت یافتہ اماموں کے ذریعہ نظام مساجد کو حفاظت دین اور تعمیر ملک وملت کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ کارآمد اور نتیجہ خیز بنائیں۔

''مساجد کے ساتھ باضابطہ مکاتب اور تربیت گاہیں، جن میں تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت اور ضروریات وقت کے بموجب دنیاوی تعلیم کا بھی انتظام ہو، نہ صرف یہ کہ سب سے زیادہ ضروری ملی اور مذہبی خدمات انجام دیں گی بلکہ ملک کی تعمیر وترقی میں بھی بہترین کار مددگار ثابت ہوں گی، کیونکہ ان کے ذریعہ نہ صرف جہالت دور ہوگی، بلکہ بااخلاق و باتہذیب شہریت نشو ونما پائے گی جو ایک ترقی پذیر ملک کے لیے شرط اوّلین ہے۔''

''یہ اجلاس دینی تعلیمی بورڈ کی خدمات اور جمعیۃ علماء ہند کے دینی تعلیمی تربیتی مرکز کو اس

سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی سمجھتا ہے اور اس کی کامیابی کو ملک وملت کے لیے فال نیک تصور کرتا ہے، اور نہ صرف ماتحت جمعیتوں، بلکہ تمام ملّی اور قومی اداروں سے ان کے منتظم صاحبان اور حضرات متولیان سے تعاون کی اپیل کرتا ہے۔'' (جمعیۃ علماء ہند ص ۲۴۷-۲۴۶)

مرکزی مدرسہ بورڈ چند سال تک فعالیت سے کام کرتا رہا لیکن پھر بعض اسباب کے باعث جمود وتعطل کا شکار ہوگیا۔

حضرت فدائے ملّت کی زریں تعلیمی خدمات:

حضرت فدائے ملّتؒ پہلے جمعیۃ علماء صوبہ اتر پردیش کے صدر منتخب ہوئے اور پورے صوبہ میں دینی تعلیمی کانفرنسوں کے انعقاد کے ذریعہ تعلیمی بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا بعد ازاں ۱۹۶۳ء میں مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں حضرت مولانا سیّد فخر الدین صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند نے، حضرت فدائے ملّت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب کو ناظم عمومی نامزد فرمایا، حضرت رحمہ اللہ نے دینی تعلیمی بورڈ کی نشاۃ ثانیہ پر توجہ مبذول فرمائی اور آپ کی خصوصی دلچسپی سے اس کا احیاء عمل میں آیا۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو حضرت نے مولانا قاضی سجاد حسین صاحب اور مولانا وحید الدین قاسمی کو اس کی ذمہ داری سونپی گئی، قاضی صاحب جنرل سکریٹری مقرر کیے گئے اور قاسمی صاحب سکریٹری کل ارکان ۶۱ قرار پائے۔ جس میں پورے ملک کے ماہرین تعلیم و ذمہ داران جمعیۃ شامل تھے۔ بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کی زیر صدارت ۱۶/اپریل ۱۹۷۳ء کو دفتر جمعیۃ نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مرکزی وزیر قانون کا یہ بیان بھی زیرِ بحث آیا جس میں اشارہ دیا گیا تھا کہ حکومت دستور ہند کی دفعہ ۳۰ کو حذف یا ترمیم کرنے کے بارے میں غور کر رہی، جس کی رو سے اقلیتوں کو اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے کا حق حاصل ہے اجلاس میں اس بیان کو بے محل اور اقلیتوں کے لیے باعث تشویش بتایا گیا، اجلاس میں کوٹھاری کمیشن کی رپورٹ پر بھی غور ہوا جس کی رو سے اگر جبری تعلیم کا پروگرام نافذ کیا جاتا تو مسلمان بچے اپنی مذہبی تعلیم سے بے بہرہ رہ جائے اس رپورٹ کو بھی اجلاس عاملہ نے مسترد کر دیا، اور ان امور پر مزید غور وخوض اور فیصلے کے لیے مورخہ ۸/مئی ۱۹۷۳ء کو دہلی میں مرکزی دینی تعلیمی بورڈ کا اجلاس عام منعقد کیا گیا، جس کی صدارت بھی حضرت حکیم الاسلامؒ نے فرمائی۔ اجلاس عام نے تجویز نمبر ایک میں مرکزی وزیر قانون کے بیان اور کوٹھاری کمیشن کی سفارشات پر اپنی گہرے تشویش کا اظہار کیا اور اس قسم کے اقدام کو سیکولر دستور ہند کی دفعہ ۳۰ (۱)، (۲) میں دی گئی مذہبی اور تعلیمی آزادی کے سراسر خلاف تصور قرار دیا، اور اسے اقلیتی

حقوق میں مداخلت تعبیر کیا اور کہا کہ مسلم اقلیت اس قسم کے اقدامات کی ہر ممکن مزاحمت کرے گی۔
(رپورٹ مطبوعہ ص ۳۷)

اجلاس نے تجویز نمبر تین میں مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ زیادہ سے زیادہ صباحی اور شبیہ مکاتب قائم کریں، تجویز نمبر آٹھ میں دینی تعلیمی بورڈ کے ماتحت ایک آل انڈیا دینی تعلیمی ٹرسٹ کے قیام کی بھی سفارش کی گئی۔ (مطبوعہ رپورٹ مرکزی دینی تعلیمی بورڈ)

مرکزی دینی تعلیمی بورڈ نے ایک تعلیمی سب کمیٹی بھی تشکیل دی، جس کے سات ارکان تھے سب کمیٹی کے اجلاس میں پرائمری تعلیم کا نصاب اور تربیت معلّمین کے نصاب کا خاکہ پیش ہوکر منظور ہوا۔ اور معلّمین کی تربیت کے کیمپ کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔ (مطبوعہ کارروائی مجلس عاملہ بورڈ)

دینی تعلیمی بورڈ کے ذریعہ پورے ملک کے اندر دینی مکاتب جمعیۃ علماء ہند کے زیر نگرانی قائم کئے گئے اور ایسا مستحکم نظام قائم کیا گیا جس کی نظیر کسی اور جماعت میں نہیں آتی۔ ملک بھر میں مکاتب کا جال پھیلانے میں حضرت فدائے ملّت کی مساعی جمیلہ کا بڑا دخل ہے۔ یہ مکاتب اور صباحی مدارس ہزاروں کی تعداد میں آج بھی قائم ہیں۔ ۱۹۷۶ء میں مجلس منتظمہ نے ۱۵-۱۶ر مئی کو منعقد اپنے اجلاس میں جمعیۃ علماء ہند کا درج ذیل پروگرام منظور کیا اور طریقہ کار طے کیا گیا۔

دینی تعلیم:

الف: اسلام علوم وفنون اور عربی زبان وادب کی اشاعت، ترقی واستحکام کے لیے کوشش کرنا۔
ب: عربی کا ایسا نصابِ تعلیم مرتب کرنا جس سے علم وفن کے عصری تقاضے بھی پورے ہوسکیں۔
ج: دینی اداروں میں بچوں کی شخصیت سازی کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔
مذکورہ مقاصد کے لیے درج ذیل طریقۂ کار تجویز کیا گیا۔

طریقۂ کار:

(۱) ملک کی مختلف زبانوں میں اسلامی علوم وفنون کی کتابیں مرتب وشائع کی جائیں۔
(۲) اپنے دینی اداروں کی حوصلہ افزائی کی جائے جہاں معیارِ تعلیم اور اخلاقی تربیت نمونے کے قابل ہو۔
(۳) دینی مدارس کے لیے ایسے نصابِ تعلیم کی سفارش کی جائے جس میں اسلامی علوم وفنون عربی زبان وادب اور عصری مضامین کی بہتر سے بہتر نمائندگی ہوسکے۔
(۴) دینی مدارس کے لیے ایسے ضابطہ اخلاق کی سفارش کی جائے جس کے قبول کرلینے پر وہاں شخصیت سازی کا ماحول اور تعلیم وتربیت کی فضاء پیدا ہوسکے۔

(۶) دینی مدارس کا ایسا تعلیمی وفاق بنانے کی کوشش کی جائے جو رضا کارانہ اور صرف تعلیم و تربیت تک محدود ہو۔

حضرت امیر الہندؒ نے مذکورہ بالا تعمیری و تعلیمی پروگرام کو طے کردہ طریقہ کار کے مطابق پورے ملک میں نافذ فرمایا، دینی مکاتب اور مدارس عربیہ کے قیام اور ان کے نصاب و نظام تعلیم سے آپ کو خصوصی دلچسپی دی تھی، جن علاقوں میں ضرورت محسوس فرماتے مدارس قائم کرنے پر جمعیۃ کے ذمہ داروں اور دیگر علماء کو متوجہ فرماتے، نظام کو چست اور فعال بنانے کے لیے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے اپنے بصیرت افروز بیانات میں اس جانب ضرور توجہ دلاتے، مدارس اسلامیہ کی سرپرستی فرماتے، سالانہ اجلاس کے موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شرکت اجتماعات کی کامیابی کی ضمانت ہوتی، ایک ایک دن میں کئی کئی پروگرام ہوتے سب میں پابندیٔ اوقات کے ساتھ شریک ہوتے۔ اور نہایت بصیرت افروز وچشم کشا خطاب سے سرفراز فرماتے۔ ایک مدرسے میں تعلیم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اسلام نے حصول علم پر خاص طور پر زور دیا ہے ہمیں اپنے بچوں کو دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم دلانی چاہیے، علم نہ صرف یہ کہ انفرادی زندگی کو سنوارتا ہے بلکہ اس سے دینی و دنیاوی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ (الجمعیۃ ۸۳-۱۱-۹)

مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کی تعمیر جدید کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ دینی مدارس ہی کا فیض ہے کہ دینی، علمی اور اخلاقی دریں زندہ ہیں۔ آئندہ نسل کو کامیاب و بہتری شہری بنانے کے لیے ان مدارس و مکاتب کو ترقی دینا ضروری ہے۔'' (الجمعیۃ ۸۱-۴-۶)

دارالعلوم محمدیہ بنگلور کی تقریب دستار بندی کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''مسلمانوں کو بیدار ہو جانا چاہیے اور ان مدارس اسلامیہ کے احیاء اور بقاء کے لیے کوشش کرنی چاہیے، انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں خدمت دین انجام دینے کی تلقین کی اور فرمایا کہ مسلمانوں کو اپنے بچوں کو سرکارِ دو عالم کا وارث بنانے کی فکر کرنی چاہیے، دینی مدارس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن ہیں۔'' (پاسبان بنگلور ۷۵-۶-۲۳)

مکہ مسجد ٹرسٹ نہرو پور بنگلور میں دوران خطاب فرمایا: ''علم ایک ایسی روشنی ہے جس کی وجہ سے انسان رات کو دن اور دن کو رات کہنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ وہ کھرے کھوٹے کی پہچان علم کے ذریعہ کر لیتا ہے، آپ نے لڑکیوں کو دینی تعلیم دینے پر بھی زور دیا۔ (پاسبان ۹۳-۷-۷)

ستائیسویں اجلاس عام جمعیۃ میں صدارت خطاب میں فرمایا: ''مسلم سماج میں خاص طور

سے دیہی آبادی میں جہالت اور دین وایمان سے بے خبری عام ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو کلمہ تک نہیں پڑھ سکتے ہیں، جو بچے دنیوی تعلیمی اداروں میں تعلیم پاتے ہیں، انھیں دین کی ابتدائی اور چھوٹی چھوٹی بنیادی باتیں بھی معلوم نہیں ہیں، حرام وحلال کا علم نہیں ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ پورے ملک میں خصوصاً ناخواندہ و پسماندہ علاقوں میں دینی مکاتب قائم کئے جائیں۔ یہ مکاتب صباحی وشبینہ دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے دینی تعلیمی بورڈ کو فعال بنانے پر توجہ دینی چاہیے، جمعیۃ نے اپنے کل بجٹ کا ۱۰% فیصد اس کے لیے مختص کرنے کا فیصلہ کیا ہے، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور تمام بڑے مدارس سے بھی پرزور درخواست ہے کہ وہ اپنے بجٹ کا ۱۰% فیصد حصّہ، مکاتب کے قیام وتحریک کو مؤثر انداز میں چلانے کے لیے مختص کریں۔'' (خطبہ صدارت ستائیسواں اجلاس عام ص ۱۴۱)

یکم ۲؍فروری ۱۹۸۴ء کو نئی دہلی میں حضرت فدائے ملّت کی زیرِ صدارت، تعلیمی وملّی کانفرنس منعقد کی گئی مسلمانوں کی تعلیمی وملّی صورتِ حال کا جائزہ لیا گیا اور مدارس کے تحفظ و استحکام کے سلسلہ میں غور وخوض ہوا۔

حضرت فدائے ملّتؒ اور تحفظ مدارس اسلامیہ:

حضرت فدائے ملّت رحمہ اللہ کی زرّیں خدمات، تاریخ کا روشن باب ہے، حضرت اپنے نور بصیرت اور ایمانی فراست سے حالات کا بہت جلد ادراک فرما لیتے تھے ذمہ داران مدارس کو درپیش مشکلات ومسائل کے سلسلہ میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے، مدارس کی حفاظت وصیانت کی تدابیر بیان فرماتے اور مدارس اسلامیہ کو ان کے قدیمہ منہاج پر قائم رکھنے کی سختی سے تاکید فرماتے، جب بعض نام نہاد دانشوروں اور ناعاقبت اندیشوں کی جانب سے یہ مطالبہ زور پکڑنے لگا کہ مدارس اسلامیہ میں جدید کاری کی جائے اور عصری علوم کی تعلیم، نصاب میں شامل کی جائے تو اکابر دارالعلوم کے منہاج ومزاج کے مطابق حضرت امیر الہند نے بھی اس کی شدت سے مخالفت کی اور فرمایا کہ یہ مدارس کے خلاف منصوبہ بند سازش ہے جس کا مقصد مدارسِ اسلامیہ کو اس کے نصب العین سے ہٹانا ہے اور ان کی افادیت کو ختم کرنا ہے، الحمدللہ، حضرت مولانا و دیگر اکابر کے سخت موقف کے باعث یہ آواز دب جاتی رہی ہے، مدارسِ اسلامیہ کے بارے میں اتنا متفکر رہنے والا اور ان کو تعمیر وترقی سے ہم کنار کرنے اور مسائل ومشکلات سے نکالنے کی تدبیر کرنے والا ان جیسا مردِ آہن کوئی نظر نہیں آتا:

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

۱۹۹۴ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ پر انٹیلیجنس بیورو نے چھاپا مارا اور نہتے طلبہ پر پولیس نے فائرنگ کی تو حضرت نے اس کا سخت نوٹس لیا، اس گھناؤنی حرکت کی شدت سے مذمت کی اور مرکزی حکومت سے ملوث افراد کے خلاف کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا۔ (قومی آواز ۲۳-۱۱-۹۴)

۱۸؍اگست ۱۹۹۹ء کو اپنے خصوصی بیان میں حضرت نے فرقہ پرست عناصر کے ذریعہ مدارسِ اسلامیہ اور مساجد کو نشانہ بنائے جانے اور ان کے قومی و اسلامی کردار کو مجروح کرنے کی سازشوں کی مذمت کی اور فرمایا کہ مرکزی بی جے پی حکومت خصوصاً گجرات، بنگال، یوپی اور بعض دیگر صوبوں میں خفیہ سروے کرا کر اپنے مقاصد و اہداف پورا کرنے والے معلومات جمع کر رہی ہے، مولانا مدنی نے اس پر اپنی گہری تشویش اور افسوس کا اظہار فرمایا۔

۱۹۹۸ء کو نارائن دت تیواری کی حکومت اتر پردیش نے ایک آرڈیننس جاری کر کے مینمم ویجز ایکٹ (کم سے کم اجرت کا قانون) نافذ کر کے مدرسوں کو سخت دشواریوں میں مبتلا کر دیا، یہ قانون صنعتی و تجارتی اداروں میں مزدوروں کی اجرت کے لیے تھا، حکومت نے اس استثناء کو ختم کر کے مدارسِ اسلامیہ کو اس کی زد میں لے لیا تھا اسی طرح دینی مدارس میں طلبہ کے قیام گاہوں کے اوپر ویمنس اینڈ چلڈرن لائسنسنگ ایکٹ ۱۹۵۶ء کو لاگو کر دیا گیا جس سے ذمہ داران مدارس کے لیے طلباء کو مدرسوں میں ٹھہرانا مشکل ہو جاتا، نیز یہ بھی بات سامنے آئی کہ یوپی کے مدرسوں کو بہار کے طرز پر مدرسہ بورڈ بنا کر سرکاری کنٹرول میں دے دیا جائے گا۔ تعلیمی نصاب بدلا جائے گا۔

چنانچہ جمعیۃ علماء ہند نے حضرت فدائے ملت کی قیادت میں ۲۷؍مئی ۱۹۸۹ء کو لکھنؤ میں جمعیۃ علماء اتر پردیش کے زیر اہتمام دینی مدارس کانفرنس منعقد کی جو حضرت فدائے ملت کی زیر صدارت ہوئی اس میں یوپی کے وزیر اعلیٰ نارائن تیواری صاحب اور وزیر محنت سعید الحسن صاحب نے بھی شرکت کی۔

کانفرنس میں حضرت نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ: ''ملک میں آج ہزاروں چھوٹے بڑے مدرسے ہیں جو عوامی چندے پر چلتے ہیں حکومت سے کوئی امداد نہیں لیتے حکومت کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا، لیکن حکومت ان پر شکنجہ کسنے کی فکر میں ہے، یہ مدارس کو حکومت کے کنٹرول میں لانے اور ان کو ختم کرنے کی سازش ہے، حکومت فوراً اس آرڈیننس کو واپس لے ورنہ یوپی کے ہر ضلع میں اسی طرح کی کانفرنسیں منعقد کر کے رائے عامہ کو بیدار کیا جائے گا۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں میں معذرت چاہی اور آرڈیننس کو کالعدم قرار دینے کا اعلان کیا۔ اس طرح حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے بروقت اور مؤثر احتجاج سے مدارس اسلامیہ ایک بڑے شر اور فتنہ سے

محفوظ ہوگئے۔ (ہفتہ دارالجمعیۃ ۹ تا ۱۵ / جون ۱۹۸۹ء)

مدارس کے لازمی رجسٹریشن کی مخالفت:

دہلی گورنمنٹ نے ۲۰۰۲ء میں مدارس اسلامی کے لیے لازمی رجسٹریشن کرانے اور سرکاری طور پر منظور شدہ نصاب پڑھانے کا حکم جاری کیا تو حضرت فدائے ملّت نے اس حکومتی آرڈیننس کے خلاف مہم چھیڑ دی، اور جگہ جگہ اپنے بیانات میں اس حکم کی مذمت کی، اسے اقلیتوں کو مذہبی آزادی کے منافی قرار دیا اور فوراً واپس لینے کا مطالبہ کیا جب ان سے پوچھا گیا کہ پاکستان نے بھی مدارس کے لازمی رجسٹریشن کرانے کا حکم دیا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ پاکستان کوئی جمہوری ملک نہیں ہے اور ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور اس میں آئین کے تحت مذہبی آزادی دی گئی ہے۔ بحمد اللہ حکومت نے یہ آرڈیننس سرد خانے میں ڈال دیا۔ (روز نامہ عوام ۲۶-۶/۲۰۰۲ء)

مسلمان بچوں کے لیے وندے ماترم لازم کرنے کی مخالفت:

اُتر پردیش کی سابق فرقہ پرست حکومت نے جب اپنے آرڈیننس کے ذریعہ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں مشرکانہ گیت ''وندے ماترم'' مسلمان بچوں اور بچیوں کے لیے بھی پڑھنا لازم کردیا اور ہندوستان کی فرض تصویر کے آگے جھکنے اور پھول مالا چڑھانے کا فیصلہ کیا گیا تو امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس کی تردید اور آرڈیننس کے واپس لیے جانے کا پُرزور مطالبہ کیا، صوبے کے مختلف علاقوں میں احتجاجی جلسے اور مظاہرے کئے گئے، حضرت والا کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند میں مدارس اسلامیہ کا ایک اہم اجلاس ۲۱ / رجب ۱۴۱۹ھ کو جامع رشید میں منعقد کیا گیا جس میں اس آرڈیننس کے خلاف تجویز منظور کی گئی اور اس فیصلے کو سختی سے مسترد کیا گیا۔

مذہبی مقامات ریگولیشن بل کے خلاف جدوجہد:

جنوری ۲۰۰۰ء اتر پردیش کے وزیراعلیٰ رام پرکاش کی قیادت میں بی جے پی حکومت نے اپوزیشن کے سخت اعتراض کے باوجود ''اتر پردیش پبلک مذہبی عمارات ومقامات ریگولیشن بل'' پاس کردیا، یہ بل دستورِ ہند کی دفعہ ۲۵-۲۶، اور ۳۰ کے یکسر منافی تھا، اس کا مقصد اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو سلب کرنا تھا، اس بل کی رو سے اگر کہیں کوئی مذہبی پبلک عمارت کی تعمیر یا مرمت وغیرہ کرنی ہے تو اس کے لیے ضلع مجسٹریٹ کو درخواست دے کر اجازت لینی ضروری قرار دی گئی، مجسٹریٹ کی اجازت نہ ملنے کی صورت میں کسی مسجد یا مدرسے کی نہ تو کوئی عمارت بن سکتی تھی نہ اس کی مرمت کی جاسکتی تھی، اس بل کی مخالفت میں حضرت امیر الہند نے ذمہ

داران دارالعلوم کو مدارس اسلامیہ کا اجلاس بلانے پر متوجہ کیا، چنانچہ ۲۷-۱۱-۱۴۲۰ھ کو حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم، کی صدارت میں دارالعلوم دیوبند میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں تقریر فرمائے ہوئے حضرت امیر الہند نے اس بل کی شدید مخالفت کی اور اسے واپس لینے کا مطالبہ فرمایا اور اسے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی مذہبی آزادی پر زبردست حملہ قرار دیا، بل کے خلاف تجویز منظور کی گئی، اور طے کیا گیا کہ اس بل کے خلاف مزید اجتماعات مختلف مقامات پر کئے جائیں، مقامی ڈی، ایم کو میمورنڈم پیش کیا جائے اور اس کی نقل صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کو بھی ارسال کی جائے۔

''مذہبی عمارات ومقامات ریگولیشن بل'' کے خلاف جمعیۃ علماء ہند نے حضرت فدائے ملّت کی صدارت میں، پہلے لکھنؤ میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا پھر دہلی کے رام لیلا گراؤنڈ میں حضرت ہی کی صدارت میں منعقد چھبیسویں اجلاس عام میں زبردست احتجاج کیا گیا جس میں لاکھوں فرزندان توحید نے شرکت کی اور عبادت گاہ بل کے خلاف درج ذیل تجویز منظور کی گئی:

''جمعیۃ علماء ہند کا یہ چھبیسواں اجلاس عام اس تاریخی حقیقت کو اچھی طرح محسوس کرتا ہے کہ ہمارا ملک قدیم زمانے سے مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے اور اپنی اس رنگارنگ ثقافت کی وجہ سے بین الاقوامی دنیا میں ایک خاص پہچان رکھتا ہے، افسوس کہ یوپی سرکار نے مذہبی مقامات وعمارات ریگولیشن بل منظور کر کے ملک کی اس قابلِ فخر پہچان کو مٹا دینے کی مذموم کوشش کی ہے، اس لیے اس بل اور اسے منظور کرنے والوں کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہ اجلاس جانتا ہے کہ حصولِ آزادی کے بعد ملک کے معماروں، اس کے مخلص بہی خواہوں اور آئین کو ترتیب دینے والے روشن دماغ دانشوروں نے اس کی گنگا جمنی دیرینہ روایات کو برقرار رکھنے کے لیے، اسے سیکولر جمہوری مملکت قرار دیا، آئین ہند کی رو سے اقلیت واکثریت کے کسی بھی امتیاز کے بغیر ملک کے ہر باشندہ کو حقوق شہریت میں مساوات کے ساتھ آزادیٔ رائے، آزادیٔ مذہب، آزادیٔ تعلیم وثقافت کے بنیادی حقوق حاصل ہیں، جنھیں خود آئین کی تصریحات کے مطابق چھینا یا کم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جبکہ یوپی حکومت کا منظور کردہ نام نہاد ''ریگولیشن بل'' (متعلقہ مذہبی عمارات ومقامات) نے دستورِ ہند میں مصرح ان بنیادی مسائل میں سے اکثر پر خطِ تنسیخ پھیر دیا ہے، پھر یہ بل جس پس منظر میں پاس کرایا گیا ہے، اس سے نہ صرف ملک کی دوسری اکثریت کے حقوقِ آزادیٔ مذہب وآزادیٔ تعلیم وثقافت پر دست درازی کی گئی ہے، بلکہ ملک وطن کے تعلق سے اس کی بے لوث

وفاداری کو بھی مجروح ومشکوک بنادینے کی مذموم کوشش کی گئی ہے، کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک طرف تو ملک کا وزیر داخلہ پارلیمنٹ میں اس بات کا صاف لفظوں میں اعتراف کرتا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ مدارس اسلامیہ کا آئی ایس آئی سے کسی قسم کا رابطہ ہے اور یہ مدارس دہشت گردی میں ملوث ہیں اور دوسری طرف حکومت یوپی ،اسی آئی ایس آئی کی آڑ لے کر اسلامی مدارس کے قومی ومذہبی وقار کو مجروح کر کے انھیں نیست ونابود کرنے کے درپے ہے۔

یہ اسلامی مدارس جنھیں جھوٹے طور پر آئی ایس آئی کی پناہ گاہ کہہ کر سرزمین ہند سے مٹادینے کی سازش رچی جارہی ہے، ان میں بہت سے ادارے مثلاً دارالعلوم دیوبند مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ، عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ ملک کی تہذیب و معاشرت کے سنوارنے میں ان کا اہم کردار ہے، بطور خاص دارالعلوم دیوبند اور اس سے متعلق علماء نے وطن عزیز کی آزادی میں نہ صرف بے پناہ قربانیاں دی ہیں بلکہ دوسروں کے اندر بھی جذبہ ایثار وقربانی پیدا کیا ہے۔

یہ اجلاس عام گورنر یوپی سے بھی اپیل کرتا ہے کہ اُترپردیش سرکار کے اس متنازعہ خلاف آئین بل کو بلاتاخیر رد کر کے آئین کی بالادستی کو مستحکم پائیدار بنانے کا مستحسن اقدام فرمائیں اور بل کی منظوری سے ریاست بلکہ ملک میں انتشار کی جو کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اسے ختم کریں۔'' (رپورٹ مطبوعہ چھبیسواں اجلاس عام جمعیۃ علماء ہند ص ۷۸-۷۷)

مدارسِ اسلامیہ پر بے بنیاد الزامات اور تحفظ مدارس کی متحدہ جدوجہد:

جب فرقہ پرست عناصر کے زہریلے بیانات مدارس کے خلاف زیادہ آنے لگے اور حکومتِ ہند کی وزارتی گروپ کی رپورٹ میں بھی مدارسِ اسلامیہ کو ملک کی سلامتی کے لیے خطرہ قرار دے دیا گیا تو اس وقت حضرت امیر الہند نے محسوس کیا کہ تمام مکاتب فکر کے مدارس کو متحد کر کے ایک ''متحدہ تحفظ مدارس کمیٹی کی تشکیل کی جائے، چنانچہ پہلے دارالعلوم دیوبند میں اس کی کوشش کی گئی کہ دارالعلوم دیوبند کے زیرِ اہتمام تمام مکاتب فکر کے مدارس کا ایک مشترکہ اجلاس دہلی میں بلایا جائے اور ایک متحدہ مجلس تحفظ مدارس کا قیام عمل میں لایا جائے ،دارالعلوم کی جانب سے دیگر مکاتب فکر کے بڑے مدارس اور ذمہ داروں سے رابطہ بھی قائم کیا گیا لیکن بعض مکاتب فکر کے قائدوں کی طرف سے اُمید افزا پیغام نہ ملا تو حضرت امیر الہند نے جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے ۸/مارچ ۲۰۰۳ء کو شام جہانی جامع مسجد دہلی میں تحفظ مدارس کا اجلاس بلایا اور دیگر مکاتب فکر کے مدارس کے ذمہ داروں کو دعوت نامہ دینے اور ان سے گفت گو کے لیے مختلف علاقوں میں مختلف افراد کو بھیجا گیا،

چنانچہ لکھنؤ بستی، سدھارت نگر، گورکھپور، اعظم گڈھ، مئو، بنارس اور جون پور کے مدارس کا راقم الحروف نے خود دورہ کیا اور ذمہ داران کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی۔

چنانچہ اس اجلاس میں دیگر مکاتب فکر، جماعت اسلامی اہل حدیث اور بریلوی حضرات کے مدارس کے بہت سے ذمہ دار شریک ہوئے یہ اجلاس بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ ۹/ مارچ ۲۰۰۳ء کو رام لیلا گراؤنڈ دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے ستائیسویں اجلاس میں حضرت فدائے ملّت نے صدارتی خطاب میں فرمایا:

”مرکزی سرکار کی وزارت داخلہ اور خفیہ ایجنسی کی طرف سے مسلسل یہ جھوٹ باور کرانے کی سعی کی جارہی ہے کہ مدرسے دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہیں، ورارت داخلہ کے وزیر مملکت ودیاراؤ ساگر نے متعدد بار دینی مدرسوں کے کردار کو داغ دار کرنے والے بیانات دیئے اس سے شہ پا کر آر ایس ایس اس کے معاون ذیلی تنظیموں کے عہدے دار پورے ملک میں یہ مذموم پروپیگنڈہ کرتے پھر رہے ہیں کہ مدرسے دہشت گردی کے مراکز بن گئے ہیں اور جہاں؟ ذہنیت کی پرورش کی جاتی ہے لہٰذا ان پر پابندی عائد کردینی چاہیے، ابھی حال میں گورکھپور اور دہلی میں ہونے والے ساتویں عالمی ہندو کنونشن اور دھرم سند میں باقاعدہ تجویز منظور کر کے مدرسوں پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، آر ایس ایس کے سربراہ سدرشن نے چرن سنگھ یونی ورٹی میرٹھ میں بیان دیا کہ تیس ہزار مدرسوں میں طالبان تیار ہورہے ہیں“ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

”اس پروپیگنڈے کو صیہونی اور سی آئی اے اور دیگر مسلم دشمن طاقتوں کی حمایت وتعاون حاصل ہے ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد سے صیہونی ومغربی ذرائع ابلاغ نے خاص طور سے مدارس و مساجد کو دہشت گردی سے جوڑنے کی مہم تیز کردی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیمیں، امریکی ایجنسیوں اور صیہونی تحریک کے حصّے ہیں، ان کے ذمہ داروں اسرائیل اور دیگر صیہونیت نواز، یورپی ملکوں میں آمدورفت برابر جاری ہے، پہلے ان کا تعلق نازی تحریک سے تھا، ملک میں فرقہ وارانہ فساد کرانے کے لیے باہر کے ملکوں میں ملنے والی مالی امداد کی تفصیلات میڈیا میں متعدد بار آچکی ہیں۔ صیہونی مغربی طاقتوں اور دہشت گرد تنظیم آر ایس ایس سے وابستہ فرقہ پرست عناصر کا یہ تصور ہے کہ دینی مدارس اور معابد مسلمانوں کے لیے سرچشمہ اور روح کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو ختم کردیا جائے، یا کم از کم ان کے کردار کو مسخ کردیا جائے تو آسانی سے ان کی تہذیبی وملّی شناخت کو ختم کر کے انھیں اپنے اندر ضم کیا جاسکتا ہے، یہ مدرسے ہی ہیں جو

انھیں اپنے وجود کے تحفّظ کے لیے قوت مزاحمت فراہم کرتے ہیں۔ یہ تاریخ ہے کہ مدارس اور ان کے بوریا نشیں علماء وفضلاء نے سامراجی اور صیہونی طاقتوں اور ملک وقوم دشمن عناصر کے خلاف معرکہ آرائی کی، اہل مدارس کی جدوجہد ملک وملّت کے مفاد میں رہی ہے اگر مدارس اور ان سے وابستہ علماء اساتذہ شرپسند، ملک مخالف، امن دشمن قوتوں سے نبرد آزما ہیں تو یہ ملک اور قوم کی عین خدمت ہے، جسے دہشت گردی کا نام دینا امن وانصاف کا خون کرنا ہے، مدارس کے نظام تعلیم میں دہشت گردی یا تخریب کاری کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ اسلام میں دہشت گردی حرام ہے، مدرسوں کا نصابِ تعلیم چھپا ہوا ہے، ان میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں وہ کوئی خفیہ راز نہیں ہیں، ان کا از ابتداء تا انتہاء جائزہ لے کر دیکھا جا سکتا ہے، اس کے برعکس آر ایس ایس کے تعلیمی اداروں میں کھلے عام اقلیتوں اور دیگر فرقوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے لیے ذہن سازی کی جاتی ہے، شاکھائیں لگتی ہیں، خلاف قانون ہتھیار چلانے کی تربیت دی جاتی ہے، آر ایس ایس کھلے بندوں دوقومی تھیوری رکھتی اور تقسیم کی قائل ہے، ان اداروں پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا جاتا ہے؟ (مطبوعہ خطبہ صدارت ستائیسواں اجلاس عام)

رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے زیرِ اہتمام منعقد مدارس اسلامیہ کے اجلاس عام میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آج ہم لوگ جس دور سے گزر رہے ہیں وہ بڑا خطرناک دور ہے عیسائی، یہودی اور فرقہ پرست طاقتیں بھرپور وسائل کے ساتھ اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، ان کا نشانہ خاص طور پر دینی مدرسے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہی مدارس علوم دینیہ کے سرچشمے ہیں لیکن ہم کو پوری طاقت کے ساتھ دشمنان اسلام کی سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ان کو دندان شکن جواب دینا ہے۔ (رپورٹ رابطہ مدارس اسلامیہ)

''مدارس اسلامیہ اور دہشت گردی کا الزام'' کے عنوان پر دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام، منعقد مدارس اسلامیہ کے کل ہند اجتماع سے اپنے بصیرت افروز وچشم کشا خطاب میں امیر الہندؒ نے فرمایا:

''اسلام اور مدارس اسلامیہ کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم دہشت گردی کو کسی طرح کا تعاون دینے کو تیار نہیں، ساری دنیا جانتی ہے کہ ملک میں لاکھوں لوگ ہیں جو دہشت گرد تنظیموں سے جڑے ہوئے ہیں، ناجائز ہتھیار رکھے ہوئے ہیں، ہر طرح کے جرائم کے مرتکب ہیں، اس کی انھیں ٹریننگ دی جاتی ہے ان کی وجہ سے ملک کا سیکولر کردار خطرے میں ہے، لیکن ان کو دہشت گرد کہنے والا کوئی نہیں، لیکن مدارس کو خوامخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔ (مطبوعہ رپورٹ رابطۂ مدارس اسلامیہ)

مدارسِ اسلامیہ کے لیے حکومتی امداد اور حضرت فدائے ملّتؒ:

حضرت فدائے ملّت رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقرر کردہ اصولِ ہشت گانہ کے مطابق دارالعلوم اور دیگر مدارس اسلامیہ کا نظام استوار رکھنے کے سختی کے ساتھ تاکید فرماتے تھے اور حکومت امداد کو مدارس کے لیے سم قاتل تصور فرماتے، اسی وجہ سے ذمہ دارانِ مدارس کو اس سے اجتناب کرنے پر زور دیتے تھے۔ مدارس کی تعلیمی فکری وانتظامی آزادی اور ان کے تحفظ میں یہ بات بڑی مؤثر رہی ہے۔

حضرت فدائے ملّت اور دارالعلوم دیوبند:

دارالعلوم دیوبند سے حضرت فدائے ملّت رحمہ اللہ کو بڑا والہانہ لگاؤ رہا، دارالعلوم دیوبند کی ترقی اور استحکام کے حوالہ سے بھی ان کی خدمات بے حد تابناک ہیں۔ ۱۳۷۰ھ تک بارہ سال تک انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی اہم خدمات انجام دیں پھر گراں قدر ملکی وملّی مصروفیات کے باعث قوم وملّت کی وسیع تر خدمات کے لیے اپنے کو فارغ کرلیا، دارالعلوم کا جب بھی کوئی مسئلہ آیا ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، ۷؍مارچ ۱۹۶۳ء کو حضرت فدائے ملّت نے مرکزی حکومت کے اسسٹنٹ انفورسمنٹ آفیسر کے ذریعہ ایشیاء کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے دفتر محاسبی اور دفتر اہتمام کے علاوہ دارالعلوم کے مہتمم صاحب کی دُکان اور مکان کی تلاشی لینے پر سخت احتجاج اور غم وغصہ کا اظہار کیا اور کہا کہ سی، آئی ڈی کا محکمہ، فرقہ وارانہ عناصر سے متاثر ہے اور دارالعلوم کی عظمت اور اس کی نیک شہرت ملک وبیرون ملک میں اس کے ساتھ اور وقار کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے، حضرت جو اس وقت جمعیۃ کے ناظم عمومی تھے، اپیل کی حکومت واقعہ کی تحقیقات کرکے اقدام کرے تاکہ دوبارہ اس دل خراش واقعہ کا اعادہ نہ ہو۔ (ملّی خدمات پر ایک نظر ص ۴۵)

دوسرے بیشتر مواقع پر بھی حضرت فدائے ملّت رحمہ اللہ علیہ نے اربابِ دارالعلوم کا گراں قدر تعاون فرمایا۔ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند نے جشن صد سالہ منایا، اس موقع پر فراہمی مالیات کے لیے حضرت نے مغربی اضلاع اُتر پردیش کا خصوصی دورہ فرمایا اور ایک خطیر رقم حضرت مہتمم صاحب کو پیش کی اور مرکزی حکومت میں اپنے اثر ورسوخ کا استعمال فرما کر عرب مہمانوں کی تشریف آوری اور وزیر اعظم سمیت بڑی تعداد میں قومی لیڈروں کے اجلاس میں آمد کے پروگرام طے کرنے میں گراں قدر اور خصوصی تعاون فرمایا:

۳۱؍اکتوبر ۱۹۸۱ء کو طلبہ دارالعلوم اور انتظامیہ کے درمیان واقع کشیدگی کے بعد دارالعلوم دیوبند غیر معینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا اور حضرت مہتمم صاحب کے فرمان پر پی اے سی کے

ذریعہ طلبہ کو نکال دیا گیا، شہر کے دردمندوں اور جمعیۃ سے تعلّق رکھنے والے حضرات نے کیمپ دارالعلوم قائم کرکے ان طلبہ کے قیام و طعام اور تعلیم کے نظم کو بحال کردیا، پورے ملک کے مسلمانوں کی ہمدردیاں طلبہ کے ساتھ ہوگئیں، حضرت فدائے ملّت ان دنوں بیرونی سفر پر تھے لیکن ذمہ دارانِ کیمپ ان کے رابطے میں تھے، ان کے مشوروں سے کیمپ کا نظم حضرات اساتذۂ کرام وذمہ دارانِ جمعیت کی زیرنگرانی بڑی خوش اسلوبی سے قائم رہا، سفر سے واپس آنے کے بعد انھوں نے طلبۂ عزیز کے معاملات سے بطور خاص دلچسپی لی اوران کے لیے دارالعلوم کھلوانے کی تدابیر اختیار کیں بالآخر چندماہ کے بعد مادرعلمی دارالعلوم دیوبند نے طلبۂ عزیز کو اپنی آغوش میں لے لیا، دارالعلوم کھلنے کے ساتھ سابقہ انتظامیہ ختم ہوگئی اور مجلس شوریٰ کی بالادستی بحال ہوگئی اور حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب اور بعض اساتذہ دارالعلوم کی حکمتِ عملی اور تدابیر کے نتیجہ میں تعلیمی وتربیتی سرگرمیاں پرسکون ماحول میں بحال ہوگئیں اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے زیرِاہتمام نئی انتظامیہ نے نظم ونسق پر قابو پایا، سخت پرآشوب حالات سے دارالعلوم کونکالنے اور تعمیر وترقی اور نشأۃ ثانیہ سے ہم کنار رکھنے میں حضرت فدائے ملّت کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، تعمیری اور تعلیمی ہردولحاظ سے پچھلے سالوں میں دارالعلوم نے جو قابل رشک ترقی کی ہے اس میں حضرت کے مؤثر ترین کردار سے کون واقف نہیں، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کے بام و در، شدت سے حضرت کا خلامحسوس کررہے ہیں اور حزن والم سے اب بھی رنجور ہیں:

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

مدارس اسلامیہ کے لیے متحدہ نظام:

جمعیۃ علماء ہند نے، مدارسِ اسلامیہ کے نظام کو فعال بنانے اور مدارس کی مختلف النوع مشاکل ومسائل کے حل وازالے کے لیے مدارسِ کے متحدہ نظام اور وفاق بنانے پر ہمیشہ زور دیا ہے۔ بمبئی میں منعقد جمعیۃ کے اجلاس عام مورخہ ۲۶؍۲۷؍اپریل ۱۹۴۸ء نے اپنی تجویز (۵) میں ذمہ دارانِ مدارس عربیہ کواس جانب توجہ دلائی کہ مدارس باہمی اشتراک وتعاون سے ایک ایسانظام قائم کریں جو تمام عربی مدارس کو ایک دوسرے سے منسلک کردے، اگر نصابِ تعلیم، طریقۂ تعلیم، امتحانات داخلہ اوراخراج کے متعلق مدارس عربیہ مشترک طور پر کچھ اصول طے کرلیں اور ایک مرکزی مجلس علمی منتخب کرکے اس کونگراں وغیرہ کے اختیارات دیدیں تو تنظیم مدارس کا اہم مقصد بڑی حدتک کامیاب ہوسکتا ہے۔

اجلاس نے ایک آٹھ رکنی کمیٹی بھی تشکیل دی جو مذکورہ اصول کی روشنی میں تنظیم مدارس کے مقصد کو کامیاب کرنے کی صورت میں طے کرے، جس کے ارکان حسبِ ذیل حضرات تھے:

(۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

(۲) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم سہارن پور

(۳) حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مرادآبادی

(۴) حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب دہلی

(۵) حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی

(۶) حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی صاحب

(۷) حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند

(۸) حضرت مولانا قاضی محمد سجاد صاحب دہلی

حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، مدارس کے درمیان اشتراک و تعاون پر ہمیشہ زور دیتے تھے، ان کے خلف الصدق اور جانشین حضرت فدائے ملّت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب بھی مدارس کا نظام تعلیم بہتر بنانے اور اجتماعی طور پر مدارس کی مشکلات کے حل کے لیے مدارس کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لیے کوشاں رہے۔ وہ ذمہ دارانِ مدارس پر زور دیتے کہ مدارس کی تنظیم سے کام میں بہتری آئے گی، دینی تعلیمی اداروں کے مسائل و مشکلات کا ازالہ بہتر طریقہ پر ہوسکے گا اور مدارس کے تحفظ واستحکام میں قوت پیدا ہوگی۔

۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم دیوبند نے سہ روزہ اجلاس صد سالہ کا انعقاد کیا اس موقعہ پر فضلاء دارالعلوم کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔ اور مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ حضرت فدائے ملّت رحمہ اللہ کو مؤتمر کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس مؤتمر نے دارالعلوم دیوبند کے نہج پر قائم مدارس اسلامیہ کا ایک وفاق قائم کیا۔ مورخہ ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ کو دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم کی صدارت میں مدارس اسلامیہ کے نمائندگان کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں وفاق کا دستور اساسی مرتب اور منظور کیا گیا اور وفاق کے حسبِ ذیل اغراض و مقاصد متعین کئے گئے۔

الف: مدارسِ اسلامیہ میں باہمی اتحاف و ربط قائم رکھنا اور ان کے استحکام و ترقی کے لیے کوشش کرنا۔

ب: مدارس اسلامیہ کے معیارِ تعلیم و تربیت کو بلند کرنے کے لیے صحیح اور مؤثر تدبیریں اختیار کرنا۔

ج: ملحقہ مدارس کے نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم اور طریقۂ امتحان میں یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا کرنا۔

د: تعلیمی تقاضوں کے مطابق درسی کتابیں اور مطالعہ کی کتابوں کی فراہمی اور اشاعت کا فریضہ مدارس کے تعاون سے انجام دینا۔ فارغین جامعات کو اسلام کی نشر و اشاعت، درس و تدریس، تحریر و تقریر، یا دیگر علمی مشاغل میں مصروف رکھنے کی جد و جہد کرنا۔

(مطبوعہ دستور اساسی، وفاق مدارسِ اسلامیہ ہند ص ۲)

ملک کے مختلف حصوں میں مؤتمر کی جانب سے اجلاس ہوئے اور صوبائی شاخیں وغیرہ قائم کی گئیں۔ اور مؤتمر کو فعال بنانے اور وفاق کے نظام کو پورے ملک میں پھیلانے کا ابتدائی کام بھی شروع کر دیا گیا۔

پھر حضرت نے زور دیا کہ دارالعلوم کے زیرِ اہتمام مدارسِ اسلامیہ کا متحدہ نظام قائم کیا جائے کیونکہ فرقہ پرست عناصر کی طرف سے مدارسِ اسلامیہ کے خلاف زہر افشانی شروع کر دی گئی، اور ان کے قومی و ملّی کردار و وقار کو مجروح کیا جانے لگا، مدارس کے تحفّظ کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا، مدارس پر بے بنیاد الزامات لگائے جانے لگے تھے اور حالات کا تقاضہ تھا کہ مدارس کے ذمہ داروں کا نمائندہ اجتماع منعقد کیا جائے۔

چنانچہ حضرت فدائے ملّت نے مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند میں مدارسِ اسلامیہ کے کل ہند اجتماع کی تجویز رکھی، مجلسِ شوریٰ نے سہ روزہ اجتماع کا فیصلہ کیا جو اکتوبر ۱۹۹۴ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی زیرِ صدارت جامع رشید دارالعلوم میں منعقد ہوا جس میں ''رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ'' کے قیام کا فیصلہ ہوا مرکزی دفتر دارالعلوم دیوبند میں قائم کر دیا گیا اور رابطہ کے صدر حضرت مہتمم صاحب زید مجدہم قرار پائے، حضرت امیر الہندؒ کو رابطہ کے امور سے اتنی دلچسپی تھی کہ اپنے سفر پاکستان کے موقع پر وہاں قائم ''وفاق المدارس الاسلامیہ'' کے دستور اساسی اور دیگر ضروری کاغذات وفاق ذمہ داران سے حاصل کر کے اپنے ہم راہ لائے اور راقم کو عنایت فرمایا تا کہ اس کی روشنی میں دستور العمل رابطہ کی ترتیب ہو اور کام کو آگے بڑھایا جائے، رابطۂ مدارسِ اسلامیہ عربیہ دارالعلوم کے زیر اہتمام مدارس اسلامیہ کے اب تک ۱۱ بڑے کل ہند اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوئے ہیں جن میں مدارسِ اسلامیہ کے نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم و تربیت، مشکلات مدارس، مدارس کے باہمی روابط و اتحاد، حفاظت اسلام میں مدارسِ اسلامیہ کے کردار وغیرہ موضوعات پر غور و خوض ہوتا رہا ہے اور انقلاب انگیز فیصلے کئے جاتے رہے ہیں، حضرت میر کاروانِ ملّت اسلامیہؒ ان تمام اجلاس میں بڑے اہتمام سے شرکت

فرماتے، اپنے بصیرت افروز بیانات سے مستفید فرماتے اور اپنی صدائے دل نواز سے سامعین کے قلوب کو مہمیز کرتے:

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پُرسوز
یہی ہے رخت سفر میرا کارواں کے لیے

آج جبکہ مرکزی حکومت نے مدارس کی جدید کاری کے بہانے مدارس کے نصاب ونظام کو بدلنے کے لیے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا ہے، حضرت فدائے ملّت جیسے صاحبِ بصیرت وفراست قائد اور ان کے قیمتی مشوروں کی شدید ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔

متحدہ لائحۂ عمل مدارسِ اسلامیہ:

حضرت فدائے ملّتؒ نے شدت سے یہ بات محسوس فرمائی کہ مدارسِ اسلامیہ پر خطرات کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں، مدارس اسلامیہ کے تحفظ کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام مکاتب فکر کے مدارسِ اسلامیہ کے ذمہ داروں کو ایک اجتماع میں دعوت دی جائے اور متحدہ لائحۂ عمل طے کیا جائے۔

چنانچہ شاہ جہانی جامع مسجد دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام یہ اجتماع مؤرخہ ۸/مارچ ۲۰۰۳ء کو حضرت فدائے ملّت کی زیرِ صدارت منعقد ہوا جس میں مختلف مکاتب فکر کے قائدین علماء کرام نے شرکت کی اور حضرت کی تحریک پر متحدہ لائحۂ عمل مرتب ہوا بعد میں ۹/مارچ کو جمعیۃ علماء ہند کے ستائیسویں اجلاس عام میں بھی اس پر اتفاق کیا گیا۔

۲۷ویں اجلاسِ عام میں دو تجویزیں اس تعلق سے منظور کی گئیں۔ جن میں درج ذیل تجویز بھی ہے۔

تجویز: (ب) لائحۂ عمل مدارسِ اسلامیہ:

رب عزیز وکریم کے فضل وکرم اور جمعیۃ علماء ہند کی مخلصانہ مساعی سے بحمد اللہ آج ملک کے اکثر مکاتب فکر کے صاحبِ نظر وفکر علماء عظام تاریخی جامع مسجد دہلی میں ایک اسٹیج پر جمع ہیں، ہماری یہ یکجہتی اور متحدہ اجتماع ایک نیک فال ہے اور مستقبل میں انشاء اللہ اس کے مفید اثرات نمایاں ہوں گے۔

مدارس دینیہ کا یہ تاریخ ساز اجتماع اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اس مبارک موقع پر موجود سارے مکاتب فکر کے منتخب علماء اصحابِ رائے پر مشتمل ایک متحدہ مجلس عمل کی تشکیلِ عمل میں لائی جائے جو پیش آمدہ خارجی خطرات سے مدارس دینیہ کی حفاظت وصیانت کے لیے تقاضائے وقت وحال کے مطابق تدابیر اختیار کرے۔ سردست مجلسِ عمل کے درج ذیل ارکان کے اسماء کا اعلان کیا جاتا ہے۔ بعد میں ان ارکان کے باہمی مشورہ سے مزید ناموں کا اضافہ کیا جائے گا۔

اسماء گرامی ارکان متحدہ مجلسِ عمل:

(۱) حضرت امیر الہند مولانا سیّد اسعد مدنی، صدر جمعیۃ علماء ہند

(۲) حضرت مولانا سیّد احمد بخاری، شاہی امام جامع مسجد دہلی

(۳) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی، استاد دار العلوم دیو بند (کنو ینر)

(۴) حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری، شیخ الحدیث، وقف دار العلوم دیو بند

(۵) حضرت مولانا محمد سلمان صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم سہارنپور

(۶) حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم اعلیٰ جمعیۃ اہلِ حدیث

(۷) حضرت مولانا محمد شفیع مونس، نائب امیر جماعت اسلامی ہند

(۸) حضرت مولانا عبد القدوس کشمیر، سکریٹری علماء کونسل ممبئی

(۹) حضرت مولانا محمد سلطان صاحب ندوی، استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حرف آخر:

سطور بالا میں دینی تعلیم کی نشر واشاعت اور مدارسِ اسلامیہ کے تحفّظ واستحکام کے حوالہ سے حضرت فدائے ملّت رحمۃ اللہ کے زرّیں کارناموں کی ایک جھلک پیش کی گئی۔ اوران کی تابناک خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ مزید تفصیل کی ان صفحات میں گنجائش نہیں:

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

○○

❑ مولانا شوکت علی قاسمی بستوی
ناظم عمومی کل ہندرابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ وخادم تدریس دار العلوم دیو بند

عصری تعلیمی ادارے اور حضرت فدائے ملتؒ

حضرت امیر الہند فدائے ملّت، مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند و رکن شوریٰ دارالعلوم کی ملک و ملّت کی تعمیر وترقی اور استحکام کے حوالہ سے خدمات بڑی روشن، تاب ناک اور ہمہ گیر ہیں۔ ان کی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع تھا، مسلمانانِ ہند کی دینی وملّی قیادت، ان کے جان و مال کے تحفظ کی جدو جہد، دستوری اور شہری حقوق کی بازیابی، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام فسادات کا شکار ہونے والے بے قصور مسلمانوں کی باز آباد کاری، امارت شرعیہ کے قیام، اسلامی اوقاف کے تحفظ ملی ملکی اور اسلامی مسائل میں واضح اور متوازن موقف، بابری مسجد کی بازیابی، ملک کے سیکولر کردار کی بقاء وتحفظ، پارلیمنٹ میں حق و انصاف کی آواز بلند کرنے، مظلوموں اور بے کسوں کی دادرسی، دینی وعصری تعلیم کی ترویج و اشاعت، مدارس وجامعات اسلامیہ اور اعلیٰ عصری تعلیم کے اداروں کے قیام اور ان کی اقلیتی کردار کے تحفظ وبحالی کے حوالہ سے جو زریں خدمات حضرت فدائے ملّت رحمہ اللہ کے ذریعے انجام پائیں وہ تاریخ کے صفحات میں آبِ زر میں لکھی جائیں گی۔ ان عظیم خدمات کی طویل فہرست میں وہ خدمات بھی بے حد نمایاں ہیں جو حضرت فدائے ملّت نے مسلمانوں میں عصری تعلیم کے فروغ عصری تعلیمی جامعات اور اداروں کے بقاء وتحفظ اور تعمیر واستحکام کے حوالہ سے انجام دی ہیں۔ ذیل کے صفحات میں ایک جھلک انھی خدمات کی پیش کی جارہی ہے۔

آزادی سے قبل مسلمانوں کی تعلیمی حالت:

مغلیہ حکومت کے خاتمہ کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کی دینی وعصری تعلیم کے اداروں کو بند کردیا دینی تعلیم کی طرح مسلمان دنیاوی تعلیم میں بھی پیچھے رہ گئے، ایسی تعلیمی پالیسی نافذ کی گئی جس میں مسلمانوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا تا کہ مسلمان سرکاری ملازمتیں حاصل نہ کرسکیں اور ملک میں ان کو وقار اور اعتبار حاصل نہ ہوسکے، سر ولیم ہنٹر نے کلکتہ کے فارسی اخبار مورخہ ۴ ارجولائی

۱۹۶۹ء کے حوالہ سے لکھا ہے۔اس اخبار کی کوئی تردید نہ کی گئی کہ سندربن کے کمشنر نے گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کیا تھا کہ جو ملازمتیں خالی ہیں ان پر سوائے ہندوؤں کے کسی کا تقرر نہ کیا جائے۔

(مسلمانانِ ہند ص ۱۵۸ بحوالہ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۹۲)

اس خبر کے بعد تحریر ہے:

''مسلمان اب اس قدر گر گئے ہیں کہ اگر وہ سرکاری ملازمت پانے کی قابلیت بھی حاصل کر لیتے ہیں تب بھی انھیں سرکاری اعلانات کے ذریعہ، خاص احتیاط کے ساتھ ممنوع کرایا جاتا ہے ان کی بے کسی کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا اور اعلیٰ حکام تو ان کے وجود کو تسلیم کرنا ہی اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔'' (ایضاً)

عصری تعلیم کا اس وقت ڈھانچہ کیا تھا ملاحظہ ہو، مدراس گورنمنٹ نے ۱۸۷۳ء میں تسلیم کیا کہ: موجودہ طرز تعلیم کا قالب ہندوؤں کی ضروریات کے مطابق بنایا گیا اور مسلمانوں کو اس بارے میں اس قدر گھاٹے میں رکھا گیا تھا کہ اسکولوں میں مسلمان بچوں کا کم تعداد میں ہونا حیرت انگیز امر نہیں ہے بلکہ ان حالات میں محض ان کا وجود ہی حیرت انگیز ہے۔(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۹۶)

ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی بے اطمینانی بے بنیاد ہے، سالہا سال سے مسلمانوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ یا انھیں ایسی رعایا سمجھا جاتا ہے۔ جن کی اطاعت بہت مشتبہ ہے، ان کی تعلیم کی طرف سے غفلت کی جارہی ہے حتیٰ کہ ان کے اوقاف کی آمدنیوں کو جو اسلامیہ کالج کے قیام کے لیے تھیں دوسرے کاموں میں صرف کیا جاتا ہے۔ (کلکتہ ریویو اکتوبر ۱۸۷۰ء، ص ۱۹۵)

برطانوی سامراج کے دور میں مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی سطور بالا سے آشکارا ہے، ان حالات میں جب ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا تو اس کے دستور العمل میں جمعیۃ کے اغراض و مقاصد میں ایک اہم مقصد '' مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی اصلاح اور اندرون ملک حسبِ استطاعت اسلامی تبلیغ واشاعت'' طے پایا، اور اکابر جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانوں میں عصری تعلیم کو فروغ دینے تعلیمی بیداری پیدا کرنے اور تعلیمی اداروں کے قیام و استحکام پر بھی اپنی خصوصی توجہ مبذول رکھی۔

جمعیۃ کے اٹھارویں اجلاس عام منعقدہ ۱۱-۱۲، ۱۳ر فروری ۱۹۵۵ء کے خطبہ استقبالیہ میں عام اعلیٰ تعلیم کی ضرورت واہمیت درج ذیل الفاظ میں بیان کی گئی، مسلمانوں کے لیے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اس کی ضرورت واہمیت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ہمارے بچے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کرسکے تو وہ کتنے ہی اچھے اور سچے مسلمان ہوں لیکن

ملک کی سوشل زندگی میں ان کو باعزت جگہ نہیں مل سکتی اور اندیشہ ہے کہ ہندو سوسائٹی میں اچھوتوں کے ترقی پاجانے سے جو خلا پیدا ہورہا ہے، اس کو کہیں مسلمان پر نہ کریں۔لیکن حال یہ ہے کہ اس تعلیم میں مسلمان پہلے ہی پس ماندہ تھے، تقسیم نے اس کو اور پسماندہ کردیا ہے۔ گنے چنے چند افراد کے علاوہ عام مسلمان اقتصادی طور پر غربت وافلاس کا شکار ہیں۔اس بنا پر ظاہر ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست اور اس کا سروسامان کس طرح کرسکتے ہیں۔ پھر چونکہ آج کل ہر چیز میں مقابلہ ہے، یہاں تک کہ میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج میں داخلہ اور معمولی ملازمتوں کا حصول بھی امتحان ومقابلہ میں کام یابی پر موقوف ہے،اس لیے مسلمان بچے اگر اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کرلیں گے،تو قومی افلاس اور اس افلاس کے ذہنی ودماغی اثرات وثمرات کے باعث ہندو نوجوانوں کے مقابلہ میں ان کے کام یاب ہونے کی زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی۔اس صورتِ حال کا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔یعنی یہ کہ اوّل تو مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی کم ہوں گے اور جو ہوں گے بھی تو وہ مقابلہ ذاتی امتحانات میں کام یاب نہ ہوسکنے کے باعث بے روزگاری سے دوچار ہوں گے۔ اگر ان نوجوانوں کے لیے سرکاری ملازمتوں میں جگہ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن افسوس تو یہ ہے میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج وغیرہ میں داخل ہوکر آزاد ذریعہ معاش بھی حاصل نہ کرسکیں گے۔

آج وقت کا مطالبہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند اپنے کاموں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرے۔اور مسلمانانِ ہند کی ایک ایسی آل انڈیا جماعت کی حیثیت سے کام کرے کہ تعلیمی، مذہبی معاشرتی اور اقتصادی زندگی کا کوئی شعبہ اس کی نگرانی سے بچنے نہ پائے۔ان سب کاموں کی ذمہ داری لینا یقیناً ایک بار عظیم ہے۔لیکن ہندوستان میں آج جمعیۃ علماء ہند کے سوا مسلمانوں کی اور کوئی انجمن ایسی ہے بھی نہیں جس کو مسلمانانِ ہند کا اعتماد حاصل ہو ایک مرکزی حیثیت کی حامل ہو اور جو خلوص کے ساتھ کام کرسکے۔

حضرت فدائے ملّت اور عصری تعلیم عام کرنے کی جدوجہد:

حضرت فدائے ملّت نے یوپی جمعیۃ علماء ہند کی صورت، مرکزی جمعیۃ علماء کی نظامت علیا اور پھر صدارت کے دور میں اس بابت خصوصی توجہ مبذول رکھی۔

حضرت نے اپنے عوامی جلسوں، اجلاس ہائے عام کے صدارتی خطبوں اور خصوصی ملاقاتوں میں عصری اور ٹیکنیکل تعلیم کو عام کرنے اور مسلمانوں کے زیرِ انتظام تعلیمی اداروں کے قیام پر ہمیشہ زور دیا اور جب عصری تعلیمی اداروں کے لیے مشکلات پیدا ہوئیں تو حضرت رحمۃ اللہ نے حالات کا مقابلہ کیا اور مشکلات ومسائل کا اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ حل تلاش کیا۔ مسلمانوں میں تعلیمی بیداری

پیدا کرنے کے لیے حضرت فدائے ملّت کی تحریک پر جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام ۶ /۷ /۸ /اپریل ۱۹۸۴ء کو فیروشاہ کوٹلہ میدان میں تعلیمی وملّی کانفرنس منعقد ہوئی جس کے خطبہ صدارت میں حضرت فدائے ملّت نے فرمایا: اب سے پہلے ہمارے ملک میں جو تعلیمی نظام رائج تھا اس میں کئی خرابیاں تھیں، ایک تو یہ کہ اسکولوں کی تعلیم کے بعد کالج کی تعلیم ہی کو وقار کی بات مانی جاتی تھی۔ دوسری خرابی یہ تھی کہ اعلیٰ تعلیم کی ڈگری بڑے شوق اور فخر کے ساتھ حاصل کی جاتی تھی۔ مگر اس کے باوجود ان کا معاشی مستقبل غیر واضح بلکہ موہوم ہوتا تھا۔ نتیجتاً بے روزگاری میں اضافہ ہوا۔

اس صورتِ حال پر کوٹھاری ایجوکیشن کمیشن نے پوری طرح غور کرکے ہمارے تعلیمی نظام میں بہت وسیع پیمانہ پر پیشہ وارانہ تعلیم کے انتظام کی سفارش کی تھی۔ جس کے نتیجہ میں حکومت ہند کی وزارت محنت کی طرف سے انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ یا آئی ٹی آئی تقریباً ہر بڑے شہر میں کھولے گئے۔ ان میں جو کورس ہے وہ سارے ملک میں ایک جیسے ہے بعض مقامات پر اس کے لیے پرائیویٹ ادارے بھی کسی ٹرسٹ یا سوسائٹی کی طرف سے کھولے گئے۔ آئی ٹی آئی میں فٹر، موٹر میکینک، ویلڈنگ، پلمبر، کارپینٹر، میکانیکل ڈرافٹس مین، الیکٹریکل، الیکٹرونکس، ریفریجریشن، ایئرکنڈیشنگ اور پرنٹنگ پریس وغیرہ کے کورسیز پڑھائے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب کورس عملی ہیں اور ساری ٹریننگ پریس وغیرہ عملی طور پر دی جاتی ہے اس لیے اس کورس کی تکمیل کے بعد مزید عملی ٹریننگ کے لیے طلباء کارخانوں میں کام کرنے کے لائق ہوجاتے ہیں۔

آئی ٹی آئی کے علاوہ ریاستی حکومت کے ٹیکنیکل ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے صنعتی تعلیم کے مختلف کورس جاری کیے گئے ہیں۔ مثلاً فرنیچر سازی، سلائی اور بیڈ سازی وغیرہ کے کام انجینئرنگ کالج میں بی اے یعنی ڈگری کورس کی تعلیم ہوئی ہے۔ اس میں پالی ٹیکنیکل کی طرح میکینکل الیکٹریکل سول وغیرہ کورس ہوتے ہیں۔ اسی طرح ٹیکنیکل کی اعلیٰ تعلیم کے لیے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی ہے جو دہلی بمبئی مدراس اور کانپور وغیرہ میں قائم کیے گئے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی نسلوں کو تعلیم کے اس نئے نظام اور اس کے مقاصد سے پوری طرح روشناس کیا جائے شروع ہی سے طلبہ میں ایسے کاموں کے لیے رجحان پیدا کیا جائے جن سے وہ ہاتھوں کی توقیر کرنا سیکھیں اور دماغ کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کی تربیت سے بھی ان کی فطری ذوق اور صلاحیتوں کا اندازہ لگ سکے۔

اقلیتی کردار کے ٹیکنیکل تعلیم کے ادارے خود قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس بات پر زور دینا چاہیے کہ ان اداروں سے تربیت یافتہ طلبہ ملازمت کے بجائے اپنا کاروبار شروع کریں۔ انھیں بینکوں اور حکومت کے امدادی اسکیموں سے مدد لینے اور ان کی شرطوں سے آگاہ کرنے کے

لیے بھی ہمارے پاس معقول انتظام ہونا چاہیے۔

حکومت کو بھی چاہیے کہ اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کی معاشی سدھار کے لیے ٹیکنیکل اور مختلف پیشہ وارانہ تعلیم کی لائنوں میں ان کے لیے خصوصی سہولیتیں فراہم کرے۔

اپنے ایک اہم بیان میں حضرت نے فرمایا:

''وقت کے تقاضے کے پیشِ نظر دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کے فروغ کی بھی ضرور ہے۔ دینی علوم کے حامل افراد اور عصری جدید تعلیم یافتہ افراد کے درمیان باہمی تعاون و اشتراک ہونا چاہیے۔ انھوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ عصری تعلیم یافتہ طبقے کو بھی ساتھ لے کر چلنا چاہیے کہ جدید علوم کے حامل افراد بھی ملّت کا حصّہ اور بڑا سرمایہ ہے ان کو نظر انداز کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اس کے پیشِ نظر ہی جمعیۃ علماء ہند مختلف جدید عصری علوم حاصل کرنے والے طلبہ کو وظائف دیتی ہے، اسلامی ماحول میں عصری علوم کی تعلیم سے سماج میں باکردار اور ایماندار افراد پیدا ہوں گے۔ جمعیۃ علماء ہند اور مدنی فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام دینی اور عصری علوم کے خوبصورت امتزاج کے ساتھ تعلیمی کام کو فروغ دینے کا از سرنو آغاز کیا جارہا ہے۔ پھلواری شریف پٹنہ میں مسلم ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کے زیرِ اہتمام منعقد اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت فدائے ملّت نے فرمایا:

اسلام نے علم کے حصول کو فرض قرار دیا ہے مسلمان اور جہالت دو الگ الگ چیزیں ہیں دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم اور ٹیکنیکل تعلیم کو فروغ دینے کی شدید ضرورت ہے، اسی کے ساتھ طالبات کی تعلیم پر بھی خصوصی توجّہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

۲؍جولائی ۲۰۰۰ء کو نئی دہلی میں جمعیۃ علماء ہند اور مدنی فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام منعقد تعلیمی کانفرنس میں اسلامی ماحول میں عصری تعلیم کے عنوان پر اپنے صدارتی خطاب میں حضرت فدائے ملّت نے فرمایا: علوم عصریہ میں تفوق ہمارے اسکولوں کا مزاج ہونا چاہیے گوکہ ہمارے پاس وسائل کی کمی ہے۔ ہمارے بچوں کا معاشی، اقتصادی اور تعلیمی پس منظر کمزور ہے لیکن جیسے جیسے ہمارے اسکول یہ نشان امتیاز اپنائیں گے مال دار مسلمانوں کے بچے اسی طرح غیر مقیم ہندوستانیوں کے بچے جو فی الحال اجنبی درس گاہوں میں انتظار کی قطار میں کھڑے ہیں جوق درجوق اپنے اداروں کی طرف مائل ہوں گے، نمونہ کے طور پر اسلامی ماحول میں بین الاقوامی معیار کے مطابق ایک انگریزی میڈیم اسکول قائم کرنے کے لیے مدنی فاؤنڈیشن بیڑا اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ (الجمعیۃ ہفت روزہ ۱۴؍تا ۲۰؍جولائی ۲۰۰۰ء)

پچیسویں اجلاس عام میں خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے۔حضرت امیر الہند نے فرمایا:
اسلامی معاشرہ میں جس طرح عالم ومفتی، محدث ومفسر کی ضرورت ہے۔اسی طرح کاشتکار تاجر صنعت کار ڈاکٹر انجینئر وغیرہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔اس لیے ہماری تعلیم کا دائرہ وسیع سے وسیع ہونا چاہیے تا کہ ایک دین دار مسلمان رونق مسجد ہی نہیں بلکہ بزم دنیا میں صداقت و حق پرستی کا مینار اور دنیائے انسانیت کی نمائش گاہ میں شھدا فی الارض کا سچا مصداق بن سکے حکمائے اسلام نے ہر دور میں تعلیم وتربیت کی اہمیت وافادیت پر زور دینے کے ساتھ دنیوی تعلیم کی بھی ہمّت افزائی کی ہے جمعیۃ علماء ہند کے اوّلین کارواں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ نے کوشش کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیمی رابطہ قائم فرمایا تھا۔پھر جامعہ ملّیہ دلّی کی بنیاد بھی اسی جذبہ خیر کے ساتھ رکھی تھی۔حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی بعض کتابوں میں دینی ودنیوی علوم کا مقصد ایک قرار دیتے ہوئے دونوں پر یکساں زور دیا ہے غرض یہ کہ ان علوم کی تحصیل جو مسلمانوں کے دینی ودنیوی فوائد کے لیے لازمی ہیں امّت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہے آج کے ملکی حالات نے اس ضرورت میں مزید قوت وشدّت پیدا کردی ہے کہ اسلامی درسگاہوں کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے ادارے بھی قائم کیے جائیں۔پرائمری تعلیم سکنڈری تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے کالجوں اور اداروں کا ضرورت اور صلاحیت کے لحاظ سے انتظام کرنا چاہیے بالخصوص میڈیکل کامرس، لاٹیکنیکل اور سائنس کے اداروں کی جانب پوری توجہ کی ضرورت ہے اور محض آرٹ اسکول کھول کر ملّت کو سہولت پسند اور بے کار نہیں بنانا چاہیے اور کوشش کی جائے کہ ہماری تعلیمی کارکردگی نہ صرف بہتر رہے بلکہ دوسروں کے مقابلہ میں امتیازی حیثیت کے حامل ہوں۔اس سے خود ہمارے اندر اعتماد وحوصلہ پیدا ہوگا اور دوسرے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔بچوں کو سخت محنت کا عادی بنایا جائے اور کاہل سست اور آوارہ نہ بننے دیا جائے۔ان کالجوں کے نصاب میں ایک سبق خواہ وہ چالیس منٹ کا کیوں نہ ہو اسلامی عقائد واعمال سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس طرح ایسے مرکزی مقامات پر جہاں قومی سرکاری کالج اور یونیورسیٹیاں ہوں اقامتی ہوسٹل تعمیر کیے جائیں اور ان کالجوں ویونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ اِدھر اُدھر قیام کرنے کے بجائے ان ہوسٹلوں میں رہیں جہاں نماز باجماعت کا اہتمام اور انتظام ہو اور قرآن کی تفسیر کے علاوہ طلبہ کو فقہی مسائل، اسلامی مسائل وعقائد واعمال اور سیرت رسولؐ سے متعلق مضامین بذریعہ لکچر ذہن نشین کرائے جائیں۔یہ سلسلہ روز کم از کم آدھ گھنٹہ چالیس منٹ تک جاری رہنا چاہیے اسی کے ساتھ ان ہوسٹلوں میں کوچنگ کلاسوں کے لیے پارٹ ٹائم اساتذہ

کا انتظام کیا جائے تاکہ ان کی تعلیمی استعداد میں اضافہ ہو۔

جو اسکول و کالج پہلے سے مسلمانوں کے زیرِ انتظام چل رہے ہیں ان میں شروع ہی سے ٹیکنیکل اور پیشہ وارانہ تعلیم کا نظم کیا جائے اور ان اداروں سے تربیت یافتہ طلبہ کو ترغیب دی جائے اور انھیں اس کے مواقع فراہم کیے جائیں کہ ملازمت کی فکر میں دردر کی ٹھوکریں کھانے کے بجائے اپنا ذاتی کاروبار کریں۔ اس ملک میں جہاں قدم قدم پر ہمارے لیے رکاوٹیں کھڑی کی جارہی ہوں اور جذبہ مخاصمت سے ہم پر ترقی کی راہیں مسدود کی جاتی ہوں۔ آگے بڑھنے اور اپنے مستقبل کو سنوارنے کا یہی طریقہ ہے:

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

خطبہ صدارت پچیسواں اجلاس عام:

مسلمانوں کی تعلیمی و اقتصادی پس ماندگی دور کرنے کے لیے اس اجلاس میں درج ذیل تجویز منظور کی۔

قوموں کی ترقی کا قدرتی اصول یہ ہے کہ انسان اپنی بہترین صلاحیتوں کے ذریعہ قدرتی وسائل کا صحیح استعمال کرکے ایسی اشیا اور ضروریات مہیا کرے جس کی روزمرّہ زندگی میں ہر انسان کو ضرورت ہو۔ ابدی سعادت کی رہنمائی کے ساتھ انبیاء کرام ہی کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ایسے علوم وفنون جیسے زراعت تجارت، صنعت کاری اور اجرت پر کام کرنے کے معاشی اصول بھی الہام کیے ہیں۔ اگر مسلمان من حیث القوم معاشی اور اقتصادی مسائل سے غفلت اور پہلوتہی برتتے ہیں تو انسانی ترقی کی دوڑ میں لازمی طور پر پیچھے رہ جاتے ہیں جس کے ذمہ دار تنہا خود مسلمان ہیں۔

کمپیوٹر کی ایجاد کے بعد علوم وفنون کی روزمرّہ ترقی اور حکومت کی موجودہ آزاد معیشت کی پالیسی نے تعلیمی و اقتصادی شاہراہیں کھول دی ہیں لیکن بدقسمتی سے اقلیتوں کے خلاف حکومت کی جانب دارانہ روش تعلیمی اور تعلیمی اداروں اور سرکاری دفاتر میں خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ کی وجہ سے مسلمانوں کی تعلیمی و اقتصادی پس ماندگی انتہائی مایوس کن اور قابلِ افسوس ہے۔

اس لیے جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام مطالبہ کرتا ہے کہ:

(۱) اقلیتوں کی تعلیمی سہولیات اور ترقی پر حکومت خصوصی توجہ دے اور ان کی پس ماندگی کے پیشِ نظر تعلیمی امداد میں اضافہ کرے۔

(۲) اعلیٰ تعلیم کے لیے اور ملازمتوں کے لیے ان کی آبادی کے تناسب سے تحفظ یعنی ریزرویشن کی منظوری دے۔

(۳) حکومت کی ترقیاتی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے لیے مسلمان ملکی اور ریاستی سطح پر اپنا مشترکہ نظام بنائیں۔
(۴) بچوں کی صحیح دینی تعلیم کے لیے محلّہ وار دینی مکاتب کو قائم کریں۔
(۵) مسلمان اپنے اقلیتی ادارے قائم کرنے کی کوشش کریں۔صوبائی سطح پر حسبِ ضرورت پیشہ وارانہ اور تکنیکی تعلیم کے لیے ادارہ قائم کریں۔کم از کم ہر بڑے شہر میں انٹر کالج، ٹیکنیکل و پروفیشنل کالج، آئی ٹی آئی اور پولی ٹیکنک، لاء کالج، میڈیکل کالج، کامرس کے کالج قائم کریں اور آرٹ کے ادارے، سائنس کے اداروں میں منتقل کیے جائیں۔مسلمان طلباء اور نوجوانوں کو سخت محنت اور جفاکشی کا عادی بنایا جائے۔آوارہ گردی، سہولت پسندی اور منشیات سے بچایا جائے نیز تحصیلوں میں سکنڈری اسکول اور جگہ جگہ پرائمری اسکول قائم کریں۔
(۶) تعلیمی مراکز اور اہم شہروں میں مسلمان طلبہ کے لیے رہائشی ہوٹل قائم جائیں جن میں اسلامی طرزِ معاشرت کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کی کوچنگ کا بھی نظم کیا جائے۔دینی تربیت، مثلاً قرآن مجید کی تعلیم وتفسیر اسلامی تاریخ اور ضروری مسائل کی تعلیم کا نظم ہو۔
(۷) ان امور کی نگرانی کے لیے ایک اعلیٰ سطحی کل ہند تعلیمی کونسل کا قیام ہو۔
(۸) برآمدات ودرآمدات کے لیے بیرونی ممالک سے اشتراک کی بنیاد پر بعض خاص تجارتوں میں ترقی کے مواقع کو مسلمان استعمال میں لائیں۔
(۹) جمعیۃ علماء ہند نے کوآپریٹو سوسائٹیوں کے ذریعہ اور باہمی اشتراک کے ذریعہ مقامی تجارتوں میں ترقی پر ہمیشہ زور دیا ہے، اس لیے اس پر خاص توجہ دی جائے۔
(۱۰) گھریلوں صنعتوں اور چھوٹی تجارتوں کی ترقی کے لیے مسلم فنڈ کے طرزِ پر فنڈ قائم کیے۔

ستائیسویں اجلاس عام نے عصری تعلیمی اداروں کے قیام کی بابت درج ذیل تجویز منظور کی۔

جدید طرز کے مسلم اسکولوں اور اداروں کا قیام:

انگریز کی غلامی کی لعنتوں میں ایک بدترین لعنت اسکول کالجوں میں اسلام کے خلاف عیسائی ماحول واعمال لازمی ہوگئے ہیں اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور انگلش میڈیم اسکولوں میں خالص اسلامی ماحول کو لازمی کیا جائے۔اسلامی ماحول میں عصری تعلیم دینے کے لیے جدید طرز پر مسلم اسکولوں کو قائم کریں۔اگر مسلمان اسلامی ماحول والے مسلم انگلش میڈیم اسکول اور جدید تعلیمی ٹیکنیکل اور سائنسی ادارے قائم کریں گے تو مخلوط تعلیم کی برائی اور دین سے جو بے خبری پائی جاتی ہے اسے دور کرنے میں مدد ملے گی۔جنوبی ہند کے کچھ مقامات پر اس

کے کامیاب تجربے کیے گئے ہیں، لیکن مسلمانوں کے ذریعہ جو جدید تعلیمی ادارے، اسکول قائم کیے جاتے ہیں اور ان میں اسلامی ماحول اور طرزِ حیات کو اپنانے پر توجہ نہیں دی جاتی ہے، ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ تعلیم جدید اور عصری طرز پر بھی اسکول کالج کا ماحول اسلامی ہو۔ ان دونوں میں واقعتاً کوئی تضاد نہیں ہے، مغربی تہذیب اور طرزِ حیات پر جدید عصری تعلیم موقوف نہیں ہے۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ دینی تعلیمی اداروں کے ساتھ لاء کالج، ٹیکنیکل، میڈیکل، کامرس کالج اور سائنسی تعلیمی اداروں کو قائم کیا جائے۔ پرائمری تعلیم، سکنڈری تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے لیے کالجوں اور اداروں کا استطاعت اور ضرورت کے لحاظ سے ہر صوبے میں انتظام ہونا چاہیے، ان اداروں میں ایک گھنٹے کے لیے ابتدائی بنیادی عقائد واعمال، سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تاریخ اسلام کے اسباق رکھے جائیں، اسلامی ماحول والے ہوسٹلز بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ پیشہ وارانہ تعلیم کا انتظام اور پولی ٹیکنک اور آئی ٹی آئی بھی قائم کرنا چاہیے۔ جمعیۃ علماء ہند نے دہلی اور کچھ دیگر مقامات پر کمپیوٹر سینٹر، آئی ٹی آئی اور رالائڈ سائنس کا کورس بھی شروع کیا ہے، کلاسیں چل رہی ہیں اور اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں۔ قوم کے حساس اور باشعور لوگوں سے ہماری اپیل ہے کہ وہ ملت کے بچوں کو ملک کا اچھا شہری اور سچا مسلمان بنانے کے لیے دین وشریعت کی روشنی میں صحیح تربیت وتعلیم سے آراستہ کرنے کا بار اٹھائیں۔ ہر علاقہ میں ضرورت استطاعت کے مطابق ٹیکنیکل ادارے قائم کیے جائیں اور ساتھ ہی ساتھ مسلمان بچوں کو اسلامی تربیت سے آراستہ کیا جائے۔ (تجاویز مطبوعہ)

حضرت فدائے ملت کی رہنمائی میں جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۷۶ء میں ہی تعمیری پروگرام وضع کیا تھا اور اس کے لیے طریقۂ کار طے کیا تھا، جس میں دینی اور دنیاوی تعلیم کو فروغ دینے کے سلسلے میں شامل تھیں، ستائیسویں اجلاس عام میں اس تعمیری پروگرام کو نافذ کرنے پر ازسرِ نو زور دیا گیا ہے۔ عصری ودنیاوی تعلیم سے متعلق تعمیری پروگرام درج ذیل ہے۔

دنیاوی وعصری تعلیم کے ذیل کے امور انجام دیے جائیں:

☆ ہر ریاست میں مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم مان کر ابتدائی تعلیم کا ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو دینی اور دنیاوی دونوں مضامین پر مشتمل ہو۔

☆ ہر بڑی آبادی میں درجۂ پنجم تک مکاتب اسلامیہ چلائے جائیں اور دینی تعلیم کے ساتھ سرکاری معیار کے مطابق عصری تعلیم دی جائے۔

☆ تعلیم بالغان کا بندوبست کر کے لوگوں کو مادری زبان لکھنا، پڑھنا اور اسلامی عقائد ومسائل سکھائے جائیں۔

☆ تعلیمی فنڈ قائم کر کے ہونہار طلبہ کو وظیفہ دیے جائیں یا اوقاف اور اہلِ خیر حضرات سے شخصی وظائف دلائے جائیں۔
☆ ابتدائی بنیادی تعلیم میں دینی اور دنیاوی دونوں مضامین کا انتظام کرنا۔
☆ طلبہ کے لیے تعلیمی وظائف فراہم کرنا۔
☆ ٹریننگ سینٹر کا کیمپ کھول کر اساتذہ کو طریقۂ تعلیم اور اصول کی تربیت دینا۔

(جمعیۃ علماء ص ۷۵۳)

اسی طرح حضرت فدائے ملّت کی ہدایت پر جمعیۃ علماء نے اعلیٰ عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے لیے گراں قدر وظائف اور اسکالرشپ دینے کا سلسلہ شروع کیا جو ۱۹۷۴ء سے جاری ہے اور ان طلبہ کو یہ وظائف دیے جاتے ہیں جو ایم بی بی ایس، سول انجینئرنگ، ایم کام، بی ایڈ اور اکاؤنٹس میں زیرِ تعلیم ہوں اور نادار ہوں۔ حضرت نے سرکاری نصابِ تعلیم میں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والے زہریلے مواد اور مضامین سے نصابِ تعلیم کو پاک وصاف رکھنے کی ہمیشہ تلقین کی اور اس کے لیے منظّم اور مسلسل جدوجہد فرماتے رہے۔ چنانچہ پچیسویں اجلاس عام میں بھی اس بارے میں غور وخوض کیا گیا اور تجویز نمبر ۱۰ اس بارے میں منظور کی گئی۔

''ملک ومعاشرہ کی تعمیر وتخریب کے اصل کشت زار اسکول وکالج اور تعلیمی ادارے ہیں جہا دل ودماغ کی سرزمین میں اچھے یا بُرے بیج بوئے جاتے ہیں، ماضی میں جو کچھ بویا گیا تھا مستقبل میں اس کو کاٹا جائے گا۔ اس نقطۂ نظر سے ہم قومی اسکولوں اور کالجوں کے نصاب کا جائزہ لیتے ہیں تو انتہائی افسوس ہوتا ہے کہ اس طویل عرصہ کے گزر جانے کے باوجود اب تک بہتر مستقبل اور باہمی ہم آہنگی اور اخوت ومساوات کے لیے کوئی تخم ریزی نہیں کی گئی بلکہ اب تک خاردار درختوں کی وہی تخم ریزی کرتے رہے ہیں جو انگریز چھوڑ کر گئے تھے۔ آج اسکولوں اور کالجوں میں انھیں تاریخی مواد پر انحصار کیا جارہا ہے جسے برطانوی سامراج نے اپنی مشہور پالیسی 'لڑاؤ اور حکومت کرو' کے تحت مرتب کرایا تھا، جس میں واقعات وحقائق کے بجائے من گھڑت افسانوں اور کہانیوں کی تشہیر کی گئی تھی تاکہ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان کے درمیان مذہبی منافرت پیدا کی جائے۔

اس غلط تاریخ کے جو منفی اثرات ہمارے بچوں کے دل ودماغ پر مرتب ہوتے ہیں، ان سے باہمی نفرت، مذہبی تعصب اور دشمنی وبیزاری کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ جو ہماری قومی زندگی کے لیے خطرناک ناسور ہیں۔

''اس طرح ہمارے قومی تعلیمی اداروں کے نصاب میں ایک خاص مذہبی رسم ورواج کی تشہیر

اور پرچار کا جذبہ بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ سیکولر کردار اور آئینِ ہند کا تقاضا ہے کہ ہمارے قومی تعلیم گاہوں کا نصاب ایسا ہونا چاہیے کہ طالب علم اپنے مذہب پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے دوسرے مذاہب کا احترام کرنا سیکھے۔ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ قومی تعلیم گاہوں کے نصاب سے جتنی جلد ہوسکے ایسے مضامین خارج کیے جائیں جو ملک کے شہریوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے بجائے باہمی اختلاف و منافرت کے جذبات پیدا کرتے اور ابھارتے ہیں اور نصابِ تعلیم کو دستور کے مطابق سیکولر بنایا جائے تا کہ ہمارے بچے اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ملک میں باہمی یگانگت کے ساتھ زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھیں۔‘‘

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی اور حضرت فدائے ملّت رحمہ اللہ:

مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ بھی ملت اسلامیہ کا سلگتا ہوا مسئلہ رہا ہے ۱۹۴۷ء کے بعد بہت سے ایسے مواقع آئے جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بقاء و شناخت کو سخت سنگین خطرہ لاحق ہو گیا لیکن ملت نے پوری جرأت و پامردی کے ساتھ اس خطرے کا مقابلہ کیا۔ اس جمعیۃ علماء ہند اور اس کے قائد محترم حضرت فدائے ملت کا کردار سب سے نمایاں اور قائدانہ رہا ہے۔

۱۹۷۲ء میں مسلم یونیورسٹی ایکٹ بنا کر اس کے اقلیتی کردار و شناخت کو ختم کردینے کی کوشش کی گئی تو جمعیۃ علماء ہند نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایکٹ کو مسلم یونیورسٹی کی آزادی و خودمختاری پر ضرب کاری اور دست اندازی قرار دیا۔ جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس میں کہا کہ ایکٹ کانگریس مینی فیسٹو میں دی گئی ضمانتوں، وعدوں اور یقین دہانیوں کے بھی خلاف ہے۔

مسلم یونیورسٹی کی تاریخی اور اقلیتی کردار کی بحالی و بقاء کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی مدظلہ کی رہنمائی میں جو کردار ادا کیا ہے اس کی جمعیۃ علماء ہند کے ریکارڈ میں لمبی تفصیل ہے۔ ۱۹۷۲ء میں مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ میں پائی جانی والی تمام خامیوں کمیوں کی پوری وضاحت سے نشاندہی کی ہے۔ (مثلاً) (۱) اس سے مسلمانوں کے اعتماد کو زبردست دھکّا لگا ہے۔ (۲) مسلم یونیورسٹی کے تعلیمی مفاد کو نقصان پہنچا ہے۔ (۳) اس ایکٹ نے یونیورسٹی کورٹ ایگزیکیٹیو کونسل اور فائینینس کمیٹی کے لیے انتخابات کے بجائے نامزدگی اور وائس چانسلر کے تقرر اور چانسلر پرو چانسلر کی نامزدگی کا جو طریقہ تجویز کیا ہے وہ جمہوری اقدار کے منافی ہے (۴) وائس چانسلر کے بے پناہ اختیارات نے یونیورسٹی کی خودمختاری کو ختم کر کے مطلق العنانی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس تنقید و وضاحت کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند نے مناسب تجاویز بھی پیش کیں، مثلاً:

☆ مسلم یونیورسٹی کورٹ کو با اختیار بنایا جائے اور یونیورسٹی کورٹ کے ارکان کی اکثریت منتخب ہو۔

☆ چانسلر وائس چانسلر کی نامزدگی کے طریقے کو بدلا جائے۔

☆ ایگزیکٹیو اور فائینَنس کمیٹی کی تشکیل ۱۹۵۱ء کے مطابق کی جائے۔

☆ اکیڈیمک کونسل کے اختیارات کو بحال کیا جائے۔

☆ یونیورسٹی کو تعلیم اور اندرونی انتظام کے لیے قواعد، قوانین سازی کا مکمل اختیار دیا جائے۔ وغیرہ۔

مسلم یونیورسٹی کے شناخت تاریخی اقلیتی کردار سے جمعیۃ علماء ہند کے لگاؤ دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند مارچ ۱۹۷۳ء پھر اگست ۱۹۷۳ء میں ایکٹ کے خلاف آواز اٹھائی اور مذکورہ بالا مجوزہ اصطلاحات کو تسلیم کرنے پر زور دیا لیکن وزارتِ تعلیم نے لاپرواہی کا اظہار کیا اور مسلمانوں کے اضطراب سے بے نیاز رہی جس سے یونیورسٹی بحران کا شکار ہوگیا۔ یونیورسٹی کو بند کرایا، طلبہ کا تعلیمی نقصان کیا گیا اور نہایت بے دردی وظالمانہ طریقے سے طلبہ کو ہوسٹلوں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا اور کچھ اساتذہ کو بلاوجہ معطل کردیا گیا اور یونیورسٹی کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا۔ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی جو اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی تھے اپنے ایک بیان میں اس پر اپنے سخت ردِّعمل کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بند کیے جانے کے غیر جمہوری اقدام نے آج یہ حقیقت کھلے طور پر واضح کردی ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی خودمختاری ختم ہوچکی ہے اور وہ وزیرِ تعلیم کے چشم وابرو کی اب محض ایک کٹھ پتلی ہی نہیں ہے بلکہ ان کی ضد، ہٹ دھرمی اور انانیت پسندی کا ستکار بھی ہے۔

حضرت ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے فرمایا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسٹاف ایسوسی ایشن کی مجلسِ عاملہ کے ذمہ دارانہ بیان نے مسلم یونیورسٹی بند کیے جانے کے متعلق ان حیلہ جوئیوں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے جن کے لیے گمراہ کن اور پُر فریب دلائل کا کمزور سہارا تلاش کیا گیا تھا۔

آپ نے یونیورسٹی کو پولیس اور پی اے سی کے کیمپس میں تبدیل کیے جانے کی مذمت اور اس پر اظہارِ بےزاری کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وزیرِ تعلیم صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو تباہ و برباد کرنے کے لیے مواقع تلاش کرتے رہے ہیں۔ اور اس کے لیے منصوربندی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اب یونیورسٹی کی تالہ بندی وزیرِ تعلیم کی اس نیت کو آشکارا کردیا ہے۔

ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند مولانا اسعد مدنی ایم پی نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ اگر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے متعلق جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کی قرارداد اگست ۱۹۷۲ء کو تسلیم کرلیا گیا ہوتا

(یہ تجویز حکومت کے پاس بھیجی جا چکی ہے) اور مسلم یونیورسٹی ایکٹ ۱۹۷۲ء پر نظرِ ثانی اور اصلاح کو مان لیا گیا ہوتا تو مسلم یونیورسٹی تباہی اور بربادی سے بچ سکتی تھی اور مسلمانوں کا اعتماد اس طرح مجروح نہ ہوتا۔'' (بشکریہ روزنامہ الجمعیۃ اشاعت ۱۰/اپریل ۱۹۷۲ء)

۲/جون ۱۹۷۲ء کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی ایم پی و ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے فرمایا:

''آزادی کے بائیس سالوں کے اندر جبکہ دوسرے تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں میں آئے دن طلبہ اور اسٹاف میں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، مارپیٹ اور توڑ پھوڑ ہوتی ہے، گھنٹوں پرنسپل اور وائس چانسلر کو بند رکھا جاتا ہے۔ پولیس بھی ان کو چھڑا نہیں سکتی اور بھی دوسری طرح کی غارت گری ہوتی رہتی ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ان بائیس سالوں میں اس طرح کی کبھی کوئی بات نہ ہوئی۔ اس کا دامن ہمیشہ پاک رہا، بدقسمتی سے ۱۹۶۵ء میں ایک ہنگامہ ہوگیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کا سر شرم سے جھک گیا۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے وزیر تعلیم نے اس واقعہ پر بڑی سختی اور غیر ضروری تشدد سے کام لیا انھوں نے وہاں کے قانون کو توڑ دیا اور فوراً ایک آرڈیننس جاری کردیا۔

اس طرح کی باتوں سے ملک میں تشویش، غیر یقینی حالات اور بدگمانیوں کی فضا قائم ہوئی۔ ملک کی سات کروڑ اقلیت اپنے معاملات میں تکلیف محسوس کرتی ہے تو ملک ترقی نہیں کرسکتا۔

یہ ادارہ مسلمانوں کی جدید تعلیم کے لیے قائم ہوا تھا، مسلمانوں کو اگر دوسری جامعات میں جگہ نہ ملے اور مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بھی آپ ختم کردیں تو یہ بڑا ظلم ہوگا جس دن ساری یونیورسٹیوں میں اقلیتوں کو داخلہ کی سہولتیں ملنے لگیں تو اس دن سب سے پہلے ہم کھڑے ہوکر کہیں گے کہ اس کے نام سے 'مسلم' کا لفظ کھرچ دو، نکال دو، سب کو ایک ساتھ ملا کر چلاؤ۔ لیکن افسوس ہے کہ ہماری ایک ہی یونیورسٹی تھی وہ بھی ہمارے ہاتھوں سے نکال لی گئی۔ (تاریخ جمعیۃ علماء ہند ص ۴۳۹-ص ۴۴۰)

۲۹/اگست ۱۹۸۱ء کو نئی دہلی میں حضرت فدائے ملّت، صدر جمعیۃ علماء ہند رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم یونیورسٹی کے مسئلہ پر کل ہند کنونشن بلایا، جس میں سرکردہ سیاسی و تعلیمی شخصیات نے شرکت کی اور طویل بحث مباحثہ کے بعد کنونشن نے اپنی تجویز نمبر ا میں طے کیا:

تجویز نمبر ا: کل ہند مسلم یونیورسٹی کنونشن ان حالات کے پیشِ نظر جو جنوری ۱۹۸۱ء سے آج تک کے آٹھ مہینوں میں مسلم یونیورسٹی کے اندر مسلسل رونما ہوتے رہے اور احتجاج، جیل، گولیاں اور یونیورسٹی کے دوبارہ بند ہونے کے باوجود آج تک اس علمی ادارے کے شایانِ شان وہاں کے مسائل کا کوئی حل نہیں نکل سکا۔

نیز اس یقین کے ساتھ کہ پولیس فورس اور طاقت آزمائی سے علمی مسائل حل نہیں ہوتے اور تعلیمی ادارے کبھی چل نہیں سکتے۔ پھر اس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر مسلم یونیورسٹی کا ترمیمی بل پارلیمنٹ میں پیش ہو چکا ہے اور اس کو پاس کرانے کے لیے یونیورسٹی میں باہمی اتحاد و امن کا بحال ہونا اور وہاں کی فضا کا پُرسکون رہنا ضروری ہے، اس کے ساتھ اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ یونیورسٹی دشمن اور شرپسند فرقہ پرور عناصر موجودہ کشمکش سے فائدہ اٹھا کر یونیورسٹی کے کاز کو نقصان پہنچانے کے لیے طرح طرح کے فتنے اٹھا سکتے ہیں۔

یہ کنونشن مسلم یونیورسٹی کی برادری، اس کی انتظامیہ، حکومت اور ہمدردانِ ملت سے درخواست کرتا ہے کہ یونیورسٹی میں سنجیدگی پیدا کرنے اور مسائل کو گفت وشنید کے ذریعہ حل کر کے یونیورسٹی کو موجودہ سخت بحران سے نکالنے میں بھرپور تعاون کر دیں۔

تجویز میں مطالبہ کیا گیا کہ حکومت ہند مسلم یونیورسٹی ترمیمی بل کو اس اجلاس میں پاس کر کے اس یونیورسٹی کے تاریخی و اقلیتی کردار کی بحالی کا اعلان کر کے عوام وخواص کو مطمئن کرے اور یونیورسٹی کے معاملہ میں جو سازشیں ہوتی رہتی ہیں ان کا سدِ باب کرے۔

الحمدللہ مسلمانانِ ہند بالخصوص قائدین جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں کے نتیجہ میں مسلم یونیورسٹی ترمیمی بل منظور ہوا۔ اور حضرت فدائے ملت نے ۲۴ویں اجلاس عام کے خطبہ صدارت میں فرمایا:

مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ ایک عرصہ سے اُلجھا ہوا تھا اور اسے بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے دردِ سر بنا دیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں کی جدوجہد بارآور ہوئی اور مسلم یونیورسٹی پہلے سے بہتر شکل میں پاس ہو گیا اور ۲۰ ردسمبر ۱۹۸۲ء کو اس کی پہلی نشست بھی ہو گئی۔ خدا کرے کہ یہ ایکٹ مسلم یونیورسٹی کی خودمختاری اور آزادانہ تعلیمی پالیسی کے لیے ضامن بن سکے۔

ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ مرکزی حکومت نے اس کا اقلیتی کردار اس کو عطا کیا، اور کورٹ میں اس کی عکاسی کے لیے گنجائش رکھ دی۔ اب یونیورسٹی کے اربابِ حل وعقد کی ذمہ داری ہے کہ ملّت اسلامیہ نے ان سے جو توقعات قائم کی ہیں وہ انھیں پورا کریں اور اپنے نظام تعلیم کو بامقصد بنانے کے لیے بنیادی اقدامات کریں۔ انگریزی دور کے طرزِ تعلیم اور اندازِ فکر کو بدلیں اور فنّی ٹیکنیکل تعلیم ومہارت پر پوری توجہ صرف کریں تاکہ اس سے فارغ ہو کر نکلنے والوں کے لیے ہر طرف دروازے کھلے ہوں۔

○○

❑ مولانا عبدالمعید قاسمی فتح پوری
ناظم تنظیم جمعیۃ علماء ہند

تحفظ شریعت کی جدوجہد اور حضرت فدائے ملتؒ

جمعیۃ علماء ہند، ہندوستانی مسلمانوں کی وہ واحد تنظیم ہے جو مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی، تمدنی اور شہری حقوق کی تحصیل و حفاظت، مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی اور معاشرتی اصلاح اور علوم عربیہ اسلامیہ کے احیاء کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ اسلام، شعائرِ اسلام، مسلمانوں کے مآثر و معابد اور ان کے شرعی و دینی تشخص کی حفاظت کو اولین اہمیت دیتی رہی ہے۔ شریعت اور مسلمانوں کے مذہبی تشخصات کے تحفظ و بقاء کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے جو خدمات اور کارنامے انجام دیے ہیں وہ دینی، مذہبی، ملی اور قومی تاریخ کا سنہراترین باب ہے۔

فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زریں خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اگست ۱۹۶۳ء سے اگست ۱۹۷۳ء تک جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر، مئی ۱۹۹۲ء سے دمِ واپسیں تک امیر الہند اور اٹھارہ سال تک ممبر پارلیمنٹ کی حیثیت سے ان کی قومی، ملی، دینی جدوجہد کے روشن نقوش مختلف میدانوں میں بہت ہی ابھرے ہوئے ہیں۔

اس مقالہ میں ان کی خدمات کا احاطہ کرنے کے بجائے صرف مسلم پرسنل لاء، مسلمانوں کے مذہبی تشخصات اور شریعت اسلامی کے تحفظ کے لیے ان کی جہد مسلسل اور جرأت مندانہ اقدامات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت فدائے ملتؒ نے جس جرأت سے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے اور جس بے باکی سے آوازِ حق بلند کی ہے اس سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، یقیناً وہ اللہ کے شیر تھے اور:

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت فدائے ملتؒ کے تینتالیس سالہ دور جدجہد میں کوئی بھی ایسا مسئلہ پیش آیا جس کا تعلق کسی نہ کسی لحاظ سے مسلم پرسنل لاء اور شریعت کے تحفظ سے ہو، یا اس کی زد اسلامی شریعت و معاشرت پر پڑ رہی ہو تو فدائے ملت نے اس کا بروقت سخت نوٹس لیا اور ہر ممکن جدجہد کر کے شریعت میں

مداخلت اور مسلم پرسنل لاء میں ترمیم و تنسیخ کی ہر سازش کو ناکام بنا دیا۔

حضرت فدائے ملتؒ کی اس جد جہد اور سرگرمی کا بغور جائزہ لینے سے واضح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے شریعت اور مسلم پرسنل لاء کی حفاظت و بقاء کے لیے داخلی وخارجی دونوں سطح پر کام کیا۔ داخلی سطح پر تو یہ کیا کہ شرعی پنچایت، اصلاحِ معاشرہ، قایمِ امارت کے پروگرام کو تحریک کی شکل میں چلایا، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مسلمانوں کو تحفظ شریعت سے جوڑے رکھنے کے لیے دینی مدارس و مکاتب کے قیام سے لے کر اصلاحی و تبلیغی سلسلوں کو بھی جاری کیا، خارجی سطح پر یہ کیا کہ اجلاس ہائے عام خصوصی میٹنگوں، کنونشن، پریس کانفرنس کے ذریعہ حکمراں طبقے کے بارسوخ حضرات کو اپنے موقف سے آگاہ کر کے شرعی معاملے میں حکومتوں کو مداخلت سے روکا۔

آزادی کے بعد مسلم پرسنل لاء پر سب سے پہلا سرکاری حملہ:

۲۵؍ اگست ۱۹۵۵ء کو اس وقت کے وزیر قانون مسٹر پاٹکر نے یہ کہہ کر مسلمانوں کو چونکا دیا کہ ''اسپیشل میرج ایکٹ، ہندو میرج ایکٹ اور اب ہندو قانون وراثت بل کی پارلیمنٹ میں پیشی ضابطۂ دیوانی کو یکساں بنانے کے اقدامات ہیں، اور ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جارہی ہیں وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کی جائیں گی، مسٹر پاٹکر کی ان باتوں سے یہ سمجھنے میں کوئی دیر نہ لگی کہ ان کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ یہ دراصل مسلم پرسنل لاء پر ان کا پہلا سرکاری حملہ تھا، جمعیۃ علماء ہند اور اس کی قیادت نے پارلیمنٹ اور اس کے باہر مسٹر پاٹکر کے اس بیان پر سخت احتجاج کیا جس کے نتیجہ میں اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کو کہنا پڑا کہ مسلمانوں کی مرضی کے بغیر ان کے پرسنل لاء میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

جمعیۃ علماء کے سخت احتجاج پر پنڈت جواہر لال نہرو کی یقین دھانی:

یہ حضرت فدائے ملتؒ کا دور شباب تھا، خانوادۂ مدنی کے اس بے باک، غیور اور صالح نوجوان کی جمعیۃ علماء کے بینر تلے جدوجہد کا آغاز ہو چکا تھا، پنڈت جواہر لال نہرو کی مذکورہ یقین دہانی کے بعد مسلم پرسنل لاء کے تعلق سے کوئی چھیڑ خانی نہیں کی گئی۔

وزارت قانون کا مکتوب موضوع، یکساں شہری قانون کا نفاذ:

لیکن بل پھر تھیلے سے باہر آ گئی اور اکتوبر ۱۹۶۶ء میں حکومت نے اس سلسلہ میں پھر مسلمانوں کو چرکہ لگایا اور وزارت قانون کی طرف سے جمعیۃ علماء ہند اور دیگر تنظیموں کے ذمہ داروں کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں یونی فارم سول کوڈ کے بارے میں رائے مانگی گئی تھی، جمعیۃ علماء ہند کو یہ مکتوب ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو موصول ہوا۔ اس مکتوب میں یہ لکھا تھا کہ ۱۵؍ نومبر ۱۹۶۶ء تک اپنی

رائے سے آگاہ کریں ورنہ سمجھا جائے گا کہ جماعت اس موضوع پر کوئی رائے نہیں رکھتی ہے۔

حضرت فدائے ملت کا دو ٹوک جواب:

اس مراسلہ کا جواب اس وقت کے ناظم عمومی یعنی حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے سخت الفاظ میں دیا تھا۔آپ نے اپنے اس مراسلہ میں صاف صاف تحریر فرمایا تھا کہ ''آپ جانتے ہیں کہ مسلمان بہت دقتیں برداشت کر سکتے ہیں لیکن وہ اپنے مذہبی امور میں مداخلت اور دین کی توہین کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔اور انھوں نے دین کے تحفظ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ اور روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے جذبات سے نہ کھیلا جائے گا اور مذکورہ مسائل، جو مذہب کے اجزاء ہیں ان کو چھیڑ کر مسلمانوں کو بے چین نہ کیا جائے گا، ورنہ حکومت کے سیکولر کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں بہت سے شبہات پیدا ہوں گے اور اس سے اپنی سیکولر اور رجعت پسند عناصر فائدہ اٹھائیں گے۔

تحفظ شریعت کے لیے حضرت فدائے ملتؒ کا عملی اقدام:

حضرت فدائے ملت نے مکتوب لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلم پرسنل لاء کے تعلق سے رائے عامہ بیدار کرنے اور مسلمانوں کو ان کی شریعت کے لیے لاحق خطرہ کے مقابلہ کے لیے تیار کرنے کے لیے ۲۴ ردسمبر ۱۹۶۶ء کو جمعہ کے دن ''یومِ پرسنل لاء'' منانے کا اعلان کیا اور پورے ملک کے تمام دینی و مذہبی اداروں اور تمام مسلم جماعتوں اور رہنماؤں سے درخواست کی کہ وہ ۲۴ ر دسمبر ۱۹۶۶ء کو متفق ہوکر مسلم پرسنل لاء کے موضوع پر ایک ہی آواز بلند کریں کہ وہ مسلم پرسنل لاء میں کوئی ترمیم وتبدیلی برداشت نہیں کر سکتے، چنانچہ ملک کے طول وعرض میں جمعہ کے دن بڑے بڑے اجتماع ہوئے اور ان اجتماع کے فیصلوں کو حکومت ہند کے پاس بذریعہ صدر جمہوریہ ہند بھیجا گیا۔

متبنّی بل:

۱۹۷۲ء میں حکومت نے شریعت اسلامی میں مداخلت کی ایک اور مذموم کوشش کہ متبنی بل کو پارلیمنٹ میں پیش کیا اور بحث ومباحثہ کے بعد اسکوسلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کردیا متبنی بل چونکہ اسلامی قانون وراثت میں صریح مداخلت تھی اس لیے جمعیۃ علماء ہند نے ناظم عمومی کی حیثیت سے حضرت فدائے ملت نے اس کے خلاف فوراً ایکشن لیا اور ۱۹-۲۰ راگست ۱۹۷۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد کیا، جس میں ارکان عاملہ نے متفقہ طور پر متبنی بل سے سخت اختلاف کرتے ہوئے پرزور مطالبہ کیا کہ ایکٹ سے کم از کم مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

تعداد ازواج بل:

۱۹۷۹ء میں ایک بار پھر یہ فتنہ اٹھا اور تعداد ازواج پر پابندی لگانے کے سلسلہ میں ایک پرائیویٹ بل پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا جس کے خلاف حضرت فدائے ملت نے صدر جمعیۃ علماء کی حیثیت سے سخت نوٹس لیا اور جمعیۃ علماء ہند کی قیادت کو ایک بار پھر میدان میں آنا پڑا اور بالآخر متعلقہ ممبر کو یہ بل واپس کر کے پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

۱۹۷۹ء سے جنوری ۱۹۸۳ء کے درمیان بھی یکساں سول کوڈ اور مسلم پرسنل لاء کے مختلف مسائل کو حکمراں اور میڈیا پر قابض حضرات چھیڑتے رہے اور کوششیں کی جاتی رہیں کہ کسی طرح مسلمان اپنے پرسنل لاء میں ترمیم و تنسیخ کے لیے تیار ہو جائیں لیکن ملت اسلامیہ ہمیشہ فرقہ پرستانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کے مطالبات اور مانگ کو انتہائی نفرت وحقارت سے ٹھکراتی رہی۔ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم حضرت فدائے ملتؒ نے جب شریعت کی بقاوتحفظ کے خلاف آواز اٹھتی سنی تو فوراً نوٹس لیا، اسی دوران جنوری ۱۹۸۳ء کو ممبئی میں جمعیۃ علماء ہند کا چوبیسواں اجلاس عام آپ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں دیگر مسائل کے ساتھ تحفظ شریعت کے موقف کا اعادہ اور مسلم پرسنل لاء میں کسی طرح کی ترمیم وتبدیلی کی مخالفت کی گئی، اس چوبیسویں اجلاس عام کے خطبۂ صدارت میں آپ نے مسلمانوں کو دستور کی دفعہ ۴۴ سے مستثنیٰ قرار دیے جانے کے مطالبہ کا اعادہ کرتے ہوئے کہا:

> ''ہم اس بات کو صراحت کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اس ملک کے آزاد شہری ہیں، اگر ہمارے اسلامی اصول کے خلاف یکساں سول کوڈ مرتب کیا جاتا ہے، یا ہمارے پرسنل لاء میں ترمیمات کی جاتی ہیں تو اس صورت میں ہماری حیثیت اس ملک میں آزاد شہری ہونے کی محفوظ نہیں رہے گی اور ہم کو سوچنا پڑے گا کہ ہم مجبور اور غلام بن کر رہیں یا اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر کسی اور جگہ جا کر آباد ہو جائیں۔ یا اس ظالم نظام کے خلاف اپنے حق اور آزادی کو حاصل کرنے کے لیے اعلانِ جنگ کر دیں اس لیے ہمارا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو دستور کی دفعہ ۴۴ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے'' (خطبہ صدارت چوبیسواں اجلاس عام منعقدہ ۱۴/۱۵/۱۶/جنوری ۱۹۸۳ء بمقام ممبئی)

قابلِ غور اور جرأت مندانہ بات:

دسمبر ۱۹۸۳ء میں ایک موقعہ پر مسلم پرسنل لاء کے تعلّق سے آپ نے یہ قابلِ غور اور جرأت مندانہ بات کہی تھی کہ حکومت کے سامنے ایک سے ایک بڑے حل طلب مسائل موجود ہیں وہ ان

سب کو چھوڑ کر مسلم پرسنل لاء کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور نہ جانے کیوں مسلمانوں ہی کو غلام بنائے رکھنے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ ملک میں جانوروں تک کو آزادی حاصل ہے، اگر مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں اسی طرح کی مداخلت ہوتی رہی تو اس کے اچھے نتائج نہیں ہوں گے کہ پھر مسلمانوں کو ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مقولہ پر عمل کرنا ہوگا۔

حضرت فدائے ملت مسلم پرسنل لاء کے اسٹیج پر:

حضرت فدائے ملّت نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ساتویں اجلاس منعقدہ اپریل ۱۹۸۵ء میں اپنی بصیرت افروز تقریر کے دوران فرمایا:

''حکومت ایک طرف یہ کہتی ہے کہ مسلم پرسنل لاء میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور دوسری طرف فرقہ پرستوں کے دباؤ میں آجاتی ہے، حکومت کی روش دورُخی ہے۔ غیر مسلم خواتین کو کرائے پر لاکر انھیں مسلم خواتین کی شکل میں پیش کر کے ان سے مسلم پرسنل لاء کے خلاف مظاہرہ کرایا جاتا ہے۔ حکومت کو معلوم ہونا چاہیے کہ بنگلہ زبان کے دبانے کے نتیجہ میں پاکستان ٹوٹا تھا، ہندوستان میں مختلف طبقات کو دبانے کے نتیجے میں ہندوستان کا اتحاد خطرہ میں پڑ جائے گا، اکثریت کو ہم یہ حق نہیں دے سکتے ہیں کہ ہمارے مذہبی امور کا فیصلہ کرے۔''

شاہ بانو کیس:

شاہ بانو کیس میں نفقہ مطلقہ کے عدالتی فیصلہ کے بعد حضرت فدائے ملت کا انٹرویو اُردو کے ہفت روزہ اخبار نئی دنیا، ۲۱ر تا ۲۷ر جولائی ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا، آپ نے اپنے اس انٹرویو میں سپریم کورٹ کے فیصلے کو مسلمانوں کے مذہبی تشخص، انفرادیت اور اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی کے حق کو ختم کرنے والا قرار دیا اور کہا کہ ''ملک میں اقلیتوں کو زندہ رہنے کا حق دستور نے دیا ہے، سپریم کورٹ اسے ختم کرنا چاہتا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جو فرقہ پرست طاقتیں ہیں، سپریم کورٹ نے انھیں بالکل سرعام پوری آزادی دے رکھی ہے، سپریم کورٹ کو یہ نظر نہیں آیا کہ اس ملک میں مسلمانوں، مردوں، عورتوں، اور بچّوں کا قتل ہو رہا ہے، ہزارہا عورتوں کی بے عزتی اور عصمت دری ہو رہی ہے۔

حضرت فدائے ملت نے اپنے انٹرویو میں مطالبہ کیا کہ ''جس طرح حکومت نے اس طرح کے معاملات (نفقہ مطلقہ) کے لیے فیملی کورٹ بنائے ہیں اسی طرح مسلمانوں کے لیے قاضی مقرر کیے جائیں جنھیں یہ اختیار حاصل ہو کہ شریعت کی بنیاد پر ان مسائل کو نپٹا سکیں۔ طلاق، شادی، نان

نفقہ وغیرہ کے جو مسائل ہیں انھیں یہ قاضی نپٹائیں، اس کا خرچ اُٹھانے کے لیے مسلمان تیار ہے، لیکن سرکار اسے اختیار تو دے، انگریزوں نے قاضی مقرر کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر غداری کی، آج آزاد حکومت ہے وہ اس کام کو پورا کرے، لیکن مسلمانوں کی کوئی بات نہ سنی جائے، انھیں طاقت اور اکثریت کے زعم میں غیر مذہبی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے تو یہ مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے اور ذلیل کرنے کی مذموم کوشش ہے، مسلمان عورتیں ہماری مائیں ہیں، بہنیں ہیں، بہوئیں ہیں ان کے ساتھ اس ملک میں جو سب سے بڑا ظلم ہو رہا ہے وہ فرقہ وارانہ فسادات ہیں کہ عورتوں اور مردوں کی قتل و غارت گری ہے، یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے، لیکن حکومت کسی معمولی افسر کو ایک دن کے لیے سسپنڈ کرنے کو تیار نہیں ہے، سپریم کورٹ کو یہ سب نظر نہیں آتا، مسلمان عورتوں، مردوں کو انصاف دلانے کے لیے کوئی قانون نہیں ہے اور یہ مسلم پرسنل لاء کے مسائل اس کے لیے اتنے اہم ہیں کہ تمام حدود پار کر کے سب کچھ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، یہ ایک سازش ہے، نمائندہ نئی دنیا کے یہ پوچھے جانے پر کہ آپ اس سلسلہ میں کیا کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ کہا کہ ہم انتظار کریں گے مسلم پرسنل لاء بورڈ اس سلسلہ میں کیا فیصلہ کرتا ہے، اگر تحریک شروع رہتی ہے تو جمعیۃ علماء ہند اس کے لیے پوری طرح تیار ہے، ہم اس سلسلہ میں مشترکہ جدوجہد چاہتے ہیں، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ اس سلسلے میں مشترکہ طور پر جو بھی فیصلہ کریں گے اور ذہن بنائیں گے اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔'' (ہفت روزہ نئی دنیا ۲۱ر تا ۲۷ر جولائی ۱۹۸۵ء)

مسلم خواتین بل کی حمایت:

نفقۂ مطلقہ کے سلسلے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف چلائی گئی مشترکہ تحریک میں مسلم تنظیموں، مسلم رہنماؤں نے جس اتحاد و اتفاق اور دینی جذبے کا اظہار کیا وہ تاریخ کا روشن باب اور بہترین نمونۂ عمل ہے، اس اتحاد اور دینی جذبے کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ حکومت مسلم خواتین بل پاس کرنے پر آمادہ ہوگئی اور نہ صرف آمادہ ہوگئی بلکہ اپوزیشن پارٹیوں اور اپنوں کی سخت مخالفت کے باوجود بل پاس کر دیا یہ کانگریس سرکار کا بلاشبہ مستحسن اقدام تھا، صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت فدائے ملتؒ نے کانگریس کے اس اقدام کو سراہا اور راجیو گاندھی کو تحریری طور پر مبارک باد دی اور کہا کہ ہندوستان مسلمانوں کی بھاری اکثریت اس بل کی حمایت میں ہے۔

یکساں سول کوڈ کے مسئلہ سے نپٹنے کے عملی اقدامات:

یکساں سول کوڈ کے منصوبے سے درپیشِ مشکلات و مسائل پر غور وخوض کرنے کے لیے ۷ر ستمبر ۱۹۸۶ء کو حضرت فدائے ملّتؒ نے علماء اور اہل الرائے حضرات کی ایک میٹنگ بلائی جس

میں طے پایا کہ مسلم پرسنل لاء کے تعلّق سے کی جانے والی سازشوں کو ناکام بنانے اور مداخلت فی الدین کو روکنے کے لیے امیر الہند کا انتخاب اور ملک گیر پیمانے پر نظامِ شرعی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ ۲؍نومبر ۱۹۸۶ء کو امیر کا عملاً انتخاب بھی ہوگیا، محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ امیر الہند اور حضرت فدائے ملت نائب امیر الہند منتخب ہوئے، مسلم پرسنل لاء اور شریعت کے تحفظ کے لیے انتہائی فکرمند ان دونوں عہدِ ساز شخصیتوں نے مختلف اجلاس (اُڑیسہ، کلکتہ، ممبئی وغیرہ) میں کوڈ کی مخالفت میں خطاب بھی فرمایا۔

یومِ تحفظ شریعت:

۵؍دسمبر ۱۹۸۶ء کو حضرت فدائے ملت کی اپیل پر ملک بھر میں یومِ تحفظ شریعت منایا گیا، نمازِ جمعہ کے بعد مساجد میں ہونے والے اجتماعات میں ''کوڈ'' کی مخالفت میں تجویزیں منظور کی گئیں اور ہزاروں کی تعداد میں ٹیلی گرال اور خطوط، وزیر اعظم ہند اور وزیر قانون حکومتِ ہند کو بھیجے گئے۔

یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن:

۷؍دسمبر ۱۹۸۶ء کو جمعیۃ علماء ہند نے اپنے زیر اہتمام نئی دہلی میں یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن کا انعقاد کرایا، جس میں حضرت فدائے ملت نے)مختلف مذاہب اور فرقوں کی اہم شخصیات کو اس کنونشن میں شرکت کی دعوت دی، دہلی کے حالات کشیدہ ہونے کے باوجود ایک سو پچاس سے زائد وکلاء نے شرکت کی، سب نے ''کوڈ'' کے نفاذ کی مخالفت و مذمت میں تقریریں کیں۔

تحفظ شریعت کانفرنس کا انعقاد:

۱۹۹۳ء میں جماعت اہلِ حدیث کے ترجمان ''جریدہ ترجمان'' میں طلاق ثلاثہ کے تعلق سے ایک فتویٰ شائع ہوا، جس میں تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیا گیا تھا، اس فتوے کو نام نہاد روشن خیال دانشوروں، فرقہ پرست عناصر اور نیشنل پریس نے فوراً اچک لیا اور پروپیگنڈہ شروع کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں تین مان کر اسلامی شریعت میں مسلم عورتوں پر ظلم واستبداد کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، اور پھر اس کے پردہ میں علمائے اسلام اور شریعتِ اسلامیہ پر رکیک حملوں، اور یکساں سول کوڈ کا زور شور سے مطالبہ شروع کردیا گیا، مسلمان تفریق اور انتشار میں مبتلا ہونے لگے تھے، یہ تشویش ناک صورتِ حال دیکھ کر جمعیۃ علماء ہند نے ۳،۴؍اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ماؤلنکر ہال رفیع مارگ نئی دہلی میں ''تحفظ شریعت کانفرنس'' منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، ۳۰؍ستمبر ۱۹۹۳ء کو حضرت فدائے ملت نے ایک پریس کانفرنس کرکے ''تحفظ شریعت کانفرنس'' کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی کہ: ''اسلامی تعلیمات واحکام سے ناواقف مغربی لادینی افکار وثقافت سے متاثر اشخاص دینی

معاملات میں اسلام کے نمائندہ نہیں ہیں اس لیے مسلم پرسنل لاء اور دیگر مذہبی مسائل ومعاملات میں ان کی رائے اور بیانات مسلمانوں پر حجت نہیں ہوں گے بلکہ ان کی حیثیت ذاتی رائے اور شخصی خیالات کی ہے جن کی عامۃ المسلمین کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے۔''

پچیسواں اجلاسِ عام:

جمعیۃ علماء ہند کا پچیسواں اجلاس عام حضرت فدائے ملّت کے زیرِ صدارت، ۲۷/۲۹/ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ممبئی میں منعقد ہوا تھا، اس اجلاس میں بھی پوری قوت سے اعلان کیا گیا کہ مسلم پرسنل لاء میں کسی طرح کی تبدیلی اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

حضرت فدائے ملت نے بھی اپنے خطبہ صدارت میں اس اہم مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا:

''مسلمانوں کے وہ شرعی مسائل جنھیں آج کی اصطلاح میں مسلم پرسنل لاء سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ بغیر کسی شک وتردد کے مذہب اسلام کے دینی وشرعی احکام ہیں، اور دستورِ ہند کی دفعہ ۲۵ کے تحت دی ہوئی ضمانت میں یقینی طور پر داخل ہیں۔ یکساں سول کوڈ کے عنوان سے اس میں کسی طرح کی ترمیم وتبدیلی ''مداخلت فی الدین ہوگی، جیسا کہ جمعیۃ کے سربراہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مذہبی امور میں مداخلت کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''مذہب میں مداخلت کے مفہوم کی دو جہتیں ہیں:

(۱) جن امور کو مذہب نے فرض یا واجب قرار دیا ہو، (۲) جو امور مذہب کے شعار میں داخل ہوں، (۳) جن امور کو مذہب نے مؤکد یا مستحسن قرار دیا ہو، ان کی ترغیب دی ہو، ثواب کا وعدہ کیا ہو۔ (۴) جن امور کو شریعت نے جائز قرار دیا ہو اور ان پر عمل کرنا مذہبی حق سمجھا جاتا ہو۔

ان چاروں قسموں میں جو امور داخل ہیں، ان میں سے کسی ایک کو روکنا یا جرم قرار دینا، یا ایسی پابندی عائد کرنا جس کا نتیجہ فی الجملہ ترکِ فعل پر مجبور کرنا ہو، مذہبی مداخلت ہے۔

دوسری جہت یہ ہے کہ مسلمانوں کو قانون کے ذریعہ کسی ایسے امر پر مجبور کیا جائے جو ان کے مذہب میں ناجائز ہے۔'' (بحوالہ قانون شریعت کی حفاظت ص ۱۹۳)

مذہبی امور میں مداخلت کی اس جامع تشریح کو ذکر کرنے کے بعد حضرت فدائے ملت نے واضح اور واشگاف الفاظ میں کہا:

دین میں مداخلت ناقابل برداشت:

’’اس لیے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں اور حق بجانب ہیں کہ مسلمانوں کے عائلی قوانین کو اگر دستور کی دفعہ ۲۵ کے تحت محفوظ قرار نہیں دیا جاتا اور انھیں دستور کی ہدایتی دفعہ ۴۴ کی غلط تشریح کر کے الگ کر دیا جاتا ہے تو یہ نہ صرف دستورِ ہند سے انحراف ہوگا بلکہ مسلمانوں کے دین میں کھلی مداخلت ہوگی جو مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہوگا، اس لیے ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ دفعہ ۴۴ کو دستور سے حذف کر دے یا کم از کم مسلمانوں کو اس دفعہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے جس طرح سے ملک کی ایک ریاست ناگالینڈ کے سلسلے میں حکومت اس طرح کا استثنائی فیصلہ کر چکی ہے۔‘‘

ایوان میں یکساں سول کوڈ بل پیش کرنے پر احتجاجی بیان:

دسمبر ۱۹۹۹ء میں پھر ایک بار یکساں سول کوڈ بنانے کی ازسرِنو کوشش شروع ہوئی تو حضرت فدائے ملّتؒ نے ۲۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو ایک پریس ریلیز میں اس پر تشویش کا اظہار کیا، یکساں سول کوڈ بنانے سے متعلّق بی جے پی کے مسٹر آدتیہ ناتھ کی طرف سے ایک غیر سرکاری بل، اپوزیشن کی مخالفت کے باوجود، لوک سبھا میں پیش کیا تو انھوں نے شدید مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ آئین ہند کے بنیادی مقاصد اور روح کے منافی ہے، ہم اس کا آئین وقانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، انھوں نے بل کی مخالفت کرنے والی اپوزیشن پارٹیوں کو مبارک باد دی اور ہر سیکولر مخالف اقدام وعمل کی مشترکہ طور پر مخالفت کر کے اسے ناکام بنانے کی اپیل کی۔

چھبیسواں اجلاس عام اور اس کا پس منظر:

جمعیۃ علماء ہند کا چھبیسواں اجلاس عام مئی ۲۰۰۰ء میں رام لیلا گراؤنڈ دہلی میں منعقد ہوا تھا، جس میں فرزندانِ توحید کے امنڈتے ہوئے سیلاب نے اس وقت کی فرقہ پرست حکومت کے حواس باختہ کر دیے تھے، یہ اجلاس عام انتہائی ہنگامہ خیز اور تشویش ناک حالات میں منعقد ہوا تھا، اس وقت مرکزی قیادت کی باگ ڈور ایسی پارٹی کے ہاتھوں میں تھی کہ اس کی رگوں میں آر ایس ایس جیسی فسطائی ٹیررسٹ پارٹی کا زہریلا خون دوڑ رہا تھا جو ملک کی اقلیتی اکائیوں کو اپنے اندر جذب اور ختم کر کے سرزمین ہند سے ان کے نام ونشان مٹا دینے کے لیے نت نئے حربے استعمال کرتی رہتی ہے۔

دوسری طرف اس وقت کی یوپی سرکار نے ’’مذہبی مقامات وعمارات ریگولیشن بل‘‘ منظور کر کے پورے ملک کے مسلمانوں کو ذہنی، روحانی کرب میں مبتلا کر دیا تھا، اس نازک موقع پر جمعیۃ

علماء ہند کی اعلیٰ قیادت نے ملک کی راجدھانی میں اجلاس عام منعقد کر کے ملک کی ہوش مندانہ اور خرِ پسندانہ رہنمائی کی۔اور اس سیاہ بل کے خلاف چھبسیو اں اجلاس عام منعقد کیا۔

مذہبی مقامات و عمارات ریگولیشن بل

اس سیاہ بل کے خلاف حضرت فدائے ملتؒ نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا: ''بل کی تیاری اور منظوری میں جو ذہنیت کارفرما ہے وہ نازیب اور فسطائیت پر مبنی ہے۔ یہ قانون کے نام پر سنگین غیر آئینی قدم ہے۔ مساجد ہوں یا مدارس ہمارے لیے دونوں روح اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، مساجد شعائر اسلام میں سے ہیں، مدارس دینی و روحانی تعلیم کا مرکز ہیں، آئین ہند کی دفعہ ۲۹ اور ۳۰ کی رو سے ان کی تعمیر، قیام اور بقاء کی کوشش کا ہم کو آئینی حق حاصل ہے اس بل کے ذریعہ اس آئینی حق پر دست درازی کی گئی ہے، اس متنازعہ سیاہ بل سے یہ بات دن کے اجالے کی طرح روشن ہوگئی ہے کہ بی جے پی سرکار کو ملک کے جمہوری و سیکولر نظام کے مقابلہ میں آر ایس ایس کا مرتب کردہ نظام زیادہ عزیز ہے اور بی جے پی سرکار ملک کے دستور و قانون کے بجائے آر ایس ایس کی ہدایات و اشارے پر عمل پیرا ہے، اس لیے یہ مسئلہ صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ ملک کے نظام اور ڈھانچے کا بھی ہے۔''

آپ کی بصیرت نے ہوا کا رخ دیکھ کر آنے والے طوفان کا اندازہ کرلیا، اور سیکولرزم کی دہائی دینے والوں سے سوال کیا کہ:

> ''واقعات بتارہے ہیں کہ ملک اس وقت ایک دوراہے پر کھڑا ہے جس کے ایک طرف جمہوریت اور سیکولرزم ہے اور دوسری طرف آر ایس ایس کی آمریت و فسطائیت ہے، اب فیصلہ ہونا ہے کہ ملک گاندھی جی کے راستہ پر چلے گا یا ناتھورام گوڈسے کی ڈگر پر ہے؟۔''

اور پھر حق وانصاف کے پاسبانوں کو مخاطب کرتے ہوئی فرمایا:

> ''''ملک عزیز کے ایک شہری اور سپوت ہونے کے ناطے ہم ملک کے آئین کے پابند ہیں، اس لیے دستورِ ہند کی پاس داری میں اس بل کو قبول نہیں کیا جاسکتا اور دستورِ ہند سے حاصل اپنے مذہبی اور تعلیمی حقوق کے تحفظ کے لیے اس سیاہ بل کے خلاف اپنی جد وجہد جاری رکھنی چاہئے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔''

اور پھر حضرت فدائے ملت نے قوم کو شریعت اور ملت پر فدا ہو جانے کا پیغام ان الفاظ میں دیا:

''برادرانِ ملت! بلاشبہ آپ کے دستوری حقوق سلب کیے جارہے ہیں، مذہبی عبادت گاہوں سے آپ کومحروم کرنے کی سازش کی جارہی ہے، آپ کے دین و مذہب اورتہذیب وثقافت کے سرچشموں کوخشک کرنے کی تدبیریں کی جارہی ہیں۔ ایسے وحشت ناک حالات میں آپ کواور آپ کی وساطت سے ملک میں آباد ایک ایک بچہ کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ حالات کی اس سنگینی سے دل گیراور خوف زدہ ہونے کے بجائے اپنے اسلاف کی طرح پادری اور جرأت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیجیے، اپنے ملکی، مذہبی، تعلیمی، ثقافتی حقوق کی حفاظت کے لیےاپنی استطاعت کے مطابق ہرممکن کوشش کیجیے۔(خطبہ صدارت چھبیسواں اجلاس عام منعقدہ ۱۳رمئی ۲۰۰۰ء بمقام دہلی)

اصلاح معاشرہ تحریک

معاشرتی اصلاح اوراسلامی تشخص کے تحفظ بلکہ فروغ کے لیے آپ نے 'اصلاح معاشرہ'' کی ہمہ گیرتحریک شروع کی۔ اس تحریک کے ذریعہ آپ نے مسلمانوں کوشریعت کے تحفظ اور پاسداری کی تلقین فرمائی۔ جمعیۃ علماء ہند کے ستائیسویں اجلاس عام کے خطبۂ صدارت میں آپ نے علماء کرام اور رہمدردان ملت کوخطاب کرتے ہوئےفرمایا:

''یہ ہم سب کے ذہن میں اچھی طرح جاگزیں ہوجانا چاہئے کہ اسلامی شریعت نے امت کے تشخص کو بڑی اہمیت دی ہے، آج مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مغربی، صہیونی تحریکات سے وابستہ افراد اوران کی تقلید میں فرقہ پرست شدت پسندعناصر جس مستعدی سے مسلمانوں کے امتیازی تشخصیات اور دینی شعائر کوختم کرنے یا انھیں مسخ کرکے پیش کرنے کی ایک منصوبہ بندمہم چلا رہے ہیں، اس کودیکھتے ہوئے اسلامی تشخص کے تحفظ کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔''

(ستائیسواں اجلاس عام ۹رمارچ ۲۰۰۳ء بمقام رام میلاگراؤنڈ، دہلی)

مسلم قاضی بل پاس کرنے کا مطالبہ

مسلمانوں کے مذہبی تشخصات اور پرسنل لاء کے تحفظ کی دیرینہ فکرمندی کے تحت آپ نے اپنی جسمانی معذوریوں اورپیرانہ سالی کے باوجودآخرعمرتک اپنی کوششوں کو جاری رکھا، یہاں تک کہ ۲۸/۲۹رمئی ۲۰۰۵ءکورام لیلا گراؤنڈ دہلی میں منعقد ہونے والے اٹھائیسویں اجلاس عام کی، انتہائی ضعف کے باوجودصدارت فرمائی اورحسب معمول خطبۂ صدارت بھی پیش فرمایا، خطبۂ

صدارت میں مسلمانوں سے اپنے پرسنل لاء سے متعلق معاملوں اور مقدموں کے فیصلوں کے لیے شرعی عدالتوں میں جانے کی اپیل کی اور حکومت سے شرعی عدالتوں کو قانونی حیثیت دینے کے لیے ''مسلم قاضی بل'' پاس کرنے کے اپنے پرانے مطالبہ کا اعادہ کیا۔

کسے معلوم تھا کہ یہ آپ کی زندگی کا آخری اجلاس عام اور آخری خطبہ صدارت ہے اور ۶؍ فروری ۲۰۰۶ء کو ہم اس عہد ساز، نادرۂ روزگار شخصیت سے محروم ہو جائیں گے۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کے لیے ان کی گرانقدر خدمات ہمارے دلوں کی دہلیز پر ہمیشہ دستک دیتی رہیں گی اور آنے والی نسلیں انہیں خراج تحسین پیش کرتی رہیں گی۔

''تحفظ شریعت اور حضرت فدائے ملتؒ'' جو میرے اس مقالہ کا عنوان ہے دراصل یہ ان کی جدوجہد سے لبریز کتاب زندگی کا محض ایک عنوان اور ان کے وسیع تر میدان عمل کا ایک گوشہ ہے ورنہ ان کی خدمات کا میدان بہت متنوع اور وسیع ہے، اس ''فدائے ملت سیمنار'' کے ذریعہ ان کی زریں خدمات کی ترتیب بندی کی کوشش کی گئی ہے، ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ کا یہ شعر بجا طور پر ان پر صادق آتا ہے:

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ گل نے، کچھ نرگس نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

○○

□ مفتی ریاست علی قاسمی
خادم شعبۂ افتاء وتدریس جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

فدائے ملت، امیر الہند مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ
حالاتِ جمیلہ اور خدماتِ جلیلہ کے چند جلی عنوانات

عالم اسلام خاص طور سے برصغیر میں دینی، ملّی، قومی، ملکی اور سیاسی خدمات کے تعلق سے جن نامور اور شہرۂ آفاق شخصیات کو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا ان میں امیر الہند فدائے ملت، صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت اقدس مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی کو انتہائی ممتاز مقام حاصل ہے، جن کا مختصر ذکر جمیل سپردِ قرطاس کیا جارہا ہے۔

خاندان اور ولادت:

آپ حسینی سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو انیس پشت قبل ہندستان آیا تھا آپ کے والد گرامی قدر شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث، شہرۂ آفاق محدث، نامور بزرگ، اور مشہور شیخ طریقت، تحریکِ آزادیٔ ہند کے عظیم قائد اور رہنما تھے۔ اس بابرکت خاندان میں ۱۶/ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ بمقام دیوبند آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے دیوبند آکر مقیم ہوگئے تھے، پھر دیوبند ہی کو آپ نے دیوبند میں مستقل وطن بنالیا۔

تعلیم اور فراغت:

آپ کا تعلیمی سلسلہ از ابتداء تا انتہا دارالعلوم دیوبند میں جاری رہا اور ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۲۸ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی۔ آپ کے مشہور اساتذۂ کرام میں آپ کے والد ماجد شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے علاوہ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ، امام المعقولات علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا قاری اصغر علی صاحب سہسپوریؒ وغیرہ شامل ہیں۔ جن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے آپ نے تعلیم وتربیت کے تمام مراحل کو مکمل کیا۔ درس نظامی سے فراغت کے بعد اپنے

والد گرامی کی خدمت میں کچھ وقت گزارا اور مکمل بارہ سال از شوال ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء تا ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء دارالعلوم دیوبند میں درسِ نظامی کی کتب کا درس دیا اور عموماً درجات متوسطہ کی کتب آپ سے متعلق رہتی تھیں۔ اور ملّی ضروریات اور قومی خدمات کے پیش نظر تدریسی سلسلہ موقوف ہوگیا اور آپ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے۔

جمعیۃ علماء ہند سے وابستگی اور اہم مناصب جلیلہ:

جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اعلیٰ مقاصد سے تعلق آپ کو ورثہ میں ملا تھا اور اس کا عملی طور سے آغاز جمعیۃ علماء دیوبند کے نائب صدر کی حیثیت سے ہوا۔ اس کے بعد جمعیۃ علماء اُتر پردیش کے اجلاس عام منعقدہ ۱۹۶۰ء بمقام مرادآباد میں آپ کو باتفاق آراء جمعیۃ علماء اتر پردیش کا صدر منتخب کیا گیا۔ پھر ۹؍اگست ۱۹۶۳ء کو جمعیۃ علماء ہند کی نظامت عمومی کا اہم منصب آپ کو تفویض کیا گیا اور مکمل دس سال تک آپ کی ذاتِ جلیلہ نے اس عظیم منصب کو زینت بخشی۔ پھر ۱۱؍اگست ۱۹۷۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی صدارت نے آپ کی قدم بوسی فرمائی اور اتفاق رائے سے جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کے عظیم منصب پر فائز کیا گیا اور حیات مستعار کے آخری سانس ۶؍فروری ۲۰۰۶ء تقریباً ۳۳ سال تک یہ عظیم منصب آپ کی ذاتِ جلیلہ سے بارونق اور مزین رہا۔

جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے خدمات کی مختصر تفصیل:

حضرت فدائے ملتؒ نے اپنی صدارت اور نظامت کے دَور میں جمعیۃ علماء ہند کی برانچوں اور شاخوں کا پورے ملک میں جال پھیلا دیا اور اس کے تمام شعبہ جات اور اکائیوں کو اس قدر فعال، متحرک، قومی اور شاندار بنایا کہ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ میں اس کی مثال ملنا دشوار اور ناممکن ہے۔ گویا آپ اپنی خدماتِ جلیلہ اور متحرک شجر سایہ دار شخصیت کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند اور مولانا سیّد اسعد مدنی ایک ہی چیز کے دو نام بن گئے تھے، گویا ایک ہی معنون کے دو عنوانات ہیں۔ آزادئ ہند کے بعد پاکستان وجود میں آیا، جس کے نتیجہ میں ہندوستانی مسلمانوں کو انتہائی اندوہناک اور روح فرسا مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ ایسے نازک حالات میں حضرت فدائے ملتؒ کی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ حضرت فدائے ملتؒ کی خدماتِ جلیلہ کی مختصر فہرست درج ذیل ہے۔

فسادات کی روک تھام اور مظلومین کی ریلیف اور فریادرسی، مسئلہ اوقاف کا تحفظ اور اس کے لیے جدوجہد، مسئلہ کشمیر، مسئلہ آسام، اردو کے تحفظ وبقا کے لیے جدوجہد، بابری مسجد، مسلم یونیورسٹی اور اس کے اقلیتی کردار کی بحالی کے لیے جدوجہد، مسئلہ ارتداد اور اس کا استقامت کے ساتھ

مقابلہ، مسلمانوں کی اقتصادیات کی بحالی کے لیے جامع اور ٹھوس پروگرام، مسلم پرسنل لاء، تحفظ حرمین شریفین، مسئلہ فلسطین، مسئلہ افغانستان، چیچنیا، بوسنیا ہرزے گووینا، مسئلہ عراق وکویت، تحفظ شریعت، تحفظ حقوق شہریت، یکساں سول کوڈ، مسئلہ کسٹوڈین، جبری نسبندی، تعمیری وتعلیمی پروگرام، ارتدادی علاقوں میں مکاتب کا قیام، عصری تعلیمی اداروں کا قیام اور اس کے لیے جدوجہد، فرق باطلہ اور فرق ضالہ کا دفاع، فتنہ قادیانیت کی بیخ کنی کے لیے جدوجہد، دارالعلوم دیوبند اور دیگر عظیم مدارس اسلامیہ کی سرپرستی اور شوریٰ کی رکنیت، مسلک دیوبند اور اکابرین کی خدماتِ جلیلہ کا عالم اسلام میں تعارف، امارتِ شرعیہ، ادارۃ المباحث الفقھیہ کا قیام، تحریک اصلاحِ معاشرہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی، بیعت وارشاد، دعوت وتبلیغ وغیرہ وہ حسین اور زرّیں عنوانات ہیں جن پر ہم صرف تین عنوانات پر مختصر تفصیلات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ادارۃ المباحث الفقھیہ کا قیام:

اکابر واسلاف کی مقدس جماعت جمعیۃ علماء ہند نے حصولِ آزادی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی دینی اور مذہبی رہنمائی اور شرعی قیادت کا فریضہ ہمیشہ انجام دیا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے عہدیداران اور اکابر مرکزیہ میں روز اوّل سے ایسی سربرآوردہ اور مایہ ناز شخصیات شامل رہی ہیں جن کو اپنے دَور میں پیشوائی کا ممتاز مقام حاصل رہا ہے۔ اسی لیے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسہائے عام اور مجالس منتظمہ اور مجالس عاملہ کی پاس کردہ تجاویز کو بعض خاص حالات میں امت مسلمہ کی طرف سے مذہبی فتاویٰ کی حیثیت سے انقیاد اور قبولیت کا مقام حاصل ہوتا رہا ہے نیز تغیرات اور انقلابات زمانہ کے پیش نظر جدید پیش آمدہ شرعی مسائل کی تنقیح وتحقیق اور اجتماعی غوروفکر کے ذریعہ استنباطِ مسائل کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ۱۹۷۰ء میں مستقل ایک شعبہ ادارۃ المباحث الفقھیہ کے نام سے قائم کیا اور سیّد الملت حضرت مولانا مفتی سیّد محمد میاں صاحب دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ کو اس کا مدیر اور نگراں مقرر فرمایا۔ اس دَور میں رویت ہلال، حق تصنیف کی بیع اور کوآپریٹو سوسائٹیوں کے مسائل پر شرعی تحقیق اور تنقیح کا کام انجام پذیر ہوا۔ اوّل الذکر مسئلہ پر فقہی اجتماع بھی منعقد ہوا۔ موصوف تاحیات اس ادارہ کے مدیر اور سربراہ رہے۔ سیّد الملتؒ کے وصال کے بعد بھی کسی نہ کسی عنوان سے یہ جاری رہا۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں نفقۂ مُطلقہ کے مسئلہ پر علماء کانفرنس اس سلسلہ کی اہم کڑی تھی۔ پھر حضرت فدائے ملتؒ کی مسلسل تحریک اور جدوجہد سے ۱۹۹۰ء میں مجلس عاملہ نے اپنی اہم تجویز کے ذریعہ ادارۃ المباحث الفقھیہ کی نشأۃِ ثانیہ

اور جدید مسائل میں اجتماعی غور وفکر کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ چنانچہ اس سلسلہ کے فروری ۱۹۹۱ء سے اپریل ۲۰۰۵ء تک آٹھ فقہی اجتماعات منعقد ہو چکے ہیں جس میں ایک فقہی اجتماع مدراس میں اور ایک فقہی اجتماع بنگلور میں منعقد ہوا اور باقی اجتماعات شیخ الہند ہال دیوبند میں منعقد ہوئے۔ پہلا اجتماع ''غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں'' کے عنوان سے منعقد ہوا۔ دوسرا فقہی اجتماع ''اسلامی نظامِ قضا اور ہندوستان'' کے عنوان سے منعقد ہوا۔ ایک اہم فقہی اجتماع ایکسپورٹ، امپورٹ وغیرہ مسائل تجارت کے عنوان سے منعقد ہوا۔ اس طرح ایک فقہی اجتماع ''غیر اسلامی ممالک میں عقودِ فاسدہ کا شرعی حکم'' کے عنوان سے منعقد ہوا، نیز مسائل حج، رویت ہلال کمیٹی، طلاق سکران، مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل کا شرعی حکم، شیئرز کی خرید وفروخت اور ٹیلی ویژن کا شرعی حکم وغیرہ عنوانات پر فقہی اجتماعات منعقد ہوتے رہے ہیں۔ بعض اجتماعات میں ایک سے زیادہ مسائل بھی زیر غور رہے۔ آخری فقہی اجتماع جمعیۃ علماء کرناٹک کی دعوت پر شہر بنگلور میں ٹیلی ویژن کے عنوان سے منعقد ہوا۔ حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہٗ ہر اجتماع میں دلچسپی سے شرکت فرماتے تھے اور پوری کارروائی کو بغور سماعت فرماتے۔ نیز اربابِ افتاء اور محققین اہلِ علم کی بحث وتمحیص کو غور سے سنتے اور ہمیشہ اپنی رائے پر اصرار کرنے سے پرہیز کرتے تھے، اس آخری فقہی اجتماع میں حضرت فدائے ملتؒ کی دعوت خاصہ پر صاحبزادہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہٗ مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند بھی تشریف فرما ہوئے، ایک نشست کی صدارت بھی فرمائی اور اپنے تحریری مقالہ کی خواندگی بھی فرمائی۔ ہر فقہی اجتماع میں ملک کے مشہور اداروں کے اربابِ افتاء اور صاحبِ بصیرت علمائے کرام شرکت فرماتے رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مفتیانِ کرام اور اکابرین کا ہر اجتماع میں امتیازی اور کلیدی رول رہتا تھا اور انہی کی رائے اور فیصلہ کو آخری اور حتمی سمجھا جاتا ہے۔ انشاء اللہ حضرت فدائے ملتؒ کے وصال کے بعد بھی اس شعبہ کے ذریعہ سے جدید تحقیق طلب مسائل میں امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا جاتا رہے گا۔

تحریک اصلاح معاشرہ:

مذہب اسلام نے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات کے ساتھ اسلامی معاشرہ کی بھی تشکیل فرمائی ہے اور اس سلسلہ میں واضح ہدایات قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ ایمان وایقان، علم وعرفان، فکر ودانش، زہد وتقویٰ، شرافت وشجاعت، رحمت ورافت، انابت وللّٰہیت، تعاون و محبت، شرم وحیا، طہارت وپاکیزگی، خداترسی، خداجاہی، حق گوئی اور بیباکی، امن وسلامتی، جفاکشی وقناعت پسندی، صبر واستقامت، جرأت وہمت، آخرت طلبی، کشادہ دلی، فیاضی وفراخ دلی وغیرہ

اسلامی معاشرہ کی بنیادی قدریں ہیں اور شریعت میں واضح ہدایات کے ذریعہ مذکورہ اقدار کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن افسوس آج کے مسلم معاشرہ میں ان اقدار کی جھلکیاں مفقود ہیں۔ آج کا مسلم معاشرہ کھوکھلا اور بے جان ہو گیا ہے۔ اس کے رگ و ریشے میں آلائشات اور آلودگیاں پیوست ہوگئی ہیں، ایمانی اور اخلاقی زوال، عقیدے کی کمزوری اور مداہنت، اسلام کے بنیادی ارکان سے دوری اور دین سے بیزاری، ترکِ سنت اور غیر اسلامی معاشرت، جہالت، بخل، غربت اور افلاس غیر اسلامی رسم و رواج اور طرح طرح کے خرافات، شادی، بیاہ، ختنہ وغیرہ تقریبات میں خود نمائی اور فضول خرچی، حق تلفی، تنگ دلی، خود غرضی، عداوت، شقاوت، بغض، کینہ اور حسد، استہزاء، تمسخر، خود بینی اور خود ستائی، زر پرستی، دُنیا طلبی، رشوت ستانی، مفاد پرستی اور اقرباء پروری، عیش کوشی اور عیش پرستی، بے شرمی، بے حیائی، بے پردگی، بدامنی، انارکی، انتشار، نشہ خوری، شراب نوشی اور حیاسوزی، چوری، ڈاکہ، خونریزی اور رہزنی، جوا، سٹہ، لاٹری، ٹی وی، وی سی آر، سنیما بینی، فحش فلمی مناظر اور گانے، تلک و جہیز جیسی مذموم اور تباہ کن رسومات کی بڑھتی لعنت، گانجہ، بھنگ، افیم، اسمیک، چرس اور دیگر ہیجان انگیز منشیات اور اس کے علاوہ بے شمار عیوب و منکرات سے آج کا مسلم معاشرہ آلودہ اور بوجھل ہو چکا ہے۔ ایسے افسوسناک حالات میں جمعیۃ علماء ہند نے اپنے کل ہند اجتماع منعقدہ ۲۵-۲۶ / جنوری ۱۹۹۱ء میں مسلم معاشرہ کی بدحالی اور تشویشناک صورت حال پر پوری توجہ کے ساتھ غور کر کے ایک اہم قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا ہے کہ:

اس وقت مسلمان معاشرتی اور اخلاقی اعتباری سے جس انتہائی پستی کو پہنچ چکے ہیں وہ نا قابلِ بیان ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ ذلت کی اصل بنیاد یہی دین سے دوری ہے۔ ایسے ماحول میں مسلمان خاص طور سے علمائے کرام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی پوری طرح انجام دہی کریں۔ اس کے بعد اس قرارداد میں درج ذیل طریقے اپنانے کا مشورہ دیا گیا:

(الف) ہر بستی اور محلّہ میں اصلاحی کمیٹیاں قائم کر کے عوام کو دین کی طرف متوجہ کیا جائے۔ صوم و صلوٰۃ کے علاوہ آپس میں سلام کا رواج، صورت و سیرت کو اسلامی ڈھنگ میں ڈھالنے کی ترغیب اور گھروں میں دینی ماحول قائم کیا جائے۔ نیز موقع بہ موقع اصلاحی جلسے منعقد کیے جائیں۔

(ب) پردہ کی طرف خاص توجہ دی جائے۔

(ج) ٹیلی ویژن، سنیما بینی، وی سی آر اور دوسرے آلاتِ لہو ولعب سے بچنے کی تلقین کی جائے۔

(د) شادی، بیاہ، ختنہ وغیرہ میں اسراف بیجا اور تلک و جہیز کی ناجائز رسموں کے خلاف تحریک چلائی جائے۔

(ہ) مذکورہ امور کو استقلال اور اولوالعزمی کے ساتھ چلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔

(و) مسلمانوں میں کفایت شعاری کا چلن کم اور اسراف و خودنمائی کا جذبہ زیادہ ہے، جبکہ کفایت شعاری سے ہر ماہ وافر مقدار میں رقوم جمع کی جاسکتی ہیں، جن سے بڑے بڑے کام لیے جاسکتے ہیں اس لیے مسلمانوں میں کفایت شعاری کے چلن کو عام کیا جائے۔ اس سلسلہ میں جمعیۃ کی شاخوں کو پوری تندہی کے ساتھ کوشش کرنا چاہیے۔

اس قرار داد کی منظوری کے بعد حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ نے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر میں اصلاحِ معاشرہ کے نام سے ایک خصوصی شعبہ قائم کیا اور اصلاحِ معاشرہ کے کام کو مربوط کرنے کے لیے ایک ذمہ دار ناظم مقرر فرمایا اور مسلسل ہر سال اصلاحِ معاشرہ عشرہ کے نام سے مربوط پروگرام مرتب کیا جاتا ہے۔ ملک کے مشہور مدارس اسلامیہ کے علمائے کرام کو مدعو کرکے وفود کی شکل ملک کے کونے کونے، قریہ قریہ، شہر در شہر روانہ فرماتے تھے۔ الحمدللہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ، مدرسہ اعزازالعلوم ویٹ، مدرسہ امدادیہ مرادآباد، جامع الہدیٰ مرادآباد، مدرسہ خادم العلوم باغوں والی، مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ، مدرسہ حسینیہ جونپور، مدرسہ مطلع العلوم بنارس، دارالعلوم الاسلامیہ بستی، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ، مدرسہ نورالعلوم بہرائچ، دارالرشاد بارہ بنکی، مدرسہ باب العلوم جعفرآباد وغیرہ مدارس اسلامیہ کے اکابرین، ذمہ داران، علمائے کرام، اربابِ افتاء اصلاحِ معاشرہ کے عنوان سے منعقد پروگراموں میں خاص طور سے خطاب کرتے جس میں منکراتِ شرعیہ پر خاص طور سے متنبہ کیا جاتا تھا۔ حقوق کی ادائیگی، شرعی امور کی پاسداری، عبادات کی پابندی، احیاءِ سنت، سیرتِ رسول، سیرتِ صحابہ وغیرہ موضوعات پر بھی بھرپور توجہ دی جاتی تھی۔ حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ بھی بعض پروگراموں میں خاص طور سے شرکت فرماتے اور دیگر علمائے کرام جو اس اہم کام میں حصہ لیتے تھے اُن کی بھرپور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اسی طرح مرکزی دفتر سے اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر اصلاحی کتابچہ مرتب کرا کے شائع کرتے تھے۔ اصلاحِ معاشرہ کے پروگراموں سے عوام الناس کو بیحد فائدہ ہوا۔ الحمدللہ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور انشاءاللہ اس میں پیش رفت جاری رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو قبول فرمائے۔ (آمین!)

امارتِ شرعیہ کا قیام:

اسلام میں اجتماعیت اور تنظیم لازمی طور سے مطلوب ہے۔ افتراق اور تشتت ایتلاف و اجتماعیت کی ضد ہے، اس لیے اسلام اس کی مذمت کرتا ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو حیاتِ انفرادی سے سختی کے ساتھ روکتا ہے اور حیاتِ اجتماعی کا انتہائی اہتمام سے حکم دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس مضمون کی بکثرت نصوص موجود ہیں۔ اسلام کا اجتماعیت کا تصور امیر اور امام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کسی شخص کو امیر و امام منتخب کریں اور اس کی قیادت و سیادت میں اپنے ملّی امور کو انجام دیں۔ اسلامی ممالک میں امام اور امیر کے انتخاب کا مسئلہ کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے لیکن ہندوستان جیسے غیر اسلامی ممالک میں بھی فقہائے کرام کی تصریحات اور اکابرین امت کی تحریرات کی روشنی میں مسلمانوں پر اپنا امام اور امیر مقرر کرنا اور اس کی قیادت میں اسلامی اور شرعی زندگی گزارنا لازم اور ضروری ہے۔ محقق ابن الہمام اور صاحب بحر کی تصریحات اور ہندوستانی اکابرین میں سے مسند الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ، نواب صدیق حسن بھوپالی، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا سیّد سلیمان ندویؒ، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ، مرشدی فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ وغیرہم اکابرین وارباب افتاء کی تحریرات، فتاویٰ و آراء کی روشنی میں مسئلہ امارت انتہائی منقح اور واضح ہے۔ اسی لیے جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین ہندوستان میں نظام امارت کی تشکیل کے لیے برابر کوشاں رہے۔ چنانچہ مختلف مراحل پر امارت شرعیہ کی تشکیل اور تنظیم جماعت کی کوشش اور جدوجہد جاری رہی۔ بالآخر ۲۵-۲۶ رجون ۱۹۲۱ء کو پتھر کی مسجد پٹنہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں صوبہ بہار کے سو سے زیادہ علمائے کرام شریک تھے۔ اس اجلاس کی دوسری نشست میں بالاتفاق مولانا شاہ بدرالدین صاحب پھلوارویؒ کو امیر شریعت صوبہ بہار اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کو نائب امیر شریعت منتخب کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کی تاریخ میں باقاعدہ امارت شرعیہ کی تشکیل کا یہ پہلا مبارک دن تھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے چھ امراء شریعت صوبہ بہار میں جمعیۃ علماء ہند کی زیرنگرانی منتخب ہوچکے ہیں۔ اس کے بعد ایک دوسرے صوبے میں محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری کی تحریک پر مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت منتخب کیا گیا اور خود علامہ کشمیریؒ سب سے پہلے بیعت ہوئے۔ پھر بیعت عامہ منعقد

ہوئی لیکن کل ہند امارتِ شرعیہ کی تشکیل کا کام بسیار کوشش کے باوجود معرضِ التوا میں پڑا رہا اور جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داران، عہدیداران، اراکین کی توجہاتِ عالیہ اور مساعی جمیلہ برابر اس عظیم کام کے لیے کوشاں رہے۔ چنانچہ حضرت فدائے ملتؒ کی کوشش سے ستمبر ۱۹۸۶ء کو دفتر جمعیۃ علماء ہند میں علمائے کرام کا مخصوص اجتماع منعقد ہوا جس میں ڈھائی تین گھنٹہ کی بحث و تمحیص کے بعد صرف تین حضرات کے علاوہ تمام حضرات کی یہ رائے قائم ہوئی کہ حالاتِ حاضرہ میں نظامِ امارت کا قیام بیحد ضروری ہے۔ پھر مزید اطمینان کے لیے اس وقت کے ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند مولانا اسرار الحق قاسمی نے ملک کے سات صوبوں کا دورہ کر کے وہاں اہم علماء اور مقتدر اصحابِ رائے سے تبادلۂ خیال کیا۔ جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کا دیندار طبقہ نظامِ امارت شرعیہ کے قیام کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔ اس ابتدائی صلاح ومشورہ کے بعد کل ہند امیر شریعت کے انتخاب کا دعوت نامہ جاری کر دیا گیا اور ملک کے اہم ترین علمائے کرام کے علاوہ علومِ اسلامیہ کے مراکز اور تمام مسلم جماعتوں کے سربراہان کے نام دعوت نامے ارسال کیے گئے۔ دعوت نامہ کے مطابق ۲ر نومبر ۱۹۸۶ء کو صبح نو بجے مدنی ہال بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی میں یہ اجتماع منعقد ہوا جس میں چودہ صوبوں کے تین ہزار سے زیادہ نمائندگان شریک ہوئے۔ اجتماع میں علمائے کرام، مفتیانِ عظام، اربابِ تصنیف، عصری درسگاہوں کے لیکچرار اور پروفیسران، اسمبلی و پارلیمنٹ کے اراکین، ڈاکٹر، وکلاء، تجار وغیرہ ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے۔ اس اجتماع کو حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے خاص طور سے خطاب فرمایا۔ حضرت والا نے اپنے طویل خطاب میں امارت شرعیہ کے قیام اور امیر الہند کے انتخاب کی ضرورت کو انتہائی مؤثر اور مدلل انداز میں خاص طور سے بیان فرمایا اور اس سلسلہ کی ایک تجویز بھی پیش فرمائی۔ متعدد علمائے کرام نے اس تجویز کی تائید فرمائی۔ پھر حضرت فدائے ملتؒ نے امیر الہند کے منصبِ جلیل کے محدثِ کبیر ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا اسم گرامی پیش فرمایا، پورے اجتماع نے اس کو قبول فرمالیا اور انھیں امیر الہند منتخب کرلیا۔ پھر مولانا شاہ عون احمد صاحب قادریؒ نے نائب امیر الہند کے لیے حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا اسم گرامی پیش فرمایا اور شرکائے اجتماع نے باتفاق آراء حضرت فدائے ملتؒ کو نائب امیر الہند منتخب کرلیا۔ پھر امیر الہند مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی علالتِ طبع کی وجہ سے نائب امیر الہند مولانا سیّد اسعد مدنی کے دست مبارک پر بیعت عام منعقد ہوئی۔ پھر تمام ہی صوبوں میں امرائے شریعت کے انتخاب کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت فدائے ملتؒ کی سعی بلیغ اور جہدِ مسلسل کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس شرعی ضرورت کی تکمیل مقدر

فرمائی تھی جو بحمد اللہ پوری ہوئی۔

آج بھی کل ہند امارتِ شرعیہ کا نظام بحمد اللہ قائم ہے۔ پورے ملک میں محاکم شرعیہ کا نظام کل ہند امارتِ شرعیہ کے تحت قائم ہے۔ مرکزی رویت ہلال کمیٹی اور بیت المال کا نظام بھی قائم ہے۔ امیر الہند اوّل کے وصال کے بعد حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ' کو امیر الہند ثانی اور ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن مدظلہ' مہتمم دارالعلوم دیو بند کو امیر الہند ثالث منتخب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ امارتِ شرعیہ کے نظام کو قائم رکھے اور امت مسلمہ کے لیے اس کو مفید اور بارآور بنائے۔ (آمین)

یہ ہیں حضرت فدائے ملتؒ کے کارہائے نمایاں کے چند جلی عنوانات۔ ورنہ حضرت والا خود اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ اُن کی خدماتِ جلیلہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مجھ جیسے ہیچمدان کے لیے اُن کا احاطہ حد درجہ دشوار ہے:

ولیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

مورخہ ۶؍فروری ۲۰۰۶ء کو عزم و ہمت کا یہ کوہِ گراں اور آفتابِ عزیمت ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا:

خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

○○

□ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری
مجلس یادگارِ شیخ الاسلام، کراچی، پاکستان

جمعیۃ علماء ہند کا اقتصادی اور معاشی پروگرام

مولانا اسعد مدنیؒ کے دور پر ایک سرسری نظر

جمعیۃ علماء ہند براعظم ہند پاکستان کے علماء دین کی تنظیم ہے، اس کے بانی وہ علماء دین تھے جن کا ذوقِ خدمت مذہب وسیاست کے کسی ایک دائرے میں محدود نہ تھا، وہ جس طرح علوم ومعارف دینی میں گہری نظر رکھتے تھے، اسی طرح وقت کی سیاسیات اور اس کی رفتار کی گہری بصیرت اور حالات کے تقاضوں اور مسائل کا ادراک رکھتے تھے، جس طرح مذہب وسیاست میں ان کی نظر گہری تھی اسی طرح ان کی نظر میں وسعت اور عزائم میں بلندی بھی تھی، وہ ملک کے حدود میں مسلمانوں کی خدمت پر کمر بستہ نہیں ہوئے تھے، بلکہ عالم اسلامی کا کوئی خطہ ان کے دائرہ خدمت سے باہر نہ تھا، اور جب وہ براعظم پاک و ہند کے مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے عازم سفر ہو رہے تھے تو گویا انھوں نے اس خطے کی تمام غلام قوموں کو غلامی کے پنجے سے نجات دلانے کا عزم کیا تھا، بیسویں صدی کے آغاز میں یہ براعظم جس استعماری قوت کے پنجۂ استبداد کی گرفت میں تھا اس کی ستم رانیاں جنوب مشرقی ایشیا کے دور کے ممالک تک دراز تھیں، استعمار نے غلامی کی ایک ہی زنجیر سے سب کو جکڑ لیا تھا، اس عالم غلام آباد میں براعظم ہند پاکستان کو وہ اہمیت حاصل تھی کہ جب تک یہاں غلامی کی زنجیروں کو توڑا نہ جاتا تو ایشیا و افریقہ کے کسی ملک کی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ براعظم ہند پاکستان کی آزادی کے ساتھ ہی قریب و بعید کے ممالک کی زنجیر ٹوٹنی شروع ہوگئیں، اور ۱۹۴۷ء پر ابھی ربع صدی نہ گزری تھی کہ بیسیوں ممالک آزاد ہوگئے۔

جمعیۃ علماء ہند کے بزرگ جانتے تھے کہ ہندوستان کی آزادی ایشیا و افریقہ کے تمام غلام ملکوں کی آزادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی اور آزادی کے اس تصور اور جد وجہد ہی سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی تحریک کی کامیابی وابستہ ہے، مذہب وسیاست کی یہ جامعیت رہنماؤں کے فکر اور عزائم ہی

میں نہ تھی بلکہ جمعیۃ کے مقاصد کے حروف وسواد میں بھی نمایاں تھی۔

اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے ہمہ قسم کے دینی، تعلیمی، تہذیبی، معاشرتی اوران کے معاشی واقتصادی مسائل بھی جمعیۃ علماء ہند کے مقاصد اور اصلاح وترقی کے دائرے سے خارج نہ تھے، جمعیۃ علماء کے بزرگوں نے سیاسی تحریکات کے ہجوم اور اتحاد واتفاق کے پر جوش نعروں میں بھی اتحاد بین المسلمین، تنظیم مسلمانان، قیام ملت کے مساعیٔ حسنہ، مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح، اسلام کی تبلیغ، ارتداد کے سدِ باب، سنگٹھن کی تحریک کے رد، مسلمانوں کے تحفظ کی ضرورتوں سے کبھی نہ تو چشم پوشی کی نہ کوتاہیٔ عمل کا ثبوت دیا۔

جمعیۃ علماء ہند نے تحریک خلافت کے دور میں سیاسی خدمات کے میدان میں قدم رکھا تھا، اسی سلسلے میں ترک موالات کے پروگرام نے ملک کی رہنما قوتوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، اس کے بعد تحریکات کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جو ۱۹۴۷ء تک دراز ہوتا رہا اور دنیا جانتی ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں اور کارکنوں نے کس طرح سردھڑ کی بازی لگا کر ہر تحریک میں حصہ لیا، اور کیا کارنامے انجام دیے، لیکن میں یہاں مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کیلئے جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں پر روشنی ڈالوں گا۔

اس میدان میں جمعیۃ کی خدمات کے کئی دائرے ہیں:

(۱) پہلا دائرہ تو یہی ہے کہ جمعیۃ نے حصول آزادی سے پہلے ہی مسلمانوں کی معاشی امداد ورہنمائی کے لیے کئی اسکیمیں بنائی تھیں، اور فنڈ قائم کیے تھے، ان کا سلسلہ آزادی کے بعد نہ صرف قائم رہا بلکہ اس سلسلے میں بہت ترقی ہوئی۔

(۲) دوسرا دائرہ یہ تھا کہ آزادی کے بعد خصوصاً پسماندہ اقوام کی معاش کے قیام اور گھریلو دستکاریوں کے فروغ کے ذریعہ، معاشی واقتصادی امداد کی مختلف اسکیموں کے ذریعہ صنعت وحرفت کے فروغ کی اسکیموں، کمرشل انسٹی ٹیوٹس اور ٹریننگ سینٹر قائم کر کے معاشی بدحالی دور کرنے کے جو انتظامات حکومتوں نے کیے ان سے فائدہ اٹھانے کے لیے بے روزگاروں اور بدحالوں کی صحیح رہنمائی کرنا جمعیۃ کی خدمات کا بہت بڑا میدان رہا ہے، اور اس کا بہت فائدہ ہوا ہے۔

(۳) جمعیۃ کی خدمت تیسرا میدان یہ ہے کہ خود اس نے بہت سے ٹیکنیکل ادارے قائم کر کے اور مختلف دست کاریوں اور صنعتوں اور حرفتوں کے سیکھنے کے لیے سہولتیں پیدا کر کے اور بعض پیشوں کی تربیت کے انتظامات سے بے روزگاروں میں ایسی صلاحیتیں پیدا کردیں، جس سے مستفید ہو

کر ہزاروں معاشی بدحال اور بے روزگار اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بن گئے،
اس انتظام کے علاوہ جمعیۃ نے ضرورت مندوں کو تعلیمی وظائف کے اجرا اور چھوٹے
کاروباروں اور پیشوں کے آغاز کے لیے غیر سودی قرضے کے انتظامات کے سلسلے میں ایسے فنڈ
اور اسکیمیں جاری کیں جن سے بے روزگاروں کی معاشی بدحالی دور کرنے میں مدد ملی۔

اس طرح جمعیۃ نے اپنی کوششوں سے مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی بدحالی دور کرنے کی ایک مستقل تحریک پیدا کردی، جس سے ہزاروں لوگ فائدہ اٹھارہے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے دائرہ خدمت میں اس کے قیام کے ابتدائی دور ہی سے سیاسی، دینی اور اصلاح خدمات کے ساتھ عملی تعمیر کے بنیادی اور اہم کاموں میں مسلمانوں کی معاشی و اقتصادی حالات کو سدھارنے اور ان کی بدحالی کو دور کرنے کی طرف توجہ دی گئی تھی اور بعض اسکیموں کا جراء عمل میں آیا تھا لیکن ملک جن رستاخیز حالات سے گزر رہا تھا ان میں معاشی اور اقتصادی منصوبوں کی طرف پوری توجہ نہ دی جاسکی تھی، آزادی کے بعد اس مسئلے کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، اور اس پر توجہ دینا ناگزیر ہوگیا تھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ابھی حیات تھے، قدرت نے انہیں اس باب میں خاص ذوق اور گہری بصیرت ودیعت فرمائی تھی، حضرت علیہ الرحمہ کو احساس تھا کہ معاشی بدحالی صرف تن پیٹ کا مسئلہ ہی نہیں، بلکہ انسان کے اخلاق وتہذیب کو تباہ کردینے والا مہلک مرض ہے اور ایک اچھی سوسائٹی کی تعمیر کی راہ کا سنگ گراں ہے، حضرت نے اپنی زندگی میں معاشی واقتصادی حالات کی درستگی کے لیے تحریک کا آغاز کردیا تھا، اور جمعیۃ علماء ہند کے ارکان کو خاص طور پر متوجہ کردیا تھا۔

یہی معاشی تحریک اس مضمون میں خاک سار کا موضوع ہے، جانشین شیخ الاسلامؒ امیر الہند حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنیؒ کے دور میں اس تحریک کو خاصا فروغ حاصل ہوا اور اس کے فیضان سے ملت کی کھیتی سیراب ہوئی، اس تحریک کے حوالے سے ۱۹۷۶ء کو جمعیۃ کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس کی مجلس منتظمہ نے تفصیل کے ساتھ حالات کا جائزہ لے کر ایک مفصل اور جامع پروگرام مرتب کیا اور ان تمام امور کو نہ صرف دستور کا حصہ بنادیا بلکہ جمعیۃ کے ہر رکن پر لازم کردیا کہ وہ اپنے ذوق وصلاحیت کے مطابق پروگرام کے کسی جز کی تکمیل میں لازماً حصہ لے گا، یہ پروگرام چھ حصوں پر مشتمل ہے، ہم ان سے دنیاوی تعلیم، سماجی خدمات، اور اقتصادی پروگرام کی دفعات کو نقل کرتے ہیں، معاشی واقتصادی پروگرام کی تکمیل میں دنیاوی تعلیم کی نوعیت اور بنیادوں کو خاص اہمیت حاصل ہے، پروگرام ملاحظہ کیجیے۔

دنیاوی تعلیم

الف: ابتدائی بنیادی تعلیم میں دینی اور دنیاوی دونوں مضامین کا انتظام کرنا۔
ب: اسکول اور کالج قائم کرنا اور ان میں مذہبی اور ٹیکنیکل تعلیم کا بھی بندوبست کرنا۔
ج: طلبہ کے لیے تعلیمی وظائف فراہم کرنا۔
د: ٹریننگ سینٹر یا کیمپ کھول کر اساتذہ کو طریقۂ تعلیم اور اصول تربیت سکھانا۔

طریقۂ کار

(۱) ہر ریاست میں مادری زبان کو ذریعہ تعلیم مان کر ابتدائی تعلیم کا ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو دینی اور دنیاوی مضامین کو درجہ وار شامل ہو۔
(۲) ہر بڑی آبادی میں درجۂ پنجم تک مکاتب اسلامیہ چلائے جائیں اور سرکاری معیار کے مطابق تعلیم دی جائے۔
(۳) اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے بچوں اور بچیوں کے لیے جز وقتی شبینہ یا صباحی مکتب قائم جائیں، اور ان کے صرف دینی مضامین کا مختصر نصاب بنایا جائے۔
(۴) تعلیم بالغان کا بندوبست کر کے لوگوں کو مادری زبان لکھنا پڑھنا اور اسلامی عقائد و مسائل سکھائے جائیں۔
(۵) بڑی آبادیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے اسکول اور کالج قائم کر کے علم و ہنر کو عام کیا جائے اور ان میں مذہبی و اخلاق مضامین کو بھی لازمی بنایا جائے، نیز ان میں فنی تعلیم و تربیت کے سینٹر کھول کر نوجوانوں کو فنکار اور ہنر مند بنانے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور ترغیب دی جائے۔
(۶) تعلیمی فنڈ قائم کر کے ہونہار طلباء کو وظیفے دیے جائیں، یا اوقاف اور اہل خیر حضرات سے شخصی وظائف دلائے جائیں۔

سماجی خدمات

الف: مختلف مذہبی فرقے کے لوگوں کو مشترکہ اجتماع کرنا۔
ب: شرعی پنچایت قائم کر کے خاندانی تنازعات کو ختم کرانا۔
ج: شہری ضروریات کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرنا۔
د: مزدوروں، کسانوں، اور پس ماندہ لوگوں کی خدمت کرنا۔
ہ: یتیموں، بیواؤں، مجبوروں لوگوں اور غریب لڑکیوں کی شادی کرانے میں مدد کرنا۔
و: فضول رسم و رواج اور اسراف بیجا کی اصلاح کے لیے اجتماعی جدوجہد کرنا۔

طریقۂ کار

(۱) مشترکہ اجتماعات وہی حضرات بلائیں جو مختلف فرقوں کے لوگوں میں رسوخ رکھتے ہوں اور اس اجتماع میں ایسے ہی مسائل لائے جائیں، جو مختلف فرقوں کی دلچسپی کے ہوں اور ان کو باہم قریب کرسکیں، مثلاً اخلاق، تعلیم، چھوت، چھات، اونچ نیچ، علاقائی ترقی، سماجی سدھار وغیرہ۔

(۲) شرعی پنچایت (مطلوبہ ضابطے) کے مطابق زن وشوہر کے باہمی تنازعات کو شریعت کی روشنی میں طے کراکے خاندانی کشیدگی کم کرانے کی کوشش کی جائے۔

(۳) کسی آبادی کی عام ضرورتوں میں بلا اختلاف مذہب وملت اور بلا لحاظ ذات پات سب کی ضرورتوں میں کام آئیں، بالخصوص سیلاب، آتش زدگی، وبائی امراض وغیرہ میں سب کی خدمت کی جائے۔

(۴) تلک، شادی اور بارات کی فضول خرچیاں، بیواؤں کی شادی نہ کرنا، پیدائش یا موت کے غلط قسم کے رواج وغیرہ کے خلاف رائے عامہ اتنی بیداری کی جائے کہ اجتماعی شکلوں میں یا رضا کارانہ طور پر کسی رسم ورواج کو چھوڑ دینا آسان ہوجائے۔

(۵) ایسے سینٹر کھولے جائیں جہاں مختلف فرقوں کے بچے اور نوجوان مل جل کر صحت وقوت کے لیے کھیل کود یا ورزش میں حصہ لے سکیں۔

اقتصادی پروگرام

الف: مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔

ب: کارپوریشن یا کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعہ کاروبار کو فروغ دینا۔

ج: گھریلو دست کاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

طریقۂ کار

(۱) مسلم فنڈ ان اصولوں اور ضابطوں سے چلایا جائے جن کا تجربہ مختلف مقامات پر کامیاب رہا ہے، تاکہ ضرورت مند سود کی لعنت سے نجات پائے اور عام لوگ مالی بچت کے عادی ہوجائیں جس سے ان کا اور ان کے بچوں کا مستقبل سرسبز ہوسکے۔

(۲) الف: امدادی فنڈ قائم کیے جائیں، اس کے لیے باہمی اعتماد کے سات یا نو اشخاص کو بنیادی ممبر بنا کر متفقہ طور سے فنڈ کا کوئی ناظم منتخب کیا جائے اور ہر سہ ماہی پر پورے حساب و کتاب کی جانچ کی جائے اور مشورے دیے جائیں۔

ب: ذرائع آمدنی حسب ذیل ہو سکتے ہیں مثلاً:

۱. ماہانہ فیس ممبری

۲. عطیہ

۳. امانت

۴. فصل یا سیزن یا تہوار یا شادی کے موقع پر کیے ہوئے ہنگامی چندے۔

۵. زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی اور صدقہ۔

۶. فنڈ کا دستور العمل فارم درخواست وغیرہ کا غذات کی قیمتیں۔

ج: پورا سرمایہ مثلاً حسب ذیل مدوں میں اس طرح بھی صرف کیا جاسکتا ہے:

۱. دس فیصدی سے یتیموں، بیواؤں اور معذور لوگوں کی امداد۔

۲. بیس فیصدی سے مدارس، اسکول، دارالمطالعہ اور صنعتی اداروں کی امداد۔

۳. پانچ فیصدی سے غریب لڑکیوں کی شادی میں امداد۔

۴. پانچ فیصدی سے مسجد، مسافر خانہ یا ہسپتال کی مرمت، تعمیر یا ترقی۔

۵. دس فیصدی سے نادار طلبہ کی تعلیمی امداد یا وظیفے۔

۶. چار فیصدی سے لاوارث میت بے چارہ مسافر کی اعانت۔

۷. چھ فیصدی سے دینی، اخلاقی اور اصلاحی لٹریچر کی ترتیب واشاعت۔

۸. پچیس فیصدی سے زیور یا قیمتی سامان کی ضمانت پر بلاسود قرض۔

۹. پندرہ فیصدی سے دفتری نظم وضبط قائم کرنا اور اس کو چلانا۔

(۳) تاجر یا صنعت کار یا پیشہ ور لوگوں پر مشتمل ایسا مالی کارپوریشن بنایا جائے جو مقامی کاروبار اور تجارت وغیرہ کو اجتماعی کوششوں سے فروغ دے یا اسے کنٹرول کرے، جہاں جہاں ضرورت ہو وہاں اپنی نگرانی میں مناسب انتظام کرائے۔

(۴) جہاں گھریلو صنعتوں یا چھوٹی دستکاریوں کا رواج ہو یا آسانی سے چل سکتی ہوں وہاں امداد باہمی کی سوسائٹی قائم کر کے ان کاموں کو ترقی دی جائے، ان کی سرپرستی کی جائے اور ان میں غریب اور پسماندہ لوگوں کو کام سکھانے کی کوشش کی جائے، مثلاً موم بتی، اگربتی، صابن، لفافے، موزے، بنیان، اور سوئٹر وغیرہ۔

(۵) بے روزگار، مردوں اور عورتوں اور لڑکوں کیلئے سینٹرل کھول کر ان کو سلائی، رنگائی وغیرہ یا لوہے، لکڑی کے مختلف کام یا سائیکل، موٹر اور ریڈیو وغیرہا کی مرمت کے ہنر سکھائے

جائیں، پھر سیکھنے والوں اور فن کاروں کو بھی سوسائٹی کے منافع سے ایک حصہ دیا جائے۔

(۲) ہنرمند لوگوں کو آسان قسطوں پر کچا مال فراہم کرکے انہیں بازار سے کسی مناسب کاروبار میں مشغول کر دیا جائے، اور انہیں خود کفیل بنانے کی سعادت حاصل کی جائے۔

اب ۱۹۵۶ء سے ۱۹۷۶ء تک جمعیۃ کی بیس سالہ جدوجہد پر ایک نظر واپسیں ڈال لیجیے کہ جمعیۃ کے ہر صدر نے اپنے دور میں مسلمانوں کے سماجی اور معاشی واقتصادی مسائل کو کتنی اہمیت دی اور بہ طور ہدف کے ان مسائل کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔

(۱) ۱۹۵۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کا انیسواں اور آخری اجلاس عام جو شیخ الاسلامؒ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے زیر صدارت سورت میں منعقد ہوا تھا، اس اجلاس میں مسلمانوں کے اقتصادی مسائل سے متعلق ایک تجویز منظور کی گئی، جس کے ذریعہ ہندوستان میں ملت کے تمام افراد اور طبقات کو اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کے لیے حکومت کی ترقیاتی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے پر متوجہ کیا گیا، یہ تجوی اجلاس کی آخری نشست ۲۹/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ساڑھے تین بجے شام مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے پیش کی تھی، اس آخری نشست کی صدارت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کر رہے تھے، بحث ومباحثے کے بعد حسب ذیل الفاظ میں بالاتفاق منظور کی گئی۔

''وطن عزیز کے وہ ترقیاتی منصوبے جن کا پہلا پنج سالہ دور ختم ہوکر دوسرا پنج سالہ دور شروع ہوگیا ہے، ان کے ذریعے ملک نے جو ترقی اب تک اور آئندہ کے لیے جو بہتر توقعات کی راہیں کھلیں وہ ملک کے ہر باشندے کے لیے باعث مسرت واطمینان ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کو یقین ہے کہ ان تعمیری منصوبوں کی راہ میں مسلمان اپنی وسیع آبادی اپنے جذبہ حب الوطنی اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت اہم پارٹ ادا کر سکتے ہیں، بالخصوص مختلف فنون اور دستکاریوں اور گھریلو صنعتوں میں ان کی مہارت آج بھی مسلم ہے، یہ افسوسناک بات ہے کہ بہت سے مسلمان اب تک اپنی ناواقفیت کے باعث ان تجویزوں اور منصوبوں سے بڑی حد تک بے گانہ ہیں ان کی اس بے گانگی اور ناواقفیت سے قدرتی طور پر ایک طرف ملکی تعمیر وترقی کی رفتار میں فرق آ رہا ہے اور دوسری طرف خود ان پر قلت سرمایہ اور احساس کم تری سے مایوسانہ کیفیت طاری ہے، جس کے نتیجہ میں وہ ان منصوبوں کے ثمرات وفوائد سے محروم ہیں، جو ان کی اقتصادی پس ماندگی کے لیے بھی مداوا ثابت ہوتے۔

ان حالات میں جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس پوری اہمیت اور بصیرت کے ساتھ اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ ہندوستان میں ملت کے تمام افراد اور طبقات کو اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کے

لیے تعمیری کام کرنے پر آمادہ کیا جائے، اور جمعیۃ کے تمام ارکان پر زور دیا دیتا ہے کہ ملک کے پہلے پنج سالہ پلان کے نتائج اور دوسرے پنج سالہ پلان کے فوائد کا غور سے مطالعہ کریں تاکہ ان کی روشنی میں ہر جگہ ترقی وخوش حالی کے پروگرام بنائے جا سکیں''۔

(۲) جمعیۃ علماء ہند کا اکیسواں اجلاس عام میرٹھ میں شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدینؒ کی صدارت میں ۱۹۶۳ء میں منعقد ہوا تھا اجلاس کی ایک تجویز میں کہا گیا تھا:

''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام ترقیاتی منصوبوں کے متعلق اجلاس سورت اور اجلاس اجین کی قراردادوں کی یاد دہانی کراتے ہوئے ملت کے تمام افراد اور طبقات کے لیے یہ ضروری سمجھتا ہے کہ وہ جزوی بحثوں اور الجھنوں سے بالاتر ہوکر تعمیری جد وجہد میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں اور جمعیۃ علماء کے تمام ارکان اور معاونین پر زور دیتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر ایسی صورتیں اختیار کریں کہ مسلمان تعمیری جد و جہد میں بھرپور حصہ لیں سکیں، جس سے وطنی اور ملکی مقاصد بھی پورے ہوں اور خود مسلمان بھی ملک کی منصوبہ بندی میں معاشی اور اقتصادی ترقی سے بہرہ اندوز اور فیض یاب ہوسکیں''۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اسی اجلاس میں ملت کی تعمیری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی پوری جماعتی طاقت صرف کرنے کا فیصلہ کیا، اور تعمیری پروگرام کا ابتدائی خاکہ پیش کیا، جو درج ذیل ہے:

الف: صنعتی اسکول یا صنعتی ادارہ قائم کیا جائے، جہاں دینی تعلیم وتربیت بھی ہوتی رہے۔

ب: ہوسٹل یا دار الاقامہ قائم کیا جائے جہاں سرکاری اسکولوں میں تعلیم پانے والے نوجوان قیام کریں اور کسی تجربہ کار نگران ومربی کی نگرانی میں علمی ذوق کے ساتھ دینی اور مذہبی زندگی کے عادی بھی بنتے رہیں۔

د: مسلم مسافر خانے قائم کیے جائیں۔

ہ: گھریلو صنعتوں کو عام کیا جائے۔

و: طبیہ کالج قائم کیے جائیں۔

ز: دینی حلقے بنائے جائیں۔

(۳) جمعیۃ علماء ہند کا تیئیسواں اجلاس عام ۱۹۷۳ء میں بہ مقام دہلی مولانا عبدالوہاب آروی صاحبؒ کی صدارت میں منعقد ہوا، اجلاس کی ایک قرارداد میں دینی، معاشی اور سماجی ترقی کے کاموں میں

حصہ لینے کی مسلمانوں سے اپیل کی قراردادوں میں کہا گیا کہ:

۱. ملکی اور غیر ملکی تجارت میں زیادہ حصہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

۲. اپنی توجہ کو صرف ملازمتوں تک محدود نہ رکھیں بلکہ دستکاریوں، چھوٹی بڑی صنعتوں کے فروغ میں نمایاں حصہ لیں، اور کوآپریٹو اداروں کی تشکیل کر کے اپنے مسائل حل کریں۔

۳. سرکاری اداروں سے ملنے والی سہولتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں، اور اگر اس سلسلے میں امتیازی سلوک اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تو جمہوری اور سیکولر قوتوں کے ساتھ مل کر اس فضا کو بدلنے کی کوشش کریں۔

۴. ایک ایسا مرکز قائم کریں جو مندرجہ بالا مقاصد کی تکمیل کے لیے معاون ہو۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام یقین رکھتا ہے کہ اگر مسلمان اسلام کی اخلاقی قدروں کو اپنا کر اپنی مہارت اور دیانت داری سے صنعت وتجارت کے میدان میں اپنے ہم وطنوں کا اعتماد حاصل کرلیں کے تو ملک وملت کی اہم خدمات انجام دے کر اپنے درخشاں مستقبل کی تعمیر کرسکیں گے۔

(۴) ۱۹۷۶ء میں امیر الہند مولانا اسعد مدنیؒ کی صدارت میں جمعیۃ کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ میرٹھ میں منعقد ہوا، اس جلسے میں مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی، سماجی، دینی اور معاشرتی تعمیر وترقی کے لیے ایک مربوط اور منظّم ومنصوبہ پیش کیا، اس کے لیے ایک پروگرام بنایا اور اس کو دستور اساسی جمعیۃ علماء ہند کا باقاعدہ ایک حصہ بھی قرار دیا، اس تعمیری پروگرام میں ''اقتصادی حلقہ'' ایک مستقل عنوان ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ:

الف: مسلم فنڈ یا امدادی فنڈ قائم کرنا اور اسے چلانا۔

ب: کارپوریشن یا کوآپریٹو سوسائٹی کے ذریعہ کاروبار کو فروغ دینا۔

ج: گھریلو دستکاریوں اور چھوٹی صنعتوں کو رواج دینا۔

بحمداللہ مسلم فنڈ کا نظام توقع سے زیادہ کامیاب اور مفید ثابت ہورہا ہے

اس وقت ملک بھر میں اس کی ڈھائی سو سے زیادہ شاخیں کام کررہی ہیں، اور ضرورت مند حضرات اس نظام سے فیض یاب ہورہے ہیں۔

(۵) حضرت امیر الہندؒ کے دور میں جمعیۃ علماء ہند کا ایک کل ہند اجتماع دہلی میں منعقد ہوا، اس میں ملک کی معاشی صورت حال کا تفصیل جائزہ لیا گای اور غور وفکر کے بعد ایک اہم قرارداد اس سلسلے میں منظور کی گئی، جس میں کہا گیا کہ:

جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام منعقدہ یہ کل ہند اجتماع اس تلخ حقیقت کو شدت سے محسوس کرتا

ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ زندگی کے دوسرے شعبوں میں امتیاز برتا جاتا ہے، اسی طرح اقتصادی امور میں ان کی حق تلفی کی جاتی ہے۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمان خود بھی اپنے اقتصادی حالات سدھارنے اور ترقی کرنے سے دلچسپی نہیں رکھتے، مسلمان لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں، اقتصادیات کے فرسودہ طریقوں پر عمل پیرا ہیں اس لیے نہ وہ بڑے صنعت کار ہوتے ہیں اور نہ بڑے تاجر بن سکتے ہیں۔ حکومت عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے بہت سی فلاح اسکیمیں جاری کرتی رہتی ہیں، لیکن مسلمان ان اسکیموں سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے اور نہ اس سلسلے میں ان کو اس بات کا علم ہے کہ وہ ان اسکیموں سے کس طرح فیض یاب ہوسکتے ہیں، قومی بینکوں نے بھی عوام کو خود روزگار بنانے کے لیے بہت سے منصوبے بنائے ہیں ان منصوبوں پر عمل درآمد بھی ہورہا ہے، مگر مسلمان ان منصوبوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

یہ کل ہند اجتماع مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ اقتصادیات میں لکیر کے فقیر نہ بنیں اور حکومت کی فلاحی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کے علاوہ جدید طریقے اختیار کریں تاکہ مسلمان اقتصادی طور پر مضبوط ہوں اور ان کی فلاکت دور ہو، جسے ام الجرائم کہا گیا ہے۔

مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بہت سے خوش حال مسلمان اپنی تن آسانی کی وجہ سے اپنی پس انداز رقومات بینکوں میں جمع کرنے کے بجائے صنعتیں لگائیں تو خود ان کو بھی فائدہ ہوگا اور ترقی کی نت نئی راہیں کھلیں گی، بلکہ مسلمانوں کی بے روزگاری بھی دور ہوگی۔

○○

❑ حسیب صدیقی
منیجر مسلم فنڈ، دیوبند

برصغیر میں بلاسودی اقتصادی نظام کے پہلے علمبردار

مولانا سید اسعد مدنیؒ

اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی محبوب بندے سے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام لینا چاہتے ہیں تو اس کے قلب میں اس مخصوص جذبے کو موجزن فرماتے ہیں، اور پھر وہ خدمت خلق کا پیکر بن کر اٹھتا ہے، اور اپنی قوم کی خبر گیری صلاح وفلاح کے لیے کمر بستہ ہوتا ہے، برصغیر ہند و پاک میں بھی ایک ایسا ہی پیکر دنیا کی نظروں نے دیکھا ہے جس کو مالک حقیقی نے خدمت خلق کے لیے منتخب فرمایا، اس پیکر ہمت اور حوصلہ مند شخص کا نام نامی حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ہے، دنیا جس کو خوب جانتی ہے، ان کی عظمت و رفعت اور بے مثال جذبہ خدمت خلق کو ہم سلام کرتے ہیں۔

دیوبند، یوں تو مدینۃ العلوم سے بھی معنون ہے اس کی مٹی سے علم وعرفان کی خوشبو پھوٹتی ہے، اس سرزمین پر قابل فخر اور مایہ ناز شخصیتوں نے اپنے علم وفضل اور رشد وہدایت کے چشمۂ فیض سے دنیا کے انسانوں کو خوب خوب سیراب کیا اور اپنی علمی و روحانی رشد و ہدایت کی شمع لے کر جگہ جگہ روشنی اور نور کی بارشیں برسائیں اور اپنے فکر وعمل سے اللہ کی مخلوق کی خدمت کا حق ادا کر کے سنت نبویؐ کی پیروی کرتے ہوئے اپنی جانوں کو آسودۂ خاک ہونے تک سرگرم عمل رکھا، انہیں عظیم ہستیوں میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ، جانشین اور جگر گوشہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا سرفہرست ہے، اس مجاہد ذی ہوش نے اللہ کی رضا کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، اللہ کے علاوہ کسی کی ناراضگی کی کبھی پرواہ نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ اس شخصیت کے کاموں اور کارناموں اور خدمت خلق کا عزم ۱۹۶۱ء میں کرلیا تھا، یہ میرا فیصلہ ہی نہیں تھا بلکہ اس گھر سے جو عقیدت ومحبت اور لگاؤ کا سلسلہ میرے والد بزرگوار جناب عزیز صاحبؒ پیشکار شعبۂ تعلیمات دار العلوم دیوبند نے میرے سپرد کیا تھا اس کو میں ۴۴ سال سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہوں۔

مولانا اسعد مدنیؒ میرے محسن اور سرپرست ہی نہیں تھے بلکہ انہوں نے میری ذہنی تربیت

میں ایسی چنگاری ڈال دی تھی کہ جس سے میں آج اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ میں روشنی اور بصیرت حاصل کرتا ہوں، اور اس کی توانائی سے اپنی زندگی کے سفر کو پورا کر رہا ہوں۔

میرے والد محترم جناب محمد عزیز صاحب مرحوم دارالعلوم کے شعبۂ تعلیمات سے وابستہ تھے، اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اس شعبہ کے صدر اور سربراہ تھے، اس لیے والد صاحب کی عقیدت اور محبت حیرت کے ساتھ غیر معمولی طور میں محسوس کرتا تھا، وہ جب بھی گھر میں ہم دونوں بھائیوں کو لے کر بیٹھتے تو حضرت مدنیؒ کا ذکر اور ان کی مجاہدانہ زندگی کی جد وجہد اور سفر وحضر کے بیشمار واقعات اور بہت سی خوبیاں وہ ہمارے سامنے رکھتے تب ہی سے میرے دل میں ایک عجیب جذبہ واحساس پرورش پاتا رہا، والد صاحب ایک روز فرمانے لگے، کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ ہمیشہ مقروض رہتے تھے، وہ اپنی تنخواہ میں گذر بسر کرتے اور سال میں جتنے دن سبق پڑھاتے اتنے ہی دنوں کی تنخواہ لیتے ہیں، اس کے ساتھ مہمان نوازی بھی کرتے، کبھی دستر خوان پر بیٹھے لوگوں کو دیکھو امیر وغریب اور شہری و دیہاتی سب ایک پلیٹ میں حضرت کے ساتھ کھانا کھاتے نظر آتے ہیں، زندگی میں ایسی ہی سادگی کو اختیار کرنا چاہئے، فرمانے لگے کہ حسیب! تمہیں تو یاد نہیں میں نے تمہیں حضرت کے سامنے بیٹھا کر حضرت سے تمہاری ''بسم اللہ'' کرائی تھی، اس طرح تمہاری دینی تعلیم کی شروعات میں نے حضرت مدنیؒ سے کرائی تھی، اور میں ایک روپیہ کی مٹھائی لے کر حضرت کی خدمت میں گیا تھا، جب تم اٹھنے لگے تو حضرت نے اپنی اچکن کی جیبوں میں انگلیاں ڈالیں تو کاغذوں کے بیچ میں ایک روپیہ نکل آیا، یہ روپیہ تمہیں دے کر حضرت نے دعا کرائی جو حاضر مجلس تھے ان کو مٹھائی تقسیم کی، یہ بھی فرماتے تھے کہ: حسیب! اس روپیہ کو میں اپنی تنخواہ کے روپیوں کے ساتھ الگ سے کاغذ میں لپیٹ کر رکھتا ہوں، اور اسی روپیہ کی برکت سے میری ۲۵ روپیہ کی تنخواہ میں سارا مہینہ آرام سے گذر جاتا تھا، اور اس کے بعد مجھے کبھی تنگی کا احساس ہی نہیں ہوا، یہ ہوتی ہے اللہ والوں سے محبت اور ان کے قریب سے حاصل ہونے والی برکتیں، حضرت مدنیؒ اور دارالعلوم دیوبند سے میرا گہرا رشتہ ہے، میں فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کی کتابیں پڑھتا ہوا دورۂ حدیث کی جماعت میں آ گیا اور دورۂ حدیث میں حضرتؒ نے میرے ساتھ میرے والد کی وجہ سے ایک خاص معاملہ یہ فرمایا کہ مجھے اپنے بالکل برابر میں بیٹھنے کی اجازت دیدی اور پورے سال میں حضرت کے قدموں میں بیٹھ کر بخاری شریف کے درس میں شریک ہوتا رہا۔

میرے اس تعلق کے جذبہ نے مجھے مولانا سید اسعد مدنیؒ کے قریب آنے کا موقع دیا اور حضرت کی نظر انتخاب بھی مجھ پر پڑی، ایک روز مولانا اسعد مدنیؒ شعبہ محاسبی دارالعلوم میں مولانا

عبدالواحد ناظم شعبۂ محاسبی کے پاس آئے اور فرمایا کہ میٹنگ کی کارروائی آپ نے دیکھ لی ہے؟ آپ رامپور ٹانڈہ بادلی کا سفر کریں اور وہاں پر جا کر دیکھیں کہ حضرت مدنیؒ نے ایک طریقۂ کار ''بلاسودی'' نظام کا قیام کیا تھا، وہ کس حال میں ہے، چنانچہ فرمائش کی تکمیل کرتے ہوئے مولانا عبدالواحد صاحبؒ ٹانڈہ بادلی (رامپور اسٹیٹ) کا سفر کر کے لوٹ آئے اور حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو وہاں کے ادارہ کے حالات بتائے اور کچھ نمونہ کے کاغذات دکھلائے مولاناؒ نے فرمایا اس کو جلدی شروع کردو، دارالحدیث کی میٹنگ کی کارروائی کو رجسٹر میں قلم بند کرایا، اور مولانا عبدالواحد ناظم شعبہ محاسبی کو اس ادارہ (مسلم فنڈ) کا ذمہ دار قرار دیا، اور سید محمد شفیع جو شعبہ محاسبی میں تحویلدار تھے، ان کو خزانچی مقرر کیا، چونکہ میں بھی شریک کار تھا چنانچہ تمام کاغذات جو اسٹیشنری کی شکل میں تھے تیار کرانے کی ذمہ داری دی اور مبلغ ۱۰۰ا روپیہ کی رقم جو چندہ کے طور پر جمع ہوئی تھی، ادارہ کی تمام ذمہ داریوں کے ساتھ دیدی گئیں، جس سے دفتری نظام کے لیے ضروری رجسٹر اور کاغذات چھپوائے گئے، مولانا اسعد مدنیؒ نے دارالحدیث میں جو میٹنگ منعقد کی تھی اس میں شہر کے ذمہ داروں میں مولانا راشد حسن عثمانی، مولانا محمد عثمان صاحب چیرمین نگر پالیکا، جناب حنیف صاحب ایڈوکیٹ اور جناب محمد سلیم صاحب ایڈوکیٹ کے علاوہ مولانا شوکت علی خاں (بھٹے والے) اور بابو عبد اللطیف نگراں وقف عظمت مظفر نگر موجود تھے، ان ہی افراد پر مشتمل مجلس میں ایک کمیٹی تشکیل کی گئی، اور دستور اساسی کی ترتیب اور نام تجویز کرنے پر غور کیا گیا، جناب سلیم صاحب ایڈوکیٹ نے مسلم فنڈ کا نام رکھنے کی تجویز پیش کی جس کی اراکین مجلس نے منظور کر لیا، اور اس ادارہ کا صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو منتخب کیا گیا، اور وہی اس ادارے کے پہلے صدر منتخب ہوئے، بعد میں قاری صاحبؒ نے اپنی گوناگوں مصروفیت کے عمل سے استعفیٰ دے دیا، جس کو کمیٹی نے منظور کرتے ہوئے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو سرپرست اعلیٰ اور صدر مسلم فنڈ کے عہدہ کی ذمہ داری قبول کرنے کی گذارش کی، اس موقع پر مولانا نے مسلمانوں کی پسماندگی اور سودی لین دین کی دلدوز داستان سنا کر مسلمانوں کو اس سے محفوظ کرنے کے لیے اپنے جذبۂ اخلاص کا اظہار فرمایا اس ادارہ کو چلانے کے لیے دیوبند کی سرزمین کا انتخاب منجانب اللہ تھا، اس سرزمین پر اگر ایک طرف علم دین کی شمع روشن ہو کر ساری دنیا کو منور کر رہی تھی تو دوسری طرف پہلی مرتبہ ہندوستان میں بلا سودی اقتصادی نظام کے عمل کے آغاز اور نقش اول بھی اسی قصبہ سے رونما ہوا تھا، اس سے قبل کسی جگہ بھی عمل کی صورت میں ایسا اقتصادی ''بلاسودی نظام'' دیکھنے میں نہیں آیا تھا، چنانچہ مسلمانوں کی اقتصادی ومعاشی تنگدستیوں کا ازالہ کرنے کے لیے مولانا سید اسعد مدنیؒ نے ایک کمزور سا پودا

خدمت خلق کے جذبہ سے لگانے کی مخلصانہ کوشش کی تھی، اور احقر نے بھی اپنے ناتواں کاندھوں پر اس ادارہ کو چلانے اور وسعت دینے اور خوب سے خوب تر کرنے کی ذمہ داریاں قبول کیں، چنانچہ اس کمزور پودے کی آبیاری کرتے کرتے اس کے تناور درخت بننے اور اس سے امت محمدیہ کی بے لوث خدمت کرنے کا پھل ایسا ملا کہ لوگ حیرت زدہ ہیں اور آج چوالیس سال کا سفر اس ادارہ کی زندگی کا کامیاب سفر ہے، اس تحریک سے ملک کے مختلف حصوں میں اس طرح کے ادارے اپنے وجود کا ثبوت اپنی خدمات کے ذریعہ دے رہے ہیں، اور عوام کے دلوں میں اتر کر کام کر رہے ہیں پورے ملک کو اس عمل سے بلاسودی نظام کو برپا کرنے میں ایک راحت ہی نہیں ملی بلکہ مسلمانوں نے اپنے کاروبار کی مضبوطی اور روزانہ زندگی میں پیش آنے والی ضرورتوں میں توانائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اعتماد سے بھرپور زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھ لیا ہے اب وہ مہاجنی شکنجوں سے آزاد اپنے کاروبار اور اپنی دوکانوں کی ترقی اور فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں اس لمبے عرصے میں مسلم فنڈ نے بلاتفریق مذہب اور انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے -/32,10,08,384 روپے قرض بلاسود دے کر عملی نمونہ پیش کیا ہے۔

اس طویل اور لمبی مدت میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی زیر صدارت وسرپرستی سے چلنے والے اس مثالی ادارے نے کی کا زیور نہیں بیچا اور نہ ہی کسی طرح کی عملی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، کمزور مسلمان اور غریب ہندو مسلم کسان، مزدور جن کے گھر محفوظ نہیں ہیں اور نہ ان کے پاس اپنے خون پسینے کی کمائی کو محفوظ رکھنے کا انتظام ہے یہ وہ طبقہ ہے جس کی رسائی بینکوں تک ممکن نہیں ہے، یہ بے پڑھا طبقہ اپنی کمائی کو محفوظ کرنے کے لیے کبھی چھپر میں، کبھی زمین میں دبا کر اور کبھی ٹوٹے پھوٹے کنستروں میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا تھا، وہ آج بڑے اعتماد کے ساتھ مسلم فنڈ میں اپنی امانتوں کو محفوظ سمجھتا ہے اور اسی طرح ادارہ سے وہ اپنا لین دین کرتا ہے، اور اپنے زیورات کو محفوظ کرتا ہے اس طرح ادارہ آج اقتصادی بلاسودی نظام کا عملی نمونہ ملک کے سامنے پیش کر رہا ہے، دراصل اسلام کے معاشی اقتصادی نظام کی جڑیں آخرت سے جوڑ دی گئیں ہیں اسی لیے مغربی معاشی نظام میں بنیادی فرق یہ نظر آتا ہے کہ وہ نظریات اور مشاہدات کی روشنی میں سچائیوں کو تلاش کرتا ہے جبکہ اسلامی نظریہ معاش کو شریعت الٰہی کے بنیادی اصولوں پر جانچتا اور پرکھتا ہے، فلاح اور بہبودگی اسلامی اقتصادیات کی ایک مخصوص اصطلاح ہے، جو قرآن مجید سے اخذ کردہ ہے، اسلامی اقتصادیات معاش کو صرف دنیاوی اعتبار سے نہیں دیکھتی بلکہ اس کا مرکز آخرت اور صرف آخرت ہوتا ہے۔

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ مغربی معاشیات میں انسان کی مادی زندگی ہی اصل زندگی ہوتی ہے، جیسا کہ مغربی مفکرین نے (Mill Bentham, Recordo) کے اسی نظریہ کو پھیلایا اور اس کی بھرپور اشاعت کی جاتی ہے، اور یہی نظریہ مغربی معاشی زندگی کا بنیادی کردار بنادیا گیا، مگر ہمارا نقطۂ زندگی توحیداور رسالت اور آخرت پر ٹھہرا ہوا ہے، ان ہی نظریات اور تصورات کی اسلامی طرز پر صورت گری کے لیے بلاسودی نظام کی ہندوستان میں داغ بیل ڈالنے کی ذمہ داری فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے اٹھائی اور اس کا عملی نمونہ شرعی نقوش پر برپا کر کے دکھلایا، یہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس کو ہمیں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلانے اور متعارف کرانے کی ضرورت ہے چنانچہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اقتصادی پروگرام کو مسلم فنڈ کی شکل میں برپا کرنے کی عملی جد وجہد شروع کر رکھی ہے، اور یہ نظام مسلمانوں کی اقتصادیات کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے، سودی معیشت کے اثرات اور غیر سودی معیشت کی خیر و برکت علیحدہ سے دکھلائی دیتی ہے، اسلئے ہمیں اسی طرف آنا چاہیے۔

مسلم فنڈ دیوبند نے ایک طرف بلاسودی نظام کو تحریک کی صورت میں پیش کیا ہے تو دوسری طرف اس نے مسلمانوں کی معاشی گرتی ہوئی دیواروں کو روکا ہے، اور اس سے آگے بڑھ کر بیروزگاری کی لعنت آج پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے آج تعلیم حاصل کرنے کے بعد نوجوانوں کا بڑا طبقہ روزگار کی سنگلاخ زمین میں کوششوں کا عمل کرتا ہے، مگر ناکامی اس کے حصہ میں آتی ہے، اس کے لیے مسلم فنڈ نے اپنے وسائل سے ایک ٹیکنیکل ادارہ جس کو ''مدنی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ'' بیادگار شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ قائم کیا ہوا ہے، یہ ادارہ گذشتہ کم وبیش تین دہائیوں سے مسلم اور غیر مسلم نوجوانوں کو ٹریننگ دے رہا ہے، یہ گورنمنٹ کے ادارے این سی وی ٹی سے منظوری حاصل کر کے آئی ٹی آئی کی صورت میں چلایا جارہا ہے، اس ادارہ کے طلبہ جو ٹیکنیکل ایجوکیشن میں سند نہیں رکھتے بلکہ وہ اسپیشلائزیشن (تخصص) کے عمل سے گزر کر اپنی جان پہچان بناتے ہیں آج اس ادارے کے طلبہ ۹۵ فیصد یا تو نوکریوں میں یا نجی کاروبار کر رہے ہیں، ہندوستان میں ہی نہیں بیرون ہند میں بھی یہ طلبہ بڑی بڑی تنخواہوں پر کام کر رہے ہیں آج اس ادارے کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان بچوں کا کیمپس انٹرویو ہونے لگا ہے اور وہ یہیں سے منتخب ہو کر اپنے روزگار پر چلے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ عوامی فلاح کے لیے مسلم فند نے اپنے ذاتی وسائل کی بنیادوں سے آنکھوں کا ہسپتال (مدنی آئی ہسپتال) کے نام سے قائم کیا گیا، جس میں سالانہ پندرہ ہزار سے زائد مریض اپنی

آنکھوں کا علاج اور آپریشن کراتے ہیں اس ہسپتال کی یہ خصوصیت ہے کہ جو دے سکتا ہے اس سے لو اور جو نہیں دے سکتا اسکو دو، یعنی فری دوائیں اور فری آپریشن کے لیے غریبوں اور ناداروں کے لیے اس کا دروازہ کھلا رہتا ہے، اسی مسلم فنڈ دیوبند نے ملت کی بنیادی ضرورت اور معاشرے میں تبدیلی لانے اور مسلم گھرانوں میں اسلامی تعلیمات کی روشنی پھیلانے میں دختران ملت کی علمی دانش گاہ کا قیام 1971ء میں کیا تھا، جس کو 35 سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے، اس پبلک گرلز ہائی اسکول سے ہزاروں بچیاں زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر نکل چکی ہیں، اور اپنے بچوں اور ازدواجی زندگی میں اس ادارے نے جو نقوش ان کے دل و دماغ میں چھوڑے ہیں اس سے خوشگوار زندگی گزارنے کا سلیقہ لے کر زندگی گذار رہی ہیں ان تمام اداروں کے قیام کا اصل مقصد مولانا مدنیؒ کا وہ نظریہ ہے جس سے مسلمانوں کی زندگیوں میں نمایاں تبدیلیاں لائی جاسکیں، چنانچہ حضرت مدنیؒ کی ہدایت اور مشوروں اور نگرانی میں ان اداروں کو پوری پوری ترقی کرنے کا پورا موقع ملا ہے۔

اب اس کے بعد میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی یادگار اور ان کے خدمت خلق کے جذبہ کو فروغ دینے کے لیے ایک ادارے کا قیام اس طرح برپا کیا جائے جس سے مسلمانوں کی فلاح مقصود ہو، اور اسی کے ساتھ روزگار کے بہتر مواقع میسر آسکیں، میں انشاء اللہ پیرامیڈیکل کالج مس میں نوجوانوں کو مختلف طرح کی ٹریننگ اعلیٰ سطح پر دی جائے جس سے نکل کر وہ قوم اور ملک کی خدمت میں لگ جائیں، میں اسے جلد قائم کرنا چاہتا ہوں یہ بھی اس عظیم شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے کا عنوان ہوگا، اللہ دنیاوی وسائل اور قوت عمل کو جذبہ اخلاص کے ساتھ عمل پذیر ہونے کا موقع عطا فرمادے، آمین۔

○○

❑ مولانا نیاز احمد فاروقی
سکریٹری، جمعیۃ علماء ہند

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ
قانون اور انصاف کی جدوجہد

ہمارا ملک اور اس کا آئین جمہوری ہے، جمہوریت کی بنیاد عوام کی مرضی، انتظامیہ کی قوت نافذہ اور آئین کی بالا دستی پر ٹکی ہوئی ہے اور آئین کا پورا تانہ بانہ مساوات، انصاف اور باہمی اتحاد سے بنا گیا ہے، مولانا اسعد مدنیؒ کی شخصیت جمہوریت کی ان اعلیٰ قدروں کی عکاس تھی، چنانچہ انھوں نے پوری زندگی انصاف اور مساوات اور قومی یکجہتی کے لیے لڑنے میں صرف کر دی۔ ان کی لڑائی کے طریقوں میں تشدد اور ڈنڈے کے استعمال کی کوئی گنجائش نہ تھی، توڑ پھوڑ، لوٹ مار، آتش زنی، سنگ ساری احتجاج کی ان تمام شکلوں سے انھوں نے اپنے آپ اور اپنے ماننے والوں کو دور رکھا اور اپنی بات کو منوانے کے لیے مہذب اور پر امن طریقے اختیار کرنے کی تعلیم دی اور اس پر خود بھی عمل کیا۔

راوڑ کیلا، جمشید پور، جبل پور، میرٹھ، ملیانہ، ہاشم پورہ، مہاراشٹر، گجرات، آسام، بھاگلپور وغیرہ میں ہزاروں بار انھوں نے جلتے ہوئے مکان دیکھے، سڑتی ہوئی لاشیں اٹھائیں، چیختے ہوئے بچوں اور عورتوں کا سامنا کیا، لیکن انھوں نے کبھی بھی ردعمل میں اپنے موقف سے منھ نہیں موڑا، اپنے لوگوں کو اکسانے اور بھڑکانے کے بجائے ٹھنڈا کیا اور قانون کی مدد لینے کے لیے اور قانون کے ذریعے انصاف حاصل کرنے کے لیے انھیں پابند بنایا۔ سرکار اور انتظامیہ کے سامنے اپنی شکایات کو ایمانداری اور سچائی کے ساتھ اور بے خوف وخطر رکھنے کے علاوہ ان کا سب سے پہلا قدم یہ ہوتا تھا کہ تھانوں میں ایف آئی آر لکھوائی جائے۔ مقدمات قائم کئے جائیں، مجرموں کو چاہے خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں ہرگز نہ بخشا جائے، لیگل سیل قائم کرنا وکلاء کی ٹیم بنانا، انکوائری کمیشن قائم کرانا، متاثرین کو معاوضہ دلانے کے لیے تدابیر کرنا، بازآبادکاری اور راحت کے لیے انتظامات کرنا، فرقہ پرستی اور تعصب کے خلاف لڑنے کے لیے امن دستے تیار کرنا ان

اقدامات کے ذریعہ وہ اپنے فطری ردعمل کا اظہار کرتے تھے، ظاہر ہے کہ انتہائی بھڑکانے والے حالات میں بھی مہذب اور جمہوری اقدار کو دانتوں سے پکڑے رہنا، دکھاوے کا عمل نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے انتہائی اعلیٰ درجہ کے ایمان اور اپنے موقف کی سچائی پر پورے بھروسے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے ہم یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جمہوری اقداران کے رگ رگ میں بسی ہوئی تھیں اور کیوں نہ ایسا ہوتا ان کے والد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے لیے ایک قومی نظریہ صرف سیاسی مسلک نہیں بلکہ درس قرآن تھا اس لیے ان کے سب سے بڑے متبع اور خلیفہ مولانا اسعد مدنی کے لیے یہ ملک اور اس کی جمہوریت جو ان کے اباء واجداد اور اسلاف کے خون کی قربانی سے وجود میں آئی، محض ایک زمین کا ٹکڑا یا سیاسی اکائی نہیں تھا بلکہ مادر وطن کی محبت اور اس کے آغوش میں جنم لینے والے اور پلنے بڑھنے والے تمام بچے بلا لحاظ مذہب وملت قوم ذات پات نسل ورنگ خالق کائنات کا ایک کنبہ تھا، جس کی بہی خواہی اور محبت ان کا جزء ایمان تھی۔ غالباً تہذیبی یگانگت کے گہرے شعور اور احساس نے ہی مولانا کی شخصیت میں وہ جاذبیت اور کشش پیدا کردی تھی کہ دوست تو دوست دشمن بھی دیوانہ وار کھنچے چلے آتے تھے۔

مظلوموں کے ساتھ انصاف کے سوال پر آگ بگولہ ہونا، شعلہ فشانی کرنا، آستین چڑھانا، نعرے لگانا، دست بگریباں ہونا، عام طور سے لیڈروں کی فطرت ثانیہ ہوتی ہے لیکن آپ کی یہ شان نہ تھی، انصاف کی ابجد وہ اس بات سے کرتے تھے کہ ہمیں اس ملک کو جنگل راج سے بچانا ہے، ڈنڈے کا استعمال روکنا ہے، قانون کی بالادستی قائم کرنی ہے، ہر کوشش قانون کے دائرے میں کرنی ہے، لڑائی سڑکوں پر نہیں پارلیامینٹ اور عدالت میں لڑنی ہے۔

بابری مسجد سے زیادہ جذباتی مسئلہ اس ملک میں نہیں پیش آیا اور بڑے بڑے سورماؤں نے ہوش کھودیئے، صراط مستقیم سے بھٹکے، توازن کھودیا اور عمل اور ردعمل کے بہاؤ میں بہہ گئے لیکن مجھے یاد ہے کہ مولانا یہ کہتے نہیں تھکے، ہمیں جذباتی طریقوں سے بچنا چاہیے، ہمیں عدالت پر پورا بھروسہ ہے اس مسئلہ کو سڑک پر نہ لاؤ، عدالت کو فیصلہ کرلینے دو۔ مولانا کی بات میں کتنی سچائی اور دوراندیشی تھی، اصول پسندی تھی، آج ہم سب اس کے گواہ ہیں۔ مولانا کو اس بات پر غصہ نہیں آتا تھا کہ دشمن سے دودو ہاتھ نہیں کرسکتے اور بار بار کیوں پٹتے ہیں، ان کو تو غصہ اس بات پر آتا تھا کہ ہم نقصان اور فائدہ کے بارے میں اتنے حساس ہیں لیکن ظلم اور انصاف کے بارے میں اتنے بے حس کیوں ہیں، ہم اتنی جلدی ظالم کے ظلم کو بھول کیوں جاتے ہیں، ہم اس کے خلاف عدالتوں میں گھٹنے ٹیک کر کیوں نہیں لڑتے، جہاں لڑنا چاہیے وہاں گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور جہاں صلح کرنا

چاہیے وہاں آنکھیں دکھاتے اور آستین چڑھاتے ہیں۔

انصاف کے تئیں حضرتؒ کی اس قدر حساسیت کا راز انھوں نے گجرات کے فسادات کے ضمن میں پارلیامینٹ میں تقریر کرتے ہوئے اس مشہور شعر کے ذریعہ بیان کیا

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از درحق بہر استقبال می آید

اس کا ترجمہ حضرتؒ نے پارلیمنٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ یوں کیا کہ مظلوموں کی آہ سے ڈرو جب وہ دعا کرتے ہیں تو درحق سے اجابت خود استقبال کرنے کے لیے آتی ہے، اس لیے ہم یقین کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ قانونی جد وجہد ان کے لیے پیشہ وارانہ عمل یا مجبوری کے بجائے تقاضائے دین وایمان تھی۔

ہندوستانی مسلمانوں پہ ظلم وزیادتی اور ان کا قتل وخون ان کے لیے صرف اپنی برادری کے فرد کے ساتھ جذباتی لگاؤ کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ وہ اسے وسیع تناظر میں دیکھتے تھے اس لیے ان کا ردعمل متعصّبانہ رنگ اختیار کرنے کے بجائے ملک کے تمام انصاف پسند طبقوں کو بلا لحاظ مذہب وملت فکر وعمل کی دعوت دیتا تھا اس اصول کی بنیاد پر جو کسی بھی مذہب، سماج کے لیے قابل احترام ہے۔ اس تناظر میں پارلیمنٹ میں کیے گئے ان کے خطاب کے یہ چند اقتباسات بڑی معنویت رکھتے ہیں۔

> ''ہندوستانی مسلمانوں کی مظلومیت کے یہ دردناک واقعات ہمارے ملک کے تاریخی عظمتوں کو داغدار کر رہے ہیں، کیوں کہ یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ دراصل ظلم وانصاف اور امن وقانون کا مسئلہ ہے''۔

> ''میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کہنے کے لیے تیار ہوں کہ مجموعی طور پر ہندوستان کا مسلمان اس ملک کا ایک ایسا فعال اور باصلاحیت طبقہ ہے کہ اگر اسے ملک کی جز وکل میں دوسرے برادران وطن کی طرح شریک کر لیا جائے تو اس ملک کی تقدیر بدل سکتی ہے''۔

> ''میرے سامنے صرف یہ مسئلہ نہیں کہ ایک مسلمان کو نہ مارا جائے اور دوسرے مذہب کے لوگوں کو اور سینکڑوں آدمیوں کا قتل کر دیا جائے، ہندو مسلمان یا کوئی بھی مذہب کا آدمی ہو اس کو قتل کرنا کوئی انصاف نہیں ہے اور حکومت کے لیے لا اینڈ آڈر کو قائم رکھنا ایسے موقع پر بہت لازمی ہو جاتا ہے''۔

حضرت مولانا کو یہ سوچ وفکر کہاں سے ملی اور اشتعال انگیزی سے متاثر ہوئے بغیر اپنے اصولوں پر

ثابت قدم رہنے کا حوصلہ کہاں سے آیا خود ان کی اپنی زبان سے سنیے:

''میں ملک کی اس جماعت اور اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جس نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں عظیم الشان قربانیاں دی ہیں اور ہندوستان کی تقسیم کے خلاف تحریک میں حصہ لیا ہے اور پاکستان بننے کی مخالفت کی ہے اور مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ پاکستان ہمارے معاملات میں شرارت پسندی کرے، ہمارے اندر خود اتنی صلاحیت ہے کہ اپنے معاملات سلجھا سکیں لیکن یہیں پر پوری صفائی کے ساتھ میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں یہ بات بالکل ناپسندیدہ اور شر انگیز ہے کہ جب ظلم و ناانصافی کی بات آئے مسلمانوں کی تباہی و غارت گری کی بات آئے تو اس کا رشتہ پاکستان یا کسی بیرونی طاقت سے جوڑنے کی کوشش کی جائے، یہ ہندوستانی مسلمانوں کی توہین ہے، ان کے عزت و وقار کی تذلیل ہے اور مظلومیت کے خلاف ایک منصوبہ بند سازش ہے''۔

لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال سے تنگ آکر مولانا جب بھی احتجاج کرتے تو اس میں کسی خاص قوم یا طبقے کی تکلیف اور اس کی طرف سے شکوہ کرنے کے بجائے مولانا نے لاء اینڈ آرڈر کو تمام ملک کی سلامتی کے تناظر میں دیکھا اور پیش کیا چنانچہ فرماتے ہیں:

''ملک میں لوگ یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ جب ہم ٹرین میں سفر کر رہے ہوں یا راستے میں چل رہے ہوں تو ہم محفوظ نہیں اگر لوگ اپنی سلامتی کے احساس کھو بیٹھیں تو خدا جانے ملک کا کیا حال ہوگا، جو اسمگلر ہیں، غنڈے ہیں، بڑے بڑے اقتدار کے مالک ہیں وہ ہمیشہ پولیس اور افسروں سے تعلق رکھتے ہیں، یہ لوگ عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اس کے بالمقابل جو لوگ شریف ہیں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں، میں پھر یہی کہوں گا کہ اگر ملک کے عام لوگوں کا یہ حال ہو جائے تو خدا ہی جانتا ہے کہ اس ملک کا کیا حشر بنے گا''۔

حضرت مولانا نے اقلیتوں کے ساتھ انصاف کے مسئلے کو ملک کے وسیع تر مفادات اور دستور کی پاسبانی اور اس کے احترام کے تناظر میں دیکھا اور پیش کیا، ہم ان کے یہ الفاظ نہیں بھلا سکتے:

''جہاں تک تعلق ہے اقلیتوں کا بیشک اقلیتیں اس ملک میں ملک کا ایک اہم ترین حصہ ہیں اور ان کے فنڈامنٹل رائٹس اور تحفظات پورے طریقہ سے محفوظ رہنا چاہیے''۔

''اقلیتیں، خاص طور پر مسلمان زندگی کے معاملات میں بہت سی شکایتیں رکھتی ہیں، ان کو تعلیم میں ملازمتوں میں، روزگار میں، تجارت میں، مختلف قسم کی شکایتیں ہیں، یہاں تک کہ جان ومال کی حفاظت کے باری میں شکایت ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو سوچ کر کہ ہندوستان کے آئین میں ایسے تحفظات، یقین دہانی اور ضمانت دی ہے جو نہایت فخر کی چیز ہے، وہ اس پر فخر کرتے ہیں اور مطمئن ہیں اور عملی طور پر سینکڑوں شکایتیں ہونے کے باوجود اگر کسی وقت ان کے مذہبی معاملات میں تعلیمی معاملات میں ان کے پرسنل لاء میں ان کی اور کسی چیز میں جو فنڈ امینٹل رائٹس ان کو ملے ہیں، ان کے ساتھ زیادتی کی گئی تو یقیناً اس دستور کی عزت اس کا شرف اس کی بڑائی سب کی سب ختم ہو جائے گی پامال ہو جائے گی اور اس ملک کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی اور اس کی عزت کو مٹانے کا باعث ہوگی۔''

حضرت مولانا بظاہر تو علماء کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، جنھیں دقیانوسیت پرانی قدروں اور تنگ نظری کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، جن کی روش اور طرز حیات اکیسویں صدی کے معاشرہ سے میل نہیں کھاتا لیکن مہذب معاشرہ کے جدید تقاضوں کے تئیں جب ہم مولانا کے نظریات کا تقابل جدید مفکروں کے ساتھ کرتے ہیں بالکل الٹی شکل ابھرتی ہے، مولانا اور ان کے اسلاف اور سرسید علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح کے نظریات کا تقابل ایک قومی اور دوقومی نظریے کے تناظر میں بار بار کیا گیا یہ بات اپنے آپ میں کم حیرت انگیز نہیں تھی کہ سرسید علامہ اقبال اور قائد اعظم جو یورپ کے جدید علم اور فلسفے کے علمبردار ہیں وہ تو مذہب کی بناء پر قومیت اور ملک کی تشکیل کا نعرہ لگائیں اور بین الاقوامی تہذیبی وحدت یا ملے جلے معاشرہ کے تصور سے ہی لرزنے لگیں اور دیوبند کے کچھ بوریا نشین تہذیبی یگانگت قومی یکتا اور ملے جلے جدید بین الاقوامی معاشرہ کی تشکیل کا خواب دیکھیں۔ غالباً اسے اگر مسٹر کے دماغ میں مولانا کا ذہن اور مولانا کے دماغ میں مسٹر کا ذہن کہا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

حضرت مولانا نے جو ورثا اپنے اسلاف سے پایا تھا وہ صرف ایک قومی نظریہ تک محدود نہ رہا بلکہ اس وسعت نظری کا اظہار دیگر مسائل میں بھی ہوا، عورتوں کے حقوق کے مسائل کو ہی لے لیجئے عام طور سے عورتوں کے بارے میں علماء کو تنگ نظر سمجھا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ان کی ترقی یا آزادی کے مخالف ہیں۔ اس کے مقابلے میں یورپ سے کسب فیض کرنے والے جن میں جناح صاحب بھی تھے، عورتوں کے بارے میں انھیں وسیع القلب اور آزاد خیال تصور کیا جاتا ہے لیکن

ایں بوالعجبی چیست ۔انصاف کا ترازو تو کچھ اور ہی رخ پیش کرتا ہے۔

شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء میں حضرت مولانا کے اسلاف نے پورا زور لگایا کہ عورتوں کو جائداد میں وراثت کا پورا حق دیا جائے اور ہر طرح کی جائداد میں ان کو شریعت کے مطابق حصہ ملنا چاہیے، لیکن جناح صاحب نے جو قانون کے ماہر تھے ایسا نہیں ہونے دیا اور زرعی اور صحرائی جائدادوں میں وراثت کے حق سے مسلم عورتوں کی محرومیت جناح صاحب کی مرہون منت ہے۔ شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کے نقص کو دور کرنے کے لیے حضرت مولانا اسعد مدنی نے پوری زندگی زور لگایا اور مارچ ۱۹۹۴ء میں آخری بار پارلیامینٹ سے ریٹائر ہوتے ہوئے انھوں نے بڑی حسرت کے ساتھ یہ ذکر کیا کہ افسوس شریعت بل میں عورتوں کو ان کا واجب حق دلانے میں اور اسی طرح قاضی بل کو پاس کرانے میں ان کی کوششیں بارآور نہ ہوسکیں، شریعت بل میں مسلمان عورتوں کے ساتھ ناانصافی سے جو انھیں تکلیف تھی اس کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا جس سے مجھے ایسا لگتا ہے کہ وراثت سے محرومیت کی وجہ سے ناانصافی کے خلاف احتجاج کرنے کے علاوہ اس بات پر اور زیادہ تکلیف محسوس کرتے ہیں کہ جناح کا قانون پر عبور اور ان کی صلاحیت عورتوں کے حق میں انصاف کا بازو بننے کے بجائے ان پر زیادتی کا سرچشمہ بن گئی۔

غور کیجیے ان الفاظ پر:

> ”آج جو ہم آزادی کی سانس لے رہے ہیں یہ حضرت شیخ الہند اور آپ کے ساتھیوں مولانا ابوالکلام آزاد، خاں عبدالغفار خاں، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبیداللہ سندھی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی جدوجہد کا ہی نتیجہ ہے۔ انھیں حضرات نے ۱۹۳۶ء میں تحریک چلائی، جمعیۃ علماء ہند کے پشاور اجلاس میں انھوں نے مطالبہ کیا کہ مسلمان عورتوں کو ماں باپ کی جائدادوں میں شرعی حصہ ملنا چاہیے اور مرکزی اسمبلی میں ایک بل پیش کرایا گیا جو بڑی زبردست دشواریوں کے بعد منظور ہوا، لیکن مسٹر جناح کی اس ترمیم نے، کہ صحرائی جائدادوں میں حصہ نہ دیا جائے، بل کی روح کو مجروح کردیا جس کی ازالہ کے لیے میں نے یہ بل پیش کیا تھا، اگر یہ بل منظور ہوجاتا تو مسلمان عورتوں کو شرعی طور پر صحرائی جائداد میں بھی وراثت ملنے لگتی مگر افسوس کہ کوشش کے باوجود میں اس میں کامیاب نہیں ہوسکا“۔

مولانا اسعد مدنی کی یہ امتیازی شان تھی کہ انھوں نے مسلمانوں کے جس بھی مدعا کو اٹھایا بہت

ہی نپی تلی قانونی زبان میں اٹھایا اور دستور کی روح کے حوالہ سے اٹھایا، مسلمانوں کے ساتھ امتیاز کے سوال کو پیش کرتے ہوئے انھوں نے یہ پوری کوشش کی کہ عصبیت کی بو نہ آنے پائے وہ ہر گفتگو کی شروعات ہی اس بات سے کرتے تھے:

"کسی طبقہ کو، کسی زبان کو، کسی مذہب والے کو دبا کر ختم کرنے کی کوششیں نہ کیجیے سب کو انصاف کا موقع دیجیے، اگر کہیں ظلم ہو رہا ہے تو اس کا علاج کیجیے تبھی سیکولرزم چلے گا۔"

مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کے مطالبے کو انھوں نے اسی روشنی میں ملک وملت اور اصحاب اقتدار کے سامنے رکھا اور اپنی بات منوانے میں کسی حد تک اثر انداز بھی ہوئے، آج سچر کمیٹی اور اس کی رپورٹ کا ذکر چہار سو ہے، لیکن پردے کے پیچھے کا حال بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ پرائم منسٹر نے سچر کمیٹی کیوں تشکیل دی، مجھے یاد ہے میں اس وفد میں بذات خود موجود تھا کہ حضرتؒ ریزرویشن کے مطالبے پر میمورنڈم لے کر پرائم منسٹر کے پاس تشریف لے گئے اس میمورنڈم میں خاص کر تین مطالبے شامل کئے گئے:

۱۔ مسلمانوں کو پسماندگی کی بنا پر ریزرویشن دیا جائے۔
۲۔ دستور کی دفعہ ۳۴۱ سے مذہب کی قید ہٹایا جائے۔
۳۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں متناسب نمائندگی کو یقینی بنایا جائے۔

پرائم منسٹر نے مسلمانوں کے تئیں امتیاز اور اس سے پیدا شدہ پورے ملک کے لیے نقصان دہ صورتحال پر حضرت کی گفتگو بڑے اطمینان سے سنی اور یہ فرمایا کہ میں اس کے لیے کمیٹی مقرر کروں گا، اس کے جواب میں حضرت نے وزیر اعظم ڈاکٹر من موہن سنگھ سے کہا کہ آپ ضرور کمیٹی مقرر کریں اور مجھے کوئی اعتراض نہیں بیشک کسی غیر مسلم کو مقرر کریں لیکن وہ دیانتدار ہونا چاہے اور انھیں ٹائم باونڈ رپورٹ پیش کرنے کے لیے پابند کیا جائے۔

سچر کمیٹی کا نفاذ کہاں تک ہوگا اور ہوگا بھی کہ نہیں ہوگا اس کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اقلیتوں کے ساتھ انصاف کی لڑائی اگر کامیابی کے ساتھ لڑی جاسکتی ہے تو اس کی راہ یہی ہے جس کے نقوش مولانا اسعد مدنیؒ نے چھوڑے ہیں۔

حضرت مولانا نے قانون اور دستور کی لڑائی کو جمہوری اقدار اور تہذیبی ارتقاء کے وسیع تناظر میں لیا اس لیے انھوں نے اس میدان میں ہر ممکن زاویے سے کوشش کی۔ جب بھی کوئی مسئلہ آیا تو عدالتوں کی دہلیز پر دستک دی قانون سازی جو اپنے آپ میں بہت ہی عرق ریزی، دقت نظر، علمی

گہرائی اور ہمہ گیری کا متقاضی ہے پر حضرتؒ نے خاص توجہ دی، پارلیامینٹ میں اور اس کے باہر بھی اہل افراد کو جمع کیا انھیں آمادہ کیا کام پر لگایا اور دامے درمے سخنے ہر طرح ان کی مدد کی۔

قانون کی تعلیم وکلاء کی تربیت، انصاف پسند ججوں کے تقرر، ان سب میدانوں میں انھوں نے کوششیں کی، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ تمام مقدمات جو مولانا اسعد مدنیؒ صاحب نے دائر کروائے یا ان کی پیروی کی یا جن قوانین کو بنانے کے لیے انھوں نے کوشش کی ان پر مشتمل ایک مکمل تاریخی دستاویز تیار ہو، جو آئندہ نسلوں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بن سکے، لیکن افسوس کہ ایسا کوئی ریکارڈ مرتب نہیں ہوسکا، میں نے زیر تحریر اس مقالے میں جمہوری اقدار کے اس عظیم پاسبان کی نصف صدی پر محیط طویل قانونی جدوجہد کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی، چونکہ کوئی مرتب ریکارڈ موجود نہیں ہے کہ مراجعت کی جاسکے اس لیے مناسب یہ سمجھا کہ حضرت کے وصال کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے ہیں کیوں نہ حضرت کے قریب ترین قانونی میدان کے رفقاء سے گفتگو کرکے اس ہمہ گیر شخصیت کے اس اہم پہلو کو محفوظ کردوں۔

جناب سید شکیل احمد ایڈوکیٹ سپریم کورٹ ہونے کے علاوہ گذشتہ ۲۷ برس سے حضرت کے ساتھ بڑی لگن خلوص اور ایمانداری کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں، حضرتؒ کا ان کے بارے میں کہنا تھا کہ ان کا بڑا سلجھا ہوا ذہن ہے اور بے لاگ مشورہ دیتے ہیں، اس لیے میں نے اس زندہ کتاب کو اپنے اس مقالے کی بنیاد بنایا۔ اس سلسلے میں، میں نے خود ۲۸/ مارچ ۲۰۰۷ء کو سپریم کورٹ چیمبر میں ان کا انٹریو لیا جسے مولانا نجیب اللہ صاحب نے قلم بند فرمایا میں ان کے تعاون کے لیے شکر گزار ہوں۔

یہ انٹریو ذیل میں بعینہٖ نقل کیا جارہا ہے:

سوال: آپ کو حضرتؒ کا بہت زیادہ اعتماد حاصل تھا اور ایک طویل عرصہ تک آپ حضرتؒ کے ساتھ رہے، جمعیۃ کے تمام اہم اداروں میں حضرتؒ نے آپ کو ہمیشہ اہم منصب پر رکھا، آپ جمعیۃ علماء کے ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور جمعیۃ ٹرسٹ سوسائٹی کے سکریٹری بھی ہیں، آپ کا حضرت کا ساتھ کب اور کیسے شروع ہوا؟

جواب: جمعیۃ کے کسی مقدمے کے سلسلے میں کسی وکیل کی ضرورت تھی تو ظفریاب جیلانی صاحب میرے استاد تھے اور بحیثیت وکیل مجھ پر اعتماد کرتے تھے اور حضرت کو ان پر بھروسہ تھا، انھوں نے ۱۹۷۹ء میں پہلی بار حضرت سے مجھے ملایا۔ مقدمے کی پیروی کے دوران

حضرت سے بار بار ملنا ہوا، میری کارکردگی سے وہ کافی مطمئن ہوئے اور آہستہ آہستہ اتنا اعتماد کرنے لگے کہ ملکی اور ملی مسائل سے متعلق قانونی مشوروں میں بڑے بڑے قانونی ماہرین کے ساتھ مجھے شریک کیا جانے لگا۔ تقریباً ۲۷ سال میں نے حضرت کے ساتھ گزارے، اس پورے عرصہ میں مجھے حضرت نے جب بھی یاد کیا اور جہاں بھی یاد کیا ہم نے کوشش کی اور مستعدی سے آیا اور ایمانداری سے مشورہ دیا چاہے پسند آئے یا نہ آئے، انھوں نے مجھ پر اعتماد کیا۔

سوال: آپ نے ابھی فرمایا کہ قانونی میدان میں حضرت آپ کے استاد ظفریاب جیلانی پر پورا بھروسہ کرتے تھے، ان کے علاوہ بھی کچھ ایسی قانونی شخصیتیں ہوں گی جنھیں حضرت کے قانونی مشیر ہونے اور ان کی تقریباً نصف صدی پر محیط انصاف کے لیے عدالتوں میں طویل جدوجہد کو آگے بڑھانے کا شرف حاصل ہوا، آپ کی نظر میں وہ کون لوگ ہیں؟

جواب: حضرت کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی بھی میدان میں اس میدان کے ماہرین سے مشورہ ضرور کرتے تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ بسا اوقات مخالف رائے ہونے کے باوجود حضرت نے قانونی ماہرین کی رائے کو ترجیح دی اور اس کی قدر کی ایسے لوگوں میں جو نام اس وقت مجھے یاد آرہے ہیں ان میں آر کے گرگ صاحب ہیں، اب اس دنیا میں نہیں رہے وہ سپریم کورٹ کے بہت ہی قابل اور سینئر ایڈوکیٹ تھے بابری مسجد کے مقدمے میں جمعیۃ کی طرف سے انھوں نے بہت محنت کی اور اپنے خلوص اور پیشہ وارانہ صلاحیت کا پورا ثبوت دیا۔

اسی طرح آر کے جین صاحب سپریم کورٹ کے دوسرے سینئر ایڈوکیٹ تھے ان کو حضرت کا پورا اعتماد حاصل تھا۔ ایک اور نام قانون کی دنیا میں بہت ہی مشہور اور باوقار ہے وہ ہیں سدھارتھ شنکر رائے صاحب وہ اب بھی ہیں، مجھے پتہ چلا ہے کہ جب حضرت کا ذکر آتا ہے تو آبدیدہ ہوجاتے ہیں اور بہت ہی والہانہ اور جذباتی انداز میں یاد کرتے ہیں، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ عام طور سے وہ وکیل جو نہ دل کی سنتا ہے نہ دل کی کہتا ہے ذہن سے سوچتا ہے اور ذہن کی کہتا ہے، ایسے وکیلوں اور حضرت کے درمیان والہانہ اور جذباتی رشتہ بہت عجیب لگتا ہے کم وبیش میری بھی یہی کیفیت ہے اور میں اسے بیان نہیں کر پا رہا ہوں، میں چاہوں گا کہ آپ حضرت کے دوسرے قانونی مشیروں سے بھی بات کریں، شاید وہ اسے اچھی طرح بیان کرسکیں ان میں عبدالمجب مجمدار صاحب، سینئر وکیل سپریم

کورٹ اور سابق وزیر قانون ان کے علاوہ جسٹس احمدی صاحب ریٹائرڈ جج سپریم کورٹ اور جسٹس سردار علی خاں صاحب اور جناب ایچ آر بھاردواج صاحب موجودہ وزیر قانون اور بھی بہت سی شخصیتیں ہیں جن کا شمار کر سکتے ہیں۔

سوال: کیا آپ بتائیں گے کہ حضرتؒ کو قانونی جدوجہد سے اتنی گہری دلچسپی کیوں تھی، نہ وہ خود قانون کے ماہر تھے اور نہ ہی عدلیہ کے نظام سے ان کی کوئی وابستگی رہی؟

جواب: میرے خیال میں قانون اور عدلیہ کی طرف حضرت کی توجہ فسادات کی وجہ سے ہوئی، فسادات میں لوگ جانتے ہیں حضرت سب سے پہلے پہنچنے والوں میں تھے لیکن جلے ہوئے مکان، خون آلودہ لاشیں اور لٹی ہوئی آبرو کو دیکھ کر ان کے دل پر کیا بیتی تھی اسے تو وہی سمجھ سکتے ہیں جو حضرت کے ساتھ ہوتے تھے۔ میں ان چند لوگوں میں سے ہوں جنھیں حضرت فسادزدہ مقامات پر اپنے ساتھ لے گئے، خواہ میرٹھ کا فساد ہو ہاشم پورہ، ملیانہ، بڑودہ، بھروچ، بھاگلپور، تھانہ، بھیونڈی کا فساد ہو، حضرت مجھے اپنے ساتھ لے گئے، ان مقامات کے کرب ناک حالات کا مشاہدہ کر کے حضرت حد درجہ مضطرب اور بے چین ہو جاتے تھے، حکومت وقت اور انتظامیہ کو جھنجھوڑنے اور جگانے کے علاوہ حضرت کا پہلا ردعمل یہ ہوتا تھا کہ مظلوموں کے ساتھ انصاف کے لیے دستور اور قانون کے مطابق اور اس کے دائرے میں کوئی بھی ممکن تدبیر رہ نہ جائے اور اس سلسلے میں اس درجہ کوشش کرتے تھے کہ جس طرح مسلمان کو جلانے، کاٹنے اور لوٹنے والے ظالم ہوں اگر قانونی تدبیر میں کوئی کسر رہ جائے تو گویا وہ بھی اس ظلم میں شریک سمجھے جائیں، چنانچہ ۱۹۸۴ء میں میرٹھ کے فساد میں، میں نے دیکھا کہ حضرت نے متاثرین کو معاوضہ دیئے جانے کے مسئلے کو اتنی طاقت سے اٹھایا اور سپریم کورٹ کا دروازہ اس طرح کھٹکھٹایا کہ مجھے یاد ہے سب سے پہلے جنرل شاہنواز کے گھر میٹنگ ہوئی۔ طے پایا کہ سپریم کورٹ میں رٹ داخل کیا جائے کہ جو لوگ غائب ہیں انھیں پیش کیا جائے اور متاثرین کو معقول معاوضہ دیا جائے، چنانچہ سپریم کورٹ میں رٹ داخل کی گئی اور سپریم کورٹ جج چندرا چود نے نوٹس جاری کیا، الجمعیۃ اخبار میں اگلے دن سرخی تھی کہ سپریم کورٹ نے ڈی ایم اور ایس پی کو نوٹس دی کہ وہ غائب لوگوں کو فوراً پیش کرے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے یہ ہوتا تھا کہ متاثرین کو معاوضہ ملنے کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھانی پڑتی تھیں اور سالہا سال کی کوشش کے بعد کچھ لوگوں کو بہت ہی کم غالباً بیس ہزار

سے بھی کم معاوضہ مل پاتا تھا لیکن اس مرتبہ یہ دیکھنے میں آیا کہ متعلقہ افسران معاوضہ دینے کے لیے مستحقین کے گھر گھر گئے اور تلاش کر کے پہلے سے بڑھا کر معاوضہ دیا، میرے خیال میں یہ کامیابی حضرت کی قانونی جنگ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، کیوں کہ یہیں سے اس مطالبے کی بنیاد پڑی کہ فساد سے متعلق سرکار قانون بنائے جس کے تحت ڈی ایم، ایس پی، پولس اور انتظامیہ کے اہم ذمہ داروں کو فوری طور پر معطل کر کے ان کے خلاف فرض شکنی اور تساہل کا مقدمہ چلایا جائے اور اس کے علاوہ فسادات سے متاثرین کو معقول معاوضہ دیا جائے، حضرت نے پوری عمر اس مطالبہ کے لیے جدوجہد کی، گو کہ ابھی تک یہ قانون پاس نہیں ہوسکا، لیکن فسادات سے متعلق نیا بل پارلیامنٹ میں زیر غور ہے اور امید کی جاتی ہے کہ حضرت کی یہ کوششیں ثمر آور ضرور ہوں گی۔ ان شاء اللہ۔

سوال: حضرت مظلوموں کو انصاف دلانے کے لیے مسلسل قانون کے دروازے پر دستک دیتے رہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مظلوموں کو انصاف نہیں ملا جس کے لیے حضرت نے عدالت کے باہر بار بار اور پرزور احتجاج کیا، بار بار عدالتوں میں ناکامی کے باوجود حضرت نے عدلیہ پر اعتماد نہیں چھوڑا اور یہی تاکید کرتے رہے کہ ہمیں اپنے حقوق کے لیے دستور کے دائرے میں رہتے ہوئے قانونی لڑائی لڑنی چاہیے، عدلیہ پر اس قدر اعتماد کی وجہ کیا تھی؟

جواب: یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ عدلیہ سے بالکل انصاف نہیں ملا، کئی اہم مقدمات ایسے ہیں جو جمعیۃ کی طرف سے قائم کئے گئے ان کی اچھی طرح پیروی ہوئی اور نتیجہ بھی مثبت برآمد ہوا، ابھی میں نے میرٹھ فساد کے متاثرین کے بارے میں سپریم کورٹ کے نوٹس اور زود اثر نتائج کا ذکر کیا، اسی طرح دہلی ہائی کورٹ میں آسام رائفل کے حیدر علی کی ڈاڑھی کے سلسلے میں جمعیۃ نے مقدمہ دائر کیا اور اس کی پیروی کی اور فیصلہ حق میں ہوا، مختلف فسادات میں جو کمیشن قائم کئے گئے جیسا کہ شری کرشنا کمیشن، ان میں بھی قانونی کوششوں کے اچھے نتائج نکلے۔ البتہ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ آزادی کے بعد اب تک مسلمان جس طرح امتیاز اور ظلم کا شکار ہوئے اور جس پیمانے پر قانونی جدوجہد کی گئی اس کے مطابق انصاف نہیں ہوا، لیکن اس صورت حال سے مایوس ہونے اور عدلیہ پر اعتماد چھوڑ کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے یا اس کے دائرہ سے باہر نکلنے سے بات بننے

کے بجائے اور بگڑتی ہے، حضرت کو اس کا پورا احساس تھا، وہ جذباتی نعروں اور تشدد کے برے نتائج دیکھ اور محسوس کر سکتے تھے، چنانچہ وہ بار بار کہتے تھے کہ ہمیں اس ملک کو جنگل راج سے بچانا ہے اور قانون کی بالا دستی کی حفاظت کرنی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عدلیہ کا نظام اپنی تمام تر خامیوں اور کرپشن اور امتیازی معاملات کے باوجود اگر زمین بوس ہو جائے تو ہمارا مہذب سماج جنگل راج کا شکار ہو جائے گا اور فیصلے ڈنڈے کے زور سے ہوا کریں گے، اس سلسلے میں مجھے حضرت کے وہ جملے یاد آتے ہیں جو انھوں نے بابری مسجد کی شہادت کے ایک ہفتہ بعد ۱۲/دسمبر ۱۹۹۲ء کو منعقد ہونے والے سمینار میں ممتاز وکلاء اور ججوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تھے، وہاں سبھی شرکاء انگریزی میں خطاب کر رہے تھے، جب حضرت کی باری آئی تو فرمانے لگے مجھے افسوس ہے کہ میں بدقسمتی سے اپنے ملک کی زبان بولتا ہوں، یاد رہے اگر یہ ہوگا (آپ کا اشارہ بابری مسجد کی شہادت کی طرف تھا) تو سارا کام ڈنڈے کے زور پر ہوگا اور ڈنڈا ہاتھ بدلتا رہتا ہے۔ ہمیں اب بھی ملک کی عدلیہ پر بھروسہ ہے، ان جملوں کا یہ اثر ہوا کہ بڑے بڑے وکیل جو دیکھ رہے تھے، شرمندگی سے ان کے چہرے لٹک گئے۔

سوال: قانونی چارہ جوئی کی تاکید اور عدلیہ پر اٹل اعتماد کیا، اسے صرف پالیسی سمجھا جائے کہ ایسا نہ کرنے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا، گویا یہ ایک طرح کی مجبوری تھی یا اس کے پیچھے اصول پرستی اور نظریاتی فکر کارفرما تھی؟

جواب: میرا خیال ہے کہ حضرت نے کبھی موقع پرستی سے کام نہیں لیا وقتی مفاد کے لیے انھوں نے نہ کوئی کام کیا اور نہ نقصان کی ڈر سے اپنا موقف بدلا، ان کے ہر موقف اور تحریک کی بنیاد ہمیشہ اصولوں پر ہوتی تھی وہ اصول جن کا ایک سرا ایک طرف مذہب اسلام سے ملتا تھا اور دوسری طرف ان کی جڑیں دستور ہند میں کہیں نہ کہیں پیوست ہوتی تھیں، یہی وجہ تھی کہ ایک طرف صاحب نظر علماء کی ٹیم ہوتی تھی اور دوسری طرف دستور اور قانون کے ماہرین، ان دونوں کے مشورے سے کسی بھی مسئلہ کے بارے میں حضرت کوئی رائے اور موقف قائم کرتے تھے، دستور کی بالا دستی اور قانون کی حکومت کے بارے میں مذہب اسلام سے واضح رہنمائی کے لیے حضرت کا یہ موقف تھا کہ ہندوستان کا دستور یہاں بسنے والی مختلف قوموں کے درمیان میثاق اور معاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے، مسلمان اور تمام ہندوستان کے شہری اس معاہدہ کے لیے پابند ہیں، مذہب اسلام عہد شکنی کو جائز نہیں قرار

دیتا، اسی طرح ایک مہذب سماج کی بقاء کے لیے دستور اور قانون کے بغیر کوئی ضمانت نہیں رہتی اس لیے ہمیں اپنی مسائل کا حل قانون کے ذریعہ ہی تلاش کرنا چاہیے، یہی فکر تھی کہ بابری مسجد کے کرائسس میں سنجیدہ اچھے اچھے اور ہوشمند لڑکھڑا گئے۔ حضرت کے موقف میں کوئی تزلزل نہ آیا اور وہ یہی کہتے رہے کہ عدالت پر ہمیں اعتماد ہے اور جمعیۃ نے بابری مسجد کی مقدمہ کی پیروی میں پوری تندہی کے ساتھ کام کیا، جواب بھی جاری ہے۔

سوال: کچھ ان مقدمات پر روشنی ڈالیئے جن میں حضرت نے گہری دلچسپی لی اور ملک وملت پر اثر چھوڑا؟

جواب: حضرتؒ نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے ذیلی عدالتوں سے لے کر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کے خلاف بہت سے مقدمات دائر کرائے اور بڑے بڑے نامور وکیلوں کو افلاس زدہ مظلوموں کی حمایت کے لیے کھڑا کیا اور اس کام کے لیے کبھی بھی عوامی چندہ نہیں کیا گیا جو کہ بہت ہی اہم بات ہے، ان مقدمات کا پورا ریکارڈ موجود ہے اور بہت اچھا ہوگا کہ اسے باقاعدہ دستاویزی شکل دے دی جائے جو کہ ایک مستقل کام ہوگا اور اس کی افادیت بھی بہت ہوگی، میں اپنی یادداشت سے اس وقت کچھ اہم مقدمات کو شمار کرانے کی کوشش کرتا ہوں۔

(۱) ۸۲-۱۹۸۱ء میں آسام گن پریشد (اے جے پی) کی پرتشدد تحریک کے دوران مسلمانوں کا قتل عام ہوا، نیلی کیمپ میں جس طرح ایک بڑی تعداد کو قتل کیا گیا اس کا حضرت پر بے پناہ اثر ہوا اور اس قضیہ کو لے کر سپریم کورٹ میں انصاف کی گوہار لگائی گئی۔ میرے ساتھ اے ایف غلام عثمانی بھی تھے۔

(۲) اس طرح آسام میں ہی بہت سے مسلم ووٹروں کا نام لسٹ سے خارج کر دیا گیا اس کے خلاف بھی سپریم کورٹ میں رٹ داخل کی گئی۔

(۳) ۸۳-۱۹۸۲ء میں میرٹھ فسادات کے متاثرین جو غائب تھے، ان کو فوری طور پر پیش کرنے کے لیے اور متاثرین کو معقول معاوضہ دینے کے لیے سپریم کورٹ میں رٹ داخل کی گئی، اس کا بہت مثبت نتیجہ نکلا۔

(۴) ۱۹۸۷ء میں راجیو گاندھی کے زمانے میں بھاگلپور فساد ہوا، حضرت نے کمیشن کی مانگ کی، کمیشن بنایا گیا اور جمعیۃ نے پوری تندہی کے ساتھ پیروی کی، پیروی کرنے

والوں میں بھاگلپور سے جناب خورشید صاحب اور دہلی سے جناب طیب صاحب ایڈوکیٹ اور میں بذات خود شریک ہوئے۔

(۵) بابری مسجد کا مقدمہ: ۲رفروری ۸۶ء کو بابری مسجد کا تالا کھلا، حضرت نے ۴ممبران پارلیمنٹ پر مشتمل غدرداری کے لیے کمیٹی بنائی اور کواڈینٹر کے طور پر مجھے کام سونپا گیا اس کمیٹی میں جناب غلام محمود بنات والا، سیف الدین سوز صاحب، کمیونیسٹ پارٹی کے ہاشم صاحب اور ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب شامل تھے، اس کمیٹی نے وزیراعظم کے سامنے معاملہ کی پیروی کی، اسی طرح جب ایودھیا میں بابری مسجد کے اردگرد ۴۳، ۷۱ ایکڑ زمین ایکوائر کی گئی تو جمعیۃ علماء ہند نے لکھنؤ ہائی کورٹ میں رٹ داخل کی، یہ رٹ ۹۲-۹۱ء میں منظور ہوئی اور ایکوزیشن ختم ہوا۔

اسی طرح جب Acquisition of certain properties at Ayhodhya Act-1991 بنایا گیا تو اسے سپریم کورٹ میں چیلنج کیا گیا اس میں جمعیۃ علماء ہند نے رٹ پٹیشن داخل کی اور جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے آر کے گرگ صاحب نے بحث کی اسی بحث کے دوران مسجد شہید کی گئی، اسی طرح بابری مسجد کی ملکیت کے دعویٰ میں جمعیۃ ۱۹۵۹ء سے مدعیوں میں شامل ہے، یہ دعویٰ فیض آباد کی عدالت میں ۵۹ء میں کیا گیا تھا، ۹۵ء میں مقدمہ ٹرانسفر ہو کر لکھنؤ آیا اور لکھنؤ ہائی کورٹ کی سہ نفری بنچ مقدمہ کی سماعت کررہی ہے، اہم مدعیوں میں سنی وقف بورڈ، محمد ہاشم، ایودھیا کے باشندگان اور محمد یونس کے علاوہ جمعیۃ علماء بھی ہے۔

(۶) آسام کے شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ۸۴ء میں حضرت کی کوششوں سے آئی ایم ڈی ٹی ایکٹ بنایا گیا تھا چونکہ کسی بھی شخص کو بلا کسی عدالتی کارروائی اور تحقیق کے بنگلہ دیشی کہہ کر ملک سے نکال دیا جاتا تھا اور لاکھوں لوگ اس طرح ملک بدر کئے گئے اس لیے یہ قانون بنایا گیا کہ بغیر یہ ثابت کئے ہوئے کہ کوئی شخص ہندوستان کا شہری نہیں ہے اس کے خلاف کارروائی نہیں ہوسکتی اور یہ ثابت کرنے کی ذمہ داری تحقیقاتی ایجنسیوں کی ہے اس قانون کے تحت پولیس اور انتظامیہ کی حد سے بڑھی ہوئی زیادتیوں پر قدرے روک لگی، حضرت اس ایکٹ کو پورے ملک میں عام کرانا چاہتے تھے، لیکن اس کے بجائے ۲۰۰۴ء میں سپریم کورٹ میں اسے چیلنج کیا گیا، جمعیۃ نے پوری طاقت کے ساتھ سپریم کورٹ میں اس کا دفاع کیا یہ الگ بات ہے کہ کامیابی نہیں ملی اور سپریم کورٹ

نے اس ایکٹ کو منسوخ کر دیا۔
حضرت انصاف کو اور قانونی کارروائی کو دل سے اہمیت دیتے تھے اور اس میں پوری لگن کے ساتھ دلچسپی لیتے تھے، اس کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ اسی مقدمہ کی کارروائی کے سلسلے میں طویل دماغ پچی کرنے کے بعد جب ہم کچھ وکلاء حضرت کے پاس سے اٹھے تو میں نے حضرت سے یہ کہا کہ حضرت دعا فرمایئے تو آپ نے یکدم جواب دیا ہاں میں ضرور دعا کروں گا اور کام خراب ہوا تو بددعا بھی کروں گا۔

(۷) مہاراشٹر فساد کے بعد شری کرشنا کمیشن بنایا گیا، جمعیۃ علماء ہند نے کمیشن کے سامنے مکمل پیروی کی اس کے علاوہ شری کرشنا کمیشن رپورٹ کے نفاذ کے لیے سپریم کورٹ میں رٹ داخل کی گئی، اس میں بھی جمعیۃ علماء پیش پیش ہے۔

(۸) گجرات فسادات کے بعد پانچ سو سے زائد بے قصور مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا ان کی رہائی اور ضمانت جمعیۃ علماء ہند نے کرائی ان کے علاوہ گودھرا، اکشر دھام جیسے پچاسوں مقدمات میں جمعیۃ ملزمین کی پیروی کر رہی ہے اور بلقیس جیسے اہم مقدمات اصل ملزموں کو سزا دلانے کے لیے ذیلی عدالت گجرات ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں پیروی جاری ہے، آپ تو خود ان مقدمات کی پیروی میں براہ راست شریک رہے ہیں اور تمام تفصیلات سے واقف ہیں، ناناوتی کمیشن اور شاہ کمیشن کے سامنے جمعیۃ نے پوری ذمہ داری کے ساتھ شکایتوں کو پیش کیا۔

(۹) مغربی بنگال میں گائے کی قربانی سے متعلق ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے جمعیۃ علماء کی تگ و دو اور شمولیت میں متاثرین کو راحت پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

(۱۰) پولیس اور فوج میں مسلمانوں کے داڑھی رکھنے پر سزا دینے اور داڑھی کٹوانے کے حکم کا قضیہ بار بار ہوتا رہتا ہے اس سلسلے میں آسام رائفل کے حیدر علی کے مقدمہ میں جو کہ جمعیۃ کی مدد سے لڑا گیا، دہلی ہائی کورٹ و سپریم کورٹ کا فیصلہ ایک ایسی نظیر بن گیا ہے جو اس طرح کے تمام متاثرین کے ساتھ انصاف میں اہم رول نبھائے گا۔

سوال: عدالتوں میں انصاف کے حصول کے لیے مقدمات دائر کرنے، پیروی کرنے اور نامور وکلاء کو کھڑا کرنے کے علاوہ حضرت نے اہم قانونی اصلاحات ترمیم اور قانون سازی کے لیے بھی کوشش کی، کچھ اس بارے میں معلومات فراہم کریں تاکہ قارئین کو وسعت کار اور اس کے دور رس نتائج کا اندازہ ہو سکے؟

جواب: شاہ بانو کا مقدمہ تو آپ جانتے ہی ہیں اس قدر مشہور ہوا اور اس تاریخی مقدمہ نے مسلم بیزار عناصر کے حوصلے بلند کردئے، حضرت نے اس کے سدباب کے لیے ۸۶ء میں مسلم خواتین (تحفظ اور طلاق) ایکٹ ۸۶ء بنوانے میں قائدانہ کردار ادا کیا اور مسلم پرسنل لاء میں بے جا مداخلت اور قدغن پر روک لگانے میں بڑی کامیابی ملی۔

(۲) آئی ایم ڈی ٹی ایکٹ کے بارے میں جس کا نفاذ صرف آسام میں ہوا پہلے کافی کچھ ذکر کرچکا ہوں، یہ ایکٹ جس سے کہ آسام کے شہریوں پر پولیس کی زیادتیوں کا بہت حد تک سدباب ہوا، حضرت کی کوششوں سے بنا اور کوشش کا مطلب بھی سمجھ لیجئے کسی بھی قانون کو بنانے میں یا اس کی ترمیم و تنسیخ میں حضرت کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ حضرت قانونی ماہرین کی ٹیم کو یکجا کرتے تھے، باہمی رائے سے ایک موقف قائم کرتے تھے، ضروری مسودے تیار کراتے تھے، پھر اسے پارلیامینٹ میں پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے، سرکار اور مختلف پارٹیوں کے لیڈروں کو واقف کرانے اور آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کے علاوہ مختلف سطح پر جمہوری طریقوں سے کانفرنس جلسے جلسوس مظاہرے اور تحریکوں کے ذریعہ پورا دباؤ بناتے تھے، تب جاکر کامیابی کی کچھ صورت بنتی تھی۔

(۳) وقف ایکٹ ۸۸ء میں ۱۹۹۵ء کی ترمیمات حضرت کی جدوجہد اور اپنی قوم کی فلاح کی دائمی فکر کی گواہی دیتی ہیں۔

(۴) حضرت نے قاضی ایکٹ ۱۸۸۸ء میں ترمیمات کرکے اسے دوبارہ نافذ کیا جائے اس کے لیے پوری کوشش کی، گوکہ یہ کوشش ابھی تک کامیاب نہیں ہوپائی ہے لیکن اگر قاضی کو عوائلی معاملات میں فیصلہ کے مطلوبہ اختیارات مل جائیں تو اس سے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کو فائدہ ہوگا اور ان کا قیمتی سرمایہ اور وقت جوکہ چھوٹی چھوٹی باتوں کولے کر عدالتوں کے گلیاروں میں سالہا سال ضائع ہوتا ہے بچ جائے گا۔

(۵) شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی مداخلت کی بناپر ایک بڑا نقص یہ رہ گیا کہ مسلم عورت زرعی زمین کی وراثت سے محروم کردی گئی، حضرت نے اس نقص کو دور کرنے کے لیے باربار آواز اٹھائی اور پارلیامینٹ میں اس مطالبہ کو رکھا، عورتوں کے حقوق کی مانگ کرنے والے ادارے اور تنظیمیں اس مطالبے کی اہمیت کو سمجھنے لگے ہیں، امید کی جاتی ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ نقص بھی دور ہوگا ان شاء اللہ۔

(ا) فسادات کے سلسلے میں حضرت نے قانون بنانے کی طویل عرصے تک جدوجہد کی اس کے لیے انھوں نے مسودہ بھی تیار کرایا، اس کا مقصد تھا:

(الف) فسادات کے لیے ذمہ دار انتظامیہ اور پولیس کے افسران کو اگر وہ محدود مدت میں فسادات روکنے میں ناکام ہوں، فوری طور پر معطل کیا جائے۔

(ب) ڈی ایم اور ایس پی وغیرہ کو فرض شکنی اور تساہل کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا جائے اور ان پر مقدمہ چلایا جائے اور جرم ثابت ہونے پر قرار واقعی سزا دی جائے۔

(ج) فسادات کے متاثرین کو معقول اور یکساں معاوضہ دیا جائے جیسا کہ ۱۹۸۴ء کے سکھ فسادات کے متاثرین کو دیا گیا، معاوضہ کی رقم مقرر کرنے میں امتیاز نہ برتا جائے۔

فسادات بل کے لیے حضرت نے ہر سطح پر کوشش کی اور صدر جمہوریہ کو ۲۱/لاکھ دستخطوں کے ساتھ میمورنڈم بھی پیش کیا گیا اور ملک وملت بچاؤ تحریک کا عنوان بھی بنایا گیا، حضرت کی زندگی میں یہ بل پاس نہیں ہوسکا لیکن اس سلسلے میں ایک بل اب بھی پارلیامینٹ میں زیر غور ہے۔

(۷) ریزرویشن بھی حضرت کا اٹھایا ہوا قانونی مدعا ہے، حضرتؒ نے کئی بار قانونی ماہرین کو جمع کیا اور کرناٹکا، کیرالا اور تامل ناڈ کے طرز پر مسلمانوں کی نمائندگی بڑھانے کے لیے قانون بنائے جانے کی مانگ کی۔

آندھرا میں اس کی ابتداء بھی ہوئی لیکن عدالتوں نے رد کردیا، مسلمانوں کی طرف سے جمعیۃ نے قانونی دفاع میں کوئی کسر نہ چھوڑی، مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کا مدعاء بھی زندہ ہے اور اسے مولانا مدنی نے ہی زندہ کیا ہے۔

سوال: قانونی لڑائی کو اچھی طرح لڑنے کے لیے قابل اور محنتی افراد کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت نے اس طرح کے افراد تیار کرنے میں کیا کوششیں کیں اور کن مشکلات سے دوچار ہوئے؟

جواب: نامور وکیل تو حضرت کے کہنے پر زیادہ چوں چرا نہیں کرتے تھے اور ضرورت کے مطابق محنتانہ دینے میں حضرت نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا لیکن حضرت کو عدلیہ میں مسلمانوں کی حددرجہ کم نمائندگی اور قابل وکلاء کا فقدان بہت ستاتا تھا، اکثر شکایت کرتے تھے کہ اچھے مسلم وکیل نہیں ملتے، اپنی سطح پر جب بھی موقع ملتا تھا جج کی کرسی پر مستحق مسلمان کو پہنچانے کے لیے پورا زور صرف کردیتے تھے، انھیں وکلاء کی تعلیم وتربیت کی بھی فکر تھی،

چنانچہ اسی غرض سے ۸۴-۸۳ء میں لیگل سیل قائم فرمایا جس کے ذمہ داروں میں میرے علاوہ جناب حنیف دائمہا کمار اور حاجی ہارون ایڈوکیٹ شامل تھے، ۲۰۰۵ء میں اسی غرض سے جناب طاہر محمود صاحب کی نگرانی میں جمعیۃ لاء انسٹیٹیوٹ قائم کیا جس کا بنیادی مقصد ہی نو آموز وکیلوں کی تربیت تھا تاکہ ضرورت کے مطابق باصلاحیت افراد تیار کیا جاسکے، گوکہ ان کوششوں کا کوئی ٹھوس نتیجہ نہیں نکلا، لیکن جہاں تک حضرت کا تعلق ہے انھوں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہ چھوڑی۔

سوال: حضرت کے قانونی جدوجہد کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے اور ادھورے کاموں کو پورا کرنے کے لیے آپ کے خیال میں جمعیۃ علماء کو کیا اقدامات کرنے چاہیے اور کون سی اصلاحات آپ ضروری سمجھتے ہیں۔؟

جواب: حضرت کا یہ مسلک تھا کہ ناانصافی اور امتیازی برتاؤ کے لیے جمعیۃ علماء ہند کو لڑنا چاہیے اس لیے ہمیں اس کو ملی فریضہ سمجھتے ہوئے قانونی جدوجہد کے کام کو آگے بڑھانا چاہیے۔ وکالت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد نو آموز وکیلوں کی کسی سینئر وکیل کے ذریعہ تربیت ایک بہت اہم مسئلہ ہے، جمعیۃ اگر اس سلسلے میں کوئی ٹھوس اقدام کرے تو اس کے ذریعہ اچھے وکلاء تیار کرنے میں بڑی مدد ملے گی، میں یہ تجویز بھی رکھنا چاہتا ہوں کہ مولانا مدنی کے پیغام کو زندہ رکھنے کے لیے کسی معروف یونیورسٹی میں مولانا سید اسعد مدنی میموریل لیکچر، لاسیریز کا انعقاد کیا جائے، اسی طرح ان مسائل پر جن کے سلسلے میں قانون سازی ترمیمات یا اصلاحات کے لیے حضرت نے کوشش کی، وقتاً فوقتاً سمینار منعقد کیا جائے تاکہ درپیش قانونی تنازعات کے بارے میں ملک وملت کی رہنمائی کی جاسکے۔

○○

❏ مولانا عبدالحمید نعمانی
سکریٹری نشر واشاعت، جمعیۃ علماء ہند

مسلمانوں کے لیے ریزرویشن اور حضرت فدائے ملتؒ

حضرت امیر الہند مولانا سیّد اسعد مدنیؒ سراپا جدوجہد اور متحرک وجود سے عبارت تھے۔ ان کو فدائے ملت کے لقب سے ملقب کرنا، مظلوموں، کمزوروں اور محروموں کو انصاف دلانے کے لیے، ان میں پائی جانے والی بے قراری، بے چینی کے پیش نظر، بالکل بجا اور ملت کے دل کی آواز پرمبنی ہے۔ مسلمانوں، خصوصاً ان کے پس ماندہ طبقات اور محنت کش برادریوں کو اوپر اُٹھانے اور ملک کے عام ترقیاتی دھارے میں شامل کرنے کے مقصد سے حضرت فدائے ملتؒ کی فکرمندی، اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس سلسلے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی یا کوئی بھی مناسب موقع ہوتا، جس میں ادنیٰ تعلق سے مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کا مسئلہ اُٹھایا سکتا ہو، تو وہ اتنے بے چین اور عملاً متحرک ہوجاتے تھے کہ اوروں کے لیے سوچنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو انصاف اور برابری کا مقام دلانے کے لیے جو جدوجہد کی، جو فکرمندی تھی، اور عملاً کس قدر کوشاں رہتے تھے، یہ سب ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا ہے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری سوچ اور وجود بھی حضرتؒ کی تحریک کی برکت سے آج بھی مستفید و متحرک ہے۔ ان کے پارلیمانی بیانوں میں، ملک کے مختلف حصوں میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات اور ان میں مسلمانوں کے ہونے والے بھاری جانی و مالی نقصانات کے تناظر میں جو مسائل اُٹھائے گئے ہیں، ان میں مختلف شعبوں میں ان کی صحیح معنوں میں نمائندگی اور ان سے ہو رہے امتیاز کو ختم کرنے کا مسئلہ بھی ہے۔ حضرت فدائے ملتؒ کا احساس و تجربہ تھا کہ اگر فوج، پولیس اور مختلف سرکاری نوکریوں میں مسلمانوں کو صحیح نمائندگی مل جائے تو یک طرفہ ظلم و زیادتی اور نقصانات کی بڑی حد تک تلافی ہوسکتی ہے اور آئین ہند نے تمام شہریوں کے لیے یکساں مواقع کی فراہمی اور معیارِ زندگی کو بہتر بنانے کی جو ہدایت دی ہے، اس کے تقاضے کی تکمیل کا راستہ بھی ہموار ہوگا۔ وہ نجی گفتگوؤں، جماعتی میٹنگوں، اجلاسِ عام میں اس

احساس کا اظہار کرتے تھے کہ جمہوری نظام میں ووٹ کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اکثریت کے سماج کے جن طبقات وقبائل کو دلتوں، اچھوتوں کے زمرے میں رکھا جاتا ہے، ان میں تعلیمی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی لحاظ سے بیداری آئی ہے، ان کو زیادہ دنوں تک زندگی کے مختلف شعبوں سے دُور اور پیچھے نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے دلتوں میں محرومی کا احساس بیدار کرکے، جو واقعہ ہے، اپنے آپ کو آگے لانے پر آمادہ کیا۔ انھوں نے اپنی باتیں، اتنی شدت وقوت سے کہیں کہ پورا ملک متوجہ ہوگیا۔ آزادی کے بعد اکثریت کے بہت سے لیڈروں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ گاندھی جی وغیرہ کی تحریک سے بھی دلتوں کو مختلف شعبہ ہائے حیات میں جگہ پانے کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ وہ آگے بڑھ رہے ہیں، لیکن ان سے جو جگہیں خالی ہورہی ہیں وہ اب کون لے گا۔ حضرت فدائے ملتؒ کہتے تھے کہ مسلمانوں کو پیچھے رکھنے، آگے بڑھنے سے روکنے، اور جو کچھ ان کے پاس ہے، اس سے بھی محروم کرنے کی مختلف سطحوں کی کوششوں اور فرقہ وارانہ فسادات وغیرہ کے پیچھے یہی ذہنیت ومنصوبہ کارفرما ہے کہ دلتوں کی خالی جگہوں کو مسلمانوں سے پر کیا جائے۔ انھیں غلام بنانے اور شودروں کی جگہ لانے کی کوششیں ہورہی ہیں، اگر اقلیت مخالف اور مسلم دشمن عناصر اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگئے تو ملک کی آزادی، جس میں ہمارے بزرگوں کی بے پناہ قربانیاں شامل ہیں، بے معنی ہوجائے گی۔ ریزرویشن سے اسے بچانے میں تھوڑی مدد مل سکتی ہے، مسلمانوں میں احساسِ محرومی بہت بڑھ رہا ہے۔ اگر اس کو ختم کرنے کی کوشش نہیں ہوئی تو ملک کا نقصان ہوگا۔ کیوں کہ محروم سماج یا تو مایوس ہوکر عام ترقی اور زندگی کی دوڑ سے کنارہ کش ہوجائے گا یا عام شاہراہ سے ہٹ کر دوسرے راستے پر چلا جائے گا اور مستفید طبقہ کے خلاف فکروذہن بنے گا۔ نتیجے میں باہمی کشمکش پیدا ہوگی اور جو توانائی ملک کی ترقی اور اس کو بنانے سنوارنے میں صرف ہونا چاہیے، وہ سماجی تصادم میں ضائع ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ملک کا نقصان ہے۔ ہم نے حضرت فدائے ملتؒ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ مختلف مسائل کے ساتھ، ریزرویشن کے مسئلے پر، ان کی رہنمائی میں بیشتر چیزیں راقم نے تحریر کی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ فلاں وقت یا فلاں تاریخ تک یہ لکھو۔ ان کی باتوں سے ثابت ہوتا کہ ان کا نظریہ مسلمانوں کے لیے ان کی آبادی کے تناسب سے ریزرویشن کا مطالبہ اور تحریک ومہم، گہرے شعور اور نفسیاتی، سماجی اور اقتصادی وسیاسی حالات کے گہرے تجزیے اور دوررس عواقب واثرات پر مبنی ہے، کوئی عام طرح کے چلے چلائے نعرے اور بھیڑ میں شامل ہوجانے کا آسان کھیل نہیں ہے۔ بعد میں بہت سی تنظیمیں اور پارٹیاں اس مطالبے میں شامل ہوگئیں۔ یہ فدائے ملتؒ کی آنے والے دنوں میں پیدا ہونے

والے حالات کو دیکھ لینے کی خدائے قدیر کی ودیعت کردہ صلاحیتوں اور کامیاب قیادت وسیادت کا ثبوت ہے۔ ۱۹۹۰ء میں جب ریزرویشن پانے والوں کی فہرست میں بدھسٹوں کو بھی شامل کرلیا گیا اور چند مہینے پہلے جب وی پی سنگھ سرکار نے دلتوں اور پس ماندہ طبقات وقبائل کے لیے ریزرویشن کا اعلان کیا تھا، حضرت فدائے ملتؒ کے احساس میں مزید شدت پیدا ہوگئی کہ وقت بڑی تیزی سے کروٹ لے رہا ہے۔ اگر ملک کا نظام انصاف اور برابری پر قائم ہوتو کسی کے لیے ریزرویشن کا مطالبہ زیادہ بامعنی نہیں ہوتا، لیکن جب ملک کے دروبست پر ایسے عناصر کا قبضہ ہوجائے جن کی زندگی کا دارومدار اور چہرے کی رونق سماجی اُونچ نیچ اور امتیاز (بھید بھاؤ) پر ہوتو ایسی صورت حال میں محروموں اور پس ماندگی کے شکار فرقے کو محرومی کی زد سے نکالنا ضروری ہوجاتا ہے، اور اس کے لیے ہر اس طریقے کو لازماً اختیار کرنا پڑے گا، جس سے اس کے اوپر اُٹھنے اور عام سماجی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی دھارے میں شامل ہونے میں مدد ملے گی۔ ریزرویشن بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ریزرویشن یقیناً مسائل ومشکلات کا کلی حل نہیں ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس سے ان میں کمی آتی ہے جیسا کہ ملک کے کمزوروں اور دلتوں کے سلسلے میں دیکھنے میں آرہا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں خصوصاً پس ماندہ، محنت کش مسلم برادریوں کو ریزرویشن دلانے کے لیے مہم وتحریک چلانا اور مطالبہ کرنا بالکل صحیح اور وقت کی ایک ضرورت ہے۔

عام طور پر ریزرویشن کو ایک اقتصادی حل سمجھا جاتا ہے، لیکن مولانا مدنیؒ کے نزدیک اس کے اسباب بہت گہرے ہیں، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ ۹۰ کی دہائی، خصوصاً ۱۹۹۷ء، ۱۹۹۸ء اور ۱۹۹۹ء سے حضرتؒ کی قیادت میں جمعیۃ نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ فسادات کے متاثرین کو معقول معاوضہ کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ قانون بنے اور مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے تمام شعبہ ہائے زندگی میں، لوک سبھا، اسمبلیوں، سرکاری، نیم سرکاری اداروں اور قانون ساز کونسلوں میں ریزرویشن ملنا چاہیے اور اس مطالبے کو لے کر ملک گیر پیمانے پر دستخطی مہم چلائی جائے اور دستخطی مہم چلا کر ۲۱ لاکھ سے زائد دستخط حاصل کر کے ۸/ مارچ ۱۹۹۹ء کو ۵۲ نفری موقر وفد نے ایک میمورنڈم کے ساتھ سابق صدرِ جمہوریہ کے آر نارائنن کو دیے۔ اس سے پورے ملک میں یہ پیغام گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہر شعبۂ زندگی میں امتیاز برتا جاتا ہے اور وہ انتہائی پس ماندگی کے شکار ہیں، ساتھ ہی مختلف سیاسی پارٹیوں اور سماجی تنظیموں نے ضرورت محسوس کی کہ مسلمانوں کو ترقیاتی دوڑ میں شامل کرنے کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔ جمعیۃ علماء ہند کی دستخطی مہم سے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کے مطالبے کا آغاز دستخطی مہم سے کیا گیا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ

اکابر جمعیۃ خصوصاً فدائے ملتؒ کو ۱۹۷۰ء سے ہی ان کے لیے ریزرویشن کی ضرورت کا احساس ہوگیا تھا اور ملک گیر دستخطی مہم تک مسلسل اس مسئلے کو ایوان بالا اور اس سے باہر مختلف مواقع پر مختلف پلیٹ فارموں سے اُٹھاتے رہے۔ راجیہ سبھا کے رکن کی حیثیت سے انھوں نے کوئی ایسا موقع ضائع نہیں ہونے دیا، جس میں مسلمانوں کے ساتھ ہورہے امتیاز کو اُجاگر کرکے ان کے لیے ریزرویشن کا مطالبہ نہ کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملّی وقومی مسائل کے تئیں کس قدر بیدار اور حساس تھے۔ ۱۹۷۰ء میں حضرت فدائے ملتؒ، جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری اور راجیہ سبھا کے رُکن تھے۔ انھوں نے ۳۰/اپریل ۱۹۷۰ء کو پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی کے معاملے کو اُٹھاتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ پولیس میں ہر زبان والے گروپ کو متوازن بنیادوں پر بھرتی کیا جائے۔ اسی ایوان بالا میں ۲۲/فروری ۱۹۷۳ء میں صدر کے شکریے کی قرارداد پر بحث کرتے ہوئے حکومت اور ایوان کی توجہ مسلمانوں کی اقتصادی پس ماندگی کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں کی معاشی حالت گرتی جارہی ہے۔ کاروبار کو دیکھئے، ملازمتوں کو دیکھئے، تعلیم کو دیکھئے، حالات تنگ ہوتے جارہے ہیں، اس سے ایک کمیونٹی کی اقتصادی حالت تباہ ہوجائے گی۔ ایک سروے میں بتایا گیا کہ مرکزی ملازمتوں میں پانچ فیصد مسلمان ملازم ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر پانچ فیصد بھی مرکزی حکومت میں مسلمان ملازم ہیں تو وہ بھی بہت کم ہیں، اس کو دیکھنا چاہیے۔''

حضرت فدائے ملتؒ کا مسلمانوں کے ریزرویشن کے متعلق، ایوان کا وہ اہم بیان ہے جو انھوں نے ۲۱/دسمبر ۱۹۸۹ء کو دیا تھا۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو بھی نمائندگی ملنی چاہیے۔ انھوں نے سوال اُٹھایا کہ آخر مسلمانوں کے ساتھ امتیاز کیوں برتا جاتا ہے۔

اس بیان کا پس منظر یہ ہے کہ پس ماندہ ذاتوں اور طبقات وقبائل کے لیے ریزرویشن کا قانون دستورِ ہند کے نفاذ کے بعد ہی سے جاری تھا۔ اس کی مدت ۸۰ء کی دہائی کے بعد ۲۶/جنوری ۱۹۹۰ء کو پوری ہونے والی تھی۔ وی پی سنگھ نے برسر اقتدار آتے ہی اتفاق رائے سے پارلیمنٹ میں ایک ترمیمی بل پیش کیا جس کی تمام پارٹیوں نے حمایت وتائید کی تھی۔ اور بل بآسانی منظور ہوگیا تھا۔ واضح رہے کہ آزادی سے پہلے اور بعد میں ۱۹۵۰ء تک مسلم عیسائی دلتوں کو بھی ریزرویشن ملتا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں ایک صدارتی آرڈیننس پیرا (۳) کے ذریعہ مسلم، عیسائی دلتوں کو ریزرویشن سے محروم کردیا گیا۔ پہلے ہندو دلتوں کے ساتھ سکھوں کو شامل کیا گیا، اور ۱۹۹۰ء میں بودھسٹوں کو ریزرویشن پانے والوں کی فہرست میں شامل کرلیا گیا۔ ایسی صورت حال میں یہ بہت

مناسب موقع تھا کہ مسلمان، خصوصاً ان کے محنت کش پس ماندہ برادریوں کے لیے ریزرویشن کا مطالبہ کیا جائے۔حضرت فدائے ملتؒ نے جہاں غیر مسلم پس ماندہ طبقات اور دلتوں کے لیے ریزرویشن کی حمایت کی ہے وہیں دوسری طرف مسلمانوں کی پس ماندگی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارباب اقتدار کو اس کے لیے بھی منصفانہ اقدامات کے لیے متوجہ کیا۔انھوں نے اپنے بیان میں کہا کہ یہ بات عجیب ہے کہ وہی شخص اگر مذہب تبدیل کر لے تو اس شخص کو اس حالت میں مراعات سے محروم کر دیا جاتا ہے۔یہ بات مناسب نہیں ہے، جب وہ مستحق ہے تو مذہب کی بنیاد پر اس کے ساتھ فرق نہیں ہونا چاہیے۔ان کو بھی ریزرویشن ملنا چاہیے۔میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ سازش ہو رہی ہے کہ ان کو شودر سے بھی کمتر بنا دیا جائے۔تعلیم میں، تجارت میں، ملازمت میں، ہر قسم کا امتیاز برتا جاتا ہے۔یہاں تک کہ جان و مال، عزت و آبرو، دین، ان چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری جو اسٹیٹ اور حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کے ان حقوق کی حفاظت کرے، اس میں بھی وہ محروم ہیں۔اسٹیٹ اور گورنمنٹ کو بنیادی فرائض ادا کرنے کے لیے سوچنا چاہیے۔جو لوگ حفاظتی فورسیز میں بہت مشکلوں سے اہلیت کے باوجود درخواست دیتے ہیں، انھیں انٹرویو لینے والے کہتے ہیں کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں، لیکن آپ مسلمان ہیں، اس لیے آپ کو بھرتی نہیں کر سکتے ہیں۔اس طرح سے اور ملازمتوں میں بڑے بڑے افسران انٹرویو لینے والے، پرائیویٹ طور پر صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ آپ مسلمان ہیں۔آپ کو نہیں لے سکتے۔ان چیزوں کی طرف اسٹیٹ کو، پارلیمنٹ کو، سب کو توجہ کرنی چاہیے اور جہاں تک ان غریبوں کا بری طرح استحصال ہوا ہے، اس طرح کے ریزرویشن دینے چاہئیں۔کروڑوں ایسے لوگ جو اقلیت میں ہیں، اس طرح کے خطرات سے دوچار ہیں۔ان کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔گورنمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ ایسی چیزوں کو دور کیا جائے اور پرامن اور انصاف کا ماحول پیدا کیا جائے۔جو حکومت اس ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکتی، وہ یقیناً اس قابل نہیں ہے کہ وہ مہذب ملک کی حکومت کہلائے۔

حضرت فدائے ملتؒ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ محروموں اور مسلم اقلیت کی محرومی اور امتیازی رویے کو کس شدّت سے محسوس کرتے تھے۔۱۹۷۱ء میں اقلیتوں کو نمائندگی اور ۱۹۷۲ء میں ریلوے میں مسلمانوں کی ملازمت کا مسئلہ ایوان میں اُٹھایا تھا۔۱۹۸۰ء میں مرادآباد کے بھیانک خوں ریز فساد سے ملک کی فرقہ وارانہ صورت حال دھماکہ خیز ہو گئی تھی۔حضرت فدائے ملتؒ نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ پولیس کی زیادتیوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی نہیں ہے۔صورتِ حال کو معتدل بنانے میں اس سے

بڑی مدد ملے گی کہ پولیس میں مسلمان بھی مناسب تعداد میں ہوں۔اس لیے انھوں نے ایوان میں مطالبہ کیا تھا کہ سی آر پی وغیرہ میں مسلمانوں کو زیادہ تعداد میں لیا جائے۔ ۲۳ر فروری ۱۹۸۱ء کے ایک پارلیمانی بیان میں بھی انھوں نے بہت صفائی سے مسلمانوں کے ساتھ برتے جانے والے امتیاز کے خلاف آواز بلند کی ہے۔مختلف امور پر ایوان کی توجہ دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

''مسلمانوں کے ساتھ امتیاز ہو رہا ہے۔ امتحان میں بہترین نمبر سے پاس ہوجاتے ہیں،لیکن انٹرویو میں جاتے ہیں تو فیل کردیے جاتے ہیں۔اس طرح ڈاکٹری میں فیل کیے جاتے ہیں۔آج پبلک سیکٹر کے بورڈ بنے ہوئے ہیں۔ان کے ڈائریکٹر دو ہزار کے قریب ہیں۔معلوم نہیں ایک دو مسلمان اس میں ہیں یا نہیں۔چیئر مین تو ایک بھی شاید نہیں ہے۔اس طرح سے ایک ایک فیکٹری میں دو دو ہزار ملازم رکھے جاتے ہیں۔مسلمانوں کی سینکڑوں درخواستیں آتی ہیں،لیکن ایک کو بھی نہیں لیا جاتا ہے۔میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر ذاکر حسین کیا مسلمان نہیں تھے۔فخرالدین علی احمد، کیا مسلمان نہیں تھے...... اس قوم کے سینکڑوں درخواست دینے والوں میں سے ایک کو بھی نہیں لیا جاتا ہے۔اگنور کردیا جاتا ہے۔فیل کردیے جاتے ہیں۔کہتے ہیں درخواستیں نہیں آتیں۔کہتے ہیں ان میں سے کوئی اہل نہیں ہوتا ہے۔یہ بالکل دھاندلی ہے۔اس کو بدلنا ضروری ہے۔اگر حکومت اس طرح سے غیر آئینی باتوں کو نظرانداز کرے گی تو نتیجہ بہت خراب ہوگا۔''

سرکار اور اپنی ہی پارٹی کی حکومت سے اس طرح کی صاف گوئی کی مثال بہت کم ملے گی۔بیان کا تیور بتا رہا ہے کہ فدائے ملتؒ کا دل مسلمانوں کو ہر شعبۂ زندگی میں نظرانداز کیے جانے اور مسلسل بے انصافی سے کس قدر بھر گیا ہے۔ایسی حالت و کیفیت میں ان کے سامنے صرف ملک و ملت ہے، نہ کہ عہدہ۔جسے عہدہ و کرسی عزیز ہو، وہ اس لب و لہجے اور تیور کے ساتھ بات کر ہی نہیں سکتا۔مسلمانوں کو متناسب آبادی کے حساب سے نمائندگی دینے سے متعلق حضرت فدائے ملتؒ کا ایک اہم پارلیمانی بیان وہ ہے، جو انھوں نے مارچ ۱۹۹۳ء کو دیا تھا۔بیان میں واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ:

''مسلمانوں کو ملازمتوں میں دو فیصدی سے بھی کم نمائندگی حاصل ہے، جب کہ آبادی میں ان کا تناسب بارہ فیصدی سے بھی زیادہ ہے۔پارلیمنٹ میں بھی ان کی نمائندگی بہت کم ہے۔''

ایوان سے باہر جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ہائے عام اور مختلف مواقع پر ہونے والے دیگر اجلاسوں

اور مجلس عاملہ و منتظمہ کی میٹنگوں کی کارروائیوں کے مطالعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں تشویش ناک حد تک کم ہوتی ہوئی مسلم نمائندگی کا مسئلہ حضرت فدائے ملتؒ کی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں رہا ہے۔ تجاویز کی منظوری کے ساتھ خطوط لکھ کر برابر اربابِ اقتدار کو مسلمانوں کو نمائندگی دینے پر متوجہ کرتے رہے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ میں اس کے اجلاس ہائے عام کی بڑی اہمیت اور نمائندہ حیثیت ہوتی ہے۔ حضرت فدائے ملتؒ کی صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کے پانچ اجلاس ہائے عام منعقد ہوئے ہیں۔ ہر اجلاس میں انھوں نے مسلمانوں کے ریزرویشن کے مسئلے کو پوری مضبوطی کے ساتھ اُٹھایا ہے۔ ان کی صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کا پہلا اجلاس ممبئی میں جنوری ۱۹۸۳ء میں اور آخری اجلاس مئی ۲۰۰۵ء کو دہلی کے رام لیلا میدان میں ہوا تھا۔ وقت اور بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی، اقتصادی منظرنامے کے مطابق حضرت فدائے ملتؒ نے مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی ضرورت کو بتدریج واضح کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسائل کو پوری بیدار مغزی اور بصیرت کے ساتھ ان کے صحیح حدود تناظر میں پیش کرنے کی بے مثال صلاحیت رکھتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے چوبیسویں اجلاس عام میں جو ان کی صدارت کا پہلا اجلاس عام تھا، اس میں انھوں نے کہا کہ ملک میں اکثریتی طبقہ کی آبادی چالیس کروڑ سے بھی زیادہ ہے، جو اس عوامی اکثریت کے ساتھ تعلیم، تجارت، صنعت وحرفت وغیرہ تمام اقتصادی شعبوں پر چھائی ہوئی ہے۔ آزادی کے بعد، اپنی سیاسی برتری کی وجہ سے یہ لوگ تمام سرکاری، نیم سرکاری اہم ملازمتوں پر تقریباً سو فیصدی قابض ہیں۔ اور کسی بھی جگہ پر کسی باصلاحیت شخص کو حتی المقدور جمنے نہیں دیتے۔ فوج، پولیس اور مرکزی وصوبائی حفاظتی فورسیز میں اقلیتوں، خصوصاً مسلمانوں کا ڈیڑھ فی صد سے زیادہ تناسب نہیں ہے۔ آج زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کو پیچھے رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور ترقی کے مواقع اور اسکیموں سے انھیں بہرہ ور ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا ہے۔

۲۵ویں اجلاس عام (منعقدہ ممبئی، اکتوبر ۱۹۹۵ء) کے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے امتیاز کا ذکر کرتے ہوئے صنعت وحرفت کے شعبوں میں جاری تعصب اور امتیاز کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''صنعت وحرفت کے سلسلے میں بھی ہر قسم کی سرکاری مراعات ایک خاص فرقے کے لیے مخصوص کر دی گئی ہیں، بلکہ بعض وہ صنعتیں جو کسی حد تک مسلمانوں کے ہاتھ میں تھیں، انھیں قوانین وضوابط کی زنجیروں سے اس طرح جکڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی موت آپ مرجائیں۔ تجارت وزراعت کے فروغ کے لیے، نئی اسکیمیں تیار کی جارہی ہیں۔ تاجروں اور کاشتکاروں کو بڑی بڑی رعایتیں دی جارہی ہیں، لیکن یہ سب کچھ بڑی احتیاط کے

ساتھ ایک خاص دائرے میں محدود کر دی گئی ہیں اور شاذ و نادر ہی کسی مسلمان کو ان اسکیموں سے نفع اندوز ہونے کا موقع مل پاتا ہے۔''

اس خطبہ صدارت میں یہ بھی کہا کہ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں مسلمانوں کی آبادی کے اعتبار سے ان کی نمائندگی غیر معمولی حد تک کم ہے اور اس کمی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ بعد کے تین اجلاس ہائے عام، جو دہلی کے تاریخی رام لیلا میدان میں (مئی ۲۰۰۰ء، مارچ ۲۰۰۳ء اور مئی ۲۰۰۵ء علی الترتیب) منعقد ہوئے، جنھوں نے ملک وملت کی تاریخ پر بڑے دوررس اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان تینوں اجلاس عام کے خطبات صدارت بڑے قیمتی اور دستاویزی ہیں۔ ان میں حضرت فدائے ملتؒ نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں مسلمانوں کی پس ماندگی اور تشویش ناک حد تک کم نمائندگی کو اعداد وشمار کی روشنی میں اُجاگر کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کے مسئلے کو اس حد تک اُبھار دیا کہ اس کو نظر انداز کرنا کسی بھی سیاسی، سماجی پارٹی اور مرکزی وصوبائی سرکار کے لیے ناممکن ہو گیا۔ ساتھ ہی انھوں نے پرائم منسٹر اور دیگر اربابِ اقتدار کو مکتوبات اور میمورنڈم پیش کر کے اس کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ مسلمانوں کی پس ماندگی اور نمائندگی ناقابل توجہ رہ جائے۔ مختلف مسلم تنظیموں کے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے حضرت فدائے ملتؒ نے ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۴ء کو وزیر اعظم سے ملاقات کی اور ایک میمورنڈم بھی پیش کیا جس میں کہا گیا ہے کہ:

> ''ملک کی آزادی کے بعد اقلیتوں کے سلسلے میں جو رویہ اختیار کیا گیا ہے نتائج اس کی گواہی دیتے ہیں کہ اقلیتیں خصوصاً مسلمان اقلیت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ کانگریس نے اپنے انتخابی منشور میں ریزرویشن کی بات کہی ہے۔ مسلمان تعلیم، معیشت، ملازمت وغیرہ میدان میں بری طرح پچھڑ گئے ہیں۔ آندھرا پردیش میں جو کوشش ہوئی وہ التوا کی شکار ہو گئی۔ ضرورت ہے کہ مسلمانوں اور دیگر طبقات کو بحیثیت کمزور طبقات تسلیم کر کے ان کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں ریزرویشن دیا جائے، خصوصاً سرکاری، نیم سرکاری اداروں، لوک سبھا، اسمبلیوں، قانون ساز کونسلوں، تعلیمی اداروں اور ملازمتوں میں۔ ماہرین قانون کی بڑی تعداد ہے جو چاہتی ہے کہ مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی راہ میں کوئی آئینی رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر حکومت کے نزدیک کوئی آئینی رکاوٹ ہے تو وہ اسے دور کرنے کی سمت میں مؤثر قدم اُٹھائے۔ کرناٹک اور کیرالا کے طرز پر انھیں ریزرویشن دینے کا انتظام کرے۔''

اس ملاقات اور دیگر ملاقاتوں میں فدائے ملتؒ نے وزیر اعظم کو آمادہ کیا کہ کسی ایماندار آدمی کی

سر براہی میں ٹائم باؤنڈ ایسی کمیٹی تشکیل دی جائے جو مسلمانوں کی تمام شعبوں خصوصاً اقتصادی، تعلیمی اور سماجی پس ماندگی کا جائزہ لے کر صحیح صورتِ حال کو سامنے لائے۔ یہ بالکل حقیقت ہے کہ سچر کمیٹی کی تشکیل میں حضرت فدائے ملتؒ کا بنیادی کردار ہے۔ اب سچر کمیٹی کی رپورٹ سامنے آ گئی ہے۔ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خطباتِ صدارت میں پیش کردہ اعداد و شمار اور مسلمانوں کی حالت کا مطالعہ کریں تو دونوں ایک دوسرے کا آئینہ معلوم ہوتے ہیں۔ پرائم منسٹر ہائی لیول کمیٹی نے حضرت فدائے ملتؒ کے بیان کی توثیق و تائید کر دی ہے۔ ادھر گزشتہ چند سالوں سے مختلف تنظیمیں اور سیاسی پارٹیاں مسلمانوں خصوصاً ان کی محنت کش، پس ماندہ برادریوں کو ریزرویشن دینے کی حمایت کر رہی ہیں اور اسے مدعا بنا کر سامنے آئی ہیں، تاہم اسے ایسا نمایاں اور مدعا بنادینا کہ وہ ایک ضرورت بن جائے۔ یہ حضرت فدائے ملتؒ کا ہی کارنامہ ہے، اور جب بھی محروموں، مظلوموں کو برابری اور نمائندگی کا مقام دلانے کی جدوجہد کی تاریخ لکھی جائے گی، اس میں حضرتؒ کا نام سرِفہرست ہوگا اور کوئی منصفانہ تاریخ ان کی جدوجہد کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی ہے۔

حضرت فدائے ملتؒ کے لیے مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کا مسئلہ ایسا ہے کہ انھوں نے اسے تحریک اور مہم میں بدل دیا اور اس سے اپنے آپ کو اس حد تک وابستہ کر دیا تھا کہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کی سانسوں میں شامل ہوگیا ہے۔ اس سے متعلق چھوٹی بڑی جو بھی بات سامنے آتی، فوراً ہم لوگوں کو بلا کر کہتے تھے کہ میٹنگ کرو۔ مشورے کرو اور سوچو کہ کوئی راستہ مظلوم و محروم مسلمانوں کی عزت اور زندگی گزارنے کے لیے نکلے۔ جب اس کے لیے دستخطی مہم شروع ہوئی تو لگتا تھا کہ ان کے وجود میں پارہ بھر گیا ہے۔ ۵؍اکتوبر ۱۹۹۷ء سے ۷؍مارچ ۱۹۹۹ء تک صرف مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کی آٹھ میٹنگیں ہوئیں اور ہر میٹنگ میں نمبر ایک ایجنڈا مسلمانوں کو ریزرویشن دینے سے متعلق ہوتا۔ تقریباً دوسو اجلاس ملک کے مختلف مرکزی مقامات پر کیے۔ اس سلسلے کی قدرے تفصیلات راقم نے تقریباً سو صفحات کے کتابچہ میں ''مسلمانوں کے لیے ریزرویشن اور جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد'' میں دی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے حضرت فدائے ملتؒ کی کوششوں کا قدرے اندازہ ہوگا۔ ان کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ ریزرویشن کا معاملہ غلط رُخ پر نہ جانے پائے۔

جنوری ۲۰۰۵ء کی بات ہے کہ مسلمانوں کو ریزرویشن دینے سے متعلق اخبارات میں متضاد بحثیں شروع ہوگئیں، کچھ خبریں اور تحریریں ان کی نظر سے بھی گزریں۔ اسفار سے مرکزی دفتر دہلی آتے ہیں خاکسار کو بلا کر کہا کہ یہ تو بہت خراب بات ہے۔ لوگ غیر ضروری بحثوں میں پڑ گئے ہیں۔ اگر کچھ لوگ مسلمانوں کی محنت کش برادریوں کو ترقی کی دوڑ میں شامل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں تو اس میں غلط کیا ہے۔ ان کی اقتصادی، سماجی حالت بہت خراب ہے۔ وہ

پٹنہ والے ڈاکٹر غلام سردار صاحب کے رشتے دار دفعہ ۳۴۱ میں ترمیم کر کے اس میں مسلم پسماندہ برادریوں کو شامل کرنے کے لیے تحریک چلا رہے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔ باہمی تعاون سے کام لینا چاہیے اور تبادلہ خیال بھی ہوتے رہنا چاہیے۔ کسی کا تو بھلا ہوگا۔ بھلے سے بالائی سطح کے مسلمانوں کو ریزرویشن کا فائدہ نہ پہنچے۔ اور وہ صرف یہ کہہ کر نہیں رہ گئے، بلکہ مختلف مواقع پر ڈاکٹر اعجاز علی سے دفعہ ۳۴۱ سے متعلق تبادلہ خیال کیا اور ملک وملت بچاؤ تحریک (اکتوبر ۲۰۰۲ء) کے مطالبات کی فہرست میں اسے شامل کیا۔ اس سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ محروم مسلمانوں کی حالت کا ان کے اوپر کتنا اثر تھا۔ اور ان کے مسائل ومشکلات کو لے کر کس قدر سنجیدہ وفکرمند تھے۔ ۲۱؍فروری ۲۰۰۵ء کی شام میں اپنے آفس میں یاد کیا اور کہا کہ تم اور سہروردی صاحب باہمی مشورہ کر کے وزیراعظم کے نام ایک خط تیار کروتا کہ انھیں مسلم پس ماندہ برادریوں کی حالت زار پر متوجہ کیا جاسکے۔ ہم نے کہا کہ ہندستانی عیسائیوں کے لیڈر ڈاکٹر جان دیال نے اس سلسلے میں اس طرح کے کچھ حقائق جمع کیے ہیں۔ فرمایا ان کا حوالہ بھی خط میں دو۔ یہ خط ۲۲؍فروری ۲۰۰۵ء کو وزیر اعظم ہند کو لکھا گیا۔ اس خط کے متن سے واضح ہوتا ہے کہ دلتوں اور اقلیتوں کے معاملے میں ان کا نقطۂ نظر کس قدر واضح تھا۔ خط حسب ذیل ہے:

''**موضوع**: آزادی کے بعد دلتوں اور اقلیتوں کے خلاف امتیاز

جنابِ من!

ملک کے کمزور طبقوں، اقلیتوں اور دلتوں کو توقع تھی کہ آزادی کے بعد ان کے ساتھ انصاف ہوگا۔ موجودہ آئین کے نفاذ سے قبل دلتوں کو ریزرویشن دینے کے لیے مذہب کی قید نہیں تھی۔ ۱۸۷۴ء میں میسور کی حکومت کے تحت تمام پس ماندہ طبقوں کے لیے ریزرویشن تھا۔ صرف اینگلو انڈین اور برہمن اس سے مستثنٰی تھے۔ ۱۸۸۵ء میں مدراس پریسیڈنسی میں دلتوں کے لیے جو امدادی پروگرام مرتب ہوا، اس میں عیسائی دلتوں کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ ہندستانی عیسائیوں کے لیڈر اور مشہور صحافی جان دیال نے حال ہی میں یہ بات لکھی ہے کہ مدراس پریسیڈنسی کے ۹۰ فیصدی اور پورے ملک کے ۷۰ فیصدی عیسائیوں کو ریزرویشن حاصل تھا۔ لیکن ۱۹۵۰ء کے صدارتی حکم کے پیرا (۳) کے تحت عیسائی اور مسلم دلتوں کو ریزرویشن سے محروم کردیا گیا۔ صرف ہندو، سکھ اور بودھ کو ریزرویشن کا مستحق مانا گیا۔ یہ امتیاز اور ناانصافی آج تک جاری ہے۔

آپ سے ملک کے وزیراعظم اور اقلیتی فرقہ کے رکن ہونے کی حیثیت سے

درخواست کرتا ہوں کہ یہ امتیاز آئین کے جذبے کے خلاف ہے۔ بے بنیاد ہے۔
اسے جلد از جلد ختم کرانے کی کوشش کریں۔''

اس اہم مکتوب کے بعد ۹ / مارچ ۲۰۰۵ء کو ایک پریس بیان جاری کیا، جس میں اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کی مخالفت کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ جو مسلمانوں کو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں نمائندگی دینے کو اقلیت نوازی اور ملک کو تقسیم کرنے والا کہہ رہے ہیں، بی جے پی اور اس کی ہم خیال پارٹیوں کے مذہب کا نام لے کر مسلمانوں کو ریزرویشن اور مناسب نمائندگی کی مخالفت کرنا، ان کی فرقہ پرستی کا ثبوت ہے۔ اگر انصاف کی روش اپنائی جاتی اور بلاامتیاز مذہب وفرقہ، ملک کے تمام شہریوں کے ساتھ، آئین کے مطابق برابری کا سلوک کیا جاتا تو ریزرویشن کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کو جس طور سے ہر شعبۂ زندگی میں نظرانداز کیا گیا، اس کے نتیجے میں وہ زندگی کے دوڑ میں پیچھے رہ گئے۔ اس کے پیش نظر ضروری ہوگیا ہے کہ مسلمانوں کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں ریزرویشن دے کر تمام فرقوں کی نمائندگی کو متوازن بنایا جائے۔ بیان میں حضرت فدائے ملتؒ نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ مسلم پس ماندہ طبقات اور برادریوں کو بھی اسی طرح ریزرویشن دیا جائے جس طرح غیر مسلم پس ماندہ ذاتوں اور قبیلوں کو دیا جارہا ہے۔ دفعہ ۳۴۱ کے ذریعہ مسلم عیسائی پسماندہ طبقات کے افراد کو ریزرویشن سے الگ رکھنا انصاف کے منافی ہے۔ اس معاملے میں مذہب آڑے نہیں آنا چاہیے۔

اگر حضرت فدائے ملتؒ کی جدوجہد اور کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انھوں نے ریزرویشن سے متعلق کسی پہلو کو نظرانداز نہیں کیا ہے۔ وہ ملک وملت کے مسائل پر بڑی دوررس اور مستقبل بیں نظر رکھتے تھے۔ مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کا مطالبہ لے کر ملک گیر دستخطی مہم چلانے کا فیصلہ انھوں نے اس وقت کیا تھا جب سیاسی، سماجی، شعبوں سے تعلق رکھنے والے کچھ حضرات کہہ رہے تھے کہ اس سے ملک کے حالات دھماکہ خیز ہوجائیں گے اور ملک میں آگ لگ جائے گی۔ لیکن حضرت فدائے ملتؒ نے حالات کے سامنے کبھی گھٹنے نہیں ٹیکے۔ انھوں نے دیگر معاملوں کی طرح مسلمانوں کے ریزرویشن کی آواز کو بھی اس آہنگ اور تسلسل سے بلند کی کہ پورا ملک متوجہ ہوگیا۔ ہم یہ وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ مسلمانوں خصوصاً ان کے محروم اور پسماندہ طبقات اور برادریوں کے محسنوں اور ان کو برابری، انصاف اور حقوق واختیارات دلانے والوں کی جب تاریخ لکھی جائے گی تو حضرت فدائے ملتؒ کا نام اور کام سرفہرست ہوگا اور ان کی جدوجہد اس کے سنہرے ابواب کے نمایاں عنوانات ہوں گی۔ ان شاء اللہ۔

○○

❑ مفتی ابوجندل قاسمی
خادم مدرسہ بحرالعلوم کشن پور، ضلع مظفرنگر یوپی

فرقہ وارانہ فسادات اور حضرت فدائے ملتؒ کی خدمات

دارالعلوم کی روحانی بزم آرائیوں کے روحِ رواں، جامع رشید کی عظمت کے امین، مسندِ جمعیۃ کے صدرنشین، نمع السلف نیز خیر الناس من ینفع الناس (لوگوں میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے) کے مصداق یعنی امیرالہند، فدائے ملت، جانشینِ شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند طویل علالت کے بعد ۶ر فروری ۲۰۰۶ء کو دہلی کے اپولو ہسپتال میں اس دارِ ناپائیدار کو چھوڑ کر دارالبقاء والقرار کی طرف انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون:

ہم نے چاہا تھا کہ نہ ہو صبِ فراق
موت کا جب وقت آجاتا ہے تو ٹلتا نہیں

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امیرالہندؒ کی رحلت صرف ہندوستانی مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ اور عالم اسلام کے لیے ایک خونچکاں و جاں گداز سانحہ اور المناک وعظیم حادثہ ہے۔ خصوصاً ہندوستانی مسلمان تو جیسے ایک شفیق باپ سے محروم ہوگئے ہوں جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ ہند اور اہلِ علم، خانقاہوں اور مدرسہ والے آج اپنے کو یتیم محسوس کر رہے ہیں۔ یقیناً حضرتؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ترین ہے۔

حضرت فدائے ملتؒ بڑی ہی خوبیوں، غیر معمولی صلاحیتوں اور متنوع کمالات وفضائل کے حامل انسان تھے۔ آپ بہت زیادہ متحمل المزاج، صاحبِ فہم وفراست، صاحب الرائے، عزم و ارادہ کے پہاڑ اور مصائب کے تھپیڑوں سے نہ گھبرانے والے بلکہ مشکلات میں اور زیادہ قوتِ رائے وفیصلے کے مالک تھے۔

آپ نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے پوری ملتِ اسلامیہ کی عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں کی خصوصاً جو شاندار خدمات انجام دی ہیں وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ تحفظ شریعت کا مسئلہ ہو یا تحفظ شہریت کا، فرقِ باطلہ سے مقابلہ کا معاملہ ہو یا مسلم اوقاف کے تحفظ کا، معاشرتی

خرابیوں کی اصلاح کا مسئلہ ہو یا عقائد کی برائیوں کی اصلاح کا، یوپی مذہبی مقامات ریگولیٹ بل کا معاملہ ہو یا اسکولوں میں قومی گیت وندے ماترم گانے اور بھارت ماتا کی فرضی تصویر پر پھول اور مالائیں چڑھانے کا، مسلمانوں میں تعلیمی وسیاسی زبوں حالی کا مسئلہ ہو یا پولیس اور فوج میں داڑھی رکھنے کا، فرقہ وارانہ فسادات کا معاملہ ہو یا قدرتی آفات وحوادثات کا، غرض کہ تمام سلگتے مسائل پر حضرت امیر الہندؒ کی خدمات اور مساعی جمیلہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کی روشن وتابناک زندگی نفع بخش انتھک مصروفیات اور جہد مسلسل کا خوبصورت عنوان تھی۔ آپ نے دن رات امتِ مسلمہ کی خیرخواہی، صلاح وہدایت اور فلاح دنیوی واُخروی کی خاطر ایسے مخلصانہ اور پرجوش جذبے سے کام کیا کہ قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہوگئی:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

آپ کی کتابِ حیات کے ہر ہر ورق کے متعلق لکھا جاسکتا ہے اور لکھا جائے گا اور یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ہر موضوع تشنہ رہ جائے گا، لیکن حقیر کو آپ کی مجاہدانہ زندگی کے جس روشن وتابناک اور جہادی پہلو کو بیان کرنا ہے وہ ہے فرقہ وارانہ فسادات میں آپ کی ناقابلِ بیان خدمات، ظلم وبربریت کے خلاف آپ کی معرکہ آرائی، اور فسطائیت کے مقابلہ میں آپ کی مستعدی وجانفشانی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت فدائے ملتؒ محض ایک مسلم یا سیاسی قائد نہ تھے بلکہ آپ اپنے سینے میں ایک دردمند اور مظلوموں، بے کسوں اور مصیبت زدوں کی تکلیف سے تڑپنے والا دل رکھتے تھے۔ اور جب انھیں یہ خبر مل جاتی کہ کہیں بھی انسانیت پر ظلم ہو رہا ہے تو وہ بے چین ہو جاتے اور چہرہ پر کرب کے آثار صاف دِکھائی دیتے بلکہ کئی بار ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے تھے:

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

وہ ان کی مدد کے لیے فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے اور ان کی امداد ودادرسی کے لیے سب سے پہلے پہنچ جاتے۔ ایک طرف تو مظلوموں کے زخموں پر مرہم رکھتے، ان کا حوصلہ بڑھاتے دوسری طرف ظالم وستمگر کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے۔ وہ فسادات میں ہونے والے ظلم وتشدد کے خلاف نہ صرف آواز اُٹھاتے بلکہ اس کے تدارک کے لیے میدان میں نکل پڑتے تھے۔ علو ہمت، حوصلہ مندی اور راہِ عزیمت پر چلنا انھیں ورثہ میں ملا تھا اس لیے فرقہ وارانہ فسادات کی جلتی اور دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑنا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معمول بن چکا تھا اور ہر ایسے وقت میں ''بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق'' کا مظاہرہ ہوتا تھا۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے حوالہ سے حضرت فدائے ملتؒ کا نظریہ

قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے سلسلہ میں حضرت امیر الہندؒ کا نظریہ یہ تھا کہ ایک قوم کی حیثیت سے یہ ملک ہندوستان اسی وقت ترقی کرسکتا ہے جب اس قوم کے سب اجزاء ترقی کے عمل میں شریک ہوں، ترقی کے پھل سب میں منصفانہ طور پر تقسیم ہوتے رہیں اور سب کو اپنے مذہبی، سیاسی، معاشی اور انسانی حقوق کے تحفظ کا یقین ہو۔ فرقہ وارانہ فساد سے اس یقین کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ ایک جگہ کا فساد بعض مرتبہ کئی جگہ پھیل جاتا ہے اور اگر لوٹ مار وقتل وغارت گری کے واقعات کسی علاقہ تک محدود رہیں تب بھی بے چینی اور کشیدگی دور دور تک پہنچ جاتی ہے۔ ایسے فسادات سے اقلیتوں کے جان و مال کے علاوہ ملک کی تعمیر وترقی کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور تعصب وتنگ نظری اور خودغرضی پیدا ہوجاتی ہے تو وہ دوسرے شعبوں کو بھی متاثر کرتی ہے۔

(اداریہ ’’قومی آواز‘‘ ۱۶؍جنوری ۱۹۸۳ء، ماخوذ از خطبۂ صدارت اجلاسِ عام، ممبئی)

حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ اپنی پوری زندگی اسی نقطۂ نظر پر جمے رہے اور ہمیشہ جمعیۃ علماء کی تاسیسی روح اور اس کے اوّلین قائدین کے عمل ونظری طرزِ عمل سے روشنی کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنی ہمت وجرأت، دوررس منصوبہ بندی اور نتیجہ خیز حکمت عملی سے اہلِ سیاست اور ہم وطن قوم کو یہی سبق دیتے رہے کہ سیاست، ثقافت، معیشت اور قومیت کے معاملوں میں تنگ نظری، خودغرضی اور علاحدگی پسندی اکثریت اور اقلیت دونوں کے حق میں مضر ہے لیکن اس میں اقلیتوں کا نقصان نسبتاً زیادہ ہے، اس لیے آپ نے اقلیتوں کو بھی یہ تلقین کی ہے کہ ان کے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی صفوں میں ان رجحانات کو داخل نہ ہونے دیں اور ان قوتوں کا ساتھ دیں جو ان رجحانات سے نبرد آزما ہیں۔

فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں حضرت فدائے ملتؒ کا نظریہ:

فسادات کے سلسلہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ پولیس اور فرقہ پرستوں کے باہمی تعاون سے ہی ہوتے ہیں۔ ہر فساد کی یہ تاریخ رہی ہے کہ پولیس اور پی اے سی نے گھروں میں گھس گھس کر بوڑھوں، کمزوروں، عورتوں اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر جلتی ودہکتی آگ میں پھینک دیا گیا۔ حضرتؒ بھی یہی فرمایا کرتے تھے: (فرقہ واریت مخالف کنونشن، ص ۱۸)

نیز آپ فرماتے تھے کہ زیادہ تر فسادات بہت معمولی اور بالکل مقامی نوعیت والی باتوں سے شروع ہوکر جس طرح سنگین شکل اختیار کرلیتے ہیں اور پھیل جاتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے پیچھے ایک منظّم سازش کارفرما ہوتی ہے۔ اس طرح اقلیتوں کو دہشت زدہ کرنے کی

کوشش کی جاتی ہے، اس کوشش کے اغراض ومقاصد مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہوتے ہیں۔ نیز اکثر اوقات فرقہ وارانہ فسادات ایسے مقامات پر ہوتے ہیں جہاں اقلیتیں معاشی اعتبار سے زیادہ خوشحال ہوتی ہیں۔ان مقامات پرفساد کا مقصد اقلیتی افراد کے کاروبار کو تباہ کرنا ہوتا ہے۔

(اداریہ قومی آواز،۱۶رجنوری۱۹۸۳ء)

حضرتؒ نے ہمیشہ فرقہ وارانہ فساد کو مذہبی رنگ میں پیش کرنے اور ملّی مسئلہ بنانے کی مخالفت کی، بلکہ آپ نے اس کو حق وانصاف کا مسئلہ قرار دیا۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء میں احمد آباد فسادات پر راجیہ سبھا میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

’’یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ دراصل یہ ظلم وانصاف اور امن و قانون کا مسئلہ ہے۔‘‘

آگے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

’’میں کہتا ہوں کہ کوئی بھی جو امن قائم نہیں رکھتا اُسے مجرم کے کٹھرے میں رکھ دیا جانا چاہیے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس طرح کی چیز کیوں ہوئی۔ میرے سامنے یہ مسئلہ نہیں کہ ایک مسلمان کو نہ مارا جائے اور دوسرے مذہب کے لوگوں کو قتل کیا جائے، ہندو مسلمان یا کسی بھی مذہب کا آدمی ہو اس کو قتل کرنا کوئی انصاف نہیں ہے اور حکومت کے لیے لاء اینڈ آرڈر کو قائم رکھنا ایسے موقع پر بہت لازمی ہوجاتا ہے۔‘‘

(فرقہ وارایت مخالف کنونشن، ص ۶۷)

حضرتؒ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر اس کو مذہبی مسئلہ بنایا جائے گا تو اس کا وزن کم ہوجائے گا اور اگر اس کو مذہبی زندگی کے بجائے مظلوم انسانیت کا مسئلہ سمجھیں گے اور دوسرے انصاف پسند غیر مسلموں کو ساتھ لے کر چلیں گے تو ایک طاقتور آواز پیدا ہوگی۔ نیز آپ فرماتے تھے کہ:

’’ان فرقہ وارانہ ہنگاموں سے ملک کمزور ہوتا ہے اس لیے ہر انصاف پسند شخص (مسلم ہو یا غیر مسلم) کو مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور جانی ومالی تباہی کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے۔‘‘ (تعمیری جدو جہد، مصنفہ اخلاق حسین قاسمی، ص ۱۵)

ایک موقع پر فرماتے ہیں:

’’اس وقت سوال انسانیت، شرافت، قانون وانصاف، اقلیتوں کے تحفظ، ملکی ووطنی سالمیت کے علاوہ خاص کر ان سیکولر قدروں کے تحفظ کا ہے جنھوں نے تحریک آزادی میں ملک کے تمام فرقوں کو ایک محاذ پر اکٹھا کیا تھا۔ یہ سیکولر ورثہ ملک کے

سیکولر جمہوری آئین کی اساس ہے جس کی حفاظت کے لیے کمر بستہ رہنا ہر محبّ وطن ہندوستانی کا فریضہ ہے۔'' (فرقہ واریت مخالف کنونشن،ص ۱۶)

اور بلاشبہ حضرتؒ کے اسی نظریہ کا اثر ہے کہ ملک میں لاکھوں غیر مسلم حضرات ایسے موجود ہیں جو مسلمانوں کے معاشی اور شہری حقوق میں ان کی حمایت کرتے ہیں۔

فرقہ پرستی کی بیخ کنی کے لیے حضرتؒ کے اقدامات:

۱۹۴۷ء میں تقسیم وطن کے نتیجہ میں فسادات کی شکل میں مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اس کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ ملک کے مختلف مقامات پر فسادات کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر نے ان فسادات کی روک تھام اور ان سے پیدا شدہ حالات پر قابو پانے کے لیے جس قدر کوششیں کیں وہ ناقابلِ بیان ہیں۔ بالخصوص حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان سنگین اور پرخطر حالات میں جس جرأت و بہادری سے فرقہ پرستی اور انسانی درندگی کا مقابلہ کیا اور فرقہ پرستی کے ناپاک ارادوں کو ختم کرنے کے لیے جو انتھک محنتیں اور کوششیں کی ہیں وہ تاریخ کا ایک زرّیں باب اور آپ کی کتابِ زندگی کا ایک روشن ورق ہے۔ حضرتؒ کی وہ کوششیں اس قدر ہمہ جہت ہیں کہ ان کو مختلف عنوانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ بندہ کے نزدیک حضرتؒ کی اس سلسلہ میں خدمات کو سات عنوانات میں منقسم کیا جا سکتا ہے جن کو آئندہ سطور میں مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) دعائیں:

اس سلسہ میں سب سے اہم چیز آپ کی سحر گاہی اور دیگر اوقات کی وہ دعائیں ہیں جو آپ امت مرحومہ کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ احقر کو اس بات کا پختہ یقین ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرتؒ کو مدرسہ بحر العلوم کشن پور میں تشریف لانا تھا۔ معمول کے مطابق علاقہ میں کئی ایک پروگرام تھے۔ عصر کی نماز مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ کی مسجد میں ادا فرمائی۔ نماز کے بعد جب مسجد سے نکل گئے تو مدرسہ کے مؤقر مہتمم مولانا محمد یوسف صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیں۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا: ''تم نے ہی اپنے اپنے لیے دعا کی ہوگی۔ میں تو سب کے لیے دعا کر کے اُٹھا ہوں۔'' اللہ اکبر! کیا ہمدردی ہے امت کے حال پر۔

یقیناً آپ اپنے ربِّ کریم کے حضور پوری امت کے لیے عموماً اور ملت اسلامیہ ہند کے لیے خصوصاً دعا کرتے ہوں گے۔ گڑگڑاتے ہوں گے، گرم گرم آنسو بہاتے ہوں گے کہ اے ربِّ کریم! اے خداوند قدوس! اس مظلوم امت پر رحم فرما اور اس کی ڈوبتی کشتی کو گرداب سے نکال کر ساحل پر لگا دے۔

(۲) اجلاس و تحریکات:

حضرت فدائے ملتؒ نے فسادات کی روک تھام اور قومی یکجہتی کے لیے مختلف کنونشن بلائے، اجلاس کیے اور جیل بھرو تحریک چلائی۔ چنانچہ:

(۱) فرقہ پرستی اور فاشزم کے خونی پنجوں کو موڑنے کے لیے حضرتؒ نے ۲۹-۳۰/نومبر ۱۹۶۴ء کو بمقام وگیان بھون ''قومی جمہوری کنونشن'' منعقد کیا جس میں ملک کی چیدہ اور سنجیدہ شخصیات نے شرکت کی۔ کنونشن بہت کامیاب رہا اور اس کے ذریعہ ملک کے سنجیدہ طبقے کو یہ سوچنے سمجھنے کا موقع ملا کہ ملک کی بھلائی کس چیز میں پوشیدہ ہے۔ اس کنونشن کے بعد ملک میں ایک رائے وجود میں آئی جس میں یہ جھلک صاف نظر آرہی تھی کہ اس ملک میں مسلمانوں کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا دوسرے لوگوں کا ہے۔ نیز حکومت نے بھی یہ عزم دہرایا کہ ملک میں سرکاری سطح پر کسی بھی فرقہ پرستانہ تحریک کو پنپنے نہیں دیا جائے گا۔

(۲) پھر فرقہ پرستی کے اُمنڈتے سیلاب پر بند باندھنے کے لیے حضرت امیر الہندؒ نے ۱۹۷۹ء میں ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' چلائی جس کا پہلا دور ۹/جولائی ۱۹۷۹ء سے شروع ہوکر ۲۵/جولائی ۱۹۷۹ء کو ختم ہوا جس میں دو ہزار ایک سو چھبیس حضرات نے گرفتاری دی جبکہ دوسرا دَور ۲/اکتوبر ۱۹۷۹ء سے شروع ہوکر ۱۵/اکتوبر ۱۹۶۹ء کو ختم ہوا جس میں چار ہزار چھ سو گیارہ افراد نے گرفتاری دی جس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے اور مسلمانوں کو ایک نئے عزم وحوصلے کے ساتھ جینے کا موقع ملا۔

(۳) ظلم و ناانصافی کے خلاف جمعیۃ علماء ہند کے قائد محترم نے پھر محسوس کیا کہ برادرانِ وطن کو آواز دی جائے اور انھیں آگاہی دی جائے کہ مسلمانوں کا نقصان پورے ملک کا نقصان ہے اور اگر انھوں نے بروقت فرقہ پرستی کے عزائم کا مقابلہ نہ کیا تو تیر کمان سے نکل جائے گا اور پھر واپس نہیں آئے گا۔ چنانچہ پہلے ۲۵-۲۶/جنوری ۱۹۹۱ء کو بمقام مدنی ہال واقع دفتر جمعیۃ علماء ہند ایک کل ہند اجتماع منعقد کیا جس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا دعوت نامہ خود صدر محترم رحمۃ اللہ علیہ نے جاری فرمایا جس میں آپ نے انتہائی کرب بھرے انداز میں مسلم علماء وزعماء کو دعوت دی کہ وہ موجودہ سنگین حالات پر سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی ایسا لائحۂ عمل مرتب کریں جو ملک وملت دونوں کے لیے مفید ہو۔ اس میں حضرتؒ نے جو خطبۂ صدارت پیش فرمایا اس کا ہر ہر لفظ اور ہر ہر سطر قیمتی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''آج ہمارا ملک اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ فرقہ پرست

قوتیں متحد ہوگئی ہیں، تخریب کار عناصر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہوگئے ہیں، مسلم دشمن طاقتیں ہر اعتبار سے مسلح ہوگئی ہیں اور ان سب نے ایک مشترکہ حکمتِ عملی اور منظّم منصوبہ کے تحت اپنی جارحانہ سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا ہے، جس سے نہ صرف مسلمانوں کے عزّت ووقار، جان و مال، معابد ومعاہد اور تشخص و شناخت کو شدید خطرہ لاحق ہوگیا ہے بلکہ خود ملک کی سالمیت و جمہوریت نرغے میں آگئی ہے اور تشویشناک بات تو یہ ہے کہ مسلم اقلیت کے خلاف یہ جارحانہ فرقہ واریت اور معاندانہ سرگرمیاں صرف عوامی زندگی ہی میں اثر انداز نہیں ہیں بلکہ حکومت کے دائروں میں بھی اس کی چھاپ دن بدن گہری ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے ہر ذی شعور کو جو اس ملک میں سیکولرزم اور جمہوریت کی شمع روشن دیکھنا چاہتا ہے۔ جسے یہ عزیز ہے کہ ہندوستان متعدد مذاہب، مختلف تہذیبوں، نوع بہ نوع زبانوں اور رنگا رنگ ثقافتوں کا گلدستہ سدا بہار بنا رہے، اسے اپنے شخصی اور جماعتی مفاد ومصالح سے بلند ہوکر فرقہ واریت کے اس طوفان بلاخیز کے آگے بند لگانے کے لیے میدان میں آنا پڑے گا۔ آج ملک فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا ہے جس طرف دیکھئے فرقہ واریت کے لپکتے ہوئے شعلے اور نفرت کے بلند ہوتے ہوئے دُھوئیں فضاوطن کو مسموم اور تیرہ وتاریک بنائے ہوئے ہیں، اور نفرت وتعصب کی اس آگ کا ایندھن بطور خاص مسلمانوں کو بنایا جارہا ہے۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں صرف حالیہ تین مہینوں (اکتوبر، نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء) کا سرسری و اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمائیں جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ جمہوریہ ہند اور اس سیکولر اسٹیٹ میں یہاں کی سب سے بڑی اقلیت کو تباہ و ہلاک کرنے کی کیسی ہمہ گیر اور منظّم تحریک چلائی جارہی ہے۔ اُتر پردیش میں تین ماہ کے دوران بیالیس مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات ہوگئے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا گیا۔ ان فسادات میں محتاط اندازے کے مطابق ڈھائی تین سو مسلمان شہید کیے گئے اور تقریباً ساڑھے تین کروڑ کی املاک تباہ وبرباد کی گئیں۔“

اس کے بعد حضرت فدائے ملتؒ نے اتر پردیش کے علاوہ گجرات کے چودہ مقامات، راجستھان، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش مہاراشٹر، مغربی بنگال، بہار اور دہلی کے مختلف علاقوں کی تباہی کے واقعات بتانے کے بعد فرمایا:

''حالات و واقعات شاہد ہیں کہ یہ فسادات اچانک کسی اشتعال یا غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں ہوجاتے بلکہ ان کے پس منظر میں ایک منصوبہ بند سازش اور منظّم تدبیریں کارفرما ہوتی ہیں، فضا کو مسموم اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے کے لیے کبھی مذہب کا نام لے کر ماحول میں تناؤ پیدا کیا جاتا ہے کبھی ذات برادری کے عنوان سے لوگوں میں تفریق و انتشار کی تخم ریزی کی جاتی ہے اور کبھی مسجد و مندر کا قضیہ کھڑا کر کے عوام کو پاگل بنایا جاتا ہے اور سب سے بڑی افسوسناک بات تو یہ ہے کہ قانون کے نفاذ میں امتیاز برتا جاتا ہے۔ انتظامیہ کے افسران اور پولیس کے اعلیٰ حکام فرقہ پرست عناصر کی تباہ کن سرگرمیوں کی طرف سے اغماض برتتے ہیں یا ان کی براہِ راست سرپرستی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان فتنہ انگیز سازشوں اور خوں ریز تدبیروں سے اچھی طرح باخبر ہونے اور ان کے مہلک اثرات و نتائج سے پوری واقفیت کے باوجود ان کے خلاف قانونی کارروائی سے گریز اور ان کو بے اثر کرنے کے اقدام سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ ارباب اقتدار کی اس مجرمانہ خاموشی سے فسطائی طاقتوں کے حوصلے بڑھتے ہیں اور وہ بڑی سے بڑی تباہی مچانے کے لیے بڑی بڑی سازشیں اور تدبیریں کرتے ہیں۔''

آخر میں فرماتے ہیں:

''اس لیے بلا لحاظ مذہب و ملّت اور ذات برادری تمام انسانوں کے ساتھ محبت و مروّت، سچائی و امانتداری، ایک دوسرے کی خیرخواہی و ہمدردی اور باہمی اعتماد کا برتاؤ کرنا اور فتنہ و فساد، ظلم و زیادتی، تعصب و نفرت، کذب و فریب سے اپنے آپ کو دور رکھنا ہماری دینی و مذہبی ذمہ داری ہے اور اسی میں ہماری خوشگوار حیات بھی مضمر ہے، اسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کو ختم کرنے کے لیے ظالم کے پنجے کو مروڑ دینا آپ کا ایمانی تقاضا ہے۔ صبر و ضبط اور ظلم و عدوان کے مقابلہ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بہرحال ہم حالات کی ضرورت و نزاکت کو سمجھیں اور اپنے آپ کو اس کے مقابلہ کے لیے تیار کریں۔ اس وقت جوش سے زیادہ ہوش کی اور حرارت سے زیادہ روشنی کی ضرورت ہے۔'' (فرقہ واریت مخالف کنونشن نمبر، ص ۱۶ تا ۲۱)

(۴) بعد ازاں ۲۷؍جنوری ۱۹۹۱ء بروز یکشنبہ بمقام تالکٹورہ اسٹیڈیم ''فرقہ واریت مخالف کنونشن''، منعقد ہوا۔ حضرتؒ نے کنونشن کی افتتاحی تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''جمعیۃ علماء ہند نے استخلاصِ وطن کے لیے نہ صرف یہ کہ سرفروشانہ جدوجہد کی بلکہ اس نے تقسیم ملک سے پہلے بھی فرقہ پرستی کا مقابلہ کیا اور تقسیم ملک کے بعد بھی برابر اس سے مقابلہ کررہی ہے۔اس لیے سیکولر کہے جانے والے لیڈر اگر فرقہ پرستی کے خلاف میدانِ عمل میں نہیں اُترے تو جمعیۃ علماء ہند بہرحال اپنا مشن جاری رکھے گی اور اس ملک کو تباہ ہونے نہیں دے گی۔'' (ایضاً ص ۳۱)

کنونشن میں مسلم علماء ودانشوروں کے علاوہ دیگر سماجی اور سیاسی سیکولر شخصیات بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئیں اور اس میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی۔

(۵) ۶ ر دسمبر ۱۹۹۲ء کے المناک حادثہ اور پانچ سو سالہ تاریخی بابری مسجد کی شہادت کے بعد پورا ملک فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ ہزاروں اقلیتی افراد پولیس کی بربریت اور فرقہ پرستوں کی وحشت ناکی کا شکار ہوکر موت کی آغوش میں چلے گئے۔کھربوں روپے کی مسلمانوں کی املاک لوٹ کر جلا دی گئیں۔ ہزارہا ہزار مسلمانوں کو زخمی اور گرفتار کر کے ہسپتالوں اور جیلوں کی زندگی پر مجبور کردیا گیا۔

ظاہر ہے کہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کی ہوش مند قیادت کے لیے یہ حادثہ جانکاہ قومی وملّی نقطۂ نظر سے ایک روح فرسا سانحہ تھا،اس کے لیے جہاں مسلمانوں کی جان ومال،عزت وآبرو عزیز ہے وہیں ملکی اتحاد،قومی یکجہتی اور اس کے لیے جدوجہد بھی اس کے بنیادی مقاصد کا ایک حصہ ہے۔ اس نے ایک بار پھر سیکولر عناصر کو آواز دی کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ فرقہ پرستی کے اس عفریت کا کیوں کر مقابلہ کیا جائے جس نے صرف اقلیتوں اور مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ملک کی سالمیت اور اتحاد کے لیے بھی چیلنج کھڑا کردیا ہے۔

چنانچہ ۱۲ر فروری ۱۹۹۳ء کو فکّی آڈیٹوریم کے وسیع وعریض ہال میں حضرتؒ کی دعوت پر ہزاروں افراد اور رہنماؤں نے اکٹھے ہوکر فرقہ پرستوں کے اس چیلنج کو نہ صرف قبول کیا بلکہ ایسی ٹھوس کارروائی کا بھی فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں فرقہ پرستی اور دہشت گردی کا یہ بھوت اپنی موت آپ مر جائے۔

اس تاریخ ساز ''قومی اتحاد کانفرنس'' نے اس موقع پر جو تجویز منظور کی اور جس جوش وولولہ کے ساتھ مختلف پارٹیوں اور مختلف مکتبۂ فکر کے نمائندوں کی طرف سے اس کی تائید کی گئی اس نے ایک بار پھر یہ بات واضح کردی ہے کہ ہندوستان میں فرقہ پرستی کا کوئی مستقبل نہیں ہے اور اس کے لیے مقدر ہے کہ وہ مر جائے۔

(۶) بعد ازاں گجرات میں فرقہ پرستوں کی شیطنت، درندگی، مسلمانوں کی منظّم نسل کشی کے بعد حضرتؒ نے ۲۰۰۲ء میں ''ملک وملت بچاؤ تحریک'' چلانے کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت امیر الہندؒ نے تحریک کے پہلے دن ۲/ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو تحریک کے مرکز کالی مسجد بستی حضرت نظام الدین میں تشریف لاکر تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''آج ہم یہاں جیل بھرو تحریک کے سلسلہ میں اکٹھا ہوئے ہیں۔ ۵۵ سال سے مسلمانوں کو ستایا جا رہا ہے، دستور ہند میں ان کے تحفظ کی ضمانت کے باوجود کسی بھی حکومت نے ان کے جان و مال کا تحفظ نہیں کیا۔ ہزاروں فسادات، لاکھوں مسلمانوں کا قتل، اربوں کھربوں کا مالی نقصان ہم نے برداشت کیا۔ مگر موجودہ حکومت دستور کی پابندی تو کیا کرتی بلکہ اپنے خفیہ منصوبوں پر عمل کرتے ہوئے ہمارے مدارس و مساجد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہر ظلم و ناانصافی کے خلاف ہمیشہ ہم نے آواز بلند کی مگر ہمارے لیے ہر پارٹی اور حکومت اندھی، بہری، لولی اور لنگڑی کا قتل عام کیا اور زندہ جلایا۔ یہ سلسلہ مہینوں چلتا رہا۔ جب حکومت ہی ڈاکو اور ظالم بن جائے تو انصاف کون دلائے گا۔ آج گجرات ہی کا نہیں پورے ملک کا سوال ہے۔ آج کو دیکھ کر کل کا فیصلہ کرو، حوصلہ رکھو اور اُٹھ کھڑے ہو، ہم زندہ قوم ہیں اپنی زندگی کا ثبوت دینا ہے۔''

۸/ اکتوبر ۲۰۰۲ء بروز منگل جتھے کے قائد خود حضرت امیر الہندؒ تھے۔ آپ نے اس دن یہ اعلان فرمایا کہ:

''جمعیۃ علماء کم از کم بیس ہزار خدام ملت کا ایک ایسا دستہ تیار کرے گی جو ظلم و ناانصافی اور انسانی درندگی و فرقہ پرستی کے خلاف آواز بلند کرنے اور ملک وملت کو فسادات سے نجات دلانے کے لیے صرف ۲۷ گھنٹے کے نوٹس پر مطلوبہ مقام پر پہنچ جائیں۔''

(رپورٹ ملک وملت بچاؤ تحریک قلمی، ص ۱و۴)

یہ تحریک ۲/ اکتوبر ۲۰۰۲ء سے شروع ہو کر ۱۵/ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو ختم ہوئی جس میں تیس ہزار پانچ سو اٹھاسی افراد نے گرفتاری دی، جس کے مفید اثرات ظاہر ہوئے اور مسلمانوں کو اس ملک میں جینے کا ایک عزم و حوصلہ ملا۔ بعد ازاں حضرت امیر الہندؒ کی قیادت میں ایک وفد نے وزیر اعظم سے اپنے مطالبات پیش کیے جن میں فرقہ پرست تنظیموں پر پابندی لگانے کا مطالبہ بھی شامل تھا۔

ان اجلاسات و تحریکات کے علاوہ جنوری ۱۹۸۳ء میں بمبئی کا ۱۱ اجلاس عام ۱۹۸۲ء میں

''جمہوریت کنونشن'، منعقد پٹنہ،۱۹۹۴ء میں دہلی میں شہ سرخیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کنونشن، نیز۲ رمئی۲۰۰۲ءکو'ملت مسلم اتحاد کانفرنس'' سب حضرتؒ کی زندگی کے تابناک نقوش اور جرأتِ رندانہ کے مظاہر ہیں جن کے ہر موقع پر مثبت ومفید اثرات پیدا ہوئے ہیں۔

(۳) مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ کی میٹنگیں:

فسادات کی روک تھام سے متعلق حضرتؒ کبھی کبھی مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ کو جمع فرماتے ،ان کو ذمہ داری یاد دلاتے چنانچہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۹۰ءکو ملک کے سنگین فرقہ وارانہ فسادات پر گفتگو کرنے کے لیے تمام مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ کو حضرتؒ نے اپنی قیام گاہ پر مدعو کیا۔ممبران کی اکثریت نے اس میٹنگ میں شرکت کی اور کھلے دل کے ساتھ بلا امتیاز پارٹی تمام حالات پر گفتگو کی۔حضرتؒ کی تحریک اور مسودہ پر اس میٹنگ میں ایک میمورنڈم تیار کر کے وزیراعظم کو پیش کرنے پر اتفاق کیا گیا جس میں فرقہ پرستی پر بند لگانے اور کرپٹ وفرقہ وارانہ ذہن رکھنے والی فورسز کو توڑنے کا مطالبہ بھی شامل تھا۔اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک موقعوں پر آپ نے مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ کی میٹنگ کر کے اجتماعی جدوجہد فرمائی ہے۔مثلاً ۱۹۸۲ء میں ۴۴ ممبران کے دستخط کے ساتھ حضرتؒ کی سرکردگی میں اس وقت کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو فسادات کی روک تھام کے متعلق ایک میمورنڈم پیش کیا گیا۔(الجمعیۃ،۲۹ر نومبر ۱۹۸۲ء) اسی طرح حال ہی میں گجرات میں ہونے والی مسلمانوں کی نسل کشی کے بعد حضرتؒ نے گیارہ مسلم تنظیموں کی قیادت کرتے ہوئے وزیراعظم منموہن سنگھ سے ۲۶ر اکتوبر ۲۰۰۴ءکو ملاقات فرمائی۔(سیاست،حیدرآباد،۲۷ر اکتوبر ۲۰۰۴ء)

(۴) پارلیمانی تقاریر:

چنانچہ احمد آباد فسادات کے سلسلہ میں راجیہ سبھا میں ۱۹ر نومبر ۱۹۶۹ءکو حضرت فدائے ملتؒ نے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''ہمارے اس ملک کی آزادی کے بعد ان بائیس برسوں میں یک طرفہ فسادات، فرقہ وارانہ غارت گری، حیوان نما بربریت اور درندگی کے متعلق دستور ساز اسمبلیوں اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں غور کیا گیا ہے۔نیشنل انٹی گریشن کونسل کی متعدد مجلسوں نے اس کے انسداد کے لیے سفارشات پیش کی ہیں۔ہمارے معزز ممبروں اور حکومت ہند کے ذمہ داروں نے ملک کی اس صورتِ حال پر بار بار تشویش کا اظہار کیا ہے،لیکن آخر یہ کیا بات ہے کہ ملک کے بہت بڑے انصاف دوست، امن پسند طبقوں اور حکومت کے ذمہ داروں کی فرقہ واریت سے بیزاری

اور اسے ملک دشمن سمجھنے کے باوجود اب تک ہمارے ملک سے یہ بدقسمتی دور نہیں ہوسکی اور منظّم فسادات کی ایک دہشت انگیز مہم جاری ہے جس کے منصوبے ایک مخصوص طبقے کی نسل کشی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہندوستان کی تاریخ میں نازی ازم کی عہد کی تجدید کرر ہے ہیں:

ہمیں رہنے کو وہ ملا ہے گھر جو کہ آفتوں کی ہے رہ گزر
تمھیں خاکساروں کی کیا خبر کبھی نیچے اُترے ہو بام سے

ہاؤس کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کی اس تصویر کو پیش کرتے ہوئے مجھے بہت ہی دُکھ ہورہا ہے۔ آزادی کے بعد بائیس برسوں میں ماہ وسال کی کوئی مدت ایسی نہیں گزری جبکہ پولیس اور فرقہ پرستوں کے باہمی تعاون سے اسے تاراج نہ کیا گیا ہو......اس محترم ہاؤس کے سامنے میں اس حقیقت کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ قانون کا استعمال مسلمانوں کے لیے عموماً صحیح طور پر نہیں ہوتا، جب مسلمان پر حملہ ہوتا ہے تو انھیں پولیس ایڈمنسٹریشن یہاں تک کہ آگ بجھانے والے عملے اور انٹیلیجنس کسی کی مدد نہیں ملتی۔ اور اگر مسلمان سیلف ڈیفنس کے لیے کھڑا ہونے کی کوشش بھی کرتا ہے تو فوراً مسلح پولیس فسادیوں کے ساتھ ان مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے کھڑی ہوجاتی ہے:

ہاتھ کے خون کو تم رنگِ حنا کہتے ہو
اور دامن پہ جو دھبے ہیں اُنھیں کیا کہتے ہو

ہندوستانی مسلمانوں کی مظلومیت کے یہ دردناک واقعات ہمارے ملک کی تاریخی عظمتوں کو داغدار کرر ہے ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ دراصل یہ ظلم وانصاف اور امن وقانون کا مسئلہ ہے۔ میں ہاؤس کے سامنے یہ بات واضح کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ملک کی کسی اقلیت کو نظرانداز کرکے اور اس کی عملی صلاحیتوں کو مفلوج بنا کر اسے زندگی کی راہ سے الگ کرنے کی کوشش ملک کی تعمیر و ترقی کے مقصد کے لیے صرف مضر ہی نہیں بلکہ یہ بہت بڑا قومی وملکی گناہ بھی ہے...... ملک کے ذمہ داروں کا قومی جرم یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اس گناہ کی پردہ پوشی کی کوشش کی ہے۔ اس ظلم کے جواز کے لیے تاویلیں کی ہیں۔ ایڈمنسٹریشن کی مجرمانہ فرقہ پرستی کی تاویل کی اور اپنی کوتاہی کا الزام کسی دوسری طاقت کے سر پر ڈال کر

بری الذمہ ہوتے رہے۔ اور صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے اور پوری قوت سے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے عمومی طور پر اس کی ہمت افزائی کرتے رہے یہاں تک کہ اب یہ چنگاری شعلہ بن گئی اور زخم ناسور بن گیا:

کر کے خون میر کا جا بیٹھے ہیں گھر کے اندر
اور پوچھتے ہیں کہ ہے در پہ یہ غوغا کیسا

یہ بات بالکل ناپسندیدہ اور شرانگیز ہے کہ جب ظلم و ناانصافی کی بات آئے، مسلمانوں کی تباہی و غارت گری کی بات آئے تو اس کا رشتہ پاکستان یا کسی بیرونی طاقت سے جوڑنے کی کوشش کی جائے، یہ ہندوستانی مسلمانوں کی توہین ہے۔ ان کی عزت و وقار کی تذلیل ہے اور مظلومیت کے خلاف ایک منصوبہ بند سازش ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے، اور ابھی اندور میں ہوا، اور اب احمد آباد میں بار بار اس کا اعادہ کیا گیا، میں مسلمانوں کی اس توہین کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہوں۔''

(فرقہ واریت مخالف کنونشن، ص ۶۵)

۳۰/اپریل ۱۹۷۰ء کو وزارتِ داخلہ کی کارکردگی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بڑی صفائی کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا:

''سماج کو پاکیزہ بنانا اور ہر قسم کی بدعنوانیوں اور کرپشن سے محفوظ رکھنا، ملک کے تمام شہریوں میں سلامتی و تحفظ کا یکساں یقین واعتماد قائم کرنا وزارتِ داخلہ کی ذمہ داری ہے۔ نیز ایک سیکولر اور جمہوری ملک میں تمام اقلیتوں کو بلالحاظ مذہب و ذات جان و مال، عزت و آبرو اور ان کے جائز مفادات کی گارنٹی دی گئی ہے اور اس گارنٹی کی محافظ مشنری یہ ہوم منسٹری ہے، لیکن مجھے یہ کہنے میں تردّد نہیں کہ ملک کے عام شہریوں خصوصاً اقلیتوں کا یہ اعتماد و یقین پیہم مجروح ہو رہا ہے۔ (ایضاً ص ۶۹)

نیز حضرتؒ نے اپنی اس تقریر میں اس کو بھی واضح فرمایا کہ پورے ملک میں صورتِ حال یہ ہے کہ بعض مرتبہ محض ایک معمولی اور انفرادی واقعہ بلکہ بسا اوقات محض بناوٹی واقعہ اور افواہوں پر ملک کے مختلف حصوں میں بڑے بڑے فسادات ہوئے ہیں، پھر آپ نے ایسے چند واقعات گنوائے، بلکہ کئی ایک واقعے تو ایسے بھی ہیں کہ غیر مسلموں نے حالات خراب کیے اور اس کو مسلم نوجوانوں کے سر منڈھ کر مسلم آبادیوں کو خاکستر کر دیا گیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''ملک کے اکثر و بیشتر فسادات ایسے ہیں کہ جہاں کہیں فرقہ پرستی اور فاشزم نے

اپنے پیر پھیلائے ہیں وہاں واقعات کی تفصیل یہی بتاتی ہے کہ یا تو محض بے بنیاد افواہ تھی جس کو بہانہ بنا کر فساد برپا کیا گیا یا بہت معمولی سا سماجی واقعہ تھا جسے کسی طبقہ کا اجتماعی جرم بتا کر پولیس اور مقامی ایڈمنسٹریشن کی سازش سے پوری کمیونٹی کی قتل وغارت گری کی گئی اور پولیس کھڑی تماشا دیکھتی رہی۔'' (ایضاً،ص ۷۰)

۲۷/دسمبر ۱۹۷۲ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کلکتہ سے خطاب کرتے ہوئے حضرت فدائے ملتؒ نے فرمایا:

''اربابِ حل وعقد اگر واقعی فسادات سے پریشان ہیں تو پھر وہ بتائیں کہ فسادات کے مجرموں کو کیا سزائیں دی گئی ہیں، کتنے مجرم افسروں کو معطل کیا گیا۔''

آپ نے فرمایا:

''اگر کانگریس اپنی حکومت میں مسلمانوں کے لیے پرامن حالات پیدا نہ کرسکی تو یہ سمجھنا درست ہوگا کہ حکومت آر ایس ایس کی ہے۔''

آپ نے مزید فرمایا:

''مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا مسئلہ جان و مال کے تحفظ کا ہے۔ اگر حکومت اس سلسلہ میں کچھ نہیں کرسکتی تو اسے ہماری حکومت یا قومی حکومت کہلانے کا حق نہیں۔'' (ایضا،ص ۷۸)

۲۲/فروری ۱۹۷۳ء کو ایوانِ بالا میں صدر کے شکریہ کی قرارداد پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''بدکردار لوگ عام طور پر پولیس وغیرہ میں داخل ہوگئے ہیں، فرقہ وارانہ جذبات رکھنے والے بھی پولیس میں گھس گئے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اپنے فرض کو ایمانداری سے ادا نہیں کرتی بلکہ وہ ایسے کارنامے برابر انجام دے رہی ہے جس سے جانور اور درندے بھی شرما جائیں۔ ابھی جو فسادات فیروز آباد، بنارس، نوناری اور دوسری جگہوں میں ہوئے ہیں ان میں پولیس نے جو رول ادا کیا ہے وہ بالکل لٹیروں اور فسادیوں جیسا ہے۔'' (ایضا،ص ۷۹)

۱۹۸۰ء میں مرادآباد میں عید کے دن عیدگاہ کے اندر نہتے مسلمانوں کو جس طرح گولیوں سے بھون ڈالا گیا، پھر پورے شہر میں لوٹ مار اور قتل وغارت گری مچائی گئی اس سے حضرت فدائے ملتؒ بے حد دل گرفتہ تھے۔ آپ نے ۱۸/اگست ۱۹۸۰ء نیز ۱۱/فروری ۱۹۸۱ء کو راجیہ سبھا میں بڑی دلدوز

تقریر فرمائی اور اس منظّم فساد کی سازش کی تفصیلات آپ نے ایوان میں بیان کیں اور حالات سے ایوان کو مطلع کیا۔ نیز آپ نے فرمایا:

''مرادآباد کے وہ قاتل پولیس والے آج دوسرے اضلاع میں کہتے ہیں کہ اتنے آدمیوں کو مرادآباد میں مار کر آیا ہوں۔ یہاں بھی مرادآباد بنادوں گا۔ مرادآباد میں تعینات مانگے رام کانسٹبل نے ملہی پور ضلع سہارنپور میں دو مسلمانوں کو شہید کیا۔ آج فسطائی طاقتیں سارے ملک میں انتشار پھیلا کر جمہوریت کو مٹانا چاہتی ہیں۔ موجودہ صورتِ حال ملک کے ساتھ غداری ہے وفاداری ہرگز نہیں۔''

آپ نے مزید فرمایا:

''ہندوستان کی سرکار کو عوام کی جان و مال کو عزیز رکھنا ہوگا، افسران کی غلط روش اور جانبدار پالیسی کو ختم کرنا ہوگا، اسی کے ساتھ ساتھ جہاں فساد ہو وہاں کے افسران کو معطل کر کے تحقیقات کرائی جائے، عوام قصوروار ہوں تو ان کو بھی سزا دی جائے۔ افسران کو معطل کیے بغیر تحقیقات کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ افسران ظالم اور مظلوم نہیں دیکھتے بلکہ اپنے آدمیوں کی رعایت کرتے ہیں۔'' (ایضا،ص ۸۵)

۲۳ر فروری ۱۹۸۱ء کو صدرِ جمہوریہ ہند کے خطبہ پر بحث کے دوران آپ نے فرمایا:

''فرقہ وارانہ فسادات میں نہ تو کرفیو کی پابندی ہوتی ہے، کرفیو یکطرفہ ہوتا ہے، قانون کا مذاق اُڑایا جاتا ہے...... چنانچہ مرادآباد میں جو لوگ مجرم تھے وہ نہیں پکڑے گئے اور جو مجرم نہیں تھے جن پر کوئی جرم ثابت نہیں ہوا ان کو گرفتار کیا گیا۔ اس طرح ناانصافی کی روش افسروں میں بڑھتی چلی جارہی ہے۔''

بھاگلپور فساد کے حوالہ سے جنوری ۱۹۹۰ء کو صدرِ جمہوریہ کے خطبہ پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے آپ نے بہت تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ فسادات کی تفصیل کے بعد آپ نے فرمایا:

''اگر پولیس اس طریقے سے فسادیوں، چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں کا رول ادا کرے گی تو قانون وانصاف کہاں باقی رہے گا۔''

آخر میں آپ نے بڑے جذباتی انداز میں فرمایا:

''ہمارے لاکھوں آدمی مارے جائیں، تباہ و برباد ہو جائیں اور صدرِ جمہوریہ اس کو ایک بے ضرورت چیز سمجھیں تو یہ ملک اور ملک والوں کی طرف سے فرض کی ادائیگی نہیں بلکہ غفلت اور اغماض ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہر شہری کے جان و

مال، عزت وآبرو اور دین و مذہب کی حفاظت کرے اور اس سلسلہ کی رکاوٹیں دور کرے۔''

مذکورہ بالا اقتباسات مولانا کی پارلیمنٹ میں کی گئی تقریروں کا صرف ایک سرسری مطالعہ ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۶۲ء میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال سے مظلوموں خصوصاً مسلمانوں کے حقوق کے لیے اور فرقہ پرستی و ناانصافی کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے کے سلسلہ میں جو خلا پیدا ہوا تھا اُسے حضرتؒ نے بحسن وخوبی پر کیا۔ حضرتؒ کی ایوانِ بالا میں کی گئی تقاریر کا مجموعہ ''صدائے حق'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان تقریروں کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ نے تمام مسلم مسائل بلکہ مظلوموں کے مسائل پر جس جرأت وہمت اور صفائی کے ساتھ اپنے خیالات کو پیش کیا ہے حتیٰ کہ اپنی پارٹی کے خلاف بھی جس بے باکی سے محض انصاف کے تقاضوں کی تکمیل اور امن وقانون کی بالاتری کے لیے حق کی آواز بلند کی ہے وہ صداقت شعاری اور حق گوئی کی روشن مثال ہے:

آئینِ جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(۵) وزراء سے ملاقاتیں اور مطالبات:

حضرت فدائے ملتؒ کا فسادکی روک تھام کے سلسلہ میں ایک مؤثر اقدام یہ بھی تھا کہ ملک کے جس حصہ میں بھی فساد برپا ہوتا آپ وہاں کے وزیراعلیٰ، گورنر نیز صدرِ جمہوریہ، وزیراعظم اور وزیر داخلہ حکومت ہند وغیرہ سے ملاقاتیں کر کے صحیح صورتِ حال سے انھیں آگاہ فرماتے اور ان کے سامنے بشکل میمورنڈم مطالبات پیش فرماتے۔ آپ اس سے مطالبہ کرتے کہ:

(۱) اگر کسی جگہ مسلسل تین دن فرقہ وارانہ فساد جاری رہے تو اس ریاستی حکومت کو برطرف کر کے وہاں صدر راج نافذ کیا جانا چاہیے۔

(۲) جہاں بھی فساد ہو وہاں کے افسران کو معطل کر کے تحقیقات کرائی جائے۔ افسران کو معطل کیے بغیر تحقیقات کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

(۳) سیکورٹی وحفاظتی فورسیز میں اقلیتوں کی بھی مؤثر نمائندگی ہونی چاہیے تاکہ جان و مال، عزت وآبرو کے تحفظ میں کسی شخص کو بھی کوئی سازش، گروہ بندی اور ناانصافی کرنے کی جرأت نہ ہو اور سب کو انصاف اور قانون کے مطابق کام کرنا پڑے۔

(۴) فساد کے مجرموں کو تحقیقات کے بعد قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ کسی کو آئندہ اس طرح کی

حرکت کرنے کی جرأت نہ ہو۔

(۵) اشتعال پھیلانے والی تنظیموں بالخصوص ار ایس ایس، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دَل پر فوراً پابندی لگائی جائے۔

(٦) عدالتی فیصلہ کی روشنی میں فساد سے متاثرین کو معاوضہ دیے جانے کا قانون بلاتا خیر وضع کیا جائے۔

(۷) ضلع انتظامیہ اور پولیس کو فساد روکنے کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری میں غفلت اور کوتاہی برتنے کی بناپرواجبی سزادینے کا قانون بنایا جائے۔

ملاقاتوں کے علاوہ آپ اپنی پارلیمانی تقاریر میں بھی یہ مطالبات رکھتے اور جمعیۃ علماء کے اجلاسات میں بھی قراردادوں کی شکل میں مؤثر طریقے سے فرماتے تھے۔ پھران قراردادوں کو ذمہ دارانِ حکومت کے روبرو رکھتے۔

(٦) مکتوبات بنام وزراء:

فسادات کوختم کرنے کی کوششوں میں سے حضرتؒ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وزراءکوآپ خط و کتابت کرنے اورحالات سے مطلع فرما کران کوفریضہ یاد دلاتے اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کی طرف متوجہ فرماتے۔ چنانچہ ۱۴؍جنوری ۱۹۸۷ء کواس وقت کے وزیراعظم مسٹرراجیوگاندھی کوایک مراسلہ کے ذریعہ بتایا کہ: ’’اس وقت ملک کی جوصورتِ حال ہے کہ محرومی، مایوسی اور بیزاری کی وجہ سے جو بداعتمادی پیدا ہوگئی ہے اس سلسلہ میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کے بارے میں غور کرنا چاہیے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے کم وبیش پندرہ ہزار فرقہ وارانہ فسادات ہوچکے ہیں، ہرفساد میں سینکڑوں لوگ مارے گئے، جب لٹے پٹے پریشان حال لوگوں کوسرکاری بسوں میں لیجایا جارہاتھا تو ڈرائیورفسادیوں کے علاقہ میں مظلومین کوفسادیوں کے رحم وکرم پرچھوڑ کر بسوں سے اُتر گئے۔ فسادیوں نے عورتوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کوزندہ جلا دیا۔ نوے فیصد فسادات میں سرکاری مشنری ملزموں کی پشت پناہی کرتی ہے۔ مظلومین کوجھوٹے مقدمات میں پھنسایا جاتا ہے، جیلوں میں ڈال دیا جاتا ہے، ایسے بھی المناک واقعات ہوئے ہیں کہ آرایس ایس کے شرپسندوں نے مسلمانوں کو پولیس کے صدر دفتر میں مارا پیٹا، جو افسران فسادات میں ملوث رہے ہیں انھیں ترقی سے نوازا گیا ہے۔ اگرکسی دیانت دارفرض شناس افسرنے اپنے فریضے کوادا کیاتواس کے کام کی قدر کرنے کے بجائے آرایس ایس کے لوگوں کی شہ اور سازش سے اس کوسزادی گئی ہے۔ پنجاب میں گڑبڑی کا سامنا کرنے کے لیےسخت احکام جاری کیے گئے ہیں یہ

اچھی بات ہے لیکن سنگین مسلم کش فسادات کے سلسلہ میں کبھی ایسے احکام جاری نہیں کیے گئے، زندگی کے ہر شعبہ خصوصاً سرکاری ملازمتوں میں تقرری کے معاملوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت تعصب سے کام لیا جاتا ہے۔ اخبارات کا ایک حلقہ مسلمانوں کے خلاف مسلسل نفرت پھیلاتا رہتا ہے، جب کہیں فساد ہوتا ہے تو ایسے اخبارات جھوٹی باتیں اور افواہیں پھیلا کر صورتِ حال کو مزید بگاڑ دیتے ہیں لیکن حکومت نے ایسے اخبارات کے خلاف کبھی سخت کارروائی نہیں کی ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا کوئی اخبار، کوئی نامناسب بات شائع کرتا ہے تو اس کے خلاف فوراً قانونی کارروائی شروع کر کے مقدمے قائم کر دیے جاتے ہیں۔ ان تمام امور کے متعلق حکومت کی توجہ زبانی اور تحریری شکل میں دلائی جا چکی ہے، لیکن کوئی مفید اور مثبت نتیجہ اب تک نہیں نکلا۔ جب کبھی ہماری گزارش بروقت سنی گئی تو اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے اور فسادات روکنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔'' (فرقہ واریت مخالف کنونشن نمبر، ص ۱۰۶-۱۰۵)

۲۳ رمئی ۱۹۸۷ء کو حضرتؒ نے میرٹھ، گجرات، اور دہلی کے فساد کے سلسلے میں مکتوب وزیر اعظم کو ارسال فرمایا، آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ''اتر پردیش مسلم کش فسادات کے لیے خاص بدنامی رکھتا ہے لیکن میرٹھ کے شرمناک فسادات نے جو تاریخ بنائی ہے وہ نہایت ہی دردناک اور افسوسناک ہے۔ یہ فساد صرف غنڈہ عناصر کے ذریعہ ہوتا تو شاید اتنی شدت اختیار نہ کرتا مگر پولیس ایڈمنسٹریشن اور حکومت اتر پردیش کے رہنماؤں کے ایماء اور شرکت نے میرٹھ کے فساد کو وہ شقاوت، بربریت اور شدت دے دی ہے جو کسی بھی ملک کے لیے باعث رسوائی ہوتا ہے۔ اس وقت میرٹھ میں بے دریغ مسلمانوں کی نسل کشی کی جارہی ہے۔ نوجوان خاص طور پر نشانہ ہیں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو جلایا اور قتل کیا جارہا ہے۔ اقتصادی طور پر ان کی وہ بربادی ہورہی ہے کہ شاید وہ پچاس سال میں بھی نہ سنبھل سکیں۔ محترم! آپ کے علم میں شاید میرٹھ کے صحیح واقعات نہیں لائے جارہے ہیں، افسران، وزراء کو پوری طرح گمراہ کیے ہوئے ہیں اور ہمارے وزیر اعلیٰ ان پر پوری طرح ایمان لائے ہوئے ہیں اور وزیر اعلیٰ، افسران اور ایڈمنسٹریشن نے نہایت خفیہ طور پر سازش کر کے مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ محترم! ایسے وزیر اعلیٰ کو بلا تاخیر وزارتِ علیا سے برطرف کر دینا چاہیے اور اس کی نااہلی بلکہ ان فسادات میں شرکت کے لیے انکوائری کر کے سزا دی جانی

چاہیے۔کیا یہ حقیقت نہیں کہ وزیراعلیٰ ویربہادرسنگھ نے پی اے سی جیسی درندہ صفت فورس کی تعریف کرکے ان کو درندگی کے لیے اوراکسایا ہے؟

دہلی کا فساد بھی مسلمانوں کی تباہی وبربادی اورنسل کشی کی ایک کڑی معلوم ہوتا ہے۔ یہی حال گجرات، کا بھی ہورہا ہے۔ وہاں کے فسادات میں جس طرح درندگی اوردل دہلا دینے والے مظالم زندہ انسانوں کوجلانے وغیرہ کے کیے جاتے ہیں ان کی تو مثال ملنا مشکل ہے۔لیکن افسوس ہے کہ وزیراعلیٰ امرسنگھ چودھری بیشمار مظلوموں کو کٹوا کربھی اسی طرح وزاتِ علیا کے عہدے پردندنا رہے ہیں۔محترم! آخر مسلمانوں کی یہ بربادی اورنسل کشی اس آزاد ہندوستان میں کب تک ہوتی رہے گی اور کب تک آپ اس کو برداشت کرتے رہیں گے؟ مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلیف نہیں کہ اب عوام آپ کو بھی اس کا ذمہ دار سمجھنے لگی ہے اور یقیناً جب تک آپ وزیراعظم ہیں ان کو یہ سمجھنے کا حق ہے۔مظلوموں کی آہوں کو نہ سننا اوران کی جان و مال کی بربادی پرچشم پوشی کرنا آپ کو بھی مجرم بناتا ہے۔ حیرت ہے کہ دہلی سے صرف ۶۴ کلومیٹر کی دوری پر میرٹھ ہے، وہاں ابھی تک قابونہیں پایا جاسکا ہے۔ گجرات جل رہا ہے،بھروچ اور پالن پورجیسے امن پسند علاقے جلائے جارہے ہیں اور آپ خاموش بیٹھے ہیں۔ محترم ہندوستان بربادی و رسوائی اور ایک پوری مائنا ریٹی کمیونٹی کی نسل کشی اور تباہی میرے نزدیک ناقابل برداشت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ مظلوموں کی قتل و غارت گری کو دیکھیں گے، بچوں اور بیواؤں کی چیخوں کوسنیں گے۔'' (ایضاً ص ۷-۱۰۶، بتغیر واختصار)

مندرجہ بالا تقاریر اور مکتوبات کو پڑھ کر جہاں انسانیت بالخصوص مسلمانوں کے تئیں آپ کی دردمندی و ہمدردی اورشفقت ومہربانی کا اندازہ ہوتا ہے وہیں آپ کی جرأت و ہمت، حق گوئی و بے باکی اورصداقت شعاری وحب الوطنی کا بھی زبردست اظہار ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ حضرتؒ نے حیدرآباد میں جولائی ۱۹۹۸ء میں ہوئے فسادات کے سلسلہ میں اندرا گاندھی اور آندھراپردیش کے وزیراعلیٰ مسٹر ٹی انجیا کو مکتوبات لکھے اورفوری کارروائی کا مطالبہ کیا۔

۱۹۸۲ء میں بجنور کے فساد کے سلسلہ میں وزیراعلیٰ یوپی مسٹر سری پت مصرا، ضلع مجسٹریٹ، وزیرداخلہ برائے حکومت ہند کو ٹیلی گرام بھیجا۔ (الجمعیۃ ۱۵راگست ۱۹۸۲ء)

۱۹۹۰ء میں ملک میں مختلف جگہوں پر رونما ہونے والے فسادات کے سلسلہ میں وزیراعظم

مسٹر وشوناتھ پرتاپ سنگھ کو مفصل مکتوب روانہ فرمایا اور مؤثر اقدامات کا مطالبہ فرمایا۔ (الجمعیۃ ۱۹/اکتوبر ۱۹۹۰ء)

غرض تمام ہی فسادات کے موقع پر حضرتؒ مختلف متعلقہ وزراء سے ملاقاتوں کے علاوہ مفصل مکتوبات بھی روانہ فرمائے اوران سے پرزورانداز میں فسادات کوروکنے اور ملوث افراد کے خلاف کارروائی کا مطالبہ فرماتے۔

(۷) متاثرہ مقامات کے دورے:

حضرت فدائے ملتؒ کا یہ بھی ایک اہم کارنامہ اور مؤثر اقدام ہے کہ آپ اپنی جان پر کھیل کر متاثرہ مقام کا دورہ فرماتے۔ متاثرین کو ہمت دلاتے، ڈھارس بندھاتے، صبر کی تلقین فرماتے، اورافسران وذمہ داران حکومت سے ملاقات کر کے ان کو صحیح صورتِ حال بتا کر فسادات کی روک تھام کی کوشش کرتے۔ ہم حضرتؒ کے تمام دوروں کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ فسادات کے واقعات بے شمار ہیں۔ ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا تھا (جس کو بندہ نے خود سنا) کہ اس ملک میں آزادی کے بعد سے اب تک تیس ہزار سے زیادہ فسادات ہو چکے ہیں اور حضرتؒ تقریباً ہر فساد کے موقع پر وہاں کا دورہ فرماتے تھے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ حضرت کے تمام دوروں کی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی۔ تاہم چند واقعات کی مختصر تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

مراد آباد کا دورہ:

۱۴/اگست ۱۹۸۰ء کو عید الفطر تھی۔ مرادآباد میں عید کے دن عیدگاہ میں تقریباً ساٹھ ستر ہزار کا مجمع تھا۔ عیدگاہ بھر کر دور دور تک صفیں لگی ہوئی تھیں۔ سلام کے بعد جبکہ لوگ دعا میں مشغول تھے بعض لوگوں کی شرارت سے آخری حصہ میں خنزیر پہنچ گیا۔ لوگوں کے کپڑے خراب ہوئے۔ اسی سلسلہ میں معمولی انتشار ہوا تو پولیس اور پی اے سی نے بلا کسی وارننگ کے عیدگاہ کے اندر ہی لوگوں کو چنے کی طرح بھون دیا۔ سینکڑوں مسلمان نوجوان، بچے اور بوڑھے شہید ہوگئے۔ مرادآباد میں بڑے سخت حالات تھے۔ پولیس اور پی اے سی کے مظالم سارے شہر میں ہورہے تھے اور مقامی افسران حکام کو یہ اطلاع دے رہے تھے کہ مسلم نوجوان پولیس پر حملہ آور ہوئے جس کے نتیجے میں پولیس نے اپنے دفاع میں گولی چلائی۔ وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے پاس بھی یہی اطلاع تھی اور ان کا ذہن بھی یہی تھا۔ انہی خطرناک حالات میں حضرت فدائے ملتؒ دیوبند سے فوراً دہلی اور وہاں سے مرادآباد آئے۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور دلّی پہنچ کر اندرا جی سے ملے اور پولیس و پی اے سی کے مظالم کی تفصیلات بتلائیں۔ اسی درمیان معلوم ہوا کہ وزیر داخلہ گیانی ذیل سنگھ

حالات کا جائزہ لینے کے لیے خود مرادآباد جارہے ہیں۔اس اطلاع نے حضرتؒ کو مزید بے چین کردیا۔آپ کی پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ آپ جانتے تھے کہ وزیر داخلہ کو سرکاری افسران یا پولیس صحیح صورتِ حال سے آگاہ نہیں کرائیں گے۔آپ ان کے دورے میں ان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے تاکہ ان کو مسلمانوں کے ساتھ کی گئی زیادتی سے باخبر کرایا جاسکے اور متاثرہ مقامات دِکھا کر صحیح حالات سے مطلع کرایا جاسکے۔اس کے لیے انھوں نے اس وقت کے ہوم سکریٹری سیّد مظفر حسین برنی سے وزیر داخلہ کے ساتھ ان کے ہیلی کاپٹر سے جانے کا انتظام کرنے کے لیے کہا۔یہ تو ممکن نہیں ہوسکا البتہ اتنا ضرور ہوگیا کہ مولانا بذریعہ کار مرادآباد جائیں گے اور وہاں وزیر داخلہ کے دورے میں ان کے ساتھ رہیں گے۔حسب پروگرام وزیر داخلہ ہیلی کاپٹر سے روانہ ہوئے اور حضرت ان کے پیچھے کار سے۔

جب حضرتؒ مرادآباد پہنچے تو سرکاری افسران گیانی ذیل سنگھ کو وہی پرانی رپورٹ دے رہے تھے۔حضرتؒ اس میٹنگ میں زبردست گھس گئے اور صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا اور گیانی ذیل سنگھ سے کہا آیئے آپ کو ان نوجوانوں کی لاشیں دِکھلاؤں جو پولیس پر حملہ آور ہوئے تھے اور گیانی جی کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لائے جہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔آپ گیانی جی کو ایک ایک لاش کا چہرہ دِکھلاتے تھے اور فرماتے تھے کیا یہ بوڑھا حملہ آور ہوا تھا؟ اس طرح وہاں بوڑھے اور بچوں کی جتنی لاشیں پڑی تھیں ایک ایک چہرے کو دِکھایا۔گیانی ذیل سنگھ کے سامنے جب یہ صورتحال آئی تو ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور آئی.جی پولیس جوان کے بغل میں کھڑا ہوا تھا غصہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کی وردی پر جو اسٹار لگے تھے نوچ نوچ کر پھینک دیے اور کہا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھاری وردی پر یہ اسٹار لگیں۔(آئینہ دارالعلوم، یکم مارچ ۲۰۰۶ء)

بجنور کا دورہ:

حضرت فدائے ملتؒ اسی طرح جرأت اور جوانمردی کے ساتھ مظلوموں کی مدد کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔آپ کو روکنے کی ہزار کوششیں کی جاتی تھیں مگر ان تمام رکاوٹوں کے باوجود آپ حالات کا مقابلہ کرتے تھے چنانچہ حضرت مولانا اسجد مدنی صاحب مدظلہٗ العالی بجنور فساد کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''مجھ کو یاد ہے کہ بجنور کے فساد کے موقع پر پی اے سی نے بے پناہ مظالم کیے تھے۔ انھیں حالات میں بابو (حضرت فدائے ملتؒ) نے بجنور میں داخل ہونے کی کوشش کی۔میں اس سفر میں بابو کے ساتھ تھا۔بجنور سے پہلے گنگا کے پل پر پولیس نے بابو

کو روک دیا۔ پولیس کے ساتھ بابو کی تکرار ہو رہی تھی کہ ایک سرکاری بس وہاں رُکی۔ بابو نے چپکے سے مجھ سے کہا کہ جلدی سے اس میں بیٹھ جاؤ۔ مختصر یہ کہ بجنور سے واپسی پر تفصیلی رپورٹ میں نے بابو کو پیش کی اور بابو (حضرت فدائے ملتؒ) نے اس رپورٹ کو راجیو گاندھی کے سامنے پیش کر کے ایک ولولہ انگیز تقریر پیش فرمائی جس کے نتیجہ میں راجیو گاندھی نے حضرتؒ کے ساتھ بجنور کا دورہ کیا اور وہاں کے حالات بدلے۔'' (ایضاً)

قربان جایئے! مسلمانوں کے ساتھ اس ہمدردی پر کہ خود اندر نہ جاسکے تو اپنے برادرِ خورد مولانا اسجد مدنی صاحب کو ہی چپکے سے روانہ کر دیا تاکہ وہاں کے ظلم و زیادتی اور وحشت و بربریت کی صحیح خبر معلوم ہو سکے۔

گجرات کا دورہ:

۱۹۹۰ء میں گجرات کے کئی شہروں (احمد آباد وغیرہ) میں فساد برپا ہو جانے کے بعد ۲۴ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو احمد آباد کا دورہ فرمایا۔ وہاں کے لوگوں کی ڈھارس بندھائی۔ قانونی چارہ جوئی کے لیے امداد عنایت فرمائی اور ایک تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''گجرات میں سیاسی اسباب کی بنا پر فسادات کرائے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو بطور خاص نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسلام کی تاریخ ابتلا و آزمائش کی رہی ہے اس لیے مسلمانوں کو نامساعد حالات سے حراساں اور خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہم سرکارِ دو عالم کے امتی ہیں اس لیے موجودہ مصائب ہمارے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی سب سے محبوب شخصیت تھے لیکن دنیا کا وہ کونسا ظلم ہے جو اُن پر ڈھایا نہیں گیا۔ مسلمان ہو یہ مطلب نہیں کہ امن وسکون اور آرام اس کے لیے لازمی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے۔ جو لوگ ثابت قدمی کے ساتھ اس آزمائش میں پورے اترتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔''

اس کے بعد آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

''مسلمانوں کو فتنہ وشر سے کوسوں دور بھاگنا چاہیے۔ قیامِ امن کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی جائے۔ کوئی اشتعال انگیز حرکت نہ کی جائے اور نہ کسی کی اشتعال انگیز حرکت سے مشتعل ہوں لیکن اگر معاملہ ناگزیر ہو جائے تو قدم پیچھے نہیں ہٹانے چاہئیں بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور اس کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر ہر وقت

تیار رہنا چاہیے۔ ہر کام بہت حکمت اور سوجھ بوجھ کے ساتھ کریں۔ یاد رکھوں کہ جان و مال کے دفاع میں بھی جاں بحق ہونے والے شہید کہلاتے ہیں اس لیے دشمن سے مقابلہ کو شہادت کا سودا تصور کریں۔ اشتعال اور بزدلی دونوں سے پرہیز کریں۔'' (ہفت روزہ الجمعیۃ، ۴ر تا ۱۰ر جنوری ۱۹۹۱ء)

حضرت فدائے ملتؒ کی یہ ہدایت وہی ہے جو ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے دوران آپ کے والد محترم شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے فرمائی تھی۔

سیتامڑھی کا فساد اور حضرتؒ کا دورہ:

۷ر اکتوبر ۱۹۹۲ء کو سیتامڑھی میں زبردست فساد برپا ہوا۔ بلوائیوں نے سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کیا، ہزاروں مکان جلا کر خاکستر کر دیے گئے۔ سینکڑوں دُکانیں لوٹ لی گئیں اور پولیس تماشائی بنی رہی۔ ۱۴ر اکتوبر کو حضرتؒ کو اطلاع دی گئی۔ آپ امریکہ کے دورے پر تھے۔ وہیں آپ کو حالات سے مطلع کیا گیا۔ حضرتؒ فوراً اگلے ہی روز دہلی اور دہلی سے سیتامڑھی تشریف لے گئے۔ حضرتؒ کی سیتامڑھی تشریف آوری نے مظلوم مسلمانوں کے دلوں پر بروقت مرہم کا کام کیا۔ موصوف نے فساد زدہ علاقے کا دورہ کیا، مسلمانوں کو اطمینان دلایا۔ اور ارکانِ جمعیۃ کو ریلیف کا کام کرنے اور مقدمات کی پیروی پوری مستعدی سے کرنے کی ہدایت فرمائی۔ الحمد للہ حضرت فدائے ملتؒ کی محنت اور کوشش کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ مجرم گرفتار ہوئے بلکہ خصوصی عدالتوں کا قیام کرکے فساد کے پچاس سے زائد مجرمین کو سزا دلوائی اور اس سلسلہ میں آپ نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ مسٹر لالو پرشاد یادو کی تحسین کی۔

یہ چار واقعات بطور نمونہ ذکر کر دیے گئے۔ ورنہ ۱۹۶۰ء کے بعد سے اب تک ملک کے جس حصہ میں بھی فساد ہوا حضرتؒ نے وہاں کا دورہ فرمایا اور لٹے پٹے مسلمانوں کی بازآبادکاری اور بحالی کے لیے شب و روز کام کیا اور مصیبت زدگان کو قانونی امداد بہم پہنچائی۔ مثلاً ۱۹۶۱ء میں جبل پور کا بھیانک فساد، ۱۹۶۳ء میں کلکتہ کا فساد، ۱۹۶۹ء میں حیدرآباد اور بڑودہ کا فساد، ۱۹۷۱ء میں اندور، مئوناتھ بھنجن اور بھیونڈی کا فساد، ۱۹۸۰ء میں مرادآباد اور میرٹھ کا فساد، ۱۹۸۴ء میں پھر بھیونڈی کا فساد، ۱۹۸۷ء میں میرٹھ اور ملیانہ میں مسلمانوں کی نسل کشی، ۱۹۸۹ء میں بھاگلپور کا خطرناک فساد، اور بابری مسجد کی شہادت کے بعد ۱۹۹۲ء و ۱۹۹۳ء میں ممبئی، دلّی، بھوپال، سورت، منی پور، کلکتہ، ارریہ و کشن گنج، کانپور، بنارس وغیرہ کے فسادات، اور اب آخر میں ۲۰۰۲ء میں گجرات میں مسلمانوں کی منظّم نسل کشی اسی سلسلہ کی خونچکاں داستانیں ہیں اور حضرتؒ کی ہر فساد

کے موقع پر خدمت خلق کی داستانیں بھی اس سلسلہ کا زرّیں کارنامہ ہے۔

اس سلسلہ کی مزید خدمات:

مندرجہ بالا حضرتؒ کی خدمتوں کے علاوہ حضرتؒ کی زندگی میں مندرجہ ذیل امور بھی سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں: (۱) نقصانات کا تخمینہ اور معاوضہ دلانے کی جدوجہد (۲) ہلاک شدگان کی فہرست سازی اور لاپتہ افراد کی تحقیق (۳) فرقہ پرست سرکاری افسران کی نشاندہی اور فرقہ وارانہ رویے پر تنقید و احتجاج (۴) گرفتار شدہ مسلمانوں کی رہائی (۵) قانونی امور کی انجام دہی کے لیے قانونی کمیٹی کی تشکیل (۶) مقدمات کی پیروی (۷) انکوائری کمیشن میں مسلمانوں اور مظلوم غیر مسلموں کی نمائندگی (۸) ریلیف کمیٹی کا قیام اور مالی تعاون (۹) لٹے پٹے افراد کو بسانا (۱۰) تباہ شدہ مکانات کی تعمیر و تجدید (۱۱) فساد سے متاثر افراد اور ہلاک شدگان کے ورثہ کو معاوضہ دلانے کی جدوجہد وغیرہ۔ (مولانا اسعد مدنی: شخصیت اور خدمات، ص۱۹)

حاصل کلام:

خلاصہ یہ کہ ہندوستان کی تاریخ میں فرقہ وارانہ فسادات کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ ان فسادات کی صحیح تعداد بھی نہیں بتائی جاسکتی اور حضرت فدائے ملتؒ کی خدمات کے حوالہ سے ان فسادات پر لکھنا ایک طویل موضوع ہونے کی وجہ سے مشکل ہے۔ ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ حضرت امیر الہندؒ پوری زندگی فرقہ واریت اور فسطائیت کے خلاف جہاد کرتے رہے، بلکہ ملک کے کسی بھی خطہ میں کسی کے تلوے میں کانٹا چبھے اور اس کی چبھن حضرتؒ اپنے مقام پر (جہاں کہیں بھی دنیا میں وہ ہوں) محسوس کریں۔

اللھم اغفرلہ و ارحمہ وعافہ واعف عنہ و اکرم نزلہ و وسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج و البرد

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

○○

❑ مولانا عبدالحفیظ رحمانی
لوہرسن، ضلع سنت کبیر نگر، یوپی

ملک وملت بچاؤتحریک اوراس کا پس منظر

ہندوستان کی مسلم تنظیموں میں جمعیۃ علماء ہند سب سے قدیم ،فعال و متحرک اور ملت اسلامیہ کے لیے مفید ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کا ماضی شاندار، حال تابناک اور مستقبل خوش آئند ہے۔اس کے کارنامے لازوال اور تحریک آزادی میں اس کی قربانیاں بے مثال ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی جس کو انگریزوں اور حکومت برطانیہ کے ہمدردوں نے غدر کا نام دیا ہے، دراصل صداقتوں پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش ہے۔ حقائق نہ چھپتے ہیں نہ چھپائے جاسکتے ہیں۔ حقیقت اپنا لوہا دیر سویر خود منوالیتی ہے۔ تحریک آزادی کے فلسفہ و حکمت سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مکمل انقلاب کا جو خاکہ پیش کیا تھا، ان کے فکری انقلاب سے متاثر تعلیم یافتہ طبقہ اس انقلابی نظام کو بروئے کار لانے کے لیے مضطرب تھا اور ولی اللہی تحریک کو فروغ دینے میں مصروف تھا۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی وفات تک ان کی انقلابی تحریک نے بے شمار انسانوں کے فکری زاویے بدل دیے تھے اور وہ اس انقلاب کو اپنی مادّی آنکھوں سے دیکھنے کے متمنی تھے۔ گویا فضا ہموار تھی ،صرف بگل بجانے کی دیر تھی۔ انگریزوں نے ہوا کا رُخ دیکھا تو بوکھلا گئے۔ ظلم و بربریت کا ننگا ناچ شروع ہوگیا، وحشت وسفاکی کے دروازے کھل گئے، جوروستم کا نشانہ خاص طور سے مسلمانوں کو بنایا گیا اس لیے کہ اقتدار انہی سے چھینا گیا۔ خطرات بھی ان ہی سے زیادہ تھے۔ تاریخ کے آئینہ میں برطانوی حکومت مسلمانوں کے جذبۂ شہادت کو دیکھ رہی تھی کہ اگر اس قوم کو غور وفکر کرتے اور متحد ہونے کا موقع دے دیا گیا تو انگریزی حکومت کے پائے چوبیں نہ صرف یہ کہ ہل جائیں گے بلکہ اُکھڑ جائیں گے۔ چنانچہ اپنے قدیم دستور کے مطابق مسلمانوں کو ظلم کی چکی میں پیسنا شروع کردیا۔ مذہب اسلام کو بھی نشانہ بنایا گیا، مذہب کی تضحیک سر بازار ہونے لگی۔ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحریک ولی اللہی کے پاسبان اور امین حضرت شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کا فتویٰ صادر فرمایا، اس کے دوررس نتائج برآمد ہوئے۔ آپ ہی کے فیض یافتہ حضرت سیّد احمد شہید بریلوی نے اس انقلابی فکر کو عملی جامہ پہنانے کی جدوجہد شروع کردی، ملک کے گوشہ گوشہ میں حریت و آزادی کے جذبات بیدار کیے اور مجاہدین کی تشکیل کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ ہزاروں ہزار مجاہدین حریت اس پرچم کے تلے جمع ہوگئے اور جذباتِ جہاد سے سرشار متوالوں نے سر سے کفن باندھ لیے، مجاہدین کی یہ جماعت جلد از جلد میدانِ کارزار میں اُترنے کے لیے بیتاب تھی۔ بالآخر مشہد بالاکوٹ میں اس جماعت نے زمین کو لالہ زار بنایا اور مالک حقیقی کے حضور میں سرخرو حاضر ہوگئے۔

بظاہر یہ جماعت شکست و ہزیمت سے دوچار ہوئی لیکن معنوی طور پر فتح وظفر اس کا مقدر بن چکی تھی۔ پورے ملک میں آزادی کی لہر تیز ہوگئی، علماء صادق پور نے کمان سنبھال لی اور دیگر چھوٹی بڑی جماعتیں وجود میں آ گئیں۔ برطانوی حکومت کو اپنے دن قریب نظر آنے لگے۔ وحشت و بربریت اور سفاکی میں اضافہ ہوگیا۔ علماء اور دینداروں کو قتل کرنا روزانہ کا معمول بن گیا۔ جائیداد ضبط کرلینا اور جلاوطن کردینا معمولی سزا تھی، لیکن انگریزوں کی بربریت نے جذبۂ حریت کو مزید مشتعل کردیا اور ذوقِ شہادت میں اضافہ ہوگیا۔ یہ جذباتِ حریت اور ذوقِ شہادت آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتا گیا اور تحریکِ آزادی کی مشعل جلتی رہی تا آنکہ خانوادۂ ولی اللہی کے ساختہ و پرداختہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے رفقاء کو ہمراہ لے کر شاملی میں سفید فاموں کے چھکے چھڑا دیے اور شاملی کی تحصیل پر قبضہ کرلیا۔ انگریزوں نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے تھانہ بھون میں آگ لگادی، اس کے نتیجے میں پورے ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری کے واقعات عام ہوگئے نیز راستے پرخطر اور اندیشہ ناک تھے۔ حالات انگریزی حکومت کے قابو سے باہر تھے، انگریزوں سے نفرت عام ہوگئی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ ہر ہندوستانی انگریزوں کے خون کا پیاسا تھا۔ لیکن تحریک ولی اللہی کے پاسبان اس طرح کے واقعات اور بدامنی کو نتیجہ خیز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی نظر ایسی متحدہ قومیت پر تھی جو تحریکِ آزادی کو کامیابی سے ہمکنار کرسکے۔ انفرادیت میں انقلاب کی سکت نہیں ہوتی۔ اس زاویۂ فکر کے مطابق شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی اور مرادآباد میں تنظیمیں قائم کیں لیکن ان تنظیموں سے بہت پہلے بیرونی ممالک سے رابطے قائم کر کے تعاون کی درخواست کی۔ میدانِ جنگ اور مجاہدین بھی منتخب ہوگئے۔ پھر اسی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو افغانستان بھیجا۔ ان کے تاثرات یہ ہیں کہ میں نے افغانستان میں قدم رکھا تو مجھے

معلوم ہوا کہ شیخ الہندؒ کی پچاس سالہ جدوجہد کے ثمرات میرے سامنے رکھے ہوئے ہیں، لیکن:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ریشمی رومال تحریک کا راز فاش ہوگیا اور حضرت شیخ الہند نیز ان کے رفقاء کو مکہ مکرمہ میں گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا گیا۔ یہاں حضرت شیخ الہند قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے تھے، ادھر آزادی کے چراغ کی لو تیز سے تیز تر ہو رہی تھی، اس کی روشنی میں کئی تنظیمیں وجود میں آئیں۔ ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ اس تنظیم کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی اس کے اکابر نے ملک و ملت کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ جمعیۃ علماء ہند کا پہلا منصوبہ تھا کہ ملک کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرایا جائے۔ سفید فاموں کی بڑھتی ہوئی بربریت اور سفا کی کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے، اس کے لیے پوری ہندوستانی قوم کو متحد کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کو جمعیۃ علماء ہند نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور پورے ملک میں اس نے انتھک محنت کر کے پوری قوم کو متحد کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔

چنانچہ اس اتحاد نے ہندو مسلم سکھ عیسائی اور دیگر مذہبی اکائیوں کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کردیا، اس اتحاد سے انگریزوں میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی اور فرقہ وارانہ ذہنیت کا بیج بونے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن جنگِ آزادی کے سورماؤں نے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے سے بچالیا اور ملک میں بسنے والی ہر مذہبی اکائی نے دوش بدوش ہو کر آزادی کی جنگ لڑی۔ البتہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جمعیۃ علماء ہند نے سب سے پہلے برطانوی حکومت کے سامنے مکمل آزادی کی تجویز پیش کی اور پھر جمعیۃ علماء ہند کے ہر اجلاس میں اس مطالبہ میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ مکمل آزادی اور ملک چھوڑو تحریک کا آغاز کوکناڈ کے جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس سے ہوا، جس کی صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے کی تھی۔ چونکہ مکمل آزادی کا مطالبہ خطبۂ صدارت میں حضرت مدنیؒ نے پیش کیا تھا، اس لیے اس کو مدنی فارمولے کے نام سے تاریخ میں یاد کیا گیا۔ ۲۴-۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے، جمعیۃ علماء ہند کے اس جرأت مندانہ اور مدبرانہ مطالبہ کے سالہا سال بعد کانگریس کے قائدین کو ملک چھوڑو تحریک چلانے کی جرأت ہوئی۔

بہرحال طویل جنگ اور جدوجہد کے بعد جس میں کم و بیش ستر ہزار علماء کو شہید کیا گیا ملک میں آزادی کا سورج طلوع ہوا، لیکن اس کی کرنیں خون میں نہائی ہوئی تھیں۔ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے، دلّی ایک مرتبہ پھر انسانی خون سے لالہ زار ہوگئی۔ ریل گاڑیوں میں بھی کشت و خون کا سلسلہ جاری تھا اور یہ طوفانِ بلاخیز تھمنے میں نہیں آ رہا تھا۔ کسی تنظیم میں اس طوفان کو

روکنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر اس طوفان کا رُخ موڑنے کے لیے قتل وغارت گری کرنے والوں کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ کانگریسی رہنماؤں کو حضرت شیخ الاسلام اور مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن نے غیرت دلائی اور للکارا۔ بالآخر ہزار جد وجہد کے بعد قتل و غارتگری کا سلسلہ بند ہوا۔ لیکن اِکا دُکا فسادات غمازی کررہے تھے کہ فسطائی طاقتیں مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گی۔ جمعیۃ علماء ہند نے اتنے بڑے پیمانے پر احتجاجات کیے کہ حکومت کو سننے پر مجبور ہونا پڑا۔ پھر اس کو حکومتوں کی ناکامی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے کہ فرقہ پرست تنظیموں پر کوئی حکومت قدغن نہیں لگا سکی اور یہ تنظیمیں ملک کی فضا کو مسموم کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ لرزہ خیز بڑے بڑے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور مجرموں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا گیا۔ یوں محسوس ہورہا ہے کہ حکومتیں فسطائی قوتوں کے سامنے سپر ڈال چکی ہیں، کانگریس کی طویل مدتی حکومت میں یہی ہوا اور دیگر حکومتوں نے کانگریس کا اقتدار چھن جانے کے بعد بھی فرقہ وارانہ ذہنیت پر قابو نہیں پایا بلکہ وہ سیاسی جماعت جو فرقہ وارانہ ذہنیت کے لیے بدنام ہے اقتدار میں آگئی اور اس کی جڑیں مضبوط ہوگئیں۔

لیکن جب پانی سر سے اُونچا ہوگیا، جمشید پور، راوڑکیلا کے ہولناک فسادات نے مسلمانوں کو اس قدر خوفزدہ کردیا کہ ان کو اپنا وجود خطرہ میں دِکھائی دینے لگا اور سیکولر مزاج لوگوں نے بھی کوئی توجہ نہیں دی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سیکولر قدآور شخصیت بھی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اپنی جرأت کھو بیٹھیں۔ یہ سب کچھ جنتا پارٹی اور مرارجی ڈیسائی کے دورِ اقتدار میں ہورہا تھا، کسی میں جرأت نہیں تھی جو سیکولر اقدار کو بروئے کار لانے کی بات منہ سے نکال سکے۔ حد تو یہ تھی کہ کلیدی عہدوں پر مخصوص ذہنیت کے حکام کا تقرر ہورہا تھا، اس طرح پورا ملک ایک مخصوص ذہنیت کے شکنجہ میں تھا۔ صورتحال تقاضا کررہی تھی کہ اگر بروقت سیکولرزم کو آواز نہ دی گئی تو نہ صرف مسلم اقلیت بلکہ دلت اور دیگر اقلیتوں کے لیے ملک کی زمین تنگ ہوجائے گی نیز ملک کی سالمیت کا تحفظ مشکل ہوجائے گا۔

ان تشویشناک حالات میں جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ماضی کی روایات کو دہراتے ہوئے فسطائیت وفرقہ واریت کے خلاف احتجاج کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس کے لیے ملک کے دانشوروں سے جمعیۃ علماء ہند نے مشورے کیے، حالات کو سامنے رکھا اور ان کی رائیں طلب کیں۔ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب میں لکھا کہ:

”آر ایس ایس جیسی تنظیموں کے فرقہ وارانہ نعروں اور شر پسند اخبارات کی فرقہ

وارانہ تحریروں کو پرامن فضا میں زہر گھولنے کی اجازت دے دی گئی ہے، اور پھر جب ان کے نتائج سامنے آتے ہیں تو حکومت مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں دانستہ کوتاہی کرتی ہے۔‘‘

مولانا مدنیؒ کے ان مختصر جملوں میں وہ سب کچھ آ گیا جو فسطائی طاقتیں پورے ملک میں کر رہی تھیں۔ وہ ان حالات سے سخت مضطرب تھے اور ان کا قلب حساس بے چین تھا کہ ان حالات کا رُخ موڑنے کے لیے اور ملک کی مسموم فضا کو شفاف بنانے کے لیے جمہوری نبرد آزمائی ضروری ہے، لیکن اس اقدام سے پہلے ضرورت تھی کہ ملک کے بیدار مغز اور ملک وملت کا درد رکھنے والے افراد سے مشورہ کرلیا جائے چنانچہ مولانا نے اپنے طویل مکتوب میں پورے ملک کا سیاسی نقشہ پیش کر کے دانشورانِ قوم سے سوال کیا کہ:

’’اگر اس صورتِ حال کی نزاکت اور اس کے نتائج کو آپ محسوس کرتے ہیں تو ہمیں بواپسیٔ ڈاک اپنی رائے سے مطلع فرمایئے کہ ان حالات کو بدلنے کے لیے کیا اقدامات کیے جائیں اور آپ:

☆ پرامن جدوجہد اور قربانی کے لیے کتنے افراد پیش کرسکتے ہیں؟
☆ اس کاز کی تقویت کے لیے اور کیا کام انجام دے سکتے ہیں؟
☆ اس کاز کے لیے آپ کتنا فنڈ اکٹھا کر سکتے ہیں؟
☆ اگر آپ اس طرح کا اقدام مناسب نہیں سمجھتے تو حالات بدلنے کے لیے ہم کو کیا کرنا چاہیے، اس سے مطلع فرمائیں۔ ۳۱؍مئی ۱۹۷۹ء تک جواب آ جانا چاہیے، میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔ جواب براہِ کرم اس پتہ پر عنایت فرمائیں۔

اسعد مدنی

بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی-۲

مولانا مرحوم کے مکتوب گرامی کے جو جوابات موصول ہوئے مولانا کو ان سے تائید اور تقویت حاصل ہوئی۔ ان جوابات کی روشنی میں جمعیۃ علماء ہند نے سول نافرمانی کا فیصلہ کرلیا اور اس تحریک کو ’’ملک وملت بچاؤ تحریک‘‘ سے موسوم کیا گیا۔ ۶؍جون ۱۹۷۹ء کو ایک میمورنڈم (عرضداشت) مرتب کیا گیا اور کم وبیش دوسو مندوبین کے اجلاس میں اس کو سنا کر تائید حاصل کی گئی۔ یہ میمورنڈم ۷؍جون ۱۹۷۹ء کو وزیر اعظم ہند کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ اس کے الفاظ

آپ بھی سماعت فرمالیں جو جمعیۃ علماء ہند کی بیبا کی اور جرأتمندی کا بے مثال ثبوت ہے:

محترم وزیر اعظم حکومت ہند

ملک وقوم کو آزاد ہوئے ۳۲ سال گزر گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس عرصے میں ملک نے معیشت کے ہر شعبہ میں بڑی ترقی کی ہے اور بین الاقوامی دُنیا میں ہمارا مرتبہ بھی بلند ہوگیا ہے، مگر اس کے ساتھ ہمیں صدمہ ہے کہ ہمارے ملک اور قوم میں:

۱۔ انسانیت اور شرافت کی گرفت ڈھیلی پڑتی جارہی ہے۔

۲۔ اقلیتوں اور مسلمانوں کا خون، ان کا مال اور ان کی آبرو بے قیمت ہوتی جارہی ہے۔

۳۔ فرقہ پرست طاقتوں کے مقابلہ میں سیکولر طاقتیں اپنا رول ادا کرنے سے کترا رہی ہیں۔

۴۔ دستورِ ہند کے بنیادی حقوق اور آئینی تحفظات بے اثر ہوتے جارہے ہیں۔

۵۔ مرکزی حکومت اور بعض ریاستی حکومتیں فرقہ پرست اور فسطائی طاقتوں سے مغلوب یا ان کی پشت پناہ بنتی جارہی ہیں۔

۶۔ ملک کو گاندھی جی کی راہ سے ہٹا کر فرقہ پرستی اور آمریت کے غار میں دھکیلا جارہا ہے۔

یہ صورتِ حال اس قدر تشویشناک اور ایسے خطرناک نتائج کی حامل ہے کہ اگر اس کو بدلنے کی جدوجہد نہ کی گئی تو نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی اقلیتیں خاص طور سے مسلمان اور کمزور طبقے ہی برباد ہوجائیں گے بلکہ پورا ملک تباہ ہوجائے گا۔ جمہوریت کی جگہ فسطائیت اور سیکولرزم کی جگہ فرقہ وارانہ آمریت، قانون کی جگہ نراج اور امن کی جگہ انتشار پیدا ہوجائے گا۔

ہم اپنے عزیز وطن کو تباہی کے راستے پر بڑھتے ہوئے کب تک دیکھتے رہیں گے اور آزادی، انصاف اور رواداری کی شاندار روایات کو جن کی طرح ہمارے قومی رہنماؤں نے ڈالی تھی اس طرح مٹتے ہوئے کب تک برداشت کریں گے۔‘‘

یہ میمورنڈم کے چند اقتباسات ہیں جن میں ملک میں بڑھتی ہوئی لاقانونیت اور فرقہ واریت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اس کے جو نتائج سامنے آئے وہ بھی وزیر اعظم حکومت ہند کی میز پر رکھ دیے گئے، چونکہ توجہ نامہ خاصا طویل ہے اس لیے مکمل نقل کرنے کے بجائے ہم نے بنیادی نکات

آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں۔آخر میں نو دفعات پرمشتمل مطالبات ہیں ۔ یہ مطالبات بجائے خود ملک کی ایسی تصویر کشی کر رہے ہیں جو کسی بھی ملک کے لیے انتہائی نقصاندہ اور ملک کی ترقی کے راستے میں رُکاوٹ ہیں، لیکن آپ ان مطالبات کو دیکھیں تو وہ جوں کے توں منہ کھولے سامنے کھڑے ہیں۔ وعدوں کے باوجود ان کو پورا کرنے کی سنجیدہ کوشش کبھی نہیں کی گئی۔مطالبات آپ بھی سن لیں اور جمعیۃ علماء ہند کے فکرو تدبر اور دوراندیشی کی داد دیں کہ یہ وہ بنیادیں ہیں جو کسی ملک کی اقلیت کو مطمئن اور استحکام عطا کرتے ہیں۔ یہ مطالبات جمہوری نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے کہ ہر ملک میں مسائل اقلیت کے ہوتے ہیں، اکثریت کا کوئی قابل اعتنا مسئلہ نہیں ہوتا اور جب کوئی اقلیت خوف و دہشت کے ماحول میں زندگی گزارتی ہے تو وہ ملک کے ترقیاتی کاموں میں اہم کردار ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی اقلیتیں آزادی کے اُنسٹھ سال گزر جانے کے باوجود کسمپرسی کے عالم میں ہیں۔انھوں نے تعلیم و معیشت کے میدان میں کوئی ترقی نہیں کی۔تو لیجیے مطالبات سماعت فرمالیجیے جن میں آپ کے دل کی دھڑکنیں اور بنیادی ضروریات شامل ہیں۔

۱۔ فسادات کی ذمہ داری ڈسٹرکٹ اتھارٹی اور خفیہ پولیس پر ڈالی جائے۔اگر وہ فساد کے کنٹرول کرنے میں ناکام رہیں تو بلاتاخیر ان کو معطل کر دیا جائے اور جرم ثابت ہونے پر سخت سزا دی جائے۔

۲۔ فساد میں ملوث افراد کو تلاش کرنا خفیہ پولیس کی ذمہ داری قرار دیا جائے اور فسادیوں کے مقدمات اور معاملات نمٹانے کے لیے فوراً خصوصی عدالتیں قائم کی جائیں۔

۳۔ فرقہ وارانہ فساد میں جان و مال کا نقصان اُٹھانے والوں کو جلد سے جلد پورا پورا معاوضہ دیا جائے اور ان کی جائیدادیں لازمی طور پر ان کو واپس کی جائیں۔

۴۔ پی اے سی اور پی ایم پی جیسی حفاظتی تنظیموں میں ۳۳ فیصد مسلمانوں کو اور ۳۳ فیصد ہریجنوں اور دوسری اقلیتوں کو لازمی نمائندگی دی جائے اور ایسی تنظیموں کے لیے ایسا ضابطۂ اخلاق بنایا جائے جو انھیں ذہنی اور اخلاقی طور پر جمہوری اور سیکولر ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لیے تیار ہو سکے۔

۵۔ آر ایس ایس کی شاکھاؤں اور تمام فرقہ پرست نیم فوجی مشقوں پر پابندی لگائی جائے اور خود حکومت کی طرف سے بلالحاظ مذہب و ملت ملک کے تمام بچوں اور نوجوانوں کی جسمانی ورزش کا انتظام کیا جائے۔

۶۔ حکومت کے تمام شعبے اور محکموں کو آر ایس ایس جیسی فسطائی جماعت سے تعلق رکھنے والے افراد سے پاک کیا جائے۔

۷۔ دستور کے رہنما اصولوں کی فہرست سے تمام ملک کے لیے یکساں سول کوڈ کی دفعہ نکال دی جائے۔

۸۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو بحال کیا جائے۔

۹۔ مسلمانوں کی مساجد، مقابر اور اوقاف کی حفاظت کا مستقل طور پر انتظام کیا جائے۔ جہاں جہاں ان پر ناجائز قبضہ ہے اسے ہٹانے کے لیے فوری اور مؤثر کارروائی کی جائے۔

منجانب
ملک وملت بچاؤ تحریک
بتاریخ ۷/جون ۱۹۷۹ء
۱- بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی

یہ وہ مطالبات ہیں جو ملک کے سیکولر نظام کے رخنوں اور خامیوں کو طشت از بام کر رہے ہیں۔ آج بھی یہ مطالبات جوں کے توں حکومت کی گردن پر مسلط ہیں۔ اگر ان مطالبات پر سنجیدگی سے غور وخوض کر کے پورا کیا جاتا اور فرقہ پرست تنظیموں کو ملک کے سیکولر نظام سے کھیلنے کا موقع نہ دیا جاتا تو ملک پر فرقہ پرستی کا بھوت سوار نہ ہوتا اور اس وقت جو صورت حال ہے وہ سامنے نہ آتی، لیکن ان مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے وزیر اعظم حکومت ہند نے جو جواب ارسال کیا تھا وہ میمورنڈم کو نظر انداز کرنے کے مترادف تھا۔ حد تو یہ ہے کہ ملک میں فرقہ واریت کی زہرناکی اور اس کے نتائج کو سامنے رکھنے کے باوجود وزیر اعظم ہند کی جانب سے آر ایس ایس کی فرقہ واریت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے رضا کارانہ تنظیم باور کرانے کی کوشش کی گئی جبکہ ایسی شہادتیں موجود ہیں جو آر ایس ایس کی فرقہ پرست ذہنیت کو واشگاف کرتی ہیں۔ سیکولر اور انصاف پسند ہندوؤں نے بھی اس کی فرقہ پرستی کو ظاہر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔۔ یہی بات جمعیۃ علماء ہند نے بھی کھلے الفاظ میں کہی تو وزیر اعظم ہند کو جمعیۃ علماء ہند ہی فرقہ پرست نظر آنے لگی۔

حالانکہ جمعیۃ علماء ہند کا ماضی ہو یا حال اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانوں کی فرقہ وارانہ ذہنیت کو برداشت نہیں کیا ہے اور اس کی شدید مخالفت کی ہے۔ خاکسار پارٹی اور مسلم نیشنل گارڈ کی جمعیۃ نے ہر موڑ پر مخالفت کی اور آج بھی وہ ہر ایسی تنظیم کی مخالفت اور شدید نکتہ چینی کرتی ہے جس میں فرقہ پرستی کی بو پائی جاتی ہے خواہ وہ کسی مذہبی اکائی کی تنظیم ہو،

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے نظریہ کے مطابق سیکولر ہندوستان کی تعمیر کے لیے سول نافرمانی کا راستہ متعین کیا ہے۔ یہ وہی راستہ ہے جس کو مہاتما گاندھی نے ملک کی آزادی کے لیے اختیار کیا تھا، اور اسی راستہ پر چل کر ملک کو آزادی ملی، اس طریقۂ کار کو اپنانے پر وزیر اعظم ہند نے سخت الفاظ میں جمعیۃ علماء ہند کو دھمکی دی، وہ الفاظ یہ ہیں:

''آپ اس مسئلہ پر غور کریں گے کہ کیا اس قسم کے اقدام سے آپ کے فرقہ اور آپ کی تنظیم کو فائدے سے زیادہ نقصان تو نہیں پہنچ جائے گا، حکومت بلاشبہ اس کے لیے مجبور ہے کہ ملک کے امن اور سلامتی کے لیے خطرہ سے عہدہ برآ ہونے کی غرض سے ہر وہ کارروائی کرے گی جو قانون کی حد میں کی جانی ضروری ہوجائے۔ میں نے سوچا کہ میں آپ کو یہ بتلادوں تاکہ اس معاملہ میں آپ حکومت کی پوزیشن کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوجائیں۔

آپ کا مخلص مرارجی ڈیسائی

مرارجی ڈیسائی کے الفاظ دوبارہ پڑھ لیجیے اور اندازہ لگائیے کہ کتنی خوفناک دھمکی ہے ان الفاظ میں، لیکن ڈیسائی جی کی نظروں سے غالبًا یہ الفاظ لکھتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے اکابر کی تاریخ اوجھل رہی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مورّخ ملت حضرت مولانا سیّد محمد میاں دیوبندیؒ اسی جمعیۃ کے اکابر وقائد تھے جنھوں نے انگریزوں کے ظلم واستبداد کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ان کی دھمکیوں کو پرکاہ سے زیادہ حیثیت نہیں دی۔ قیدوبند کی صعوبتوں کو انھوں نے بصد مسرت جھیل لیا، کبھی مالٹا کی اسیری میں کبھی نینی تال کی چہار دیواری میں اور کبھی فیض آباد میں سلاخوں کے پیچھے، تو کیا ان کے جانشین اور ان کی روایات کے وارث وامین مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ ہندوستانی حکمرانوں کی دھمکیوں سے دب جانے والے تھے! مولانا نے وزیر اعظم ہند کے خط کا بھرپور جواب دیا جس کو تاریخ عزیمت کا سنہرا باب کہنا زیادہ موزوں ومناسب ہے۔ مولانا کا مکتوب گرامی طویل ہے لیکن چند جملے آپ کو سنانے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ سماعت فرمایئے:

''آپ نے اپنے خط کے اختتام پر دھمکی کا لہجہ اختیار کیا ہے، ہم برطانوی سامراج کی اور ہر قسم کے فرقہ پرست عناصر کی اس قسم کی دھمکیوں کے عادی ہوچکے ہیں، ہم فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی دھمکیوں کے باوجود جمہوری اور سیکولر

ہندوستان کی تعمیر کے لیے پرامن جدوجہد کا ہمارا جو عزم ہے اس میں کوئی کمزوری نہیں آئی۔“

مولانا مرحوم کا آخری فقرہ بھی سن لیجیے، فرماتے ہیں کہ:

”آخر میں اس بات پر پھر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہماری تحریک نے گاندھی جی کے بتائے ہوئے اصولوں سے روشنی حاصل کی ہے اور عدم تشدد اور ستیہ گرہ کی بنیاد پر چلے گی تاکہ ملک کے اندر سے فرقہ واریت کا زہر دور ہو اور حکومت کا ضمیر بیدار ہو اور وہ اس عمل کی تقویت کے لیے اپنا فریضہ انجام دے سکے۔

مخلص اسعد مدنی (صدر جمعیۃ علماء ہند)

وزیر اعظم حکومت ہند کے خط کا وہ اقتباس پیش کر چکا ہوں جس میں جمعیۃ علماء ہند کی اس تحریک کو کچلنے کی دھمکی دی گئی ہے لیکن ان دھمکیوں سے مرعوب ہونے کے بجائے جماعت کے مجاہدین میں نیا جوش و ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ملک و ملت کے تحفظ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینا اپنی سعادت سمجھ رہے تھے۔ سرفروشی کا یہ سبق ان مجاہدین نے اپنے اکابر سے پڑھا تھا جو بادشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے میں ذرا بھی ہچکاتے نہیں تھے۔ چنانچہ دھمکیوں سے بے پرواہ ہو کر تحریک چلانے کا اعلان جمعیۃ علماء ہند نے پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ کر دیا، مجاہدین تو منتظر بیٹھے تھے، ملک کے گوشے گوشے سے سرفروشوں کے قافلے دہلی کی سمت رواں دواں ہو گئے۔

راقم الحروف بھی اپنے ۶۵ رفقاء کو ہمراہ لے کر ۶/جولائی ۱۹۷۹ء کو دفتر جمعیۃ علماء ہند میں حاضر ہوا۔ وہاں سے مجاہدین کو کالی مسجد پہنچا دیا گیا۔ یہ وہ عظیم الشان وسیع و عریض مسجد ہے جو تادیر شرنارتھیوں کے قبضہ میں تھی۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد سے واگزار ہوئی۔ اب یہی مسجد مجاہدین تحریک کی تربیت گاہ تھی۔ یہیں سے مجاہدین کے جتھے روانہ ہوتے تھے اور فلک شگاف نعروں سے ایوانِ حکومت میں زلزلہ پیدا کرتے تھے۔ پہلا جتھہ جو ۹/جولائی ۱۹۷۹ء کو کالی مسجد سے روانہ ہوا تھا، اس کا منظر آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے۔ جمعیۃ کے ذمہ داران اور قائد تحریک پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ طرح طرح کے شکوک و شبہات تھے۔ حکومت کا تیور تو کڑا تھا ہی، ادھر مجاہدین کے حوصلے بھی کچھ کمزور نہیں تھے۔ سرفروشی کا ولولہ ہر مجاہد میں اس قدر تھا کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ہر ایک کے چہرے پر مسرت و خوشی کی لہر دوڑ رہی تھی، جیسے ہر مجاہد بیتاب ہو کہ کب ملک و ملت کے تحفظ میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دے گا۔ اس میں ذرا بھی تاخیر ناگوار ہو رہی تھی۔ آخر روانگی کا وقت آیا تو کالی مسجد میں موجود مجاہدین اور جمعیۃ علماء

ہند کے ذمہ داروں نے جس الحاح وزاری اور اشکباری کے ساتھ دعائیں کیں، ان کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ ہر آنکھ اشکبار ہر ہاتھ کانپتا ہوا، ہر زبان تھرتھراتی ہوئی، ہر جسم کپکپاتا ہوا، اپنے مالک کے حضور میں سرنگوں ہے کہ خداوندا! تو ان بے سہارا بندوں کی لاج رکھنا، ملک وملت کے تحفظ کا ان کو سنگ میل بنا دینا، ظلم کی چکی میں پسنے سے بچانا، ان کے حوصلوں کو بلند رکھنا—— اس طرح کی دعاؤں کے ساتھ یہ قافلہ روانہ ہوا۔ پارلیمنٹ کے سامنے روک کر اس جتھہ کو پٹیالہ ہاؤس تھانہ میں پھر تہاڑ جیل بھیج دیا گیا۔ اس طرح روزانہ ایک جتھہ روانہ ہوتا رہا۔ تحریک کے اس پہلے مرحلہ میں سترہ جتھے روانہ ہوئے۔ پانچ دن سے لے کر پندرہ دنوں تک کی سزائیں سنائی گئیں۔ ہر جتھہ نے اپنی سزا کو نہ صرف یہ کہ بصد مسرت قبول کیا بلکہ وہ اس سے زیادہ کے متمنی تھے۔

میں تیسرے جتھہ میں شریک تھا۔ اس کے قائد حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ابھی ہم تہاڑ جیل میں آہنی سلاخوں کے پیچھے تھے کہ حکومت کے ایوان میں زلزلہ آ گیا۔ پائے چوبیں ہلنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے حکومت کے تار و پود بکھر گئے اور وہ اپنی موت آپ مر گئے۔ سچ ہے کہ قدرت غرور کا سر نیچا کر دیتی ہے، اس حکومت کے وزیر اعظم نے جو دھمکی دی تھی اس کی زد میں وہ خود آ گئے، اس کے باوجود تحریک جاری رہی اور اپنے ہدف کے مطابق اس نے سترہ جتھے بھیجے اور ۹؍جولائی ۱۹۷۹ء سے ۲۴؍جولائی ۱۹۷۹ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس تحریک کو ملک کے اخبارات و رسائل اور اداروں و انجمنوں نے سراہا۔ اخبارات و رسائل نے اداریے اور تبصرے شائع کیے۔ انجمنوں نے اس کو انقلابی تحریک کا عنوان دیا۔ ’ملاپ‘ اخبار کے ایڈیٹر نبیر جی نے ۵؍جولائی ۱۹۷۹ء کی اشاعت میں طویل اداریہ قلم بند کیا اور اس میں جمعیۃ علماء ہند کی دیش بھکتی اور اس کے شاندار ماضی کو سراہتے ہوئے مرار جی ڈیسائی کے خط پر یہ لازوال جملے لکھے:

> ’’جمعیۃ علماء ہند انگریز کے عہد حکومت میں زیر عتاب تھی، اب مرار جی بھائی کے عہد حکومت میں بھی زیر عتاب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط مرار جی ڈیسائی بھائی نے نہیں راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے بالا صاحب دیورس نے لکھا ہے۔ مرار جی بھائی نے اس پر صرف دستخط کر دیے ہیں۔‘‘

’ملاپ‘ کی طرح ملک کے دیگر اخبارات نے مرار جی ڈیسائی کے خط اور ان کی پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی اور جمعیۃ علماء ہند کے اقدام کو بڑھتی ہوئی فرقہ واریت کے پیش نظر مستحسن اور ضروری قرار دیا۔ ان اخبارات و جرائد کے اقتباسات کے لیے وقت درکار ہے۔ آپ کی خدمت میں صرف

چند اخبارات کے نام پیش کر رہا ہوں جو تحریک کی مقبولیت اور ضرورت کو واضح کر رہے ہیں:
'تیج' دہلی (۱۴/جولائی ۱۹۷۹ء)، 'سیاست' کانپور (۲۶/جولائی ۱۹۷۹ء)، 'اخبار ہند' کلکتہ (۱۲/جولائی ۱۹۷۹ء)، 'اُجالا' دہلی (ہفتہ وار)، 'سروش' پٹنہ (۹/جولائی ۱۹۷۹ء)، 'سیاست' حیدرآباد، 'الجمعیۃ' دہلی، انگریزی اخبار 'پیٹریاٹ' الٰہ آباد، 'تملناڈو ٹائمز' مدراس، اسٹیٹس مین (۹/جون ۱۹۷۹ء)، 'بہادر' نئی دہلی (پندرہ روزہ)، 'روداد چمن' پیلی بھیت، 'شاہکار' حیدرآباد، 'عزائم' لکھنؤ، 'پیغام' لکھنؤ، 'نئی دُنیا' جونپور، 'نقیب' پٹنہ، 'دعوت' دہلی، 'ساتھی' پٹنہ، 'ہندوستان ٹائمز' دہلی، 'معیارِ زندگی' مالیگاؤں، 'آفتاب جدید' بھوپال، 'انقلاب' ممبئی، 'پرتاپ' دہلی، 'قومی مورچہ' بنارس، 'نئی دُنیا' دہلی، 'الکفاح' دہلی، 'ہند سماچار' جالندھر، 'مسلمان' مدراس، 'آبشار' کلکتہ، 'عکاس' کلکتہ، 'آزاد ہند' کلکتہ، 'منصف' حیدرآباد، ہفتہ وار 'آزاد' آسام، ہفتہ وار 'سیناپتی' آسام، ماہنامہ 'قرآن جیوتی' آسام، 'صدق جدید' لکھنؤ، 'انجام'، 'سماچار بھارتی'۔

ان اخبارات کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے بڑے اخبارات ہیں جن کا احاطہ کرنا دشوار ہے۔ یہ چند نام اس نقطۂ نظر سے پیش کیے گئے ہیں تاکہ ان سے تحریک کی اہمیت وافادیت اور ضرورت کو محسوس کیا جاسکے اور اس کا اندازہ لگایا جاسکے کہ ملک کا جمہوری نظام کتنی تیزی کے ساتھ بدل رہا تھا اور فسطائی طاقتیں سر اُبھار رہی تھیں۔ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ماضی کی شاندار روایات کو پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ دہرایا، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سیکولر عناصر میں جرأت و بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی اور برقی رو کی طرح بلاتاخیر سیکولر مزاجوں نے فرقہ واریت کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ حکومت کی پالیسیوں پر کڑی نکتہ چینی کی اور ان رخنوں کی نشاندہی کی جہاں سے فرقہ واریت گھس کر جمہوری نظام کو کھوکھلا کر رہی تھی۔ یہی وہ نکتہ تھا جس نے جمعیۃ علماء ہند کی آواز پر لبیک کہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اخبارات میں سیاسی رہنماؤں نے اپنے خیالات کا اظہار تو کیا ہی، اداروں اور انجمنوں نے بھی اپنی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے اس اقدام کو سراہا اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ ہم اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف دو تین اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔ آخر میں ان اداروں کے نام لکھ دیں گے تاکہ تحریک کی اہمیت مزید واضح ہو سکے:

> ''دہلی کمیونسٹ پارٹی جمعیۃ علماء ہند کی ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی اس تحریک میں حصہ لے گی جو آر ایس ایس کی سرگرمیوں پر پابندی لگانے اور فرقہ وارانہ تشدد بھڑکانے والوں کے خلاف سخت ایکشن لینے اور ملک کے سیکولر جمہوری نظام کو

مضبوط بنانے کے لیے ۹/ جولائی سے شروع کر رہی ہے۔''

کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا:

''سی پی آئی جمعیۃ علماء ہند کی ملک وملت بچاؤ تحریک کی پورے طور پر تائید کرتی ہے۔ یہ تحریک سیکولر جمہوری اقدار کے تحفظ کے لیے ہے اور جتنا حکومت سے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، محبّ وطن نیشنلسٹ مسلمانوں کی تنظیم کی یہ ستیہ گرہ کی تحریک بہت باموقع ہے۔ ہر وہ جماعت قابلِ مذمت ہے جو مسلمانوں کو فرقہ وارانہ لائنوں پر بالکل الگ رکھنے کی کوشش کر کے فرقہ پرست عناصر کی امداد کر رہی ہے اور آر ایس ایس کی ساتھی ثابت ہو رہی ہے۔ اس لیے وقت آ گیا ہے کہ تمام سیکولر عناصر اپنے اختلافات کو ختم کر کے فرقہ پرستی کے اس زہریلے دیو کے مقابلہ پر ڈٹ جائیں۔''

سہارنپور کے مجاہدینِ آزادی نے لکھا کہ:

''گاندھی، نہرو، آزاد و مدنی کے بھارت میں آج کل اقلیتوں سے لاپرواہی اور خاص کر مسلمانوں پر ظلم و ناانصافی اور فساد کرانے والوں کو بڑھاوا مل رہا ہے۔ اس کے خلاف جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ملک وملت بچاؤ تحریک اس اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن ہے۔ ہم مجاہدینِ آزادی ضلع سہارنپور ملک کو آزاد کرانے والی سرفروش جماعت جمعیۃ علماء ہند کی اس تحریک کی پرزور حمایت و تائید کرتے ہیں۔''

(۱) مام چند پردھان (۲) کیشو رام (وید) (۳) مام راج سنگھ (۴) کیول رام (۵) شیام لال کوشک آڈیٹر

(۶) پیارے لال (۷) بشیر احمد (۸) ستیہ پرکاش گپتا (نائب صدر) (۹) روپ کمار (منسٹری)

ان تین اقتباسات کے بعد اب اداروں کے نام سماعت فرمالیجیے:

(۱) اینٹی کمیونل فرنٹ دہلی (۲) بریلی کانگریس سنگھرش سمیتی (۳) دہلی مسلم لیگ (۴) کل میرٹھ مسلم لیگ میرٹھ (۵) انجمن اصلاح المومنین (۶) ووڈ کارونگ ورکرز یونین سہارنپور (۷) اکھل بھارتیہ رام پنتی ناگرک مورچہ (۸) انجمن اتحادِ باہمی (۹) بنکر یونین جمنا پار شاہدرہ، دہلی (۱۰) انجمن فلاحِ دارین رڑکی (۱۱) مغربی دہلی کی پندرہ کالونیوں کا متحدہ محاذ (۱۲) بار ایسوسی ایشن سہارنپور (۱۳) یوپی مومن کانفرنس اترپردیش (۱۴) مولانا آزاد میموریل سوسائٹی (۱۵) صدر بازار دہلی کا ہندو مسلم اتحاد۔

ان کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کی شاخوں نے بھی اپنے بیانات شائع کرائے۔ ہم نے قصداً ان کے نام نہیں گنائے کہ وہ تو اپنی ہی شاخیں ہیں۔ ان کی تائید وحمایت سے تو تحریک چلانے کا حوصلہ ملا۔ ہاں اب ان شخصیات کے نام بھی سن لیجیے جنھوں نے تحریک کی حمایت میں اپنے بیانات شائع کرائے اور مسلسل تحریک کی تائید وحمایت کرتے رہے۔ اس زمرہ میں ہم ان شخصیات کا نام نہیں لیں گے جن کا تعلق جمعیۃ علماء ہند سے ہے۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی بھی نہیں آئیں گے اس لیے کہ جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

چند نام یہ ہیں:

(۱) مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری (۲) جناب محبوب احمد، مسلم لیگ، دہلی (۳) جناب مائل صدیقی الوارثی، جنرل سیکریٹری آل انڈیا اُردو اسمال اینڈ میڈیم ایڈیٹرس کونسل (۴) مفتی شاہ عبدالرحیم صاحب، بھرت پور (۵) مسٹر پریم ساگر گپتا، سیکریٹری صوبائی کونسل ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی، دہلی (۶) دہلی کے ہندو مسلم شہری (۷) جناب منظور احمد، صدر کانگریس ضلع میرٹھ (۸) علامہ خضر برنی (۹) مولانا محمود پاشا، حیدرآباد (۱۰) دیوان صولت حسین، اجمیر شریف (۱۱) سیّد محمد ناصر فاخری، الہ آباد (۱۲) کامریڈ سی راجیشور، جنرل سیکریٹری کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (۱۳) انور دہلوی، سابق کاؤنسلر دہلی (۱۴) چودھری سجن کمار، رکن دہلی کارپوریشن (۱۵) شفیق احمد انصاری، سیکریٹری مومن کانفرنس، یوپی (۱۶) احسن علی مرزا، نائب صدر کانگریس کمیٹی، حیدرآباد (۱۷) مولانا قاضی زین العابدین، مفتی شہر میرٹھ (۱۸) ظفریاب جیلانی ایڈوکیٹ، لکھنؤ (۱۹) محمد حسن صاحب ایڈوکیٹ، سہارنپور (۲۰) شرقی عثمانی (۲۱) مسز سبھدرا جوشی (۲۲) مولانا عزیز الحسن صدیقی، غازیپور۔

یہ تو وہ موئیدین ہیں جن کی حمایت تحریک کو حاصل رہی ہے۔ ان کے علاوہ کم وبیش وہ غیر مسلم حضرات ہیں جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ یہ سب کے سب اہم مقام کے حامل اور سرکردہ شخصیات ہیں جنھوں نے جیل جانے والے جتھوں کی قیادت کی یا جتھوں میں شریک رہے۔ ہم طوالت کے پیش نظر ان ناموں کی فہرست پیش کرنے سے کترا رہے ہیں۔

اب یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی ملک وملت بچاؤ تحریک نے سیکولر عناصر میں وہ توانائی پیدا کردی جس کی ملک وقوم کو شدید ضرورت تھی۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اگر فرقہ پرستی کے عفریت کو کچلنے کی کوشش نہیں کی گئی تو ملک کی سالمیت، اس کی تہذیب و ثقافت، اس کی رواداری واخوت اور اس کے آئین کا تحفظ مشکل ہوجائے گا۔ چنانچہ برادرانِ وطن

نے تحریک کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا، گویا بھولا ہوا سبق یاد آ گیا۔

تحریک کی کامیابی کی سب سے بڑی شہادت تو یہی ہے کہ ایوانِ حکومت میں زلزلہ آ گیا اور حکومت زمیں بوس ہوگئی۔ نئی حکومت نے قلمدان سنبھالا لیکن یہ کام چلاؤ سرکار تھی اور اس کے دائرۂ اختیار سے سب کچھ تو باہر نہیں تھا مگر اس نے کچھ نہیں کیا۔ یہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا جس کے وزیراعظم کو ارکانِ پارلیمنٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ جدید انتخابات میں اقتدار کانگریس کے ہاتھوں میں پھر لوٹ آیا۔ محترمہ اندرا گاندھی نے وزارتِ عظمیٰ کی کرسی سنبھالی، اس حکومت سے کچھ توقعات وابستہ تھیں کہ اقتدار چھن جانے کے بعد ہوسکتا ہے کہ اس کو ہوش آ گیا ہو اور اپنی قدیم پالیسی سے باز آ جائے لیکن یہ توقعات سراسر غلط ثابت ہوئیں اور ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی پر حکومت نے کوئی مؤثر قدم نہیں اُٹھایا، جس کے نتیجے میں اقلیتوں، ہریجنوں اور کمزور طبقوں خاص طور پر مسلمانوں کے قتل عام بلکہ نسل کشی نے ملک کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔ بقول مولانا صدرالدین انصاری مرحوم فسادات میں فسادی عناصر کے ساتھ افسروں، ریاستی فورسیز پی اے سی اور بی ایم پی شریک ہوگئیں اور حکومت فرقہ پرست جماعتوں آر ایس ایس اور دیگر فسطائی عناصر کے مقابلہ میں کھڑے ہونے سے پس وپیش کرنے لگی۔

ملک میں لاقانونیت، بدامنی اور فاشزم کا بول بالا ہونے لگا۔ مسلمانوں سے امتیازی سلوک برتا جانے لگا اور بنیادی حقوق سے محرومی اس کا مقدر بننے لگی تو ایک بار پھر محبانِ وطن کے اضطراب اور بے چینیوں کو دیکھ کر جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے حالات کا جائزہ لیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ پانی سر سے اُونچا ہو رہا ہے۔ اگر بروقت روک تھام نہ کی گئی تو ملک فرقہ پرستی کے سیلِ رواں میں بہہ جائے گا۔ چنانچہ ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ارکان کا ہنگامی اجلاس طلب کر کے یہ فیصلہ کیا کہ حسب سابق پہلے حکومت کے سامنے مطالبات رکھے جائیں اور اطمینان بخش جواب نہ ملنے پر ۲۱ر فروری ۱۹۸۳ء سے پرامن ستیہ گرہ شروع کی جائے۔ چنانچہ وزیراعظم کے سامنے آٹھ دفعات پر مشتمل توجہ نامہ (میمونڈم) پیش کیا گیا۔ یہ وہی مطالبات تھے جو ملک وملت بچاؤ تحریک کے پہلے مرحلہ میں مرارجی ڈیسائی کے سامنے رکھے گئے تھے۔ وزیراعظم کا جواب ۲۱ر جنوری ۱۹۸۳ء کو موصول ہوا۔ جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ داروں نے جواب کو ناقابل اطمینان قرار دیا اور ایکشن کمیٹی نے ۲۱ر فروری سے تحریک چلانے کا فیصلہ کر دیا۔ اس کی باضابطہ وزارت ہند کو اطلاع بھی دے دی گئی۔

ایکشن کمیٹی کے فیصلہ کے بعد وزیراعظم حکومت ہند نے جمعیۃ علماء ہند کے مطالبات پر غور و

خوض اور مسائل کا حل پیش کرنے کے لیے وزارتی سطح کی کمیٹی تشکیل کی، جس کے سربراہ وزیر داخلہ پی سی سیٹھی تھے۔ دیگر ارکان کے نام یہ ہیں: پارلیمانی امور کے وزیر مسٹر بوٹا سنگھ، وزیر صنعت مسٹر نرائن دت تیواری، وزیر مملکت مسٹر جعفر شریف اور پارلیمنٹ ممبر بیگم عابدہ احمد تھیں۔ ۱۹؍فروری ۱۹۸۳ء کو تحریک کی ایکشن کمیٹی اور وزارتی کمیٹی کے مابین ایک گھنٹہ تک گفتگو جاری رہی۔ وزارتی کمیٹی کا زور اس بات پر تھا کہ سر دست تحریک ملتوی کر دی جائے اور ہمیں مسائل کا حل تلاش کرنے کا موقع دیا جائے۔ ایکشن کمیٹی نے اس تجویز کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ کسی سرکاری فیصلہ یا اعلان کے بغیر صرف وعدوں کی بنیاد پر تحریک ملتوی نہیں کریں گے، اس گفتگو کے بعد تحریک میں نیا جوش و ولولہ پیدا ہو گیا اور ملک و ملت کو تحفظ فراہم کرانے والے متوالوں میں ایک نئی اُمنگ پیدا ہوگئی۔ تیاریاں اپنے نقطۂ عروج پر تھیں کہ ۲۰؍فروری کو وزیر پارلیمانی امور مسٹر بوٹا سنگھ کا فون امیرِ تحریک جنرل شاہنواز خاں مرحوم کو ملا کہ آپ بلا تاخیر میرے پاس تشریف لائیں۔ مسٹر شاہنواز نے مسٹر بوٹا سنگھ سے ملاقات کی پھر یہ دونوں وزیر داخلہ مسٹر سیٹھی کے پاس گئے۔

مسٹر سیٹھی نے بتایا کہ حکومت نے آپ کے بنیادی مطالبات کو منظور کر لیا ہے اور ہم سرکاری طور پر اعلان بھی کر رہے ہیں۔ اور باقی مطالبات پر بھی وزارتی کمیٹی پوری ہمدردی اور دیانت داری کے ساتھ غور کرے گی اور عمل درآمد کے لیے اقدامات کرے گی۔ چنانچہ ۲۱؍فروری کو یہ سرکاری اعلان ''ہندوستان ٹائمز'' اور ''اسٹیٹس مین'' میں شائع ہو گیا۔ اخبارات میں چھپی خبروں کی بنیاد پر تحریک کی ایکشن کمیٹی کی میٹنگ ہوئی اور غور وخوض کے بعد کمیٹی نے طے کیا کہ ضروری امور کی وضاحتوں کے لیے وزارت داخلہ سے ملنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ امیرِ تحریک جنرل شاہنواز خان نے ایکشن کمیٹی کے ممبران کو ہمراہ لے کر وزیر داخلہ پی سی سیٹھی سے ملاقات کی۔ وزیر موصوف نے اپنی گفتگو سے کمیٹی کو مطمئن کر دیا۔ اب ایکشن کمیٹی کیا کرے؟ یہ ایک اہم سوال تھا۔ چونکہ ۳۵ سال کی طویل مدت میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا اعلان تھا جس کی توقع کم سے کم تھی۔ اس لیے ایکشن کمیٹی کو غور کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف ہزاروں ستیہ گرہی کالی مسجد میں خیمہ زن تھے جو ایکشن کمیٹی کے فیصلہ کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان کو صورتِ حال بتائی گئی تو وہ بھی مطمئن ہو گئے اور باضابطہ تحریک کے التواء کا اعلان کر دیا گیا۔ بلاشبہ یہ تحریک کی عظیم کامیابی تھی اور پہلی مرتبہ حکومتی سطح پر ایسا اہم اعلان کیا گیا جس میں اقلیتوں کے تحفظ اور ان کے دکھ کا ایک حد تک مداوا تھا۔ اس التواء پر جس کو دانشمندانہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں، ملک میں ملا جلا ردّ عمل ہوا۔ اکثریت نے داد و تحسین سے نوازا اور معدودے چند لوگوں نے التوا کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

حالانکہ ۲۳-۲۴ رفروری کو وزیر داخلہ پی سی سیٹھی نے لوک سبھا میں مزید وضاحتی بیان دیا اور وزیر اعظم ہند نے تحریک کے مطالبات کی روشنی میں اقلیتی فلاح و بہبود کے لیے پندرہ نکاتی تجاویز کا اعلان کر دیا۔ ان تجاویز کو بروئے کار لانے کے لیے وزیر اعظم نے کابینہ کمیٹی کی تشکیل بھی کی۔ اس کمیٹی کے ارکان یہ ہیں: اس کے سربراہ وزیر اعظم خود بنے۔ (۱) وزیر خارجہ پی وی نرسمہاراؤ (۲) وزیر داخلہ بوٹا سنگھ (۳) وزیر فروغ وسائل انسانی شیوشنکر (۴) وزیر توانائی وسنت ساٹھے (۵) وزیر منصوبہ بندی مادھوسنگھ سولنکی (۶) وزیر شہری ترقیات محسنہ قدوائی (۷) وزیر ماحول و جنگلات ضیاءالرحمٰن انصاری (۸) وزیر مملکت برائے بہبود راجندر کمار واجپئی۔

ان وضاحتوں کے بعد بھی اگر کوئی تحریک کے التوا کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ ایسے لوگوں کا انداز فکر مثبت نہیں بلکہ منفی ہے اور وہ تنقید کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ بہر حال سرکاری اعلان اور یقین دہانیوں کے بعد تحریک کا التوا عمل میں آیا اور حکومت کی طرف سے عملی اقدام کی پیش رفت ہوئی۔

لیکن اس صورتِ حال سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فرقہ پرست طاقتیں پوری مستعدی سے ملک کے درو بست پر چھا رہی تھیں۔ ان پر ایسی کوئی مؤثر قدغن نہیں لگائی گئی جو فرقہ پرستی کے زہر کا تریاق بن سکے۔ اس غفلت کے نتیجے میں پورے ملک کی فضا فرقہ پرستی کے زہر سے مسموم ہوگئی۔ گلی گلی میں فرقہ پرستی کا بیج بویا گیا اور کھلے بندوں اس کی آب پاشی کی گئی۔ ادھر کانگریس نے چند ایسی بھیانک غلطیاں کیں جس نے مسلمانوں کا رُخ بدل دیا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ جس سیاسی تنظیم کا بنیادی کردار سیکولر تھا وہی سیکولر اقدار کے تحفظ میں مجرمانہ غفلتوں کا مظاہرہ کر رہی ہے تو وہ کس کے سامنے فریادی بن کر اپنا دُکھڑا سنائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سیاسی جماعت برسر اقتدار آ گئی جو ایک طویل مدت سے ذہن سازی کر رہی تھی۔ اس اقتدار نے اقلیتوں کی دنیا اجیرن کر دی اور حکومت کے ہر شعبہ میں مخصوص ذہنیت کے لوگوں کا بول بالا ہوگیا۔ بابری مسجد کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا گیا اور گجرات میں ایسی وحشت و بربریت اور سفاکی کا مظاہرہ کیا گیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ آدمیوں کو زندہ جلانا، عورتوں کی عزت و ناموس کو تار تار کرنا، قتل و غارت گری میں سبقت لے جانا، دُکانوں مکانوں کو نذرِ آتش کرنا، ان وحشیانہ و سفاکانہ کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا حکومت کی ناک کے نیچے ہوتا رہا اور حکومت نہ صرف خاموش تماشائی بنی رہی بلکہ مجرمانہ غفلت کوشیوں نے لٹیروں، غارتگروں، سفاکوں اور وحشیوں کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔

اس کے باوجود مرکزی حکومت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی بلکہ وزیر داخلہ مسٹر ایڈوانی

نے چیف منسٹر مودی کو آفریں کہنے میں جھجک محسوس نہیں کی۔ ہندوستان چیخ پڑا۔ دنیا نے مذمت کے دہانے کھول دیے اور سیکولر اقدار کی دُہائی دی لیکن مودی سرکار پر مرکز نے کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ اس بدترین نسل کشی نے فضائی طاقتوں کو نیا حوصلہ اور نئی اُمنگ دے دی۔ ان حالات میں جمعیۃ علماء ہند خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے کسی بھی نازک موڑ پر عزیمت کی راہ سے منہ نہیں موڑا بلکہ اس نے ہمیشہ رخصت کی سہولتوں کو بزدل اور خودکشی سے تعبیر کیا۔ حالات بہت خطرناک تھے۔ کسی تنظیم میں حکومت کی غفلتوں کے خلاف احتجاج کا حوصلہ نہیں تھا اور خطرناک صورتحال میں کوئی تنظیم سرفروشی کا مظاہرہ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ صرف جمعیۃ علماء ہند ہی اپنے درخشاں ماضی کی روایات کی پاسبان ایک بار پھر ملک وملت بچاؤ تحریک کا پرچم لہراتی ہوئی آگے بڑھی اور حکومت ہند کی غفلتوں کا پردہ چاک کرنے کا عزم مصمم کرلیا۔

حسب سابق پہلے اس نے ملک بھر میں پھیلی ہوئی اپنی شاخوں کے ذمہ داروں سے صلاح و مشورے کیے پھر مجلس عاملہ میں ملک وملت بچاؤ تحریک کے تیسرے مرحلہ کا فیصلہ ہوگیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے صدر حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے وزیر اعظم مسٹر اٹل بہاری باجپئی سے ملاقات کی کوشش کی تاکہ دوبدو گفتگو سے مسائل کا حل نکالا جاسکے لیکن وقت نہ ملنا تھا نہ ملا۔ صدر گرامی نے موجودہ صورتحال کے پیشِ نظر ایک سیمینار بھی منعقد کیا جس میں علمائے کرام اور دانشوروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تحریک کو تائید حاصل ہوئی۔ مزید برآں انڈیا یونائیٹڈ مسلم مورچہ کے صدر ڈاکٹر ایم اعجاز علی اور آل انڈیا ایس سی ایس ٹی کی طرف سے منعقد سیمینار میں بھی جمعیۃ علماء ہند کو حمایت حاصل ہوئی۔ اس سیمینار میں لوک جن شکتی پارٹی کے صدر رام ولاس پاسوان، ٹی راج شیکھر، ڈاکٹر اعجاز، پروفیسر شبیر، مسٹر اُدت راج، عیسائی لیڈر مسٹر جوزف ڈیسوزا، ایڈمیرل وشنو بھاگوت خاص طور پر شریک ہوئے اور حکومت کے رویے پر کڑی نکتہ چینی کی۔

وزیر اعظم نے جب ملاقات کا وقت نہیں دیا تو صدر گرامی جمعیۃ علماء ہند نے وزیر اعظم کو میمورنڈم بھیج کر مطلع فرمایا کہ اگر ۱۵ ستمبر تک جواب نہیں ملا تو ہم پرامن تحریک چلانے پر مجبور ہوں گے۔ چنانچہ ۱۴ ستمبر کو جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی نے باتفاق رائے طے کیا کہ ۲ اکتوبر سے پرامن تحریک کا آغاز ہوگا۔ اس فیصلہ کی اطلاع تمام جمعیتوں کو بہم پہنچا دی گئی اور ہر طرف سے تحریک کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس کے باوجود ایک بار پھر صدر محترم نے پارلیمانی اراکین، سیاسی نمائندوں اور ملک کے دانشوروں کے ایک اجتماع کو خطاب کیا اور واشگاف الفاظ میں حکومت کی ناانصافیوں اور مسلمان کے تئیں حکومت کے طرزِ عمل پر شدید نکتہ چینی کی اور تحریک کے مقاصد کو

واضح کیا۔شرکائے اجتماع نے تحریک کی تائید کرتے ہوئے اس پرامن احتجاج کو وقت کی شدید ضرورت قرار دیا۔حضرت مولانا کے خطاب اور میمورنڈم میں پیش کیے گئے مطالبات کواخبارات نے شائع کرکے رائے عامہ کوہموار کرنے میں تعاون کیا۔

ادھرتحریک کے مجاہدین کے قافلوں کی آمد شروع ہوگئی۔ملک کے گوشے گوشے سے جمعیۃ کا پرچم لہراتے ہوئے کالی مسجد میں سرفروشانِ ملت پہنچ رہے تھے۔ان کے چہروں پر خوف وہراس کے بجائے سکون واطمینان کی چمک دِکھائی دے رہی تھی۔چنانچہ اعلان کے مطابق یکم اکتوبر کو ہزاروں مظاہرین کالی مسجد پہنچ چکے تھے۔۲/اکتوبر کو پہلا جتھہ جو۳۱۳ افراد پر مشتمل تھا نیک خواہشات اور کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ روانہ ہوا۔اس کے قائد دارالعلوم دیوبند کے استاذِ حدیث مولانا ارشد مدنی تھے۔اسی طرح روزانہ جتھے روانہ ہوتے رہے اورحکومت کی ناانصافیوں کو چیلنج کرتے رہے۔تحریک کا آخری جتھہ ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۲ء بروز منگل روانہ ہوا۔اس کی قیادت مولانا محمود مدنی کررہے تھے۔اس جتھہ میں دس ہزار تین سو تیرہ ستیہ گرہی شامل تھے۔یہ عظیم الشان جتھہ ہزاررکاوٹوں کے باوجودوزیراعظم کی رہائش گاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔البتہ انتظامیہ کو اپنی ناکامی پرحیرت تھی کہ جہاں چڑیا پرنہیں مارسکتی تھی وہاں اتنے بڑے ہجوم کا پہنچ جانا حیرت کی بات تھی۔یہی نہیں بلکہ یہ تو وہ محفوظ علاقہ ہے جہاں گولی برسانے کی اجازت ہوتی ہےلیکن ان مستانوں کا ایسا رعب طاری ہوا کہ بندوقیں سرنگوں رہیں اور سیکورٹی انگشت بدنداں کہ اب کیا کیجیے۔اسی کشمکش میں سیکورٹی دوگھنٹے پڑی رہی،وہ یہ فیصلہ کرنے میں ناکام رہی کہ وہ جمعیۃ کےان پرامن احتجاج کرنے والوں کے خلاف کون سی کارروائی کرے۔بالآخر دوگھنٹے کے بعد وزیراعظم ہاؤس کے افسران نے مولانا محمود مدنی سے گفتگو کی اور یہ طے ہوا کہ جمعیۃ کا ایک دس رکنی وفد اپنے مطالبات کے سلسلہ میں وزیر وجے گوئل سے تبادلۂ خیال کرلے۔

چنانچہ اس گفتگو کے لیے فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں شری وجے گوئل سے وفد نے ملاقات کی۔وزیرموصوف نے مطالبات پر سنجیدگی سے غورکرنے کا یقین دلایا اور یہ بھی کہا کہ آپ کے مطالبات پورے کرنے کی ہرممکن کوشش کی جائے گی۔حضرت مولانا نے فرمایا کہ اگر یہ ٹالنے والی بات ثابت ہوگی تو ہم پھرتحریک چلانے پرمجبور ہوں گےاوراس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کرلیے جاتے۔مسٹر گوئل کی یقین دہانی کے بعد تحریک کے التواء کا اعلان کردیا گیا۔اس طرح تحریک ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۲ء بروز منگل اختتام پذیرہوئی۔

یہ ملک وملت بچاؤ تحریک کے تین مرحلوں کی مختصر روداد ہے۔اب ۲۰۰۷ء میں پھر ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ تحریک چلائی جائے اور ملک وملت کو بیدار کرنے کے مطالبات حکومت کی میز پر رکھے جائیں۔اس لیے کہ ملازمتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی دو فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ تعلیمی پسماندگی کل کی طرح آج بھی منہ کھولے کھڑی ہے۔لوک سبھا میں مسلمانوں کی نمائندگی دہلی، گجرات، مہاراشٹر، راجستھان، پنجاب، ہریانہ اور ہماچل پردیش میں صفر ہے۔اسی طرح ریاستی اسمبلیوں میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی آبادی کے تناسب سے کم اور بہت کم ہے۔ یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ بے قصور مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کا ہوا کھڑا کرکے آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔اس کی کوئی سنوائی نہیں ہوتی۔مہاراشٹر، گجرات اور دیگر ریاستوں میں بہت سے مسلم نوجوان جیلوں میں قید وبند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں۔ان حالات کا شدید تقاضا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند اپنی شاندار سرفروشی کی روایات کو پھر دہرائے اور ایک بار پھر ملّی تشخصات کو بروئے کار لاکر جمعیۃ کے اکابر رحمہم اللہ کو خراجِ عقیدت پیش کرے۔

○○

□ مولانا اسرار الحق قاسمی
ممبر پارلیمنٹ

تحفظ شہریت اور حضرت فدائے ملت کا مجاہدانہ کردار

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا شمار ہمارے ان اسلاف اور اکابرین میں ہوتا ہے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی مذہب وملت کی خدمت کے لیے وقف کردی۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے جوانی میں بھی قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لیے بے انتہا جدوجہد کی اور جب وہ عمر رسیدہ ہوگئے اور بیماریوں وضعف نے انہیں چاروں طرف سے آن گھیرا تب بھی ان کے سینہ میں قوم وملت کی خدمت کا جذبہ کروٹیں لیتا رہا اور وہ پیران سالی کے باوجود ملت اسلامیہ کو درپیش بہت سارے مسائل سے نجات دلانے کے لیے جہد مسلسل کرتے رہے۔ یہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا ہی دل گردہ تھا کہ انہوں نے اگر ایک طرف ملک کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی ترقی کے لیے عوامی سطح پر آواز بلند کی، تو وہیں دوسری طرف انہوں نے سرکاری ایوانوں میں مسلمانوں کی ترقی اور ان کے حقوق کی صدا بھی بلند کی۔ یہ اللہ تعالی کا کرم واحسان ہے کہ اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کی سرگرم جماعت ''جمعیۃ علماء ہند'' کو اس کے قیام کے پہلے روز سے ہی عظیم، قدآور اور مخلص رہنما عطا کیے، جنہوں نے ہمیشہ ملک وملت کے مفادات کو پیش نظر رکھا۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بھی ایسے ہی عظیم وقد آور رہنما تھے۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے بحیثیت ناظم عمومی اور صدر، جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ملک وملت کے لیے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے جنہیں رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ دود ہائیوں سے زیادہ مجھے جمعیۃ علماء ہند کے سکریٹری اور جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ان کی رفاقت میں زندگی گزارنے کا موقع میسر ہوا جس میں میں نے دیکھا کہ وہ بلاشبہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے افکار وخیالات کے امین اور اپنے والد شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ کے سچے جانشین تھے، مجھے ان کے ساتھ رہ کر یہ معلوم ہوا کہ حضرت فدائے ملت ایمانی فراست، سیاسی بصیرت، بیدار مغزی،، فکری بالیدگی اور اولوالعزمی کا نمونہ تھے۔ ان کے اندر غیر معمولی جرأت، سنگین اور سخت حالات

سے ٹکرانے کی ہمت تھی۔ اسی لیے وہ راہ میں حائل رکاوٹوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے تھے اور تیز وتند آندھیوں میں اپنے پختہ عزم کا چراغ جلا کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتے تھے۔

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے جب اسلامیان ہند کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالی تو مسلمانوں کے سامنے کئی بڑے مسائل تھے۔ حضرت مولاناؒ نے ہر مسئلہ کا جوانمردی و بیدار مغزی کے ساتھ سامنا کیا اور سخت سے سخت حالات میں بھی پیچھے نہ ہٹے۔ چنانچہ انہوں نے بانگ دہل فرقہ ورانہ فسادات کی روک تھام، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، جمہوریت اور سیکولرزم کے استحکام، امن وقانون کی بالا دستی، دستوری حقوق کی بازیابی، اقتدار میں حصہ داری، اوقاف کی نگہبانی اور مسلمانوں کی شہریت کی پاسبانی کے لیے آواز بلند کی اور ملک کو مضبوط بنانے کے لیے قومی اتحاد کے فروغ کی بھی بات کی اور تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لیے ان کے مابین اتفاق کی بھی جدوجہد کی۔ فدائے ملت نے اسلام کے مضبوط ترین قلعوں یعنی ''مدارس'' کی سرپرستی بھی کی۔ حضرت فدائے ملت کی گوناگوں شخصیت پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ وہ گذشتہ صدی کے اواخر اور رواں صدی کے اوائل میں مسلمانوں کے ایک مکمل رہنما تھے۔

فرقہ وارانہ فسادات، یکساں سول کوڈ اور ریزرویشن کے علاوہ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی شہریت کے تحفظ کے تعلق سے جو خدمات انجام دیں، وہ انہیں کا طرۂ امتیاز ہیں۔ شہری حقوق کے تحفظ میں ان کی جو قربانیاں رہیں، آزاد ہندوستان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ چاہے صوبہ آسام کے مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ ہو، یا مغربی بنگال اور بہار کے جائز مسلم شہریوں کو غیر ملکی دراندازقرار دینے کا معاملہ۔ اسی طرح دہلی کے مسلمانوں کی شہریت کا، یا مہاراشٹر کے مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ ہو یا کسی اور صوبہ کے مسلمانوں کی شہریت کا۔ جب بھی اور جہاں بھی مسلمانوں کی شہریت پر سوال اٹھائے گئے مولانا کا دردمند دل تڑپ اٹھا، شہریت کے نام پر ہندوستان سے مسلمانوں کو نکالنے کی خبر سن کر وہ بے چین ہو گئے، ان کے چہرے پر کرب و اضطراب کے آثار دکھائی دینے لگے، کئی بار تو ان کی آنکھوں سے آنسو بھی چھلک پڑے، لیکن انہوں نے کبھی ہمت نہ ہاری اور پورے عزم کے ساتھ ان کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس وقت تک جدوجہد کرتے رہے جب تک کہ مسلمانوں کے سر سے شہریت کی آڑ میں لٹکی ہوئی تلوار ہٹ نہیں گئی۔ مسلمانوں کی شہریت کے تحفظ میں حضرت مولانا کی خدمات کا اندازہ ذیل کی سطور سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

آسام کے مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ

آسام ہندوستان کا وہ صوبہ ہے جہاں مسلمانوں کو آزادی کے بعد سے ہر دور میں مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔کبھی آسام کے مسلمانوں کو فرقہ وارانہ فسادات سے نبرد آزما ہونا پڑا اور کبھی دوسرے بھیانک مسائل سے ،لیکن تمام مسائل سے زیادہ سنگین مسئلہ آسام کے مسلمانوں کے سامنے شہریت کے تحفظ کا رہا۔تقسیم وطن کے بعد جب بنگلہ دیش پاکستان کا حصہ تھا اس زمانہ میں بارہا آسام کے مسلمانوں کی شہریت پر نہ صرف سوالات اٹھائے گئے بلکہ منظّم طور پر ان کو بے وطن کرنے کے لیے ان کی جائیدادوں اور املاک پر قبضہ کرنے کی سازشیں بھی کی گئیں اور جب بنگلہ دیش بن گیا تب بھی آسام کے مسلمانوں کی شہریت پر حملے کیے جاتے رہے۔یہ سازشیں اتنی زیادہ منظّم اور خوفناک ہوتی تھیں کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ آسام کے لاکھوں مسلمان بے وطن ہوجائیں گے لیکن ہر بار اس معاملہ میں جمعیۃ علماء ہند نے مداخلت اور جدوجہد کر کے لاکھوں مسلمانوں کو بے وطن ہونے سے بچالیا۔جمعیۃ نے آسام کے جائز شہریوں کو .N.R.C (نیشنل رجسٹر آف سٹی زن) دلوانے کی سعی کی اور اس کی کاپیاں جمعیۃ علماء آسام کے دفتر میں بھی رکھوائیں۔۱۹۷۰ء میں آسام کے مسلمانوں کو شہریت کے نام پر جس طرح ہراساں و پریشاں کیا گیا اور ان کا آسام میں رہنا دشوار کیا گیا وہ آسام کے مسلمانوں کے سامنے انتہائی خطرناک صورت حال تھی ۔مثلا آسام کے مختلف شہروں اور گاوؤں میں پولیس والے رات کو جاتے اور ہندوستانی مسلمانوں کو پکڑ کر کسی نا معلوم مقام پر لے جاتے اور وہیں سے انہیں سرحد پار بھیج دیتے ۔بغیر کسی قانونی چارہ جوئی اور عدالت کے فیصلہ کے پولیس والے خود ہی طے کر لیتے کہ یہ مسلمان بنگلہ دیشی ہیں۔اس صورت حال سے پورے ہندوستان اور ہندوستانی حکومت کو آگاہ کرنے اور آسام کے مسلمانوں کو اس بدترین صورت حال سے نجات دلانے کے لیے فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے 1979 میں ایک پریس کانفرنس کی،جس میں انہوں نے کہا:

''غیر ملکی دراندازی کا بہانہ بنا کر آسام کے جائز اور قانونی شہریوں کو ووٹ کے آئینی حق سے محروم کر دینے اور انہیں اپنے وطن عزیز سے نکال دینے کی جو خوفناک تحریک آسام جن سنگرام پریشد اور چھاتر پریشد کے ذریعہ چلائی جارہی ہے اس کے درپردہ آر ایس ایس، مرکزی صوبائی، جنتا پارٹی کے لیڈروں مثلا دلال بروا ، پرن نارائن سنگھ، مسز لیلا وغیرہ اور آر ایس ایس کا آسامی آرگن ''آلوک'' کی وہ ناپاک سازش کار فرما ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہاں سے غیر آسامی شہریوں خاص طور پر مسلمانوں کو آبادیوں سے نکلوا کر خواہ مخواہ انہیں غیر ملکی قرار دے کر، پہلے انہیں

کیمپ کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جائے اور پھران کو آہستہ آہستہ اپنے وطن عزیز سے باہر ڈھکیل دیا جائے۔ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے پریس کانفرنس میں مزید کہا کہ ''کسی بھی غیر ملکی سے ہمیں کوئی ہمدردی نہیں ہے لیکن ملکی شہریوں، خاص کر مسلمانوں کے آئینی حقوق کو غنڈہ گردی اور تشدد کے ذریعہ چھین لینے کی ناپاک کوششیں کرنا بے حد شرمناک ہے''۔

انہوں نے آسام کے مسلمانوں پر زیادتی کی تفصیلات بتاتے ہوئے پورے جوش وخروش کے ساتھ کہا: ''مظلوم شہریوں کو غیر ملکی کا الزام لگا کر غنڈہ گردی کے ذریعہ زدوکوب کیا جاتا ہے اور ان کی شہریت کے دستاویز پھاڑ دیے جاتے ہیں۔ لوگوں سے بار بار ثبوت کے طور پر زمین کے کاغذات طلب کیے جاتے ہیں۔ بے گناہوں کے مکانات جلا دیے جاتے ہیں اور انہیں قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ این آر سی کی وہ کاپیاں جو جمعیۃ علماء کے ضلعی دفاتر میں موجود تھیں اور جو وہاں کے مظلوم شہریوں کی شہریت کا پختہ ثبوت تھیں، جنتا حکومت کے سابق وزیر اعلیٰ گلاب باربورا کے حکم پر پولیس کے ذریعہ زبردستی چھین لیے گئے ہیں۔ اعتراض داخل کرنے والوں پر بار ثبوت کی ذمہ داری ڈالے بغیر اب تک تقریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار مظلوم شہریوں کے نام ووٹر لسٹ سے خارج کیے جا چکے ہیں۔

مولانا اسعد مدنی مرحوم نے اس وقت کے افسران کے غیر منصفانہ چہرہ سے نقاب اٹھاتے ہوئے کہا کہ:

''شہریت کا فیصلہ کرنے کے لیے جو ٹریبونل بنائے گئے ہیں ان میں ایسے افسران کا تقرر کیا گیا ہے جن کا محکمہ انصاف سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے، پوری ریاست میں لاقانونیت اور نراج کی حکومت ہے دستور اور قانون کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ تمام آئینی تحفظات بے اثر کر دیے گئے ہیں'

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے اس موقع پر متعدد مطالبات کیے (۱) آسام کے جائز اور قانونی شہریوں کو مکمل تحفظ دیا جائے۔ (۲) شہریت کا فیصلہ کرنے کے لیے مکمل عدالتی طریقہ کار اپنایا جائے۔ (۳) ووٹروں کی فہرست سے ناجائز طور پر اخراج یا کسی کو غیر ملکی قرار دینے کے لیے اعتراض داخل کرنے والوں پر ثبوت کی پوری ذمہ داری ڈالی جائے۔ (۴) جن آسامی شہریوں کو غیر قانونی طور پر آسام سے نکالا گیا ہے، ان کو واپس آنے کا موقع دیا جائے۔ (۵) فرقہ پرست طاقتوں اور بدامنی پھیلانے والوں کی ناپاک سرگرمیوں کو ختم کرایا جائے۔ (۶) مرکزی حکومت اس بات کی مکمل یقین دہائی کرائے کہ بغیر مکمل عدالتی کارروائی کے آسام سے کسی شہری کو نکالا نہ جائے۔ (۷) .N.R.C کی کاپیاں ریاستی جمعیۃ علماء کے ضلعی دفاتر کو واپس کی جائیں۔

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے آسام کے مسلمانوں کوان کا آئینی حق دلانے کے لے عوامی تحریک بھی چلائی۔ چنانچہ انہوں نے 28 دسمبر 1979 کو ملک بھر میں ’’یوم آسام‘‘ منانے کا اعلان کیا اور اس سے متعلق 16 دسمبر کو ہندوستان کے تمام انصاف پسند شہریوں اور جمعیۃ علماء ہند کی شاخوں کے نام ایک سرکلر جاری کیا، جس میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

’’آسام کی موجودہ صورت حال بے حد تشویش ناک ہے۔ فرقہ پرست عناصر اور آر ایس ایس کے لوگ وہاں کے جائز اور قانونی شہریوں کو اپنے وطن سے نکال دینے کی سازشوں پر اپنی پوری قوت صرف کرر ہے ہیں۔ آسام جن سنگرام پریشد اور آر ایس ایس کے طلبہ کی یونین چھاتر پریشد نے ووٹروں کی فہرست سے غیر ملکیوں کے نام خارج کرنے کے لیے جو پرتشدد تحریک جاری رکھی ہے، آسام جنتا پارٹی کے لیڈروں، آر، ایس ایس اور اس کا اخبار ’’آلوک‘‘ بنگالیوں، نیپالیوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کرر ہے ہیں۔ یہ صرف ایک بہانہ ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ پرست عناصر ’’جنتا پارٹی‘‘ اور ’’آر ایس ایس‘‘ کی ایک بہت بڑی سازش ہے، وہ چاہتے ہیں کہ پہلے مسلمانوں کو کیمپ کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جائے اور پھر آہستہ آہستہ ان کو ملک سے باہر دھکیل دیا جائے‘‘

سرکلر میں مزید کہا گیا:

’’کہ اس قسم کے سنگین حالات اور ظلم و ناانصافی پر کسی بھی انصاف پسند کے لیے خاموش رہنا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔ اس لیے ان کو چاہئے کہ 28 دسمبر 1979 کو ملک بھر میں ’’آسام ڈے‘‘ کا اہتمام کریں اور جگہ جگہ اجتماعات کر کے مطالبات کی کاپیاں صدر جمہوریہ ہند، وزیر اعظم ہند، وزیر داخلہ حکومت ہند اور جمعیۃ علماء ہند کو ارسال کریں۔

بحیثیت صدر جمعیۃ علماء ہند فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے آگے بھی آسام کے شہریوں کے تحفظ کی جدو جہد جاری رکھی۔ چنانچہ 1980 میں ایک بار پھر عاملہ کا اجلاس منعقد کیا گیا۔ جس میں مجلس عاملہ نے آسام کے پر مسئلہ اپنی تشویش کو دوہرایا اور کہا کہ مجلس عاملہ واضح طور پر اعلان کرنا چاہتی ہے کہ کسی بھی انسان کے لیے شہری حقوق نہایت ضروری ہیں۔ ان کے بارے میں فسادیوں سے کوئی رعایت اور کسی بھی شہری کی حق تلفی اور شہریت سے محرومی جمعیۃ علماء ہند کے لیے ناقابل برداشت ہوگی‘ اس کے بعد اگست 1980 میں مجلس عاملہ کا اجلاس بلایا گیا جس میں آسام کے ہندوستانی شہری مسلمانوں کی بے دخلیوں کو روکنے کا مطالبہ کیا گیا۔ 1970، 1980 اور 1990 کے دہوں میں آسام کے مسلمانوں کی شہریت کے تحفظ کی جدو جہد میں حضرت مولانا

اسعد مدنی بحیثیت صدر جمعیۃ علماء ہند پیش پیش رہے۔ یہ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ جب جب بھی حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے آواز بلند کی انہیں کامیابی ملی۔

1980 کے دہے میں فرقہ پرستوں نے بہار کے شمال ومشرقی سرحدی علاقوں کشن گنج، کٹھیار، پورنیہ،ارریہ میں غیر ملکی دراندازی کا زبردست پروپیگنڈہ کیا۔ ریاستی حکومت بھی اس سے متاثر ہوئی اور 87 ہزار شہریوں کی شہریت کو مشتبہ قرار دے کر انہیں شہریت ثابت کرنے کے نوٹس جاری کر دیے گئے۔ مغربی بنگال میں بھی یہی صورت حال درپیش تھی، 24 پرگنہ اور ندیا خصوصی نشانہ پر تھا، صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے جمعیہ کے پلیٹ فارم سے عوامی اور حکومتی سطح پر اسے چیلنج کیا، عدالتی کارروائی کا بھی سہارا لیا گیا۔ اور بڑی تعداد میں پریشان حال مسلمانوں کو اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات ملی۔

فرقہ پرست طاقتوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھانے اور ان کے جذبات کو مجروح کرنے کے لیے ان کی عبادتگاہوں کے خلاف خطرناک تحریکیں شروع کیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی عبادتگاہوں کے خلاف ان کی تحریکوں کی کہانی بہت پرانی ہے، تاہم 1990 کے آس پاس ان کی یہ خطرناک تحریک شباب پر تھی۔ چنانچہ فرقہ پرستوں نے سیکڑوں سالہ قدیم عبادتگاہ بابری مسجد کو 6 دسمبر 1992 کو شہید کر ڈالا اور پورے ملک میں فسادات کی آگ بھڑکائی۔ اسی کے ساتھ 1992 اور 1993 میں انہوں نے مسلمانوں کے ووٹوں کے حق کو غصب کرنے کے لیے بھی منظّم سازش کی۔ چنانچہ آسام کے قریب 30 لاکھ شہریوں کے نام ووٹر لسٹ سے خارج کر دیے گئے، جن میں معدودے چند کے علاوہ باقی سب مسلمان ہی تھے۔ الیکشن کمیشن نے دستور، انصاف، قانون اور اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر حق شہریت کے ثبوت کے لیے تین چیزوں کا مطالبہ کیا۔ (۱) پیدائشی سرٹیفکیٹ (۲) 1966 کی ووٹر لسٹ میں اندراج (۳) N.R.C۔ حالانکہ ان تمام مطالبات کو پورا کرنا انتہائی مشکل ہے۔ جیسا کہ اس وقت ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ ملک کی 99 فیصد آبادی کے پاس پیدائش کا سرٹیفکیٹ نہیں ہے، خود وزیر داخلہ مسٹر ایس۔ بی۔ چوہان کے پاس بھی نہیں ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو 50 کروڑ آبادی غیر ملکی ہو جائے گی۔ جمعیۃ علماء ہند نے ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ہم یہ ظلم برداشت نہیں کریں گے۔ جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا اسعد مدنیؒ کی انتھک کوششوں سے آسام کے لاکھوں مسلمان بے وطن ہونے سے محفوظ رہے۔

دھلی کے مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ

آسام کے علاوہ دیگر صوبوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی شہریت یا ان کے ووٹ ڈالنے

کے آئینی حق پر حملے ہوئے، فدائے ملت حضرت مولانا نے بروقت صدائے احتجاج بلند کرکے اور زبردست جدوجہد کرکے مسلمانوں کی شہریت اور ووٹوں کے حق کو محفوظ رکھا۔ آسام کے علاوہ جن دیگر صوبوں میں مسلمانوں کے اوپر بنگلہ دیشی یا غیر ملکی کا الزام لگایا گیا ان میں دہلی بھی ہے 1992۔ 1993 کے بعد دہلی میں جس بڑے پیمانہ پر مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا اور ان کو ووٹوں کے حق سے محروم کرنے کی جو کوششیں کی گئیں، ان کا اندازہ اس وقت کے اخباروں کی رپورٹوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً 14 اکتوبر 1994 میں ایشین ایج نے خبر شائع کی کہ ''تمام مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ غیر ملکی ہیں، اگر ہندستانی ہیں تو ثابت کریں کہ وہ ہندستانی ہیں۔ گذشتہ متعدد ووٹر لسٹ میں نام اور راشن کارڈ کو تسلیم نہیں کیا جائے گا''

ہندوستان ٹائمز نے یہ خبر شائع کی کہ:

''دہلی کے الیکشن کمشنر ٹی جوزف نے دلی کے ان علاقوں (مٹیا محل، سیما پوری، جہانگیر پوری، بھلساوا، کراول نگر، بابر پور، نند نگری وغیرہ) سے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ 11 سے 13 اکتوبر کے درمیان شہریت ثابت کرنے کے لیے نوٹس جاری کیے ہیں۔'' (ہندوستان ٹائمز :13 اکتوبر، 1994)

اسی دن ایک اور خبر شائع ہوئی جس میں لکھا تھا کہ:

''جنتا دل دہلی، کے صدر رویریش پرتاپ چودھری نے اپنے بیان میں کہا کہ مٹیا محل (شہر دہلی) کے اسمبلی حلقہ سے تقریباً 22 ہزار ووٹروں کو بنگلہ دیشی کہہ کر فہرست سے نکالا جب کہ گذشتہ چار الیکشنوں میں یہ لوگ ووٹ دے چکے ہیں۔'' (قومی آواز 13 اکتوبر 1994)

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے دہلی کے مسلمانوں کے آئینی حقوق کے تحفظ کے لیے پوری جدوجہد کی اور بنگلہ دیشی یا غیر ملکی کے نام پر دہلی کے مسلمانوں کے خلاف جو سازش رچی گئی تھی اس کو ناکام بنادیا۔

مہاراشٹر کے مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ

دہلی کی طرح فرقہ پرست عناصر نے ممبئی کے مسلمانوں کی شہریت کو ختم کرنے اور ان کے آئینی حقوق کو غصب کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ جس کو اس وقت کے اخبارات نے تفصیل کے ساتھ لکھا۔ ہندوستان کے مشہور ترین اخبار ''ہندو'' نے اپنے 9 ستمبر 1994 کے شمارہ میں لکھا ''بمبئی میں ہزار ہا مسلمانوں سے شہریت ثابت کرنے کے لیے کہا گیا اور پولس نے نوٹس جاری کیے اور شہریت کے ثبوت میں چار دستاویزات طلب کیں۔ پاسپورٹ، پیدائش کا سرٹیفکیٹ، شہریت

کا سرٹیفکیٹ، یا شہریت کے نیشنل رجسٹر میں اندراج کا سرٹیفکیٹ، پولس سے پوچھا گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ کیوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو احکام کی تعمیل کررہے ہیں۔ وزیراعلی مہاراشٹر شرد پوار سے مسلم لیڈر ڈاکٹر رفیق زکریا اور ایڈیٹر سیاست سرفراز نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ الیکشن کمیشن کے احکام کے مطابق کارروائی کی جارہی ہے۔ الیکشن کمیشن سے پوچھا گیا تو کہا گیا کہ ہم نے تو صرف یہ کہا تھا کہ ووٹر لسٹ میں غیر ملکیوں کے نام نہ ہوں۔ گویا کہ سبھی اس سازش میں شریک تھے''۔

ایک اور اخبار نے لکھا کہ ''بمبئی میں شہریت ثابت کرنے کے لیے ساڑھے چار لاکھ مسلمانوں کو نوٹس جاری کیے گئے (انڈین ایکسپریس 10 اکتوبر 1994) ممبئی میں کس بڑے پیمانہ پر مسلمانوں کی شہریت پر سوالیہ نشان لگایا، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ مشہور شاعر سردار جعفری جیسے لوگ بھی اس کی زد میں آ گئے۔ ان سے متعلق اخبار میں خبر بھی شائع ہوئی کہ ''بمبئی میں جن لوگوں سے شہریت ثابت کرنے کے لیے کہا گیا ہے ان میں پدم شری علی سردار جعفری بھی ہیں جو مشہور مجاہد آزادی ہیں اور صدر جمہوریہ کے پدم شری کے اعزاز یافتہ ہیں۔

(ہماری زبان 14 دسمبر 1994)

فرقہ پرست گروہوں کی مسلمانوں کے خلاف شہریت کی سازش انتہائی گہری اور ملک گیر تھی۔ جس کے سبب ہندوستان کے اہم صوبوں اور شہروں میں یہ تحریک بہت ہی منظّم انداز میں چلائی گئی۔ حیدرآباد میں بھی یہ گھناؤنی سازش رچی گئی اور وہاں کے مسلمانوں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے ان پر غیر ملکی ہونے کے الزامات لگائے گئے اور بہت ہی چالاکی سے ووٹر لسٹوں سے ان کے نام خارج کرنے کی سازش رچی گئی۔ اس سے متعلق ایک رپورٹ سامنے آئی کہ:

''عثمانیہ یونیورسٹی کے پانچ سو پروفیسروں، لیکچراروں اور اسٹاف کے نام فہرست سے خارج پائے گئے ہیں۔ مسٹر زاہد علی خاں ایڈیٹر سیاست حیدرآباد اور ان کے خاندان کے افراد کے نام بھی ووٹر لسٹ میں نہیں پائے گئے''۔ (ہندو دہلی 5 دسمبر 1994)

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب اتنے اہم لوگوں کی شہریت پر سوالیہ نشان کھڑا کیا گیا تو غریب اور غیر معروف لوگوں کا کیا ہوا ہوگا۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو اس بحران سے نکالنے کے لیے انتہائی جدوجہد اور مخلص قیادت کی ضرورت تھی۔ اس عظیم کام کو الحمد للہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے صدر حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے بخوبی انجام دیا۔ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے ہندوستانی شہریوں کے حق میں ہر سطح پر آواز بلند کی

۔انہوں نے اس وقت ایک عظیم الشان کنونشن بھی منعقد کیا۔ جس میں ہر طبقہ کے لوگوں نے جوق در جوق شرکت کی۔اس کنونش میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے جو مطالبات رکھے گئے،تقریبا تمام اخبارات نے انہیں شائع کیا۔یہاں تک کہ کئی اخباروں نے اس پر اداریے بھی لکھے۔جس کا بہترین اثر ظاہر ہوا۔شہریت کے مسئلہ کے علاوہ مسلمانوں کو درپیش دیگر اہم مسائل پر بھی حضرت مرحوم نے پوری توجہ دی۔ افسوس جب کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی شدید ضرورت تھی، وہ گذشتہ سال طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ان کی وفات کی خبر سنتے ہی گویا پورے ہندوستان کے مسلمان گہرے رنج وغم میں ڈوب گئے اور ایسی مخلص وہر دلعزیز شخصیت سے محروم ہوگئے جو خدمت خلق کے جذبہ سے معمور تھی۔باری تعالی فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور ملت میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے رہنما پیدا فرمائے۔آمین !

ڈھونڈ وگے مجھے ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نا یاب ہیں ہم

○○

❑ مولانا عبدالجلیل راغبی آسام

مسلمانانِ آسام اور حضرت فدائے ملتؒ کی
فداکارانہ خدمات

آسام کے مسلمانوں سے مدنی خاندان کا ماضی سے بڑا گہرا اور خصوصی تعلق رہا ہے، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دارالعلوم دیوبند کے عہدہ شیخ الحدیث کو زینت بخشنے سے پہلے تک ایک طویل عرصہ غیر منقسم آسام کے ضلع سلہٹ میں درس حدیث دیتے رہے، دارالعلوم دیوبند کو سنبھالنے اور عہدۂ شیخ الحدیث پر فائز ہونے کا مسئلہ جب سلہٹ میں حضرت شیخ الاسلامؒ کے سامنے آیا تو حضرت کو بھی اس کو قبول کرنے میں تذبذب تھا اور سلہٹ والے تو بالکل آپ کو سلہٹ چھوڑ کر جانے پر راضی نہ تھے، بالآخر اس شرط پر سلہٹ والے راضی ہوئے کہ ہر رمضان شریف حضرت مدنی سلہٹ گزاریں گے، تقسیم ہند تک حضرت اس شرط کو پوری پابندی سے نبھاتے رہے، اس ناطے حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے بچپن کا پورا حصہ منقسم آسام میں گزارا ہے، بعد میں تو آسام کے مسلمانوں کو ایسا محسوس ہوا کہ حضرت فدائے ملتؒ مسلمانان آسام کی خدمات پر فدا ہیں اور وہ صرف آسام کے مسلمانوں ہی کے ہو کے رہ گئے ہیں۔

جہاں تک دینی اصلاحی خدمات کا تعلق ہے حضرت فدائے ملتؒ کی خصوصی توجہ کا مرکز آسام ہی رہا ہے، اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ آسام کے مسلمان فطرتاً نرم دل ہیں اور دین کی باتیں سننے اور قبول کرنے کا مادہ ان میں خلقتاً اللہ تعالیٰ نے ودیعت رکھ دیا ہے، حضرت شیخ الاسلامؒ کا یہ مقولہ آسام میں زبان زدِ خاص و عام ہے کہ احتراماً حرمین شریفین تو چھوڑ کر بالیقیں کہا جاسکتا ہے کہ سلہٹ کے مسلمان پوری دنیا کے مسلمانوں سے اچھے اور زیادہ دیندار ہیں، آسام کے روحانی بزرگ حضرت شاہ جلالؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ نسلاً یمنی تھے اگر یہ صحیح ہے تو ان کے ساتھ سلہٹ آتے ہوئے سیکڑوں رفقاء میں بہت سے یمینی تھے، جو یہاں پہنچ کر ازدواجی زندگی اختیار کر کے آسام کے مختلف علاقہ میں پھیل گئے تھے، جن کی ایک بہت بڑی نسل آسام میں وجود میں آ گئی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''الایمان یمنی'' اس حدیث شریف کی روشنی میں رتبہ

بلند آسام کے مسلمانوں کو نصیب ہے کہ ان کے قلب یمنی ایمان کی روشنی سے منور ہے، شاید اسی وجہ سے آسام کے مسلمان فطری طور پر بڑے رقیق القلب، منکسر المزاج اور سلیم الطبع ہیں، آسام کے مسلمان کی اسی خصوصیت کی وجہ سے آسام حضرت شیخ الاسلام اور ان کے بعد صاحبزادہ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے، حضرت فدائے ملت پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کی دینی اصلاحی خدمات جس والہانہ انداز میں آخری دم تک کرتے رہے، اس کا بیشتر حصہ آسام کے مسلمانوں کو ملا ہے، موجودہ سائنسی ترقیاتی دور میں جس طرح گھر گھر بے دینی رجحانات کے جراثیم پھیلتے جارہے ہیں اور مسلمانوں کے دل ودماغ سے دینی جوش وجذبہ اور احساسات کا جنازہ نکل رہا ہے، اس سے حضرت فدائے ملتؒ بہت زیادہ متأثر تھے آسام میں اکثر مدارس کے جلسہ وغیرہ میں حضرت کا پروگرام ہوتا تھا، اور حضرت فدائے ملت معاشرہ کی اصلاح پر اور غیر دینی رسم ورواج اور رجحانات کے خلاف سخت ترین لہجہ اور پرجوش انداز میں پند ونصیحت فرماتے تھے، بیعت وارشاد کا حلقہ بھی آسام میں آپ کا بڑا وسیع ہے۔

یوں تو حضرت فدائے ملت کا آسام سے بچپن ہی سے تعلق رہا ہے، اور یہ تعلق زندگی کے اخیر دور تک بہت استوار رہا اور آسام کے مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی اصلاحی اور سدھار کی بڑی جانفشانی سے حیرت انگریز خدمات انجام دیتے رہے، مگر اس سلسلہ میں حضرت فدائے ملت کا شاہکار کارنامہ تھا پاکستانی یا بنگلہ دیشی کے نام پر آسام کے مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کی خطرناک سازش کو ناکام بنانے اور ان انتہائی پریشان کن حالات پر قابو پانے اور اسی ہلاکت خیز طوفان بلا سے آسام کے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے جان پر کھیل کر سعی وجد جہد کرنا، حضرت فدائے ملت کے آسام کے مظلوم مسلمانوں کی فداکارانہ خدمات کے سلسلے میں ہم ماضی کے صفحات سے چند اقتباسات قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اصلی مسئلہ کی بھی صورت واضح ہوجاتی ہے، اور ساتھ ہی حضرت فدائے ملتؒ کے اس سلسلہ میں مجاہدانہ کارنامے بھی بڑی وضاحت سے سامنے آجاتے ہیں۔

مسئلہ آسام

اس بات سے کون ناواقف ہے کہ آسام اور بنگلہ دیش کی سرحد قدرتی نہیں بلکہ وضعی، دونوں کے درمیان حد فاصل کے طور پر نہ دریا ہے نہ پہاڑ نہ جنگلات، اس لیے جانبین سے آمد ورفت میں قطعی کوئی دشواری نہیں ہے، آسام سرحد کی یہ وہ غیر اختیاری کمزوری ہے جس سے تعصب پسند و فرقہ پرست ذہنوں کو بات کا بتنگڑ بنانے کا بہانہ مل جاتا ہے، علاوہ ازیں ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے دوران میں یہاں انتہائی خونریز قسم کے متعدد فسادات ہوئے جس کے صدمہ کی تاب نہ لا کر بھگ

ڈھائی لاکھ مسلمان اپنی جان بچانے کی غرض سے اپنی موروثی آبادیوں سے بھاگ کر سرحد پار چلے گئے، اس بھگدڑ کی وجہ سے گاؤں کے گاؤں مسلم آبادی سے خالی ہوگئے، اتفاق سے اسی زمانہ میں آسام کی مردم شماری ہورہی تھی ظاہر ہے کہ اس مردم شماری میں ترک وطن کرنے والے نہ آسکے، نہرو لیاقت معاہدہ کے بعد جب حالات میں کچھ سدھار پیدا ہوتو ان میں سے اکثر لوگ پھر اپنی اپنی بستیوں میں واپس لوٹ آئے، ۱۹۶۱ء میں جب مردم شماری ہوئی تو لازمی طور پر مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا، یہ اضافہ درحقیقت ان ہی لوگوں کی وجہ سے ہوا تھا، جو ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے وقت فسادات کے خوف سے نقل مکانی کر کے سرحد پار چلے گئے تھے، اور حالات کے معمول پر آجانے کے بعد پھر اپنے وطن میں واپس آگئے تھے، لیکن اس اضافہ کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا، اور یہ بات اڑادی گئی کہ یہاں گیارہ لاکھ پاکستانی آبسے ہیں، اس افواہ کا اڑنا تھا کہ ہمارے ملک کی فرض شناس پولیس حرکت میں آگئی، رات کی تاریکی میں آکر پولس گاؤں کا محاصرہ کرلیتی صبح کے وقت جب لوگ بیدار ہوتے تو انھیں پتہ چلتا کہ وہ محصور ہیں، سارے دن ان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں کو کوڑیوں کے داموں نیلام کیا جاتا، پھران خانما برباد وں کو پولس ٹرکوں میں ٹھونس کر سرحد پار لے جاکر مشرقی پاکستان یعنی بنگلہ دیش دھکیل آتی پولیس کے اس غیر قانونی وحشیانہ جبر وتشدد سے مسلمان چیخ اٹھے، ہر طرف ہاہا کار مچ گئی یہ مصیبت کے مارے در در کی ٹھوکریں کھاتے ہر ایک کو فریادرسی کے لیے آواز دیتے مگر ان کی ساری چیخ وپکار اور آہ وفغاں صدا بصحرا ہوگئیں، ان کی پریشان حالی اور درماندگی پر کسی کو بھی رحم نہیں آیا، حتی کی کانگریس حکومت جو اپنے اونچے آدرشوں، مضبوط نظام اور وسیع تر اختیارات کے باوجود ان مصیبت زدوں کی کوئی مدد نہ کرسکی اور بجائے اس کے کہ وہ ان بے سہاروں کے لیے سہارا بنتی اور گرتے ہوؤں کو اٹھاتی وہ خود پھسل گئی، بلند بانگ دعویٰ کرنے والی سیاسی وغیر سیاسی پارٹیوں سے مایوس و نامراد ہوجانے کے بعد یہ مظلوم ایک وفد کی شکل میں جمعیۃ علماء ہند کے روح رواں، فعال و متحرک قائد حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے پاس گئے جو بستر علالت پر تھے، اوراس قدر نڈھال ونا تواں ہوچکے تھے کہ جمعیۃ کی مجلسوں اور میٹنگوں میں بھی شرکت کرنے سے قاصر تھے، بہر حال جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ نے آسام کے اس مظلوم وفد کی داستان الم سن کر صورت حال کی مزید تحقیق کے لیے ایک سہ رکنی وفد جو راقم الحروف (یعنی اسعد) مولانا وحید الدین قاسمی اور جناب محبّ الحق ایڈوکیٹ ایم پی پر مشتمل تھا، آسام بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

عاملہ کے فیصلے کے مطابق یہ وفد آسام کے لیے روانہ ہوگیا، آسام کے مسلمانوں پر خوف

وہراس کا اس قدر غلبہ تھا کہ وفت جب ڈھبری آسام کے ہوائی اڈے پر اترا تو اسے خوش آمدید کہنے والا کوئی نہ تھا، تن تنہا جمعیۃ علماء آسام کے سکریٹری جناب عبدالباری ایڈوکیٹ اپنی گاڑی لیے نظر آئے تو خدا خدا کر کے یہ وفد شہر پہنچا اسے اپنے یہاں ٹھہرانے کی کوئی ہمت نہ کرسکا، مجبوراً وفد نے سرکٹ ہاؤس میں قیام کیا، وفد نے انتہائی مشقت جھیل کر تین دن کے اندر ڈھبری، بارپیٹا، منگل روٹی، تیزپور، نارتھ، لکھیم پور، ڈبروگڑھ جورہاٹ اور سب ساگرگ متو گاؤں اور گوہاٹی وغیرہ ۲۰ مقامات کا دورہ کیا لوگوں سے مل کر حالات وواقعات معلوم کیے اور پوری تحقیق کیساتھ اعداد و شمار اکٹھا کیے تحقیقات کا کام مکمل کر لینے کے بعد میں نے یہ تجویز رکھی کہ ایک جلسہ عام کیا جائے تا کہ خوفزدہ مظلوموں کی کچھ ڈھارس بندھے اور ان کے اندر حالات سے نپٹنے کا عزم وحوصلہ پیدا ہو، لیکن ان پر اس قدر خوف و ہراس طاری تھا کہ وہ جلسہ عام کا انتظار کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، تو میں نے کہا کہ اسی سرکٹ ہاؤس کے لان میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر ہم تقریر کریں گے، چنانچہ اسی لان میں جلسہ ہوا جس میں میں نے اور وفد کے دیگر ارکان نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہی کہ ہم کسی غیر ملکی کی حمایت نہیں کرتے، اور نہ ان کے یہاں بسنے کی ہمت افزائی کرتے ہیں، آئین ہند نے پوری وضاحت کے ساتھ ہندوستانی اور ہندوستانیت کی تعریف کردی ہے، اس لیے اس تعریف کے تحت کسی ہندوستانی پر غیر ملکی ہونے کا بے جا الزام لگا کر اس پر ظلم وجور کے پہاڑ توڑنا ان کے اموال اور جائیدادوں کو تباہ و برباد کر کے اسے ملک بدر کر دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، آپ حضرات اس خلاف قانون رویہ کی ہر ممکن طریقے سے مزاحمت کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

اس کے بعد یہ وفد شیلانگ پہنچا اس وقت فخرالدین علی احمد صاحب مرحوم (سابق صدر جمہوریہ ہند) آسام کے اٹارنی جنرل تھے، انھوں نے وفد کی بھرپور مدد کی وفد نے اس وقت کے وزیراعلیٰ چالیا صاحب، چیف سیکریٹری، ہوم سیکریٹری، وزراء اور دیگر اعلیٰ افسران سے ملاقات کی اور انہیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا، لیکن اس زمانہ کے وزیر داخلہ لابہادر شاستری غلط اطلاعات کی بنیاد پر ایک غیر ذمہ دارانہ بیان دے چکے تھے اس لیے ریاستی حکومت بے بس ہو کر رہ گئی اور کچھ بھی نہ کرسکی۔

بدقسمتی سے اسی دوران ہند چین جنگ چھڑ گئی جس کی بنا پر کارروائی آگے نہ بڑھ سکی جنگ بند ہو جانے کے بعد جب حالات نارمل ہو گئے تو میں نے دوبارہ آسام کا دورہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ مذہب وزبان کی بنیاد پر ظلم وستم کا سلسلہ بدستور جاری ہے اور مسلمانوں کو مختلف ذرائع سے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہے، اس انتہائی تشویشناک صورت حال کے پیش نظر پرائم منسٹر اور منسٹر کو علی الترتیب میمورنڈم دیا گیا، مگر اس سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آیا تو میں نے ایک

پریس کانفرنس بلائی اوران ساری خلاف قانون اور انصاف کارروائیوں کے خلاف بیان دیا، اس بیان کو بین الاقوامی سطح پر اہمیت دی گئی جس پر پاکستانی ہائی کمشنر نے خاص طور پر نوٹس لیا اور میرے خلاف فائل تیار کر کے وزارت خارجہ کو بھیجی جس سے متاثر ہوکر اس وقت کے نائب وزیر خارجہ راجہ دنیش سنگھ نے حافظ محمد ابراہیم مرحوم سے میری شکایت کی اس کے بعد جنرل شاہنواز سے بھی شکایت کی، جنرل شاہنواز نے مجھ سے رابطہ قائم کر کے صورت حال بیان کی تو میں نے ان کے سامنے اپنے دورۂ آسام کی رپورٹ پیش کردی اور انھیں بتایا کہ پریس کانفرنس میں جو باتیں کی گئی ہیں وہ اس سے بہت کم ہے جو آسام میں ہورہا ہے، وہاں تو نہ کوئی قانون ہے نہ انصاف ہے، اس کے بعد براہ راست دنیش سنگھ صاحب سے ملاقات ہوئی اور مسئلہ آسام پر ان سے کھل کر بات ہوئی۔

علاوہ ازیں حکومت کے دیگر ذمہ داران سے بھی متعدد بار گفت وشنید ہوئی، جس میں فخر الدین علی احمد مرحوم بھی شریک ہوتے تھے، ان کوششوں کے نتیجے میں ٹریبونل کا قیام عمل میں آیا اور طے پایا کہ این آر سی کی ایک نقل جمعیۃ علماء کو دی جائے اور ایک کانگریس کو، اور اس میں جن لوگوں کا نام پایا جائے اس کو ہندوستانی مانا جائے بصورت دیگر دوسرے ثبوت طلب کیے جائیں بالآخر ۱۹۶۹ء میں آسام کے وزیر اعلیٰ چالیا صاحب نے آسام اسمبلی میں اعلان کیا کہ ریاست میں اب کوئی غیر ملکی نہیں ہے اس اعلان کی ایک تحریری نقل جمعیۃ علماء کو بھی ارسال کی گئی چنانچہ اس اعلان کے بعد غیر ملکیوں کے تصفیہ کے لیے جو ٹریبول قائم کیے گئے تھے وہ ختم کر دیے گئے، اس طرح خدا خدا کر کے ظلم وستم کا سلسلہ بند ہوا اور لوگوں نے چین وسکون کی سانس لی، لیکن فرقہ پرست تنظیموں اور حکومت کی انفعال مزاجی کی بنا پر چین وسکون کے ایام دیرپا نہ رہ سکے، اور تقریباً آٹھ سال کی خاموشی کے بعد مسلمانوں کے خلاف پھر سے پرتشدد تحریک شروع کردی گئی، اس شور وغوغہ اور ہنگامے کے دوران ۱۹۷۱ء کو (Cut of Ey ear) کی آخری حد تسلیم کیے جانے کے اسٹینڈ پر ۱۹۸۳ء میں کانگریس نے آسام کا الیکشن لڑا اور اسی یقین دہانی پر مذہبی ولسانی اقلیتوں نے کانگریس کی بھرپور تائید وحمایت کی اور اسے کامیابی کی منزل پر پہنچایا، جس کی قیمت انہیں ہزاروں جانوں کی قربانی کی صورت میں ادا کرنی پڑی، جس میں ''نیلی'' کا قتل عام ایسا بدترین حادثہ تھا کہ جس سے عالم انسانی چیخ اٹھا، آخر کار اصول وقانون اور عدل وانصاف کی بالا دستی کو تسلیم کرتے ہوئے موجودہ چیف منسٹر نے بڑی حد تک حالات پر قابو پالیا، اور غیر آئینی ایجی ٹیشن نے دم توڑ دیا، اسی زمانہ میں دوبارہ ٹریبونل کے ذریعہ غیر قانونی طور پر ملک میں داخل ہونے والوں کی تعین کے لیے پارلیمنٹ نے ایک قانون کی منظوری دی اور ساتھ ہی ووٹروں کی فہرست میں بڑے پیمانے پر نظر ثانی کی گئی،

ان قانونی کارروائیوں سے اندازہ ہوچکا تھا کہ سارے مسائل منصفانہ طریقے پر حل ہوجائیں گے، عین انھیں امید افزا حالات میں بعض غیر حقیقت پسند آسامی لیڈروں کی باتوں میں آکر پرائم منسٹر نے ۱۹۸۵ء میں اپنی شکست کا اعلان کرکے آسام اسٹوڈنٹس یونین اور آسام گن پریشد کے لیڈروں سے غیر معقول سمجھوتہ کرلیا، چنانچہ آسام کے چیف منسٹر ہتیشو رسیکیا نے ۱۸/اگست ۱۹۸۵ء کے سنڈے میگزین میں اس المیہ پر ان الفاظ میں اظہار خیال کیا:

"اس وقت تک ہماری آسام کانگریس کی لیجسلیٹر پارٹی اور ہمارے سپورٹر ۱۹۷۱ء کے سال پر تصفیہ کے لیے اٹل ہیں، اس وجہ سے کہ اس دوران جب کہ ہمارے چار لاکھ عوام خانما برباد ہوچکے ان کے مکانات برباد و مسمار ہوچکے، اور ہم بدبختی کے ان تاریخی دنوں میں بھی ۱۹۷۱ء کے موقف پر قائم رہے، جب کہ غارت گری کے طوفان میں گھروں سے نکلنا دشوار تھا۔"

بنگلہ دیشی انخلاء اور انتخابی فہرست (شرت چندر سنہا، سابق وزیر اعلیٰ آسام)

۱۰/جون ۱۹۷۹ء کو بعض اخبارات میں میرے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ میں نے آسام سے بنگلہ دیشی انخلاء کی مخالفت کی ہے لیکن درحقیقت یہ سب پروپیگنڈہ فرقہ پرستی اور ذاتی اغراض کے پیش نظر شائع کیے گئے، ہیں۔

اس لیے میں انتہائی صفائی کے ساتھ بتادینا چاہتا ہوں کہ میں نے آسام سے بنگلہ دیشی انخلاء کے بارے میں تل کے دانہ کے برابر بھی مخالفت نہیں کی اور کر بھی نہیں سکتا بلکہ انتہائی سازش کم ہمتی اور بزدلی اور غلط طریقہ کار اختیار کرنے کی بنا پر حقیقی بنگلہ دیشیوں کو نکالنے میں حکومت کی ناکامی کی وجہ سے میں نے حکومت کے سامنے مشورہ پیش کیے، ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ زبردستی طور پر اندھا دھند انخلاء کی ذمہ داری کو انجام دینا اور اس کے لیے پولیس افسروں کو استعمال کرنا بالکل مناسب نہیں حالانکہ بنگلہ دیشیوں کی انکوائری اور نکالنے کی ذمہ داری پولیس افسروں کو سپرد کردی گئی، جس کی بناء پر پولیس والوں نے جیسے تیسے گرفتاری اور انخلاء کی صورت اختیار کر رکھی ہے نتیجہ میں کچھ ہندوستانی باشندے بھی گرفت میں آتے جارہے ہیں۔

کسی جمہوری ملک میں بہت ہی اہم اور اصلی چیز ہے اقلیتوں کی حفاظت، اگر کسی ایک بھی ہندوستانی باشندہ کو اقلیتی فرقہ سے نکال دیا گیا تو یہ جمہوریت کی خلاف ورزی ہوگی۔

اسمبلی کے گذشتہ بجٹ سیشن کے موقعہ پر اسپیکر صاحب کے ذریعہ ہم نے وزیر اعلیٰ گولاپ بربرا کے پاس ہندوستانی باشندوں کی ایسی ایک فہرست پیش کی تھی جو بنگلہ دیشی کے شبہ میں گرفتار

کرکے بنگلہ دیش بھیج دیے گئے ہیں۔

اسمبلی کے گذشتہ بجٹ سیشن کے موقع پر ہم اسپیکر صاحب کے ذریعہ وزیر اعلیٰ گلاپ بور بورا صاحب کو ایسے لوگوں کی ایک فہرست پیش کی جو بنگلہ دیشی کے شبہ میں ہندوستان سے نکال دیے گئے ہیں .... کے سرکاری کچھ لوگوں کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی فہرست پیش کی ہے، لیکن اس بارے میں حکومت نے کیا کارروائی کی یا ان فہرستوں کو کیا کیا ہمیں کچھ پتہ نہیں چل سکا، ان فہرستوں کے بارے میں حکومت کی خاموشی یہ شہادت دے رہی ہے کہ ہندوستانی باشندوں کو نکال دیا گیا ہے حکومت نے اس بات کا اقرار کرلیا ہے، اس لیے اس نتیجے پر پہنچنا بالکل آسان اور صاف ہوجاتا ہے کہ انخلا کے بارے میں جو طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے وہ غلطیوں سے بھرپور اور بالکل سازش ہے، اور یہ طریقہ سراسر ظلم اور فساد ہے۔

منگل دی کا واقعہ:

پولیس کے ذریعہ چناؤ فہرست ناموں کو خارج کرنا غلط طریقۂ انخلا کا ایک دوسرا رخ ہے، منگل دی پارلیمانی انتخابی علاقہ کی انتخابی فہرست کی اصلاح کے لیے حکومت نے چار جون تک آخری مدت قرار دی تھی، ووٹ دینے والوں کی فہرست سے کسی کے نام خارج کرنے اور داخل کرنے کی جو اصلاحی صورت ہے اس کے لیے مناسب صورت ہے اور انصافی قانون ہے لیکن حکومت نے اس انصاف اور قانونی طریقہ کو چھوڑ کر خودساختہ طور پولیس کو فہرست سے ووٹ دینے والوں کے ناموں کو خارج کرنے کا اختیار دیا تھا۔

دفتر وزارت خارجہ حکومت آسام نے اس بارے میں چالیس ہزار فارم کا مطالبہ کیا تھا الیکشن دفتر یہ سب فارم اس کثیر تعداد میں بروقت پیش کرنے سے عاجز ہوگیا تھا دیس پور (راجدھانی) سے صرف دس ہزار فارم بھیجے گئے تھے اس لیے مزید چالیس ہزار فارم منگل دی میں پولیس ہی کے ذریعہ چھپوا لیے گئے تھے، جس کا تمام خرچ شعبہ پولیس کی طرف سے کیا جانا طے ہوا، عموماً اس قسم کے فارم فروخت کیے جاتے ہیں مگر منگل دی میں مفت میں یہ فارم تقسیم کیے گئے، اس قسم کی لاقانونیت اور غلط طریقہ خود ثابت کردیتے ہیں کہ پولیس ڈپارٹمینٹ کس طرح اور کہاں تک اس سازش میں ملوث ہوچکی تھی اور خودغرض وخودساختہ طریقہ کے ماتحت مست ہوکر نام خارج کرنے کا کام کررہی تھی، ہزاروں کی تعداد میں فارم پولیس تھانہ یا آئی جی دفتروں میں لائے گئے تھے، گاؤں بوڑھا (گاؤں کے مکھیہ) گاؤں کے رکھی پارٹی کے سیکریٹری اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کو ان جگہوں پر حاضر کیا گیا اور ان کو خالی سفید فارموں پر دستخط کرنے کو کہا گیا تھا بعض موقعوں پر کچھ لوگوں کے اعتراض پر ان کو پیسوں کا لالچ یا دھمکانے کا طریقہ اختیار کیا گیا تھا، ان سفید فارموں پر دستخط لینے

کی مہم ختم کر کے پولیس کے ذریعہ فارم کی خانہ پری کر کے کام انجام دیے گئے اور ہزاروں کی تعداد میں الیکشن دفتروں میں فارموں کے انبار لگا دیے گئے، اس سازش اور غلط طریقۂ کار کو اختیار کرنے کے نتیجے میں دو چار حقیقی اور آسامی برہمن ہندو کے نام بھی غیر محتاط طور پر ووٹروں کی فہرس سے ساقط کر کے خارج شدگان کے فارم میں درج کردیا گیا تھا، آدی باسی مسلمان یا دوسرے لوگوں کا کیا کہنا، جس کے نتیجے میں بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہ طریقہ کار قانون اور جمہوریت کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے ہم نے پولیس والوں کی اس لاقانونیت اور ڈکٹیٹرشپ کے خلاف آواز بلند کی کہ جن چیزوں کی وجہ سے حق دب جاتا ہے اور کذاب اور جھوٹ حق کے چہرہ میں ابھر کر سامنے آتے ہیں ان چیزوں کو اختیار کرنے میں منگل دی میں پولیس والوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، اس لیے منگل دی میں پولیس والوں نے قانونی خلاف ورزی اور ظلم کیے ہیں، میں نے جس وقت منگل دی کا دورہ کیا اس وقت وزیر اعلیٰ آسام مسٹر گلاپ بور بورا اور اعلیٰ الیکشن آفیسر کے پاس تار بھیجا اور ضروری کارروائی کے لیے توجہ دلائی۔

اس کے بعد بور بورا وزارت کے وزیر ابو الفضل غلام عثمانی، اور سابق وزیر ظہیر الاسلام دونوں میرے دورہ کردہ علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے تقریروں میں کہہ رہے تھے کہ یہ سب موجودہ حکومت نے نہیں کیا بلکہ سابق وزیر اعلیٰ آسام (شرت چندر سنہا) کے ورغلانے کی بنا پر علاقائی آفیسروں نے کیا ہے، حالانکہ یہ بالکل سفید جھوٹ تھا جو یہ دونوں وزیر بیان کر رہے تھے، جہاں تک معلوم ہے منگل دی کے علاقائی آفیسرس اس بارے میں بےقصور ہیں بلکہ یہ لوگ صرف حکومت کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے، دونوں وزیر اپنے بیانوں میں حکومت کو بےقصور بتا رہے تھے، اور اس طرح پر فساد پھیلا رہے تھے، اور علاقائی افسروں کو موضوع بحث بنا رہے تھے، حکومت کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت ہی کی بنا پر ایڈمنسٹریشن ناکام ہو چکی ہے حکومت کی طرف سے اس نازیبا حرکت کی ذمہ داری کا انکار اور پولیس کے ذریعہ جمہوریت کا ثبوت پیش کرنے اور حق وانصاف کو غائب کر دینے کی وجہ سے ہم نے حکومت کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے بیانوں میں اعتراض کیا تھا، کسی جمہوری اور سیکولر ملک کے اندر حق ووٹ دہی ہر ایک باشندہ کے لیے ایک بنیادی حق ہے، اگر اس حق کو پولیس کے ذریعہ اس قدر آسانی سے باطل کر دیا جائے تو سیکولرزم کا وجود کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ ہم نے جہاں اس صوبہ آسام سے بنگلہ دیشیوں کو فوری طور پر نکالنے کی تجویز حکومت کے سامنے رکھی، وہاں یہ بھی ساتھ ساتھ تجویز پیش کی تھی کہ ملک سے نکال کر یا حق ووٹ دہی سے محروم کر کے کسی ایک بھی ہندوستانی باشندہ کو قربانی کا بکرا نہ بنایا جائے، منگل دی کے واقعہ کو تحقیقی طور پر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے لیے ہم حکومت سے گذارش کرتے ہیں۔

ووٹر فہرست سے نام خارج کرنے کے قانونی پہلو

حقیقت میں ووٹر لسٹ سے کسی بھی زندہ شخص کا نام خارج نہیں کیا جاسکتا، پھر بھی کسی مخصوص سبب کی وجہ سے اگر کسی کا نام خارج کیا جاسکتا ہے تو اس کا قانونی پہلو کیا ہے؟ اس بارے میں ہندو کے چیف الیکشن افیسر شری ایس ایل چکدھر نے ایک فرمان جاری کرتے ہوئے بتایا کہ اگر کسی ووٹ دہندہ کا نام ووٹر لسٹ سے خارج کرنے کے لیے کوئی دعویٰ پیش کرے تو دعویٰ کنندہ کی ذمہ داری ہوگی کہ اس شخص کا نام ووٹر لسٹ سے کیوں خارج کیا جائے اس کے تمام اسباب اور وجوہات کو پیش کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کا ثبوت اور دلیل پیش کرے، اس کے بعد معترض علیہ شخص کو نوٹس کرنا ہوگا کہ تمہارا نام ووٹر لسٹ سے کیوں خارج کیا جائے دلیل پیش کرو اور خارج کیے جانے والے تمام ناموں کی فہرست حکومت کی تصدیق شدہ تمام سیاسی جماعتوں کو پیش کرنی ہوگی، اگر وقت مقررہ کے اندر یہ شخص اطمینان بخش ثبوت پیش کرسکے تو اس کو ہندوستان سے نکالا نہیں جاسکتا اگر وہ ثبوت نہ پیش کرسکے اور کوئی جماعت اس کی طرفدار بن کر اعتراض بھی پیش نہ کرے تب اسی کا نام ووٹر لسٹ سے خارج کیا جاسکے گا۔ (ہفت روزہ ایڈیشن الجمعیۃ دلی اتوار ۲۳ ستمبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۳-٦)

آسام میں اقلیتوں پر عرصۂ حیات تنگ

خصوصی مضمون: بلٹز اردو ایڈیشن، سنیچر ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء ص: ۱-۲

شیلانگ: ان دنوں آسام کی اقلیتوں خاص کر مسلمانوں میں عجیب طرح کا خوف و ہراس اور انتشار پھیلا ہوا ہے، جاتی واد یا علاقائیت کے نام پر مسلمانوں، بنگالیوں اور نیپالیوں کو کھدیڑنے کی مہم چلائی جارہی ہے جس میں بدقسمتی سے حکومت آسام بھی بہت سرگرمی دکھارہی ہے۔

بنگالی یا نیپالی تو روزگار کی تلاش یا چائے کے باغات میں کام کرنے کی غرض سے کئی پشت پہلے وہاں گئے تھے، مگر مسلمان وہاں کے مقامی باشندے ہیں تقسیم ملک سے پہلے ان کا تعلق اس خطے سے بھی تھا جو بعد میں مشرقی پاکستان بنا ملک کی تقسیم کے ساتھ ہندوستان کے دوسرے مقامات کی طرح اس خطے کی آبادی بھی بٹ گئی تھی۔ لیکن آسام میں برسوں پہلے "مشرقی پاکستانیوں" کے ناجائز داخلے کے نام پر مقامی باشندوں کو سرحد پار کھدیڑنے کا سلسلہ عرصے تک جاری رہا تھا، جس پر ملک بھر میں یہاں تک کہ پارلیمنٹ میں یہ سوال اٹھا تھا اور پھر اس مہم میں کمی آگئی تھی۔

۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کی جنگ کے وقت بہت سارے باشندے ادھر سے مغربی بنگال اور آسام چلے آئے تھے، اس ملک کے آزاد ہونے پر لوگ اپنے گھربار واپس ہوگئے تھے، حکومت بنگلہ دیش نے بھی آمادگی ظاہر کی تھی، کہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء تک آنے والوں کو واپس لے لیا جائے گا۔ مگر حکومت آسام نوجوانوں، بوڑھوں اور مردوں اور عورتوں کو زبردستی سرحد پار دھکیلنے میں ہمہ تن

مصروف ہے احتجاج اور شکایات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے، اس کا کہنا ہے کہ آسام میں اچانک مسلمانوں کا تناسب بڑھ گیا، یہ لوگ بنگلہ دیشی ہیں اس لیے ان کو بہر حال نکالا جائے گا۔

تناسب بڑھنے کا سبب

آسام میں مسلمانوں کی تعداد اور تناسب کے اچانک بڑھ جانے کا ایک سبب یہ ہے کہ میگھالیہ اور میزورم اسی صوبہ کا حصہ تھے، اس پہاڑی علاقے میں قبائلیوں کی جو بعد میں عیسائی بھی ہوئے، آبادی تھی، مسلمان صرف اس علاقے میں تھے، جو آسام کا موجودہ رقبہ ہے، اب یہاں مسلمانوں کی تعداد چالیس لاکھ کے لگ بھگ ہوگئی ہے، ۱۹۷۷ کے اسمبلی الیکشن میں مختلف پارٹیوں کے ۲۸ مسلمان ممبر چنے گئے، اس حقیقت کو نظر انداز کرکے یہ کہا جارہا ہے کہ بنگلہ دیشی گھس آئے ہیں، گوہاٹی، نوگاؤں، منگل دی، گوالپاڑہ، اور نل باڑی وغیرہ میں مبینہ بنگلہ دیشیوں کو ڈھونڈ نکالنے کی جو مہم شروع کی گئی ہے اس سے پورے علاقے میں سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے، سیاسی پارٹیوں بشمول مارکسی کمیونسٹ پارٹی سی پی آئی جمعیۃ علماء اور کانگریس (آئی) کی مخالفتوں کے باوجود یہ سلسلہ جاری رہا۔

۱۹۶۰ میں مشرقی پاکستانیوں کو کھدیڑنے کا سلسلہ جب شروع ہوا تھا تو سابق صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد مرحوم نے جو اس وقت آسام کے وزیر تھے جولائی ۱۹۶۱ء میں اسمبلی میں یہ بیان دیا تھا کہ ۱۹۵۰ء کے فساد میں ۵۳ ہزار آسامی خاندان مشرقی پاکستان چلے گئے تھے اور نہرو لیاقت معاہدے کے مطابق ۱۹۵۱ء میں اس وقت واپس آئے جب مردم شماری ہو چکی تھی، اس لیے ان کا اندراج نہیں ہو سکا تھا۔

لیکن بعد کی مردم شماریوں اور رائے دہندگان کی فہرستوں میں ان لوگوں کا اندراج ہوا اور انھوں نے مختلف الیکشنوں میں حصہ لیا، ۱۹۷۷ء سے اب تک پارلیمنٹ، اسمبلی اور پنچایتوں کے جو الیکشن ہوئے ان میں بھی ان لوگوں نے حصہ لیا بعض انتخابی عذرداریاں بھی پیش کی گئی مگر کسی میں بھی شکایت نہیں کی گئی ہے کہ غیر ملکی باشندوں نے حصہ لیا ہے اور اس الیکشن کو باطل قرار دیا دیا جائے۔

سیاسی کشمکش

آسام کی جنتا حکومت کی بھی کوئی کارگذاری نہیں ہے اس لیے اندرا کانگریس والے وہاں اپنا حلقۂ اثر بڑھانا چاہتے ہیں، اقلیتوں کو کھدیڑنے کی مہم نے انھیں اور بھی موقع فراہم کر دیا، اس صورت حال کے خلاف اندرا کانگریس کے وفادار بھی آواز اٹھانے لگے ہیں اور پھر جاتی واد کی عصبیت اپنا رنگ دکھا رہی ہے اور دو لاکھ ووٹروں (مجموعی طور پر دس پندرہ لاکھ انسانوں کو بے گھر کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔

☆ اس کوشش میں لوگ اس قدر اندھے ہوگئے ہیں کہ یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں کرتے کہ ضلع کامروپ کے تین سب ڈویزن گوہاٹی، نلباڑی اور بٹرپیٹیا (جہاں سے مرحوم فخرالدین علی احمد منتخب ہوئے تھے) آسام کے بالکل وسط میں ہیں بنگلہ دیش کے قریبی ضلع سلہٹ کے درمیان آسام کے ایک پورا ضلع شیلانگ حائل ہے گرم گنج سے بھی ۱۴-۱۵ گھنٹے کا ٹرین کا سفر ہے، اسی طرح نوگاؤں، کامروپ اور منگل دی وغیرہ کے درمیان دریائے برہمپتر حائل ہے۔

☆ کانگریس کے سابق صدر دی کے بروا موجودہ مرکزی وزیر مسز رشیدہ حق چودھری، محمد ادریس، غلام عثمانی، (سابق وزراء آسام) محمد حسین سابق ایم پی اور مولانا احمد علی صاحب صدر جمعیۃ علماء آسام وغیرہ نے صدر، مرکزی وزیر داخلہ اور چیف الیکشن کمشنر کو عرض داشتیں دیں اور ملاقاتیں کیں، عجیب اتفاق ہے کہ مرکزی وزیر داخلہ وائی جی چوھان جب لوک سبھا کے اپوزیشن لیڈر رہتے تو وہ بھی اک وفد میں شریک تھے، مگر اب تک ان لوگوں کی ہدایات پر عمل نہیں کیا جا رہا ہے۔

☆ بار بار کی شکایات کے باوجود حکومت آسام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی، تب الیکشن کمشنر کے کہنے پر جوائنٹ سیکریٹری ایم ایل چھابڑہ کو بھیجا گیا جنھوں نے ۲۳/ ۲۷ ستمبر تک مقامی حالات کا جائزہ لیا۔

☆ الیکشن کمیشن نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ ہر چند غیر ملکی باشندوں کو تصدیق ہو جانے پر ایس پی خارج کر سکتے ہیں مگر بنگلہ دیشی باشندوں کے سلسلہ میں اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ وزارت خارجہ کے توسط سے حکومت بنگلہ دیش سے بھی تصدیق کر لی جائے کہ جس شخص کو بھیجا جا رہا ہے، وہ وہاں کا باشندہ ہے، یا نہیں مگر اس ہدایت کو سرے سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

وزیر اعلی جے این ہزاریکا نے آسام کے گورنر ایل پی سنگھ سے ملنے کے بعد یہ بیان دیا ہے کہ غیر ملکی باشندوں کا بھر جانا ایک قومی نوعیت کا مسئلہ ہے اس کو حل کرنے میں غیر ملکیوں اور شہریوں کے ضابطے یہاں تک کہ دستور ہند کے احکامات بھی ناکافی ہو رہے ہیں۔

اس لیے سرکاری افسران کو حکم دے دیا گیا ہے کہ سرحد پار کر کے آنے والوں کو کسی رورعایت کے بغیر واپس دھکیل دیا جائے اور جس کو ایک بار دھکیل دیا اور وہ پھر واپس آ گئے تو ان کے ساتھ سختی کی جائے۔

دوبارہ آنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کی بھی ضرورت نہیں، جن لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی ہوگی ان کے لیے گوہاٹی، نوگاؤں، منگل دی، گوالپاڑہ اور نلباڑی وغیرہ میں پندرہ عدالتی ٹریبونل قائم کیے گئے ہیں جہاں مشتبہ باشندوں کو پیش کیا جاتا ہے اور وہ اپنے ہندوستانی ہونے کے دستاویزی ثبوت پیش کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہوم گارڈ اور جاتی واد تحریک کے رضا کاروں کو شہریت کی تصدیق اور ووٹر لسٹ تیار کرنے کا کام سونپا گیا، یہ لوگ من مانی کر رہے ہیں، مسلمانوں کو اس کام میں بالکل نہیں لگایا گیا ہے۔

عام طور پر یہ شکایت کی جارہی ہے کہ بنگلہ دیشی ہونے کے نام پر ہندوستانی شہریوں کو کھدیڑنے اور ووٹرز لسٹ کی اصلاح کے نام پر بہت ہی ناروا سلوک کیا جارہا ہے، مگر وزیر اعلیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں بلکہ انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ سارا کام بہت تسلی بخش طریقے سے ہو رہا ہے۔

وزیر اعلیٰ ہزاریکا کا دعویٰ پول دیوکانت بروا کے اس میمورنڈم سے کھل جاتا ہے جو انھوں نے چیف الیکشن کمشنر کو بھیجا ہے انھوں نے لکھا ہے:

''نوگاؤں کے حلقہ میں جہاں سے میں منتخب ہوا تھا پولیس نے گاؤں گاؤں اور گھر گھر گھس کر من مانی کی ہے اور بے بنیاد وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے ووٹروں کے نام ووٹر لسٹ سے خارج کر دیے اور پولیس والے کسی تحقیقات کے بغیر نئی لسٹ تیار کر رہے ہیں، پہلی بار یہ کام پولیس اور ہوم گارڈ کو جو پولیس ہی کا ایک حصہ ہے سپرد کیا گیا ہے، ڈی سی اور پولیس سپرنٹنڈنٹ حکومت کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہیں پولیس والوں کے سامنے حقیقی ہندوستانی بھی جانے سے گھبراتے ہیں، پورے آسام میں اقلیت کی کثیر تعداد کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے، اس طرح جو ناانصافی ہو رہی ہے اس کو روکنے کے لیے الیکشن کمشنر کی مداخلت ضروری ہے، تاکہ اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کو بھی شہری حقوق سے محروم نہ ہونا پڑے بلکہ ان کے اندر جو پریشانی اور بے چینی ہے وہ دور اور لوگ حق وانصاف سے محروم ہو کر مایوسی کی زندگی سے نجات حاصل کر کے اعتماد اور بھروسہ کے ساتھ زندگی بسر کریں۔''

آر ایس ایس کا دخل

دو لاکھ ووٹروں کے نام کو لسٹ سے خارج کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے اس میں ایک تخمینہ کے مطابق پندرہ بیس لاکھ افراد متاثر ہوں گے، کیونکہ ہر ووٹر کے کئی کئی متعلقین ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ بنگلہ دیشی ہونے کے الزام میں ملک بدر کیے جانے کا کام بورڈر پولیس کو سپرد کیا گیا ہے اور اس کے ڈی آئی جی ہریندر بھٹا چاریہ ہیں جو کامروپ ضلع کے آر ایس ایس کے نیتا دھندر بھٹاچاریہ کے نور نظر ہیں۔

آسامی مسلمانوں کا مسئلہ

مشرقی سرحد پر واقع ریاست آسام میں ایک بار پھر ملکی وغیر ملکی شہریوں کا تنازع پیدا ہو گیا

ہے وزیر اعلیٰ ہزاریکا نے دعویٰ کیا ہے کہ آسام میں غیر قانونی ڈھنگ سے داخل ہونے والے غیر ملکیوں کی تعداد دولاکھ سے بھی تجاوز کر گئی ہے، اور ان کی حکومت نے اس طرح کبھی غیر ملکیوں کو ریاست سے نکال باہر کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے، لوک سبھا کے انتخابات کے لیے ملک کی دیگر ریاستوں کی طرح آسام میں بھی ووٹروں کی فہرست پر نظر ثانی کی جارہی ہے، موصولہ اطلاعات کے مطابق آسام میں یہ کام پولیس اور ہوم گارڈ کے ذریعہ لیا جارہا ہے، ان لوگوں نے لاکھوں افراد کو غیر ملکی قرار دے کر ان کا نام ووٹروں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے، غیر ملکی قرار دیے جانے والے یہ سبھی لوگ مسلمان ہیں ریاستی انتظامیہ نے جس طرہ راتوں رات انھیں ملکی سے غیر ملکی قرار دے دیا ہے جس کی وجہ سے اس سرحدی ریاست میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

حکومت آسام کا کہنا ہے کہ یہ لوگ پڑوسی ملک بنگلہ دیش سے غیر قانونی ڈھنگ سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں لیکن سرکاری طور پر اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ یہ لوگ بنگلہ دیش سے یہاں کب آئے وزیر اعلیٰ آسام کے غیر واضح بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر ملکی حال ہی میں بنگلہ دیش سے یہاں آئے ہیں لیکن جن لوگوں کو غیر ملکی قرار دیا ان کا کہنا ہے کہ وہ آسام ہی میں پیدا ہوئے ہیں پلے بڑھے اور انھیں ہندوستانی شہریت بھی حاصل ہے، اس لیے عام آسامیوں کی طرح وہ بھی ہندوستانی شہری ہیں اور اگر کوئی ان کا یہ حق چھیننا چاہے تو یہ ایک غاصبانہ اور ظالمانہ کارروائی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہماری ہندوستانی شہریت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہمارا نام ووٹروں کی فہرست میں درج ہے اور ہم لوگ عام شہریوں کی طرح اب تک انتخابات میں حصہ لیتے رہے ہیں ریاستی حکومت کے پاس ان لوگوں کو غیر ملکی قرار دینے کا کوئی ٹھوس جواز موجود نہیں شاید یہی وجہ ہے کہ وزیر اعلیٰ آسام نے مرکزی وزیر داخلہ مسٹر چوہان کو لکھا ہے کہ وہ غیر ملکی کی اصطلاح کی وضاحت کریں اور یہ بھی بتائیں کہ کسی غیر ملکی کو کتنی مدت تک یہاں قیام کرنے کے بعد ہندوستانی شہری قرار دیا جا سکتا ہے، مرکزی حکومت نے اس سلسلے میں انھیں کیا ہدایت بھیجی ہے یہ ابھی پتہ نہیں چلا ہے، بہر حال اس سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کو غیر ملکی قرار دے کر ملک سے باہر نکال دینا کوئی آسان کام نہیں ہے اور اس میں بڑی پیچیدگیاں ہیں آسام جیسی سرحدی ریاست میں غیر قانونی گھس پیٹھی غیر ممکن نہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ کچھ انتشار پسند اور فرقہ پرست طاقتوں کی نظر بہت دنوں سے آسام پر لگی ہوئی ہے، برسوں پہلے بھی جن سنگھ اور آر ایس ایس والوں نے زبردست پروپیگنڈہ کیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان منظّم ڈھنگ سے آسام میں واگذار رہو رہے ہیں، تاکہ جب وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے تو اس پر قبضہ کر لیں، اس پروپیگنڈے کی وجہ سے اس وقت بھی آسام میں زبردست ہیجان پیدا ہوا تھا، لیکن

مرحوم فخر الدین صاحب کی وجہ سے جو اس وقت بھی آسام کے وزیر خزانہ تھے یہ معاملہ دیا گیا، ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد انہیں عناصر نے پھر اسی دبے دبائے معاملہ کو کریدنا شروع کیا، جن سنگھ کے لیڈر بلراج مدھوک نے اس سال کے اوائل میں آسام کا دورہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ آسام میں جس تیزی کے ساتھ مسلمانوں کی آبادی بڑھتی جارہی ہے اس سے ملک کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، انھوں نے الزام لگایا کہ حکومت بنگلہ دیش منظّم ڈھنگ سے اپنے شہری مسلمانوں کو آسام میں آباد کرنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ وہ اس ریاست کو ہڑپ کرلے، اس طرح کے غیر ذمہ دارانہ بیانات کے بعد سے ہی آسامی و غیر ملکیوں کے تنازع میں شدت پیدا ہوتی ہے، اگر کوئی غیر ملکی ناجائز ڈھنگ سے ملک میں داخل ہوجائے تو اس کو نکال کر باہر کرنا ہر ذمہ دار حکومت کا فرض ہے لیکن یہ کام اس طرح کیا جانا چاہیے کہ اس سے لوگ ضد میں نہ آجائیں، آسام، میزورم، منی پور اور تری پورہ وغیرہ کے حالیہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری ان سرحدی ریاستوں میں علاقائی اور مذہبی عصبیت کے جذبات ابھار کر بڑے پیمانے پر ہنگامہ برپا کرنے کی کوئی منظّم سازش کی جارہی ہے، بہت ممکن ہے کہ آسامی مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دینے کی مہم بھی اسی سازش کی ایک کڑی ہو اس لیے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو بہت محتاط ہوکر ہی اس سلسلے میں کوئی کارروائی کرنی چاہئے۔ (روزنامہ ہندوستان بمبئی مورخہ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

آسام کے مسلمانوں کا مسئلہ

غالبًا آسام کے مسلمانوں کا قصور یہ ہے کہ وہ ہندوستان کی اس مشرقی سرحدی ریاست میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے، اور ہندوستان کے جائز شہری ہیں، اس قصور کی سزا انھیں ماضی میں بھگتنی پڑی ہے اور اب پھر وہ فرقہ پرست ذہن کی سازش کا شکار بنے ہوئے ہیں اور اس سازش کا مقصد یہ ہے کہ انھیں حق رائے دہندگی سے محروم کرنے کے لیے غیر ملکی کہہ کر ملک بدر کردیا جائے، یہ ایک سوچی سمجھی اور منصوبہ بند سازش ہے، جس پر عمل کیا جارہا ہے، اور ہزاروں کی تعداد میں آسام کے لوگ اقتدار کی چیرہ دستی سے پریشان ہیں، ماضی میں بھی آسامی مسلمانوں پر کہ جو ہندوستان کے شہری تھے عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا تھا، ہزاروں کی تعداد میں انہیں ان کے گھروں، بازاروں، بستیوں اور ٹرینوں سے پکڑ پکڑ کر سرحد پار ڈھکیل دیا گیا تھا، اس وقت جمعیۃ علماء ہند کی بر وقت مساعی کے سبب اس ظلم کی روک تھام ممکن ہوسکتی تھی، وہ جمعیۃ علماء ہند ہی تھی کہ خود آسام کے مسلمان شہریوں کی مدد کو آگے بڑھی، اس وقت مرحوم صدر جمہوریہ ہند جناب فخر الدین علی احمد نے کہ جن کا خاص تعلق جمعیۃ علماء ہند سے تھا اور جو اس وقت آسام میں وزیر خزانہ تھے، نیشنل رجسٹر کھلوایا اور اس طرح جمعیۃ علماء ہند نے پوری توانائی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرکے آسام کے

مسلمانوں کے جبری اور غیر قانونی انخلاء کو روکوا دیا تھا، اب پھر وہی کہانی دہرائی جارہی ہے، اور ہزار دو ہزار نہیں بلکہ دو لاکھ آسامی مسلمانوں کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ غیر ملکی ہیں، اور جنتا پارٹی کی قومی ایگزیکیٹو کے فیصلہ کے مطابق دستاویز کے بغیر ہندوستان آ گئے ہیں ان کو ملک سے نکال دینا چاہیئے جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے جنتا پارٹی کے علاوہ کسی بھی دوسری قومی پارٹی نے اس قسم کی لچر بات نہیں کہی ہے، جنتا پارٹی کی نیشنل ایگزیکیٹو نے اس بات کو یکسر فراموش کردیا کہ ملک میں ایک قانون فارنرز ایکٹ کے نام سے بھی موجود ہے، اگر کسی پر غیر ملکی شہری ہونے کا شبہ ہو تو اس قانون کے تحت اس کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے، اور فیصلہ عدالت کرتی ہے، حکومت کی انتظامیہ نہیں، ہمارا مقصد غیر ملکیوں کی وکالت کرنا نہیں ہمارا مقصد صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ آسام کے جن لوگوں پر غیر ملکی شہری ہونے کا الزام جنتا پارٹی یا کچھ دوسرے ریاستی سیاسی گروپوں نے عائد کیا ہے ان پر غیر ملکی شہریوں سے متعلق قانون کا اطلاق کیا جانا چاہیئے انھیں صفائی اور شہادت کا موقع دیا جانا چاہیے اور یہ فیصلہ عدالتوں پر چھوڑ دیا جانا چاہیئے کہ کون شہری ہے اور کون شہری نہیں ہے۔

افسوس بیشتر سیاسی پارٹیوں نے اب تک پولیس اور ہوم گارڈوں کے ذریعہ رائے دہندگان کی فہرستیں تیار کرائے جانے کی مذمت نہیں کی ہے، البتہ سابق صدر کانگریس مسٹر دیوکانت بروا نے چیف الکشنز کمشنر کو پولیس کے ظلم کی طرف توجہ دلائی ہے ان کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آبادی کی آبادیوں کو غیر ملکی قرار دے کر حق رائے دہندگی سے محروم کردیا گیا ہے ایسا نہیں ہے کہ یہ ظلم چند حلقوں میں توڑا گیا ہے بلکہ پورے آسام پر پولیس کے ذریعہ رائے دہندگان کی فہرستیں تیار کرنے کے بہانے یہ ظلم توڑا گیا ہے، حالانکہ فہرستیں تیار کرنے کا کام انتظامیہ کے کل پرزوں کے کرنے کا تھا، پولیس فورس کا نہیں تھا، ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ بھی نکلا کہ پولیس اور ہوم گارڈ سے تعلق رکھنے والوں نے گھر گھر جا کر لوگوں کو پریشان کیا، ان کے نام رائے دہندگان کی فہرستوں میں شامل نہیں کیے گئے، اور انہیں غیر ملکی شہری قرار دے دیا، جمعیۃ علماء ہند نے پھر اس صورت حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا ہے کہ ایسے تمام لوگوں کے بارے میں فیصلہ قانونی عدالتوں سے فارنرز ایکٹ کے تحت کیا جائے حضرت صدر محترم جمعیۃ علماء ہند مولانا سید اسعد مدنی ناظم عمومی حضرت مولانا سید احمد ہاشمی اور مولانا اسحاق سنبھلی و پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی نے بیان جاری کر کے جو صدائے احتجاج بلند کی اس کا نتیجہ تو ضرور نکلا کہ آسام کے وزیر اعلیٰ کو بیان دینا پڑا اور اس بیان میں غیر ملکی شہریوں کے لیے ٹریبونل کی بات کہی جو سرسری سماعت کے بعد ان لوگوں کے اخراج کا فیصلہ کریں گے، اور کچھ خاص حالتوں میں یہ ٹریبونل لوگوں کو غیر ملکی ہونے کا نوٹس جاری کریں گے،

اور شہریت کا ثبوت طلب کریں گے یہ کچھ خاص حالت والی بات بے حد قابل اعتراض ہے۔
......سیاسی ہے اور قطعی طور پر غیر اطمینان بخش ہے اس سے اصل مطالبہ پورا نہیں ہوگا صاف یہ ہے کہ ٹریبونل کا قیام نمائشی ہوگا اور یہ جبر و استبداد کے اس سلسلے کو نہ روک سکے گا جو آسامی مسلمانوں پر غیر ملکی ہونے کے شبہ میں جاری ہے، بات بہت صاف ہے کہ فارنیز ٹریبونل ضرور قائم کیے جائیں لیکن ان کا تعلق عدلیہ کے نظام سے ہو انتظامیہ سے نہیں نیز تمام ان لوگوں کو نوٹس دیے جانے چاہئیں کہ جن کے نام فہرست رائے دہندگان سے غیر ملکی شہری ہونے کا الزام دے کر خارج کردیے گئے ہیں اور ان سبھی سے شہریت کا ثبوت طلب کیا جائے اور ان کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ (اداریہ روزنامہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۳/ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

آسام معاہدہ اور مولانا سید اسعد مدنی

(بہ شکریہ روزنامہ اردو ٹائمز بمبئی ۲۴/ اکتوبر ۱۹۸۵ء)

بمبئی: ذیل میں ہم معاصر ''اخبار مشرق'' کلکتہ کا ایک اداریہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں ممکن ہے اس اداریے سے ماضی کی وہ شاندار روایتیں بعض ذہنوں میں بیدار ہوجائیں جو آج ناپید ہوتی جارہی ہیں۔

ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کی وفات کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے موجودہ صدر مولانا سید اسعد مدنی کو اس وقت کے صدر جمعیۃ مولانا محمد فخر الدینؒ نے جمعیۃ کا جنرل سیکریٹری بنایا تھا اور ان کے اعزاز میں جامع مسجد دہلی کے سامنے جلسہ عام ہوا تھا تو وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو اس جلسہ عام میں جمعیۃ علماء ہند کا جنرل سیکریٹری مقرر کیے جانے پر مولانا سید اسعد مدنی کو مبارکباد دینے کے لیے بہ نفس نفیس تشریف لائے تھے، اور جمعیۃ علماء ہند کے شاندار ماضی اور اس کے تاریخ ساز کارناموں کا اعتراف کرتے ہوئے پنڈت جی نے کہا کہ علماء کرام کی خاک پا ان کی آنکھوں کے لیے سرمہ اور ان کی قدم بوسی ان کے لیے سرمایہ افتخار ہے، بارہا تنقید کرچکے ہیں ممکن ہے کہ غم و غصہ میں ہماری تنقید جارحانہ اختیار کرگئی ہو لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ مولانا سید اسعد مدنی ہندوستانی مسلمانوں کے چند گنے چنے مرکزی رہنماؤں میں شمار کیے جاتے ہیں، اور ملک کے ہر گوشے میں ان کے چاہنے والے موجود ہیں، اور کیوں نہ موجود ہوں وہ ایک بہت بڑے باپ کے بیٹے ہیں، ایسے باپ کے بیٹے ہیں کہ صدر جمہوریہ اور وزیراعظم ان کی قدم بوسی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے ان کا نام شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تھا، جو ولی کامل اور مرشد روشن ضمیر تھے مولانا سید اسعد مدنی گذشتہ ماہ ستمبر کے اواخر میں آسام تشریف لے گئے تھے، جہاں اقلیتوں کا ایک کنونشن منعقد ہوا تھا، وہاں مولانا نے بڑی صاف گوئی

کے ساتھ آسام معاہدہ کی زبردست مخالفت کی اور اسے ایک اقلیت دشمن اور انسانیت سوز معاہدہ قرار دیا، کنونشن میں بعض دیگر رہنماؤں نے بھی شرکت کی تھی، لیکن سب سے زیادہ صاف گوئی کا مظاہرہ مولانا مدنی نے کیا۔

تقسیم ملک سے پہلے جمعیۃ علماء ہند کی سرکردگی میں استخلاص وطن اور اتحاد ملک کے لیے آسامی مسلمانوں نے بڑی عظیم الشان قربانیاں دی ہیں جنھیں دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بہت پرانی بات ہے جو مسٹر راجیو گاندھی سے پہلے والی نسل کو اچھی طرح معلوم ہے، آسام سے مولانا مدنی کا بہت گہرا روحانی رشتہ ہے، آسام ان کا وطن ثانی ہے آسام کے تعلق سے جب وہ کوئی بات کہنا چاہتے تھے تو اسے سننا چاہیے کہ یہی عدل وانصاف کا تقاضہ ہے، آنجہانی وزیر اعظم اندرا گاندھی آسام کے مسئلہ پر جب بھی تحریکی لیڈروں سے گفتگو کرتی تھیں تو اقلیتی نمائندوں سے بھی صلاح ومشورہ کرتی تھیں، وہ ایک مسئلہ حل کرنے کے شوق میں دیگر مسائل جنم دینے کی قائل نہیں تھیں، یہی وجہ ہے کہ آنجہانی مسٹر اندرا گاندھی کے دور میں حکومت ہند اور تحریکی لیڈروں کے مابین ہونے والے مذاکرات کامیاب نہیں ہوئے، ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا کہ سب کچھ طے ہوگیا تھا، معاہدے کا مسودہ تیار ہوگیا تھا اور اس پر فریقین کے دستخط ہونے والے تھے کہ اس وقت کے مرکزی وزیر پرنب مکھرجی کو سن گن مل گئی، مسٹر پرنب مکھرجی نے اقلیتی نمائندوں کو فوراً وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ملاقات کرنے کا مشورہ دیا، مسز گاندھی نے ان سے ملاقات کی ان کی باتیں ہمدردی کے ساتھ سنیں، اور اپنے سیکریٹری سے بھی ملاقات کرنے کا مشورہ دیا، سیکریٹری نے اقلیتی نمائندوں سے صاف لفظوں میں کہا کہ تمام اقلیتیں مل کر تحریکی لیڈروں کا مزاج درست کیوں نہیں کردیتیں، اس پر اقلیتی نمائندوں نے کہا کہ ان کا مقابلہ تحریکی لیڈروں سے نہیں بلکہ آسام پولیس سے ہے جو اقلیتوں کے خون کی پیاسی ہے، بہر حال مسز گاندھی کے جیتے جی تحریکوں سے حکومت ہند کا معاہدہ نہیں ہوا اور جھکنے کے لیے تیار نہیں ہوئیں، مولانا مدنی اپوزیشن کے آدمی نہیں ہیں بلکہ کانگریس کے ایک سرکردہ رہنما اور راجیہ سبھا کے ممبر ہیں پریس کانفرنس میں ان کا بیان بے حد تشویشناک ہے کہ آسام معاہدہ نہ صرف یہ کہ دستور ہند اور بین الاقوامی اصولوں کے منافی ہیں بلکہ یہ معاہدہ آر ایس ایس کے گرگوں کے دباؤ میں آکر کیا گیا ہے گانگریس کی اعلیٰ ترین قیادت سے مولانا مدنی کے قدیمی اور گہرے تعلقات ہیں، اس لیے جب مولانا کہتے ہیں کہ آسام معاہدہ آر ایس ایس کے گرگوں کے دباؤ میں آکر کیا گیا ہے تو اس کی صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور ملک کے تمام انصاف پسند لوگوں کو مولانا کی اس بات پر دھیان دینا چاہئے۔

آسام معاہدہ پر اپنی ناراضگی اور اپنے شدید اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مدنی نے

کہا کہ جب انہیں مجبور نہیں کیا جائے گا وہ کانگریس کو ترک نہیں کریں گے، ان کی اس بات میں معقولیت ہے، مرحوم مولانا مجاہد ملت حفظ الرحمٰن سے بھی اکثر و بیشتر کہا جاتا تھا کہ مولانا فرقہ وارنہ فسادات اور مسلمانوں کی حق تلفی کے خلاف بطور احتجاج لوک سبھا کی رکنیت ترک کر دیجیے اور کانگریس سے رشتہ منقطع کر لیجیے تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ قومی اخبارات مسلمانوں کی آواز نظر انداز کرتے ہیں لوک سبھا کے رکن رہنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ ایوان حکومت میں مسلمانوں کے مسائل پیش کر سکتے ہیں لوک سبھا اور کانگریس سے رشتہ برقرار رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ کانگریس ایک قومی فورم ہے جس میں بھانت بھانت کے لوگ ہیں اس فورم کے اندر مسلمانوں کے محسوسات و جذبات کی ترجمانی کرنے والا بھی کوئی ہونا چاہئے اگر مولانا مدنی کسی خاص مسئلے پر اپنے شدید اختلاف اور ناراضگی کی وجہ سے سے کانگریس آئی کو ترک کر دیں تو اسے راہ فرار کہیں گے، مولانا نے الزام لگایا کہ آسام معاہدہ آر ایس ایس کے گرگوں کے دباؤ میں آکر کیا گیا ہے اگر مولانا جیسے لوگ کانگریس سے الگ ہو گئے تو اس صورت میں کانگریس آئی مکمل طور پر بھارتیہ جنتا پارٹی کی طرح آر ایس ایس کا سیاسی بازو بن جائے گی اور خود آر ایس ایس نام نہاد ثقافتی تنظیم بنا رہے گا، مولانا مدنی نے بہت اچھا کیا کہ بروقت وضاحت کر دی کہ انھوں نے کانگریس سے استعفیٰ نہیں دیا ہے، اور نہ ان کا کوئی علاقائی پارٹی بنانے کا ارادہ ہے، جمعیۃ علماء ہند آسام معاہدے پر نومبر کے پہلے ہفتہ میں ایک کل ہند کنونشن منعقد کر رہی ہے، تا کہ اس سلسلے میں قومی رائے عامہ کو ہموار کیا جا سکے، یہ بہت اہم کام ہے جس کا کرنا ضروری ہے، آسام اسمبلی کے انتخابات سے پہلے ہی اس کا فیصلہ ہو جانا چاہئے ورنہ تقریباً چودہ لاکھ ان ہندوستانی شہریوں کا کیا ہوگا جنھیں آسام معاہدے کی رو سے اپنی شہریت ثابت کرنے کے لیے نوٹس جاری کیے گئے ہیں، اور انھیں غیر ملکی ہونے کا پروانہ جاری کیا گیا ہے، یہ بہت ہی ظالمانہ اور انسانیت سوز اقدام ہے، اپنی شہریت تو لوگوں کو ثابت کرنا پڑتی ہے جو واقعی بیرون ملک سے آئے ہیں مگر جو لوگ اسی سرزمین میں پیدا ہوئے وہ کہاں سے اور کیوں اپنے ہندوستانی شہری ہونے کا سرٹیفکیٹ پیش کریں گے، یہ ہندوستانیت کی توہین و تذلیل اور تحقیر ہے علاوہ ازیں آسام کے چودہ لاکھ ہندوستانی شہریوں سے شہریت کا سرٹیفکٹ کون طلب کر رہا ہے آسام سے قطع نظر ملک کی دیگر ریاستوں کے شہریوں سے اگر شہریت کا سرٹیفکٹ طلب کیا جائے تو کہتے ہیں کہ ہندوستانی ہیں جو ایسا سرٹیفکٹ پیش کر سکتے ہیں۔

○○

❑ مولانا عزیز الحسن صدیقی غازیپوری

آسامی مسلمانوں کے مسائل اور فدائے ملتؒ

آسام ملک کی ایک سرحدی ریاست ہے جس میں مسلمان ۳۵ فی صد آباد ہیں ماضی میں یہاں انورہ تیمور وزیراعلیٰ رہ چکی ہیں اور آئندہ بھی کوئی نہ کوئی مسلمان وزیراعلیٰ کا عہدہ سنبھال سکتا تھا مگر اس وقت ریاست میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں جس طرح مسلمانوں کا استحصال ہو رہا ہے اور خود مسلمانوں کی سوچ اور طریق کار میں جو بدلاؤ آ رہا ہے اس سے خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان اچھی خاصی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی حاشیہ پر آتے چلے جائیں گے اور مقننّہ سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔

آسام کی سیاست میں مسلمانوں کی حیثیت ہیرو کی ہونی چاہیے تھی مگر وہ زیرو ہوئے جارہے ہیں حیرت وافسوس کی بات یہ ہے کہ دوسری ریاستوں کے مسلمان آسام کی تازہ سیاسی صورت حال اور مسلمانوں کے خسارے اور پسپائی سے سبق لینے کے بجائے وہی غلطیاں دہرائے جارہے ہیں، جن کے سبب حالیہ انتخابات میں آسام کے مسلمان شکست سے دوچار ہو رہے ہیں اور بے وزن ہو کر رہ گئے ہیں۔

ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ اب مسلمان اقدام سے پہلے نہیں بلکہ کچھ کر گزرنے کے بعد ہی سوچتا ہے اور فیصلے کی گھڑی میں بھی مشتعل سا رہتا ہے، ریاضی کے فن میں بہت پہلے سے پھسڈی ہے، نفع ونقصان کی پرواہ کم کرتا، طاقت کم رکھتے ہوئے اکڑخوں زیادہ دکھلاتا ہے، آسام میں شاید یہی ہوا ہے۔

فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے آسام کے مسلمانوں کے مسائل سے خود کو جوڑ رکھا تھا، وہ شروع ہی سے ان کی لڑائی لڑتے رہے، ان کی حمایت میں متعدد کنونشن کیے، حکومت کو میمورنڈم پیش کیے، راقم کو بار بار اس طرح کے کنونشنوں اور مشوروں کی مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا ہے۔

شیخ الاسلام کا بھی اس ریاست سے خصوصی لگاؤ تھا، مولانا کرامت علی صدیقی جونپوریؒ نے

بنگال میں جو کام کیا تھا وہی شیخ الاسلام نے آسام میں کیا تھا، اس لحاظ سے اس ریاست کی بڑی اہمیت تھی۔

عرصہ دراز سے فرقہ پرستوں نے آسام کی فرقہ وارنہ فضا کو خراب کر رکھا تھا، اور یہاں کی سماجی اور سیاسی زندگی میں زہر گھول رکھا تھا، خاص طور سے بنگلہ دیشی در اندازی کے نام پر مسلمانوں کو پریشان کیا جارہا تھا، افسوسناک بات یہ ہے کہ کانگریسی حکومتیں بھی فرقہ پرستوں کی منہ بھرائی کیا کرتی تھیں، ظاہری طور پر تو وہ مسلمانوں کی ہمدردی جتاتی تھیں، مگر مسلمانوں کو مختلف نوعیّتوں سے نقصان بھی پہنچاتی رہتی تھی، مثلاً مسلمانوں کو بنگلہ دیشی گھس پیٹھیا قرار دے کر حق رائے دہی اور حق شہریت سے محروم کردیا جاتا تھا۔

جمعیۃ علماء آسام مسلمانوں کی ہمیشہ مذہبی وسیاسی رہنمائی کرتی رہی ہے، اور سیاسی رہنمائی ان خطوط سے ہٹ کر کبھی نہیں کی گئی جو ہمارے اسلاف واکابر قائم کر گئے تھے، یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ مسلمان تمام تر ناراضگیوں کے باوجود کانگریس ہی کو حکومت بنانے کا موقع دیتے رہے اوران کا یہ فیصلہ تملق وخوشامد کی غرض سے نہیں بلکہ سیاسی سمجھ داری کی بناء پر تھا مگر وزیر اعلیٰ ترون گو گوئی ہمیشہ منافقت برتتے رہے، اور مسلمان کو نظر انداز کرتے رہے، اسی لیے حالیہ اسمبلی انتخابات سے قبل مولانا مدنیؒ نے متنبہ کردیا تھا کہ صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو متحدہ محاذ کے قیام کو روکا نہیں جاسکے گا، اور ایسا ہی ہوا بھی، محاذ قائم ہوا اور اس نے ستر نشستوں پر کانگریس کو سیدھی ٹکردی، مگر افسوس کہ وہ محض سات نشستوں پر قبضہ کرسکا، عجیب بات یہ ہے کہ محاذ میں بیس مسلم تنظیمیں شامل تھیں، یہ نہ معلوم ہوسکا کہ غیر مسلموں کی اس میں کیا حصہ داری تھی اگر نہیں تھی تو اس کو محاذ کی کمزوری اور بھول قرار دیا جائے گا، سیاسی مبصرین نے محاذ کی شکست کا ذمہ دار دہلی اور لکھنؤ کے ملی قائدین اور ملی تنظیموں کو ٹھہرایا ہے جنھوں نے آسام کے ملی قائدین کو بہکا کر اس طرح علیحدہ سیاسی پلیٹ فارم بنوایا ملت کے نام نہاد قائد جو کل تک باجپئی کی حمایت کررہے تھے اور جنھوں نے گذشتہ پارلیمانی انتخاب میں ایر کنڈیشن بسوں میں باجپئی کی امداد وحمایت کے لیے ملک کا دورہ کیا تھا اپنے کارناموں کے لیے ملک میں مشہور ومتعارف تھے اور آسام کے مسلمان بھی ان کو پہچانتے تھے اس لیے انھوں نے ان کو کوئی اہمیت نہیں دی اور محاذ بھی مقبولیت نہ حاصل کرسکا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۴۷ء میں مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ حاکمانہ اقتدار کے مدرسہ سے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے اور کاسہ لیسی کی زندگی اختیار کرنے کے بجائے مشترکہ سیاسی پلیٹ فارم سے اپنے حقوق کی لڑائی لڑیں اور ہرگز علیحدہ سیاسی جماعت نہ بنائیں ورنہ ان کے مسائل

سلجھنے کے بجائے الجھ کر رہ جائیں گے، اس وقت سے اب تک کا ریکارڈ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے ایسی غلطی کی ہے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے، دیکھ لیجیے آزادی کے بعد سے برسہا برس تک مسلمان پارلیمنٹ میں پچاس سے زیادہ پہنچ جایا کرتے تھے، مگر اب یہ تعداد گھٹتے گھٹتے نصف تک پہنچ گئی ہے۔

مولانا مدنیؒ نے ہمیشہ اسی پالیسی کی تائید کی جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے خود جمعیۃ علماء میں بھی کبھی کبھی لوگ اوب کر علیحدہ سیاسی جماعت کے قیام کی بات کرنے لگتے تھے، اس وقت وہ ان سے نبرد آزما ہوئے تھے، مثال کے طور پر ایک دفعہ اتر پردیش کی جمعیۃ نے اپنی مجلس عاملہ میں اس مسئلہ پر بحث کی، راقم الحروف اس مجلس میں شریک تھا اور یہ میری پہلی حاضری تھی، مولانا مدنیؒ اس مجلس میں شریک نہ تھے۔

ایجنڈا یہ تھا کہ جمعیۃ کو پارلیمنٹری سیاست میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں، کافی طویل بحث کے بعد طے یہ کیا گیا کہ حصہ لینا چاہیے، راقم الحروف نے اس کی بھر پور مخالفت کی اور یہ بھی عرض کیا اگر جمعیۃ نے پارلیمانی انتخاب میں من حیث الجماعت حصہ لینا شروع کر دیا تو اس سوال کا ہمارے پاس کیا جواب ہوگا کہ پون صدی تک جمعیۃ نے مسلمانوں کو کیوں اس سے دور رکھا، اس اجلاس میں مولانا شاہد فاخری، مولانا ابوالوفا شاہجہاں پوری، مولانا محمد قاسم، مولانا عبدالروٴف ایم ایل سی، وفاء الرحمٰن جامعی اور رامین سلونوی جیسے بزرگ رہنما موجود تھے، ظاہر ہے کہ اتنے بڑے ہاؤس میں میری نحیف آواز کہاں سنی جاتی، نتیجہ کے محور پر رائے شماری کی نوبت آئی اور تجویز بہر حال پاس ہوگئی، فوراً میرے ذہن میں ایک نیا نکتہ آیا، میں نے اپنے بڑوں سے ادب کے ساتھ گذارش کی کہ آپ کو اتنا اہم فیصلہ کرنے کا حق کہاں ہے؟ یہ میٹر مرکز کا ہے، اور وہی اس کا فیصلہ کر سکتا ہے پھر خاکسار نے عرض کیا کہ آپ اپنی تجویز مرکز کو بھیج دیں، وہاں فیصلہ ہو جائے گا، پروسیڈنگ میں یہ بات آ گئی اور میں مجلس عاملہ میں شرکت کے بعد گھر لوٹ آیا، کچھ ہی عرصہ کے بعد دہلی میں مرکزی جمعیۃ کا اجلاس ہوا جس میں سب سے پہلے اسی موضوع پر بحث ہوئی، جمعیۃ کی پارلیمانی سیاست میں عدم شرکت سے متعلق جو تجویز ہاؤس میں پیش ہوئی، اس کو پیش کرنے والا کوئی دوسرا نہیں مولانا شاہد میاں فاخریؒ تھے اور سب سے پہلے اس کی تائید کرنے والا یہ خادم تھا، اس طرح ہمارے بزرگوں کا طے کردہ فارمولہ اور موقف برقرار رہا، اور اس پر آج تک ہمارا عمل ہے اور ہر سمجھ دار آدمی اس کی تائید میں ہے۔

مولانا مدنی کو آسام میں محاذ بنانے کی بات اس لیے کہنی پڑی کہ کانگریس مسلسل مسلمانوں کو

نظرانداز کررہی تھی،اوران کے مسائل اور مطالبات کو پس پشت ڈال دیتی تھی، خاص طور سے بنگلہ دیشی دراندازی کا ہوا کھڑا کرکے آئے دن مسلمانوں کوڈرایا دھمکایا جاتا تھا، کانگریس اپنے قول و عمل کے تضاد کوختم کرنے کے لیے تیار نہ تھی، لیکن اب کانگریس کوسوچنا پڑے گا، کہ ہندوستانی مسلمان اورآسامی مسلمان جنھوں نے ہمیشہ کانگریس کوترجیح دی آخرکیوں اس سے ناراض ہیں وہ صرف بی جے پی کوکھری کھری سناکےاوراس کی مخالفت کرکے مسلمانوں کو نہ خوش کرسکتی ہے، نہ ان کے غم کا مداوا ہی کرسکتی ہے، کیا کانگریس نے صرف رائے بریلی کو ہندوستان سمجھ لیا ہے؟ ہندوستان بہت بڑا ملک ہے، اس میں بیس سے بائیس کروڑ مسلمان بھی بستے ہیں، ان کے کچھ مسائل ہیں حقوق ہیں، ان کی آرزو اور تمنائیں ہیں، ان کے احساسات وجذبات ہیں، ان کے دینی عقائد ہیں جن سے مسلسل چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی ہے، ان کی اولاد کا مستقبل ہے، ان کے ہونہار بیٹے پڑھ لکھ کراوراعلیٰ ڈگریاں لے کرجب مقابلہ کے امتحانات میں بیٹھتے ہیں تو ان کے دل کو دکھایا جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ تم یہاں کیا کرنے آگئے، یہاں تک کہہ دیا جاتا ہے، کہ تمھارا یہاں دھرا ہے، تمھیں تو پاکستان کی راہ دیکھنی چاہیے۔

یہ کیسا ظلم ہے اپنا وطن پاکستان چھوڑ کر ہندوستان آنے والوں کوتو گلے لگایا گیا اورانھیں سارے حقوق اس ملک میں دیے گئے اوراقتدار تک سونپ دیا گیا مگران لوگوں کوجن پرکھوں کی ہڈیاں اسی زمین میں پیوست ہیں پاکستان کا طعنہ دیا جاتا ہے، بی جے پی کی حکومت میں بھی مدرسوں کودہشت گردی کےاڈے کہا گیااور کانگریس کے عہد میں بھی یہ گھناؤنا الزام ان پرلگایا جارہا ہے۔ ہم یہاں مولانا آزاد کےاس خط کا حوالہ دیں گے جومولانا نے ایک موقع پر جگ جیون رام کولکھا تھا، مولانا تحریرفرماتے ہیں:

مائی ڈیر جگ جیوان رام!

ٹیلی گراف اور پوسٹ آفس کے بارے میں آپ کی جو چٹھی ملی تھی اس کی کاپی میں نے چیف منسٹر جموں کشمیر کوبھیج دی تھی، ان کا جواب مل گیا ہے میں آپ کوبھیجتا ہوں، یہ بات کہ ایسی جگہوں کے لیے جومحض کلرک کی ہیں، کشمیر کے ۴۳/امیدوار درخواست دیں اوران میں صرف ایک آدمی کامیاب ہو، یقیناً میرے لیے ناقابل فہم ہے، افسوس کہ اس طرح کی باتوں کا جو اثر کشمیر پر پڑتا ہے، اس سے کشمیر کے مسئلہ میں جوخرابیاں پڑتی ہیں اس کا اندازہ ان لوگوں کونہیں ہے جن کے سپرد گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمے کے حوالے کیے گئے ہیں جن میں ایک کمیونی کیشن اور دوسرا ڈیفینس ہے، اگران دونوں منسٹریوں کا حال یہ ہے کہ کشمیر کے مسلمانوں کے لیےان میں کوئی جگہ

نہیں ہے تو دوسرے سبجیکٹوں میں کیا حال ہوسکتا ہے، آج کشمیر جس مقام پر کھڑا ہے اس کی نشاندہی مولانا نے بہت پہلے کردی تھی، اس خط میں مولانا کی خفگی وناراضگی صاف جھلک رہی ہے دلوں کا کھوٹ ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا، آسام کے مسئلہ میں مولانا مدنی کی ناراضگی اور نپے تلے فیصلے کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے، ان پر جذباتیت یا غلط فیصلہ کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

جولوگ دوسرے صوبوں میں آسام جیسا محاذ یا علیحدہ سیاسی جماعت بنانا چاہتے ہیں ان کو ہم مولانا آزاد کے فیصلے کی یاد دلانا چاہتے ہیں اور آسام کے نتائج کے حوالے سے بھی یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ لوگ بار بار تجربہ نہ کریں اور دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں، اگر کچھ کرنا ہی چاہتے ہیں تو شوق سے مشترکہ سیاسی پلیٹ فارم پر کام کریں اور بہر حال فرقہ پرستوں کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہیں۔

ملکی سیاست میں ایک مسلمان کا رول کیا ہونا چاہیے اس پر حضرت مولانا علی میاںؒ نے بڑی اچھی گفتگو کی ہے، موصوف ان الفاظ میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں:

> ''ایسے دور میں جب کہ حکومتوں کا دائرہ اتنا وسیع اور زندگی پر حاوی ہے اور ایسے ملک میں جہاں اپنے حق رائے دہندگی، سیاسی اثر ونفوذ اور دانشمندی کے سوا کوئی ذریعہ اپنے تحفظ یا کسی خطرہ کو روکنے کا نہیں ہوسکتا اور ایک ایسی ملت ملک کی سیاست اور جمہوری طریقہ سے اثر انداز ہونے سے کیسے کنارہ کشی اختیار کرسکتی ہے''جس کے دین کا دائرہ اور تصور پوری زندگی پر محیط ہے، وہ مذہب بندہ اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہے'' کے مسیحی تصور پر یقین نہیں رکھ سکتی، اس کا مذہب دوسرے مذہب کے مقابلہ (زندگی پر حاوی اور محیط ہونے کی وجہ سے) میں زیادہ ذکی الحس اور جلد متأثر ہونے والا ہے، اس ملت کے لیے جو لوگ سیاست کو''شجر ممنوعہ'' بلکہ''الشجرۃ الملعونۃ فی القرآن'' کی تلقین کرتے ہیں اور اس کو ذہنی اور عملی عزلت کا مشورہ دیتے ہیں یا اس کو تلقین کرتے ہیں کہ پارسیوں اور بارواڑیوں کی طرح رفاہی اور خیراتی ادارے قائم کرنے یا اپنی اقتصادی یا مالی پوزیشن کو مضبوط کرنے یا تعلیم کا معیار بلند کرنے کی طرف کلیتًا متوجہ رہیں، وہ حقیقت میں مسلمانوں کو اجتماعی اور ملی خودکشی کا مشورہ دیتے ہیں کہ اس طرح مسلمان نہ اپنے ملی تشخصات کی حفاظت کرسکیں گے اور قیادت کا مسئلہ تو الگ رہا (جو اس وقت ملت کا حقیقی منصب ہے) اس ملک میں آزادانہ

باعزت زندگی بھی نہیں گذار سکیں گے۔

سوچنے کی بات ہے کہ مسلمانوں کو تعمیری سیاست کی طرف لانے کے لیے اس سے زیادہ بلیغ بات اور کیا کہی جاسکتی ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ ملکی وقومی سطح پر ہندوستان کی سیاست میں شریک ہوں اور قیادت کا منصب سنبھالیں اور دوسروں کی کاسہ لیسی اور خیمہ برداری چھوڑ دیں بزم سیاست کو اس بزم سے کم نہ سمجھیں جہاں خود بڑھ کر مینا کو ہاتھ میں اٹھانا پڑتا ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ جب الیکشن کا موسم بہار آئے تو اس سے لطف اندوز ہوئیں اور جب حکومت سازی کا کام ہو رہا ہو اور ملک کے مستقبل کا فیصلہ ہو رہا ہو تو وہ ریڈیو اور ٹیلی ویزن پر بیٹھے رہیں کسی نے ان کے کان میں کہہ دیا کہ تم نکمے ہو، اس ملک کے دروبست پر کبھی تمہارا قبضہ نہیں ہوسکتا، تمہارے پاس صرف آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکتے ہو اور کان ہیں جن سے سن سکتے ہو مگر نہ تمھارے پاس زبان ہے نہ دل اور دماغ ہے۔

ایک نوجوان نے مولانا آزاد سے پوچھا کہ آپ کیوں فرماتے ہیں کہ مسلمان کانگریس میں داخل ہو جائیں اور انگریزوں کو مار بھگائیں؟ مولانا نے فرمایا کیا تم بتا سکتے ہو کہ انگریزوں نے یہ ملک کن لوگوں سے چھینا تھا؟ نوجوان بولا ''مسلمانوں سے'' تب مولانا نے کہا کہ بس مسلمان ان سے اپنا ملک چھین لیں۔

یہ بات گویا کہ طے پاگئی کہ ہندوستان ہمارا بھی ہے، صرف رام لعل کا نہیں عبدالستار کا بھی ہے پھر عبدالستار میاں کیوں روٹھ کے بیٹھے ہوئے ہیں۔

در دل کشابہ چمن در آ

ہندوستان ہمارا چمن ہے، ہمیں بھی اس کی سیر کرنے کا حق ہے، اس کے گل بوٹوں سے ہم کو بھی لطف اندوز ہونے کا حق ہے۔

وہ لوگ جو ۱۹۴۷ء سے پہلے میدان کارزار میں کھڑے تھے آزادی کے بعد سب کے سب مدرسوں اور خانقاہوں میں جا بیٹھے حالانکہ وہ کبھی خانقاہ بردوش ہوا کرتے تھے اور درس دیتے دیتے جیل چلے جاتے تھے اور پھر وہاں سے رہائی پا کر آتے ہی درس شروع کر دیتے تھے:

وقت آن نیست کہ در حجرہ نشینی بیکار

اب ہمیں حجروں سے باہر نکلنا ہوگا اور فرقہ پرستوں کو من مانی کرنے سے باز رکھنا ہوگا، یہ بزدل اور کائر اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں دیکھئے! انھوں نے قومی املاک کو اور قوم کی دولت کو کس بری طرح لوٹا ہے، ان کی سازش اور کوشش یہ ہے کہ ہم آپس ہی میں الجھتے رہیں بحثیں کرتے

رہیں نقشے بناتے اور بگاڑتے رہیں اور وہ حکومت اور اقتدار کے مزے لوٹتے رہیں۔
ہمارے جو بزرگ عملی سیاسیات میں شریک تھے وہ تنہا پڑ گئے ،اب ایسا نہیں ہونا چاہئے ہمیں اس لیے میدان سیاست میں اترنا ہے کہ ہم اپنے حقوق بھی حاصل کرسکیں اور ملک کو زاغ و زغن کے حملہ اور تصرف سے بھی بچاسکیں۔

مولانا سید ارشد مدنی کی پریس کانفرنس

مولانا آزاد کی ۴۷ء والی انقلابی تقریر نے اس وقت کے حالات میں جو کام کیا تھا اور ہمارے لیے سمت سفر متعین کی تھیں وہی کام مولانا ارشد مدنی کی حالیہ پریس کانفرنس (جو ۲۳ مئی ۲۰۰۶ء کو ہوئی) نے کیا ہے، آپ نے بجا طور پر مسلمانان ہند کو مشورہ دیا ہے کہ وہ علیحدہ مسلم سیاسی جماعت بنانے کی غلطی نہ کریں ورنہ ان کی طاقت منتشر ہو جائے گی اور فرقہ پرستوں کی بن آئے گی اور وہ سیکولر پارٹیوں کی نگاہ سے گر جائیں گے۔

مسلمانوں کو اور ان کی قیادت کے دعوے داروں کو سوچنا چاہئے کہ آسام (جس کو مسلم اکثریت والی ریاست کہا جاتا ہے،) میں مسلمانوں کے علیحدہ سیاسی پلیٹ فارم کا کیا حشر ہوا؟ آسام کے مسلم رہنما اگر کانگریس سے یا دوسرے سیاسی دھڑوں سے ناراض تھے اور ان کو سبق سکھانا چاہ رہے تھے تو اس کا یہ حل نہیں تھا کہ بیس مسلم جماعتوں کا محاذ بنا کر انتخاب کے میدان میں کود پڑتے بلکہ مشترکہ سیاسی پلیت فارم بنانا چاہئے تھا۔

سیاسی تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ آسام میں فرقہ پرست کچھ اور مضبوط ہو رہے ہیں اور قبائلی سیاست حاوی ہو رہی ہے، اور اس کی منہ بھرائی بھی کی جارہی ہے، اور مسلمان ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنے ہوئے ہیں، ہماری گذارش کا حاصل یہ ہے کہ ہندوستان کے پیمانے پر سیاست کرنے والے حضرات اس تجربہ کو فراموش نہ کریں، کانگریس اگر اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کرتی ہے تو اس کی طرف ہاتھ بڑھائیں اس سے باضابطہ معاہدہ کریں، اگر وہ بالکل ہی گل سڑ چکی ہے تو دوسری غیر فرقہ پرست طاقت سے سمجھوتہ کیا جائے۔

○○

□ مولانا حبیب الرحمٰن
صدر جمعیۃ علماء گجرات

فسادات گجرات میں مولانا اسعد مدنیؒ کا کردار

ملک میں فسادات کے تعلق سے حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ ملک کے ان زعماء میں سے تھے جو اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حساس تھے، چنانچہ جیسے ہی فساد کی کوئی بھی اطلاع ملتی تو وہ بے چین ہوجاتے، متأثرہ مقامات پر سب سے پہلے بنفس نفیس خود پہنچتے، اور اگر حادثہ بہت بڑا نہ ہوتا تو حضرت جمعیۃ کے ذمہ داراوں کو وہاں بھیج دیتے اور حالات سے آگاہی حاصل کرتے، قیام امن کے لیے ہر طرح کی کوشش فرماتے مسلمانوں کو ڈھارس دیتے اور ہمت بڑھاتے اور ان کی باز آبادکاری میں لگ جاتے اور بڑے فسادات کے موقع پر آپ خود حالات کا جائزہ لینے کے لیے جائے وقوع پر پہنچتے کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ زبردست اور رہولناک فسادات میں بربریت کا شکار مسلمان ساتھ دینے سے دامن بچاتے لیکن حضرت کو اللہ نے بہت جرأت و ہمت اور ایمانی قوت عطا فرمائی تھی، آپ بالکل بے باکانہ مقامات پر پہنچتے جنہیں لوٹا گیا اور جلایا گیا اور تباہ و برباد کیا گیا، کبھی تو ایسا بھی ہوتا انتہائی خطرناک حالات کی بنا پر انتظامیہ آپ کو موقعہ پر جانے سے روکتی، الہ آباد میں ایسا ہی ہوا تھا حضرت کسی کے روکنے سے نہیں رکے تھے اور موقع پر پہنچ کر کلکٹر ایس پی نے آپ کو حراست میں لے کر بند کر دیا، اور کلکتہ میں تو فسادیوں نے حضرت پر زبردست حملہ کیا آپ نے بڑی جرأت وہمت سے کام لیا خدا نے آپ کی حفاظت فرمائی حضرت تو ہمت کے پہاڑ تھے، کبھی آپ کے قدم ڈگمگاتے نہ تھے، خود احمد آباد میں سرسپور کے علاقہ پٹیل کی چالی میں ۱۹۷۹ء کے فساد میں کسی کی ہمت نہیں ہوئی، حضرت کے ساتھ جانے کی اور لوگوں نے بہت زور لگایا کہ آپ نے جائیں لیکن حضرت نے فرمایا کہ میں ضرور جاؤں گا، اور حضرت کھڑے ہوگئے، اس وقت پروفیسر نثار احمد انصاری نے حضرت کا ساتھ دیا اور حضرت نے موقعہ کا معائنہ کیا ۲۰۰۲ء میں گجرات میں جو فساد ہوا اس نے تو سارے فرقہ وارانہ فسادات کے ریکارڈ توڑ دیے، ایسی تباہی اور بربادی اور سفاکیت بڑھتی گئی جسے دیکھ کر اور سن کر انسانی حواس بھی متأثر ہوئے ہیں،

درندے بھی اپنی برادری کو نقصان نہیں پہنچاتے، غیروں کو ہی ہلاک کرتے ہیں لیکن ان انسان نما حیوانوں نے درندوں سے بھی خراب حرکتوں کا ارتکاب کیا اب تک آپ کا دو کا کوئی نقصان ہوتا تھا، مگر اس فساد میں تصور سے بڑھ کر ظلم وزیادتی کا مظاہرہ کیا گیا۔

جانی نقصان ہزاروں کی تعداد میں ہوا، بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کو بھی بخشا نہیں گیا ایک ایک مقام پر سو سو زندہ انسانوں کو جلایا گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فسادیوں، حکومت اور پولس نے طے کر لیا ہے کہ مسلمانوں کا نام ونشان گجرات سے مٹادیا جائے، پوری گلمرگ سوسائٹی کو جلایا گیا اور اس میں بسنے والے مسلمانوں کو جلا کر خاک کر دیا، جعفری صاحب جو اعلیٰ درجہ کے سماجی رکن تھے ایم پی رہ چکے تھے ان کو ان کے فیملی سمیت جلا کر راکھ کر دیا گیا، حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے گئے، اور ان معصوم بچوں کو بھی ٹکڑے کیے گئے، اور یہ واقعہ کسی ایک جگہ نہیں ہوا لگ بھگ پورے گجرات کے مسلمان اس کا نشانہ بنے، اربوں روپیہ کا مسلمانوں کا مالی نقصان ہوا، احمد آباد کے مرکزی ادارہ جامعہ قاسم العلوم انصارنگر کی عمارتوں کو بری طرح تباہ و برباد کیا گیا، اس کی قیمتی نوادرات قرآن شریف کو جلایا گیا اس کی بے حرمتی کی گئی، عمارت میں بیٹھ کر شراب پی گئی، عمارت پر دھارمک سلوگن لکھے گئے اس میں مورتی بیٹھائی گئی، ناظم مدرسہ مولانا محبوب الرحمٰن صاحب اور جامع کے طلبہ واساتذہ پر جان لیوا حملہ کیا گیا، امیر الہند نے جب ان حالات کو سنا اور بچشم خود اس کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں، آپ بہت زیادہ بے چین ہوگئے، آپ کا دل بھر آیا، کہ کیا کیا ہوا ہوگا، چنانچہ آپ نے فوری طور پر ناظم عمومی مولانا سید محمود اور جمعیۃ علماء کی فعال ٹیم مولانا حکیم الدین قاسمی، مولانا علیم الدین قاسمی، مولانا غیور قاسمی، کو گجرات بھیجا اور آپ خود احمد آباد پہنچے، ان تمام امور کی وجہ سے مرکزی جمعیۃ کے کارکنان وافراد کو مسلمانوں کے حالات جاننے اور سروے کرنے میں لگایا۔ زیادہ تر مقامات تک خود پہنچتے، اور اس وقت کرب سے آپ کا کیا حال ہوتا تھا چہرے پر کتنا حزن وملال نظر آتا تھا، دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت اکثر مقامات پر خود پہنچے تباہ مکانوں کو دیکھا جلی ہوئی دکانوں کو دیکھا تباہ کی ہوئی مساجد کا معائنہ کیا، جلے ہوئے مدرسوں اور کتابوں اور قرآن کے ساتھ جو ناجائز حرکتیں کی گئیں وہ سب آپ کے علم میں آئیں، آپ نے یہ محسوس کیا کہ خود گجرات اور مرکز میں اسی جماعت کے ہاتھ میں حکومت ہے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو بے آسرا اور برباد کیا گیا ہے ظاہر بات ہے کہ مسلمانوں کے باز آبادکاری میں مدد نہیں کریں گے، اور نہ امداد دیں گے، حضرت نے ہی فوری طور پر برباد لوگوں تک کھانے

پینے دال، چاول، تیل، نمک، مرچ مصالحہ، برتن، چائے وغیرہ انسانی ضرورت کا انتظام کیا جن پر لاکھوں روپئے سے زائد خرچ ہوا۔

دال، چاول، چائے، شکر، کٹ بنا بنا کر ضرورمندوں تک پہنچائے گئے۔ حضرت کے حکم پر ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند، مرکزی جمعیۃ کی ٹیم مقامی ریلیف کمیٹی کے ورکروں نے مسلمانوں کو سنبھالنے میں اور مدد کرنے میں بڑی محنت، لگن اور جانفشانی سے کام لیا، حضرت کی توجہ سے خانماں برباد، بے آسرا اور لوٹے پٹے مظلوم مسلمانوں کو بسانے کے لیے پلاننگ کی گئی اور ان کے لیے مکانات بنائے گئے، ان مکانات کی تعمیر ایک دو مقامات پر نہیں پورے گجرات کے تباہ حال علاقوں میں تعمیر کا کام کیا گیا پھر وہاں جمعیۃ نے جھونپڑے اور نمائشی مکان تعمیر نہیں کیے، بلکہ سمنٹ ٹیڈ کشادہ مکانات کی تعمیر ہوئی، جو مکان خستہ تھے اور ان کے کچھ نشانات باقی تھے ان کی مرمت کرائی گئی، منہدم مساجد اور مدرسوں کی از سرنو تعمیر ہوئی، بے آسرا، لا وارث بچوں کے لیے جمعیۃ ہے شاندار ہوسٹل چلڈرن ویلیج کے نام سے تعمیر کرایا اور بچوں کو دینی و دنیوی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے اعلیٰ معیاری اقامتی اسکول قائم کیا، جس کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے۔

جمعیۃ نے فسادزدہ علاقوں میں دواخانے شفاخانہ تعمیر کیے گئے، جس سے غریب ومظلوم لوگوں کو طبی امداد وقت پر مل سکے، اور عورتوں کے لیے سلائی مشینیں تقسیم کی گئی ہیں، حکومت سے حصول انصاف کے لیے لیگل سیل قائم کیا گیا اور قانونی چارہ جوئی کے لیے ملک کے مشہور ومعروف وکلاء حضرات کی خدمات حاصل کی گئیں اور ان کے فیس کی صورت میں ایک خطیر رقم ادا کی گئی، ان وکلاء نے سیکڑوں گرفتار بے قصور مظلوم مسلمانوں کی ضمانتیں کرائیں اور مظلوم مسلمانوں کے معاملات کے مقدمات کی پیروی مسلمانوں کے سپرد کی گئی، وکلاء کی اجرت اور عدالتی ہر قسم کا خرچہ جمعیۃ علماء نے برداشت کیا جو مسلما جیلوں میں گرفتار ہوئے ان کے لیے کھانے کا دو وقت کا ٹفین جمعیۃ العلماء بھیجتی رہی آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

مسلمانوں کی فیملی کو گھریلو اخراجات کے لیے کافی اہم امداد جمعیۃ کی طرف سے کی جاتی ہے آج بھی جمعیۃ ریلیف کمیٹی ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند نے حضرت اقدس کے حکم پر سارے گجرات میں پانچ ہزار سے زائد مکانات، مسجدیں تعمیر کیے ہیں یہاں گجرات میں دوسری تنظیموں اور اداروں اور گورنمنٹ نے بھی تھوڑا بہت ریلیف کا کام کیا ہے لیکن جتنا کام سب تنظیموں اور گورنمنٹ نے کیا ہے اس سے کہیں زیادہ اچھا کام جمعیۃ العلماء نے کیا ہے ایک بڑے ادارے کے رہنما ''یوکے''

سے احمد آباد آئے تھے، انہوں نے جمعیۃ کی امدادی کاموں کے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا، انہیں ان مقامات پر لے جایا گیا ان کی واپسی پر اعزاز میں استقبالیہ جلسہ ہوا، انھوں نے جمعیۃ کے امدادی کام پر بہت زیادہ حیرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ جمعیۃ نے گجرات میں اتنا بڑا عمدہ اور مستحسن کام کیا جو لائق مبارکباد ہے، اگر میں اپنی آنکھوں سے موقع پر جا کر نہیں دیکھا ہوتا تو کسی کے کہنے پر بھی یقین نہیں کرسکتا تھا، ہم کو صحیح اطلاعات نہیں ہیں، لیکن ہمیں یقین ہے کہ جمعیۃ نے بہت بڑا فنڈ میں پاور اور اپنے ورکروں کا خون، پسینہ اس فساد میں اجڑے مظلوم مسلمانوں کی بازآبادکاری میں لگایا ہے۔

راہ کے نقش مسافر کا پتہ دیتے ہیں
کون کس شان سے گذرا ہے بتادیتے ہیں

○○

❑ محمد سلمان منصور پوری
خادم مدرسہ شاہی مراد آبادی

دارالعلوم دیوبند کے لیے
حضرت فدائے ملتؒ کی خدمات

دارالعلوم دیوبند سے حضرت فدائے ملتؒ کا گہرا ربط تھا، آپ نے پوری تعلیم یہیں حاصل کی، پھر ۱۲/سال تدریسی سلسلہ بھی جاری رکھا، اس کے انقطاع کے بعد بھی آپ نے دارالعلوم کی خدمت کو اپنے لیے سعادت خیال کیا، اور ملک و بیرونِ ملک میں دارالعلوم کی نیک نامی اور ترقی کے لیے کوشاں رہے۔ ملک کی اہم شخصیات کو دارالعلوم کی طرف متوجہ کرتے، اور ان کو دارالعلوم کی زیارت کرانے کے علاوہ آپ نے قابل اور ذی استعداد علماء کی دارالعلوم میں تقرر کرانے کے لیے بھی کوششیں فرمائیں، جن میں حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تقرر میں دلچسپی قابل ذکر ہے۔ اسی طرح حکومتی سطح پر بھی آپ مسلسل دارالعلوم اور اس کی انتظامیہ کی پشت پناہی کرتے رہے، اور جب بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا تو آپ دارالعلوم کے دفاع میں سینہ سپر ہوگئے۔ الغرض باضابطہ دارالعلوم سے تعلق نہ ہونے کے باوجود آپ نے کبھی بھی دارالعلوم کی خدمت سے دریغ نہیں کیا؛ تا آں کہ ۱۹۸۰ء میں جب دارالعلوم کے عظیم الشان اجلاس صد سالہ کا اعلان کیا گیا تو آپ نے اپنے طور پر اجلاس کے لیے دس لاکھ روپیہ کی خطیر رقم عوامی تعاون سے جمع کر کے مظفرنگر کے ایک بڑے جلسہ میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں پیش کی۔

اجلاس صد سالہ میں بھی آپ بنفس نفیس شریک رہے، اور اس میں جہاں چند مؤقر اور عظیم القدر فضلاء دارالعلوم کی دستار بندی کی گئی ان میں آپ کا اسم گرامی بھی شامل تھا۔ ایک نشست میں آپ کا معرکۃ الآراء خطاب بھی ہوا، تاہم فضلائے دارالعلوم چاہتے تھے کہ یہ اجلاس محض اجتماع بن کر نہ رہ جائے؛ بلکہ بامقصد اور دوررس اثرات کا حامل ہو، اور یہاں جمع ہونے والے فضلاء دارالعلوم اپنے اندر خدمت قوم وملت کا شعور اور جوش عمل لے کر جائیں اس لیے اجلاس کے

دوسرے دن فضلاء کا ایک خصوصی اجتماع ہوا، جس میں ''عالمی مؤتمر فضلاء وابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی، جس کی سرپرستی کے لیے حضرت امیر الہند محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحبؒ سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد پاکستان کا نام تجویز ہوا، جب کہ صدارت کے منصب پر حضرت فدائے ملتؒ کو فائز کیا گیا، اور جنرل سیکریٹری حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ بنائے گئے۔

سوءِ اتفاق کہ اس مؤتمر کو دارالعلوم کی انتظامیہ نے اول دن ہی سے اپنا حریف سمجھ لیا، حالاں کہ اس کے قیام کے وقت جن صالح مقاصد کو سامنے رکھا گیا تھا ان میں دور دور تک انتظامیہ سے ٹکراؤ کی کوئی بات نہ تھی، مگر مقدرات کہ اسی مؤتمر کو اختلاف کی بنیاد بنالیا گیا، اور نزاع حد سے تجاوز کر گیا، درمیان میں مصالحت کی کئی کوششیں ہوئی، ایک کوشش تو بالکل تکمیل تک پہنچ گئی جس میں یہ طے ہو گیا تھا کہ مؤتمر کے صدر حضرت مہتمم صاحبؒ ہوں گے اور نائب صدر حضرت فدائے ملتؒ ہوں گے وغیرہ، مگر افسوس کہ اس فارمولہ کو بعض مفاد پرستوں نے قبول نہ کیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ پورے عالم میں جماعت دیوبند دو حصوں میں بٹ گئی، یہ دور حضرت فدائے ملتؒ کے لیے انتہائی کرب اور ذہنی کوفت کا دور تھا، کبھی کبھی یہ اندرونی درد گفتگو کے دوران آنسو چھلکنے کی شکل میں ظاہر ہو جاتا، اور آپ صدق دل سے اس بات کے کوشاں تھے کہ کوئی شکل نزاع کے خاتمہ کی نکلے، لیکن بات اتنی آگے بڑھ چکی تھی اور فریقین میں بُعد اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ اتحاد کی امیدیں معدوم ہوتی نظر آتی تھیں۔

اسی دوران دو واقعات ایسے پیش آئے جنہوں نے موجودہ انتظامیہ کی پوزیشن کو عوام وخواص کی نظر میں کمزور کر دیا، اور جن نادان دوستوں نے انتظامیہ کو ان باتوں کا مشورہ دیا وہی در اصل انتظامیہ کے سب سے بڑے بدخواہ ثابت ہوئے۔

(۱) اول یہ کہ انتظامیہ کی طرف سے ۴ / اکتوبر ۱۹۸۱ء کو دہلی میں ایک اجتماع بلا کر منتخب مجلس شوریٰ کو کالعدم کر کے ''ایڈہاک کمیٹی'' نامزد کر دی گئی، ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ انتظامیہ کے دائرۂ اختیار سے باہر اور ضابطہ اور دستور کے بالکل خلاف تھا، چناں چہ اس پر ملک کے سنجیدہ علماء واکابر کی طرف سے مذمت کا اظہار کیا گیا، اور خود مجلس شوریٰ کے معزز ارکان کی طرف سے اس اجتماع سے قبل یہ بیان جاری ہوا کہ:

ارکانِ مجلس شوریٰ کا بیان

''جب سب سے پہلے ہم نے یہ بات سنی کہ دارالعلوم کے ہمدردوں کا کوئی نمائندہ اجتماع دہلی میں ۴ / اکتوبر کو مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بلایا جا رہا ہے تو پہلے تو ہمیں اس پر یقین

نہیں آیا کیوں کہ ایسے کسی اجتماع کا ذکر دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے کسی گذشتہ اجلاس میں نہیں آیا تھا اور دارالعلوم کے دستور وآئین کی رو سے (جس کے تحت دارالعلوم کا سارا نظام چلتا ہے) مجلس شوریٰ ہی وہ واحد ادارہ ہے جو دارالعلوم کے مسائل پر فیصلوں کا مجاز ہے۔ دارالعلوم ایک وقف ہے اور اس کے دستور کی رو سے اور قانونی حیثیت سے مجلس شوریٰ اس کی متولی اور چندہ دہندگان اس کے وکیل شرعی ہیں، اس کی تجویز اور فیصلے کے بغیر دارالعلوم کا کوئی عہدہ دارالعلوم کے بارے میں کچھ طے کرنے کے لیے کسی اجتماع کے بلانے کا مجاز نہیں ہے، بہرحال اس وجہ سے ابتداءاس اجتماع کی خبر پر یقین نہیں آیا۔

لیکن جب ہم نے اس کا چرچا بعض اخبارات میں دیکھا اور پھر اس کا دعوت نامہ بھی بعض حضرات کے پاس دیکھا گیا تو اسے یقین کرنا پڑا۔

ہم ارکانِ شوریٰ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس بیان کے ذریعہ اس اجتماع کے داعیوں دارالعلوم کے مخلصوں اور تمام مسلمانوں کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اجتماع اگر دارالعلوم کے بارے میں کچھ طے کرنے کے لیے بلایا گیا ہے (جیسا کہ اطلاعات ہیں) تو قطعاً غیر آئینی ہے، اس کا انعقاد کسی لحاظ سے بھی درست اور جائز نہیں ہے۔

دارالعلوم کا دستور اور اس کی روایات کی رو سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا حق صرف مجلس شوریٰ کو ہے، اس کے علاوہ کسی اجتماع کا دارالعلوم کے نظام کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنا ایسا ہی ہوگا، جیسا کہ ملک یا کسی ریاست کے نظام حکومت کے بارے میں پارلیمنٹ یا اسمبلیوں کے بجائے کوئی کانفرنس یا کوئی اجتماع فیصلہ کرنے لگے، ہاں ہم کو اس کا قوی اندیشہ ہے کہ اس اجتماع کے نتیجہ میں دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم میں فتنوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے اگر ایسا ہوا تو اس کی ساری ذمہ داری اس اجتماع کے داعیوں اور ذمہ داروں پر ہوگی۔ اجتماع کے دعوت نامہ میں مجلس شوریٰ اور اس کے ارکان پر "روایات اور دستور دارالعلوم" کی مخالفت کے جو الزام لگائے گئے ہیں اس موقع پر ان کے بارے میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں، مجلس شوریٰ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور نہ انشاء اللہ ہوگی، وہ کوئی ایک فرد نہیں ہے دو چار آدمیوں کا کوئی گروپ نہیں ہے؛ بلکہ ۲۱/ارکان کی مجلس ہے، جس کی تشکیل آئین کے مطابق کی گئی ہے، اور اس میں ایسے حضرات بھی ہیں جن کی دیانت اور ثقاہت کے بارے میں دشمن بھی شبہ نہیں کر سکتے، اور وہ اس بارے میں سخت محتاط ہیں کہ وہ خود یا ان کا کوئی عزیز قریب یا دوست بھی دارالعلوم سے ایک پیسہ کی بھی مالی منفعت حاصل کرے، اللہ تعالیٰ سب کو محاسبہ آخرت کی فکر نصیب فرمائے۔ آمین"۔

دستخط اراکین شوریٰ:

(مولانا) محمد منظور نعمانی (الفرقان لکھنؤ) (مولانا) حبیب الرحمٰن اعظمی (مئو) (مولانا) ابوالحسن علی ندوی (ندوۃ العلماء ٹیلکس سعودی عرب) (مولانا) قاضی زین العابدین (میرٹھ) (نواب) عبدالرحمٰن خاں شیروانی (علی گڑھ) (مولانا) محمد سعید بزرگ (ڈابھیل) (مولانا قاری) صدیق احمد (باندہ) (مولانا) عبدالقادر (مالیگاؤں) (حاجی) علاؤالدین (حاجی) محمد (بمبئی) مولانا عبدالحلیم جون پوری (بمبئی) (مولانا) معراج الحق (صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) (مولانا) مرغوب الرحمٰن (بجنور) مددگار مہتمم دارالعلوم دیو بند۔

(روزنامہ ''الجمعیۃ'' دارالعلوم دیوبند نمبر صفحہ ۴۲، ۲۲ر نومبر ۱۹۸۱ء)

یہ وہ اساطین امت تھے جنہوں نے اس غیر آئینی اجتماع کے انعقاد پر نکیر کی اور جب یہ اجتماع منعقد ہوگیا اور اس میں مقررہ مجلس شوریٰ کو کالعدم کرکے اس کی جگہ ایک ''ایڈ ہاک کمیٹی'' بنائی گئی تو اصولی طور پر اس کی سخت مخالفت کی اور دارالعلوم کے تحفظ کے لیے کمر بستہ ہوگئے، چناں چہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ جن کو ''ایڈ ہاک کمیٹی'' کا رکن نامزد کیا گیا تھا وہ اس وقت سفر میں تھے، جب سفر سے واپس تشریف لائے تو موصوف نے یہ کھلا خط انتظامیہ کے نام تحریر کیا:

بعد القاب وسلام مسنون

جناب کو معلوم ہوگا کہ میں ڈیڑھ مہینہ سے حجاز مقدس میں تھا، کل ۱۷ر ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر لکھنؤ پہنچا ہوں، ۱۴ر اکتوبر کو دہلی میں جناب کی طرف سے بلائے جانے والے اجتماع کے بارے میں کچھ تو سفر میں معلوم ہوگیا تھا، لیکن یہاں پہنچ کر تفصیلات معلوم ہوئیں، ڈاک سے جناب کا عنایت نامہ بھی ملا جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ مجھے بھی دارالعلوم سے متعلق بنائی جانے والی ایڈ ہاک کمیٹی کا رکن منتخب کیا گیا ہے اور مجھ سے اس کو منظور کرنے کی فرمائش کی گئی ہے، نیز ۲۲ر اکتوبر کو ہونے والے ایڈ ہاک کمیٹی کے جلسہ میں شرکت کی دعوت دی بھی دی گئی ہے۔

میرے دل میں جناب کی بڑی قدر ومنزلت ہے، اور اس کی بڑی وجہ آپ کے متعدد ذاتی اوصاف کے علاوہ نسبت گرامی ہے، جو بانی دارالعلومؒ سے آپ کو حاصل ہے، اور جس سے میرے خاندان کے دیرینہ تعلقات ہیں، اس کا ایک ادنیٰ ثبوت اور مظہر یہ ہے کہ ۱۹۷۵ء کے ندوۃ العلماء کے عظیم تعلیمی اجلاس کے عمومی صدر اگرچہ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر مصر تھے، میں نے یہ طے کرا دیا تھا کہ ایک اجلاس کی صدارت آپ فرمائیں گے، اس لیے کہ آپ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور سربراہ ہیں، لیکن آپ کے قیام انگلستان کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہوسکا، اس کے

باوجود اصولی حیثیت سے ''ایڈ ہاک کمیٹی'' کی رکنیت کے سلسلہ میں معذرت پر مجبور ہوں۔

میرا خیال ہے کہ دار العلوم کے نظم ونسق کے متعلق فیصلے کرنے، اس کے لیے نیا دستور بنانے یا قدیم دستور میں ترمیم و تنسیخ کا حق و اختیار صرف اس کی مجلس شوریٰ کو ہے، ہاں کوئی مخلص فرد یا ادارہ اس بارے میں مجلس شوریٰ کو مشورے دے سکتا ہے، اور مجلس کا فرض ہے کہ ہر نیک اور اصلاحی مشورہ کو قبول کرے۔

یہ حقیقت بھی جناب کے علم میں ہوگی کہ میرا اس حلقہ اور اس گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کو آپ کا مخالف گروہ سمجھا جاتا ہے اور مجھے اس کے بہت سے فیصلوں اور اقدامات سے اختلاف ہے۔

عنایت نامہ اور دعوت نامہ کے جواب میں تو اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں؛ البتہ ۴ر اکتوبر والے اجتماع اور اس کے فیصلوں کے سلسلہ میں ایک بڑے خطرے کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں جس کی طرف آپ کی نظر غالبًا بالکل نہیں گئی، اگر جناب کی نظر گئی ہوتی تو یقین ہے کہ یہ اجتماع والی کارروائی ہرگز نہ ہوتی۔

غور فرمایا جائے اگر اس طرح کے بلائے ہوئے اجتماعات کا یہ حق و اختیار تسلیم کرلیا جائے کہ وہ دار العلوم دیوبند جیسے عظیم وقدیم اداروں کا نظم چلانے کے لیے (جن کی باقاعدہ ایک مجلس منتظمہ مجلس شوریٰ ہے جس کے ارکان ملت اسلامیہ ہند کے اور خاص کر جماعت دیوبند کے وہ ممتاز افراد ہیں جن سے بالاتر سطح کے افراد اس دور میں تلاش بھی نہیں کیے جاسکتے، جس کے ایک فرد خود جناب بھی ہیں، اور جس کا ایک مکمل دستور وآئین بھی ہے، جس پر مدت مدید سے اس کا سارا نظام چل رہا ہے) ایڈ ہاک کمیٹی اور نیا دستور بنانے والی دستور ساز کمیٹی بنائیں تو ہمارے مدارس کا کیا حشر ہوگا، ہر جگہ ایسے غلط طالع آزما عناصر موجود ہیں، جو ان بنے بنائے مدارس پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے اس طرح کے بڑے سے بڑے اجتماعات بلا سکتے ہیں، اور ہر مدرسہ کے لیے ایک مصیبت کھڑی کر سکتے ہیں، اگر خدانخواستہ یہ راستہ کھل گیا تو ہمارے مدارس خاص کر ان مدارس کا جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہے اور جن کی بنادیں مستحکم ہیں بس خدا ہی حافظ۔

مجھے امید ہے کہ جناب میری اس مخلصانہ گذارش پر غور فرمائیں گے، اور اس دروازے کے کھولنے والے نہ بنیں گے جس کے کھلنے کے بعد اس کا بند کرنا ممکن نہ ہوگا۔ والسلام

نیازمند ابوالحسن علی ندوی

۱۸ر ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۷ر اکتوبر ۱۹۸۱ء لکھنؤ

(روزنامہ ''الجمعیۃ'' دار العلوم دیوبند نمبر صفحہ ۴۵-۴۶، ۲۲ر نومبر ۱۹۸۱ء)

اس نازک موڑ پر جب کہ مؤقر اہل اللہ اور اکابر کے بقول دار العلوم کی روایات پر خطرات کے بادل منڈلانے لگے تھے، حضرت فدائے ملتؒ، عالمی مؤتمر کے اراکین اور خود دار العلوم کے قابل قدر اساتذہ وطلبہ (جو بعض اندرونی شکایات کی وجہ سے پہلے سے بھی انتظامیہ سے نالاں تھے) بلاخوف لومۃ لائم میدان میں آئے اور شوریٰ کی حاکمیت کو موضوع بنا کر عوام وخواص کی ذہن سازی کی اور مجلس شوریٰ کی پشت کو اس قدر مضبوط کردیا کہ طالع آزماؤں کی تمام کوششیں سراب ثابت ہوئیں۔ آپ نے نومبر ۱۹۸۲ء میں جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ایوانِ غالب نئی دہلی میں ''تحفظ دار العلوم کنونشن'' کا انعقاد کیا جو توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔

(۲) انتظامیہ سے دوسری بڑی چوک یہ ہوئی کہ طلبہ کے ایک ہنگامہ کو بنیاد بنا کر ۲۱؍نومبر ۱۹۸۱ء کو دار العلوم کو بند کردیا گیا اور پی اے سی کے ذریعہ دار العلوم خالی کرالیا گیا، جس وقت مہمانانِ رسول کو دار العلوم سے نکالا جارہا تھا وہ منظر اہل دیوبند کے لیے بڑا المناک تھا، چناں چہ حیرت انگیز طریقہ پر ان کے دلوں میں ان طلبہ سے ہمدردی پیدا ہوئی اور ان کی پیش کش پر جامعہ طبیہ اور اس سے ملحقہ عمارات اور مؤتمر کے دفتر (مسلم فنڈ کے موجودہ آئی اسپتال) میں کیمپ دار العلوم قائم کردیا گیا، اور باقاعدہ تعلیم وتعلّم اور مطبخ کا نظام جاری ہوگیا، جو دار العلوم کی انتظامیہ کی توقعات کے بالکل برعکس تھا، اس وقت حضرت فدائے ملتؒ مدینہ منورہ میں تھے، وہیں آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، جو حضراتِ اساتذہ انتظامیہ سے شاکی تھے وہ بھی کیمپ میں تشریف لائے، جس کے پرجوش ناظم حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس ذمہ داری کو موصوف نے بحسن وخوبی انجام دیا۔

اسی دوران مجلس شوریٰ کے کئی اجلاس ہوئے، جن میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی خلافِ ضابطہ کارروائیوں پر سخت نوٹس لیا گیا اور ان کی جگہ پر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو عارضی مہتمم مقرر کردیا گیا۔ تقریباً پانچ مہینے تک کیمپ دار العلوم جاری رہا؛ تا آں کہ مارچ کی آخری تاریخوں میں بعض باہمت طلبہ دار العلوم کے احاطہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے، اور دار العلوم مجلس شوریٰ کی نگرانی میں دوبارہ کھل گیا، اور جلد ہی حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے انتظام میں تمام تعلیمی وانتظامی امور حسب سابق انجام پانے لگے، اور سابقہ انتظامیہ کے حضرات نے جامع مسجد دیوبند میں دار العلوم وقف کے نام سے نیا ادارہ قائم کرلیا۔

حضرت فدائے ملتؒ اس وقت دیوبند سے باہر تھے، آپ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے اس پر دلی اطمینان کا اظہار کیا اور نئی انتظامیہ کے ساتھ بھرپور تعاون کا راستہ اپنایا، اور ادارہ پر مجلس شوریٰ کی گرفت اتنی مضبوط کردی کہ اب کوئی ذمہ دار یہاں اپنی من مانی نہیں کرسکتا۔

اس وقت تک آپ کا دار العلوم دیو بند سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہ تھا، صرف آپ ایک پشت پناہ کی حیثیت رکھتے تھے؛ تا آں کہ ۱۴۰۳ھ میں آپ کو دار العلوم کی مجلس شوریٰ کا ممبر منتخب کیا گیا، اس کے بعد سے لے کر تا دم حیات آپ نے مجلس شوریٰ کے تقریباً ہر اجلاس میں شرکت فرمائی، اور اپنے گراں قدر مفید مشوروں سے دار العلوم کو فیض یاب کرتے رہے، آپ کی رکنیت کے دور میں دار العلوم کو ہر اعتبار سے استحکام اور فروغ حاصل ہوا، تعلیمی، تعمیری اور انتظامی ہر اعتبار سے دار العلوم نے ہمہ جہت ترقی کی، اور سابقہ اختلاف کی وجہ سے عوام میں جو ناگواری کی فضا قائم ہوگئی تھی، دار العلوم کی حیرت انگیز ترقی اور استحکام نے اس فضا کو ختم کر دیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ آپ کی تحریک پر دار العلوم میں کئی اہم شعبے قائم ہوئے جن میں ''شعبہ تحفظ ختم نبوت، شعبۂ محاضرات، شیخ الہند اکیڈمی، شعبہ ردعیسائیت'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تاہم حضرت فدائے ملتؒ کے دل میں یہ کسک تھی کہ سابقہ جو اختلافات ہوئے ہیں وہ کسی طرح ختم ہوں تو اچھا ہے، خدا کا کرنا کہ اس کی وجہ تقریب یہ بنی کہ وفات سے ایک سال پہلے ۲۰۰۵ء میں آپ سفر حج کے لیے تشریف لے گئے، اور حج کے بعد آپ کی طبیعت نہایت ناساز ہوگئی جس کی بنا پر مدینہ منورہ کے فہد اسپتال میں داخل ہونا پڑا، جب یہ خبر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی زید مجدہم صاحب زادۂ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو ملی تو مولانا موصوف نے مزاج پرسی کے لیے مدینہ منورہ فون کیا، اور بھائی اخلد صاحب (خواہر زادہ حضرت فدائے ملتؒ) کے توسط سے حضرت فدائے ملتؒ کی عیادت فرمائی، جب حضرت فدائے ملتؒ قدرے صحت یاب ہوکر مدینہ منورہ سے واپس ہندوستان تشریف لائے تو آپ نے آتے ہی یہ تاریخی مکتوب حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی زید مجدہم کے نام ارسال فرمایا:

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے

میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے خاکسار کی صحت وعافیت اور خیریت پوچھی، حج سے فراغت کے بعد طبیعت حد سے زیادہ ناساز ہونے کی وجہ سے ''کنگ فہد'' اسپتال کے آئی سی یو میں داخل ہوگیا، جہاں ڈاکٹروں کی خصوصی توجہ رہی، اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی دعاؤں سے طبیعت سنبھل گئی، تین دن ہسپتال میں رہ کر کل ۳۰ر جنوری ۲۰۰۵ء کو بخیر وعافیت مدینہ منورہ سے دہلی واپسی ہوئی، الحمد للہ رفتہ رفتہ روبہ صحت ہو رہا ہوں، خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز جماعت کی بنیاد ہیں ہم ان کی خاک کے برابر بھی نہیں، ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بدنصیبی تھے اور ہیں، اس لیے جو کہا، کیا اور ہوا، اس کو معاف کرنا چاہئے اور آخرت کے لیے نہیں رکھنا چاہئے، دعواتِ صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

اسعد مدنی، صدر جمعیۃ علماء ہند

۳۱/جنوری ۲۰۰۵ء

یہ مکتوب دیکھ کر حضرت مولانا محمد سالم صاحب کا وہ جذبۂ اتحاد جو عرصہ سے موصوف کے دل میں مچل رہا تھا، جوش میں آ گیا اور آپ نے جواب میں درج ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

محترم ومکرم جناب مولانا اسعد مدنی صاحب زیدت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواباً مکتوبِ گرامی نے ممنون بھی فرمایا اور مسرور بھی، جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے آپ نے اختلافات کو ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو متوقع بنا کر مسرت کو المضاعف فرما دیا ہے، جماعتی وقار اور مسلک روایات اکابر کی مجروحیت کا سد باب، اختلافات کو یکسر ختم کر دینے میں مضمر ہے، احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہنچ جانے پر ہماری مشترک خواہش و کوشش یہی ہے اور یہی ہونی چاہئے کہ ہم اپنے آ جانے والی نئی نسل علماء کو اختلافات کی یہ نا مبارک وراثت دے کر نہ جائیں؛ بلکہ حسب روایات اسلاف کرام ہم اتحاد واتفاق، فکری اور عملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذبات خدمت علم ودین دے کر بتوفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضہ سے سبک دوش ہو کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں۔

آپ کی صحت کے لیے دعاء گو ہوں اور دعا کا خواستگار ہوں۔ والسلام

محمد سالم قاسمی

اس محبت آمیز مکاتبت کی خبر جیسے ہی عام ہوئی، پورے عالم میں پھیلے ہوئے حلقۂ دیوبند میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور پچیس سال سے جو حضرات ذہنی بعد میں مبتلاء تھے ان میں قرب واتفاق کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ حضرت فدائے ملتؒ کی دیوبند تشریف آوری پر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مع اہل خانہ مدنی منزل تشریف لائے، اسی طرح حضرت فدائے ملتؒ دولت خانہ قاسمی تشریف لے گئے، اور یہ معاملہ صرف ذاتی تعلقات تک ہی محدود نہیں رہا؛ بلکہ اس اتحاد کے نتیجہ میں دار العلوم کی وہ خطیر رقم جو

اجلاس صد سالہ کے بعد بنکوں میں منجمد ہوگئی تھی وہ ریلیز کردی گئی اور فریقین میں قائم مقدمات ختم کرنے کی کارروائیاں بھی شروع ہوگئیں، نیز حضرت فدائے ملتؒ کی دعوت پر جمعیۃ علماء ہند کے اٹھائیسویں اجلاس عام منعقدہ ''رام لیلا گراؤنڈ'' دہلی میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نے شرکت اور خطاب فرمایا۔ اسی طرح ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے آٹھویں فقہی اجتماع منعقدہ بنگلور میں بھی حضرت مولانا محمد سالم صاحب بنفس نفیس شریک ہوئے اور مقالہ پیش فرمایا۔
الغرض شیخین میں مؤانست ومحبت کا سلسلہ روزافزوں ہوتا رہا، اور اس سلسلہ کی ایک آخری یادگار ملاقات حضرت فدائے ملتؒ کے مرض الوفات سے ایک مہینہ دس دن پہلے دیوبند میں ہوئی، جب حضرت مولانا محمد سالم صاحب نے اپنے دولت خانہ پر اراکین شوریٰ، اہم اساتذۂ دارالعلوم اور خانوادۂ مدنی کے افراد کو حضرت فدائے ملتؒ کے ساتھ کھانے پر مدعو کیا، یہ راقم الحروف بھی اس مبارک تقریب میں حاضر تھا، اس وقت جو لطف ومحبت کا منظر دیکھنے میں آیا وہ انتہائی امید افزا تھا، جس میں ہر دن مزید اضافہ کی ضرورت تھی، اور فریقین کا مفاد اسی اتحاد واتفاق کی بقاء میں تھا۔

لیکن نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعد میں جب دیوبند میں حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر سیمنار کا انعقاد ہوا تو بعض طالع آزما لوگوں کی مداخلت سے وہ پرانی باتیں جو زیادہ تر طعن وتشنیع اور بدگمانیوں پر مشتمل تھیں اور حقیقت کے بالکل خلاف تھیں، ان کو یکجا کر کے نہ صرف شائع کیا گیا؛ بلکہ سیمنار میں باقاعدہ ان کا اجراء ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی حرکت حد درجہ قابل مذمت تھی، جس نے اس اتحاد کی فضا کو سخت نقصان پہنچا جو شیخین کی وسعت ظرفی سے اس درجہ پروان چڑھنے لگی تھی کہ ''حکیم الاسلام سیمنار'' کے مدعووین کی ایک وقت کی ضیافت دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں کی گئی اور پورا مہمان خانہ تین دن کے لیے منتظمین سیمنار کے حوالہ کردیا گیا۔

بہر حال ابھی بھی وقت ہے کہ آپس کے بے فائدہ اختلافات ختم کر کے اس جذبہ کو فروغ دینا چاہئے جس کو سامنے رکھ کر فریقین نے مکاتبت کی تھی، اور طالع آزما اور مفاد پرست لوگوں سے اپنے کو بچانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم کی ہر طرح حفاظت فرمائے اور خدام دین کے قلوب میں ایک دوسرے کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

○○

□ مفتی محمد شمیم اختر قاسمی
ریسرچ اسکالر شعبۂ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

امیرالہند مولانا سیّد اسعد مدنیؒ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

دارالعلوم دیوبند نے ایسی کئی اہم اور نابغۂ روزگار ہستیاں پیدا کی ہیں جن کی خدمات جلیلہ سے تاریخ ہند کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ انھیں میں ایک اہم اور مقبول شخصیت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی بھی ہے۔ آپ نے نہ صرف دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر رونق افروز ہوکر تشنگان علوم نبوت کو سیراب کیا، بلکہ رشد وہدایت کا بھی چراغ روشن کر کے لاکھوں مسلمانوں کے قلب ودماغ کو معمور ومنوّر فرماکر اوران کا رشتہ خالق کائنات سے مضبوط ومستحکم کیا۔ اسی کے ساتھ ہندوستانی علماء کے متحدہ پلیٹ فارم جمعیۃ علماء ہند کی مسند صدارت پر بیٹھ کر مسلمانوں کی ایسی قیادت ورہنمائی کی جس کی نظیر نہیں ملتی، اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کے وقار کو بڑی تقویت ملی۔ اہم بات یہ کہ ہندوستان سے لاقانونی اور غیر منصفانہ نظام کی بیخ کنی میں بھی صف اوّل میں رہے، اوراس طرح ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔

ہندوستان کوآزاد ہوئے بہت عرصہ بھی نہ گزرا تھا اور بالخصوص مسلمان آرام کی سانس بھی نہ لینے پائے تھے کہ برادرانِ وطن کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ تعصب وتنگ نظری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جگہ جگہ فرقہ وارانہ فساد کی وبا پھوٹنے لگی، ان کے مساجد ومعابد پر حملے کیے جانے لگے، ان کی مذہبی تعلیم پر پابندی لگائی گئی۔ اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے اُفق سے مجاہد ملت مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی نمودار ہوئے اور فتنہ پرور جماعتوں اور فرقہ پرست طاقتوں کا تعاقب کیا جس سے مسلمانوں کے اندر امید واطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ مگر ان کے انتقال کے بعد قومی قیادت کا میدان خالی ہوگیا اور حالات بھی دگرگوں ہونے لگے، ایسے وقت میں مسلمانوں کی نظر انتخاب مولانا حسین احمد مدنی کے فرزند سعید صالح نوجوان مولانا سیّد اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ پر بڑی اور بلا کسی تذبذب اور تردد کے ان کو اپنا امیر اور جمعیۃ علماء ہند کا صدر بنادیا گیا۔ اس منصب جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد آپ نے جو کارہائے نمایا انجام دیے وہ محتاج بیان نہیں۔ مختصر یہ کہ اپنے نامور باپ کی

ہر گوشہ میں جانشینی کر کے بڑی حد تک اس کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین بھی انھیں الفاظ میں بیان کیا تھا کہ:

''میرے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام نے ہمیں ایمان ویقین اور تحصیل و اشاعت دین کے ساتھ وطن عزیز سے تعلّق، آزادی سے محبت اور انسانوں کی خدمت کی جو راہ دکھائی تھی میری کوشش یہی ہے کہ جب تک زندہ رہوں ان عنوانات پر زندگی کی داستان ترتیب دیتا رہوں۔''

ان کے زمانہ صدارت میں جب بھی ملک میں کوئی ناگہانی واقعہ رونما ہوا مسلمانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کی گئی یا ان کی عزت وآبرو پر ڈاکہ ڈالا گیا یا ان کے مساجد ومعابد پر حملے کیے گئے یا پھر ان کی تعلیم گاہوں پر پابندی لگائی گئی تو مولانا بے چین ومضطرب ہوجاتے، اور جب تک اس کا انسداد نہ کر لیتے چین سے نہ رہتے۔ ان محاسن اور قربانیوں نے انھیں جلد ہی عوام وخواص میں اتنا محبوب بنا دیا کہ وہ قوم وملت کے ہو گئے اور قوم ملت ان کے لیے ہوگئی۔ بقول شخصے: مولانا کی قیادت ملت کی اُمنگوں کا ترجمان تھی تو ملّت بھی ان کی محبت وعقیدت کے سرور میں ڈوبی ہوئی تھی۔

یوں تو مولانا اسعد مدنیؒ نے مسلمانانِ ہند کی فلاح وبہبود اور ان کی تعمیر وترقی کے بہت سے امور انجام دیے ہیں۔ مگر ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور بہتری پر خاصا زور دیا ہے۔ نہ صرف دینی تعلیم پر توجہ مبذول فرمائی بلکہ عصری علوم میں بھی مہارت حاصل کرنے کی بھی کوشش کی۔ اور اسے دین ودنیا دونوں ہی کے لیے ترقی کا زینہ قرار دیا۔ جو لوگ اپنی غریبی اور مفلوک الحالی کی وجہ سے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے سے معذور ومجبور تھے ان کے لیے بھی مواقع فراہم کیے۔ اسی کے ساتھ ذمہ دارانِ ادارہ سے اپیل کہ وہ اپنے اداروں میں تعلیمی نظام کو بہتر سے بہتر بنائیں، اور ان کے لیے مفید لائحۂ عمل تجویز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کی ماتحتی اور سرپرستی میں چلنے والے دینی وعصری تعلیم گاہوں پر فرقہ پرست طاقتوں نے انگشت نمائی کی یا ان کے حقوق سلب کرنے کی کوشش کی تو اس کے تحفظ وبقا کے لیے مولانا میدان میں نکل آتے اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے اس کا دنداں شکن جواب دیتے، جس سے فسطائی طاقتوں کے ارادے پست ہوجاتے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آزادی کے بعد سے ہی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی الزام واتہام اور فتنوں کی زد رہی جس میں کسی نہ کسی طرح حکومت وقت کا عمل دخل ضرور رہا ہے۔ کبھی اس کے اقلیتی کردار پر حملہ کیا گیا تو کبھی اسے دہشت گردی کا مسکن بتایا گیا، تو کبھی اس کے تعلیمی معیار کو ناقص ٹھہرا کر اس کی ڈگری کو مشکوک قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ کے اجلاس میں متعدد بار

یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ یونیورسٹی سے مسلم کا لیبل ہٹا دیا جائے کیونکہ اس سے اقلیتی فرقے کی نمائندگی ہوتی ہے۔

اس کے برعکس بنارس ہندو یونیورسٹی بھی ہے جس کے متعلق اس قسم کی نہ کوشش کی گئی نہ اس کے خلاف کبھی آواز تھی۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ۱۹۱۶ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کے لیے ایکٹ کا جو ڈھانچہ تیار گیا تھا، ہندو مسلم فرق کی رعایت سے وہی ڈھانچہ تھا جو بعد میں مسلم یونیورسٹی کے لیے بنایا گیا۔ چنانچہ اسی ایکٹ میں اس امر کی صراحت تھی کہ علی گڑھ محمڈن کالج ہی یونیورسٹی میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ تعلیم اور انتظام کے اعتبار سے جو اغراض و مقاصد کالج کے تھے وہی اغراض و مقاصد اب یونیورسٹی کے ہوں گے۔ چنانچہ یہاں جدید اور مغربی علوم وفنون کے ساتھ اسلامی علوم وفنون کا بھی خاص اہتمام ہوگا۔ انتظامی اعتبار سے یہ بات بہت اہم ہے کہ اسی ایکٹ میں اس بات کی بھی صراحت تھی کہ کورٹ یونیورسٹی کی سب سے بڑی اور موثر مجلس حاکمہ ہوگی اور اس کا ممبر کوئی غیر مسلم نہ ہوگا۔ وائس چانسلر براہِ راست کورٹ کے سامنے جواب دِہ ہوگا۔ اسی ایکٹ پر کافی عرصہ سے عمل ہوتا رہا اور اس پر کسی کو اشکال بھی نہ ہوا۔ جب ہندوستان جمہوریہ ہوا تو اس وقت مسلم یونیورسٹی ایکٹ میں ترمیم کی گئی اور یونیورسٹی میں غیر مسلموں کے داخلے کے لیے دروازے کھول دیے گئے۔ پھر ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۲ء میں یونیورسٹی ایکٹ میں تبدیلیاں کی گئیں اس کے خلاف ۱۹۶۸ء میں عزیز پاشا اور کچھ دیگر نے سپریم کورٹ میں اپیل کی تو فاضل عدالتِ عظمیٰ نے علی گڑھ یونیورسٹی کو اقلیتی ادارہ ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ جس کے خلاف ملک گیر تحریک چلی، مسز اندرا گاندھی کو مسئلے کو اہمیت اور نزاکت اور اقلیتی کردار ختم کر دینے کی غلطی کا احساس ہوا تو دوبارہ برسر اقتدار آنے کے بعد انھوں نے ایکٹ میں ترمیم کر کے یونیورسٹی کے اقلیتی اور تاریخی کردار کو بحال کر دیا۔ اس وقت سے لے کر ۲۰۰۵ء تک یونیورسٹی اپنے آب وتاب کے ساتھ چلتی رہی۔ اسی سال موجودہ حکومت نے مسلمانوں کے لیے پچاس فیصدی ریزرویشن کا ڈھونگ رچ کر اس کے اقلیتی کردار پر سوالیہ نشان لگا دیا۔ اس طرح ایک بار پھر الٰہ آباد ہائی کورٹ نے اسے اقلیتی ادارہ ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ اب معاملہ سپریم کورٹ میں جا کر اٹکا ہوا ہے، مسلمان اس وقت کشمکش سے دوچار ہیں، حکومت وقت بھی تماشائی بنی عدالت کے فیصلے کا انتظار کر رہی ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ کورٹ پر دباؤ ڈالتی کہ وہ جلد یونیورسٹی کے معاملہ کو رفع دفع کرے تا کہ بے چینی دُور ہو۔

یونیورسٹی کی اقلیتی اور تاریخی کردار کی بازیافت کے لیے شروع سے جمعیۃ علماء نے اہم رول

ادا کیا ہے اور جب بھی یونیورسٹی پر کوئی بُرا وقت آیا تو اس کے خلاف آواز بلند کرنے اور اس کے حقوق دلوا دینے میں یہ جماعت پیچھے نہیں رہی ہے۔ بالخصوص فدائے ملت مولانا اسعد مدنی صاحب نے جو خدمات انجام دی ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں ہے اور جسے یونیورسٹی حلقے نے بھی سراہا ہے۔ مولانا کے اس خیر خواہانہ اور ہمدردانہ اقدام سے بالخصوص اس خیال اور نظریے کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ علماء مسلمانوں کو عصری علوم کے حصول سے مانع ہوتے ہیں اور اسے شجر ممنوعہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں جمعیۃ کی جد وجہد کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبدالحمید نعمانی لکھتے ہیں: ''اگست ۱۹۷۲ء میں مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ کے ذریعہ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار پر حملہ ہوا تو جمعیۃ علماء ہند نے مارچ ۱۹۷۳ء اور اگست ۱۹۷۳ء میں ایکٹ کے خلاف آواز اٹھائی اور دہلی میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کنونشن کا انعقاد بھی کیا۔

آپ کو نہ صرف مسلمانوں کی متحدہ جماعت کی صدارت کا اعزاز حاصل تھا، بلکہ آپ حکومت کے ایوانوں میں بھی مسلمانوں کی نمائندگی کا حق رکھتے تھے۔ تین ٹرم تقریباً اٹھارہ سال تک مولانا راجیہ سبھا کے ممبر رہے۔ اس لیے مسلمانوں کے مسائل کو حکومت تک پہنچانے کا اور اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کا آپ کو خوب موقع ملا۔ ایسا کم ہی ہوا کہ مولانا نے جس اہم اور نازک مسئلے پر بحث کی اس پر توجہ نہ دی گئی ہو۔ یہ مولانا کا ایک بڑا وصف تھا کہ ''جو چیز ایک دفعہ ان کی فکر کا حصّہ ہو جاتی مولانا اس کے لیے سرگرم ہو جاتے اور اس راہ کی تمام تر مشکلات کو اقدامی سطح پر بہر صورت عبور کرتے اور بالآخر کامیاب بھی ہوتے۔''

اس پس منظر میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یونیورسٹی کے متعدد مسائل کو مولانا پارلیمنٹ کے جلسے اور بڑے سے بڑے مجمعے میں بڑی دُور اندیشی کے ساتھ پیش کرتے اور اس کے مثبت و منفی پہلوؤں سے بھی اعلیٰ حکام کو خبر دار کرتے۔ ایسا کئی بار ہوا کہ مسلم یونیورسٹی کو بعض حقوق اور مراعات سے محروم رکھنے کے لیے اجلاس میں شریک بیشتر ممبران مصر رہتے اور مولانا اپنی بات اور مانگ پر اٹل جس کے لیے وہ متعدد حربے استعمال کرتے اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو لے کر پارلیمنٹ میں ہنگامہ آرائی ہوئی۔ اسی دوران ایک کانگریسی لیڈر نے کہا کہ مسلم یونیورسٹی سے لفظ مسلم نکال دیا جائے، اس پر مولانا برہم ہو گئے اور سخت لب ولہجہ میں کہا کہ تم بنارس ہندو یونیورسٹی سے لفظ ہندو نکال دو، میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لفظ مسلم کھرچ دوں گا اور کانگریس کو سیکولر کا لیبل بھی اپنی پارٹی سے ہٹانا ہوگا۔ مولانا کے اس جواب پر سارے لوگ خاموش ہو گئے جبکہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آپ

اس پارٹی کے معاون تھے۔

فدائے ملت ایک فعال اور متحرک آدمی تھی، ان کے عزائم میں پختگی تھی۔قوم وملت کا ان کے دل میں بڑا درد تھا، وہ ہر ممکن کوشش کرتے کہ مسلمان فلاح وترقی کی بلندی کو چھولیں اور ان کا جس بڑی تنظیم یا جماعت سے آخر عمر تک تعلّق رہا اس کا بھی بنیادی مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کے لیے فلاح و بہبود کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ جہاں کہیں کوئی ان کے حقوق سلب کرنے یا ان کی آزادی پر پابندی لگانے کی کوشش کرے اس کے خلاف آواز بلند کی جائے۔مولانا کی قیادت کے پورے عرصہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ چیز صاف نظر آتی ہے کہ جب بھی ایسا کوئی نازک وقت مسلمانوں پر آیا تو انھوں نے انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے اس کے انسداد کی کوشش کی اور ضرورت پڑی تو پورے ملک کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنے سے بھی نہیں چوکے۔ دہلی کے متعدد مشہور مقامات پر مسلمانوں کو جمع کر کے حکومت کو مسلمانوں کی طاقت اور ان کے عزائم سے باخبر کیا۔ باوجود اس کے ایسا بھی ہوا ہے کہ مولانا جس مقصد کے تحت تحریک چلا رہے ہیں کسی نہ کسی مقام پر لوگ آپ سے جدا ہوجاتے ،جس سے مولانا کی بڑی تکلیف ہوتی کیونکہ اجتماعیت میں طاقت کے ساتھ فلاح و کامیابی بھی ہے۔ پھر بھی مولانا کی تحریک سرد نہیں ہوتی وہ تن تنہا منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں رہتے۔ایسا ہی کچھ معاملہ مولانا کے ساتھ اس وقت بھی ہوا کہ مولانا یونیورسٹی کے اقلیتی حقوق کی بحالی کی جنگ لڑ رہے ہیں مگر علی گڑھ والوں کا انھیں تعاون نہیں مل رہا ہے۔مندرجہ ذیل اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا یونیورسٹی کی تعمیر وترقی اور اس کے اقلیتی کردار کی بحالی کے کتنے خواہاں تھے اور ان کی معلومات اس سلسلے میں کتنی گہری تھی ۔ چنانچہ مشہور عالم دین اور عربی کی پروفیسر بدرالدین الحافظ لکھتے ہیں کہ:

> ”۱۹۷۳ء میں جب علی گڑھ میں ایم اے کرنے کے سلسلے میں مقیم تھا تو گرمیوں کی تعطیلات میں دیوبند مولانا وحیدالزماں کیرانوی کے ساتھ چندروز قیام رہا۔اس دوران کئی بار دارالشفا میں حضرت سے نیاز حاصل ہوا۔ ابتدائی ملاقات میں جب انھیں معلوم ہوا کہ آج کل میں علی گڑھ میں زیرِ تعلیم ہوں تو آپ نے مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے مسئلہ پر تفصیلی گفتگو شروع کردی اور پورے معاملہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس سلسلہ میں جمعیۃ کی جدوجہد کا ذکر کیا۔مگر ساتھ ہی اس پر کبیدہ خاطر نظر آئے کہ علی گڑھ والوں نے ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ یہ شاید پہلا ہی موقع تھا کہ میں مولانا مرحوم کی زبان سے علی گڑھ کے بارے میں اتنی تفصیل سنی۔ مجھے حیرت

تھی کہ یہ دارالعلوم کے خالص عالم ہیں اور انھیں اوّل تو مسلم یونیورسٹی سے اتنی دلچسپی کیوں اور پھر اقلیتی کردار سے متعلّق اتنی گہری معلومات بھی رکھتے ہیں۔''

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو کالعدم کرنے کی کئی بار کوشش کی گئی۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی انتظامیہ، اساتذہ اور طلباء نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابلِ ستائش ہے۔اسی طرح متعدد بار حکومت کی طرف سے یونیورسٹی کے بعض اہم امور پر پابندی کی بھی بات سامنے آئی ہے۔جس سے طلباءاور اساتذہ کے اندر ہیجان کی کیفیت پیدا ہوجاتی۔جس کے دفاع کے لیے تحریک چلائی جاتی تو بالخصوص طلباء برادری مولانا مرحوم سے رجوع کرتے اس وقت مولانا ان کی صحیح سمت میں رہنمائی فرماتے۔جیسا کہ مولانا کے ایک نیازمند جو یونیورسٹی کے بھی طالب علم تھے لکھتے ہیں:

''علی گڑھ یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے خلاف جو ۱۹۶۵ء کابل آیا تو یونیورسٹی اور ملک میں ہیجان برپا ہوگیا۔ ۱۹۶۵ء میں دو جنگ یادرکھنے کی ہیں۔ ایک انڈو پاک جنگ اور ایک علی یاور جنگ (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی) اس پر ہنگامہ جاری رہا۔ میں ۱۹۷۱ء میں داخل ہوا جہاں دس سال رہا۔ یونین حال کی طرف سے اقلیتی کردار کی جنگ میں ہر جگہ شریک رہا۔اس دور میں جب بھی ہمارا کوئی وفد دلی جاتا تو مسجد عبدالنبی جاکر مولانا کا سہارا ضرور لیتا۔ مولانا اس تحریک میں شانہ بشانہ شریک رہےاور ہمیشہ دلجوئی فرمائی۔''

یوں تو فدائے ملّت مولانا سیّد اسعد مدنی کے تعلّقات یونیورسٹی سے ورثے میں ملی ہے،مگر اس میں استحکام اس وقت ہوا جب شیخ الاسلام سے ملنے یونیورسٹی کے طلباء کا ایک وفد دیوبند پہنچا۔ اتفاق سے مولانا حسین احمد مدنیؒ اس وقت دیوبند سے کسی سفر پر تھے۔ یہ وفد وہاں پہنچا تو مولانا اسعد مدنی نے اس کی ضیافت فرمائی اور اسی دوران انھیں یونیورسٹی سے متعلّق تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں۔ پھر تو مولانا کی زندگی میں یونیورسٹی رچ بس گئی اور بیشتر مجالس میں اس کا ذکر خیر کرتے رہے۔ چنانچہ اس ابتدائی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر ریاض الرحمٰن شیروانی لکھتے ہیں:

''ایک موقع ایسا آیا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نیشنلسٹ طلباء نے محسوس کیا کہ دوسری درسگاہوں کے ہم خیال طلباء سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہے اور اس مقصد سے ان کی نظر انتخاب فطری طور پر سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی طرف اُٹھی۔

چنانچہ مارچ ۱۹۴۷ء میں مسلم یونیورسٹی کے نیشنلسٹ مسلم طلباء کا ایک سہ رکنی وفد دیوبند گیا۔اس وفد کے اراکین ضیاءالحسن فاروقی (بعدہٗ پروفیسر شعبۂ اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی) سعید اختر (بعدہٗ مالک و مدیر سہ روز مدینہ بجنور)اور خاکسار راقم تھے۔ چونکہ ضیاء صاحب کی حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے قرابت ہوتی تھی۔اس لیے ہم تینوں دیوبند پہنچ کر سیدھے مولانا مدنی کے دولت کدے پر چلے گئے۔حضرت مولانا اس وقت دیوبند میں تشریف نہیں رکھتے تھے،اس مہمان داری کے فرائض ان کے فرزند سعید سیّد اسعد مدنی صاحب نے جو ابھی طالب علم ہی تھے انجام دیے۔ ہمارا قیام غالبًا وہاں دو تین دن رہا اور اس مختصر مدت میں خاک سارا راقم کی ان سے اچھی دوستی ہوگئی۔ مارچ کا خوش گوار موسم تھا، چاندنی راتیں تھیں،ہم نے دیوبند کی ریلوے لائن کے قریب ٹہل ٹہل کر اپنی دوستی کو مستحکم کیا۔''

اس ابتدائی تعلّقات نے اتنی وسعت اور ہمہ گیری اختیار کی کہ بتدریج مولانا کا حلقہ علی گڑھ میں بڑھتا گیا،اور مولانا کی آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا، جب بھی یہاں تشریف لائے پروفیسر شیروانی کے مہمان بنے۔اس دوران مولانا سے یہاں کے طلباء اور اساتذہ علمی وروحانی فیض حاصل کیا۔ان کے رفیق یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعد جمعیۃ علماء کی قیادت سنبھالنے کے بعد مولانا اسعد صاحب نے قدیم تعلقات کا لحاظ رکھا، کئی اہم موقعوں پر یاد فرمایا اور بعض اہم مشورے کیے۔دہلی اور علی گڑھ میں ہم دونوں کو ایک دوسرے کی مہمان نوازی اور ضیافت کی سرف بھی حاصل ہوتی رہی۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے انتقال کے بعد جمعیۃ کی نظامت کا مسئلہ درپیش ہوا تو کچھ لوگوں نے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کو صدر بنانے پر زور دیا، جب کچھ لوگوں کی رائے مولانا اسعد مدنی صاحب سے متعلق تھی۔اس کشمکش سے نکالنے اور مولانا مدنی کو ناظم بنانے میں جس شخص نے اہم رول ادا کیا اس کا تعلق مسلم یونیورسٹی سے تھا۔انھوں نے ایسی فضا بنادی کہ سارے لوگ مولانا کی نظامت کو تسلیم کرلیا۔جیسا کہ پروفیسر حبیب الرحمٰن شیروانی صاحب لکھتے ہیں:

''۱۹۶۳ء میں مولانا حفظ الرحمٰن کی وفات کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی قیادت کی کرسی خالی ہوگئی۔اس کے دو دعوے دار تھے۔مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا سیّد اسعد مدنی۔اس دوران مولانا اسعد مدنی جمعیۃ علماء سے عملی طور پر وابستہ رہے تھے اور ان کی سیاسی جدوجہد کا میدان اُتر پردیش سے رہا۔ راقم الحروف کا کبھی کسی سیاسی یا نیم سیاسی جماعت سے عملی تعلّق نہیں رہا ہے،اس کی وابستگی ہمیشہ بس اصول

ونظریات سے رہی ہے۔لیکن جب جمعیۃ علماء میں مولانا حفظ الرحمٰن کے بعد قیادت کی کشمکش شروع ہوئی تو اس کی ہمدردیاں اپنے قدیم دوست مولانا سیّد اسعد مدنی کے ساتھ تھیں، کچھ تو ذاتی تعلّقات کی بنا پر، کچھ اس واسطے کہ اس کی نظر میں ہندوستان کی جہد آزادی میں دیوبند کے مدنی خاندان کا حصّہ دوسرے سب خاندانوں سے زیادہ رہا تھا، اور کچھ اس خاطر کہ اس کی خواہش تھی کہ اب ملک وملت کی قیادت پرانی نسل کی جگہ نئ (یعنی ہماری) نسل کے ہاتھ میں آنی چاہیے۔اس معاملے میں کسی قدر اپنے دوست مولانا اسعد مدنی کی خدمت بھی انجام دی۔ اُردو کے ایک معروف وممتاز اخبار کے مدیر شہیر، جو راقم الحروف کے عزیز دوست تھے، اس مسئلے میں گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھے، یعنی ابھی یہ طے نہیں کر سکے تھے کہ وہ اس کشمکش میں مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا ساتھ دیں یا مولانا اسعد مدنی صاحب نے راقم الحروف سے خواہش کی وہ کوشش کرے کہ اس اخبار کا وزن ان کے پلڑے میں آجائے ،کوشش کی گئی اور کامیاب ہوئی۔''

مولانا کا حلقہ ارادت وسیع تھا، جہاں آپ پہنچتے لوگ آپ سے ملاقات کے لیے بے تاب ہو جاتے۔علی گڑھ میں بھی آپ کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد ہے۔فضلاء دارالعلوم جو یہاں طالب علم ہیں یا تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کی محفلوں اور مجلسوں میں ہمیشہ مولانا کا ذکر خیر ہوتا رہتا ہے۔ اسی عقیدت اور یونیورسٹی سے ہمدردی کے تیئں یونیورسٹی انتظامیہ نے آپ کو یہاں کی بااختیار مجلس کورٹ کا ممبر بنایا۔آپ یونیورسٹی کورٹ کی ہر مجلس میں شریک ہوئے اور اپنے مفید مشوروں اور آراسے یونیورسٹی انتظامیہ کو نوازتے اور ساتھ ہی اس بات پر بھی زور دیتے کہ یہاں کا نظام بہتر سے بہتر بنایا جائے تا کہ طلباء کے لیے ترقی کے امکانات روشن ہوں۔

جمعیۃ علماء ہند کا ترجمان اخبار الجمعیۃ دیکھئے اس میں مولانا کی دیگر سرگرمیوں کے ساتھ یونیورسٹی کے حوالے سے آئے دن خبر شائع ہوتی۔جب کبھی کوئی یونیورسٹی کے وقار کو مجروح کرنے کی بات سامنے آئی تو فوراً مولانا کا بیان اس کے خلاف شامل ہوتا۔جس میں آپ کبھی سخت لب و لہجہ اختیار کرتے تو کبھی نرم۔

وائس چانسلر محمود الرحمٰن کے ابتدائی زمانے میں طلباء کی یونیورسٹی انتظامیہ سے بڑی کشمکش رہی، اس معاملے نے نازک رُخ اختیار کرلیا۔طلباء مظاہرہ کے لیے سڑکوں پر نکل آئے۔وائس چانسلر کو کنٹرول کرنے کے لیے پولیس کی مدد لینی پڑی۔اس احتجاج میں ایک طالب علم پولیس کی

گولی سے شہید ہوگیا۔اس پر طلباء برادری میں ہلچل پیدا ہوگئی،اس سے پہلے کہ یونیورسٹی اور طلباء کا مزید کوئی نقصان ہو یونیورسٹی کو بند کردیا گیا۔اس سلسلے میں جمعیۃ کے ایک وفد کے یہاں آنے کی خبر ملتی ہے جس نے طلباء سے ان کے قیام گاہ پر پہنچ کر صورتِ حال کا اندازہ لگایا۔انھیں صبر وتحمل کرنے کو کہا اسی کے ساتھ یونیورسٹی انتظامیہ سے بھی ملاقات کی گئی اور اس کے غیر جانب دارانہ اقدام کی مخالفت کی ، اس کے ساتھ ہی حکومت سے مطالبہ کیا بلکہ زور دیا گیا کہ پولیس اہلکار کے ساتھ فوری اقدام کرکے اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے۔

غالباً ۲۰۰۱ء کی بات ہے حامد انصاری یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور مرکزی حکومت بی جے پی کی تھی۔بعض غلط فہمی کے بنا پر ایک طالب علم کو پولیس نے خفیہ طریقے سے اُٹھا لیا،جس کے خلاف لڑکوں نے احتجاج کیا،اسی بیچ میں حکومت کا خفیہ آدمی آگیا جس پر طلباء برس پڑے اس کے خمار میں اس میں سے کچھ بے قصور طالب علم کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوگیا۔اس پورے واقعات کے پیچھے جو عوامل کار فرما تھے وہ یہ کہ کسی طرح یونیورسٹی کو بند کردیا جائے۔اس وقت بھی جمعیۃ علماء کے دفتر سے سخت آواز اُٹھائی گئی اور حکومت کو خبردار کیا گیا کہ وہ اس طرح کی گھناؤنی حرکت سے خود کو پاک رکھے۔اس طرح کی آواز جب دوسری تنظیموں اور جماعتوں کی طرف سے بلند ہوئی تو حکومت کے ادارے پست ہوئے۔بعد میں بتدریج تمام طلباء کے خلاف گرفتاری کا جو وارنٹ تھا وہ واپس لے لیا۔یہاں جو بات اہم ہے وہ یہ کہ سب سے پہلے اس سازش کے خلاف جو آواز اُٹھی وہ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے تھی۔

اب مولانا اس دنیا میں نہیں رہے (اللہ ان کی قبر کو نور سے بھردے) اس وقت بھی یونیورسٹی کا اقلیتی کردار داؤ پر لگا ہوا ہے اس کی بحالی کے لیے یونیورسٹی حلقہ کوشش میں لگا ہوا ہے،اب یہ ذمہ داری مولانا ارشد مدنی صاحب پر عائد ہوتی ہے کہ وہ جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے اس کے حقوق کی بحالی کی جدوجہد کریں۔یہاں سے بلند ہونے والی آواز میں ایسی طاقت ہے کہ حکومت کے ایوان میں سنسنی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ مجبور ہوجاتی ہے مثبت اختیار کرنے کے لیے۔یہ نہ صرف جمعیۃ کے کارناموں میں شمار ہوگا بلکہ اس سے یونیورسٹی حلقہ میں سبھی جمعیۃ کی پذیرائی ہوگی اور خود مولانا کے لیے نیک نامی کا سبب ہوگا۔

○○

□ ڈاکٹر ایم اعجاز علی
بانی دلت مسلم تحریک وقومی صدر آل انڈیا یونائیٹڈ مسلم مورچہ

دلت مسلم تحریک اور مولانا سیّد اسعد مدنی کی شخصیت

۱۹۹۴ء میں بیک ورڈ مسلم مورچہ نامی تنظیم میں نے قائم کی اور اس سے دلت مسلم تحریک کا آغاز کیا۔ لفظ ''دلت مسلم'' صرف اور صرف میرے خود کے مغز کی پیداوار ہے جسے اب قومی سطح پر سیاسی وسماجی ڈکشنری میں جگہ مل گئی ہے۔ اُمید کے مطابق شروع میں مسلمانوں کے درمیان انتشار کا ہنگامہ کر اس تنظیم اور دلت مسلم تحریک کی بہت ہی زبردست مخالفت ہوئی۔ چند ناعاقبت پسندوں کی وجہ سے مختلف طرح کے الزامات کا مجھے سامنا بھی کرنا پڑا لیکن چونکہ دفعہ ۳۴۱ کے زیر جاری صدارتی حکم نامہ ۱۹۵۰ء کے ذریعہ گذشتہ پانچ دہائیوں سے مسلمانوں کے ساتھ ہوتی چلی آرہی نا انصافی کو ہمیں منظرِ عام پر لانا تھا۔ اس لیے ہم نے بھی اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دن بدن کامیابی کے سیڑھی پر چڑھتے ہی گئے۔ آج سچر کمیٹی ہو، رنگ ناتھ مشرا کمیشن ہو، کمیشن برائے نظر ثانی آئین ہو، قومی اقلیتی کمیشن ہو، مسلم ممبران پارلیمنٹ ہو، حتی کہ مرکزی کابینہ ہی کیوں نہ ہو، سبھی جگہ اس کا تذکرہ ملے گا۔ ۱۴ سالوں کے اس لگاتار کاوشوں کے دریچوں کو جب کھولتا ہوں تو یادوں کی بارات کا وہ سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ جب ۱۹۹۴ء میں اکیلے اس تحریک کو لے کر چلا تھا اور تب سے آج تک کن کن نامور ہستیوں نے کیسے کیسے ہمارا ساتھ دیا۔ اپنے سرجری پیشہ کے ساتھ اس تحریک کو لے کر ملک کے کونے کونے میں میں خود سے گیا اور ملک کے علماء حضرات کے دروازے پر سب سے پہلے دستک دیا۔ ۱۹۹۵ء کے رمضان المبارک کے ماہ میں ہی میں نے علی میاں ندوی کو اس سلسلے میں خط لکھا جس کا جواب انھوں نے فوراً اسی ماہ میں دیا جس میں انھوں نے ہماری اس تحریک کی حمایت کی لیکن ساتھ میں یہ بھی لکھا کہ علماء حضرات اس تحریک میں آپ کے پیچھے رہیں گے لیکن سامنے آنے سے قاصر ہیں۔ اس کے بعد شیعہ عالم دین مولانا کلب جواد صاحب لکھنؤ کے دروازے پر ۲۰۰۱ء میں پہنچا۔ انھوں نے اس مسئلہ پر کافی غور وخوض کیا اور کھل کر سامنے آئے۔

یو پی خاص کر لکھنؤ میں اس ایشو پر ہر حساب سے انھوں نے اتنی سیاسی دباؤ پیدا کی کہ صوبائی سرکار کے نگاہوں میں آ گئی۔ حالانکہ ۱۹۹۵ء سے ہی اس ایشو پر مورچہ نے دہلی میں دھرنے مظاہرے شروع کر دیے تھے یہاں تک کہ ۱۹۹۶ء میں جب ''دلت کرسچن'' کے لیے بل تیار ہوا تو اس کے کابینی نوٹ میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ بیکورڈ مسلم مورچہ نامی تنظیم بھی دلت مسلمانوں کے لیے یہ مانگ لے کر سڑک پر آ گئی ہے۔ اس وقت مرکزی وزیر برائے فلاح و بہبود سیتام رام کیسری صاحب تھے جو مجھے بذات خود جانتے تھے لہٰذا ان تک ہم نے اچھی بات پہنچادی لیکن اس تحریک کو مرکزی سطح پر زبردست مضبوطی تب ہی ملی جب جمعیۃ علماء ہند بھی اس تحریک کی حمایت میں ہمارے ساتھ ایک مضبوط سائے کی طرح آ کر کھڑی ہوگئی۔ مارچ ۲۰۰۲ء میں اس سلسلے میں جب مجھے حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب کا شرف نیاز حاصل ہوا تو ان کی شخصیت نے مجھے بہت ہی معیوب کیا۔ حالانکہ جب بھی اس سوال کو لے کر کسی عالم کے دروازے پر پہنچتا تھا تو دل و دماغ پر مولانا علی میاں ندوی کا وہ تحریری جملہ میری نظروں کے سامنے گھومنے لگتا تھا کہ یہ تحریک قابلِ حمایت ہے لیکن علماء حضرات اس میں سامنے نہیں آ سکتے۔ لیکن اس کے برعکس امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنی مرحوم نے میری بات کو کافی غور سے سنا اور اس پر کئی سوالات بھی کیے۔ ہمارے جوابات سے جب پوری طرح مطمئن ہو گئے تو پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا کہ ''حالانکہ میں نے مسلمانوں کو پسماندگی کی بنیاد پر ریزرویشن کی ہمیشہ سے وکالت کی ہے لیکن جاؤ آج سے میں نے دفعہ ۳۴۱ میں ترمیم کر دلت مسلمانوں کو درج فہرست ذات میں شامل کرنے کی مانگ بھی اپنی تنظیم کے ایجنڈے میں شامل کیا۔'' انھوں نے مجھے متنبہ بھی کیا کہ مولانا محمود مدنی اس معاملے میں تمھارے بہت ہی مددگار ثابت ہوں گے۔ ان سے ہمیشہ رابطہ قائم رکھنا اللہ کا شکر ہے کہ تب سے آج تک جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ہر بڑے چھوٹے مجلسوں میں دفعہ ۳۴۱ سے مذہبی قید ہٹائے جانے کی وکالت کی اور جب بھی وزیر اعظم ہند سے ملاقات کی تو اس ایشو کو ترجیح دیا۔ حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ ہوئے سوا گھنٹے کی گفتگو کا ہر وہ سین یاد ہے اور مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ اتنے پائے کے عالم ہونے کے باوجود انھوں نے مسلمانوں کے درمیان موجود ذات پات کے نظام کو ایک سرے سے خارج کیے جانے کے بجائے قبول کیا۔ ایسا صرف اس وجہ کر کہ ان کا تعلق ہمیشہ زمین سے رہا اور حقیقت سے انکار کرنا ان کی عادتوں میں کبھی نہیں رہا۔ مولانا علی میاں ندوی مرحوم کا وہ جملہ کہ علماء حضرات سامنے نہیں آ سکتے، کا مطلب یہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان ذات پات کے نظام کو قبول نہیں کرنا چاہتے یعنی حقیقت سے گریز کرنا چاہتے۔ لیکن حضرت مولانا اسعد مدنی

مرحوم نے اس زمینی حقیقت سے ذرا بھی گریز نہیں کیا۔ مسلمانوں کے درمیان ذات پات کا رواج افسوسناک ہے لیکن سچے وایمان والے، اس قابلِ مذمت وافسوسناک زمینی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ حضرت مولانا اس بات سے ہمیشہ متفق رہے کہ محض زبانی جمع خرچ سے اس لت کو دُور نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اسے دُور کرنے کا ہمیں راستہ نکالنا چاہیے۔ ریزرویشن ایک راستہ ضرور ہے جس سے مسلمانوں کی اکثریت آبادی کا بنیادی مسئلہ حل کر کے ان سماجی برائیوں کو دُور کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ۴؍اکتوبر ۲۰۰۲ء کو جب شاہی امام مولانا محمد مفتی مکرم فتح پوری کی صدارت میں ہم نے ''انصاف کانفرنس'' دہلی کے تالکٹورہ اسٹیڈیم میں کیا تو اس کامیاب کانفرنس کو سب سے پہلے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نے ہی خطاب کیا، جبکہ علیل تھے اور لاٹھیوں کے سہارے کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ ابھی حال ہی میں منعقد حصول انصاف کانفرنس میں جمعیۃ علماء ہند نے دفعہ ۳۴۱ کے معاملے پر کافی زور دیا لیکن اتنی بڑی مجلس میں حضرت مولانا اسعد مدنی مرحوم کی کمی ہمارے دل ودماغ کو بُری طرح کاٹ رہی تھی اور بار بار یہی بات زبان پر آ رہی تھی کہ موت برحق ہے لیکن کاش انھیں اللہ کچھ اور دنوں کے لیے دنیا میں رکھتا کیونکہ مسلمانانِ ہند کو اُن کی ابھی ضرورت تھی۔

○○

❑ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی
سرپرست جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ میرے والدؒ کی نظر میں

یہ بات ہر خاص وعام پر ظاہر وعیاں ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے میرے والد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے تعلقات انتہائی گہرے اور والہانہ تھے، جانبین سے ایک دوسرے کے لیے عظمت ومحبت کا معاملہ تھا، حضرت شیخ الاسلام مدنی کا ورود مسعود ہمارے ''کچے گھر'' کثرت سے ہوا کرتا تھا، جب بھی ورد ومسعود کی خبر پہنچتی گھر میں ایک عیدسی ہوجاتی، حضرت شیخ پورے گھر وخدام سمیت سراپا خدمت بن جاتے تھے، اسی طرح حضرت شیخ الاسلام بھی حضرت شیخ اور آپ کے اہل خانہ پر سراپا شفقت تھے، جیسا کہ حضرت شیخ نے آپ بیتی میں حضرت شیخ الاسلام کی نوازشوں کا تذکرہ مفصل طور سے کیا ہے۔

جانشینی مولانا اسعد صاحبؒ:

پھر ان اکابر کی برکت سے دونوں کی آل واولاد میں بھی یہ محبت وعظمت وراثت میں منتقل ہوئی اور الحمدللہ آج بھی یہ تعلق قائم ہے، حضرت شیخ الاسلام کی وفات (۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ) کے بعد آپ کے جانشین حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد صاحبؒ مدنی ہوئے، اس جانشینی میں اصل کردار حضرت شیخ رحمہ اللہ کا تھا، اس میں شبہ نہیں کہ مولانا اسعد صاحبؒ نے اپنے والد گرامی حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ٹوٹ کر خدمت کی تھی اور اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی یہ چیز بلاشبہ ایک معمولی بیٹے کی جانب سے معمولی باپ کی خدمت پر منجانب اللہ نوازے جانے کے لیے کافی ہوا کرتی ہے، تو کیا حال ہوگا جبکہ بیٹا شاگرد، مرید اور باپ کے مجاہدانہ کارناموں میں کافی حد تک شریک بھی رہا ہو، اور باپ شیخ الاسلام جیسی قوی النسبت اور صبر وعزیمت کی پیکر شخصیت ہو؟ اگرچہ رسمی طور پر بعض مصالح کی بنا پر حضرت شیخ الاسلام نے آپ کو اجازت بیعت نہیں دی تھی تاہم حضرت شیخ الحدیثؒ نے یہ محسوس فرمالیا تھا کہ حضرت کی خصوصی نسبت وتوجہ اپنے لائق وفائق فرزند ارجمند کی جانب متوجہ ہے، اور باطنی طور پر خرقۂ خلافت سے نوازے جانے کی اہلیت آپ میں

بدرجۂ اتم موجود ہے، اس لیے آپ نے شیخ الاسلامؒ کی وفات کے اگلے ہی دن خلفاء شیخ الاسلام کو جمع فرما کر انھیں متوجہ فرمایا کہ وہ سب مل کر مولانا اسعد صاحب کو حضرت شیخ الاسلام کی جانب سے خلافت و اجازت بیعت سے نوازیں، چنانچہ سب نے آپ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے آپ کو شیخ الاسلام کا خلیفہ نامزد کیا، اس کے باوجود بھی مولانا اسعد صاحبؒ لوگوں کو بیعت کرنے سے گریز کرتے رہے، یہاں تک حضرت شیخ کی جانب سے پیہم اصرار پر بیعت کرنا شروع کیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ حضرت شیخ الاسلام کا فیض چار دانگ عالم میں جاری وساری فرما دیا۔

مولانا کو اپنے والد گرامیؒ سے حصول نسبت کی دلیل:

مولانا سیّد محمد اسعد صاحب کو اپنے والدؒ کی صحبت میں رہ کر نسبت تامّہ حاصل ہو چکی تھی اس کی بین دلیل حضرت مولانا اسعد صاحب کا وہ خط ہے جو آپ نے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی طلب پر بواسطہ میرے والد رحمۃ اللہ حضرت رائے پوریؒ کو تحریر فرمایا جس میں آپ نے اپنے احوال بے کم و کاست بیان فرمائے ہیں، ملاحظہ ہو:

''سیدی وسندی! دام اللہ ظلہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

جناب مولانا سیّد محمد حامد میاں صاحب کے والا نامہ میں آں جناب نے اس سیاہ کار کے حالات دریافت فرمائے، پریشان ہوں کیا حال لکھوں، اس روسیاہِ بدکا تو کچھ حال ہی نہیں۔

احقر چھ سات سال قبل حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم کے کرم سے حضرت (مدنی) قدس سرہٗ سے بیعت ہوا تھا، پھر جب حضرت قدس سرہٗ بمبئی تشریف لے گئے تو بمبئی میں پاس انفاس تعلیم فرمایا تھا، حسبِ معمول بدنصیبی، کاہلی دامن گیر رہی، واپسی پر احقر کے عرض کرنے پر حضرت قدس سرہٗ نے بارہ تسبیح تعلیم فرمائی، کوئی دو سال قبل جبکہ پاس انفاس بلا اختیار جاری ہو گیا تب حضرت قدس سرہٗ نے ذکر قلبی تین ہزار تعلیم فرمایا تھا، احقر تعداد کا لحاظ تو زیادہ نہیں کرسکا، ذکر قلبی جاری ہو گیا تھا، مگر احقر حضرت سے کچھ عرض نہ کرسکا، یہاں تک کہ گذشتہ رمضان میں حضرت قدس سرہٗ کے مجازین مولانا احمد علی اور مولانا مصدر علی وغیرہ نے صرف مجھ کو ہی مجبور نہیں کیا بلکہ حضرت قدس سرہٗ سے بھی جا کر عرض کیا، حضرت نے احقر کو طلب فرما کر احوال دریافت کیے، احقر نے عرض کر دیے تو اس وقت حضرت قدس سرہٗ نے مراقبہ ذات مقدس تعلیم فرمایا، احقر کرتا بھی رہا لیکن سفر مدراس کے بعد حضرت کی علالت وغیرہ کی پریشانی میں بیٹھ کر باقاعدہ مراقبہ کا موقع دستیاب نہ ہوتا تھا، اور طبیعت بھی نہ لگتی، صرف بارہ تسبیح ضرور کسی طرح کر لیتا تھا، یہاں تک کہ حضرت کا وصال ہو گیا، جسم میں کسی کسی وقت سنسنی سی رہتی ہے، اگر کبھی کسی فعل سے مخلوق کی خوش

ظنی کا خیال ہوتا ہے تو بحمداللہ خالق کی رضا کی طرف مائل ہوتا ہے، اگر کہیں کسی مخالف ماحول میں پھنس جاتا ہوں تو ذکر اور آثار ذکر کا بلا ارادہ غلبہ رہتا ہے اور دل متنفر رہتا ہے۔

حضرت یہ روسیاہ بہت محروم قسی القلب ہے، خدا جانے ایمان بھی ہے یا نہیں؟ حضرت قدس سرہٗ کی کوئی خدمت بھی نہ ہوسکی، محروم ہی محروم رہا، لوگ روتے ہیں تو میں حسرت سے دیکھا کرتا ہوں، اس رمضان میں حضرت قدس سرہٗ نے خواب بیان فرمایا کہ احقر اور حضرتؒ حج کے لیے جدہ پہنچے ہیں اور حضرت احقر سے فرمارہے ہیں کہ باہر جاکر لوگوں کو خبر کردے کہ حسین احمد آگیا، اب جبکہ حضرت قدس سرہٗ کا وصال ہوگیا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تعبیر کیا ہوگی۔

حضرت !دعوات وتوجہات کا بہت محتاج ہوں، کسی بھی لائق نہیں ہوں، ویسے حضرت قدس سرہٗ رمضان کے بعد سے بعض سالکین کو احقر کے سپرد بھی فرمایا کرتے تھے کہ جا ان کو بارہ تسبیح اسم ذات یا پاس انفاس یا ذکر قلبی بتادے، وصال سے چند دن پہلے فرمایا کہ: ''فلاں صاحب کی اجازت کا اعلان کردے۔''

یہ چند سطور تعمیلاً للارشاد تحریر کرکے پیش کررہا ہوں کہ شاید جناب کی دعوات وتوجہات سے احقر کا بیڑہ پار ہوجائے اور آخرت بن جائے اور اکابر کے ساتھ حشر ہوجائے۔ فقط والسلام

طالبِ دعا اسعد

غفرلہ ۲۲؍رجب ۷۷ ۱۳ھ

اس خط کو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اپنے درج ذیل نوٹ کے ساتھ حضرت اقدس رائے پوریؒ کو روانہ فرمادیا:

''بہ حضرت اقدس سیدی وسندی ادام اللہ ظلال برکاتہٗ!

بعد سلام مسنون، اسی وقت مولانا اسعد صاحب کا یہ پرچہ حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجنے کے لیے آیا ہے جو ارسال خدمت ہے، یہ صحیح ہے کہ میرے ہی کہنے سے ان کی ابتداء بیعت ہوئی تھی، اور اس کے بعد سے وقتاً فوقتاً ان کو بھی اور حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو بھی ایک دوسرے کی طرف خصوصی توجہ پر عرض ومعروض کرتا رہا، غالباً تین سال ہوئے میرے ہی تقاضے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو لوہاری حضرت میاں جی صاحبؒ کے حجرے میں ایک چلہ گزارنا تجویز کیا تھا، مگر غالباً بیس پچیس یوم کے بعد حضرت کی بیماری کی خبر ان کو پہنچی، یہ کچھ بیمار سے ہوگئے اور وہ پورا نہ ہوسکا، اب بھی میں نے تقاضا کیا کہ اس کی تکمیل دیوبند ہی کی مسجد میں اعتکاف کی صورت سے پوری کرلیں مگر مہمانوں کے ہجوم کی وجہ سے اب تک نہ ہوسکا، اس کی تکمیل ....

اس خط کا جواب حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کی جانب سے مندرجہ ذیل عنایت ہوا:

عزیز گرامی قدر مولوی اسعد سلمہٗ از احقر عبدالقادر!

السلام علیکم، لفافہ ملا، حالات و کیفیات کا علم ہوا، جو کچھ حضرت نے فرمارکھا ہے اس پر پوری طرح سے عامل رہو، اور حضرت شیخ الحدیث صاحب کو اپنا شیخ تصور کرو، اور جس طرح حضرت شیخ الحدیث صاحب فرمائیں اس طرح کرتے رہو، احقر بھی دعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے، اور اپنی رضا نصیب فرمائے، بشرط زندگی ملاقات کے وقت کچھ اور عرض کروں گا۔

(دیکھئے مکاتیب حضرت شیخ زکریاؒ بنام حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ص ۴۲۲۰، و تربیت السالکین۔ مجموعہ مکاتیب حضرت شیخ، ترتیب ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن ص ۲۵۶-۲۵۸)

مولانا اسعد صاحبؒ کے خط اور شیخ رحمہ اللہ کی جانب سے اس پر تائیدی نوٹ سے جہاں مولانا کا سلوک میں منتہی ہونا معلوم ہوتا ہے وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کی تربیت روحانی وسلوکی میں خاصا دخل ہے، اور شیخ نہ صرف خود آپ کے جانب متوجہ رہے بلکہ وقت کے دیگر اصحاب معرفت واہل اللہ کو بھی آپ کی جانب متوجہ کیا، یہی وجہ ہے کہ بہت جلد حضرت مولانا اسعد صاحبؒ نے حضرت شیخ مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے سیاسی وملی کاموں کے ساتھ تزکیہ واصلاح خلق کا کام بھی سنبھال لیا۔

شیخ کا اپنے متوسلین کو آپ کی جانب متوجہ کرنا:

اپنے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی مدرس جامعہ ڈابھیل کے نام ایک مکتوب مرسلہ ۲۷ رجب سنہ ۱۳۹۲ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

''تم نے اس خط میں اس سال یہاں رمضان گذارنے کا تقاضا لکھا اور پار سال بھی لکھا تھا، لیکن پار سال تو میں واقعی مہتمم صاحب (جامعہ ڈابھیل) سے پختہ وعدہ کر چکا تھا، اور نیم وعدہ اس سال بھی ہے، اور چونکہ معلوم ہوا کہ مولانا اسعد صاحب سے بھی مہتمم صاحب وہاں کے قیام کی دعوت کا وعدہ فرمارہے ہیں، تب تو اور بھی زیادہ اچھا ہوگا کہ میرا رمضان تو کئی دفعہ بھگت چکے ہو، ایک مرتبہ شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے رمضان کا چسکا بھی چکھو۔

معمولات میں مولانا اسعد صاحب کا پابند رہنا، اپنا نظام الگ نہ بنانا، تراویح وغیرہ ان ہی کے اصول پر جاری رکھیں، البتہ نوافل میں میں جماعت کثیر کی وجہ سے اگر تم شرکت نہ کرسکو تو مضائقہ نہیں، لیکن تم اس پر نکیر مت کرنا۔

اسی طرح جامعہ ڈابھیل کے مہتمم صاحب کے نام اپنے مکتوب مرسلہ ۲۰ رشعبان ۹۲ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

اس سال چونکہ آپ کے یہاں ان (مفتی اسماعیل کچھولوی) کا اضعافاً مضاعفاً نعم البدل مولانا اسعد مدنی، أطال اللّٰه بقائهم و فيوضهم کا قیام تجویز ہے اس لیے ان کا مزید اصرار ہوا کہ میں ان کو یہاں قیام کی اجازت دے دوں لیکن بعض مدرسہ اور لوگوں کی مصالح کی بنا پر پورے رمضان کی تو میری رائے نہیں لیکن اخیر عشرہ کی سفارش میں کرتا ہوں کہ آپ ان کو اخیر عشرہ میں سہارنپور اعتکاف کی اجازت مرحمت فرمادیں تو ان پر احسان ہوگا، مجھ پر بھی کرم ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی عزیز موصوف کو بھی میں نے تنبیہ کردی اور آپ سے بھی درخواست ہے کہ میرے اکابر کے معمولات رمضان المبارک کے مختلف رہے ہیں، جن کو آپ میرے جدید رسالہ ''اکابر کا رمضان'' میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے، اس لیے ماہ مبارک میں شیخ الاسلام اور حضرت اسعد مدنی زادمجدہم کے معمولات کی پابندی کی جائے، میرے معمول کی ہرگز رعایت نہ کی جائے، تراویح میں، نوافل میں، اور جملہ معمولات میں شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے معمولات کو اسوہ بنایا جائے، کسی معمول میں مولانا کے ہرگز فرق نہ لایا جاوے، قرآن پاک تراویح کا بھی ایک ہی ہوگا، اللہ تعالیٰ مولانا کے وہاں کے قیام کو مدرسہ کے لیے اور جملہ حاضرین کے لیے موجب برکات بناوے، اس سیہ کار کو بھی مولانا اسعد صاحب دعواتِ صالحات میں یاد فرماویں تو کرم ہوگا۔

(مکتوباتِ مرشدی، ترتیب مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی)

اندازہ لگائیے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو مولانا اسعد صاحبؒ سے کس قدر محبت اور لگاؤ تھا، مذکورہ بالا دونوں خطوط کے اقتباسات سے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ حضرت شیخ ہمیشہ مولانا کے حالات کی نگہداشت فرماتے رہتے تھے، اور اپنے دائرۂ اثر میں جہاں تک ہوسکتا مولانا کا تعارف کراتے، اور ان کے واسطے سے حضرت شیخ مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے فیوض کو زیادہ سے زیادہ امت میں عام کرانے کے حریص و دلدادہ تھے۔

جمعیۃ اور ملی کاموں میں بھی شیخ کا مشورہ و سرپرستی:

اسی طرح حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب بھی کوئی اہم قدم شیخ کے مشورہ کے بغیر نہیں اٹھاتے تھے، خواہ پارلیمنٹ کی ممبری ہو، یا جمعیۃ علماء ہند کے تعلق سے کوئی اہم فیصلہ یا اقدام، غالباً حضرت مولانا سیّد فخر الدین احمد رحمہ اللہ صدر جمعیۃ علماء ہند کے انتقال کے بعد انتخاب صدر کا مسئلہ درپیش ہوگا، اور اس کے منتظمہ کا اجلاس بلایا گیا ہوگا، جس میں مولانا اسعد صاحب نے بطور خاص

حضرت شیخ رحمہ اللہ کو شرکت کی دعوت دی ہوگی، شیخ نے اسی کے جواب میں یہ مکتوب روانہ فرمایا ہوگیا، جیسا کہ خط کے مضمون سے اشارہ مل رہا ہے، فرماتے ہیں:

"مکرمہ ومحترم مولانا الحاج اسعد صاحب! زادت معالیکم وعافاکم اللہ وسلم عن الشرور والفتن!

بعد سلام مسنون، دعوتی گرامی نامہ جمعیۃ کے اجلاس کی شرکت کا پہنچ کر موجب مسرت ہوا، تمھارے اعوان کو تو میرا حال معلوم نہ ہوگا مگر تم تو میری حالت ہر وقت دیکھتے ہو کہ جو شخص مسجد تک بھی نہ جا سکتا ہو، چارپائی پر نماز پڑھتا ہو، حتیٰ کہ نظام الدین میں حجرہ بالکل مسجد کے برابر ہونے کے باوجود مسجد میں نہیں جا رہا ہوں، حجرہ ہی میں چار آدمی پکڑ کر صف کی محاذات میں بٹھا دیتے ہیں، اس لیے جسمانی حاضری یا شرکت کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہوسکتا، لیکن دعاء وقلبی شرکت سے نہ کبھی پہلے دریغ ہوا نہ اب، تمھیں معلوم ہے کہ اس سیاہ کار کو اپنے اکابر کے متعلقین اور ان سے تعلق رکھنے والے حتیٰ کہ در و دیوار تک سے محبت ہے، پھر جمعیۃ علماء کہ میرے دو اکابر حضرت شیخ الہند، شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہما کی محبوب ترین چیز ہے، اس کی ترقی، مکارہ سے حفاظت اور کارکنوں میں للّٰہیت اور اخلاص کی دعاؤں سے نہ کبھی پہلے غافل ہوا، نہ اب اور نہ کبھی، انشاء اللہ آئندہ ہوگا، تمھیں خوب معلوم ہے کہ اس ناکارہ نے حرمین کی حاضری میں اپنے اکابر سے ذرا سا تعلق رکھنے والے کو بھی عمومی اور خصوصی نام لے کر دعاؤں میں یاد رکھا، اس لیے جہاں تک جمعیۃ کے اجلاس کا تعلق ہے اور حضرت مولانا سیّد فخر الدین نور اللہ مرقدہٗ کے حادثۂ جانکاہ کی وجہ سے اس کی نزاکت بڑھ گئی ہے، بہت اہتمام سے دل سے دُعاء کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے نہایت کامیابی کے ساتھ تکمیل کو پہنچائے، ہر نوع کے مکارہ سے محفوظ فرمائے، مثمر ثمرات و برکات بنائے، جملہ کارکنان میں اخلاص، للّٰہیت، اپنی رضا و محبت کا جذبہ زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے، اور اس سیاہ کار کو بھی اکابر کے یادگاروں کی زیادہ سے زیادہ قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔"

شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو مولانا سے غایت مناسبت ومحبت کی دو مزید دلیلیں:

اس سلسلہ میں دو واقعے یاد آ گئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ میں کس قدر ہم آہنگی اور مناسبت تامہ تھی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ذکر کر دیا جائے:

(۱) ہولی فیملی ہاسپٹل دہلی میں میرے والد صاحب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ زیرِ علاج تھے، مرض کچھ اس نوعیت کا تھا کہ ڈاکٹر نے کسی بھی عیادت کرنے والے سے ملاقات پر قطعاً پابندی لگادی تھی، مولانا اظہار الحسن صاحب آنے والوں کو روکنے پر مامور کر دیے گئے، مگر جب اس پر قابو نہ پایا جاسکا تو خود ڈاکٹر صاحب کھڑے ہو گئے تا کہ آنے والوں کو روکا جاسکے، اتنے میں حضرت

مولانا اسعد صاحب برائے عیادت تشریف لائے، مولانا اظہار الحسن صاحب نے ڈاکٹر کے پاس مولانا کو لے جا کر کہا کہ اس شخص کو آپ مریض سے ملا سکتے ہیں؟ ڈاکٹر اگر چہ ہندو تھا مگر ماہر نفسیات تھا، اس نے اوپر سے نیچے تک مولانا کا سراپا دیکھا، اور کہا ان کو تو میں مریض سے بار بار ملا سکتا ہوں، ان کا ملنا مریض کے مرض میں کمی تو کر سکتا ہے، اضافہ نہیں کر سکتا۔

(۲) حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا آخری سفر ہندوستان تھا، طبیعت بہت مضمحل اور کمزور تھی، اس لیے چار پائی پر لیٹے رہتے تھے، حضرت مولانا اسعد صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے، حضرت شیخ حسبِ معمول بہت خوش ہوئے، اور رخصت ہونے کے وقت ان کا کان اپنے منہ سے قریب کرا کے بڑے اہتمام سے فرمایا: ''پیارے اسعد اپنے خدام سے اپنی حفاظت کیا کر'' مولانا اسعد صاحبؒ نے سن لیا، اور رخصت ہو کر باہر نکل گئے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے دوبارہ یاد فرمایا، مولانا باہر سے بلائے گئے، قریب بلا کر حضرت شیخ نے پھر وہی بات دہرائی کہ ''پیارے اسعد اپنے خدام سے اپنی حفاظت کیا کر'' اس کے بعد رخصت فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد پھر مولانا اسعد صاحب کو شیخ نے یاد فرمایا دراں حالانکہ مولانا کی کار روانہ ہو چکی تھی، میں باہر آیا کار موجود نہ تھی، مولانا جا چکے تھے، میں نے فوراً ایک سائیکل سوار کو پیچھے دوڑایا کہ ہو سکتا ہے آگے کہیں جام وغیرہ میں کار رُکی ہو، اگر مل جائے تو واپس بلا لاؤ، چنانچہ پل خمران کے پاس مولانا کی گاڑی مل گئی، مولانا کو پیغام سنایا گیا تو مولانا وہاں سے واپس تشریف لائے، اب کی بار حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ: ''پیارے میرے اوپر لیٹ جا، بلا تکلف لیٹ جا مجھ پر تیرا وزن کوئی بار نہیں ہے، مولانا لیٹ گئے، اس دوران پھر شیخ نے فرمایا: پیارے اسعد اپنے خواص وخدام سے چوکنا رہا کر، ان سے حفاظت کیا کرو، حضرت شیخ الہند کو جس شخص نے گرفتار کرایا وہ تہجد میں آپ کو وضو کرایا کرتا تھا۔''

غور کیجیے کس قدر حضرت شیخ رحمہ اللہ کو مولانا اسعد صاحب رحمہ اللہ سے محبت تھی، اور وہ آپ کے وجود وبقاء اور ہر طرح کی ترقیات کے کس درجہ حریص اور متمنی رہا کرتے تھے، اور اس آخری ملاقات میں شیخ نے نہ جانے اپنے سینے سے مولانا کے سینے میں کیا چیز منتقل کی ہوگی؟ کوئی تو وجہ تھی کہ مولانا اسعد صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ شاید وباید کسی کو نصیب ہوا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا اسعد صاحب رحمہ اللہ کی مغفرت فرما کر مراتب میں خوب خوب ترقی نصیب فرمائے، ان کے پیچھے ان کی آل واولاد کی حفاظت فرمائے، پس ماندگان کو اتحاد واتفاق کے ساتھ مولانا کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

○○

❑ مولانا سیّد محمد شاہد سہارنپوری
امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، ہند

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کی روحانی تربیت ورفعت میں
حضرت شیخؒ کا مقام وکردار

مخدوم العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی متعدد خصوصیات اور امتیازی صفات میں سے ایک اہم صفت مردم شناسی اور افراد سازی تھی افراد واشخاص کو جانچنا، پرکھنا، تولنا اور پھران کے مزاج اور طبائع کا بھرپور لحاظ وخیال کرتے ہوئے ان کا تزکیہ و تجلیہ کرنے اخلاق و عادات کا کہیں ازالہ اور کہیں امالہ کرکے دل ودماغ کے جذبات کو صحیح رُخ پر موڑ دینے میں اللہ جل شانہ‘ نے حضرت موصوف کو بڑی مہارت اور بصیرت سے نوازا تھا اور کمال یہ ہے کہ آپ کی اس امتیازی صفت یعنی حسن تربیت کا تمام تر انداز شفقت اور محبت سے بھرپور ہوتا تھا۔ ترغیبی ہوتا تھا اور منفی طور وطریق سے ہٹ کر مثبت پہلو اپنے اندر لیے ہوئے ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام کے ایک مرید باصفا اور حضرت شیخ کے ممتاز خلیفہ مولانا منوّر حسین صاحب بہاری نے اپنے مخصوص انداز میں حضرت شیخ کی شان تربیت کی وضاحت اس جملہ سے کی تھی کہ حضرت تو پلاؤ کھلا کھلا کر اپنے متوسلین کا سلوک طے کرا دیتے ہیں۔

یہ حضرت شیخ کی خوش بختی اور نصیبہ وری تھی کہ حق تعالیٰ شانہ نے رجال سازی کی اس عظیم الشان جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے اور اپنی مخلوق کی علمی دینی اور اصلاحی واخلاقی ضرورتوں کو پورا کرنے نیز دعوتی تقاضوں کی تکمیل کے لیے آپ کو چار زبردست وسیع وعریز میدان محنت مرحمت فرمائے تھے چنانچہ علوم ظاہرہ یعنی علوم دینیہ نبویہ میں آپ کے ذریعہ جو نامور علماء اور محدثین تیار ہورہے تھے وہ جامعہ مظاہر علوم سے اپنا علمی رشتہ استوار کررہے تھے علوم روحانیہ یعنی مقامات سلوک واحسان میں تیار ہونے والی جماعت آستانۂ خلیلیہ سے اپنا روحانی سلسلہ نسب جوڑ رہی تھی اور چہار دانگ عالم میں دعوتی وتبلیغی فرائض ادا کرنے والی جماعت مرکز نظام الدین دہلی سے وابستہ ہوکر کلمہ ونماز کی محنت کررہی تھی۔

ایک خوبصورت گلدستہ میں متعدد رنگ و بو کے سجائے گئے پھولوں کے مانند مختلف ذوق و مشرب رکھنے والے اکابر ومشائخ کا حضرت شیخ کی حیات میں دور دورہ رہا ہے اور توفیق الٰہی سے حضرتؒ کا ان تمام ہی اکابر ومشائخ سے مضبوط و مستحکم تعلق رہا اور پھر یہ ربط و تعلق ان کے اعزہ و اقارب خصوصاً ان کے صاحبزادگان کے ساتھ بھی قائم ہوا اور پھر یہی ربط ارتباط ان کے اصلاح احوال اور تربیت روحانی کا ذریعہ بنا۔

راقم السطور کا احساس یہ ہے کہ حضرتؒ کے لیے یہ چوتھا میدان اپنی حسی اور معنوی حیثیت سے کسی بھی طرح پہلے تین میدانوں سے کچھ کم نہیں بلکہ اپنی ہمہ گیر افادیت کے اعتبار سے کچھ بڑھا ہوا ہی تھا۔

راقم السطور کی نگاہ میں ہند و بیرون ہند کے کم از کم پچیس تیس علماء و مشائخ اور بزرگانِ دین ایسے ہیں جن کے اخلاف اور صاحبزادگان کی تربیت میں حضرت شیخ کا بڑا گہرا ہاتھ اور مؤثر کردار رہا ہے۔ انھیں بلند مقام صاحبزادگان اور عالی قدر فرزندوں میں مولانا سیّد محمد اسعد مدنی کا نام نامی بھی شامل ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو آپ سے جو غیر معمولی مؤدت و محبت تھی اس کے دیکھنے اور سمجھنے والے آج بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اور آپ کی آپ بیتی اس کا ایک تحریری نمونہ ہے جس میں آپ نے مولانا مدنی کا چھبیس سے زائد مقامات پر ذکر خیر فرمایا ہے۔

اسی مؤدت اور محبت کا ایک خوشگوار اور پر بہار اثر وثمرہ یہ تھا کہ مولانا مدنی کے شعبان ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پر حضرت شیخ نے ان کی روحانی دنیا بنانے اور سنوارنے کی غرض سے ان کے دل میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مدنی سے بیعت ہوجانے کا داعیہ اور جذبہ پیدا کیا اور مختلف انداز سے سلوک و احسان کی اہمیت ان کے دل میں پیدا فرما کر حضرت شیخ الاسلام کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ تھما دیا اور پھر اس روحانی ربط و نسبت کو مضبوط کرنے بلکہ مولانا مدنی کو مرید سے زیادہ اپنا مراد بنانے کے لیے آپ بار بار حضرت شیخ الاسلام کو متوجہ فرماتے رہے اور خود مولانا مدنی کو خیر خواہانہ و مشفقانہ انداز میں قیمتی مشورے دے کر حضرت شیخ الاسلام سے روحانی استفادہ کے لیے ان کی راہیں کشادہ فرماتے رہے۔

مولانا مدنی کی روحانی تربیت و رفعت حضرت شیخ کے دل و دماغ پر اُس زمانہ میں اتنی چھائی ہوئی تھی کہ اس مقصد کے حصول میں انھوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کو بھی اپنا شریک کار کرلیا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ بتاریخ ۱۴/ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ (۲۶/جولائی ۱۹۵۳ء

یک شنبہ) میں خاص اسی مقصد کے لیے حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری کو ساتھ لے کر دیوبند تشریف لے گئے اور حسب اندراج روزنامچہ حضرت شیخؒ!

''ڈیڑھ گھنٹہ تک حضرت رائے پوری نے حضرت مدنی پر نہایت زوردار الفاظ میں ترک اسفار پر اصرار کیا اور اس پر زور دیا کہ اس وقت آپ کے لیے اسعد کی تکمیل جدید داخلین سلسلہ سے بہت اہم ہے۔''

مولانا مدنی نے اپنے والد ماجد سے روحانی تعلق قائم کرنے کے بعد حضرت شیخ کی ترغیب و تحریک سے راہ سلوک کے اوراد اور معمولات یعنی ذکر وفکر اور پاس انفاس وغیرہ کے اسباق لے کر بہت اہتمام سے ان پر عمل کرنا شروع کیا۔ اس سلسلہ میں موصوف بہت کثرت کے ساتھ حضرت شیخ سے مشورے بھی لیتے رہے اور اس راہ میں پیش آنے والی اندرونی کیفیات اور قلبی واردات کا ذکر آپ سے فرما کر رہنمائی بھی حاصل کرتے رہے۔

حضرت شیخ الاسلام کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دینے اور ان سے اپنی روحانی نسبت قائم کرنے کے بعد مولانا مدنی پر قوت کے ساتھ اس کے اثرات طاری ہونے شروع ہوئے اور باطنی حالت میں دفعتاً ایسا تغیر وانقلاب آیا کہ اس کی وجہ سے وہ کیفیت پیدا ہوگئی جس کو راہ سلوک کے مشائخ قبض وبسط سے تعبیر کرتے ہیں۔ اپنی اس اندورنی حالت اور شدید طبعی تاثر سے متاثر ہوکر مولانا مدنی نے فوراً حضرت شیخ سے مراجعت کر کے ان کو ایک مکتوب لکھا جس میں اپنی کڑھن اور دل کی بے چینی وتشویش کا اس طرح اظہار کیا:

ذوالمجد والکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل سے بہت پریشان ہوں کل دوپہر بھی کروٹیں بدلتا رہا اور آج بھی نیند نہ آئی اضطراب وخوف کا غلبہ ہے دماغ میں گرمی اور خشکی بہت محسوس ہوتی ہے دل جمعی نہیں رہی۔ بہت پریشان ہوں دو تین ہی دن میں یہ کیفیت ہے تو پھر یہ بیل کیسے منڈھے چڑھے گی عزم مضمحل اور یاس کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ دعائے خصوصی کا محتاج ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ زیادتی ہوئی یا یہ کیفیت قائم رہی تو احقر کے ضبط سے معاملہ باہر نہ ہوجائے۔ فقط والسلام

اسعد

(مکتوب محررہ ۲۷ / مارچ ۱۹۵۲ء مطابق ۳۰ / جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ)

اس مکتوب کا تسلی بخش جواب حضرت شیخ کی جانب سے موصوف کو یہ بھیجا گیا۔

آپ نے جو تشویش و فکر تحریر فرمائی وہ زیادہ قابلِ فکر نہیں کوئی تغیر تو بندہ حضرت اقدس کے ہوتے ہوئے نہیں کر سکتا البتہ اتنا ضرور ہے کہ نیند کا زیادہ خیال رکھیں۔ تیل کی مالش کا خاص طور سے اہتمام رکھیں اگر مالش کے لیے کسی دوسرے کی ضرورت ہو تو اس کو آنے سے نہ روکیں۔ البتہ مالش کرنے والا نوعمر نہ ہو۔ دل جمعی نہ رہنے کا ذرا فکر نہ کریں۔ خوف کے غلبہ کی اگر آپ ذرا تفصیل تحریر فرما دیں تو بہتر ہے کہ خوف کس امر کا ہے اور اس خوف کی کیا کیفیت ہے۔ معلوم نہیں آپ کو یاس کس چیز سے ہے آپ نے جو احوال تحریر فرمائے وہ امید افزا ہیں نہ کہ مایوس کن۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جب ایک مجاہدہ ہے تو اس میں اوّل قبض پھر انشاء اللہ بسط ہوگا۔ فقط

زکریا

۴ / رجب ۱۳۷۱ھ مطابق ۳۱ / مارچ ۱۹۵۲ء

شوال ۱۳۷۰ھ اگست ۱۹۵۱ء

میں اگرچہ آپ کا اعزازی تقرر دارالعلوم دیوبند میں عہدۂ تدریس پر ہو چکا تھا لیکن کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرات شیخین (یعنی شیخ الاسلام و شیخ الحدیث) کی گرمیٔ نفس و سوز اندروں سے آپ کا دلی رجحان اس وقت علم ظاہری سے زیادہ علم باطنی کی جانب ہو چلا تھا اس لیے چاہتے تھے کہ درس و تدریس ترک کر کے یکسوئی کے ساتھ راہ عشق کے مراحل طے کر لیں چنانچہ اس مشورے کے لیے آپ خاص طور پر ۲۳ / شعبان ۱۳۷۳ھ (۲۷ / اپریل ۱۹۵۴ء) میں سہارنپور حضرتؒ کی خدمت میں تشریف لائے۔

روز نامچہ حضرت شیخ میں اس آمد کا اندراج ان الفاظ سے ملتا ہے حضرت لکھتے ہیں!

”آج مولوی اسعد مدنی اپنے ذاتی مشورے کے لیے نو بجے آ کر دس بجے واپس ہوئے مشورہ آئندہ (دارالعلوم دیوبند میں) سبق نہ لے کر سلوک کی مشق کا تھا۔“

اس تاریخ میں غالباً کسی وجہ سے یہ مشورہ تکمیل کو نہیں پہنچا تو اگلے دن (۲۴ / شعبان بدھ) میں دوبارہ صبح سے شام تک اسی مقصد کے لیے سہارنپور آ کر اپنا مشورہ مکمل کیا۔

روز نامچہ میں یہ صراحت تو نہیں ہے کہ اس موقع پر حضرت شیخ نے ان کو کیا مشورہ دیا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ حضرت شیخ نے خود اپنے ذوق اور وجدان بلکہ اپنے طرزِ حیات کے مطابق ان کو تکمیل سلوک کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ ظاہرہ میں اشتغال کا ہی مشورہ دیا ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ اس مشورہ کے بعد آپ کم و بیش بارہ سال تک دارالعلوم دیوبند میں عہدۂ تدریس پر فائز رہے۔

بہر کیف مولانا مدنی کم وبیش دس سال تک اپنے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام مرحوم کی نگرانی وتربیت میں کامیاب طریقہ پر مقامات سلوک واحسان طے کرتے رہے شیخ الاسلام گاہ بگاہ اپنی مخصوص مجالس میں آپ کے متعلق بلند کلمات بھی فرماتے رہے اور اس راہ کی ترقیات حاصل ہونے کی وجہ سے اپنے مریدین ومنتسبین کو آپ کی طرف مراجعت کا حکم بھی دیتے رہے اور اپنے بعد آپ کے ذریعہ سے اس روحانی سلسلہ کی بقاء اور ترقی کے اشارے بھی فرماتے رہے لیکن ابھی تک صراحۃً اجازت اور خلافت دینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ قضا وقدر کی کارفرمائی سے ۱۲/جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ (۵/دسمبر ۱۹۵۷ء) میں آپ کا حادثہ وفات پیش آ جانے پر مولانا اسعد مدنی کی جانشینی اور خلافت حضرت شیخ الاسلام کے خلفاء اور مجازین کے ہاتھوں اس طرح عمل میں آئی کہ ۲۷/جمادی الاوّل ۱۳۷۷ھ -۲۰/دسمبر ۱۹۵۷ء میں حضرت شیخ الاسلام کے چھ خلفاء مولانا عبدالجلیل بدرپوری، مولانا محمود حسن پٹھیر وی سہارنپوری، مولانا مصدر علی باس کنڈی وغیرہ نے ابتدائی طور پر اور اس کے بعد متعدد دیگر خلفائے کرام نے متفقہ طور پر آپ کو اجازت وخلافت دے کر جانشین شیخ الاسلام بنا دیا۔

اس یادگار تاریخی موقع پر جو خلافت نامہ آپ کے لیے مرتب ہوا اس کا متن یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ نصلی علی رسول الکریم!

جناب فیض مآب حضرت مولانا سیّد محمد اسعد صاحب مدظلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ آں جناب کے متعلق قطب العالم شیخ الاسلام حضرت مرشدنا مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنیؒ سے جو گفتگو مجھ مسمّٰی عبدالجلیل بدرپوری سے ہوئی اس سے مجھے کامل یقین تھا کہ عنقریب آنجناب کو حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز اجازت مرحمت فرما دیں گے۔ مگر اجل نے فرصت نہ دی لہٰذا اس گفتگو کے مدِّ نظر ہم خدام حضرت اقدس اللہ سرہٗ العزیز جناب والا کو انھیں الفاظ کے ساتھ کہ جن الفاظ سے حضرت اقدس قدس اللہ سرہٗ العزیز اجازت مرحمت فرماتے تھے اجازت دیتے ہیں کہ آنجناب پر خدائے تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا ہم خدام آپ کو اجازت دیتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر زیادہ سے زیادہ اپنا فضل وکرم فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

روز نامچہ شیخ کے مطابق ۲۸/جمادی الاوّل شنبہ میں مولانا محمود صاحب پٹھیر وی چھ خلفاء کی یہ دستخطی تحریر لے کر سہارنپور آئے تا کہ حضرت شیخ کے قلم سے اس کی تصدیق وتوثیق کے بعد مولانا

مدنی کے لیے ایک تحریر لکھوئی جائے چنانچہ حضرت شیخ نے اس موقع پر ذیل کا یہ مکتوب مولانا مدنی کے نام ارسال کیا:

از زکریا عفی عنہ

بگرامی خدمت اسعد صاحب زادت معالیکم بعد سلام مسنون یہ ناکارہ جب حادثہ کے وقت (دیوبند) حاضر ہوا تھا اس وقت معلوم ہوا تھا کہ حضرت قدس سرہٗ کے متعدد خلفاء جن کی مقدار اس وقت تیس کے قریب بتائی گئی تھی آپ کو اجازت دینے کا ارادہ فرمارہے ہیں بلکہ اجازت دے رہے ہیں۔ اس کے بعد چند روز ہوئے مولوی عبدالجلیل صاحب بدرپوری تشریف لائے ان کی طویل گفتگو جو اس سلسلہ میں ان کی حضرت اقدس سے متعدد مرتبہ ہوئی اس سے ان کا وثوق تو یہ تھا کہ خود حضرت اقدسؒ ہی نے آپ کو اجازت دے دی صرف اعلان باقی تھا اس کے بعد آج یہ تحریر جس میں متعدد خلفاء کی طرف سے اجازت تحریر ہے پہنچی جبکہ حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کے یہ مجازین ہیں اور ان میں سے ہر شخص کو اجازت دینے کا مستقل حق ہے چہ جائیکہ ایک جماعت ان حضرات میں سے اجازت دے۔ ایسی صورت میں کیا اشکال باقی رہتا ہے ایسی حالت میں جو طالبین آپ کے پاس آئیں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے حضرت قدس سرہٗ کے طرز کے موافق ان کو تلقین فرماتے رہیں اور اس کا خصوصی لحاظ رہے کہ جو اذکار و اشغال حضرتؒ نے آپ کو تلقین فرمائے ہیں ان پر اب زیادہ اہتمام سے پابندی فرمائی جائے کہ ترقی کا دروازہ مفتوح ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضرتؒ باوجود اپنی اس علوشان کے آخر تک سحری شغل کی کس قدر پابندی فرماتے تھے کہ بکاء سحری سے پاس سونے والا بھی جاگ جاتا تھا۔ جس سے اس سیہ کار کو خود بھی کئی مرتبہ سابقہ پڑا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل و کرم سے آپ کو دارین کی ترقیات سے زیادہ سے زیادہ نوازے۔ فقط

زکریا

۲۷ / جمادی الاوّل ۱۳۷۷ھ جمعہ

اندراج روزنامچہ کے مطابق ۲۹ / جمادی الاوّل یکشنبہ میں حضرت شیخ الاسلام کے زنانہ مکان میں واقع بیٹھک میں یہ دونوں تحریریں بہت آہ و بکا کے ساتھ مولانا اسعد مدنی کو سونپ دی گئیں۔

ایک عظیم باپ کے عظیم بیٹے ہونے کی حیثیت سے مولانا مدنی نے جب یہ دونوں تحریریں پڑھیں تو اندر تک ہل گئے اور اپنے قلم کو اپنے خون دل میں ڈبو کر انھوں نے جو مکتوب حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا اس سے ان کی فنائیت بے نفسی اور اپنی ذات کی نفی نمایاں ہو کر سامنے آ گئی سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ جس شخصیت فاضلہ کا پہلا قدم اپنی ذات کی نفی سے شروع ہوا تھا اس کا

آخری قدم حد پرواز سے کہاں اور کتنے بلند مقام پر رکھا گیا ہوگا۔ اس مکتوب کی نقل یہ ہے:

حضرت سیّدی وسندی ادام اللہ ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت والا! جناب کا واسطہ لے کر چند حضرات نے جو ظلم عظیم اس روسیاہ پر ڈھایا میں نہیں عرض کرسکتا کہ کتنا پریشان ہوں نا کارہ وبدکار تو کسی بھی لائق کبھی نہیں تھا لیکن اب تو حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز کے وصال کے بعد دل یہی چاہتا تھا کہ کوئی مجھے نہ پہچانے اور کسی کو میں نہ پہچانوں بس حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز کے خاندان کی خدمت میں بقیہ عمر ایسی گذر جائے اور مرضیات کی توفیق حاصل ہو جائے اگر خدانخواستہ عوام کی بھیڑ بھاڑ کی نذر ہو گیا تو تباہ ہی ہو جاؤں گا نہ دین کار ہوں گا نہ دنیا کا بڑا خوف اور صدمہ ہے اللہ جانے جناب نے کیسے ان حضرات کی سرپرستی فرمائی۔

مدینہ منورہ سے کھجوروں کی پیٹیاں دو تین دن قبل پہنچ گئیں۔ یہ حضرات لے جانے پر آمادہ ہو گئے اس لیے ان کے ساتھ ارسال ہیں۔

احقر خود بھی حاضری چاہتا ہے اب بھیڑ بھاڑ بھی کم ہو گئی ہے خدا نے چاہا تو کسی دن حاضر ہوں گا۔

دعوات صالحہ سے اس نا کارہ کو للہ حسبِ سابق یاد فرماتے رہیں۔ فقط والسلام

اسعد غفرلہ

۳ر جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ

مولانا مدنی کا یہ مکتوب پڑھنے کے بعد اب حضرت شیخ کا جواب ملاحظہ کیجیے:

گفتگو آئین درویشی نبود

ورنہ با تو ماجراہا داشتیم

بگرامی خدمت مولانا اسعد صاحب زادت معالیکم

بعد سلام مسنون دستی گرامی نامہ پہنچا۔ جس مضمون کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا میرا خود بھی یہی جی چاہتا تھا کہ آپ کا کم از کم وہ چلہ پورا ہو جاتا جس کو حضرت اقدس نے شروع کرایا تھا مگر وہ حضرت اقدس کی علالت کی وجہ سے (پورا ہونے سے) رہ گیا تھا۔ اور آپ نے بندہ کی اس حاضری میں اس کو جلد پورا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا مگر حضرتؒ کے خلفاء نے جو ضرورت ظاہر فرمائی وہ بھی نظر انداز کے قابل نہ تھی اس لیے اس تحریر کی جلد ضرورت پیش آ گئی۔ لیکن تمھاری سعادت سے قوی اُمید ہے کہ تم انشاءاللہ بہت جلد ترقی کر کے اپنے مرتبہ پر پہنچ جاؤ گے حق تعالیٰ

شانہٗ تمھیں دارین کی ترقیات سے نوازے اور اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کے قدم بقدم چلنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

ایک مخلصانہ نہایت ضروری مشورہ یہ ہے کہ اب تمھیں ہر نوع کی پارٹی بندی سے بہت بالا رہنا ضروری ہے تمھارے سامنے حضرتؒ کا اسوہ موجود ہے کہ باوجود (مسلم) لیگ سے شدت خلاف کے لیگی احباب میں جو حضرت سے تعلق رکھنے والے تھے ان کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے۔ اس کے علاوہ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) کے معاملات میں جن لوگوں کی طرف سے صریح مخالفت ہوتی تھی ان کے ساتھ بھی حضرت کا شفقت کا معاملہ کس زور سے رہتا تھا ان چیزوں کو آپ مجھ سے زیادہ ہر وقت ملاحظہ فرماتے تھے۔ فقط زکریا ۴؍ جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ۔

مولانا مدنی کا یہ ابتدائی دور بڑی جدوجہد اور قربانیوں سے بھرپور دور تھا قدم قدم پر حجابات اور موانع تھے رکاوٹوں اور مخالفتوں کا ایک طوفان تھا جو آپ سے آ آ کر ٹکراتا تھا۔ مخالفین میں ایسے اصحاب پیش پیش تھے جو آپ کے قابل صد احترام والد مرحوم کے جوتے سیدھے کرنا اور ان کی حیات میں آپ کو فرزند دل بند کہنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ معاندین کی فہرست میں کچھ ایسے اشخاص بھی تھے جن کو آپ کے بھاری بھرکم وجود کے سامنے اپنے چراغ کی روشنی مدھم اور ہلکی محسوس ہوتی تھی لیکن حضرت شیخ الاسلام کی مستجاب دعوات اور حضرت شیخ کی توجہات اور مضبوط پشت پناہی نے آپ کو ایسا سد سکندری بنادیا تھا کہ خطرات وخدشات سے بھرپور اس ماحول کا نہ کوئی اثر آپ پر ہوا اور نہ آپ کے پائے استقلال میں کوئی لرزش وجنبش پیدا ہوئی پھر نصرت خداوندی سے کچھ ہی عرصے بعد حالات اور ماحول میں انقلاب آیا مخالفت کے بادل چھٹنے شروع ہوگئے اور کل کے مخالف آج کے موافق بن گئے۔

حضرت مولانا ان ساری موافقتوں اور مخالفتوں کو تفصیلات راز داری کے ساتھ تخلیہ میں حضرت شیخ کو سہارنپور آکر بتلاتے اور حضرت ایک مشفق ومربی ہونے کی حیثیت سے ان کی تسلی وتشفی فرمادیا کرتے تھے ایک ایسی ہی رازدارانہ تخلیہ کی گفتگو حضرت شیخ کی تحریری یادداشت سے ملاحظہ کیجیے۔ لکھتے ہیں!

آج ۲۱؍ رجب ۱۳۷۷ھ (۱۱؍ فروری ۱۹۵۸ء سہ شنبہ) کی شب میں مولوی اسعد نے طویل گفتگو تخلیہ میں کی کہ اوّل تو صاحب تیری تحریر پر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور جن خلفاء نے ان سے بات کی ان پر بھی وہ بگڑ گئے کہ میں متفق نہیں ہوں لیکن اب چند روز سے اس کا ردِ عمل یہ ہو رہا ہے کہ وہ خود مجھ سے بیعت ہونے پر اصرار کررہے ہیں اور دو دن تک چند لوگوں کے بیعت کرنے پر

شدید اصرار کیا کہ میں ان لوگوں سے وعدہ کر چکا ہوں اور کل...... صاحب نے ایک مجمع کے بیچ میں میرا ہاتھ پکڑ کر چند لوگوں کو بیعت بھی کرادیا اور حضرت شیخ الہند کی دختر ان نے شدید مجبور کر کے چند عورتوں کو بھی کل بیعت کرادیا۔

حضرت اقدس رائے پوری کی نظر عنایت و شفقت:

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے مولانا مدنی کا مخلصانہ و نیازمندانہ تعلق اگرچہ سالہا سال سے چلا آرہا تھا لیکن حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد اس میں کماً و کیفاً اضافہ ہوا۔ اور یہاں بھی بیچ کی کڑی یا دیگر الفاظ میں ہمزہ وصل حضرت شیخ کی ذات گرامی بنی کہ آپ کثرت کے ساتھ حضرت رائے پوری کو مولانا مدنی کی طرف اور مولانا مدنی کو حضرت رائے پوری کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ بار بار مولانا مدنی کو رائے پور حضرت کی خدمت میں صرف سلام اور درخواست ادعیہ کے لیے بھیجا اور مولانا مدنی بڑی نیازمندی کے ساتھ حضرت کی خدمت میں استفادہ کے لیے کبھی رائے پور اور کبھی سہارنپور حاضر ہوتے تھے۔

روز نامچہ حضرت میں اس آمد و رفت کے بہت سے اندراجات پڑھنے کو ملتے ہیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر صرف دو ملاقاتوں کے اندراج نقل کیے جاتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں!

(۱) آج ۱۶/محرم ۱۳۷۹ھ (۲۴/جولائی ۱۹۵۹ء جمعہ) بعد عصر مولوی اسعد صاحب لاری سے آکر بعد عشاء بہٹ ہاؤس سے مدرسہ آئے اور صبح کی نماز پھر حضرت کے ساتھ جا کر پڑھی اور فوراً واپس آکر سات بجے کی گاڑی سے شنبہ کی صبح کو دیوبند روانہ ہوگئے۔

(۲) آج ۲۳/محرم ۱۳۷۹ھ (جولائی ۱۹۵۹ء جمعہ) میں مولوی اسعد صاحب دیوبند سے بارہ بجے آکر مدرسہ میں ساڑھے تین بجے تک سو کر وضو کر کے بھٹ ہاؤ گئے، حضرت سے ملاقات کے بعد صبح کی اذان کے وقت اسٹیشن گئے اور ساڑھے پانچ بجے کلکتہ کے لیے روانہ ہوگئے زکریا سے ملاقات نہیں ہوسکی۔

اس نیازمندانہ آمد و رفت کو صرف تین ماہ ہی گزرے تھے کہ آپ کے اخلاص و استخلاص کا اثر حضرت رائے پوری کے قلب مبارک پر پڑا جس کے نتیجہ میں حضرت کی روحانی توجہات نے آپ پر نزول کیا۔ چنانچہ آپ کی مجالس میں مولانا مدنی کا کثرت کے ساتھ ذکر خیر ہونے لگا دیوبند کے واردین و صادرین سے آپ کی خیریت و عافیت اور مشغولیت کی تفصیلات معلوم فرمانے لگے ایسی ہی ایک مجلس میں حضرت اقدس نے مولانا کے حالات کی بہت دیر تک تحقیق فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ کو چاہیے تھا کہ وہ خود مولوی اسعد کو اجازت بیعت دے دیتے۔

یہ مجلسی گفتگو جب حضرت شیخ کے علم میں آئی تو آپ نے فوراً مولانا مدنی کو حکم دیا کہ اپنے احوال روحانیہ اور اشغال و معمولات کی تفصیلات خط کی شکل میں حضرت کے نام لکھ کر مجھے بھیجو تاکہ میں اپنے خط کے ساتھ حضرت رائے پوری کو بھیجوں۔ مولانا مدنی نے پہلے تو یہ کہہ کر معذرت کی کہ مجھے خود اپنے قلم سے اپنے احوال لکھتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن حضرت شیخ کے مکرر تاکید فرمانے پر آپ نے ذیل کا مکتوب حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کو لکھا اور جو حضرت شیخ کے توسط سے ان کی تائیدی تحریر کے ساتھ مکتوب الیہ تک لاہور (پاکستان) بھیجا گیا۔

مولانا مدنی کا وہ مکتوب اور اس پر حضرت رائے پوری کا جواب دونوں یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

سیدی وسندی ادام اللہ ظلہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب مولانا سیّد محمد حامد میاں صاحب کے والا نامہ میں آنجناب نے اس سیہ کار کے حالات دریافت فرمائے پریشان ہوں کیا حال لکھوں۔ اس روسیاہ کا تو کچھ حال ہی نہیں۔ احقر چھ سات سال قبل حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم کے کرم سے حضرت مدنی قدس سرہٗ سے بیعت ہوا تھا۔ پھر جب حضرت قدس سرہٗ بمبئی تشریف لے گئے تو بمبئی میں پاس انفاس تعلیم فرمایا تھا۔ مگر حسبِ معمول بدنصیبی، کاہلی دامن گیر رہی واپسی پر احقر کے عرض کرنے پر حضرت قدس سرہٗ نے بارہ تسبیح تعلیم فرمائی۔ کوئی دو سال قبل جبکہ پاس انفاس بلا اختیار جاری ہوگیا تب حضرت قدس سرہٗ نے ذکر قلبی تین ہزار تعلیم فرمایا تھا احقر تعداد کا لحاظ تو زیادہ نہیں کرسکا ذکر قلبی جاری ہوگیا تھا۔ مگر احقر حضرت سے کچھ عرض نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ گذشتہ رمضان میں حضرت قدس سرہٗ کے مجازین مولانا احمد علی اور مولانا مصدر علی وغیرہ نے صرف مجھ کو ہی مجبور نہیں کیا بلکہ حضرت قدس سرہٗ سے بھی جا کر عرض کیا حضرت نے احقر کو طلب فرما کر احوال دریافت کیے احقر نے عرض کردیے تو اس وقت حضرت قدس سرہٗ نے مراقبہ ذات مقدسہ تعلیم فرمایا احقر کرتا بھی رہا لیکن سفر مدراس کے بعد حضرت کی علالت وغیرہ کی پریشانی میں بیٹھ کر باقاعدہ مراقبہ کا موقع دستیاب نہ ہوتا تھا اور طبیعت بھی نہ لگتی تھی صرف بارہ تسبیح ضرور کسی طرح کرلیتا تھا یہاں تک کہ حضرت کا وصال ہوگیا۔ جسم میں کسی کسی وقت سنسنی سی رہتی ہے۔ اگر کبھی کسی فعل سے مخلوق کی خوش دلی کا خیال ہوتا ہے تو بحمد اللہ خالق کی رضاء کی طرف (دل) مائل ہوتا ہے۔ اگر کہیں کسی مخالف ماحول میں پھنس جاتا ہوں تو ذکر اور آثار ذکر کا بلاارادہ غلبہ رہتا ہے اور دل متنفر رہتا ہے۔

حضرت یہ روسیاہ بہت محروم قسی القلب ہے خدا جانے ایمان بھی ہے یا نہیں حضرت قدس

سرہٗ کی کوئی خدمت بھی نہ ہوسکی محروم ہی محروم رہالوگ روتے ہیں تومیں حسرت سے دیکھتاہوں۔

اس رمضان میں حضرت قدس سرہٗ نے خواب بیان فرمایا کہ احقراور حضرت حج کے لیے جدہ پہنچے ہیں اور حضرت احقر سے فرمارہے ہیں کہ باہر جاکرلوگوں کوخبرکردے کہ حسین احمد آ گیا۔اب جبکہ حضرت قدس سرہٗ کا وصال ہوگیاتوسمجھ میں نہیں آ تاکہ کیاتعبیر ہوگی۔

حضرت دعوات وتوجہات کا بہت محتاج ہوں۔کسی بھی لائق نہیں۔ویسے حضرت قدس سرہٗ رمضان بعد سے بعض سالکین کواحقر کے سپرد بھی فرمادیا کرتے تھے کہ ان کو بارہ تسبیح یا اسم ذات یا پاس انفاس یاذکرقلبی بتادیں۔وصال سے چند دن پہلے فرمایا کہ فلاں صاحب کی اجازت کااعلان کردیں۔

یہ چندسطورتعمیلاً للارشارتحریرکرکے پیش کررہاہوں کہ شاید جناب کی دعوات وتوجہات سے احقرکابیڑاپارہوجائے اورآخرت بن جائے اوراپنے اکابرکےساتھ آخرت ہوجائے۔

فقط والسلام،طالب دعا

اسعدغفرلہ

۲۲رجب۱۳۷۷ھ

حضرت رائے پوری کی خدمت میں مولانامدنی کا یہ مذکورہ مکتوب حضرت شیخ کےتوسط سے پہنچاتھااس لیے آپ نےاس کاجواب بھی حضرت شیخ ہی کےتوسط سے مولانامدنی کےنام ارسال فرمایااس مکتوبِ قادری کامتن یہ تھا:

عزیزگرامی قدرمولوی محمداسعدسلمہ ازاحقرعبدالقادر،السلام علیکم

لفافہ ملاحالات وکیفیات کاعلم ہواجوکچھ حضرت نےفرمارکھاہےاس پرپوری طرح سے عامل رہواورشیخ الحدیث صاحب کواپناشیخ تصورکرواورجس طرح پرحضرت شیخ الحدیث صاحب فرمائیں اسی طرح کرتے رہواحقربھی دعاکرتاہے کہ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائےاوراپنی رضانصیب فرمائےبشرط زندگی ملاقات کےوقت کچھ اورعرض کروں گا۔فقط والسلام

ازلاہور

۴رشعبان۱۳۷۷ھ

حضرت رائے پوری کےاس ارشاد پرمولانامدنی نے دل وجان سے عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کوحضرت شیخ کی سپردگی میں دےکران کواپناپیرومرشدتسلیم کرلیاتھا۔اس سپردگی اورتسلیم کی ادنیٰ سی کیفیت یہ تھی کہ اس کے بعدمولانامدنی کے وہ خطوط ومکاتیب جوحضرتؒ کے نام المخدوم

المکرّم جیسے القاب وآداب سے لکھے ہوئے آتے تھے وہ پھرتا حیات سیدی وسندی ومولائی کے عنوان سے آتے رہے۔

اسی طرح وہ پوری مدت حیات میں حضرت شیخ سے اپنے معاملات ومسائل میں خواہ ان کا تعلق انفرادیت سے ہو یا اجتماعیت سے، دارالعلوم سے ان کا تعلق ہو یا جمعیۃ علماء ہند سے بڑے اہتمام سے مشورے کرتے رہے مشاورت کے لیے یہ آمد عام طور پر نماز فجر کے موقع پر ہوتی تھی وہ تشریف لاکر خاموشی سے حضرت کے سامنے اپنے مسائل ومعاملات رکھ کر اور مشورے لے کر روانہ ہوجایا کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے بلامبالغہ ہزاروں معاملات اور مشکلات میں انھوں نے مشورے لیے اور ان پر عمل کیا۔

اسی طرح ماہِ رمضان المبارک سے ایک یوم قبل خدمت شیخ میں آمد اور ان سے آنے والے ماہِ مبارک میں دعوات صالحہ کی درخواست اور پھر عیدالفطر کے دن آکر رمضان مبارک میں حاصل ہونے والی کیفیات اور ذوق وشوق کی تفصیلات اور عید کی مبارکباد لینے اور دینے کا معمول ساری عمر قائم رکھا۔

مولانا مدنی کی ایک عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ وہ گاہ بگاہ خط کے ذریعہ حضرت شیخ کو اپنی جانب متوجہ کرکے ادعیہ صالحہ کی درخواست ضرور کرتے تھے ان خطوط میں وہ اپنی عاجزی درماندگی اور فروتنی وانکساری کا ایسے دلدوز الفاظ میں اظہار کرتے جو ہمیشہ سے اہل اخلاص کا شیوہ اور شعار رہا ہے۔ گاہ بگاہ محترمہ مکرمہ اماجی صاحبہ (والدہ حضرت مولانا سیّد محمد ارشد صاحب مدنی زادمجدہ) بھی ان کی جانب سے خط لکھ کر حضرت شیخ کو اس طرف متوجہ فرمادیا کرتی تھیں۔

مولانا مدنی کے اس نوع کے بہت سے خطوط ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔ یہاں چند خطوط کے اقتباسات سے ان کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) بحمداللہ ایک ختم تراویح میں ایک ختم نوافل میں سن کر ہوگیا ہے اور ایک حافظ صاحب کے پیچھے دوسرا قرآن شریف شروع کردیا ہے تقریباً پانچ پارے روزانہ ہوتے ہیں۔ شیطان ہر وقت گھیرے رہتا ہے۔ کسی عبادت میں دل نہیں لگتا ہر عبادت دکھاوے کی سی معلوم ہوتی ہے۔ عشرہ اخیرہ میں ادعیہ مخصوصہ کا ملتجی ہوں۔ (اقتباس مکتوب محررہ ۲۱؍رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ)

(۲) مجھے تو اپنے حال سے بڑا کھٹکا ہے مایوسی ہر وقت کی پریشان خیالی اور انتہائی کاہلی نے تباہ کردیا ہے۔ کوئی فعل تو کیا باتیں بھی ریا سے خالی نظر نہیں آتیں خود پسندی بھی منوں کے حساب سے بھری ہوئی ہے نہ معلوم بیڑا پار ہوگا کہ نہیں بڑی حسرت ہوتی ہے۔

(اقتباس مکتوب محررہ ۱۳؍شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ از مدینہ منورہ)

(۳) سوائے بزرگوں کی دعاؤں اور توجہات کے کوئی صورت نظر ہی نہیں آتی کاش فضل خداوندی اس ناکارہ و بے چارہ کی چارہ گری کرلے ورنہ یہ دُنیا کا کتّا تو جہنم کا کندہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ (اقتباس مکتوب محررہ ۶؍ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ)

(۴) عشرہ آخر شروع ہونے والا ہے۔ شامت اعمال غفلتوں اور تن پروری نے کچھ کرنے نہیں دیا۔ دعا و توجہ کی درخواست کررہا ہوں اُمید ہے کہ دستگیری فرمائے گا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ:

لکڑی جل جل کوئلہ ہوئی کوئلہ جل جل راکھ
میں پاپن ایسی جلی کوئلہ ہوئی نہ راکھ

(اقتباس مکتوب محررہ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ)

(۵) ساری عمر ضائع ہی کی مگر اس مرتبہ تو ۲۲؍رمضان تک در در کی ٹھوکریں کھاتے گزری دن رات، صبح و شام، سحری و افطاری اور روزہ کسی بھی چیز کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اور ۲۳؍رمضان سے ''گیا'' آکر اعتکاف بھی کیا تو نیرنگی تقدیر کہ بالکل سکون میسر نہ ہوا۔ افکار و مشاغل کا ہجوم رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایسا بدحال اور سیہ کار ہو رہا ہوں للہ دعوات صالحہ سے دستگیری فرمائیں بہت ہی محتاج دعا ہوں۔

مولانا مدنی سے حضرت شیخ کو جو قرب اور تعلق تھا اس کے پیش نظر حضرت شیخ اگر کبھی موصوف کے مقام رفیع کے خلاف کوئی بات سنتے تو اس پر مضبوط احتساب اور گرفت کے بعد دل کی گہرائی سے ان کو نصیحتیں فرما کر حضرت شیخ الاسلام کی گرانقدر نسبت کا احساس دلاتے تھے تاہم حضرتؒ کی یہ گرفت کسی ناگواری کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس احساس ذمہ داری کے پیشِ نظر بطور تربیت ہوتی تھی جو حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوری کی جانب سے آپ پر ڈالی گئی تھی۔ اس نوع کے متعدد واقعات ناچیز مقالہ نگار کے علم میں ہیں اور یہاں ایسے ایک دو واقعات لکھ کر اپنے قارئین و سامعین کو اس کا نمونہ دکھلایا جاتا ہے۔

☆ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے نو ماہ بعد صفر ۱۳۷۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں ہونے والی شوریٰ کے موقع پر مولانا مدنی نے اراکین شوریٰ کو کھانے پر مدعو کیا یہ دعوت وسعت کے ساتھ مختلف انواع واقسام کے کھانوں پر مشتمل تھی۔ حضرت شیخ نے یہ منظر دیکھ کر بروقت تنبیہ کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ ممبران شوریٰ کی دعوت میں اتنا زور کیوں دکھلایا۔ مولانا نے حضرت شیخ کی ناگواری کا وزن محسوس کرتے ہوئے ایک معذرت نامہ تحریر کیا جس کا آغاز ان جملوں سے ہو رہا ہے:

''کل دوپہر کو کھانے میں جناب نے جن الفاظ سے گرانی طبع کا اظہار فرمایا وہ میرے لیے سوہان روح بنے ہوئے ہیں۔ برائے خدا گرانی طبع کو دور فرما کر ممنون فرمائیں اور احقر کے قصور کو

معاف فرمائیں۔''

☆ جمادی الثانی ۱۳۸۹ھ (ستمبر ۱۹۶۹ء کے ہنگامہ دارالعلوم دیوبند کے موقع پر مولانا مدنی کو اس میں ملوث کرنے کی مذموم کوشش ان کے معاندین کی جانب سے ہوئی حالانکہ مولانا اس وقت بیرون ہندسفر پر تھے۔حضرت شیخ اس زمانہ میں مدینہ منورہ قیام پذیر تھے مختلف ذرائع سے جب یہ تمام رطب و یابس اطلاعات آپ تک پہنچیں تو آپ نے ایک مفصل مکتوب مولانا مدنی کو دیوبند ارسال کیا جس کے کچھ اہم جملے یہ ہیں۔

''تمھیں اس (اسٹرائک) میں ملوث کرنا یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی عقل منداس کو قبول نہیں کرسکتا بےوقوف معاندین اس کی ذمہ داری تم پر کیسے عائد کرسکتے ہیں میں نے تو جب اس کی ابتدائی خبر سنی تھی تو خطوط میں اس پر اظہار مسرت کیا تھا کہ عزیز مولانا اسعد صاحب وہاں نہیں تھے۔اللہ کا میں نے تو بہت شکرادا کیا۔'' (اقتباس مکتوب حضرت شیخ ۱۷رستمبر ۱۹۶۹ء)

اسی ہنگامہ کے موقع پر ایک دوسرے مکتوب میں بڑی قوت کے ساتھ بطور نصیحت تحریر فرماتے ہیں:''مجھے تمھاری مشکلات سے ذرا انکار نہیں اور یقیناً بہت سے الزامات تم پر بالکل بے بنیاد ہوتے ہیں اس کے باوجود میرے سابقہ دونوں خطوں کا مقصد نہایت اخلاص سے اور خصوصی تعلق کی وجہ سے یہ ہے کہ تم اپنی حدتک ہر قول وفعل میں **مایلفظ من قول الالدیه رقیب عتید** کو بہت اہتمام سے ملحوظ رکھیو اور کسی کے بھی الزام سے تمھاری طرف سے کوئی چیز تعدی کی نہ ہو۔

اسعد پیارے! میں تم دونوں بھائیوں کو حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے قدم بقدم چلنے اور دیکھنے کا انتہائی متمنی ہوں۔(اقتباس مکتوب محررہ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۶۹ء)

☆ ایک گرامی نامہ میں ایسے واشگاف الفاظ میں نصیحت وتنبیہ فرمائی کہ شاید کوئی دوسرا بڑے سے بڑا شخص بھی اس کی ہمّت نہیں کرسکتا تھا۔ان کلمات نصیحت میں حضرتؒ کے لب ولہجہ کی اپنائیت اور حلاوت جس پاکیزہ ولطیف محبت کا پتہ دے رہی ہے وہ بطور خاص مطالعہ کی چیز ہے تحریر فرماتے ہیں!

مولانا اسعد صاحب تم میں ایک بہت بڑا عیب ہے جو حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے طرز کے بھی خلاف اور حدیث پاک کے مضمون کے بھی خلاف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **احبب حبیبک ھونا ماعسیٰ ان یکون بغیضک یوم ما وابغض بغیضک ھونا ماعسیٰ ان یکون حبیبک یوم ما او کما قال صلی اللّٰہ علیه وسلم** تم جس کے معتقد ہوتے ہو اور تعلّق رکھتے ہو اس کو آسمان پر پہنچاتے ہو جس کو اپنے کتب خانہ میں بھی بھگت رہے ہو اور جمعیۃ

میں بھی اور جس سے خفا ہوتے ہو اس کو ایسا تحت الثریٰ میں پہنچاتے ہو کہ اس کی وجہ سے حضرت قدس سرہٗ کے بھی بعض لوگ تمھارے شاکی بن گئے۔

مخلصانہ نصیحت یہ ہے کہ تعلق اور ناراضی دونوں میں افراط وتفریط سے بہت احتراز کرنا نیز آدمی پر اعتماد جلدی نہیں کرنا چاہیے اور تمھارے یہاں بہت جلد اعتماد پیدا ہوجاتا ہے لیکن بے اعتمادی کا اظہار بھی بہت احتیاط سے ہونا چاہیے۔ فقط

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولانا مدنی کا تعلق بھی تمام عمر دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند اور تحریکِ آزادی میں پیش پیش سیاسی جماعت کانگریس سے رہا۔ لیکن یہ تعلق ووابستگی بہت سے لوگوں کو مولانا مدنی کی طرف سے بدگمان اور بدظن رکھتی تھی بہت سے لوگ ان بدگمانیوں اور بدظنیوں کو اعتراضات کا رنگ دے کر خطوط کی شکل میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو بھی تحریر کردیا کرتے تھے۔ اعتراضات کرنے والوں میں کچھ لوگ تو خیرخواہانہ وہمدردانہ جذبات والے ہوتے تھے جبکہ بعض لوگوں کی منشا یہ ہوتی تھی کہ حضرت شیخ کے قلم سے کوئی ایسی چیز ہاتھ لگ جائے جس کو وہ مولانا مدنی کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرسکیں۔ ایسے مواقع پر حضرت بہت معتدل اور نپے تلے الفاظ میں معترضین اور معاندین کو قیمتی نصائح دیتے ہوئے آپس کے اختلاف سے پیداشدہ نقصانات واضح کیا کرتے تھے۔

مقالہ نگار یہاں ان شکایات وحکایات کے بھی دو نمونے پیش کرتا ہے۔

(۱) مولانا الحاج اسعد مدنی سلمہ کے کردار کے متعلق میرے نزدیک کوئی اشکال نہیں اور جو لوگ مولانا موصوف کو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے قدم بقدم دیکھنا چاہتے ہیں وہ ان کے نظر کی کوتاہی ہے۔ تقصیرات سے اس زمانہ میں کون خالی ہے آپ کا یہ لکھنا کہ آج کل یہ سمجھا جارہا ہے کہ جمعیۃ علماء اور مولوی اسعد حکومت کے زرخرید پٹھو ہیں۔ اس کا بارِ ثبوت تو عند اللہ آخرت میں کہنے والوں کے ذمہ ہے مگر اس ناکارہ نے تو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے متعلق بھی کثرت سے یہ سنا کہ وہ کانگریس کے زرخرید پٹھو ہیں اور حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق بھی یہ سنا کہ وہ انگریزوں کے وظیفہ خوار تنخواہ دار ہیں۔ (ان الزامات سے) اللہ جل شانہٗ نے ان اکابر نوراللہ مراقدہم کے مراتب میں کچھ اضافہ ہی کیا ہوگا۔

(ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ جون ۱۹۷۲ء میں دہلی کے بعض اصحاب کے نام گرامی نامہ کا ایک اقتباس)

(۲) پندرہ یوم سے مدینہ پاک میں یہ خبریں سن رہا ہوں کہ جمعیۃ علماء کا کوئی جلسہ (سہارنپور میں) ہونے والا ہے اور اس سلسلہ میں جو حرکات کی جارہی ہیں وہ انتہائی رنجیدہ، تکلیف دِہ اس سیہ کار

کے لیے بن رہی ہیں اگر مجھے تم دوستوں سے خصوصی تعلّق نہ ہوتا تو پرواہ بھی نہ کرتا مگر اپنے تعلق نے مجبور کیا کہ کم ازکم اپنی بیزاری ان حرکات سے تم دوستوں تک پہنچادوں۔ مجھے یہ اصرار نہیں کہ آپ لیگی بنیں یا جمعیتی دیانتاً جو شخص مسلمانوں کے لیے اسلام کے لیے جس کو مفید سمجھتا ہے اس میں مجھے دخل دینے کا کیا حق ہے مگر گالیاں، سب وشتم، توہین بالخصوص علماء کی اور سیدوں کی نہایت خطرناک ہے۔ اپنی بربادی کو خود اپنے ہاتھ سے کھینچنا ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ پرائے شگون اپنی ناک کٹاتے ہیں اور سیدوں کا مسئلہ بھی ایسا ہی سخت ہے ہر شخص اپنے ہی متعلق سوچ لے کہ وہ اپنی اولاد سے جتنا بھی خفا ہو اس کی حرکتوں سے جتنا بھی ناراض ہو مگر جب کوئی دوسرا اس کی اولاد کے درپے آزار ہوگا تو قابلِ برداشت نہیں ہوگا اس لیے سیدوں کی توہین رنگ لائے بغیر نہیں رہتی ہے۔

(اقتباس مکتوب محررہ ۱۰/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ از مدینہ منورہ،

بموقعہ اجلاس جمعیۃ علماء یوپی منعقدہ سہارنپور جون ۱۹۷۳ء)

حضرت شیخؒ کے احوال وحالات سے باخبر اصحاب کو بخوبی معلوم ہے کہ آپ کا زندگی بھر سیاسی معاملات ومسائل سے کوئی تعلق نہیں رہا چنانچہ حکومتی معاملات اور سیاسی امور کے حوالہ سے اگر کوئی آپ سے مشورہ بھی لیتا تو معذرت کے ساتھ انکار فرمادیا کرتے تھے۔ لیکن مولانا مدنی کے حق میں آپ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ اس نوع کے معاملات اور مسائل میں کشادہ دلی کے ساتھ نہ صرف ان کی رہنمائی فرماتے۔ بلکہ مسلمانانِ ہند کی بھلائی بہترائی کی کوئی شکل سامنے آتی تو اس کی تصویب بھی فرمادیا کرتے تھے اس طرح کے اہم واقعات میں سے ایک واقعہ مولانا مدنی کی پارلیمنٹ کی ممبری بھی ہے ملک وملت کے مسائل پر دردمندی کے ساتھ سوچنے والے جمعیتی حضرات کے ایک بڑے طبقہ کی شدید اصرار کے ساتھ یہ رائے تھی کہ مجاہد ملّت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی وفات سے پارلیمنٹ میں ممبری کی جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کو مولانا مدنی کے ذریعہ سے پر کیا جائے اس معاملہ میں جب مولانا مدنی پر زور ڈالا گیا تو انھوں نے فیصلہ کن انداز میں اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کو حضرت شیخ پر محول کردیا اور صاف کہہ دیا کہ جب تک حضرت شیخ اجازت نہیں دیں گے میں اس عہدہ کو قبول نہیں کروں گا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اگست ۱۹۶۶ء میں مولانا سیّد محمد میاں صاحب مرحوم ومغفور نے حضرت شیخ سے تحریری طور پر رابطہ کرتے ہوئے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مولانا موصوف کو اس عہدہ کی قبولیت کی اجازت دے دیں چنانچہ حضرت شیخ کی تائید اور تصویب کے ساتھ مولانا کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔

اس کے بعد کے آنے والے ادوار میں بھی حضرت شیخ وقتاً فوقتاً اس لائن سے ان کو مشورے

دیتے رہے اور اپنی دعاؤں سے نوازتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء میں جبکہ حضرت شیخ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا آپ کے علم میں مولانا مدنی کا الیکشن میں کھڑا ہونا آیا تو ادعیہ صالحہ کے ساتھ ساتھ ایک دلچسپ نصیحت بھی ان الفاظ میں تحریر فرما کر بھیجی کہ!

> ''سہانپور کے خطوط سے معلوم ہوا کہ آپ بھی الیکشن میں کھڑے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی ہر نوع سے مدد فرمائے تمھارے وجود باوجود سے اہل ہند کو دینی اور دنیوی دونوں ہی قسم کی تمتعات اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے مگر آپ بے باک ہیں۔ بڑھیا کو ایک دفعہ ناراض کر چکے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مبادا دوسری دفعہ اس کی نوبت آجائے۔ اللہ تعالیٰ تمھاری ہر نوع سے حفاظت فرمائے۔''

پیش نگاہ مضمون چونکہ مقالہ کی شکل میں مرتبہ کیا جارہا ہے اس لیے محدود صفحات کی رعایت کرتے ہوئے یہ ناچیز یہاں پہنچ کر اپنا مقالہ ان سطور پر ختم کر رہا ہے جو اس نے مولانا مدنی کے سانحہ وفات پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے تعزیت کے طور پر لکھی تھیں۔

حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کا حادثہ وصال کوئی ایسا حادثہ نہیں ہے جس کو معمولی سمجھ لیا جائے بلکہ یہ ایک کاری زخم ہے جو ملتِ اسلامیہ کو عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں کو خصوصاً لگا ہے۔ جس کی کسک نہ معلوم کب تک محسوس کی جاتی رہے گی اور ماضی کی طرح مستقبل میں جب بھی ملت کی رہبری کی ضرورت پیش آئے گی، تو حضرت مولانا مرحوم کا سراپا بے اختیار نظروں کے سامنے آجائے گا اور ان کے مجاہدانہ عزائم کی تصویر ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے بھرپور انداز میں آجائے گی۔

ہمارے لیے اور جامعہ مظاہر علوم کے لیے اس سانحہ کی سنگینی اس وجہ سے بھی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی پسندیدہ اور منظور نظر شخصیت تھے۔ ویسے تو دین کے تمام شعبے ان کی حیات سے فروغ پا رہے تھے لیکن بطور خاص مدارس عربیہ اسلامیہ کو ان کی ذات سے بڑی تقویت اور ڈھارس تھی۔ جب بھی اور خصوصاً ماضی قریب میں مدارس عربیہ اسلامیہ کے خلاف سازشیں کی گئیں اور ان کو دہشت گردی جیسے قبیح فعل کی طرف منسوب کر کے ان کی سنہری تاریخ پر دھبّہ لگانے کی مذموم کوشش کی گئی تو حضرت مرحوم کی ایک ہی مجاہدانہ للکار سے ان لوگوں کے ناپاک اور مکروہ عزائم تہس نہس ہو گئے۔ بلاشبہ ہندوستان کی وہ واحد شخصیت تھے جن کی آواز سے پارلیمنٹ میں بیٹھنے والے تک لرزہ براندام ہوجاتے تھے اور وہ اپنے اسلام دشمن قدموں کو پیچھے ہٹانے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ اللھم اغفر لہ' وارحمہ. وادخلہ فی الجنہ.

○○

❑ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
مولانا الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی
اور
مولانا اسعد مدنی

باہم شفقت و عنایت اور اخلاص و احترام کی ایک جھلک
حضرت شیخ کے روزنامچہ اور بعض تحریرات کے آئینہ میں

حضرت مولانا اسعد مدنی اور حضرت شیخ کے باہمی روابط، اخلاص ومحبت اور اعتماد و مسازی کی ہمہ وقت کیفیت ان لوگوں کے لیے محتاج وضاحت و بیان نہیں جنھوں نے حضرت شیخ کی صحبتیں پائی ہیں اور حضرت کی خدمت میں مولانا اسعد صاحب کی آمد و رفت، حضرت شیخ کے یہاں مولانا کے غیر معمولی احترام اور حضرت پر مولانا کے اعتماد کو دیکھا ہے، یا اس کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب اور حضرت شیخ کے روابط کی روداد ایک عہد کی تاریخ اور تقریباً ایک صدی پر پھیلے ہوئے روابط کی دلآویز کڑی ہے۔ حضرت شیخ کی مولانا اسعد صاحب سے واقفیت ان کی ذات تک نہیں تھی، بلکہ اس کا سلسلہ اوپر کی دو پشت یا شخصیتوں سے جڑا ہوا تھا۔ مدنی خاندان سے حضرت شیخ کی واقفیت اور روابط کی ابتداء شیخ الاسلام مدنی کے بڑے بھائی مولانا سیّد احمد فیض آبادی کی دید اور عنایات سے ہوئی تھی۔

تقریباً ۱۳۲۰ھ (۳-۱۹۰۲ء) کی بات ہے جب حضرت شیخ تقریباً پانچ سال کے تھے اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ کے ساتھ کاندھلہ سے گنگوہ آ گئے تھے، حضرت مولانا محمد یحییٰ سنہ ۱۳۱۳ھ میں حدیث شریف کی تعلیم کے لیے گنگوہ حاضر ہوئے تھے اور تعلیم کے بعد حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت میں رہ گئے تھے اور چند ہی مہینوں کے بعد حضرت گنگوہی کے ایسے معتمد اور مزاج شناس بن گئے تھے کہ حضرت نے فقہ و فتاویٰ کی خدمت پوری طرح مولانا محمد یحییٰ کے سپرد فرمادی تھی اور فرط محبت میں مولانا یحییٰ کو اندھے لاٹھی کہا کرتے تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی کے آخری زمانہ حیات (وفات ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) میں حضرت مولانا سیّد احمد صاحب فیض آبادی بھی

اصلاح وتربیت کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر تھے، منجملہ اور مصروفیات کے حضرت مولانا گنگوہی کے لیے چائے اور ناشتہ تیار کرنے کی خدمت بھی مولانا سیّد احمد صاحب کے سپرد تھی۔ مولانا حضرت گنگوہی کے لیے انڈے کا نیم برشت تیار کیا کرتے تھے جس میں سے کچھ حصّہ حضرت مولانا گنگوہی استعمال فرماتے تھے، باقی حضرت شیخ کے لیے جو اس وقت کم سن (صرف پانچ سال کے تھے) محفوظ کر دیا جاتا تھا، مولانا سیّد احمد صاحب حضرت گنگوہی کے قلمی شورہ سے پانی بھی ٹھنڈا کیا کرتے تھے۔ اس کا بھی ایک حصّہ حضرت شیخ کے اپنے الفاظ میں:

''اس حقیر فقیر زاہد عن الدنیا کے حوالہ ہو جاتا تھا۔''

(آپ بیتی یا یاد ایام شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا-ص: ۵ حصہ دوم، مکتبہ رشیدیہ ساہی والی، بلا سنہ)

حضرت شیخ مولانا فیض آبادی کی اس دائمی شفقت وعنایت کا بہت دلچسپ پیرایہ میں مزے لے لے کر تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں:

''حضرت قدس سرہٗ کو امرودوں کا بہت شوق تھا اور چونکہ دانت نہیں تھے اس لیے مولانا سیّد احمد صاحب مدنی حضرت (گنگوہی) کے لیے ایسی باریک ورقیاں امرودوں کا کاٹتے جیسے پتنگ کا کاغذ ہوتا ہے۔ حضرت کے سامنے سے جو کچھ بچتا اس کا واحد وارث میں ہی تھا۔''

اس کے علاوہ حضرت کی چارپائی کے نیچے پھل مٹھائی وغیرہ کی ٹوکریاں اور رہنڈیاں رکھی رہا کرتیں یہ بھی چوری سے نہیں اگر غصب سے کہوں تو بے محل بھی نہیں، بہرحال غاصبانہ تصرف میرا ہی ہوتا تھا، غصب میں نے اس لیے کہا کہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ اگر دیکھتے تو گھورتے اور مجھے جھڑک بھی دیتے تھے لیکن حضرت مولانا سیّد احمد صاحب جو حضرت اقدس سرہٗ کی اس قسم کی چیزوں کے منتظم تھے، ان کی طرف سے یہ اِذن عام تھا، بلکہ والد کے گھورنے یا جھڑکنے پر میں اگر اس چیز کو واپس ڈال دیتا اور وہ دیکھ لیتے تو اُٹھا کر اسے اور کبھی ان کے سامنے بھی مجھے دے دیتے۔ مولانا سیّد احمد صاحب فیض آبادی کے حوالہ سے حضرت شیخ نے دو بہت دلچسپ واقعات اور لکھے ہیں، ملاحظہ ہوں:

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

حضرت قدس سرہٗ کے یہاں عام معمول چائے کا تو اچھی طرح یاد نہیں کہ تھا یا نہیں، لیکن یاد پڑتا ہے کہ کبھی کبھی دو حصّے دودھ اور ایک حصّہ چائے کی چھوٹی پیالی ہوتی تھی، البتہ صبح کے وقت میں دو تین بیضوں کا نیم برشت ایک تکیہ بنا کرتا تھا، وہ ایک ہی چیز مہو ہوا کرتی تھی اور بہت اہتمام سے

بنا کرتا تھا۔

مولانا مرحوم تین بیضوں کو تقریباً آدھ گھنٹہ تک اس قدر پھینٹتے کہ وہ پھول کر بڑا پیالہ ہو جاتا، پھر اس کو پکے ہوئے گھی میں فریدان میں ڈالنے سے وہ بلا مبالغہ پھول کر ایک چھوٹے نان کے برابر ہو جاتا، پھر جلدی جلدی اس کو بستر کی طرح لپیٹتے، جس سے وہ گاؤ تکیہ معلوم ہونے لگتا، جو اندر کی طرف سے تو بالکل کچا اور اوپر سے پکا ہوا بہت ہی لذیذ ہوتا، اس میں سے ایک دو چمچے تو حضرت اقدس سرہٗ نوش فرمایا کرتے باقی وہ سارا گاؤ تکیہ اس حقیر فقیر زاہد عن الدنیا کے حوالے ہو جاتا۔''

ایک واقعہ اور پڑھ لیجیے اور اخلاص وقدر دانی کی داد دیجیے:

حضرت قدس سرہٗ کو ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام اور شوق تھا۔ حضرت کے لیے بعد ظہر اولے کا شربت شورۂ قلمی میں ٹھنڈا کیا جاتا، پندرہ بیس منٹ تک حضرت سیّد احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ المونیم کے ڈبوں میں اس کو ٹھنڈا کیا کرتے تھے، اندر کے بند ڈبے میں شربت ہوتا اور باہر کے کھلے بند ڈبے کو بالکل صاف کر کے کہ کہیں اس کے اندر اثر نہ رہ جائے، برتن میں حضرت قدس سرہٗ کو پلانے کے لیے نکالتے اور باہر حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کرنے لے جاتے اور ایک چوتھائی کے قریب اس ڈبّہ میں خاص طور سے اس سیہ کار کے لیے بھی چھوڑ کر جاتے حضرت قدس سرہٗ کے گلاس میں جتنا بچتا، اسی میں میرا اوالاحصّہ ملا کر مجھے مرحمت فرما دیتے، ایک دفعہ حماقت سوار ہوئی، مولانا علیہ الرحمۃ تو حضرت قدس سرہٗ کو پلانے باہر تشریف لے گئے اور اس حریص و لالچی نے ان کے آنے سے پہلے ہی شورہ سے وہ ڈبہ نکال کر منہ کو لگا یا، اندر کا شربت تو دیر میں پہنچا۔ اور باہر جوش تھا، وہ سب سے پہلے منہ کو لگ گیا۔ جس سے سارا منہ کڑوا ہو گیا اور خراب ہو گیا کہ تھوکتا تھوکتا تھک گیا اتنے میں مولانا تشریف لے آئے۔ میری حالت دیکھ کر ڈانٹا کہ ایسی کیا گھبراہٹ تھی، میں تو آ ہی رہا تھا کئی مرتبہ کلی کرائی، پھر وہ بقیہ شربت پلایا۔

یہ حضرت اور مدنی خاندان کے آغاز تھا۔ مولانا سیّد احمد صاحب کے بعد اس رابطہ کی دوسری سب سے مبارک اور لائق صد احترام حضرت مولانا مدنی کی ذات گرامی سے واقفیت اور ارتباط تھا، حضرت مولانا حسین احمد صاحب، حضرت گنگوہی کے آخری دور میں گنگوہ حاضر ہوتے تھے اور حضرت گنگوہی کے وفات کے بعد رشتۂ عقیدت اور مؤدت میں کچھ کمی نہیں آئی حضرت مولانا مدنی گنگوہ حاضر ہوتے اور طویل قیام کرتے، ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی کے وفات کے تقریباً پانچ سال بعد سنہ ۱۳۲۸ھ میں لمبے قیام کے ارادے سے گنگوہ تشریف لائے اور دو مہینہ قیام کیا اور اس طویل عرصہ میں علاوہ اور ریاضتوں اور مجاہدات کے مسلسل روزے بھی رکھے چونکہ حضرت

مولانا کے مولانا محمد یحییٰ سے حضرت گنگوہی کی وجہ سے بہت گہرے اور قریب کے مراسم تھے اس لیے حضرت مولانا مدنی کے افطار کا مولانا یحییٰ کے یہاں انتظام واہتمام ہوگیا تھا۔ حضرت مولانا مدنی کے مولانا محمد یحییٰ کے مکان پر آنے اور افطار کا وقت آتا تو حضرت شیخ الحدیث جو اس وقت بارہ سال کے تھے شوق میں اپنے گھر کے دروازہ پر آ کر کھڑے ہو جاتے اور دور سے حضرت مدنی کو بلاتے آواز دیتے اور کہتے:

''آجاؤ تشریف لے آؤ'' اس کے بعد مفصل واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سیّد حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو اس ناکارہ پر شفقت ومحبت اس وقت سے ہے، جبکہ اس ناکارہ کی عمر ۱۲ر سال سے بھی کم تھی، سنہ ۲۷ھ میں حضرت مدنی قدس سرہٗ نے تقریباً دو ماہ قیام گنگوہ شریف کیا، اور مسلسل روزے رکھا کرتے تھے، معمول یہ تھا کہ حضرت عصر کی نماز خانقاہ کی مسجد میں پڑھا کر سیدھے حضرت قطبِ عالم کے مزار پر تشریف لے جاتے مغرب تک وہاں مراقب رہتے اور غروب سے پانچ سات منٹ پہلے اٹھتے، اور ہمارا گھر خانقاہ کے راستے میں تھا۔ میری والدہ مرحومہ کئی نوع کی افطاری پھلکیاں وغیرہ تیار کر کے رکھتیں اور ایک دستر خوان چارپائی بچھا کر اس پر آٹھ دس طرح کی افطاریاں رکھ دیتیں، اور میں باہر کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا اور جب دور سے حضرت مدنیؒ کو آتا دیکھتا۔ بھاگ کر اپنی والدہ سے کہتا کہ آ گئے، وہ جلدی سے پردے میں ہو جاتیں، اتنے میں حضرت دروازے تک پہنچ جاتے اور میں دروازے سے آجاؤ تشریف لے آؤ کا شور مچاتا۔ حضرت اندر تشریف لاتے، بہت اطمینان سے افطار فرماتے، اسی قانون کے تحت جو میں اپنے والد صاحب کے افطار کا حکیم الامت قدس سرہٗ کے حال میں لکھوا چکا ہوں، خوب اطمینان سے افطار فرمانے کے بعد پانی وغیرہ پینے کے بعد ہاتھ دھو کر کلی کر کے خانقاہ میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھاتے کہ اس زمانے میں مستقل امام وہی تھے، خانقاہ میں پہنچ کر ایک لوٹے سے پانی کے دو گھونٹ پی کر گویا افطار کر کے مصلے پر پہنچ جاتے، یہ حقیقت میں تو یہ تھا کہ حضرت مدنی حضرت صاحبزادے صاحب حکیم مسعود احمد صاحب کے مستقل مہمان تھے اور حکیم صاحب کے لیے یہ چیز بہت گرانی تھی کہ وہ کہیں دوسری جگہ افطار کریں۔

اس وقت سے حضرت شیخ کی حضرت مدنی سے جو محبت واُنسیت پیدا ہوئی وہ بعد میں عقیدت ونیاز مندی اور الحب للہ کی ایسی تصویر بن گئی تھی جس کی مثالیں ہر دور میں کم یاب رہی ہیں۔

حضرت شیخ نے اس وقت سے حضرت مدنی کو دیکھا اور ہر اِک زیارت وملاقات کے ساتھ اس رشتۂ مؤدت میں گہرائی اور صلابت آتی گئی، آخر میں تو دونوں بزرگوں کا ایک دوسرے سے

اس قدر غیر معمولی ارتباط ہوگیا تھا جس کا الفاظ میں بیان کرنا آسان نہیں ہے۔ان تعلقات کا ان واقعات کے علاوہ جو دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونے والے اصحاب شب و روز مشاہدہ کرتے تھے،حضرت شیخ کے مکتوبات گرامی اور خصوصاً روز نامچہ سے خاصی تفصیل سے علم ہو جاتا ہے۔

حضرت مدنیؒ کی، کہنا چاہیے ایک ایک نقل و حرکت کا حضرت شیخ نے روز نامچہ میں اندراج فرمایا ہے اور جب حضرت مدنیؒ کا اس طرح تذکرہ ہے اور حضرت سے ایسی والہانہ محبت اور غیر معمولی ارتباط تھا تو ناممکن تھا کہ حضرت کے خاص متوسلین خصوصاً اہلیہ محترمہ مدظلہا، صاحبزادگان گرامی اور اعزہ و اخلاف کا ذکر نہ ہو۔خاص طور سے مولانا اسعد صاحب کی حضرت شیخ سے بہت بچپن سے بہت زیادہ قربت رہی، حضرت شیخ ،مولانا کی اصلاح و تربیت اور علمی دینی رہنمائی پر خاص توجہ فرماتے تھے اور اس کو گویا اپنا فرض منصبی اور حضرت مدنیؒ سے روابط کا حق سمجھتے تھے۔

حضرت شیخ کے روز نامچہ میں یوں تو حضرت مدنیؒ کے زمانہ حیات (وفات جمادی الآخر ۱۳۷۷ھ/ ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء) کے متعدد اندراجات میں مولانا اسعد صاحب کا تذکرہ آیا ہے مگر وہ سب عموماً ضمنی اطلاعات ہیں۔خصوصاً حضرت مدنیؒ کی آخری علالت (مرض وفات) میں علاج کے لیے مولانا اسعد صاحب کی نہایت مستعدی اور انہماک سے کوشش، اس کے لیے حکیموں اور ڈاکٹروں سے مسلسل روابط، ان لوگوں کی تجویز علاج، اس کے اثرات اور آخر میں حضرت پر سحر کے اندیشہ کی وجہ سے،اس سلسلہ کے اہل کمال کو دیو بند بلانے اور حضرت پر موجود برے اثرات کو دور کرنے کے لیے متواتر جدوجہد کا ذکر ہے۔حضرت شیخ مولانا اسعد صاحب کو اس سلسلہ میں روزانہ دستی خطوط بھیجتے، تحقیق حال کے لیے کسی معتمد کو روانہ فرماتے ،مولانا اسعد صاحب کی ہمّت افزائی کرتے اور ان اقدامات کی مزید بہتری کے لیے مشورہ سے بھی نوازتے تھے۔

لیکن ان سب تدبیروں کے ناکام ہونے اور اس مرد مجاہد کے حق تعالیٰ کے حضور جانے کا وقت آ گیا تھا، اس لیے بہ ظاہر افاقہ کی صورت پیدا نہ ہوئی اور اس وقت جب یہ خیال تھا کہ اب طبیعت بہتر ہے، حضرت مدنیؒ اچانک سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔اس وقت حضرت مولانا اسعد صاحب نے پہلا کام یہ کیا کہ شیخ کو دیو بند لانے کے لیے گاڑی بھجوائی، حضرت مدنیؒ کی وفات کی خبر حضرت شیخ کو اس وقت ملی جب وہ ظہر کے بعد بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، حضرت شیخ کو جیسے ہی یہ جاں سوز اطلاع ملی سبق ختم کر کے فوراً اسٹیشن کے لیے روانہ ہوگئے۔حضرت شیخ نے ہی حضرت کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

حضرت شیخ نے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کو حضرت کی وفات سے تین چار سال پہلے،

بہت اصرار کرکے، حضرت مدنیؒ سے بیعت کرا دیا تھا، اور اس کے لیے کوشش فرماتے رہے کہ حضرت مدنیؒ کی مولانا پر خاص توجہ رہے اور مولانا کو بھی حضرت سے استفادہ کی اور قدردانی کی ہدایت فرماتے رہے۔ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے:

”یہ صحیح ہے کہ میرے ہی کہنے سے ان (مولانا اسعد صاحب) کی ابتدائی بیعت ہوئی تھی اور اس کے بعد سے بھی وقتاً فوقتاً ان کو بھی اور حضرت اقدس کو ایک دوسرے کی طرف توجہ پر عرض معروض کرتا رہا۔“ (مکتوب بنام حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری۔ مندرجہ مکتوبات شیخ الحدیث بنام حضرت رائے پوری و مولانا عبدالجلیل صاحب، برادرزادہ حضرت رائے پوری، مرتبہ شاہ نفیس الحسنی صاحب ص:۴۲۲، لاہور ۱۹۹۸ء)

مولانا اسعد صاحب نے حضرت شیخ کی ہدایات کا پورا پورا خیال فرمایا اور حضرت والد ماجدؒ کے سلوک میں برابر استفادہ کرتے رہے۔

حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ میری ہی درخواست پر حضرت شیخ مدنی نے مولانا اسعد صاحب کے لیے چالیس دن لوہاری میں حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی کے حجرہ میں ریاضت و مجاہدہ کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، مولانا اسعد صاحب اس مقصد کے لیے لوہاری چلے گئے تھے، مگر بیس پچیس دن کے بعد ہی حضرت مدنیؒ کی بیماری کی خبر ملی، جس کی وجہ سے وہ سلسلہ ناتمام رہ گیا تھا، مولانا اپنا کام ترک کرکے دیوبند واپس آ گئے تھے۔ حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد حضرت شیخ نے پھر چاہا کہ وہ اسعد صاحب اس طرح یکسوئی کے چالیس دن دیوبند کی چھتہ مسجد میں گزار لیں، مگر اس کا بھی وقت نہ ملا۔

مولانا اسعد صاحب حضرت شیخ کی اس عنایت کا اپنے گویا مرشد و مربی ثانی حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے نام ایک خط میں یوں اعتراف کیا ہے، لکھتے ہیں:

”احقر اب سے سات سال قبل حضرت شیخ الحدیث صاحب کے کرم سے حضرت اقدس سرہٗ سے بیعت ہوا تھا، پھر جب قدس سرہٗ بمبئی تشریف لے گئے تو بمبئی میں پاس انفاس تعلیم فرمایا تھا۔“ (مجموعہ مذکور ص:۴۲۲)

حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد حضرت شیخ کی توجہ مولانا محمد اسعد صاحب کی جانب بہت بڑھ گئی تھی۔ مولانا کی دینی دنیاوی روحانی مادی تمام ضرورتوں اور مشکلات و مسائل حل کرنے کی ہر وقت فکر رہتی تھی۔ حضرت شیخ نے حضرت مدنیؒ کی وفات کے صرف دو دن بعد، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی خدمت میں جو اس وقت لاہور، پاکستان میں تھے، لکھا تھا:

''عزیز مولوی اسعد سلمہٗ کے لیے دعا کی بڑے اصرار سے درخواست ہے، بڑے باپ کا بیٹا، اخراجات کا پتلہ، آمدنی کے اب ذرائع محدود، حق تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے روحانی مادی ہر نوع کی مدد فرمائے۔''

اس کے بعد کی دو سطریں حضرت مدنیؒ کے آخر ایام کے ایک خاص فقرہ پر مشتمل ہیں، جو اگرچہ حضرت مولانا اسعد صاحب کے متعلق نہیں ہے مگر پڑھنے سننے والوں کے لیے اس میں بڑی رہنمائی اور گہرا سبق ہے۔ لکھا ہے کہ (حضرت مدنیؒ کو وفات سے ایک دن قبل) بدھ کی درمیانی شب میں مغرب کے بعد کرب زیادہ محسوس ہوا، تو کسی نے دریافت کیا کہ کچھ تکلیف زیادہ ہو رہی ہے:

''فرمایا کہ: اس کی بے چینی ہے کہ ساری عمر یونہی ضائع ہوگئی، کچھ کیا نہیں، اب تھوڑا سا وقت باقی ہے، یہ بھی یونہی ضائع ہو رہا ہے۔''

تذکرہ حضرت مولانا اسعد صاحب کے روحانی سفر کا ہو رہا تھا، حضرت شیخ نے حضرت مدنیؒ کی وفات کے فوراً بعد اس کا اہتمام فرمایا تھا کہ، حضرت مدنیؒ کی ذات گرامی سے فیض روحانی کا جو ایک بہت بڑا سلسلہ جاری تھا، وہ اسی طرح باقی رہے اور حضرت کے خلفاء اور متوسلین فوراً اسی خانوادہ کے کسی شخصیت سے جڑ جائیں، تاکہ نہ سلسلہ میں انقطاع ہو، نہ ان لوگوں کو کسی اور جانب رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئے۔

حضرت شیخ چاہتے تھے کہ حضرت مولانا اسعد صاحب حضرت کی جگہ بیٹھیں اور حضرت کے وابستگان ان سے رجوع فرمائیں، مولانا اسعد صاحب کو حضرت کی جگہ بٹھانے اور اس سلسلہ کی نیابت کا بار اٹھانے کے لیے تیار فرمایا، اس کے لیے حضرت شیخ نے خود بھی توجہ اور کوشش کی اور حضرت مدنیؒ کے خلفاء کرام مولانا محمود صاحب پٹھیروی کی قیادت میں، مولانا اسعد صاحب کو حضرت مدنیؒ کی جانشینی کے تیار کرنے اور اس ذمہ داری کو سنبھالنے کی جو تحریک کر رہے تھے، حضرت شیخ نے مولانا محمود کی اس کوشش کو اپنی دل کی آواز سمجھا اور مولانا محمود کی پوری مدد اور رہنمائی فرمائی۔ خیال تھا کہ صرف حضرت مدنیؒ کے خلفاء کی درخواست مولانا اسعد صاحب کو آمادہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہوگی، اس لیے مولانا محمود پٹھیروی خلفاء کی وہ مشترکہ درخواست اور مولانا اسعد صاحب کے لیے مرتبہ خلافت نامہ لے کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آنجناب بھی اس کی تائید و تصویب فرما دیں، اور مولانا اسعد صاحب کے نام ایک اجازت نامہ یا ایک تحریر عنایت فرمائیں کہ وہ ہم خلفاء کی اس درخواست کو قبول کر لیں۔ حضرت شیخ جو شروع سے اس کے خواہاں تھے، مولانا محمود کی تحسین کی، اور ان کی مرتبہ تحریر پڑھ کر، اپنے ارادہ اور ان کی

خواہش کے مطابق اپنا گویا اجازت نامہ بصورت درخواست مولانا اسعد صاحب کے نام لکھ کر، مولانا محمود کے حوالہ فرمادی۔حضرت شیخ نے اس واقعہ کا، اپنے روزنامچہ میں ان الفاظ میں تذکرہ کیاہے:

''۲۷ رجمادی الاول ۱۳۷۷ھ/ ۲۰ ردسمبر ۱۹۵۷ء آج حضرت مدنیؒ کے خلفاء کی ایک تحریر، مولوی محمود پٹھیروی کی اجازت کی تحریر پر، زکریا سے تحریر لکھوا کر لے گیا اور یکشنبہ کو صبح نو بجے حضرت مدنیؒ کے مکان پر وہ تحریر مولوی اسعد کے حوالہ کی۔''

غالباً حضرت شیخ الحدیث کے ایماء پر، (الف) مولانا اسعد صاحب نے (ج) حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کو ایک مفصل گرامی نامہ میں اپنے باطنی احوال اور سیر سلوک کی کیفیت لکھی تھی، یہ خط حضرت شیخ کے ذریعہ سے ہی حضرت رائے پوری کی خدمت میں بھیجا گیا تھا، اس خط کا متن اس طرح ہے:

سیّدی وسندی ادام اللہ ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب مولانا سیّد محمد حامد میاں صاحب کے والا نامہ میں آنجناب نے اس سیاہ کار کے حالات دریافت فرمائے۔ پریشان ہوں کیا حال لکھوں، اس روسیاہ بدکا تو کچھ حال ہی نہیں۔

احقر چھ سات سال قبل حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے کرم سے حضرت (مدنیؒ) قدس سرہٗ سے بیعت ہوا تھا، پھر جب حضرت قدس سرہٗ بمبئی تشریف لے گئے تو بمبئی میں پاس انفاس تعلیم فرمایا تھا، مگر حسب معمول بدنصیبی، کاہلی دامن گیر رہی، واپسی پر احقر کے عرض کرنے پر حضرت قدس سرہٗ نے ۱۲ تسبیح تعلیم فرمائی، کوئی دو سال قبل جبکہ پاس انفاس بلا اختیاری جاری ہو گیا، تب حضرت قدس سرہٗ نے ذکر قلبی تین ہزار تعلیم فرمایا تھا، احقر تعداد کا لحاظ تو زیادہ نہیں کرسکا، ذکر قلبی جاری ہو گیا تھا، مگر احقر حضرت سے کچھ عرض نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ گذشتہ رمضان میں حضرت قدس سرہٗ کے مجازین مولانا احمد علی اور مولانا مصدر علی وغیرہ نے صرف مجھ کو ہی مجبور نہیں کیا بلکہ حضرت قدس سرہٗ سے بھی جا کر عرض کیا، حضرت نے احقر کو طلب فرما کر احوال دریافت کیے، احقر نے عرض کر دیے، تو اس وقت حضرت قدس سرہٗ نے مراقبہ ذات مقدس تعلیم فرمایا، احقر کرتا بھی رہا، لیکن سفر مدراس کے

بعد حضرت کی علالت وغیرہ کی پریشانی میں بیٹھ کر باقاعدہ مراقبہ کا موقع دستیاب نہیں ہوتا تھا، اور طبیعت بھی نہیں لگتی، صرف بارہ تسبیح ضرور کسی طرح کرلیتا تھا، یہاں تک کہ حضرت کا وصال ہوگیا۔

جسم میں کسی کسی وقت سنسنی سی رہتی ہے، اگر کبھی کسی فعل سے مخلوق کی خوش زنی کا خیال ہوتا ہے تو بحمد اللہ خالق کی رضا کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اگر کہیں کسی مخالف ماحول میں پھنس جاتا ہوں تو ذکراور آثار ذکر کا بلا ارادہ غلبہ رہتا ہے، اور دل متنفر رہتا ہے۔

حضرت یہ روسیاہ بہت محروم قسی القلب ہے، خدا جانے ایمان بھی ہے یا نہیں! حضرت قدس سرہٗ کی کوئی خدمت بھی نصیب نہیں ہوسکی، محروم ہی محروم رہا۔ لوگ روتے ہیں تو میں حسرت سے دیکھتا ہوں۔

اس رمضان میں حضرت قدس سرہٗ نے خواب بیان فرمایا کہ احقر اور حضرت حج کے لیے جدہ پہنچے ہیں اور حضرت احقر سے فرمارہے ہیں کہ ''باہر جاکر لوگوں کو خبر دے کہ حسین احمد آگیا'' اب جبکہ حضرت قدس سرہٗ کا وصال ہوگیا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا تعبیر ہوگی؟

حضرت دعوات وتوجہات کا بہت محتاج ہوں، کسی بھی لائق نہیں۔ ویسے حضرت قدس سرہٗ رمضان کے بعد سے بعض سالکین کو احقر کے سپرد بھی فرمایا کرتے تھے کہ جا اُن کو بارہ تسبیح اسم ذات یا پاس انفاس یا ذکر قلبی بتادے، وصال سے چند دن پہلے فرمایا کہ 'فلاں صاحب کی اجازت کا اعلان کردے۔'

یہ چند سطور تعمیلاً للارشاد کرکے پیش کررہا ہوں کہ شاید جناب کی دعوات وتوجہات سے احقر کا بیڑہ پار ہوجائے اور آخرت بن جائے، اور اکابر کے ساتھ حشر ہوجائے۔

فقط والسلام

طالب دعا اسعد غفرلہٗ

۲۲ رجب ۱۳۷۷ھ

اس خط کے مندرجات مولانا اسعد صاحب کی روحانی قلبی کیفیات اور رفعت پرواز کی خبر دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت رائے پوری نے کیا جواب دیا، یا کیا ارشاد فرمایا، اس کا تذکرہ ذرا بعد میں، یہاں پہلے وہ خط پڑھ لینا چاہیے جو مولانا اسعد صاحب کے اس خط کے ساتھ حضرت شیخ

نے حضرت رائے پوری کو توجہ مزید اوراس خط کی اہمیت کے احساس کے طور پر لکھا تھا، حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

’’حضرت اقدس سیّدی وسندی ادام اللہ ظلال برکاتہٗ۔

بعد سلام مسنون، اسی وقت مولانا اسعد صاحب کا یہ پرچہ حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجنے کے لیے آیا ہے، جوارسال خدمت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میرے ہی کہنے سے ان کی ابتداء بیعت ہوئی تھی، اوراس کے بعد سے وقتاً فوقتاً ان کو بھی اور حضرت اقدس مدنی نوراللہ مرقدہٗ کو بھی، ایک دوسرے کی طرف خصوصی توجہ پرعرض ومعروض کرتا رہا۔ غالبًا تین سال ہوئے میرے ہی تقاضہ پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کولوہاری حضرت میاں جی صاحب کے حجرے میں ایک چلہ گزارنا تجویز کیا تھا۔

مگر غالبًا ۲۰-۲۵ یوم کے بعد حضرت کی بیماری کی خبر ان کو پہنچی، یہ کچھ بیمار سے ہوگئے اور وہ پورا نہ ہوسکا۔ اب بھی میں نے تقاضا کیا، اس کی تکمیل دیوبند ہی کی مسجد میں اعتکاف کی صورت سے پوری کرلیں، مگر مہمانوں کے ہجوم کی وجہ سے اب تک نہ ہوسکا۔ اس کی تکمیل ......(آگے کا کٹا ہوا ہے)۔‘‘

حضرت رائے پوری پر جو مولانا اسعد صاحب کی سیر سلوک میں حضرت شیخ کی رہنمائی اور مشورہ اور سرپرستی سے غالبًا مولانا اسعد صاحب کے اس خط سے بھی بہت پہلے سے واقف تھے، دو تاثر ہوئے۔

حضرت رائے پوری نے مولانا اسعد صاحب کوتحریر فرمایا کہ حضرت مدنی نے جو کچھ تعلیم فرما رکھا ہے اس پر عمل کا اہتمام کریں، حضرت شیخ الحدیث کو اپنا مرشد اور رہنما تصور کریں اور سلوک و معرفت کے معاملات میں جو کچھ شیخ فرمائیں، اس پر عمل کرتے رہیں۔

اور شیخ کو جن کا خط مولانا اسعد کی سفارش نامہ کے حیثیت رکھتا ہے، ہدایت فرمائی کہ مولانا اسعد صاحب کو اجازت وخلافت دے دیں۔ مولانا اسعد صاحب کے نام حضرت رائے پوری کا گرامی نامہ درج ذیل ہے:

’’عزیزی گرامی قدر مولوی محمد اسعد سلمہٗ، از احقر عبدالقادر

السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاتہ‘

لفافہ ملا۔ حالات و کیفیات کا علم ہوا، جو کچھ حضرت نے فرما رکھا ہے اس پر پوری طرح سے عامل رہو، اور شیخ الحدیث صاحب کو اپنا شیخ تصور کرو، اور جس طرح

حضرت الحدیث صاحبؒ فرمائیں اس طرح کرتے رہو۔

احقر بھی دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے اور اپنی رضا نصیب فرمائے، بشرط زندگی ملاقات کے وقت کچھ اور عرض کروں گا۔

فقط والسلام

اور حضرت شیخ کو زبانی یہ ہدایت بھجوادی کہ مولانا اسعد صاحب کو اجازت وخلافت دے دیں۔ یہ ہدایت پہلی مرتبہ مولانا حامد میاں صاحب (فرزند مولانا سیّد محمد میاں صاحب) کے ذریعہ آئی تو حضرت شیخ نے اس کی تحقیق ضروری سمجھی، اس کے لیے حضرت رائے پوری کے بھتیجے (نیز اپنے اور حضرت رائے پوری کے معتمد خاص) مولانا عبدالجلیل کو گویا صیغۂ راز میں لکھا، کہ اس کی تحقیق کر کے اطلاع دو کہ حضرت کا کیا ارشاد ہے۔ لکھا ہے:

''ایک ضروری امر یہ ہے کہ مولوی حامد میاں کے خط سے جو انھوں نے دیوبند لکھا ہے، حضرت کا یہ ارشاد پہنچا کہ زکریا کو چاہیے کہ مولانا اسعد صاحب کو اجازت بیعت دے دی۔ اس کی تحقیق مطلوب ہے، شدت سے جواب کا انتظار کروں گا۔''

اس کے دوسرے دن لکھے ایک اور خط میں بھی اس کا تذکرہ ہے، حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ:

''کل کے خط میں، مولانا اسعد صاحب مدنی کی اجازت کے سلسلہ میں حضرت اقدس کے ایک ارشاد کی تحقیق، میں نے دریافت کی ہے، اس کو راز میں رکھیں اور بواپسی جواب سے مطمئن فرمائیں۔''

بعد میں مولانا عبدالجلیل صاحب کے خط سے حضرت رائے پوری کی اس ہدایت وارشاد کی تصدیق ہوئی، اس تصدیق کے بعد حضرت شیخ پر جو کیفیت گزری اور شیخ کو حسبِ معمول ومزاج، اپنی نااہلی بے بضاعتی کا جو شدید احساس ہوا، اس کا بھی حضرت شیخ کے ایک خط میں اندراج ہے۔ مولانا عبدالجلیل کے نام تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت اقدس کے اس ارشاد سے کہ وہ اجازت دیتا، سینہ پر شدید ضرب لگی، کاش یہ سیاہ کار اس قابل ہوتا۔ میرے اکابر حضرت اقدس سہارنپوری کے ارشاد پر اعتماد کرتے ہوئے مگن ہیں، اور اس ناکارہ کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اصیحابی **فیقال انک لاتدری مااحدثوا بعدک فاقول سحقاً سحقاً، لمن غیر ذٰلک بعدی. او کمال قال** ۔(بخاری شریف ۲/۹۷۴) ہروقت گھومتا رہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس احساس اور تصور کے ساتھ اس ہدایت پر عمل کا کہاں موقع تھا۔

اگرچہ حضرت شیخ نے مولانا اسعد صاحب کو اجازت و خلافت عطا فرمانے کے حضرت رائے پوری کے مشورہ پر، حضرت مولانا اسعد صاحب کی حضرت مدنی سے نسبت اور اپنے انتہائی عجز و انکسار کی وجہ سے عمل نہیں کیا تھا، لیکن مولانا اسعد صاحب کو سلوک و معرفت میں کامل بنانے، اور نہ صرف حضرت مدنی کے خلفائے کرام اور متوسلین، بلکہ خود اپنے بھی بعض خواص اور خلفاء کو مولانا اسعد صاحب کے دامن اصلاح و تربیت سے وابستہ کرنے، مولانا کی قدر پہچاننے اور مولانا سے استفادہ کرنے کی ہمیشہ ترغیب و تلقین فرماتے رہے۔

شروع میں یہ ہوتا تھا کہ حضرت مدنیؒ کے جو خلفاء یا خاص تربیت یافتہ اصحاب، کسی معنوی پریشانی یا مزید ترقی اور انجذاب روحانی کے لیے مولانا اسعد صاحب سے رجوع کرتے تھے، مولانا ان کو حضرت شیخ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور کبھی کبھی خود ہی لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان پر خصوصی توجہ فرمانے اور طریقت کے معاملات کو آگے بڑھانے میں مدد کی درخواست کرتے تھے۔ ایسے متعدد اصحاب کی مولانا اسعد صاحب کے واسطہ سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا، حضرت شیخ کے روزنامچہ سے علم ہوتا ہے، مثلاً حضرت شیخ نے ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ ۱/۱۳اکتوبر ۵۸ کی یادداشت میں لکھا ہے:

> ”مولانا ابوالکلام ساکن ضلع چمپارن۔ فاضل دیوبند۔ آج آئے اپنی انتہائی پریشانی اور اشکالات وغیرہ کی بنا پر ایک ہفتہ قیام کی اجازت چاہی، اور ملوی اسعد مدنی کے شدید اصرار پر بیعت کی۔“

اسی طرح چند اور اصحاب کا بھی متفرق موقعوں پر ذکر آیا ہے، جو مولانا اسعد صاحب کے چند خلفاء کے روحانی مسائل کے حل میں حضرت شیخ کی مدد اور مولانا اسعد صاحب سے ان کو اجازت کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت شیخ کا خاص معمول یہ تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کے خواص اور مریدین کو کسی خاص وجہ کے بغیر بیعت نہیں کرتے تھے، اکثر یہ کوشش فرماتے کہ وہ اپنے شیخ کے نامزد کردہ یا جانشین سے بیعت ہوں، حضرت مدنیؒ کے مریدین کے لیے بھی یہی اصول تھا کہ ان کو بیعت نہیں کرتے تھے، ایسے اکثر اصحاب کو مولانا اسعد صاحب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے، ایسے متعدد مشوروں یا رہنمائی کے اشارات روزنامچہ میں درج ہیں۔

یہ تو مولانا اسعد صاحب کے سلسلۂ بیعت کے آغاز کی بات تھی، بعد میں حضرت شیخ کا مولانا

سے محبت و احترام کا معاملہ بڑھتا ہی گیا، یہاں تک کہ تبلیغی جماعت کے مشہور عالم اور رہنما مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری کو ایک خط میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ:

''اس سے انکار نہیں کہ یہ ناکارہ عزیزی مولوی اسعد سلمہٗ کو، مولانا محمد یوسف صاحب کو، عزیز مولانا انعام الحسن صاحب اور حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب زادمجدہم کو اپنے سے ہر طرح افضل سمجھتا ہے۔ اور اپنی نااہلیت کی وجہ سے اکابر کے زمانہ میں تو ان حضرات کی طرف سے اصرار سے متوجہ کیا کرتا تھا اور اب ان عزیزوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔'' (مکتوبات حضرت شیخ الحدیث، مرتبہ ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن صاحب ص ۲۴۱ جلد دوم، کراچی ۲۰۰۴ء)

نیز اپنے خواص اور حضرت مدنیؒ کے متعلقین کو بھی مولانا سے رجوع کرنے کی ہدایت آخر زمانہ تک فرماتے رہے، خصوصاً مولانا رشید الدین صاحب (مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد) کو جو حضرت شیخ کے مجاز بیعت بھی تھے، بار بار لکھا کہ مولانا اسعد صاحب سے رجوع کرلو، ان کی صحبت اختیار کرو، مولانا کے اعتکاف میں حاضر رہو۔ مولانا رشید الدین صاحب نے خود لکھا ہے کہ:

''متعدد خطوط میں بار بار تحریر فرمایا کہ تم مولانا اسعد صاحب کی طرف رجوع کرلو، اس میں تمھیں سہولت بھی ہوگی اور راحت بھی، مگر میں بچپن سے مولانا اسعد صاحب سے بے تکلّفانہ زندگی کی وجہ سے اس سے عذر کردیا کرتا تھا۔'' (مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء کرام، مرتبہ مولانا محمد یوسف متالاً گجراتی ص: ۳۷ حصّہ سوم، کراچی: بلا سنہ)

مولانا رشید الدین صاحب کا حضرت شیخ کے یہاں رمضان المبارک میں اعتکاف کا معمول تھا، رجب ۱۳۹۲ھ میں مولانا رشید الدین نے حضرت شیخ کو لکھا کہ میرا رمضان المبارک میں حاضری کا ارادہ ہے، اس وقت بھی حضرت شیخ نے یہی ہدایت فرمائی تھی کہ تم اس مرتبہ مولانا اسعد صاحب مدنی کی خانقاہ میں وقت گزارو، اس کی کیفیات سے لطف اندوز ہو، حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

''تم نے اس خط میں اس سال یہاں رمضان المبارک گزارنے کا تقاضہ لکھا، پارسال بھی لکھا تھا، لیکن پارسال تو میں واقعی مہتمم صاحب سے پختہ وعدہ کرچکا تھا اور نیم وعدہ اس سال بھی ہے، اور چونکہ معلوم ہوا کہ مولانا اسعد صاحب سے بھی مہتمم صاحب وہاں کے قیام کی دعوت کا وعدہ فرمارہے ہیں تب اور بھی زیادہ اچھا ہوگا۔ کہ میرا رمضان تو کئی دفعہ بھگت چکے ہو، ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے رمضان کا چسکہ بھی چکھو، معمولات میں مولانا اسعد صاحب کا پابند

رہنا اپنا نظام الگ نہ بنانا، تراویح وغیرہ انھی کے اصول سے جاری رکھیں البتہ نوافل میں جماعت کثیر کی وجہ سے اگر تم شرکت نہ کر سکو تو مضائقہ نہیں، لیکن تم ان پر نکیر مت کرنا۔ ۲۷ر رجب سنہ ۹۲ھ۔

(مکتوب حضرت شیخ الحدیث مرتبہ ڈاکٹر میمن صاحب)

چونکہ مولانا رشید الدین صاحب کا مولانا اسعد صاحب کے گھریلو قریبی بے تکلفی کا رشتہ تھا اس لیے مولانا رشید الدین کو اس ارشاد کی تعمیل میں تامل و تکلف ہوتا تھا۔ شیخ کی اس بار بار کی ہدایت کا بھی اثر نہ ہوا، تو حضرت شیخ نے مولانا رشید الدین کو ایک نسبتاً سخت لکھا، جو درج ذیل ہے۔ میں نے کئی سال سے آپ سے بار بار کہا کہ تم عزیز مولانا اسعد صاحب کی طرف رجوع کرلو، ''میرے پیارے! یہ میں نے حضرت مدنیؒ کے احترام میں تمھاری خیر خواہی سے بار بار کہا، میں سارے سال بیمار رہا اور اب تک یہ طے نہیں کر سکا کہ اس سال ہندوستان آ سکتا ہوں یا نہیں، اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔ جب میرے کہنے سے ہو تو کوئی خلجان کی بات نہیں۔''

عبدالماجد دریابادی اور مولوی عبدالباری صاحب حضرت شیخ الاسلام سے بیعت تھے، اور حضرت قدس سرہ ہی کے ارشاد پر تھانہ بھون رجوع کیا اور مولوی عبدالباری مرحوم کو تو وہاں سے اجازت بھی ملی۔ میں خود حضرت رائے پوری اور حضرت مدنی نوراللہ مرقدہما کی حیات میں اپنے متعدد لوگوں کو ان دونوں اکابر کی خدمت میں بھیجتا رہا ہوں۔

اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے جیل کے زمانہ میں اپنے متعدد احباب کو تحریر فرما دیا کرتے تھے کہ میرے آنے تک زکریا سے پوچھیں، مولوی محمود پٹیڑوی کو تو خاص طور سے حکم دیا تھا آپ انھیں سے چاہے دریافت بھی کرلیں۔

مولوی منّور صاحب بھی پہلے حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوئے تھے، اور حضرت رائے پوری کے یہاں تو بہت کثرت سے یہ معاملہ ہوتا رہتا تھا۔ میرے یہاں اجازت میں محض تعلیم کافی نہیں، اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں شرائط کے درجے میں ہوتی رہتی ہیں۔ عزیز مولوی اسعد سے میرا یہ خط دکھا کر کہہ دیں کہ وہ اس میں تامل نہ کریں۔ فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم حبیب اللہ

۱۱ر جون ۷۷ء مدینہ منور

اپنے معاملات میں مولانا اسعد سے مشورہ اور تعاون

حضرت شیخ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ اپنے اہم معاملات میں، اور ایسے مسائل و مباحث میں جس میں مشوروں اور اجتماعی اہم رائے کی ضرورت ہو۔ مولانا اسعد صاحب کو بھی یاد فرمایا کرتے تھے، مثلاً حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی وفات کے بعد دسیوں سال تک، حضرت شیخ پر، خانقاہ رائے پور کے آباد اور پرفیض رہنے کی کوشش کا بہت غلبہ رہا۔ حضرت شیخ نے ایک سے زائد سے موقعوں پر لکھا ہے کہ مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب رائے پوری نے حضرت رائے پوری کی موجودگی میں میرے سے اور حضرت کے بہت سے خدام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں رائے پور میں رہوں گا، اور خانقاہ اسی طرح آباد اور اپنے معمولات وشب وروز کی پابند رہے گی مگر کسی وجہ سے اس پر عمل نہ ہوسکا تو حضرت شیخ نے ان تمام علماء ومشائخ اور ذمہ داروں کو اس پر توجہ دلائی کہ اس خانقاہ کا آباد وفعال رہنا ہم سب کے لیے بہت سودمند ہے، اور سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس مقصد کے لیے عملی قدم اٹھائیں۔

اس ضرورت کی اہمیت اور اس کو عملی صورت دینے کے لیے حضرت شیخ نے اپنے سلسلہ کے اکابر علماء کے دو مرتبہ اجتماعات طلب کیے، پہلا مشورہ ۸/دسمبر ۱۹۶۲ء کو ہوا تھا، اس میں شرکت کے لیے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اپنے تبلیغی سفر ناتمام چھوڑ کر واپس آئے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی اور متعدد علماء نے اس کے لیے اپنی طے شدہ مصروفیات اور سفر مؤخر یا ملتوی کیے، مولانا اسعد بھی طویل سفر سے واپس آئے شیخ کے الفاظ ہیں:

''مولوی اسعد مدنی نے اپنے متعدد سفر بند کیے''

مگر اس اجلاس ومشورہ کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اس لیے بعد میں بھی اس پر توجہ رہی، اس مقصد کے لیے ایسا ہی ایک اور جلسہ ''مشورہ برائے خانقاہ رائے پور'' جمادی الاول ۱۳۹۰ھ جنوری ۱۹۷۰ء میں ہوا تھا، اس میں بھی مولانا اسعد صاحب اہتمام سے شریک ہوئے تھے۔

جب حضرت شیخ کا آخری اہم کارنامہ **لامع الدارمی علی جامع البخاری** مکمل ہوا تھا، اس کی تکمیل کی مسرت کے موقع پر ۱۷/ربیع الاوّل ۱۳۸۸ھ (۱۵/جون ۱۹۶۸ء) کو حضرت شیخ نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا، جس میں ایک ہزار سے زیادہ افراد شریک ہوئے تھے، ان میں ملک کے اکابر اور علماء رعماء کی ایک بڑی تعداد شامل تھی، اس میں مولانا اسعد مدنی کا نام حضرت شیخ نے اہمیت سے ذکر کیا ہے۔

حضرت شیخ کے اور بھی کئی معاملات تقریبات اور سفروں میں مولانا اسعد صاحب نے خاص

اہتمام سے شرکت کی، حضرت شیخ نے ان سب کا اپنے اپنے موقعوں پر ذکر کیا ہے۔

اسی طرح مولانا اسعد صاحب کی ذاتی عملی زندگی کے جو اہم پڑاؤ ہیں اور جب جب کسی وجہ سے کوئی خاص بات پیش آئی، حضرت شیخ نے مولانا کی مدد اور رہنمائی کی اور مولانا کے تمام معاملات میں پوری طرح شریک اور ہم قدم رہے ہیں۔

حضرت مدنی کی وفات کے بعد دار العلوم کی شوری کا جو پہلا اجلاس ہوا، وہ حضرت مدنی کی وفات کے پس منظر میں کئی وجوہات سے بہت اہم تھا، حضرت شیخ کو بھی اس کی بہت فکر تھی اور مولانا اسعد صاحب کو بھی، اس کا حضرت شیخ کی طبیعت پر بوجھ تھا، اس لیے حضرت رائے پوری کو دعا کے لیے لکھا، تحریر فرماتے ہیں:

''کل کو دیوبند کے جلسہ شوریٰ ممبران میں جانے سہم میں ویسے ہی معطل الدماغ بے کار سہم میں بیٹھا ہوں، اس لیے خیال ہوا کہ تمھیں خط ہی لکھ دوں، اس لیے کہ اگر کل کو روانگی ہوگئی تو دو دن ناغہ جائیں گے۔

شوریٰ کے سفر کا سہم تو ہمیشہ ہوا کرتا تھا، سفر میرے لیے بھی مجاہدۂ عظیمہ ہے، لیکن حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا خوف اور شوق زیارت سہم پر غالب آجاتے تھے، اب صرف سہم ہی رہ گیا۔ سفر کی ہمّت بالکل نہیں، مگر حضرت اقدسؒ کے بعد کا پہلا شوری ہے کہتے ہیں کہ اہم ہے شرکت ضروری ہے۔ مولانا اسعد صاحب بھی اصرار کر گئے اور دوسرے حضرات کی طرف سے بھی اصرار ہے۔

حضرت اقدس کی خدمت میں سلام کے بعد اس ناکارہ کے لیے تو ضرورت دعا ہے ہی ہر دو مدرسوں کے لیے بھی خصوصی دعا کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد سے تو یہ گویا ایک معمول بن گیا تھا کہ حضرت شیخ مولانا اسعد صاحب کی ایک ایک مصروفیت اور پروگرام کی خبر رکھیں، اس کی کامیابی اور ترقی کے لیے دست بدعا رہیں، جمعیۃ علماء ہند کا کوئی بڑا اجلاس ہو، جمعیۃ کی کسی مقامی کمیٹی کی نشست ہو، مقامی مشورہ ہو، تعلیمی کانفرنسیں ہوں، جلسے ہوں یا مولانا کے دور دراز کے سفر اور مصروفیات، حضرت شیخ ہر ایک پر نظر رکھتے تھے ہر ایک کے متعلق روزنامچہ میں یادداشت تحریر فرماتے، اور کئی ایک باتیں جن میں مختلف وجوہ سے تنازعات اور اختلافات رہے، ان کی تفصیلات خاص طور سے فراہم کرتے تھے، حضرت کے روزنامچہ میں اس کا کبھی کبھی تفصیل سے اندراج ہوتا کبھی اجمالاً، تاہم سلسلہ کی جملہ تحریریں اور متعلقات اہتمام سے محفوظ رکھے جاتے تھے۔

اس سلسلہ کی جو سب سے پہلی یادداشت رقم فرمائی ہے، وہ ۲۱؍صفر۱۳۶۷ھ ۷؍ستمبر ۱۹۵۷ء کی ہے۔ اس دن جمعیۃ علماء کی تعلیمی کمیٹی کا ایک مختصر جلسہ مدرسہ مخزن العلوم سہارنپور میں ہوا، اس کا افتتاح مولانا اسعد صاحب نے کیا تھا، اختتامی دُعا حضرت شیخ کی تھی۔

ارشاد وتعلیم کے علاوہ مولانا اسعد صاحب کی زندگی کی سب سے بڑی مصروفیات اور جدوجہد کا سب سے بڑا محور ومرکز جمعیۃ علماء ہند کی تحریک، تنظیم اور اس سے وابستہ مقاصد اور ان کا دائرہ کار تھا۔ جس میں پہلا اہم واقعہ میرٹھ کا اجلاس جمعیۃ علماء تھا جو بوجوہ قابل توجہ بن گیا تھا، اس وقت سے حضرت شیخ کی زندگی کے جمعیۃ علماء سے آخری اجلاس تک، نیز مولانا کی اور سیاسی ملی مصروفیات ہر ایک کے متعلق روزنامچہ نیز اپنی دوسرے بڑے یادداشت نامہ میں نوٹ ضرور لکھتے تھے۔

حضرت شیخ کو حضرت مدنی کی نسبت سے جمعیۃ علماء سے بھی خاص تعلق خاطر تھا اس کی ترقی کے لیے دُعا گو رہتے اور اس سے واقفیت اور اس کے متعلق مشوروں کو ایک ضروری کام سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کی وفات کے بعد، بعض نازک مسائل سامنے آ گئے تھے، اسی دوران جمعیۃ کا اجلاس ہوا، مولانا اسعد صاحب نے حضرت شیخ سے بھی تشریف لانے کی درخواست کی اور اس کے لیے خط لکھا، اس کے جواب میں حضرت نے شیخ جو گرامی نامہ تحریر فرمایا اس سے شیخ کے مولانا اسعد صاحب اور جمعیۃ علماء دونوں سے قربت کا، اور دونوں کی ترقی کے لیے دُعا اور توجہ کے اہتمام کا علم ہوتا ہے۔ شیخ نے تحریر فرمایا تھا کہ:

مکرم ومحترم مولانا الحاج اسعد صاحب! زادت معالیکم وعافاکم اللہ وسلم عن الشرور والفتن بعد سلام مسنون۔

دعوتی گرامی نامہ جمعیۃ کے اجلاس کے شرکت کا پہنچ کر موجب مسرت ہوا، تمھارے اعوان کو تو میرا حال معلوم نہ ہوگا مگر تم کو تو میری حالت ہر وقت دیکھتے ہو کہ جو شخص مسجد تک بھی نہ جا سکتا ہو، چارپائی پر نماز پڑھتا ہو حتیٰ کی نظام الدین میں حجرہ بالکل مسجد کے برابر ہونے کے باوجود مسجد میں نہیں جا رہا ہوں، حجرہ ہی میں چار آدمی پکڑ کر صف کی محاذات میں بٹھا دیتے ہیں اس لیے جسمانی حاضری یا شرکت کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا لیکن دُعا و قلبی شرکت سے نہ کبھی پہلے دریغ ہوا نہ اب۔

تمھیں معلوم ہے کہ اس سیاہ کار کو اپنے اکابر کے متعلقین اور ان سے تعلق رکھنے والے حتی کہ در و دیوار تک سے محبت ہے، پھر جمعیۃ علماء کہ میرے دو اکابر حضرت شیخ الہند، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہما کی محبوب ترین چیز ہے، اس کی

ترقی، مکارہ سے حفاظت اور کارکنوں میں للّٰہیت اور اخلاص کی دعاؤں سے نہ کبھی پہلے غافل ہوا نہ اب اور نہ کبھی انشاءاللہ آئندہ۔

تمھیں خوب معلوم ہے کہ اس ناکارہ نے حرمین کی حاضری میں اپنے اکابر سے ذرا سا تعلّق رکھنے والے کو بھی عمومی اور خصوصی نام لے کر دعاؤں میں یاد رکھا، اس لیے جہاں تک جمعیۃ کے اجلاس کا تعلّق ہے، اور حضرت مولانا سیّد فخر الدین نوراللہ مرقدہٗ کے حادثہ جانکاہ کی وجہ سے اس کی نزاکت بڑھ گئی ہے، بہت اہتمام سے دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے نہایت کامیابی کے ساتھ تکمیل کو پہنچائے، ہر نوع کے مکارہ سے محفوظ فرمائے مثمر ثمرات و برکات بنائے، جملہ کارکنان میں اخلاص وللّٰہیت، اپنی رضا و محبت کا جذبہ زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے اور اس سیاہ کار کو بھی اکابر کی یادگاروں کی زیادہ سے زیادہ قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔‘‘

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث

بقلم حبیب اللہ

آخری سب سے بڑا مسئلہ جس سے فضائیں برسوں مسلسل مشتعل اور مرتعش رہیں قضیہ دارالعلوم تھا، اس پر حضرت شیخ نے گہری نظر رکھی، فریقین کو ملاقات، گفتگو، خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ اعتدال برتنے، اپنے بڑوں کے اسوہ کو ترک نہ کرنے اور اس مسئلہ کے قابل قبول حل نکالنے کی کوشش فرماتے رہے۔

ایسا نہیں تھا کہ حضرت شیخ، مولانا کے تمام معاملات نظریات اور طریقۂ کار سے بہر صورت اتفاق کرتے ہوں، کئی موقعوں پر حضرت شیخ کی رائے مولانا کے رائے سے مختلف ہوتی اور شیخ اس کی وجہ اور متوقع نتائج وثمرات کا بھی تحریری یا زبانی طور سے، اور کبھی کبھی کسی معتمد قاصد کے توسط سے اظہار فرما دیا کرتے تھے، مگر یہ اختلاف چونکہ سراسر اصولی اور اخلاص پر مبنی ہوتا تھا اس لیے اس کی وجہ سے نہ کبھی کسی کو گرانی ہوتی، اور نہ ہی ان کا معمولاً کسی زبان پر تذکرہ آتا۔

آخر میں تو شیخ کی نظر میں مولانا اسعد صاحب کا ایسا ہی مرتبہ ہو گیا تھا کہ اپنے معاملات اور ذاتی مشوروں میں مولانا کے سامنے سپر ڈال دیتے تھے، کئی مرتبہ ہوا کہ مولانا نے کسی بات کے لیے اصرار کیا تو حضرت شیخ نے بلا تکلف اس کو قبول فرما لیا اور اپنی وہ رائے یا فیصلہ جس کا ایک دو مرتبہ

تذکرہ یا اعلان بھی فرما چکے تھے واپس لے لیا، ایسے ہی دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ سنہ ۱۳۸۹ھ/ مارچ ۱۹۶۹ء میں دہلی سے زیارت حرمین کے لیے سفر کیا، اس سفر کے آغاز کے وقت دہلی میں ہی یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اس سفر میں مسلسل روزے رکھیں گے، اس وقت حضرت شیخ کی صحت کچھ بہت اچھی نہیں تھی پھر عمر کا تقاضہ، سخت گرمی کا موسم اور لمبا سفر جس میں اور بھی کئی ملکوں میں جانے کا منصوبہ بنا تھا، اس لیے حضرت شیخ کے خادموں کے علاوہ اور بھی سب اکابر حضرت مولانا انعام الحسن، حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی وغیرہ اور خاندانوں کے وہ اقرباء جن کی بات حضرت شیخ کے یہاں وقعت رکھتی تھی حضرت شیخ کے اس طرح مسلسل روزہ رکھنے کے ارادہ سے متفق نہیں تھے، اس کے لیے دہلی سے گزارشات اور عرض ومعروض کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، مگر حضرت شیخ اپنی رائے پر قائم رہے اور صحت کی متواتر خرابی اور سفر کی صعوبت کے باوجود **صیام شہرین متتابعین** کی توبۃ من اللہ نیت فرمائی، مکہ معظّمہ اور اس کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری ہوئی، دونوں مقامات پر اس معمول میں تبدیل نہیں آئی، اس دوران ہندوپاکستان کے جو اکابر علماء حاضر خدمت ہوئے ان سب کی بھی یہ خواہش اور درخواست رہی کہ حضرت شیخ اس طرح مسلسل روزے ترک فرمادیں اس سے صحت خراب اور کمزور ہوجائے گی حضرت شیخ نے سب کے مشورے سنے اور اوراپنے خیال پر کاربند رہے، آخر میں مولانا اسعد مدنی صاحب جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو انھوں نے روزہ ترک کرنے پر مسلسل شدید اصرار کیا، حضرت شیخ نے بالجبر مولانا کے اصرار کے سامنے سپر ڈال دی اور روزہ کھول دینے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت شیخ نے اپنے بڑی یادداشت، تاریخ کبیر میں لکھا ہے:

> ''سفر میں ڈھائی ماہ تک روزہ مسلسل رہا اور ذرا گرانی نہیں ہوئی احباب کے اصرار، بالخصوص عزیز مولوی اسعد، جو اتفاق سے مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے، کے شدید اصرار پر چھوڑنے پڑے۔''

اسی طرح مولانا اسعد صاحب حضرت شیخ سے اور حضرت کی رائے کے خلاف بھی بعض باتیں منظور کرالیتے تھے، مثلاً حضرت شیخ نے رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ مدینہ منورہ میں گزارا تھا، حضرت شیخ کے تمام خلفاء اور اکثر متوسلین کا تقاضہ اور اہتمام رہتا تھا کہ حضرت کا رمضان اپنی قیام گاہ سہارنپور رہو جس سے ہندوستان بھر میں بکھرے ہوئے متوسلین کے لیے براہِ راست استفادہ کی سہولت رہے، اس سال بھی ایسا ہی ہوا، مگر مولانا اسعد صاحب حضرت شیخ سے ایک سال پہلے کا وعدہ لے چکے تھے کہ آپ رمضان ۱۳۹۲ھ مدینہ منورہ میں بسر فرمائیں میں بھی وہیں حاضر رہوں

گا، حضرت شیخ نے تمام احباب وخواص کی رائے کے خلاف مولانا کی رائے اور وعدہ پر عمل فرمایا، مدینہ منورہ میں رمضان شریف گزارا، مولانا اسعد صاحب بھی اسی دربار گہربار میں حاضر رہے:

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے:

''عزیزی مولوی اسعد سے ایک سال پہلے طے ہوگیا تھا کہ اگلا رمضان، دونوں کا مدینہ میں ہوگا، اس لیے افریقہ سے سیدھا مدینہ منورہ، ایک ہفتہ قبل پہنچ گیا تھا اور یکم شوال کو عید کی نماز پڑھ کر بہ ارادۂ ہندوستان چلا گیا۔''

یہ حضرت شیخ کی مولانا اسعد صاحب سے شفقت وعنایت اور مولانا کی حضرت سے نیاز مندی اور خوردانہ روابط وتعلق کے چند مختصر اجمالی اشارات تھے، حضرت شیخ کے روزنامچہ اور تحریرات ومکتوبات میں اس حوالہ سے کچھ لکھا ہوا ہے اس کی تفصیل کے لیے ایک مضمون ومقالہ نہیں، مفصل کتاب چاہیے حضرت مدنی، مولانا سیّد احمد فیض آبادی اور حضرت مدنی کے اخلاف و اہل خاندان کی نسبت چھوٹی بڑی اس قدر اطلاعات ومعلومات حضرت شیخ کے روزنامچہ مکتوبات اور متفرق ذاتی تحریرات میں درج ہیں کہ اگر ان کو مرتب کیا جائے تو معلومات کا ایک خزانہ ہاتھ آئے اور غالباً ساڑھے چارسو پانچ صفحات کی اچھی کتاب مرتب ہوگی جو مدنی خاندان کے متعلق اہم معلومات ووقائع کا گنجینہ اور دریافت ثابت ہوگی۔

○○

❑ مفتی محمد عفان منصور پوری
جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت فدائے ملتؒ
والدین اور اساتذہ کی آغوشِ تربیت میں

خاندانی شرافت

فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ وقت کے باکمال، اہل اللہ، صاحب نسبت شرفاء اور بزرگوں پر مشتمل ایک معروف خانوادۂ سادات تھا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: ''ہمارا خاندان اولیاء اللہ اور سچے فقراء باطن کا ہے، جہاں تک میں نے والد مرحوم سے سنا ہے، دادا مرحوم یا ان سے پہلے لوگ اہل باطن اور اہل نسبت تھے، دنیادار، مال ومتاع اور زمین کے کتّے نہ تھے۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام ۴/۲۹۸، مکتوب نمبر ۱۰۸)

آپ کے والد محترم شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی (ولادت: ۱۲۹۶ھ -۱۸۷۹ء، وفات: ۱۳۷۷ھ- ۱۹۵۷) شخصیت محتاج تعارف نہیں، دنیا ان کو شیخ الاسلام والمسلمین، قطب عالم، رأس المحدثین قائد حریت ماہر دین وشریعت، متبع سنت، شیخ طریقت، جواں مرد وجفاکش اور صابر وشاکر انسان کے طور پر جانتی ہے۔

آپ کے دادا حاجی شاہ سید حبیب اللہ صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ (ولادت: ۱۸۵۲ء یا ۱۸۵۳ء وفات: ۱۹۱۷ء) بھی نہایت پاکباز، خدا ترس، ذاکر وشاغل اور حبِ نبی سے سرشار شخصیت کے مالک تھے، معروف بزرگ حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہٗ کے قریبی متوسلین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی والدۂ ماجدہ ''محترمہ سارہ صاحبہ'' کا تعلق قصبہ بچھرایوں

ضلع مرادآباد کے ایک مشہور خاندان سادات سے تھا، جناب قاری حکیم غلام احمد صاحب مرحوم کی پہلی اہلیہ سے یہ چھوٹی صاحب زادی تھیں جن کا حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ سے نکاح مالٹا سے واپسی کے بعد ہوا تھا، ان سے پہلے ان کی بڑی بہن حضرت کی زوجیت میں تھیں جن سے دو صاحب زادوں کا تولد بھی ہوا تھا؛ لیکن تینوں افراد کا اس زمانہ میں انتقال ہوگیا تھا، جب حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ مالٹا میں اسیر تھے۔ بعدازاں ان کی چھوٹی بہن سے نکاح ہوا جن سے ایک صاحب زادے حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ (ولادت: ۶/ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ بمقام بچھرایوں ضلع مرادآباد) اور ایک صاحب زادی ماجدہ خاتونؒ کا تولد ہوا، صاحب زادی کا صغرسنی میں ہی سلہٹ میں انتقال ہوگیا۔

حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی والدہ ماجدہ بڑی شریف، نیک طبعیت، وفا شعار، پابند صوم وصلاۃ، تہجد گزار اور سوز جگر رکھنے والی خاتون تھیں۔

والدین سے محبت وعقیدت

حضرت فدائے ملتؒ اپنے والدین کے نورنظر، لخت جگر، چہیتے اور لاڈلے بیٹے تھے، بیٹے کو بھی اپنے والدین سے بے پناہ لگاؤ، سچی عقیدت اور والہانہ محبت تھی، والد مرحوم کی ذات توان کے لیے سب کچھ تھی، ان کی زندگی تک حضرت فدائے ملتؒ کی مشغولیت اور دلچسپی کا سامان اپنے عظیم المرتبت والد کی خدمت واطاعت تھی ان کی ہر خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے، اور خاص طور سے عمر کے آخری ایام میں تو سائے کی طرح ان کے ساتھ رہتے تھے اور پورے طور پر ان کا اعتماد حاصل کر چکے تھے، والدین کے ساتھ یہ تعلق ان کی زندگی تک ہی محدود نہ تھا؛ بلکہ آخر تک اس تعلق کو پوری طرح برقرار رکھا، جتنے دن دیوبند میں رہنا ہوتا، روزانہ والدین کے مرقد پر حاضری دیتے، دیر تک ایصالِ ثواب فرماتے اور لمبی دعاء کر کے واپس ہوتے، عام دنوں میں فجر کے بعد جانے کا معمول تھا، جب کہ رمضان المبارک میں ظہر سے قبل جایا کرتے تھے۔اپنی والدہ محترمہ —— جن کے ساتھ رہنے کا بہت کم موقع ملا —— کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ: ''ان کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں اور اس تعلق کے ساتھ انھوں نے میری پرورش اور تربیت کی ہے کہ اگر فرض نمازوں کا ثواب کسی کو پہنچانے کی شریعت اجازت دیتی تو جی یہ چاہتا ہے کہ اپنی تمام نمازوں کا ثواب والدہ مرحومہ کو پہنچادوں''۔

والدہ کی دعاء

ماں اپنے بیٹے کی صحیح تربیت اور اصلاح کے لیے کس حد تک کوشاں ہے اس کا اندازہ مندرجہ

ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، جس کو خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اہل خانہ کے سامنے بیان کیا، فرماتے ہیں کہ: ”میری عمر کم وبیش پانچ چھ سال ہوگی، گھر سے باہر کھیل رہا تھا نہ جانے کس طرح ہاتھ میں کوئی بیڑی یا سگریٹ آ گئی، اس کو مسل دیا تو تمبا کو کی بو ہاتھ میں سما گئی، کچھ دیر بعد گھر گیا تو اماں جان نے اس بو کو محسوس کرلیا، طرح طرح کے خیالات ان کے ذہن ودماغ میں گردش کرنے لگے، نہ جانے کہاں گیا ہوگا اور کن لوگوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا ہوگا، مجھے بہت سخت سست کہا، تنبیہ کی، مارا پیٹا بھی اور پھر اپنی گود میں لٹا کر نہایت گریہ وزاری اور آہ و بکا کے ساتھ یہ دعا مانگی کہ: ”اے اللہ العالمین! اگر یہ بچہ اپنے والد محترم کی طرح نیک وصالح بنے تو اس کو زندہ رکھ، ورنہ اسے موت دیدے“۔

ماں کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی یہ دعا مقام قبولیت حاصل کرتی ہے اور یہ بچہ آگے چل کر اپنے عظیم باپ کی روایات کا پاس دار، سچا جانشین اور ان کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم مصمم کرنے والا ثابت ہوتا ہے؛ لیکن افسوس کہ وہ ماں جس نے اپنے بیٹے کے تابناک مستقبل کے لیے بڑی تڑپ کے ساتھ دعاء مانگی تھی اس کے ثمرات دیکھنے سے پہلے ہی راہی ملک عدم ہوگئی اور بچہ محض نو سال کی عمر میں ماں کی ممتا اور شفقت سے محروم ہوگیا۔ ۱۸-۱۹/ شعبان ۱۳۵۵ھ مطابق ۴-۵/ نومبر ۱۹۳۶ء کی درمیانی شب دہلی میں آپ کی والدہ مرحومہ کا وصال ہوا اور مزار قاسمی دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔

والد محترم کے مرکز توجہات

اب والد مرحوم کی تمام تر توجہات وعنایات کا مرکز یہی ہونہار اور مطیع وفرماں بردار بچہ تھا، حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ اپنی مشغولیات کی بنا پر گھر میں زیادہ وقت نہیں دے پاتے تھے، اس لیے بیشتر امور خانہ کی انجام دہی آپ کے خادم خاص محبّ ومخلص حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحب سہسپوری علیہ الرحمہ کے سپرد تھی، گھر کی ضروریات کی فراہمی کا مسئلہ ہو، یا بچوں کے علاج ومعالجہ اور تعلیم وتعلّم کا، جناب قاری صاحبؒ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ حل فرماتے، حضرت مدنی علیہ الرحمہ ملک کے کسی بھی حصہ میں ہوتے قاری صاحب سے خط وکتابت رہتی، اور ہدایات وپیغام رسانی کا سلسلہ برابر جاری رہتا۔

ذیل میں حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے چند ایسے خطوط کو نقل کیا جارہا ہے جس میں حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی تعلیم وتربیت سے متعلق بڑی اہم معلومات موجود ہیں، ان میں سے اکثر خطوط وہ ہیں جو اب تک منظر عام پر نہ آسکے، خطوط پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ باپ اپنے بیٹے

کے سلسلہ میں کتنا فکرمند ہے؟ اور وہ کیا کیا اوصاف وکمالات اور خوبیاں ہیں جن کو وہ اپنے لخت جگر کی زندگی میں دیکھنا چاہتا ہے۔

تعلیم کا نظم

مکتوب بنام: جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرادآبادیؒ

مؤرخہ ۹؍رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ از سلہٹ، نئی سڑک

اسعد شرارت زیادہ کرتا ہے، وہ اگر روزانہ مدرسہ میں آجایا کرے تو پابند ہوجائے گا، جو انتظام آپ نے اس کے پڑھنے کا کردیا ہے مناسب ہے، اگر قاری عبداللہ صاحب (مدرسہ شاہی مرادآباد کے معروف اساتذۂ حفظ میں موصوف کا شمار ہوتا تھا) کے یہاں ہوتا تو شاید زیادہ انسب ہوتا۔ فقط

اسی خط کے ایک کنارہ قاری اصغر علی صاحبؒ نے بھی چند سطریں مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کے نام لکھی ہیں۔

''آپ نے اپنی مرضی سے اس کا انتظام تعلیم جناب علیم الدین صاحب کے پاس کرایا، میری طبعیت کے یہ بالکل خلاف ہے، میں چاہتا ہوں کہ شاہی مسجد میں تعلیم پائے، اس کا پارۂ عم حفظ کرائیں اور سورۂ فاتحہ سے شروع کرادیں اور کچھ اردو بھی پڑھوائیں''۔

یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت مدنی علیہ الرحمہ سلہٹ میں بغرض قیام رمضان مقیم ہیں اور اہلیہ محترمہ مع صاحب زادۂ گرامی مرادآباد میں زیر علاج ہیں اور حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ ۷؍سال کے بچے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کا پہلا سال

(مکتوب بنام: قاری اصغر علی صاحب مؤرخہ ۵؍ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ)

''۲؍ذی الحجہ کا والا نامہ باعث اطمینان خاطر ہوا، اسعد کی حالت چل پڑنے اور عبارت صحیح پڑھنے سے خوشی ہوئی، آپ چھ سبق روزانہ پڑھانے پر پریشانی کا اظہار کرتے ہیں، ہم کو مدینہ منورہ میں روزانہ چودہ سبق پڑھانے کی نوبت آئی ہے اور مختلف علوم وفنون کی اور وہ کتابیں اوپر کی مثل بیضاوی شریف، بخاری شریف، شرح عقائد وغیرہ وغیرہ ہوتی تھیں، آپ ان چھوٹی چھوٹی کتابوں پر گھبراتے ہیں، ہمت بلند رکھئے''۔

(مکتوب بنام: قاری اصغری علی صاحب مؤرخہ ۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ)

''آپ یہاں سے کاغذ اگرچہ گراں ہو لیجائیے اور اسعد کو روزانہ لکھنے کی مشق کرائیے، اسعد

سے میرے پاس بھی خط لکھائیے؛ تاکہ اس کے خط اور مضمون کا اندازہ کروں''۔

یہ دونوں خطوط اس وقت کے ہیں جس سال آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا ہے، ۲۸؍محرم ۱۳۶۱ھ کو آپ دارالعلوم دیوبند میں کافیہ کی جماعت میں داخل ہوئے اور ۸؍سال زیرِ تعلیم رہ کر شعبان ۱۳۶۸ھ میں فراغت حاصل کی۔

اسی سال حضرت فدائے ملتؒ نے والد محترم کے نام ایک خط لکھا تھا، جس میں اپنی تعلیم و تعلم کے احوال، کتابوں کے نمبرات وغیرہ لکھے اور ساتھ ساتھ کچھ نصیحت کرنے کی درخواست کی، اس کے جواب میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے جوابی خط ارسال فرمایا، جو مبارک دعاؤں، اعلیٰ نمبرات حاصل کرنے پر اظہارِ مسرت اور نصیحتوں سے لبریز ہے۔

شرافت علم سے حاصل ہوتی ہے

(مکتوب بنام: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ مؤرخہ رجب ۱۳۶۱ھ)

''عزیزم اسعد علّمکم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط پہنچا اور کتابوں کے امتحان اور نمبرات کا حال معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی (امسال آپ کافیہ کی جماعت میں تھے اور امتحان سہ ماہی اول وثانی میں تمام کتب میں اعلیٰ نمبرات حاصل کیے تھے، مثلاً کافیہ: ۵۱، مرقات: ۵۰، نفحۃ العرب: ۵۰ اور شرح جامی میں ۵۰) خدا کرے باقی ماندہ کتابوں میں بھی ایسے ہی؛ بلکہ اس سے اچھے نمبر آئے ہوں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے کتابوں کے پڑھنے اور یاد کرنے میں اچھی محنت کی ہے، اسی کی بہت ضرورت ہے، خوب محنت کے ساتھ کتابوں کو پڑھو اور جلد کامیابی کے ساتھ تمام علوم اور فنون سے فراغت حاصل کرلو، علم ہی سے انسان شرافت حاصل کرتا ہے، یہ سب تمہاری محنت کا اثر اور سعادت مندی کے لیے ذریعہ ہوگا۔ جناب قاری صاحب کی توجہ اور عنایت تمہارے لیے اکسیر ہے، ان کا حکم برابر مانا کرو، وہ تم پر بہت شفیق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دونوں جہاں میں فائز المرام فرمائے، آمین۔ اور اپنی آپا (حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی اہلیہ اور آپ کے سگے تائے زاد بھائی سید بشیر الدین صاحب کی چھوٹی صاحب زادی اور حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کی والدۂ محترمہ مدظلہا العالی) کو ہمیشہ خوش رکھو اور ان کا کہنا مانو اور کسی قسم کا فکر نہ کرو، میں نے اس سے پہلے خط بھیجا ہے تم کو ملا ہوگا، تم کو میری گرفتاری کا کچھ بھی خیال نہ ہونا چاہیے، اللہ کو منظور ہے تو میں جلد آؤں گا، سب لوگوں سے خصوصاً اپنی آپا، شبراتن (دیوبند کے قریب واقع گاؤں ''راجوپور'' کی ایک خاتون تھیں، پوری زندگی حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے گھرانے کی خدمت میں گزاردی، حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ

کے بچپن ہی سے گھر میں رہتی تھیں، بچوں کی پرورش، دیکھ بھال اور امور خانہ کو بخوبی انجام دیا کرتی تھیں، سب انہیں ''ماں'' کہتے تھے) اپنی دونوں پھوپھیوں (ان سے مراد غالباً حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ کی دو صاحب زادیاں ہیں، جن کو گھر والے پھوپھی اماں کہا کرتے تھے، ان میں سے ایک حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی رضاعی والدہ بھی تھیں) اور گھر میں آنے والی عورتوں سے سلام کہہ دو، نیز شبیر (غالباً دیوبند کے قریب واقع ایک گاؤں ''مانکی'' کے رہنے والے ایک صاحب تھے، جو حضرت کے یہاں رہا کرتے تھے) نصیر (مولانا نصیر احمد صاحب فیض آبادی شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے اعزہ میں سے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے ہیں، ۱۹۲۶ء میں ولادت ہوئی، حضرت ہی کے زیر نگرانی تعلیم حاصل کی اور کافی دنوں تک سفر و حضر میں حضرت کے ساتھ رہے، آج کل دہلی میں مقیم ہیں) محمد امین (مولانا احمد حسین صاحب لہرپور سیتاپور کے صاحب زادے تھے، نہایت متقی اور پرہیزگار آدمی تھے اور حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ سے قریبی تعلقات تھے) محمد مختار (حضرت مولانا سید محمد نبیہ صاحب خانجہاں پوری تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ و رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے فرزند اکبر اور قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے حقیقی ماموں تھے، حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کے ہم عصر و ہم درس تھے مؤرخہ ۷/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ کو بوقت تہجد مختصر علالت کے بعد وفات پاگئے) متولی جی (ان کا اصل نام نظام الحق تھا، مظفرنگر یوپی کے رہنے والے تھے، ان کے پاس ایک گاڑی تھی حضرت کا خانجہاں پور، حسین آباد یا منصور پور وغیرہ جانے کا پروگرام ہوتا تو یہ گاڑی لے کر آجاتے تھے) صوفی جی (ان سے مراد صوفی محبّ رسول صاحبؒ ہیں، یہ حضرت کی مجلسوں کے حاضر باش تھے اور اکثر و بیشتر دیوبند میں حضرت کے مکان ہی پر رہتے تھے) منشی محمد شفیع صاحب (حضرت شیخ الاسلامؒ کی خالہ زاد بہن کے شوہر تھے اور دارالعلوم کے شعبۂ محاسبی میں ملازم تھے) اور دوسرے پرسانِ حال اصحاب سے سلام کہہ دو۔ تمام استاذوں کا ادب کیا کرو، کسی کی شان میں نہ پیچھے نہ سامنے کوئی گستاخی کرو''۔

نماز باجماعت کی پابندی

تم نے مجھ سے کہا تھا کہ نصیحت مجھ کو لکھنا، میں نے پہلے خط میں بھی ضروری نصیحتیں لکھی تھیں اور اب بھی لکھ رہا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ مطمئن الخاطر ہو کر کسی قسم کا فکر و اضطراب دل میں نہ آنے دو اور نہ کسی سے اظہار کرو، اپنی آپا اور قاری صاحب کا حکم مانو کبھی خلاف نہ کرو، استاذوں اور دیگر مدرسین کا ادب کرو، پنج گانہ نماز اور جماعت کا خیال رکھو، کسی وقت کی نماز قضا نہ ہو، صبح کے وقت کی نماز کا بہت زیادہ

اہتمام کرو، سب سے اچھے اخلاق سے پیش آ ؤ، شریر اور بدوضع لڑکوں اور طلبہ کے پاس مت جاؤ، تمہارا خط ابھی صاف نہیں ہوا ہے اس لیے لکھنے کی مشق زیادہ کرو، کتابوں کے پڑھنے میں پورا دھیان لگاؤ اور محنت کرو، ریحانہ اور ارشد، فرید (الوحیدی) سعید (الوحیدی) رشید (الوحیدی) صفیہ، رضیہ (یہ پانچوں بھائی بہن اسیر مالٹا مولانا وحید احمد مدنی کے صاحب زادگان وصاحب زادیاں ہیں، مولانا وحید صاحب حضرت شیخ الاسلام کے بھتیجے تھے حضرت کو ان سے بہت تعلق تھا) سب سے محبت سے پیش آ ؤ، بھائی محمد ظہیر صاحب، بھائی محمد بشیر صاحب (یہ دونوں حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے سگے تائے زاد بھائی تھے) عزیزم فضل الرحمٰن (مولانا سید ارشد صاحب مدنی کے حقیقی ماموں) ان کی والدہ ماجدہ، مولوی حمید الدین اور دوسرے اعزہ سب کے سب ہمارے تمہارے عزیز ہیں، خصوصاً بھائی ظہیر صاحب اور بھائی بشیر صاحب ہم سب بھائیوں سے بڑے اور بجائے ہمارے والد مرحوم کے ہیں، ان کا ادب اور لحاظ کرو، یہ سب ہمارے دادا مرحوم کا گھرانہ ہے نیز ڈاکٹر زوار صاحب (حضرت کی ماموں زاد بہن کے لڑکے تھے، پہلے اکبر پور میں رہتے تھے بعد میں شہزاد پور منتقل ہو گئے تھے) ان کی ہمشیرہ صاحبہ فاضلہ بوبو (حضرت شیخ الاسلامؒ کی ماموں زاد بہن تھیں) اور منشی خلیل صاحب (حضرت شیخ الاسلامؒ کی پھوپھی زاد بھائی کے لڑکے تھے اور مولانا نصیر احمد صاحب فیض آبادی کے والد) گارڈ صاحب (حضرت کی ماموں زاد بہن کے لڑکے تھے) یہ سب بھی ہمارے نانا مرحوم کی اولاد اور نہایت قریبی رشتہ دار ہیں، ان سے بھی ادب اور احترام کا معاملہ رکھو۔

نمبرات پر اظہار خوشی اور انعام کا اعلان

(مکتوب بنام: قاری اصغر علی صاحب مؤرخہ ۵ رصفر ۱۳۶۳ھ، از: نینی جیل)

”آپ کا والا نامہ مل گیا، احوال معلوم ہوئے، اسعد سلمہ کی کامیابی اور نمبروں سے بہت خوشی ہوئی۔ (اس سال آپ مختصر المعانی کی جماعت میں تھے اور سہ ماہی اول میں اعلیٰ نمبرات حاصل کیے تھے، مثلاً: شرح وقایہ: ۴۹، مقامات: ۴۵، مختصر المعانی: ۴۸، سلم العلوم: ۴۸، حسامی: ۵۰، تلخیص المفتاح: ۵۰) خصوصاً اس سے کہ وہ محنت کرتا ہے اور سمجھ دار ہے، اللہ تعالیٰ اور زائد سمجھ اور محنت کی توفیق عطا فرمائے، اور آپ کے زیر سایہ اس کی اور فرید اور دیگر بچوں کی تکمیل ہو اور صراطِ مستقیم پر چلنا نصیب ہو، آمین۔

میں آپ کی عنایات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں بامراد اور فائز المرام فرمائے، آمین۔ آپ نے فرید کا حال نہیں لکھا، اور نہ نصیر کا، ان تینوں میں سے جس کا بھی جس کتاب میں پچاس سے زائد نمبر آیا ہو ایک ایک روپیہ انعام کا ہر کتاب میں دیجیے اور اسی طرح ششماہی

میں بھی کیجیے گا، اسعد کے لکھنے کا خیال رکھئے‘‘۔

(مکتوب بنام: قاری اصغر علی صاحب، تاریخ تحریر نہیں)

’’مزاج شریف، ۲؍صفر کے کارڈ کا جواب لکھ چکا ہوں، ملاحظہ سے گزرا ہوگا، اس کے بعد ۲۹؍محرم کا والا نامہ ملا، خیر وعافیت معلوم کر کے خوشی ہوئی، اور اس میں عزیزم اسعد سلمہ کا خط بھی تھا، اس سے بہت خوشی ہوئی، خط اس کا بہت کچا ہے مگر مشق زیادہ کرے تو صاف ہو جائے گا، میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ جن کتابوں میں نمبر پچاس سے زیادہ آئے ہوں یا آئندہ آئیں ان میں فی کتاب ایک ایک روپیہ مٹھائی کا دیا کریں۔

عزیزم اسعد سلمہ کو ہفتہ دو ہفتہ میں اپنی آپا کو خط لکھتے رہنا چاہئے، نیز ہر مہینہ میں ایک دو خط عزیزم محمود سلمہ (حضرت شیخ الاسلامؒ کے سب سے چھوٹے بھائی) کو مدینہ منورہ زید شرفہ ضرور بھیجتے رہنا چاہئے، جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارن پور کے پاس بھیج دیا جایا کرے وہ اپنے خط میں بھیج دیا کریں گے‘‘۔

اعزہ کو خطوط لکھنے اور گنگوہ شریف حاضری کی تاکید

(مکتوب بنام: قاری اصغر علی صاحب مؤرخہ ۲؍ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ، از سرکل ۵ نینی جیل الٰہ آباد)

’’اسعد نے کوئی خط مدینہ منورہ کو لکھا یا نہیں، اگر نہ لکھا ہو تو ضرور لکھوا کر جلد بذریعہ شیخ الحدیث صاحب مظاہر العلوم بھجوا دیجئے۔

اسعد سلّمہٗ گنگوہ شریف گیا یا نہیں اگر اب تک نہ بھیجا ہو تو بقرعید سے پہلے ضرور بھیجدیجئے، فرید بھی ساتھ ہو‘‘۔

بیماری اور علاج پر توجہ

امسال شروع ہی سے حضرت فدائے ملتؒ کی طبعیت علیل رہی، حضرت مدنی علیہ الرحمہ نینی جیل الٰہ آباد میں تھے اور صاحب زادۂ گرامی کی بیماری کے سلسلہ میں بے انتہاء متفکر تھے۔ درج ذیل خطوط سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

(مکتوب بنام: قاری اصغر علی صاحب مؤرخہ ۴؍شوال ۱۳۶۳ھ، از: نینی سینٹرل جیل الٰہ آباد)

’’عزیزم اسعد سلمہ کی بیماری بظاہر معمولی اور موسمی معلوم ہوتی ہے، بہر حال شوال کی چھ سات کو اس کو ٹانڈہ سے روانہ ہو کر لکھنؤ پہنچنا چاہئے اور ڈاکٹر صاحب (ان سے مراد ڈاکٹر عبد العلی صاحب مرحوم ہیں جو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے برادر اکبر و مربی تھے، حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے گھرانے سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، لکھنؤ میں حضرت کا قیام ڈاکٹر صاحب ہی کے گھر

پر ہوا کرتا تھا) کے مکمل معائنہ کرا دینے کے بعد ان کی تجویز پر عامل ہونا چاہئے، وہ عنقریب آپ کے پاس پہنچے گا، اس کو ایک دو روز کے لیے بچھرایوں کی اجازت دید یجئے، اپنی خالہ اور ماموں وغیرہ سے مل آئے، ابتداء رمضان میں وہ کچھ بیمار رہا، مگر پھر صحیح ہو گیا اور روزے پورے رکھے، ڈاکٹر صاحب اگر یہ رائے دیں کہ سلسلہ تعلیم وتعلم موقوف کر دیا جائے اور ایک سال اس کو ملتوی رکھا جائے تو میرے نزدیک یہ چیز مناسب نہیں ہے، انہوں نے مولوی اختر جمیل صاحب (موصوف سہس پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے اور قاری اصغر علی صاحبؒ سے قرابت داری کا تعلق رکھتے تھے) سے یہی کہا تھا، ہاں ہوسکتا ہے کہ اس کے اسباق کم کر دیے جائیں، میرا خیال ہے کہ اسعد کا علاج بجنور میں حکیم محبوب الرحمٰن (برادر بزرگ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند) سے ہونا زیادہ تر مفید اور کار آمد ہوگا''۔

(مکتوب بنام: قاری اصغر علی صاحب مؤرخہ ۱۶/شوال ۱۳۶۳ھ، از: نینی جیل)

''اسعد سلمہ کے متعلق شبہات آپ لوگوں کو زیادہ ہو گئے ہیں، بظاہر معمولی شکایات ہیں، موسم کی تبدیلی اور غذا وغیرہ کی بے احتیاطی اور لایعنی افکار وہموم کی بنیاد پر یہ شکایات ہیں، اس کے قلب پر کسی قسم کا ہمّ وحزن نہ ہونا چاہئے اور اس کی ہمت بلند اور عزم راسخ رکھنا چاہئے، ڈاکٹر عبد العلی صاحب کو میں نے لکھا ہے سال بھر تعلیم بالکل بند رہنا بالکل غیر مناسب ہے، ہاں اگر ضروری ہی ہو تو کچھ اسباق کم کر دیجئے''۔

(مکتوب بنام: قاری اصغر علی صاحب مؤرخہ ۲۴/صفر ۱۳۶۳ھ)

''اسعد کی صحت کے متعلق جو حالت آپ نے لکھی ہے اس سے تشویش ہوئی، معالجہ کا خیال رکھیں، آپ کا جو عمل نظر بد کا ہے کبھی آپ نے اس کو کر کے دیکھا ہوتا، کہیں اس کی اس اٹھان پر جو میری موجودگی میں تھی کسی کی نظر نہ لگی ہو، بہرحال معالجہ کا خیال رکھئے، ورزش یعنی ڈنڈ بہت زیادہ صحت کی موجب ہوتی ہے، تھوڑی تھوڑی کرائیے''۔

ورزش ضروری ہے

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے صاحب زادۂ گرامی کی نہ صرف علمی اور روحانی تربیت فرمائی؛ بلکہ جسمانی تربیت بھی فرماتے رہے، درج ذیل خطوط سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

(مکتوب بنام: قاری اصغر علی صاحب مؤرخہ ۳/محرم ۱۳۶۴ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۴۴ء، از: نینی سینٹرل جیل الہ آباد)

''اسعد اور فرید کے لیے عصر کے بعد ٹہلنے کے لیے جانا ورزش نہیں ہے، ہر روز صبح کو ڈنڈ اور

بیٹھک کرائیے، ڈنڈ رفتہ رفتہ اکیس تک پہنچائیں اور بیٹھک پندرہ تک، اس کے بعد اسی مقدار پر کفایت کریں اور ہمیشہ بلا ناغہ اس پر جاری رہیں‘‘۔

(مکتوب بنام: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ مؤرخہ ۱۲؍ جمادی الاول ۱۳٦۴ھ مطابق ٦؍ مئی ۱۹۴۴ء، از: نینی سینٹرل جیل الہ آباد)

برخوردار اسعد سلمکم اللہ تعالیٰ، تم کو اپنے پڑھنے کا بہت خیال چاہئے، تمہارا خط سب سے زیادہ کچا ہے، لکھنے کی زیادہ مشق رکھو، نالائق لوگوں کی مصاحبت سے دور رہو، قاری صاحب کو اور منشی محمد شفیع صاحب کو بجائے میرے سمجھو، اور جو کچھ بھی یہ فرمائیں اس کی پوری تابع داری کرو، اگر تم نے ان کے خلاف کچھ کیا تو مجھ کو بہت صدمہ ہوگا، اپنے استاذوں اور بالخصوص مولانا اعزاز علی صاحب کا پورا لحاظ رکھو۔

آپ نے دیکھا کہ ان میں اکثر خطوط وہ ہیں جو جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے لکھے گئے ہیں، لیکن قید خانہ میں رہتے ہوئے بھی فرمودات کی ارسال و ترسیل کا سلسلہ برابر جاری ہے، خاص طور سے صاحب زادۂ گرامی قدر حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی حرکات و سکنات پر برابر نظر رکھے ہوئے ہیں، ان کی تعلیم، صحت اور اصلاح و تربیت کے لیے جیل میں رہتے ہوئے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں کر رہے ہیں۔

شادی کی فکر

صاحب زادۂ گرامی شادی کی عمر کو پہنچتے ہیں حضرت مدنی علیہ الرحمہ جیل میں ہیں، بیٹے کی شادی کی فکر لاحق ہوجاتی ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ سنت اور احادیث نبویہ کی پابندی آپ کی طبعیت ثانیہ بن چکی تھی، اس لیے جیل ہی سے شادی پر اصرار شروع کر دیا اور لکھا:

’’میں چاہتا ہوں کہ عزیزم اسعد اور فرید کی شادیاں جلد ہوجائیں، تاریخ قاری اصغر علی صاحب مقرر فرمائیں گے اور نہایت سادگی سے اس کو انجام دینا ضروری سمجھتا ہوں اگر مجھ کو مجبوریاں پیش نہ آتیں تو اب تک کر چکا ہوتا۔‘‘ (مکتوبات شیخ الاسلامؒ ۴؍ ۹۷)

گھر والوں نے بہت چاہا کہ شادی مؤخر ہوجائے اور حضرت رہائی پانے کے بعد خود نکاح پڑھائیں لیکن آپ اس پر راضی نہ تھے، اہلیہ محترمہ دام ظلہا کو تحریر فرمایا:

’’تم کو میرے نہ ہونے کا صدمہ نہ کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے اور اسی میں خیر ہوتی ہے، بندہ کو آقا اور وہ بھی ایسے رحیم و کریم آقا کا ہر حکم نہایت خوشی سے ماننا چاہئے، بالخصوص جب کہ ہمارے ایسے جیسے ہزاروں آدمی ایسی ہی بلاؤں میں مبتلا ہوں، تم

اطمینان وسکون کے ساتھ وہاں کے کاروبار کوانجام دو، امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ قاری اصغر علی صاحب کوشفائے کامل جلد عطا فرمائے ،تو وہ فوراً دیو بند پہنچ جائیں گے اوراگر ایسا نہ بھی ہوا تو وہاں مولانا اعزاز علی صاحب مولوی محمد عثمان علی صاحب ،منشی سید محمد شفیع صاحب کوتمام کام وہ سپرد کرآئے ہیں، یہ سب حضرات نہایت ہمدردی اور خیر خواہی سے اور جد وجہد سے تمام کام انجام دیں گے۔'' (مکتوبات شیخ الاسلامؒ ۴/۲/۳۱۲)

یہ سب باتیں اپنی جگہ درست تھیں لیکن اہل خانہ کو یہ کسی طرح منظور نہ تھا کہ حضرت جیل میں بند ہوں اور لڑکے کا نکاح پڑھا دیا جائے ،مگر حضرت کے معمول اور مزاج کے سامنے سب کو جھکنا پڑا، اسی سلسلہ کا ایک مکتوب آپ نے قاری اصغر علی صاحب کے نام مؤرخہ ۴/شوال ۱۳۶۱ھ کولکھا:

''اسعد کی شادی کے لیے دو برس کے بعد کا فکر تعجب خیز امر ہے، اول تو میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی اسی سال ہوجائے ، ماشاء اللہ ۱۵/سال کا ہو چکا ہے، ذی قعدہ کے مہینہ سے سولہواں سال شروع ہو جائے گا، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو بلوغ کے بعد روکے رکھنا میرے نزدیک نہایت غلط امر ہے، دوم یہ کہ موت وحیات کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے تو میں کم ازکم اس کے فریضہ سے امسال اپنے سامنے فارغ ہو جاؤں اس کے بعد بھی پڑھتا رہے گا، مصارف میاں بیوی کے ہم اسی طرح اٹھائیں گے جیسے کہ اپنے اٹھا رہے ہیں''۔

بہرحال حضرت کی عدم موجودگی ہی میں حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی شادی ہمراہ صاحب زادی مولانا سید احمد صاحب علیہ الرحمہ عمل میں آئی، نکاح بعوض مہر فاطمی حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۱۵/شعبان ۱۳۶۳ھ کو پڑھایا اور دوسرے دن دیوبند میں مختصر سا ولیمہ کردیا۔ ان سے آپ کے ایک صاحب زادے ''احمد اسعد'' ۲۶/محرم ۱۳۷۰ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ،۱۳۷۰ھ کے اواخر ہی میں اہلیہ محترمہ کا وصال ہو گیا۔

روحانی تربیت

شعبان ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوئی، اور اسی سال ماہ رمضان المبارک میں والد محترم کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور مراحل سلوک طے کرنے شروع کیے، حسن اتفاق کہ اسی سال ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ میں مدینہ منورہ جانے کا پروگرام بن گیا، حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ خود اپنے صاحب زادے کو رخصت کرنے کے لیے بمبئی تک تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر ''پاس انفاس'' کی تعلیم دی اور پھر مستقل احوال دریافت کرتے رہے، بہرحال حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ مدینہ منورہ چلے گئے، اور ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ تک تقریباً ایک سال وہیں قیام

رہا، دیارِ رسول میں قیام کے لمحات کوغنیمت جانا، ریاضت ومجاہدہ نے مزید جلا بخشی اور سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔اسی دوران حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے مؤرخہ ۲۲ر شوال ۱۳۶۹ھ کو حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کے نام ایک خط لکھا جس میں بعض خانگی امور کا تذکرہ ہے اور کچھ زریں نصیحتیں ہیں، بغرض افادہ اس کے چند اقتباسات ذکر کیے جاتے ہیں:

''عزیز از جان برخوردار اسعد سلمکم اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہاری تحریر ۸ر شوال ۱۳۶۹ھ حال کی موصول ہوئی، خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔

میں نے تم کو بارہا لکھا بھی تھا اور کہا بھی تھا کہ فضولیات میں عمر ضائع نہ کرنا، علمی مشاغل اور ذکر وعبادت میں جدوجہد کرتے رہنا، عزیزم محمود سلمہ کو میرے بجائے سمجھنا اور انہیں کے مشورہ اور ہدایات پر عمل کرتے رہنا، تم کو وہاں کی اقامت عمر عزیز کا نہایت قیمتی حصہ شمار کرنا چاہئے، اور اس کو ضائع کرنے سے بچنا چاہئے، پاس انفاس کی اس قدر مشق ہو جانی چاہئے کہ بلا قصد وبلا ارادہ جاری ہو جائے، وہاں ذکر وعبادات میں ایسی برکتیں ہیں کہ ہندوستان میں مدت دراز کی محنتوں میں بھی حاصل نہیں ہوتیں۔

میرا اس سال قصد حجاز مقدس کرنا ممکن نہیں تھا، میں مقروض بھی ہوں اور دوسرے موانع بھی ہیں؛ ٹانڈہ وغیرہ کے بہت سے اشخاص گئے ہیں، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری بھی تشریف لے جارہے ہیں، ڈابھیل کے صدر مدرس مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مع اپنی اہلیہ محترمہ اور دوسرے احباب بھی گئے ہیں، جس قدر تم مدینہ منورہ میں یہاں سے جانے والے احباب کی خدمت کر سکو اس میں کوتاہی روا نہ رکھنا، ہم سبھوں کو دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ کرو اور پرسانِ حال احباب سے سلام مسنون کہہ دو''۔

اس خط کے الفاظ کو پھر پڑھئے اور بار بار پڑھئے اور پھر یہ اندازہ لگائیے کہ باپ اپنے بیٹے کو کس انداز سے خطاب کر رہا ہے اور وہ کن خوبیوں اور کمالات سے اپنے لخت جگر کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے۔

والد مرحوم کی روایات کے سچے پاس دار

حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ نے اپنے والد محترم کی ہدایات ونصائح کو مشعل راہ بنایا، ان کی نیک خواہشات کی تکمیل کو فریضۂ منصبی جانا، شریعت وسنت کے عین مطابق ان کے طریقۂ زندگی کو اپنے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونہ سمجھا، سلوک وتصوف کے تمام مراحل کو بخوبی طے کیا، والد مرحوم کے فیوض وبرکات سے خوب خوب مستفیض ہوئے، حضرت شیخ الاسلامؒ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے حکم سے خلافت دی اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے خلفاء نے اجازت بیعت سے نوازا، اور جانشین شیخ الاسلام مقرر کیا، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری علیہ الرحمہ نے بھی خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا، اور اس اتباع میں وہ مقام حاصل کرلیا کہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کے رحلت فرمانے کے بعد ان کے لاکھوں مریدین و مسترشدین کو آپ کی ذات میں مرحوم شیخ کے اوصاف و کمالات کی جھلک دکھائی دینے لگی۔

بڑے باپ کے بڑے بیٹے

مرتب مکتوباتِ شیخ الاسلام حضرت مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی روحانی اولاد تو ہمارے شمار سے باہر ہے، البتہ مادی اولاد میں حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی سب سے بڑے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری زندگی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے والے خوش قسمت اور کامیاب بزرگ ہیں، بڑے باپ کے بڑے بیٹے جیسے ہونے چاہئیں الحمدللہ کہ آپ اسی طرح کے ہیں۔ راقم الحروف جب تعزیت میں دیوبند پہنچا تو موصوف کو دیکھ کر اپنے رنج وغم میں بہت حد تک کمی اور قلب میں سکون محسوس ہوا، اتنے بڑے حادثہ کبریٰ کو جس نے اس استقامت اور صبر جمیل سے برداشت فرمایا ہے وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کا بچہ ہوسکتا ہے، ہم خدام اور غلامان آستانہ مدنی کے لیے آپ کی ذات میں وہ کچھ موجود ہے جس کے لیے ہم بے تاب اور پریشان ہیں، اور مجھ کو مولانا اسعد صاحب کی زندگی کے اندر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی روایات اور آپ کی بہت سی اداؤں کا سراغ ملتا ہے، زمانہ نے مساعدت کی اور ہم نے اپنا رشتہ مولانا سے برابر قائم رکھا تو انشاء اللہ ایک دن وہ آنے والا ہے کہ مولانا اسعد صاحب ہماری بے تاب روح اور پریشان زندگی کے لیے بہت بڑے سرمایہ سکون و راحت ہوں گے''۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۹۰)

اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ

حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے ایک اور معتقد جناب محمد یوسف قریشی صاحب بھی کچھ اسی طرح کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ میں حضرت کا وصال ہوگیا، متوسلین کے لیے قیامت آ گئی، ہماری ان پریشانیوں کا کوئی الگ رہ کر اندازہ نہیں لگا سکتا، طرح طرح کے افکار وخیالات نے دماغ خراب کرڈالا، اس سال رمضان میں صاحب زادۂ محترم مخدومی مولانا اسعد صاحب مدنی

مدظلہ العالی اور حضرت کا پورا خاندان دیوبند ہی میں قیام پزیر رہا، اور یہ رمضان یہیں گزارا، کوئی شبہ نہیں کہ بھیڑ میں کمی آ گئی، حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے دورحیات میں جتنے لوگ پابندی سے آتے تھے نہیں آئے، لیکن بایں ہمہ بہت سے مخلصین دور دور سے چل کر آئے اور آستانہ مدنی پر رمضان گزارا، ہمیں خیال ہوتا تھا کہ پہلا سال ہے نظم وضبط باقی نہ رہ سکے گا، مگر اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِيْهِ کے مقولے کے مطابق حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی اپنے پدر بزرگوار کے صحیح جانشین ثابت ہوئے، تنقیدی نگاہ ڈال جائیے مگر کیا مجال کہ پہلے انداز میں ذرا بھی کہیں سے کوئی کمی محسوس کر سکے، مہمانوں کا وہی احترام واکرام، راحت وآرام کے وہی سامان، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملنا اور حالات دریافت کرنا، یہاں بھی وہی شان عدل ومساوات امیر وغریب، سلطان وگدا میں کوئی تمیز نہیں۔

افطار کا عمدہ سے عمدہ نظم، سحری کا اہتمام اور ساتھ ہی مہمانوں کی دوسری ضرورتوں کا لحاظ وخیال، مہمانوں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر کھانا، بعد فراغت باتیں کرنا، مسائل بیان کرنا، الحمد للہ طلبہ کا بھی وہی ہجوم جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وقت دیکھنے میں آیا تھا۔

کون نہیں جانتا کہ مخدومی حضرت مولانا اسعد صاحب مدظلہ حضرت شیخ الاسلام سے صورتاً اور سیرتاً بڑی مشابہت رکھتے ہیں، وہی انداز نشست وہی طرز گفتگو، وہی آداب ہر ایک کے ساتھ وہی محبت وشفقت اور احترام واکرام کا برتاؤ اور مجلس ہر طرح کی غیبت اور عیوب سے پاک اور منزہ اور کمال یہ کہ نوجوانی کے باوجود وہی تواضع اور فروتنی، عبادت وریاضت میں وہی انہماک، جماعت اور مسجد کی حاضری میں وہی پابندی۔

ان ہی خوبیوں کا نتیجہ ہے کہ رجوع عام شروع ہو چکا ہے، فضلائے دیوبند بڑھ بڑھ کر اشتیاق بیعت ظاہر کرتے ہیں اور اصرار بڑھنے پر کسی کو بیعت بھی فرمالیتے ہیں، ہم خدام کی ٹوٹی ہوئی ہمت بندھ رہی ہے اور حضرت کا غم ہلکا ہوتا جارہا ہے"۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۳۷۸)

والد مرحوم کے رنگ میں

ایک طویل مدت تک حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ سفر وحضر اور خلوت وجلوت میں ساتھ رہنے کی وجہ سے حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ ان کے منشاء اور مزاج کو پوری طرح سمجھ چکے تھے، اور اپنے آپ کو بھی اسی رنگ میں رنگ رہے تھے، زندگی کے کسی بھی موڑ پر کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا، حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی زندگی ان کے لیے نمونۂ عمل اور رہنما ثابت ہوتی۔ ایمانی جرأت وحمیت کا معاملہ ہو یا تحفظ دین وشریعت کا کوئی مسئلہ، سیاست کی ہنگامہ آرائیاں ہوں یا

دشمنانِ اسلام کی پرفریب سازشیں، یہ مردِ مجاہد اپنے باکمال والدِ محترم کی طرح ہمیشہ میدانِ عمل میں بلاخوف کود پڑتا، اور اپنی دوراندیشی، معاملہ فہمی، سیاسی بصیرت اور ایمانی غیرت وحمیت سے سخت سے سخت طوفان بلاخیز کا ہنستے مسکراتے مقابلہ کرتا اور فریق مخالف کو جھکنے پر مجبور کردیتا۔

حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ نے اپنے والدِ محترم کے مزاج کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی ہمیشہ جدوجہد کی اور ان کی روایات کو حتی المقدور زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی، حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی وفات کے موقع پر مشتاقانِ زیارت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، لوگوں کی بڑی خواہش تھی کہ تجہیز وتکفین میں کچھ تاخیر کی جائے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جنازہ میں شرکت کرسکیں، لیکن بعجلت ممکنہ آپ کی تدفین عمل میں آ گئی۔

معروف صاحب قلم مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اسی واقعہ کی منظرکشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مزاج شناس صاحب زادۂ محترم مولانا اسعد جن کو خود قطب ارشاد نے ''اسعد'' (سب سے زیادہ سعادت مند) فرمایا، ان کی ازلی سعادت مندی کب گوارا کرسکتی تھی کہ اپنے مرشد ومربی کے مزاج کے خلاف فعل کا ارتکاب کرے یا اس کی اجازت دے، ہادی برحق داعی الی الحق محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا استثناء فقیر وامیر وبلا امتیاز عالم وغیر عالم تجہیز وتکفین میں عجلت کی ہدایت فرمائی ہے؛ اس لیے کہ جہاں تک رخصت کرنے والوں کا فرض ہے اس فرض کی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے اور جہاں تک رخصت ہونے والوں کے احترام کا تعلق ہے تو احترام اس میں ہے کہ آخری راحت گاہ پر جلد سے جلد پہنچا یا جائے، دیر لگا کر مسافر کی منزل کھوٹی کرنا مسافر کا احترام نہیں؛ بلکہ اس کی شان میں ایک قسم کی گستاخی ہے۔

بہرحال صاحب زادۂ محترم نے فرمایا کہ اگرچہ حضرت نے وصیت کچھ نہیں فرمائی مگر حضرت کا عام ذوق یہی تھا کہ جنازہ میں عجلت سے کام لیا جائے، تاخیر سے حضرت کی روح کو اذیت دینا نہ قرین انصاف ہے نہ تقاضائے احترام۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۳۴۸)

○○

❑ مولانا ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی
جامعہ مرقاۃ العلوم، مئو

علامہ اعظمیؒ اور مولانا مدنیؒ کے باہمی تعلقات

محدث جلیل حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہما اللہ کے باہمی ربط و تعلق پر خامہ فرسائی کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ گزشتہ دور کی تاریخ کی ورق گردانی کر کے اس کے نقطۂ آغاز کا سراغ لگانے کی کوشش کی جائے، اور بھولے بسرے واقعات کو از سرے نو روشنی میں لاکر ان کی مدد سے ان روابط و تعلقات کی استواری کا اندازہ لگایا جائے، اور اس کے لیے ناگزیر ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی کتاب زندگی کے صفحات الٹے جائیں، اور اس کے لیے سب سے مناسب یہ ہے کہ علامہ اعظمی کی تحریروں اور نگارشات سے معاونت حاصل کی جائے۔

محدث جلیل حضرت علامہ اعظمیؒ نے حضرت شیخ الاسلامؒ سے متعلق جو تحریریں سپرد قلم فرمائیں ہیں، ان سے آپ کی غایت درجہ محبت وارادت اور تعلقات کی قدامت کا پتہ چلتا ہے، ان میں جس تحریر کو اس قدیم تعلق کے لیے بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے، وہ ''تذکرۂ مولانا عبد اللطیف نعمانی'' (ص ۱۴۔۱۵) میں آپ کے ارقام فرمودہ یہ الفاظ ہیں:

> ''۱۳۳۹ھ اور ۱۳۴۰ھ کا زمانہ بڑا ہنگامہ خیز تھا، تحریک ترک موالات بہت شدت اختیار کر چکی تھی، دوسرے شہروں کی طرح دیوبند میں طلباء کے سروں سے بدیسی کپڑے کی ٹوپیاں اتاری اور جلائی جاتی تھیں، انھیں ایام میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ دیوبند میں گرفتار ہوئے، عصر کے بعد ''دوش'' آئی مگر ایسا ہنگامہ ہوا، اور آدمیوں کا اتنا ہجوم اور ازدہام ہوا کہ اس وقت گرفتاری عمل میں نہ آسکی، مولانا محترم کا قیام حضرت شیخ الہند کے نئے مکان میں تھا، اور میرا اور میرے چند ساتھیوں کا قیام حضرت شیخ الہند کے پرانے مکان میں تھا، مولانا کے ساتھ ساتھ ہم سب رات بھر پولیس اور فوج کے گھیرے میں رہے، اس دن ہم بہت دیر میں سوئے تھے، صبح کو اٹھے تو

معلوم ہوا کہ بہت رات گئے نئے مکان سے مولانا کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں''۔

حضرت محدث اعظمیؒ نے یہ الفاظ اپنے زمانۂ طالب علمی سے متعلق تحریر فرمائے ہیں، یہاں یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اعظمی کو حضرت مدنیؒ سے نسبت تلمذ نہیں تھی، چنانچہ آپ نے اپنی یادداشت میں خود تحریر فرمایا ہے کہ:

وهو رحمة الله وإن لم يكن من مشائخي، كنت أجله اجلالهم، وكانت بيني وبينه محبة أكيدة.

یعنی حضرت مرحوم اگر چہ میرے اساتذہ میں نہیں تھے، لیکن میں اپنے اساتذہ ہی کی طرح ان کا ادب واحترام کرتا تھا اور میرے اور ان کے درمیان محبت کا مضبوط رشتہ تھا۔

حضرت مدنی ۱۳۳۸ھ کے وسط میں قید مالٹا سے رہا ہوکر ہندوستان وارد ہوئے تھے، اس وقت تحریک ترک موالات Non Co- operatin Agitation اپنے شباب پر تھی، مالٹا سے رہائی کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد محرم ۱۳۴۰ھ میں عدم تعاون کی تحریک کی پاداش میں آپ کی گرفتاری عمل میں آئی۔

تذکرۂ مولانا عبداللطیف نعمانی والی تحریر میں جس طرح اس تاریخی واقعے کو بیان کیا گیا ہے، اس طرح اس تحریر سے حضرت مدنیؒ کے ساتھ آپ کے غایت تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے، باوجود شاگردی کا رشتہ نہ ہونے کے، راحت وآرام کو ترک کرکے، اور نیند جیسی لذت کو قربان کر کے رات بھر پولیس اور فوج کے گھیرے میں پڑے رہنا، اس سے آپ کے فرط تعلق کا پتہ چلتا ہے۔

اس واقعے کو علامہ اعظمیؒ نے اپنے اس مضمون میں کچھ اور تفصیل سے بیان کیا ہے، جو ''الجمعیۃ'' کے شیخ الاسلام نمبر میں شائع ہوا ہے، الجمعیۃ کے اس مضمون سے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ علامہ اعظمیؒ کی نگاہ میں شیخ الاسلام حضرت مدنی کا کیا مرتبہ تھا، لیکن یہاں میں آپ کے ان تأثرات کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جو آپ نے اپنی یادداشت میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کی وفات کے بعد تحریر فرمائے ہیں، اور جن کو اس راقم آثم نے ''حیات ابوالمآثر'' میں نقل کیا ہے، وہ تأثرات یہ ہیں:

"وكان رحمة الله مسند وقته، وشيخ عصره في الطريقة الجشتية، وزعيما كبيرا من زعماء الانقلاب السياسي، وبطلا من أبطال النهضة الهندية، الذين قاوموا الدولة الإنكليزية في الهند، حتى استخلصوها من أيديهم، وهو رحمة الله وإن لم يكن من مشائخي

كنت أجله إجلالهم وكانت بيني وبينه محبة أكيدة، وسافر مرة من ديوبند إلى مئو لا غاية له سوى أن ياخذني معه ويذهب إلى دارالعلوم (بديوبند) لكي أتولى الإفتاء بها، وكان رحمه الله من العلم والتقوىٰ والجهاد والعبادة ومكارم الاخلاق بمكان.

مرحوم مسند وقت، اور طریقۂ چشتیہ میں شیخ زمانہ تھے، وہ سیاسی انقلاب کے بڑے رہنماؤں اور تحریک آزادئ ہند کے ان بہادروں میں تھے جنھوں نے ہندوستان میں قائم انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد کی، تا آنکہ اس کو انگریزوں کے ہاتھوں سے آزاد کرایا، مرحوم اگرچہ میرے اساتذہ میں نہیں تھے، لیکن ان کا اپنے اساتذہ ہی کی طرح احترام کرتا تھا، ہمارے درمیان بڑی محبت تھی، ایک دفعہ دیوبند سے مئو تک کا سفر صرف اس واسطے کیا کہ مجھے اپنے ساتھ دارالعلوم دیوبند لے جائیں اور افتا کا منصب میرے سپرد فرمائیں، مرحوم علم وتقویٰ، جہاد وعبادت اور خوش اخلاقی میں بلند مقام پر فائز تھے۔

اور خود حضرت مولانا مدنیؒ کے قلب میں علامہ اعظمیؒ کی کتنی قدر تھی، اس کا اندازہ اسی سے لگانا چاہئے کہ صرف آپ کو دیوبند لے جانے کے لیے مئو تک کے سفر کی زحمت گوارا فرمائی، اس کے علاوہ اس تعلق کو جاننے کے لیے علامہ اعظمیؒ کی یہ تحریر پڑھے جانے کے قابل ہے کہ:

''ایک دفعہ بلتھرا روڈ سے واپسی میں شاہ گنج جانے والی ٹرین پکڑنے کے لیے حضرت کو مئو کے سٹیشن پر شام سے اڑھائی بجے رات تک رکنا پڑا، مجھ کو کوئی اطلاع نہ تھی، اس لیے حضرت آدمی بھیج کر اطلاع کرائی، میں چلنے لگا تو خیال ہوا کہ کچھ ناشتہ اور چائے کا سامان اور چولھا بھی لے چلنا چاہیے، اس لیے اپنے لڑکے ''رشید احمد'' اور دو طالبعلموں کو بھی ساتھ لے لیا، سٹیشن پہنچ کر سلام ومصافحہ کے بعد حضرت کے سامنے میں یہ کہتے ہوئے رشید احمد کو پیش کیا کہ ''یہ خادم زادہ ہے'' حضرت نے اس کو بھی مصافحہ کا شرف بخشا، پھر اس کی تعلیم کے بارے میں کچھ سوالات کیے، تھوڑی دیر میں حضرت کے صاحبزادہ ''میاں اسعد سلمہ اللہ'' باہر ویٹنگ روم میں داخل ہوئے تو حضرت نے میری طرف اشارہ کر کے ان کو بھی مصافحہ کرنے کے لیے کہا، جب وہ میری طرف بڑھے، تو حضرت نے فرمایا کہ: ''یہ بھی خادم زادہ ہے'' ان الفاظ کا جو اثر میرے قلب پر ہوا، میں اس کو آج تک نہیں بھولا ہوں............

اسی قبیل سے حضرت والا کا اس ظلوم وجہول کو بعض خطوط میں ایسے الفاظ سے یاد کرنا

ہے، جن کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے"۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص:۴۱)
شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو علامہ اعظمیؒ کے علم وفضل کا پوری طرح اعتراف، اور آپ کی فقہی بصیرت اور وسعت نظر پر بھرپور اعتماد تھا، چنانچہ جمعیۃ علماء کی ورکنگ کمیٹی میں ایک دفعہ یہ تجویز منظور کرائی کہ:

"جمعیۃ علماء کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے جب بھی کوئی فقہی مسئلہ پیش ہو، تو محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے استصواب کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا" (ترجمان الاسلام ص ودار العلوم وفیات نمبر ص:۱۵۶)

اس تعلق سے حضرت علامہ اعظمیؒ کی تحریر سے ایک اور اقتباس پیش کردینا مناسب سمجھتا ہوں، آپ نے لکھا ہے:

"زیارتوں کا یہ سلسلہ بہت طویل اور اس کی مدت تیس سال سے زیادہ ہے، مگر اس پوری مدت میں باوجودیکہ میرا تعلق بیعت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، اور حضرت مرحوم کو اس کی اطلاع بھی تھی، میں کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ حضرت مرحوم اپنے اخص خواص تلامذہ ومریدین ومحبین کی نسبت کچھ کم اعتماد ومحبت وشفقت اس حقیر پر فرماتے ہیں" (الجمعیۃ ص:۴۰)

حضرت شیخ الاسلامؒ اور علامہ اعظمیؒ کے تعلقات پر اگر سلسلۂ کلام جاری رکھا گیا، تو:

ایں رشتہ بانگشت نہ پیچی کہ دراز است

کا مصداق ہو جائے گا، اس لیے اس سلسلے کو یہیں پر روک کر جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ، اور حضرت مولانا اعظمیؒ قدس سرہ کے تعلقات وروابط پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔
۱۹۲۱ء میں علامہ اعظمیؒ کو اپنے زمانۂ طالب علمی میں حضرت مدنیؒ سے جو تعلق قائم ہوا تھا، آپ نے عمر بھر اس کا پاس ولحاظ رکھا، اور اس تعلق میں جو گرم جوشی اور حرارت تھی، اس میں آپ نے زندگی کے کسی لمحے میں اضمحلال اور افسردگی نہیں آنے دی، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ کے ساتھ بھی آپ نے رشتۂ محبت واخوت کو ہمیشہ برقرار اور استوار رکھا، راقم کے خیال میں اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ بعض اوصاف وخصوصیات کے لحاظ سے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو اپنے والد ماجد سے بہت مناسبت تھی، آپ ہندوستانی مسلمانوں کے ہمدرد، سچے غم گسار، مخلص قائد اور بے لوث رہنما تھے، مسلمانوں کے مسائل کے سلسلے میں آپ کے سینے میں ایک اضطراب اور طوفان برپا رہا کرتا تھا۔

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے اپنے والد مرحوم کو علامہ اعظمیؒ کے ساتھ جو برتاؤ کرتے ہوئے دیکھا، اور ان کو آپ کے علم وفضل کا جس طرح قائل اور معترف پایا، اس سے آپ کے قلب کا متأثر، اور عظمت وعقیدت سے معمور ہونا ایک فطری اور لازمی امر تھا، والد بزرگوار کے ربط وتعلق کا اثر تھا کہ مولانا اسعد مدنیؒ کو علامہ اعظمیؒ کے ساتھ حد درجہ شیفتگی اور وارفتگی ہوگئی تھی، اور مولانا اعظمی بھی مولانا مدنیؒ کے لیے دست شفقت اور سایۂ لطف وکرم ہمیشہ دراز رکھتے تھے، ان کو بدرجہ غایت عزیز اور محبوب رکھتے، ان کی تکلیف سے آزردہ، اور ان کے غم سے غمگین اور بے چین ہوجاتے تھے، علامہ اعظمیؒ نے مولانا اسعد مدنیؒ کو نازک ترین لمحات میں تنہا اور بے یار و مددگار نہیں چھوڑا، آپ کے اوپر جب کبھی پریشان کن اور مشکل وقت آیا علامہ اعظمیؒ مضبوط ستون بن کران کی حمایت میں کھڑے رہے، اور اس میں کسی کے طعن وتشنیع کو ذرہ برابر بھی خاطر میں نہیں لائے۔

ان دونوں بزرگوں کے جو باہمی تعلقات تھے، حقیقت یہ ہے کہ زبان قلم اس کو ادا کرنے سے عاجز اور قاصر ہے، لوگوں کا بارہا کا یہ مشاہدہ ہے کہ جب مولانا مدنیؒ، علامہ اعظمی کی خدمت میں پہنچتے، یا ان دونوں حضرات کی کہیں ملاقات ہوجاتی تو فرط مسرت سے کھل اٹھتے، اور دونوں بزرگ بغل گیر ہوجاتے تھے، یہ حضرت علامہ اعظمیؒ ہی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ تھا کہ مولانا مدنیؒ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کی رکنیت سے اس وقت سرفراز ہوئے، جب اراکین مجلس کی ایک بڑی تعداد آپ کی مخالفت پر کمر بستہ تھی، لیکن علامہ اعظمیؒ دارالعلوم کے مفاد کے لیے آپ کی رکنیت کو ضروری خیال کرتے تھے، اور اس کے لیے کسی قسم کی مخالفت کو خاطر میں لائے بغیر آپ اپنے موقف پر قائم ودائم رہے۔

امارت شرعیہ کے قیام کے بعد جب پورے ہندوستان میں ذیلی امارتوں کا قیام عمل میں آرہا تھا اور صوبے میں ریاستی سطح پر امیر شریعت ونائب امیر شریعت کا انتخاب ہورہا تھا، اور اس کے لیے ہر ریاست کے مرکزی مقام پر نمائندہ جلسے منعقد ہورہے تھے، ان تمام اجلاسوں میں مولانا مدنیؒ کیساتھ خود علامہ اعظمیؒ بھی شرکت فرمایا کرتے، اور امارت شرعیہ کی ضرورت واہمیت اور اس کے مقاصد سے لوگوں کو آگاہ اور باخبر کرتے، چنانچہ اس سلسلے میں متعدد مرکزی مقامات پر تاریخی نوعیت کے جلسے ہوئے اسی سلسلے کا ایک اجلاس کانپور میں منعقد ہوا، اس میں علامہ اعظمیؒ متعدد متوسلین کے ہمراہ شرکت کے لیے کانپور تشریف لے گئے، وہاں جاج مئو میں علامہ اعظمیؒ کا قیام تھا، آپ کی خدمت کے لیے یہ راقم بھی آپ کے ساتھ تھا، جاج مئو میں جب اپنی قیام گاہ پر پہنچے تو وہاں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے بہنوئی حضرت مولانا رشید الدین صاحب مرحوم پہلے ہی سے

تشریف لائے تھے، ان سے دیر تک مولانا مدنیؒ کے گھر کے احوال دریافت کرتے رہے، اس سے کچھ دنوں پیشتر مولانا مدنیؒ کی غالباً کسی ہمشیرہ کا انتقال ہوا تھا، علامہ اعظمیؒ نے ان کے مرض اور انتقال کی پوری تفصیل معلوم کی، پھر مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کب آرہے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ رات کے پچھلے پہر تشریف لائیں گے، علامہ اعظمیؒ نے فرمایا کہ ان کے آتے ہی مجھے بیدار کر دیا جائے، چنانچہ مولانا مدنیؒ کے آنے بعد بہت دیر تک آپ ان سے ہم کلام رہے۔

جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم کی درج ذیل تحریر سے بھی اس رشتۂ محبت ومودت کا پتہ چلتا ہے، آپ نے لکھا ہے:

> ''حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے بعد ان کے صاحبزادۂ اجل حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ونائب امیر الہند سے بھی آپ کا عزیزانہ تعلق تھا، چنانچہ بیماری کے آخر زمانہ میں جب کہ آپ پر ایک استغراقی کیفیت طاری تھی، گفتگو اور بات چیت بالکل موقوف ہوگئی تھی، آنکھیں ہمہ وقت بند رہتی تھی، علالت کی اس کیفیت میں حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ عیادت کے لیے خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان کی آہٹ محسوس ہوتے ہی آنکھیں کھول دیں، گویا ان کے انتظار میں تھے، اور اشارے سے اپنے قریب بلا کر کچھ دیر نہایت دھیمی آواز میں باتیں بھی کیں، اور صاحبزادۂ محترم مولانا رشید احمد کو بلا کر فرمایا کہ مولانا کو گھر لے جا کر ناشتہ کرا دیں، حضرت مولانا اعظمیؒ کی یہی آخری گفتگو تھی، اس کے بعد آپ نے کسی سے کوئی بات نہیں کی'' (دارالعلوم وفیات نمبر ص: ۱۶۸-۱۶۹)

مولانا اسعد مدنیؒ علامہ اعظمیؒ کی قوت فکر ونظر کے صدق سے قائل تھے، اور ان کی رائے کو بڑی اہمیت اور دیگر معاصر اہل علم کی آراء پر فوقیت دیتے تھے، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ اور جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس عاملہ کے مواقع پر مولانا مدنیؒ کی شدید خواہش اور بھرپور کوشش ہوتی تھی، کہ مولانا اعظمیؒ ان میٹنگوں میں شرکت فرمائیں، اور دینی وتعلیمی اور قومی وملی مسائل میں اپنے مفید مشوروں، طویل تجربوں اور فکر ونظر کی وسعت سے قوم وملت کی رہنمائی میں تعاون فرمائیں۔

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آئے، جو ان کے ابتلاء اور آزمائش سے عبارت تھے، ایسے مسائل پیش آئے جو ان کی راہ میں رکاوٹ اور ان کے لیے سنگین چیلنج بن گئے، ان مسائل کی عقدہ کشائی اور تسکین وتسلی کے لیے اگر مولانا کی نگاہ کہیں ٹھہرتی تھی تو

وہ علامہ اعظمیؒ کی ذات گرامی تھی۔

ان دونوں بزرگوں کے تعلقات تکلف وتصنع سے یکسر پاک تھے،اس میں ظاہر داری کی آمیزش ذرہ برابر نہیں تھی،مولا نا مدنی علیہ الرحمہ کا مئو کے اطراف اور قرب وجوار سے گزر ہوتا تو اپنے مصروف پروگرام کے باوجود علامہ اعظمیؒ کی زیارت اور ملاقات کے لیے مئو تشریف لاتے، باوجودیکہ مئو کا پروگرام آپ کے سفر میں شامل نہ ہوتا،مگر قلبی محبت اور دل کی لگاؤ ان کو کشاں کشاں کھینچ لاتا،اور مولانا مرحوم علامہ اعظمیؒ سے ملاقات کے بعد اپنی منزل کیطرف رواں دواں ہو جاتے۔

دار العلوم دیو بند کا جب صد سالہ اجلاس ہوا،اور اس اجلاس میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو دستار فضیلت دی گئی تو مولانا مدنی وہ دستار لے علامہ اعظمیؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے،انھوں نے دستار علامہ اعظمی کے سامنے رکھ کر درخواست کی کہ ان کے سر پر باندھ دیں۔

مولانا مدنیؒ علامہ اعظمیؒ کے کس قدر مرتبہ شناس اور معترف تھے،اس کا برملا اظہار اس وقت ہوا، جب جمعیۃ علماء ہند کی عرصۂ دراز اور سالہا سال کی کوششوں کے بعد ۲/نومبر ۱۹۸۶ء مطابق ۲۸ صفر ۱۴۰۷ھ کو جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی عمارت میں امارت شرعیہ ہند کا قیام عمل میں آیا،اور مولانا مدنیؒ کی تجویز پر اتفاق رائے سے علامہ اعظمیؒ کو امیر الہند منتخب کیا گیا،شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو علامہ اعظمیؒ کے علم وفضل پر جو غایت درجہ اعتماد تھا یہ سب انتخاب اسی اعتماد کی ایک عملی شکل تھی۔

مولانا مدنی مرحوم علامہ اعظمیؒ سے نسبت رکھنے والوں سے بھی بہت محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے تھے،آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا رشید احمد صاحب وحاجی سعید احمد صاحب مد ظلہما کا بہت خیال رکھتے تھے،خود اس راقم آثم کو بھی کئی دفعہ دہلی میں سلام ومصافحہ کی سعادت حاصل ہوئی،تو ان حضرات کی خیریت ضرور پوچھی اور ہدیۂ سلام بھجوایا۔

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ حضرت مولانا مدنیؒ مئو تشریف لائے، جمعہ کا دن تھا، جمعہ کی نماز کے بعد حضرت علامہ اعظمیؒ کے مرقد مبارک پر فاتحہ خوانی کے لیے تشریف لائے،جس احاطے میں حضرت علیہ الرحمہ کی قبر ہے اسی میں آپ کے خلف الرشید مولانا رشید احمد صاحب نے آپ کی کتابوں کی حفاظت وترتیب کے لیے ایک عظیم الشان کتب خانہ تعمیر کرا دیا ہے،مولانا مدنیؒ تشریف لائے تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے کتب خانہ دیکھنے کی درخواست کی،مولانا باوجود ضعف واضمحلال اور سفر کی تکان کے زینہ چڑھ کر اوپر تشریف لے گئے، اور مولانا اعظمیؒ کی کتابوں کی حفاظت کا انتظام دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا۔

۱۹۹۲ء میں علامہ اعظمی کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا رشید احمد الاعظمی مدظلہ کی طرف بھی یہ جذبات خلوص ومحبت وراثت میں منتقل ہوئے، اور آپ طرزِ عمل سے اس تعلق کا ہمیشہ اظہار بھی ہوتا رہا، جب بھی مولانا مدنیؒ کی کسی شدید علالت کی اطلاع آپ کو ملتی، ایک بے قراری سی آپ کے اور طاری ہو جاتی، اور ان کی صحت وعافیت کے لیے مدرسے میں حصن حصین اور بخاری شریف وغیرہ کا ختم کرا کے دعا کا اہتمام کرتے۔

۲۰۰۰ء میں راقم الحروف کی کاوش سے علامہ اعظمیؒ کی سوانح عمری ''حیات ابوالمآثر'' کے نام سے مرتب ہوئی جس بہت سے اہل علم واہل تعلق نے اپنے اپنے تأثرات ارقام فرما کر راقم کی حوصلہ افزائی فرمائی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم نے اس کتاب پر خصوصی تقریظ کے لیے تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ مستحق حضرت والا مدنیؒ کو سمجھتا، اور اس کے لیے آپ سے بطور خاص درخواست کی، مولانا مدنی مرحوم بھی نہایت بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ اس کے لیے تیار ہو گئے، مولانا مرحوم کے دستخط سرمزین ان کی تقریظ میرے لیے آج ایک بہت بڑا سرمایۂ سعادت ہے، اس تقریظ پر مولانا مرحوم کے دستخط کے ساتھ ''جامع مسجد رشید، دار العلوم دیوبند ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ'' مرقوم ہے، مناسب ہوگا کہ مولانا مدنیؒ کی تقریظ جو 'حیات ابوالمآثر'' کے لیے سرنامۂ آغاز ہے، میری اس تحریر کے لیے مسک الختام بن جائے اور اسی پر اپنے ان معروضات کو ختم کر دوں وہ تقریظ ملاحظہ ہو:

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

احقر کو یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ امیر الہند اول محدث کبیر علامہ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ کے حالات زندگی، اور ان کی علمی وتحقیقی خدمات کا مفصل تذکرہ حضرت کے نواسے عزیزم مولوی مسعود احمد سلمہ نے نہایت کاوش اور تحقیق کے ساتھ بہت اچھے انداز میں مرتب کیا، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس صدی میں حضرت امیر الہند قدس سرہ اہل علم کی صفوں میں، اور علم وتحقیق کے میدان میں، بالخصوص فن حدیث اور اس کے متعلقات میں جس درجہ اہمیت کے حامل تھے، اسے سب جانتے ہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ حضرت والا کے خاص قدر دانوں میں تھے، ان کی خدمات کا دائرہ اس صدی کے تین چوتھائی حصہ پر محیط ہے، ان کی بارگاہ علم میں عجم وعرب نے زانوئے تلمذ تہ کیا

ہے،اوراخیر دورمیں شدید ضعف اور بڑھاپے کے باوجودنہایت نازک حالات میں ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی سربراہی جس طرح آپ نے فرمائی ہے، وہ ایک یادگارقابل فخر کارنامہ ہے، حضرت کی وفات کے بعد علم ودین اورملک وملت کے وسیع دائرہ خدمت میں بہت زیادہ خلا ہوا ہے۔

یہ ہم سب پرقرض تھا کہ حضرت کے حالات وسوانح کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا، بہت زیادہ قابل مبارکباد ہیں برادرمحترم مولانارشید احمد صاحب (خلف اکبر حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ) کہ انھوں نے اس پرتوجہ کی، اوراپنی نگرانی میں یہ بیش قیمت دستاویز مرتب کرائی، اوراس کی اشاعت کا انتظام وانصرام کیا، اور بہت ہی سعادت وخوش بختی ہے عزیزم مولوی مسعود احمد سلمہ کی کہ انھوں نے اپنے عظیم المرتبت نانا کے احوال ووقائع مرتب کیے۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے، اورتمام ملت اسلامیہ کے لیے نافع اوررہنما بنائے، آمین فقط“۔

اس تقریظ پرغورفرمائیں کہ اس کاایک ایک لفظ عقیدت ومحبت میں ڈوبا ہوا، اورشیفتگی ووارفتگی کے جذبات میں ڈھلا ہوا ہے۔

○○

□ حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی
مدیر ماہنامہ ''الفرقان''، لکھنؤ

مولانا اسعد میاںؒ

ہم عمر و ہم درس و ہم جماعت ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں، اسعد میاں بھی کامل تین ماہ کی مایوس کن علالت کے دن پورے کر کے ۶/محرم ۱۴۲۷ھ/ ۶/فروری ۲۰۰۶ء کو اسی رواں دواں قافلہ کا فرد بن گئے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے، اور ہم پیچھے رہ جانے والوں کو بھی اپنے وقت پر اس مغفرت و رحمت کا شریک بنائے۔ صحیح تاریخ اور مہینہ تو یاد نہیں البتہ ۱۹۴۴ء وثوق سے یاد ہے جو ہجری ۶۳ ۱۳ کے متوازی تھا اور مہینہ از روئے قیاس شوال کا ہونا چاہیے (جو انگریزی مہینہ اکتوبر کے مطابق بنتا ہے) کہ اپنا داخلہ دیوبند میں ہوا۔ کتابیں جو ملیں ان میں ایک مختصر المعانی تھی (وہ زمانہ طلبہ کی درجہ بندی کا نہیں تھا۔ کتابوں کی درجہ بندی تھی کہ کون کون سی کتابیں کس استعداد کے طالب علم کو ایک سال میں پڑھائی جائیں) مختصر المعانی کے استاد تھے حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ، بڑے پرانے اور مانے ہوئے استادوں میں سے تھے۔ کتاب کی جماعت کافی بڑی تھی، اچھی وسیع درسگاہ بھی بھری ہوئی۔ اسی جماعت میں اسعد میاں بھی تھے۔ میں تو وہاں کسی کو بھی نہ جانتا تھا، نو وارد تھا۔ انھیں پتہ نہیں کیونکر میری طرف التفات ہوا۔ خیال آتا ہے کہ جیسے پہلے ہی دن سے مہربان ہوگئے۔ میرے لیے بھی یہ التفات قدرتی طور سے باعثِ اُنس بنا اور پھر یہ ایک درجہ کی دوستی میں بدل گیا، جس کے ابتدائی چار سال تو دارالعلوم کے احاطہ ہی میں بیتے۔

مجھے شہادت دینی چاہیے، داد دینی چاہیے کہ اسعد میاں اگر چہ اُس ہستی کے فرزند ہی نہ تھے جس کے آگے زانوئے ادب طے کرنے کی سعادت اپنے لیے ہمیشہ سرمایۂ فخر رہی ہے، بلکہ خود بھی درجات و مراتب کی بلندیاں طے کرتے کرتے فخر خاندان بنے، مگر وہ تعلّق جو دارالعلوم کی طالب علمی میں انھوں نے قائم کیا تھا اس میں آخر دم تک کبھی فرق دیکھنے میں نہ آیا! بعض وقت دوستانہ بے تکلفی کا کچھ ایسا بے جا استعمال بھی مجھ سے ہو گیا کہ ڈر لگا بُرا نہ مان گئے ہوں۔ مگر نہیں، وضع داری میں ذرا جو فرق آیا ہو۔ میں تیس برس سے لندن میں ہوں، مرحوم کہ سراپا حرکت تھے، سال میں ایک

دوبار دورہ ادھر کا بھی عرصہ سے ہونے لگا تھا۔ اسی کی بدولت ملنے جلنے کی صورت بآسانی بنتی رہی۔ اور جس وضع داری کی بات کر رہا ہوں وہ اسی ضمن میں یہ تھی کہ جب تک لیبیا والے سفری حادثہ سے پیدا ہونے والی مجبوری حائل نہ ہوگئی مشکل ہی سے مجھے اپنی قیام گاہ پہ آنے کا موقع کبھی دیا، ورنہ اپنے ایک ایک منٹ کے مصروف پروگرام میں سے وقت نکال کے خود ہی خانۂ خراب پہ آنا اور لازماً آنا۔ شاذ و نادر ہی کبھی ایسا ہوا کہ بغیر ملے لوٹ گئے ہوں۔

یہ تین مہینے کی آخری علالت کا سلسلہ جس دن شروع ہوا میں اتفاق سے اس کے دوسرے ہی دن دلّی پہنچا تھا۔ اور آخری ہفتہ کو چھوڑ کر یہ پورا عرصہ انڈیا ہی میں گزرا۔ دو دفعہ اپولو اسپتال بھی جانا ہوا، جہاں مرحوم زیر علاج تھے۔ مگر جس بیہوشی کی حالت میں اسپتال لائے گئے تھے اس نے ساتھ آخر تک نہ چھوڑا کہ نام ہی کو سہی ملاقات ہو سکتی۔ اب سراپا حرکت سراپا سکون تھا۔ پس آخری ملاقات وہی رہ گئی جو تقریباً دو سال پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت بھی میں دلّی پہنچا تھا، پتہ چلا کہ اسعد میاں حج میں گئے تھے وہاں سے بہت علیل ہو کے لوٹے ہیں۔ طوفانِ باد و باراں کی جو آزمائش اس سال حجاج کو پیش آئی تھی موصوف بھی اس کی زد میں آئے۔ یا اللہ معذوری کا وہ حال کہ بمشکل پاؤں اُٹھا پاتے ہیں اور حج کے اژدہام میں جا پہنچے! کئی باتیں جو بہت شروع سے واضح کر دی گئی تھیں کہ وہ اپنے حضرت والدِ ماجد علیہ الرحمہ کے خلف الصدق ہیں ان میں سے ایک ان تھک حرکت و جد و جہد بھی تھی۔ مگر اس حج کی خبر نے بتایا کہ وراثت کی مقدار پر قانع نہیں رہے، اُسے دو چند کیا ہے۔ عیادت کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو پتہ چلا کہ طبیعت بہتر ہے ڈاکٹر کی اجازت سے چند دن کے لیے دیوبند چلے گئے ہیں۔ بہر حال واپس آئے۔ جمعیۃ کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ دیکھ کے فی الجملہ اطمینان ہوا کہ اس جھٹکے سے بظاہر نکل گئے۔ میں نے کہا بس بہت خدمتِ ملک و ملت ہوگئی، اب خدا کے لیے اپنے اوپر رحم کریں۔ کچھ آرام کرلیں۔ کہنے لگے اب آرام کیا کرنا؟ اسّی برس پورے ہونے جا رہے ہیں۔ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ کی میری پیدائش ہے۔ لیجیے معلوم ہوا کہ سالِ پیدائش ہم دونوں کا ایک ہے، بس مہینوں کا آگا پیچھا ہے۔

انتھک مزاج کی روایت کے ساتھ حوصلہ مندی کا ایک وصف بھی بھرپور پایا ہوا تھا جسے کہنا چاہیے کہ اُن کا اپنا تھا۔ اس وصف کی ایک نشانی جمعیۃ علمائے ہند کا موجودہ پُرشکوہ دفتر واقع نئی دہلی ہے۔ جن لوگوں نے جمعیۃ کا قدیم دفتر پرانی دلی کی گلی قاسم جان والا دیکھا ہوگا۔ وہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس درجہ کی حوصلہ مند فطرت لے کے اسعد میاں آئے تھے۔ حوصلہ مندی عزم و استقامت

بھی چاہتی ہے۔ ماشاء اللہ اس سے بھی وہ ایسے بھرپور تھے کہ دینی میدان ہو یا سیاسی، تنِ تنہا ہی اپنی سوچ اور اپنے اہداف کے لیے راہیں استوار کرنے میں کبھی اِدھر اُدھر دیکھتے اور تنگ دلی کا شکار ہوتے نظر نہیں آئے، اور بالعموم اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے کہ حریف ان سے بازی لے جاتے ہوئے نظر نہ آئے۔ ایک اور چیز جس میں شاید ہی ان کا حریف ہونے کی ہمّت وقت کے میدانی لوگوں میں سے کوئی کرسکا ہو، کشادہ دستی و مہمان نوازی تھی۔ مٹھی کبھی بند ہو کے نہیں رہی۔ اور دسترخوان کبھی سمٹا نہیں۔ اور یہ چیز بھی انھیں اپنے والد والا تبار حضرت مدنیؒ سے وراثت میں ملی تھی۔ دُعا ہے کہ حضرتؒ کے مثالی ورثہ کی بہتر سے بہتر حفاظت کا سلسلہ اس خاندان میں سدا جاری رہے۔

○○

□ محمد سلمان منصورپوری
خادم مدرسہ شاہی، مرادآباد

حضرت فدائے ملتؒ کے ذریعہ
فیضانِ مدنی کی اشاعت

دسمبر ۱۹۵۷ء کی ۵؍تاریخ دوپہر کا وقت شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ آخری سفر پر جانے کے لیے تیار ہیں، اپنے کمرہ میں سنت کے مطابق داہنی کروٹ پر داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر آرام فرما ہیں، ایک نوجوان شیخ وقت کی خدمت کی سعادت حاصل کرتے ہوئے اسے خود یہ پتہ نہیں کہ یہ زندگی کی آخری خدمت ہے جس کے بعد کسی کو اس خدمت کی سعادت نہ مل سکے گی۔ تھوڑی ہی دیر میں نوجوان نے دیکھا کہ شیخ کی آنکھ لگ گئی ہے، جو بظاہر طبعیت میں سکون کی علامت تھی، یہ دیکھ کر نوجوان کی ان آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی، جو ایک عرصہ سے اپنی جان سے زیادہ عزیز شیخ کی تیمارداری میں شب وروز سرگردانی کی وجہ سے نیند بیزار ہوچکی تھیں، وہ نوجوان اپنے شیخ پر آخری نظر ڈال کر کمرہ سے باہر آ گیا۔

تین بج گئے مگر شیخ کی آنکھ نہ کھلی، گھر والوں نے صورت دیکھی تو تشویش کی لہر دوڑ گئی، نوجوان نے حالت دیکھی تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور جب یہ خبر گھر سے باہر نکلی اور ریڈیو سے نشر ہوئی تو برصغیر کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ملت اسلامیہ ہند کا آسرا جاتا رہا، جمعیۃ علماء ہند بے سہارا ہوگئی، دارالعلوم دیوبند یتیم ہوگیا، لاکھوں متوسلین کے دلوں کی شمع بجھ گئی، اچھے اچھے لوگوں کے اوسان خطا ہوگئے، جس نے جہاں سنا وہیں سے انہوں نے دیوبند کی راہ لی، شیخ کی قیام گاہ پر پروانوں کا وہ اژدہام ہوا کہ کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا۔ کیا عورتیں، کیا مرد، کیا بچے، کیا بوڑھے؟ سب حیران و پریشان غم واندوہ سے نڈھال اور شیخ پر آخری نگاہ ڈالنے کے لیے سرگرداں۔ والدہ بتاتی ہیں کہ عورتوں کے مجمع کی وجہ سے گھر میں بنی کیاریاں، پیڑ پودے، حتی کہ مٹی کے چولہے تک ایسے برابر ہوگئے تھے کہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ کبھی کوئی چیز بنی ہوئی تھی۔

ایسے غم واندوہ کے ماحول میں سب سے زیادہ غم ایک نوجوان کو تھا، جسے آخری خدمت کی

سعادت ملی تھی اور جس نے شیخ کی معیت میں رہ کر شیخ کی عظیم نسبت کو اپنے سینہ میں منتقل کر لیا تھا، مگر آج اس نے سنتِ صدیقی کو زندہ کیا تھا، وہ اچانک صبر وتحمل کے کوہ گراں میں تبدیل ہو گیا تھا، دوسرے اسے کیا ڈھارس دلاتے وہی دوسروں کو ڈھارس بندھا رہا تھا، اس کے چہرہ پر فکر کے آثار ضرور تھے مگر ساتھ ہی ہوش کا دامن بھی اس کے مضبوط ہاتھوں میں تھا، ساری دنیا سے لوگوں کے فون آرہے تھے کہ ہم فلاں وقت پہنچ رہے ہیں، جنازہ میں ہمارا انتظار کیا جائے، بہت سے لوگ اصرار کر رہے تھے کہ اگلے دن جمعہ کی نماز تک نماز جنازہ مؤخر کر دی جائے۔ دارالعلوم کے ذمہ داران لوگوں کے شدید اصرار پر جنازہ میں تاخیر کا ذہن بھی بنا چکے تھے، مگر جب یہ بات اس نوجوان کے کانوں میں پڑی جو شیخ کا نسبی ہی نہیں؛ بلکہ روحانی وارث بھی تھا، تو اس نے تاخیر کی تجویز کو قبول نہ کرتے ہوئے برملا کہا:

> ''حضرت کا عام ذوق یہی تھا کہ جنازہ میں عجلت سے کام لیا جائے، تاخیر سے حضرت کی روح کو اذیت دینا نہ قرین انصاف ہے نہ تقاضائے احترام''۔

(الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۳۴۸ مطبوعہ پاکستان)

چنانچہ بعجلت تمام شیخ وقت کو آخری آرام گاہ پہنچایا گیا، مگر جلدی ہونے کے باوجود مجمع کی کثرت کی وجہ سے تہجد کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان پورے صبر وتحمل کے ساتھ تمام کارروائیوں کو انجام دے رہا ہے۔ اسی دن اصحابِ بصیرت نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ نوجوان واقعی اسم بامسمّٰی ''اسعد'' اور ''**الولد سر لأبیه**'' کا حقیقی مصداق ہے۔ مولانا نجم الدین اصلاحی فرماتے ہیں:

> ''مہمان خانہ میں آیا، حضرت مولانا محمد اسعد صاحب مدنی خلف اکبر حضرت شیخ الاسلام سے سلام اور مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔ موصوف کی استقامت اور ان کے صبر جمیل کو دیکھ کر دنیا کو ممکن ہے حیرت ہو مگر مجھے ذرا بھی حیرت نہ ہوئی، اس لیے کہ یہ اس باپ کے بیٹے ہیں کہ جس کی ساری زندگی اتباع سنت نبوی واصحابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر تھی اور سفر وحضر میں معیت وشرف ہم رکابی کی سعادت نے اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے، حتی کہ زندگی کے آخری اور سب سے قیمتی اوقات تک عالم اسلام کی سب سے برگزیدہ اور روحانی شخصیت سے بلا واسطہ ہر وقت کسب فیض کرتے رہنا شاید ہی کسی خوش قسمت کے حصہ میں ایک صدی پہلے آیا ہو۔ ممدوح اس کے تنہا حامل اور مدنی فیوض برکات کے جائز وارث ہیں، اس لیے جو نمونہ آپ نے پیش فرمایا ہے، ہمارے لیے اس میں بڑی دل کشی اور سامانِ زندگی

موجود ہے۔ اللّٰھم زد فزد، أطال اللّٰہ عمرہ وجعلہ فوق کثیر من الناس‘‘۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام ۹/۳)

مولانا سلطان الحق قاسمی ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند نے فرمایا:

’’کمال تو یہ ہے کہ اس نوجوان نے شیخ کی ساری ادائیں تھام لیں‘‘۔ (گلہائے عقیدت)

اور معروف عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا حمید الدین صاحب نے ارشاد فرمایا:

’’شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ العزیز کی نسبت کامل ومکمل طور پر عزیز موصوف کی طرف منتقل ہوگئی ہے اور ان کی خلوت وجلوت میں کارفرما ہے۔‘‘ (گلہائے عقیدت ۱۱۳)

الغرض حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد حیرت انگیز طور پر لوگوں کے دل آپ کے جواں سال جانشین حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کھنچتے چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ نے اپنے عظیم باپ کے چھوڑے ہوئے مشن کی قیادت سنبھال لی۔

منصب رشد وھدایت:

آپ نے حضرت شیخ الاسلامؒ کے دست حق پرست پر بیعت کرکے تصوف وسلوک کے تمام مراحل طے کر لئے تھے اور حضرت اپنی اخیر زندگی میں متوسلین کو آپ کے حوالہ کرنے لگے تھے، جو آپ کی تکمیل کی طرف اشارہ تھا۔ ابھی حضرت کی وفات کو چند ہی دن گزرے تھے کہ قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پیغام حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے پاس پہنچا کہ وہ حضرت مولانا اسعد مدنی کو بیعت کی اجازت دے دیں، نیز حضرت مولانا سید حامد میاں صاحبؒ بانی جامعہ مدنیہ لاہور سے حضرت رائے پوریؒ نے حضرت مولانا مدنی کے باطنی حالات دریافت فرمائے، چناں چہ اس وقت حضرت فدائے ملتؒ نے جو مکتوب حضرت رائے پوریؒ کے نام لکھا وہ درج ذیل ہے:

بخدمت: حضرت اقدس رائے پوری مدت فیوضکم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مولانا سید حامد میاں صاحب کے والا نامے میں آں جناب نے اس ناکارہ کے حالات دریافت فرمائے ہیں، پریشان ہوں، کیا حال لکھوں؟ اس روسیاہ بدکار کا تو کچھ حال ہی نہیں۔

احقر چھ سات سال قبل حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہم کے کرم سے حضرت قدس اللہ سرہٗ سے بیعت ہوا تھا، پھر جب حضرت قدس سرہ کو پہنچانے کے لیے بمبئی تشریف لے گئے تو بمبئی میں پاس انفاس تعلیم فرمایا تھا، مگر حسبِ معمول بدنصیبی اور کاہلی دامن گیر رہی، واپسی پر احقر کے عرض

کرنے سے حضرت قدس سرہ نے بارہ تسبیح تعلیم فرمادی، کوئی دو سال قبل جب کہ پاس انفاس بلا اختیار جاری ہوگیا، تب حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز نے ذکر قلبی تین ہزار تعلیم فرمایا تھا، احقر تعداد کا لحاظ تو زیادہ نہیں کرسکا، ذکر قلبی جاری ہوگیا تھا، مگر احقر نے حضرت قدس سرہٗ سے کچھ عرض نہیں کیا، یہاں تک کہ گذشتہ رمضان المبارک میں حضرت قدس سرہٗ کے مجازین (مولانا احمد علی صاحب اور مولانا مصدر علی صاحب وغیرہ) نے صرف مجھ کو ہی مجبور نہیں کیا؛ بلکہ حضرت قدس اللہ سرہٗ سے بھی جاکر عرض کیا، حضرت قدس سرہٗ نے احقر کو طلب فرماکر احوال دریافت فرمائے، احقر نے عرض کردیے، تو اس وقت حضرت قدس اللہ سرہٗ نے مراقبۂ ذاتِ مقدسہ تعلیم فرمایا، احقر کرتا بھی رہا، لیکن سفر مدراس کے بعد حضرت قدس سرہٗ کی علالت وغیرہ کی پریشانی میں باقاعدہ بیٹھ کر مراقبے کا موقع دستیاب نہ ہوتا تھا، اور طبعیت بھی نہ لگتی، صرف بارہ تسبیح ضرور کسی طرح کرلیتا تھا، یہاں تک کہ حضرت قدس سرہٗ کا وصال ہوگیا۔

جسم میں کسی کسی وقت سنسنی سی رہتی ہے، اگر کبھی کسی فعل سے مخلوق کی خوش ظنی کا خیال ہوتا ہے تو بحمد اللہ خالق کی رضا کی طرف مائل ہوتا ہے، اگر کہیں کسی مخالف ماحول میں پھنس جاتا ہوں تو ذکر اور آثار ذکر کا بلاارادہ غلبہ رہتا ہے اور دل متنفر رہتا ہے۔

حضرت یہ روسیاہ بہت محروم قسی القلب ہے، حضرت قدس سرہٗ العزیز کی کوئی خدمت بھی نہ ہوسکی، محروم ہی محروم رہا، لوگ روتے ہیں تو میں حسرت سے دیکھا کرتا ہوں۔

اس رمضان میں حضرت قدس سرہ العزیز نے خواب بیان فرمایا کہ: ''احقر اور حضرت قدس سرہ حج کے لیے جدہ پہنچے ہیں اور حضرت قدس سرہ احقر سے فرمارہے ہیں کہ باہر جاکر لوگوں کو خبر کردے کہ حسین احمد آگیا''، اب جب کہ حضرت قدس سرہٗ کا وصال ہوگیا، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا تعبیر ہوگی؟

حضرت! دعوات وتوجہات کا بہت محتاج ہوں، کسی بھی لائق نہیں ہوں، ویسے حضرت قدس سرہٗ رمضان بعد سے بعض سالکین کو احقر کے سپرد بھی فرماتے تھے کہ: ''جا ان کو بارہ تسبیح یا اسم ذات یا پاس انفاس یا ذکر قلبی بتادے''۔ وصال سے چند دن پہلے فرمایا کہ: ''فلاں صاحب کی اجازت کا اعلان کردے۔''

یہ چند سطور تعمیلاً للارشاد تحریر کرکے پیش کررہا ہوں کہ شاید جناب کی دعوات وتوجہات سے احقر کا بیڑا پار ہوجائے اور آخرت بن جائے اور اپنے اکابر کے ساتھ آخر ہوجائے۔ فقط والسلام

طالبِ دعا اسعد غفرلہ

۲۲ر رجب ۱۳۷۷ھ

الغرض حضرت شیخ الاسلام کے وصال کے بعد حضرت کے خلفاء نے آپ کو اجازت سے نوازا، نیز قطب عالم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کو خصوصی اجازت مرحمت فرمائی اور بیعت وارادت کا سلسلہ جاری رکھنے کا حکم فرمایا۔ مولانا شاہ علی صاحب سفیر دار العلوم دیوبند، گورکھپور کی مشہور شخصیت مولانا حکیم وصی احمد صاحب کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ: ''حضرت شیخ الاسلامؒ کے وصال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت کوئی چیز لوگوں میں تقسیم فرمارہے ہیں، میں نے بھی لینے کے لیے ہاتھ پھیلایا تو حضرت نے فرمایا: ''تم جاکر اسعد سے لے لو''۔ اتنے میں حضرت مولانا اسعد صاحب فوری طور پر کچھ لے کر آئے اور مجھے دیا، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے یہ تعبیر سمجھی کہ مجھے مولانا اسعد صاحب مدنی سے بیعت ہونا چاہئے اور انہیں سے مجھے فیض پہنچے گا۔ میں نے حضرت مولانا اسعد صاحب کے پاس خواب اور جو کچھ تعبیر سمجھی تھی وہ لکھ کر بھیجی اور بیعت کی درخواست کی، تو اس کا جواب یہ آیا کہ آپ نے جو خواب دیکھا وہ سچ ہے؛ لیکن اس کی تعبیر آپ نے الٹی سمجھی، اس کی تعبیر یہ ہے کہ آپ سے مجھ کو فیض ملے گا، لہٰذا آپ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سے بیعت ہوجائیں اور وہاں سے فیض حاصل کرکے مجھے پہنچائیں۔ مولانا اسعد صاحب کا یہ خط اور اپنی بیعت کی درخواست میں نے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں روانہ کردی، حضرت شیخ الحدیث کا جواب اور ساتھ میں ۲۰؍روپیہ ملا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ میں تھرڈ کلاس سے سفر کرتا ہوں اور تمہارے لیے بھی اسی کا کرایہ روانہ کررہا ہوں فوراً دیوبند چلے جاؤ اور مولانا اسعد صاحب سے بیعت ہوجاؤ۔ میں حضرت شیخ الحدیث کے حکم کے مطابق دیوبند مولانا اسعد صاحب کی خدمت میں پہنچا، حسب سابق بیعت کی درخواست کی اور حضرت شیخ الحدیث کا خط دکھلایا، تو فرمایا کہ: ''میں اس لائق نہیں ہوں کہ بیعت کروں؛ البتہ میرے ساتھ حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں سہارن پور چلو وہاں سے بیعت کراؤں گا''۔ میں اور مولانا اسعد صاحب سہارن پور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت شیخ الحدیث نے ہم دونوں کو دیکھتے ہی مجھ سے فرمایا کہ ابھی تک تم بیعت نہیں ہوئے؟ میں نے کہا یہ تو حضرت بھائی صاحب سے پوچھئے۔ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ: ''تم کہتے ہو کہ میں لائق نہیں؛ لیکن میں کہتا ہوں کہ تم بہت پہلے لائق ہوچکے ہو، لہٰذا بلا تردد فوراً بیعت کرلو''۔ اس حکم کے بعد حضرت مولانا اسعد رونے لگے اور پھر دوہرایا کہ حضرت میں اس لائق نہیں ہوں؛ لیکن حضرت شیخ الحدیث کے بار بار اصرار کرنے پر مولانا اسعد صاحب نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ فرمایا کہ کہو میں بیعت کرتا ہوں حضرت شیخ الحدیث سے اسعد کے ہاتھ پر، اس پر حضرت شیخ الحدیث

مولانا نازکریا صاحب نے پھرزوردار الفاظ میں فرمایا کہ یوں نہ کہلواؤ؛ بلکہ یوں کہلواؤ کہ میں بیعت کرتا ہوں اسعد سے اسعد کے ہاتھ پر، اور اسی طرح مجھے بھی تلقین فرمائی، اس کے بعد حضرت مولانا اسعد صاحب تھوڑی دیر تک روتے رہے اور پھر جس طرح حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا تھا اسی طرح بیعت فرمایا۔'' (گلہائے عقیدت ۱۱۹)

ان اہل اللہ نے آپ کو جس مقام ومنصب پر فائز کیا تھا، آپ نے ان منصب کی ذمہ داری کامل طریقہ پر نبھائی۔ آپ کے ذریعہ سے نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ پورے برصغیر، افریقہ، امریکہ اور یوروپ تک کے ہزاروں فرزندانِ توحید راہ یاب ہوئے اور مدنی سلسلہ سے منسلک ہوئے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے، آپ کے فیض یافتگان دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلے ہوئے ہیں، بالخصوص آسام، منی پور اور تری پورہ کے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور نہایت پسماندہ مسلم آبادیوں تک جس طرح آپ نے رسائی حاصل کی، اور بڑی تعداد میں خلق خدا کو حضرت شیخ الاسلامؒ کے روحانی سلسلہ سے وابستہ کیا، وہ انتہائی حیرت انگیز ہے۔ آپ نے اپنی وفات پر پورے عالم میں پھیلا ہوا اپنا ایک وسیع حلقہ چھوڑا ہے، جن سے رابطہ رکھنا بعد کے لوگوں کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

مصلح امت

حضرت امیر الہندؒ نے اپنی زندگی کا اصل مقصد اشاعت وحفاظت دین کو بنایا تھا، آپ کو بہت سے لوگ محض ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن اگر آپ کی پوری زندگی اور مصروفیات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ سب سیاسی سرگرمیاں ملا کر آپ کی مصروفیات کا دس فیصد حصہ بھی نہیں بن سکتیں۔ آپ کی نوے فیصد سے زیادہ سرگرمیاں خالص دینی تھیں، آپ کے روزمرہ کے ملکی وبیرون ملکی اسفار کا بیشتر حصہ بیعت وارشاد کی مجلسوں، دینی واصلاحی پروگراموں یا مدارس اسلامیہ کے سالانہ جلسوں پر مشتمل ہوتا تھا، اور ملی ودینی اسفار کی کثرت میں آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے، کسی جہاں دیدہ شخص نے آپ کے اسفار کو دیکھ کر کہا تھا کہ:

''معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ریلوے لائنیں مولانا مدنی کے سفر کے لیے ہی بچھائی گئی ہیں''،

اور اسفار میں وعدہ کی پاسداری ایسی تھی کہ جب پروگرام دے دیا تو پھر خواہ طوفان ہو یا آندھی، لو کے تھپیڑے ہوں یا موسلا دھار بارش ہر ممکن طور پر وقت پر پروگرام کی جگہ پہنچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بلاشبہ عالم کی لاکھوں مسجدیں اور سجدہ گاہیں آپ کی نمازوں کے سجدوں کی گواہ بنیں گی، اور آپ کے درجات کی بلندی کا سبب بنیں گی۔

○○

□ صالح بھائی، ڈھاکہ، بنگلہ دیش

فدائے ملتؒ بنگلہ دیش میں

اس جہاں میں بہت سے وہ حضرات ہیں جن کی رحلت کے بعد صرف ان کے خاندان رویا کرتے ہیں، ایسے بھی ہیں جن کے لیے اپنے علاقہ کے لوگ روتے ہیں، ایسے بھی ہیں جن کے لیے ملک کے لوگ روتے ہیں، لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کے لیے صرف دنیا نہیں بل کہ تمام مخلوق رویا کرتی ہے، میرے حضرت ٹھیک انہیں میں سے تھے، جن کا زندہ رہنا اپنی ذات کی بہ نسبت پورے عالم اسلامی کے لیے زیادہ ضروری ہے، فدائے ملت لفظ میرے شیخ کے ساتھ ملایا جاتا ہے، بے شک یہ لفظ بہت اونچے معنی کا حامل ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ میرے حضرت اتنے اونچے پائے کے آدمی تھے کہ ان کے نام کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے خود فخر کر رہا ہے۔

ایسے شیخ کے منسلک ہوجانے کی وجہ سے میں اپنے آپ کو قابل فخر سمجھتا ہوں ۱۹۸۲ء میں بیعت ہونے کے بعد سے حضرت کے بنگلہ دیش سفر کے دوران ہمہ وقت ساتھ رہنے کے علاوہ سال میں تین چار بار ملاقات کے لیے دلی اور دیوبند جایا کرتا تھا اس طویل مدت کی صحبت کی روشنی میں میں نے ایک کتابچہ لکھا اسی سے بنگلہ دیش کے سفر کا تھوڑا سا حصہ اس میں پیش کر رہا ہوں۔

فدائے ملتؒ کے بنگلہ دیش کے اسفار

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ۲۵-۲۴-۱۹۲۳ کل تین سال سلہٹ میں قیام فرمایا، اس دوران سلہٹ شہر کے مانک پیر کے ٹیلہ نامی مقام پر خلافت بلڈنگ بنوائی وہیں سے دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ تحریک خلافت شروع ہوئی، نزدیک ہی نئی سڑک مسجد سے اس مسجد میں ۱۹۴۷ء کے تقسیم تک رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا اور اپنے اہل وعیال کو بہت مرتبہ اپنے ساتھ لائے، فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی پیدائش ۱۹۲۸ء میں ہوئی اور بچپن ہی میں اس ملک کا سفر کیا اس وقت ان کی عمر تقریباً ۴/۵ سال کی تھی۔

۱۹۹۰ء میں جب حضرت نے سلہٹ کا سفر کیا تو ایک بوڑھی عورت نے پردے سے کہا مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں نے حضرت کو گود میں لیا، واقعہ یہ تھا کہ ۱۹۳۲ء میں جب حضرت اپنے

اہل خانہ کے ساتھ سلہٹ تشریف لائے تو رمضان کا مہینہ تھا جب وہ کشتی میں سے اترنے لگے تو ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا اسعد کو آمنہ کی گود میں دیدو، تو انہوں نے ایسا ہی کیا جس سے مجھے ان کو اپنی گود میں لینے کا شرف حاصل ہے، یہی بات وہ فخر سے کہنے آئی تھی، اس کے علاوہ شمالی بنگال کے شہر سید پور کا سفر بھی انہوں نے کئی بار کیا، سونارائے کے گاؤں کے جناب احسان الحق صاحب آفندی کے گھر ان کا مرکز تھا، آفندی صاحب کے بیٹے رشید الحسن صاحب سے میں نے سنا کہ فدائے ملت کی عمر جس وقت ۸/۷ سال تھی تب حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے اہل خانہ کے ہم راہ سونارائے آتے تھے، ۴۷ کے بٹوارے کے بعد سے بنگلہ دیش کی آزادی کے حصول تک فدائے ملتؒ اس ملک میں بہت کم آئے ۱۹۶۹ء کو ڈھاکہ اور سلہٹ کو صرف دو تین دن کے لیے تشریف لائے تھے، حصول بنگلہ دیش کی جنگ کے دوران پاک فوج کی بربریت اور ظلم وستم اور قتل عام کے خلاف دارالحکومت دہلی میں ہزاروں لوگوں پر مشتمل بڑی ریلی نکالی اور بے شمار اسفار بنگلہ دیش کے ہوئے اور عوامی تقاضوں کی وجہ سے بعض مرتبہ ہیلی کاپٹر کے ذریعہ بھی سفر کرنا پڑا، اسفار کی سنگینی کی تصویر کھینچتا ہوا ایک مختصر فہرست بتارہا ہوں:

جہاں حضرتؒ کو رات قیام کرنا ہوتا وہاں آخری رات تہجد، ذکر مراقبہ پھر روانگی کہیں فجر سے پہلے کہیں فجر کے بعد اور تھوڑا بہت پیدل چلنا کہیں صرف دعاء اور کہیں کسی مسجد میں یا مدرسہ میں مختصر بیان کے بعد دعاء، کہیں ناشتہ فرماتے اور کہیں مدرسہ یا مسجد رکی بنیاد رکھتے تو کہیں بیان وبیعت فرماتے بارہ سے ایک کے درمیان دوپہر کا کھانا اور تھوڑا سا آرام پھر نماز ظہر کے بعد روانہ ہوکر دو تین یا چار پروگرام، نماز مغرب کے بعد بیان بیعت قریب قریب دو محفلوں میں شرکت فرما کر رات دس بجے کے بعد پھر اور بڑی محفل میں شرکت، بیان، بیعت پھر نزدیک کہیں شب گذاری، درد کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ آخری پروگرام کبھی رات ۱۲-۱ بجے بھی ہوتا، ایک مرتبہ ۱۰ بجے رات میمن سنگھ شہر کے بڑے بازار کا بیان وبیعت کا پروگرام ختم کر کے رات گیارہ بجے روانہ ہوئے رات ایک بجے ترائیل پہنچے تو حضرت کے پاس بیٹھ کر میں گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا احساس اور شرمندگی سے میرا سر جھکا جارہا تھا، لیکن حضرت کو دیکھا تو ان پر تھکن کا اثر بالکل نہ تھا بلکہ ترائیل کی محفل میں رات ایک بجے ہزاروں لوگوں کو شوق سے بیٹھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے بیان وبیعت اور کھانے سے فراغت میں رات دو بجنے کے باوجود ساڑھے تین بجے تہجد، ذکر مراقبہ اور دیگر معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا، ایسا ہی بہت جگہوں میں بہت رات کو پروگرام کر کے تہجد نہیں چھوڑتے دیکھا گیا، اسی طرح مسلسل پروگرام کرنا اور تھکن نہ ہونا یہ حضرت کی زندہ کرامت ہے۔

حضرت کھانے کے متعلق بہت ہوشیار رہتے تھے یعنی بہت کم کھانا حضرت کا دستور تھا، البتہ بر وقت کھانا تناول فرماتے، اس کے باوجود ایک آدھ بار پیٹ کی خرابی کی شکایت کی جس کا ہم میں سے کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا البتہ جو انتہائی قریب رہتا، یہ شکایت کھانا کنٹرول کرکے یا نہ کھا کر کے دور کرتے تھے، پچیس سال کے سفری دورہ میں کبھی ہم نے حضرت کو بیماری کی وجہ سے کوئی پروگرام کینسل کرتے نہیں دیکھا، حضرت سفر کرنے میں تیز رفتاری کو پسند فرماتے تھے اسی لیے گاڑی تیز چلانے کی تاکید فرمایا کرتے تھے، اگر دوسری کوئی گاڑی پیچھے سے آگے کو آجاتی تو فرمایا کرتے تھے کیا؟ اس میں دو انجن ہیں؟ میں بھی لاپرواہو کر بہت تیزی سے چلاتا، اور یقین تھا کہ اللہ حفاظت کرے گا، البتہ بہت مرتبہ حادثہ سے کراماتاً حفاظت ہوئی، حضرتؒ سفر میں ساتھیوں کی خبر گیری فرماتے تھے، سب ساتھی گاڑی میں بیٹھے کہ نہیں دیکھ بھال کرتے، اور کھانے کے وقت ساتھیوں کو بلاتے خاص طور پر ڈرائیور کو ساتھ بٹھاتے۔

آخری تین چار سال جب وہیل چیئر سے چلتے تو دن میں دو تین پروگرام ہوتے تھے، اس وقت دور کے پروگرام میں شرکت کے لیے ڈرائیور کا انتظام کرنا پڑتا، ۲۰۰۰ء میں بھی ہیلی کاپٹر سے حضرت کے خادم خاص وخلیفہ حضرت مولانا انور محمود صاحب کے گھر سے سلہٹ شیخ کو کے مدرسہ میں تشریف لے گئے تھے اسی سفر میں بادشاہ اپنے غلام کے گھر یعنی میرے گاؤں کے مکان غفر گاؤں ہیلی کاپٹر سے پہلی مرتبہ تشریف لائے تھے، البتہ بعد میں بذریعہ کار کئی مرتبہ تشریف لائے تھے۔

بنگلہ دیش میں حضرت کے سفر کے نگراں مولانا عبدالکریم شیخ کوڑیا تھے لیکن مولانا شمس الدین قاسمیؒ مرکزی طور پر پروگرام کراتے تھے، ۱۹۹۶ء میں ان کا وصال ہونے کے کچھ دن بعد شیخ کوڑیا بھی صاحب فراش ہوگئے، اور ۲۰۰۱ء میں وہ بھی رحلت فرماگئے، (اللہ تعالی ان دونوں کو جنت نصیب فرمائے) اس کے بعد سے ہمارے پرانے چند ساتھیوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوئی، خاص طور پر عرض آباد مدرسہ کے مہتمم مولانا مصطفے آزاد صاحب پرگرام کی نگرانی کرتے تھے، یکم اپریل ۲۰۰۵ء میں حضرت صرف ایک دن کے لیے بنگلہ دیش تشریف لائے تھے یہی ان کا آخری سفر تھا، مگر میں کہتا ہوں آخری سفر ۲۰۰۴ء میں ۱۶/ فروری کو پندرہ دن کا جو سفر ہوا وہ ہے، یہ سفر دوسرے تمام اسفار سے بہت شاندار تھا، بذریعہ ہوائی جہاز سلہٹ سفر کے اکثر مسافر ہمارے سفر کے ساتھی تھے، ہوائی جہاز سے اترتے وقت دیکھا جہاں تک نظر پڑی صرف آدمی ہی آدمی ہے کئی سو بسوں اور کاروں کی ریلی تھی سننے میں آیا اتنی کثرت سے لوگوں کا جمع ہونا کبھی نہیں ہوا، اس دورے میں دوسری پوزیشن جیسور کی تھی یہاں گاڑی اور کار ان گنت تھی شہر میں داخل ہوتے ہی

آدمیوں نے پر جوش نعروں کے ساتھ استقبال کیا یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے خوشی کے آنسوں جاری ہو گئے، کہ میرے حضرت کتنی محنت کرتے ہیں، سفر کی یہ حالت دیکھ کر ایک متبحر عالم نے سورۂ اذا جاء نصر اللہ والفتح پڑھ کر تبصرہ کیا تھا کہ شاید حضرت کا یہ آخری سفر ہے، اس سفر کے آخری دن صبح سے شام تک بذریعہ ہیلی کاپٹر سو سو میل سفر کر کے شام کو ڈھاکہ ہوائی اڈے تشریف لائے، وہاں سے مالی باغ مدرسہ میں بیان و ختم بخاری کے پروگرام کے بعد میرے مکان محمد پور تشریف لائے، جب کار سے اترے تو حضرت کو بہت تھکان معلوم ہوئی، سر کے بال ٹوپی کے باہر بکھرے ہوئے تھے، کپڑوں پر بھی سفر کا اثر تھا، کرتے کا بٹن کھلا ہوا تھا، چھڑی کے سہارے سے اور دوسرے ہاتھ سے میرے ہاتھ کو پکڑ کے بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے، یہ حالت دیکھ کر مجھ کو بہت تکلیف ہوئی، میرے گھر میں داخل ہونے کے بعد اس سفر کا بھی خاتمہ ہو رہا ہے میں نے بہت افسوس کرتے ہوئے کہا کہ حضرت کس طرح سفر کا دن بہت جلد ختم ہو گیا؟ سمجھ ہی نہ سکا، جواب میں حضرت نے فرمایا ’’ایسی ہی زندگی گذر جائے گی‘‘ وہی آواز میرے کان میں گونج رہی ہے کاہلی اور سستی میں ہماری زندگی ختم ہو رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

○○

❑ مولانا سعید احمد
صدر جمعیۃ علماء منی پور و امام جامع مسجد بابو پارہ امپھال

منی پور میں حضرت فدائے ملت کا روحانی فیض

جمعیۃ علماء ہند جو کہ ۱۹۱۹ء سے مسلسل ہندوستانی مسلمانوں کی دینی، ملیّ، قومی، ملکی اور عوامی خدمات میں مصروف ہے اور مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ہے، جس نے آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد ہر نازک اور پر آشوب دور میں ملت اسلامیہ کو اپنے تشخص کے ساتھ ملک میں باوقار زندگی گذارنے کا حوصلہ دیا ہے، اکابرین جمعیۃ علماء ہند میں سے حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ ۱۹۵۶ء میں منی پور میں صاحب زادہ محترم حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو ہمراہ لے کر تشریف لائے تھے، حضرت موصوفؒ نے منی پور کے علماء و عوام کو اپنے فیض سے نوازا تھا، اسی چشمہ فیض کو وراثت میں لے کر حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند تقریباً بیس سال سے صوبہ منی پور میں ہر سال تشریف لا کر خواص و عوام کو اپنے فیض سے نوازتے رہے؛ بلکہ بسا اوقات سال میں دوبارہ بھی تشریف لاتے تھے۔

حضرتؒ نے منی پور کے مسلم سوسائٹی میں پھیلے ہوئے خلافِ شرع غیر اسلامی رسم و رواج کو مٹانے کے لیے بہت سے قصبات اور گاؤں کے اجلاسوں میں شرکت فرما کر اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفیض فرمایا، اور قادیانی، مودودی اور مفیض علی گروپ جیسے فرق باطلہ اور غلط پیری مریدی کرنے والوں کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے ردعمل کیا، ان فرق باطلہ سے علماء منی پور کو مناظرہ ومباحثہ کی نوبت بھی آئی، نیز عرصہ دراز تک مقدمات سرکاری کورٹ میں بھی ماخوذ ہوئے، مختلف کارکنان جمعیۃ کو چار چار سال اور بعض علماء ومفتیان کرام کو چھ چھ مہینے تک مقدمہ کی پیروی کے لیے کورٹ میں حاضر ہونا پڑا، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے مواعظ حسنہ اور خصوصی دعاؤں کی برکت سے تمام مقدمات سے باعزت بری فرمایا، اور مخالفین کو بری طرح شکست ہوئی۔

حضرت امیر الہند فدائے ملت نور اللہ مرقدہٗ کے حکم کے مطابق تقریباً پندرہ سال قبل منی پور میں

امارتِ شرعیہ کا قیام بھی عمل میں آیا، جس کے ذریعہ سے نکاح، طلاق، میراث اور اوقاف کی جائداد وغیرہ سے متعلق مسلمانوں کے آپسی اختلافات اور جھگڑوں کو بآسانی ختم کرنے کا موقع مل رہا ہے، حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم بانسکنڈی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی محکمہ شرعیہ کے قیام کو پروان چڑھا کر مزین فرمایا۔ الحمد للہ بہت کم مدت میں محکمہ شرعیہ منی پور نے بہت سے مشکل مسائل اور سخت سے سخت اختلافات کو بہت آسانی سے سلجھایا اور مصالحت کی راہ ہموار کی۔ ابھی بفضل اللہ تعالیٰ محکمہ شرعیہ سے متعلق کاموں کو انجام دینے کے لیے چھ ممبران مشتمل ہیں: (۱) حضرت مولانا معین الدین صاحب قاسمی (۲) حضرت مولانا نظام الدین صاحب ندوی (۳) حضرت مولانا منور علی صاحب قاسمی (۴) حضرت مولانا مفتی سراج احمد صاحب قاسمی (۵) حضرت مولانا مفتی شفیع اللہ صاحب قاسمی (۶) بندہ ناچیز سعید احمد غفرلہ، یہ حضرات بفضل اللہ بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے حیاتِ طیبہ میں منی پور میں ہوئے چند عجیب واقعات پیش خدمت ہیں:

ایک روز امپھال سے پائر پیوک سنگاہ کے جلسہ کے پروگرام میں جاتے ہوئے راستہ میں ماروتی وین انجن کی خرابی کی وجہ سے رُک گئی تھی، جب حضرتؒ نے فرمایا: ''چلاؤ''، تو فوراً گاڑی اسٹارٹ ہوکر چلدی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جناب الحاج عبدالعلیم چودھری صاحب ریٹائرڈ آئی اے ایس نائب صدر جمعیۃ علماء منی پور کمر اور گھٹنوں کی شدید درد میں مبتلا تھے، حضرتؒ نے چودھری صاحب سے کہا کہ ان کے مکان ہی میں ایک کرسی منگوا کر آپ بیٹھ جائیے، چناں چہ چودھری صاحب ایک کرسی منگوا کر بیٹھے اور حضرت دوسری کرسی پر بیٹھے، حضرت نے کہا: آپ اپنی کمر کو ہاتھ سے پکڑ لیجیے، چودھری صاحب نے پکڑ لیا، حضرت نے کچھ پڑھ کر کہا چھوڑ دیجئے، چودھری صاحب نے چھوڑ دیا، پھر اسی طرح تین مرتبہ کیا، پھر بعد میں حضرت نے پوچھا اب کیسے ہیں؟ فوراً چودھری صاحب نے کہا: درد بالکل نہیں ہے، اس کے بعد سے اب تک تقریباً تین چار سال ہوگئے چودھری صاحب کو درد بالکل نہیں ہے۔ حضرت نے یہ کافی آدمیوں کے سامنے کیا تھا، اللہ اللہ کیسے ولی صفت انسان تھے، اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر کو نور سے بھر دے۔

حضرتؒ نے مسلمانانِ منی پور کی خیر خواہی ورہبری کے واسطے اس ضعف وپیران سالی اور کثرت مشاغل کے باوجود دشوار گذار سفر طے کرتے ہوئے بار بار منی پور میں تشریف لاکر مدارس، مکاتب، مساجد اور خانقاہ وغیرہ دینی اداروں کی بقاء اور تحفظ وترقی کے لیے انتھک محنت اور کوششیں فرمائی تھی، منی پور میں سرکاری فوجیوں میں ملازمت کرنے والے لوگوں کو داڑھی رکھنا مشکل ہوگیا تھا،

حضرتؒ نے ہوم منسٹری سے منی پور کے چیف منسٹر ''پشانگ کیسنگ'' کے نام پر مشن کا آرڈر بھجوا کر مسئلہ کو حل فرمایا تھا، اب مسلمان سرکاری ملازم کو داڑھی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ مئی ۱۹۹۳ء میں منی پوری ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا، جس میں ایک سو گیارہ تقریباً مسلمان شہید ہو گئے تھے، ان میں سے دس لاشوں کو لا پتہ کر دیا تھا اور بہتوں کو زخمی کر دیا تھا، حضرتؒ نے خبر سنتے ہی منی پور میں تشریف لا کر معاملہ کی دیکھ بھال کرتے ہوئے ایک لاکھ تیس ہزار روپئے پسماندگان کے لیے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مدد فرمائی، اسی دوران جامع مسجد میں تالا لگ چکا تھا، لیکن حضرتؒ نے تشریف لے جا کر بذات خود اذان دے کر فجر کی نماز ادا فرمائی تھی۔ تیسرا واقعہ یہ ہے کہ امپھال صدر بازار جامع مسجد کے مغربی سمت میں ایک نالا ہے، اس کو چوڑا کرنے کے لیے سرکار نے کام کرنا شروع کیا، اس میں مسجد کے کچھ حصہ کو مسمار کرنے والی تھی، لیکن حضرتؒ نے اس کو بھی لوگوں کی درخواست دینے پر سینٹر سے بند کرا دیا تھا۔

الغرض حضرتؒ نے چھوٹے سے صوبہ منی پور کے لیے دینی وسماجی لحاظ سے جو خدمات انجام دی ہیں وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، حضرتؒ تقریباً ۹۰ رکلومیٹر منی پور اور برما کے بارڈر مورے میں تشریف لے گئے تھے، وہاں کے ارکان اور مقامی لوگوں نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور وہاں بیان فرما کر لوگوں مستفیض فرمایا تھا، حضرتؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے قدم قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی اور بہت سی غلطیوں کی اصلاح فرمائی، جس کا ہم بے حد شکر گذار ہیں۔ اللہ رب العزت حضرت کو جزائے خیر عطا فرما کر اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں اور ہم سب کو بھی حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

○○

مفتی جاوید اقبال قاسمی
نائب صدر جمعیۃ علماء بہار

فدائے ملت اور قیامِ رمضان

جانشینِ شیخ الاسلام، امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند و سر پرست دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی شخصیت عالم انسان کے لیے فیوض و برکات کا منبع و سرچشمہ تھی۔ آپ متبحر، عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی مقتدا و پیشوا بھی تھے۔ آپ امت مسلمہ کے دینی، ملّی، سیاسی اور سماجی امور کے لیے قائد و رہنما تھے جہاں ایک طرف آپ کی سماجی و سیاسی خدمات و قربانی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا وہیں دوسری طرف لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لیے آپ کی تعلیم و تبلیغ اور دعوت و فکر کو بھلا دینا حقیقت سے انکار کرنا ہے۔ آپ کی ذات سے وابستہ شخص کسی دوسری جگہ کا محتاج نہیں رہتا۔ آپ اپنے فیوض و برکات کے سمندر سے عوام و خواص کی تشنگی یکسر ختم کر دیتے۔ آپ کے چشمۂ فیض سے انھیں وہ سب کچھ حاصل ہو جاتا جو ان کا مطلوب و مقصود ہو۔ غرضیکہ آپ کی زندگی کا ہر شعبہ اور ہر گوشہ امت کے لیے بہترین نمونہ اور سلوک و طریقت کے طالب و راہی کے لیے آپ کی ذات بے انتہا خزینہ تھی۔ تمام باتوں کو زیب و قرطاس کرنا مجھ جیسے کم فہم اور ناواقف کے لیے سورج کو چراغ دِکھانے کے مرادف ہے اور ناممکن بھی۔ صرف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قیامِ رمضان اور اہتمامِ رمضان و قرآن کے بارے میں کچھ مشاہدات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت فدائے ملتؒ کا اہتمامِ رمضان

احقر دارالعلوم دیوبند کا طالب علم تھا جبھی روحانی بیعت کے لیے حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف قلب کا میلان ہونے لگا۔ مادرِ علمی سے علومِ ظاہری کی تکمیل کے ساتھ ہی حضرت کی ذات سے رشتہ جوڑ لیا۔ تقریباً تیس سال سے حضرت کے ساتھ اخیر عشرہ کا اعتکاف کرتا رہا۔ آنکھوں نے حضرت کے معمولات کا جو مشاہدہ کیا اسے دیکھ کر رشک آتا ہے کہ خدا کا کوئی بندہ ایسا بھی ہے جو مکمل طور پر رمضان کا حق ادا کرتا ہے۔ قرآن حکیم کو رمضان کے ساتھ ایک خاص لگاؤ

اور تعلق ہے کیونکہ اسی مبارک ماہ میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر قرآن کا نزول ہوا۔ شھـــــر رمضـان الذی انزل فیه القرآن ۔ حضرت زیادہ وقت تلاوتِ قرآن میں گزارتے۔ ظہر کے بعد سالکین سے خصوصی ملاقات فرماتے اور ان کی اصلاح و تربیت کے لیے تعلیم دیتے۔ عصر بعد قرآن کا دور ہوتا جس میں حضرت معتکفین اور مہمانان اور حاضرین کے ساتھ از ابتدا رمضان تا آخر شریک رہتے اور خود سنتے اسی میں افطار کا وقت ہو جاتا۔ مغرب بعد متصلاً معتکفین و مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ حضرتؒ کے لیے کوئی الگ دسترخوان نہیں لگتا اور نہ حضرت کے ساتھ صرف خاص لوگوں کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی بلکہ کوئی بھی بیٹھ سکتا تھا۔ بعض مرتبہ دیکھا گیا کہ کچھ دیہاتی قسم کے لوگ حضرت کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ شوربا پلیٹ میں گر رہا ہے، چھینٹے حضرت کے کپڑے پر گر رہے ہیں مگر حضرت کے چہرے پر ذرّہ برابر بھی تناؤ یا ناگواری کا اثر نہیں ہوتا بلکہ بشاشت کے ساتھ کھانا تناول فرماتے رہے حتیٰ کہ اگر کوئی مرید کسی کو ٹوکتا تو حضرت خود اس مرید کو منع کر دیتے۔ (یہ خاص بات حضرت فدائے ملتؒ کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے کہ حضرتؒ کے یہاں سب مہمانانِ کرام برابر، کسی کو کسی پر فوقیت و فضیلت نہیں) کھانے کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے پھر عشاء کی اذان ہو جاتی۔ تراویح میں ایک پارہ تجوید و مخارج کی رعایت کرتے ہوئے پڑھا جاتا جس میں تقریباً ڈھائی گھنٹے صرف ہوتے۔ حضرتؒ اخیر عمر تک باوجود پیرانہ سالی وضعف اور مختلف امراض کا شکار ہونے برابر کھڑے ہو کر تراویح پڑھتے۔ تراویح کے بعد سالکین اور حاضرین کو فضائل رمضان، اکابر کا رمضان و دیگر دینی کتابیں کبھی خود پڑھ کر سناتے اور کبھی دوسرے سے پڑھواتے۔ اس کے بعد ذکر جہری کی تلقین فرماتے اور سالکین ذکر جہری میں مشغول ہوتے اور آپ کچھ دیر بیٹھتے پھر تھوڑی دیر آرام فرماتے۔ پھر تہجد میں شریک ہو جاتے جس میں عموماً تین پارہ پڑھا جاتا۔ حضرتؒ کو دیکھ کر تعجب ہوتا۔ اس میں بھی اسی فرحت و انبساط کے ساتھ شریک ہوتے۔ (سفر ہو یا اقامت حضرتؒ کبھی بھی تہجد ترک نہیں فرماتے۔ رمضان غیر رمضان ہمیشہ اس پر مواظبت فرماتے رہے) جمعہ میں حضرت کا بیان ہوتا۔ دور دور سے لوگ حضرتؒ کی اصلاحی باتیں سننے کے لیے جمع ہوتے۔

خانقاہِ مدنی میں معمولاتِ رمضان:

رمضان کا مہینہ آتے ہیں خانقاہِ مدنی میں خوشی کی لہر دَوڑ پڑتی۔ ہر طرف چہل پہل، چاروں طرف رونق ہی رونق، انعام و اکرام، رحمتوں اور نوازشوں کی بارش برسنے کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ ملک و بیرونِ ملک سے حضرت کے مجازین، مریدین اور متعلقین حضرتؒ کے فیوض و برکات سے

سیراب ہونے کے لیے راحت وآرام قربان کر کے تشریف لاتے اور حضرت مرشدی کے روحانی سرچشمہ سے فیضیاب ہوتے۔ جدھر دیکھو نور ہی نور کا سماں ہے۔ ہر طرف قرآن کی تلاوت، شب وروز عبادت وریاضت، کبھی سحر انگیز تلاوت کی آواز آتی ہے کبھی ذکر واذکار کی مجلسیں لگتی ہیں تو کبھی ذکر جہری سے خانقاہ گونج اُٹھتی ہے۔ ہر کوئی اپنے معبودِ برحق کو راضی کرنے کے لیے محنت کرتا ہے۔ اپنے مرشد ومربی فدائے ملتؒ سے سلوک وطریقت اور اپنی اصلاح وتربیت کے لیے وظیفہ لے رہا ہے۔ نصیحتیں حاصل کرر ہا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام کا معمول ہے پھر اس کے بعد لوگ تلاوت ومراقبہ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ظہر تک یہ معمول چلتا ہے۔ ظہر بعد حضرت فدائے ملتؒ سے خصوصی ملاقات ہوتی ہے اور ارشاد الملوک پڑھی جاتی ہے۔ عصر بعد قرآن کا دور ہوتا ہے۔ شروع زمانے میں حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند اور حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا سیّد محمد مدنی دور کرتے۔ افطار میں ہزاروں کا مجمع ہوتا۔ مغرب بعد نماز مہمان ومعتکفین حضرات حضرت فدائے ملتؒ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ معتکفین کی تعداد آٹھ سو اور مہمانوں کی تعداد تین سو سے تجاوز کر جاتی۔ کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام ہوتا پھر عشاء کی اذان ہو جاتی۔ تراویح میں ایک پارہ پڑھا جاتا جس میں تقریباً ڈھائی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ تراویح شروع زمانہ میں حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی مدظلہٗ پڑھاتے تھے، اب کئی سالوں سے حضرت فدائے ملتؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سیّد محمود مدنی پڑھاتے ہیں۔ تراویح کے بعد 'فضائلِ رمضان' و'اکابر کا رمضان' پڑھی جاتی، بعدہٗ سالکین ذکر جہری میں مشغول ہو جاتے۔ اس کے بعد ایک گھنٹہ آرام ہوتا پھر تہجد شروع ہو جاتی جس میں تین پارے پڑھے جاتے۔ شروع زمانے میں مولانا سیّد ارشد مدنی اور جناب قاری محمد عثمان صاحب پڑھاتے تھے۔ چند سالوں سے مولانا محمود مدنی، مولانا مسعود مدنی اور مولانا محمد مدنی اور کبھی قاری محمد عثمان صاحب پڑھاتے ہیں۔ حضرت مولانا ارشد مدنی بشرط موجودگی شریک ہو جاتے۔ تہجد کے بعد سحری تناول کی جاتی۔ فجر کی اذان کے دس پندرہ منٹ بعد فجر کی جماعت ہوتی۔ اس کے بعد آرام فرماتے۔ طاق راتوں اور جمعہ میں لوگ دور دراز علاقوں سے خانقاہِ مدنی میں تشریف لاتے۔ اس کے بعد آرام فرماتے۔ ختم قرآن کے موقع پر دس ہزار سے زائد کا مجمع ہوتا ہے۔

حضرت کا قیامِ رمضان کن جگہوں میں ہوا اور قیام سے کیا نفع ہوا؟

حضرت فدائے ملت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ امت کی اصلاح وتربیت کے لیے ملک و بیرونِ ملک مختلف مقامات پر رمضان کا قیام کرتے رہے۔ بنگلہ دیش، آسام، بہار جیسے کشن گنج، گیا،

بھاگلپور وغیرہ اور تقریباً پچیس سال سے دیوبند میں آپ کا قیامِ رمضان ہوتا رہا ہے۔ اس قیام سے امت کو جو نفع ہوا اس کا اندازہ لگانا حدا حصاء سے باہر ہے۔ حضرتؒ کے تقریباً تین سو مجازین ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کی ہے۔ آپ کے طفیل سے کتنے گمشدہ راہ انسانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنا نصیب ہوا۔ علماء، دانشوران اور عوام الناس کا میلان آپ کی طرف ہوتا رہا۔ جو لوگ دین سے دور تھے ان کی صحیح اصلاح و تربیت ہوئی۔ نیز قیامِ رمضان کی وجہ سے بہت سارے وہ حضرات جو قرآن پڑھنا نہیں جانتے ان کو مختلف اوقات میں قرآن سننے کو مل جاتا ہے جیسے عصر بعد دور میں، تراویح و تہجد میں۔

حضرتؒ کا آخری رمضان:

آخری رمضان کے واقعات سے اندازہ ہو گیا کہ حضرتؒ زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں اور موت کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ رمضان سے ہفتہ دن قبل عمرہ کے ارادہ سے حرم شریف تشریف لے گئے۔ رمضان سے ایک دن قبل عمرہ سے واپسی ہوئی۔ طبیعت چونکہ پہلے ہی سے بگڑ چکی تھی، چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے، ڈاکٹروں کے مشورہ پر اپولو ہسپتال دہلی میں داخل کیا گیا۔ پہلے دن کا روزہ لوگوں کے اصرار اور شریعت مطہرہ کی رخصت کے باوجود چھوڑا نہیں بلکہ عزیمت پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو وہ درس دیا کہ رہتی دُنیا تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ دو تین دن بعد دیوبند واپسی ہوئی۔ ۱۵ر رمضان کو اچانک قلب کا دورہ پڑا۔ دیوبند سے دہلی اپولو ہسپتال لایا گیا۔ ۱۹ر رمضان کو دیوبند آکر اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ ۲۹ر رمضان کو نصیحت کرتے ہوئے خود بھی بہت روئے اور مجمع کو ایک ایسا جملہ فرمایا جس سے اندازہ ہو گیا کہ حضرت اپنی حیات سے ناامید ہو چکے ہیں۔ موت کا اشارہ مل چکا ہے۔ فرمایا: بھائیو! میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جا رہا ہوں۔''

حضرتؒ کا آخری خطبہ:

۲۹ر رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ کو دارالعلوم کی وسیع مسجد ''مسجد رشید'' میں سینکڑوں حاضرین مہمانان اور معتکفین کے سامنے رقت آمیز بیان فرمایا۔ خود روئے اور تمام حاضرین بھی رو پڑے۔ خطبہ کے دوران فرمایا کہ رمضان اللہ کی نعمت ہے۔ اس میں بے انتہا انعام و اکرام کی بارش ہوتی ہے۔ اللہ ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو قبول فرمائے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ آئندہ کون ہوگا؟ جس کو رمضان نصیب ہوگا۔ آپ حضرات نے راحت و آرام، چین و سکون قربان کر کے یہاں کا سفر صرف آخرت کے لیے کیا۔ پریشانیاں اُٹھائیں، تکلیفیں برداشت کیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو

شخص اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ مہمانوں کا اکرام کرے۔ آپ ہمارے مہمان ہیں، ہم سے اکرام نہ ہوسکا۔ دیوبند چھوٹی سی جگہ ہے۔ وسائل کی کمی ہے۔ خدا ہمارے خدمت گزاروں کو اجرعظیم دے۔ آپ کو ڈھنگ کا کھانا نہیں ملا۔ آرام وسکون میسر نہیں ہوا۔ اس کے لیے معاف فرمائیں۔ زندگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جارہا ہوں۔ دعا کریں ایمان پر موت ہو۔ دارالعلوم کے ذمہ داروں کا ممنون و مشکور ہوں کہ مہمانوں اور معتکفین کے لیے مسجد میں اعتکاف کی اجازت دی۔ (یہ حضرتؒ کے خطبہ کا خلاصہ ہے)

خانوادۂ مدنی میں حفظ قرآن اور تلاوت کا ذوق:

حفظ قرآن پر جو وعدے اور اس کی جو فضیلتیں وارد ہوئی ہیں وہ اظہر من الشّمس ہے۔ قرآن کو سینے میں محفوظ کرلینا یہ خدا کی دین وعطیہ ہے۔ خانوادۂ مدنی میں حفظ قرآن کا شوق اس انتہا تک ہے کہ تقریباً تیس بتیس حفاظ کرام اس خاندان میں بفضل الٰہی موجود ہیں، جس میں چار بچیاں بھی حافظہ ہیں اور تلاوت کے ذوق کا اندازہ اس سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ خود حضرت فدائے ملتؒ رمضان کا زیادہ وقت تلاوت میں گزارتے۔ عصر کے بعد دَور، تراویح وتہجد میں قرآن پڑھنا اور سنانا یہ سب اللہ ربّ العزت کی طرف سے خانوادۂ مدنی پر لطف وکرم اور انعام و اکرام کی بارش ہے۔ آج حضرت فدائے ملتؒ اس دارِفانی سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرماگئے ہیں مگر ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاحی دعوت وفکر ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت فدائے ملت کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے، آمین!

○○

□ اکمل یزدانی جامعی
پورنیہ، بہار

دامن ہمالیہ یعنی ضلع پورنیہ قدیم میں حضرت فدائے ملتؒ کے

تصوف وسلوک کی محنت کے ثمرات

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم ، والحمد لله رب العالمین امابعد!

اس سے پہلے کہ میں اپنے موضوع سے متعلق کچھ لکھوں مناسب سمجھتا ہوں کہ قدیم پورنیہ جو دامن ہمالیہ میں بسا ہوا ہے، اور ہزاروں ہزار اولیاء کرام کی خانقاہی لائن کی منتخب سرزمین رہا ہے اور آج بھی ہے اس کے متعلق کچھ سرسری طور پر لکھ کر سامعین کو سننے کی زحمت دوں۔

Purnia, Purniah or, Purnea or, Purain سے نکلا ہے اس کے معنی ہیں کنول پھول چونکہ اس دیار میں ان پھولوں کے درجنوں اقسام ملتے تھے، اور آج بھی کم وبیش ملتے ہیں، اس کو پورنیہ کہتے تھے، اور اب پورنیہ بولا جاتا ہے، مرحوم مغفور ڈاکٹر محمود صاحب نے اس خطہ کو لالہ وگل کی سرزمین فرمایا، انگریزوں نے اس کو The Land Glous کہا، پورنیہ قدیم اتنا وسیع و عریض ہے کہ اس کو تاریخ نویسوں نے ملک پورنیہ لکھا انگریزوں نے بھی Country کہا اور لکھا ریاض السلاطین کے مورخ غلام حسین زید پوری نے بھی اس کو ملک لکھا ہے، گور کا شہر جو پورنیہ میں تھا اس کو فرشتۂ از مصر بہتر بود کہا ہے، پورنیہ اب بہار میں ہے اس کے بعض حصے مغربی بنگال میں چلے گئے ہیں۔

پھر بھی ضلع پورنیہ خاص ضلع ارریہ ضلع کٹھار، ضلع کشن گنج ضلع مدھے پورہ قدیم پورنیہ ہی کے حصے ہیں جنھیں انتظامی سہولت کے پیش نظر ضلعوں میں بانٹ دیا گیا ہے، یہ خطہ ہمالیہ کے دامن میں ہے لہٰذا ہمالیہ کا صاف منظر یہاں سے برسات کے بعد موسم سرما میں نظر آتا ہے، مشہور صحت بخش مقام دارجلنگ یہاں سے بہت نزدیک ہے اور فاربس گنج ضلع ارریہ سے تو اور خوشنما منظر پیش کرتا ہے، منگال ڈسٹرکٹ گیزیٹر پورنیہ کا مرتب مسٹر او مالی صفحہ: ۹-۱۸۸ پر لکھتے ہیں:

It is said that Forbesqany has the hest climate in the District and

it commands a good v ipw of the himalay a or clean winter Day s.

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ فاربس گنج ضلع بھر میں سب سے عمدہ آب و ہوا کا مالک ہے، اور یہاں سے موسم سرما میں جب فضا بالکل صاف ہو تو ہمالیہ پہاڑ دیشمو اور تٹ، کنجنیگا، نندا دیوی، دھولا گیری، کا منظر بالکل صاف نظر آتا ہے۔

نیز ہر چہار جانب حد نظر تک پھیلے ہوئے دھان، جوٹ (بٹ سن) اور سرسوں کے کھیتوں کی آغوش میں بسا ہوا، یہ نقاہت بہتر اور بہتر شہر موسم سرما کے صاف دنوں میں جب ہمالیہ کی سر بفلک چوٹیوں کا ہر آن بدلتا ہوا رنگ برنگی نظارہ پیش کرتا ہے تو چشم شعور میں جنت نظیر کشمیر کا سماں پھر جاتا ہے، جسے دیکھ کر شاید دل دادگان کوہ دامن اور لالہ چمن رخت ثمر کشا، کی بجائے زحب بہ پورنیہ کشا کہنے لگیں کہ وہ مہنگا اور یہ سستا سودا ہے۔ (اکمل نیر والی جامعی تحفۂ فاربس گنج ص:۲-۱)

پورنیہ قدیم میں تصوف وسلوک کی راہ سے اولیائے کرام کی محنتیں

اب آیئے ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ اس وسیع وعریض خطے پر بزرگان دین اور اولیاء کرام نے کتنی محنتیں کیں اور ان کے نتائج کیا نکلے، کرم فرمائے بندہ جناب فصیح الدین بلخیؒ صاحب تاریخ مگدھ اپنے مقالہ ''اطراف پورنیہ کے بعض صوفیاء کرام میں رقم طراز ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا رسوخ قائم ہونے سے پہلے اکثر دور دشت مقاموں کو صوفیاء کرام نے اپنی ریاضت گاہ قرار دیا تھا، اور ان کی بے لوث بے تعصب اور طبع زندگی اور خدمت خلق لوگوں کو ان کی طرف مائل کرتی تھی۔ آگے چل کر لکھتے ہیں:

''صوبہ بہار میں اضلاع پورنیہ ہی ایک ایسی سرزمین ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی پینتالیس فی صد کے قریب ہے جو دوسرے اضلاع کے مقابلے میں تین گنا سے زیادہ ہے''

''راہ کی دشواریوں اور سفر کی صعوبتوں کے باوجود صوفی درویشوں نے ساتویں صدی ہجری سے اطراف پورنیہ کو اپنی ریاضت اور خدمت خلق کے لیے منتخب کر لیا تھا''

''پورنیہ کی خاک میں کتنی بزرگ ہستیاں آسودہ ہیں ان کی صحیح تعداد بتانا ناممکن ہے لیکن تلاش وجستجو سے کام لیا جائے تو اس کا پتہ مل سکتا ہے، بکانن ہملٹن (فرانسس بکانن ہملٹن) پورنیہ ضلع پر انگریزوں کے قبضہ سے ۳۸ سال بعد یعنی ۱۸۰۸ء میں پورنیہ کا سروے کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس ضلع میں فوفیائے بے نوا، تکیہ دار، جلالی اور مداری فقراء کی اکیس سو دو خانقاہیں کام کر رہی ہیں بکانن صاحب نے بعض اہم خانقاہوں کو غالبًا دانستہ طور پر نظر انداز کر دیا ہے، ناکارہ کے اندازہ

کے مطابق ۱۸۰۸ء میں ڈھائی ہزار خانقاہیں کام کررہی تھیں اور آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ان خانقاہ نشینوں Religen Mendr Cant کی بے تعصبی، خدمت خلق اور مزاج دلی کے سبب غیر مسلم پست حلقہ کے ہزاروں ہزار افراد دین اسلام سے مشرف ہوتے چلے جارہے ہیں اور مسلمانوں میں مرید ہونا ہمہ گیر ہے سوائے شیعہ طبقہ کے جو اس کو نہیں مانتے۔

عہد قدیم کے ان خانقاہ نشین بزرگوں کے کئی مراکز تھے جہاں سے وہ پورے پورنیہ اوراطراف پورنیہ کے خانقاہی نظام کا کنٹرول کیا کرتے تھے، اور خانقاہوں، مریدوں اور اسلام لانے والوں کی تعلیم وتربیت کا کام انجام دیتے تھے۔

☆ اک اہم مرکز مہسو دکھن دیناجپور مغربی بنگال تھا جہاں سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت شہاب الدین سہروردی کے ایک مرید اور خلیفہ حضرت تقی الدین مہسوی ملتقط احیائے علوم نے خانقاہ قائم کی، ان کے خلیفہ ابومسلم، امیر ظہیرالدین، شیخ سلیمان سہروردی، حضرت مخدوم حسین غریب دھکڑ پوسؒ وغیرہ نے خانقاہ کو آباد رکھا اور تبلیغ اسلام کرتے رہے، نیز اس علاقہ میں حضرت شہاب الدین سہروردی کے ستر خلفا آسودہ ہیں۔

☆ دوسرا مرکز گور (مغربی بنگال) جس کو لکھنوتی بھی کہتے تھے، یہ لکھنوتی حضرت نظام الدین اولیاء کے ایک جلیل القدر خلیفہ کا وطن مالوف ہے، یہاں سے نہایت کم سنی میں وہ پیر کے آستانہ پر جاپڑے اوران کے وصال کے بعد ہی لوٹے، حضرت نظام الدین اولیاؒ انھیں اخی کہہ کر پکارا کرتے ویسے نام نامی سراج الدین عثمان تھا، حضرت نظام الدین نے ان کو آئینہ ہندوستان کا خطاب دیا تھا، خلافت اجازت کے بعد گور آگئے، اور تبلیغ اسلام میں لگ گئے، اور بنگال وآسام تک سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو بھی پھیلایا سعداللہ پور گور میں مزار شریف ہے۔

☆ تیسرا مرکز پنڈوہ تھا، حضرت کے اجل خلیفہ حضرت علاء الحق پنڈوی ہوئے ہیں، پھران کے خلیفہ حضرت نورقطب عالم پنڈوی جن کے وقت میں پنڈوہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کا مرکز بن گیا، پھر سلسلہ بڑھتا گیا اور تبلیغ دین اور اشاعت سلسلہ چشتیہ نظامیہ کا کام کافی زوروں پر ہوتا رہا۔

☆ پنڈوہ کے علاوہ ایک مرکز چمنی بازار پورنیہ بھی بنا، جہاں قطب الاقطاب حضرت دیوان جی عبدالرشید جونپوریؒ کے ابا جان حضرت مصطفیٰ جمال الحق نے خانقاہ قائم کی، آپ کے ہزاروں مریداور کئی خلفاء ہوئے جنھوں نے کا کو سیکھا، پھراس سلسلے کا کام مقامی بزرگوں سے چلتا رہا، اب غورطلب امر یہ ہے کہ ایک ایسے خطہ کو جہاں ساتویں صدی ہجری ہی سے بزرگوں کی دینی وتبلیغی محنتیں ہوئی ہیں اور اتنی خانقاہیں کام کرچکی ہوں حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہ کیسے بھول سکتے

تھے، انھوں نے اس ضلع کے اٹھارہ مقامات کا سفر کا ی کہیں ایک بار کہیں متعدد بار ہر جگہ ہزاروں کی تعداد میں مورو ملخ کی طرح مرید ہوتے رہے، اور ظاہر ہے کہ ان کے جانشین اور خلیفہ حضرت سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کیسے فراموش کر سکتے تھے، انھوں نے وعظ و پند، رشد و ہدایت اور تعلیم کے سلسلے میں جن جن مقامات کا سفر اختیار فرمایا وہ آرہی ہیں۔

بیعت وارشاد اور اجازت و خلافت

قدیم پورنیہ اور اسکے مختلف اضلاع اور دور افتادہ دیہی علاقوں میں حضرت فدائے ملت کے اسفار حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے وصال سے قبل بھی ان کی معیت میں ہوئے ہیں مگر بعض بعض جگہوں میں حضرت شیخ الاسلام کے وصال کے بعد اسفار کا ایک سلسلہ چل پڑا ہے جن جن مقامات کا سفر حضرت فدائے ملت نے کیا جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کے نام یہ ہیں: بیر نگر، بن منکھی، اسلام پور، پورنیہ، کٹیہار، راجدھانی، ارریہ، فاربس گنج، جلال گڑھ، پی ٹی ڈمریا، بہادر گنج، بشنپور، کوئی ماری، رشید پور التا باری، کشن گنج، نوکٹا، پورب کاشی باری وغیرہ، بعض جگہوں میں ایک بار اور اکثر جگہوں میں متعدد بار تشریف لائے۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کے اکثر اسفار مدرسوں کے افتتاح، دستار بندی، جلسہ سیرت اور مختلف تحریکات کے سلسلے میں ہوئے مگر بیعت و ارشاد تخلیہ و تعلیم وغیرہ کا سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ چلتا رہتا اور ایک ایک موقعہ پر سیکڑوں مردوں وعورتوں کی بیعت ہوتی اور پرانوں کا تخلیہ ہوتا، بیعت وسلوک کے سلسلے کو قائم رکھنے اور اس کے بڑھانے کے لیے حضرت نے کافی مشقت اٹھائی، کافی وقت دیا۔

حضرت فدائے ملت سے رجوع اور بیعت ہونے والوں کی تعداد میرے ناقص اندازہ کے مطابق پچاس ہزار سے کم نہ ہوگی ویسے واللہ اعلم۔

ان اسفار کا نتیجہ بہت اچھا نکلا، شرک و بدعات میں کمی آئی، اسلامی وضع قطع کا رواج ہوا، شادیوں میں اختصار اور سادگی، مہر فاطمی کا رواج عام ہوا۔

حضرت نے سلسلہ بیعت وسلوک کو قائم رکھنے اور بڑھانے کے لیے قدیم پورنیہ میں آدمی بھی بنائے اور خلافت واجازت سے بھی بہتیروں کو نوازا، الحمد للہ یہ سلسلہ قائم ہے، اور بڑھتا جارہا ہے، ان کے خلفاء کے ذریعہ جن حضرات کو حضرت فدائے ملت نے اس قدیم پورنیہ اور اس کے اطراف میں اجازت وخلافت دی ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

دامن ہمالیہ قدیم پورنیہ بہار میں حضرت امیر الہند فدائے ملت کے مجازین وخلفاء ومریدین

فہرست مجازین وخلفاء پورنیہ واطراف پورنیہ

(۱) حکیم عبدالجبار خاں بیرنگر

(۲) ماسٹر عبدالسلام صاحب بیرنگر

(۳) محمد الیاس بیرنگر

(۴) جعفر حسین صاحب کوئی مار

(۵) محمد سلیم الدین بیرنگر

(۶) عبدالرشید صاحب پیچالٹی

(۷) حضرت مولانا بشیر الدین قاسمیؒ پی ٹی ڈومریا ضلع ارریہ

(۸) پیشکار نعیم صاحب پورنیہ

(۹) مفتی عقیل صاحب بیجا کٹی

(۱۰) مولانا غیاث الدین مدنی نگر کشن گنج

(۱۲) محمد عارفین صاحب بھیم نگر بیرپور

(۱۱) مفتی جاوید صاحب مدرس مدرسہ انجمن اسلامیہ کشن گنج

متذکرہ یا مندرجہ بالا نام اور پتے ان حضرات کے ہیں جو حضرت اقدس فدائے ملتؒ کے مستحق سمجھے گئے، اور جن کا نام نامی مجھے معلوم ہے، واضح رہے کہ یہ لسٹ حضرت اقدس مولانا ادریس صاحب نوکٹھہ خلیفہ حضرت شیخ الاسلام سے مل کر مرتب کی گئی ہے، پردۂ غیب میں اور بھی کچھ خوش نصیب ہوں تو بعید نہیں۔ (اکمل یزدانی جامعی)

حضرت مولانا جعفر حسین صاحبؒ

آپ کوئی ماری، ضلع کشن گنج، صوبہ بہار کے باشندہ ہیں، پیدائش کا سن ۳۹-۱۹۳۸ء ہے ابتدائی تعلیم گھر پر منشی سلیمان صاحب مقیم لوہا گاڑا سے حاصل کی، پھر دیوبند جاکر ابتدائی عربی میں داخلہ لیا، وہاں ۹ سال رہے، اور ۶۳-۶۲ء میں فراغت حاصل کی، وہاں کے اساتذہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادبؒ، مولانا عبدالجلیل صاحب، علامہ ابراہیم بلیاویؒ صاحب، مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ، مولانا معراج الحق صاحبؒ، مولانا محمد حسن صاحبؒ بہاری تھے، دورۂ حدیث حضرت شیخ الاسلامؒ سے پڑھا، مولانا کو تقریباً چار سال تک حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت کا موقع ملا، کھانا حضرت ہی کے ہاں سے ملتا تھا، وہیں رہتے تھے، اور گھر کی معمولی خدمت انجام دیتے، دیوبند سے فراغت کے بعد گھر آ گئے، اور انجمن اسلامیہ کشن گنج میں مدرس دوم کی حیثیت

سے بحال ہوئے اور تقریباً تین سال تک درس دیتے رہے، اس کے بعد لوہر ڈ گا مدرسہ فیض الغرباء میں دو سال تک تدریسی خدمت انجام دی، پھر بعض اسباب کی بنا پر مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے۔

آپ کو بیعت کا شرف تو حضرت شیخ الاسلامؒ سے حاصل ہے مگر اجازت فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے ملی ہے، جبکہ قیام رمضان کے سلسلے میں دھوبری (آسام) تشریف لے گئے تھے، اچھے مقرر تھے، مقامی جلسوں کو برابر نوازتے رہتے اور عوام میں بھی مقبول رہے، دینی ملی خدمت اور رفاہِ عام کے لیے خود کو وقف کر رکھا تھا۔

واضح رہے کہ حالیہ معلومات کے مطابق جو مجھے حضرت اقدس شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کے ضلع پورنیہ کے واحد خلیفہ و مجاز حضرت مولانا ادریس نوکٹاوی بہاری مدظلہ العالی دامت برکاتہم سے ہوئے حضرت مولانا جعفر حسین صاحب کوئی ماری کو حضرت مولانا ادریس صاحب مدظلہ العالی دامت برکاتہم نے اجازت دی تھی، حضرت مولانا ادریس مدظلہ نوکٹاوی کے مطلق تفصیلی مضمون ''حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (شیخ الاسلام) کے اشعار بہار نامی کتاب میں پڑھیں۔ (اکمل)

حضرت مولانا محمد بشیر الدین صاحب قاسمی، پی ٹی ڈومریا (ارریہ)

آپ پی ٹی ڈومریا ضلع ارریہ کے باشندہ ہیں، پیدائش ۱۹۱۶ء میں ہوئی، چار سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے، منشی عبدالجبار صاحب مرحوم جوگیندر سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، تقریباً چھ سات سال کی عمر میں اپنے چچا مولوی امداد علی صاحب فاضل چشمۂ رحمت، غازی پور (یوپی) کے حوالے کیے گئے، اور مدرسہ محمدیہ میں فارسی کی پوری تعلیم ان ہی سے حاصل کی، پندرہ سولہ برس کی عمر میں عربی شروع کی اور جامع معقول ومنقول حضرت مولانا ہاشم صاحب، بانی مدرسہ اصلاح المسلمین جوکی ہاٹ کی خدمت میں کافیہ تک پڑھا، پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے، حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب سے ہدایہ اولین تک پڑھی، مئو و مفتاح العلوم مئو کے بعد جامع العلوم کانپور پہنچے، مولانا وصی علی و مفتی صدر الدین سے ایک سال تک تعلیم حاصل کی، رمضان شریف میں دار العلوم دیوبند چلے آئے، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، مولانا بہاء الدین صاحب پرنسپل مدرسہ تنظیمیہ بارا عیدگاہ پورنیہ کی وجہ سے بہت شفیق اور مہربان رہے۔

۱۳۵۶ھ میں حضرت شیخ الاسلامؒ سے دورۂ حدیث پڑھا، ۲۷ شعبان کو دورہ کے اکثر طلبہ حضرت شیخ الاسلامؒ سے بیعت ہوئے جن میں آپ بھی تھے، مولانا بہاء الدین صاحب و مولانا فخر الدین صاحب گیاوی قابل ذکر ہیں، حضرت شیخ الاسلامؒ سے چھ تسبیح کا سبق ملا، مدت کے بعد سید

پور کے سفر کے وقت کٹیہار جنکشن میں پاس انفاس کا سبق حاصل کیا، ایک خوابی اشارہ کے تحت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب اور قاری محمد فخر الدین صاحب گیاوی کے زیرنگرانی سلوک کی تعلیم جاری رکھی۔

آپ عرصہ تک کلانندودیالیہ گڑھ بنیلی (ہائی اسکول) میں سکنڈ مولوی کی حیثیت سے کام کرتے رہے، آپ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے مجاز بھی ہیں، آپ کا انتقال کئی سال پہلے ہو چکا ہے۔

الحاج مولانا حکیم عبد الجبار خان صاحب عارف چکدینوی ثم پورنوی

نام عبد الجبار خاں تخلص عارف، چکدین تھانہ اسھانواں ضلع پٹنہ کے باشندہ تھے، بیرنگر ضلع ارریہ میں آ کر بس گئے تھے، پیدائش چکدین میں ہوئی، سن پیدائش ۱۹۰۵ء ہے، ابتدائی تعلیم چکدین میں حاصل کی، پھر مدرسہ انوار العلوم گیا میں داخل ہوئے پھر محمدیہ ضلع پورنیہ، بہار چلے گئے، ۹ ماہ تک یہیں پڑھا، اس کے بعد بہار شریف مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہوئے بعد میں مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں پڑھنے لگے، چھ سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد عالم کا امتحان پاس کیا، حدیث کی کچھ کتابیں حضرت مولانا یوسف صاحبؒ سے رمضان پور میں پڑھیں، ادب حضرت مولانا وحید احمد صاحب حضرت شیخ الاسلام کے برادر زادہ سے اور منطق و فلسفہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب مسکونہ دھن چوہی سے پڑھیں۔

۱۹۳۸ء میں بہ سلسلہ مدرسی بیرنگر (ارریہ) آ گئے، اور مدرسہ رحمانیہ اکراہا میں مدرس ہو گئے، یہیں طباعت بھی شروع کی اور ملازمت ترک کر کے ڈاکٹری کو مستقل پیشہ بنالیا۔

پہلے حضرت گیان علیؒ مسکونہ گائے بندھی (ضلع مشرقی چمپارن) سے سلسلہ نقشبندیہ میں مرید ہوئے اور بعد میں حضرت شیخ الاسلامؒ مولانا مدنی سے رجوع کرلیا، ان کے وصال کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے رجوع فرمایا اوران کے مجاز ہوئے۔

اپنے پیر حضرت گیان علیؒ اور مرشد حضرت شیخ الاسلامؒ کے منظور نظر اور چہیتے مرید رہے، عشق رسولؐ اور عشق مرشد دونوں سے حصہ وافر پایا تھا، جب بھی ان کا نام نامی زبان پر آتا آنسوؤں کی جھڑی لگنی شروع جاتای، دو حج کیے تھے اور تیسرے کا رادہ تھا فارسی اور اردو کے کنہ مشق برجستہ گو شاعر تھے، قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے، کلام کا سرمایہ کافی ہے، جسمیں نعت و منقبت کی کثرت ہے، قصیدہ بردہ کا منظوم ترجمہ کیا ہے، حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا منور حسین صاحب بہاری خلیفہ اجل حضرت شیخ الحدیثؒ پر بھی کئی فارسی اور اردو

نظمیں لکھی ہیں علاقہ بیرنگر کے دیدۂ بینا اور روح رواں تھا، اس علاقہ کی دینی بہار میں آپ کی آبیاری کو بڑا دخل ہے، مسلمانوں کے مسائل سے خاص دلچسپی تھی، ویسے ہندو مسلمان سب میں محبوب ومقبول تھے۔

دادودہش اور مہمان نوازی میں علاقہ بھر میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی نہایت منکسرالمزاج اور بذلہ سنج واقع ہوئے تھے، کئی سال قبل حکیم صاحب کا وصال ۱۰ دسمبر ۱۹۹۱ء کو ہوگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

آپ کے پسماندگان میں تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں ڈاکٹر عبدالغفار خان صاحب ایم بی بی ایس سرکاری ملازمت میں ہیں منجھلے خورشید عالم خاں عمان میں ہیں اور چھوٹے عبداللہ خاں گھر پر پریکٹس کرتے ہیں اور مدنی شفاخانے کے مالک ہیں۔

حضرت مولانا عبد الرشید صاحب

کشن گنج ضلع کے ایک معروف گاؤں بھیجا کٹی میں پیدار ہوئے سن ولادت ۱۹۳۰ء ہے، انگریزوں کے دور میں یہ گاؤں دینداری، انگریزی دشمنی اور جمعیۃ علماء ہند کی حمایت کے لیے مشہور رہا ہے، اس زمانے میں بھی اس گاؤں میں دینی تعلیم کا رواج تھا، اور اب تو ماشاء اللہ یہاں دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، اور دوسرے اداروں کے فضلاء کی کافی تعداد ہے، حفاظ اور انگریزی داں حضرات بھی خاصی تعداد میں ہیں، اور مقامی علماء وصلحاء کے علاوہ حضرت فدائے ملت اور حضرت امیر شریعت کا ورود مسعود یہاں بارہا ہوا ہے۔

سلسلہ نسب اس طور پر ہے

عبدالرشید بن منشی نصیر الدین بن ماہتاب الدین بن فیض بخش بن وعظ الدین بن محمد معصوم بن یار محمد بن تاج الدین، تاج الدین عہد مغلیہ میں فارسی کی طرف سے آ کر لہرا اچھلواری (نزد کشن گنج) میں مقیم ہوا، داداجان صوفی منش تھے، چشتیت غالب تھی۔

ابتدائی تعلیم لگ بھگ چار سال حضرت مولانا عبد الرزاق صاحب مدظلہ قاضی شریعت کٹیہار وسابق استاذ دار العلوم لطیفی کٹیہار سے اور کچھ عرصہ منشی عبد الرحمٰن صاحب بردوانی سے حاصل کی، ۱۹۴۲ء سے دار العلوم لطیفی کٹیہار میں پڑھتا رہے، حضرت مولانا منور حسین صاحب شیخ الحدیث دار العلوم لطیفی کٹیہار اور حضرت مولانا عبد الرزاق صاحب نہ صرف میرے استاذوں میں بلکہ مربیوں اور محسنوں میں بھی ہیں، انھیں حضرات کی شفقت ومحبت کی وجہ سے میری تعلیم آگے بڑھ سکی، کٹیہار میں اس ناکارہ کو حضرت مولانا منور حسین صاحبؒ کی خدمت کا تقریباً چار سال تک

موقعہ ملا پھر ۱۹۴۷ء میں دیو بند چلا گیا اور ۱۹۵۰ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمدؒ صاحب، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الخالقؒ، حضرت مولانا عبدالجلیل صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ، حضرت مولانا معراج الحق مدظلہ، حضرت مولانا محمد حسن صاحب بہاری مدظلہ میرے اساتذہ میں تھے۔

فراغت کے بعد کچھ عرصے کے لیے مدرسہ اسلامیہ کچنار میں مدرس ہوگیا، پھر ۱۹۵۰ء میں ہی اختلافات کی وجہ سے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر مدرسہ قاسم العلوم منجھوک کی بنیاد ڈالی، اور اسی کی خدمت پر مامور ہوئے۔

۱۹۵۲ء سے اب تک یعنی (۱۹۹۷ء) تک ذمہ دارانہ حیثیت سے اس کی خدمت کر رہا ہوں، ۱۹۵۵ء حضرت شیخ الاسلام سے کشن گنج میں بیعت ہوا، حضرت کے وصال کے بعد حضرت فدائے ملت سے رجوع کیا، اور انھوں نے بلا وہم وگمان اجازت عطا فرمائی۔

واضح رہے کہ حضرت مولانا موصوف اب تک مدرسہ قاسم العلوم منجھوک کی ذمہ دارانہ حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ (ماخوذ از حضرت مولانا کی خودنوشت سوانح)

ماسٹر عبد السلام صاحب مھونوی ثم پورینوی

ابا جی کا نام محمد طٰہٰ باشندہ مہونی ضلع نالندہ بہار، محمد طہٰ صاحب ارریہ بہار میں وکالت کرتے تھے اور نامور وکلاء میں شمار تھا نیز قومی وملی کاموں سے بھی دلچسپی تھی، ماسٹر عبد السلام صاحب کو پیدائش مہونی میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم کے علاوہ میٹریکولیشن وہیں سے پاس کیا، والد کی وفات کے بعد مختلف سروسوں میں رہے، ملٹری اکاونٹس آفس میں بھی نوکری کی بعد میں معلّمی کا پیشہ اختیار کیا او تا حیات اسی پر قائم رہے، پہلے پردا کھوری سرحد مورنگ میں استاذ ہوئے پھر بیر نگر مڈل اسکول تبادلہ ہوگیا، اور وہیں سے ریٹائر ہوئے، اعلیٰ ذوق جمال کے مالک تھے، جو اوڑھنا پہننا، کھانا پینا، سب سے ظاہر ہوتا تھا، پھولوں کے عاشق تھا گارڈننگ بہترین کرتے، اسکول اور گھر کو دلہن کی طرح سجائے رکھتے، ۱۹۵۹ء کو جب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اپنی بہار کی گورنری کے عہد میں اپنے ایک شاگرد (اکمل نیر والی جامعی) کے ہائی اسکول کے معائنہ کے لیے بیر نگر ضلع ارریہ بہار تشریف لائے تو مختلف اداروں کا بھی معائنہ فرمایا جس میں مڈل اسکول بیر نگر بھی تھا، ماسٹر عبد السلام صاحب نے اپنے ذوق اور عادت کے مطابق اسکول کو پہلے ہی سے کشمیر نظر بنا رکھا تھا، ذاکر حسین صاحب اسکول کی تعلیم وتربیت کے علاوہ اس کی گارڈننگ سے بہت خوش ہوئے وہاں کے

تختۂ گل اور کروٹن کی بہت تعرف فرماتے رہے، وہاں کے اور اس علاقہ کے کروٹنوں کو اپنے گورنر ہاؤس میں نصب کرادیا اور یادرکھا۔

ماسٹر عبدالسلام صاحب ایک ہمدرد بہی خواہ اور کامیاب استاذ تھے اطراف بیرنگر اور ارریہ پورنیہ میں ان کے ہزاروں شاگرد ہیں جن میں کسان بھی ہیں مزدور بھی، وکیل بھی ہیں انجینئر بھی ماسٹر بھی ہیں اور پروفیسر بھی، ان کے بعض کامیاب اور نامور طلبہ میں طیب رحمانی صاحب وکیل ارریہ، ڈاکٹر فاراں شکوہ نروالی، کامل اختر بیرنگر، امام نگر پوناس ضلع کشن گنج ریٹائر اردو ڈپارٹمنٹ للت نارائن میتھلا یونیورسٹی، دربھنگہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ماسٹر عبدالسلام صاحب کی جوانی اور اوائل درس و تدریس کی زندگی مذہبی نہیں تھی، جانے کیوں وہ کمیونزم کی طرف مائل تھے مگر جب حضرت فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ سے ان کے دوسرے سفر بیرنگر میں بیعت ہوئے، لباس، کھانا پینا، وضع قطع، سب یکسر تیزی سے بدلنے لگا اور یہ حال ہوگیا کہ جہاں کے دفتر کے علاوہ اوقات خوش کسی اور یار باشی میں گزرتے تھے، معمولات سلوک میں گزرنے لگے کئی بار وہ قیام رمضان کے موقعہ پر دیوبند گئے اور آخری بار اجازت وخلافت لے کر لوٹے، اس کے بعد بیمار ہوئے اور اپنے دوسرے وطن مالوف بیرنگر میں مالک حقیقی سے جاملے، وہیں سپرد خاک ہوئے، بڑی غنیت ہستی کے مالک تھے، تصنیف وتالیف کا بھی بڑا اچھا پایا تھا، افسانہ نویسی کرتے تھے، اور ناکارہ کے تصنیفی وتالیفی کاموں میں بے حد مدد فرماتے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

○○

❑ مولانا احمد بزرگ
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات

فدائے ملتؒ اور جامعہ ڈابھیل

صدر جلسہ اور حاضرین سیمینار فدائے ملت!

۶ ر فروری ۲۰۰۶ء/ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی (جو سب کے تھے اور سب ان کے تھے) کے سانحہ ارتحال سے پوری امت مسلمہ صدمہ سے دوچار ہوئی، زیادہ افسوس اور غم اس بات کا ہے کہ تقدیرِ خداوندی سے آپ کا بلاوا ایسے وقت آیا جب عالم اسلام کو عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں کو خصوصاً آپ کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی۔

جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے علم و عمل، جہد مسلسل، ورع وتقویٰ، سادگی وانکساری اور خشیت وانابت الی اللہ میں وہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی، دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بصیرت عطا کی تھی کہ مستقبل میں پیش آنے والے خطرات کو بہت پہلے دیکھ لیا کرتے تھے، چنانچہ اسی بصیرت خداوندی کی روشنی میں صرف ہندوستانی مسلمانوں ہی کی نہیں، پوری انسانیت کی بروقت صحیح رہنمائی آپ کا ایسا وصف خاص تھا جس کا موازنہ آپ کے دوسرے کارناموں سے نہیں کیا جاسکتا، جب بھی اور جہاں بھی مسلمانوں کی راہ میں مشکلات آئیں یا رکاوٹیں کھڑی کی گئیں آپ نے مسلمانوں کو کسی موقع پر بے سہارا نہیں چھوڑا ظاہر ہے کہ کسی قوم کے درمیان ایسی شخصیت کا اٹھ جانا اس کے لیے کتنا بڑا ناقابل تلافی نقصان ہوسکتا ہے۔

حضرت مدنی جیسے محافظ و پاسباں اور سرپرست ونگہبان کے رخصت ہوجانے سے جس طرح براعظم ایشیاء کی عظیم درسگاہ دار العلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند اور ملک و بیرون ملک کے ہزاروں مدارس اسلامیہ، دینی ادارے مذہبی تحریکیں، سماجی واصلاحی کمیٹیاں اور رفاہی تنظیمیں بے سہارا ہوکر اپنے آپ کو یتیم سمجھ رہی ہیں انہیں میں ریاست گجرات کی مایۂ ناز دینی درسگاہ اور دار العلوم دیوبند کا "عکس جمیل" جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سے ہے۔

اپنی عمر کے ۱۰۰ سال مکمل کر کے زندگی کی دوسری صدی میں قدم رکھنے والی تاریخی درسگاہ ڈابھیل

کے خادم ہونے کی حیثیت سے میں ''فدائے ملت سیمینار'' کے شرکاء وحاضرین کے سامنے حضرت مدنی کی ہمہ جہت اور جد و جہد بھری زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا، جس کا تعلق جامعہ ڈابھیل سے ہے۔

محترم حضرات!

مدنی خاندان کے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل پر بڑے احسانات ہیں جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اس پروقار جامعہ پر ایک دور ایسا بھی آیا کہ جس میں اس کا نظم ونسق حکومت کے ہاتھوں میں جا چکا تھا، جس کی وجہ سے کوئی عالم مدرسہ کا اہتمام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، جامعہ روبزال تھا، ہمدردان جامعہ نے اسے حکومت کے ہاتھوں سے نکالنے کیلئے حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولان حفظ الرحمٰن سیوہاروی کو مدعو کیا، حضرت مدنی کی صدارت میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں پرانا دستور منسوخ کیا گیا اور نئے دستور کی منظوری حاصل کرنے کی تجویز پاس کی گئی اور اللہ کے فضل وکرم سے اس میں کامیابی بھی مل گئی۔

جامعہ ڈابھیل کے مہتمم ثالث حضرت مولانا احمد بزرگ کا شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تعلق، جانبین سے دعا سلام، محبت و ہمدردی اور خط وکتابت تک محدود نہ تھا بلکہ دونوں خاندانوں کی مثال یک جاں دو قالب کی سی تھی اور اب بھی یہی ہے، یہی وجہ تھی کہ مولانا اسعد مدنی بھی جامعہ کے تئیں بڑے ہمدرد تھے اور بار بار قدوم میمنت سے جامع اور اہل جامعہ کو نوازتے تھے۔

آپ کی اصابت رائے عزم وہمت جرأت وبیباکی، قوت عمل اور ایمانی فراست سے بھرپور استفادہ کے لیے یوں تو آپ کو پہلی مرتبہ ۱۹۷۶ء میں جامعہ کا رکن شوریٰ بنایا گیا لیکن اس سے پہلے ہی آپ نظام مدرسہ کی صلاح وفلاح کے لیے اپنے مفید مشوروں سے جامعہ کو نوازتے رہتے تھے، بلکہ ایک موقع پر جب جامعہ میں فتنہ ہوا اسٹرائک ہوا اور حالات بہت بگڑ گئے تو خود حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کاندھلوی نے حضرت مہتمم صاحب کے نام اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا کہ ''عزیزم مولانا اسعد صاحب کو ضرور اس قضیے میں تکلیف دے کر آپ بلا لیں، پھر ایک موقع یہ آیا کہ رکن شوریٰ منتخب ہونے سے پہلے ہی ۱۹۷۱ء۱۹۷۲ء میں آپ نے ''شیخ خانقاہ'' کی حیثیت سے جامعہ ڈابھیل کی مسجد میں رمضان المبارک میں اعتکاف فرمایا، عصر کے بعد قرآن کریم کی مجلس ہوتی، آپ کے برادر خورد موجودہ صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب اور حضرت قاری محمد عثمان صاحب دامت برکاتہما نماز کے بعد کرسی پر آمنے سامنے بیٹھ جاتے اور جو پارہ رات کو تراویح میں پڑھنا ہوتا اسے یہ دونوں بزرگ جہراً سنتے اور پورا مجمع خاموشی سے سنتا، یہ

مجلس بڑی روحانی اور پر کیف ہوا کرتی تھی، بعد تراویح حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کا ایمان افروز بیان ہوا کرتا تھا، اسی سال جامعہ کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ حضرت مولانا مرحوم نے نماز عید الفطر بارش کی وجہ سے عیدگاہ کے بجائے جامعہ میں پڑھائی، غرضیکہ آپ کے اس قیام سے خلق کثیر کو روحانی و قلبی فائدہ پہنچا جس کی یاد ہمیشہ دلوں میں تازہ رہے گی۔

طویل عرصے تک پابندی کے ساتھ جامعہ کے سالانہ اجلاس دستار بندی کی رونق آپ ہی ہوا کرتے تھے، اس موقع پر جامعہ سے فراغت حاصل کرنے والے طلبہ کو مستقبل کے خطرات سے آگاہ کر کے عملی میدان میں قدم رکھنے اور ہمت کے ساتھ مردانہ وار آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے تھے، افسوس کہ وہ آوازیں اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ ۱۹۷۶ء میں پہلی مرتبہ جامعہ ڈابھیل کے رکن شوریٰ منتخب ہوئے اور ۱۹۹۱ء تک ۱۴ سال مسلسل رکن رہے، پھر ۱۹۸۹ء میں دوبارہ جامعہ کے رکن شوریٰ بنائے گئے، اور یہ تعلق تا آخر حیات قائم رہا، اس طرح کل ۲۱ سال تک ارباب جامعہ کو آپ کی شفقت و سرپرستی کا شرف حاصل رہا اس دوران آپ نے اپنی ایمانی فراست سے ہر پریشان کن موڑ پر جامعہ کی دستگیری فرمائی جس کی چند جھلکیاں یہ ہیں:

(۱) جامعہ میں بچت فنڈ کا قیام: حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے جامعہ کے اساتذہ کے لیے بچت فنڈ قائم کروایا، یہ حضرت کا ایک مثالی کارنامہ ہے اس فنڈ کے ماتحت اساتذہ کی ماہانہ تنخواہوں میں سے ۶ فیصد رقم جمع کر لی جاتی ہے، اس کے ساتھ مدرسہ کی طرف سے ۴ فیصد رقم ملا کر اسی مدرس یا ملازم کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے، بوقت ضرورت اور ہنگامی حالات میں اسی کاؤنٹ سے رقم بطور قرض بھی دی جاتی ہے، پھر جب مدرس جامعہ سے مستعفی ہو، یہ مجموعی رقم اس کے حوالے کر دی جاتی ہے، اور اگر تا دم حیات وہ مدرس یا ملازم مدرسہ سے منسلک رہے تو یہ جمع شدہ رقم اس کی وصیت کے مطابق دی جاتی ہے۔

(۲) تنخواہوں میں مہنگائی کا اضافہ: اس تغیر پذیر دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں بھی وقوع پذیر ہونے لگی ہیں جن کا قدیم زمانہ میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، مثلاً جنگ تو ہوا مریکہ و عراق کے مابین اور مہنگائی بڑھے ہندوستان و پاکستان میں، یہ اگر عجیب بات ہے لیکن جب سے دنیا ہر طرف سے سمٹ کر ایک گاؤں کی طرح ہوگئی ہے یہاں سب کچھ ممکن ہوگیا ہے، کسی بھی وقت مہنگائی کا بڑھ جانا اور اشیاء کے دام کا تاثر یا پہنچ جانا عام سی بات ہوگئی ہے، جن اداروں میں انتظامیہ کی اس اہم گوشہ پر نگاہ نہیں ہوتی وہاں آئے دن ملازمین اور کارکنان کی جانب سے (خصوصاً گرانی میں اضافے کے وقت پر) تنخواہوں میں اضافے کی مانگ اور مطالبہ کو لے کر ہنگامہ آرائی ہوتی رہتی ہے،

حضرت مدنی علیہ الرحمۃ نے اس قسم کی بے ہودگیوں اور اس طرح کے سیل پر میل پر مضبوط بند باندھتے ہوئے جامعہ کے اساتذہ کی اصل تنخواہوں کے ساتھ ''مہنگائی اضافہ'' کے عنوان سے معقول مقدار میں تنخواہ کا نظم کرواکر سرکاری طرز پر نظام طے کروایا تاکہ مدرسین وملازمین کو آسانی رہے اور تنخواہوں میں اضافے کے لیے مطالبہ نہ کرنا پڑے۔

(۳) شعبہ دارالصنائع کا قیام: غیر دینی حلقوں کی طرف سے عموماً یہ باتیں سننے کو ملتی ہیں کہ مدارس اسلامیہ کے طلبہ کو کوئی مستقبل نہیں ہوتا اور یہ قوم پر بوجھ ہوتے ہیں چونکہ ان کے پاس علم تو ہوتا ہے مگر ہنر اور فن سے یہ عاری ہوتے ہیں، حضرت مدنیؒ نے معاملہ کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے جامعہ میں شعبہ دارالصنائع قائم کروایا، جس کے ماتحت طلبہ کو گھڑی سازی، خیاطی اور الیکٹرک کا ہنر خارجی اوقات میں سکھایا جاتا ہے، تاکہ طلبہ اپنی عملی زندگی میں ان کو ذریعہ بناکر حلال کمائی حاصل کریں اور استغناء کے ساتھ علم دین کی خدمت کرسکیں۔

(۴) شعبہ تحفظ شریعت کا قیام: مسلک دیوبند کے تحفظ اور ارتقاء میں حضرت مدنی کی گراں قدر خدمات ہیں چنانچہ جس طرح آپ نے رد قادیانیت، ردعیسائیت اور رد غیر مقلدیت وغیرہ کے لیے دارالعلوم دیوبند اور دیگر مقامات پر ''تحفظاتی قلعے'' تعمیر کروائے اسی طرح جامعہ ڈابھیل میں بھی فرق باطلہ کی تردید کے لیے ''شعبہ تحفظ شریعت'' کے نام سے ایک شعبہ قائم کروایا، اس کے لیے مجلس شوریٰ سے فنڈ پاس کروایا، جو مولانا مدنی کا عظیم کارنامہ اور احسان ہے، چنانچہ اس شعبہ نے مسلمانان گجرات کی بہت قلیل عرصہ میں بڑی نمایاں خدمت انجام دی ہے۔

(۵) ورزشی کلاس کی ابتداء: دل کی قوت اور عقل کی سلامتی جسم کی صحت کے تابع ہوا کرتی ہے، چنانچہ مشہور ہے ''**العقل السليم في الجسم السليم**''، جامعہ ڈابھیل کے طلبہ کی روحانی تربیت کے ساتھ حضرت مدنی ان کی جسمانی صحت کا بھی خیال رکھتے تھے، جس کے لیے باقاعدہ ورزش کا کلاس شروع کرنے کے بڑے حامی اور متمنی رہا کرتے تھے، چنانچہ موقع کی مناسبت سے ایک سال اس کے لیے مجلس شوریٰ سے فنڈ منظور کرواکے یہ سلسلہ بھی شروع کروایا۔

یہ چند جھلکیاں ہیں جو حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے جامعہ ڈابھیل سے قلبی تعلق اور لگاؤ کی غماز ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی جمیع حسنات کو قبول فرمائے، آپ کی مغفرت فرماکر آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔

حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے دیگر اوصاف

(۱) حضرت مولانا اسعد مدنی ایسی چھوٹی چھوٹی فقہی باتوں پر بھی بڑے اہتمام سے عمل فرماتے

تھے، جنہیں عام طور پر لوگ معمولی سمجھ کر ترک کر دیتے ہیں، کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص صف اول میں ہو تو پیچھے والے مصلی کے لیے اپنی جگہ ایثار نہ کرے ایک مرتبہ دار العلوم رائے پور تشریف لے گئے، ایک شخص اگلی صف میں تھا حضرت کو دیکھ کر پیچھے آنے لگا، حضرت نے فرمایا کہ نہیں نہیں اس بات کا احساس اس شخص پر اتنا اثر ہوا کہ وہ نماز میں رونے لگا۔

(۲) مسجد میں نماز کا اہتمام: بالا پور ضلع اکولہ کے ایک مدرسہ میں تشریف لے گئے مغرب کا وقت ہوگیا تو پوچھا کہ نماز کہاں پڑھنی ہے؟ اہل مدرسہ نے کہا اس جماعت خانے میں، یہ سن کر حضرت بڑی تیزی سے اپنی گاڑی میں بیٹھے اور فرمایا کہ ہم تو شرعی مسجد مین نماز ادا کریں گے، چنانچہ شہر کی مسجد میں نماز ادا فرمائی۔

(۳) نماز کی ادائیگی میں سفر ہو کہ حضر، جس طمانینت اور سکون اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا فرماتے، بس وہ "أن تعبد اللّٰہ کانک تراہ" کی عملی مثال تھی، حضرت مفتی خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ حضرت کی نماز واقعی قابل رشک نماز ہے۔

(۴) حضرت فدائے ملت تہجد کے بڑے پابند تھے، لسٹر، (برطانیہ) کے فعال اور صاحب روحانیت عالم دین شیخ سلیم دھورات صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ برطانیہ کے سفر میں بھی برفیلی موسم میں طویل طویل سفر میں رات کو دیر سے سونا ہوتا تب بھی تہجد بڑی پابندی سے ادا فرماتے۔

(۵) وسط امریکہ کے ملک "پناما" جب حضرت کا سفر ہوا تو ہوائی جہاز میں لگیج سے بیگ گم ہوگیا ہوائی جہاز والوں نے ضابطہ کے مطابق ڈالر کی شکل میں بڑی رقم حضرت کی خدمت میں پیش کی، حضرت نے اس رقم کو واپس فرما دیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شان، حضرت کا گم شدہ بیگ بھی مل گیا۔

(۶) جامعہ کے سالانہ اجلاس میں تشریف آوری ہوتی تو بہت سی مرتبہ یہ ہوتا کہ ممبئی سے اکیلے رات کی گاڑی میں سوار ہوتے اور صبح سویرے ڈابھیل کے قریب مرولی ریلوے اسٹیشن پر اترتے، اپنے سامان سے ایک جھولا بغل میں لٹکا لیتے، دوسرا کچھ ہوتا تو ہاتھ میں پکڑ لیتے، سر پر ہرا عمامہ ہوتا، اور دوسرے ہاتھ میں تسبیح ہوتی، مرولی سے پیدل چلتے، تقریباً چھ کلومیٹر چل کر سملک مولانا محمد سعید بزرگ کے گھر پہنچتے، حالانکہ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ اپنی تمام تر بزرگی کے ساتھ M.P ہوتے پھر بھی نہ گاڑی نہ تکلف۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

○○

□ مفتی محمد عفان منصور پوری
جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

حضرت ماموں جانؒ کا سفرِ آخرت

(بیماری سے تدفین تک آنکھوں دیکھا حال)

آخری آرزو:

ہمارے ماموں جان علیہ الرحمہ ہمیشہ اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ایمان پر خاتمہ کی دعا کیا کرتے تھے، حتی کہ ایک مرتبہ (۸/اکتوبر ۱۹۶۷ء کو) شبستاں اردو ڈائجسٹ کے نمائندے نے آپ سے انٹرویو لیا، دورانِ انٹرویو نمائندہ نے مسلم پرسنل لاء، قیامِ امن، مسلمانوں کے معاشی مسائل اور اسی طرح کے بہت سارے عنوانات پر بات چیت کی اور اخیر میں سوال کیا کہ ''مولانا! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟'' جواب ملا: ''ایمان پر خاتمہ۔'' اللہ تعالیٰ نے اس آخری آرزو اور تمنا کو بھی بحسن وخوبی اپنے فضل وکرم سے پورا کر دیا۔

گذشتہ کئی سالوں سے جب بھی کوئی خیریت معلوم کرتا، طبعیت دریافت کرتا، تو بڑی برجستگی سے جواب دیتے کہ: ''بھئی! اب کیا خیریت پوچھتے ہو؟ عمر طبعی کو پہنچ چکے ہیں، جناب رسول اللہؐ نے امت محمدیہ کی اوسط عمر جس کو بتایا ہے اسے بھی پار کر چکے ہیں، اب تو خاتمہ بالخیر کی دعا کرو۔'' ہمہ وقت موت کا استحضار رہتا اور اسی کا تذکرہ کرتے، اور گذشتہ رمضان المبارک تو اس طرح گذارا ہے کہ گویا کہ آپ کو محسوس ہو گیا تھا کہ اب آئندہ رمضان میسر نہیں آئے گا۔

سفر عمرہ:

رمضان المبارک سے چار پانچ روز قبل سفر حجاز پر تشریف لے گئے ابتداءً مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر جب رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تو عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اس لیے کہ رمضان المبارک میں عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''رمضان المبارک میں عمرہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے میرے ساتھ حج کرنا'' (ابوداؤد شریف حدیث: ۱۹۹۰)

طبیعت کی خرابی:

واپس ہندوستان تشریف لائے دیوبند آنے سے پہلے دہلی میں ڈاکٹروں کو دکھایا، رپورٹیں

صحیح نہ آئیں تو ڈاکٹروں کے اصرار پر تین چار روز بغرض علاج دہلی کے اپولو اسپتال میں داخل رہے، لیکن اس دوران بھی ان کا دل مسلسل دیوبند میں لگا رہا ہے۔ ڈاکٹروں سے چھٹی لینی چاہی لیکن وہ کسی صورت آمادہ نہ تھے، تو ان سے فرمایا: ''کیا آپ لوگ اس بات کی گارنٹی اور ضمانت دیتے ہیں کہ مجھے اگلا رمضان مل جائے گا''، ظاہر ہے اس کی تو کوئی ضمانت نہیں دے سکتا تھا، غرض یہ کہ اصرار کرکے چھٹی لی، اور دیوبند تشریف لے آئے اور رمضان المبارک کی بیش قیمت ساعات اور گراں قدر لمحات کو وصول کرنا شروع کردیا، اس ضعف اور پیرانہ سالی کی حالت میں نہ صرف پنج وقتہ نماز مسجد میں ادا فرماتے؛ بلکہ تراویح اور تہجد کے لیے بھی مسجد تشریف لاتے اور رمضان المبارک کے معمولات کو حسب سابق انجام دیتے، گردے کے مریض تھے جسم میں پانی کی کمی ہوگئی تھی، اطباء روزہ رکھنے سے منع کرتے تھے مگر اس مرد مجاہد اور صاحب عزیمت انسان کو ایک دن کا روزہ چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا۔

مؤثر تقریر:

رمضان المبارک کا دوسرا جمعہ تھا، مسجد رشید اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود نماز پڑھنے والوں کے لیے تنگ ہورہی تھی، دور دراز شہروں اور دیہات سے آنے والے مسترشدین ومریدین کا ایک جم غفیر تھا جو اپنے مرشد و مصلح کی عیادت ومزاج پرسی کے لیے اور ان کی بابرکت مجلس سے مستفید ہونے کے لیے حاضر ہوا تھا۔

نماز کے بعد اعلان ہوا کہ حضرت والا بیان فرمائیں گے، مجمع سکون واطمینان کے ساتھ حلقہ بنا کر بیٹھ گیا، سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مجمع کے درمیان تشریف لائے، اور حمد وصلاۃ کے بعد بڑے درد بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ: ''آپ لوگوں کو میری صحت کا خیال نہیں، ڈاکٹروں نے تو مجھے روزہ رکھنے سے بھی منع کیا ہے، لیکن آپ لوگ مجھے تقریر کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، جب جسم میں طاقت تھی، قویٰ مضبوط تھے، تو کبھی بھی تقریر کرنے سے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو لوگوں تک پہنچانے سے میں نے گریز نہیں کیا؛ لیکن آج صورتِ حال بدلی ہوئی ہے۔''
مجمع پر بڑا اثر ہوا اعلان کرنے والے بھی نادم وپشیماں ہوئے کہ خواہ مخواہ ہم نے حضرت کو تکلیف میں مبتلا کردیا۔

حضرت نے فضائل رمضان پر بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ معلوم نہیں یہ مبارک ساعتیں زندگی میں پھر کبھی میسر آئیں گی یا نہیں ان کو غنیمت جانو اور ایک ایک لمحہ کی قدر کرو۔ دورانِ تقریر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، بولتے جاتے تھے اور روتے

جاتے تھے، مجمع میں کوئی فرد ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوں، ہم نے اس سے پہلے بارہا ماموں جان کی تقریریں سنی تھیں لیکن کبھی ان کو روتے ہوئے اور اس طرح بے قابو ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا مشہور فرمان مبارک ہے کہ: ''ہلاک و برباد ہو وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اپنی مغفرت نہ کروائی، ہلاک و برباد ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، ہلاک و برباد ہو وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت کرکے جنت کا مستحق نہ ہوگیا''۔ (مستدرک حاکم ۱۵۳/۴)

اس حدیث مبارک کے مشمولات پر انتہائی رقت آمیز لہجے میں بڑی مبسوط اور مؤثر تقریر فرمائی، خرابیٔ صحت کے باوجود تقریباً پون گھنٹے تک بیان فرماتے رہے اور اخیر میں پھر اپنی بیماری اور ضعف کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اسی مبارک مہینہ کی قیمتی ساعات کو یہاں گزارنے کے لیے میں ڈاکٹروں سے لڑ جھگڑ کر آ گیا ہوں، اگرچہ وہ لوگ کسی صورت میرے یہاں آنے پر رضامند نہیں تھے، لیکن میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب جو کچھ ٹیسٹ یا علاج وغیرہ ہوگا ماہِ مبارک رمضان کے بعد ہوگا، پھر فرمایا کہ: بھائیو! رمضان کے بعد پھر انہی ڈاکٹروں کے پاس جانا ہے نہ جانے وہ لوگ کیا کیا کریں گے، یہ کہتے ہوئے اتنی رقت طاری ہوئی کہ آگے تقریر جاری نہ رکھ سکے بات ختم کردی، چشمہ اتار کر آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے مسجد کے دروازہ کا رخ کیا، کرسی کا بٹن دبایا، حاضرین دونوں جانب صف بستہ کھڑے ہوگئے اور ماموں جان ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے گھر تشریف لے آئے۔

آج کی تقریر سن کر لوگوں پر سکتہ طاری تھا؛ اس لیے کہ انھوں نے اپنے شیخ کو کبھی اس طرح مجمع عام میں گریہ وزاری کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، وہ تو ایسے مضبوط اعصاب والے تھے کہ بڑے سے بڑے حادثہ کو چاہے خانگی ہو یا ملّی، بآسانی جھیل جاتے اور چہرہ سے لوگوں کو محسوس تک نہ ہونے دیتے، نانا جان علیہ الرحمہ کی وفات ماموں جان مرحوم کی زندگی کا بہت بڑا سانحہ تھا، لیکن اس موقع پر آپ نے جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا وہ ناقابل بیان ہے۔ پھر ۱۵/ نومبر ۱۹۶۸ء کو ان کی زندگی میں ایک اور الم ناک حادثہ پیش آتا ہے، ایک سڑک حادثے کے نتیجہ میں ساڑھے آٹھ سالہ صاحب زادے محمد میاں اور خسر محترم مولانا سید حمید الدین صاحب علیہ الرحمہ اور گاڑی کا ڈرائیور جاں بحق ہوجاتے ہیں اور بقیہ لوگ شدید زخمی ہوتے ہیں جن میں آپ کی خوش دامن صاحبہ، اہلیہ محترمہ اور دیگر اہل خانہ ہیں، پورے علاقہ میں کہرام مچ جاتا ہے فضا رنج وغم میں ڈوب جاتی ہے مگر دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ اس دردناک موقع پر بھی اگر کوئی شخص شکر و سپاس کا

مظہر اور صبر واستقامت کا پیکر بنا ہوا ہے تو وہ ماموں جان ہی کی ذات گرامی ہے، تعزیت کرنے والوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ: ''مسرت اور غم تو قلبی کیفیات ہیں''۔

اس حادثہ کے پیش نظر جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر نے ماموں جان کی کئی میٹنگوں کے متعلق منسوخی کی اطلاع دے دی تھی مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''کیا اس طرح کے حادثات کی وجہ سے ہم جماعت کا کام ترک کردیں گے''، چناں چہ دوبارہ لوگوں کو اطلاع کرائی گئی کہ میٹنگ وقت پر ہوگی۔

ان کی زندگی میں اس طرح کے واقعات بھرے پڑے ہیں، تو جن لوگوں کے سامنے ماموں جان کی یہ تصویر رہی ہو ان کا اس موقع پر محو حیرت ہونا بجا ہے۔

کمزوری میں اضافہ

غرضے کہ مسلسل ضعف وکمزوری کے باوجود دن کے روزے راتوں کی عبادت اور رمضان المبارک کے بقیہ معمولات حسب سابق چلتے رہے، اسی دوران ۱۵ر رمضان المبارک کو دل کا دورہ پڑا، مقامی ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ جلد از جلد دہلی لے جایا جائے، چناں چہ رات ہی میں دلی لے جایا گیا اور وہاں اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبے میں داخل کردیا گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ اس وقت بھی ماموں جان کو اپنی بیماری سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ رمضان المبارک کے بابرکت لمحات ضائع نہ ہوجائیں، حضرت مولانا سید اسجد مدنی صاحب اگلے روز مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ مجھے یہاں لاکر ڈال دیں گے تو ہرگز نہ آتا''، ایک دو روز آئی سی یو میں رہنے کے بعد پرائیویٹ کمرہ میں تشریف لے آئے اور اس حالت میں بھی روزہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، اسپتال میں بھی تراویح باجماعت ادا کرتے رہے۔

ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا معمول تھا، چناں چہ آخری عشرہ شروع ہونے سے پہلے ڈاکٹروں سے بات چیت کرکے واپس دیوبند تشریف لے آئے اور مسنون اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں داخل ہوگئے، قویٰ کمزور ہوگئے تھے، صحت روز بروز گرتی جارہی تھی لیکن عزم وحوصلہ ایسا جواں تھا کہ کیا جوانوں کا ہوگا؟ بڑی قدردانی کے ساتھ رمضان المبارک کے آخری ایام گزارے، ملک وبیرونِ ملک سے آئے ہوئے ہزاروں مسترشدین ومریدین کو راہِ سلوک کے منازل طے کراتے رہے، رمضان المبارک کے آخری دن مجمع میں تشریف لائے اور اپنی زندگی کی آخری تقریر فرمائی، دور دراز سے آنے والے مہمانانِ کرام کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ

ہم میز بانی کا حق ادا نہیں کر سکے۔خطاب اتنا مؤثر تھا کہ سننے والوں کی ہچکیاں بندھ گئیں، دورانِ تقریر ارشاد فرمایا کہ: ''اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جارہا ہوں''، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ماموں جان کو یہ معلوم ہے کہ یہ ان کی زندگی کی آخری نصیحت اور الوداعی پیغام ہے۔

عید کا دن

رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں گزر گئیں، اگلے دن عید الفطر ہے، عید کی نماز دارالعلوم دیوبند کی مسجد قدیم میں اول وقت ادا فرماتے ہیں اس لیے کہ آج ہی دہلی میں ڈاکٹر کو دکھانا ہے، نماز سے فارغ ہوکر دہلی تشریف لے جاتے ہیں اور ڈاکٹروں کو دکھاتے ہیں، ڈاکٹر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں اور کوئی تشویش کی بات نہیں بتاتے، اگلے دن دہلی سے دیوبند کے لیے واپسی ہوتی ہے۔

والدہ محترمہ رمضان المبارک کے دوسرے عشرہ میں عمرہ کی غرض سے حجاز مقدس تشریف لے گئی تھیں وہ عید کے دوسرے روز فون پر ماموں جان سے بات کرتی ہیں، آپ اس وقت دہلی اور دیوبند کے بیچ میں تھے، طبیعت پوچھتی ہیں اور حال احوال دریافت کرتی ہیں، تو اپنی خیریت بتانے سے پہلے بڑے ہی مشفقانہ انداز میں فرماتے ہیں: ''اب تو رمضان ختم ہوگئے، اب وہاں کیا کررہی ہے؟ جلدی آجا'' پھر اپنی طبعیت کے سلسلے میں بڑے اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں، مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں ڈاکٹر روک نہ لیں لیکن انہوں نے مجھے واپس دیوبند آنے کی اجازت دے دی۔

کیا معلوم تھا کہ یہ ماموں جان کی والدۂ محترمہ سے آخری بات چیت ہے، اب اس کے بعد شفقت ومحبت بھری یہ آواز سننے کو بھی نہ ملے گی اس لیے کہ اس کے چند ہی گھنٹہ کے بعد یہ اطلاع ملتی ہے کہ ماموں جان کرسی سے گر کر بے ہوش ہوگئے ہیں۔

دهلی سے واپسی اور حادثہ جانکاہ

دہلی سے چل کر دوپہر کا کھانا چھوٹی خالہ کے یہاں ''خانجہاں پور'' میں کھایا اور کھانے کے بعد دیر تک آرام فرمایا، پھر بعد نماز ظہر وہاں سے روانہ ہوئے پروگرام یہ تھا کہ: ''پورقاضی'' کے قریب باغ میں ہوتے ہوئے دیوبند پہنچیں گے، لیکن درمیان میں اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب بغرض ملاقات وزیارت دیوبند تشریف لائے ہوئے ہیں، اس لیے سیدھے دیوبند آنے کا پروگرام بنالیا، مغرب سے کچھ پہلے گھر پہنچے، اور اندر سے وہ کرسی منگائی جو بیٹری سے چلتی تھی کرسی لائی گئی حسب معمول اس پر بیٹھے اور گھر میں داخل ہونے لگے، جس کے لیے ذرا سی

اونچائی کوعبور کرنا تھا اور عام طور سے دن میں کئی کئی بار اس راستہ سے آتے جاتے تھے، لیکن نہ جانے کیا ہوا اوپر کو چڑھتے ہوئے کرسی پلٹ گئی اور ماموں جان کے سر کے پچھلے حصہ میں شدید ضرب آئی، خون جاری ہوگیا، لوگوں نے اٹھایا اور اندر کمرہ میں لے گئے، پورا خاندان جمع ہوگیا کسی کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اچانک یہ کیا ہوگیا، ماموں جان کے ہوش وحواس ابھی باقی تھے اور اس حالت میں بھی اگر انہیں کسی چیز کی فکر تھی تو وہ نماز اور مہمانوں کی تھی، گھر والوں سے پوچھا کہ مولانا طلحہ صاحب کو چائے ناشتہ وغیرہ کرایا یا نہیں؟ جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ ناشتہ سے فارغ ہوگئے ہیں تو اطمینان ہوا، پھر مسلسل اصرار کرتے رہے کہ مجھے وضو کراؤ نماز پڑھنی ہے، اب اس حالت میں جب کہ مسلسل سر سے خون نکل رہا ہے کس طرح وضو کرایا جاسکتا تھا، تیمّم کی کوشش کرنے لگے چہرے پر ہاتھ پھیرا دونوں ہاتھوں کا مسح کرنے لگے اسی دوران بے ہوشی کا غلبہ ہوا اور دنیا وما فیہا سے اس حال میں بے خبر ہوئے کہ دل ودماغ میں نماز پڑھنے کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی، رات ہی میں دہلی لے جایا گیا اور پھر اسی اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے کمرہ میں داخل کردیا گیا، اہل خانہ اور متعلقین کی بے چینی وبے قراری ماموں جان کی صحت کے تئیں بڑھتی چلی گئی، اعلیٰ سے اعلیٰ علاج ومعالجہ اختیار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی، لیکن اللہ نے اب اپنے اس مقبول بندے کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمالیا تھا، چناں چہ ۳؍مہینہ پانچ دن بے ہوشی کی حالت میں رہنے کے بعد اس شان سے واصل بحق ہوئے کہ زبانِ مبارک اسی کے ذکر سے سرشار تھی، اس تین مہینہ میں کبھی کبھی ہوش کے آثار محسوس بھی ہوتے، آنکھیں بھی کھولتے آواز دینے پر متوجہ بھی ہوتے اور تسبیح ہاتھوں میں دے دی جاتی تو اس کے دانوں کو بھی پلٹتے، زبان کی حرکت سے بھی محسوس ہوتا کہ اللہ کا ذکر کررہے ہیں لیکن وفات سے دس منٹ قبل جس انداز میں زبان سے ذکر اللہ جاری ہوا اور وہاں موجود لوگوں نے سنا وہ اس سے پہلے محسوس نہیں ہوا تھا، اور اسی ذکر میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔**

ماموں جان اگرچہ تین مہینہ سے بے ہوش تھے؛ لیکن پھر بھی ایک ڈھارس تھی اور اللہ کی جانب سے صحت کی امید لگائی جاتی تھی، لیکن وفات کے بعد عیاں طور پر یہ محسوس ہونے لگا کہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے، ہمارا مربی ومصلح اور ہر مشکل موقع پر ہمیں راہ دکھانے والا ہم سے جدا ہوگیا۔

ماموں جان کی وفات کی خبر یوں تو سب پر بجلی بن کر گری لیکن نانی جان مدظلہا کے دل سے پوچھا جائے کہ انہوں نے اس عمر میں کس طرح بیٹے کی جدائی کے غم کو سہا اور برداشت کیا۔

جنازہ کی آمد

ماموں جان کا وصال ۷/محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶/فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر شام تقریباً پونے چھ بجے ہوا، ۸/بجے کے قریب آپ کا جنازہ بذریعہ ایمبولینس جمعیۃ علماء ہند کے آئی ٹی او میں واقع مرکزی دفتر لایا گیا، یہ وہی دفتر ہے جس کی شان کو دوبالا کرنے والی آپ ہی کی ذات تھی، اسی دفتر میں بیٹھ کر آپ نے ملک وملت کے لیے وہ عظیم فیصلے لیے ہیں کہ جن کو ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی، آج یہ دفتر آپ کی وفات پر ماتم کناں ہے۔

آپ کا جنازہ اس مدنی ہال کے اسٹیج پر رکھ دیا جاتا ہے جہاں بیٹھ کر آپ نے نہ جانے کتنے اجتماعات کی صدارت کی ہوگی، کچھ ہی دیر بعد ملک کے وزیر اعظم جناب منموہن سنگھ کانگریس پارٹی کی صدر محترمہ سونیا گاندھی دسیوں وزراء اور معزز سیاسی وسماجی شخصیات اپنے محبوب کا آخری دیدار اور خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر پہنچ جاتے ہیں، سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لیتا، دیوبند جانے میں تاخیر ہورہی تھی اس لیے جنازہ کو دوبارہ ایمبولینس میں رکھ دیا گیا اور چلنے کی تیاری ہوگئی۔ ایسا محسوس ہورہا تھا کہ جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کے درودیوار اپنے محسن کی جدائی پر چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہیں:

کون اس باغ سے اے باد صبا جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے

تقریباً ساڑھے دس بجے شب میں ایمبولینس کے ساتھ گاڑیوں کا ایک قافلہ دیوبند کے لیے روانہ ہوجاتا ہے اور پونے تین بجے کے قریب جب جنازہ دیوبند پہنچتا ہے تو ہزاروں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے شیخ کے آخری استقبال کے لیے جی ٹی روڈ پر موجود ہوتا ہے، لوگوں کی نظر جب ایمبولینس پر پڑتی ہے تو وارفتگی اور عقیدت کے جذبات اپنی تمام حدود کو پار کرجاتے ہیں اور لوگ دیوانہ وار ایمبولینس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں، فرطِ عقیدت میں مغلوب ایسے لوگ بھی دکھائی دیے جو ایمبولینس کے پیچھے دوڑتے جاتے تھے اور اپنا ہاتھ ایمبولینس سے مس کرکے اسے چوم رہے تھے۔

غسل اور تجہیز وتکفین

جنازہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کے مکان پر لایا گیا جہاں نانی جان مدظلہا اور گھر کی تمام مستورات جمع تھیں، وہی کمرہ جس میں آپ کے والد محترم علیہ الرحمہ آرام فرمارہتے تھے وہیں آپ کو غسل دیا گیا، زمزم میں بھیگے ہوئے احرام کی قمیص بنا کر پہنائی گئی اور اس میں ان

تبرکات کو - جس میں غلاف کعبہ کا ٹکڑا تھا - آپ کی خواہش کے مطابق قلب کی جانب پیوست کر کے کفنا دیا گیا، غیر محرم مرد باہر چلے گئے، ضعیف و کمزور غم سے نڈھال والدہ محترمہ نے بیٹے کی پیشانی کا بوسہ لیا اور قریب ہی بیٹھ گئیں، بہنوں، بیٹیوں، اور گھر کی تمام مستورات نے روتے بلکتے اپنے محسن و مشفق کا آخری دیدار کیا، یہ بھی بڑا عجیب منظر تھا پہلے بھی آپ اسی کمرے میں کرسی پر یا والدہ محترمہ کے پائینتی آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے، اور گھر کے تمام افراد آپ کو گھیر لیا کرتے تھے، آج بھی آپ اسی کمرے میں آرام فرما ہیں لیکن ظاہری طور پر آنے جانے والوں سے بیزار اور لاعلم۔

بہر حال کچھ دیر کے بعد تقریباً صبح پانچ بجے جنازہ باہر لایا گیا، پروگرام یہ تھا کہ دار الحدیث تحتانی میں جنازہ کو آخری دیدار کے لیے رکھ دیا جائے گا؛ لیکن گھر سے نکلنے کے بعد اندازہ ہوا کہ مجمع کنٹرول سے باہر ہوتا جا رہا ہے، بہ مشکل تمام ۴۰ر منٹ میں جنازہ گھر سے دار الحدیث پہنچا، زیارت کے لیے چہرہ سے چادر ہٹائی گئی تو لوگ دیدار کے لیے اس طرح ٹوٹے کہ اس سلسلہ کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔

لوگوں کی وارفتگی

نماز فجر کے کچھ دیر بعد جنازہ دار الحدیث سے باہر لایا گیا اور باب الظاہر کے سامنے رکھ دیا گیا، مجمع اتنا زیادہ تھا کہ نہ صرف دار العلوم کا چپہ چپہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، بلکہ مسجد رشید کے اطراف و جوانب کا حصہ اور اس کے باہری حصہ میں بھی صفیں لگی ہوئی تھیں، ٹھیک اشراق کے وقت یعنی تقریباً ساڑھے سات بجے جگر گوشۂ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم نے بھرائی ہوئی آواز میں نماز جنازہ پڑھائی، نمازِ جنازہ کے وقت بے تحاشا مجمع کے باوجود سکون و اطمینان غیر معمولی تھا، اب جنازہ کو قبرستان تک لے جانا بڑا اہم مرحلہ تھا، فضاء میں شدید کہرا چھایا ہوا تھا، لیکن آنے والوں کا سلسلہ جو رات سے شروع ہوا تھا تسلسل کے ساتھ جاری تھا اور مجمع اندازے سے باہر ہو گیا تھا، اور ہر فرد کی یہ خواہش تھی کہ جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرے؛ لیکن یہ ناممکن تھا، احاطۂ دار العلوم سے لے کر قبرستان قاسمی تک کوئی دیوار، مکان یا اونچی عمارت حتی کہ درخت ایسا نہیں تھا جس پر لوگوں کا جم غفیر موجود نہ ہو جس کو جہاں جگہ ملی کھڑا ہو گیا، اور حسرت بھری نگاہوں سے جنازہ کی آمد کا منظر دیکھنے لگا۔ اِدھر جنازہ کو دیکھئے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پانی میں تیر رہا ہے، جو جنازہ کے قریب تک نہیں پہنچ پاتا تھا وہ دور ہی سے اس پر اپنی چادر یا رومال پھینک کر کچھ تسکین حاصل کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی ماموں جان کو حیرت انگیز عظمت و مقبولیت سے نوازا تھا، وہ لوگ جو آپ کی ایک آواز اور اپیل پر

نامناسب حالات اور سخت موسم کی پرواہ کیے بغیر دسیوں لاکھ کی تعداد میں جمع ہو جاتے تھے، آج وہ بغیر کسی اپیل کے اپنے مشفق شیخ ومربی اور محبوب قائد کو آخری سلام اور الوداع کہنے کے لیے نمناک آنکھوں کے ساتھ اطراف وجوانب اور ملک کے کونے کونے سے آئے تھے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ بروقت نماز جنازہ ہوگئی ورنہ اگر تھوڑی بھی تاخیر کردی جاتی —— جیسا کہ آنے والے لوگوں کا برابر اصرار تھا—— تو مجمع بے قابو اور کنٹرول سے باہر ہو جاتا، دارالعلوم سے قبرستان قاسمی تک کی مسافت جو مشکل سے پانچ منٹ میں طے ہو جاتی تھی، آج وہ قبرستان آنے کا نام نہیں لے رہا تھا، اور جب جنازہ قبر کے قریب رکھا گیا ہے تو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا۔

تدفین

اب آپ کو آخری آرام گاہ میں اتارنے کی تیاری کی جانے لگی، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی نے فرمایا کہ: ''حفاظ قرآن ہی آپ کو قبر میں اتاریں''، چناں چہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی، حضرت مولانا محمود صاحب مدنی، مولانا محمد مدنی صاحب، مولانا ازہد مدنی صاحب، مفتی محمد سلمان صاحب اور احقر نے مل کر آپ کو چارپائی سے اٹھایا، پھر مفتی سلمان صاحب قبر میں سرہانے کی جانب اتر گئے اور احقر کو پائتی اترنے کی سعادت حاصل ہوئی، دیگر حضرات نے قبر کے بالائی حصہ سے نیچے اتارنے میں تعاون کیا، ہم لوگوں نے کفن کے سرہانے اور پائتی کی گرہوں کو ڈھیلا کیا، دائیں جانب ذراسی کروٹ دلائی، آخری دیدار کیا اور اپنے ماموں جان کو اللہ کے حوالے کر کے قبر کے بالائی حصہ میں چلے آئے، تختے برابر کر دیے گئے اور مٹی ڈالنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو شام تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا، بلکہ اگلے دن بھی لوگ قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے دیکھے گئے۔

اب ہمارے ماموں جان حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ اور نانا جان حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کے بالکل جوار میں آسودۂ خواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، ان کی خدمات جلیلہ کو قبولیت سے نوازے اور پوری ملت کی جانب سے ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہم لوگوں کو ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

○○

جمعیۃ علماء ہند
حضرت فدائے ملتؒ کے
دورِ نظامت وصدارت میں

جمع و ترتیب: محمد سلمان منصور پوری
تعاون: مولوی عمیر عالم قاسمی، محمد عفان منصور پوری

حضرت فدائے ملتؒ اور جمعیۃ علماء ہند
ایک تاریخی جائزہ

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ ۱۹۵۶ء میں جمعیۃ علماء دیوبند کے نائب صدر منتخب کیے گئے، اس وقت حضرت شیخ الاسلامؒ باحیات تھے۔

۱۹۵۷ء میں حضرتؒ کی وفات کے بعد آپ نے مزید سرگرمی سے جمعیۃ کے کاموں میں حصہ لینا شروع کیا، اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ ۲۳-۲۴ر جون ۱۹۶۰ء کو مرادآباد میں جمعیۃ علماء صوبہ اترپردیش کا انتخابی اجلاس جب منعقد ہوا، تو اراکین کی اکثریت نے حضرت فدائے ملتؒ کا صوبائی صدر کی حیثیت سے انتخاب کیا۔

جس وقت آپ نے صوبائی جمعیۃ کی ذمہ داری سنبھالی تو جماعت انتہائی مضمحل تھی، حد یہ ہے کہ صوبائی دفتر پر اٹھائیس سو روپئے قرض تھے اور جس مکان میں دفتر قائم تھا چودہ مہینوں سے اس کا کرایہ بھی ادا نہ ہوسکا تھا، نیز صوبہ کے بہت سے اضلاع میں تنظیم کمزور تھی، حضرت مولانا نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے پہلی فرصت میں تمام قرضوں کو ادا کیا اور ہنگامی طور پر پورے صوبہ کا دورہ کرکے تنظیم کو دوبارہ متحرک کردیا، دفتر میں نئے آرگنائزر رکھے گئے، اور خاص طور پر دینی تعلیمی تحریک کو سرگرم کیا گیا، اور صوبہ میں چلنے والے مکاتب و مدارس کو مربوط بنانے کے لئے جمعیۃ کے ماتحت ایک سب کمیٹی بنائی اور مکاتب کے لئے نئے نصاب کی تیاری کے لئے جدوجہد کی۔

اسی طرح آپ نے تعمیری اور اقتصادی پروگرام پیش کرتے ہوئے ۱۹۶۱ء میں دیوبند میں ''مسلم فنڈ'' قائم کیا۔ اور ایک اہم کام یہ ہوا کہ بابری مسجد کے مقدمہ میں ضروری کاغذات مہیا کرکے جمعیۃ علماء ہند باقاعدہ مقدمہ میں فریق بن گئی، اور مولانا نصیر احمد صاحب فیض آبادی کو اس معاملہ میں مدعی بنایا گیا اور آج تک جمعیۃ علماء اسی بنیاد پر اس مقدمہ میں فریق ہے۔

فدائے ملتؒ کا دورِ نظامتِ عمومی

جمعیۃ علماء اترپردیش کی صدارت ہی کے دور میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ قائم مقام ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے (حضرت مجاہد ملتؒ کی وفات کے بعد) حضرت فدائے ملتؒ کو ۲۲؍ستمبر ۱۹۶۲ء کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم اور دینی تعلیمی شعبہ کا سربراہ نامزد کیا، اور اس کے تقریباً ایک سال کے بعد ۹؍اگست ۱۹۶۳ء کو میرٹھ کے اجلاس عام کے موقع پر آپ کو صدر جمعیۃ فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے جمعیۃ علماء ہند کا ناظم عمومی نامزد کیا۔ آپ کے دور نظامت عمومی کی سن وار سرگرمیاں اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں :

۱۹۶۳ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ورکنگ صدر: حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ (از جون ۱۹۶۳ء)

چند اہم واقعات : ○ ۲۱؍فروری ۱۹۶۳ء کو مسجد عبد النبی جمعیۃ علماء ہند کے حوالہ کی گئی۔ ○ ۷؍مارچ ۱۹۶۳ء کو جمعیۃ علماء ہند نے مرکزی حکومت کے ''اسسٹنٹ انفورسمنٹ آفیسر'' کے ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے دفتر محاسبی اور دفتر اہتمام کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی دکان اور مکان کی تلاشی لینے پر سخت احتجاج اور غصہ کا اظہار کیا، اور کہا کہ سی آئی ڈی کا محکمہ فرقہ وارانہ عناصر سے متأثر ہے، اور دارالعلوم دیوبند کی عظمت اور اس کی نیک شہرت اور ملک و بیرونِ ملک میں اس کی ساکھ اور وقار کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند نے اپیل کی کہ وہ اس واقعہ کی تفتیش کر کے اقدام کرے کہ دوبارہ ایسے دل خراش واقعات کا اعادہ نہ ہو۔ (اجلاس ۲۱/۲۲؍مارچ ۱۹۶۳ء) ○ ۷؍تا ۱۰؍جون کو جمعیۃ علماء ہند کا تاریخ ساز ہنگامہ خیز ''اکیسواں اجلاس عام'' فیض عام انٹر کالج میرٹھ میں منعقد ہوا، اجلاس سے قبل صدارت جمعیۃ سے متعلق اختلافات شباب پر تھے، ایک طبقہ کی طرف سے اجلاس کو ناکام کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی، مگر اجلاس توقع سے زیادہ کامیاب رہا اور جماعت انتشار سے بچ گئی، اس اجلاس کی کامیابی کا سہرہ اس وقت کے جمعیۃ علماء اترپردیش کے صدر حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے سر باندھا گیا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے اکیسویں اجلاس عام کے موقع پر اعلان کیا کہ جو قانون مسلمانوں کے لئے پرسنل لاء کی حیثیت رکھتا ہے اس کی حفاظت حکومت کا اہم ترین فرض ہے، مسلمان قطعاً

برداشت نہیں کرسکتے کہ حکومت اس میں کسی قسم کی مداخلت کرے، اسلام کا قانون ایک مکمل اور پائیدار قانون ہے، جس میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے مرکزی حکومت اور ''انڈسٹری اینڈ پلاننگ منسٹری'' سے مطالبہ کیا کہ وہ صنعتی علاقے اور پبلک سیکٹر بناتے وقت مسجدوں اور قبرستانوں کو مسلمانوں کے حق میں واگذار رکھیں۔ (اجلاس عاملہ ۱۰/۱۱/اگست ۱۹۶۳ء) ○ جمعیۃ علماء ہند کی مسلسل کوششوں سے حکومت نے آسام میں آسامی مسلمانوں کے انڈین ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے دو ججوں کا تقرر کیا، اور فیصلہ کیا کہ کسی بھی فرد کو نکالنے سے پہلے جج صاحبان کو مطمئن کرنا ضروری ہوگا۔ (کارروائی ۹/نومبر ۱۹۶۳ء)

۱۹۶۴ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ورکنگ صدر: حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات: ○ اس سال بنگال وکلکتہ میں منصوبہ بند طور پر مسلم علاقوں پر حملے، لوٹ مار اور قتل وخوں ریزی کا دور شروع ہوا، تو جمعیۃ نے وزیر اعظم ہند اور ہوم منسٹر مسٹر گلزاری لال نندہ کو توجہ دلائی اور دہلی میں مظلومین بنگال وکلکتہ کی امداد کے لئے کلکتہ ریلیف کمیٹی جمعیۃ علماء ہند نے قائم کی، شہر کے مقابلہ میں دیہات کے حالات زیادہ خراب تھے، اس لئے جمعیۃ نے سیکڑوں میل میں پھیلے ہوئے ڈھائی سو سے زیادہ دیہات کے لئے امدادی سینٹر کھولے۔ ○ تمام علاقوں میں ضرورت مند لوگوں کی فہرستیں بنائیں کہ کس کو کتنی امداد کی ضرورت ہے، روزگار اور مکان دونوں ضرورتیں پوری کی گئیں، قید میں بند مظلوم اور بے قصور مسلمانوں کی رہائی کے لئے شہر کے نمایاں اور مشہور وکلاء کی امدادی قانونی کمیٹی بنائی جس کے تحت ہزاروں مقدمات کی پیروی ہوئی۔
○ اس سال جمعیۃ علماء نے اپنے موقف کو پھر دہرایا کہ کشمیری عوام کے فیصلہ کے مطابق کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے۔ ○ جمعیۃ علماء نے حکومت کے اُس اعلان پر سخت احتجاج کرتے ہوئے اسے آئین ہند اور اخلاق وانصاف کی سراسر پامالی قرار دیا جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کے ہندوستانی شہری ہونے کی بنیاد ۱۹۵۱ء کی مردم شماری پر رکھی جائے گی، کیوں کہ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری پہلی مردم شماری تھی، جو نہایت ناقص ہوئی تھی، خاص کر بنگال، آسام، تری پورہ اور دوسرے علاقوں میں فسادات ہونے کے باعث مسلم آبادی بڑی تعداد میں تتر بتر ہوگئی تھی اور ''نہرو لیاقت پیکٹ'' کی بنیاد پر جو مسلمان آسام وغیرہ میں آسکے وہ بھی ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں موجود نہ تھے، اس لئے جمعیۃ

علماء ہند پرزور درخواست کرتی ہے کہ اس سلسلہ میں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کو بنیاد بنایا جائے۔ (کاروائی ۲۷ تا ۲۹ رجون ۱۹۶۴ء دہلی) ○ ۲۹ ، ۳۰ رنومبر ۱۹۶۴ء کو جمعیۃ علماء ہند نے فرقہ پرستی کے خلاف جہاد کرتے ہوئے ڈاکٹر وی پی رام کرشنا کی صدارت میں ''قومی جمہوری کنونشن'' منعقد کیا جس میں ہندوستان کے سیکولر آئین اور ملک کے جمہوری قدروں کے تحفظ کا اعلان کیا گیا اس کنونشن کا فوری اثر یہ ہوا کہ فسادات کا سلسلہ آگے بڑھنے سے رک گیا۔

۱۹۶۵ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ورکنگ صدر: حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات: ○ جمعیۃ علماء ہند نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ''اردو زبان کو چوں کہ ملک کی مسلمہ ۱۴ رقومی زبانوں میں پانچواں درجہ حاصل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس لسانی مسئلہ کو حل کیا جائے۔ اس زبان نے اپنے نعروں، نظموں، تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ وطن کی آزادی کی جدوجہد میں جو رول ادا کیا ہے کوئی دوسری زبان اس کی مثال نہیں پیش کرسکتی، اور لسانی اعداد وشمار نے بھی ثابت کردیا ہے کہ یہ زبان ہندوستان کی زبان ہے اور خاص اہمیت کی حامل ہے، اس لئے اردو زبان کو اس کا جائز قانونی حق دیتے ہوئے شمالی ہند کی ریاستوں میں اسے دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا ہے''۔ (مجلس عاملہ ۱۰ ۱۱ اپریل ۱۹۶۵ء دہلی) ○ جمعیۃ علماء ہند نے حکومت کے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو قومی دھارے میں شامل کرنے والے آرڈی نینس کی مخالفت کی، اور اس آرڈی نینس کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ داخل کرنے کا اعلان کیا، اس آرڈی نینس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے عملی پروگرام کیا، آرڈی نینس کے خلاف رٹ داخل کرنے کے بعد قاضی عدیل عباسی کی درخواست پر یونیورسٹی آرڈی نینس کے خلاف عملی اقدامات کا کام اولڈ بوائز کو سونپ دیا گیا۔ (مجلس عاملہ ۱۷،۱۸۱۷ رجولائی ۱۹۶۵ء دہلی) ○ ۲۳ ر اپریل ۱۹۶۵ء کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ اکابر تبلیغی جماعت کی معیت میں جمعیۃ علماء ہند کے نئے مرکزی دفتر مسجد عبد النبی میں تشریف لائے اور دعاء فرمائی۔ ○ ۱۳ رجون ۱۹۶۵ء کو مسجد عبد النبی میں پہلی مرتبہ جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔

۱۹۶۶ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات : ○ جمعیۃ علماء ہند کا بائیسواں اجلاس عام ۱۵؍تا ۱۷؍اپریل ۱۹۶۶ء گیا (بہار) میں منعقد ہوا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے ترکی میں زلزلے کی تباہ کاریوں اور بے پناہ جانی ومالی نقصان پر اپنے گہرے دلی رنج وغم کا اظہار کیا، اس زلزلہ میں ہزاروں آدمی جاں بحق، ہزاروں بے سہارا اور کئی انسانی بستیاں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، تجویز میں کہا گیا کہ جمعیۃ علماء ترک قوم کی اس مصیبت میں برابر کی شریک ہے، اوران ہزاروں ہلاک ہونے والوں کے حق میں دعاء ومغفرت کرتی ہے۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے تعلیمات اسلام، سیرتِ رسولؐ اور قرآنِ مجید کے ترجمہ ومضامین کو ہندی زبان میں شائع کرنے کا اعلان کیا اور اس سلسلہ میں مناسب انتظام کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ (مجلس عاملہ ۲۷-۲۸؍اگست ۱۹۶۶ء دہلی) ○ حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے حکومت کو جمعیۃ کے موقف سے مطلع کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا کہ مسلمان مصائب اور دقتیں برداشت کرسکتے ہیں، لیکن اپنے مذہبی امور میں مداخلت برداشت نہیں کرسکتے، مذہب کے معاملہ میں ان کے لئے نہ تو پاکستان کی غیر شرعی وغیر جمہوری حکومت کے اعمال حجت ہیں اور نہ انڈونیشیا، مصر اور مراکش کے لوگوں کے وہ پابند ہیں۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے صاف اعلان کیا کہ پارلیمنٹ اور ریاستی قانون ساز اسمبلیاں دینی معاملات میں بالکل مداخلت نہ کریں اگر قانون یا کسی ذرائع سے مسلم پرسنل لاء میں کوئی رد وبدل کیا گیا، تو جمعیۃ علماء اور مسلمانانِ ہند کے لئے ناقابل قبول ہوگا، اوراس پر جو صورتِ حال پیدا ہوگی اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ ○ ۲۴؍دسمبر ۱۹۶۶ء کو جمعیۃ علماء نے یکساں سول کوڈ مخالف تحریک کو ہمہ گیر بنانے کے لئے یوم پرسنل لاء منانے کا فیصلہ کیا اور پورے ملک میں اس دن بڑے بڑے اجتماع کرنے کا اعلان کرتے ہوئے ان اجتماعوں میں ہوئے فیصلوں کو صدر جمہوریہ کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ○ چین میں سرخ محافظوں کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ کارروائی کے خلاف جمعیۃ علماء ہند نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کی بے چینی واضطراب کو اپنے سفارت خانہ کے ذریعہ چین کی حکومت کو پہنچائیں کہ وہ ان انسانیت سوز مظالم کو بند کرے نیز جمعیۃ علماء نے اسلامی ممالک سے اپیل کی کہ وہ اجتماعی وانفرادی طور سے حکومتِ چین سے پرزور احتجاج کریں۔ (مجلس عاملہ ۲۶؍۲۷؍نومبر ۱۹۶۶ء)

۱۹۶۷ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات : ○ اس سال جمعیۃ علماء نے اسرائیلی جارحیت کے نتیجہ میں عرب شہداء کے پسماندگان اور تباہ حال عرب مظلومین سے اظہار ہمدردی، عرب موقف کی تائید، اسرائیلی جارحیت اور اس کی پشت پناہ طاقتوں امریکہ و برطانیہ کی مذمت، مقبوضہ عرب علاقوں اور مقاماتِ مقدسہ سے اسرائیل کے انخلاء کا مطالبہ دنیا کی انصاف پسند قوموں سے اسرائیل کی فوجی چھاؤنی کو ختم کرنے کی اپیل کی، اور مقبوضہ عرب علاقوں خصوصاً بیت المقدس اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کی غریب آبادی کے جبری وظالمانہ انخلاء پر اظہار تشویش کیا گیا، بیت المقدس کو بین الاقوامی شہر بنانے کی تجویز کی مخالفت کی گئی، اقوام متحدہ کے سامراجی طاقتوں کا آلۂ کار بننے پر اظہار بیزاری کیا گیا۔ (مجلس عاملہ ۲۲/۲۳ ستمبر ۱۹۶۷ء دہلی) ○ جمعیۃ علماء ہند نے حکومت ہند اور وزیر اعظم سے پرزور مطالبہ کیا کہ سیکورٹی محکموں، فوج اور دوسری ملازمتوں میں مسلمانوں کو ملازم نہ رکھنے کا جو نوٹس موجود ہے اس کو کالعدم قرار دیا جائے اور ملازمتوں میں مسلمانوں کو موقع دیا جائے۔ ○ اس سال جمعیۃ علماء ہند نے بنارس اور نظام آباد حیدرآباد میں فرقہ وارانہ فسادات کو انتظامیہ کی لاپرواہی اور جانب داری کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے صحیح کارروائی کا مطالبہ کیا۔ (مجلس عاملہ ۱۳/۱۴ مئی ۱۹۶۷ء) ○ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کی مذمت کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند نے کہا کہ: ''مسلم یونیورسٹی کا قالب رول'' اینگلو محمڈن کالج'' مسلمانوں کے مخصوص دینی ودنیوی تعلیمی مقاصد کی تکمیل کے لئے قائم کیا گیا تھا، مسلمانوں نے ہر دور میں اس کے لئے قربانیاں دیں اور لاکھوں روپیوں کی رقم اسلامی ممالک سے اس کے لئے وصول ہوتی رہیں''۔ (اجلاس عاملہ ۹/۱۰ نومبر ۱۹۶۷ء)

۱۹۶۸ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات : ○ جمعیۃ علماء ہند نے ملک کے مختلف علاقوں خصوصاً دیہات میں مسلمانوں کے لئے قبرستان نہ ہونے یا قدیم قبرستان کو استعمال سے روکنے جیسے واقعات کو مدنظر رکھ کر مطالبہ کیا کہ حکومت ہند صوبائی حکومتوں کو ہدایت کرے کہ مسلمانوں کی اس اہم ضرورت کی

طرف توجہ کرے اور اپنے افسران ضلع کو ہدایت دے کر جہاں مسلم آبادی ہے وہاں قبرستان بنانے کی لازمی طور پر اجازت دیں اور قدیم قبرستانوں کو قانون کے دائرے میں لاکر ان کی حفاظت کی جائے۔ (اجلاس عاملہ ۲۶ / ۲۷ / فروری ۱۹۶۸ء) ○ ۲۵ / اگست ۱۹۶۸ء کو جمعیۃ علماء نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ دوسرے مجاہدین آزادی کی طرح جمعیۃ علماء ہند کے رہنما حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی خدماتِ جلیلہ کے اعتراف میں کوئی مناسب یادگار قائم کرے اور محکمہ ڈاک وتار، ان کے نام سے یادگاری ٹکٹ جاری کرے۔ ○ اس سال جمعیۃ نے اوقاف کے موجودہ قانون پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس قانون میں ایسی ترمیم کردی جائے جس سے موقوفہ جائیدادیں مستقل طور پر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجائیں اور اس پر کسی شکل میں قبضہ مخالفانہ کا قانون نافذ نہ ہوسکے، نیز اوقاف کمیٹیوں کی تشکیل انتخاب کے ذریعہ کی جائے اور اس میں مسلم جماعتوں کو نمائندگیاں دی جائیں۔ ○ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ پہلی مرتبہ پارلیمنٹ (راجیہ سبھا) کے ممبر منتخب ہوئے۔

۱۹۶۹ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات: ○ ۷ / ۸ / فروری کو جمعیۃ علماء نے ''پبلک ٹرسٹ بل'' مسودہ کی زبردست مخالفت کرتے ہوئے اسے مسلم اوقاف اور مذہب میں مداخلت قرار دیا، اور کہا کہ یہ کمیشن صرف ہندو عبادت گاہوں کے سروے کے لئے بنا تھا، مسلم اوقاف اس کے دائرۂ کار میں داخل نہیں تھے، مسلم اوقاف کے لئے پہلے سے ہی وقف ایکٹ موجود ہے۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات پر قابو پانے کے لئے ''نیشنل انیٹی گریشن کونسل'' کی سفارشات پر عمل درآمد نہ ہونے پر اپنی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ ''انیٹی گریشن کونسل'' کی سفارشات پر عمل کرانے کے لئے جلد از جلد ایسی فعال مشینری قائم کرے جو کونسل کے مقاصد کو حاصل کرنے میں مدد دے۔ ○ ۱۹ / دسمبر ۱۹۶۸ء کو بیروت لبنان کے انٹرنیشنل ہوائی اڈے پر اسرائیل کی جارحانہ بمباری کی شدید مذمت کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند نے اسے مشرق وسطیٰ میں ایک اور جنگ کا پیش خیمہ قرار دیا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے دنیا کی تمام انصاف پسند قوتوں سے اپیل کی کہ وہ نومبر کی سلامتی کونسل کی متفقہ قرارداد کے مطابق بیت المقدس اور تمام مقبوضہ عرب علاقوں کو اسرائیل سے خالی کرانے اور اسرائیل کو پانچ جون ۱۹۶۷ء سے پہلے کی پوزیشن پر واپس جانے کے

لئے اپنے ذرائع کا استعمال کرے۔ ○ جمعیۃ علماء نے عرب موقف کی مکمل تائید کرتے ہوئے مجاہدین کو اپنی ہمدردی کا یقین دلایا، اس سال اسرائیل کی طرف سے بیت المقدس کی آتش زدگی پر جمعیۃ علماء ہند نے بیزاری وتشویش کا اظہار کرنے کے لئے احتجاجی اجلاس کرنے اور اپنے مطالبات کو ٹیلی گرام کے ذریعہ اقوام متحدہ یونسکو وزارتِ خارجہ، حکومت ہند اور سفراء عرب کو بھیجنے کا اعلان کیا۔ ○ جمعیۃ علماء نے انفرادی طور پر ہر رکن کو غیر فرقہ وارانہ سیاسی جماعت میں حصہ لینے کا اختیار دیا۔ ○ جمعیۃ علماء نے اسکولوں، کالجوں، پارکوں، سرکاری ونیم سرکاری اداروں اور پبلک مقامات پر آر ایس ایس کی سرگرمیوں پر اظہار تشویش کرتے ہوئے ریاستی وصوبائی حکومتوں کو اس کے خلاف ایکشن لینے کا مطالبہ کیا۔ ○ پاکستان کی طرف سے اخبارات ورسائل اور علمی ودینی مطبوعات پر ہندوستان میں آمدورفت پر پابندی لگانے پر جمعیۃ علماء ہند نے اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے یہ پابندی ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ (مجلس عاملہ ۲۲/۲۳/ اگست ۱۹۶۹ء دہلی) ○ ستمبر ۱۹۶۹ء میں احمد آباد کے بھیانک فساد میں جمعیۃ علماء نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔

۱۹۷۰ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات: ○ ۱۱/۱۲/ جولائی ۱۹۷۰ء کو جمعیۃ علماء ہند نے حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ جلد از جلد ''آر ایس ایس'' پر پابندی لگانے اور قومی یک جہتی کونسل کے اجلاس منعقدہ سری نگر کی تجاویز کو بروئے کار لانے میں تاخیر نہ کرے اور اسکولوں اور کالجوں کی درسی کتابوں کے ذریعہ پیدا ہونے والی فرقہ وارانہ منافرت کی اصلاح کے لئے فوراً اقدام کرے۔ ○ ۲۱/ اگست ۱۹۷۰ء کو جمعیۃ علماء ہند نے عرب علاقوں پر اسرائیلی جارحیت کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ''یوم احتجاج'' منانے کا اعلان کیا (واضح رہے کہ ۲۱/ اگست ہی وہ دن ہے جب صہیونی جارحیت پسندوں نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگائی تھی اور اس کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کا اعلان کیا تھا) ○ جمعیۃ علماء ہند نے ۲۵/۲۶/ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو منعقدہ اپنے اجلاس عاملہ میں متحدہ عرب جمہوریہ کے صدر ''جمال عبد الناصر'' کے اچانک سانحۂ ارتحال پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے پوری دنیائے عرب اور عالم انسانیت کے لئے دل خراش المیہ اور ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ ○ اس سال سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کی نگرانی میں جمعیۃ علماء کے اہم شعبہ ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کا قیام عمل میں آیا۔

۱۹۷۱ء

صدر: شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات: ○ جمعیۃ علماء ہند نے برطانیہ میں چھپی کتاب ''محبت کا ترک آرٹ'' کے خلاف گہرے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے کتاب کو فوراً ضبط کرنے اور اس کے مصنف وناشر کو قرار واقعی سزا دینے کا حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا، اس کتاب میں پیغمبر اسلام کی توہین کی گئی تھی۔ (کارروائی ۹/۸ رفروری ۱۹۷۱ء) ○ مشرقی بنگال (موجودہ بنگلہ دیش) میں ہونے والے ہولناک مظالم پر اظہار افسوس کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند نے پاکستان سے اپیل کی کہ وہ اس خونریزی کو بند کرائے۔ ○ مارچ ۱۹۷۱ء کو ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' کی قاہرہ میں منعقدہ کانفرنس میں حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند نے ہندوستانی نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی، جمعیۃ علماء ہند نے قاہرہ کانفرنس کی تمام تجاویز کی تائید کرتے ہوئے عرب موقف کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے رویت ہلال کے مسئلہ پر پورے ہندوستان سے منتخب علماء کرام کا ایک اجتماع شعبان ۱۳۹۱ھ کے آخری عشرہ میں منعقد ہونے کا اعلان کیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ ایسی مرکزی کمیٹی بنائی جائے جو پورے ہندوستان کی نمائندگی کرے اور اس کا فیصلہ پورے ہندوستان میں نافذ العمل ہو۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ رینٹ کنٹرول ایجنٹ سے بیسک اداروں، سوشل انجمنوں، شفا خانوں، تعلیم گاہوں، مسافر خانوں اور یتیم خانوں وغیرہ کو مستثنیٰ کردے، یا ایسی جائیدادوں کے کرایہ میں معتد بہ اضافہ کا اختیار دے۔ ○ اس سال دہلی ایڈمنسٹریشن کے چھٹی کلاس سے سنسکرت کو لازمی مضمون اور عربی وفارسی کو اختیاری مضامین سے خارج کردینے پر احتجاج کرتے ہوئے جمعیۃ نے اس فیصلہ کو واپس لینے کا مطالبہ کیا۔ ○ جمعیۃ نے امریکہ کے فلمی شہر ہالی وڈ میں حضور اکرمؐ کی زندگی پر مبنی فلم بنانے کے منصوبہ پر احتجاج اور اظہار بیزاری ونفرت کرتے ہوئے حکومت امریکہ سے ہالی وڈ کے اس فلم ساز ادارے کو اس فعل سے باز رکھنے کا مطالبہ کیا اور تمام مسلم ممالک کو اس بھیانک جرم کی طرف متوجہ کرنے کا اعلان کیا۔ (مجلس عاملہ ۱۹/۱۸ ردسمبر ۱۹۷۱ء)

۱۹۷۲ء

صدر: حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آرویؒ (عبوری مدت کے لئے)

ناظم عمومی: حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

چند اہم واقعات: ○ جمعیۃ علماء ہند نے گول والکر کی کتابوں کی قابل اعتراض عبارتوں کو

مرتب کرکے وزیر اعظم ہند کے پاس بھیجنے کا اعلان کیا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد عثمان فارقلیط کی خدمات حاصل کی گئیں۔(مجلس عاملہ ۱۵/۱۶ / جنوری ۱۹۷۲ء) ○ ۶ / اپریل ۱۹۷۲ء کو ایک بار پھر جماعت سخت صدمہ سے دوچار ہوگئی، اس دن جماعت کے قائد اور صدر محترم فخر المحدثین شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما گئے۔ آپ کے بعد حسبِ دستور جمعیۃ کے نائب صدر حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آرویؒ مابقیہ عبوری مدت کے لئے صدر مقرر ہوئے۔ ○ جمعیۃ علماء نے ۱۹/۲۰ / اگست ۱۹۷۲ء کو اپنی مجلس میں معاہدہ شملہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس کی مکمل تائید کی اور اس معاہدہ کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت کی۔ ○ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ کے خلاف احتجاج کیا اور اس پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا، اس سلسلہ میں جمعیۃ نے ایک لائحۂ عمل تیار کیا۔ ○ جمعیۃ نے حکومت کو متنبہ کیا کہ متبنیٰ بل جو سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کیا جاچکا ہے اس بل کے دائرۂ عمل میں مسلمانوں کو شامل نہ کیا جائے ورنہ حالات کی ذمہ دار حکومت ہوگی۔(۱۹/۲۰/اگست ۱۹۷۲ء) ○ بمبئی میں ''مسلم پرسنل لاء کنونشن'' منعقد ہوا۔(۲۲/۲۳ / دسمبر ۱۹۷۲ء)

فدائے ملتؒ کا دورِ صدارت

۱۹۷۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے نئے صدارتی انتخاب کے موقع پر پورے ملک سے چار حضرات کے ناموں کی سفارش کی گئی، اکثریت کا رجحان چوں کہ حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھا، اس لئے بقیہ حضرات (حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہاں پوریؒ اور حضرت مولانا عبدالوہاب آرویؒ) نے اپنے نام واپس لے لئے اور کثرتِ رائے کی بنیاد پر حضرت فدائے ملتؒ جمعیۃ علماء ہند کے صدر قرار پائے۔ آپ کے دورِ صدارت کی سن وار تفصیل اور چند اہم واقعات درج ذیل ہیں:

۱۹۷۳ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ (از اگست ۱۹۷۳ء)

ناظم عمومی: مولانا سید احمد ہاشمی صاحب (از اگست ۱۹۷۳ء)

چند اہم واقعات: ○ جمعیۃ علماء ہند نے فلپائنی مسلمانوں کی حالت زار اور حکومت فلپائن کی چشم پوشی پر اظہار تشویش کرتے ہوئے حکومت فلپائن سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ملک کی مسلم اقلیت کا تحفظ کرے اور ان کی آبادکاری پر توجہ دے اور اقوام متحدہ، دنیا کی متمدن حکومتوں سے اپیل کی

کہ وہ اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کریں۔ (۲۸/۲۹/مارچ ۱۹۷۳ء) ○ مئی ۱۹۷۳ء کو دلی میں جمعیۃ علماء کا تیئیسواں اجلاس عام پوری آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوا۔ ○ پونہ، ہزاری باغ اور دہلی میں مسلم کش فسادات پر سخت احتجاج کرتے ہوئے جمعیۃ علماء نے حکومت کو ''نیشنل انیٹی گریشن کانفرنس'' کے فیصلہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کارروائی کا مطالبہ کیا، اس فیصلہ میں فساد زدہ علاقوں کے افسران کو ذمہ دار قرار دے کر ان پر ایکشن لئے جانے کے لئے ایڈمنسٹریشن کو ہدایت کی گئی تھی۔ ○ جمعیۃ نے ٹیکسیشن لاء ترمیمی بل کے سلسلہ میں حکومت ہند اور وزیر خزانہ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بل میں ایسی وضاحت کردیں جس سے مسلم خیراتی اوقاف اور تعلیمی ادارے نکل جائیں کیوں کہ اس بل سے مسلمانوں کے تعلیمی، تہذیبی اور سماجی اداروں کی کافی رقم بطور ٹیکس حکومت لے سکتی ہے۔ (۱۱/۱۲/اگست ۱۹۷۳ء) ○ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۲۸/۲۹/۳۰/اگست ۱۹۷۳ء کو دہلی میں ہندو پاک بنگلہ دیش کے درمیان ہونے والے معاہدہ پر اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اس معاہدہ کو ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان خوش گوار تعلقات کا سنگ میل قرار دیا (اس معاہدہ کے تحت تقریباً ۲۲/ماہ بعد ایک دوسرے ملک میں آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہوا) ○ اسی مجلس عاملہ میں عربی اخبار ''الکفاح'' کے اجراء کی بھی منظوری دی گئی۔

۱۹۷۴ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید احمد ہاشمی صاحبؒ

چند اہم واقعات: ○ مسلمانوں میں تعلیمی بیداری لانے اور ان کو صحیح دینی تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند نے دہلی میں ایک اجتماع کا اعلان کیا، اور اس اجتماع کی تیاری کے لئے ہندوستان کے تمام بڑے مدارس کے علاوہ جمعیۃ کے اہم حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے اس سال حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ تنظیم آزادی فلسطین کو سرکاری منظوری دے۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے حکومتِ برما کی طرف سے مسلمانانِ برما پر فریضہ حج کی ادائیگی پر پابندی لگانے پر اظہار تشویش کرتے ہوئے حکومتِ برما سے پرزور اپیل کی کہ وہ اس پابندی کو ختم کرکے دینی کاموں میں مداخلت بند کرے، اور حکوتِ ہند اپنے خیر سگالی ذرائع پابندی ختم کرانے میں لگائے۔ (۷/۸/جولائی ۱۹۷۴ء) ○ جمعیۃ علماء ہند نے اقوام متحدہ اور عرب سربراہوں کی رباط کانفرنس کے اس فیصلہ پر مسرت واطمینان کا اظہار کیا، جس میں تنظیم آزادئ فلسطین (پی ایل او) کو واحد نمائندہ تسلیم کیا گیا تھا، اور اس اتحاد کو بیت المقدس کی بازیابی اور ایک

آزاد مملکت کے قیام میں مددگار و معاون قرار دیا۔

۱۹۷۵ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید احمد ہاشمی صاحبؒ

چند اہم واقعات: ○ اس سال جلالۃ الملک فیصل بن عبدالعزیز مرحوم (شاہ سعودی عرب) کی شہادت پر جمعیۃ علماء ہند نے دلی رنج وغم کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ اس غم میں سعودی عرب اقوام کے ساتھ برابر کی شریک ہے، تعزیتی قرارداد میں کہا گیا کہ: ''موصوف کی عالمی سیاست پر گہری نظر تھی انہوں نے سعودی عرب کو اقتصادی ترقی سے مالا مال کیا، وہ عرب اتحاد کا ستون تھے''۔ ○ اتر پردیش، بہار، بنگال اور مہاراشٹر کے یک طرفہ فرقہ وارانہ فسادات پر اظہار تشویش کرتے ہوئے اس پر فوراً کارروائی کا مطالبہ کیا گیا۔ ○ جمعیۃ علماء کے معزز دماغ کہے جانے والے جماعت کے مخلص ترین رہنما سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ ۲۴/اکتوبر ۱۹۷۵ء کو وصال فرماگئے۔ ○ حکومت ہند نے جمعیۃ علماء ہند کے مطالبہ کو منظور کرتے ہوئے تنظیم آزادئ فلسطین کو منظور اور تسلیم کیا، جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۹/۱۰/اپریل ۱۹۷۵ء کو اجلاس نے حکومت ہند کا شکریہ ادا کیا۔ ○ حضورؐ کی زندگی پر لیبیا میں بنائی جانے والی فلم پر زبردست احتجاج کرتے ہوئے غم وغصہ کا اظہار کیا گیا، اس فلم کو عربی وانگریزی زبان میں بیروت اور شکاگو سے ستمبر ۱۹۷۵ء کے آخر تک ریلیز کئے جانے کی خبر پر جمعیۃ نے ہندوستان اور دنیا کے تمام ملکوں خصوصاً جملہ مسلم ممالک سے اس فلم کے داخلہ پر پابندی کا مطالبہ کیا۔ ○ امریکہ کا اسرائیل سے تاریخ کا سب سے بڑا ہتھیاروں کا معاہدہ کرنے پر جمعیۃ نے سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوئے دنیا کے امن پسند عوام سے امریکہ کے اس معاہدے کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمت اور احتجاج کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ امریکی سامراج ہتھیاروں کی سپلائی کرکے وسط مشرق میں خون آشام جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے۔ ○ جمعیۃ نے اپنے مظلوم اور بہادر آزادی پسند عربوں کو یقین دلایا کہ ہندوستان کے عام مسلمان اور کروڑوں انصاف پسند عوام ان کے ساتھ ہیں۔

۱۹۷۶ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید احمد ہاشمی صاحبؒ

چند اہم واقعات: ○ جمعیۃ علماء ہند نے جبری نسبندی اور اس کے لئے قانون سازی پر

پُرزور احتجاج کرتے ہوئے اسے سخت غیر مناسب اور اضطراب و بے چینی کا سبب قرار دیا، اور حکومت ہند سے اپیل کی کہ یہ طریقہ بالکل ترک کر دیا جائے اور اس سلسلہ میں کوئی قانون بھی نہ وضع کیا جائے، اور تمام ریاستی حکومتوں کو بھی اس پر فوراً پابندی کا حکم جاری کیا جائے۔ ○ جمعیۃ علماء نے حکومت کے ۲۰ نکاتی پروگرام میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک پر احتجاج کرتے ہوئے حکومت سے انصاف سے کام لینے کی اپیل کی۔ (۱۰/۱۱ اپریل ۱۹۷۶ء)

۱۹۷۷ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید احمد ہاشمی صاحبؒ

چند اہم واقعات: ○ اس سال جلالۃ الملک شاہ خالد بن عبدالعزیز اور انور السادات کی بروقت سعی وکوشش سے لبنان کے حالات قابو میں آ گئے، جمعیۃ نے اس پر اظہار مسرت کرتے ہوئے اس کو عربوں میں باہمی اتحاد کے مضبوط ہونے کا پیش خیمہ قرار دیا، اور امریکہ کے صدر مسٹر ''جمی کارٹر'' سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر اسرائیل کو مقبوضہ عرب علاقے خالی کرنے پر مجبور کریں۔ ○ ۳/۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو جمعیۃ علماء ہند نے ''آزاد بھون'' نئی دہلی میں ''ملی کنونشن'' منعقد کیا، اس میں جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ جماعت اسلامی ہند، انڈین مسلم لیگ اور ہندوستان کی جملہ کل ہند مسلم تنظیمیں داعی تھیں۔

۱۹۷۸ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید احمد ہاشمی صاحبؒ

چند اہم واقعات: ○ حکومت ہند کی طرف سے شادی کے لازمی رجسٹریشن کا بل پارلیمنٹ میں لانے کے منصوبہ کی زبردست مخالفت کرتے ہوئے اسے مسلم پرسنل لاء میں مداخلت قرار دیا گیا، اور کہا گیا کہ ایسا قانون بنانے سے احتراز کیا جائے اور مستند علماء کرام کے مشورہ کے بغیر اس سلسلہ میں اقدام نہ کیا جائے۔ ○ دسمبر ۱۹۷۸ء کو جمعیۃ نے ''کل ہند اوقاف کانفرنس'' کا اعلان کیا جس میں ہندوستانی مسلمانوں کے اوقاف کی زبوں حالی اور اس کے اہم مسائل پر غور ہونا تھا۔ ○ اس سال جمعیۃ علماء کے احتجاج کے نتیجہ میں راجیہ سبھا میں پیش شدہ متبنیٰ بل واپس لے لیا گیا۔ ○ اس سال شہر نگاراں حیدرآباد اور ریاست تامل ناڈ میں بھیانک فسادات پر اظہار تشویش کرتے

ہوئے ظالموں کے خلاف فوری کارروائی کا مطالبہ کیا گیا۔ (۲۳/۲۴/ستمبر ۱۹۷۸ء) ○ مساجد ومقابر کے ایکوائر کے متعلق الٰہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ کے فیصلہ پر جمعیۃ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس قانون میں ایسی ترمیم کی جائے کہ جس سے مساجد ومقابر اور دیگر مذہبی مقامات مستثنیٰ ہوجائیں۔ (۱۹/۲۰/دسمبر ۱۹۷۸ء)

۱۹۷۹ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید احمد ہاشمی صاحبؒ

چند اہم واقعات : ○ ۱۶/۱۷/۱۸/فروری ۱۹۷۹ء کو کل ہند اوقاف کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ ○ اس سال پارلیمنٹ میں تعدد ازدواج پر کلی ممانعت عائد کرنے والے پرائیویٹ بل کی جمعیۃ نے سخت مذمت کرتے ہوئے اسے ''مسلم پرسنل لاء'' میں مداخلت قرار دیا، اور حکومت ہند اور تمام جمہوریت نواز ممبرانِ پارلیمنٹ سے اس کی مخالفت کرنے کی اپیل کی۔ ○ ملک میں جابجا بھیانک فسادات کا سلسلہ چل پڑا خاص کر جمشید پور میں بدترین فساد ہوا، اور مسلمانوں کا زبردست جانی ومالی نقصان ہوا۔ ○ ۹/جولائی ۱۹۷۹ء سے ملک وملت بچاؤ تحریک کا پہلا دور شروع ہوا، جو ۲۵/جولائی تک چلا، دو ہزار ایک سو چھبیس لوگوں نے گرفتاری دی اور جیلیں کاٹیں، خدا کی قدرت کہ اس تحریک کے دوران ہی جنتا پارٹی کی فرقہ پرست حکومت کا زوال ہوگیا۔ پھر دوسرا دور ۲/اکتوبر سے شروع ہوکر ۱۵/اکتوبر تک جاری رہا، جس کے دوران چار ہزار چھ سو گیارہ لوگوں نے گرفتاریاں دیں۔

۱۹۸۰ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید احمد ہاشمی صاحبؒ

چند اہم واقعات : ○ حرم شریف میں کچھ لوگوں کے قبضہ اور وہاں قتل وقتال کی جمعیۃ نے پرزور مذمت کرتے ہوئے اس حرکت کو عالم اسلام کے مسلمانوں کے لئے دل آزاری کا سبب قرار دیا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے ایران وعراق کی جنگ پر اظہار تشویش کرتے ہوئے دونوں ملکوں سے اپیل کی کہ وہ جلد از جلد جنگ روک کر باہمی بات چیت کے ذریعہ جھگڑے کو طے کریں۔ (مجلس عاملہ یکم اکتوبر ۱۹۸۰ء) ○ اس سال مردم شماری کے خانہ میں مذہب اور مادری زبان کا خانہ نہ ہونے کی طرف جمعیۃ نے حکومت کو توجہ دلائی، جس کی وجہ سے حکومت نے مردم شماری کے

خانوں میں مذہب اور مادری زبان کا اضافہ کیا۔ ○ افغانستان میں روسی فوجوں کی آمد اور عوام کے خلاف کارروائی کی شدید مذمت کرتے ہوئے جمعیۃ نے روسی فوجوں سے مطالبہ کیا کہ وہ بلا تاخیر افغانستان سے چلے جائیں؛ تاکہ وہاں کی عوام کو بھی بغیر کسی دباؤ کے اپنی منتخب حکومت بنانے کا موقع ملے۔ ○ اس سال مرادآباد کے مسلمانوں پر عیدگاہ کے باہر ''پی اے سی'' نے گولیاں چلائیں اور سیکڑوں افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا۔ ○ ۲۱ر تا ۲۳ر مارچ ۱۹۸۰ء کو دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس منعقد ہوا، اجلاس کے دوران ''عالمی مؤتمر فضلاء و ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند'' کا قیام عمل میں آیا۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس کے صدر منتخب کئے گئے، اور محدثِ اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور قائد جلیل حضرت مولانا مفتی محمود صاحب پاکستان کو سرپرست مقرر کیا گیا۔ ○ ۳۰ر اپریل ۱۹۸۰ء کو دارالعلوم کے خلفشار کو ختم کرنے کے لئے مجلس شوریٰ دارالعلوم اور عالمی مؤتمر کے مابین ایک مصالحت نامہ طے ہوا، جسے بعد میں مفاد پرستوں نے رد کر دیا۔

۱۹۸۱ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اہم واقعات: ○ جمعیۃ علماء ہند نے صوبہ برما کے علاقہ ارکان کے مسلمانوں کی حالت زار پر سخت تشویش کا اظہار کیا۔ ○ ۲۱ر جولائی ۱۹۸۱ء کو جمعیۃ علماء ہند نے لبنان پر اسرائیل کی بمباری کے خلاف ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے یوم احتجاج منانے کا اعلان کیا، عوام وخواص نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بند کرنے پر احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ: (۱) یونیورسٹی کو فوراً کھولا جائے (۲) قیدی طلبہ کو فوراً رہا کیا جائے (۳) انتظامیہ اور طلبہ میں تبادلۂ خیال کیا جائے (۴) یونیورسٹی کے وائس چانسلر شر پسندوں سے اپنے کو بچائیں (۵) نیشنل پریس غیر ذمہ دار بیان سے احتراز کرے۔ (۷/۸ر فروری ۱۹۸۱ء) ○ ۲۹ر اگست ۱۹۸۱ء کو جمعیۃ علماء ہند نے کل ہند کنونشن برائے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی منعقد کیا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے اسرائیل کی طرف سے عراق کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کی پرزور مذمت کرتے ہوئے اسرائیل کو سزا دینے کا مطالبہ کیا اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیل سے اپنے تمام تجارتی تعلقات منقطع کر کے بمبئی میں اس کے قونصل خانہ کو فوراً بند کر دے۔ (۱۵/۱۶ر جون ۱۹۸۱ء)

○ اس سال حکومت ایران نے پندرہ سو عراقی جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا، جمعیۃ علماء ہند نے اس اقدام کی سخت مذمت کی اور کہا کہ بین الاقوامی قوانین کے مطابق جنگی قیدی امانت سمجھے جاتے ہیں، اور عراقی عوام سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ ○ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۸۱ء کو دارالعلوم دیوبند غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا اور پی اے سی کے ذریعہ طلبہ کو نکال دیا گیا، شہر کے دردمندوں اور جمعیۃ علماء سے تعلق رکھنے والے حضرات نے کیمپ دارالعلوم قائم کر کے ان طلبہ کے قیام وطعام اور تعلیم کا نظم بحال کر دیا، اور پورے ملک کے مسلمانوں کی ہمدردیاں کیمپ کے طلبہ کے ساتھ ہوگئیں۔ ○ نومبر ۱۹۸۱ء میں جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ایوانِ غالب دہلی میں ''تحفظ دارالعلوم کنونشن'' منعقد ہوا۔

۱۹۸۲ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اہم واقعات: ○ یکم جنوری ۱۹۸۲ء کو جمعیۃ علماء ہند نے اسرائیل کی طرف سے زبردستی بیت المقدس اور شام کی گولان پہاڑیوں پر قبضہ کرنے کے خلاف اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے یوم احتجاج منانے کا اعلان کیا۔ ○ فرقہ پرستی کی بیخ کنی کے لئے جمعیۃ علماء ہند نے اس سال بہار کی راجدھانی پٹنہ میں ''جمہوری کنونشن'' منعقد کیا، جس کی وجہ سے فرقہ واریت کی شدت میں کافی حد تک کمی آ گئی۔ ○ مارچ میں دارالعلوم دیوبند مجلس شوریٰ کی زیر نگرانی کھول دیا گیا، اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی سرکردگی میں اس عظیم ادارے نے اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کیا۔

۱۹۸۳ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اہم واقعات: ○ جمعیۃ علماء ہند نے بہار میں آسام جیسے حالات پیدا کر کے مسلمانوں کو بنگلہ دیشی گھس پیٹھئے قرار دینے پر فرقہ پرست عناصر اور جانب دار انتظامیہ کی زبردست مذمت کی آسام کی بدترین صورت حال اور مسلمانوں پر ہونے والے مظالم اور ان کو شہر بدر اور قتل کئے جانے پر احتجاج کرتے ہوئے فرقہ پرست عناصر کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ (مجلس عاملہ ۹/۸ رمئی ۱۹۸۳ء) ○ ۱۶/۱۴؍جنوری ۱۹۸۳ء کو بمبئی کے آزاد میدان میں جمعیۃ علماء ہند کا چوبیسواں اجلاس عام آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوا۔

۱۹۸۴ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اہم واقعات: ○ اس سال جمعیۃ علماء ہند نے مسلم پرسنل لاء پر بار بار حملہ کی مذمت کرتے ہوئے اس سلسلہ میں چھ اہم مطالبات پیش کئے: (۱) کورٹ فیس ایکٹ پر اس طرح ترمیم کی جائے جس سے مسلم خواتین کو دعویٰ مہر کے لئے فیس کورٹ میں ادا نہ کرنا پڑے۔ (۲) قانونِ خاتمہ زمین داری اتر پردیش کی دفعات 129 اور 175 میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ مسلمانوں کو وراثت، ہبہ، وصیت وغیرہ حقوق شرعی قوانین کے مطابق مل سکیں اور لڑکیوں، بیواؤں اور ماں کو حق وراثت سے محروم نہ ہونا پڑے۔ (۳) نکاح کے رجسٹریشن کو لازمی نہ قرار دیا جائے۔ (۴) بنارس کی قبور کی منتقلی صدر جمہوریہ ہند سپریم کورٹ کے فیصلہ پر نظر ثانی کے لئے سپریم کورٹ کی دستوری بنچ کے حوالہ کریں اور فیصلہ ثانی تک اس اقدام کو روکا جائے۔ (۵) ضابطہ فوج داری کی دفعہ 125 اور 127 میں اس طرح ترمیم کی جائے کہ مہر وعدت کے نان ونفقہ کی ادائیگی کے بعد مطلقہ عورت کے نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر پر نہ ہو۔ (۶) آئین کی دفعہ 43 کو حذف کیا جائے؛ تاکہ یکساں سول کی تلوار مسلمانوں کے سر سے ہٹ جائے۔ (مجلس عاملہ یکم فروری ۱۹۸۴ء) ○ مہاراشٹر، بمبئی، تھانہ، بھیونڈی وغیرہ میں فرقہ وارانہ فسادات میں سیکڑوں مسلمانوں کی تباہی و بربادی پر تشویش کرتے ہوئے جمعیۃ نے اسے جانب داری وتعصب کا نتیجہ قرار دیا اور تمام واقعات کی چھ ماہ کے اندر جانچ کرنے کا مطالبہ کیا۔ (مجلس عاملہ ۵/اپریل ۱۹۸۴ء) ○ ملک میں رام جنم استھان کی تحریک شروع ہو چکی تھی، صدر محترم مولاناؒ نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ جن مساجد کے بارے میں تحریک چل رہی ہے چاہے وہ کاشی ہو، یا متھرا، یا اجودھیا ہو، کسی بھی مسجد کو غیر مسلموں اور ہندو تنظیموں کے حوالہ نہیں کیا جاسکتا۔ (انڈین ایکس پریس اگست ۱۹۸۴ء) ○ غیر ملکی دراندازوں کا ہوّا کھڑا کر کے مسلمانوں کی شہریت کو مشکوک کرنے کی سازش کا منصوبہ بے نقاب کرتے ہوئے جمعیۃ نے کہا کہ اس سلسلہ کو بند کیا جائے۔ (۲۰/۲۱/جولائی ۱۹۸۴ء) ○ وقف ترمیمی بل ۱۹۸۴ء میں بہت ساری دفعات کو مسلمانوں کے حق میں مضر اور نقصان دہ ہونے کی نشان دہی کرتے ہوئے جمعیۃ نے انہیں حذف کرنے کا مطالبہ کیا۔ (۱۶/ستمبر)

۱۹۸۵ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ
ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اهم واقعات : ○ بھوپال کے یونین کاربائیڈ کارخانے سے زہریلی گیس نکلنے کی وجہ سے ہزاروں افراد ہلاک، مجروح اور بینائی سے محروم ہوگئے۔ ○ جمعیۃ نے اس حادثہ کے ذمہ داران کو فوراً سزا دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے متأثرہ افراد کی باز آبادکاری کا مطالبہ کیا۔ (۱۸؍جنوری ۱۹۸۵ء) ○ ۲۸؍جنوری ۱۹۸۵ء سے مالی خسارہ کے باعث جمعیۃ کے ترجمان روزنامہ ''الجمعیۃ'' کی اشاعت بند کردی گئی۔ ○ ۲۳؍اپریل ۱۹۸۵ء کو عدالت عالیہ نے مسلم پرسنل لاء کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ مطلقہ تا نکاح ثانی سابقہ شوہر سے نان ونفقہ پانے کی مستحق ہے، یہ مقدمہ شاہ بانو کیس کے نام سے مشہور رہوا۔ ○ شاہ بانو کیس سے مسلم پرسنل لاء میں مداخلت پر زبردست احتجاج کرتے ہوئے جمعیۃ نے ملک گیر تحریک چھیڑنے کا اعلان کیا۔ (۶؍۷؍مئی ۱۹۸۵ء) ○ ۲۴؍مئی ۱۹۸۵ء کو جمعیۃ علماء نے ایران وعراق جنگ کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ''یوم چنگیزی'' منانے کا اعلان کیا۔ ○ ۱۴؍جون ۱۹۸۵ء کو جمعیۃ علماء ہند نے کلکتہ ہائی کورٹ میں دائرشدہ ایک رٹ کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ''یوم قرآن'' منانے کا فیصلہ کیا، جس رٹ میں قرآن کو ضبط کئے جانے کا مطالبہ تھا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے اس رٹ کا جواب تیار کرنے کے لئے پانچ علماء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ ○ ۱۱؍۱۲؍اکتوبر ۱۹۸۵ء کو جمعیۃ علماء ہند نے مطلقہ کے نان ونفقہ کے سلسلہ میں شرعی حیثیت سے غور وفکر کرنے کے لئے علماء کرام اور مفتیان عظام کی ''علماء کانفرنس'' منعقد کی، جس کی صدارت محدثِ اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے فرمائی۔ ○ آسام میں فرقہ پرست طاقتوں کے گٹھ جوڑ اور رووٹر لسٹوں سے مسلمانوں کے نام ختم کرنے پر غور وفکر کرنے کے لئے جمعیۃ نے ملک کے جملہ لیڈروں ورہنماؤں پر مشتمل کل ہند مشترکہ کنونشن کا اعلان کیا۔ (۱۰؍اکتوبر)

۱۹۸۶ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ
ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اهم واقعات : ○ یکم جنوری ۱۹۸۶ء کو دہلی میں جمعیۃ کے زیر اہتمام شیخ الہند

سیمنار منعقد ہوا، سرحدی گاندھی عبدالغفار خان نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ ○ یکم فروری ۱۹۸۶ء کو فیض آباد کے ضلع جج کرشن موہن پانڈے نے اجودھیا کی تاریخی بابری مسجد کا تالا کھولنے کا حکم دیا، جمعیۃ کی طرف سے اس اقدام کی سخت مذمت کی گئی۔ ○ ۲۷؍فروری کو جمعیۃ علماء کے صدر محترم حضرت مولانا اسعد صاحب مدنیؒ نے پارلیمنٹ میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ اگر اب حکومت نے اس مسئلہ کو حل نہ کیا تو یہ مستقبل میں زبردست فرقہ وارانہ مسئلہ بن سکتا ہے، مولانا کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور ۲۲؍فروری کو جمعیۃ علماء نے بابری مسجد کا مقدمہ لڑنے کے لئے ایک قانونی سب کمیٹی تشکیل دی جس میں صف اول کے مسلم وکلاء اور رہنما شامل تھے۔ ○ ۲۹،۳۰،۳۱؍اکتوبر کو دارالعلوم دیوبند میں ''تحفظ ختم نبوت'' کے موضوع پر عالمی اجلاس منعقد ہوا، اور ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا قیام عمل میں آیا، رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل شیخ عبداللہ عمر نصیف نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے اجلاس میں شرکت کی۔ ○ ۲؍نومبر ۱۹۸۶ء کو دہلی جمعیۃ دفتر کے مدنی ہال میں ایک عظیم نمائندہ اجتماع میں ''امارت شرعیہ ہند'' کا قیام عمل میں آیا، محدثِ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی پہلے امیر الہند اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نائب امیر الہند منتخب کئے گئے۔

۱۹۸۷ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اہم واقعات: ○ ۱۴؍اپریل ۱۹۸۷ء سے میرٹھ اور ملیانہ کے بدترین فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع ہوا، جمعیۃ علماء نے حتی المقدور ریلیف کی خدمات انجام دیں۔ ○ ۸؍نومبر ۱۹۸۷ء کو سپرو ہاؤس نئی دہلی میں ''تحفظ حرم'' کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، جس میں اسرائیلوں کے ہاتھوں حرم پاک کی بے حرمتی کی مذمت کرتے ہوئے جمعیۃ نے ہندوستانی مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ حرم پاک کے تقدس کی حفاظت کے لئے ہر ممکنہ اقدام کریں اور خادم الحرمین شریفین شاہ فہد کو یقین دلایا کہ ہندوستان کے تمام انصاف پسند عوام ان کے ساتھ ہیں، اور حرم شریف کے تحفظ اور احترام کے لئے ان کی تمام کارروائیوں کی حمایت کرتے ہیں، اس کانفرنس میں شرکت کے لئے امام حرم عبداللہ السبیل بنفس نفیس تشریف لائے تھے، عراقی سفیر عبدالودود شیخ علی بھی موجود تھے۔ ○ اس کانفرنس میں ملک کے سیکڑوں علماء ومفتیان کے دستخط سے ایک متفقہ فتویٰ پیش کیا گیا جس میں

دلائل کی روشنی میں شیعہ اثنا عشریہ اور امام خمینی کے کفر کو ثابت کیا گیا تھا۔ (تحفظ حرم کانفرنس)

۱۹۸۸ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اہم واقعات: ○ ۱۸؍فروری ۱۹۸۸ء کو مجلس عاملہ نے جمعیۃ مخالف سرگرمیوں کی بنا پر سابق ناظم عمومی مولانا سید احمد ہاشمی اور ان کے رفقاء کو بادل ناخواستہ جمعیۃ کی ابتدائی رکنیت سے خارج کرنے کا فیصلہ کیا۔ ○ صدر محترم جمعیۃ علماء ہند ایک سڑک حادثہ میں زخمی ہوکر ”رام منوہر لوہیا اسپتال“ میں داخل ہوئے اور ۲؍ماہ اسپتال میں رہے، اس دوران ملک و بیرونِ ملک میں آپ کی صحت یابی کے لئے دعائیں اور نیک خواہشات کا اظہار کیا گیا۔ ○ ۱۸/۱۹؍مارچ ۱۹۸۸ء کو جمعیۃ علماء کی طرف سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کا افتتاح فرمایا۔ ○ اقوام متحدہ کی منظور کردہ قرارداد 242 کی رو سے جلاوطن آزاد فلسطینی ریاست کا قیام عمل میں آیا، یہ اعلان ”پی ایل او“ کی قومی کونسل نے کیا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے یاسر عرفات کو مبارک باد دیتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا، اور حکومت ہند کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے آزاد حکومت فلسطین کو تسلیم کرنے کا بروقت اقدام کیا، نیز حکومت امریکہ اور اقوام متحدہ سے اپیل کی کہ وہ بلا تاخیر اس آزاد ملک کو تسلیم کرے۔ ○ اس سال سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب کی درآمد پر حکومت ہند نے پابندی لگائی، جمعیۃ نے اسے مستحسن قرار دیتے ہوئے حکومتِ برطانیہ کی مذمت کرتے ہوئے اس کتاب کی اشاعت وفروخت پر پابندی کا مطالبہ کیا اور حکومتِ ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کتاب کی اشاعت، فروخت اور حوالہ پر بھی پابندی لگا کر مسلمانوں کو مطمئن کرے۔

۱۹۸۹ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اہم واقعات: ○ یکم جنوری ۱۹۸۲ء کو جمعیۃ حجاج کرام کی پریشانیوں کو مدنظر رکھ کر جمعیۃ علماء نے حج کمیٹی سے اپنا نظم درست کرنے کا مطالبہ کیا اور حکومت کے اعلان کے باوجود حجاج کرام سے ٹیکس لینے پر احتجاج کرتے ہوئے اس سلسلہ کو بند کرنے کی اپیل کی۔ ○ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۸۹ء سے

بھاگل پور کے بدترین فرقہ وارانہ فساد کی ابتدا ہوئی جمعیۃ نے فساد کی ریلیف کے لئے کم وبیش دس لاکھ روپے خرچ کئے۔ ○ ۲۸؍دسمبر ۱۹۸۹ء کو صدر محترم حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ نے راجیہ سبھا میں فسادات کے خلاف زبردست تقریر کی۔ ○ ادارۃ المباحث الفقہیہ کی نشأۃ ثانیہ کی گئی۔

۱۹۹۰ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

چند اہم واقعات: ○ مشرق وسطیٰ کی دھماکہ خیر صورتِ حال پر اظہار تشویش کرتے ہوئے جمعیۃ نے عراق کی کویت پر قبضہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ عراقی فوج کویت سے واپس چلی جائے۔ ○ خلیجی ممالک میں یورپین فوج کی موجودگی پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے جمعیۃ نے اپیل کی کہ ان فوجوں کی واپسی یقینی بنائی جائے اور فوراً ایک اسلامی فوج تشکیل دی جائے۔ ○ ۱۶؍اپریل ۱۹۹۰ء کو جمعیۃ علماء ہند کی اپیل پر ملک بھر میں ''یوم کشمیر'' منایا گیا جس میں کشمیری عوام کے جان ومال کی حفاظت کے لئے دعائیں کی گئیں اور فرقہ پرست گورنر جگموہن کو کشمیر سے ہٹانے کا مطالبہ کیا گیا۔ ○ ۲۰؍اپریل ۱۹۹۰ء کو جمعیۃ کی اپیل پر'' یکساں سول کوڈ'' کے خلاف پورے ملک میں ''پرسنل لاء ڈے'' منایا گیا۔

۱۹۹۱ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب

چند اہم واقعات: ○ ۲۷؍جنوری ۱۹۹۱ء کو جمعیۃ علماء ہند نے فسطائی طاقتوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہوئے ''فرقہ واریت مخالف کنونشن'' منعقد کیا، دہلی کے تالکٹورہ اسٹیڈیم میں منعقد ہونے والے اس کنونشن میں تمام سیاسی پارٹیوں کے مقتدر لیڈر، دانشور، قانون داں اور سماجی کارکنوں کے علاوہ ملک کے گوشے گوشے سے پانچ ہزار مندوبین نے شرکت کی۔ ○ جمعیۃ علماء ہند کی مساعی جمیلہ سے عبادت گاہوں سے متعلق بل منظور ہوا، اس بل کی رو سے ۱۹۴۷ء سے پہلی والی عبادت گاہوں کی پوزیشن بحال ہوئی۔ (۱۴/۱۵؍ستمبر) ○ اترپردیش، گجرات، راجستھان، جے پور، مدھیہ پردیش، آندھراپردیش، بہار اور ہندوستان کی دارالسلطنت دہلی میں بابری مسجد کے قضیہ کو بنیاد بنا کر فرقہ وارانہ فسادات کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ جاری تھا، جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے حالات کی نزاکت پر غور وفکر کرنے کے لئے ملک کے اہم علم، مدبرانِ قوم اور

دردمندانِ ملت کو دعوت دی گئی اور ۲۶/۲۵ ؍جنوری ۱۹۹۱ء کو 'مدنی ہال' دہلی میں کل ہند اجتماع منعقد کیا گیا۔ (خطبۂ صدارت کل ہند اجتماع منعقدہ ۲۶/۲۵ ؍جنوری ۱۹۹۱ء نئی دہلی) ○ ۸؍تا ۱۰؍فروری ۱۹۹۱ء کو 'ادارۃ المباحث الفقہیہ'' جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام پہلا فقہی اجتماع ''غیر سودی بنکاری'' کے عنوان پر دیوبند میں منعقد ہوا۔ ○ اور ۲۹/۲۸ ؍نومبر ۱۹۹۱ء کو دوسرا فقہی اجتماع ''ہندوستان اور نظام قضاء'' کے عنوان پر منعقد ہوا۔

۱۹۹۲ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب

چند اہم واقعات: ○ ۱۶؍مارچ ۱۹۹۲ء مطابق ۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کی وفات ہوگئی، کئی لاکھ افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ ○ ۹؍مئی ۱۹۹۲ء کو دہلی میں ایک نمائندہ اجتماع میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ کو امیر الہند ثانی منتخب کیا گیا۔ ○ ۱۰؍جولائی ۱۶؍اکتوبر اور ۱۹؍مارچ کو جمعیۃ علماء کی طرف سے بوسنیا میں مسلمانوں کے قتل عام پر یوم دعا اور یوم احتجاج منائے گئے۔ ○ ۲۵؍جون ۱۹۵۲ء کو بوسنیا کے مسئلہ پر توجہ دلانے کے لئے امریکی سفارت خانہ پر زبردست مظاہرہ کا اہتمام کیا گیا۔ ○ ۶؍نومبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد شہید کردی گئی اور پورے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے، نہایت بے دردی سے منصوبہ بند طریقہ پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا، بمبئی میں تاریخ کا بدترین فساد ہوا، جمعیۃ علماء کے مرکزی دفتر کا رابطہ پورے ملک سے قائم رہا اور اطلاعات اور فیکس کے ذریعہ فسادات کی روک تھام کے سلسلہ میں جمعیۃ نے تاریخی خدمات انجام دیں۔ ○ حکومت ہند کے اسرائیل کو تسلیم کرنے پر جمعیۃ نے حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا کہ یہ رویہ امریکہ نوازی اور اسے خوش کرنے کے لئے کیا گیا ہے، حکومت ہند کا یہ اقدام سیکولر پالیسی کے خلاف اور تکلیف دہ ہے۔ ○ اس تجویز کی نقل حکومت ہند اور اقوام متحدہ کو بھیجنے کی منظوری دی گئی۔

۱۹۹۳ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب

چند اہم واقعات: ○ فسادات کے نتیجہ میں ملک کی فضاء انتہائی کشیدہ ہوگئی تھی، اس ماحول

میں جمعیۃ نے اپنے سابقہ کردار کے موافق ۱۲؍فروری ۱۹۹۳ء کو ''قومی اتحاد کانفرنس'' منعقد کی، جس میں شریک ہونے والے قومی لیڈروں نے فرقہ واریت کے خلاف پرعزم اعلانات کئے۔ ○ تین طلاق کو ایک ماننے کے موقف کو بہانہ بنا کر قومی پریس نے اسلامی قوانین زندگی اور مسلم پرسنل لاء پر کیچڑ اچھالنی شروع کردی، پورے ملک میں اس موضوع پر اباحیت پسندوں اور نام نہاد دانشوروں کے آرٹیکل شائع ہونے لگے، جمعیۃ علماء نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے ۳،۴؍اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ''ماؤلنکر ہال'' نئی دہلی میں دوروزہ ''تحفظ شریعت کانفرنس'' منعقد کی، جس میں ۳؍ہزار سے زائد علماء ومفتیان نے شریک ہوکر واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ ہم کسی حالت میں شریعتِ اسلامیہ میں غیروں کی دخل اندازی برداشت نہیں کرسکتے، اس کانفرنس کے بعد حیرت انگیز طور پر اسلام دشمنوں کو سانپ سونگھ گیا اور ساری بحثیں بند ہوگئیں۔ ○ ۷تا۹؍جولائی ۱۹۹۳ء کو مدراس کے ''امپالہ ہوٹل'' میں ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' جمعیۃ علماء ہند کا تیسرا فقہی اجتماع ہوا، اس اجتماع میں موضوع ''شیئرز اور ایکسپورٹ'' تھا۔

۱۹۹۴ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب

چند اہم واقعات: ○ ۲۳؍اکتوبر ۱۹۹۴ء کو دیوبند میں منعقدہ اپنے اجلاس عاملہ میں جمعیۃ علماء ہند نے ''بین الاقوامی آبادی وترقی'' کانفرنس قاہرہ کی سخت مذمت کی، اقوام متحدہ کو مغرب کا نمائندہ قرار دیا گیا۔ ○ اس کانفرنس میں اباحیت پسندوں کی ایک اچھی خاصی تعداد شریک ہوئی تھی، رابطہ عالم اسلامی، جامعہ ازہر اور مجمع الفقہیہ الاسلامی نے اس اسلام دشمن تحریک کی پرزور مخالفت کی اور مملکت سعودیہ عربیہ، جمہوریہ عراق، سوڈان اور لبنان نے اس کانفرنس کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ ○ جمعیۃ علماء ہند نے ان جملہ ممالک کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنا تعاون پیش کیا۔ ○ ۷؍مئی ۱۹۹۴ء کو سپرو ہاؤس نئی دہلی میں جمعیۃ علماء نے ''قومی کانفرنس برائے سیکولرزم اور ہندوستانی آئین'' کا انعقاد کیا، اس کانفرنس میں سپریم کورٹ کی آئینی بینچ کے فیصلہ کا خیر مقدم کیا گیا، جس میں ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت میں شمولیت کی بنا پر تین بی جے پی ریاستی حکومتوں کی برخاستگی کو جائز اور حق بجانب قرار دیا گیا تھا۔ ○ ۱۱؍دسمبر ۱۹۹۴ء کو ''فکّی آڈیٹوریم'' نئی دہلی میں جمعیۃ علماء ہند نے ''تحفظِ شہریت کنونشن'' کا انعقاد کیا، ثبوت شہریت کی آڑ لے کر

ہندوستانی مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دینے کی سازش اور ووٹر لسٹوں سے نام خارج کرنے جیسے اقدام پر پرزور احتجاج کیا گیا، ہندوستان کے کونے کونے سے دردمندانِ ملت کی بڑی تعداد کے علاوہ دانشور لیڈر اور قومی رہنماؤں نے اس میں شرکت کی۔

۱۹۹۵ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی

چند اہم واقعات: ○ ۴ر جولائی ۱۹۹۵ء کو راجدھانی دہلی کے وسیع وعریض اور مشہور ''تالکٹورہ انڈور'' اسٹیڈیم میں جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام ایک روزہ ''یکساں سول کوڈ مخالف کنونشن'' پوری آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوا۔ ○ ایسے وقت میں جب کہ راجدھانی کی سڑکیں شعلے اگل رہی تھیں، ہزاروں اہل ایمان جوش وولولہ سے لبریز جمعیۃ علماء ہند کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تشریف لائے، کنونشن میں صاف اعلان کیا گیا کہ ''مسلم پرسنل لاء شریعت اسلامی کا حصہ ہے اور اس میں کسی بھی طرح کی کوئی ترمیم وتنسیخ یا ردوبدل شریعت اسلامی میں کھلی مداخلت ہے، جسے ہندوستان کا مسلمان کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتا۔'' ○ سپریم کورٹ کی طرف سے مرکزی حکومت کو ''یکساں سول کورڈ'' بنانے کی ہدایت پر چاروں طرف سے اس کی حمایت ہونے لگی تھی، لیکن جمعیۃ علماء ہند کے اس کنونشن کا اثر یہ ہوا کہ فرقہ پرست اور نام نہاد دانشوروں کی زبانیں بند ہوگئی اور حکومت کو پرسنل لاء میں عدم مداخلت کی یقین دہانی کرانی پڑی۔ ○ ۲۷ر تا ۲۹ر اکتوبر ۱۹۹۵ء جمعیۃ علماء ہند کا تاریخ ساز ''پچیسویں اجلاس عام'' ممبئی کے آزاد میدان میں منعقد ہوا۔

۱۹۹۶ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی

چند اہم واقعات: ○ اس سال ماہ ستمبر میں حضرت صدر محترمؒ نے لندن میں ''ختم نبوت'' کانفرنس میں شرکت کی، اور پھر ۴ر اکتوبر کو پاکستان کے شہر ''ربوہ'' میں منعقد ہونے والی ''ختم نبوت'' کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ ○ ۱۲ر۱۳ر اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ہونے والی مجلس عاملہ میں مولانا سید محمود مدنی صاحب کو ناظم تنظیم بنایا گیا۔ ○ جمعیۃ کی مجلس عاملہ منعقدہ ۹ر نومبر ۱۹۹۶ء نے مہاراشٹر کے ضلع رائے گڑھ میں رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں بی جے پی،

شیوسینا حکومت کے طرز عمل کی سخت مذمت کی اور مرکزی حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ اقلیتوں کے جان و مال کے تحفظ کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کا پاس کرتے ہوئے نہ صرف حکومت مہاراشٹر سے باز پرس کرے؛ بلکہ مظلوم متأثر افراد کی دادرسی کا فریضہ بھی انجام دئے۔

۱۹۹۷ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی

چند اہم واقعات: ○ ۱۰؍ مارچ ۱۹۹۷ء صدر محترم کو باتفاق رائے اگلے ٹرم کے لئے صدر منتخب کیا گیا۔ ○ عیسائی مشنریز کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے مؤثر اقدامات کرنے کا اعلان کیا گیا۔ ○ سعودی عربیہ کے مشہور عالم دین شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کی رحلت پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور دعاء مغفرت کی گئی۔ ○ اسی سال انسانیت دوست تنظیموں کی کوششوں سے جس میں جمعیۃ علماء ہند پیش پیش تھی ''ٹاڈا'' جیسے کالے قانون سے چھٹکارا ملا۔ ○ ۱۷؍ مئی ۱۹۹۷ کو جید عالم دین مدیر ماہنامہ ''الفرقان'' حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے دعاء مغفرت کی گئی۔ ○ ۱۴؍ جون ۱۹۹۷ء کو اردو پارک دہلی میں عظیم الشان ''تحفظ ختم نبوت'' کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، جس کی صدارت فدائے ملت علیہ الرحمہ نے اور افتتاح مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے فرمایا۔ ○ ۶؍ دسمبر ۱۹۹۷ء میں مولانا سید اسجد مدنی صاحب نظامت جمعیۃ کے عہدہ سے مستعفی ہوگئے۔ ○ ۶؍ دسمبر ۱۹۹۷ء یوپی کی بی جے پی حکومت کے فرقہ پرستانہ احکامات، جیسے ''وندے ماترم'' کہنا اور ''بھارت ماتا'' کی تصویر پر پھول چڑھانا وغیرہ کی پرزور مذمت کی گئی۔ ○ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے حادثہ وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔

۱۹۹۸ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی

چند اہم واقعات: ○ ۲۳؍ اپریل ۱۹۹۸ء حضرت صدر محترمؒ نے ریزرویشن کے حصول اور فسادات کے متأثرین کے لئے معاوضہ کے مطالبہ کو لے کر دستخطی مہم چلانے اور عوامی جدوجہد کرنے پر زور دیا۔ ○ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۹۸ء کو حضرت صدر محترمؒ نے مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ کو ریزرویشن کے مسئلہ پر غور وخوض کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں مدعو کیا۔ ○ ۱۶؍ دسمبر ۱۹۹۸ء: دینی

مدارس ومساجد کے خلاف افسران اور اخبارات کی شرانگیزی مہم پر اظہارِ تشویش کیا گیا اور مرکزی وصوبائی سرکاروں سے اس طرح کے عناصر کے خلاف مؤثر کارروائی کرنے کی سفارش کی گئی۔

۱۹۹۹ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی

چند اہم واقعات: ○ ۱۶؍فروری ۱۹۹۹ء: ریزرویشن کے مسئلہ پر پورے ملک سے بیس لاکھ ۲۷ ہزار ۳۵۴ دستخط موصول ہوئے، ان کو ایک بڑے وفد کے ساتھ صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کیا جانا طے ہوا۔ ○ معروف بزرگ ولی کامل حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمہ کے وصال پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے دعاء مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ ○ ۸؍مارچ ۱۹۹۹ء کو بڑے پیمانے پر ''مسلم اقلیتی کنونشن'' کا انعقاد کیا گیا۔ ○ ۸؍مارچ ۱۹۹۹ء کو ۱۵۲؍افراد پر مشتمل وفد نے جن میں علماء، وکلاء، ممبرانِ پارلیمنٹ شامل تھے، صدر جمہوریہ کو حضرت کی قیادت میں میمورنڈم پیش کیا اور اسی دن ''اقلیتی کنونشن'' ہوا۔ ○ ۲۲؍اپریل ۱۹۹۹ء کو سووا کے مسلمانوں کے خلاف سربوں کے جارحانہ رویہ کی حضرت صدر محترمؒ نے پرزور مذمت کی اور اقوام متحدہ سے مطالبہ یا کہ وہ اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے سربیا کے انسانیت سوز مظالم کو بند کرائے۔ ○ ۱۸؍جون ۱۹۹۹ء صدر محترمؒ نے کارگل میں پاکستان کی فریب کارانہ جارحیت کی سخت مذمت کی اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ چوں کہ اس نے جارحیت میں پہل کی ہے، اس لئے اس کی اخلاقی وقانونی ذمہ داری ہے کہ وہ قیام امن کے لئے پہل کرے اور ہماری سرحدوں سے واپس لوٹ جائے، اس کے ساتھ ساتھ صدر محترم نے اس وقت کی حکومت کی مجرمانہ غفلت پر بھی ناراضگی کا اظہار کیا ہے، جس نے ملک کی سرحد کی حفاظت کے سلسلہ میں انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے کہ پاکستان کی جارحیت کے خلاف بروقت کارروائی نہیں کی۔ ○ یکم اگست ۱۹۹۹ء کو اس ملک میں مسلمانوں کے مسائل اور حقوق کے حوالہ سے بڑے پیمانہ پر دہلی میں عظیم الشان ''جمہوری کنونشن'' کا انعقاد عمل میں آیا۔ ○ ۳۰؍جولائی ۱۹۹۹ء کو جامعہ ہمدرد کے متولی وبانی حکیم عبدالحمید صاحب کی رحلت پر اظہار افسوس کیا گیا اور دعاء مغفرت کی گئی۔ ○ اسی طرح عالم اسلام کی مؤقر اور بااثر شخصیت شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور مشہور ومعروف عالم دین وروحانی مرشد مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوری کے سانحہ

ارتحال پر بھی اظہار رنج وغم کیا گیا اور مغفرت کی دعاء کی گئی۔ ○ یکم دسمبر ۱۹۹۹ء کو افغانستان میں امریکی جارحیت اور چیچنیا میں روسی درندگی کی بھرپور مذمت کی گئی اور اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس خونی کھیل جلد از جلد بند کروائے۔

۲۰۰۰ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی

چند اہم واقعات: ○ ۲۶؍جنوری ۲۰۰۰ء کی مجلس عاملہ میں عالمی شہرت یافتہ عالم دین، ندوۃ العلماء کے ناظم اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور ان کی وفات کو ملت کے لئے عظیم ترین سانحہ وصدمہ قرار دیا گیا۔ ○ نیز مشہور ملی وسماجی کارکن مولانا اسحٰق سنبھلیؒ کی وفات پر بھی دکھ کا اظہار کیا یا اور مرحومین کے لئے دعاء مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ ○ ۲۶؍جنوری ۲۰۰۰ء کو صدر محترمؒ یوپی حکومت کے منظور کردہ عبادت گاہ بل کو اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی اور آئینی حقوق کی پامالی کے مرادف قرار دیا اور بھرپور انداز میں اس کی مخالفت کا اعلان کیا، نیز لکھنؤ میں بڑے پیمانہ پر ۵؍مارچ میں پروگرام کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ ○ لکھنؤ اجلاس کی کامیابی کے بعد اس سے بڑے پیمانہ پر ملک کی راجدھانی دہلی کے وسیع وعریض میدان ''رام لیلا گراؤنڈ'' میں اجلاس عالم کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا اور بتاریخ ۱۳؍مئی ۲۰۰۰ء کو یہ اجلاس نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا، جس میں دسیوں لاکھ افراد نے شرکت کی اور حکومت یہ بل سرد بستہ میں ڈالنے پر مجبور ہوگئی۔

۲۰۰۱ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی

چند اہم واقعات: ○ ۲۳؍فروری ۲۰۰۱ء کو صدر محترم نے گجرات میں آنے والے بھیانک زلزلے اور ناقابل بیان تباہی پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور شہداء کے ورثاء سے اظہار تعزیت کیا، نیز جمعیۃ علماء ہند کی زیر نگرانی انجام دی جانے والی بازآبادکاری وریلیف کی مہم پر اظہار اطمینان کیا۔ ○ ۱۷؍مارچ ۲۰۰۱ء کو دہلی اور ملک کے دوسرے حصوں میں وقوع پذیر ہونے والے قرآن سوزی کے واقعات پر صدر محترمؒ نے گہرے دکھ کا اظہار کیا اور حکومت سے مجرموں کی

گرفتاری کا مطالبہ کیا، نیز مسلمانوں کو صبر وتحمل سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ ○۲/۳ مئی ۲۰۰۱ء کو دہلی کے ''تال کٹورہ اسٹیڈیم'' میں غیر مقلدین کی فتنہ پردازیوں کے خلاف ''تحفظ سنت کانفرنس'' کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں ملک کے مشاہیر علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ ○ ۲۴/دسمبر ۲۰۰۱ء کو آئندہ ٹرم کے لئے حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی صدرات کا اعلان کیا گیا، اور بمشورۂ اراکین مجلس عاملہ صدر محترم نے مولانا سید محمود مدنی کو ''ناظم عمومی'' نامزد فرمایا۔

۲۰۰۲ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید محمود مدنی صاحب

چند اہم واقعات: ○ ۷/مارچ ۲۰۰۲ء کو صدر محترمؒ نے گجرات میں رونما ہونے والے گودھرا حادثہ پر دلی رنج وغم کا اظہار کیا اور اسے نہ صرف اسلامی تعلیمات؛ بلکہ انسانی اخلاق کے خلاف سنگین اور مجرمانہ حرکت قرار دیا، اور اس شرمناک حادثہ کے بعد گجرات میں پھوٹ پڑنے والے مسلم کش فساد کے لئے گجرات سرکار کو مورد الزام قرار دیا۔ ○ ۲۴/مارچ ۲۰۰۲ء کو صدر محترمؒ نے آیات جہاد سے متعلق پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں پر اظہار تشویش کیا اور ان کے ازالہ کے لئے اردو، انگریزی اور ہندی میں مضامین تیار کراکے شائع کرنے پر زور دیا۔ ○ دیوان سید صولت حسین اجمیری کے سانحۂ ارتحال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے تجویز تعزیت منظور کی۔ ○ ۲/مئی کو ''رام لیلا میدان'' میں حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی صدرات میں ''دلتوں اور مسلمانوں کی مشترکہ بھارت بچاؤ ریلی'' ہوئی، جس میں دسیوں لاکھ افراد نے شرکت کی۔ ○ اس اجلاس نے گجرات فسادات کے باعث مسلمانوں میں پھیلی ہوئی سراسیمگی کے اثرات کو زائل کرنے میں نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی۔ ○ مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ، مولانا رشید الدین صاحب حمیدیؒ، قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ، مولانا کلیم اللہ نوریؒ، مولانا احمد علی آسامیؒ، اہلیہ محترمہ حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ اور دیگر حضرات کے انتقال پر تجویز تعزیت منظور کی گئی۔ ○ ۲۰/جون ۲۰۰۲ء کو صدر محترم نے طے کیا کہ اقلیتوں کے مطالبات پر مشتمل ایک میمورنڈم وزیر اعظم کو پیش کیا جائے اور اگر حکومت اس پر کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دے تو اس کے خلاف ''سول نافرمانی'' کی تحریک چلائی جائے۔ چناں چہ طے شدہ پروگرام کے مطابق جب حکومت کی جانب سے مطالبات پر مثبت کارروائی نہ کی گئی تو ۲/اکتوبر ۲۰۰۲ء سے ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۲ء تک ''ملک وملت بچاؤ

تحریک'' چلائی گئی، جس میں تیس ہزار سے زائد افراد نے علامتی گرفتاریاں دیں، اور تحریک کے آخری روز مولانا سید محمود صاحب مدنی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں ایک بڑے مجمع نے وزیر اعظم ''اٹل بہاری واجپئی'' کی رہائش گاہ کا اچانک گھیراؤ کرلیا، جس سے سیکورٹی اہل کاروں کے پاؤں تلے زمین نکل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے علاقہ چھاؤنی میں تبدیل ہوگیا، اس تحریک نے پورے ملک کے مسلمانوں میں عزم وحوصلہ پیدا کیا اور خوف ودہشت کے ماحول سے انہیں نکال باہر کھڑا کیا۔ ○ گجرات زلزلہ سے متأثرہ علاقوں میں جمعیۃ علماء کے زیر انتظام قائم کردہ مختلف تعلیمی وسماجی اداروں میں جاری کاموں پر اظہار اطمینان کیا گیا، ان میں ''جمعیۃ چلڈرن ولیج'' (انجار) خواتین کے لئے پیشہ وارانہ تربیتی ادارہ اور ہوسٹل (بھج) اسکول اور ڈسپنسری وغیرہ ہیں۔ ○ شیخ حبیب محمود مدنی (مدینہ منورہ) کے سانحۂ ارتحال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے دعاء مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

۲۰۰۴ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید محمود مدنی صاحب

چند اہم واقعات: ○ صدر محترم نے دینی مدارس ومساجد میں سرکاری مداخلت کے حوالہ سے پارلیمنٹ میں پیش کئے جانے والے بل کی بھرپور مخالفت کی اور مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ نہ تو حکومت کے مقرر کردہ اساتذہ کو قبول کیا جائے اور نہ ہی حکومت سے کسی طرح کی کوئی مدد لی جائے۔ ○ ۶/مارچ ۲۰۰۳ء کو ایک حقیقی سیکولر سیاسی پارٹی کی تشکیل کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس کے مضمرات پر غور وخوض کے لئے سات رکنی کمیٹی صدر محترم کے مشورہ سے تشکیل دی گئی۔ ○ ۸/مارچ ۲۰۰۳ء کو مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ افراد صدر محترم کی دعوت پر جمع ہوئے اور جامع مسجد دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس ''مدارس دینیہ'' کی حفاظت وصیانت کے حوالہ سے منعقد ہوا۔ ○ ۹/مارچ ۲۰۰۳ء کو رام لیلا میدان میں ستائیسواں اجلاس عام منعقد ہوا۔

۲۰۰۴ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید محمود مدنی صاحب

چند اہم واقعات: ○ جمعیۃ علماء ہند کی مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں آندھرا پردیش حکومت

نے مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کا فیصلہ کیا جس کی تحسین کی گئی۔ ○ ۲۳؍اگست ۲۰۰۴ء کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں مشترکہ کانفرنس ریزرویشن کے مسئلہ پر ہوئی، جس میں بڑی تعداد میں ماہرین تعلیم، وکلا، دانشوراور ممبرانِ پارلیمنٹ نے شرکت کی۔

۲۰۰۵ء

صدر: فدائے ملت حضرت مولانا سیداسعد صاحب مدنیؒ

ناظم عمومی: مولانا سید محمود مدنی صاحب

چند اہم واقعات : ○ جنوبی ہند میں آنے والے قیامت خیز سمندری طوفان پر صدر محترم نے گہرے رنج کا اظہار کیا اور جمعیۃ علماء کے اہل کاروں نے ہر طرح کا تعاون دینے کا مشورہ دیا۔ ○ ۲۷/۲۸/۲۹؍اپریل ۲۰۰۵ء کو بنگلور میں ''ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ'' کے موضوع پر آٹھواں فقہی اجتماع ادارۂ مباحث فقہیہ کے زیر اہتمام ہوا۔ ○ ۲۹؍مئی ۲۰۰۵ء کو جمعیۃ علماء ہند کا ''اٹھائیسواں اجلاس عام'' پوری آب وتاب کے ساتھ رام لیلا گراؤنڈ دہلی میں منعقد ہوا۔ ○ ۲۷؍مئی ۲۰۰۵ء کو صدر محترم کے اعلان پر پورے ملک میں امریکی تعذیب خانہ میں فوجیوں کے ذریعہ قرآنِ کریم کی بے حرمتی پر ''یوم احتجاج'' منایا گیا۔ ○ حضرت فدائے ملت علیہ الرحمہ کی صدارت میں آخری مجلس عاملہ ۳۰؍اگست ۲۰۰۵ء کو دہلی میں ہوئی۔ ○ مورخہ ۵؍نومبر ۲۰۰۵ء مطابق ۲؍شوال المکرّم کو دیوبند میں حضرت فدائے ملت کو سر میں شدید چوٹ لگی جس سے گہری بے ہوشی میں چلے گئے، اور اسی حالت میں مسلسل تین مہینہ ۵ دن کے بعد مؤرخہ ۶؍فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ دہلی کے اپولو اسپتال میں انتقال فرمایا اگلے روز صبح دیوبند کے مزار قاسمی میں تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

○○

❑ مفتی اشتیاق احمد بہرائچی
استاذ مدرسہ نور العلوم بہرائچ

فدائے ملت کی زرّیں خدمات

جمعیۃ علماء یوپی کے اسٹیج سے

جمعیۃ علماء جو ملک کی آزادی اور اسلامیانِ ہند کی دینی، فکری، ملی اور سیاسی خدمات کے حوالہ سے اپنی ایک شاندار تاریخ کی مالک جماعت ہے، جس نے وطن کی آزادی و سالمیت، ملتِ اسلامیہ کی عزت و آبرو کی بقا اور اس کے حقوق کی بازیابی نیز حوصلہ مندانہ زندگی کے حصول کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا ہے، اس جماعت پر شروع سے رب کریم کا فضل و احسان رہا کہ اس کی سرپرستی نابغۂ روزگار ہستیوں وقت کے صلحاء اہل اللہ اور ارباب فضل و کمال نے کی ہے اور اس کی زمامِ قیادت ہمیشہ ایسے ارباب فکر و دانش کے ہاتھوں میں رہی ہے جنھوں نے سفینۂ ملت کو آزمائش و خطرات سے بچا کر ساحل مراد تک پہنچانے کی کامیاب شناوری کی ہے، اس کے قائدین باتمکین کی ایک طویل فہرست ہے، جنھوں نے افقِ سیادت پر طلوع ہو کر اپنی تابانی و ضوفشانی سے عالم کو درخشانی بخشی ہے، اِن آفتاب و ماہتاب میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد فخر الدینؒ، سیّد الملت حضرت مولانا سیّد محمد میاں دیوبندیؒ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے اور اسی سلسلۃ الذہب کے ایک کڑی تھے۔ امیر الہند، فدائے ملّت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی جب مذکور الصدور باتوفیق حضرات نے اپنے اپنے حصّہ کی دینی وملی خدمات انجام دے کر اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی جانب کوچ کیا تو اس آبروئے ملت جماعت، جمعیۃ علماء ہند کی قیادت وسیادت حضرت شیخ الاسلامؒ کے فرزند ارجمند مسیحائے قوم وملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی نے سنبھالی جن کو خدا کے غیبی خزانے سے ایمان ویقین کی غیر متزلزل طاقت، جرأت ایمانی وحمیت دینی کا بے پناہ جذبہ،

عزم واستقلال کی صلابت، عزم جواں وجہد عمل کی قوت اور اصابت رائے وفکر کی پختگی سے وافر حصّہ ملا تھا۔ مبدأ فیاض نے ان کو زبان ہوشمند اور دلِ درد عطا کیا تھا وہ موجودہ دور میں اپنی عبقری ذہانت، فہم وفراست، طویل تجربات اور اپنے کثیر وبے مثال دینی وملی خدمات کے حوالہ سے بے نظیر انسان تھے ان کی ساٹھ سالہ بے تکان جہد وعمل کی زندگی میں جمعیۃ علماء نے وسعت وہمہ گیری کے ساتھ عروج وارتقاء کی منازل طے کی ہیں اور ملی ودینی خدمت کا کوئی عنوان ایسا نہیں ہے جس میں انھوں نے اپنے سعی وجہد کے روشن نقوش نہ چھوڑے ہوں وہ ہر میدان کے قافلہ سالار تھے اور بجاطور پر ملت کو ان کی قیادت پر ناز تھا، اسی لیے ملک کے طول وعرض میں جب بھی کوئی طوفان سر اُٹھاتا یا آسمانی حادثہ پیش آتا تو ملت کی نگاہیں انھیں کی طرف اُٹھتی تھیں اور وہ خود بھی ایسے حالات سے غیر معمولی مضطرب وبے چین ہوجاتے تھے اور مناسب وکارگر تدبیر وعلاج تک بے چین وفکرمند رہتے۔ لیکن افسوس جب ان کی قیادت اور ان کی دینی، ملی، سیاسی بصیرت کی قوم وملت کو سب سے زیادہ ضرورت تھی تو اس دنیائے دوں سے منہ موڑ کر عالم جاودانی کو سدھار گوے انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون اللّٰہ ان کی مساعی جمیلہ کو حسنِ قبول سے نوازے۔ (آمین)

حضرت مولانا مدنیؒ فکر وعمل کے انسان تھے پوری زندگی افکار ومسائل کے بیچ گزری تھی اس لیے اس کی تمام تفصیل کو حیطۂ تحریر میں لانا آسان امر نہیں ہے۔ اس لیے مشتے نمونہ از خروارے جمعیۃ علماء سے وابستگی عہدہ صدارت یوپی کے کارہائے نمایاں جو آپ کی ملی سرگرمیوں کا سرعنوان تھا پیشِ خدمت ہے۔

حضرت فدائے ملت کی جمعیۃ سے وابستگی:

حضرت فدائے ملتؒ نے جب آنکھیں کھولیں تو ملک کی آزادی کا بگل بج چکا تھا جمعیۃ علماء ہند جس کا ملک کی آزادی میں قائدانہ کردار رہا ہے اس کے فعال قائدین جذبۂ جہاد سے سرشار ملک کو انگریزوں کے ظلم واستبداد سے نجات دلانے کے لیے میدان کارزار میں سربکف مورچہ سنبھالے ہوئے تھے آپ کے والد حضرت شیخ الاسلامؒ جو جمعیۃ کے صفِ اول کے مجاہدین میں تھے ان کی جمعیۃ کو پروان چڑھانے کی سعی، ملک کی آزادی کی تئیں گرفتاری، قید وبند، آزادی کی اسکیمیں، پروگرام، قائدین کے تبادلۂ خیال کی بزم آرائی فدائے ملتؒ نے سن شعور ہی سے اپنے صحن میں دیکھی تھی۔ ظاہر سی بات ہے ایسے ماحول میں جو ذہن ودماغ پروان چڑھے گا وہ یقیناً جمعیۃ کی فکر سے روشن، وطن کی قربانی سے سرشار اور عزم وحوصلہ سے لبریز ہوگا اور مستقبل میں جہد وعزیمت اور ہمّت شکن وحوصلہ شکن حالات میں فولادی عزم واستقلال کا جو مظاہرہ سامنے آیا وہ اسی ماحول

کی پرداخت کا اثر تھا۔حضرت مولانا مدنیؒ ۱۹۴۴ء میں باضابطہ جمعیۃ کے ممبر بنےاور جماعتی کاموں سے دلچسپی لینا شروع کیا۔لیکن ابھی آپ کا تعلیمی دور تھا دارالعلوم دیو بند سے فراغت کے بعد دارالعلوم سے تدریس کا تعلّق قائم ہوا اس زمانہ میں آپ نے تدریسی خدمت، والد صاحب اور مہمانوں کی خدمت کے ساتھ مقامی جمعیۃ کے کاموں میں حصّہ لینا شروع کیااور آپ کوحضرت شیخ الاسلامؒ کے زمانہ ہی میں دیوبند جمعیۃ علماء کا نائب صدر بنایا گیا۔لیکن تقاضوں اور مطالبات کے باوجودوالدصاحب کی حیات میں اپنی سرگرمیوں کومحدود ہی رکھا۔(جمعیۃ علماء نمبر ۴۴۹)

فدائے ملتؒ کی ملی سرگرمیاں:

حضرت شیخ الاسلامؒ نے ۵۷ء میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی جانب رحلت فرمائی تو یہ سانحہ تمام ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بالخصوص ارباب جمعیۃ اورآپ کے متعلقین ومتوسلین کے لیے سخت کرب و بے چینی کا تھا حضرت شیخ الاسلامؒ جن کو ہندوپاک میں علمی، دینی، سیاسی اور روحانی میدانوں میں خصوصیت سے مرجعیت کا مقام حاصل تھا اس لیے اس خالی مسند کا پر کیا جانا وقت کا اہم تقاضا اورسخت ضرورت تھی اس کے لیےسب سے زیادہ موزوں اورسب سے زیادہ مناسب جس شخص کوسمجھا گیا اور جس پرسارے لوگوں کی نظر انتخاب مرکوز ہوتی وہ تھے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ جن کو اللہ نے خدمت،قربانی،فراست،عزم وحوصلہ، اور مجاہدہ میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا مثیل بنایا تھا اور جن کو شیخ الاسلامؒ کے سفروحضر کے بے شمار تجربات تھےاور پھر بعد میں انھوں نے تاریخ ہندوستان میں اپنی دینی وملی خدمات کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔

جمعیۃ علماء یوپی کی صدارت:

حضرت شیخ الاسلامؒ جو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط سہارااور جمعیۃ علماء کے ایک مضبوط ستون تھےاورآپ سے امت کو بڑی توقعات وابستہ تھیں اور جب آپ کا انتقال ہوگیا تو وہ تمام توقعات آپ سے وابستہ کی گئیں اور محبین، مخلصین و متعلقین کی جانب سے آپ پرسرگرم قیادت کا زور پڑا جس سے انکار آپ کے لیے ممکن نہ ہوسکا چنانچہ ۲۳/۲۴/جون ۶۰ء کومرادآباد کے انتخابی اجلاس جمعیۃ علماء اُترپردیش کے موقع پر آپ کو ملک کے سب سے بڑے صوبہ کی صدارت تفویض کی گئی جمعیۃ علماء یوپی کوایسے ہی فعال نوجوان قیادت کی ضرورت تھی اس لیے کہ وہاں کسی فعال قیادت کے نہ ہونے کے سبب بہت سے اضلاع میں جمعیۃ کا وجود برائے نام تھا صوبہ کے بہت سے کارکنان قیادت کے متحرک نہ ہونے کے سبب میدان سے مٹ گئے تھے صوبائی جمعیۃ دفتر کے کرایہ اور دیگر اخراجات کے سبب مقروض تھی۔

تنظیم واستحکام کی سعی:

کسی بھی جماعت کے فعال ومتحرک کردار کے لیے ضروری ہے کہ اس کا تنظیمی ڈھانچہ مضبوط ہو جماعت اپنے مشن اور پالیسیوں پر سرگرمی سے عمل پیرا ہو اس کی ہر اکائی اپنے اپنے مقام پر پورے طور پر متحرک وفعال ہو اگر جماعتی نظام میں کہیں بھی جمود وتعطل ہوگا اور تعاون وتناصر کا فقدان ہوگا تو تنظیم و جماعت اپنے فعال ومتحرک کردار سے قاصر ہوگی اس لیے حضرت مولانا مدنیؒ نے جمعیۃ علماء صوبہ یوپی کی صدارت سنبھالنے کے سب سے پہلے تنظیمی ڈھانچہ کو مضبوط کرنے کی جانب توجہ مرکوز کی۔ دفتری سرکلرس، ہدایات اور اخباری بیانات کے ساتھ۔ اپنے اور دیگر ذمہ داروں کے دورے کا پورے صوبہ میں پروگرام بنایا جماعتی رفقاء کو جوڑنے اور ان کو جماعتی سرگرمیوں سے وابستگی پر آمادہ وتیار کیا۔ مجلس عاملہ کے پہلے اجلاس لکھنؤ منعقدہ ۲۳/۲۴/ اگست ۶۰ء میں تنظیم کو توسیع و استحکام کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی پورے صوبہ کی تنظیمی استحکام کے ساتھ صوبہ کے مرکزی مقام لکھنؤ کو بھی اس میں سائل کیا گیا اور یہ طے پایا کہ تنظیمی پروگرام کی ابتداء لکھنؤ سے ہو اس کے لیے سات افراد پر مشتمل ایک تنظیمی سب کمیٹی تشکیل پائی۔ کمیٹی کی جدوجہد سے جمعیۃ کو فروغ ملا جماعتی کوشش سے کارکنان میں تحریک آئی اور لکھنؤ میں بھی جمعیۃ کے لیے وسعت کی راہیں کھلیں۔ صوبہ کے دوسرے اضلاع اور مرکزی مقامات میں نظام جمعیۃ کی تشکیل اور استحکام کے لیے صوبہ کے بائیس ذمہ داروں نے باضابطہ تحریری دستخطوں کے ساتھ اپنی خدمات پیش کیں۔ کہ وہ ہر تین ماہ میں سات دن جماعتی کام بالخصوص جماعت کی تنظیم کے لیے وقف کریں گے۔ جمعیۃ کے آرگنائزروں کو تنظیم جمعیۃ کے لیے صوبہ کے مختلف علاقوں کی ذمہ داریاں سونپی گئیں اس طرح ہمہ جہت سعی وکوشش سے جماعت میں نئی جان آئی جماعتی کاموں کا دائرہ وسیع ہوا ضلعی جمعیتوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ صوبائی احکام و ہدایات کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ جس سے پورے صوبہ میں جماعتی کام کے لیے ایک خوشگوار فضا بنی۔ حضرت مدنیؒ نے مقامی، شہری اور ضلعی جماعتوں کی تشکیل اور دوسرے معاملات کے لیے ایک واضح اور صاف دستور العمل بھی مرتب کیا تا کہ اس کی روشنی میں جمعیۃ کے قیام عہدیداروں کے انتخابات اور نظام ترکیبی کے استحکام میں کارکنوں کو سہولت ہو۔ مجلسِ عاملہ کانپور کے اجلاس منعقدہ ۱۶/۱۷ء جون ۶۲ء میں مولانا مدنیؒ نے یہ تجویز منظور کرائی کہ جمعیۃ کے کاموں سے عوام وخواص کو آگاہ کرنے اور متوجہ کرنے کے لیے ایسے لٹریچر مرتب کیے جائیں جو دینی بنیادوں پر ترتیب دیے گئے ہوں تا کہ مسلمان جمعیۃ کی افادیت کا پوری طرح ادراک واحساس کرسکیں اس کام کے لیے مناسب وموزوں حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب دیوبندیؒ ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند کو سمجھا گیا اور ان سے اس کام کی درخواست کی گئی۔

دینی تعلیمی تحریک:

۱۸۵۷ء سے قبل پورے ملک میں جگہ جگہ دینی تعلیم کے مراکز مدارس ومکاتیب قائم تھے جس سے دینی تعلیم کو لے کر دانشورانِ قوم وملت کو کوئی فکر دامنگیر نہیں تھی لیکن جیسے ہی سلطنت مغلیہ کا زوال ہوا اور فرنگی قزاق ملک کے دروبست کے مالک ہوئے، دیکھتے دیکھتے دینی و مذہبی سب ادارے ویران ہوگئے ملک کی آزادی کے بعد جو حکومت وجود میں آئی وہ سیکولر بنیادوں پر تشکیل پائی تھی اس کے ذمہ دینی، مذہبی تعلیم کی ذمہ داری نہیں تھی اس لیے مذہبی دینی تعلیم کا انتظام مسلمانوں کے بنیادی اہم مسائل میں سے تھا۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء کے بعد جیسے ہی ملک میں امن وامان کی فضا بحال ہوئی جمعیۃ نے اس کو بنیادی اہم مسئلہ قرار دے کر اقدامات شروع کردیے جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۴۸ء میں دہلی کے اندر ایک کل ہند تعلیمی اجلاس طلب کیا جس میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بھی شرکت کی پھر مرکزی وصوبائی جمعیتوں کی کوششوں سے احمد آباد، کان پور اور جے پور وغیرہ میں بڑی بڑی تعلیمی کانفرنسیں ہوئیں ان ابتدائی کوششوں کے بعد ۱۹۵۴ء عروس البلاد بمبئی میں تمام مکاتیب ضیال کا ایک آل انڈیا دینی تعلیمی کنونشن طلب کیا گیا جس کے داعی مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ صاحب اور سرپرست حضرت شیخ الاسلامؒ تھے جس میں بڑی تعداد میں تمام مکاتیب فکر کے علماء وفضلاء اور دانشوران نے شرکت کی اس کنونشن کی بنیادی اہم تجویز کا خلاصہ یہ تھا ''پورے ملک میں ہر مسلمان بچے کو دینی تعلیم دینے کے لیے ہر شہر ہر بستی اور ہر محلے کی مسجد میں دینی تعلیمی سینٹر اور شبینہ صباحی اسلامی مکاتیب قائم کیے جائیں'' اس کے علاوہ اساتذہ ٹریننگ، نصاب کی ترتیب اُردو کے علاوہ دیگر علاقائی زبانوں میں دینی تعلیمی کورس کی فراہمی وغیرہ اجلاس میں موضوع بحث رہے اس کام میں تسلسل برقرار رکھنے کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے ایک دینی تعلیمی بورڈ قائم کیا، مرکزی جمعیۃ نے تمام صوبائی جمعیتوں وشاخوں کو تعلیمی تحریک چلانے، مکاتیب ومدارس کے قیام اور صوبائی وضلعی سطح پر تعلیمی بورڈ کے قیام پر احکامات صادر کیے جس سے پورے ملک میں دینی تعلیم کو لے کر کافی بیداری پیدا ہوئی۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے یوپی جمعیۃ کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد دینی تعلیم کے فروغ کو خصوصی اہمیت دی اور اوّل دن ہی سے اس کے لیے جد وجہد شروع کردی چنانچہ انتخابی اجلاس ہی میں اضلاع کی جمعیتوں کو قائم شدہ مدارس ومکاتیب کے سروے، ان کے تعلیمی جائزے اور معیار تعلیم کو بلند کرنے کی جانب توجہ دلائی۔ اور جن مسلم علاقوں میں ضرورت کے باوجود مکاتیب قائم نہیں ہوسکے ہیں ان کی فہرست طلب کی۔ عوامی سطح پر تعلیمی بیداری کے لیے ضلع جمعیتوں کو حکم دیا کہ وہ یک روزہ ضلعی تعلیمی کانفرنس منعقد کریں، علماء اور رائمہ سے شبینہ وصباحی

مکاتیب کے قیام اور تعلیمی تعاون کی اپیل کی اس سے بڑھ کر اگلا اقدام یہ رہا کہ مرادابادہی میں دوسرے دن روہیل کھنڈ اور کمایوں کمشنریوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک تعلیمی کانفرنس کی جس میں گیارہ، بارہ اضلاع کے ذمہ دار شریک ہوئے اور کام کا خاکہ تیار کیا۔ اور اس کے عملی تجربہ کے لیے مرادآباد کو منتخب کر کے سات افراد پر مشتمل ایک تعلیمی بورڈ بنایا پھر پورے صوبہ میں اس تحریک سے عوام و خواص کو روشناس کرانے کے لیے یوپی کو تین زون میں تقسیم کر کے کچھ حضرات کو اس کا ذمہ دار بنایا۔

تعلیمی کانفرنسیں:

جہالت اور ناخواندگی پر مکمل طور پر قابو پانا عوامی بیداری کے بغیر مشکل ترین امر تھا اس لیے جمعیۃ علماء یوپی کی جانب سے منظّم پروگرام کے تحت پورے صوبہ میں چھوٹے بڑے پیمانے پر تعلیمی کانفرنسوں کا انعقاد کیا گیا جس میں دیگر زعمائے ملت کے ساتھ حضرت مولانا مدنیؒ نے خود شرکت کی اور ناخواندگی و جہالت کے نقصانات اور دینی و مذہبی تعلیم کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۲۵/جون ۱۹۶۰ء: دینی تعلیمی کانفرنس مرادا باد، زیرصدارت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ۔

۹/ستمبر ۱۹۶۰ء دینی تعلیمی کانفرنس گونڈہ، زیرصدارت حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ۔

۱۵/۱اکتوبر ۶۰ء: دینی تعلیمی اجتماع دہلی، زیرصدارت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ۔

۴/نومبر ۱۹۶۰ء: دینی تعلیمی کانفرنس اعظم گڑھ پہلا اجلاس، زیرصدارت پروفیسر امین الدین اور دوسرا اجلاس زیرصدارت مرزا نیاز احمد بیگ منعقد ہوا ہر دو اجلاس میں حضرت فدائے ملتؒ نے تقریر کی۔

۶/۵/نومبر ۱۹۶۰ء: دینی تعلیمی کانفرنس بریلی، زیرصدارت مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔

۹/نومبر ۱۹۶۰ء: دینی تعلیمی کانفرنس میرٹھ، زیرصدارت مولانا سیّد میاں دیوبندیؒ۔

۱۳/نومبر ۱۹۶۰ء: دینی تعلیمی کانفرنس علی گڑھ، زیرصدارت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ۔

۳۰/نومبر ۱۹۶۰ء: دینی تعلیمی کانفرنس سیوہارہ، صدر استقبالیہ مولانا جلیل احمد سیوہاروی۔

۲۹/جولائی ۱۹۶۰ء: مشرقی یوپی تعلیمی کانفرنس مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ۔

اس کے علاوہ غازی پور وبستی وغیرہ میں دینی تعلیمی کانفرنسیں ہوئیں اکثر کانفرنسوں میں حضرت مولانا مدنی نے شرکت کی اور اپنی تقاریر میں نئی نسل کے دین وایمان کی حفاظت کے لیے مدارس ومکاتیب کا قیام اور دینی تعلیم کو لازم اور ضروری قرار دیا۔ اسی ہمہ جہت کوشش سے عوام و خواص کے دلوں میں اپنی نئی نسل کے تئیں دینی تعلیم کو لے کر فکر پیدا ہوئی۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے

اس تعلیمی تحریک کو مزید فعال بنانے اور اس کو ایک نظام کے ساتھ مربوط کرنے کے لیے لکھنؤ کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۲۳، ۲۴؍اگست ۶۰ء میں ایک تفصیلی پروگرام پیش کیا جس میں مدارس کے الحاق تعلیمی وانتظامی معیار کی بلندی، نئے مکاتیب کا قیام، دینی و دنیاوی نصاب تعلیم کی ترتیب، نصابی کتابوں کی فراہمی اساتذہ کی ٹریننگ، سرکاری نصاب کا سیکولر نظریہ سے جائزہ وغیرہ شامل تھا۔ نیز مجلس عاملہ نے حکومت یوپی سے مطالبہ کیا کہ وہ ٹیسٹ بک کمیٹی میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کا نام شامل کرے۔

مجلس تعلیمی جمعیۃ علماء یوپی:

تعلیمی کام کے پھیلاؤ کے سبب ذمہ داروں نے محسوس کیا کہ اس اہم تعلیمی شعبہ کو ایک کمیٹی کے حوالہ کر دیا جائے جو تعلیمی تحریک کو اپنی زندگی کا مشن بنالے اس سلسلہ میں ایک سب کمیٹی مجلس عاملہ میرٹھ منعقدہ ۸؍نومبر ۶۰ء میں تشکیل پائی مولانا مدنیؒ کو اس کا کنویز متعین کیا گیا لیکن کام کی کثرت، مطالبات اور تقاضوں کے پیش نظر کمیٹی میں وسعت کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ اگلی مجلس عاملہ لکھنؤ منعقدہ ۲۹، ۳۰؍جنوری ۶۱ء میں کاموں اور تقاضوں کے جائزہ لینے کے بعد کمیٹی میں مزید توسیع کی گئی اور اس اہم تعلیمی شعبہ کو مستقل حیثیت دیکر ایک بورڈ مجلس تعلیمی جمعیۃ علماء یوپی کے نام سے بنا دیا گیا جس کا صدر حضرت مولانا مدنیؒ کو بنایا گیا اسی اجلاس میں تعلیمی تحریک کے فروغ کے لیے اور سرکاری نصاب کے جائزہ کے لیے افراد نامزد کیے گئے۔ حضرت مولانا مدنیؒ کی فکر و جدوجہد سے تعلیمی میدان میں وسعت و ہمہ گیری حاصل ہوئی مختلف اضلاع میں باضابطہ تعلیمی بورڈ کا قیام وجود میں آیا صوبائی تعلیمی بورڈ کی جانب سے آرگنائزر بھی متعین کیے گئے۔

اساتذہ کی ٹریننگ:

اچھی اور بہتر تعلیم کا دار و مدار اچھے اساتذہ کی فراہمی ہے اساتذہ ہی تعلیمی اداروں کی جان و روح ہوتے ہیں۔ تعلیمی سلسلہ کا بہتر سے بہتر منصوبہ اس وقت تک مفید اور ثمر آور نہیں ہوسکتا جب تک اچھے اساتذہ کی سرپرستی اسے حاصل نہ ہو اس لیے حضرت مولانا مدنیؒ نے اساتذہ کی ٹریننگ کا پروگرام بنایا اس کے تحت صوبہ کے مختلف اضلاع میں ٹریننگ کیمپ قائم کیے گئے جن سے تقریباً سات سو اساتذہ و مدرسین نے استفادہ کیا کیمپ میں اس بات کی تربیت دی گئی کہ طلبہ کو کم وقت میں زیادہ نصاب پڑھایا جاسکے اور دینی تعلیم کے ساتھ کمسن بچوں کو دنیاوی پرائمری تعلیم بھی دی جاسکے اس کے علاوہ حضرت مولانا مدنیؒ نے صوبہ کے تعلیمی بورڈ کے ذمہ داروں کے ساتھ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ملاقات کی اور درخواست کی کہ دارالعلوم کی ماتحتی

میں ایک ایسا سینٹر قائم کیا جائے جس میں دارالعلوم اور دیگر اداروں کے فضلاء کو ایسی ٹریننگ دی جائے جس سے وہ پرائمری کے تمام مضامین کو پڑھا سکیں اس سے مدارس ومکاتیب کو اساتذہ کی فراہمی میں بڑی سہولت وآسانی ہوگی۔حضرت مہتمم صاحبؒ کی وساطت سے ایک تجویز مجلس شوریٰ کو بھی پیش کی گئی۔مجلس شوریٰ نے کمیٹی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اس طرح کی تربیت گاہ کا عملی خاکہ مرتب کرنے کے لیےایک سب کمیٹی تشکیل دی۔

اوقاف کا تحفظ:

ہندوستان میں اوقاف کا تحفظ بھی نہایت اہمیت کا حامل مسئلہ ہے۔ ملک میں موقوفہ جائدادیں لاکھوں کی تعداد میں ہیں اوران کی آمدنی اربوں سے زائد ہے۔اگران کا صحیح انتظام و انصرام ہوجائے تو اس سے مسلمانوں کی ترقی میں کافی کچھ تعاون و مدد مل سکتی ہے لیکن وہ آزادی کے بعد سے مستقلاً ناجائز غاصبانہ قبضہ اورخرد برد کا شکار ہیں۔ جمعیۃ علماء نے اس کی حفاظت کے لیے ہمیشہ ہی پوری فکراور جدجہد کی ہے۔۱۹۵۴ء میں جمعیۃ علماء اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کی کوششوں سے وقف ایکٹ پاس ہوالیکن اس میں کچھ سقم رہا اسی لیے جمعیۃ علماء اس کے بعد بھی برابر وقف ایکٹ کےقانون میں ترمیم اوراصلاح کامطالبہ کرتی رہی ہے۔حضرت مولانا مدنیؒ نے اپنے عہدۂ صدارت یوپی کےزمانے میں اوقاف کے مسئلہ سے خصوصی دلچسپی لی موقوفہ جائدادیں جورجسٹرڈ نہ ہونے کی وجہ سے خرد برد کا شکارتھیں ان کوسنی وقف بورڈ سے رجسٹرڈ کرانے،حسابات کی جانچ اور اوقاف کوان کے صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی جدوجہد کی جس سے اوقاف کی حفاظت میں کافی کچھ مدد ملی اس دوران جن اوقاف کے لیےمقدمات کی پیروی اوردوسری طرح جدوجہد کی گئی ان میں علی گڑھ کے تین اوقاف، مسافرخانہ، قبرستان انبیاءاولیاایک اورمسجد، سہارنپور کی جامع مسجد، درگاہ کلیر شریف، مسجد مظفرنگر، مسجد مدرسہ شاہی مراداباد، انجمن اسلامیہ بریلی، درگاہ بہرائچ، اسی طرح بستی اور مرزاپور کےاوقاف داخل ہیں۔

مردم شماری:

۱۹۶۱ءمیں آزادی کے بعد دوسری بار مردم شماری ہوئی اس موقع پر مولانا مدنیؒ نے ایک واضح سرکلر کےذریعہ کارکنوں کوتوجہ دلائی کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں مردم شماری کےاندراج کی نگرانی کریں اوراس سلسلہ میں مدارس کےاساتذہ مساجد کے ائمہ اوردینی انجمنوں کے کارکنان سے تعاون لیں تاکہ مردم شماری صحیح صحیح ہوسکے اوراس بات کی جانب خاص توجہ دی جائے کہ مسلمان کی زبان کےخانہ میں اردو، مذہب کےخانہ میں اسلام اورقومیت کے خانہ میں ہندوستان اندراج ہو

اور اگر اس کی پوری نگرانی نہیں کی گئی تو سرکاری عملہ کے متعصّبانہ ذہنیت سے شدید خطرہ ہے کہ صحیح اندراج نہ کرے اور مسلمانوں کی صحیح تعداد اور زبان کی صحیح شکل سامنے نہ آسکے،اس سے کارکنان میں مردم شماری کو لے کر دلچسپی پیدا ہوئی اور مردم شماری کی صحیح اندراج میں مدد ملی۔

اردو کو سرکاری زبان کا مطالبہ:

اردو ہندوستان کی ایک ایسی زبان ہے جو پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جس کی شیریں وحلاوت سے بلا کسی تفریق ہندو مسلم سکھ عیسائی سبھی محظوظ ہوئے ہیں لیکن بعض فرقہ پرست عناصر نے اس کو مسلمانوں کی زبان قرار دے کر تمام ظلم وجور اس بے زبان کے ساتھ کیا گیا، جو مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا گیا تھا جمعیۃ علماء نے اردو کے حق کے لیے لڑائی لڑی اور اس کو انصاف دلانے کی جد وجہد کی۔ مولانا مدنیؒ نے اپنی صدارت یوپی کے زمانے میں اردو کو اتر پردیش میں دوسری سرکاری زبان تسلیم کیے جانے کے مطالبہ کو لے کر ایک مشترکہ تحریک غیر فرقہ وارانہ بنیاد پر چلائی جس میں تمام کارکنان جمعیۃ شریک ہوئے اور اس سے بڑھ کر حکومت یوپی سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ وہ یوپی جیسے صوبہ میں ایک ایسی یونیورسٹی قائم کرے جس کا ذریعہ تعلیم اردو ہو چنانچہ اس وقت اور پھر بعد کی کوشش سے یوپی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا اگر چہ اس کے ساتھ ظلم وناانصافی اب بھی جاری ہے۔

ساھتیہ اکیاڈمی:

موجودہ دور جو خالص مادہ پرستانہ اور دینی واخلاقی زوال کا ہے دینی واخلاقی تعلیمات سے عام بے خبری وجہالت پائی جارہی ہے اور دینی اخلاقی سدھار اور تعمیری انسانیت میں جن کتابوں سے رہنمائی اور مدد مل سکتی ہے وہ سارا سرمایہ ہمارا اردو میں ہے اور نئی نسل اردو سے بالکل ناواقف اور نابلد ہے اس لیے حضرت مولانا مدنیؒ نے اردو سے ناواقف لوگوں تک دینی واخلاقی تعلیم پہنچانے کے لیے پروگرام بنایا کہ اسلامی اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل کتابوں کو آسان ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط میں منتقل کیا جائے تاکہ اردو سے ناواقف لوگوں کے لیے استفادہ آسان ہو۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے ایک ادارہ بنام ساہتیہ ایکاڈمی منظور کیا گیا۔ مجلس عاملہ کانپور منعقدہ ۱۶/ ۱۷/جون ۶۲ء میں اس کا دستور منظور کیا گیا ادارہ کے ارکان میں حضرت مدنیؒ کا نام بھی شامل تھا۔

مسلم فنڈ دیوبند:

ملک کی آزادی کے بعد حکومت کی غلط پالیسیوں اور فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے مسلمانوں کو زبردست اقتصادی بحران کا شکار ہونا پڑا ہے جس کے سبب مسلم سماج ومعاشرہ اپنی

اقتصادی بدحالی دور کرنے کے لیے سود در سود کی لعنت میں گرفتار ہوگیا جو انتہائی افسوسناک پہلو ہے۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا عبد الصمد رحمانی نے ایک ایسی کمیٹی کا خاکہ پیش کر کے علماء امت سے استفتاء کیا جس کا مقصد مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کا دور کرنا اور بینک وغیرہ کے سود در سود سے بچا کر بلاسودی قرض مہیا کرنا تھا اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ دہلوی اور دیگر علماء کبار نے نہ صرف ایسی کمیٹی کے قیام کو جائز بتلایا بلکہ اس کے قیام کو مستحسن اور محمود قرار دیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے تحریر فرمایا کہ ''اس طرح مسلمانوں کی خبر گیری کرنے میں بہت زیادہ ثواب کی امید ہے (کفایت المفتی: ص۱۱۲ تا ۱۲۳ جلد ہشتم) اس کا پہلا عملی تجربہ ۱۹۴۰ء میں ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور میں کیا گیا اور وہ کامیاب رہا۔ حضرت مولانا مدنی نے مجلس عاملہ امروہہ منعقدہ ۲۷، ۲۸/اپریل ۱۹۶۱ء میں مسلم فنڈ کے قیام کی تجویز منظور کرائی اور اس سلسلہ میں اقدام کرتے ہوئے ۱۱/ستمبر ۶۱ء کو مسلم فنڈ دیوبند قائم کیا۔ مولانا حسیب احمد صدیقی لکھتے ہیں سب سے پہلے دیوبند کی انقلاب آفریں سرزمین پر اس نقش ثانی کو زندہ کرنے کے لیے حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی مدظلہ نے عزم مصمم کیا۔'' آگے لکھتے ہیں'' حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے دارالحدیث دارالعلوم میں انعقاد جلسہ کی اجازت لے کر ۱۱/ستمبر ۱۹۶۱ء کو بعد نماز عشاء دیوبند کے مخلص، باعمل اور ملی جذبہ رکھنے والے افراد کا ایک نمائندہ اجلاس حضرت قاری صاحب مرحوم ومغفور کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں فدائے ملتؒ نے سود در سود کے شکنجے میں پھنسے مسلمانوں کے واقعات بڑے دلدوز انداز میں پیش کیے اور دعوت فکر وعمل دے کر ''مسلم فنڈ دیوبند'' کے ابتدائی اخراجات کے لیے ایک ہزار بیالیس روپے پچاس پیسے جمع کیے (مسلم فنڈ دیوبند کے تیس سال، ص۳-۴) معمولی وقت میں اس ادارہ نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کی پھر اس نہج پر ملک میں دوسو سے زائد ادارہ وجود میں آئے۔

صوبہ کے فسادات:

ملک کی آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمان جن اہم مسائل سے دوچار ہیں ان میں سے ایک ان کی جان و مال کا تحفظ ہے ملک کی آزادی کے بعد ملک میں ہزاروں کی تعداد میں فرقہ وارانہ فسادات ہوچکے ہیں اور ان میں یک طرفہ طور پر مسلمانوں کو جانی و مالی اعتبار سے تباہ و برباد کیا گیا ہے ایک ایک فساد میں دس دس ہزار مسلمانوں کو شہید کیا گیا ہے اور مالی نقصان کا توصحیح اندازہ لگانا ممکن ہی نہیں ہے جمعیۃ علماء کی تاریخ اس سلسلہ میں بہت روشن اور تابناک ہے کہ جب بھی ملک میں کوئی فساد رونما ہوا ہے تو اس کے قائدین جان کی بازی لگا کر جائے فساد پر پہنچے ہیں

اور ریلیف، باز آبادکاری اور مظلوم ستم رسیدہ مسلمانوں کی ہر ممکن امداد کی سعی وکوشش کی ہے۔ راؤڈ کیلا جبل پور سے لے کر گجرات تک فسادات کی تاریخ اس کی شاہد ہے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء کے درمیان صوبہ کے مختلف مقامات میرٹھ، ہاپوڑ، علی گڑھ، بڑوت، چندوسی، فیروز آباد، پڈرونہ، بہیڑی وغیرہ میں فرقہ وارانہ تشدد برپا ہوئے جن میں مسلمانوں کو زبردست مالی تباہی اور جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے جماعتی رفقاء اور مرکزی جمیعۃ کے تعاون سے متاثرین کی مدد کی ریلیف کا بندوبست کیا۔ جائے واردات کے دورے کیے وزراء وحکام سے مل کر فسادات کے روک تھام کی کوشش کی، شرپسندوں کی گرفتاری اور مقدمات کی مانگ کی ۹/۱۰/ دسمبر ۶۱ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس مجاہد ملتؒ کی موجودگی میں ہوا۔ اس میں فسادات کے حوالہ سے سخت تجویز منظور کی گئی۔

دارالعلوم دیوبند کی تلاشی:

ملک کے فرقہ وارانہ فسادات مسلمانوں کے لیے سوہان روح تھے ہی اس سے بڑی قیامت مسلمانوں پر یہ گزری کہ ۶۳ء میں فسطائی ذہنیت کے لیڈران اور حکام کی گھناؤنی سازش سے ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل اور ملت کی عزت وحرمت کا نشان دارالعلوم دیوبند کے ساتھ یہ مذبوحی حرکت کی گئی کہ بغیر کسی پیشگی اطلاع واجازت کے پولس اور آفیسران نے احاطہ دارالعلوم میں داخل ہوکر دفتر اہتمام، محاسبی اور مہتمم صاحب کے گھر کی تلاشی لی اور الزام یہ لگایا کہ دارالعلوم میں پاکستان سے روپیہ درآمد کیا جاتا ہے جبکہ بسیار تلاش وجستجو کے باوجود پولس وافسران کو کوئی قابل اعتراض دستاویز نہ مل سکی اور ان کو اپنی روسیاہی کے ساتھ ناکام واپس جانا پڑا حکومت کی اس بزدلانہ اور احسان فروشانہ جسارت پر تمام علمی اسلامی حلقوں میں حیرت اور رنج کا اظہار کیا گیا۔ حکومت کے خلاف مذمتی قراردادیں پیش کی گئیں۔ حکومت اور سازشی ٹولہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ دارالعلوم اپنی قدیم شاندار بےلوث اور قابل فخر روایات سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اسلام کی جامعیت کبریٰ کا یہ مرکز لامرکزیت کی نظر ہوکر رہ جائے حالانکہ یہی وہ دارالعلوم ہے جہاں سے پہلی بار ملک کی آزادی کا شعلہ بلند ہوا اور جس نے ہندوستان اور اس کے عوام کو آزادی استخلاص وطن اور قومی شرف کا سبق دیا اور جس کی کوکھ سے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت شیخ الاسلامؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جیسے جرنیل ملک کو ملے۔

حضرت مولانا مدنیؒ نے امروہہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں حکومت کے خلاف سخت مذمتی قرار داد پاس کرائی اور اس سلسلہ میں ایک سات نفری مجلس عملی بنائی کہ وہ حالات کا جائزہ لے کر مناسب اقدامات کرے چنانچہ صوبہ ومرکزی جمیعۃ کی کوششوں سے اس مسئلہ کے حل میں مدد ملی اور دشمنوں

کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

معابد اور ماثر کی حفاظت:

بابری مسجد جس کی تعمیر ہندوستان کے مشہور حکمراں بابر کے گورنر میر باقی نے ۱۵۲۸ء میں ایک خالی زمین پر کرائی تھی جس میں ۴۳۴ سال ہجری حساب سے اور ۴۲۱ سال عیسوی حساب سے امام وموذن کی تعیین کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی جاتی رہی لیکن انگریزوں کی تفرقہ بازی کی ذہنیت نے اسے ہندو مسلم کے مابین شدید نزاعی معاملہ بنا دیا اور بعض ہندو تنظیموں کی جانب سے بابری مسجد پر حق ملکیت کا دعویٰ کیا جانے لگا کہ یہ مسجد مندر توڑ کر بنائی گئی ہے اور یہ جگہ رام جنم بھومی ہے جبکہ فریق مخالف کے پاس اس پر کوئی دلیل وثبوت نہیں ۱۹۳۴ء میں بابری مسجد کے مسئلہ پر دونوں فرقوں میں زبردست تصادم ہوا، بلوائیوں نے مسجد کی دیوار منہدم کر دی اور بعض کتبات اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے پھر ۲۲؍دسمبر ۴۹ء کو کچھ شر پسندوں نے رات میں چوری چھپکے سے مسجد کے اندر رام چندر جی کی مورتی رکھ دی، جمعیۃ علماء نے اس واقعہ پر سربراہان حکومت سے سخت احتجاج کیا اور ۱۶؍جنوری ۱۹۵۰ء کو عدالت میں مقدمہ دائر کر کے قانونی چارہ جوئی شروع کر دی۔ ۱۹۶۱ء تک یہ مقدمہ مسلسل عدالت میں زیر سماعت رہا لیکن اس میں بعض قانونی سقم تھا جس سے مسجد کے ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ تھا، ۱۹۶۱ء میں حضرت مولانا مدنیؒ نے دیگر رفقاء کے ساتھ وکلاء اور اعلیٰ قانون داں حضرات سے مشورہ کیا اور اس کے نتیجہ میں یہ طے پایا کہ خود حکومت اور تمام برادران وطن کو مدعی علیہم قرار دیکر اس طرح مقدمہ قائم کر دیا جائے کہ اسے سپریم کورٹ بھی قبول کرلے۔ چنانچہ جمعیۃ علماء اور سنی وقف بورڈ کی جانب سے ۱۸؍دسمبر ۱۹۶۱ء کو یہ مقدمہ سول جج فیض آباد کی عدالت میں دائر کیا گیا جس میں گوپال سنگھ وشارہ، رام چندر پرم ہنس وغیرہ کو مدعی علیہم بنایا گیا جس میں کثیر رقم کا صرف بھی آیا اور وکلاء وغیرہ سے ملاقات اور قانونی معلومات کے لیے جد وجہد بھی کرنی پڑی لیکن اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا دعویٰ مضبوط ہو گیا اور بہرائچ کی ایک مسجد کا قضیہ جو کافی دنوں سے چل رہا تھا اس کا تصفیہ کرایا۔

ان تمام مسائل کے علاوہ صوبہ کے وہ مسلمان جو ۴۷ء میں حالات کی وجہ سے پاکستان چلے گئے تھے مگر یا تو ان کی واپسی میں دشواریاں تھیں یا واپسی کے بعد شہریت کے حقوق نہیں مل رہے تھے۔ مولانا مدنیؒ نے حکومت سے ان کے حقوقِ شہریت دیے جانے کا مطالبہ کیا۔

وسیع ملی خدمات کے تقاضے کے سبب دارالعلوم سے سبکدوشی:

فدائے ملتؒ نے ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اس

کے بعد چند سال آپ کا مدینہ منورہ میں قیام رہا، ۲۸؍شوال ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء کو آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے تقرر ہوا اور آپ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء تک باقاعدہ مدرس رہے اور اس درمیان آپ سے زیادہ تر درجات متوسط کی کتابیں متعلق رہیں لیکن بعض ناگزیر حالات اور وسیع ملی خدمات کے تقاضے نے آپ کو تدریس سے سبکدوشی پر مجبور کیا اور اگر چہ اس علیحدگی پر لوگوں کو تعجب اور افسوس بھی ہوا لیکن اس کے بعد آپ کے ذریعہ اللہ نے جو وسیع دینی وملی خدمات لیں تو اکابر ملت نے آپ کے فیصلہ کی ہمنوائی کی اور سراہا۔ معروف صحافی ناز انصاری مرحوم اپنا واقعہ لکھتے ہیں ''مولانا منظور نعمانی سے ایک روز اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انھوں نے فرمایا پہلے ہم لوگوں کا بھی یہی خیال تھا کہ ابھی مولانا اسعد میاں کو دارالعلوم سے وابستہ رہنا چاہئے تھا لیکن بعد کے واقعات نے یہ ثابت کیا یہ تبدیلی چاہے مولانا اسعد صاحب کی ذات کے لیے مفید نہ رہی ہو مگر جمعیۃ علماء کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ یوپی میں جمعیۃ علماء کو ایک نئی زندگی مل گئی۔ اس میں حرکت پیدا ہوگئی اور آج پورے صوبہ میں تمام شاخیں زندہ اور سرگرم ہوگئی ہیں۔ جماعت کو بڑی قوت ملی ہے اور سارے صوبہ میں کام ہو رہا ہے۔ (الجمعیۃ خصوصی اشاعت:۲۷)

میرٹھ کا معرکہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب بھی ملک، جماعت، یا تنظیم پر قیادت کے اعتبار سی کمزوری آتی ہے خواہ نفس الامر میں اس کا سبب کچھ بھی ہو فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ بھی یہی حادثہ پیش آیا کہ جب مجاہد ملتؒ کی صورت میں جمعیۃ ایک بالغ نظر فعال قیادت سے محروم ہوئی تو عہدۂ صدارت کو لے کر ایک انتشار برپا ہوا۔ فخر المحدثین مولانا فخر الدین صاحبؒ جن کو اجین اجلاس عام ۱۹۶۰ء سے قبل جمعیۃ علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا تھا ۱۹۶۲ء میں آپ کی دو سالہ مدت صدارت پوری ہو رہی تھی اسی درمیان مجاہد ملتؒ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی وفات کا حادثہ فاجعہ پیش آ گیا اگلی ملت صدارت کے لیے بہت سے طالع آزما میدان مقابلہ میں کود پڑے جس سے جماعت میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوگئی ابھی لوگ مجاہد ملت کے غم سے اپنے آپ کو سنبھال بھی نہیں پائے تھے کہ جماعت کو ایک نئے طوفان نے آ گھیرا۔ جماعت کے تئیں لوگ امید وبیم میں مبتلا ہونے لگے متوقع امیدواروں کی جانب سے ذہن سازی اور کنونسنگ شروع ہوگئی جماعت کے دو حصوں میں منقسم ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہو گیا، اس موقع پر نہایت ہمت وجرأت کا ثبوت دیتے ہوئے فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علماء یوپی ورکن مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند سامنے آئے اور ۸؍ستمبر ۱۹۶۲ء کی مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند میں اکیسویں اجلاس

عام کی میزبانی کی دعوت پیش کی جس کو مجلس عاملہ نے قبول کرلیا۔ ۷؍تا ۱۰؍جون ۱۹۶۳ء بمقام میرٹھ اجلاس عام کی تاریخ طے ہوئی جماعتی صفوں میں انتشار کے سبب میزبانی کی دعوت آپ کے لیے کھلا چیلنج تھا لیکن جس کی رگوں میں حسینی خون گردش کر رہا تھا وہ چیلنجوں سے کب گھبرانے والا تھا۔ پوری ہمت وجرأت سے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے طوفانی دورے کیے شبانہ روز کی کوشش سے اجلاس تاریخی کامیابی سے ہمکنار ہوا اور جمعیۃ کی تاریخ میں ایک نیا نقش چھوڑ کر گیا۔ اس اجلاس میں جمعیۃ علماء کی نئی شیرازہ بندی ہوئی مصالحت کی کارروائی انجام پائی اور وہ انتشار جو مجاہد ملتؒ کی وفات کے بعد برپا ہوا تھا وہ تھم گیا اور جماعت کی صفوں میں افسردگی کے ماحول کا خاتمہ ہوا اور جماعت نے ایک نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ میدان عمل میں قدم رکھا۔ اس اجلاس کی کامیابی میں حضرت مولانا سیّد اسعد مدنیؒ کا نمایاں رول رہا اور صحیح معنی میں آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کے جوہر اسی موقع پر کھلے اس لیے اجلاس کے دوران اور اجلاس کے بعد آپ کا خوب خوب چرچا رہا اور صدائے تحسین پیش کی گئی۔ اخبار مدینہ کے ایڈیٹر مفتی عزیز الرحمٰن صاحب جو اجلاس کے عینی شاہد تھے اپنے تاثراتی نوٹ میں تحریر فرمایا ہے: ''اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام تنہا مولانا اسعد میاں کی کوششوں کا نتیجہ ہے اگر موصوف کی اس قدر دوڑ دھوپ اور کوشش نہ ہوتی تو شاید یہ اجلاس نہ ہوسکتا یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس اجلاس کی وجہ سے موصوف کی شخصیت آل انڈیا شخصیت بن گئی ہے جس کی وجہ سے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مستقبل قریب میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی سیاسی شخصیت بن جائے گی۔ (اخبار مدینہ بجنور، ۱۱؍جون ۶۳ء)

ناظم عمومی جمعیۃ علماء کے ہند کے منصب پر:

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد ناظم عمومی کا منصب سید الملت حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ کو سپرد کیا گیا تھا لیکن تقریباً ایک سال کی مدت کے اجلاس میرٹھ کے موقع پر آپ نے اس ذمہ داری سے سبکدوشی اختیار کرلی۔ جمعیۃ علماء ہند ایک نازک موڑ پر کھڑی تھی جماعت کے مؤسسین وقائدین کے یکے بعد دیگرے رحلت سے صف قیادت خالی تھی جماعت کو ضرورت تھی ایک ایسے قائد کی جو مجاہدانہ جذبات وعزم کے ساتھ اصابت رائے وفکر کا مالک ہو میرٹھ کے اجلاس سے مولانا مدنیؒ کے قوت ارادی، عزم وحوصلہ اور جرأت وہمت کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا بلکہ لوگوں کو مجاہد ملت کی صاف تصویر آپ کی صورت میں نظر آرہی تھی چنانچہ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ نے مجلس عاملہ کے مشورہ سے ۹؍اگست ۱۹۶۳ء کو جمعیۃ علماء ہند کا

آپ کو ناظم عمومی نامزد کیا جو جمعیۃ کا ایک تاریخ ساز فیصلہ تھا اور حق بحق دار رسید کا مصداق تھا، جمعیۃ کو اپنے جس مخلص قائد اور معمار کی تلاش وجستجو تھی وہ معمار اور قائد اس کو مل گیا اور جمعیۃ علماء اپنی شان رفعت و بلندی کی جانب رواں دواں ہوگئی۔ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۳ء تک آپ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کے منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۷۳ء میں آپ جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر منتخب ہوئے اور تا زیست ۲۰۰۶ء اس منصب کو آپ نے زینت بخشی، نصف صدی سے زائد عرصہ میں آپ نے جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے جو ملی و دینی خدمات انجام دی ہیں وہ جمعیۃ علماء کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے جس کی تفصیل کی قلم کو یارا نہیں۔

کبھی فرصت سے سن لینا بڑی داستاں میری

○○